بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل القران علی محمد رسولہ علیہ السلام ھدایتہ للانام والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد قد ھد انا بہ الی الاسلام و علی الہ واصحابہ الی یوم القیام ۔

امابعد۔ جبکہ غدر کا زمانہ گزر گیا اور مسلمانوں پر بھی جو کچھ گذرنا تھا گذر گیا تو مجھ کو اپنی قوم کی اصلاح کی فکر ہوئی۔ میں نے اس میں بہت غور کی اور ایک زمانہ دراز کے غور کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ان کی دینی و دنیوی اصلاح بغیر اس کے کہ ان کو علوم و فنون جدیدہ میں جو اور قوموں کے سرمایہ افتخار ہیں اور اس زبان میں جو ہم پر بمشیتہ اللہ حکومت کرتی ہے تعلیم نہ دیجاوے اور کسی طرح ممکن نہیں۔

اس طریقہ سے دنیوی اصلاح کے ہونے کا تو ایسا مسئلہ تھا جس میں کچھ اختلاف نہیں ہو سکتا مگر یہ مسئلہ کہ دینی اصلاح کے لئے بھی وہ مفید ہے معرض بحث میں تھا۔ بلکہ کوئی بھی اس کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ یہ بات ظاہر تھی۔ کہ جن لوگوں نے ان علوم میں توغل کیا۔ خواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان یا ہندو۔ انہوں نے اپنے مذہبی عقائد سے ہاتھ دھویا۔ اس لئے کہ انہوں نے علوم جدید کے مسائل کو سچ اور صحیح اور درست جانا۔ اور عقائد مذہبی کو جب اس کے برخلاف پایا۔ تو اس کو غلط مانا۔

یہ مشکل کچھ اسی وقت میں پیش نہیں آئی۔ بلکہ اس وقت بھی پیش آئی تھی جبکہ فلسفہ یونانی مسلمانوں میں پھیلا تھا اور مذہبی اصول و عقائد کو اس نے درہم و برہم کر دیا تھا۔ مگر اس زمانہ کے علما نے اس پر توجہ کی اور علم کلام ایجاد کیا اور مذہب کی حمایت میں فلسفہ یونانی سے مقابلہ کیا اور انہوں نے صرف تین کام کئے۔ یا تو مسائل مذہبی کو فلسفہ یونانی کے مطابق کر دکھایا۔

یا ان کے دلائل کو غلط کر دیا۔ یا مشتبہ۔ مگر اس زمانہ میں جو سخت مشکل پیش آئی ہے وہ یہ ہے کہ فلسفہ اور طبیعیات یونانی بھی جس کی بنا پر اس زمانہ کے علما نے بہت سے مذہبی مسائل بھی قائم کئے تھے علوم جدیدہ سے غلط ثابت ہوا ہے اور علوم جدیدہ کے دلائل صرف قیاسی اور فرضی ہی نہیں رہے بلکہ تجربہ اور عمل نے ان کو درجہ مشاہدہ تک پہنچا دیا ہے۔ یہاں تک کہ عام طور پر مسئلہ محقق مانا جانے لگا کہ علوم مذہب کے مخالف ہیں اور وہ مذہب کو اسی طرح جلا دیتے ہیں جیسے چھوٹے پودے کو پالا۔

جبکہ میں نے علوم جدیدہ و انگریزی زبان کو مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کی تو مجھ کو خیال ہوا کہ کیا درحقیقت وہ علوم مذہب اسلام کے ایسے ہی برخلاف ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ میں نے بقدر اپنی طاقت کے تفسیروں کو پڑھا۔ اور بجز ان مضامین کے جو علم ادب سے علاقہ رکھتے ہیں باقی کو محض فضول اور مملو بروایات ضعیف و موضوع اور قصص بے سروپا سے پایا جو اکثر یہودیوں کے قصوں سے اخذ کئے گئے تھے۔ پھر میں نے بقدر اپنی استعداد و طاقت کے کتب اصول تفسیر پر توجہ کی۔ اس امید سے کہ ان میں ضرور کوئی ایسے اصول قائم کئے ہونگے جن کا ماخذ خود قرآن مجید یا کوئی اور ایسا ہو گا۔ جس پر کچھ کلام نہ ہو سکے۔ مگر ان میں بجز اس قسم کے بیان کے کہ قرآن مجید میں فلاں فلاں علم ہیں۔ مثلاً فقہ و کلام و وعظ اور اسباب خفائے نظم قرآن و لطافت نظم اور بیان اختلاف تفاسیر کے یا شرح غریب قرآن کے اور کچھ نہیں ہے۔ جو زیادہ مبسوط ہیں ان میں آیات مکی و مدنی۔ صیفی و شتائی۔ یومی و لیلی اور ان کے حروف و کلمات یا بحث مجاز وغیرہ کے کوئی ایسے اصول نہیں بتائے ہیں جن سے وہ مشکلات جو درپیش ہیں حل ہو سکیں۔

پھر میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن مجید پر غور کی اور چاہا کہ قرآن ہی سے سمجھنا چاہیے کہ اس کا نظم کن اصولوں پر واقع ہوا ہے۔ اور جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور میں نے پایا کہ جو اصول خود قرآن مجید سے نکلتے ہیں ان کے مطابق کوئی مخالفت علوم جدیدہ میں نہ اسلام سے ہے اور نہ قرآن سے۔ اگر راست پرسی من شاکر قرآن عظیم ام و ہذا قولی کما قال شاہ ولی اللہ۔ پھر میں نے انہیں اصول پر ایک تفسیر قرآن مجید کی لکھنی شروع کی جو اس وقت سورۃ النحل تک ہو چکی ہے۔

اس تفسیر کے چھپنے اور مشتہر ہونے پر لوگوں نے مخالفت کی اور اس کی تردید میں کتابیں لکھیں میں نے ان پر کچھ التفات نہیں کیا اور نہ دیکھا۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ انہوں نے کیا لکھا ہو گا۔ مگر ان دنوں میں پیارے مہدی نواب محسن الملک نے مجھے دو خط لکھے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی تفسیر کے بعض یا اکثر مقامات کی نسبت اسی قسم کے شبہات ہیں جو اور لوگوں کو ہیں۔ اور وہ دونوں خط اور ان کے جواب یہ ہیں۔

پہلا خط نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان کا

بنام

سید احمد خان

حیدر آباد دکن — ۹ اگست ۱۸۹۲ء

جناب عالی

+ + + + + + + + + + + + + + + + +

دوسری بات لکھنے کی یہ ہے کہ آجکل میں آپ کی تفسیر لکھ رہا ہوں جسے درحقیقت ابتک اچھی طرح بلکہ سرسری طور پر بھی نہ دیکھا تھا اور اُسکے نہ دیکھنے کا سبب آپسے کہہ بھی دیا تھا۔ غالباً آپ اس بات کے سننے سے تو خوش نہ ہونگے کہ میں اب تک آپ کی رایوں سے اتفاق نہیں کرتا۔ اور ہر بحث میں اُسے قرآن کی وہ تفسیر جس کو کوئی قرآن کے مطالب کی تشریح اور تفصیل اور تفسیر سمجھے نہیں سمجھتا بلکہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ تصور کرتا ہوں۔ مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ جس مضمون کو آپ نے لکھا ہے ایسی عمدگی اور خوبی اور صفائی سے بیان کیا ہے کہ اگر آدمی نہایت ہی راسخ الاعتقاد نہ ہو۔ تو ضرور اُس کی تصدیق کرنے لگے اور بلا شبہ ایک جادو کئے ہوئے آدمی کی طرح آمنّا و صدقنا پکارنے لگے۔ واقعی خدا نے نیچر کے حالات کو الفاظ میں ادا کرنے اور تحریر میں لانیکی عجیب حیرت انگیز قوت اور طاقت آپ کو دی ہے کہ اگر اُسے جادو کہیں یا سحر تو بے محل نہ ہو۔ مگر افسوس ہے کہ آپنے اُن مسائل کو جو آجکل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہیں ہیں صحیح اور یقینی اور غیر قابل الاعتراض سمجھتے ہیں مان لیا اور قرآن کی آیتوں کو جن میں اُن کا ذکر ہے ایسا مأول کر دیا کہ وہ تاویل ایسے درجہ پر پہنچ گئی کہ اُس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہو سکتا۔ آپنے مسلمان مفسروں کو تو خوب گالیاں دیں اور بڑا بھلا کہا اور یہودیوں کو مقلد بنایا۔ مگر آپنے خود اس زمانہ کے لامذہبوں کی باتوں پر ایسا یقین کر لیا کہ اُن کو مسائل محققہ صحیحہ یقینیہ قرار دیکر تمام آیتوں کو قرآن کے مأول کر دیا۔ اور لطف یہ ہے کہ آپ اُسے تاویل بھی نہیں کہتے (تاویل کو تو آپ کفر سمجھتے ہیں) بلکہ صحیح تفسیر اور اصلی تفسیر قرآن کی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نہ سیاق کلام نہ الفاظ قرآنی نہ محاورات عرب کے اُس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر آپ میرے اس شبہ کو کسی طرح دور کر سکیں تو مجھے ایسی خوشی ہو کہ کسی اور چیز سے نہ ہو۔ اس لئے کہ اکثر مقامات اُسکے ایسے عمدہ اور پاکیزہ اور اعلٰے درجے کے ہیں کہ بعد قرآن و حدیث کے اگر کوئی اُسے ورد زبان کرے اور دل پر نقش تو دنیا میں عالم اور سچا مسلمان ہو اور عاقبت میں اُن ثوابوں کا مستحق ہو جو سچے مسلمانوں کے لیے خدا نے مقرر کئے ہیں ۔

محسن الملک

جواب از طرف سید احمد خان

مکرم مہدی

+ + + + + + + + + + + + + + + + + + + +

میں نہایت خوش ہوں کہ آپ نے میری تفسیر کو دیکھنا شروع کیا ہے مجھے نہایت خوشی ہے۔ کہ آپ اُس کو مخالفانہ اور غیر معتقدانہ طور پر دیکھیں اور اُس کی ایک بات پر بھی یقین نہ کریں سب کو غلط سمجھیں مگر اُس کو دیکھیں اور غور سے پڑھیں +

آپ نے اس خط میں لکھا ہے کہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ تصور کرتا ہوں یقینی آپکے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی تو آئی نہیں جس سے آپ کو ثابت ہوا ہو کہ اس قول سے مرضی قائل یعنی خدا کی یہ نہیں ہے۔ پس ضرور ہے کہ کوئی اور ذریعہ آپکے پاس ہے جس کی وجہ سے آپنے تفسیر کے مقامات کو ما لا یرضی بہ قائلہ قرار دیا ہے +

میں نے بہت سوچا کہ وہ ذریعہ آپکے پاس کیا ہے اور وہ ذریعے دو معلوم ہوئے۔ اوّل بچپن کی تربیت بچپن سے باتوں کو سنتے سنتے اُن کا نقش کالحجر دل میں ہو جاتا ہے جس کا مٹانا بہت ہی زبردست دل اور نہایت ہی قوت ایمانیہ کا اور بہت ہی غور و فکر کا کام ہے +

دوسرا ذریعہ جو پہلے ذریعہ کا شعبہ ہے۔ مگر اُس پہلے کو نہایت قوی اور مضبوط کرنیوالا ہے وہ علما کے اقوال اور تفاسیر کے سند رطب و یابس روایتیں اور قصے ہیں۔ گو آپنے اسی خط میں ایک فقرہ لکھا ہے۔ کہ "میرے نزدیک یہ ساری خرابیاں غلط مذہبی خیالات اور تقلید سے پیدا ہوئی ہیں اور مسلمانوں کو اسی کمبخت تقلید نے اندھا۔ بہرا۔ گونگا بنا دیا ہے"* مگر افسوس ہے کہ تم یہ خیال نہیں کرتے۔ کہ خود تمہارا بھی یہی حال ہے۔ آبائی خیالات کو اور خصوصاً ایسے خیالات کو جو مذہبی روایتوں پر مبنی ہیں چھوڑنا نہایت مشکل ہے۔ آپ یہ دعوےٰ نہ کریں کہ میں آبائی مذہب کو چھوڑ کر شیعہ سے سنی ہو گیا ہوں۔ اوّل تو بہت سے اسباب آپکے گرد ایسے جمع تھے۔ کہ جن کے سبب سے شیعہ مذہب نے بخوبی جڑ دل میں نہیں پکڑی تھی۔ علاوہ اس کے یہ تبدل صرف جزئیات میں تھا جو قابل اعتبار نہیں ہے۔ مگر جن امور کو آپ تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ قرار دیتے ہیں۔ اُن کی جڑ بہت زیادہ گہری اور نہایت مضبوط دل میں بیٹھی ہوئی ہے اُس کا اُکھیڑنا اور اس کی دوسری بات کا بٹھانا گو کہ وہ دوسری بات کیسی ہی سچ و صحیح ہو بہت زیادہ دشوار اور بہت زیادہ مشکل ہے علیٰ الخصوص جبکہ آپکے پاس کوئی دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ آپ تفسیر کو تفسیر القول بما لا یرضی

* خود واضح ہو کہ یہ فقرہ خط کے پہلے فقرے میں ہے جو چھوڑ دیا ہے اس لئے کہ وہ متعلق الٰہ آباد کانفرنس کے جھگڑے کا تھا۔ تفسیر کے مضمون سے متعلق نہیں تھا۔ — سید احمد +

بہ قائلہ سے تعبیر کریں۔ ہاں اُس کو غلط سمجھیں۔ اُس کو تسلیم نہ کریں یہ دوسری بات ہے۔ مگر ما لا یرضی بہ قائلہ نہیں کہہ سکتے ✦

آپنے اپنے خط میں لکھا ہے۔ کہ " افسوس ہے کہ آپ اُن مسائل کو جو آج کل یورپ کے وہ تعلیم یافتہ لوگ جو مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہیں ہیں صحیح اور یقینی اور غیر قابل الاعتراض سمجھتے ہیں مان لیا ہے اور قرآن کی آیتوں کو جن میں اُن مسائل کا ذکر ہے ایسا ماؤل کر دیا ہے کہ وہ تاویل ایسے درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ کہ اُس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہو سکتا ✦

تمہارے اس فقرے سے میں خوش بھی ہوا اور متعجب بھی ہوا۔ خوش تو اس لئے ہوا کہ تم نے اُس پر تاویل کا صادق آنا نہیں مانا۔ کیونکہ میں قرآن مجید میں تاویل کو مطابق اُس کے مفہوم عام کے کفر سمجھتا ہوں ✦

متعجب اس لئے ہوا کہ تم نے اُس فقرے میں یہ قید کیوں لگائی ہے کہ جو " مذہب کے پورے پابند اور معتقد نہیں ہیں " کیا اگر کوئی لامذہب یعنی غیر معتقد کسی مذہب کا مذاہب موجودہ میں سے یہ بات کہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ تو کیا اُس کے لامذہب ہونے سے یہ بات غلط ہو جاوے گی۔ اگر کوئی نہایت پابند مذہب کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں۔ تو کیا اُس کے پابند مذہب ہونے سے یہ بات صحیح ہو جاوے گی۔ حاشا و کلا ✦

ہاں ایک بات آپنے بہت صحیح لکھی ہے کہ اگر آپ میری تفسیر کے کسی مقام کو خلاف سیاق کلام (اگرچہ مجھکو نہایت شبہ ہے کہ تم اس بات کو سمجھے بھی ہو کہ قرآن مجید کا سیاق کلام کیا ہے اور کس طور پر ہے) اور خلاف الفاظ قرآن اور خلاف محاورہ عرب جاہلیت ثابت کر دو۔ تو میں اُسی وقت اپنی غلطی کا مقر ہو جاؤنگا مگر مجاز و حقیقت میں یا استعارہ و کنایہ یا خطابیات میں بحث مت کرنا کیونکہ جیسا تم کو کسی لفظ کے حقیقی یا لغوی معنی لینے کا حق ہے ویسا ہی مجھ کو اُسکے مجازی معنی لینے یا استعارہ اور کنایہ یا از قسم خطابیات قرار دینے کا حق ہے اور اُس کے لئے ایک عام مثل دینی کافی ہے جیسے کہ علماء نے نسبت خدا کے ید اور وجہ اور استوا علی العرش اور ہبوط کے مذاہب مختلف اختیار کئے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ شاید تم بھی اُنکے حقیقی اور لغوی معنی نہیں لیتے اور اُسکے لئے کوئی وجہ رکھتے ہو۔ اُسی طرح میں بھی ایسا کرنے کے لئے قطعی اور یقینی وجہ رکھتا ہوں۔ پس اُس پر بحث بحث نہ ہو گی بلکہ مکابرہ ہو گا ✦

جانِ من حقیقت یہ ہے۔ کہ تم نے خدا کی عظمت کا جس عظمت کے وہ لائق ہے اور قرآن مجید کی صداقت کا جس صداقت کے وہ لائق ہے اور مذہب اسلام کی عزت اور سچائی کا جس عزت اور سچائی کے وہ لائق ہے اپنے دل پر نقش کا مجربہ نہیں کیا ہے اس لئے تمہاری رائے یا تمہارا دل۔ اور تمہارا ایمان ڈانواں ڈول ہوتا ہے۔ اگر تمام خیالات کو دل سے محو کر کے یہ سچا اور دلی یقین کر لو کہ خدا سچا ہے اور قرآن اُس کا کلام

اور بالکل سچا ہے تو تم کو اِس قسم کے شبہات ہرگز پیدا نہ ہوں +

پس سمجھو کہ تفسیر لکھنے میں میرے اصول کیا ہیں سو اُنکے بالاستیعاب بیان کرنے کے لیے تو ایک رسالہ مستقل چاہیے۔ مگر میں چند کو جو مقدم ہیں بتلاتا ہوں +

پہلا اصول یہ ہے کہ خدا سچا ہے اور قرآن مجید اُس کا کلام اور بالکل سچ اور صحیح ہے۔ کوئی علم یعنی سچ اُس کو جھٹلا نہیں سکتا بلکہ اُس کی سچائی پر زیادہ روشنی ڈالتا ہے +

دوسرا اصول یہ ہے کہ اب ہمارے سامنے دو چیزیں موجود ہیں (۱) ورک آف گاڈ یعنی خدا کے کام (۲) ورڈ آف گاڈ یعنی خدا کا کلام یعنی قرآن مجید اور ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتا۔ اگر مختلف ہو۔ تو ورک آف گاڈ تو موجود ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس لیے ورڈ آف گاڈ جس کو کہا جاتا ہے اُس کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔ نعوذباللہ منہا اس لیے ضرور ہے۔ کہ دونوں متحد ہوں +

تیسرا اصول۔ ورک آف گاڈ یعنی قانون قدرت ایک عملی عہد خدا کا ہے۔ اور وعدہ اور وعید یہ قولی معاہدہ ہے۔ اور اُن دونوں میں سے کوئی بھی خلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ اُس کی تسلیم سے خدا کی قدرت مطلق میں نقصان آتا ہے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا خیال ہے۔ محض غلط اور وہم اور ناسمجھی ہے۔ اِس راز کے سمجھانے کو چند سطریں کافی نہیں +

چوتھا اصول۔ خواہ یہ تسلیم کرو کہ انسان مذہب یعنی خدا کی عبادت کے لیے پیدا ہوا ہے خواہ یہ کہو کہ مذہب انسان کے لیے بنایا گیا ہے۔ دونوں حالتوں میں ضرور ہے کہ انسان میں بہ نسبت دیگر حیوانات کے کوئی ایسی چیز ہو۔ کہ وہ اُس بار کے اُٹھانے کا مکلف ہو۔ اور انسان میں وہ شے کیا ہے؟ عقل ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ جو مذہب اس کو دیا جاوے وہ عقل انسانی کے مافوق نہ ہو (مجھکو افسوس ہے کہ تم ہرگز نہیں سمجھتے کہ عقل انسانی اور عقل شخصی میں کیا فرق ہے) اگر وہ عقل انسانی کے مافوق ہے تو انسان اُس کا مکلف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کی ایسی مثال ہوگی جیسے کہ بیل یا گدھے کو امرونی کا مکلف قرار دیا جاوے یا جونپور کا قاضی بنا دیا جاوے +

مذہب اسلام اور خدا کا کلام اِن تمام نقصانوں سے پاک ہے وہ بتاتا ہے کہ تم سمجھو لو اور سمجھکر یقین کر لو کہ جو کچھ خدا بتاتا ہے اور کہتا ہے وہ سچ ہے۔ اس سے زیادہ سچائی کیا ہو سکتی ہے جو بانی اسلام کی زبان سے کہدینے کو خدا نے فرمایا ہے۔ انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد انما انا بشیر و نذیر۔ جان من مذہب اسلام اور خدا کے کلام کو دیو پری کے قصے مت بناؤ۔ ورنہ جو فوقیت اسلام کو دوسرے مذاہب باطلہ سے ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے۔ اور انسان جو عقل انسانی کی ہے سے قابل یقین نہیں رہتا +

جاہل ایک بات کو جو عقل انسانی کے مافوق ہے مان سکتا ہے اس وجہ پر کہ فلاں بزرگ نے کہی ہے اور اس کا ایمان مضبوط رہتا ہے۔ کیونکہ وہ اسکے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ مگر جس کو خدا نے عقل انسانی یا اُس کا کوئی حصہ عطا کیا ہے وہ ایسی بات پر جو کہ مافوق عقل انسانی ہے یقین نہیں کر سکتا +

میں نے بہت سے عالموں کو یہ بات کہتے سنا ہے اور شاید تم پر بھی گذرا ہوگا کہ فلاں بات دل میں تو نہیں جمتی یا سمجھ میں تو نہیں آتی مگر قرآن یا حدیث میں آئی ہے مان لینی چاہئے۔ اس طرح مان لینے پر یقین اور ایمان کامل کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ گو کہ نجات کے لئے کافی ہو +

اب تمہارے دل میں بہت سے شبہات پیدا ہونگے اور تم خیال کروگے کہ مذہب اسلام اور قرآن مجید میں تو بہت باتیں مافوق عقل انسانی ہیں۔ مگر یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہے۔ قرآن مجید اس نقصان سے پاک ہے +

تم نے بہت مدت تک نوکری کی اب اُس کو چھوڑ دو علیگڈھ میں چلے آؤ یہاں رہو چند مدت کی گفتگو اور سمجھانے اور بتانے کے بعد تم کو ثابت ہو جاوے گا کہ اسلام میں اور قرآن مجید میں کوئی بات مافوق عقل انسانی نہیں ہے۔ والسلام +

الہ آباد
۱۷۔ اگست ۱۸۹۲ء

خاکسار
سید احمد

دوسرا خط نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علیخان کا

بنام

سید احمد

حیدرآباد دکن

۱۹۔ ستمبر ۱۸۹۲ء

جناب عالی

آپ کا خط ۱۷۔ اگست کا لکھا ہوا پہنچا۔ مجھے اس کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ کہ اُن دو فقروں پر جو یونہی سرسری طور پر میرے قلم سے آپ کی تفسیر کی نسبت نکل گئے تھے۔ آپ اتنی توجہ فرماوینگے اور اُس کے متعلق ایسا بڑا خط لکھیں گے۔ مگر میں نہایت خوش ہوں۔ کہ آپنے اُس پر ایسی توجہ فرمائی اور مجھے اپنے شبہات کا زیادہ تفصیل سے عرض کرنیکا موقع دیا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ نہایت ٹھنڈے دل سے میری اس تحریر کو ملاحظ فرماوینگے اور محققانہ جواب سے میرے دل کے سارے شکوک دور کر دینگے آپ یقین کیجئے کہ میں اگرچہ آپکے نزدیک آبائی تقلید کی دلدل میں پھنسا ہوں۔ مگر اُس سے نکلنے پر آمادہ ہوں۔ بشرطیکہ آپ مجھے ثابت کر دیں کہ میں درحقیقت کسی ایسی دلدل میں پھنسا ہوں اور یہ کہ اُس سے

نکلنے کے بعد کسی ایسے گہرے تاریک اور آگ سے بھرے ہوئے غار میں گرنیکا اندیشہ نہیں ہے جسکی نسبت میرے حق میں دلدل میں پھنسا رہنا زیادہ مفید ہے +

حضرت - آپ نے اٹھارہ برس کے بعد میرے دل پر تازیانہ لگایا ہے اور بھرے ہوئے زخم کو پھر ہرا کیا ہے اگر اس کے درد سے میں چلاؤں اور نالہ و شیون کردوں تو مجھے معذور سمجھئے اور میرے شور و فغاں کو سنکر میرے درد کی دوا تو بتایئے - ایسا نہ ہو کہ آپ اور چوٹ لگادیں اور مجھے چلانے اور غل مچانے پر زیادہ مجبور کر دیں +

جناب والا - آپ نے میرے اس خیال کی نسبت جو آپ کی تفسیر کی نسبت ہے دو سبب قرار دیئے ہیں - ایک آبائی خیالات کی پابندی - دوسرے علما کے اقوال اور تفاسیر پر یقین - پہلے امر کی نسبت میں تسلیم کرتا ہوں کہ خدا نے اپنی مہربانی سے مجھے مسلمان کے گھر میں پیدا کیا - بچپن سے میرے کان میں اسلام کی باتیں ڈالیں - لڑکپن سے میں اسلامی باتیں سنتا رہا اور بلاشبہ ان کا بہت بڑا اثر میرے دل پر ہوا - مگر میں یہ بات نہیں مان سکتا کہ جو کچھ میں نے سنا اور جو کچھ سنی ہوئی باتوں کا اثر میرے دل پر ہوا وہ عموماً ایسا قوی تھا - کہ اس کو میں دل سے مٹا نہیں سکا - میں اپنی زندگی کے پچھلے دنوں پر جب ایک سرسری نظر ڈالتا ہوں تو ایک بہت بڑا سلسلہ ایسے خیالات اور اعتقادات کا پاتا ہوں جن میں نہایت تغیر و تبدل ہوا ہے - بہت سی چیزیں ایسی دیکھتا ہوں جنکو میں اوّل صحیح سمجھتا تھا مگر اب غلط جانتا ہوں اور بہت سے خیالات ایسے ہیں جن کو ایک زمانہ میں برا سمجھتا تھا مگر اب اچھا سمجھتا ہوں - پھر میں یہ تغیر خیالات کا صرف جزئیات میں نہیں پاتا بلکہ اصول اور کلیات میں بھی - پس اگر آپکے ارشاد کے موافق آبائی تقلید کی جڑ میرے دل میں ایسی مضبوط ہوتی - کہ کسی طرح وہ اکھڑ نہ سکتی - تو میں اپنے دل سے ایسے خیالات کو جو لڑکپن سے میرے دل میں جمے ہوئے تھے کیونکر اکھاڑ کر پھینک دیتا اور بہت سی ایسی باتوں کو جو سنتے سنتے کالنقش فی الحجر ہو گئی تھیں حرف غلط کی طرح صفحۂ دل سے کس طرح مٹا سکتا - اس لئے جہاں تک میں اپنے دل کو دیکھتا ہوں اسے حق کے قبول پر آمادہ اور آبائی خیالات اور رسم و رواج اور قوم اور برادری کی پابندی سے آزاد پاتا ہوں - اس پر میری رائے جبکہ آپ کی تفسیر کے بعض مضامین سے ایسی مخالف ہے کہ اس کی نسبت لقول بما لا یرضی بہ قائلہ کہہ بیٹھا تو اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا - بظاہر حالات تو مقتضے اس کے تھے کہ میں آپ کی رائے سے اتفاق کرتا - اور آپ کے ہر خیال کو اچھا سمجھتا - اس لئے کہ علاوہ اس یقین کے کہ جو مجھے آپ کے اسلام اور عالی دماغی اور بلند خیالی اور پاک باطنی پر ہے میرے دل کو آپ سے وہ نسبت ہے جو لوہے کو مقناطیس سے - جس طرح کہ اس کے اختیار سے خارج ہے کہ مقناطیس کی طرف نہ جھکے اور اپنے آپ کو اس کی کشش سے بچا سکے اسی طرح میرے امکان میں نہیں ہے کہ آپ کی بات

نہ مانوں اور آپ کے خیالات کا ہمصفیر نہ ہوں۔ مگر باوجود اس کے جب کہ میں آپ کی تفسیر کے بعض مضامین کا مخالف ہوا اور مخالف بھی ایسا کہ اُس مخالفت کو نہ آپ کی وہ عظمت و وقعت جو میرے دل میں ہے روک سکی۔ نہ وہ محبت وارادت جو مجھے آپسے ہے اُس کی مانع ہوئی۔ نہ آپکی جادو بھری تحریر نے اثر کیا۔ نہ آپکی پُرزور تقریر نے۔ تو میرے پیارے سید! خدا کے لئے انصاف کرو۔ کہ اس کا سبب بچپن کی سُنی سُنائی باتوں کا اثر ہوگا۔ یا اُس قوت ایمانیہ کا جس کے مقابلے میں سارے خیالات محبت اور عظمت اور ارادات کے دب گئے۔ اور یہ کمزور دل کا کام ہے یا اس زبردست دل کا جس نے حق بات پر کسی اور چیز کو غالب ہونے نہ دیا ✦

دوسرا سبب۔ میری مخالفت کا آپ اُس اعتقاد کو قرار دیتے ہیں جو مجھے علما کے اقوال اور تفاسیر کے رطب ویابس روایات پر ہے اور جو آپ کے نزدیک پہلے سبب کا قوی اور مضبوط کرنیوالا ہے۔ آپ کی اس تحریر نے نہایت متعجب کیا۔ اس لئے کہ آپ سے بہتر کوئی نہیں جانتا کہ میرے خیالات اس بارہ میں کیا ہیں اور علما اور اُن کی کتابوں کی نسبت میں کیا رائے رکھتا ہوں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ میرے نزدیک نہ کوئی کتاب خدا کی کتاب کے سوا غلطی سے پاک ہے گو وہ کیسی ہی اصح الکتب کیوں نہ سمجھی گئی ہو۔ اور نہ کوئی شخص سوائے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے خطا اور غلطی سے محفوظ ہے۔ گو وہ صحابی اور امام ہی کیوں نہ ہو۔ بلاشبہ اسلام اس پر فخر کرسکتا ہے کہ اس میں بہت بڑے مفسر اور محدث اور مجتہد اور عالم اور فقیہہ اور حکیم ہوئے۔ اور بہت مفید اور قابل قدر کتابیں لکھی گئیں۔ اور ہمارے بزرگوں نے بہت بڑا ذخیرہ علم کا ہمارے لئے چھوڑا اور ہم ان کے علم اور اجتہاد اور رائے اور تالیفات سے بہت بڑی مدد پاتے ہیں۔ مگر کوئی بھی اُن میں معصوم نہ تھا۔ نہ کسی پر جبرئیل امین وحی لائے تھے نہ کسی کی شان میں خدا نے ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی فرمایا تھا۔ اس پر بھی اگر کوئی کسی کو ہر طرح سے ہر بات میں اور ہر حالت میں واجب التقلید سمجھے اور باوجود ظاہر ہوجانے غلطی کے خواہ وہ عقل و فطرت کی وجہ سے ہو یا کسی اور سبب سے اُسی کی کہی ہوئی یا لکھی ہوئی بات کو صحیح سمجھتا اور یقین کرتا رہے تو وہ میرے نزدیک مشرك فی صفة النبوة ہے اور عقل سے خارج اور راہ راست سے کوسوں دور۔ کیا خوب فرمایا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے من جعل الحق وقفا علی واحد من النظار فھو الی الکفر والتناقض اقرب بس جب کہ عالموں اور کتابوں کی نسبت میری یہ رائے ہو اور جسے آپ خوب جانتے ہوں تو آپ میرے اس تعجب اور تاسف کا اندازہ کرسکتے ہیں جو آپ کی تحریر سے مجھے ہوا ہوگا۔ خیر آپ کو اختیار ہے جو سبب چاہیں آپ اس کا قرار دیں خواہ بچپن کے خیالات کو خواہ علما کے اقوال پر یقین رکھنے کو۔ مگر میرے

نزدیک تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ آپ کی تفسیر بعض مقام پر تفسیر الکلام بما لا یرضیٰ بہ
قائلہ ہے ۔

جناب من ۔ مجھے تو آپ نے اپنی تفسیر کے اعلیٰ مقامات کے نہ سمجھنے پر یہ الزام لگایا ۔
کہ نکتہ چینوں کی سُنی سُنائی ہوئی باتیں دل میں ایسی جم گئی ہیں ۔ کہ انہوں نے غور و فکر کی قوت کو بیکار کر دیا
ہے ۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ اس زمانہ کے فلاسفر اور سائنس (علم) کے جاننے والے جو تمام درجے
نیچر (فطرۃ) کے طے کر کے نئی روشنی دنیا میں پھیلا رہے ہیں ۔ آنحضرت کی نسبت کہیں کہ گو
آپنے تفسیر جیسی بڑی کتابوں کو ردّی سمجھا عالموں اور مفسروں کی تضحیک کی اور اپنے نزدیک تحقیق
کے بڑے بڑے درجہ پر قدم رکھا اور قرآن کو نیچر اور قوانین نیچر کے مطابق کرنے میں بڑی زحمت اٹھائی
مگر باوجود اس عالی دماغی اور روشن ضمیری اور محققانہ خیالات اور حکیمانہ دماغ کے نکتہ چینوں کی سُنی سُنائی
باتوں کے اثر سے آپ اپنے آپ کو بچا نہ سکے[1] اور اب تک خدا کے مقرر رسول کے قائل اور اصول دین
کے معتقد بنے رہے ۔ قصور معاف ۔ آپ کو اس کے جواب دینے میں اتنی آسانی نہ ہوگی جتنی کہ مجھے
آپ کے ارشاد کے جواب میں ہے ۔ اس لئے کہ میں ایک حد پر پہنچکر عقل کو معزول اور فطرت
سے اپنے آپ کو عاجز کہکر اپنا پیچھا چھڑاؤں گا ۔ اور علی بدین العجائز کا اقرار کرنے لگوں گا ۔ مگر
آپ کو بڑی مشکل پیش آئے گی کہ آپ ایک اصل کو بھی اصول دین سے اور ایک اعتقاد کو بھی منجملہ
معتقدات مذہب کے ماڈرن سائنس (علوم جدیدہ) اور زمانۂ حال کے فلسفہ کی رُو سے لاآف
نیچر کے مطابق ثابت نہ کر سکیں گے[2] ۔ یہ میرا کہنا درحقیقت معارضہ بالمثل نہیں ہے اور نہ آپ کی
جناب میں گستاخانہ خیال ۔ میں اپنی ارادت اور عقیدت اور آپ کی شان کو اس سے بہت ارفع و اعلیٰ
سمجھتا ہوں کہ کوئی بے ادبانہ اور گستاخانہ بات زبان پر لاؤں مگر عقیدت یا عظمت ملاقات کو بدل
نہیں سکتی ۔ جو کچھ میں نے کہا ہے یہ ایک واقعہ ہے اور اس زمانہ کے فلاسفر اور حکیم اور نئی سائنس کے
عالم مذہبی خیالات رکھنے والوں کی نسبت یہی کہتے ہیں ۔ چنانچہ ایک بہت بڑا یورپین عالم اپنی ایک
مشہور کتاب میں جہاں اُس نے خدا کی قدرت اور ارادہ اور علم اور تصرف فی العلم اور
خالق خیر و شر ہونے سے انکار کیا ہے اور اُسے صرف ایک ایسی علۃ العلل قرار دیا ہے جسے
کسی قسم کا اختیار یا تصرف عالم میں نہیں ہے ۔ کہتا ہے کہ یہ عقیدہ پُرانے خیالات سے زیادہ تر

---

[1] تو عجب نہیں کہ اس تمام پر جو کچھ کہا ہے سچ ہو مگر میں نے اپنی دانست میں خدا اور رسول کو اور اسلام کی حقیقت کو بعد تحقیق اور بعد یقین ظاہر ہونے کے ... نکتہ چینوں کی سُنی سُنائی باتوں اور تعلیم پانے ہونے کے ... انکار نہیں کر سکتا ۔ ۱۲ سید احمد ۔
[2] یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ مجھ کو ... یقین ہے کہ میں عمدہ بنا ہو سکوں گا ۔ ولا اقول کما قال الشیخین قبلی ولا حاجۃ لی ان اقول علی بدین العجائز ۔ ۱۲ ۔ سید احمد

حماقت اور رعاقلانہ ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس کے ماننے کے لئے زیادہ قوت دل کی ضرورت ہے اور جن لوگوں کو ہر معمولی واقعہ میں خدا کی خاص قدرت اور ارادہ اور پیش بینی اور ہر روزمرہ کی چیزوں پر اس کی نگرانی اور علم کے آثار پانے کی عادت ہو گئی ہے اُن کو یہ عقیدہ سرد اور غیر تسکین بخش معلوم ہوگا۔ لیکن امیدیں اور خیالات واقعات کے مقابلہ میں بے طاقت ہیں۔" ایک اور صاحب فرماتے ہیں کہ "جسے لوگ خدا اور خالق کہتے ہیں وہ خود انسان کا مخلوق ہے۔ یعنی اپنے دل سے اُسے پیدا کر لیا ہے اور اپنے صفات کا جامع قرار دیا ہے۔" یہ صاحب دنیا کے ناقص اور نکمّل اور بے ترتیب ہونے پر اُسکے بنانے والے کو براہ تمسخر و ظرافت نو آموز قرار دے کر خدا کے ماننے والوں کو احمق اور بے وقوف کہتے اور کتب آسمانی کے غلط اور جھوٹ ہونے پر انہیں کی شہادت لاتے ہیں۔ چنانچہ انجیل سی پاک کتاب کی نسبت آپ فرماتے ہیں کہ "میری رائے میں کسی دانشمند آدمی کو اس بات کے یقین دلانے کو انجیل انسان کی بناوٹ بلکہ وحشیانہ ایجاد ہے۔ صرف اسی قدر ضرورت ہے کہ وہ انجیل کو پڑھے۔" پھر آپ لوگوں سے فرماتے ہیں کہ "تم انجیل کو اس طور سے پڑھو جیسے کہ تم اور کسی کتاب کو پڑھتے ہو۔ اور اسکی نسبت ایسے خیالات کرو جیسے کہ اور کتابوں کی نسبت کرتے ہو۔ اپنی آنکھوں سے تعظیم کی پٹی نکال ڈالو۔ اور اپنے دل سے خوف کے بھوت کو بھگا دو اور دماغ اوہام سے خالی کرو۔ تب انجیل مقدس کو پڑھو۔ تو تم کو تعجب ہوگا کہ تم نے ایک لحظہ کے لئے بھی کیونکر اس جہالت اور ظلم کے مصنف کو عقلمند اور نیک اور پاک خیال کیا تھا۔"* یہ خیالات کچھ ایک دو مصنفوں کے نہیں ہیں بلکہ کثرت سائنس کے جاننے والے مذہب کے ماننے والوں اور خدا کے منصف بصفات وجودیہ و سلبیہ سمجھنے والوں پر نہایت تعجب اور تاسف کرتے ہیں۔ پس جبتک کہ آدمی علم کی معراج کے اس درجہ پر نہ پہنچ جاوے وہ ایسے لوگوں کے نزدیک ضرور آبائی خیالات کا پابند سمجھا جاویگا اور جب تک خدا اور رسول اور معاد اور اصول دین کو مانتا ہے گو وہ کتنی ہی زینے علم و نیچر کے طے کر چکا ہو مجھ ہی سا ضعیف القلب اور کمزور ٹھہرے گا۔ اگر فرق ہوگا تو کمی بیشی کا۔ مجھے ایسے لوگ زیادہ بودے دل کا سمجھیں گے اس لئے کہ میں خدا کو قاضی الحاجات سمجھتا ہوں۔ دعا کو ایک سبب حصول مقصد کا اور اجابت دعا کے معنی مطلب کا حاصل ہونا جانتا ہوں۔ جبریل کو ایک فرشتہ وحی کا لانیوالا اور نبوت کو ایک خدا کا دیا ہوا خیال کرتا ہوں۔ آپکو ان باتوں کے انکار سے بہ نسبت میرے زیادہ اور زیادہ

* آپ یقین کریں کہ جب ہم اُن کے مقابل کچھ لکھیں گے تو اُن کے ان اقوال کا غلط ہونا نیچر کی رو سے اور عقلی دلائل سے ثابت کر دیں گے۔ . . سید احمد۔

ہمت داو سمجیں گے۔ مگر پورا مرد اور بچپن کی سُنی سُنائی باتوں کی قید سے کامل آزاد نہیں گے۔ اس لئے کہ آپ بھی خدا کے معتقد رسول کے قایل قرآن مجید کے مقر ہیں اور عذاب وثواب حشر ونشر وغیرہ اصول دین کو مانتے ہیں گو بعض کی حقیقت میں عام مسلمین سے کچھ اختلاف رکھتے ہوں +

بہرحال جو دو سبب آپنے میری مخالفت کے اپنی تفسیر سے قرار دیئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی میں نہیں مانتا۔ (الحمد للہ ۱۲ سید احمد) اب رہا یہ امر کہ میرے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی آئی تھی۔ جس سے مجھے ثابت ہوا کہ مرضی قایل یعنی خدا کی وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے ہیں۔ اُس کی نسبت باادب تمام عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر تو وحی آنے کی ضرورت جب ہوتی۔ کہ میں کوئی ایسی بات بیان کرتا جو انسانوں کی معمولی سمجھ سے خارج ہوتی یا وہ معنے قرآن کے بیان کرتا جسے نہ صاحب الوحی سمجھے تھے نہ صحابہ نہ آیمہ نہ عام مسلمین[ا]۔ ہاں آپنے بعض مقامات پر قرآن کے وہ معنے بتائے ہیں جو نہ لفظوں سے نکلتے ہیں نہ محاورہ عرب کے مطابق ہیں نہ سیاق کلام کے موافق بلکہ جو اسلام کا منشا اور قرآن کا مقصود اور پیغمبر کی ہدایت کی اصلی غرض ہے اُن سب کے خلاف۔ پس ایسی صریح اور صاف بات کے لئے مجھ پر وحی آنیکی ضرورت نہ تھی اور خدا کی عام مرضی معلوم ہونے کے بعد جو معنی اُس کے خلاف لئے گئے اُس پر لایرضی به قایله کہنا بیجا نہ تھا۔ اب رہا اس کا ثبوت۔ وہ میں آیندہ آپ کی تفسیر کے بعض اقوال نقل کرکے بخوبی دونگا[۲] +

مگر ایں ہمہ آپ یہ خیال نفرماویں کہ میں اُس ضرورت سے بے خبر ہوں جس نے آپ کو تفسیر لکھنے پر مجبور کیا۔ یا مذہب اور علم کی اُس لڑائی سے ناواقف ہوں جو نہایت زور شور سے اس زمانہ میں ہو رہی ہے۔ یا میں علم کے حملہ کو خفیف سمجھتا ہوں جو وہ نئے ڈھنگ سے اور نوایجاد ہتھیاروں سے مذہب پر کر رہا ہے یا میں اپنے ان کی موجودہ کتابوں کو اس وقت کی ضرورت کیلئے کافی سمجھتا ہوں یا نئے خیالات نئے ادکار کا مخالف ہوں۔ غالب بہت آدمی ایسے ہونگے جو مجھ سے بڑھ کر اس بات کے خواہشمند ہوں کہ مذہب علم کے حملہ سے بچایا جاوے اور کم ایسے لوگ ہوں گے جو آپ کی اس مردانہ ہمت کی داد دیتے ہوں۔ آپ اس لڑائی میں اسلام کا سفید علم لیکر علم کے سامنے آئے اور ایسے غالب اور قومی حریف سے مصالحت کی کوشش کی۔ مجھ سے بڑھکر کوئی نہیں جانتا کہ تفسیر کے لکھنے سے آپکا مقصود کیا ہے۔ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ اسلام اپنی سلطنت پر قایم رہے اور علم اُس کا

[ا] ابھی یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوا اور بغیر اس کے ثابت کرنے کے کیونکر اس کو دلیل گردانا ہے + سید احمد ۱۲

[۲] جب دوگے اور جب ثابت کرو گے تب دلیل ہوگی تا اُس وقت اُس پر استدلال بے موقع ہے + سید احمد ۱۲

دوست سمجھا جائے اور آپ کی تفسیر میں اس بات کی بہت سی نشانیاں بھی پائی جاتی ہیں اور وہ غور سے دیکھنے والے کو نہایت اعلےٰ مضامین اور حکیمانہ خیالات اور محققانہ باتوں سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ لاریب فیہ انہ کنز مدفون من جواھر الفواید وبحر مشحون بنفایس الفواید مگر میں یہ نہیں مانتا کہ آپ ہر جگہ اس مقصود کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ برخلاف اس کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ بعض جگہ تسامح کے درجہ سے گزر کر مغالط میں پڑ گئے اور جس حد پہ پہنچکر آپ کو ٹھہرنا چاہئے تھا اُس سے گذر گئے۔ آپ نے اُن باتوں کو جو اُس زمانہ کے علم و سائنس نے پیدا کی ہیں بغیر کسی شک و شبہ کے صحیح اور یقینی مان لیا۔ اور جو باتیں قرآن میں بظاہر اُس کی مخالف معلوم ہوئیں اُن میں ایسی تاویلیں کرنی شروع کیں کہ قرآن کا مقصود ہی فوت ہو گیا اور اس پہ ستم ظریفی آپ کی یہ ہے کہ آپ تاویل کو کفر قرار دیتے اور اپنی تفسیر کو قرآن کے الفاظ اور سیاق اور محاورے اور مقصود و محاورے کے مطابق بتاتے ہیں۔ لیکن اس سے بھی آپ کا اصل مقصود کوسوں دور رہا۔ اِس لئے کہ نیچر اور لاآف نیچر اگر وہی ہے جو اس زمانہ کے یورپین حکیم بتاتے ہیں تو خدا کی خدائی اور رسولوں کی رسالت اور عذاب و ثواب کا اقرار وہی آبائی تقلید اور بچپن کی سُنی سنائی باتوں کا اثر سمجھا جاوے گا۔ اور قرآن باوجود انکار معجزات اور خرق عادات اور دعا اور اجابت دعا اور فرشتوں اور جنات کے نیچر اور لاآف نیچر کے مخالف ہی رہے گا۔ پس میرے نزدیک آپ دو مصیبتوں میں سے ایک میں سے بھی نہ نکل سکے۔ کہیں قرآن کے معنے سمجھنے میں غلطی کی اور کہیں نیچر اور لاآف نیچر کے ثابت کرنے میں۔ بعض جگہ تو آپ قرآن کا وہ مطلب سمجھے جو نہ خدا سمجھا نہ جبرئیل نہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ اصحاب نہ اہلبیت نہ عامہ مسلمان اور کہیں نیچر کے دائرہ سے نکل گئے اور مذہبی آدمیوں کی طرح پرانے خیالات اور پرانی دلیلوں اور پرانی باتوں کا گیت گانے لگے۔

چنانچہ آپ کی تفسیر میں دونوں باتوں کا جلوہ نظر آتا ہے جہاں آپ نے دعا اور اجابت دعا کے مشہور معنوں سے انکار کیا معجزات اور خرق عادات کو ناممکن سمجھکر حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے اور اُن کی طفلی کے زمانہ کے وقعات اور احیائے اموات وغیرہ باتوں کو اہل کتاب کی کہانیاں بتلایا وہاں آپ نے دکھا دیا کہ آپ کی تفسیر قرآن کے الفاظ اور سیاق عبارت اور اُس کے عام منشاء سے کچھ مناسبت اور مطابقت نہیں رکھتی۔ اور جہاں آپ نے خدا کی خدائی اور پیغمبر کی پیغمبری اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور ثواب عذاب وغیرہ کا اقرار کیا گو اُس کی حقیقت میں علمائے ظاہری کی رایوں سے اختلاف کیا ہو وہاں آپ نے ثابت کر دیا کہ نیچر اور لاآف نیچر کا کچھ بھی اثر آپ پر نہیں ہوا وہی سب پُرانے

خیالات آپ کے دل میں سمائے ہوئے ہیں - جن پر نیچر کے جاننے والے اور لا آف نیچر کے ماننے والے ہنستے ہیں - کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ اعتقادات لا آف نیچر (قوانین فطرت) کے مطابق ہیں (ہاں ۱۲ سید احمد) یا ماڈرن سائنس (علوم جدیدہ) سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے (ہاں ہو سکتی ہے ۱۲ سید احمد) اور اعتقادات کا تو کیا ذکر ہے - آپ صرف خدا کی خدائی فلسفہ جدیدہ سے ثابت کر دیجئے (بیشک ۱۲ سید احمد) اور اُس کے خالق اور قادر اور حکیم اور علیم ہونے کا ثبوت حکماء زمانہ حال کے اقوال سے پیش کیجئے اس کی مجھے حاجت نہیں - ۱۲ سید احمد) میرے نزدیک اکثر فلسفی تو ایسے باہمت اور بہادر دل کے قوی ہیں کہ وہ خدا کے وجود کے اعتقاد سے بڑھکر کسی بات کو بیہودہ نہیں سمجھتے اور نعوذ باللہ خدا کو خود انسان کے وہم و خیال کا پیدا کیا ہوا کہتے ہیں - ہاں بعض اس کے وجود کے قائل ہیں یا یوں کہیئے کہ منکر نہیں ہیں - مگر وہ بھی کس خدا کے قائل ہیں اُس خدا کے نہیں جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور محمدؐ کا خدا ہے بلکہ اُس خدا کے جو ڈاروں اور ہیکل کا خدا ہے جس کا نام اُن کی زبان میں فرسٹ کاز اور عربی میں علۃ العلل ہے و ایں خدا بوے نیاید و بکار نمی آید - اُن کے خدا نے نہ کسی چیز کو اپنے ارادے اور مرضی سے پیدا کیا اور نہ کر سکتا ہے نہ کسی چیز میں تصرف کیا نہ کر سکتا ہے نہ وہ کسی قسم کا اختیار رکھتا ہے نہ کسی چیز کو جانتا ہے نہ کسی بات کو سنتا ہے - نہ قاضی الحاجات ہے نہ سمیع الدعوات - نہ فاعل مختار ہے نہ قادر علی الاطلاق - ہاں اس سے انکار نہیں کہ وہ ایک ہستی ہو جس سے کوئی غیر معلوم مادہ بلا اس کے اختیار اور بغیر اس کی مرضی کے اور بغیر تقدم زمانہ کے ظاہر یا پیدا ہو گیا - اور اس سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا - وہلم جرا مواد پیدا ہوتے ہوتے مادی کائنات کا ظہور ہوا اور ایک ناکامل حالت سے آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے لاکھوں کروڑوں برسوں کے تغیرات اور تنازعات کے بعد یہ دنیا بنی - اور جو کچھ اب ہم دیکھتے ہیں اس کا اس طور پر ظہور تدریجی عمل میں آیا - ولکن لیس فیہما ما یدل علی الاختیار بل کلہ عن الاضطرار - پس اگر یہ مسئلہ نیچر کا مان لیا جاوے اور یہ لاز آف نیچر تسلیم کر لئے جاویں - تو فرمائیے کہ وہ خدا جو خالق اور صانع قادر اور مرید سمیع علیم مصور اور حکیم اور کیا کیا مانا جاتا ہے کہاں باقی رہتا ہے اور جب تک کوئی ڈراون کا ہمخیال اور ہیکل کا ہمصفیر نہ بن جاوے کیونکر وہ دل کا مضبوط اور دانشمند کہا جا سکتا ہے[1] - رہا اُن کا

[1] ہم ان کی ان سب باتوں کی غلطی نیچر سے ثابت کرنے کو موجود ہیں اور نیچر ہی سے اُس خدا کو ثابت کرتے ہیں جو ابراہیم اور محمدؐ کا خدا ہے - ۱۲ سید احمد -

ہم خیال اور ہم صفیر ہونا۔ اس کی کسی اور کو خواہش ہو تو ہو مگر مجھے تو نہ اس کی خواہش ہے اور نہ طاقت (شاباش۔ شاباش ہے سید احمد) میرا بودا دل اور ضعیف دماغ تو اپنے اولڈ (پرانے) خدا کے چھوڑنے اور ساری صفات سے اُسے خالی کر کے صرف فرسٹ کاز (علۃ العلل) ماننے سے بہت گھبراتا اور لرزتا ہے (شاباش۔ شاباش ۲ ۔ سید احمد) میں تو اپنی نادانی اور بزدلی کو اپنے حق میں ایسے حکیموں کی دانائی اور جوانمردی سے بہت زیادہ مفید سمجھتا ہوں۔ لان البلاهۃ ادنیٰ الی الخلاص من فطانۃ تبراء والعمی اقرب الی السلامۃ من بصیرۃ حولاء ۔

اب میں اس خط کو تمام کرتا ہوں اس لئے کہ جو دلچسپ مضمون آپ نے چھیڑا ہے وہ ایک یا دو خط میں نہیں آسکتا۔ ضرور ہے کہ ایک سلسلہ ایسی تحریرات کا آپ کی اور آپ کی بدولت اور شائقین کی خدمت میں پیش کیا جاوے۔ میں اگلے خط میں نیچر اور لا آف نیچر اور ورک آف گاڈ یعنی خدا کے کام اور ورڈ آف گاڈ یعنی خدا کے کلام سے جو آپکی تفسیر کے اصول میں سے ایک اصول ہے بحث کروں گا۔ اور اس بات کو دکھادوں گا اس زمانہ کی سائنس کی رُو سے جن کو آپ ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کہتے ہیں بلکہ خود گاڈ خیالی ڈھکوسلے اور اولڈ فیشن والوں کے سڑیل خیالات ہیں۔ کہاں کا گاڈ اور کہاں کا ورک آف گاڈ اور کیسا ورڈ آف گاڈ علم کی روشنی نے ان تاریک خیالات سے دنیا کو پاک کرنا شروع کردیا ہے اور جن کے دل نئے خیالات کی تیز شعاعوں سے روشن ہوگئے ہیں۔ وہ ان لغویات کو کچھ نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک ان پُرانی باتوں اور ان جہالت و وحشت کے یادگار خیالات کی جگہ اب باقی نہیں رہی الا اُن دلوں میں جو آبائی تقلید کے بندوں میں پھنسے ہوئے اور بچپن کی سُنی سُنائی باتوں کے دام میں گرفتار ہیں۔ ورنہ ماڈرن سائنس نے فتویٰ دیدیا ہے کہ خدا وجود معطل ہے۔ زرا قی اور الوہیت بیہودہ خیالات ہیں۔ دعا اور عبادت وحشیوں اور جاہلوں کے ڈر اور خوف کا نتیجہ ہے۔ نبوت دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ وحی افسانہ ہے۔ الہام خواب ہے۔ روح فانی ہے۔ قیامت ڈھکوسلا ہے۔ عذاب و ثواب انسانی اوہام ہیں۔ دوزخ و جنت الفاظ بے معنی ہیں۔ انسان صرف ایک ترقی یافتہ بندر ہے۔ مابعد الموت نہ سزا ہے نہ جزا۔ وہ مرنے کے بعد سب جھگڑوں قصوں سے پاک ہے۔ پس اے میرے بزرگ سرسید اور اے میرے پیارے مرشد یہ ہیں خیالات ان لوگوں کے جو کہ حقیقت میں دل کے قوی اور عقل کے کامل اور حکمت کے موجد اور علم کے دریا کے شناور ہیں۔

الذین یستحبون الحیوٰۃ الدنیا علی الآخرۃ ویصدون عن سبیل اللہ و یبغونہا عوجا اولئك فی ضلال بعید [1]

جواب از طرف سید احمد خاں

محسن الملک

مکرمی مہدی

آپ کا نہایت طولانی خط نہایت دلچسپ فصیح وزبردست۔ دلکش مملو از قوت۔ ایمانی وممزوج از فطرت ربانی پہنچا۔ خوبی تحریر وفصاحت بیان جیسا کہ آپ کا خاصہ تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ کی ہر تحریر میں پایا جاتا ہے خواہ میرے نام کا ہو خواہ تحریر اشاعت الاسلام پر خواہ اور کوئی لکچر۔ معاف کیجئے۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ ذرا سی کسر تعمق نظر میں ہو جاتی ہے۔ وعندی ھذا دابکم۔

بات یہ ہے کہ میں خود یہ چاہتا ہوں کہ کوئی دوست اور صاحب سمجھ ایسا ہو جو میری تفسیر پر متوجہ ہو اور اُس کی غلطیوں سے مجھے آگاہ کرے۔ اور شاید آپ کو یقین ہو گا۔ کہ اگر وہ آگاہی آپ سے مجھ کو حاصل ہو۔ تو اس سے زیادہ خوشی مجھے اور کوئی نہیں ہو سکتی مگر جس طرح پر آپ نے یہ خط لکھا ہے یا آئندہ نسبت کسی مقام تفسیر کے کچھ لکھیں وہ کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو داب آپ کا میرے خیال میں ہے وہ مجھ کو اُس طرف لے جاوے گا کہ پوری غور نہیں کی اور اصل بات نہیں سمجھی۔

فروع ہمیشہ متفرع ہوتے ہیں کسی اصول پر اور اس لئے فروع پر بحث مفید نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اصل جس پر وہ فرع متفرع ہے صحیح یا غلط نہ قرار پاوے۔ اگر وہ اصل صحیح ٹھہرے تو ضرور ہے کہ فروع اُس کے تابع قرار دیئے جاویں اور صحت اصل ہی دلیل قاطع اور برہان قطعی اس امر کی صحت کی ہو گی جو بات کہ بلحاظ تابع ہونے اُس فرع کے اپنی اصل سی قرار دی گئی ہے۔

---

[1] لاکن یا حبیبی انت تنظر الامور بعین واحدۃ لا بعینین تارۃ تنظر الاسلام بعین وتارۃ اقوال الملحدین بعین ولا تنظر ما بجانب الآخر فلو نظرت کلیہما بعینین لکشفت لك حقیقۃ الاسلام ظاھرہ وباطنہ وظہرت لك الاغلاط والصواب فی اقوال الملحدین الذین ذکرت اقوالہم باعظم الشان وفضل البرھان ولاخترت صراطا مستقیما اللہم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ آمین ۔۔۱۲ سید احمد

مثلاً امام شافعی کے نزدیک حرمت مصاہرت بدون ازدواج شرعی کے نہیں ہوسکتی۔ اب اس پر یہ امر متفرع ہے کہ اگر کسی کے باپ کی کسی عورت سے آشنائی ہو اور کتنی ہی مدت رہی ہو بیٹا اُس سے نکاح کرسکتا ہے۔ یا خود کسی شخص نے کسی عورت سے آشنائی رکھی ہو پھر اُس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اس فرع کی بہت عیوب اور خرابیاں بیان ہوسکتی ہیں لیکن جب تک وہ اصل غلط نہ ٹھہرے فرع کے نقصان و عیوب بیان کرنے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ بلکہ صحت اصل دلیل قاطع صحت فرع کی ہے وہ بحال خود باقی رہتی ہے۔ جب تک کہ وہ اصل باطل نہ ہو۔

مشکل یہ ہے کہ ہم میں اور تم میں یہ امر طے نہیں ہوئے کہ اصول تفسیر کیا ہیں۔ یا کیا ہونے چاہئیں۔ جب وہ اصول قرار پاجاویں اُس وقت کسی خاص آیت پر بحث ہوسکتی ہے۔ اور بغیر اس کے یہ کہدینا کہ یہ تفسیر نہ محاورہ عرب کے مطابق ہے نہ سیاق کلام کے موافق۔ بلکہ جو اسلام کا منشا اور قرآن کا مقصود اور پیغمبر کی ہدایت کی اصل غرض ہے اُن سب کے برخلاف ہے۔ کچھ مؤثر نہیں۔ اس طرح اُوٹ پٹانگ بات کہدینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے اور آپ سے مکاتبات ہوں صرف متعلق تفسیر اور وہ بطور رسالہ کے جمع کئے جاویں اور اُس کا نام "مکاتبات الخلان فی اصول التفسیر و علوم القرآن" رکھا جاوے۔ شروع ان مکاتبات کی اِس طرح پر ہو۔ کہ میں آپ کی خدمت میں ہر ایک اصول تفسیر کو وقتاً فوقتاً بھیجوں۔ اگر وہ اصول آپ کے نزدیک صحیح ہو تو آپ اُس پر لکھ دیں۔ کہ یہ اصول صحیح ہے۔ پس وہ ہم میں اور آپ میں اصول مسلمہ ہوگا۔ خواہ وہ اصول ہم دونوں نے بلحاظ مذہب آبائی تسلیم کیا ہو خواہ از روے تحقیق کے۔ اور جس اصول کو آپ غلط تصور کریں اس کی تردید کریں۔ بعد تحریرات تین امر اُس کی نسبت ہوں گے۔ یا تو آپ اُس کو تسلیم کرلیں گے تو وہ اصول مسلمہ فریقین ہوجاویگا اور یا آپ کی تردید کو میں تسلیم کرلوں گا۔ تو اُس پر کوئی تفریع معانی قرآن میں نہ کی جاوے گی۔ یا ہم دونوں میں اختلاف باقی رہے گا۔ اس صورت میں وہ اصول آپ کے مقابلہ میں حجت نہ ہوگا۔

جب یہ اصول اس طرح پر طے ہوجاویں اُس وقت میں آپ کو اجازت دوں گا کہ اب میری تفسیر کے جس مقام کو آپ غلط سمجھیں اُس پر تحریر فرماویں۔ مگر جب تک اس طرح پر اوّل اصول نہ قرار پالیں اعتراضات و تحریرات و جواب و سوال محض بے سود معلوم

ہوتے ہیں۔ اور اوقات عزیز کا ضایع ہوتا ہے۔ اگر اس طرح ایک رسالہ اصول تفسیر کی تحقیق میں ہماری اور آپ کی تحریرات کا جمع ہو جاوے تو کچھ شبہ نہیں کہ نہایت ہی مفید اور بکارآمد ہوگا۔ پس اگر آپ اس بات کو منظور کریں تو میں آپ کی خدمت میں اُن اصولوں کو وقتاً فوقتاً بھیجنا شروع کروں۔ بعد اس کے نسبت تفسیر کے جو تحریر ہو وہ ہو۔

اخیر خط میں جو آپ نے لکھا ہے کہ مَتنے خیالات کی روشنی سے میں بتاؤں گا کہ نہ خدا ہے نہ ورک آف گاڈ اور نہ ورڈ آف گاڈ بلکہ انسان ایک بندر ترقی یافتہ ہے جو فنا ہو جاوے گا۔ یہ مباحث تفسیر کی بحث سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے جب کہ آپ تفسیر کی صحت و عدم صحت سے بحث کرتے ہیں۔ تو قرآن کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس کو تسلیم کرکے اس کی معنی کی صحت پر یا عدم صحت پر بحث رہ جاتی ہے۔ اگر خدا پر بحث کی جاوے تو وہ جداگانہ بحث ہے۔ پس آپ کا یہ خط اُس حد سے جس پر آپ نے پہلا خط لکھا ہے اور جس کا جواب میں نے لکھا خارج ہے اور جب اس طرح خارج از بحث کلام ہوتا ہے۔ تو اس کی نسبت تحریرات فضول معلوم ہوتی ہیں۔ والسلام۔

از الٰہ آباد	خاکسار
۸۔ اکتوبر ۱۸۹۲ء	سید احمد

اِس خط کا جواب غالباً بسبب کثرت کام کے میرے پاس نہیں آیا۔ میرا ارادہ تھا کہ جب میری تفسیر پوری ہو جاوے گی اور اوّل سے آخر تک قرآن بنظر غایر تمام ہو جاوے گا۔ اُس وقت میں دیباچہ تفسیر کا لکھوں گا اور اس میں وہ تمام اصول بیان کروں گا جو تفسیر لکھنے میں میں نے اختیار کئے ہیں۔ مگر چونکہ اُس کو زمانہ دراز درکار تھا۔ اِس لئے میں نے خیال کیا کہ مقدم اصولوں کو جو میں نے تفسیر کے لکھنے میں اختیار کئے ہیں لکھ دوں اور باقی اصول اُس وقت پر منحصر رکھوں جب کہ تفسیر تمام ہو جاوے اور خدا کی مرضی اُن کے لکھنے پر ہو۔ پس یہ چند مقدم اصول ہیں جن پر میری تفسیر مبنی ہے اور جو ایک رسالہ کی صورت میں لکھے گئے ہیں اور اسی لئے میں نے اس کا نام بھی **تحریر فی اصول التفسیر** رکھا ہے۔ اب میں ان اصولوں کو شروع کرتا ہوں۔ و بہ نستعین وھو نعم المولےٰ و نعم النصیر۔

الاصل الاوّل

یہ بات مسلم ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے ۔ وھو واحد صمد لم یلد ولم یولد۔ واجب الوجود ۔ حی لا یموت ۔ ازلی و ابدی ۔ وھو علۃ العلل لجمیع المخلوقات علےٰ ما کانت وعلےٰ ما تکون ؎

الاصل الثانی

یہ بھی مسلم ہے کہ اُس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیا مبعوث کئے ہیں اور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم رسول برحق و خاتم المرسلین ہیں ؎

الاصل الثالث

یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے ۔ نزل علےٰ قلب محمد صلے اللہ علیہ وسلم او یوحی الیہ وانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ ؎

الاصل الرابع

یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید بلفظہٖ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا ہے یا وحی کیا گیا ہے ۔ خواہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ جبریل فرشتہ نے آنحضرت تک پہنچایا ہے جیسا کہ مذہب عام علمائے اسلام کا ہے ۔ یا ملکہ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے آنحضرت کے قلب پر القا کیا ہے جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے کما قلت ؎

زجبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمیخواہم
ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

اور ان دونوں صورتوں کا نتیجہ متحد ہے اور اس لئے اس پر کوئی بحث ضرور نہیں ہے ؎

مگر میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ صرف مضمون القا کیا گیا تھا اور الفاظ قرآن آنحضرت صلعم کے ہیں جن سے آنحضرت نے اپنی زبان میں جو عربی تھی اُس مضمون کو بیان کیا ہے ۔ والعجب ثم العجب علےٰ ما قال الامام حجۃ الاسلام بل حجۃ اللہ فی الانام الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی کتابہ التفہیمات الالٰھیہ حیث قال ۔ فمن ذالک (ای من التدلیات) القرآن العظیم و ذالک ان الفاظ القرآن انما ھی من اللغۃ العربیۃ التی یعرفھا محمد صلے اللہ علیہ وسلم

وتخيلها والمعاني فايضة من الحبيب تعليماله صلے اللہ علیہ وسلم تدليا الى الخلق فهم صار كلاما الهيا انما صار كلاما لان ارادة الحق بانناس امدت في خياله عليه السلام تحي اللتي جمعت الالفاظ ونظمها ثم امد في هذ النظم فالبس لباسا محاكيا للجبروت فخصه بذالك تدليا الهيا وسمي كلام الله (تفهيمات الهيه صفحه ۱۰۵) اللهم الا ان يقال هذا بيان تدليات وهو رحمة الله عليه ادرج القرآن من حيث القاء المعاني تحت التدليات +

مگر یہ قول شاہ صاحب کا عقل اور نفس الامر دونوں کے مخالف ہے خود قرآن مجید میں ہے کہ وانه لتنزيل رب العالمين نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربی مبین (سورۂ شعرا ایت ۱۹۲-۱۹۴) دوسری جگہ فرمایا ہے - انا انزلناه قرانا عربيا لعلكم تعقلون (سورۂ یوسف ایت ۲) اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن قلب آنحضرت پر عربی زبان میں ہوا تھا نہ یہ کہ صرف معنی القا ہوئے تھے اور الفاظ جن سے وہ معنی تعبیر کئے گئے ہیں آنحضرت کے تھے +

نفس الامر کے اس لئے برخلاف ہے کہ خود تم اپنے نفس پر غور کرو کہ کوئی مضمون دل میں مجرد عن الالفاظ آہی نہیں سکتا اور نہ القا ہو سکتا ہے تخیل یا تصور کسی مضمون کا مستلزم ان الفاظ کے تخیل یا تصور کا ہے جن کا وہ مضمون مدلول ہے مضمون کا الفاظ سے مجرد ہونا محالات عقلی ہے ہے اور اس لئے قرآن مجید بلفظہ آنحضرت کے قلب پر القا ہوا تھا اور وہی بالفاظ اور اسی نظم سے جس طرح القا ہوئے آنحضرت نے لوگوں کو پڑھ سنایا ہے

الاصل الخامس

قرآن مجید بالکل سچ ہے کوئی بات اس میں غلط یا خلاف واقع مندرج نہیں ہے خود قرآن مجید میں ہے وانه لكتب عزيز لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد (سورۂ فصلت السجدہ ایت ۴۱) اور حکایۃً کسی کا قول نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگوں کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہیں ہیں بلا بحث ان کی اصلیت اور واقفیت کے تسلیم کر کے ان پر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو ان کی ظاہری حالت پر بلا ان کی اصلیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام میں آنا قرآن مجید کی صداقت کی منافی نہیں ہے +

الاصل السادس

صفات ثبوتی اور سلبی ذات باری کے جس قدر قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں سب سچ

اور درست ہیں مگر اُن صفات کی ماہیت کا من حیث ھی ھی جاننا مافوق عقل انسانی ہے اس لئے وہ صفات جس کیفیت یا جس حیثیت سے ہمارے ذہن میں ہیں اور جن کو ہم نے ممکنات سے اخذ کیا ہے بعینہ وبحیثیتہ ذات باری پر جو واجب الوجود ہے منسوب نہیں کرسکتے اور صرف یہ کہتے ہیں کہ اُن صفات کے جو معنی مصدری ہیں وہ ذات باری میں موجود ہیں یعنی علم ایجاد - قدرت - حیات - الی غیر ذالک اور نیز اُن صفات کا ذات واجب الوجود یا علۃ العلل میں ہونا ضروری سمجھتے ہیں +

الاصل السابع

صفات باری عین ذات ہیں اور وہ مثل ذات کے ازلی و ابدی ہیں اور مقتضائے ذات ظہور صفات ہے بای وجہ کان و بای شان یکون - علمائے متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صفات باری عین ذات ہیں - اور نہ غیر ذات - مگر فلاسفہ الہیین عین ذات سمجھتے ہیں اور اس لئے ان کا ظہور مقتضائے ذات قرار دیتے ہیں مگر یہ سب نزاع لفظی ہے اور نتیجہ واحد ہے ہاں اس میں شبہ نہیں کہ متکلمین نے جو امر اختیار کیا ہے اس کیلئے حجت ساطع اور برہان قاطع نہیں ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں کہ ان نزاع الفلاسفۃ والمتکلمین فی ان اللہ تعالیٰ خلق بالاختیار او بالایجاب لیس فی معارک المعنی فی شئی - لما کان الارادۃ عند الفلاسفہ عین الذات کان الابداع ایجابا +

الاصل الثامن

تمام صفات باری کی نامحدود اور مطلق عن القیود ہیں لفعل ما یشاء ویحکم ما یرید پس وہ اُن وعدوں کے کرنے کا مختار تھا جن کو اُس نے کیا ہے اور اس قانون فطرت کے قائم کرنے کا بھی مختار تھا جس پر اُس نے کسی کائنات کو بنایا ہو یا اس موجودہ کائنات کو بنایا ہے یا آئندہ اور کسی صورت میں بنادے مگر اُن وعدہ اور قانون فطرت میں جب تک کہ وہ قانون فطرت قائم ہے تخلف محال ہے اور اگر ہو تو ذات باری کی صفات کاملہ میں نقصان لازم ہے اور ان وعدوں کا کرنا اور قانون فطرت پر کائنات قائم کرنا اس کی قدرت کے مطلق عن القیود اور نامحدود ہونے کی معارض نہیں ہو سکتا +

قال اللہ تعالیٰ - وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت لھم مغفرۃ واجر عظیم - والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولئک اصحاب الجحیم (آیت ۱۰ - ۹ سورۃ المائدہ - ۵) +

وعد اللہ المنافقین والمنافقات والکفار نار جھنم خالدین فیھا۔
(آیت ۶۹ سورۃ التوبہ ۹) +

وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتھا الانہار خالدین فیھا (آیت ۷۳ سورۃ التوبہ ۹) +

جنات عدن التی وعد الرحمٰن عبادہ بالغیب انہ کان وعدہ ماتیا (آیت ۶۱ سورہ مریم ۱۹)

وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودات قل اتخذتم عند اللہ عھدا فلن یخلف اللہ عہدہ ام تقولون علی اللہ ما لا تعلمون (آیت ۷۴ سورۃ البقرہ) +

ونادی اصحاب الجنۃ اصحاب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قالوا نعم (آیت ۴۲ الاعراف ۷) +

ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم (آیت ۴۵ فصلت ۴۱ حم السجدہ) +

ان اللہ لا یخلف المیعاد (آیت ۷ آل عمران ۳) +

کان وعدہ مفعولا (آیت ۱۸ مزمل ۷۳) +

فاصبر ان وعد اللہ حق (۷۷ ، ۵۵ سورۃ المؤمن ۴۰) +

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے وعدہ کیا ہے اور تخلف وعدہ نہیں ہونے کا اور باوجود ان وعدوں اور اُن کی عدم تخلف کے جابجا اپنے تئیں قادر مطلق اور افعال لما یرید بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وعدہ اور عدم تخلف وعدہ اس کے قادر مطلق ہونے اور اس کی صفات کے مطلق عن القیود ہونے کی منافی نہیں ہے +

یہی حال قانون فطرت کا ہے جس پر یہ کائنات بنائی گئی ہے پہلا قولی وعدہ ہے اور قانون فطرت عملی وعدہ۔ قانون فطرت میں سے بہت کچھ خدا نے ہم کو بتایا ہے اور بہت کچھ انسان نے دریافت کیا ہے گو کہ انسان کو ابھی بہت کچھ دریافت نہ ہوا ہو۔ اور کیا عجب ہے کہ بہت کچھ دریافت نہ ہو۔ مگر جسقدر دریافت ہوا ہے وہ بلا شبہ خدا کا عملی وعدہ ہے جس سے تخلف قولی وعدہ کی تخلف کے مساوی ہے جو کبھی نہیں ہوسکتا +

خدا نے فرمایا ہے۔ انا کل شیٔ خلقناہ بقدر (آیت ۴۹ قمر ۵۴) پس جس اندازہ پر خدا نے چیزوں کو پیدا کیا ہے اس سے تخلف نہیں ہوسکتا +

پھر خدا فرماتا ہے ولکل امۃ اجل فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون (آیت ۳۴ اعراف ۷) پس ممکن نہیں ہے کہ جو وقت جس چیز کے لئے مقرر ہے

وہ کسی طرح ٹل سکے ٭

پھر خدا فرماتا ہے ۔ فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لاتبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (آیت ۲۹ ۔ الروم ۳۰) پس جس فطرت پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اس کی تبدیلی نہیں ہو سکتی ٭

دوسری جگہ فرماتا ہے ۔ لا تبدیل لکلمات اللہ (آیت ۶۵ ۔ یونس ۱۰) ہمارے نزدیک کلمات اللہ اور خلق اللہ دو مرادف الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی ٭

پھر فرمایا ہے ۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (آیت ۶۲ احزاب ۳۳) پس جو طریق کہ خدا نے مقرر کیا ہے اس میں تبدل نہیں ہو سکتا ٭

یہ تو عام ہدایتیں نسبت قانون فطرت کے تھیں مگر خدا نے ہم کو خاص خاص قانون فطرت بھی بتائے ہیں اور فرمایا ہے کہ لقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ۔ ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ۔ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناہ خلقا اخر ۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین (آیت ۱۲۔۱۴ ۔ المومنین ۲۳) ٭

دوسری جگہ فرماتا ہے کہ ۔ فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ومنکم من یتوفی ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا (آیت ۵ ۔ الحج ۲۲) ٭

ایک جگہ فرماتا ہے ۔ من ایاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذالک لایات لقوم یتفکرون (آیت ۲۰ ۔ الروم ۳۰) ٭

علاوہ ان کے اور بہت سی آیتیں اسی مضمون کی ہیں جن میں ہم کو قانون فطرت یہ بتایا ہے کہ جوڑے سے یعنی زن و مرد سے اور نطفہ کے ایک مدت معین تک مقر رحم میں رہنے سے انسان پیدا ہوتا ہے پس اس قانون فطرت کے برخلاف اسی طرح نہیں ہو سکتا جس طرح کہ قول وعدہ کے خلاف نہیں ہو سکتا ٭

ایک جگہ فرمایا ہے ۔ وایۃ لھم اللیل نسلخ منہ النھار فاذا ھم مظلمون والشمس تجری لمستقر لھا ذالک تقدیر العزیز العلیم ۔ والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النھار وکل

فی فلک یسبحون (آیت ۳۷ - ۴۰ سورہ یٰسین ۳۶) +

پس یہ نہیں ہو سکتا کہ سورج خلاف قانون فطرت جس طرح کہ وہ چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے کسی کے لئے چلنے سے ٹھیر جاوے اور چاند اپنی منزلیں طے کرتا ہوا جس طرح ہلال ہوتا ہے پھر ہلال نہ ہو۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ سورج اور چاند ٹکرا جاویں۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ رات دن گڈمڈ ہو جاویں اور جب کہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سورج کا چلنا زمین کی حرکت سے دکھائی دیتا ہے تو اسی آیت سے لازم آتا ہے کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ زمین حرکت کرنے سے کسی وقت کسی کے واسطے ٹھیر جاوے ایسا ہونا خلاف قانون فطرت کے ہے اور وہ ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے +

پھر خدا نے ابراہیم کی زبان سے یہ قانون قدرت بتلایا کہ فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر (آیت ۲۶۰ البقرہ ۲) پس یہ بات غیر ممکن ہے کہ جب تک یہ قانون فطرت قایم ہے سورج مشرق سے طلوع نہ کرے اور اُسی کے ساتھ یہ بھی ناممکن ہے کہ زمین مغرب سے مشرق کی طرف اپنے محور پر گردش نہ کرے اس کے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے +

ایک جگہ ابراہیم کے قصہ میں فرمایا ہے۔ فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ فانجاہ اللہ من النار (آیت ۲۴ عنکبوت ۲۹) فانجاہ اللہ من النار سے ثابت ہوتا ہے کہ احراق خاصہ نار کا ہے +

ایک اور جگہ تمثیل میں فرمایا ہے۔ فاصابھا اعصار فیہ نار فاحترقت (آیت ۲۶۶ البقرہ ۲) پس ان دونوں آیتوں سے خدا نے ہم کو قانون فطرت یہ بتایا کہ آگ جلا دینے والی ہے۔ پس جب تک یہ قانون فطرت قایم ہے اس کے برخلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے +

ایک جگہ موسےٰ کے قصہ میں فرمایا ہے کہ۔ واذ فرقنا بکم البحر فانجینا کم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون (آیت ۴۷ البقرہ ۲) +

ایک جگہ فرمایا ہے۔ فاغرقناھم فی الیم بانھم کذبوا بآیاتنا وکانوا عنھا غافلین (آیت ۱۳۲ اعراف ۷)

ایک جگہ فرمایا ہے۔ وقوم نوح لما کذبوا الرسل اغرقناھم وجعلناھم للناس آیۃ (آیت ۳۹ - فرقان ۲۵) +

ان آیتوں میں اور ان کی مثل بہت سی آیتوں میں خدا نے یہ قانون فطرت بتایا کہ پانی میں

تو بھی چیز ذوب جاتی ہے پس جب تک یہ قانون قدرت قایم ہے پانی سے یہ نطرت معدوم نہیں ہو سکتی اس کا معدوم ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کے برخلاف ہونا ناممکن ہے +

ایک جگہ خدا فرماتا ہے۔ ھوالذی ارسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ وانزلنا من السماء ماء طھورا لنحیی بہ بلدۃ میتا ونسقیہ مما خلقنا انعاما واناسی کثیرا۔ آیت ۵۰ فرقان ۲۵) پس یہ خیال ہو سکتا کہ بغیر بادل کے پانی برسے اور فوائد مینہ کے جو خدا نے بیان کئے ہیں وہ اُس سے حاصل نہ ہوں۔ اُن کے خلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدہ کا برخلاف ہونا ناممکن ہے +

یہ چند آیتیں ہم نے بطور مثال کے لکھی ہیں ان کے سوا اور بہت کچھ قرآن مجید میں آیا ہے اور خدا نے ہم کو قانون فطرت بتایا ہے +

علاوہ اس کے انسان نے ان چیزوں کے تجربہ سے جو خدا نے پیدا کی ہیں اس کی مخلوقات کے قانون فطرت کو معلوم کیا ہے اور بے شبہ وہ دعوے نہیں کر سکتا کہ اس نے مخلوقات کے تمام قوانین فطرت کو دریافت کر لیا ہے ان میں سے بہت سے ایسے محقق ہیں جو درجہ یقین کو پہنچ گئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ابھی درجہ یقین کو نہیں پہنچے۔ اور معلوم نہیں کہ ابھی تک کس قدر نا معلوم ہیں +

جو کچھ کہ ہم نے قرآن مجید کی آیتوں سے قانون فطرت بتایا ہے اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ قانون فطرت عام نہیں ہے بلکہ اُس میں مستثنیات بھی ہیں لیکن اُس کے ذمہ ان مستثنیات کا قرآن مجید سے ثابت کرنا لازم ہوگا۔ مگر ہمارا یہ دعوے ہے کہ قرآن مجید سے کسی قانون فطرت میں مستثنے ہونا ثابت نہیں ہوتا جس کو ہم آیندہ بیان کرینگے +

جو قانون قدرت کہ انسان نے تجربہ سے قایم کیا ہے اُس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ جب تمام قانون فطرت ابھی تک نامعلوم ہیں تو ممکن ہے کہ کوئی قانون فطرت ایسا ہو جس سے مستثنیات ثابت ہوتے ہوں۔ مگر یہ کہنا کافی نہیں ہے اس لیئے امکان عقلی تو کوئی شے وجودی نہیں ہے صرف ایک خیال غیر محقق الوقوع ہے۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ علاوہ اس کے امکان کا اطلاق اُس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہوا اور کبھی نہ ہو لیکن جس چیز کا کبھی وقوع ثابت نہ ہوا ہو تو اس پر امکان کا اطلاق غلط اور محض سفسطہ ہے۔ غرضکہ جو شخص قانون فطرت میں مستثنیات کا مدعی ہو اس کو اُن مستثنیات کے کبھی واقع ہونے کو ثابت کرنا بھی لازم ہے +

الاصل التاسع

قرآن مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو قانون فطرت کے برخلاف ہو واما المعجزات

فقد ثبت من القرآن انه علیہ الصلوٰۃ والسلام ما ادعی باحد من المعجزات و قال علیہ السلام انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم اله واحد وقال علیہ السلام فی موضع اخر انما انا بشیر ونذیر۔ ولھذا قال المحقق الاجل الشاہ ولی اللہ فی التفہیمات الالٰھیہ ولم یذکر اللہ سبحانه شیئا من المعجزات فی کتابه ولم یشر الیھا قط ٭

مگر شاہ صاحب کے اس قول سے یہ بات سمجھنی مشکل ہے کہ اُن کی مراد اس نفی سے کیا ہے آیا اُن کا یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید میں کسی نبی کے کسی معجزہ کا ذکر نہیں ہے یا صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی معجزہ کا ذکر نہ ہونے سے مگر ہم تنزلاً قبول کرتے ہیں کہ اُن کا مطلب صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی معجزہ کا ذکر نہیں ہے۔ مگر ہم کو دیکھنا چاہئے کہ اُن کا قول نسبت معجزات کے کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ فانه سبحانه احدی مجرد من الصفات فی مرتبه واحدۃ وبلحاظ واحد و مقرون بالصفات فی مرتبه اخری ولحاظ اخر وعلی ھذا القیاس ان مواطن نفس الامر متفاوتة منھا مواطن الاسباب وفیه العلة والمعلول فقط والسبب والمسبب و من المتحقق عندنا انه لم یترك الاسباب قطولن یترك ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا وانما المعجزات والکرامات امور اسبابیة غلب علیھا السبوغ فباینت سائر الاسبابیات (التفہیمات الٰھیه صفحه ۵۳) ٭

پس شاہ صاحب معجزات کو مسبب باسباب سمجھتے ہیں اور اس قول پر معجزات کا وقوع قانون فطرت کے مطابق ہوتا ہے اور ہم کو اس میں کچھ بحث نہیں ہے۔ بحث اس میں ہے جب کہ معجزات کو مافوق الفطرت قرار دیا جائے جس کو انگریزی میں سپرنیچرل کہتے ہیں اور اس سے انکار کرتے ہیں اور ان کا وقوع ایسا ہی ناممکن قرار دیتے ہیں جیسے کہ قول وعدہ کا ایفا نہ ہونا۔ اور علانیہ کہتے ہیں کہ کسی ایسے امر کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو اور جس کو تم معجزہ قرار دیتے ہو اور اگر بفرض محال خدا کی قدرت کے حوالہ پر اس کو تسلیم بھی کریں تو وہ ایک بیفائدہ امر ہوگا جو نہ مثبت کسی امر کا ہے اور نہ مسکت للخصم ٭

بیشک ہمارے بعض اخوان کو اس پر غصہ آویگا اور قرآن مجید سے بعض امور کو معجزہ قرار دیکر اور اُن کو مافوق الفطرت سمجھ کر پیش کرینگے اور کہینگے کہ قرآن مجید میں معجزات مافوق الفطرت موجود ہیں ٭

ہم اُن کے اس قول کو نہایت ٹھنڈے دل سے سنینگے اور عرض کرینگے کہ جو آیت قرآن مجید کی آپ پیش کرتے ہیں اور اُس سے معجزات مافوق الفطرت پر استدلال فرماتے ہیں آیا اُس کے کوئی دوسرے معنی بھی ایسے ہیں جو موافق زبان کلام عرب کے اور موافق محاورات اور استعمالات اور استنادا

قرآن مجید کے ہوسکتے ہیں اگر نہ ہوسکتے ہوں تو ہم قبول کرینگے کہ ہمارا یہ اصول غلط ہے۔ اور اگر ہوسکتے ہوں تو ہم نہایت ادب سے عرض کرینگے کہ آپ اس بات کو ثابت نہیں کرسکے کہ قرآن مجید میں معجزات مافوق الفطرت موجود ہیں۔ اگر وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں مفسرین کے اقوال پیش کریں یا یہ کہیں کہ تیرہ سو برس سے کسی نے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین یا علماے مجتہدین ومفسرین نے یہ معنی نہیں کیے بلکہ خدا بھی یہ معنی نہیں سمجھا جو تم کہتے ہو تو ہم ادب سے عرض کرینگے کہ اس دلیل سے ہم کو معاف رکھیے اور صرف یہ بتائیے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے اور محاورات اور استعمالات سے جو قرآن مجید میں آئے ہیں وہ معنی ہم نے بیان کیے صحیح ہوتے ہیں یا نہیں۔ غرضکہ جب تک وہ ہم کو ثابت نہ کریں کہ اُس آیت کے جو انہوں نے پیش کی ہے اور کوئی معنی بجز اس کے جو وہ بیان کرتے ہیں ہو ہی نہیں سکتے اور وہ آیت مافوق الفطرت ہونے پر نص صریح ہے اُس وقت تک ہم اُس کا مافوق الفطرت ہونا تسلیم نہیں کرینگے لیکن کسی آیت کے کوئی معنی بیان کرنا اور اُس کی صحت کے لیے خدا کے قادر مطلق ہونے پر حوالہ کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ ہمارے نزدیک خدا موجب اپنے وعدہ کے سب کام اُس قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے جو اُس نے بتایا ہے +

واما ماهية نفس الانسان والقوى المودعة فيها وما يكون لها بعد الموت من حشر الاجساد وغيرها وكيف يكون يوم الآخرة وما حقيقة الجنة والجحيم وما كيفية نعيمها وعقابها فكلها خارجة عن فهم الانسان لانها ما لا عين رأيت ولا اذن سمعت ولا خطر علے قلب بشر وهذا سبحانه جل شانه بينها بمثال يليق بفهم الانسان وبين نعيمها علے افضل ما يرغب به الانسان وعقابها علے اكبر ما يدهش به فكلها ليست بخارجة عن قانون الفطرة بل كلها امثال واستعارات لاحوالها ونعيمها وعقابها لكي يتخيل بها الانسان نوع تخيل ما فيه وما بعد الموت وما نعيمها وعقابها وهذا سياق الكلام المجيد في ضرب الامثال في امور شتى لتفهيم الانسان وتوضيح البيان بقدر الامكان ولا يخفى هذا علے من قرأ القرآن بالامعان وتدبر +

هذا قولي في الفطرة التي قدرها الله سبحانه تعالى لكن لا تغير صفات الله عدلي نقول ان يشاء يذهب السموات والارض وبينهما لاجل اجل لها ويات باخرين علي الفطرت يشاء كما قال الله تعالى ولله ما في السموات وما في الارض وكفى بالله وكيلا ان يشاء يذهبكم ايها الناس ويات باخرين وكان الله على ذالك قديرا (آیت ۱۳۲ - نساء ۴) +

الاصل العاشر

قرآن مجید جس قدر نازل ہوا ہے بتمامہ موجود ہے۔ اُس میں سے ایک حرف نہ کم ہوا ہے نہ زیادہ ہوا ہے وتواترت علیہ جیل بعد جیل وقرن بعد قرن الی زماننا ھذا وقال اللہ تعالےٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (ایت ۹۔ الحجر ۱۵)

الاصل الحادی عشر

ہر ایک سورہ کی آیات کی ترتیب بے تردید منصوص ہے۔ اذا نزلت الایات اشار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہا من سورۃ کذا بعد ایۃ کذا وحفظہا الحافظ فی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی ھذا الترتیب ولم یزل الصحابۃ والتابعون ومن بعدھم یقرؤن القران علی ھذا فثبت ترتیب الایات علے ھذا المنوال من التواتر جیلا بعد جیل وقرنا بعد قرن الی زماننا ھذا۔ اور یہی قول شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے جہاں فوز الکبیر میں انہوں نے فرمایا ہے کہ "در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سورتے علیحدہ محفوظ و مضبوط بود"

الاصل الثانی عشر

قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے یعنی اسکی کوئی آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوئی۔ ولیس فی القرآن نوع من الاشارۃ علے ھذا واما ایتہ ما ننسخ من ایۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا متعلق بشرایع ما قبل الاسلام لا بایات القران ولا شک ان اھل الکتاب من الیہود والنصاری والمشرکین لا یودون من احکام الاسلام ما خالف شرایعہم فذکرہ سبحانہ تعالیٰ اولا وقال ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ ثم قال ما ننسخ من ایۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر (ایت ۹۹۔۱۰۰۔ البقر ۲) فظاھر ان النسخ المذکور فی الایۃ المذکورۃ متعلق بشرایع ما قبل الاسلام لا بایات القران ولا دلیل علی ان المراد بلفظ الایۃ فی قولہ واذا بدلنا ایۃ مکان ایۃ (ایت ۱۰۳۔ النحل ۱۶) ایات القران ولا دلیل علی ان قولہ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب (ایت ۳۹۔ الرعد ۱۳)

متعلق بنسخ ایات القران - فتدبر +

الاصل الثالث عشر

قرآن مجید دفعۃً واحدۃً نازل نہیں ہوا ہے بلکہ نجماً نجماً نازل ہوا ہے - قال اللہ تعالےٰ و قرآنا فرقنٰہ لتقراہ علی الناس علیٰ مکث ونزلنٰہ تنزیلا (آیت ۱۰۷ - بنی اسرائیل ۱۷) وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنی ملکہ نبوت کو انبعاث ہوا اور اس کے سبب سے وحی نازل ہوئی پس مختلف اوقات کے کلام کا مجموعہ ہے جو خدا نے وقتاً فوقتاً بمقتضائے اس وقت کے تکلم کیا ہے اور بطور ایک تصنیف کی ہوئی کتاب کے نہیں ہے جس میں اول مصنف بہ ابواب و فصول کو تقسیم کرکے اس کے مضامین کو ترتیب خاص سے مرتب کرتا ہے شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ "قرآن ابروش متون مبوب مفصل ساختہ نشدہ است تا مطلبے از آن رایابی بافصلے مذکور شود بلکہ قرآن را مانند مجموعہ مکتوبات فرض کن چنانکہ بادشاہان بر رعایائے خود بحسب اقتضائے حال مثال مینویسند و بعد زمانے مثال دیگر و علےٰ ہذالقیاس تا آنکہ مثال بسیار جمع شود شخصے آن شدہا تدوین کند و مجموعہ مرتب سازد ہمچنین ملک علےٰ الاطلاق بر پیغمبر خود صلے اللہ علیہ وسلم برائے ہدایت بندگان بحسب اقتضائے حال سورۃً بعد سورۃ نازل مودود زمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر سورۃ علیحدہ محفوظ و منضبط بود اما سورتہا تدوین نفرمودند و در زمان حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہمہ سورتہا در یک مجلد بترتیب خاص جمع نمودند و ایں مجموع بمصحف مسمی شد (فوز الکبیر صفحہ ۲۷) +

قرآن مجید کا نجماً نجماً نازل ہونا اور وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے پر ملکہ نبوت کا انبعاث اور وحی کا نازل ہونا ایک طبعی امر ہے - انسان کے دماغ میں متعدد قسم کے علوم و فنون کا ملکہ موجود ہوتا ہے مگر بغیر محرک کے وہ ملکہ تحریک میں نہیں آتا - پس قرآن مجید کا اس منوال پر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں ہے جس کے مضامین کو مصنف پہلے سے سوچ کر اور اپنی مرضی کے موافق کتاب مرتب کرتا ہے +

قرآن مجید کے اوقات مختلفہ کے کلام کے مجموعہ ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ جس طرح مختلف اوقات میں کلام کرتے ہیں اور اس وقت بمقتضائے محل اور بغرض مزید تنبیہ اشخاص کے اس کلام کے دوہرانے کی ضرورت پڑتی ہے جو کسی پہلے وقت میں کہا گیا تھا - بعض مضمون کو جو مہتم بالشان ہیں ہر دفعہ کے کلام میں بار بار جتلانا پڑتا ہے - بعض دفعہ کسی قصہ کی تلمیح کرنی ہوتی ہے - بعض دفعہ کسی قصہ کے اسی جزو کا بیان کافی ہوتا ہے جو اس وقت کے کلام کیلئے ضرور ہے - بعض دفعہ کسی قصہ کے بالاجمال اور بعض دفعہ زیادہ تفصیل سے بیان کرنا مقتضائے کلام ہوتا ہے غرضکہ ہر ایک امر جو مختلف اوقات میں کلام کرنے میں پیش آتا ہے وہ سب قرآن مجید میں پایا جاتا ہے اور یہ کافی ثبوت اس بات کا ہے کہ قرآن ایک تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں ہے

اور جب کہ اس میں صرف کلمات وحی ہی لکھے گئے ہیں تو مبادی کلام جس سے وحی متعلق ہے اُس میں شامل نہیں ہیں اور اس سبب سے بعض مقامات قرآن مجید میں بلکہ متعدد ایسے ہیں کہ ایک مقصد بیان کرتے کرتے دوسرا مطلب بیان ہونے لگتا ہے جو ایک نیا یا اجنبی معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے بلکہ مبادی کلام کے مندرج نہ ہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے بعض دفعہ قرینہ حالیہ کسی کلام کے مقتضا پر دلالت کرتا ہے اور متکلم بغیر اس کے کہ اپنے کلام میں اُس کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت سمجھے اپنا کلام شروع کر دیتا ہے اور جب کہ صرف متکلم ہی کا کلام بلا بیان اس قرینہ حالیہ کے لکھا جاوے تو جو دلالت کلام کی قرینہ حالیہ سے پائی جاتی تھی وہ اس میں نہیں ہوتی اور اس لئے اُس کی تلاش یا تعیین کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی بنیاد پر علمائے اسلام نے آیات کی شان نزول تفتیش کرنے پر توجہ کی ہے جس کی بنیاد صرف روایات ضعیف پر ہے اور اس لئے زیادہ پر امن طریقہ یہ ہے کہ جہاں اُس کی ضرورت ہو حتی المقدور صرف قرآن مجید کے سیاق و سباق کلام سے اور اُس کی طرز والے کلام سے اس کو تلاش کیا جاوے اور جو اصول کہ قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں اُن کو ہر ایسے مقام پر ملحوظ رکھا جاوے +

الاصل الرابع عشر

موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے وہ سب ہو بہو بالحیثیت من الحیثیات مطابق واقع ہے۔ نہیں ہو سکتا کہ اُس کا قول اس کی مصنوعات کے مخالف ہو یا مصنوعات اس کے قول کی مخالف ہوں۔ بعض جگہ ہم نے قول کو ورڈ آف گاڈ اور اُس کی مصنوعات کو ورک آف گاڈ سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ دونوں کا متحد ہونا لازم ہے۔ اگر ورڈ۔ ورک کے کسی حیثیت کے مطابق نہیں ہے تو ایسا ورڈ۔ ورڈ آف گاڈ نہیں ہو سکتا +

الاصل الخامس عشر

باوجود اس بات کے تسلیم کرنے کے کہ قرآن مجید بلفظہ کلام خدا ہے مگر جبکہ وہ عربی میں اور انسان کی زبان میں نازل ہوا ہے تو اُس کے معنی اسی طرح پر لگائے جاویں گے جیسے کہ ایک نہایت فصیح عربی زبان میں کلام کرنے والے کے معنی لگائے جاتے ہیں اور جس طرح کہ انسان استعارہ و مجاز کنایہ و تشبیہ و تمثیل اور دلائل لمی و اقناعی و خطابی و استقرائی و الزامی کو کلام میں لاتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں بھی استعارہ و مجاز کنایہ و تشبیہ و تمثیل اور دلائل لمی و اقناعی و خطابی و استقرائی و الزامی سب موجود ہیں علاوہ اس کے ہم کو ان اصول اور ان قولی اور عملی قاعدوں پر غور کرنا ضرور ہوتا ہے جو خود خدا نے کئے ہیں اور اُس طرز کلام اور طریق استعمال الفاظ کو دیکھنا لازم ہوتا ہے جو مخصوص قرآن مجید سے

ہے اور جس کے لئے ہم کو ایک آیت کی تفسیر بیان کرنے میں دوسری آیت سے استمداد لینی پڑتی ہے +

ہر ایک کلام کے معنی قرار دینے میں وہ کلام کسی کا ہو خواہ خدا کا یا انسان کا مندرجہ ذیل باتوں کا محقق ہونا ضرور ہے +

(۱) جس لفظ کے جو معنی قرار دیئے گئے ہیں اس کی نسبت جاننا چاہئے کہ وہ لفظ انہیں معنوں میں وضع کیا گیا ہے +

(۲) اس بات کا قرار دینا کہ جن معنوں میں وہ لفظ وضع کیا گیا تھا ان معنوں سے کسی دوسرے معنوں میں مستعمل نہیں ہوا ہے +

(۳) اگر وہ لفظ مشترک المعنی ہے تو اس بات کا قرار دینا لازم ہے کہ وہ ان مشترک معنوں میں سے کس معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ضمائر جن کا مرجع مختلف ہوسکتا ہو وہ بھی الفاظ مشترک المعنی میں داخل ہیں +

(۴) اس بات کو قرار دینا ضرور ہے کہ وہ ان اصلی معنوں میں بولا گیا ہے جو اس سے متبادر ہوتے ہیں یا مجازی معنوں میں +

(۵) اس بات کو قرار دینا کہ اس کلام میں کوئی شے مضمر ہے یا نہیں +

(۶) اس بات کو قرار دینا ضرور ہے کہ جن معنوں پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے اُس میں کوئی تخصیص بھی ہے یا نہیں +

(۷) یہ بات دیکھنی لازم ہے کہ جو معنی اُس لفظ کے قرار دیے گئے ہیں اسپر کوئی عقلی معارضہ بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہ معنی صحیح نہ ہونگے۔ اور یہ بات کوئی نئی نہیں ہے بلکہ تمام علمائے اسلام نے سیکڑوں مقاموں میں اس کی پیروی کی ہے۔ مثلاً خدا کے عرش پر استوا ہونے میں۔ اس کے ہاتھ اور منہ اور ساق ہونے میں اور مثل ان کے اور بہت سے لفظوں کے اصلی معنی اس لئے نہیں لئے گئے کہ دلیل عقلی ان کے برخلاف تھی پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان الفاظ کے ایسے معنی جو دلیل عقلی سے محال ہیں یا خود اس قانون فطرت کے مخالف ہیں جو خود خدا نے بیان کیا ہے یا تجربہ کے خلاف ہیں چھوڑ کر دوسرے معنی نہ لئے جاویں +

اس میں کچھ شک نہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں الفاظ کے معنی معین و مستعمل تھے اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ وہی معنی بتواتر ہم تک پہنچے ہیں تو اس سے صرف امر اول کا تصفیہ ہوجاتا ہے۔ مگر اس بات کا تصفیہ کہ لفظ دوسرے معنوں میں مستعمل نہیں ہوا اور اگر وہ مشترک المعنی ہے تو کون سے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اور وہ مجازی معنوں میں مستعمل ہوا ہے یا نہیں۔ الیٰ غیر ذالک نہیں ہوسکتا پس جب تک کہ ساتویں امر کی پیروی نہ کی جاوے جس کی پیروی بہت سے مقاموں میں علمائے اسلام

نے دی ہے نہ کسی انسان کے کلام کے معنی صحیح طور پر قرار دیئے جا سکتے ہیں نہ خدا کے کلام کے ۔

قرآن مجید کے معنی قرار دینے میں ہم کو ایک اور مشکل پیش آتی ہے کہ عرب جاہلیت کا کلام بہت کم ہم تک پہنچا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اُس میں سے بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے اور علمائے علم ادب اس بات کو خود تسلیم کرتے ہیں پس یہ امر قابل یقین نہیں ہے کہ اہل لغت اور علمائے علم ادب نے جو معنی الفاظ کے لغت کی کتابوں میں اور اس کے محاورات اور استعارات کو لکھا ہے اور اُن کے سوا اور کوئی معنی اور استعارات زمانۂ جاہلیت اور خود زمانۂ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں نہ تھے ۔

بلاشبہ اس امر میں ہم مجبور ہیں اور بجز اس کے کہ قرآن مجید کے معنی قرار دینے میں موجودہ لغت کی کتابوں اور علم ادب کی کتابوں کی طرف رجوع کریں اور کچھ چارہ نہیں ہے لیکن اگر بالفرض ہم کو قرآن مجید سے کسی لفظ کا ایسے طور پر استعمال یا ایسے معنوں میں استعمال بطور یقین کے ثابت ہو جاوے جو کتب لغت یا علم ادب کی کتابوں میں نہ ملے تو ہم اُس کے اختیار کرنے میں کوئی وجہ تامل نہیں پاتے اور ایسا کرنے میں ہم قرآن مجید کے ساتھ اس سے زیادہ کچھ نہ کرینگے جو کلام جاہلیت کیساتھ کیا ہے کیونکہ ہماری تمام لغت کی کتابوں اور علم ادب کی کتابوں کی بنیاد اسی بات پر ہے کہ ہم نے وہ معنی یا محاورہ کلام جاہلیت سے اخذ کیا ہے ۔

(۸) قرآن مجید کے معنی قرار دینے میں ہم کو ایک اور امر کا تصفیہ بھی لازم ہے کہ جس کلام پر ہم استدلال کرتے ہیں آیا وہ کلام مقصود ہے یا غیر مقصود کیونکہ اگر وہ کلام غیر مقصود ہے تو اس پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ کلام غیر مقصود قرآن مجید میں بہت جگہ پایا جاتا ہے اور انسان کے کلاموں میں بھی کلام غیر مقصود ہوتا ہے جس پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ مثلاً خدا کا یہ فرمانا کہ ان الذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا عنها لا تفتح لهم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (آیت ۳۸ ۔ اعراف ۷) اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ کسی وقت میں اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جاویگا کیونکہ وہ کلام غیر مقصود ہے اور صرف ان لوگوں کے جنہوں نے خدا کے احکام کو جھٹلایا ہے جنت میں داخل ہونے کے عدم امکان کا بیان ہے۔ اسی طرح اس آیت سے آسمان کے دروازوں کے ہونے پر بھی استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کلام اس مقصد کے لئے نہیں بولا گیا ہے بلکہ صرف خدا کی رحمت سے محروم رہنے کے مقصد سے بولا گیا ہے۔ اسی طرح کلام غیر مقصود کی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں اور اُن سے ان کے اصلی معنوں پر استدلال نہیں ہو سکتا ۔

اسی کے ضمن میں بہت بڑی بحث تاویل کی آتی ہے یعنی جب کسی لفظ کے اصلی معنی نہیں بن سکتے تو دوسرے معنی اختیار کرتے ہیں جس سے قول قائل کا صحیح ہو جاوے ۔ مگر میں اس مقصد سے تاویل کو قرآن مجید میں جائز نہیں سمجھتا اور میری رائے یہ ہے کہ تاویل اس کو کہتے ہیں جبکہ یہ متحقق ہو جاوے کہ قائل کا اس کلام سے درحقیقت یہ مطلب تھا اور وہ مقصد صحیح نہ ہو اور اُس وقت اس کلام کے دوسرے معنی اختیار کئے جاویں تاکہ وہ کلام صحیح ہو جاوے اور اگر قائل کا درحقیقت وہی مقصد ہو جو بعد تاویل کے قرار دیا گیا ہے تو وہ تاویل

نہیں ہے بلکہ قائل کے اصلی مقصد کا ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً قائل کا یہ قول کہ زید اسد ہے اگر قائل کا درحقیقت لفظ اسد سے حیوان معروف مراد ہے اور وہ زید پر صادق نہ آوے اور کوئی شخص خلاف مقصد اس قائل کے اس کے معنی شجاعت کے لے تو درحقیقت یہ تاویل ہے۔ اور اگر قائل نے اسد کے لفظ سے خود ہی شجاعت مراد لی ہو تو اسد سے شجاعت مراد لینا تاویل نہیں ہے بلکہ قائل کے اصلی مطلب کا اظہار ہے۔ اسی طرح جب ہم قرآن مجید کے کسی لفظ کے اصلی معنی نہیں لیتے بلکہ مجازی معنی لیتے ہیں تو ہم اس کو تاویل نہیں کہتے اس لئے کہ ہم بالقصد اپنی قسمت کے یہی سمجھتے ہیں کہ خدا نے انہی مجازی معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے +

قرآن مجید کے معانی بیان کرنے میں سب سے زیادہ دھوکا انسان کو اُن مقامات پر پڑتا ہے جہاں قرآن میں قصص انبیائے سابقین بیان ہوئے ہیں۔ انبیائے سابقین کے قصے عہد عتیق کی کتابوں میں بھی آئے ہیں اور علمائے یہود نے بھی قصص انبیا مستقل کتابوں میں لکھے ہیں جن میں بہت کچھ باتیں دور از عقل و خلاف قانون فطرت مندرج ہیں وہ قصے مشہور تھے اور ہمارے علما بھی اُن سے مانوس تھے اور اُن کے عجائبات کو جو قانون فطرت کے برخلاف تھے معجزات قرار دیتے تھے۔ وہ قصے قرآن میں بھی بیان ہوئے ہیں اور وہ بیان بہت کچھ اُسی کے مشابہ اور مماثل ہے جو اُن قصوں کی نسبت بیان ہوا ہے۔ مگر قرآن مجید کے الفاظ اُن قصوں میں اس طرح آئے ہیں کہ اُن سے وہ باتیں جو دور از عقل اور خلاف قانون قدرت اُن قصوں میں مشہور تھیں اُن کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ہمارے علمائے متقدمین نے اس بات پر خیال نہیں کیا بلکہ جہاں تک اُن سے ہو سکا قرآن مجید کے الفاظ کو اُن قصوں پر بعینہ حمل کرنے پر کوشش کی اور اُس کے کئی سبب ہیں +

اول۔ یہ کہ اُن قصوں کی کیفیت مشہورہ اُن کے دل میں بسی ہوئی تھی اس لئے قرآن مجید کے اُن الفاظ پر انہوں نے توجہ نہیں کی +

دوسرے یہ کہ اُن کے پاس ہر ایک عجیب چیز کو گو کہ وہ کیسی ہی قانون فطرت کے برخلاف کیوں نہ ہو خدا کی قدرت عام کے تحت میں داخل کر دینے کا نہایت سہل طریقہ تھا اور اس سبب سے اُن الفاظ کی حقیقت پر غور کرنے کو توجہ مائل نہیں ہوتی تھی +

تیسرے یہ کہ اُن کے زمانہ میں نیچرل سائنس نے ترقی نہیں کی تھی اور کوئی اُن کو قانون فطرت کی طرف رجوع کرنے والی اور اُن کی غلطیوں سے متنبہ کرنے والی نہ تھی۔ پس یہ اسباب اور مثل اِن کے اور بہت سے اسباب ایسے تھے کہ اُن کی کافی توجہ قرآن مجید کے اُن الفاظ کی طرف نہیں ہوئی +

مثلاً اُن کے زمانہ میں یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوا تھا کہ طوفان نوح کا تمام دنیا میں عام ہونا اور پانی کا اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بلند ہو جانا محالات سے اور خلاف واقع ہے اور اس لئے ان کے خیال میں یہ بات نہ آئی کہ قرآن مجید میں جو الارض کا لفظ ہے اس میں الف لام استغراق کا نہیں ہے بلکہ عہد کا ہے +

حضرت ابراہیم کے قصے میں کوئی نص صریح اس بات پر نہیں ہے کہ درحقیقت اُن کو آگ میں ڈال

دیا گیا تھا مگر انہوں نے اس بات پر خیال نہیں کیا ۔

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں کوئی نص صریح قرآن مجید میں موجود نہیں ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے ۔

اسی طرح حضرت یونس کے قصے میں اس بات پر قرآن مجید میں کوئی نص صریح نہیں ہے کہ درحقیقت مچھلی اُن کو نگل گئی تھی ابتلع کا لفظ قرآن میں نہیں ہے التقمہ کا لفظ ہے جس کے صرف منہ میں پکڑ لینا مراد ہے کیونکہ جب کوئی لفظ تاکید کا اس کے ساتھ نہیں جیسے التقمہ فلقمها تو التقم کے معنی ابتلع کے نہیں ہو سکتے ۔ اور اگر فرض کرو کہ بغیر لفظ تاکید کے بھی اس کے معنی ابتلع کے ہوں تو بھی لقم والتقم کے دو معنی ہیں ایک سرعۃ الاکل ۔ دوسرے القبا در علیہ وران دوسرے معنوں سے بلع ثابت نہیں ہوتا ۔ پس دوسرے معنوں پر جو مطابق قانون فطرت کے تھے انہوں نے توجہ نہیں کی اور اس آیت میں کہ فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون (آیت ۱۴۳ و ۱۴۴ الصافات ۳۷) اس پر التفات نہیں کیا کہ لبث فی بطن الحوت کی نفی دو طرح پر متحقق ہو سکتی ہے ۔ اول اس طرح پر کہ مچھلی نے نگلا ہی نہیں ۔ دوسرے اس طرح کہ نگلا ہو مگر اس کے پیٹ میں ٹھیرے ہوں ۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ اگر میں اس کو نہ بچاتا تو وہ قبر میں ہوتا ۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ قتل نہیں ہوتا نہ یہ کہ قبر میں جا کر نکل آیا ۔ مگر انہوں نے ان معنوں پر توجہ نہیں کی ۔ غرضکہ اس قسم کی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں ہیں ۔ ہم کو ضرور ہے کہ صرف الفاظ قرآن مجید کے پابند رہیں نہ اُن قصوں کے جو یہود و نصاریٰ میں مذکور و مشہور ہیں ۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ "نقل از بنی اسرائیل دسیسہ ایست کہ در دین ما داخل شد بعد از آنکہ لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم قاعدہ مقرر است ۔ پس دو چیز لازم آمد یکے آنکہ تعریض قرآن یا درسنت حضرت پیغامبر صلے اللہ علیہ وسلم بیان یافتہ شود مرتکب نقل از اہل کتاب نباید شد مثلاً چون محل آیت ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب و درسنت نبویہ یافتہ نشود مثل قصہ کہ انشاء اللہ و مواخذہ بر آن است مرتکب ذکر صخرہ مارد چرا باید شد ۔ دوم آنکہ الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ را در نظر داشتہ قدر اقتضاء تعریض سخن باید گفت تا بشارت قرآن تصدیق کردہ باشیم و از زیادت زبان باید کشید" (فوز الکبیر صفحہ ۹۰ – ۹۱) ۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے معنے اس طور پر قرار دینے ضرور ہیں جس طرح کہ ایک اُمی آدمی اُس کے معنی سمجھ سکتا ہے کیونکہ بدوین اور تمام قبائل عرب کے اَن پڑھ تھے ۔ پس اس زمانہ کے اہل عرب جس طرح سیدھے سادھے طور پر الفاظ قرآن کے ظاہری معنی سمجھتے تھے اسی طرح ہم کو قرآن کے معنے بیان کرنے چاہئیں ۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم اسی طرح کرتے ہیں کیونکہ الفاظ کے وہی معنے لیتے ہیں جو عرب جاہلیت سمجھتے تھے کلام جاہلیت ہی کی بنا پر صرف و نحو و لغت کی کتابیں بنی ہیں جن سے ہم قرآن مجید کے معنے بیان کرتے ہیں تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ علوم ادبیہ زبان کا مدار ہی اہل عرب کے کلام پر مبنی ہے ۔ مگر بحث اس پر

آجاتی ہے جب کہ بلحاظ علوم وفنون کے قرآن مجید پر توجہ کی جاتی ہے اور جس سے اہل عرب بالکل ناواقف
اور عاری محض تھے اس حالت میں بھی ہم کوئی نئی بات پیش نہیں کرتے بلکہ خود موافق زبان اہل عرب کے
قرآن مجید کے الفاظ کے اُن معنوں پر توجہ کرتے ہیں جو علوم کی ترقی کے سبب ہم کو صحیح و درست معلوم
ہوتے ہیں +

مثلاً اہل عرب بجز اس کے کہ جس پر وہ رہتے تھے اُس کو ارض کہتے تھے اور جو نیلی نیلی چیز گنبد نما اُن کے
سر پر تھی اس کو سما جانتے تھے اور اُور بحثوں سے جو علوم میں اُن سے متعلق ہیں محض ناواقف تھے اور اس سے
جو نتیجہ ہدایت اور تعلیم روحانی اور وحدت و قدرت ذات باری کا قرآن مجید سے مقصود تھا وہ اُن کو حاصل ہوتا
تھا۔ مگر جب بلحاظ علوم کے قرآن کے الفاظ پر بحث کیجاوے تو اس وقت اُن سے کہتے ہیں کہ الفاظ قرآن
کے وہ معنی لینے جو مطابق زبان عرب کے اور اُن علمی بحثوں کے مطابق ہیں کیوں نظر انداز کیے جاتے ہیں اور
جو قانون فطرت خود خدا نے بنایا ہے اُس کے مطابق وہ معنی جو کلام عرب کے مطابق ہیں کیوں نہیں لیے جاتے +

ہم سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید کا یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اُس طرز کلام میں نازل ہوا ہے کہ اُمی و عالم و جاہل
فلسفی کسی طرح پر اُس کے معنی سمجھیں سیدھے سادہ طور پر یا علمی و فلسفی طریقہ پر مگر نتیجہ میں سب متحد ہوجاتے ہیں۔ کوئی کلام
بجز قرآن مجید کے ایسا نہیں ہے کہ وہ جاہل اور اُمی محض کو بھی اُسی نتیجہ پر پہنچا دے جس نتیجہ پر ایک عالم فلسفی کو
پہنچاتا ہے اور ہر ایک بقدر اپنے علم اور استعداد کے اُس سے فائدہ اُٹھا کر ایک منزل مقصود پر پہنچتا ہے +

ہم سے طعناً کہا جاتا ہے کہ جب حکمت و ہیئت و فلسفہ یونانی مسلمانوں میں پھیلا اور جو اُس زمانہ میں
بالکل سچ و صحیح اور مطابق حقیقت واقع سمجھا جاتا تھا۔ علمائے اسلام نے قرآن مجید کے ان مقامات کی
جو اُن کے مطابق معلوم ہوتے تھے تائید کی اور ان مقامات کو جو بظاہر مخالف اُن علوم کے معلوم ہوتے
تھے اُن کے مطابق کرنے پر کوشش کی اب کہ معلوم ہوا کہ وہ علوم غلط اصول پر مبنی تھے اور اُن کا علم ہیئت
بالکل خلاف حقیقت تھا اور علم طبیعات اور تجربی سائنس نے زیادہ ترقی کی تو اب ان معنوں سے جو اگلے علما
نے مطابق یونانی علوم کے قرار دیئے تھے تخلف کرتے ہو اور دوسرے معنی اختیار کرتے ہو جو حال کے
علوم کے مطابق ہیں اور کیا عجب ہے کہ آئندہ زمانہ میں اُن علوم کو اور زیادہ ترقی ہو اور جو امور اس وقت
محقق معلوم ہوتے ہیں وہ غلط ثابت ہوں اس وقت قرآن مجید کے الفاظ کے دوسرے معنی قرار دینے کی
ضرورت ہوگی و علیٰ ہذا القیاس قرآن لوگوں کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہو جائے گا +

ہم اس طعن کو بطور ایک بشارت کے نہایت خوشی سے تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ قرآن مجید
حقیقت امور کے مطابق ہے کیونکہ وہ ورڈ آف گاڈ ہے اور بالکل ورک آف گاڈ اس کے مطابق ہے مگر
اس پر بہت بڑا معجزہ یہ ہے کہ ہمارے ہر درجہ علم میں ان امور میں جن کی ہدایت کے لئے یہ قرآن نازل
ہوا ہے یکساں ہدایت کرتا ہے اس کے الفاظ ایسے اعجاز سے نازل ہوئے ہیں کہ جہاں تک ہمارے

علوم کو ترقی ہوتی جاوے گی اور اس ترقی یافتہ علوم کے لحاظ سے ہم اس پر غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ اس کے الفاظ اس لحاظ سے بھی مطابق حقیقت ہیں اور ہم کو ثابت ہو جاویگا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیئے تھے اور اب غلط ثابت ہوئے وہ ہمارے علم کا قصور تھا نہ الفاظ قرآن کا۔ پس اگر ہمارے علوم کو آئندہ زمانہ میں ایسی ترقی ہو جاوے کہ اس وقت کے امور محققہ کی غلطی ثابت ہو تو ہم پھر قرآن مجید پر رجوع کرینگے اور اس کو ضرور مطابق حقیقت پاوینگے اور ہم کو معلوم ہوگا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیئے تھے وہ ہمارے علم کا نقصان تھا۔ قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا ◆

مثلاً فرض کرو کہ قرآن مجید سے ہم نے یہ سمجھا تھا کہ سورج زمین کے گرد پھرتا ہے جس سے طلوع و غروب ہوتا ہے اب معلوم ہوا کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد پھرتی ہے اب ہم قرآن مجید پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا پھرنا قرآن مجید میں بطور حقیقت واقع کے بیان نہیں ہوا بلکہ علیٰ مایشہد والناس بیان ہوا ہے اور وہ سچ ہے پس ہم نے جو اس کو بطور حقیقت واقع کے سمجھا تھا وہ ہماری غلطی تھی نہ قرآن مجید کی غرضکہ ترقی علوم سے ہم کو ان امور سے رجوع کرنا جو ہم نے پہلے نسبت قرآن کے قرار دیئے تھے اور قرآن مجید کا اس کے مطابق پانا جس کی طرف ہم نے بعد ترقی علم رجوع کی ہے ہمارے علم سابق کا نقصان اور قرآن مجید کے کامل ہونے کا ثبوت ہے مگر ہماری نسبت کسی قسم کی طعنہ زنی کا سبب نہیں ◆

یہ بحثیں جہاں تک ہیں صرف اُن امور سے متعلق ہیں جو علوم سے اور طبیعات سے علاقہ رکھتے ہیں۔ باقی رہے وہ امور جو روحانی تعلیم سے متعلق ہیں اور جن کو لا الٰہ الا اللہ و محمد رسول اللہ حاوی ہے ہر وقت میں ایک حالت مستقل پر قایم ہیں اس میں نہ کبھی تبدل ہوا۔ نہ ہوگا۔ نہ ہونیکی حاجت۔ جس کے لئے منطوق آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا شاہد عادل ہے ◆

الآن نختم الکلام ونقول ھذہ اصول معدودۃ من الاصول التی اسسنا علیھا تفسیر القرآن ونبین کلھا فی وقت اٰخر انشاء اللہ تعالیٰ ◆

حصّہ اوّل

تفسیر القرآن

اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ فاتحہ

قرآن مجید کی سورتوں کو جو سورۃ کہتے ہیں اُسکی وجہ تسمیہ میں متعدد اقوال ہیں سب سے صاف یہ ہے کہ سورت شہر کی فصیل کو کہتے ہیں جس سے شہر محدود ہو جاتا ہے۔ اُسی مناسبت سے قرآن مجید کی آیات معینہ محدودہ پر سورت کا اطلاق کیا گیا ہے +

قرآن مجید میں بھی آٹھ جگہ سورت کا لفظ آیا ہے۔ اگرچہ وہاں لفظ سورۃ سے قرآن مجید کی سورتیں جو سورتوں کے نام سے مشہور ہیں مراد نہیں ہے۔ بلکہ اُن سے قرآن مجید کا ایک حصہ مراد ہے جسمیں کوئی پورا مطلب اور منشا بیان کیا گیا ہو۔ مگر جبکہ کوئی حصہ تعین کیا جاویگا تو ضرور ہے کہ وہ بھی معین و محدود ہو گا۔ اُسی مناسبت سے قرآن مجید میں اُسپر سورت کا اطلاق ہوا ہے پس اُسی کی پیروی سے اُن مجموعۂ آیات پر جو درحقیقت معین و محدود اور اپنے ماقبل و مابعد سے علیحدہ ہیں۔ سورت کا اطلاق کرنا۔ نہایت درست و صحیح ہے +

قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ اُن میں سے بجز انتیس کے جنکی ابتدا میں حروف مقطعات ہیں اور کسی کو خدا تعالیٰ نے کسی نام سے موسوم نہیں کیا جسقدر نام سورتوں کے ہیں وہ سب بعد کے رکھے ہوئے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ ہی میں یہ نام مشہور ہوگئے ہیں۔ مگر اُن میں سے کسی بات کا کچھ ثبوت نہیں ہے۔ حدیثوں میں جو اِن سورتوں میں سے بعض کے نام آئے ہیں اگرچہ وہ حدیثیں ثابت نہیں ہیں۔ تاہم اگر انکو ثابت بھی مانا جاوے تو اُس سے بجز اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ راوی اخیر کے زمانہ میں وہ

سورت اُس نام سے مشہور تھی ؛

یہودیوں کا دستور تھا کہ توریت کی سورتوں کو یا اُسکے شروع کے لفظ سے موسوم کرتے تھے۔ یا جس معاملہ یا مطلب پر وہ سورت دلالت کرتی تھی اُسی میں سے کوئی لفظ لیکر اُسکا نام رکھدیتے تھے۔ مثلاً توریت کی پہلی سورت کے شروع میں لفظ "براشیت" בראשית آیا ہے اُسکا نام اُنھوں نے "سورہ براشیت" פרשת בראשית رکھا تھا اور دوسری سورت میں حضرت نوح کا قصہ ہے اُسکا نام "سورہ نوح" פרשת נח رکھا تھا اُسی قاعدہ کے مطابق اہل اسلام نے بھی قرآن مجید کی سورتوں کے نام رکھے ہیں۔ اِس سورت کا نام جو سورہ فاتحہ رکھا ہے اِس لحاظ سے رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید اِس سے شروع ہوتا ہے۔ مگر یہ نام اُن ناموں میں سے نہیں ہے جو وحی سے ٹھہرائے گئے ہیں ؛

(اختلاف قرأت) جب قرآن نازل ہوتا تھا۔ تو متفرق ٹکڑوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور لوگ جو سنتے تھے اُسکو بر زبان یاد بھی کر لیا کرتے تھے۔ مگر جیسا کہ عام قاعدہ فطرت انسانی کا ہے بر زبان یاد کرنے والوں کو پیش آتا تھا۔ یعنی جسکا حافظہ قوی تھا اُسکو نہایت صحت و ضبط کے ساتھ یاد رہتا تھا اور جسکا حافظہ قوی نہ تھا اُسکو ایسے ضبط سے یاد نہ رہتا تھا۔ اور اسوجہ سے اختلاف قرأت پیدا ہو گئے تھے۔ کسی کو واو کی جگہہ ے یاد رہگئی۔ کسی کو زیر کی جگہہ زبر کسی کو سکون کی جگہہ تشدید۔ اور کچھ شبہہ نہیں کہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص بر زبان یاد رکھنے میں کوئی کلمہ یا آیت بھول گیا۔ یا کوئی غیر کلمہ اوسکی زبان پر چڑھ گیا جو درحقیقت اوسمیں نہ تھا۔ غرضکہ زبانی یاد رکھنے میں جو امور کہ موافق فطرت انسانی پیش آسکتے ہیں اُس زمانہ کے لوگوں کو بھی پیش آتے تھے۔ مگر جو لغزشیں اس طرح واقع ہوتی تھیں اُسکے درست کرنے والے یا تو وہ لوگ تھے جو نہایت صحت و ضبط سے یاد رکھتے تھے یا وہ متفرق لکھے ہوئے پرچے تھے جو قرآن نازل ہونے کے وقت لکھ لیئے جاتے تھے۔ غرضکہ زبانی غلطیاں یا تو بخوبی یاد رکھنے والوں سے یا متفرق لکھے ہوئے پرچوں سے جو لوگوں کے پاس تھے صحیح ہو جاتی تھیں ؛

یہ اختلاف روز بروز جیسا کہ عام قاعدہ ہے بڑھتا جاتا تھا۔ اسلیئے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں صحابہ نے اِسپر اتفاق کیا۔ کہ اُن متفرق پرچوں کو جمع کر کر تمام قرآن مجید کو ایک جگہہ لکھ لینا

چاہیئے۔ تاکہ اختلاف نہ رہے۔ پس زید بن ثابت نے وہ تمام متفرق پرچے جمع کیئے اور اپنے ہمعصروں سے جو قرآن کو بخوبی یاد رکھتے تھے اور جنکے پاس متفرق پرچے لکھے ہوئے تھے ملی۔ اور اول سے آخر تک قرآن مجید لکھ لیا +

حضرت عثمانؓ کے وقت تک بلاد و دورست میں اسلام پھیل گیا تھا۔ اور صرف ایک قرآن کا مدینہ میں ہونا کافی نہ تھا۔ اسلیئے اُنھوں نے اس قرآن کی جسکو زید بن ثابت نے لکھا تھا متعدد نقلیں کیں۔ اور دور دور کے ملکوں میں بھیجدیا۔ یہ کارروائی نہایت مفید ہوئی اور سب سے بڑا یہ کام ہوا کہ اُس زمانہ سے پہلے کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی اور کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو دو یاد تھیں کسی کو دس یاد تھیں۔ کسی کو آدھی یاد تھی کسی کو پاؤ۔ اب سینکڑوں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنکو بہ ترتیب من اوّلہ الی آخرہ تمام قرآن یاد تھا +

اگرچہ اب وہ غلطیاں جو نسبت اسقاط یا اضافہ کلمات کے زبانی یاد رکھنے سے واقع ہوتی تھیں۔ بالکل جاتی رہیں۔ مگر پھر بھی کسی قدر اختلاف قرأت باقی رہا۔ اسلیئے کہ یہ سب قرآن جو لکھے گئے تھے قدیم کوفی خط میں تھے جسمیں نہ نقطے ہوتے تھے نہ اعراب۔ اور اگرچہ عرب اس سبب سے کہ اُنکی زبان تھی اُسکو بخوبی بلا تکلف بصحت پڑھتے تھے۔ مگر پھر بھی بعضے ایسے لفظ تھے کہ بلحاظ قواعد صرف و نحو زبان عرب کے۔ یا یوں کہو کہ مطابق بول چال اہل عرب کے اگر اُسکو (یی) سے پڑھو تو بھی معنی ٹھیک ہوتے ہیں۔ اور اگر (تے) سے پڑھو تو بھی معنے ٹھیک ہوتے ہیں۔ اگر سکون سے پڑھو تو بھی صحیح ہے۔ اور اگر تشدید سے پڑھو تو بھی صحیح ہے چنانچہ اب قسم کے اختلاف قرأت مگر بہت کم باقی رہ گئے +

تھوڑے دنوں بعد جبکہ بعض صحابہ اور بہت سے تابعین زندہ تھے۔ اور ہزاروں شخص قرآن مجید کو بہ ترتیب من اوّلہ الی آخرہ یاد رکھنے والے موجود تھے۔ اس اختلاف کے رفع کرنے پر بھی کوشش کی گئی۔ اور قرآن مجید میں اعراب و نقاط بالکل لگا دیئے۔ کتابوں میں تو بلا شبہ ان پہلے اختلافوں کا ذکر ہوتا ہے مگر فی الواقع اختلاف قرأت بالکل جاتا رہا۔ اور ہزارہا آدمی ہر زمانہ میں ایسے موجود ہو گئے جنکو بہ ترتیب من اوّلہ الی آخرہ قرآن حفظ یاد تھا۔ اور کسی کی قرأت میں ایک حرف یا ایک اعراب کا بھی فرق نہ تھا۔ اور آجکے دن ہی جو یکم شوال ۱۲۹۷

نبوی مطابق ۱۲۹۴ ہجری موافق اکتوبر ۱۸۷۷ عیسوی کے ہی ہزاروں حافظ ہر ملک میں اسی قسم کے موجود ہیں۔ درحقیقت یہ شرف سوائے قرآن مجید کے اور کسی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ کہ اگر تمام دنیا سے قرآن کے قلمی اور چھاپہ کے نسخے معدوم کردیئے جاویں تو حافظوں کے سینہ سے پھر قرآن بالکل ایسا ہی نقل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہے اور جسمیں ایک لفظ اور ایک شوشہ ایک اعراب کا بھی فرق نہ ہوگا ؛

اسکے سوا ایک اور قسم کا اختلاف قرأت ہی جو عرب کی مختلف قوموں کے لہجہ اور محاورۂ زبان سے علاقہ رکھتا ہے۔ یا جو اختلاف گنواروں اور اشرافوں اور پڑھے لکھوں اور جاہلوں کی زبان میں ہوتا ہے۔ اُسکو اختلاف قرأت پر منسوب کرنا بیجا ہے۔ کیونکہ وہ اختلاف قرأت نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف تلفظ ہی جسکو انگریزی زبان میں "پرونسی ایشن" کہتے ہیں ؛

توریت اور صحف انبیاء اور انجیل کے قلمی نسخے جو اب دنیا میں موجود ہیں۔ وہ آپسمیں نہایت مختلف ہیں۔ اگرچہ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کی ہے! اور نہ علماے متقدمین و محققین اس بات کے قائل تھے مگر علماے متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتب مقدسہ میں تحریف و تبدیل کی ہے اُسپر عیسائی مصنفوں نے اس امر محال کے اثبات پر کوشش کی ہے کہ قرآن میں بھی تحریف ثابت کریں۔ اور اُنھوں نے اپنی اس ناشدنی سعی میں کامیاب ہونے کو تین امر پر استدلال کیا ہے۔ اول اختلاف قرأت پر جسکا بالتفصیل اوپر مذکور ہوا۔ دوم شیعہ مذہب کی ایسی روایتوں پر جنکو خود شیعہ بھی تسلیم نہیں کرتے جنمیں کذاب اور ایک گروہ کے طرفدار راویوں نے بیان کیا ہے کہ قرآن میں اور بھی آیتیں یا سورتیں حضرت علی اور اہلبیت کی شان میں ہیں جو جامعین قرآن نے داخل نہیں کیں۔ سوم اُن لغو اور بیہودہ روایتوں پر جنمیں بعض آیات متروک التلاوت یا منسوخ التلاوت کا ہونا بیان کیا گیا ہے اور جنکو شریر و بدمذہب آدمیوں نے شہرت دیا ہے ؛

قرآن مجید کے اختلاف قرأت کو اور توریت و صحف انبیاء و زبور و انجیل کے اختلاف عبارت کو یکساں قرار دینا عمداً و دانستہ ایک غلطی کرنا ہے۔ ریونڈ مسٹر ہاول ان مختلف عبارتوں کا

لکتے وقت لکھتے ہیں کہ ،، دو یا زیادہ مختلف عبارتوں میں صرف ایک عبارت صحیح ہو سکتی ہے ۔ باقی خواہ تو دیدہ و دانستہ تبدیل کیگئی ہونگی یا وہ نقل کرنے والوں کی غلطیاں ہونگی ،، پھر وہ یہودی اور عیسائی کتب مقدسہ میں اختلاف عبارت ہونے کے چار سبب لکھتے ہیں اوّل لکھنے والے کی غفلت یا غلطی ۔ دوم جن نسخوں سے نقل کی گئی ہو اُنکا غلط یا ناقص ہونا ۔ سوم نقل کرنے والے کا بلا کافی و معتبر سند کے اصل عبارت میں اصلاح دینا ۔ چہارم دیدہ و دانستہ کسی خاص فریق کی تائید کے لیے عبارت کا بگاڑ دینا ۔ پس قرآن مجید کا کوئی بھی اختلاف قرأت ان حالتوں میں سے کسی حالت کے ساتھ بھی مناسبت نہیں رکھتا +

علاوہ اسکے قرآن مجید کی تحریف ثابت کرنے کو عیسائی مصنفوں نے جن مذکورہ بالا امور پر استدلال کیا ہے ۔ اور جو مخرج فی نفسہ غلط ہیں ۔ اُنکی غلطی ثابت کرنے پر ایک طولانی بحث کرنے سے زیادہ تر یہ مختصر بات بیان کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جس بنا پر عیسائیوں نے تحریف قرآن کا دعویٰ کیا ہے اُس طرح پر دعویٰ کرنا بمقابل اُن مسلمانوں کے جو دعوی تحریف لفظی کا کتب مقدسہ یہودیوں اور عیسائیوں میں کرتے ہیں صحیح نہیں ہو سکتا ۔ اسلیے کہ اُن مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ جسطرح پر کہ ابتدا میں توریت و صحف انبیا و انجیل و زبور لکھی گئی تھی بعد اُسکی تحریر کے یہودیوں اور عیسائیوں نے اُسمیں تحریف لفظی کی ہے اور جملے اور کلمے اور آیتیں نکالدی ہیں ۔ اور اپنی طرف سے آیتیں اور جملے اور کلمے بلکہ کتابیں کی کتابیں لکھکر داخل کر دی ہیں +

پس اگر کوئی عیسائی اسکے مقابلہ میں قرآن کی تحریف کا دعویٰ کرنا چاہے ۔ تو اُسکو اختلاف قرأت یا روایات غیر مسلمہ اہل مذہب کا پیش کرنا کافی نہیں ہے ۔ بلکہ وہ اُنکے مقابل جب ہو سکتا ہے جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ جو قرآن زید بن ثابت نے ابتدا میں لکھا تھا اُسکی تحریر کے بعد آیت یا یہ سورت اُسمیں سے نکالڈالی گئی ہے ۔ اور یہ آیت یا یہ کلمات اُسمیں بڑھا دیئے گئے ہیں ۔ یا یہ صیغے یا یہ اعراب تبدیل کر دیئے گئے ہیں ۔ اور اگر وہ یہ دعوے نہیں کر سکتا تو بالفرض زید بن ثابت نے جو کچھ کیا ہو ۔ کیا ہو ۔ مگر قرآن پر تحریف کا دعویٰ نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ جیسا وہ جب لکھا گیا تھا ۔ ویسا ہی ابتک موجود ہے +

زید بن ثابت نے جب قرآن لکھا تھا اور جسکی نقل حضرت عثمانؓ نے کی تھی ۔ اُس زمانہ میں قواعد

رسم خط کے بخوبی منضبط نہیں ہوئے تھے۔ اور اس سبب سے بہت سے الفاظ زید بن ثابت نے اسطرح لکھے ہیں جو اُن قواعد رسم خط سے جو بعد کو منضبط ہوئے مختلف ہیں مگر صرف اس خیال سے کہ جو کچھ زید بن ثابت نے لکھا ہی اُسمیں تبدیلی نہ واقع ہونے پاوے حضرت عثمان رضؓ نے بھی وہی رسم خط رہنے دی تھی۔ اور اُسکے بعد تمام مسلمانوں نے صرف قرآن کی تحریر میں اُسی رسم خط کو رہنے دیا۔ اور یہاں تک اوسمیں غلو کیا کہ اُسکے برخلاف رسم خط تحریر قرآن میں اختیار کرنے کو گناہ اور کفر قرار دیدیا ✤

قاری مصطفےٰ تفسیر بحر العلوم کے مصنف نے لکھا ہے کہ ،، مطابقت خط مصحف عثمانی بر کاتب قرآن از واجبات دینی ست کہ اجماع صحابہ بآں واقع شدہ است و مخالفت اجماع حرام باشد و جمہور علماء و ائمہ مذاہب اربعہ سنیہ بریں اند و در مقنع آمدہ سُئِلَ مَالِكٌ هَلْ يُكْتَبُ مَا أَحْدَثَهُ النَّاسُ مِنَ الْهِجَا فَقَالَ لَا إِلَّا عَلَى الْكَتَبَةِ الْأُولَى ✤

اور اتقان فی علوم القرآن میں لکھا ہے کہ ،، كَانَ أَحْمَدُ يُحَرِّمُ مُخَالَفَةَ خَطِّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي وَاوٍ أَوْ يَاءٍ أَوْ أَلِفٍ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ ✤

اور ابن مہران کا قول ہے کہ ،، اِتِّبَاعُ الْمُصْحَفِ فِي هِجَاءِهِ وَاجِبٌ وَمَنْ طَعَنَ فِي شَيْءٍ مِنْ هِجَاءِهِ فَهُوَ كَالطَّاعِنِ فِي تِلَاوَتِهِ لِأَنَّهُ بِالْهِجَاءِ يُتْلَىٰ ،، ✤

اور حدیقۃ البیان میں لکھا ہے کہ ،، اگر کسی اعتقاد کند کہ بر موافق امام یعنی مصحف عثمانی نباید نوشت نسبت خطا بر قلم اولین کردہ باشد زیرا کہ در لوح محفوظ بہماں طور نوشتہ شدہ است و نیز بجناب صحابہ رضی اللہ عنہ بلکہ بجناب رسالت معلم صحابہ و بجبرئیل معلم رسول نسبت خطا واقع میشود و زیادتی و کمی در قرآن حاصل می آید و ایں ہمہ قریب کفر ست ،، ✤

اور کتاب ہجا میں ابی عبد اللہ محمد کا یہ قول ہے کہ "مَنْ خَالَفَ الْإِمَامَ صَارَ فَاسِقًا وَدَخَلَ تَحْتَ وَعِيدِ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ✤

اور ایضاح میں لکھا ہے کہ ،، يُكْرَهُ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ مِنَ الْمُصْحَفِ الَّذِي يُخَالِفُ مَا خَطَّهُ ابْنُ ثَابِتٍ رض ✤

یہ تشدد است صرف اسی مطلب سے ہیں کہ جو کچھ زید بن ثابت نے لکھا اور جسکی بعینہٖ نقل

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی۔ اُسمیں ذرہ بھی فرق نہ پڑنے پایا ہے۔ چنانچہ آجتک قرآن مجید اُسی طرح محفوظ ہے۔ پس ہر شخص یہ بات کہہ سکیگا اور قبول کرسکیگا کہ دنیا میں کوئی قلمی کتاب بجز قرآن مجید کے ایسے موجود نہیں ہے۔ کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی ایسی ہی موجود ہو جیسی کہ پہلے دن لکھی گئی تھی جسمیں ایک شوشہ تک کا فرق نہیں۔ اور باوجودیکہ لاکھا قلمی نسخے اس کے پھیلے۔ مگر سب یکساں ہیں۔ پھر ایسی کتاب کی نسبت یہ کہنا کہ اُسمیں بھی اس قسم کی تحریف ہوئی ہے جیسی کہ مسلمان توریت و انجیل میں بیان کرتے ہیں۔ ایسی بات ہے جسکو کوئی شخص نہ بت پرست نہ یہودی۔ نہ عیسائی۔ نہ سیاہ کافر۔ غرضکہ کوئی بھی تسلیم نہیں کرسکتا۔ سر ولیم میور صاحب بھی اپنی کتاب مسمی لیف آف محمد میں تسلیم کرتے ہیں کہ ،، دنیا میں غالباً کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جسکی عبارت بارہ سو برس تک ایسی خالص رہی ہو ؎

(آیات) علاوہ اعراب کے قرآن کے نسخوں میں اور بھی نشان پائے جاتے ہیں جو آیات وغیرہ کے نشان کہلاتے ہیں ؎

(گول چھوٹا سا دائرہ) آیت پوری ہونے کی نشانی ہے ؎

ۘ (م) یہ نشان اسلیئے ہے کہ اُس کلمہ پر ٹھیر جانا اور اُسکو آیندہ کے کلمے سے نہ ملانا نہایت ضرور ہے ؎

ط (ط) یہ نشان اس لیئے ہے کہ اُس کلمہ پر ٹھیر جانا اور اگلے کلمہ کو جدا شروع کرنا بہتر ہے ؎

ج (ج) یہ نشان اسلیئے ہے کہ وہاں ٹھیر جانا جائز ہے ؎

ز (ز) یہ نشان اسلیئے ہے کہ یہاں ٹھیر جانا تجویز کیا گیا ہے۔ مگر ملانا بہتر ہے ؎

ص (ص) یہ نشانی اسلیئے ہے کہ یہاں ٹھیر جانے کی رخصت دی گئی ہے ؎

یہ پانچ نشانیاں تو وہ تھیں جو متقدمین نے اختیار کی تھیں مگر متاخرین نے سات اور بڑھائیں ؎

قف (قف) گویا ٹھیرنے کا حکم ہے ؎

ق (ق) یعنے بعضوں نے یہاں ٹھیر جانا کہا ہے ؎

صلی (صلی) اس کلمہ کو اگلے کلمے سے ملا ہوا پڑھنا بہتر ہے ؎

- (لا) یعنی یہاں ٹھیرنا جائز نہیں بلکہ ملا ہوا پڑھنا بہتر ہے +
- (سکتۃ) یعنے ٹھیرلو مگر دم نہ لو +
- (ک) یعنے کذلک ہے یعنے اوپر کا نشان ہے +
- (قفلی) یعنے بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں ٹھیرنا نہیں چاہئے +

بہرحال یہ سب نشان علما نے قرآن کا مطلب سمجھانے کو بنائے ہیں ۔ وحی سے نہیں لگائے گئے ہیں +

قرآن مجید جب نازل ہوا تو عرب اُسکو اپنے لہجہ میں پڑھتے تھے جیسا کہ اہل زبان کا دستور ہے ۔ اور علاوہ ادائے مخارج حروف کے جو اُنکی زبان تھی ۔ وہ کسی لفظ کو زور دیکر پڑھتے تھے اور کسی جگہہ وقفہ کرکر کسی کو مد دیکر اور کسی کو قصر کرکر ۔ پچھلے عالموں نے اُسی خیال سے آیات اور وقف مقرر کیئے ہیں ۔ مگر جب قرآن لکھا گیا تھا تو وہ اُن اشاروں سے معرا تھا پس یہ نشان آیتوں کے کسی کو انکے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے ۔ قرآن مجید کا طرز کلام اور اُسکا مضمون خود بتاتا ہے ۔ اور ہر ایک محقق اور عالم بلکہ ہر ذی عقل و فہم اُسکے معنی دریافت کرکر سمجھ سکتا ہے کہ کہاں مطلب ختم ہوا اور کہاں سے دوسرا مطلب شروع ہوا ۔ اور یہی سبب ہے کہ بعض علما نے ایک ہی فقرہ کو دو یا زیادہ ٹکڑوں میں منقسم سمجھا ہے اور اُسکی دو یا تین آیتیں قرار دی ہیں ۔ اور بعضوں نے کل فقرہ کو ایک ہی آیت سمجھا ہے ۔ اور اس سبب سے ایک عالم اُسی ایک فقرہ میں دو یا تین آیتیں کہتا ہے ۔ اور ایک عالم ایک ہی ۔ اور اب بھی ہر ایک مفسر مجاز ہے کہ لحاظ ربط کلام کے جہاں وہ چاہے آیت قرار دے ۔ میں اپنی تفسیر میں مطالب کے بیان میں اسی طریقہ کو اختیار کرونگا مگر میں نے شمار آیتوں کا اُسکے مطابق رہنے دیا ہے ۔ جو مؤلف نجوم الفرقان نے اختیار کیا ہے ۔ اسلیئے کہ اس کتاب کے مؤلف نے نہایت خوبی سے قرآن مجید کے ہر ایک لفظ کو بتایا ہے کہ کس کس آیت میں ہے اور وہی شمار قائم رکھنے سے مجھکو اپنی تفسیر میں الفاظ وارد و قرآں کا نشان دینے کو جہاں کہیں اُن کے نشان دینے کی ضرورت ہو نہایت آسانی ہوگی +

یہی سبب ہے کہ باوجودیکہ میرے نزدیک ہر ایک سورت پر جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھی ہوئی ہے وہ اُس سورت کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے مگر میں نے اُسپر شمار آیت کا

نہیں لگایا۔ کیونکہ مؤلف نجوم الفرقان نے ہر ایک سورت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو شمار آیتوں سے خارج رکھا ہے۔ اگر میں اسکو شمار آیتوں میں داخل کر دیتا تو بالکل شمار مختلف ہو جاتا اور الفاظ وار وہ قرآن کا پتہ ونشان بدست نہ رہتا +

(مضامین قرآن) قرآن مجید کے بعض مضامین اور احکام ایسے ہیں جو توریت یا انجیل کے مضامین سے یا یہودیوں کی روایات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اور اُسکا طرز کلام ایسا ہے جو زمانہ جاہلیت کے طرز کلام سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور بعض احکام ایسے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں بھی رائج تھے اور بعض جگہ طریقہ نظم قرآن ایسا ہے جو اور مشرک قوموں کی مقدس کتابوں میں بھی جن کو وہ الہامی سمجھتے تھے موجود ہے اور اس سبب سے مخالفین اسلام نے قرآن مجید پر اعتراض کیے ہیں اور کہا ہے کہ یہ باتیں وہاں سے لیگئی ہیں +

مگر معترضوں کی یہ ایک علانیہ غلطی ہے۔ اسلیئے کہ پیغمبر درحقیقت اُس قوم کے لیئے یا اُس زمانہ کے لوگوں کے لیئے جسمیں وہ پیدا ہوئے۔ برائیوں کی اصلاح کرنیوالے اور اچھی باتوں کے قائم کرنیوالے اور سچ بات کو تسلیم کرنیوالے اور حق بات کو بیان کرنے والے ہوتے ہیں اور ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ کسی پیغمبر کے زمانہ سے پہلے جو باتیں مروج ہوں۔ یا جو باتیں بطور مذہب کے جاری ہوں۔ یا بطور تواریخی واقعات کے مشہور ہوں۔ یا بطور مقدس کلام کے سمجھی جاتی ہوں۔ یا اگلے ادیان حقہ کا بقیہ ہوں وہ سب غلط وجھوٹھ اور خراب اور ناواجب ہوں۔ بلکہ بالضرور سچ میں جھوٹھ اور اچھی میں بُری ملی ہوتی ہیں۔ اور اس لیئے جو شخص کہ اصلاح کے منصب پر ہو اسکو اُن اچھی باتوں کو قائم رکھنا اور سچ بات کو تسلیم کرنا اور نیک کاموں کو بحال رکھنا ضرور و لازم ہوتا ہے۔ اور ایسا کرنا علانیہ نیکی اور بے ریائی اور اُس اصلاح کرنیوالے کی سچائی پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر قرآن مجید میں بھی ایسا ہے تو یہ وجہ اسپر کچھ اعتراض کی نہیں ہے۔ بلکہ اسکی سچائی کی دلیل ہے +

بلاشبہ آتش پرستوں میں یہ رواج تھا کہ اُنکے مقدس صحیفوں کے سر دن پر جنکو وہ الہامی سمجھتے تھے ایک ایسا فقرہ لکھا ہوا ہوتا تھا جو مماثل بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ہے اور وہ فقرہ یہ ہے +

نہ شید شمد ائی فرہشتند لا فرہشتگ زمیان فراھید ی

ترجمہ بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگر

مگر یہ فقرہ کیا عجب ہے کہ الہامی ہو۔ ایسا عمدہ ہے کہ جو شخص خدا پر ایمان لانے کا حامی ہو۔ اور اوسی کی لوگوں کو ہدایت کرتا ہو۔ وہ ضرور اُسکو تسلیم کریگا۔ اور اُسکا مؤید ہوگا۔ پس قرآن مجید میں ہر سورت پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہونے پر اعتراض کرنا اور اُسکو ایک سرقہ قرار دینا ما ایک نا انصافی اور محض مکابرہ ہے۔ کون شخص ہے جو خدا کو مانتا ہو۔ اور لوگوں کو بھی منوانا چاہے اور اس فقرہ کو مٹا دے اور نہ خدا ایسا کرسکتا ہے کہ جو کلام اوسکی مرضی کے مطابق ہے اُسکے برعکس کوئی کلام نازل کرے ❊

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿۶﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان ÷
سب بڑائیاں خدا ہی کے لیئے ہیں جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے ﴿۱﴾ بڑا مہربان ہے اور بڑا رحم والا ﴿۲﴾ حاکم ہے انصاف کے دن کا ﴿۳﴾ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں ﴿۴﴾ ہمکو سیدھی راہ پر چلا ﴿۵﴾ اُن لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے بخشش کی ہے ﴿۶﴾ نہ اُن کی راہ پر جن پر تیرا غصہ ہوا ہے اور نہ بھٹکنے والوں کی راہ پر ﴿۷﴾

اس سورۃ میں کچھ تو خدا کی تعریف ہے اور کچھ اپنی عاجزی اور کچھ دعا۔ پس گویا بندوں کی زبان سے کہی گئی ہے۔ اور بلاشبہ بندوں کو خدا سے اسی طرح التجا کرنی زیبا ہے ÷

دعا جب دل سے کی جاتی ہے ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے۔ مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لیئے ہم دعا کرتے ہیں۔ دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہو جاویگا۔ اور استجابت کے معنی اُس مطلب کا حاصل ہو جانا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہے جصول مطلب کے جو اسباب خدا نے مقرر کیئے ہیں۔ وہ مطلب تو اُنہی اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر دعا نہ اُس مطلب کے اسباب میں سے ہے۔ اور نہ اُس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے۔ بلکہ وہ اُس قوت کو تحریک کرنے والی ہے۔ جس سے اُس رنج و مصیبت اور اضطرار میں جو مطلب حاصل ہونے سے ہوتا ہے تسکین دیتی ہے۔ اور جبکہ دعا دل سے اور اپنے تمام فطرتی قوا کو متوجہ کر کر کیجاتی ہے۔ اور خدا کی عظمت اور اُسکی بے انتہا قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ قوت تحریک میں آتی ہے۔ اور اُن تمام قوتوں پر جن سے اضطرار پیدا ہوا ہے اور اس مصیبت کا رنج برانگیختہ ہوا ہے۔ اُن سب پر غالب ہو جاتی ہے۔ اور انسان کو صبر و استقلال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور

اسی کیفیت کا دل میں پیدا ہونا دعا کا مستجاب ہونا ہے ✦

اسی امر کا اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں فرمایا کہ "الدعاء مخ العبادۃ" یعنی دعا خالص عبادت ہے اور اس سے بھی واضح کر کر فرمایا کہ "الدعاء ھو العبادۃ" یعنی دعا عبادت ہی ہے اور پھر فرمایا کہ تمہارا پروردگار کہتا ہے کہ "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" یعنے مجھکو پکارو یعنی میری عبادت کرو میں تمہارے لیئے اُس عبادت کو قبول کرونگا ✦ نتیجۃً

پس دعا سے مطلب کا حاصل ہونا موعود نہیں ہے۔ بلکہ عبادت کا جو نتیجہ ہے۔ وہ موعود ہے۔ دعا کے ساتھ کبھی مطلب کا حاصل ہوجانا اتفاقیہ بات ہے۔ جو اسکے اسباب جمع ہونے سے حاصل ہوجاتا ہے ✦

۳ (مالک یوم الدین) یعنی اُسدن کا جسدن کہ اُس نور فطرت کے کام میں لانے یا نہ لانے کا جو خدا نے ہر ایک انسان میں بموافق اُسکی حالت کے رکھا ہے نتیجہ ظاہر ہوگا ✦

۴ (انعمت علیھم) جن پر انعام ہوا وہ لوگ ہیں جنھوں نے خدا کی نشانیوں میں غور کیا ہے۔ اور جو نور فطرت خدا نے اُن میں رکھا ہے۔ اُسکو کام میں لائے ہیں۔ اور قومی اور ملکی اور تمدنی اور آبائی امور کی الفت و موانست اور خلقی امور کی قوت پر اُسکو غالب کیا ہے۔ یا غالب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور سب چیزوں کو چھوڑ کر وہ راہ اختیار کی ہے جو خدا نے بتائی ہے ✦

۵ (المغضوب) جن پر غصہ ہوا۔ وہ لوگ ہیں جو اُس نور فطرت کو کام میں نہیں لائے اور نہ کام میں لانے کی کوشش کی۔ اور آبائی اور ملکی و تمدنی امور کے بوجھ میں دبکر اور خلقی امور کی قوت میں مغلوب رہے اور جو راہ خدا نے بتائی تھی اُسکو اختیار نہیں کیا ✦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہی بڑا مہربان ہ
الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ	الٓمّٓ وہ کتاب ہے

(الٓمّٓ) یہ سورت اُنہی اونتیس ۲۹ سورتوں میں سے ہی جنکو خود خدا نے اُن کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ حروف مقطعات اُن سورتوں کے نام ہیں۔ جن کے ابتدا میں آتے ہیں۔ اور جو سورتیں باہم کسی قسم کی مناسبت رکھتی ہیں اُن کے ایک ہی سے نام مقرر کیئے ہیں۔ اب یہاں تین باتیں غور طلب ہیں۔ ایک یہ کہ اُنہی اونتیس سورتوں کے نام مقرر کرنے کا کیا سبب ہے۔ دوسرے یہ کہ حروف مقطعات سے کیوں اُن کے نام مقرر کیئے ہیں۔ تیسری یہ کہ جن حروف مقطعات سے اُن سورتوں کے نام مقرر کیئے ہیں اُنہی حروف سے اُن کا نام مقرر کرنے کا کیا سبب ہے ؞

قرآن مجید پر غور کرنے سے علانیہ پایا جاتا ہے کہ جس سورت کو خدا تعالیٰ نے قسمیہ طور پر یا اس طرز کلام پر شروع کیا ہے۔ کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ یا یہ خدا کی کتاب ہی۔ اُس مقام پر خدا نے اُس سورت کو کسی اسم سے موسوم کیا ہے۔ تاکہ اُسکا نام لینے سے اُسکے مسمّٰی پر اُس امر کا اطلاق ہو۔ جس کا اطلاق کرنا منظور ہے۔ اور جن سورتوں کو اس طرز کلام سے شروع نہیں کیا اُن کا نام رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی ؞

مثلاً اس سورت کا نام جسکی ہم تفسیر کر رہے ہیں (الٓمّٓ) ہی۔ اب خدا تعالیٰ نے طرز کلام اس طرح پر شروع کیا ہے۔ کہ یہ سورت خدا کی کتاب کی ہے۔ تو اُسنے اس سورت کا نام لیکر کہدیا کہ الٓمّٓ یعنے اسکا مسمّٰی وہ کتاب ہے۔ پس الٓمّٓ جو اس سورت کا نام ہے مبتدا ہے اور ذٰلک مبتداء ثانی ہے۔ اور الکتاب اُسکی خبر ہے۔ اور یہ مبتدا و خبر ملکر پہلے مبتداء کی خبر ہیں۔ اور الٓمّٓ یعنی الم کا مسمّٰی ذٰلک الکتاب پر محمول ہے ؞

یہ بات بھی صاف ہے کہ اگر ان سورتوں کے نام الفاظ بامعنی سے مرکب ہوتے تو اِن معنوں کا جنپر وہ الفاظ دلالت کرتے۔ ذٰلک الکتاب پر حمل ہونے کا شبہہ پڑتا اور معنی سے قطع نظر کرکے اُسکے مسمّٰی کا محمول ہونا بہت کم خیال میں جاتا۔ پس خدا تعالیٰ نے حروف

مفردہ کو جو ترکیب کلام کے اصول بھی ہیں۔ اور معانی سے مبرا بھی ہیں اسماء سور اختیار کیا۔ تاکہ بجز مسمّے کے محمول ہونے کے اور کوئی احتمال ہی نہ رہے +

البتہ اس بات کا تصفیہ کہ ان حروف کو اس سورۃ کے نام کے لیئے کیوں مخصوص کیا مشکل ہے۔ دنیا میں بھی جو شخص کسی کا کچھ نام رکھتا ہے اور جو مناسبت یا علت اس نام رکھنے کی اُس کے دل میں ہوتی ہے۔ اُسکا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ پس یہ قرار دینا کہ خدا نے اس مناسبت سے اُن حروف مقطعات سے اِس سورت کو موسوم کیا ہے ایک مشکل بات ہے اور ضرور ہے کہ باہم علما کے اسمیں اختلاف ہو چنانچہ بہت سا اختلاف ہوا بھی ہے۔ یہانتک کہ بعضوں نے کہا کہ اس مناسبت کا علم خدا ہی کو ہے۔ مگر ہر شخص بقدر اپنی فہم کے اُس مناسبت کے بیان کرنے کا بلاشبہہ مجاز ہے +

میری سمجھ یہ ہے کہ بعضی دفعہ اہل عرب حروف مقطعات بولتے تھے اور اُس سے اشارہ کسی مطلب کی طرف ہوتا تھا۔ جیسے کہ اس شعر میں ہے +

قلت لها قفی فقالت لی ق + لا تحسبی انا نسینا الایجاف

یعنی میں نے اُس سانڈہنی سوار عورت سے کہا کہ ٹھیر جا یہ مت خیال کر کہ میں سانڈہنی ہنکانا بھول گیا ہوں۔ اُس نے کہا کہ قاف یعنی وقفتُ ٹھیر گئی میں پس حرف قاف سے پورا کلام "وقفت"، کا مراد ہے +

سورہ بقرہ۔ اور سورہ آل عمران۔ اور سورہ عنکبوت۔ اور سورہ روم۔ اور سورہ لقمان اور سورہ سجدہ۔ ان سب کے سرے پر الٓمّٓ ہے جو اُن سورتوں کا نام ہے۔ ان تمام سورتوں میں خدا تعالیٰ نے احکام الٰہی کی تعمیل اور امر بالمعروف کی تاکید اور لیل و نہار کے اختلاف اور عالم میں جو آیات قدرت کردگار ہیں اُن سے خدائے واحد کے وجود پر استدلال کیا ہے اور موت کا اور اُسکے بعد کے حالات کا بیان فرمایا ہے۔ اور اسی سبب الٓمّٓ سے اُن سورتوں کو موسوم کیا ہے۔ تاکہ اُن تینوں حرفوں سے اُن مطالب عظیمہ کی طرف اشارہ ہو۔ اور انہی مطالب عظیمہ کا ذکر ان سب سورتوں میں تھا۔ اس لیئے اُن سب کو ایک ہی نام سے موسوم کیا +

علماء اسلام نے رفع التباس کے لیے اُن سورتوں کے نام کے ساتھ جنکے متحد نام تھے۔ یا جنمیں حروف مقطعات زیادہ تھے۔ یا کسی سورت کے اہم مضمون پر زیادہ وضاحت سے اشارہ کرنے کی غرض سے اور نیز اُن سورتوں کے لیے جو کسی نام سے موسوم نہ تھیں۔ اُسے یہودی قاعدہ کے مطابق۔ اُسی سورت میں سے کوئی لفظ اُس سورت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے منتخب کیا۔ جو رفتہ رفتہ بطور اُن سورتوں کے نام کے متصور ہونے لگے مگر درحقیقت وہ الفاظ ہیں جو علماء نے اُن سورتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اختیار کیے ہیں +

(الکتاب) خدا اپنے رسول سے فرماتا ہے کہ الٓمٓ یعنی اُسکا ستے وہ کتاب ہے۔ یعنی وہ کتاب جو ہم تجھپر نازل کرتے ہیں۔ عام بول چال کا محاورہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب تصنیف کرنی یا لکھنی شروع کرے۔ یا شروع کرنی چاہے۔ تو قبل اس کے کہ وہ لکھی جا چکے۔ یا تصنیف ہو چکے اُسپر کتاب کا لفظ بولتا ہے۔ اِس خیال سے کہ وہ تصنیف ہو چکنے اور لکھی جا چکنے کے بعد کتاب ہوگی۔ اسی طرح خداتعالیٰ نے بھی قرآن مجید پر قبل اُس کے لکھے جانے کے کتاب کا اطلاق کیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا کی مرضی تھی کہ لکھی جاوے۔ اور اسمیں بھی کچھ شبہ نہیں کہ جسقدر قرآن نازل ہوتا تھا اُسیوقت آنحضرت ہی کے وقت میں لکھ لیا جاتا تھا +

لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ﴿١﴾ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٣﴾

پرہیزگاروں کے لیئے اسکے راہنما ہونیمیں کچھ شک نہیں (۱) جو آنکھ سے اوجھل پر ایمان لاتے ہیں اور درستی سے نماز کو ادا کرتے ہیں، اور جو کچھ ہمنے انکو دیا ہے اُسمیں سے دیتے ہیں (۲) اور جو لوگ اُسپر ایمان لاتے ہیں جو تجھپر نازل کیا گیا ہے اور جو تجھسے پہلے نازل کیا گیا تھا، اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں (۳)

(۱) (لاریب فیہ) کے معنے اگلے مفسروں نے یہ بیان کیئے ہیں کہ اُسکے خدا کی طرف سے ہونے میں کچھ شبہ نہیں، گویا یہ خطاب ہے اُن لوگوں کی طرف جو قرآن کے خدا کی طرف سے ہونے میں جبکہ وہ نازل ہوتا تھا شک کرتے تھے، اور بطور یقین کے بلا دلیل بیان کرنا اس بات پر اشارہ ہے کہ یہ دعوی ایسی دلائل سے ثابت ہے یا ثابت ہوگا کہ جو بمنزلہ بدیہی کے ہیں، جیسیکہ عام بول چال میں دستور ہے کہ جو بات یقینی ہوتی ہے اُسکی دلیلیں بیان کرنے سے پہلے کہہ دیتے ہیں کہ اس بات میں کچھ شک نہیں اور پھر اُسکی دلیل بیان کیجاتی ہے۔

مگر میری سمجھ میں اس مقام میں اُن معنوں کے اختیار کرنے سے دوسرے معنی اختیار کرنے بہتر ہیں، خداتعالی نے اسجگہہ تین فرقوں کا حال بیان کیا ہے۔ ایمان والوں کا، کافروں کا، منافقوں کا۔ جو دل میں کافر ہیں اور جھوٹ موٹ ظاہر میں اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں، پس لاریب فیہ کے ایسے معنے لینے زیادہ تر مناسب ہیں جو ان فرقوں میں سے کسی کے حال کے مناسب ہوں، اور وہ یہ معنے ہیں کہ اس کتاب کے پرہیزگاروں یعنے ایمان والوں کے لیئے ہادی ہونے میں کچھ شک نہیں، جو اس کتاب کو مانتے ہیں اور اُسکی ہدایتوں پر چلتے ہیں، جنمیں سے سب سے بڑا حکم خدا پر ایمان لانا اور نماز کا ادا کرنا اور خیرات کا دینا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو مانتے ہیں وہی اس کتاب سے ہدایت پاوینگے، اور جو نہیں مانتے وہ ہدایت نہیں پا سکتے گو کہ فی نفسہ سب کے لیئے ہدایت ہو، اسکی مثال ایسی ہے کہ مثلاً ایک دوا جو فی نفسہ

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۴) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا	وہی اپنے پروردگار کی مہربانی سے سیدہی راہ پر ہیں، اور وہی مراد کو پہونچے ہیں (۴) ہاں جو کفر میں پڑے ہیں

کسی مرض سے شفا دینے والی ہے تو وہ فی نفسہ تو اُس مرض کی سب مریضوں کے لیئے شفا ہے الا شفا وہی پاوینگے جو اُسکا استعمال کرینگے، اسیطرح قرآن بھی سب کے لیئے ہدایت ہے مگر ہدایت وہی پاوینگے جو پرہیزگار ہیں یعنی وہ جو اُسکی ہدایتوں پر چلتے ہیں ‡

اگر یہ معنی تسلیم کیئے جاویں تو ،، ہدی ،، کا لفظ بدل ہے ضمیر مجرور سے جو ،، فیہ ،، میں ہے اور جار مجرور ثابت یا کائن سے متعلق ہوکر لا نفی جنس کی خبر ہے یعنی ،، لاریب فی کونہ ہدیً للمتقین ،، جسکے معنے یہ ہوئے کہ پرہیزگاروں کے لیئے قرآن کے ہادی ہونے میں کچھ شک نہیں ‡

(۳) غیب اُسے کہتے ہیں جو آنکھ سے اوجھل ہو، مگر یہاں اُس ذات پاک سے مراد ہے جو باوجود ہونے کے نہ آنکھ سے اور نہ کسی اور حواس سے محسوس ہوتی ہے نہ ہو سکتی ہے، اور بجز اسکے کہ عقل یہ کہتی ہے کہ ہے، اور کچھ نہیں بتا سکتے، اُس تفسیر میں جو عبداللہ بن عباس کی طرف منسوب ہے یہ لکھا ہے ،، ویقال الغیب ھو اللہ ،، پس معنے یہ ہوئے کہ پرہیزگار وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں ‡

(۴) (ان الذین کفروا) جو لوگ کفر میں پڑے ہیں اُنکی نسبت خدا نے فرمایا ،، ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ ،، مگر کسی مفسر نے اُسکے حقیقی معنی مراد نہیں لیئے، کیونکہ نہ کسی انسان کے دل پر اور نہ کان پر سچ مچ کی مہر لگی ہوئی ہے، اور نہ کسی کی آنکھوں پر سچ مچ کا پردہ پڑا ہوا ہے، بلکہ سچ بات کے نہ سمجھنے اور حق بات کے نہ سننے اور ٹھیک بات پر نہ غور کرنے کو بطور استعارہ دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دینے اور آنکھوں پر پردہ ڈالنے سے بیان کیا ہے ‡

بلا تشبیہ یہ ایسا ہی کلام ہے جیسے کہ ایک ناصح شفیق کسی کو افعال ذمیمہ چھوڑنے اور

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵﴾	خواہ انکو ڈراؤ خواہ انکو ڈراؤ انکو سب برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے (۵) مہر کردی
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾	ہے اللہ نے انکے دلوں پر، اور انکے کانوں پر، اور انکی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے (۶)

اخلاق حمیدہ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہو، مگر وہ شخص اسکی نصیحت پر کان نہ دہرتا ہو، اور ایک شخص فصیح و بلیغ اس حالت کو دیکھکر کہے کہ، بڈذاتوں نااہلوں کو تم نصیحت کرو یا نہ کرو وہ کبھی نہیں مانینگے، اُن کے دل پتھر کے ہیں اور آنکھیں اندھی اور کان بہرے، خدا نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اور انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، پس جس محاورہ میں انسان اسطرح بات چیت کرتے ہیں اُسی انسانی محاورہ پر خدا نے بھی کلام کیا ہے۔

(مسئلہ جبر واختیار) ان آیتوں سے یا اور آیتوں سے جو اسکی مثل ہیں جبر و اختیار کے مسئلہ پر بحث کرنا قرآن مجید کے سیاق کلام کے منافی ہے، قرآن مجید کی کسی آیت سے نہ انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے نہ مختار ہونے پر، نہ بین الجبر والاختیار ہونے پر، مگر افسوس ہے کہ علماء متقدمین نے اسپر بحث کی ہے، اور غلطی سے اُس کو ایک ایسا مسئلہ سمجھا ہے جو مسائل اسلام میں داخل ہے، اور جو وحی یا قرآن سے ثابت ہے۔ اور پھر آپس میں مختلف رائیں قرار دی ہیں، ایک گروہ انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے کا قائل ہے، دوسرا گروہ مختار ہونے کا اور تیسرا بین الجبر والاختیار کا جو بالفعل مذہب اہلسنت وجماعت کا ہے ✦

انسان اپنے افعال میں مجبور ہو یا مختار یا بین الجبر والاختیار۔ ایک جدا مسئلہ ہے، جو انسان کی فطرت کی تحقیقات پر منحصر ہے، اور اسکی فطرت پر مباحثہ کرنے کے بعد جو ثابت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷﴾	اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور اخیر دن پر ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ نہیں ایمان لائے (۷)

ہو، ہو، ہمارا مقصد اس مقام پر صرف اسقدر کہنا ہی کہ قرآن مجید سے ان باتوں میں سے کسی پر استدلال کرنا، اور اسکو ایک مسئلہ اسلام منزل من اللہ سمجھنا غلطی ہی۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے جا بجا بندوں کے افعال کو، بلکہ ہر ایک چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہی، جو کام بندوں سے ہوتے ہیں اُنکی نسبت فرماتا ہی، کہ ہمنے کیا، یا جو چیزیں کہ اور اسباب سے پیدا ہوتے ہیں اُن اسباب کو بیچ میں سے نکالکر فرماتا ہی کہ، ہمنے کیا، ہمنے مینہ برسایا، ہمنے درخت اُگائے، ہمنے دریا بہائے، ہمنے سمندر میں جہاز تیرائے، ہمنے اوڑتے جانور ہوا میں تھمائے، پس اِس تمام طرز کلام سے واسطوں کا درحقیقت درمیان میں نہونا یا اُس شے کا اُن افعال میں مجبور یا مختار ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اپنی عظمت وشان اور اپنے علۃ العلل یعنے تمام چیزوں کی اخیر علت یا خالق ہونے کا بندوں پر اظہار مقصود ہوتا ہے، اور اسلیئے اِس قسم کے کلام سے انسان کا اپنے افعال میں مجبور یا مختار ہونے کا استنباط و استدلال کرنا صحیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کرنا داخل تفسیر القول بما لا یرضی قائلہ کے ہی، کیونکہ اِس کلام سے اِس بات کی حقیقت کا بیان کرنا کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہی یا مختار یا بین الجبر والاختیار مقصود ہی نہیں ہے ✽

خدا اپنے تئیں علۃ العلل جمیع کائنات کا بتاتا ہی، پس اگر تمام حوادث و افعال کو جو عالم میں تمام مخلوقات، انسان، حیوان، عناصر، قوی، وغیرہ سے ہوتے ہیں اپنی طرف نسبت کرے، اور ہر چیز کی نسبت یہ کہے کہ ہمنے کیا، تو یہ نسبت صحیح و درست ہوگی۔ علاوہ اسکے مصری اور یونانی حکما کا یہ خیال تھا کہ دو چیزیں ازلی اور ابدی ہیں، ایک خدا، اور ایک مادہ، خدا نے اُس قدیم ازلی اور ابدی مادہ سے تمام دنیا کو بنایا اور رچایا ہے، اور ایک گروہ زردشتیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ دو متقابل کے وجود ہیں، ایک یزدان یعنی خدا

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۸﴾	دہوکا دیتے ہیں اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ بجز اپنے آپکے اور کسی کو دہوکا نہیں دیتے، اور سمجھتے نہیں (۸)

دوسرا اہرمن یعنی شیطان، نیک کام خدا کرتا ہے اور بد کام شیطان، اور یہ مذہب اُس ریگستان میں بھی پھیلگیا تھا جہاں اِن غلطیوں کا اصلاح کرنے والا پیدا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید میں اُن دونوں عقیدوں کا مٹانا اور اپنی ذات واحد کو خالق جمیع کائنات بتانا اور اپنے تئیں وحدہ لاشریک لہٗ جتانا مقصود تھا *

پس سب سے عمدہ طریقہ اِس باریک مسئلہ کے سمجھانے کا یہی تھا کہ تمام افعال کو اُن کے تمام واسطوں کو دور کرکر خاص اپنی طرف منسوب کرے، اور کبھی اُن واسطوں کی طرف، تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ علۃ العلل صرف ایک ذات وحدہ لاشریک ہے، اور جو واسطے ہمکو دکھائی دیتے ہیں، بلاشبہ وہ واسطے ہیں، مگر علۃ العلل اُن سب کی وہی ایک ذات وحدہ لاشریک ہے، پس جس کلام کا یہ موضوع ہو اُس سے اس مطلب کو نکالنا کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے یا مختار یا بین الجبر والاختیار اُس کلام کو غیر ما وضع لہ میں استعمال کرنا ہے۔ ہاں یہ ایک تمدنی اور طبعی اور عقلی مسئلہ ہے جبر انسان کی خلقت کے لحاظ سے بحث اور غور ہو سکتی ہے جسکو ہم مختصراً بیان کرتے ہیں *

اُن علما اور حکما نے جنھوں نے انسانی فطرت پر غور کی ہے، دو طرح پر انسان کو اپنے افعال میں مجبور پایا ہے، ایک امور خارجیہ کے سبب جیسے کہ قومی و ملکی و تمدنی امور کی الف و موانست کا، اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کا اثر ایسا قوی اثر ہوتا ہے کہ وہ اُنہی افعال کو مستحسن سمجھتا ہے، اور اُنہی کے کرنے پر اُسکا دل اُسکو مجبور کر دیتا ہے گو یہ مجبوری اکثر اُسکی سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ بظاہر اُس پر کسی کا جبر نہیں ہوتا، مگر درحقیقت اُنہی قومی و ملکی و تمدنی اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کا اثر رفتہ رفتہ بے معلوم اُسمیں ایسا سرایت کر جاتا ہے کہ جس سے اُن افعال کے کہنے پر جنکو وہ کرتا ہے

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ	اُنکے دلوں میں بیماری ہے،

مجبور ہوتا ہے، اور جن باتوں کو وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی مرضی سے کرتا ہوں درحقیقت وہ اُسی قوی اثر کے سبب سے مجبوری کرتا ہے ✤

دوسری قسم کی مجبوری اپنے افعال میں خود انسان کو اپنی خلقت کے سبب سے ہوتی ہے، ہم تمام دنیا کی چیزوں میں اُنکی ایک فطرت پاتے ہیں جسکے برخلاف ہرگز نہیں ہوتا ہم دیکھتے ہیں کہ معدنی چیزیں ہوا میں نہیں اُڑتی پھرتیں، پانی ہوا کے اوپر نہیں رہتا، مچھلی زمین پر زندہ نہیں رہتی، ملنے جانوروں سے درندگی، پرند جانوروں سے پرواز آبی جانوروں سے شناوری کبھی زائل نہیں ہوتی، پس وہ سب اُن افعال کے سرزد ہونے میں جو اُنسے منسوب ہیں بمقتضاے اپنی خلقت کے مجبور ہیں ✤

اسی طرح ہم انسانوں میں بھی دیکھتے ہیں کہ وہ بھی انکے افعال میں بمقتضاے اپنی فطرت کے مجبور ہیں، جسکی آنکھ خدا نے ایسی بنائی ہے جس سے دور کی چیز دکھائی دیتی ہے، تو وہ دور کی چیز دیکھنے میں مجبور ہے۔ اسیطرح انسانوں کی بناوٹ ایسی ہے کہ جو افعال ظاہری و باطنی اُن سے سرزد ہوتے ہیں، وہ اُن میں مجبور محض ہیں، اگر بالفرض ایک نہایت رحمدل نیک طبیعت شخص کے اعضا، دل و دماغ کی بناوٹ، ایک نہایت شقی القلب بیرحم بدذات آدمی کیسی ہوتی، تو اُس سے بھی وہی افعال صادر ہوتے جو اُس بدذات سے ہوتے ہیں، اگر ایک بیوقوف آدمی کے اعضا کی بناوٹ ایک عقلمند آدمی کے اعضا کی بناوٹ سے تبدیل ہوسکے، تو اُس عقلمند سے اُس بیوقوف کیسے افعال اور اُس بیوقوف سے اُس عقلمند کیسی افعال سرزد ہونے لگیں گے۔ غرضکہ علم تشریح ابدان سے ثابت ہوگیا ہے کہ جس قسم کی بناوٹ انسان کی ہوتی ہے اُسی کے مناسب افعال خواہ نخواہ اُس سے سرزد ہوتے ہیں، نہایت بیرحم سفاک قاتلوں کی کھوپری میں ایک خاص قسم کی بناوٹ ہے، اور تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ہر قاتل و سفاک کی کھوپری اُسی بناوٹ کی ہوتی ہے، پس جس کی کھوپری اُس بناوٹ کی ہوگی، وہ ضرور سفاک قاتل بیرحم ہوگا، اور جو بیرحم سفاک قاتل

وَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا	پھر خدا نے اُنکی بیماری کو بڑھا دیا

ہوگا اُسکی کھوپری اُسی بناوٹ کی ہوگی، پس اُن افعال میں جو خلقت انسانی سے علاقہ رکھتے ہیں انسان مجبور ہے، اور یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں جن سے کوئی بھی جبکہ وہ اُس علم میں واقفیت حاصل کرے انکار نہیں کرسکتا +

اسکو اور صاف طرح سے غور کرو جسکو ہر کوئی سمجھ سکے، بعضے لوگ ایسے ہیں جنکا حافظہ بہت قوی ہے، بعضے ایسے ہیں جنکو کوئی بات یاد نہیں رہتی، بعضے ایسے ہیں جنکے قوائے قوی ہیں، بعضے نہایت ضعیف القویٰ ہیں، بعضے ایسے ہیں کہ کسی کام کو ایسا عمدہ کرتے ہیں کہ اوروں سے باوصف کوشش کے ایسا نہیں ہوسکتا، کسیکا ہاتھ خوشنویسی کے لائق ہوتا ہے، کسیکا سر کسی کے، کسیکا دماغ علم ادب کے مناسب ہوتا ہے، کسیکا ریاضی کے، کسی کی بناوٹ کسی خاص امر کے ایسی مناسب ہوتی ہے کہ اُسکے مثل دوسرا نہیں ہوسکتا، پس یہ تمام تفاوت انسانوں میں فطرت کے باعث سے ہیں، اور جو افعال کہ اُس فطرت پر مبنی ہیں اُنکے صادر ہونے میں وہ مجبور ہیں +

باانیہمہ ہم انسانوں میں ایک اور چیز بھی پاتے ہیں جو نیک و بد میں تمیز کرسکتی ہے، یا ایک بات کو دوسری بات پر ترجیح دیسکتی ہے۔ یہ قوت بھی کبھی بلکہ اکثر قومی و ملکی و تمدنی امور کی الف و موانست سے، اور بچپن سے کسی امر کی ممارست و تربیت و صحبت کے اثر سے موثر ہوجاتی ہے، اور اُس قوت کی ایسی حالت کو تمام اہل مذاہب کانشنس یعنی نور ایمان و نور وہرم سے تعبیر کرتے ہیں، مگر درحقیقت وہ قابل اعتماد اور لائق طمانیت کے نہیں ہے، کیونکہ اُسکا دوست و غیر دوست دونوں قسم کے اثروں سے موثر ہوتا، اور مخالف اثروں سے ایک ہی نتیجہ حاصل ہونا ممکن ہے، ایک مسلمان کے لیئے کسی بت کو سجدہ کرنا جسقدر اُسکے نور ایمان کے برخلاف ہے ویسا ہی ایک بُت پرست کے نور دہرم کے موافق ہے، پس ایک شے دو مخالف نتیجے پیدا کرتی ہے +

مگر اسکے سوا ایک اور قوت بھی انسان میں پائی جاتی ہے جو اُن تمام اثروں پر غالب

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ	اور اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہے، اس
بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝۹	بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے (۹)

ہو جاتی ہے اور جسکو میں نورِ قلب یا نورِ فطرت کہتا ہوں ۔ ہمارے پاس بہت سی لوگوں کی نسبت تاریخی شہادت موجود ہے جنھوں نے بچپن سے ایک خاص قوم کی رسم و عادات میں تربیت پائی، اور اُنہی ملکی و تمدنی باتوں کے سوا اور کوئی خیال اُنکے دلوں میں نہیں گذرا اور زمانہ دراز تک اُسی قومی و ملکی و تمدنی امور کی الف و موانست میں رہے، اور ایک ہی سی صحبت پائی، اور ایک ہی سی تربیت ہوئی، اور پھر خود انھوں نے اپنی سوچ سمجھ اور غور و فکر سے جسکو الہام کہنا چاہیئے اُن تمام بندشوں کو توڑا، اور اُنکے عیبوں کو جانا، اور اپنے تئیں اُس سے آزاد کیا، اور اور لوگوں کے آزاد کرنے میں کوشش کی +

یہ قوت فکری کم و بیش تمام انسانوں میں فطری ہے، اور ہر شخص خود اپنے حال پر فکر کر کر سمجھ سکتا ہے کہ وہ اُسکے کام میں لانے پر قادر ہے، اور یہی وہ قوت ہے جو حق و باطل میں تمیز کرتی ہے، اور اصلی سچ کو پرکھ لیتی ہے، اور انسان کو اپنی حالت کی اصلاح پر متوجہ کرتی ہے، اور تمام بوجھوں کو جو انسان پر بسبب اُسکے ملکی و تمدنی و آبائی رسم و رواج کی الف و موانست سے ہوتے ہیں اُن کو اُٹھا دیتی ہے، اسی قوت کو زندہ رکھنے اور کام میں لانے کی، اور اس بوجھ یعنے ملکی و تمدنی و آبائی رسم و رواج کی الف و موانست کے اُٹھانے کی جا بجا قرآن میں ہدایت ہوئی ہے، اور یہی قوت ہے جسکے باعث انسان مکلف ہوا ہے، اور دیگر حیوانات سے افضل کہا گیا ہے +

یہ سچ ہے کہ یہ قوت بھی انسانوں میں بمقتضائے اُن کی خلقت کے قوی اور ضعیف ہے مگر معدوم نہیں، اور جنمیں معدوم ہو وہ مکلف نہیں، بلکہ مرفوع القلم ہے۔ کبھی یہ قوت پند و نصیحت اور سمجھانے بجھانے اور دلیلوں اور نشانیوں کے بتانے اور صحبت کے اثر سے تحریک میں آجاتی ہے، جیسے کہ اُن لوگوں کا حال ہوتا ہے جو سچی راہ بتانے والوں کی ہدایتوں کو سمجھکر اور یقین کرکر پیروی کرتے ہیں، بشرطیکہ اُس پیروی کی اور کوئی ایسی وجہ نہو جس نے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢﴾	اور جب اُنسے کہا جاوے کہ مت بگاڑ ڈالو دنیا میں تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو سنوارنے والے ہیں ۱۰ ہاں وہی ہیں بگاڑنے والے پر سمجھتے نہیں (۱۱)

انسان کو خفیہ خفیہ اپنے افعال پر مجبور کر دیا ہو، اور اُس نے اُس فطری قوت کو بغیر کام میں لائے اُس خفیہ مجبوری سے وہ پیروی نہ کی ہو۔ اور کبھی وہ قوت فطری ایسی قوی ہوتی ہے کہ خود بخود اُسمیں سے وہ روشنی اُٹھتی ہے، اور حق و باطل میں فرق دکھاتی ہے، اور ملکی تمدنی اور آبائی رسم و رواج کی الف و موانست کے بوجھ کو اُٹھا دیتی ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو شرع کی زبان میں پیغمبر اور تمدنی اصطلاح میں ریفارمر کہلاتے ہیں ✣

یہی قوت تھی جسنے ایک جوان کے دل کو خود اپنی روشنی سے روشن کر دیا، جو، اور کلدانیان میں رہتا تھا، اور جسکا نام ابراہیم تھا، بچپن سے اُسنے اپنے پیارے باپ کی گود میں پرورش پائی، بجز بتوں کے اُسکی آنکھ نے کچھ نہیں دیکھا، اور بجز بتوں کی پرستش کے نغموں کے اُسکے کانوں نے کچھ نہیں سُنا، اور پھر سمجھا تو یہ سمجھا کہ ہاے میرا پیارا باپ اور میری پیاری قوم بڑی گمراہی میں ہے۔ یہ سوچکر گھبرایا اور چاروں طرف دیکھنے لگا کہ پھر سچ کیا ہے۔ چاند کو روشن دیکھکر خیال کیا کہ شاید یہ سچ ہو۔ سورج کو چمکتا دیکھکر سوچا کہ شاید یہ سچ ہو۔ مگر اُس نور فطرت نے بتایا کہ یہ سب جھوٹ ہے، اُسنے سب سے مُنھ موڑا اور سچی بات پکار اُٹھا کہ ،، اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وما انا من المشرکین ،، ✣

ایک یتیم بن ماں باپ کے بچے کا حال سُنو، جسنے نہ اپنی ماں کے کنار عاطفت کا لطف اُٹھایا، نہ اپنے باپ کی محبت کا مزہ چکھا، ایک ریگستان کے ملک میں پیدا ہوا، اور اپنے گرد بجز اونٹ چرانے والوں کے غول کے کچھ نہ دیکھا، اور بجز لات و منات وعزیٰ کو پکارنے کی آواز کے کچھ نہ سُنا مگر وہ کبھی نہ بھٹکا، اور کہا تو یہ کہا کہ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ،، پس یہ تمام روشنیاں اُس نور فطرت کی خود آپ ہی

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّھُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب اُنسے کہو ہیں کہ تم اُسطرح ایمان لاؤ جسطرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتی ہیں کہ کیا ہم اُسطرح ایمان لاویں جسطرح بیوقوف ایمان لائے ہیں، ہاں وُہی ہیں بیوقوف پر جانتے نہیں (۱۲) اور جب وہ اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھی ہیں، ہم تو اُنسے ٹھٹھا کرتے تھے (۱۳) اور خدا اُنسے ٹھٹھا کرتا ہے، اور اُنکو اُنکی گمراہی میں بڑھاتا ہے، بھٹکتے ہوئے ایسے رکھتا ہے (۱۴)

آپ روشن ہوئی تھیں، اور جنھوں نے نہ صرف اُنکو بلکہ تمام جہان کو منور کردیا ✦

(۱۲) (واذا قیل لھم) اِن آیتوں میں اُس گفتگو کا اشارہ ہے جو منافق اور کافروں میں کرتے تھے، یعنے کافر سمجھتے تھے کہ منافقوں کا اسطرح ظاہر میں اپنے تئیں مسلمان جتانا فساد ڈالنا ہے، تو وہ اُنسے کہتے تھے کہ تم فساد مت ڈالو اور اپنے تئیں مسلمان مت جتلاؤ، یا جس طرح اور لوگ سچ مچ مسلمان ہوگئے ہیں تم بھی ہوجاؤ، تو وہ اُنکو جواب دیتے تھے کہ ہمارا ظاہر میں مسلمانوں میں ملا رہنا فساد کی بات نہیں ہے، بلکہ اچھی بات ہے، نہ ہم اور بیوقوفوں کی طرح ایمان لاسکتے ہیں، خداتعالی نے اُن منافقوں کی ان دونو باتوں کی بُرائی بتلائی، اور ان آیتوں سے اگلی آیت میں اسطرح کی گفتگو کا سبب فرمایا، کہ اُس طرح کی گفتگو کا سبب یہ تھا کہ منافق جب مسلمانوں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، اور جب کافروں میں جاتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں سے اپنے تئیں مسلمان بتلا کر ٹھٹھا کرتے ہیں ہم تو در حقیقت تمہارے ہی ساتھی ہیں، کافر تو منافقوں کو اسلیئے مفسد بتاتے تھے کہ وہ کافروں کو دھوکے میں ڈالتے تھے، اور خدا نے اُنکو اِس لیئے مفسد بتایا کہ مسلمانوں کو دھوکا دیتے تھے، منافق سچے مسلمانوں کو بیوقوف بتلاتے تھے، مگر خدا نے اُنہیں کو بیوقوف بنایا

(۱۴) (اللہ یستہزئ بھم) اِس لفظ سے یہ بحث کرنی کہ خدا کی شان سے ٹھٹھا کرنا کیونکر ہوسکتا ہے، ٹھٹھے کی بات ہی لوگوں میں شہی غلطی ہے جو قرآن مجید کے طرز بیان

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ (۱۵) مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ (۱۶)

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت دیکر گمراہی کو خریدا ہی، پھر انکی تجارت نے کچھ فائدہ نہ دیا، اور نہ انھوں نے ہدایت پائی (۱۵) انکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ جلائی، پھر جب اُس آگ نے جو کچھ کہ اُسکے اوگرد ہی اُسکو روشن کیا تو اللہ تعالی نے روشنی دیکھنے والوں کی روشنی چھین لی اور اُنکو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے (۱۶)

لغظ کے (قطع نظر کر انسانی محاورے) حقیقی و لغوی معنے لینے چاہتے ہیں، قرآن مجید جیسا کہ ہم یقین کرتے ہیں بیشک خدا کا کلام ہے، مگر وہ انسانوں کی زبان میں اور انسانوں کے محاورہ بات چیت میں بولا گیا ہے، پس جسطرح کہ ایک انسان دوسرے انسان سے بات کرتا ہے، اور اپنی گفتگو میں مجاز و استعارہ و کنایہ کا استعمال کرتا ہے، اور بعضی دفعہ عام مشہور بات کو بطور استدلال کے لاتا ہی، اور کبھی مخاطب کی وسعت علم و عقل و فہم کے مطابق طرز کلام اختیار کرتا ہے، کبھی محال امر کو محال بات پر تعلیق کرتا ہی، کبھی مزاحًا کوئی بات کہتا ہے، اسیطرح قرآن کو بھی سمجھنا چاہیئے، اور اُنہی اصولوں پر اُسکے معنی قرار دینے لازم ہیں۔ کبھی کبھی ایسیں لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہمکو کیا چڑاتا ہے، ہم ہی اُسکو چڑاتے ہیں، حالانکہ وہ اُسکو کچھ نہیں چڑاتے، بلکہ اُسی کے چڑانے کو اپنا چڑانا تعبیر کرتے ہیں، اور اس سے مقصود صرف اُس شخص کی بیوقوفی کا جتلانا ہوتا ہے۔ اسی طرح کافروں کی بیوقوفی جتلانے کو اس مقام پر خدا نے فرمایا کہ کافر مسلمانوں سے کیا ٹھٹھا کرتے ہیں، خدا اُنسے ٹھٹھا کرتا ہے، جو اُن کو ایسی حالت میں چھوڑ رکھا ہی، پس کافروں کا مسلمانوں سے ٹھٹھا کرنا ہی خدا کا کافروں سے ٹھٹھا کرنا ہے +

(۱۶) (مثلهم) میں آگ جلانے والی یا موسلا دھار مینہ مشبہ بہ نہیں ہیں، بلکہ منافقوں کی حالت کو اُن لوگوں کی حالت سے تشبیہ دی ہے جنھوں نے آگ جلانیوالے کی روشنی

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۷﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۸﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ

گونگے ہیں بہرے ہیں اندھے ہیں پھر وہ (راہ پر) نہیں پلٹنے کے (۱۷) یا انکی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے موسلا دھار مینھ کا برسنا جسمیں اندھیری اور کڑک اور چمک ہو، بجلی کی کڑک سے موت کے ڈر کے مارے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں، حالانکہ خدا کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (۱۸) بجلی انکی بینائی کو چک لیتی ہوئی لگتے ہے، جب انکو روشنی معلوم ہوتی ہے تو اسمیں چلتے ہیں

دیکھی اور پھر اندھیرے میں پڑ گئے [رات کو رستہ چلنے والے جلتی ہوئی آگ دیکھکر رستہ پہچانتے تھے اور قافلہ کے لوگوں کا پڑا ہونا خیال کرتے تھے اور جب آگ بجھ جاتی تھی تو اندھیرے میں رستہ ٹٹولتے حیران کھڑے رہجاتے تھے] یا جنھوں نے بجلی کی خوفناک چمک میں رستہ دیکھا اور پھر اندھیرے میں کھڑے رہ گئے، یہ دونوں تشبیہیں منافقوں کے حال کے مطابق تھیں کہ اسلام کی روشنی سے کچھ کچھ راہ پر آتے تھے اور پھر گمراہی کے اندھیرے میں ٹکراتے رہجاتے تھے ❊

(۱۹ (یکاد البرق) اِن آیتوں میں خدا تعالیٰ نے فطرت انسانی کی وہ حالت بیان فرمائی ہے جو ایسے موقعہ پر مینھ اور کڑک وچمک میں خوف سے ہو جاتی ہے، اور تھوڑا سا رستہ بھی دکھائی دیجاتا ہے، اور اِس ظاہری تمثیل سے اُس تھوڑی سی ہدایت اور زیادہ تر گمراہی کی تمثیل سمجھائی ہے جو منافقوں کے حال کے مناسب تھی، اور آخر کو اپنی قدرت کے قانون اور اپنے وجود کے آثار اور اپنی حکمت کاملہ کی نشانیوں سے اپنے ہونے پر استدلال کیا ہے۔ تمام قرآن میں جس عمدگی وخوبی سے قوانین قدرت سے خدا تعالیٰ نے اپنے وجود پر استدلال کیا ہے درحقیقت نہایت پیارا اور دل میں اثر کرنے والا بے مثل اور بے نظیر ہے اور یہ ایسا عمدہ طریقہ استدلال کا ہے جو عالم اور جاہل سب کی سمجھ میں آتا ہے ❊

وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (۱۹) الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (۲۰) وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا

اور جب اُن پر اندھیرا چھا جاتا ہی تو ٹھہر رہجاتے ہیں، اور اگر خدا چاہے تو اُنکی سماعت اور بینائی لیجاوے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہی اے لوگو اپنے پروردگار کی بندگی کرو جسنے تمکو اور جو تم سے پہلے تھے اُنکو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار ہو (۱۹) (خداوہ ہے) جسنے بنایا تمھارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو ڈیرہ ؎ اور آسمان سے پانی برسایا پھر اُس سے تمہارے کھانے کے لیئے پھل اوگائے پھر اللہ کی برابر کسی کو مت کرو اور (یہ سب باتیں) تم جانتے ہو (۲۰) اور اگر تم شک میں پڑے ہو اُس چیز میں جو ہم نے نازل کی ہے

؎ البناء مصدر سمی به المبنی بیت کان فیه او خباء او طراف و ابنیة العرب اخبیتهم ومنه بنی علی امرئته لانهم کانوا اذا تزوجوا ضربوا علیها خباء جدیداً (الکشاف بیضاوی)

(۲۱) (مما نزلنا) سے مراد قرآن ہے، جو نبی پر بذریعہ وحی کے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، پس اِس مقام پر جبتک کہ وحی و نبوت کی حقیقت نہ بیان ہو اُسوقت تک اِس آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا ؛

وحی تو وہی ہوتی ہے جو خدا سے پیغمبر کو دی جاتی ہے، مگر اگلے مفسرین نے اُسکا بیان کہ وہ کیونکر دیجاتی ہے ٹھیک طور پر نہیں کیا، اُنھوں نے خدا و رسول کو دنیا کے بادشاہ اور وزیر کی مانند اور وحی کو بادشاہ کے کلام یا حکم یا پیغام کی مانند سمجھا ہے، اور جبریل کو ایک مجسم فرشتہ بادشاہ و وزیر میں ایلچی پیغام لیجانے والا قرار دیا ہے۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ آسمان پر جبرئیل خدا کا کلام سُنکر آنحضرت پر اوترتے تھے اور وہ پیغام کہدیتے تھے۔ پھر اِس تقریر پر اُنکو یہ مشکل پیش

عَلٰی عَبْدِنَا	اپنے بندے پر

آئی کہ خدا کے کلام میں تو حروف اور آواز نہیں ہے، پھر جبرئیل نے وہ کیونکر سنا ہوگا، پھر اسکا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے جبرئیل میں ایسی سماعت پیدا کی ہو جو خدا کا کلام سن لیتا ہو، پھر اسمیں یہ قدرت رکھی ہو کہ وہ عبارت میں اسکی تعبیر کرسکے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خدا نے لوح محفوظ میں اسی ترتیب سے قرآن پیدا کردیا ہو، اور جبرئیل نے اسکو پڑھکر یاد کرلیا ہو۔ یا یہ ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز جسم دار میں سے خاص طرح کی آوازیں ٹھیر ٹھیر کر نکالی ہوں اور جبرئیل نے بھی اسی کے ساتھ آواز ملالی ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو بتا دیا ہو کہ یہی وہ عبارت ہے، جو ہمارے کلام قدیم کو پورا ادا کردیتی ہے ✦

یہ تقریریں ہمارے علماء قدیم کی اسی قسم کی تقریریں ہیں جن پر آج لوگ ہنستے ہیں، اور قرآن مجید اور مذہب اسلام کو مثل ان تقریروں کے لغو سمجھتے ہیں۔ امام صاحب نے اس بات پر غور نہیں فرمایا ہے، کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت ہی میں ایسی سماعت یا لوح محفوظ میں سے پڑھنے کی قدرت یا جس جسم میں سے وہ اونچی نیچی آوازیں نکلتی تھیں اُنسے کلام سمجھ لینے کی طاقت کیوں نہیں پیدا کی جو خدا کا کلام سن لیتے اور سمجھ لیتے تاکہ اس تکلیف کی کہ جبرئیل سنیں پھر اسکی عبارت بنائیں پھر آنحضرت کو آکر سنائیں حاجت نہ رہتی۔ اسکی بھی تشریح امام صاحب نے نہیں فرمائی کہ اُن اونچی نیچی آوازوں سے آواز ملا لینے کے بعد جبرئیل کو خدا نے کیونکر بتایا کہ یہ وہی عبارت ہے، آیا اُنہی اونچی نیچی آوازوں سے، اُنسے تو جاننا محال تھا کیونکہ دور لازم آتا ہے، پھر اور کسی طرح بتایا ہوگا، مگر پہلے ہی اُسی طرح بتا دیا ہوتا، ولا شک ان هذه هفوات ليس لها في الاسلام نصيب، نبوت کو بھی علماء متقدمین نے ایک عہدہ سمجھا ہے کہ خدا جسکو چاہتا ہے یا جسکو منتخب کرتا ہے دیتا ہے، جیسے بادشاہ اپنے بندوں میں سے کسی کو وزیر کسی کو دیوان کسی کو بخشی کرتا ہے، اور وہ کسی منصب کو لیکر وہ کام شروع کرتا ہے، اور مبعوث ہونے کے ٹھیک

فَأْتُوا	تو تم لاؤ

یہی معنے اونھوں نے سمجھے ہیں ÷

مگر میری سمجھ یہ نہیں ہے، میں نبوت کو ایک فطری چیز سمجھتا ہوں۔ نبی گو اپنی ماں کے پیٹ ہی میں کیوں نہو، نبی ہوتا ہے، النبی نبی ولو کان فی بطن امہ، جب پیدا ہوتا ہے تو نبی ہی پیدا ہوتا ہے، جب مرتا ہے تو نبی ہی مرتا ہے ÷

نبی کا لفظ یہودیوں میں زیادہ تر مستعمل تھا، وہ اُسکو لفظ نبا سے مشتق کرتے تھے، جسکے معنے خبر دینے کے ہیں۔ وہ اُس بات کے قائل تھے کہ انبیا مثل نجومیوں کے دنیا کی باتوں میں سے غیب کی بات یا آیندہ ہونیوالی باتیں بتا دیتے ہیں، شاید اتنا فرق سمجھتے ہوں کہ نجومی ستاروں کے حساب یا شیطانوں کے اسرار سے بتاتے تھے، اور انبیا ربانی کرشمہ سے پس جو شخص کہ کوئی پیشینگوئی نہیں کرتا تھا، اُسکو نبی یا پیغمبر نہیں کہتے تھے، مگر اسلام میں اور مسلمانوں میں یہ خیال نہیں ہے، وہ اُن سب کو جن پر خدا نے وحی نازل کی ہے نبی جانتے ہیں اور پیغمبر مانتے ہیں، گو کہ اُسنے کوئی بھی پیشینگوئی نہ کی ہو، بلکہ مذہب اسلام تو یہ بتاتا ہی کہ،، لایعلم الغیب الا ھو،، یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں ہر ایک صاحب وحی کو نبی یا پیغمبر کہا گیا ہے جن میں سے اکثر کو جیسے داؤد و سلیمان کو یہودی نبی نہیں کہتے

بہرحال اس لفظی بحث کو جانے دو، نبوت درحقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیا میں بمقتضاے اپنی فطرت کے مثل دیگر قواے انسانی کے ہوتی ہے۔ جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے، اور جو نبی ہوتا ہے اُس میں وہ قوت ہوتی ہے جس طرح کہ تمام ملکات انسانی اُسکی ترکیب اعضا، دل و دماغ و خلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں، اسی طرح ملکۂ نبوت بھی اُس سے علاقہ رکھتا ہے، یہ بات کچھ ملکۂ نبوت پر ہی موقوف نہیں ہے، ہزاروں قسم کے جو ملکات انسانی ہیں بعضی دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روے خلقت و فطرت کے ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اُسی کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے، لوہار بھی اپنے فن کا امام

بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ	اُس کی مانند کوئی سورت

یا پیغمبر ہو سکتا ہے، شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے، ایک طبیب بھی فن طب کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے، مگر جو شخص روحانی امراض کا طبیب ہوتا ہے اور جسمیں اخلاق انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضاے اُسکی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے، وہ پیغمبر کہلاتا ہے۔ اور جسطرح کہ اور قواے انسانی بمناسبت اسکے اعضا کے قوی ہوتے جاتے ہیں اُسیطرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے، اور جب اپنی پوری قوت پر پہونچ جاتا ہے، تو اُس سے وہ ظہور میں آتا ہے جو اسکا مقتضی ہوتا ہے، جسکو عرف عام میں بعثت سے تعبیر کرتے ہیں ❊

خدا اور پیغمبر میں بجز اُس ملکہ نبوت کے جسکو ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا، اُسکا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جسمیں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، اُسکا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا پاس پیغام لیجاتا ہے اور خدا کا پیغام لیکر آتا ہے، وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے جسمیں سے خدا کے کلام کی آوازیں نکلتی ہیں، وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کے بحرف بے صوت کلام کو سنتا ہے، خود اُسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اُٹھتی ہے، اور خود اُسی پر نازل ہوتی ہے، اُسی کا عکس اُسکے دل پر پڑتا ہے، جسکو وہ خود ہی الہام کہتا ہے، اُسکو کوئی نہیں بلواتا بلکہ وہ خود بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے، ,,وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی،، ❊

جو حالات و واردات ایسے دل پر گذرتے ہیں، وہ بھی بمقتضاے فطرت انسانی اور سب کے سب قانون فطرت کے پابند ہوتے ہیں، وہ خود اپنا کلام نفسی ان ظاہری کانوں سے اسیطرح پر سنتا ہے جیسے کوئی دوسرا شخص اُس سے کہ رہا ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو ان ظاہری آنکھوں سے اسطرح پر دیکھتا ہے جیسے دوسرا شخص اُسکے سامنے کھڑا ہوا ہے ❊

ان واقعات کے تبلانے کو اگرچہ یہ قول ,,اذا آتاہ کہ،، قدراس با وہ منافی نجد اتا تیقنی.. مگر ہم بطور تمثیل کے گو وہ کیسی ہی کم رتبہ ہو اسکا ثبوت دیتے ہیں، ہزاروں

وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (۲۱)	اور خدا کے سوا اپنے حمایتیوں کو بھی بُلا لو اگر تم سچے ہو (۲۱)

شخص ہیں جنہوں نے مجنونوں کی حالت دیکھی ہوگی، وہ بغیر بولنے والے کے اپنے کانوں سے آوازیں سُنتے ہیں تنہا ہوتے ہیں مگر اپنی آنکھوں سے اپنے پاس کسی کو کھڑا ہوا باتیں کرتا ہوا دیکھتے ہیں، وہ سب انہی کے خیالات ہیں جو سب طرف سے بیخبر ہو کر ایک طرف مصروف اور اسمیں مستغرق ہیں، اور باتیں سُنتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں پس ایسے دل کو جو فطرت کی رو سے تمام چیزوں سے بے تعلق، اور روحانی تربیت پر مصروف اور اسمیں مستغرق ہو ایسی واردات کا پیش آنا کچھ بھی خلاف فطرت انسانی بعید نہیں ہے، ہاں ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ پہلا مجنون ہے اور پچھلا پیغمبر، گو کہ کافر پچھلے کو بھی مجنون بتاتے تھے ✝

پس وحی وہ چیز ہے جسکو قلب نبوت پر بسبب اُسی فطرت نبوت کے مبدء فیاض نے نقش کیا ہے۔ وہی انتقاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے انہی ظاہر کانوں سے سُنائی دیتا ہے، اور کبھی وہی نقش قلبی دوسرے بولنے والے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے، مگر بجز اپنے آپ کے نہ وہاں کوئی آواز ہے نہ بولنے والا، خدا نے بہت سی جگہ قرآن میں جبرئیل کا نام لیا ہے، مگر سورہ بقرہ میں اُسکی ماہیت بتائی ہے، جہاں فرمایا ہے کہ، جبرئیل نے تیرے دل میں قرآن کو خدا کے حکم سے ڈالا ہے، ،دل پر اوتارنے والی، یا دل میں ڈالنے والی، وہی چیز ہوتی ہے جو خود انسان کی فطرت میں ہو، نہ کوئی دوسری چیز جو فطرت سے خارج اور خود اُسکی خلقت سے جسکے دل پر ڈالی گئی ہے جداگانہ ہو، اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسی ملکۂ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے جبرئیل نام ہے۔ یہی مطلب قرآن کی بہت سی آیتوں سے پایا جاتا ہے جیسکہ سورہ قیامۃ میں فرمایا ہے کہ، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ،، یعنی ہمارا ذمہ ہے وحی کو تیرے دل میں اکٹھا کر دینے اور اسکے پڑھ دینے کا ،، فَاِذَا قَرَاْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ،، پھر جب ہم اُسکو پڑھ چکیں تو اُس پڑھنے کی پیروی کر

✝ فانه نزله علی قلبك باذن الله (بقرآیت ۹۱)

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾	پھر اگر تم نہ کرسکے اور نہ کرسکو گے تو بچو اُس آگ سے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو تیار ہی کافروں کے لیے (۲۴)

ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ.. پھر ہمارا ذمہ ہے اُسکا مطلب بتانا، ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور پیغمبر میں کوئی واسطہ نہیں ہے، خود خدا ہی پیغمبر کے دل میں وحی جمع کرتا ہے وہی پڑھتا ہے وہی مطلب بتاتا ہے، اور یہ سب کام اُسی فطری قوت نبوت کے ہیں جو خدا تعالیٰ نے مثل دیگر قوای انسانی کے انبیا میں بمقتضائے اُن کی فطرت کے پیدا کی ہے۔، اور وہی قوت ناموس اکبر ہے۔، اور وہی قوت جبرئیل پیغامبر ہے +

اسی طرح خدا تعالیٰ سورہ والنجم میں فرماتا ہے، "وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰىؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰىۙ" یعنی محمد صلعم اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتا مگر یہ تو وہ بات ہے جو اُس کے دل میں ڈالی گئی ہے۔، "عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰىۙ ذُوۡ مِرَّةٍ"، اُسکو سکھایا ہے بڑی قوت والے صاحب دانش نے، "فَاسۡتَوٰىۙ وَهُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰىؕ"، پھر ٹھیرا اور وہ بہت بلند کنارہ پر تھا، "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰىۙ"، پھر پاس ہوا اور ادھر لٹکا ہوا، "فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰىۚ"، پھر دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا، "فَاَوۡحٰۤى اِلٰى عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰىؕ"، پھر اپنے بندہ کے دل میں ڈالی وہ بات جو ڈالی۔ یہ تمام مشاہدہ اگر انھی ظاہری آنکھوں سے تھا، تو وہ عکس خود اپنے دل کی تجلیات ربانی کا تھا، جو بمقتضائے فطرت انسانی و فطرت نبوت دکھائی دیتا تھا، اور دراصل بجز ملکہ نبوت کے جسکو جبرئیل کہو یا اور کچھ کچھ نہ تھا +

علماء اسلام نے انبیا اور عام انسانوں میں بجز اسکے کہ اُنکو ایک عہدہ ملگیا ہے جو ممکن تھا کہ اُن میں سے بھی کسی کو ملجاتا، اور کچھ فرق نہیں سمجھا، اور اسی لیے اُنہوں نے وما ترید یہ نے نبی اور امت کی مثال سلطان و رعیت کی سمجھی ہے۔ مگر میری سمجھ میں

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ	اور بشارت دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیئے ہیں کہ اُن کے لیے جنتیں ہیں ؛

یہ مثال ٹھیک نہیں ہے، نبی اور امت کی مثال راعی وغنم کیسی ہے، اگو نبی و امت انسانیت میں شریک ہیں، جیسیکہ راعی وغلام حیوانیت میں، مگر نبی وامت میں فطرت نبوت کی ایسی ہی فصل ہے، جیسیکہ راعی وغنم میں ناطقیت کی ؛

قرآن مجید کا نجماً نجماً نازل ہونا بھی بڑی دلیل اِس بات کی ہے کہ وہ بمقتضاے اُسی فطرت کے نازل ہوا ہے، ہم بمقتضاے فطرت انسانی یہ بات دیکھتے ہیں کہ تمام ملکات انسانی کسی محرک یعنی کسی امر کے پیش آنے پر اپنا کام کرتے ہیں، اسیطرح ملکہ نبوت بھی جبھی اپنا کام کرتا ہے جبکہ کوئی امر پیش آتا ہے - ہمارے دل میں سینکڑوں مضمون ہوتے ہیں، سینکڑوں نصیحتیں ہوتی ہیں، اشعار یاد ہوتے ہیں، دوستوں کی صورتیں، اور مکانوں کی باغوں اور جنگلوں کی تصویریں دماغ میں موجود ہوتی ہیں، مگر جبتک اُنپر متوجہ ہونے کا کوئی سبب نہو وہ سب بے معلوم رہتی ہیں، یہی حال ملکہ نبوت کا ہے . نبی معہ اپنے ملکہ نبوت کے موجود ہوتا ہے کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے، دنیوی باتیں جنکو نبوت سے کچھ تعلق نہیں ہے اسیطرح پر کرتا ہے جسطرح کہ اور تمام انسان کرتے ہیں، مگر جب کوئی ایسا امر پیش ہوتا ہے جو اُس ملکہ نبوت کی تحریک کا باعث ہو، اُسوقت وہ ملکہ نبوت اپنا کام کرتا ہے، اسی باریک دقیقہ کی طرف خدا نے اشارہ کرنے کو اپنی نبی کی زبان سے یہ کہوایا کہ،، اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ،، اور خود آنحضرت نے فرمایا کہ،، اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَاْيٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ،، (رواہ مسلم) یعنی میں بھی تو انسان ہی ہوں جب تمکو تمھارے دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اُسکو مان لو اور جب میں کوئی بات اپنی رائے

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں ،

سے کہوں تو بے شک میں بھی انسان ہوں +
[فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ] ہمنے شروع تفسیر میں سورة کے لفظ کی تحقیق میں
بتایا تھا ، کہ جہاں قرآن میں لفظ سورة کا آیا ہے اُس سے کوئی سورة جو سورتوں
کے نام سے مشہور ہیں مراد نہیں ہے ، بلکہ کوئی حصہ قرآن کا مراد ہے +
جو لوگ کہ قرآن پر خدا کی وحی سے ہونے میں شک کرتے تھے اُنکا شبہ مٹانے
کو خدا نے اُن سے فرمایا کہ اگر تم اُسکو خدا سے نہیں سمجھتے تو تم بھی اُسکی مانند لاؤ +
یہ مضمون کئی طرح پر قرآن میں آیا ہے ، اُس مقام پر تو یہ فرمایا ہے کہ قرآن کے
کسی ٹکڑے یا حصہ کے مانند تم بھی لاؤ +
اُسیطرح سورہ یونس [+] میں فرمایا ہے کہ ،، کیا کافر قرآن کو کہتے ہیں کہ یوں ہی
بنا لیا ہے تو تو اُنسے کہہ کر اُسکے ٹکڑے یا حصہ کی مانند تم بھی بنا لاؤ +
اور سورہ ہود [+] میں فرمایا ہے کہ ،، کیا کافر قرآن کو کہتے ہیں کہ یوں ہی بنا لیا
ہے تو تو اُنسے کہہ کر اُسکے دس ہی ٹکڑوں یا حصوں کی مانند تم بھی یوں ہی بنا لاؤ ،، +
اور سورہ اسریٰ میں [+] فرمایا ہے کہ ،، تو کہدے کہ اگر جن و انس اِس بات پر جمع ہوں
کہ اِس قرآن کی مانند بنا لاویں تو اُسکی مانند نہ بنا لا سکینگے ،، +
اور سورہ قصص [+] میں فرمایا ہے کہ ،، تو اُنسے کہدے کہ خدا کے پاس سے کوئی
کتاب لاؤ جو توریت و قرآن سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو ،، +
اِن سب آیتوں پر غور کرنے کے بعد اِس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ قرآن کی مانند
سے کیا مراد ہے ، ہمارے تمام علما و مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ قرآن نہایت اعلیٰ

+ ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورة مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین (یونس ۳۹)
+ ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین (ھود ۱۶)
+ قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (اسریٰ ۹۰)
+ قل فاتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدیٰ منھما اتبعہ ان کنتم صٰدقین (قصص ۴۹)

جب دفعہ اُن کو وہاں پہ کھانے کو پھل ملے تو کہیں یہ وہی ہے جو پہلے ہمکو ملا تھا،	كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوا هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ

فصاحت و بلاغت پر واقع ہوئی ہے، اور اُس زمانہ میں اہل عرب کو فصاحت و بلاغت کا بڑا ہی دعوی تھا، پس خدا نے قرآن کے من اللہ ثابت کرنے کو یہ معجزہ قرآن میں رکھا کہ ویسا فصیح کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا، اور نہیں کہہ سکا، پس اُنھوں نے قرآن کی مانند سے فصاحت و بلاغت میں مانند ہونا مراد لیا ہے ✦

مگر میری سمجھ میں اِن آیتوں کا یہ مطلب نہیں ہے، اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ قرآن مجید نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ فصاحت و بلاغت پر واقع ہے اور جبکہ وہ ایسی وحی ہے جو پیغمبر کے قلب نبوت پر، نہ بطور معنی و مضمون کے بلکہ بلفظہ ڈالی گئی تھی جسکے سبب سے ہم اسکو وحی متلو یا قرآن یا کلام خدا کہتے اور یقین کرتے ہیں، اسلیئے ضرور تھا کہ وہ ایسے اعلیٰ درجہ فصاحت پر ہو، جو بےمثل و بے نظیر ہو، مگر یہ بات کہ اسکی مثال کوئی نہیں کہہ سکا یا کہہ سکتا، اُسکے من اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی کسی کلام کی نظیر نہونا اِس بات کی تو بلاشبہ دلیل ہے، کہ اُسکی مانند کوئی دوسرا کلام موجود نہیں ہے، مگر اِسکی دلیل نہیں ہے، کہ وہ خدا کی طرف سے ہے، بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے موجود ہیں، کہ اُنکے مثل فصاحت و بلاغت میں آجتک دوسرا کلام نہیں ہوا، مگر وہ من اللہ تسلیم نہیں ہوتے، نہ اِن آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ ہے جس سے فصاحت و بلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو، بلکہ صاف پایا جاتا ہے، کہ جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اُس میں معارضہ چاہا گیا ہے، کہ اگر قرآن کے خدا سے ہونے میں شبہ ہو، تو کوئی ایک سورۃ یا دس سورتیں یا کوئی کتاب مثل قرآن کے بنالاؤ جو ایسی ہادی ہو، سورۂ قصص میں آنحضرت صلعم کو صاف حکم دیا گیا ہے کہ،، تو کافروں سے کہدے کہ کوئی کتاب جو توریت و قرآن سے زیادہ ہدایت کرنیوالی ہو اُسے لاؤ،، توریت

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا	کیونکہ ایک ہی سے (پھل) لائے جاوینگے

فصیح نہیں ہے، بلکہ عام طور کی عبارت ہے، اسلیئے کہ علاوہ قومی دستورات وتاریخانہ مضامین کے جو اُسکے جامع نے اُس میں شامل کیئے ہیں، جس قدر مضامین وحی کے اُسمیں ہیں، اُنکا القا بھی بلفظہٖ شاید بجز احکام عشرہ توریت کے جنکو حضرت موسیٰؑ نے پہاڑ میں بیٹھ کر پتھر کی تختیوں پر لکھ دیا تھا، پایا نہیں جاتا۔ پس ظاہر ہے کہ قرآن گو کیسا ہی فصیح ہو، مگر جو معارضہ ہے، وہ اُسکی فصاحت و بلاغت یا اُسکی عبارات کے بے نظیر ہونے پر نہیں ہے، بلکہ اُس کے بے مثل ہادی ہونے میں ہے؛ جو بالتصریح سورۃ قصص کی آیت میں بیان ہوا ہے، ہاں اُسکی فصاحت و بلاغت اُس کے بے نظیر ہادی ہونے کو زیادہ تر روشن و مستحکم کرتی ہے ؛

ان آیتوں کے مخاطب اہل عرب تھے، پس جب قرآن نازل ہوا تو اُسوقت جو عرب کا حال تھا اُسکو ذرا اسطرح پر خیال میں لانا چاہیئے کہ اُسکا نقشہ آنکھوں کے سامنے جم جاوے۔ وہ تمام قوم ایک لٹیری، چور، و قزاق، خانہ بدوش قوم تھی جو مثل کنجروں کے اپنا ڈیرہ گدھوں و خچروں پر لادے پڑی پھرتی تھی، غیر قوموں نے،، سارشین،، جو لفظ،، سارقین،، کا محرف ہے خطاب دیا تھا، بغض وعداوت وکینہ جو بدترین خصائص انسانی سے ہیں اُنکے رگ و ریشہ میں پڑا ہوا تھا یہانتک کہ وہاں کے جانور بھی کینہ میں ضرب المثل ہیں (شتر کینہ) خوں ریزی بیرحمی، قتل اولاد، اُن میں ایسے درجہ پر تھی جسکی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی، کنواری اور بیاہی عورتیں زنا کو اپنا فخر سمجھتی تھیں، جسطرح مرد کسی نامی عورت یا مشہور خاندان کی عورت سے زنا کرنا فخریہ اپنی قوم میں بیان کرتا تھا، اسی طرح عورتیں کسی نامی یا مشہور خاندانی مرد سے زنا کرنا فخریہ بیان کرتی تھیں، قوم کی قوم جاہل وامی تھی، بجز شراب خواری و بت پرستی کے کچھ کام نہ تھا، اور قوموں سے ایسے کونے میں پڑی ہوئی تھیں کہ کچھ روشنی تعلیم و تربیت کی اُن تک نہیں پہنچی تھی،

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ	اور وہاں اُنکے لئے پاکیزہ عورتیں ہیں،

اُسی قوم میں کا ایک شخص جسنے چالیس برس اپنی عمر کے اُنہی کے ساتھ صرف کیئے تھے، ربانی روشنی سے جو حسب مقتضائے فطرت اُسمیں رکھی تھی منور ہوا اور روحانی تربیت کے حقائق ودقائق ایسے الفاظ میں جو عالم اور حکیم اور فلسفی اور نیچرلسٹ وو ہریہ سے لیکر عام جاہلوں بدوٌں صحرانشینوں کی ہدایت کے لئے بھی یکساں مفید تھے علانیہ بیان کیئے، جو ممکن نہ تھا کہ بغیر اسکے کہ وہ خدا کی طرف سے ہوں بیان کیئے جا سکتے، فطرت کے قاعدہ کے مطابق ممکن نہ تھا کہ بغیر اُس فطرت نبوت کے جو خدا اپنے انبیاء میں ودیعت کرتا ہے ایسی قوم کے کسی شخص کے اسطرح کے خیالات اور اقوال ونصایح ہوں، جیسے کہ قرآن میں ہیں، یا ایسی تاریک وخراب حالت کی قوم کا کوئی شخص بغیر اُس نور کے جو خدا نے اُسکو دیا ایسی ہدایتیں بتا دے، جیسی کہ قرآن میں ہیں، یہ بجز خدا سے ہونے کے اور کسی طرح ہو ہی نہیں سکتیں، اسی امر کی نسبت خدا نے فرمایا کہ اگر تمکو اُسکے خدا سے ہونے میں شک ہے تو فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ +

(۲۲) [فان لم تفعلوا] اور پھر فرمایا کہ اگر تم نکر سکے اور پھر بطور یقین کے فرمایا کہ نہ کر سکو گے [کیونکہ ایسی قوم کے ایسے خیالات ہونے جیسے کہ قرآن میں ہیں ممکن ہی نہ تھے] تو اُس کو خدا کی طرف سے سمجھ لو اور عذاب سے بچو +

ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جنت ونار یا دوزخ وبہشت کا ذکر کیا ہے، جنت و نار کی نسبت لفظ ،، اُعِدَّتْ ،، جسکے معنے طیار یا آمادہ کے ہیں چار جگہ قرآن مجید میں آیا ہے اول تو اسی آیت میں ہے ،، اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ،، اور پھر سورۂ آل عمران میں ہے ،، وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ،، اور پھر اُسی سورۃ میں جنت کی نسبت دوسری جگہ ہے ،، اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ،، اور پھر سورہ حدید میں ہے ،، اُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ،، اس لفظ پر علماء اسلام نے استدلال کرکر یہ عقیدہ قائم کیا ہے

وَهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾	،اور وہ ہمیشہ وہاں رہینگے (۲۴)

کر ،،اَلْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ،، یعنے بہشت اور دوزخ دونو پیدا ہوچکی ہیں یعنی بالفعل موجود ہیں - مگر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ ان آیتوں سے یا ،،اُعِدَّتْ،، کے لفظ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا +

تمام قرآن کا طرز بیان اسطرح پر ہے کہ آیندہ کی باتوں کا جو یقینی ہونیوالی ہیں ماضی کے صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے ،جو اُنکے قطعی ہونے پر دلالت کرتے ہیں اسیطرح ان آیتوں میں جو باتیں ہونیوالی ہیں اُنکو بطور ہوچکی، یعنی ماضی کے صیغہ سے بیان کیا ہے ،مثلاً پہلی آیت میں فرمایا ہے ،بچو اُس آگ سے جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو تیار ہے کافروں کے لیئے ،،آدمیوں پر ایندھن کا اطلاق اُسوقت ہوسکتا ہے ،جب وہ آگ بھڑکانے کے لیئے آگ میں ڈالے جاوینگے ،اور اُن علمائے اسلام کے نزدیک اگر یہ ہوگا تو قیامت میں حساب وکتاب کے بعد ہوگا پس اسوقت نہ کوئی آدمی جہنم کی آگ کا ایندھن ہے ،اور نہ کوئی ایسی آگ موجود ہے جسکا ایندھن آدمی ہوں ،ممکن ہے کہ کہا جاوے کہ ایسا ہوگا، پس اگر ہوگا تو بالفعل موجود ہونا قائم نہ رہا

دوسری آیت میں بہشتیوں کی نسبت پھل کا ملنا اور ایک سے پھل کا ملنا اور اُنکا کہنا کہ یہ تو وہی ہے جو پہلے ملا تھا، سب ماضی کے صیغوں سے بیان ہوا ہے ،حالانکہ اگر یہ ہوگا تو قیامت کے بعد ہوگا ،جب لوگ حساب وکتاب دیکر بہشت میں جاوینگے علاوہ اسکے اگر کسی کام کا بدلا یا کسی جرم کی سزا یقینی ہو تو اس کہنے سے کہ اگر تم یہ بات کروگے تو اُسکا یہ صلہ اور یہ جرم کروگے تو اُسکی یہ سزا تمھارے لیئے طیار ہے، یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صلہ یا ذریعہ سزا بالفعل موجود بھی ہو، بلکہ اس طرز کلام کا صرف یہ مفاد ہے کہ وہ بدلا یا سزا ملنی یقینی ہے -پس یہ مسئلہ کہ بہشت اور دوزخ دونوں بالفعل مخلوق وموجود ہیں قرآن سے ثابت نہیں +

جنت یا بہشت کی ماہیت جو خود خدا تعالیٰ نے بتلائی ہے وہ تو یہ ہے ،،فَلَا تَعْلَمُ

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا	اللہ کچھ شرماتا نہیں ایک مچھر کی یا اس سے بھی بڑھکر مثال کہنے میں ،

نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ،، (یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا اُنکے لیئے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) چھپا رکھی گئی ہے اُسکے بدلے میں جو وہ کرتے تھے +

پیغمبر خدا صلعم نے جو حقیقت بہشت کی فرمائی جیسیکہ بخاری و مسلم نے ابوہریرہؓ کی سند پر بیان کیا ہے وہ یہ ہے ،، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ،، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طیار کی ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیئے وہ چیز جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے اور نہ کسی کان نے سُنی ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اُسکا خیال گذرا ہے ۔ پس اگر حقیقت بہشت کی یہی باغ اور نہریں اور موتی کے اور چاندی سونے کی اینٹوں کے مکان اور دودھ اور شراب اور شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈے ہوں، تو یہ تو قرآن کی آیت اور خدا کے فرمودہ کے بالکل مخالف ہے کیونکہ اِن چیزوں کو تو انسان جان سکتا ہے، اور اگر فرض کیا جاوے کہ ویسی عمدہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں تو بھی ،، وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ،، سے خارج نہیں ہو سکتیں، عمدہ ہونا ایک اضافی صفت ہے اور جبکہ اُن سب چیزوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے تو اُسکی صفت اضافی کو جہاں تک کہ ترقی دیتے جاؤ انسان کے دل میں اُسکا خیال گذر سکتا ہے، حالانکہ بہشت کی ایسی حقیقت بیان ہوئی ہے کہ ،، وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ،، پس بہشت کی جو یہ تمام چیزیں بیان ہوئی ہیں حقیقت بہشت میں جو ،، قُرَّةِ اَعْیُنٍ ،، ہوگا اُسکے سمجھانے کو بقدر طاقت بشری تمثیلیں ہیں، نہ بہشت کی حقیقتیں +

+ سورۃ السجدہ آیت ۱۷

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ	پہر جو ایمان لائے ہیں جانتے ہیں کہ سچ مچ وہ خدا کی کہی ہوئی ہے ،

ہنسا مطابق اپنی فطرت کے اُنہی چیزوں کو سمجھ سکتا ہے اور اُنہی کا خیال اُسکے دل میں آسکتا ہے، جو اُسنے دیکھی یا چھوئی یا چکھی یا سونگھی یا قوت سامعہ سے محسوس کی ہوں، اور بہشت کی جو ،، قرۃ اعین ،، یعنی راحت یا لذت ہے، اُسکو نہ انسان نے دیکھا ہے، نہ چھوا ہے، نہ چکھا ہے، نہ سونگھا ہے، نہ قوت سامعہ نے اُسکا حس کیا ہے، پس فطرت انسانی کے مطابق انسان کو اُسکا بتلانا ناممکن ہے، اسکے سوا ایک اور مشکل درپیش ہے، کہ جو کچھ انسان کو بتایا جاتا ہے وہ اُن الفاظ سے تعبیر ہوتا ہے جو انسان کی بول چال میں ہیں، اور جو چیز کہ انسان نے نہ دیکھی نہ چھوئی نہ چکھی نہ سونگھی نہ قوت سامعہ سے حس کی، اُسکے لئے کوئی لفظ انسان کی زبان میں نہیں ہوتا، اور اسلیئے اُسکا تعبیر کرنا گو کہ خدا ہی تعبیر کرنا چاہے محالات سے ہے۔ اسکے سوا ایک اور سخت مشکل یہ ہے، کہ کوئی انسان اُن کیفیات کو بھی جو اِس دنیا میں ہے تعبیر نہیں کرسکتا، کوئی شخص کھٹاس، مٹھاس، درد، دُکھ، رنج و راحت، کی کچھ بھی کیفیت نہیں بتا سکتا، یا اُسکے لیئے دوسرا لفظ بدل دیتا ہے، یا کوئی مشابہت اور نظیر اُسکی لاتا ہے، جو وہ بھی مثل پہلی کے محتاج بیان ہوتی ہے، پس بہشت کی کیفیت یا لذت کا جسکو ،، قرۃ اعین ،، سے تعبیر کیا ہے بیان کرنا گو کہ خدا ہی اُسکا بیان کرنا چاہے محال سے بھی بڑھکر محال ہے ✦

مگر جبکہ انسان کو ایک بات کے کرنے کو اور ایک بات کے نہ کرنے کو کہا جاوے، تو بالطبع انسان اُسکی منفعت اور مضرت کے جاننے کا خواہاں ہوتا ہے اور بغیر جانے اُسکے کرنے یا نہ کرنے پر راغب یا متنفر نہیں ہوتا، اسواسطے ہر ایک پیغمبر کو بلکہ ہر ایک ریفارمر یعنے مصلح کو اُس منفعت و مضرت کا کسی تمثیل و تشبیہ سے بتانا پڑتا ہے ✦

،، قرۃ اعین ،، کی ماہیت یا حقیقت یا کیفیت یا اصلیت کا بتانا تو محالات سے ہے

وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا	اور جو کفر میں پڑے ہیں کہتے ہیں کہ ایسی مثل کہنے سے خدا نے کیا ارادہ کیا ہے ،

اسلیئے انبیاء نے اُن راحتوں اور لذتوں یا رنج اور تکلیفوں کو جو انسان کے خیال میں ایسی ہیں جو اُنسے زیادہ نہیں ہوسکتیں، بطور جزا و سزا اُن افعال کے بیان کیا ہے، اور غرض اُن سے بعینہٖ وہی اشیاء نہیں ہیں، بلکہ جو رنج و راحت، لذت و کلفت اُن سے حاصل ہوتی ہے اُس کیفیت کو،، قُرَّۃِ اَعْیُنٍ،، سے تشبیہا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، گو وہ تشبیہ کیسی ہی اونے اور ناچیز ہو ؛

موسیٰ نے اُس ،، قُرَّۃِ اَعْیُنٍ،، کو اولاد پیدا ہونے مینھہ برسنے رزق کے فراغ ہونے دشمنوں پر غلبہ پانے، اور اُس کلفت کو اولاد کے مرنے قحط پڑنے وبا پھیلنے شکست کھانے کی کیفیت کی تشبیہ میں بیان کیا- یہ تشبیہیں اگرچہ بنی اسرائیل کے دل پر بہت موثر تھیں، مگر درحقیقت ایسی نہ تھیں کہ جو تمام انسانوں کی طبعیت پر حاوی ہوں، محمد مصطفٰے صلعم نے اُسکو ایسی تشبیہوں میں بیان کیا ہے، کہ تمام انسانوں کی طبعیتوں پر حاوی ہیں ، اور کل انسانوں کی خلقت اور جبلت کے نہایت ہی مناسب ہیں؛

تمام انسانوں کی خواہ وہ سرد ملک کے رہنے والے ہوں خواہ گرم ملک کے، مکان کی آراستگی، مکان کی خوبی، باغ کی خوشنمائی بہتے پانی کی دلربائی میووں کی تروتازگی، سب کے دل پر ایک عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے، اسکے سوا حسن یعنے خوبصورتی سب سے زیادہ دل پر اثر کرنے والی ہے، خصوصًا جبکہ وہ انسان میں ہو، اور اُس سے بھی زیادہ جبکہ عورت میں ہو، پس بہشت کی وہ قرۃ اعین کو اُن فطری راحتوں کی کیفیات کی تشبیہ میں، اور دوزخ کی مصائب کو آگ میں جلنے، اور لہو پیپ پلائے جانے، اور تھوہر کھلائے جانے کی تمثیل میں بیان کیا ہے تاکہ انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اُنہی سے بڑی راحت و لذت، یا سخت

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (۲۴)	بہتوں کو اُس سے گمراہ کرتا ہے، اور بہتوں کو اُس سے ہدایت کرتا ہے، اور بجز بدکاروں کے کسی کو اُس سے گمراہ نہیں کرتا (۲۴)

سے سخت عذاب وہاں موجود ہے، اور درحقیقت جو لذت و راحت یا رنج و کلفت وہاں ہے، اُنکو اُس سے کچھ بھی مناسبت نہیں، یہ تو صرف ایک اعلیٰ راحت و احتظاظ، یا رنج و کلفت کا خیال پیدا کرنے کو اُس پیرایہ میں جسمیں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ احتظاظ و رنج کو خیال کر سکتا تھا بیان کیا ہے +

یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے، اُس میں سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں شاداب و سرسبز درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں، ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے، ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت، چاندی کے کنگن پہنے ہوئے، جو ہماری ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں، ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے، ایک نے ران پر سر دھرا ہے، ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے، ایک نے لب جاں بخش کا بوسہ لیا ہے، کوئی کسی کونہ میں کچھ کر رہا ہے، کوئی کسی کونہ میں کچھ، ایسا بیہودہ پن ہے جسپر تعجب ہوتا ہے، اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اُس سے ہزار درجہ بہتر ہیں +

علماے اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے بسبب اپنی رقت قلبی اور توجہ الی اللہ اور خوف و رجا کے غلبہ کے، جو آدمی کے دل پر زیادہ اثر کرنے سے ایسے درجہ پر پہنچا دیتا ہے کہ اصل حقیقت کے بیان کرنے کی جرأت نہیں رہتی) یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو امر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے، اُسی کو تسلیم کر لیں، اور اُسکی حقیقت اور اُسکے مقصد کو خدا کے علم پر چھوڑ دیں، اسواسطے وہ بزرگ تمام اُن باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جنکو کوئی بھی نہیں مان سکتا، اور وہ باتیں جیسیکہ عقل اور اصلی مقصد بانی مذہب کے برخلاف ہیں، ویسی ہی مذہب کی سچائی اور بزرگی اور تقدس کے مخالف ہیں +

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۵﴾	جو اللہ کے عہد کو پکا کرکے توڑتے ہیں اور جس چیز کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے اُس کو کاٹتے ہیں، اور دنیا میں فساد ڈالتے ہیں، وہی لوگ ٹوٹے میں پڑے ہیں (۲۵)

اِس امر کے ثبوت کیلئے بانی مذہب کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا، نہ واقعی اُن چیزوں کا دوزخ و بہشت میں موجود ہونا، ایک حدیث کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ترمذی نے بریدہ † سے روایت کی ہے اُسمیں بیان ہے کہ، ایک شخص نے آنحضرت سے پوچھا کہ بہشت میں گھوڑا بھی ہوگا آپ نے فرمایا کہ تو سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہیگا اُڑتا پھریگا۔ پھر ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت وہاں اونٹ بھی ہوگا، آپنے فرمایا کہ وہاں جو کچھ چاہوگے سب کچھ ہوگا، پس اس جواب سے مقصود یہ نہیں ہے کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ موجود ہونگے، بلکہ صرف اُن لوگوں کے خیال میں، اُس اعلےٰ درجہ کی راحت کے خیال کا پیدا کرنا ہے، جو اُنکے خیال اور اُنکی عقل و فہم و طبیعت کے مطابق اعلیٰ درجہ کی ہوسکتی تھی ۔ اسی کی مانند اور بہت سی حدیثیں ہیں، اور اگر اُن سب کو صحیح بھی مان لیا جاوے تب بھی کسی کا مقصود اُن اشیاء کا بعینہٖ بہشت میں موجود ہونا نہیں ہے بجز اسکے کہ جہاں تک انسان کی عقل و طبیعت کے موافق اعلےٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا ہو سکے وہ پیدا ہو ۔

حکماء الٰہی اور انبیاء ربانی دونوں ایک سا کام کرتے ہیں، فرق یہی کہ حکماء

† عن بريدة ان رجلا قال يا رسول الله هل في الجنة من خيل قال ان الله ادخلك الجنة فلا تشاء ان تحمل فيها على فرس من ياقوتة حمراء يطير بك في الجنة حيث شئت الا فعلت وسأله رجل فقال يا رسول الله هل في الجنة من ابل قال فلم يقل له ما قال لصاحبه فقال ان يدخلك الله الجنة يكن لك فيها ما اشتهت نفسك ولذت عينك. رواه الترمذي

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	کیونکر تم نہیں مانتے اللہ کو حالانکہ تم مردہ (یعنی کچھ نہ تھے †) پھر تمکو زندہ (یعنی موجود اور مشہور و معروف) کیا، پھر تمکو ماریگا

صرف اُن چند لوگوں کو تربیت کر سکتے ہیں جنکا دل و دماغ تربیت پا چکا ہے۔ برخلاف اسکے انبیاء تمام کائنات انام کو تربیت کرتے ہیں، جنکا بہت بڑا حصہ قریب کل کے محض ناتربیت یافتہ جاہل وحشی جنگلی بدوی بےعقل و بد دماغ ہوتا ہے، اور اسی لیئے انبیاء کو یہ مشکل پیش آتی ہے، کہ اُن حقائق و معارف کو، جنکو تربیت یافتہ عقل بھی مناسب غور و فکر و تامل سے سمجھ سکتی ہے، ایسے الفاظ میں بیان کریں کہ تربیت یافتہ دماغ اور کوڑ مغز دونوں برابر فائدہ اٹھاویں۔ قرآن مجید میں جو مجمل چیز ہے وہ یہی ہے کہ اسکا طرز بیان ہر ایک کے مذاق اور دماغ کے موافق ہے، اور باوجود استعداد را ختلاف کے دونوں نتیجہ پانے میں برابر ہیں۔ انہی آیات کی نسبت دو مختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو، ایک تربیت یافتہ دماغ خیال کرتا ہے کہ وعدہ و وعید دوزخ و بہشت کے، جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں اُنسے بعینہ وہی اشیاء مقصود نہیں، بلکہ اُسکا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی و راحت کو جو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لاتا ہے، اس خیال سے اُسکے دل میں ایک بڑے نہایت عمدگی نعیم جنت کی، اور ایک ترغیب اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے۔

† قال القفال وهو كقوله تعالى «هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا» فبين سبحانه و تعالى ان الانسان كان لاشي يذكر فجعله سميعا بصيرا ومجازه من قولهم فلان ميت الذكر وهذا امر ميت وهذه سلعة ميتة اذا لم يكن لها طالب ولا ذاكر قال المخبل السعدي

واحييت لى ذكرى وما كنت خاملا ۰ ولكن بعض الذكر انبه من بعض

فكذا معنى الاية وكنتم امواتا اى خاملين ولا ذكر لكم لانكم لم تكونوا شيئا فاحياكم اى جعلكم سميعا بصيرا ۰ (تفسير كبير)

كنتم امواتا لخاملى الذكر فاحياكم بالظهور ۰۰ والعرب يسمى كل خامل ميتا وكل امر مشهور حيا (تفسير مجمع البيان)

ترجمہ	آیت
پھر جلا وے گا، پھر اُس کے پاس جاؤ گے (۲۷)	ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾

اور ایک کوڑمغز مُلّا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے، کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گِنت حوریں ملینگی، شرابیں پینگے، میوے کھاوینگے، دودھ و شہد کی ندیوں میں نہاوینگے، اور جو دل چاہیگا وہ مزے اُڑاوینگے، اور اِس لغو و بیہودہ خیال سے دن رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے، اور جس نتیجہ پر پہلا پہنچا تھا اُسی پر یہ بھی پہنچ جاتا ہے، اور کافۂ انام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتا ہے، پس جس شخص نے ان حقائق قرآن مجید پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں غور نہیں کی اُس نے درحقیقت قرآن کو مطلق نہیں سمجھا، اور اُس نعمت عظمیٰ سے بالکل محروم رہا۔

(متشابہا) جو مطلب قرآن مجید کا ہمنے بیان کیا ہے اُسکے مطابق ہمکو نہ کچھ (ثمرہ) کے لفظ پر بحث کرنی ضرور ہے اور نہ ،،متشابہا،، کے لفظ پر کیونکہ اِس لفظ سے پھل کی عمدگی پر اُسی مقصود سے زیادہ تعجب دلاتا ہے، مگر تعجب یہ ہی کہ بعض ہمارے علماء اسلام نے بھی ،،متشابہا،، کی تفسیر میں ثمر سے درختوں کے میوے مراد نہیں لیئے۔ بیضاوی ؒ میں لکھا ہے کہ ،،اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ جو لذت دنیا میں خدا کی معرفت اور اُسکی طاعت میں حکمی تھی تو جنت میں وہ لذت بڑھکر ہوگی اس لیئے ان الفاظ سے کہ ،،یہ وہی ہے جو ہمکو پہلے ملا تھا،، ثواب مراد ہو سکتا ہے اور ،،ایک ہی سی ہونے سے،، بزرگی اور علو مدارج میں ایک سا ہونا، یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ کافروں کے حق میں کہا گیا ہی

؎ وان للاٰیۃ محملا اٰخر وھو ان مستلذات اھل الجنۃ فی مقابلۃ ما رزقوا فی الدنیا من المعارف والطاعات متفاوتۃ فی اللذۃ بحسب تفاوتہا فیحتمل ان یکون المراد من ھذا الذی رزقنا انہ ثوابہ ومن تشابہہما تماثلہما فی الشرف والمزیۃ وعلو الطبقۃ فیکون ھذا فی الوعد نظیر قولہ ذوقوا ما کنتم تعملون فی الوعید (بیضاوی)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا	اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمھارے لیے سب کچھ جو زمین میں ہے ؛

کر چکھو جو تم جانتے تھے" ؛

تفسیر کشف الاسرار میں † بھی لکھا ہے کہ جنت و نار کی جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ سب تمثیلیں ہیں نہ حقیقتیں تاکہ جو چیز ہمارے پاس ہے اُس سے اُس چیز کا جو ہم سے پوشیدہ ہے کچھ خیال ہو ؛

(۲۴) [اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖ] تمام مفسرین اس آیت کی نسبت لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں مکھی و مکڑی و چیونٹی کا ذکر کیا ہے، اسپر کافر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ ایسی حقیر چیزوں کا ذکر کرنا خدا کی شان کے لائق نہیں ہے، اسپر یہ آیت نازل ہوئی کہ مچھر یا اس سے زیادہ حقیر چیز کی مثل کہنے میں خدا شرماتا نہیں، مگر اس صورت میں اس آیت کو پہلی و پچھلی آیتوں سے کچھ تعلق نہیں رہتا، بلکہ اس آیت سے اس بات پر اشارہ پایا جاتا ہے کہ، اوپر کی آیتوں میں جو بیان جنت و نار کا ہوا ہے وہ صرف بطور ایک حقیر مثل کے ہے، مگر اللہ حقیر سے حقیر مثل کہنے میں بھی نہیں شرماتا، جو سعید ہیں وہ اُسکا مقصد سمجھتے ہیں اور ہدایت پاتے ہیں، اور جو شقی ہیں وہ اُس کے مقصود پر غور نہیں کرتے بلکہ حقارت سے دیکھتے ہیں اور گمراہ ہوتے ہیں ؛

[عَھْدَ اللّٰہِ] عہد آپس میں دو شخصوں کے ایک قول ہے، جسکا منشاء یہ ہے کہ اُسکی رعایت رکھی جاوے اور پورا کیا جاوے، اور ایجاب و قبول سے وُہ موثق ہو جاتا ہے، کبھی یہ عہد بذریعہ قول کے ہوتا ہے اور کبھی بغیر قول کے، مثلاً یہ عہد کرنا کہ میں دس من گیہوں دونگا ایک قولی عہد ہے، مگر من کی مقدار بھی جو

† واعلم ان اللہ تعالیٰ خاطبنا بالامثال لیدلنا علی الحاضر عندہ بالغائب عندنا فالاسماء متفقة للدلالة والمعانی مختلفة ولولا ذلک لما بقی فی النار من شجر الزقوم و السلاسل شیء بل کلہا تاکل النار ولو بقی فی الجنة من فرشہا وانہارہا الا الذی [illegible] (تفسیر کشف الاسرار)

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲۷)	پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اُسکو ٹھیک سات آسمان کر دیئے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے (۲۷)

مروج ہو ایک عہد ہے بغیر قول کے، جو اُس قولی عہد کے ضمن میں داخل ہے، پس عہد بالقول اور بالحال دونوں طرح پر ہوتا ہے، خدا کا عہد جو مخلوق سے ہے، یا مخلوق کا عہد جو خدا سے ہے، وہ قولی نہیں ہو سکتا، کیونکہ اُسکی ذات لفظوں کے بولنے اور آواز کے نکلنے سے جو انسان سے متعلق ہے بری ہے، پس خدا کا قول وہ انسانی فطرت ہے، جسپر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے، اُسکی قدرت کی نشانیاں جو دنیا میں اور خود انسان میں ہیں اور جو عقل و تمیز انسان میں بالواسطہ یا بلا واسطہ اُنکے سمجھنے کی موجود ہے، اُسکے خدا ہونے پر موثق عہد ہے، جسکا دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہوا ہے، خود انسان کی فطرت اور جو قواے متحرک اور قوت مانع یا معتدل کرنے والی اُن قویٰ کی اُس میں رکھی ہے وہ ٹھیک اُس کے دین یا شریعت کے بجا لانے کا جو عین فطرت ہے پکا عہد ہے، پس جو لوگ اُس عہد کو توڑتے ہیں وہی بدکار ہیں اور وہی اُن مثلوں سے گمراہ ہوتے ہیں ٭

(۲۶) اس آیت میں تین لفظ غور کرنے کے قابل تھے۔ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا ۔ فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ: اس آیت کا ترجمہ اس طرح پر کیا ہی کہ پہلے دو لفظوں کا حل اُس سے ہو جاتا ہی، پچھلے لفظ پر ہم وہاں بحث کرینگے جہاں بعث و نشر کی حقیقت بیان کرینگے، یہ مسئلہ اس قابل ہے کہ ایک مناسب مقام پر پوری تقریر اسپر لکھی جاوے ٭

(۲۷) (سَبْعَ سَمٰوٰتٍ) سات کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ سات سے زیادہ آسمان نہوں، بلکہ اُس زمانہ کے لوگ جو بلحاظ سبع سیارات یہ سمجھتے تھے کہ آسمان سات ہیں، اُنہی لوگوں کے خیال کے مطابق سات کا لفظ اطلاق ہوا ہے

وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ	اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا

یہ کچھ میری ہی رائے نہیں ہے بلکہ اگلے مفسروں کی ؎ بھی یہی رائے ہے ،،سموات،، جمع ہے سماء کی جسکے معنے اونچے کے ہیں، یہ لفظ عرب کی زبان میں اور یہودیوں کی زبان میں اُس زمانہ سے بولا جاتا ہے جبکہ یونانی علم ہیئت کا وجود بھی نہ تھا، قرآن مجید میں بھی اس لفظ کا اطلاق اُسی محاورہ میں ہوا ہے جو اُس زمانہ میں تھا، مگر قرآن مجید کے نازل ہونے کے زمانہ میں اور اُسکے بعد بالتخصیص مسلمانوں میں یونانی علم ہیئت کا بڑا رواج ہو گیا تھا۔ یونانیوں نے آسمان کو ایک جسم شفاف صلب کروی الشکل مقعر و محدب کا محیط زمین کے جسمیں ستارے جڑے ہوئے ہیں تسلیم کیا تھا، یونانی مسئلے مسلمانوں میں بہت رائج ہو گئے تھے اور سب (الا شاذ و نادر) بطور سچے مسئلوں کے تسلیم کیئے جاتے تھے، یہانتک کہ قرآن کے بیانات کو بھی اُنکے مطابق کیا جاتا تھا۔ البتہ علماء علم کلام نے یونانیوں کے چند مسائل میں ترمیم اور بعض میں اختلاف کیا تھا جنکو وہ صریح مذہب کے برخلاف سمجھتے تھے، اور اُسکے سوا باقی مسائل کو بطور سچ کے تسلیم کرتے تھے۔ آسمانوں کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا جسمیں علماء اسلام نے کچھ تھوڑی ترمیم کی تھی اور اُسکے جسم کروی محیط ارض کے ہونے اور ستاروں کے اُسمیں جڑے ہوئے ہونے اور آسمانوں کے زمین کے گرد چکر کھانے کو ویسا ہی تسلیم کیا تھا جیسا کہ یونانیوں نے بیان کیا تھا۔ اسلیئے تفسیروں میں اور مذہبی کتابوں میں آسمان کے وہی معنی یا اُسکے قریب قریب مروج ہو گئے جو یونانی حکیموں نے بیان کئے تھے، اور بہت بڑی غلطی یہ پڑ گئی کہ لفظ تو لیا قرآن کا اور اُسکے معنے لیئے یونانی حکیموں

؎ فان قال قائل فهل يدل التخصيص على سبع سموات على نفي العدد الزائد قلنا الحق ان تخصيص العدد بالذكر لا يدل على نفي الزائد (تفسیر کبیر)

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ	کہ میں زمین میں

کے، اور رفتہ رفتہ وہ معنے ذہن میں ایسے راسخ ہو گئے کہ انکا انکار کرنا گویا قرآن کا انکار کرنا ٹھہر گیا، مگر ایسا سمجھنا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ اسلیئے میں ان معنوں سے جو اکثر مفسرین سمجھتے ہیں، انکار کرتا ہوں اور میں کہتا ہوں کہ جن جن چیزوں پر قرآن مجید میں سماء یا سموات کا اطلاق آیا ہے، وہی معنے سماء و سموات ہم قرار دینگے، نہ وہ معنی جو علماء اسلام نے یونانی حکیموں کی پیروی سے قرار دیئے ہیں +

قرآن مجید میں جسکا بیان آگے ہر ایک موقعہ پر آویگا، اس وسعت پر بھی سماء کا اطلاق ہوا ہے جو ہر شخص اپنے سر کے اوپر دیکھتا ہے اور اس نیلی چیز پر بھی ہوا ہے جو گنبد کی چھت کے مانند ہر شخص کو اسکے سر کے اوپر دکھائی دیتی ہے۔ اور ان چمکتے چمکتے جسموں پر بھی ہوا ہے جنکو ہم ستارے یا کواکب کہتے تھے۔ بادلوں پر بھی ہوا ہے جو مینہ برساتے ہیں، مگر قرآن نے آسمان کے وہ معنے جو یونانی حکیموں نے بیان کیئے ہیں کہیں نہیں تبلائے اسلیئے ہم انسے انکار کرتے ہیں، اور جو معنی قرآن نے تبلائے ہیں انہی معنوں میں سے کوئی معنے سماء کے لفظ کے سمجھتے ہیں +

اس مقام پر سماء کے لفظ سے وہ وسعت مراد ہے جو ہر شخص اپنے سر کے اوپر دیکھتا ہے، پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا اس وسعت کی طرف متوجہ ہوا جو انسان کے سر پر بلند دکھائی دیتی ہے، اور ٹھیک اسکو سات بلندیاں کر دیں، سات سیارہ کواکب کو ہر کوئی جانتا تھا، عرب کے بدو بھی انسے بخوبی واقف تھے، وہ ستارے اوپر تلے دکھائی دیتے ہیں، یعنی ایک سب سے نیچا، دوسرا اس سے اونچا، اور تیسرا اس سے اونچا، اور علی ہذا القیاس، اور ان کواکب کے سبب جو بطور روشن نشانوں کے اس وسعت مرتفع میں دکھائی دیتے ہیں اس وسعت

ایک خلیفہ بنانے والا ہوں	خَلِيفَةً

کے ساتھ جدا جدا حصے یا درجے یا طبقے ہو جاتے ہیں، پس اسی کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اسکو ٹھیک سات آسمان کر دیئے +

یہ معنی جو ہمنے بیان کیئے اگرچہ لوگوں کو ایک نئی بات معلوم ہوتی ہوگی مگر یہی معنے بعض معتبر مفسروں نے بھی سمجھے ہیں، تفسیر + بیضاوی میں لکھا ہی کہ ،،سماء سے یا اجرام علوی (جنمیں کواکب بھی داخل ہیں) مراد ہیں یا اوپر کی طرفیں،، پس انہی مجمل لفظوں کی یہ تفصیل ہے جو ہمنے بیان کی ہے +

(۲۸) [وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ] اس آیت سے وہ ذکر شروع ہوا ہے جو آدم کا قصہ کہلاتا ہے، تمام مفسرین اسکو ایک واقعی جھگڑا یا مباحثہ سمجھتے ہیں جو خدا اور فرشتوں میں ہوا، تعالیٰ شانہ عما یقولون +

،،ملاک،، کے معنے ایلچی یا پیغامچی کے ہیں، عبرانی، یونانی، اور فارسی میں جو لفظ ملک کے لیئے ہیں ان سبکے معنی بھی ایلچی کے ہیں۔ جو خدا کا پیغام نبیوں کو پہنچاتا ہے، توریت میں بعض جگہہ عام ایلچی کے لیئے بھی بولا گیا ہے اور بعض جگہہ مذہبی پیشواؤں اور ابر اور ہوا اور وبا کے لیئے، مگر فرشتوں کے وجود کی نسبت لوگوں کے عجیب عجیب خیالات ہیں۔ انسان کی یہ ایک طبعی بات ہے کہ جب کسی ایسی مخلوق کا ذکر ہو جسکو وہ نہیں جانتا ہو خواہ مخواہ اسکے دل میں اس مخلوق کے ایک جسمانی جسم متحیز کا جسکے رہنے کی کوئی جگہہ بھی ہو خیال جاتا ہے، پھر ان کے اوصاف پر خیال کرتے کرتے انکی ایک صورت جو ان اوصاف کی مقتضی ہوتی ہے اسکے خیال میں قرار پاتی ہے، اور پھر وہ اس بات کو تو بھول جاتا ہی کہ میں اس مخلوق کو نہیں جانتا، نہ میں نے اسکو کبھی دیکھا ہے اور یوں جاننے لگتا ہی کہ وہ مخلوق وہی ہے جو میرے خیال میں ہے، اور جب وہ خیال لوگوں میں

+ والمراد بالسماء هذه الاجرام العلوية او جهات العلو (بيضاوی)

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ	بولے کیا تو اسمیں ایسے کو خلیفہ کریگا جو اسمیں فساد کرے اور خون بہاوے،

نسل ورنسل چلا آتا ہے، تو ایسا مستحکم ہوجاتا ہے کہ گویا اسمیں شک وشبہ مطلق ہے ہی نہیں، یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے، انکو نورانی سمجھکر گورا گورا سفید برف کا رنگ، نوری شمع کی مانند باہیں، بلور کیسی پنڈلیاں، ہیرے کیسے پاؤں ایک خوبصورت انسان کی شکل، مگر نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے، آسمان انکے رہنے کی جگہہ قرار دی ہے، آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لیئے انکے پر لگائے ہیں، کسی کو شان وار، اور کسی کو غصہ ور و غضبناک، کسی کو کم سن کا کسی کو صور پھونکتا، کسی کو آتشیں کوڑے سے مینہہ برساتا خیال کیا ہے، بعض اقوام نے جو زیادہ غور وفکر کی ہے، تو انکے لیئے نہ جسم مانا ہے، اور نہ انکا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے، اور اسیلئے فرشتوں کی نسبت انسانوں کے دو فرقے ہوگئے ہیں، ایک وہ جو فرشتوں کے وجود اور انکے متحیز ہونے دونوں باتوں کے قائل ہیں، اور ایک وہ کہ انکے متحیز ہونے کے قائل نہیں، بعض بت پرست سمجھتے تھے کہ فرشتے سعد اور نحس کواکب کی روحیں ہیں، مجوسی اور بعض بت پرستوں کا یہ خیال تھا کہ عالم کی ترکیب نور وظلمت سے ہے، اور نور وظلمت دونوں موجود حقیقتیں ہیں، مگر آپسمیں مختلف، اور ایک دوسرے کی ضد، نور کے بھی بال بچے پیدا ہوتے ہیں اور ظلمت کے بھی بال بچے پیدا ہوتے ہیں، مگر نہ اسطرح جیسے کہ انسان اور حیوان جنتے جناتے ہیں، بلکہ اسطرح جیسیکہ حکیم سے حکمت اور روشن چیز سے روشنی، اور احمق سے حماقت، نور کی اولاد تو فرشتے ہیں، اور ظلمت کی اولاد شیطان، حکماء عقول ہی پر جنکو انھوں نے تسلیم کیا ہے فرشتہ کا اطلاق کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ فرشتے حقیقت موجودہ غیر متحیزہ ہیں اور انکی حقیقت نفوس انسانی کی حقیقت سے زیادہ تر قوی ہے، اور انسان کی بہ نسبت انکو علم بھی زیادہ ہے، ان میں سے کچھ

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ	اور ہم تو تیری تعریف جپتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں ،

تو آسمانوں سے اس قسم کا علاقہ رکھتے ہیں جیسیکہ ہمارے بدن سے ہماری روح ، اور کچھ بجز استغراق کے ذات باری میں کسی چیز سے علاقہ نہیں رکھتے اور وہی ملائکہ مقربین ہیں ، اور بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ انکے سوا دو قسمیں اور ہیں ، اور وہ زمین کے فرشتے ہیں اور دنیا کے امورات کو درست کرتے ہیں جو نیک کام کرنیوالے ہیں وہ تو فرشتے ہیں اور جو بدکام کرنیوالے ہیں وہ شیطان ہیں ۔ یہودی فرشتوں کو آدمی کی صورت پر مجسّم مانتے تھے ، اور انکو اجسام حقیقی سمجھتے تھے ، البتہ انکے جسم کے مادہ کو مثل انسان کے جسم کے مادہ کے نہیں مانتے تھے ، بلکہ یہ کہتے تھے کہ انکا جسم مادۂ غلیظ سے مرکب نہیں ہے ، وہ اپنے تئیں انسانوں کو دکھلا بھی دیتے ہیں ، ان سے بات چیت بھی کرتے ہیں ، انکے ساتھ کھانا بھی کھاتے ہیں اور غائب بھی ہو جاتے ہیں ، پھر کوئی انکو نہیں دیکھ سکتا ۔ انکے کھانا کھانے کے باب میں کہتے ہیں ، کہ ظاہر میں کھاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ، مگر انسانوں کی خوراک نہیں کھاتے ، بلکہ انکا کھانا اور ہی کچھ ہے ، یہودیوں میں جو ایک صدوقی فرقہ تھا وہ فرشتوں کا قائل نہ تھا ، عیسائیوں کا بھی یہی خیال تھا کہ فرشتے جسم رکھتے ہیں ، اور مقدس ہیں ، انجیل میں حضرت عیسیٰ کو فرشتوں سے برتر کہا گیا ہے ، اور بہشتیوں کی نسبت کہا ہے کہ وہ فرشتوں کے مانند ہونگے ۔

عرب کے بت پرست فرشتوں کو ایک مجسّم اور متحیز چیز سمجھتے تھے ، اور جانتے تھے کہ وہ کھاتے پیتے نہیں ، اور نہ کچھ بشری ضرورت انکو ہے ، وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور زمین پر آتے جاتے ہیں ، وہ یہ سمجھتے تھے کہ انسان بھی فرشتوں کو زمین پر رہتے چلتے پھرتے دیکھ سکتا ہے ، اسی خیال سے وہ آنحضرت صلعم

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾	کہا میں جانتا ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے (۲۹)

کی نسبت کہا کرتے تھے، کہ اگر وہ پیغمبر ہیں تو اُنکے ساتھ فرشتے کیوں نہیں ہیں،
عام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بُت پرستوں کا تھا، وہ فرشتوں
کو ہوا کی مانند لطیف اجسام سمجھتے ہیں، اور مختلف شکلوں میں بنجانے کی اُن
میں قدرت جانتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ وہ آسمانوں پر رہتے ہیں اور پر دار
ہیں کہ اُڑکر زمین پر اُترتے ہیں، اور زمین پر سے اُڑکر آسمان پر چلے جاتے ہیں
اور چیلوں کی طرح آسمان اور زمین کے بیچ میں منڈلاتے ہیں، غرضکہ تمام اقوام
میں فرشتوں کی نسبت انسانی نقائص سے پاک ہونے کا اور ایک اعلیٰ تقدس
کا خیال تھا، اسی خیال کی وجہ سے نیک اور اچھی آدمی کو بھی مجازاً فرشتہ کہتے
تھے، جیسکہ حضرت یوسف کو زلیخا کی سہیلیوں نے کہا، "مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ"
میں کہتا ہوں کہ جسطرح انسان سے فروتر مخلوق کا ایک سلسلہ ہم دیکھتے ہیں
اُسیطرح انسان سے برتر مخلوق ہونے سے انکار کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے
شاید کہ ہو، گو وہ کیسی ہی عجیب اور ناقابل یقین ہو۔ مگر ایسی خلقت کے درحقیقت موجود
ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اس بات کا ثبوت کہ ایسی خلقت ہے
نہیں ہے، قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر
رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا، بلکہ برخلاف اُسکے پایا جاتا ہے، خدا فرماتا ہے۔ "وَقَالُوْا لَوْلَآ
اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ
رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ"، یعنے کافروں نے کہا کہ کیوں نہیں بھیجا پیغمبر کے
ساتھ فرشتہ، اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو بات پوری ہو جاتی اور ڈھیل میں نہ ڈالے
جاتے، اور اگر ہم فرشتہ ہی پیغمبر کرتے تو اُسکو آدمی ہی بناتے اور بلاشبہ اُنکو ویسے ہی
شبہ میں ڈالتے جیسکہ اب شبہ میں پڑے ہیں۔ اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ فرشتے
نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دیکتے ہیں، اُنکا ظہور بلاشمول مخلوق موجود کے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا	اور (اللہ نے) آدم کو سارے کے سارے نام بتا دیئے

نہیں ہو سکتا، "لجعلناہ رجلاً" قید احترازی نہیں ہے، اسجگہ انسان بحث میں تھا اسلیئے "لجعلناہ رجلاً" فرمایا ورنہ اس سے مراد عالم موجود مخلوق ہے +

ان باریک باتوں پر غور کرنے سے اور اِس بات کے سمجھنے سے کہ خدا تعالیٰ جو اپنے جاہ و جلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے اُنکا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیئے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے جنمیں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے پہاڑوں کی صلابت پانی کی رقت، درختوں کی قوت نمو، برق کی قوت جذب و دفع، غرضکہ تمام قویٰ جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں، وہی ملائک و ملائکہ ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے، اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ذریات ہیں، جو ہر ایک قسم کی نیکی و بدی میں ظاہر ہوتی ہیں، اور وہی انسان کے فرشتے اور اُنکی ذریات اور وہی انسان کے شیطان اور اس کی ذریات ہیں +

بعض اکابر اہل اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں، اور امام محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں یہی مسلک اختیار کیا ہے، شیخ عارف باللہ مؤید الدین ابن محمود المعروف بالجندی نے، جو مریدان خاص شیخ صدر الدین قونوی، مرید امام محی الدین ابن عربی سے ہیں، شرح فصوص الحکم میں فرشتوں کی نسبت بہت بڑی بحث لکھی ہے[1] شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصطلاح میں تمام عالم کو مجموع

---

[1] قال الشیخ رضی اللہ عنہ فی فصوص الحکم، وکانت الملئکۃ من بعض قوی تلک الصورۃ التی ہی صورۃ العالم المعبر عنہ فی اصطلاح القوم بالانسان الکبیر، "قال الشیخ مؤید الدین ابن محمود الجندی الذی اخذ الطریق من الشیخ صدر الدین قونوی (دیکھو صفحہ ۱)

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

پھر اُنکو یعنی آدم یا انسان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا کہ مجھکو اُنکے نام (یعنی وہ حقائق و معارف جو اُنمیں ہیں) بتاؤ اگر تم سچے ہو (۲۹)

من حیث المجموع انسان کبیر کہتے ہیں، اور انسان کو انسان صغیر، مقصود اُنکا اِس اصطلاح سے یہ ہے کہ انسان عالم کی ایک فرد ہے، اور جسقدر قوے انسان میں ہیں وہ جزئیات ہیں، اور جو اُسکے کلیات ہیں وہ انسان کبیر ہے، اور فرماتے ہیں، کہ اُس عالم یعنے انسان کبیر کے جو قوے ہیں اُنہی میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

وهو عن الشيخ محي الدين ابن العربي صاحب الفصوص، اعلم ان الملئكة هي ارواح القوى القائمة بالصور الحسية والارواح النفسية والعقلية القدسية وتسميتها ملئكة لكونها روابط وموصلات الاحكام الربانية والآثار الالهية الى العوالم الجسمانية فان الملك في اللغة هو القوة والشدة فلما قويت هذه الارواح بالانوار الربانى وتأيدت واشتدت بها وقويت النسب الربانية والاسماء الالهية ايضاً على ايتاء احكامها وآثارها وايصال انوارها واظهارها سميت ملئكة وهم ينقسمون الى علوى روحانى وسفلى طبيعى عنصرى مثالى نورانى فمنهم المهيمون ومنهم المسخرون ومنهم المرادة من الاعمال بالاقوال والانفاس الصافون والحافون والعالون الى آخر ما قال، +

قال الشيخ رضى الله عنه، فكانت الملئكة كالقوى الروحانية والحسية التى فى نشأة الانسان فكل قوة منها محجوبة بنفسها لا ترى افضل من ذاتها، قال الشارح، القوى الحسية التى فى نشأة الانسان هى التى متعلقاتها المحسوسات كالابصار والسماع والشم والذوق واللمس وما تحتها من الكليات من الانواع والشخصيات واما القوى الروحانية فكالمتخيلة والمتفكرة والحافظة والذاكرة والعاقلة والناطقة وهذه القوى الكليات وشخصياتها فى حيطة الروح النفسانى ومنشأها ومجارى تصرفاتها واحكامها وآثارها الدماغ وكالقوى الطبيعية مثل الجاذبة والماسكة والهاضمة والغاذية والمنمية والمربية والمصورة وشخصياتها راجعة الى الروح الطبعى وكالحلم والعلم والوقار والعناد والشجاعة والعدالة والسياسة والغيرة والرياسة وغيرها مما تحتها من الشخصيات والانواع بالمماثلة والمشاكلة والمباينة والمنافرة عائدة الى روح الحيوانى والنفسانى وكما ان هذه القوى منبثة فى اقطار نشأة الانسان وان لكل جنس وصنف ونوع من هذه القوى محلاً مخصوصاً بها هو محل ظهور احكامه وآثاره ومنشأ حقائقه واسراره ولكن حكم جمعية الانسان سار فى الكل بالكل فكذلك العالم الذى هو الانسان الكبير فى زعمهم كليات هذه القوى وامهاتها بجنسياتها وانواعها وشخصياتها منتشرة ومنبثة فى فضاء السموات والارضين وما بينهما وما فيهما من العوالم وتعينات هذه القوى والارواح فى كل حال بما يناسبه ويواخته على الوجه الذى يليق ويطابقه بها ملائك الامر النازل من حضرات الربوبية +

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ	بولے تو ہی برگزیدہ ہے، تو نے جو کچھ ہمکو سکھایا ہے اسکے سوا ہم کچھ نہیں جانتے بیشک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے (۳۰)

سے بعض کا نام ملائک ہے +

شیخ رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قوائے جنکو ملائک کہتے ہیں انسان کبیر یعنے عالم کے لیئے ایسے ہیں جیسے انسان کے لیئے قوی ہیں، شارح کہتے ہیں کہ دیکھنا اور سننا اور سونگھنا اور چکھنا اور چھونا جو انسان میں ہے، وہ سب اُنہی قوائے ملکوتی حسیہ کے ماتحت ہیں اور قوت متخیلہ اور متفکرہ اور حافظہ اور ذاکرہ اور عاقلہ و ناطقہ اُنہی قوائے ملکوتی روحانیہ کے تابع ہیں، اور جاذبہ اور ماسکہ اور ہاضمہ اور غاذیہ اور منمیہ اور مربیہ اور مصورہ اُنہی قوائے ملکوتی طبعیہ میں داخل ہیں اور حلم اور علم اور وقار اور سمجھ اور شجاعت اور عدالت اور سیاست اور ریاست اُنہی قوای ملکوتی حیوانیہ میں شامل ہیں، اور یہ تمام قوی آسمان و زمین اور اُن کی فضا میں پھیلے ہوئے ہیں +

پس شیخ اور اُنکے متبع بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائے عالم پر کرتے ہیں، ہمارے استنباط اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے استنباط میں صرف اتنا فرق ہے، کہ شیخ کے نزدیک تمام قوائے جو اجسام مرئیہ و غیر مرئیہ اور اشیاء محسوسہ غیر محسوسہ میں ہیں وہ جزئیات ہیں اور جو اُن کے کلیات ہیں وہ ملائک ہیں، اور یہ جزئیات اُنکے ذریات، شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاشفہ سے اِن جزئیات کے کلیات کو جانا ہوگا، مگر چونکہ ہمکو وہ مکاشفہ حاصل نہیں ہے، اسلیئے ہم انھیں قوی کو جنکو شیخ اور اُنکے متبع ذریات ملائک قرار دیتے ہیں ملائکہ کہتے ہیں، مطلب ایک ہی صرف لفظوں یا جاننے جانے کا پھیر ہے +

شیطان کی + نسبت تو قیصری شرح فصوص میں نہایت صاف صاف ہے

+ فی القیصری شرح الفصوص فی ذیل بیان ابلیس ,, قیل ابلیس ھو قوۃ الوھمیۃ الکلیۃ التی ... (باقی صفحہ ۵۹)

قَالَ يٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ	کہا اے آدم انکو (یعنی فرشتوں کو) نام (یعنی انکے) حقائق و معارف (انکو) یعنی فرشتوں کو بتادے ،

بات لکھی ہے جو ہمنے کہی ہے ، اُسمیں لکھا ہے کہ بعضوں نے یہ بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنے عالم میں جو قوت وہمیہ کلیہ ہے وہی ابلیس ہے ، اور ہر ایک انسان میں جو قوت وہمیہ ہے وہی ابلیس کی ذریات ہیں ، مگر شارح کہتا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے ، وہم نہیں ، بلکہ نفس امارہ جو انسان میں ہے وہی ذریات ابلیس ہے ، خدانے بھی فرمایا ہے "کہ جو وسوسے دل میں آتے ہیں اُنکو ہم جانتے ہیں" ، اور فرمایا ہے کہ نفس ہی بُرائی کرنے کو کہتا ہے "، آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ "سب دشمنوں سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلوؤں میں ہے" ، اور آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ "شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے" ، اور ٹھیک یہ حالت نفس کی ہے "، غرضکہ تمام محققین اِس بات کے قائل ہیں کہ انھی قوٰے کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس امارہ یا قوائے بہیمیہ تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے +

اگر فرض کریں کہ فرشتے اور شیطان ایک علحدہ وجود رکھتے ہیں جیسکہ عموماً مسلمانوں کا عقیدہ ہے تو بھی یہ بات بحث طلب ہے کہ کیا فی الواقع یہ مباحثہ خدا اور فرشتوں میں ہوا تھا ؟ کیونکہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے خدا سے مباحثہ نہیں کرسکتے ، بلکہ اُسکے حکم کو بجالاتے ہیں ، خدانے فرمایا ہے "، وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ

بقیہ شرح فی العالم الکبیر والقوی الوھمیۃ التی فی الاشخاص الانسانیۃ والحیوانیۃ افرادھا لمعارضتھا مع العقل الھادی طریق الحق وفیہ نظر لان نفس المنطبعۃ ھی الاولی بالتلبس والوھم من سدنتھا وتحت حکمھا لانھا من قواھا فھی اولی بذلک کما قال تعالیٰ ونعلم ما توسوس بہ نفسہ وقال ان النفس لامارۃ بالسوء وقال علیہ السلام اعدا عدوک نفسک التی بین جنبیک وقال علیہ السلام الشیطن یجری من ابن آدم مجری الدم وھذا شان النفس +

فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

پھر جب آدم نے انکے (یعنی فرشتوں کے) نام انکو یعنی فرشتوں کو) بتا دیئے (خدا نے کہا کہ میں تمکو کہتا تھا کہ میں آسمانوں کی اور زمین کی چھپی باتوں کو جانتا ہوں

تَعۡمَلُوۡنَ ‡ یعنے کافروں نے کہا کہ خدا نے بیٹا بیٹی بنائے ہیں حالانکہ وہ اُس سے پاک ہی بلکہ (جنکو وہ بیٹا بیٹی کہتے ہیں وہ) معزز بندے (یعنی عمدہ مخلوق) ہیں خدا کے آگے بڑھکر بات نہیں کرتے اور جو وہ کہتا ہے وہی وہ کرتے ہیں، اس آیت سے فرشتوں کو مجال مباحثہ خدا سے نہیں معلوم ہوتی، پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ فی الواقع فرشتوں نے خدا سے مباحثہ یا جھگڑا ٹنٹا کیا تھا ؛

اصل یہ ہے کہ اِن آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اُسکے جذبات کو بتلاتا ہے، اور جو قوائے بہیمیہ اُسمیں ہیں اُنکی بُرائی یا اُنکی دشمنی سے اُسکو آگاہ کرتا ہے، مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کی اور اونٹ چرانے والوں کی فہم سے بہت دور تھا، اسلیئے خدا نے انسانی فطرت کی زبان حال سے، آدم و شیطان کے قصے یا خدا اور فرشتوں کے مباحثہ کی طور پر اُس فطرت کو بیان کیا ہے، تاکہ ہر کوئی خواہ اُسکو فطرت کا راز سمجھے، خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ خواہ شیطان و خدا کا جھگڑا، اصلی مقصد حاصل کرنے سے محروم نرہے، اسطرح پر عام و خاص سمجھدار اور ناسمجھ عالم و جاہل کا یکساں قرآن مجید سے مقصد پانا در حقیقت بہت بڑا معجزہ قرآن کا ہے۔ توریت میں لکھا ہی کہ، خدا نے فرشتوں سے کہا کہ، آؤ ہم آدمی کو اپنی صورت پر بناویں، یہ مضمون مسلمان مفسروں کے دل میں تھا، اور وہ اُسکو مثل یہودیوں کے ایسا ہی سمجھ رہے تھے جیسیکہ ایک آدمی سے ایک آدمی بات کرتا ہے، اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ، کو بھی اُنھوں نے ویسا ہی سمجھا اور آدم و شیطان کا قصہ بنالیا ورنہ وہ صرف انسان کی فطرت کا زبان حال سے بیان ہی ؛

‡ سورہ انبیاء (آیت ۲۶ و ۲۷)

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾	اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اُسکو بھی جانتا ہوں (۳۳)

اسطرح مخلوق کی زبان حال سے سوال جواب میں مطالب کا بیان اور جگہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے، خدا نے زمین کی زبان حال سے حکایتاً فرمایا کہ، جب ہمنے ‡ آسمان و زمین سے کہا کہ تم دونوں خواہ نخواہ حاضر ہو دونوں نے کہا کہ ہم دونوں بخوشی حاضر ہیں۔ اور جہنم کی نسبت فرمایا ‡ کہ جسدن ہم جہنم کو کہینگے کہ تو بھر گئی؟ تو وہ کہیگی کہ ہو اس سے زیادہ اور بھی؟ پس ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے ایسی چیزوں کی زبان حال سے جو گویا نہیں ہیں، سوال و جواب کے طور پر اُنکی فطرت کو جسطرح کہ انسان کے خیال میں آسکتی ہے بیان کیا ہے ✦

قصہ یا حکایت کئی طرح پر بیان کیجاتی ہے، اور وہ بیان بالکل سچ ہوتا ہے، کبھی ایک واقعہ کا بیان کیا جاتا ہے جو درحقیقت واقع ہو چکا ہے، مثلاً زید نے عمرو سے تکرار کی اور آخر کار زید نے عمرو کو مار ڈالا، پس اس واقعہ کا بیان کرنا ایک ایسے قصہ اور واقعہ کا بیان کرنا ہے جو واقع ہو چکا ہے، اور وہ بیان بالکل سچ ہی اور کبھی اُن واقعات کا بیان کیا جاتا ہے جو انسان خواب میں دیکھتا ہے جسمیں عجیب واقعات پیش آتے ہیں، اُن واقعات کا بیان کرنا بھی باوجودیکہ اُنمیں سے ایک بھی بجز خیال کے ظاہر میں واقع نہیں ہوا، بالکل سچا بیان ہے، بشرطیکہ صراحتاً یا اشارتاً یا کنایۃً یا قرینہ سے یا کسی کلام ماسبق سے یا طرز کلام سے پایا جاوے کہ یہ بیان اُن واقعات کا ہے جو خواب میں دیکھے ہیں۔ اور کبھی کسی کی حالت سے جو امور مترشح ہوتے ہیں، اُس حالت کو بطور ایک متکلم کے قرار دیکر اُسکی زبان سے قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بیان، اگر خلاف اُس حالت کے ہو جسکو بطور متکلم کے قرار دیا ہے

‡ ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین ‡ (سورہ حم سجدہ آیت ۱۰)

‡ یوم نقول لجھنم ھل امتلئت وتقول ھل من مزید (سورہ ق آیت ۲۹)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ	اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو اُنھوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے،

قرار دیا ہے تو وہ قصہ جھوٹا ہے، اور قرآن مجید میں اِس قسم کا کوئی قصہ نہیں ہے، اور اگر وہ حالت اُس چیز میں فرض کرلی گئی ہے، اور اُس حالت مفروضہ کو متکلم قرار دیکر قصہ بیان کیا گیا ہے، تو وہ صرف ایک شاعرانہ مضمون ہے، اور اگر وہ حالت واقعی اور صحیح ہے، اور بیان بھی اُس حالت کے مطابق ہے، تو وہ بیان بھی بالکل سچ اور درست ہے، کیونکہ اُس بیان کا منشا، یہ نہیں ہوتا، کہ زمین بولی تھی اور آسمان پکارا تھا اور دوزخ چلائی تھی، بلکہ کسی فائدہ کے لیئے صرف اُس حالت کی کیفیت کا اظہار مطلوب ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تمام حکایتیں جو کسی کی زبان حال سے تعبیر کیگئی ہیں سب ایسی ہی ہیں اور اِسلیئے بالکل سچ ہیں ٭

امثال کا بھی یہی حال ہے کہ کبھی ایک ایسی بات کی مثال دیجاتی ہے جو درحقیقت واقع ہوچکی ہے، اور کبھی ایک ایسی بات کی بھی مثال دیجاتی ہے جو صرف فرضی ہے، اور کبھی واقع نہیں ہوئی، مگر اُسکی مثال دینی نہ غلط ہوتی ہے نہ جھوٹ،

قرآن مجید، جو انسان کی زبان میں، اور انسان کے محاورہ بول چال میں، نازل ہوا ہے۔ اور جس میں بہت سی ایسی بھی باتیں ہیں جو ہمارے تجربہ و مشاہدہ سے بالاتر ہیں، اِسلیئے اُن مطالب کو طرح طرح کی مثالوں اور حکایتوں سے بیان کیا ہے، قرآن مجید پر غور کرتے وقت اُن چیزوں کا خیال نہ رکھنا، اور تمام تمثیلوں اور حکایتوں کو یوں قرار دینا، کہ یہ یوں ہی واقع ہوچکی ہیں، تفسیر القرآن بما لا یرضیٰ قائلہ میں داخل ہے، صاحب تفسیر کشف الاسرار نے اسی آیت کی بحث میں جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں اسی مطلب کی طرف اپنی ٭ تفسیر میں اشارہ کیا ہے

٭ ،، قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک ،، المعنی ان اللہ تعالی اخبر فی کتابہ العزیز بما یجب ان ینتفع بہ من الاخبار ومن اول العالم الی آخرہ ولما لم یکن لنا الی علم ما ... ولان یعلمنا سبیل الاضرب ومثال الامثال منقسم الی قسمین احدھما بعضہ

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾	انکار کیا اور تکبر کیا ، اور وہ کافروں میں سے تھا (۳۴)

(وعلم آدم الاسماء) ,, علم ,, کے لفظ سے علماء محققین نے پڑھانا یا سکھانا یعنی تعلیم کرنا مراد نہیں لیا ہی، بلکہ انسان میں اُن قوے کا مخلوق کرنا مراد لیا، جنسے انسان تمام چیزوں کو جانتا اور سمجھتا اور خیال کرتا اور سوچتا اور نئی باتیں ظاہر کرتا اور چند باتوں کے ملانے سے ایک نتیجہ نکالتا ہے ✽ بیضاوی میں لکھا ہی کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ,,اللہ تعالی نے آدم کو مختلف اجزا اور متبائن قوتوں سے پیدا کیا تھا جو طرح طرح کے معقولات اور محسوسات اور متخیلات اور متوہمات کے جاننے کے لائق تھیں، اور حقائق اشیاء اور اُنکے خواص اور اُن کے اسماء اور علوم کے اصول اور صنایع کے قواعد اور اُنکے آلات کی کیفیت اُسکے دل میں ڈالی تھی ,, پس جو چیزیں کہ فطرت انسانی میں ہیں اُنھیں کو خدا تعالی نے تعلیم کرنیکے لفظ سے تعبیر کیا ہے ✽

,, آدم ,, کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہی جسکو عوام الناس اور مسجد کے ملا باوا آدم کہتے ہیں، بلکہ اُس سے نوع انسانی مراد ہے، جیسا کہ تفسیر کشف الاسرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے ,,وما المقصود بآدم آدم وحدہ ,, اور خود خدا تعالی نے فرمایا ہے ,, لَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ,, پس کُم کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہی اور آدم سے بنی آدم یعنی نوع انسان مراد ہیں ✽

,, اسماء ,, کے لفظ کے معنی اکثر مفسرین نے وہ سمجھے ہیں جسکو ہم نام کہتے ہیں جیسے

بقیہ شیئ التکوین یمکن وقوعہ فی الوجود والآخر قد کان فی الوجود وجری مجرا الاولی ان یضرب الامثال لما وقع فی الوجود ولنعلم من ذلک مثلہ لا بمجرد الحکایۃ عما وقع - فھذا الکتاب یشتمل علی الامثال التی یحتاج الی علمہا الانسان من اول ابداعہ الی آخر رجعہ الی اللہ سبحانہ - والمراد بالامثال ما یستقر بالامثال فی النفوس من الھیات ولھذا قال لقد ضربنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل فافہم (تفسیر شیخ اکبر)

✽ والمعنی انہ تعالی خلقہ من اجزاء مختلفۃ وقوی متباینۃ مستعدا لادراک انواع المدرکات من المعقولات والمحسوسات والمتخیلات والموہومات والھمہ معرفۃ ذوات الاشیاء وخواصہا واسمائہا واصول العلم وقوانین الصناعات وکیفیۃ آلاتہا (بیضاوی)

وَقُلْنَا يَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ	اور ہمنے آدم سے کہا کہ بس تو اپنے جوڑے سمیت جنت میں

گھوڑا گدھا بنو یا کلو بھتو بھو، مگر یہ ٹھیک نہیں ہے بیضاوی نے اسما کی تفسیر یا اسکے اشتقاق † سے معنے مراد لیئے ہیں پس، ،علم ادم الاسماء، ، سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے تھے جو درحقیقت اُس وقت خارج میں موجود بھی نہ تھیں، بلکہ جو قوی اُسمیں پیدا کیئے ہیں، اور جنکے سبب اُسکا ذہن ایک نشان یا دلیل سے دوسری طرف منتقل ہوتا ہے، اور نتیجہ پیدا کرتا ہے، اُسکو اسماء کے لفظ سے بیان کیا ہے، اور جو کہ یہ قوی ایسے تھے جنسے انسان تمام چیزوں، محسوسات و معقولات کو جان سکتا ہے، اسی لیئے کلہا.. کے لفظ سے اُسکی تاکید کی ہے، جس سے اس بات کا اشارہ ہو کہ تمام چیزوں کے جاننے کا مادہ انسان میں ودیعت کیا گیا ہے، ان قوی کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اسمیں بڑا دقیقہ یہ ہے، کہ انسان کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو نہیں جانتا جو کچھ وہ جانتا ہے وہ صرف اسماء ہی اسماء ہیں پس، ،عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا، ، کہنا بالکل انسان کی فطرت کے مطابق اور اُسکے بیان کے نہایت ہی مناسب ہے ✦

تفسیر کشف الاسرار ‡ میں اس سے بھی زیادہ وضاحت اور عمدگی سے بیان کیا ہے کہ ہر شے کا علم بالقوہ جو انسان کی فطرت میں ہے اُسی کو، ،علم ادم الاسماء، ، سے تعبیر کیا ہے۔ پس آیت کے معنی یہ ہوئے، کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں ایسے قوی پیدا کیئے ہیں، جنسے ہر ایک چیز کو سمجھ سکتا ہے، اور دلیل سے نتیجہ کو حاصل کر سکتا ہے

---

† والاسم باعتبار الاشتقاق ما یکون علامۃ للشئ ودلیلا یرفعہ الی الذہن من الالفاظ والصفات والافعال (بیضاوی)

‡ تاعلم ان اللہ جل اسمہ، وحدنی ادم مایحتاج الیہ من کون خلقہ علی ما ھو علیہ من الخلقۃ الی طقۃ وجعلہ اھا بنو العقل واشہدہ مبلغ لتلک الموہ ما یجب لکل مسمی من اسم وقد علمت ان کل منطوق بہا اسم فعلمہ عل الاجہل معہ وھذا العلم فی جبلۃ ذریتہ موجود لا یزید علیہ کل شئ بالقوۃ وکانہ بزرا لجیدت فلا حستصار کل شئ بالفعل، علم الانسان مالم یعلم۔ تنظر من ھذا العلم فی کل من وقوم عجب ما اراد اللہ (تفسیر کشف الاسرار)

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ (۳۴)	اور اُسمیں سے دل بھر کر کھاؤ جہاں سے چاہو اور اس درخت کے پاس مت جاؤ نہیں تو ظالموں میں سے ہو گے (۳۴)

"عرضهم" میں جو ضمیر جمع مذکر کی ہے اُسکا مرجع اوپر مذکور نہیں ہے، اسلیئے تمام مفسرین نے اسماء کے لفظ سے جو ضمناً اُسکے مسمیات سمجھ میں آتے ہیں، اُس طرف اس ضمیر کو راجع کیا ہے، پھر یہ مشکل پیش آئی ہے کہ اُسکے لیئے ضمیر مؤنث کا ہونا چاہیئے تھا، نہ ضمیر جمع مذکر کا۔ اس کا حل صاحب تفسیر بیضاوی نے یہ کیا ہے، کہ مسمیات میں ذوی العقول و غیر ذوی العقول سب شامل تھے، اسلیئے تغلیباً ضمیر جمع مذکر کی جو ذوی العقول کے لیئے مخصوص ہے لائی گئی ہے۔

مگر میرے نزدیک "هم" کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے جو ضمناً لفظ آدم سے سمجھے جاتے ہیں، جیسے ابھی بتایا ہے کہ آدم سے شخص خاص مراد نہیں ہے، بلکہ انسان مراد ہے، اور اسمقام پر افراد انسانی کا موجود ہونا بھی تسلیم نہیں کیا گیا ہے، بلکہ صرف اُسکی فطرت کا بیان کرنا تسلیم ہوا ہے، اور اسلیئے ضمیر جمع مذکر غائب کا اُسکے لیئے لانا بالکل صحیح تھا گویا خدا تعالیٰ نے تمام چیزوں کے جاننے کی قوت انسان میں اور اُسکی ذریات میں ودیعت کر کے تنزلاً فرشتوں سے کہا کہ تم سب باتیں تو کیا بتاؤ گے انسان ہی میں جو کچھ ودیعت کیا گیا ہے اُسی کو بتلا دو، جب وہ عاجز ہوگئے تو خدا نے انسان سے کہا کہ تو ان حقائق و معارف کو جو فرشتوں میں ہیں بتلا دے اس آیت میں جو "هم" کی ضمیر ہے وہ انسان کی طرف راجع ہے اور "انبئهم" اور "اسمائهم" میں جو "هم" کی ضمیر ہے وہ فرشتوں کی طرف راجع ہے۔

اس قصہ میں جو سجدہ کا لفظ آیا ہے اُسکے معنی زمین پر سر ٹیکنے کے نہیں ہیں، بلکہ اطاعت اور فرمانبرداری یا تذلل کے ہیں، سجدہ کے لفظ کو ان معنوں میں

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا	پھر شیطان نے اُنکو اُس سے ڈگمگا دیا پھر اُن
فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ	دونوں کو اُس سے جسمیں وہ تھے نکلوایا،

مستعمل ہونے کے ثبوت میں بیضاوی نے دو شعر نقل کئیے ہیں، پہلا شعر یہ ہے ۔

بجمع تضل البلق فی حجراته + تری الاکم فیه سجدا للحوافر

یہ شعر زید الخیل الطائی کا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہی کہ ٹیلے و جنگل اُسکے گھوڑوں کی ٹاپوں کو سجدہ کرتے ہیں، یعنی ٹاپوں کے نیچے ذلیل ہوتے ہیں اور روندے جاتے ہیں، دوسرا شعر یہ ہے +

فقلن لها بیا خطامه + وقلن له اسجد للیلی فاسجد

یہہ شعر حمید ابن ثور الہلالی کا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ ایکسا ہی وحشی و شریر اونٹ لیلی کے سامنے لیجاتے ہیں اور لیلی کی سہیلیاں اُسکو کہیں کہ لیلی کو سجدہ کر تو سجدہ کرتا ہی یعنی گردن ڈالکر تابعداری کرتا ہے +

تین لفظ اس قصہ میں اور ہیں، جنت، شجر، ہبوط، علماء اسلام نے اُسکے بیان میں عجیب باتیں کی ہیں، جو لوگ کہ صرف لفظوں ہی پر چلتے ہیں اُنھوں نے تو جنت کو ایک خیالی بہشت عالم بالا پر مان لیا، اور درخت سے بھی سچ مچ کا کوئی درخت (گیہوں کا یا انگور کا یا انجیر کا) اور ،، ہبوط ،، سے عالم بالا سے زمین پر گرنا +

توریت میں بھی یہ قصہ نہایت عمدگی و لطافت سے بیان کیا گیا ہے، اُسمیں جنت سے ایک باغ کا دنیا میں آدم کے لیئے لگانا، اور اُسمیں دو درختوں کا ہونا جنکے کھانے سے آدم کو منع کیا تھا، ایک درخت ،علم خیر و شر، اور دوسرا درخت ،حیات، بیان ہوا ہے ۔ یہودی اور عیسائیوں نے بھی توریت کے بیان لطیف کو نہایت ابتر و خراب طرح پر بیان کیا ہی، اور یہ سمجھے ہیں کہ درحقیقت خدا نے عدن میں ایک باغ اُگایا تھا، اور اُسمیں سچ مچ کے دو درخت تھے، ایک کی یہ تاثیر تھی کہ اُسکے کھانے سے علم خیر و شر آجاتا ہے، جیسے سقمونیا کے کھانے سے دست آجاتے ہیں، اور دوسرے کا پھل امرت پھل ہے، جسکے کھانیسے

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ	اور ہمنے اُن کو کہا کہ اس میں سے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔

آدمی کبھی نہیں مرتا۔ پس بہت سے علماء اسلام نے جنکو اس قسم کے قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنیکی عادت پڑگئی ہے اُنکی پیروی کی اُنھوں نے کہا کہ جنت زمین پر تھی اور ہبوط سے اُنھوں نے جنت سے باہر نکالدینے کے معنی لیے، معتزلہ نے اُسکی جگہہ بھی بتادی کہ فلسطین میں یا فارس و کرمان کے بیچ میں تھی، اور بعضوں نے کہا کہ سدرۃ المنتہیٰ بھی زمین ہی پر تھا +

مگر ہم ان معنوں میں سے کسی کو تسلیم نہیں کرتے ہم شروع ہی سے اس قصہ کو ایک واقعی قصہ نہیں سمجھتے بلکہ صرف انسانی فطرت کا اُس فطرت کی زبان حال سے بیان قرار دیتے ہیں، پس انسان کا جنت میں رہنا اُسکی فطرت کی ایک حالت کا بیان ہے جبتک کہ وہ مکلف کسی امر و نہی کا نتھا ۔ دِللہِ دَرُّ مَنْ قَالَ۔

طفلی و دامان مادر خوش بہشتی بودہ است + چون بپای خود رواں گشتیم سرگرداں شدیم

اور اُسکا شجر منوعہ کے پاس جانا یا اُسکا پھل کھانا اُسکی فطرت کی اُس حالت کا بیان ہے جبکہ وہ اوامر و نواہی کا مکلف ہوا، اور ہبوط سے اُسکی فطرت کے اُس حالت کا تبدیل ہونا مراد ہے جبکہ وہ غیر مکلف سے مکلف ہوا، ہبوط + کے لفظ کا استعمال صرف انتقال مکان ہی پر مختص نہیں ہے +

اس بات کا ذکر کہ خدا نے کس چیز سے آدم کو یا تمام زمین پر چلنے والے جانداروں کو پیدا کیا متعدد لفظوں سے قرآن میں آیا ہے، ایک جگہہ فرمایا ہے، ،، اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ،، ایک جگہہ فرمایا ہے ،، خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ،، اور ایک جگہہ فرمایا ہے ،، مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ،، ایک جگہہ فرمایا ہے ،، هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا ،، ایک جگہہ فرمایا ہے ،، خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنَ الْمَآءِ ،، ایک جگہہ فرمایا ہے ،، وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ،،

+ قال ابو القاسم البلخی و ابو مسلم الاصفہانی ھٰذہ الجنۃ فی الارض وحمل الاھباط علی الانتقال من بقعۃ الی بقعۃ کما فی قولہ تعالیٰ اھبطوا مصرًا (تفسیر کبیر سورہ بقر آیت ۳۵)

وقال المعتزلۃ انھا بستان کان بارض فلسطین او بین الفارس و الکرمان خلقہ اللہ تعالیٰ امتحانا لآدم (بیضاوی سورہ بقر آیت ۳۵)

قال القاضی ان سدرۃ المنتہیٰ فی الارض حیث بہا لان علم الملٰئکۃ ینتہی الیہا (مرقاۃ)

+ ھبط ثمن السلعۃ ھبوطا نقص وھبطہ لازم ھبطا (قاموس)

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (۳۴)	اور تمکو زمین میں ایک مدت تک ٹھیرنا اور کمانا ہے (۳۴)

"تراب" کے معنی مٹی کے ہیں، "طین" کے معنی گارے کے ہیں "صلصال" کے معنی تیلے گارے کے ہیں، اور "حمأ مسنون" اُس بدبو کیچڑ کو کہتے ہیں جو پانی کی نیچے بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ "الماء" کا لفظ مین جگہہ آیا ہے "خلق کل دابة من الماء" اور "جعلنا من الماء کل شئ حي" ان دونوں مقام میں جو لفظ "الماء" ہے اُس سے تو نطفہ مراد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ دابہ کے پہلے جو لفظ "کل" ہے اُسمیں تمام دابہ جو زمین پر چلتے ہیں داخل ہیں، چنانچہ خود قرآن میں اُسکی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ "منہم من یمشی علی بطنہ ومنہم من یمشی علی رجلین ومنہم من یمشی علی اربع" اور بہت سے دابہ ایسے ہیں جو نطفے سے پیدا نہیں ہوتے اور "من الماء بشرا" میں جو لفظ "ماء" ہے اس سے بھی نطفہ مراد نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ یہان بیان انسان کی اول خلقت کا ہے، اور خلقت اول انسان کی نطفہ سے نہیں ہو سکتی بلکہ اُس سے دریا یا سمندر کا پانی مراد ہے، اور دلیل اسکی یہ ہے کہ اسی آیت کے اوپر خدا نے فرمایا ہے، "هو الذی مرج البحرین هذا عذب فرات وهذا ملح اجاج وجعل بينهما برزخا وحجرا محجورا" اسکے بعد فرماتا ہے، "وهو الذی خلق من الماء بشرا" پس الماء میں جو الف لام ہے وہ صاف اُسی پانی کی طرف اشارہ کرتا ہے جسکا اوپر بیان ہے † بیضاوی نے بھی بطور قول مرجح اسی بات کو اختیار کیا ہے، اور پانی سے وہی پانی مراد لیا ہے، پس اِن تمام آیتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام چیزوں کی ترکیب کیمیاوی سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اُس سے انسان مخلوق ہوا ہے ❊

دو چیزوں کا آپسمیں مرکب ہونا دو طرح پر ہوتا ہے، ایک اسطرح پر کہ ظاہر میں اُن

---

† خلق من الماء بشرا یعنی الذی خمر به طینة آدم او جعله جزءا من مادة البشر لتجتمع وتتسلسل وتقبل الاشکال والهیئات بسهولة (بیضاوی)

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ	پھر آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمے سیکھے
كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ	(پھر خدا نے) اُسکو معاف کیا،

دونوں کے اجسام ملگئے اور دیر کے بعد پھر جدا ہوگئے، مثلاً ہم ایک بوتل میں پانی اور نہایت باریک ریت ڈالیں اور بوتل کو خوب ہلادیں تو ریت اور پانی بالکل ملجاویگا، مگر جب تھوڑی دیر رکھدیں تو ریت الگ اور پانی الگ ہوجاویگا۔ یا ہم مٹی میں پانی ڈالکر اُسکو گارا بنادیں تو مٹی اور پانی ملجاویگا، مگر جب رہنے دیں تو پانی ہوا ہوکر نکلجاویگا اور نری مٹی رہجاویگی، اسطرح پر دو چیزوں کا مرکب ہونا درحقیقت حقیقی ترکیب نہیں ہے ✠

اور ترکیب کیمیاوی یہ ہے کہ دو چیزیں آپسمیں اسطرح پر ملیں کہ ازخود جدا نہو سکیں بلکہ وہ دونوں ملکر ایک تیسری چیز بنجاوے۔ پس "تراب" اور "طین" اور "صلصال" اور "حمأ مسنون" اور "ماء" کی ترکیب کیمیاوی سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اُس سے انسان پیدا ہوا ہے، وہ چیز غالباً وہ ہے جو سطح آب پر جمع ہوجاتی ہے "اور نہ وہ مٹی ہوتی ہے نہ ریت نہ گارا نہ کیچڑ بلکہ اُن سب کی ترکیب کیمیاوی سے ایک اور ہی چیز بنجاتی ہے" اور معلوم ہوتا ہے کہ اُسی سے تمام جاندار، انسان وحیوان، مخلوق ہوئے ہیں اور یہی بات قرآن سے پائی جاتی ہے ✠

قرآن مجید میں آدم کا قصہ آٹھ جگہ آیا ہے، سورۂ بقر، سورۂ آل عمران، سورۂ اعراف سورۂ حجر، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، سورۂ طٰہٰ، سورۂ ص، میں، کسی جگہ کوئی مضمون بیان ہوا ہے، کسی جگہ کوئی، کسی جگہ اجمال ہے، کسی جگہ تفصیل، کسی جگہ ایک مضمون کو کسی لفظ سے ظاہر کیا ہے، دوسری جگہ کسی لفظ سے، مگر سب کا نتیجہ یا مقصد متحد ہے ہم حاشیہ پر ✠ ان آٹھوں جگہ کی آیتوں کو اسطرح پر جمع کرتے ہیں

✠ واذ قال ربك للملٰئكة انى جاعل فى الارض خليفة قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء و	✠ اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں بولے کیا تو ایسے کو خلیفہ کریگا جو اُسمیں فساد کرے اور خون بہائے اور

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿٣٥﴾ بیشک وہی بڑا معاف کرنیوالا بڑا مہربان ہے (٣٥)

جسمیں تمام مضمون اور الفاظ ایک جگہ سلسلہ وار جمع ہوجاویں اور اُسکے مقابل
میں اُنکا ترجمہ بھی اُسی سلسلہ سے لکھتے ہیں تاکہ کل قصہ اُنہی الفاظ میں جو قرآن میں آئے
ہیں ایک جگہ ہوجاوے ، اور پھر اپنی سمجھ کے موافق جو ہمنے قرآن کا مطلب سمجھا ہی اُسی قصہ کو

نحن نسبح بحمدك ونقدس لك قال
انی اعلم ما لا تعلمون (سورہ بقر) انی خالق
بشرا من طین (ص) من تراب (آل عمران) من
صلصال من حمأ مسنون (الحجر) وعلم آدم
الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملئکة فقال انبئونی
باسماء هؤلاء ان کنتم صدقین قالوا سبحنك
لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم
قال یا آدم انبئهم باسمائهم فلما انبأهم باسمائهم قال
الم اقل لکم انی اعلم غیب السموت والارض
واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون (بقرہ) و
لقد خلقنکم ثم صورنکم ثم قلنا للملئکة
اسجدوا لآدم (سورہ اعراف) فاذا سویته ونفخت
فیه من روحی فقعوا له سجدین (الحجر) فسجد
الملئکة کلهم اجمعون (الحجر) الا ابلیس
لم یکن من السجدین (اعراف) کان من الجن
ففسق عن امر ربه (الکهف) ابی ان یکون مع
السجدین (الحجر) واستکبر وکان من الکفرین
(بقر) قال یا ابلیس ما لك الا تکون مع السجدین
(الحجر) ما منعك ان تسجد لما خلقت بیدی
استکبرت ام کنت من العالین (ص) ما
منعك الا تسجد اذ امرتك (اعراف) قال
ءاسجد لمن خلقت طینا (بنی اسرائیل) لم اکن
لاسجد لبشر خلقته من صلصال من حمإ
مسنون (الحجر) انا خیر منه خلقتنی من نار
وخلقته من طین (اعراف) قال فاهبط منها فما یکون
لك ان تتکبر فیها فاخرج منها مذءوما مدحورا
(اعراف)

ہم تو تیری تعریف جپتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں کہا میں
جانتا ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے۔ میں پیدا کرنیوالا ہوں
ایک آدمی گارے سے مٹی ریتیلے گارے سے اور پھر بڑے اللہ
نے آدم کو سب نام سکھا دیئے پھر انکو فرشتوں کے سامنے
پیش کیا اور کہا کہ مجھکو انکے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو بولے تو
ہی برگزیدہ ہے تو نے جو کچھ ہمکو سکھایا ہے اسکے سوا ہم کچھ
نہیں جانتے بیشک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہی کہا اے
آدم ان کے نام ان کو بتا دے پھر جب آدم نے انکے نام انکو بتا
دیئے خدا نے کہا کہ میں تمکو کہتا تھا کہ میں آسمانوں کی اور زمین کی چھپی
ہوئی باتوں کو جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے تھے
اسکو بھی جانتا ہوں۔ بیشک ہمنے تمکو پیدا کیا اور تمہاری شکل بنائی
پھر ہمنے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ جب میں اسکو
ٹھیک کر چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اسکو سجدہ
کرتے ہوئے جھک پڑو۔ پھر سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان
نے نہیں کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں نہ تھا وہ جن میں سے تھا
پس نافرمانی کی اسنے اپنے پروردگار کی سجدہ کرنے والوں کے
ساتھ ہونے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے
تھا خدا نے کہا اے ابلیس کیوں تو سجدہ کرنیوالوں کے ساتھ
نہوا کس چیز نے تجھکو منع کیا کہ سجدہ کرے اسکو جسکو میں نے
اپنے ہاتھ سے بنایا تکبر کیا تو نے یا تو بڑوں میں ہے کس بات نے تجھکو
روکا جب میں نے کہا تو نے سجدہ نہ کیا۔ ابلیس نے کہا کیا میں ایسے کو سجدہ
کروں جسے تو نے گارے سے پیدا کیا ہے میں ایسا نہیں ہوں کہ ایسے بشر
کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی مٹی سے بنایا ہے میں اس سے بہتر ہوں مجھکو
تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسکو مٹی سے خدا نے کہا اور یہاں سے چلا جا
تیرا اس سے بہتر ہونا مجھکو نہیں پہنچتا کہ تو یہاں تکبر کرے پس خدا نے کہا
جو یہاں تجھکو نہیں پہنچتا کہ تو تکبر کرے یہاں نکل جا ذلیل و خوار ہو کر نکل

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا	ہمنے اُنکو کہا اسمیں سے تم سب اُترو،

بیان کرتے ہیں۔ تاکہ پڑھنے والے بخوبی دونوں بیانوں کا مقابلہ کرسکیں +
اس قصہ میں چار فریق بیان ہوئے ہیں، ایک خدا، دوسرے فرشتے،
(یعنے قوائے ملکوتی) تیسرے ابلیس یا شیطان (یعنے قوائے بہیمی) چوتھے آدم
(یعنی انسان جو مجموعہ اُن قوائے کا ہے اور جسمیں عورت و مرد دونوں شامل ہیں) مقصود

فانك رجيم (ص) ان عليك اللعنة الى
يوم الدين (الحجر) انك من الصاغرين
قال انظرني الى يوم يبعثون قال
انك من المنظرين (اعراف) الى يوم
الوقت المعلوم قال رب بما اغويتني
لازينن لهم في الارض (الحجر) فبعزتك
لاغوينهم اجمعين (ص) لاقعدن لهم
صراطك المستقيم ثم لآتينهم من
بين ايديهم ومن خلفهم وعن ايمانهم
وعن شمائلهم ولا تجد اكثرهم شاكرين
(اعراف) قال ارايتك هذا الذي كرمت
علي لئن اخرتن الى يوم القيمة لاحتنكن
ذريته الا قليلا (بني اسرائيل) الا عبادك
منهم المخلصين قال هذا صراط علي
مستقيم (الحجر) قال فالحق والحق اقول
(ص) ممن تبعك منهم لاملئن جهنم
(اعراف) منك وممن تبعك منهم
اجمعين (ص) اذهب فمن تبعك
منهم فان جهنم جزاؤكم جزاء موفورا
فاستفزز من استطعت منهم بصوتك
واجلب عليهم بخيلك ورجلك وشاركهم
في الاموال والاولاد وعدهم وما
يعدهم الشيطان الا غرورا (بني اسرائيل)

بیشک تو مردود ہے اور بیشک تجھپر قیامت تک لعنت
رہیگی بیشک تو ذلیلوں میں ہے ابلیس نے کہا کہ قیامت
تک مواخذہ نہونے کی مجھے مہلت دے خدا نے کہا
تجھکو مہلت دی گئی وقت معین تک ابلیس نے کہا
کہ اے پروردگار مجھکو تیرے بہکانے ہی کی قسم میں
دنیا میں بُری باتوں کو انھیں اچھی کر دکھاؤنگا اور قسم ہے
تیری عزت کی اُن سب کو بہکاؤنگا اور اُنکے لیئے تیرے
سیدھے رستہ کی راہ ماری کرنے کو گھات میں بیٹھونگا پھر
اُنکے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے اور اُنکے دہائیں سے
اور اُنکے بائیں سے اُنپر آن پڑونگا اور تو اُن میں سے بہتوں
کو شکر گزار نہ پاویگا ابلیس نے کہا کہ مجھے بتا کہ کیوں
اس شخص کو مجھپر بزرگی دی ہے اگر تو نے مجھے قیامت
تک مہلت دی تو اس شخص کی اولاد کو بجز چند کے جڑ سے
اُکھاڑ دونگا بجز تیرے خالص بندوں کے جو اُنمیں ہوں
خدا نے کہا کہ خالص بندہ ہونا ہی میرے تک پہنچنے کا سیدھا
رستہ ہے خدا نے کہا کہ سچ بات یہ ہے اور سچ ہی کہتا ہوں جو لوگ
اُنمیں سے تیری پیروی کرینگے بیشک بھرونگا جہنم کو تجھ سے اور
اُن سب سے جنھوں نے انمیں سے تیری پیروی کی جا پھر جو کوئی
اُنمیں سے تیری پیروی کریگا تو بیشک جہنم تمھاری سزا ہوگی
پوری سزا بہکا اُن میں سے جسکو بہکا سکے اپنی آواز سے اور
چڑھ جا اُنپر اپنے سوار و پیدل لیکر اور حصہ بانٹ لے اُنکے مال
میں اور اولاد میں اور اُن سے وعدہ کرلے اور کوئی وعدہ
اُن سے شیطان نہیں کرنے کا بجز دھوکے کے

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ

جب میری طرف سے تمھارے پاس کوئی ہدایت پہنچے پھر جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے

قصہ کا انسانی فطرت کی زبان حال سے انسان کی فطرت کا بیان کرنا ہے - خدا جو سب کا پیدا کرنیوالا ہے ، گویا قوائے ملکوتی کو مخاطب کر کر فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے کو ہوں ، مگر وہی میرا نائب ہونے کے لائق ہے

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان الا
من اتبعک من الغاوین (الحجر) و کفیٰ
بربک وکیلا (بنی اسرائیل) وقلنا (بقرہ) یادم
اسکن انت وزوجک الجنۃ فکلا (اعراف)
منہا رغدا (بقرہ) حیث شئتما ولا تقربا
ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین (اعراف)
فقلنا یادم ان ھذا عدو لک ولزوجک
فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی ان
لک الا تجوع فیہا ولا تعری وانک
لا تظمؤا فیہا ولا تضحی (طہ) فوسوس
لہما الشیطن لیبدی لہما ما وری
عنہما من سواتہما (اعراف) قال یادم
ھل ادلک علی شجرۃ الخلد وملک لا یبلی
(طہ) وقال ما نہکما ربکما عن ھذہ
الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من
الخلدین وقاسمہما انی لکما لمن
النصحین فدلہما بغرور فلما ذاقا
الشجرۃ بدت لہما سواتہما وطفقا
یخصفان علیہما من ورق الجنۃ (اعراف)
ونادہما ربہما الم انہکما عن تلکما الشجرۃ
واقل لکما ان الشیطن لکما عدو مبین
(اعراف) فازلہما الشیطن عنہا فاخرجہما
مما کانا فیہ وقلنا اھبطوا بعضکم
لبعض عدو ولکم فی الارض مستقر و
متاع الی حین (بقرہ) قال فیہا تحیون

بے شک میرے بندوں پر تجھکو کچھ غلبہ نہیں ہے بجز ان
گمراہوں کے جنھوں نے تیری پیروی کی اور اے پیغمبر تیرا
خدا اُن کی کارسازی کے لیئے کافی ہے خدا نے کہا اے
آدم تو اور تیرا جوڑا جنت میں رہ اور کھاؤ اُسمیں سے پیٹ
بھر کر جہاں سے تم چاہو اور اس درخت کے پاس مت
جاؤ اگر جاؤگے تو ظالموں میں سے ہوگے - خدا نے
کہا اے آدم یہ ابلیس بیشک تیرا اور تیرے جوڑے کا دشمن
ہے یہ تمکو جنت میں سے نہ نکالدے کہ تم بدبخت ہوجاؤ
یہاں تو تم نہ بھوکے ہوگے نہ ننگے ہوگے نہ یہاں پیاسے
ہوگے اور نہ دھوپ میں جلوگے - پھر وسوسے میں ڈالدیا
اُنکو شیطان نے تاکہ جو پوشیدہ برائیاں اُن میں تھیں اُنکو
ظاہر کردے شیطان نے کہا اے آدم کیا بتلاؤں میں
تجھکو ہمیشہ رہنے کا درخت اور پرانی نہونے والی سلطنت اور
کہا کہ خدا نے تمکو بجز اسکے اور کسی لیئے اس درخت سے منع نہیں
کیا کہ تم فرشتے ہوجاؤگے یا ہمیشہ رہوگے اور اُن سے
قسم کھا کر کہا کہ بے شبہ میں تمھارا خیرخواہ ہوں پھر اُن کو
دھوکے میں ڈالدیا پھر جب اُنھوں نے اُس درخت کو
چکھا تو اُن دونوں کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں اور اُنھوں
نے بہشت کے درخت کے پتوں سے اُن کو چھپانا شروع
کیا خدا نے اُن دونوں کو للکارا کہ کیا میں نے تمکو اس درخت
کے کھانے سے منع نہیں کیا تھا اور یہ نہیں کہدیا تھا کہ شیطان
تمھارا اعلانیہ دشمن ہے پس اُنکو شیطان نے اُس سے ڈگمگا
دیا اور جسمیں تھے اُسمیں سے نکالدیا خدا نے کہا اور جاؤ تم ایک
ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیئے ایک مدت تک زمین
میں پڑ رہنا اور اُس سے منفعت اٹھانی ہے اُس میں تم جیوگے

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۳۶)	تو اُن پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۳۶)

جب میں اُسکو پیدا کرچکوں تو تم سب اُسکو سجدہ کرنا، اِس مقام پر مخاطبین کو اِس بات کا کہ اُس مخلوق میں قوائے بہیمیہ ہونگے عالم قرار دیا گیا، اور بمقتضائے فطرت اُن قوائے کے، اُنھوں نے کہا کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ کریگا جو زمین پر فساد مچاوے اور خون بہاوے، اور قوائے ملکوتی نے اپنی فطرت اسطرح بیان کی کہ ہم تو تیرے ہی تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں ✤

پچھلا فقرہ قوائے کی فطرت کو بھی بتاتا ہی جو قوائے جس کام کے لیئے ہیں وہی کام کرتے رہتے ہیں، کہ وہی اُنکی تسبیح اور تقدیس ہے، قوت نامیہ انما، اور قوت ناطقہ نطق، قوت احراق احرق، قوت سیالہ اسیلان، قوت جامدہ انجماد کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتی، انسان باوجودیکہ قوائے متضادہ ملکوتیہ و بہیمیہ سے مرکب ہی مگر اُسمیں ایسی قدرت ہے کہ ایک قوت پر دوسری قوت کو غلبہ دیسکتا ہی، اور جس قوت سے چاہے کام لے سکتا ہی، غیر معلوم چیزوں کو جان جاتا ہی، عالم کے اجزا میں ترکیب دیکر ایک نئی چیز ایجاد کرلیتا ہی، اور عالم کے تبدل میں ایک بڑی مداخلت رکھتا

وفیہا تموتون ومنہا تخرجون (اعراف) وعصٰی اٰدم ربہ فغوٰی (طہ) فتلقٰی اٰدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم (بقر) قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین (اعراف) ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدٰی (طہ) قلنا اھبطوا منہا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیہم ولا ھم یحزنون (بقر) فلا یضل ولا یشقٰی (طہ)	اُسی میں مروگے اُسی میں سے اُٹھوگے نافرمانی کی آدم نے اپنے پروردگار کی اور بہک گیا پھر آدم کے دل میں ڈالیں اُس کے پروردگار نے چند باتیں پھر اُسکو خدا نے معاف کیا وہ بے شک بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے آدم اور اُسکی جورو نے کہا اے پروردگار ہمارے ہمنے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمکو نہ بخشیگا اور نہ مہربانی کریگا تو بیشک ہم نقصان والوں میں ہونگے پھر اُسکے پروردگار نے اُسکو پسند کیا اور اُسکو معاف کیا اور سیدھی راہ بتائی خدا نے کہا کہ تم سب یہاں سے اُترو جو پھر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت پہنچیگی پھر جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کریگا تو اُس پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوگا اور نہ بہکیگا اور نہ بدبخت ہوگا

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۳۷)	اور جن لوگوں نے نہ مانا اور میری نشانیوں کو جھٹلایا وہ آگ میں پڑنیوالے لوگ ہیں وہ اُسی میں ہمیشہ رہینگے (۳۷)

ہے، اور بیشک خدا کا نائب کہلانے کا مستحق ہے +

انسان کی فطرت کا مخاطبین پر فطرتی تفوق ظاہر کرنے کو، تمام کمالات نفسانی و روحانی وحقائق و معارف کو انسان کی فطرت میں ودیعت کرکر جسکو تعلیم اسماء سے تعبیر کیا ہے، انسان کو مخاطبین کے سامنے کیا، کہ جو حقائق و معارف انمیں ہیں اُنکو بتلاؤ، قواے بسیطہ کی فطرت میں اُسکا علم نہ تھا، پس گویا وہ بولے کہ ہم تو ان کمالات کو نہیں جانتے، ہم تو اُتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے بتایا ہے، یعنی جس حد پر فطرت پر پیدا کیا ہے اُسکے سوا کچھ نہیں کرسکتے، مگر انسان کی زبان حال نے جسکی فطرت میں ادراک کلیات وجزئیات تھا مخاطبین کی حقیقت کو بتا دیا اور گویا مخاطبین نے زک پائی، اب خدا اپنی قدرت و کمال کے اظہار کے لیئے انسانی محاورہ کے موافق جیسے انسان کسی کو زک دیکر دُھراتا ہے فرماتا ہے، کہ کیوں میں نہ کہتا تھا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے +

اسکے بعد خدا تعالیٰ نے اُن قواے متضادہ کی جنسے انسان مرکب ہے اسطرح پر فطرت بتائی ہے، کہ قواے ملکوتی اطاعت پذیر و فرمانبردار ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں الا قوائے بہیمیہ نہایت سرکش اور نافرمانبردار ہیں اُنہی کو قابو میں لانا اور فرمانبردار کرنا انسان کا انسان ہونا ہے +

اُنکے سرکش ہونے کو کبھی تو ان لفظوں سے بیان کیا ہے کہ ابلیس نے سجدہ نہیں کیا، کہیں یوں فرمایا ہے کہ اُسنے اپنے خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور سجدہ کرنے سے انکار کیا، کہیں فرمایا ہے کہ اُس کافر نے غرور کیا اور کہا کہ کیا میں ایسی مخلوق کو سجدہ کروں جو سڑی مٹی سے بنی ہے، میں تو اُس سے افضل ہوں وہ تو مٹی کا پتلا

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ	اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمکو بخشی ہیں اور مجھسے اقرار پورا کرو میں تمسے اقرار پورا کرونگا اور پھر مجھی سے ڈرو

ہے اور میں آگ کا پوت ہوں۔ قوائے بہیمیہ کو جنکا مبدا حرارت غریزی وحرارت خارجی ہے آگ سے مخلوق ہونا بیان کرنا ٹھیک ٹھیک اُنکی فطرت کا بتلانا ہے پھر جو فطرتی تضاد اُن دونوں قسم کے قویٰ میں ہے اُسکے اظہار کے لئے قوائے بہیمیہ کو بطور ایک سخت دشمن کے قرار دیا ہے اور اُسکی زبان حال سے اُسکی فطرت بیان کی ہے کہ میں ہمیشہ جبتک انسان زندہ ہے یا قیامت تک یعنی جبتک اُسکی اولاد رہیگی اُسکو بہکاتا اور راہ راست پر سے بھٹکاتا رہونگا۔ یہ الفاظ کہ میں انسان کو داھنے بائیں آگے پیچھے غرضکہ ہر چہار طرف سے گھیرونگا صاف صاف اُن قوائے بہیمیہ کی فطرت کا اظہار کرتے ہیں جو انسان میں ہے، اور ہر ذی عقل و ہوش غور کرنے پر خود اپنے میں یہ سب باتیں پاتا ہے، اور جان سکتا ہے کہ کسطرح اُن قوائے بہیمیہ نے چاروں طرف سے اُنکو گھیر رکھا ہے +

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ + باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

پھر خدا تعالیٰ نے نیک آدمیوں کی فطرت کو، اور اُس دشمن کے فریب میں آنے والوں، اور نہ آنے والوں کے فطری نتیجہ کو بتایا ہے، اور فرماتا ہے کہ تو جتنی چاہے دشمنی کر، اور جسطرح چاہے اپنے لشکر سے اُنپر چڑھائی کر، مگر نیک آدمیوں پر تیرا کچھ قابو نہو گا وہی بہکینگے جو تیرے یعنی قوائے بہیمیہ کے تابع ہونیوالے ہیں، اور دونوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ پہلے بہشت میں چین کرینگے اور پچھلے دوزخ میں بھرے جاوینگے +

اسکے بعد خدا تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہے پہلے حصہ کو یعنے جبکہ انسان غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہے بہشت میں رہنے اور چین کرنے

وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿۳۸﴾	اور اُسپر ایمان لاؤ جو میں نے اسکو تصدیق کرتا ہوا نازل کیا ہی جو تمھارے پاس ہی اور اُسکے اول منکروں میں نہو اور مت لو میری نشانیوں پر تھوڑی سی قیمت اور میرا ہی ڈر مانو (۳۸)

اور میووں کے کھاتے پینے سے تعبیر کیا ہی، اور جب دوسرا حصہ اُسکی زندگی کا شروع ہونے والا ہی، تو اُسکے قدیم دشمن کو پھر بلایا ہی جسنے اُسکو بہکا کر درخت ممنوعہ کو کھلایا ہے +

یہ وہ حصہ انسان کی زندگی کا ہی جبکہ اُسکو رشد ہوتا ہی، اور عقل و تمیز کے درخت کا پھل کھا کر مکلف اور اپنے تمام افعال و اقوال و حرکات کا ذمہ وار ہوتا ہے، زندگی کے ضروری سامان کے لئے خود محنت کرتا ہی، اور نیک و بد کو خود سمجھتا ہی، اپنی بدی سے واقف ہوتا ہی، اور اُسکو چھپاتا ہی، یہ فطرت انسانی خدا تعالیٰ نے باغ کے استعارہ میں بیان کی ہی، اسلیئے تمام فطرت کو باغ ہی کے استعارہ میں بیان فرمایا ہی، سن رشد و تمیز کے پہنچنے کو درخت معرفت خیر و شر کے پھل کھانے سے اور انسان کا اپنے بدیوں کے چھپانے کو درخت کے پتوں سے ڈھانکنے سے تعبیر کیا ہی، مگر شجرۃ الخلد کے پھل تک اُسکو نہیں پہنچایا جس سے ثابت ہوتا ہی کہ وہ ایک فانی وجود ہی اور اُسکو دائمی بقا نہیں +

اخیر کو نہایت عمدگی سے اُسکا خاتمہ بیان کیا ہی، کہ تم سب نکلجاؤ اور جاکر زمین پر رہو وہی تمھارے ٹھیرنے کی جگہہ ہی، اُسمیں تم رہوگے، اُسمیں مروگے، اُسمیں سے اُٹھوگے، تمھاری بدیوں کا علاج بھی وہیں ہی، جو نیک بندے ہوں اُنکی ہدایت پر چلنا اور اپنی بدیوں سے شرمندہ ہو کر اُنکے کرنے سے باز آنا اور خدا سے بچا اقرار کرنا کہ پھر نہ کرینگے اور پھر مت کرنا، تم اپنے دشمن پر فتح پاؤگے پھر تمکو کچھ ڈر اور خوف نہوگا اچھے خاصے مقبول بندے ہوگے +

یہ ایک نہایت عمدہ اور دلچسپ بیان فطرت انسانی کا ہی، مگر عام لوگ اس راز

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾	اور مت شبہ ڈالو سچ میں جھوٹ ملا کر اور مت چھپاؤ سچ کو جبکہ تم جانتے ہو (۳۹)

فطرت کے سمجھنے کے قابل نہ تھے اسلیئے خدا نے ابتدا سے اس راز کو ایک دلچسپ قصہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہی جسکو ہر کوئی سمجھ سکتا ہی، اور جو نتیجہ راز فطرت ہی انسان کو حاصل ہونا چاہیئے، وہ ہر شخص کو حاصل ہوتا ہی۔ خواہ تم یہ سمجھو کہ حلقہ فرشتوں میں مباحثہ ہوا، اور شیطان نے خدا سے نافرمانی کی، اور آدم بھی گیہوں کا درخت کھا کر خدا کا نافرمانبردار رہوا، خواہ میں یوں سمجھوں کہ اس بڑے تماشا کرنیوالے نے جو بھانمتی کا ایک تماشا بنایا ہی اُسکے راز کو اس بھانمت کی اصطلاح ہی میں بتایا ہی +

(یعنی بنی اسرائیل) اس مقام پر خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا قصہ بیان کیا ہی اور اُنکی نافرمانی کو دوھرایا ہی اور جو مہربانیاں اُنپر کیں اُنکو یاد دلایا ہی تاکہ اُس رحمت کو جو نبی آخر الزمان کے پیدا کرنے اور قرآن کے نازل ہونیسے دنیا پر ہی اُسکی قدر کریں اور اُسکی ہدایت پر چلیں اور جو خرابیاں اُنھوں نے اپنے سچے مذہب میں ملا دی تھیں اُنکو چھوڑ دیں اور نجات پاویں +

بنی اسرائیل کا قصہ قرآن میں بہت جگہ مذکور ہی مگر اکثر لوگوں کو اسمیں یہ دھوکا ہوتا ہی کہ وہ تمام واقعات کا حضرت موسیٰ ہی کے وقت میں ہونا سمجھتے ہیں حالانکہ اُنمیں ایسے بھی واقعات ہیں جو حضرت موسیٰ سے پہلے اور اُنکے بعد بھی ہوئے ہیں +

حضرت موسیٰ سے جو واقعات متعلق ہیں وہ سورہ بقر، نساء، مائدہ، انعام، اعراف، یونس، ہود، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، مؤمنین، شعراء، نمل، قصص، صافات، مؤمن، زخرف، دخان، نازعات، میں سورتوں میں آئے ہیں اُن میں مکرر مضامین بیان ہوئے ہیں اور کسی میں کسی جگہ کا واقعہ بیان ہوا ہی کسی میں کہیں کا۔ ہم اُن تمام آیات اور الفاظ کو منتخب کر کر بہ ترتیب موسیٰ کے قصہ کو معہ ترجمہ

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (۴۰)

نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (۴۰)

حاشیہ پر لکھدیتے ہیں کہ تمام قصہ جسقدر کہ قرآن مجید میں ہی بلفظہ ترتیب معلوم ہو جاوے اور پھر ہر ایک آیت کے مطلب کو اسکے مناسب مقام پر بیان کرینگے ◆
سورۂ بقر میں اس مقام پر جو واقعات حضرت موسٰی کے بیان ہوئے ہیں اُنمیں سے واقعہ عبور بحر اور غرق فرعون قابل غور کے ہیں اول تو بہت لوگوں نے

نتلو عليك من نبإ موسٰى وفرعون بالحق لقوم يؤمنون ان فرعون علا فى الارض وجعل اهلها شيعا يستضعف طائفة منهم يذبح ابناءهم ويستحيى نساءهم انه كان من المفسدين (قصص) يسومونكم (آل فرعون) سوء العذاب (بقر) يقتلون (اعراف) يذبحون ابناءكم ويستحيون نساءكم وفى ذلكم بلاء من ربكم عظيم (بقر) نريد ان نمن على الذين استضعفوا فى الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثين ونمكن لهم فى الارض ونرى فرعون وهامان وجنودهما منهم ما كانوا يحذرون (قصص)
واوحينا الى ام موسٰى ان ارضعيه فاذا خفت عليه (قصص) اقذفيه فى التابوت (طہ) فالقيه (قصص) فاقذفيه فى اليم فليلقه اليم بالساحل ياخذه عدو لى وعدو له (طہ) ولا تخافى ولا تحزنى انا رادوه اليك وجاعلوه من المرسلين فالتقطه آل فرعون (قصص) فبصرت (اى اخت موسٰى) به عن جنب وهم لا يشعرون (قصص)
قالت امرأة فرعون قرة عين لى ولك لا تقتلوه عسٰى ان ينفعنا او نتخذه ولدا (قصص) وحرمنا عليه المراضع من قبل

ہم ٹھیک ٹھیک تجھکو سُنا دیں ایمان والوں کے لئے موسٰی و فرعون کی کچھ خبریں فرعون دنیا میں بہت بڑھ گیا تھا اور مصر کے بسنے والوں کو گروہ گروہ بنا دیا تھا اور اُن میں سے ایک گروہ کو زبون حالت میں پہنچا دیا تھا ذبح کر ڈالتا تھا اُنکے بیٹوں کو اور جیتا رہنے دیتا تھا اُنکی بیٹیوں کو اور وہ مفسدوں میں سے تھا، فرعون والے بنی اسرائیل کو بُری طرح کے عذاب پہنچاتے تھے، بنی اسرائیل کے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے ذبح کر ڈالتے تھے اور اُنکی بیٹیوں کو جیتا رہنے دیتے تھے اور اس میں بنی اسرائیل پر اُن کے پروردگار کی طرف سے بڑی بلا تھی، ہم نے اُن پر جو دنیا میں کمزور ہو گئے تھے مہربانی کرنی چاہی اور اُن کو سردار بنانا اور اُن کو وارث بنانا اور زمین پر قدرت والا ٹھہرانا اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکروں کو جس بات سے وہ ڈرتے تھے اُنکے ہاتھ سے دکھلانا چاہا ◆
ہمنے موسٰی کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ موسٰی کو دودھ پلاوے جب اُسکو موسٰی کی بابت جانے کا خوف ہو تو اُسکو ایک صندوق میں رکھدے پھر اُسکو ڈالدے پھینکدے دریا میں پھر دریا اُسکو کنارہ پر ڈال دیگا اُسکو اُٹھا لیگا میرا دشمن اور اُسکا دشمن اور تو مت ڈر اور نہ غمگین ہو ہم اُسکو پھر تیرے پاس لوٹا دینگے اور اُسکو رسولوں میں سے کرینگے (جب موسٰی کی ماں نے اُسکو دریا میں ڈالدیا اور وہ صندوق کنارہ پر آلگا) تو فرعون کے لوگوں نے اُسکو اُٹھا لیا موسٰی کی بہن نے دور سے اُسکو دیکھا اور فرعون والے نہیں جانتے تھے ◆
فرعون کی عورت بولی کہ یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اُس کو مت مارو۔ شاید اس سے ہمکو نفع ہو اور ہم اُسکو بیٹا بنا لیں۔ ہم نے پہلے ہی دائیوں کا دودھ اُسپر حرام کر دیا تھا

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۴۱)	کیا لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو۔ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور تم کتاب توریت پڑھتے ہو پھر کیا تم سمجھتے نہیں (۴۱)

یہ غلطی کی ہے جو یہ سمجھے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے دریائے نیل سے عبور کیا تھا یہ بالکل غلط ہے، بلکہ انھوں نے بحر احمر کی ایک شاخ سے عبور کیا تھا۔ تمام مفسرین حضرت موسیٰ کے عبور اور فرعون کے غرق ہونے کو بطور ایک ایسے معجزے کے قرار دیتے ہیں جو خلاف قانون قدرت واقع ہوا ہو جسکو انگریزی میں سپرنیچرل

فقالت هل ادلكم على اهل بيت يكفلونه لكم وهم له ناصحون فرددنه الى امه كى تقر عينها ولا تحزن (قصص)
ولما بلغ اشده واستوى (قصص)
دخل المدينة على حين غفلة من اهلها فوجد فيها رجلين يقتتلان هذا من شيعته وهذا من عدوه فاستغاثه الذى من شيعته على الذى من عدوه فوكزه موسى فقضى عليه (قصص)
فاصبح فى المدينة خائفا يترقب فاذا الذى استنصره بالامس يستصرخه قال له موسى انك لغوى مبين.
فلما ان اراد ان يبطش بالذى هو عدو لهما قال يا موسى اتريد ان تقتلنى كما قتلت نفسا بالامس (قصص) وجاء رجل من اقصى المدينة يسعى قال يا موسى ان الملاء يأتمرون بك ليقتلوك فاخرج انى لك من الناصحين فخرج منها خائفا يترقب قال رب نجنى من القوم الظلمين (قصص) قال موسى لفتاه لا ابرح حتى ابلغ مجمع البحرين او امضى حقبا فلما بلغا مجمع بينهما نسيا حوتهما

موسیٰ کی بہن بولی کہ کیا میں تمکو ایسے گھر والے بتادوں جو تمھارے لیئے اسکو پالیں اور اسکا اچھی طرح رکھیں (اسنے موسیٰ کی ماں ہی کو بتایا) پھر ہمنے موسیٰ کو اسکی ماں ہی کے پاس لوٹا دیا تاکہ اسکی آنکھ ٹھنڈی رہے اور غمگین نہ ہو
جب موسیٰ چاق چوبند ہوا تو شہر والونکی بےخبری میں شہر میں گیا وہاں اسنے دو آدمیوں کو مارتے مرتے پایا ایک تو موسیٰ کی قوم کا تھا اور ایک اسکے دشمنوں میں تھا موسیٰ کی قوم والے نے اسکے دشمن کی فریاد کی موسیٰ نے اس کو ایک گھونسا مارا۔۔۔ کہ وہ مرگیا پھر شہر ہی میں ڈرتے ہوئے اور کسی خرابی کے آنے کی توقع میں صبح کی جسکی مدد موسیٰ نے کل کی تھی اسنے موسیٰ کو پکارا موسیٰ نے اسے کہا کہ تو ہی علانیہ جھگڑالو ہے پھر موسیٰ نے اسکی جو اسکا اور موسیٰ کا بھی دشمن تھا پکڑنے کا ارادہ کیا (جو چلایا تھا وہ یہ سمجھا کہ موسیٰ مجھی کو پکڑیگا) کہا کہ اے موسیٰ کیا تو میرے مار ڈالنے کا بھی ارادہ کرتا ہے جسطرح کہ کل تو نے ایک آدمی کو مار ڈالا اتنے میں ایک آدمی شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا آیا کہا اے موسیٰ فرعون کے درباری تیری نسبت مشورہ کرتے ہیں کہ تجھکو مار ڈالیں پس یہاں سے نکلجا میں تیرا خیر خواہ ہوں پھر موسیٰ ڈرتا ہوا اور کسی آفت کی توقع کرتا ہوا وہاں سے نکلا اور کہا اے پروردگار اس ظالم قوم سے مجھے بچا۔
موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے (غالباً اسی شخص سے جسنے اسکو قتل کے مشورہ کی خبر دی تھی) کہا کہ میں ٹھیرنیکا ہی نہیں جبتک میں دو دریا ملنے کے مقام تک نہ پہنچ جاؤں یا چلا جاؤں بہت دنوں تک (یعنی اس سے پہلے) پھر جب وہ دونوں دونوں دریاؤں کے ملنے کے مقام تک پہنچے تو اپنی مچھلی وہاں رکھ کر بھول گئے

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (۴۲)	اور صبر کرنے سے اور نماز پڑھنے سے مدد لو اور ہاں بے شبہ وہ بڑی مشکل ہے مگر اُنپر کچھ مشکل نہیں جو خدا کے سامنے عاجزی کرتے ہیں (۴۲)

کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری وہ پھٹ گیا اور پانی مثل دیوار یا پہاڑ کے اِدھر اُدھر کھڑا ہوگیا اور پانی نے بیچ میں خشک رستہ چھوڑ دیا حضرت موسیٰ اور تمام بنی اسرائیل اُس رستہ سے پار اُتر گئے فرعون بھی اُسی رستہ میں کود پڑا اور پھر سمندر مل گیا اور سب ڈوب گئے، اگر در حقیقت یہ واقع

فاتخذ سبيله في البحر سربا فلما جاوزا قال لفتاه آتنا غداءنا لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا قال أرأيت إذ أوينا إلى الصخرة فإني نسيت الحوت وما أنسانيه إلا الشيطان أن أذكره واتخذ سبيله في البحر عجبا قال ذلك ما كنا نبغ فارتدا على آثارهما قصصا فوجدا عبدا من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما قال له موسى هل أتبعك على أن تعلمن مما علمت رشدا قال إنك لن تستطيع معي صبرا وكيف تصبر على ما لم تحط به خبرا قال ستجدني إن شاء الله صابرا ولا أعصي لك أمرا قال فإن اتبعتني فلا تسألني عن شيء حتى أحدث لك منه ذكرا فانطلقا حتى إذا ركبا في السفينة خرقها قال أخرقتها لتغرق أهلها لقد جئت شيئا إمرا قال ألم أقل إنك لن تستطيع معي صبرا قال لا تؤاخذني بما نسيت ولا ترهقني من أمري عسرا فانطلقا حتى إذا لقيا غلاما فقتله قال أقتلت نفسا زكية بغير نفس لقد جئت

پھر مچھلی نے خشک جگہ میں سے دریا کا رستہ لیا پھر جب وہ اس سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بیشک تو اپنے اس سفر میں بڑی مصیبت اٹھائی اُس جوان نے کہا کہ تمنے دیکھا ہوگا کہ جب ہم اُس پتھر سے تکیہ لگا کر بیٹھے تو میں اُس مچھلی کو بھول گیا (یعنی اُسکا خیال نہ رہا) اور اُس تذکرہ کرنا (یعنی موسیٰ سے) بجز شیطان کے کسی نے مجھکو نہیں بھلایا اور مچھلی نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا موسیٰ نے کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے (یعنی دونوں دریاؤں کے ملنے ہی تک ہم آنا چاہتے تھے اب آگے کیوں جائیں) پھر وہ دونوں اپنے قدموں کا نشان دیکھتے ہوئے الٹے پھرے - پھر ان دونوں کو میرے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جسپر خدا نے مہربانی کی تھی اور اُسکو اپنے دانشمندی سکھا دی تھی موسیٰ نے اُس سے کہا کہ کیا میں تمہارے ساتھ ہو لوں اگر مجھکو بھی اُن دانشمندیوں میں سے جو تمنے سیکھی ہیں سکھاؤ اُس بندے نے کہا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکوگے اور تم کسطرح اُس بات پر صبر کروگے جو تمہاری دانش کے احاطہ میں نہیں ہے موسیٰ نے کہا انشاء اللہ تم مجھکو صبر کرنیوالا پاؤگے اور میں تمہارے کسی امر میں برخلافی نہ کرونگا اُس بندے نے کہا کہ اگر تم میری تابعداری کرنی چاہتے ہو تو جبتک میں خود نہ کہدوں مجھسے کسی بات کو مت پوچھنا پھر دونوں چلے یہانتک کہ جب ایک کشتی پر سوار ہوئے تو اُس بندے نے کشتی میں شگاف کر دیا موسیٰ نے کہا کیا تمنے کشتی کے لوگوں کے ڈبونے کیلیئے اُسمیں شگاف کیا ہے تو اُس بندے نے کہا کر دیکھو تمنے بہت عجب بات کی اُس بندے نے کہا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکوگے موسیٰ نے کہا کہ جو بات میں بھول گیا ہوں اُسپر مجھے مواخذہ مت کرو اور میرے کام میں سختی مت ڈالو - پھر دونوں چلے یہانتک کہ جب ایک نوجوان ملے تو اُس بندے نے اُس جوان کو مار ڈالا موسیٰ نے کہا

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (۴۳)	وہ وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں کہ ضرور اپنے پروردگار سے ملیں گے اور ضرور وہ اُسکے پاس پھر جاوینگے (۴۳)

خلاف قانون قدرت واقع ہوا تھا تو خدا تعالیٰ سمندر کے پانی ہی کو ایسا سخت کر دیتا کہ مثل زمین کے اُسپر سے چلے جاتے، خشک رستہ نکالنے ہی سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ یہ واقعہ یا معجزہ جو اُسکو تعبیر کرو مطابق قانون قدرت کے واقعہ

شیئا نکرا قال الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا قال ان سألتک عن شیء بعدھا فلا تصاحبنی قد بلغت من لدنی عذرا فانطلقا حتی اذا اتیا اھل قریۃ استطعما اھلھا فابوا ان یضیفوھما فوجدا فیھا جدارا یرید ان ینقض فاقامہ قال لو شئت لتخذت علیہ اجرا قال ھذا فراق بینی وبینک سانبئک بتاویل ما لم تستطع علیہ صبرا اما السفینۃ فکانت لمساکین یعملون فی البحر فاردت ان اعیبھا وکان وراءھم ملک یأخذ کل سفینۃ غصبا واما الغلام فکان ابواہ مؤمنین فخشینا ان یرھقھما طغیانا وکفرا فاردنا ان یبدلھما ربھما خیرا منہ زکوۃ واقرب رحما واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنز لھما وکان ابوھما صالحا فاراد ربک ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما رحمۃ من ربک وما فعلتہ عن امری ذلک تاویل ما لم تستطع علیہ صبرا (کہف)	کر کیا تمنے ایک شخص بیگناہ کو بغیر جان کے بدلے مار ڈالا دیکھو تمنے بُرا کام کیا اُس بندے نے کہا کہ میں نے تمسے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے موسے نے کہا کہ اگر اسکے بعد میں تمسے کوئی بات پوچھوں تو پھر مجھکو اپنے ساتھ مت رکھنا میں اپنا عذر تمھارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ پھر وہ دونوں چلے یہانتک کہ جب ایک گانوں کے لوگوں کے پاس پہنچے تو اُن سے کھانا مانگا اُنھوں نے اُنکو کھانا کھلانے سے انکار کیا وہاں اُن دونوں نے ایک دیوار دیکھی کہ گرنا چاہتی ہے اُن دونوں نے اسکو سیدھا بنا دیا (حضرت موسے کو بھوک لگی ہوئی تھی کسی نے کھانے کو دیا نہ تھا اُنکا پیسا پاس نہ تھا) اُنھوں نے اُس بندے سے کہا کہ اگر تم چاہتے تو اسپر مزدوری لے لیتے اُس بندے نے کہا کہ بس اب مجھمیں اور تممیں جدائی ہے میں اِن باتوں کی تاویل جنپر تم صبر نہ کر سکے بتا دیتا ہوں۔ وہ کشتی تو غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں کھیوا کھیا کرتے تھے میں نے اُسکو عیب دار کر دینا چاہا اُن کے پرے ایک بادشاہ ہو جو زبردستی سے ہر ایک کشتی کو پکڑ لیتا ہے۔ اور وہ نوجوان اُسکے ماں باپ ایمان والے ہیں مجھکو خوف ہوا کہ یہ اُن کو سرکشی اور کفر میں تنگ کریگا پس میں نے چاہا کہ اُنکا پروردگار اسکا نعم البدل پاکیزگی اور محبت میں اُنکو دیگا۔ اور وہ دیوار شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اُس کے نیچے اُنکے لیئے خزانہ تھا اور اُنکا باپ اچھا آدمی تھا پس میرے پروردگار نے چاہا کہ جب وہ دونوں جوانی میں پہنچ رہیں وہ اپنا خزانہ نکال لیں تیرے پروردگار کی مہربانی سے اور میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیئے یہ بیان اُن باتوں کا ہے جنپر تو صبر نہ کر سکا ۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾	اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمتوں کو جو میں نے تمکو دی ہیں اور میں نے تمکو تمام عالموں پر بزرگی دی (۴۴)

ہوا تھا۔ جو مطلب مفسرین نے بیان کیا ہے وہ مطلب قرآن مجید کے لفظوں سے بھی نہیں نکلتا ❊

سمندر میں راستہ ہوجانے کی نسبت قرآن مجید میں تین جگہ ذکر آیا ہے اول سورۂ بقر میں جہاں فرمایا ہے کہ ،، اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ ،، دوم ۔ سورۂ شعرا میں

ولما توجه تلقاء مدين قال عسى ربي ان يهديني سواء السبيل ولما ورد ماء مدين وجد عليه امة من الناس يسقون ووجد من دونهم امرأتين تذودان قال ما خطبكما قالتا لا نسقي حتى يصدر الرعاء وابونا شيخ كبير فسقى لهما ثم تولى الى الظل فقال رب اني لما انزلت الي من خير فقير فجاءته احداهما تمشي على استحياء قالت ان ابي يدعوك ليجزيك اجر ما سقيت لنا فلما جاءه وقص عليه القصص قال لا تخف نجوت من القوم الظالمين قالت احداهما يا ابت استاجره ان خير من استاجرت القوي الامين قال اني اريد ان انكحك احدى ابنتي هاتين على ان تاجرني ثماني حجج فان اتممت عشرا فمن عندك وما اريد ان اشق عليك ستجدني ان شاء الله من الصالحين قال ذلك بيني

اور جب موسیٰ شہر مدین کی طرف چلے تو کہا کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھکو سیدھا رستہ بتا وے اور جبکہ شہر مدین کے پانی کے پاس پہنچے تو وہاں لوگوں کے گروہ کو مویشی کو پانی پلاتے پایا اور ان کے پرے دو عورتوں کو پایا کہ اپنے مویشی کو روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے انھوں نے کہا کہ جبتک چرواہے پانی پلا کر نہ لیجاویں ہم نہیں پلا سکتیں اور ہمارا باپ بڑا بڈھا ہے پھر موسیٰ نے ان دونوں کے مویشی کو پانی پلا دیا پھر چھاؤں میں جا کھڑے ہوئے پھر کہا کہ اے میرے پروردگار تو نے میری یہ حالت کردی ہے کہ تھوڑی سی بھلائی کا بھی محتاج ہوں پھر ان دونوں میں سے ایک شرمیلی چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی کہا میرے باپ نے تجھکو بلایا ہے تاکہ ہمارے مویشی کو جو پانی تو نے پلایا ہے اسکی اجرت دے پھر جب موسیٰ اس کے پاس (یعنی اس عورت کے باپ کے پاس) آئے اور اپنا قصہ اس سے کہا تو اس نے کہا کہ مت ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پائی اسکی بیٹیوں میں سے ایک نے کہا کہ اے باپ اسکو مزدوری پر رکھ لے اچھا مزدور جسکو تو مزدوری پر لگاوے طاقت ور اور دیانت دار ہونا چاہیئے اس شخص نے موسیٰ سے کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھسے کردوں اس بات پر کہ تو آٹھ برس تک میری مزدوری کرے پھر اگر تو دس برس پورے کرے تو تیری طرف سے ہوگا میں تجھپر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا تو مجھکو انشاء اللہ اقرار پورا کرنے والوں میں پاویگا موسیٰ نے کہا کہ مجھ میں

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٥﴾	اور ڈرو اُس دن سے جبکہ کوئی کچھ بھی کسی کے کام نہ آویگا اور اُس کے لیئے کوئی سفارش قبول نہوگی اور نہ کچھ اُسکے بدلے میں لیا جاویگا اور نہ اُسکی مدد کی جائیگی (۴۵)

جہاں فرمایا کہ ،، اَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ،، تیسرے۔ سورۂ طٰہٰ میں جہاں فرمایا ہے کہ ،، فَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَکًا وَّلَا تَخْشٰی فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ ،، پہلی آیت میں تو کوئی لفظ ایسا نہیں ہے

وبینک ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علی واللہ علی ما نقول وکیل (قصص) فلبثت سنین فی اهل مدین ثم جئت علی قدر یا موسیٰ
فلما قضی موسی الاجل و سار باهله آنس من جانب الطور نارا قال لاهله امکثوا انی آنست نارا لعلی آتیکم منها بخبر (قصص) او آتیکم بشهاب قبس (نمل) جذوة من النار لعلکم تصطلون (قصص) او اجد علی النار هدی (طہ)
فلما اتاها نودی من شاطئ الوادی الایمن (قصص) من جانب الطور الایمن (مریم) فی البقعة المبارکة من الشجرة (قصص) ان بورک من فی النار و من حولها و سبحان اللہ رب العلمین یا موسیٰ انه انا اللہ العزیز الحکیم (نمل) انی انا اللہ رب العالمین (قصص) انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی (طہ) وما تلک بیمینک یا موسیٰ قال هی عصای اتوکا علیها و اهش بها علی غنمی ولی فیها مآرب اخری (طہ) الق عصاک فلما رآها

اور مجھ میں یہ اقرار ہو چکا ان دونوں مدتوں میں سے جو کسی میں پوری کروں تو پھر مجھ پر زیادتی نہو اور جو میں کہتا ہوں خدا اسپر مددگار ہے۔ پھر موسے اہل مدین میں چند سال تک رہے پھر تو آتے موسے وقت پر آ گیا +
پھر جب موسیٰ نے میعاد مقررہ پوری کی اور اپنی بی بی کو لیکر چلا تو اُسکو پہاڑ کی جانب سے آگ معلوم ہوئی موسیٰ نے اپنی بی بی سے کہا کہ ٹھہرو مجھے آگ معلوم ہوئی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لے آؤں یا ایک بھڑکتی لکڑی اُٹھا لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپو یا آگ کے پاس کوئی راہ بتلانے والا پاؤں۔ پھر جب موسیٰ آگ کے پاس آیا تو جنگل کے دھانیں کنارے سے پہاڑ کی دھانیں طرف سے اُس مبارک جگہ میں درخت میں سے کسی نے اُسکو آواز دی کہ جو آگ میں ہے اور جو اُسکے گرد ہے اُسی کو برکت دیگئی ہے اور اللہ پاک ہے اور تمام عالموں کا پالنے والا ہے اے موسے بیشک میں خدا ہوں سب پر غالب اور بڑی حکمت والا بیشک میں ہی خدا ہوں تمام عالموں کا پالنے والا بیشک میں تیرا خدا ہوں پھر جوتیاں اُتار ڈال بیشبہ تو پاک جنگل میں پھرتا ہے اے موسیٰ یہ کیا تیرے دھانے ہاتھ میں ہے موسیٰ نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے اُسکو میں ٹیک لیتا ہوں اور اُس سے اپنے ریوڑ پر پتے جھاڑ لیتا ہوں اور اور بہت سے اور کام میں بھی آتی ہے خدا نے کہا کہ اپنی لاٹھی ڈالدے (جب ڈال دی) تو لاٹھی کو چلتے ہوئے دیکھا

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ	اور اُسوقت کی نعمت کو یاد کرو جبکہ ہمنے تمکو فرعون والوں سے بچایا، بُری عذاب تمکو دیتے تھے،

جس سے سمندر کے جدا ہو جانے یا پھٹ جانے کو خلاف قانون قدرت قرار دیا جا سکے۔ دوسری آیت میں جو الفاظ ہیں اُنہی پر تمام مفسرین کا دارومدار ہے وہ ،، اِنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ.. کے یہ معنی لیتے ہیں کہ خدا نے موسیٰ سے

تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یاموسیٰ اقبل (قصص) خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ (طہ) اسلک یدک فی جیبک (قصص) واضمم یدک الی جناحک تخرج بیضاء من غیر سوء اٰیۃ اخریٰ (طہ) واضمم الیک جناحک من الرھب فذانک برھانان من ربک (قصص) فی تسع اٰیات (نمل) الی فرعون وملائہ انھم کانوا قوما فاسقین (قصص) وقربناہ نجیا (مریم) ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ ھارون باٰیاتنا وسلطان مبین الی فرعون وملائہ (ہود) ھامان وقارون (مومن) ان اخرج قومک من الظلمات الی النور (ہود) ان ائت القوم الظالمین قوم فرعون (شعرا) اذھب الی فرعون انہ طغیٰ (نازعات) قال رب انی اخاف ان یکذبون (شعرا) رب انی قتلت منھم نفسا (قصص) ولھم علیّ ذنب فاخاف ان یقتلون (شعرا) ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی (شعرا) رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی (طہ) واخی ھارون ھو افصح منی لسانا (قصص) اجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی (طہ) فارسل الی ھارون (شعرا) فارسلہ معی ردا (قصص) قال سنشد عضدک باخیک

گویا کہ وہ سانپ ہے تو موسیٰ پیٹھ پھیر کر پلٹا اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا خدا نے کہا اے موسیٰ آگے بڑھ اُسکو پکڑ لے اور مت ڈر وہ جیسی پہلی تھی ویسی ہی ہو جاویگی ڈال اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں اور اپنے ہاتھ کو اپنے بازو سے ملا دے تیرا ہاتھ بے عیب سفید نکلیگا بطور ایک دوسری نشانی کے جو ڈر تجھکو ہوا ہے اُس سے اپنے دونوں بازو ملا کر تھام پھر یہ دونوں نشانیاں ہیں تیرے پروردگار کی نو نشانیوں میں کی فرعون اور اُس کے درباریوں کے لئے بیشک وہ بدکار قوم ہے اور ہمنے موسیٰ کو باتیں کرنے سے مقرب کیا ✣

پھر ہمنے موسیٰ اور اُسکے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور علانیہ غلبہ کے ساتھ فرعون اور اُسکے درباریوں ہامان و قارون کے پاس بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیرے میں سے روشنی میں نکال لاوے، جا ظالم قوم کے پاس جو فرعون کی قوم ہے جا فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہے موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دینگے اے پروردگار میں نے اُن میں کا ایک آدمی مار ڈالا ہے میرے اُن کا قصور کیا ہے پھر میں ڈرتا ہوں کہ وہ مار ڈالینگے میرے سینہ میں دم گھٹ جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی اے پروردگار میرے سینہ کو کھول دے اور میرا کام مجھ پر آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھسے زیادہ فصیح ہے میرے کنبہ میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر کر پھر ہارون کو میرے پاس بھیج پھر اُسکو میرے ساتھ بطور مددگار کے بھیج خدا نے کہا کہ ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کرینگے

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (۴۹)

تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اسمیں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیئے بلای عظیم تھی (۴۹)

کہا کہ سمندر کو اپنی لاٹھی سے مار چنانچہ حضرت موسٰی نے لاٹھی ماری اور سمندر ہٹ گیا یا پھٹ گیا یا سمندر کی تہ زمین کھل گئی وہ اس جملہ کو اسطرح پر بطور شرط وجزا کے قرار دیتے ہیں کہ شرط گویا علت ہے اور جزا اُسکا معلول یعنی

ونجعل لکما سلطانا ارتصمہ قال قد اوتیت سؤلک یاموسٰی (ط) اذھب انت واخوک بایاتی ولا تنیا فی ذکری اذھبا الی فرعون انہ طغی (ط) قال کلا فاذھبا بایاتنا انا معکم مستمعون فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب العالمین ان ارسل معنا بنی اسرائیل (شعرا) فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی قال لا تخافا اننی معکما اسمع واری فاتیاہ (طہ) فقل ھل لک الی ان تزکی و اھدیک الی ربک فتخشی (نازعات) فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم قد جئناک بایۃ من ربک (طہ) ٭ قال فمن ربکما یاموسٰی قال ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی قال فما بال القرون الاولی قال علمھا عند ربی (طہ) قال فرعون وما رب العالمین قال رب السموات والارض وما بینھما ان کنتم موقنین قال لمن حولہ الا تستمعون قال ربکم ورب اٰبائکما الاولین قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم

اور ہم دونوں کو غلبہ دونگا خدا نے کہا اے موسٰی جو تو نے مانگا تجھکو دیا گیا جا تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں سمیت اور سستی نہ کرو میری نصیحت میں تم دونوں فرعون پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہے خدا نے کہا کہ وہ ہرگز تمکو نہ مار سکینگے پھر تم دونوں میری نشانیوں سمیت جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری بات سنونگا پھر فرعون کے پاس جاؤ اور پھر اس سے کہو کہ ہم دونوں تمام عالموں کے پروردگار کے رسول ہیں ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدے اور اس سے نرم بات کہو شاید نصیحت مانے اور خوف کرے انھوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ ہمپر زیادتی کرے یا ہمپر سرکشی کرے خدا نے کہا کہ تم مت ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری بات سنونگا اور تمکو دیکھتا ہونگا پھر اُسکے پاس جاؤ موسٰی گئے اور کہا کہ تجھکو پاک ہونیکی خواہش ہے اور میں تجھکو تیرے پروردگار کی راہ بتاؤں تاکہ تو خوف کرے خدا نے کہا کہ تم دونوں فرعون سے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے رسول ہیں پھر ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدے اور انکو عذاب مت دے ہم تیرے پروردگار کی نشانی لائے ہیں ٭ فرعون بولا اے موسٰی تمہارا پروردگار کون ہے موسٰی نے کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے کہ جسنے تمام چیزوں کی خلقت اُنکو عطا کی ہے پھر سیدھی راہ بتائی ہے فرعون نے کہا پھر اگلے زمانہ کے لوگونکا کیا حال ہے موسٰی نے کہا کہ اُنکی خبر خدا کو ہے فرعون نے کہا کہ تمام عالموں کا خدا کون ہے موسٰی نے کہا کہ جو آسمان کا اور زمین کا اور جو کچھ انمیں ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم یقین کرو فرعون نے اُن لوگوں سے جو اسکے اردگرد تھے کہا کہ کیا تم نہیں سنتے ہو موسٰی نے کہا کہ تمہارا پروردگار اور تمہارے سب باپ دادوں کا ۔ فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تمہارے پاس جو رسول آیا ہے

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور (اُسوقت کی نعمت کو یاد کرو) جبکہ ہمنے تمھارے سبب سے سمندر کو جدا کر دیا (یعنی ہٹا دیا) پھر ہمنے تمکو بچا دیا اور ہمنے فرعون والوں کو ڈبو دیا اور (یہ سب کچھ) تم دیکھتے تھے (۴۷)

لاٹھی مارنے کے سبب سے سمندر پھٹ گیا اور زمین نکل آئی۔ مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے ,,انفلق،، ماضی کا صیغہ ہے اور عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ماضی جزاء میں واقع ہوتی ہے تو اُسکی دو حالتیں ہوتی ہیں اگر ماضی اپنے معنوں پر نہیں رہے

لمجنون قال رب المشرق والمغرب وما بينهما ان كنتم تعقلون قال لئن اتخذت الها غيري لاجعلنك من المسجونين (شعرا) قال الم نربك فينا وليدا ولبثت فينا من عمرك سنين وفعلت فعلتك التي فعلت وانت من الكافرين قال فعلتها اذا وانا من الضالين ففررت منكم لما خفتكم فوهب لي ربي حكما وجعلني من المرسلين وتلك نعمة تمنها علي ان عبدت بني اسرائيل (شعرا) فقال له فرعون اني لاظنك يموسى مسحورا (بني اسرائيل) قال اولو جئتك بشيء مبين (شعرا) قال ان كنت جئت باية فات بها (اعراف) ان كنت من الصادقين فالقى عصاه فاذا هي ثعبان مبين ونزع يده فاذا هي بيضاء للناظرين (شعرا) قال موسى يا فرعون اني رسول من رب العالمين حقيق على ان لا اقول على الله الا الحق قد جئتكم ببينة من ربكم فارسل معي بني اسرائيل (اعراف) واستكبر هو وجنوده في الارض بغير الحق وظنوا انهم الينا لا يرجعون (قصص) فاستكبروا وكانوا قوما عالين (مومنون) مجرمين (يونس) فقالوا انؤمن لبشرين مثلنا

البتہ دیوانہ ہے موسٰی نے کہا کہ تمام عالموں کا خدا وہی ہے) جو مشرق و مغرب کا اور جو اُسمیں ہے اُس سب کا پروردگار ہے اگر تم سمجھو فرعون نے کہا کہ اگر تونے میرے سوا اور کسی کو خدا ٹھیرایا تو میں ضرور تجھکو قیدیوں میں داخل کر دونگا فرعون نے کہا کہ کیا ہمنے تجھکو نہیں پالا جبکہ تو ہم میں بچا تھا اور کیا تونے بسر نہیں کئے ہم میں اپنی عمر کے چند سال اور تونے وہ کام کیا جو کیا اور تو ناشکروں میں سے ہے موسٰی نے کہا کہ میں نے کیا تھا جبکہ میں گمراہوں میں تھا پھر میں تمسے ڈر کر تم میں سے بھاگ گیا پھر خدا نے مجھکو حکم دیا اور مجھکو پیغمبروں میں کیا اور یہ بھلائی جسکا احسان تو مجھپر رکھتا ہے اس بنا پر ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے فرعون نے موسٰی سے کہا کہ میں تجھکو سحر زدہ سمجھتا ہوں موسٰی نے کہا کہ جب بھی اگر میں کوئی صریح نشانی لاؤں فرعون نے کہا کہ اگر تو کوئی نشانی لا سکتا ہے تو اُس نشانی کو لا اگر تو سچا ہے پھر موسٰی نے اپنی لاٹھی ڈالدی پھر یکایک وہ ہو بہو سانپ تھی اور اپنا ہاتھ نکالا پھر یکایک دیکھنے والوں کو چمکتا معلوم ہوتا تھا موسٰی نے کہا اے فرعون میں پروردگار عالموں کا رسول ہوں مجھکو لائق ہے کہ میں خدا پر سوائے سچ کے اور کچھ نہ کہوں میں لایا ہوں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی نشانی پھر میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدے پھر فرعون اور اس کے لشکروں نے بغیر کسی حق کے دنیا میں تکبر کیا اور سمجھا کہ وہ ہمارے پاس نہ پھریں گے پھر انھوں نے تکبر کیا اور وہ ایک قوم تھے بڑے ہوئے گنہگار تھی بولی کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر ایمان لاویں جو ہماری مثل ہیں

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۴۸﴾	اور جب ہمنے چالیس راتوں کا موسیٰ سے وعدہ کیا اُسپر تمنے موسےٰ کے پیچھے بچھڑا بنالیا اور تم ظالم تھے (۴۸)

بلکہ شرط کی معلول ہوتی ہے تو اُسوقت اُسپر ف، نہیں لاتے اور جبکہ وہ اپنے معنوں پہ باقی رہتی ہے اور جزا کی معلول نہیں ہوتی تب اُسپر ف.. لاتے ہیں جیسے کہ اِس مثال میں ہے، ان اکرمتنی فاکرمتک امس،، یعنی اگر تعظیم کریگا تو میری تو میں تیری تعظیم کل کرچکا ہوں،، اس مثال میں جزا (یعنی گذشتہ کل میں تعظیم کا کرنا) شرط کی معلول نہیں ہے کیونکہ وہ اُس سے پہلے ہوچکی تھی، اسیطرح اس آیت

وقومهما لنا عابدون (مومنون) فظلموا (اعراف) فكذبوهما (مومنون) قالوا ساحر كذاب (مومن) قال للملا حوله ان هذا لساحر عليم يريد ان يخرجكم من ارضكم بسحره فماذا تامرون قالوا ارجه واخاه وابعث (شعرا) وارسل في المدائن حاشرين ياتوك بكل ساحر عليم (اعراف) قال اجئتنا لتخرجنا من ارضنا بسحرك يا موسى فلناتينك بسحر مثله فاجعل بيننا وبينك موعدا لا نخلفه نحن ولا انت مكانا سوى قال موعدكم يوم الزينة وان يحشر الناس ضحى فتولى فرعون فجمع كيده ثم اتى (طه) قال فرعون ائتوني بكل ساحر عليم (يونس) فجمع السحرة لميقات يوم معلوم وقيل للناس هل انتم مجتمعون لعلنا نتبع السحرة ان كانوا هم الغالبين (شعرا) فلما جاء السحرة فرعون قالوا ان لنا لاجرا ان كنا نحن الغالبين قال نعم وانكم اذا لمن المقربين (شعرا) فتنازعوا امرهم بينهم واسروا النجوى قالوا ان هذان

اور اُنکی قوم ہماری غلام ہے پھر اُنھوں نے ظلم کیا اور اُن دونوں کو جھٹلایا اور کہا کہ جھوٹے جادوگر ہیں فرعون نے اپنے ارد گرد کے درباریوں سے کہا کہ یہ جادوگر بڑا جاننے والا ہے چاہتا ہے کہ تمکو تمھارے ملک سے اپنے جادو سے نکالدے پھر تم کیا کہتے ہو وہ بولے کہ اُسکو اور اُسکے بھائی کو مہلت دے اور شہروں میں (جادوگروں کے) اکٹھا کرنے والوں کو بھیجدے کہ پاس لے آویں ہر ایک بڑے علم والے جادوگر کو فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس ہمکو ہمارے ملک سے اپنے جادو سے نکالنے کو آیا ہے پھر بے شبہ ہم بھی تیرے پاس ویسا ہی جادو لاوینگے پس کسی چوپٹ میدان میں ہم میں اور تجھ میں (مقابلہ کیلیے) کوئی وقت مقرر کر نہ ہم اُسکے برخلاف کریں اور نہ تو موسیٰ نے کہا کہ جشن کا دن تمھارے وعدے کا ہے اور تھوڑے دن چڑھے سب آدمی وہاں اکٹھے ہوجاویں پھر فرعون (اپنے محل میں) گیا اور اپنے جادوگروں کو جمع کیا فرعون نے کہا کہ ہر ایک بڑے جادوگر کو بلاؤ پھر تمام جادوگر وقت معین پر جمع ہوگئے اور لوگوں سے کہا کہ کیا تم بھی اکٹھے ہوگے تاکہ اگر جادوگر غالب آجاویں تو ہم اُنکا ساتھ دیں جب فرعون کے جادوگر فرعون کے پاس آئے تو اُنھوں نے کہا کہ اگر ہم غالب ہوں تو ہمارے لیے کچھ انعام ہے فرعون نے کہا کہ ہاں تب تو تم مقربوں میں ہوگے پھر اُنکے باہم اُنکے کام میں کچھ جھگڑا ہوا اور اُنھوں نے اپنے مشورہ کو چھپایا۔ اُنھوں نے کہا کہ بے شبہ یہ دونوں

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ	پھر اُس کے بعد بھی ہمنے تمکو معاف کر دیا

پس سمندر کا پھٹ جانا یا زمین کا کھل جانا ضرب کا معلول نہیں ہو سکتا ٭
اصل یہ ہے کہ یہودی اس بات کے قائل تھے کہ حضرت موسیٰ کے لاٹھی
مارنے سے سمندر پھٹ گیا تھا اور زمین نکل آئی تھی اور لاٹھی مارنے سے پتھر میں سے

لساحران یریدان ان یخرجاکم من ارضکم
بسحرهما ویذهبا بطریقتکم المثلی
فاجمعوا کیدکم ثم ائتوا صفا وقد افلح
الیوم من استعلی (طه) قالوا یا موسی اما
ان تلقی واما ان نکون اول من القی (طه)
اما ان یکون نحن الملقین قال القوا فلما
القوا سحروا اعین الناس واسترهبوهم و
جاء و بسحر عظیم (اعراف) فالقوا حبالهم و
عصیهم وقالوا بعزة فرعون انا لنحن الغلبون
(شعرا) فاذا حبالهم وعصیهم یخیل الیه من
سحرهم انها تسعی (طه) فلما القوا قال
موسی ما جئتم به السحر ان الله سیبطله
(یونس) فاوجس فی نفسه خیفة موسی قلنا
لا تخف انك انت الاعلی (طه) واوحینا الی
موسی ان الق عصاك فاذا هی تلقف ما
یافکون (اعراف) فالقی عصاه فاذا هی تلقف
ما یافکون (شعرا) ما صنعوا انما صنعوا
کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتی (طه)
فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون فغلبوا
هنالك وانقلبوا صاغرین والقی السحرة
ساجدین (اعراف) سجدا (طه) قالوا امنا
برب العلمین رب موسی وهرون قال فرعون
امنتم به قبل ان اذن لکم ان هذا لمکر
مکرتموه فی المدینة لتخرجوا منها اهلها
فسوف تعلمون (اعراف) انه لکبیرکم الذی
علمکم السحر لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف

جادوگر ہیں اپنے جادو کے زور سے تمکو تمہارے ملک سے
نکالنا اور تمہارے عمدہ مذہب کو کھو دینا چاہتے ہیں پس
اپنے جادوگروں کو جمع کرکے کہا کہ پھر اکٹھے ہو کر چلو اور
آج کے دن جو غالب ہوگا وہی کامیاب ہوگا۔ چنانچہ یوم موعود کو
سب جمع ہوئے، فرعون کے جادوگروں نے موسیٰ سے کہا
کہ یا تو پہلے تو ڈال یا ہم پہلے ڈالتے ہیں موسیٰ نے کہا تم ہی ڈالو پھر
جب اُنھوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر نظر بندی کر دی
اور اُنکو ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو کر لائے جب اُنھوں نے رسیاں
اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہا کہ فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی
غالب ہیں تب تو موسیٰ کے خیال میں اُنکی رسیاں . . . . .
اور لاٹھیاں اُنکے جادو سے چلتی ہوئی لگنے لگیں۔ موسیٰ نے
کہا کہ یہ جو تم نے کیا یہ جادو ہے اُسکو خدا باطل کریگا، تو موسیٰ
دل میں ڈر گیا خدا نے کہا کہ مت ڈر تو ہی جیتے گا اور خدا نے
موسیٰ کے دل میں ڈالا کہ اپنی لاٹھی ڈال کہ وہ اس سب
بناوٹ کو نگل جاویگی پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی پھر اُس
سب بناوٹ کو جو اُنھوں نے کی تھی نگلتی تھی اُنھوں نے
تو جادوگروں کا سا مکر کیا تھا اور حق کے سامنے جادوگر
کامیاب نہیں ہو سکتا پس حق ثابت ہو گیا اور جو . . .
اُنھوں نے کیا تھا وہ باطل ہو گیا پھر وہاں ہار کر ذلت سے
لوٹ گئے اور فرعون کے جادوگروں نے سجدہ کیا اور بولے
ہم پروردگار عالموں پر ایمان لائے جو موسیٰ و ہارون
کا پروردگار ہے۔ فرعون نے کہا کہ تم میری اجازت
سے پہلے موسیٰ پر ایمان لے آئے بے شبہ یہ مکر ہے جو تم نے
اس شہر میں شہر والوں کے نکالنے کو کیا پس عنقریب تم اسکا انجام جانو گے
موسیٰ ہی تمہارا گرو ہے جس نے تمکو جادو سکھایا ہے ضرور تمہارے ہاتھ
ایک طرف کے اور تمہارے پاؤں دوسری طرف کے

لعلکم تشکرون (۴۹) | شاید کہ تم شکر کرو (۴۹)

پانی بہ نکلا تھا، علماء اسلام تفسیروں میں اور خصوصًا بنی اسرائیل کے قصوں میں یہودیوں کی پیروی کرنے کے عادی تھے اور قرآن مجید کے مطالب کو خواہ نخواہ کھینچ تان کر یہودیوں کی روایتوں کے موافق کرتے تھے اسلیئے اُنھوں نے سمجھا

ولاصلبنکم فی جذوع النخل ولتعلمن اینا اشد عذابا وابقی قالوا لن نؤثرک علی ما جاءنا من البینات والذی فطرنا فاقض ما انت قاض (طہ) وما تنقم منا الا ان امنا بایات ربنا لما جاءتنا ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین (الاعراف)

اور تمکو کھجوروں کے درختوں کی تنوں کی سولی پر چڑھا دونگا اور بلاشبہ تم جانو گے کہ کون سب سے زیادہ عذاب دینے میں سخت ہے اور کسکا عذاب زیادہ پائدار ہے، وہ بولے کہ جو چیزیں علانیہ ہمارے سامنے ہوئی ہیں اُنپر اور اُسپر جسنے ہمکو پیدا کیا ہے تجھکو ہم ترجیح نہیں دیسکتے پھر جو تو حکم دینا چاہتا ہے حکم دے، اور تو ہمپر بجز اسکے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لائے ہیں اور کوئی گناہ نہیں ٹھہراتا، ای ہمارے پروردگار (جب یہ مصیبتیں) ہمپر آویں تو ہمارے دل میں صبر ڈالدے اور ہمکو مسلمان مار ✦

ولقد اخذنا ال فرعون بالسنین ونقص من الثمرات لعلهم یذکرون فاذا جاءتهم الحسنة قالوا لنا هذه وان تصبهم سیئة یطیروا بموسی ومن معه الا انما طائرهم عند الله ولکن اکثرهم لا یعلمون وقالوا مهما تاتنا به من ایة لتسحرنا بها فما نحن لک بمؤمنین فارسلنا علیهم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم ایات مفصلات فاستکبروا وکانوا قوما مجرمین (الاعراف) فلما جاءتهم ایاتنا مبصرة قالوا هذا سحر مبین وجحدوا بها (نمل) ولقد اریناه ایاتنا کلها فکذب وابی (طہ) فلما جاءهم موسی بایاتنا قالوا ما هذا الا سحر مفتری وما سمعنا بهذا فی ابائنا الاولین وقال موسی ربی اعلم بمن جاء بالهدی من عنده ومن تکون له عاقبة الدار (قصص) قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیه اباءنا وتکون لکما الکبریاء فی الارض وما نحن لکما بمؤمنین (یونس) قال فرعون یا ایها الملا ۔۔۔۔۔۔

اور بلاشبہ ہمنے فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کی کم پیداوار میں گرفتار کیا شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں پھر جب اُنکو فراخی ہوتی تھی تو کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے لیئے ہی ہے اور جب اُنپر سختی پڑتی تھی تو موسیٰ کی اور اُسکے ساتھ کے لوگوں کی نحوست بتلاتے تھے، سمجھ رکھو اسکے سوا کوئی بات نہیں کہ جو نحوست اُنکے لیئے تھی وہ خدا کے پاس سے تھی مگر اُنمیں کے بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ فرعون والوں نے موسیٰ سے کہا کہ جو نشانیاں تم لاؤگے تاکہ ہمپر اُنسے جادو کرو تو ہم تجھپر ایمان نہیں لانے کے، پھر ہمنے اُنپر طوفان اور ٹڈی دل اور جوئیں اور مینڈک اور خون کا مینھ نازل کیا جدا جدا نشانیاں پھر اُنھوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار قوم تھی، جب اُنکے پاس دکھائی دیتی ہوئی ہماری نشانیاں آئیں تو بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور اُن نشانیوں کا انکار کیا، اور البتہ ہمنے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھلائیں پھر اُسنے جھٹلایا اور انکار کیا، اور جب موسیٰ اُنکے پاس ہماری نشانیاں لیکر آیا تو بولے کہ یہ تو بجز بنائے ہوئے جادو کے کچھ نہیں ہے اور ہمنے اپنے اگلے بڑوں میں ایسی بات نہیں سُنی، اور موسیٰ نے کہا کہ میرا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ کون اُسکے پاس سے ہدایت لیکر آیا ہے اور کسکے لیئے پچھلے گھر میں بھلائی ہوگی، فرعون والے بولے کہ کیا تو ہمارے پاس اسلیئے آیا ہے کہ ہمکو اُس بات سے جسپر ہمنے اپنے باپ دادا کو پایا ہے پھیر دے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی ہو اور ہم تم دونوں کو نہیں ماننے کے ہیں فرعون نے کہا کہ اے سردارو

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ	اور (یاد کرو) جب ہمنے موسٰی کو کتاب اور صحیح کو غلط سے جدا کرنے والی (چیز) دی

بھی اور وہاں بھی جہاں قرآن میں آیا ہے ،، فضرب بعصاک الحجر فانفجرت منه اثنتا عشرة عینا،، ضرب کے معنے زدن کے لیئے اور اُس سیدھی سادھی معجزہ کو ایک معجزہ خارج از قانون قدرت بنا دیا +

اس مقام پر ضرب کے معنے ،زدن، کے نہیں ہیں بلکہ چلنے کے یا جلد چلنے کے ہیں جیسے عرب بولتے ہیں ،، ضرب فی الارض ،، چلا یا دوڑا زمین پر خود

ماعلمت لکم من الٰه غیری فاوقد لی یاھامان علی الطین فاجعل لی (قصص) ابن لی (مومن) صرحا لعلی اطلع الیٰ الٰه موسٰی (قصص) لعلی ابلغ الاسباب اسباب السمٰوات (مومن) وانی لاظنه من الکٰذبین (قصص) وجاءھم (ای قوم فرعون) رسول کریم ان ادوا الیّ عباد الله انی لکم رسول امین وان لا تعلوا علی الله انی اٰتیکم بسلطان مبین

وانی عذت بربی وربکم ان ترجمون وان لم تؤمنوا لی فاعتزلون (دخان) فلما جاءھم بالحق من عندنا قالوا اقتلوا ابناء الذین اٰمنوا معه واستحیوا نساءھم وما کید الکٰفرین الا فی ضلال وقال فرعون ذرونی اقتل موسٰی ولیدع ربه انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد (مومن) وقال رجل مومن من اٰل فرعون یکتم ایمانه اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله وقد جاءکم بالبینٰت من ربکم وان یک کاذبا فعلیه کذبه وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان الله لا یھدی من ھو مسرف کذاب یٰقوم لکم الملک

میں تمھارے لیئے سوائے اپنے کوئی خدا نہیں جانتا پھر اے ہامان میرے لیے مٹی کی اینٹیں آگ میں پکا اور میرے لیے اونچا محل بنا تاکہ میں موسٰی کے خدا کے پاس چڑھ جاؤں اور میں تو اُسکو جھوٹوں میں سمجھتا ہوں اور آیا فرعون کی قوم کے پاس ایک بزرگ پیغمبر (یعنے موسٰی) یہ کہتا ہوا کہ میرے حوالے کردو خدا کے بندوں کو بیشک میں تمھارے لیئے خدا کا بھیجا ہوا امانت دار پیغمبر ہوں اور تم خدا پر سرکشی مت کرو میں ضرور تمھارے سامنے کھلی دلیلیں لاتا ہوں اور بے شبہ میں اپنے پروردگار اور تمھارے پروردگار کی اس بات سے کہ تم مجھکو سنگسار کرو پناہ مانگی ہے اور اگر تم مجھکو نہیں مانتے تو مجھسے جدا ہو جاؤ، پھر جب موسٰی انکے پاس ہمارے پاس سے حق بات لیکر آیا تو بولے کہ ان لوگوں کے بیٹوں کو مار ڈالو جو اُسپر ایمان لائے ہیں اور اُنکی عورتوں کو زندہ رہنے دو حالانکہ کافروں کی مکاری بجز گمراہی کے اور کچھ نہیں اور فرعون نے کہا مجھکو چھوڑ دو (یعنی اجازت دو) کہ میں موسٰی کو مار ڈالوں اور وہ اپنے پروردگار کو پکارا ہی کرے بلاشبہ مجھے خوف ہے کہ تمھارا دین بدلدے اور ملک میں فساد برپا کرے اور فرعون والوں میں سے ایک مسلمان شخص نے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا کہا کہ کیا تم ایسے شخص کو مار ڈالوگے جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی نشانیاں

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٠﴾	کہ شاید تم راہ پر آؤ (٥٠)

قرآن مجید میں آیا ہے وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ (نساء) یعنی جب تم چلو زمین پر یعنی سفر کرو تو کچھ حرج نہیں ہے کہ نمازیں کمی کرو، پس صاف معنی یہ ہیں کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو کہا کہ ،،اپنی لاٹھی کے سہارے سے سمندر میں چل وہ پھٹا ہوا یا کھلا ہوا ہے یعنی پایاب ہو رہا ہے۔ سورہ طٰہٰ میں

الیوم ظاهرین فی الارض فمن ینصرنا من باس الله ان جاءنا قال فرعون ما اریکم الا ما اری وما اهدیکم الا سبیل الرشاد (مومن) وقال الذی امن یا قوم انی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب مثل داب قوم .... نوح وعاد و ثمود والذین من بعدهم وما الله یرید ظلما للعباد ویا قوم انی اخاف علیکم یوم التناد یوم تولون مدبرین ما لکم من الله من عاصم ومن یضلل الله فما له من هاد (مومن) ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم به حتی اذا هلک قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا (مومن)

وقال فرعون یا هامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الی اله موسی وانی لاظنه کاذبا وکذلک زین لفرعون سوء عمله وصد عن السبیل وما کید فرعون الا فی تباب (مومن)

لایا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہو تو اُسکا جھوٹ اُسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہو تو تمکو بعضی وہ مصیبتیں پہونچینگی جنکا وہ وعدہ کرتا ہے ہرگز خدا اُس شخص کو جو حد سے تجاوز کرنے والا اور دروغگو ہو ہدایت نہیں کرتا، اے میری قوم آج کے دن تمھارے بادشاہت ہے دنیا پر غالب ہو پھر خدا کے عذاب سے اگر وہ پھر آجاوے کون ہمکو مدد دیگا فرعون نے کہا کہ میں تمکو بجز اُسکے جو میں دیکھتا یا سمجھتا ہوں اور کچھ نہیں سمجھاتا اور میں تمکو بجز راہ راست کے اور کچھ نہیں بتاتا، اُس شخص نے جو ایمان لے آیا تھا کہا کہ اے میری قوم بیشک میں تمپر ایسے دن کا جو اگلے گروہوں پر گذرا ہے خوف کرتا ہوں جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور اُنکی جو اُنکے بعد ہوئے میں حالت ہوئی اور خدا بندوں پر ظلم کرنیکا ارادہ نہیں کرتا اے میری قوم بیشک میں تمپر چلا چلا ہٹ پڑنے کے دن کا خوف کرتا ہوں جس دن کہ تم اوندھے منہ پیٹھ پھیر کر پھروگے کوئی تمکو خدا سے بچانے والا نہوگا اور جسکو خدا گمراہ کرتا ہے اُسکو کوئی راہ بتانے والا نہیں ہوتا البتہ تمھارے پاس اس سے پہلے کھلی ہوئی نشانیاں لیکر یوسف آیا پھر تم ہمیشہ اُس بات میں جو وہ تمھارے پاس لایا تھا شبہہ میں رہے یہانتک کہ جب وہ مرگیا تو تمنے کہا کہ ہرگز نہیں بھیجنے کا اللہ اُسکے بعد کسی پیغمبر کو ♦

فرعون نے کہا اے ہامان میرے لیئے ایک محل بنا تاکہ میں رستوں تک آسمانوں کے رستوں تک پہنچ جاؤں پھر موسیٰ کے خدا کے پاس چڑھ جاؤں اور میں تو اُسکو جھوٹا سمجھتا ہوں اور اسیطرح فرعون کیلئے اُسکے بدعمل اچھے کرکے دکھلائے گئے تھے اور سیدھے رستہ سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کے مکر بجز تباہی کے اور کچھ نہ تھے ♦

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ	اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا

جو آیت ہے اُسمیں صاف بیان ہوا ہے کہ میرے بندوں کو رات کو سمندر میں سوکھے رستہ سے لیکر نکل چل پس جو معجزہ تھا وہ یہی تھا کہ ایسی مشکل کے وقت میں سمندر کے پایاب ہونے سے خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو اور تمام بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجے سے بچا دیا اور جب فرعون نے پایاب اُترنا چاہا تو پانی چڑھ گیا تھا وہ معہ اپنے لشکر کے ڈوب گیا ❊

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ وَابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِىَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا پھر اُنسے پھر گیا اور ہمنے اُسکو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اُسکی کنجیاں ایک قوی گروہ پر بھی بھاری تھیں جب اُسکی قوم نے اُس سے کہا کہ مت اترا کہ خدا اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو کچھ خدا نے تجھکو دیا ہے اسمیں آخرت کو ڈھونڈ اور اپنے حصہ کو دنیا میں سے مت بھول اور احسان کر جسطرح کہ خدا نے تجھپر احسان کیا ہے اور دنیا میں فساد مت مچا کہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ اُسنے کہا کہ مجھکو یہ دولت صرف میری دانائی کے سبب دی گئی ہے ۔ کیا وہ یہ نہ سمجھا کہ بے شبہ خدا نے کسی زمانہ میں اُس سے پہلے اُنکو ہلاک کر دیا جو اُس سے بھی زیادہ قوی اور زیادہ دولت والے تھے اور کیا گنہگار اپنے گناہوں پر پوچھے نہ جاویں گے پھر قارون اپنی قوم کے سامنے تجمل سے نکلا جو لوگ دنیا ہی کی زندگی کو چاہتے تھے اُنھوں نے کہا کہ کاش ہمارے پاس بھی وہ کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے بیشک وہی بڑا صاحب نصیب ہے ۔ اور جن لوگوں کو دانش دی گئی تھی اُنھوں نے کہا کہ افسوس تمپر ، خدا کا ثواب اُنکے لیئے جو ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیئے ہیں بہت اچھا ہے اور وہ بجز صبر کرنیوالوں کے اور کسی کو نہیں ملتا ، پھر ہمنے قارون کو اُسکے گھر سمیت زمین میں دھسا دیا پھر کوئی گروہ خدا کے سوا اُسکے لیئے نہ تھا جو اُسکی مدد کرے اور نہ وہ آپ اپنی مدد کر سکتا تھا اور جن لوگوں نے کل اُسکے مرتبہ کی تمنا کی تھی اُنھوں نے یہ کہتے ہوئے صبح کی

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ	کہ اے میری قوم تمنے اپنی جانوں پر بچھڑا بناکر ظلم کیا

اس مقام پر یہ بحث پیش آویگی کہ جب ،،ضرب،، کے معنی چلنے کے آتے ہیں اور اُسکے صلہ میں ،،فی،، کا لفظ آتا ہے جیسکہ ،،اذا ضربتم فی الارض،، میں ہے حالانکہ ،،ان اضرب بعصاك البحر،، اور ،،فاضرب بعصاك البحر،، میں ،،فی،، نہیں ہے مگر فی کے نہونے سے کچھ حرج نہیں ہے اسلیئے کہ جب ،،ضرب،، کے

ويكان الله يبسط الرزق لمن يشاء من عباده ويقدر لولا ان من الله علينا لخسف بنا ويكانه لا يفلح الكافرون (قصص) +

ونادى فرعون فى قومه قال يقوم اليس لى ملك مصر وهذه الانهار تجرى من تحتى افلا تبصرون ام انا خير من هذا الذى هو مهين ولا يكاد يبين فلولا القى عليه اسورة من ذهب او جاء معه الملائكة مقترنين (زخرف) ولما وقع عليهم الرجز قالوا يموسى ادع لنا ربك بما عهد عندك لئن كشفت عنا الرجز لنؤمنن لك ولنرسلن معك بنى اسرائيل فلما كشفنا عنهم الرجز الى اجل هم بالغوه اذا هم ينكثون (اعراف) و اخذناهم بالعذاب لعلهم يرجعون وقالوا يايها الساحر ادع لنا ربك بما عهد عندك اننا لمهتدون (زخرف) وقال موسى ربنا انك اتيت فرعون وملأه زينة واموالا فى الحيوة الدنيا ربنا ليضلوا عن سبيلك ربنا اطمس

،،اور ہو اسد اپنے بندوں میں سے جسکے لیئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کرتا ہے اور جسکے لیئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اگر خدا ہمپر احسان نہ کرتا تو ہمکو دھنسا دیتا ، او ہو ، وہ نہیں فلاح پہنچاتا کافروں کو +

اور فرعون نے اپنے لوگوں میں پکار کر کہا کہ اے لوگوں کیا میرے پاس مصر کا ملک نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے ملک کے نیچے بہتی ہیں پھر کیا تم نہیں دیکھتے ہو آیا میں اچھا ہوں اُس شخص سے جو ذلیل ہے اور نہیں بیان کرسکتا کہ کیوں نہ اُسپر ڈالے گئے سونے کے کنگن اور کیوں نہ اسکے ساتھ فرشتے ساتھ رہنے کو آئے ۔ اور جب فرعون والوں پر آفت پڑی تو بولے اے موسٰی ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے جسطرح اُسنے تجھکو بتایا ہے دعا مانگ اگر ہمپر سے آفت جاتی رہی تو ہم تجھپر ضرور ایمان لادینگے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دینگے ، پھر جب ہمنے اُنپر سے ایک مدت تک آفت کو دور کردیا جس آفت تک وہ پہنچنے کو تھے تو وہ پھر گئے ۔ اور ہمنے اُنکو عذاب میں گرفتار کیا کہ شاید وہ اسبدلو سے پھر جاویں ۔ فرعون والوں نے کہا اے جادوگر ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے جسطرح کہ اسنے تجھکو بتایا ہے دعا مانگ بیشک ہم ہدایت پاگئے ہیں ۔ موسٰی نے کہا اے ہمارے پروردگار تونے فرعون کو اور اسکے سرداروں کو تجمل اور دولت دنیا کی زندگی میں دی ہے بدلے ہمارے پروردگار کیا اسلیئے کہ تیرے رستہ سے گمراہ کریں اے پروردگار ہمارے ستیاناسی کر اُنکے

پھر معافی چاہو اپنے پروردگار سے ،	فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ

معنے چلنے کے لیئے جاتے ہیں تو بواسطہ حرف جر یعنی "فی" کے متعدی کیا جاتا ہے اور جو افعال کہ بواسطہ حرف جر کے متعدی ہوتے ہیں اُن میں حرف جر کو محذوف کرنا اور فعل کو بلا واسطہ مفعول کی طرف متعدی کرنا جائز ہے۔ اور اس مفعول کو منصوب علی نزع الخافض کہتے ہیں ــ اس مقام پر فعل "اضحی"

على اموالهم واشدد على قلوبهم
فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم
قال قد اجيبت دعوتكما فاستقيما
ولا تتبعان سبيل الذين
لا يعلمون (یونس) قال موسى لقومه
استعينوا بالله واصبروا ان الارض
لله يورثها من يشاء من عباده و
العاقبة للمتقين قالوا اوذينا من
قبل ان تأتينا ومن بعد ما جئتنا
قال عسى ربكم ان يهلك عدوكم
ويستخلفكم في الارض فينظر كيف
تعملون (اعراف) +
ولقد اوحينا الى موسى ان اسر
بعبادي فاضرب لهم طريقا في البحر
يبسا لا تخاف دركا ولا تخشى (طه)
فاسر بعبادي ليلا انكم متبعون واترك
البحر رهوا انهم جند مغرقون فاوحينا الى موسى ان
اضرب بعصاك البحر فانفلق فكان كل
فرق كالطود العظيم (شعرا) واذ فرقنا
بكم البحر فانجيناكم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون

اُن کے مالوں پر اور سختی ڈال اُنکے دلوں پر پھر وہ نہیں ایمان لاوینگے جبتک کہ دُکھ دینے والا عذاب نہ دیکھینگے ، خدا نے کہا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی پھر مستقل رہو اور اُنکی راہ مت چلو جو نہیں جانتے ۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور صبر کرو بیشک یہ زمین خدا کی ہے اُسکو اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے اور آخر کو بھلائی پرہیزگاروں کے لیئے ہے ، اُنھوں نے کہا کہ ہمکو تو تیرے آنے سے پہلے اور تیرے آنے کے بعد اذیت ہی دی گئی ہے موسیٰ نے کہا کہ قریب ہے خدا تمھارے دشمن کو ہلاک کریگا اور عنقریب تمکو زمین پر خلیفہ کر دیگا پھر دیکھیگا کہ تم کسطرح کرو گے +

ہمنے موسیٰ پر وحی کی کہ رات کو لیچل میرے بندوں کو چل اُن کے لیئے سمندر کے سوکھے رستہ میں مت خوف کر پکڑ لیئے جانے سے (اور نہ ڈر) کسی طرح کا ڈر کر لیچل میرے بندوں کو رات کو تم (دشمن سے) تعاقب کیے جاؤ گے اور چھوڑ چل سمندر کو ایسی حالت میں کہ + ٹھیرا ہوا ہے بیشک فرعون کے لوگ ایک لشکر ہے کہ ڈبو یا جاویگا۔ چل اپنی لاٹھی کے سہارے سے سمندر میں کہ وہ پھٹا ہوا ہے پھر تھا ہر ایک ٹکڑہ بڑی پہاڑ کی مانند اور جب کہ ہمنے تمھارے سبب سے سمندر کو جدا کر دیا پھر ہمنے تمکو بچایا اور ہمنے فرعون والوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھتے تھے ــ

+ "رهوا" کا ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب نے "تھم رہا" کیا ہے اور شاہ رفیع الدین صاحب نے "خشک" کیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے "آرمیدہ" اور قاموس میں اُس کے معنی لکھے ہیں "المرتفع والمنخفض ضد والسكون" +

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ	پس مار ڈالو اپنے آپ کو،

کے ،،عصا،، کے ساتھ ربط دینے کو ایک حرف جر یعنی ،،ب،، عصا،، پر آچکی تھی پھر اُسی فعل کو مفعول کی جانب متعدی کرنے کے لیئے دوسرے حرف جر یعنی ،،فی،، کا لانا کسیقدر فصاحت کلام کے مناسب نہ تھا اور اسلیئے اُسکا حذف اولی تھا پس تقدیر کلام کی یہ ہے کہ ،،فاضرب بعصاک فی البحر،، اور قرینہ

(بقر) فاتبعوھم مشرقین فلما تراء الجمعان قال اصحاب موسٰی انا لمدرکون قال کلا ان معی ربی سیھدین (شعرا) فاتبعھم فرعون بجنودہ فغشیھم من الیم ما غشیھم واضل فرعون قومہ وما ھدی (طٰہٰ) وازلفنا ثم الاٰخرین وانجینا موسٰی ومن معہ اجمعین ثم اغرقنا الاٰخرین (شعرا) فانتقمنا منھم فاغرقناھم فی الیم بانھم کذبوا باٰیاتنا وکانوا عنھا غافلین (اعراف) فاخذناہ وجنودہ فنبذناھم فی الیم (قصص) فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقناہ ومن معہ جمیعًا وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض فاذا جاء وعد الاٰخرۃ جئنا بکم لفیفا (بنی اسرائیل)

وظللنا علیکم الغمام وانزلنا علیکم المن والسلوٰی کلوا من طیبات ما رزقنٰکم وما ظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون (بقر) ونزلنا علیکم المن والسلوٰی کلوا من طیبات ما رزقنٰکم ولا تطغوا فیہ فیحل علیکم غضبی ومن یحلل علیہ غضبی فقد ھوٰی (طٰہٰ)

پھر سورج کے نکلتے ہی فرعون والوں نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا پھر جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسٰی کے لوگوں نے کہا کہ اب ہم پکڑے گئے موسٰی نے کہا ہرگز نہیں بیشک میرے ساتھ میرا خدا ہے جو ٹھیک رستہ بتاویگا۔ پھر فرعون نے اپنے لشکر سمیت اُنکا پیچھا کیا پھر ڈھانک دیا اُنکو سمندر میں سے جسنے اُنکو ڈھانک لیا، اور غلط راہ پر لیگیا فرعون اپنی قوم کو اور ٹھیک رستہ نہ بتایا۔ اور ہمنے پچھلوں کو قریب کر دیا اور ہمنے موسٰی کو اور جو اُسکے ساتھ تھے سب کو بچا دیا پھر ہمنے پچھلوں کو ڈبو دیا۔ پھر ہمنے بدلا لیا اُنسے اور ہمنے اُنکو سمندر میں ڈبو دیا اسلیئے کہ بے شبہ اُنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور اُنسے غافل تھے پھر پکڑا ہمنے فرعون کو اور اُسکے لشکر کو اور اُنکو ہمنے سمندر میں ڈالدیا۔ فرعون چاہتا تھا کہ اُنکو زمین سے نکال دے پھر ہمنے اُسکو ڈبو دیا اور سب کو جو اُسکے ساتھ تھے اور اُسکے بعد ہمنے بنی اسرائیل کو کہا کہ رہو اِس زمین پر پھر جب آویگا آخرت کا وعدہ تو ہم تمکو لا دینگے ملا کر ۔

ہمنے تمپر چھاؤں کی ابر کی اور تمپر من و سلوٰی اُتارا کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہمنے تمکو دیں اور ہمنے اُنپر ظلم نہیں کیا مگر اُنھوں نے آپ اپنے پر ظلم کیا تھا۔ اور ہمنے تمپر من و سلوٰی اُتارا کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہمنے دی ہیں اور اُسمیں زیادتی مت کرو تاکہ میرا غصہ تمپر نازل ہو اور جسپر میرا غصہ نازل ہو لو وہ ہلاک ہوا۔ اور جدا کر دیئے ہمنے بنی اسرائیل کے اسباط کے بارہ گروہ

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ	یہ اچھا ہے تمہارے لئے تمہارے پروردگار کے نزدیک ،

حذف ،، فی ،، کا خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کیونکہ یہی قصہ انہی الفاظ سے سورہ طٰہٰ میں بھی آیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ ،، فاضرب لھم طریقا فی البحر ،، اس ایک جگہ لفظ ،، فی ،، مذکور ہے تو یہی قرینہ باقی مقامات میں اُسکے محذوف ہونے کا ہے ۔ اسی آیت میں فعل ،، اضرب ،، کے بلا واسطہ حرف جر متعدی الیے

وقطعناھم اثنتی عشرۃ اسباطا امما و اوحینا الی موسٰی اذ استسقاہ قومہ ان اضرب بعصاک الحجر فانبجست (اعراف) فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا قد علم کل اناس مشربھم کلوا واشربوا من رزق اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین (بقر) واذ قلتم یا موسٰی لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلھا وقثائھا وفومھا وعدسھا وبصلھا قال اتستبدلون الذی ھو ادنٰی بالذی ھو خیر اھبطوا مصرا فان لکم ما سألتم (بقر)

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علی قوم یعکفون علی اصنام لھم قالوا یا موسٰی اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ قال انکم قوم تجھلون ان ھؤلاء متبر ما ھم فیہ و باطل ما کانوا یعملون (اعراف) واذ قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ فکلوا منھا حیث شئتم رغدا و ادخلوا الباب سجدا وقولوا حطۃ نغفر لکم خطایاکم وسنزید المحسنین فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم فارسلنا علیھم رجزا من السماء

اور ہمنے موسٰی پر وحی کی جبکہ اُسکی قوم نے پانی مانگا کہ چلا اپنی لاٹھی کے سہارے اس چٹان پر اُس سے بہتے ہیں ، پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے اُن میں ہر ایک نے اپنا گھاٹ جان لیا کھاؤ اور پیو خدا کے دیئے ہوئے رزق سے اور زمین پر مفسد ہو کر نافرمانی مت کرو جب تم نے کہا کہ اے موسٰی ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے ہم اپنے پروردگار سے دعا مانگ کہ ہمارے لئے وہ چیزیں نکالے جو زمین اُگاتی ہے ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز اور لہسن موسٰی نے کہا کیا تم بدلنا چاہتے ہو بُرے کو بھلے سے جا اُترو شہر میں کہ تمکو ملے گا جو تم مانگتے ہو +

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا سے نکال لے گئے پھر وہ ایک ایسی قوم کے پاس آئے جو اپنے بتوں کی سیوا کرتے تھے بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسٰی ہمارے لئے بھی ایسے معبود بنا جیسے اُنکے معبود ہیں موسٰی نے کہا کہ بیشک تم جاہل قوم ہو یہ خراب حالت ہے جسمیں یہ لوگ ہیں اور غلط ہے جو یہ کرتے ہیں اور جب ہم نے کہا کہ داخل ہو اس شہر میں پھر کھاؤ اسمیں سے جو چاہو پیٹ بھر کر اور داخل ہو دروازوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہو کہ ہم معافی چاہتے ہیں بخشدینگے ہم تمہاری سب خطائیں اور نیکی کرنے والوں کو زیادہ دینگے پھر ظالموں نے بات بدلدی اُسکے سوا جو اُنسے کہی گئی پھر ہمنے اُنکی بدکاری کے سبب اُن پر آسمان سے آفت بھیجی

فَتَابَ عَلَيْكُمْ	پھر (خدا نے) تمکو معاف کیا،

المفعول ہونے کی مثال بھی موجود ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ،،پس بروبراے ایشاں درراہ خشک ،، یعنی شاہ صاحب نے ،،ضرب،، کے معنی زدن کے نہیں لیئے رفتن کے لیئے ہیں جو لازمی ہے اور لفظ ،،طریقا،، اس آیت میں ،،اضرب،، کا مفعول ہے اور بلا واسطہ حرف جر متعدی الی المفعول ہوا ہے +

جغرافیہ کے نقشوں کے دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ خلیج عرب اور بحر احمر عدن کے پاس ملگئے ہیں دونوں طرف پہاڑ ہیں اور انکے بیچ میں نہایت

بما كانوا يفسقون (في الظلمات الى النور) ولما جاء موسى لميقاتنا وكلمه ربه قال رب ارني انظر اليك قال لن تراني ولكن انظر الى الجبل فان استقر مكانه فسوف تراني فلما تجلى ربه للجبل جعله دكا و خر موسى صعقا فلما افاق قال سبحانك تبت اليك وانا اول المؤمنين قال يموسى اني اصطفيتك على الناس برسالاتي وبكلامي فخذ ما اتيتك وكن من الشاكرين (اعراف) واذ قلتم يا موسى لن نؤمن لك حتى نرى الله جهرة (البقرہ) واختار موسى قومه سبعين رجلا لميقاتنا (اعراف) فاخذتكم الصعقة وانتم تنظرون ثم بعثناكم من بعد موتكم لعلكم تشكرون (بقر) فلما اخذتهم الرجفة قال رب لو شئت اهلكتهم من قبل واياي (اعراف) واذ اخذنا ميثاقكم ورفعنا فوقكم الطور خذوا ما اتيناكم بقوة و اذكروا ما فيه لعلكم تتقون (بقر)

اور جب موسیٰ ہمارے وقت مقررہ پر آیا اور اس کے پروردگار نے اُس سے بات کی تو اُسنے کہا کہ تو مجھکو اپنے تئیں دکھادے تاکہ میں تجھکو دیکھوں خدا نے کہا کہ تو مجھکو ہرگز نہیں دیکھ سکیگا لیکن تو اس پہاڑ کو دیکھ پھر اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھیرا رہا تو تو مجھکو دیکھ سکیگا، پھر جب اُسکے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی تو اُسکو بکھرے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گرا پھر جب ہوش میں آیا تو کہا کہ تو پاک ہے اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں خدا نے کہا اے موسیٰ مینے تجھکو اور لوگوں پر اپنا رسول کرنے اور خود کلام کرنے سے برگزیدہ کیا ہے پھر جو میں تجھکو دیتا ہوں اُسکو لے اور شکر کرنے والوں میں ہو۔ اور جب تمنے کہا اے موسیٰ ہم تجھپر ایمان نہ لاوینگے جبتک کہ علانیہ خدا کو نہ دیکھیں۔ اور موسیٰ نے ہمارے وقت مقررہ پر حاضر ہونے کے لیئے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چھانٹے پھر تمکو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور یہ سب باتیں تم دیکھتے تھے پھر ہمنے تمکو تمھارے مرجانے (بیہوش ہوجانے) کے بعد اٹھایا کہ شاید تم شکر کرو۔ پھر جب انکو کپکپاہٹ نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا اے پروردگار اگر تو چاہتا تو اُس سے پہلے ہی انکو اور مجھکو بھی مار ڈالتا ۔ اور جب ہمنے تمسے قول لیا اور تمھارے اوپر پہاڑ کو بلند کیا کہ مضبوط پکڑو جو کچھ ہمنے تمکو دیا ہے اور یاد رکھو جو کچھ اسمیں ہے .... شاید کہ تم بچ جاؤ۔

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۱﴾

ہاں وہ بڑا معاف کرنیوالا بڑا مہربان ہے (۵۱)

تنگ رستہ ہے، جو جہاز خلیج عرب سے بحر احمر میں جاتے ہیں وہ اُسی تنگ رستہ میں ہوکر گذرتے ہیں اس رستہ کو طے کرنیکے بعد بحر احمر ملتا ہے جو نہایت بڑا اور وسیع سمندر ہے جب اُسکے شمال کی طرف چلے جاؤ تو اخیر کو اُسکی دو شاخیں ہوگئی ہیں، اگر تم اپنے دھائیں ہاتھ کو چپت کر کر سب اُنگلیاں بند کرو اور صرف بیچ کی اُنگلی اور کلمے کی اُنگلی کھولدو اور دونوں کو پھیلایا کرتا تو بحر احمر کی شاخوں کی بالکل صورت بنجاویگی کلمہ کی اُنگلی دھائیں طرف رہیگی اور بیچ کی اُنگلی بائیں طرف اور اُن دونو کے بیچ میں ایک مثلث کی صورت دکھائی دیگی بحر احمر کی دھائیں شاخ جو جانب شرق ہے چھوٹی ہے جیسکہ کلمہ کی اُنگلی چھوٹی ہے اور بائیں شاخ جو جانب غرب ہے کسیقدر بڑی ہے

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْا اَنَّهٗ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (اعراف) وَمَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى قَالَ هُمْ اُولَاۗءِ عَلٰٓي اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى (طٰہٰ) وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (اعراف) وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (اعراف) قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (طٰہٰ) فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ

اور جب ہمنے اُنپر پہاڑ کو اُٹھایا گویا کہ وہ سایبان تھا اور اُنھوں نے گمان کیا کہ وہ اُنپر گرے گا مضبوطی سے پکڑو جو ہمنے تمکو دیا ہے۔ ہمنے موسیٰ سے کہا کہ کیوں تو جلدی کرکے چلا آیا اپنی قوم کے پاس سے کہا وہ بھی میرے پیچھے ہیں اور میں تیرے پاس جلدی چلا آیا ہوں تاکہ اے پروردگار تو راضی ہو، اور وعدہ کیا ہمنے موسیٰ سے تیس رات کا اور ہمنے پورا کیا اُسکو دس سے پھر تمام ہوگئی میعاد اُسکے پروردگار کی چالیس رات، اور موسے نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میرا خلیفہ ہو اور اصلاح کر اور مفسدوں کے طریق کی پیروی مت کر موسے کی قوم نے اُسکے بعد اپنے زیور سے ایک بچھڑے کا پتلا بنایا جس میں سے آواز نکلتی تھی۔ خدا نے موسیٰ سے کہا کہ ہمنے تیرے بعد تیری قوم کو فتنہ میں ڈالا اور سامری نے اُن کو گمراہ کردیا۔ پھر سامری نے اُنکے لیئے بچھڑے کا پتلا بنایا جس میں آواز نکلتی تھی پھر وہ بولے کہ یہ ہے ہمارا خدا اور موسے کا خدا موسے تو بھول گیا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اُنکی بات کا اُلٹ کر جواب نہیں دیتا اور نہ اُن کے لیئے ضرر اور نہ نفع پہنچانے کا مالک ہے۔ اور پہلے ہی سے ہارون نے اُنسے کہا تھا

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ

اور (یاد کرو) جب تمنے کہا اَے موسیٰ ہم تجھپر یقین نہیں کرینگے

جیسے کہ بیچ کی اُنگلی بڑی ہے اور یہ سمجھو کہ بیچ کی اُنگلی یعنے بڑی شاخ کے بائیں طرف مصر ہے اور اُن دونوں اُنگلیوں کے بیچ میں جو مثلث جگہ ہے وہ جگہ اُن جنگلوں اور پہاڑوں کی ہے جہاں بنی اسرائیل چالیس برس تک ٹکرالیے پڑے پھرے اور اُسی جگہ کوہ سینا یا کوہ طور ہے جسپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی ہوئی اور توریت ملی *

جس زمانہ میں بنی اسرائیل مصر میں رہتے تھے اور فرعون مشہور بادشاہ تھا اُس زمانہ میں اُسکا دارالسلطنت شہر رامیسس تھا اُسکے بائیں طرف تھوڑی فاصلہ پر

یاقوم انما فتنتم به وان ربکم الرحمان فاتبعونی واطیعوا امری قالوا لن نبرح علیه عاکفین حتی یرجع الینا موسیٰ (طٰه) فرجع موسیٰ الی قومه غضبان اسفا (طٰه) قال موسیٰ لقومه یاقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذٰلکم خیر لکم عند بارئکم (بقر) اِن الذین اتخذوا العجل سینالهم غضب من ربهم وذلة فی الحیوة الدنیا (اعراف) قال یاقوم الم یعدکم ربکم وعدا حسنا افطال علیکم العهد ام اردتم ان یحل علیکم غضب من ربکم فاخلفتم موعدی (طٰه) قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم والقی الالواح واخذ براس اخیه یجره الیه قال ابن ام

کہ اَے قوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم اس سے فتنہ میں ڈالے گئے ہو اور بیشک تمہارا پروردگار رحم والا ہے میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو اُنھوں نے کہا کہ ہم اسی کے سیوا کیا کرینگے جب تک کہ موسیٰ لوٹکر نہ آوے پھر موسیٰ اپنی قوم کے پاس لوٹکر آیا غصہ میں بھرا ہوا افسوس کرتا ہوا موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمنے اس بچھڑے بنانے میں اپنی جانوں پر ظلم کیا توبہ کرو اللہ کے سامنے اور مارڈالو اپنی جانوں کو یہی تمھارے حق میں تمھارے خدا کے نزدیک بہتر ہے جن لوگوں نے بچھڑا بنایا قریب ہے کہ اُنکے پروردگار کا غصہ اُن تک پہنچیگا اور ذلت دنیا کی اس زندگی میں *

موسیٰ نے کہا کہ اَے میری قوم کیا تم سے خدا نے وعدہ نہیں کیا تھا اچھا وعدہ اور کیا ایک لمبا زمانہ تمپر گذر گیا تھا بلکہ تمنے چاہا کہ تمپر تمھارے پروردگار کا غصہ آترے اسلئے تمنے میرے وعدے کے برخلاف کیا۔ موسیٰ نے کہا کہ بہت بُرا کیا تمنے میرے بعد کیا جلدی کی تمنے اپنے پروردگار کے حکم میں اور پھینک دیا الواح توریت کو اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑکر اپنے طرف کھینچا اُسنے کہا کہ اَے میرے ماجائے

حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً

جبتک کہ ہم علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں ،

دریاے نیل تھا اور دائیں طرف یعنی جانب شرق تین منزل کے فاصلہ پر بحراحمر کی بڑی شاخ تھی حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو شہر رامیس سے لیکر نکلے پہلی منزل ،،سکوت،،میں ہوئی دوسری منزل ،،ایثام،،میں تیسری منزل ،،فہاخیرت،، میں یہ مقام بحراحمر کی بڑی شاخ کے بائیں کنارہ پر یعنی جانب غرب ،،اس شاخ کی نوک کے پاس واقع تھا ، جب فرعون نے معہ اپنے لشکر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو راتوں رات حضرت موسیٰ بنی اسرائیل سمیت بحراحمر کی بڑی شاخ کی نوک میں سے جہاں ہمنے نقشہ میں نقطوں کا نشان کردیا ہے پار اُترگئے معلوم ہوتا

اِنّ القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی فلا تشمت بی الاعداء و لا تجعلنی مع القوم الظالمین (اعراف) انّی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی (طہ) قالوا ما اخلفنا موعدک بملکنا ولکنا حملنا اوزارا من زینۃ القوم فقذفناھا فکذالک القی السامری (طہ) قال فما خطبک یا سامری قال بصرت بما لم یبصروا به فقبضت قبضۃ من اثر الرسول فنبذتھا وکذالک سوّلت لی نفسی قال فاذھب فانّ لک فی الحیٰوۃ ان تقول لا مساس (طہ) ولمّا سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح وفی نسختھا ھدًی ورحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون (اعراف) ثمّ اٰتینا موسی الکتاب تماما علی الذی احسن وتفصیلا لکل شئ وھدی ورحمۃ لعلھم بلقاء ربھم یؤمنون (انعام) +

ان لوگوں نے مجھکو کمزور جانا تھا اور مجھکو مارے والتے تھے پھر میرے دشمنوں کو مت خوش کرو اور مت کرو مجھکو ان ظالم لوگوں کے ساتھ ۔ مجھکو یہ ڈر تھا کہ تو یہ کہیگا کہ تونے تفرقہ ڈالدی بنی اسرائیل میں اور نہ انتظار کیا تونے میری بات کا ۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمنے تو اپنے اختیار سے تیرے وعدہ کے خلاف نہیں کیا بلکہ ہم قوم قبطی کے زیور کا بوجھ اُٹھا رہے تھے پھر ہمنے اسکو پھینکدیا اور اسیطرح پھینکدیا سامری نے پھر سامری نے بچھڑے کی مورت بنائی جسمیں سے آواز نکلتی تھی) ۔ موسیٰ نے کہا کہ اے سامری تیرا کیا حال ہے اُسنے کہا کہ مجھ وہ بات سوجھائی جو اُنکو نہیں سوجھائی پھر میں نے پیغمبر کے پاؤں تلے کے نشان کی مٹی لی پھر میں نے بچھڑے میں ڈالدی اور اسیطرح کرنا میرے دل نے مجھ اچھا بتایا موسیٰ نے کہا کہ دور ہو تجھکو اس دنیا میں یہی سزا ہے کہ تو کہتا رہیگا کہ میرے پاس مت آؤ ۔ پھر جب موسیٰ کا غصہ تھما تو اُسنے الواح کو اُٹھا لیا اور اُسمیں اُنکے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو ڈرتے ہیں ۔ پھر ہمنے موسیٰ کو کتاب دی جو لوگ نیکی کرنے والے ہیں اُنپر نعمت پوری کرنے کو اور ہر چیز کی تفصیل بتانے کو اور ہدایت اور رحمت کرنے کو کہ شاید وہ اپنی پروردگار سے ملنے پر ایمان لاویں

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٢﴾

پھر تمکو گرج نے پکڑ لیا اور تم دیکھتے تھے (۵۲)

ہے کہ اُسوقت بسبب جوار بھاٹے کے جو سمندر میں آتا رہتا ہے اُس مقام پر کہیں خشک زمین نکل آتی تھی اور کہیں پایاب رہجاتی تھی بنی اسرائیل پایاب وخشک راستہ سے راتوں رات پار اتر گئے۔ یہی مطلب صاف اس آیت سے پایا جاتا ہے جو سورۂ دخان میں ہے کہ ،، وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ،، جسکا ٹھیک مطلب یہ ہے کہ چھوڑ چل سمندر کو ایسی حالت میں کہ اُترا ہوا ہو۔ صبح ہوتے فرعون نے جو دیکھا کہ بنی اسرائیل پار اُتر گئے اُسنے بھی اُنکا تعاقب کیا اور لڑائی کی گاڑیاں اور سوار و پیادے غلط رستے پر سب دریا میں ڈالدیئے اور وہ وقت پانی کے چڑھنے کا

ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل و بعثنا منہم اثنی عشر نقیبا و قال اللہ انی معکم لئن اقمتم الصلوٰۃ و اٰتیتم الزکوٰۃ و اٰمنتم برسلی و عزرتموھم و اقرضتم اللہ قرضا حسنا (مائدہ) +

اور جب ہمنے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا اور اُن میں سے بارہ سردار کھڑے کئے اور خدا نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم قائم کرتے رہوگے نماز اور تم دیتے رہوگے زکوٰۃ اور تم ایمان لاتے رہوگے میرے رسولوں پر اور تم مدد کرتے رہوگے اُنکی اور تم قرض دیتے رہوگے اللہ کو قرض حسنہ +

اذ قال موسٰی لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ قالوا اتتخذنا ھزوا قال اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ماھی قال انہ یقول انہا بقرۃ لا فارض ولا بکر عوان بین ذلک فافعلوا ما تؤمرون قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ما لونہا قال انہ یقول انہا بقرۃ صفراء فاقع لونہا تسر الناظرین قالوا ادع لنا ربک یبین لنا ماھی ان البقر تشابہ علینا و انا ان شاء اللہ لمھتدون قال انہ یقول انہا بقرۃ

جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا تمکو یہ حکم کرتا ہے کہ ذبح کرو بیل کو اُنھوں نے کہا کہ کیا تو ہمسے ہنسی کرتا ہے موسٰی نے کہا کہ میں تو اللہ سے پناہ مانگتا ہوں جاہل قوم سے اُنھوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے پوچھ کہ ہمکو بتلاوے کہ وہ کیسا بیل ہو کہا کہ وہ بیل نہ بوڑھا ہو اور نہ بچا میانہ سال ان دونوں کے بیچ میں کرو جو تمکو حکم دیا جاتا ہے اُنھوں نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے پوچھ کہ بتلاوے کیا ہو اسکا رنگ موسٰی نے کہا کہ خدا کہتا ہے کہ وہ بیل دہ ڈہلتے زرد رنگ کا ہو اسکا رنگ خوش کرتا ہو دیکھنے والوں کو اُنھوں نے کہا کہ پوچھ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے کہ بتلا دے کیسا ہے کہ ہمپر بیل مشتبہ ہو گئے ہیں اور اگر خدا نے چاہا تو ہم ہدایت پاویں گے۔ موسٰی نے کہا کہ خدا کہتا ہے کہ

ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ	پھر ہمنے تمکو اُٹھایا تمہارے مردہ ہونے کے بعد

تھا لمحہ میں پانی بڑھگیا جیسکہ اپنی عادت کے موافق بڑھتا ہے اور ڈباؤ ہوگیا جس میں فرعون اور اُسکا لشکر ڈوب گیا +

علماء اسلام کا زمانہ گیارہ بارہ سو برس سے سمجھنا چاہیئے اُن بزرگوں نے جو اپنے ہوش میں بحر احمر اور اُسکی شاخ کو جسمیں سے حضرت موسیٰ ع اور بنی اسرائیل نے عبور کیا تھا نہایت عمیق اور ایک قہار سمندر دیکھا ہے اور اُنکے خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کیا ہی بڑا جوار بھاٹا آوے وہ جگہ کبھی پایاب نہیں ہوسکتی اسلیئے اُنھوں

.... لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث مسلمة لا شیة فیها قالوا الآن جئت بالحق فذبحوها وما کادوا یفعلون (بقر) یا قوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب الله لکم ولا ترتدوا علی ادبارکم فتنقلبوا خسرین قالوا یاموسی ان فیها قوما جبارین وانا لن ندخلها حتی یخرجوا منها فان یخرجوا منها فانا داخلون قال رجلان من الذین یخافون انعم الله علیهما ادخلوا علیهم الباب فاذا دخلتموه فانکم غالبون وعلی الله فتوکلوا ان کنتم مؤمنین قالوا یاموسی انا لن ندخلها ابدا ما داموا فیها فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون قال رب انی لا املك الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفاسقین قال فانها محرمة علیهم اربعین سنة یتیهون فی الارض فلا تاس علی القوم الفاسقین (مائدہ)

ایسا بیل ہو جو نہ جوتا ہو کہ زمین کو پھاڑے یا کھیتی کو پانی دے اُسکے تمام اعضا سلامت ہوں اور اُس میں کوئی دھبہ نہو اُنھوں نے کہا اب تو نے ٹھیک بات بتائی پھر اُنھوں نے ذبح کیا اور کرتے نہیں لگتے تھے +

اے لوگو تم اُس پاک زمین میں داخل ہو جو خدا نے تمہارے لیئے لکھدی ہے اور مت پھرو اپنے پیٹھ کے بل پیچھے پھر پلٹوگے نقصان اُٹھانیوالے اُنھوں نے کہا اے موسے اُس میں تو بہت زبردست قوم رہتی ہے ہم ہرگز اُس میں نہیں جائینگے جب تک کہ وہ اُسمیں سے نہ نکل جاویں جب وہ اُس میں سے نکل جاویں گے تب ہم اُس میں داخل ہوں گے اُن میں سے دو آدمیوں نے کہا جو خدا سے ڈرتے تھے جن پر خدا نے نعمت کی تھی کہ اے لوگو جا گھسو اُس قوم کے دروازہ میں جب تم جا گھسوگے تو تم ہی غالب ہوگے اور خدا ہی پر بھروسا کرو اگر تم ایمان والے ہو اُنھوں نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز اُسمیں نہیں گھسینگے جبتک کہ وہ اُسمیں ہیں تو جا اور تیرا پروردگار تم دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار مجھکو اختیار نہیں مگر اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر پھر ہم میں اور اُس بدکار قوم میں فرق کر خدا نے فرمایا کہ وہ حرام کردی گئی ہے اُن پر چالیس برس تک وہ ٹکرتے پھرینگے زمین میں اور تو رنج مت کر اُس بدکار قوم پر +

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾	تاکہ تم شکر کرو (۵۲)

نے قرآن مجید کی صاف صاف عبارت اور الفاظ کو جو صریح جوا بھاٹے اور خشک زمین کے نکل آنے پر دلالت کرتے تھے اُلٹ پلٹ کر اس واقعہ کو بطور ایک عجیب واقعہ کے بنایا اور ایسا معجزہ جو قانون قدرت کو بھی توڑ دے ٹھہرالیا۔ مگر حقیقت حال یہ نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں جب بنی اسرائیل نے عبور کیا بحر احمر ایسا قہار سمندر نہ تھا جیسا کہ اب ہے گو اُس زمانہ کا صحیح جغرافیہ ہمکو نہ ملے مگر بہت پُرانا جغرافیہ جو بطلیموس نے بنایا تھا معہ اُسکے نقشجات کے جو بطلیموس کے جغرافیہ کے مطابق بنائے گئے ہیں خوش قسمتی سے ہمارے پاس موجود ہے اور اُسمیں بحر احمر کا بھی نقشہ ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بطلیموس کے زمانہ تک بحر احمر میں بہت چھوٹے بڑے جزیرے موجود تھے اور یہ صاف دلیل اس بات کی ہے کہ اُس زمانہ میں بحر احمر ایسا قہار سمندر نہ تھا جیسا کہ اب ہے یا جیسا کہ ہمارے علماء اسلام بارہ سو برس سے اُسکو دیکھتے آئے ہیں۔ بحر احمر کی اس حالت پر خیال کرنے سے بالکل یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مقام جہاں سے بنی اسرائیل اُترے بلا شبہ جوار بھاٹے کے سبب رات کو پایاب اور دن کو عمیق ہو جاتا ہو گا مزید توضیح کے لیے بطلیموس کے جغرافیہ میں سے بعینہ بحر احمر کے نقشہ کو ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں یہ جغرافیہ ہمارے پاس اصل یونانی زبان میں جسمیں بطلیموس نے لکھا تھا معہ لیٹن ترجمہ کے موجود ہے جو ۱۶۱۸ء میں لوئیس سیزدہم شہنشاہ فرانس کے عہد میں چھپا تھا اُس میں وہ تمام جزیرے جو بحر احمر میں موجود تھے مندرج ہیں۔ مؤرخین کے قول کے بموجب بنی اسرائیل سنہ عیسوی سے دو ہزار یا سنو تیرہ برس قبل بحر احمر کی شاخ سے اُترے تھے اور بطلیموس جس نے جغرافیہ لکھا اور جسکو گلاڈیس ثالمی کہتے ہیں سنہ عیسوی کی دوسری صدی میں تھا پس بنی اسرائیل کے عبور کرنے کے دو ہزار سات سو برس بعد تک وہ جزیرے موجود تھے۔ یہ بطلیموس

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ	اور چھا دیا ہمنے تمپر بادل ،

یونانی تھا مگر مصر میں رہتا تھا اور اسلیئے بحر احمر کا جو حال اُسنے لکھا ہی زیادہ اعتبار کے لائق ہے ۔ سمندر کے جزیرے مدت تک نکلے رہتے ہیں اور پھر کسی زمانہ میں اُن اسباب سے جنکا ذکر علم جوالجی میں ہے دفعۃً زمین میں بیٹھ جاتے ہیں اور جہاں لوگ بستے تھے اور جن پایاب مقامات پر لوگ چلتے تھے وہاں دفعۃً میلوں گہرا پانی ہوجاتا ہے ،
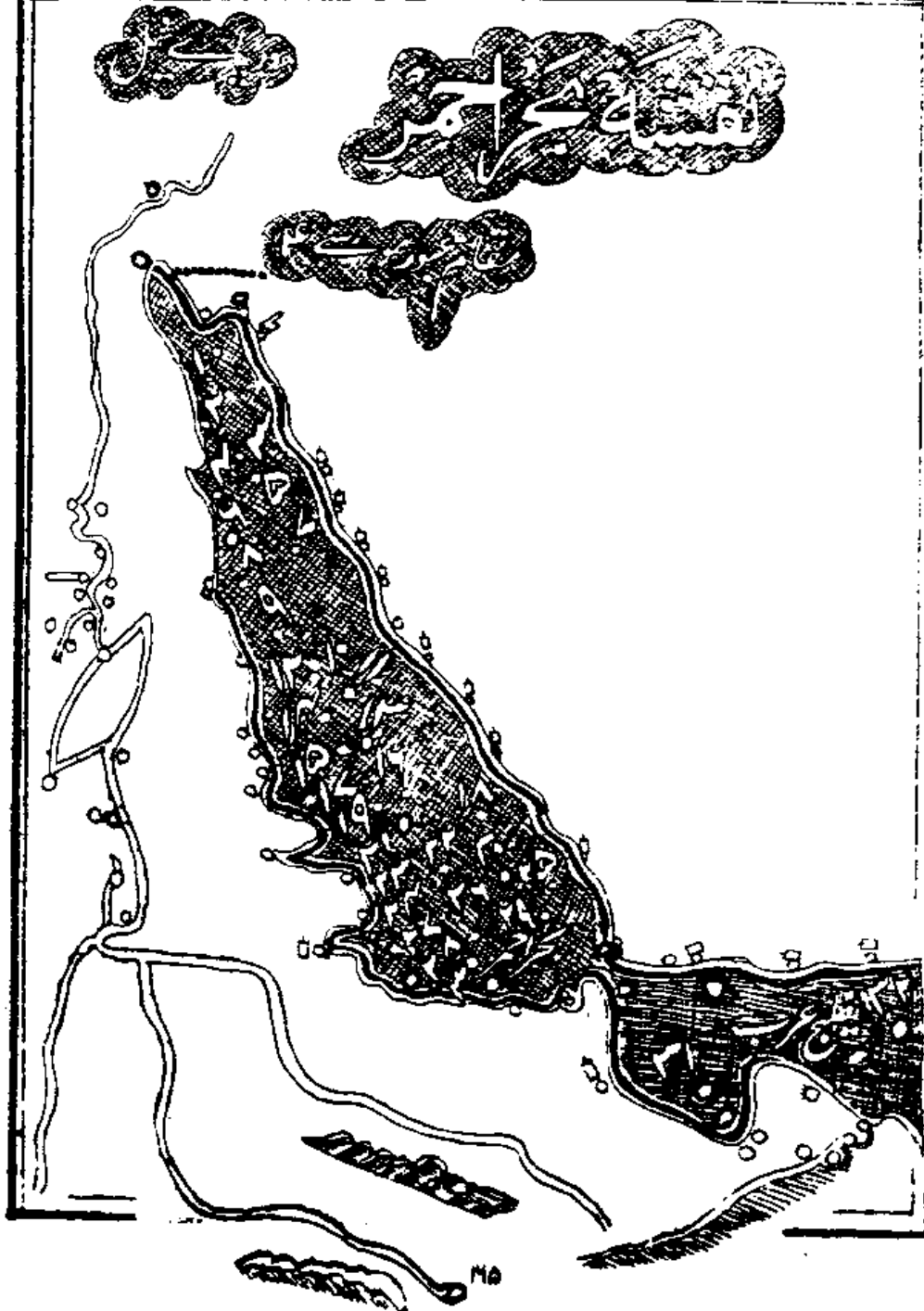
وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى	اور اُتارا ہم نے تم پر منّ و سلوے

اسی طرح بطلیموس کے زمانہ کے بعد کسی وقت میں یہ جزیرے بھی جو بحر احمر میں تھے غائب ہو گئے ہیں اور اب ہم کو اتنا بڑا قہار سمندر دکھائی دیتا ہے مگر موسیٰ کے عہد میں ایسا نہ تھا اور اس بات پر یقین کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں کہ حضرت موسیٰ کو اس مقام پر سمندر کے پایاب ہو جانے کا حال معلوم تھا اور اسی سبب سے یہ رستہ اُنھوں نے اختیار کیا تھا کیونکہ سمندر کے پار ایسے جنگل و پہاڑ تھے کہ جس میں فرعون کو لشکر لیجانا اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرنا غیر ممکن تھا ✣

اسماے جزیرہ ہاے بحر احمر

۱ تمی جنیس	۱۱ جریکم	۲۱ اگبن تھین
۲ ورنس	۱۲ سیبٹی رودرم	۲۲ کیم لبتا
۳ رجینیا	۱۳ کیٹی تھری	۲۳ نکمبرنیا
۴ اگئی تھولس	۱۴ میرولس	۲۴ ارنیان
۵ ویونم	۱۵ تھربڈنی قیس	۲۵ ملیاکی
۶ اشارنڈ	۱۶ ساکرنٹیس	۲۶ بیکائی
۷ پالی پیح	۱۷ مجودم	۲۷ ایڈینی
۸ ایڈا پلیڈس	۱۸ مگارڈی مینڈ	۲۸ ڈایودورلے
۹ جبسی نمش	۱۹ ڈیف نین	۲۹ پپنیس
۱۰ گوباڈیرم	۲۰ ایری	۳۰ اسی ڈس

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ	کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے جو کچھ ہمنے تمکو دی ہیں

(۵۱) (عجل) بچھڑا بنانے کا واقعہ اُسوقت ہوا تھا، جبکہ حضرت موسیٰ چالیس دن رات پہاڑ پر جا کر رہے تھے. بنی اسرائیل نے بچپن سے مصریوں میں پرورش پائی تھی، اور دیکھا کرتے تھے کہ وہ ساری قوم بتوں کی اور جانوروں کی پرستش کرتی تھی؛ مصری بندر اور سانپ اور بیل اور اور بہت قسم کے جانوروں کی پوجا کیا کرتے تھے، جب بنی اسرائیل سمندر کے پار ہوئے تو وہاں بھی اُنھوں نے بتوں کی پرستش کرتے ہوئے لوگوں کو پایا، اور موسیٰ سے کہا کہ ہمکو بھی ایسے ہی معبود بنا دے (یہ قصہ سورہ اعراف میں ہے) گمان غالب ہوتا ہے کہ وہ لوگ بچھڑے ہی کی مورت کی پوجا کیا کرتے ہونگے، اور اسی کی نقل پر بنی اسرائیل نے بھی بچھڑے کی مورت بنائی تھی جسکے سبب خدا کی خفگی ہوئی +

(فاقتلوا) اِس آیت سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ بنی اسرائیل میں سے کسی ایک نے بھی اپنے آپ کو مار ڈالا تھا کیونکہ یہ کہنا کہ "مار ڈالو اپنے آپ کو" حضرت موسیٰ کا قول ہے اور یہ کہنا ایسی طرح کا کہنا ہے، جیسے کوئی بزرگ کسی کو نفرین کرتے وقت کہے کہ "ڈوب مر ایسا کرنے سے تو تیرا مرجانا بہتر ہے" پس بنی اسرائیل پر خود حضرت موسیٰ کے غصہ کے یہ الفاظ ہیں خدا نے اُنکو اپنے تئیں آپ مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا تھا نہ اُن میں سے کسی نے اپنے تئیں آپ مار ڈالا تھا - یہ مطلب اِس آیت کے پچھلے حصہ سے جسمیں معاف کر دینے کا ذکر ہے زیادہ تر صاف ہوجاتا ہے کیونکہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اُنہی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ "پھر خدا نے تمکو معاف کیا" +

(۵۲) (نری اللہ جہرۃ) انسان کے دل میں کسی چیز کے دیکھنے کی خواہش تین طرح پر پیدا ہوتی ہے اُسکا حال اور اوصاف سننے سے، یا دل میں کسی خاص قسم کا ذوق و شوق پیدا ہو جانے سے یا اُسکا حال کہنے والے کی بات پر یقین نہ ہونے سے

وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۴﴾	اور اُنھوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ اپنا آپ نقصان کرتے تھے (۵۴)

موسیٰ کو بھی خدا کے دیکھنے کا شوق ہوا مگر وہ شوق دوسری قسم کا تھا جسکے غلبہ میں انسان کی عقل پر پردہ پڑجاتا ہے، اسمیں وہ انہونی بات کہہ اُٹھتا ہے، بنی اسرائیل نے بھی خدا کا دیکھنا چاہا مگر یہ اُنکا سوال تیسری قسم کا تھا، وہ موسیٰ کی اس بات پر کہ خدا ہے پروردگار عالم موجود ہے اور اُسنے موسیٰ کو اپنا پیغمبر کیا ہے یقین نہیں لاتے تھے، اور اس بنا پر اُنھوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو دکھا دے، جبتک ہم علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیوینگے تجھپر ایمان نہ لاوینگے، حضرت موسیٰ اپنے شوق کے سبب جسمیں انسان کو ذہول ہوجاتا ہے بھول گئے کہ خدا ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دے سکتا، اور بنی اسرائیل نے اپنی حماقت سے یہ چاہا کہ علانیہ خدا کو ہم دیکھ لیں، اور یہ نہ سمجھے کہ خدا اپنے تئیں کسیکو دکھا سکتا ہے، اور نہ کوئی خدا کو دیکھ سکتا ہے، بر کوئی اُسکی قدرت کا کرشمہ دیکھتا ہے، اور اُسی سے اُسکی ذات کے موجود ہونے پر یقین لاتا ہے +

(صاعقۃ) صاعقہ کے معنے لغت میں موت کے بھی ہیں اور عذاب مہلک کے بھی ہیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس عذاب سے کوئی ہلاک ہوئے بغیر رہے ہی نہیں، اور عذاب یا بلا آنے کی سنسناہٹ اور گڑگڑاہٹ اور کڑک کے معنی بھی آئے ہیں اور بجلی اور آسمان پر سے گرنے والی آگ کے معنی بھی ہیں، اور صعق بکسر العین کے معنی ہیں "غشی علیہ" یعنی بیہوش کیا گیا +

اب دیکھنا چاہیئے کہ اسجگہہ "فاخذتکم الصاعقۃ" کے کیا معنی ہیں، موت کے معنی تو یہاں ہو نہیں سکتے اس لیئے کہ "وانتم تنظرون" کا مطلب غلط ہوجاتا ہے کیونکہ موت کی نسبت وانتم تنظرون نہیں کہہ سکتے۔ امام فخرالدین رازی بھی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں صاعقہ کے معنی موت کے نہیں ہیں کیونکہ موت

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ	اور (یاد کرو) جب ہمنے کہا کہ اس شہر میں جاؤ پھر اُسمیں سے سیر ہو کر کھاؤ جہاں چاہو

کی نسبت، تنظرون، نہیں آسکتا اور اس کے سوا خدا نے سورہ اعراف میں فرمایا ہے کہ ،، وخر موسیٰ صعقا ،، اور پھر فرمایا ہے کہ ،، فلما افاق ،، اور افاقہ موت سے نہیں ہوتا بلکہ غشی سے ہوتا ہے ۔ سورۂ اعراف میں، صاعقہ، کی جگہ، رجفہ، فرمایا ہے جس کے معنے کپکپاہٹ کے ہیں غرضکہ اس جگہہ، صاعقہ، کے معنی موت کے نہیں ہیں بلکہ ٹھیک معنی، گرج، اور گڑگڑاہٹ کے ہیں خواہ وہ گرج بجلی کی ہو خواہ وہ گڑگڑاہٹ بادل کی ہو یا کسی آتشیں پہاڑ کی ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جبکہ اسی آیت میں ہی کہ ،، ثم بعثناکم من بعد موتکم تو یہ ایک قوی ثبوت اس بات کا ہے کہ یہاں، صاعقہ، کے معنی موت کے ہیں ۔ مگر مفسرین اور خصوصاً امام فخر الدین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی، بعث، کا اطلاق لابعد الموت پر بھی ہوتا ہے جیسیکہ خدا نے فرمایا ہے کہ ،، فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ ،، پس، بعثنا، کے لفظ سے تو، صاعقہ، کے معنی موت کے لینے پر استدلال نہیں ہو سکتا رہا لفظ، موت، کا اسکی نسبت مفسرین نے نہایت سہل رستہ اختیار کیا ہے جو ہمکو نہایت ہی مشکل اور پیچدار معلوم ہوتا ہے ۔ اُنھوں نے فرمایا کہ محققین کا یہ قول ہے کہ، صاعقہ، سے مراد تو سبب موت ہے، اور موت کے معنی موت ہی کے ہیں، خدا نے اُن لوگوں کو جو خدا کو دیکھنے گئے تھے صاعقہ سے جو سبب اُنکی موت کا ہوا مار ڈالا، اور پھر حضرت موسیٰ کی دعا سے اور گڑگڑا کر یہ کہنے سے، کہ یہ تو ستر کے ستر مر گئے اب بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دونگا، اور میری نبوت کی گواہی کون دیگا، خدا نے اُنکو پھر زندہ کر دیا ✤

مگر میری سمجھ میں خدا کے پاک کا کلام ایسا بودا نہیں ہے، بلکہ جیسا اُسکا

وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۵﴾	اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے گھسو اور کہو کہ ہم معافی چاہتے ہیں، ہم تمھارے قصور معاف کردینگے اور اچھے لوگوں کو زیادہ دینگے (۵۵)

قانون قدرت مستحکم اور مضبوط ہے، ویسا ہی اُسکا کلام بھی مضبوط ہے جبکہ ہمکو یہ ثابت ہوگیا کہ، صاعقہ، کے معنی ،موت. کے نہیں ہیں، بلکہ اس مقام پر ہو بھی نہیں سکتے، اور ،بعث، کا اطلاق، لابعد الموت، پر بھی آتا ہے تو ہم لفظ ،موت، کو اُسکے حقیقی معنوں پر یعنی بدن سے جان نکلجانے پر اطلاق نہیں کرسکتے، بلکہ مردے کے مانند ہوجانے پر اطلاق کرتے ہیں، اور اسکی دلیل خود قرآن مجید میں موجود ہے، اسلیئے کہ جو واقعہ اس مقام پر بیان ہوا ہے، وہی واقعہ سورۂ اعراف میں بھی آیا ہے، اور وہاں یہ فرمایا ہے کہ ،، فلما اخذتهم الرجفة قال رب لو شئت اهلكتهم من قبل واياي" یعنی بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی جو خدا کے دیکھنے کے لیئے گئے تھے ڈر کے مارے کانپنے لگے تو حضرت موسٰی نے کہا کہ اے پروردگار اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی اُنکو اور مجھکو بھی مار ڈالتا،

اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُنکے مرنے تک نوبت نہ پہنچی تھی، یا بیہوش ہوگئے تھے یا اُنکی حالت مردے کیسی ہوگئی تھی، اور اسی سبب سے یہاں اُنپر مردہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ علاوہ اسکے حضرت موسٰی پر بھی پروردگار کی تجلی ہوئی تھی، جسکے سبب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا، وہاں یہ لفظ ہیں کہ ،، وخر موسى صعقا،، یعنی موسٰی بیہوش ہوکر گر پڑا، سورہ احزاب [1] میں خود خدا تعالٰی نے خوف کی حالت کو موت کی بیہوشی کی حالت سے تشبیہ

[1] فاذا جاء الخوف رأيتهم ينظرون اليك تدور اعينهم كالذي يغشى عليه من الموت (احزاب) آیت ۱۹

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۶﴾	پھر ظالموں نے اُسکے سوا جو ہمنے اُنسے کہی تھی بات بدلدی، پھر ہمنے اُن پر جنھوں نے ناانصافی کی تھی آسمان سے برائی بھیجی اسلیئے کہ وہ بڑے کام کرتے تھے (۵۶)

دی ہے، پس اِن سب آیتوں کے ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر بھی یہی حالت گذری تھی +

، موت ، کے لفظ کا نہایت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے امام فخر الدین رازی اور صاحب تفسیر ابن عباس نے سورہ زمر کی تینتالیسویں آیت میں بلفظ ، موت کو بمعنی ، نوم ، قرار دیا ہے اور ، حین موتھا ، کی تفسیر ، حین منامھا ، کی ہے اور قرآن مجید میں رنج میں پڑے رہنے پر بھی موت کے لفظ کا استعمال ہوا ہے جہاں سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے کہ ،، قل موتوا بغیظکم ،، یعنے اپنے غصہ سے مرجاؤ یعنی اُسمیں مبتلا رہو۔ ڈھے ہوئے شہر ، غیر آباد یا فصل گذری ہوئی زمین پر بھی موت کا استعمال ہوتا ہے ، بے جان یا معدوم شے پر بھی موت کا لفظ بولا جاتا ہے ، جہاں فرمایا ہے ، كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ،، اور اور جگہ فرمایا ہے کہ ،، يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ،، غرضکہ جہانتک غور کیا جاتا ہے اس مقام پر لفظ ،، موتکم ،، سے جو قرآن مجید میں آیا ہے اُن لوگوں کے فی الحقیقت مرجانے پر استدلال نہیں ہو سکتا +

یہ تمام واقعات موسیٰ و بنی اسرائیل پر سینا کے مقام میں گذرے تھے، وہاں ایک سلسلہ پہاڑوں کا ہے جسکو ، طور سینا ، یا طور سینین کہتے ہیں ، اور کبھی صرف ، طور ، ہی اُسکا نام لیتے ہیں ، کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں وہ کوہ آتش فشاں تھا ، جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہم علانیہ خدا کو دیکھنا چاہتے ہیں ، تو وہ بجز اسکی قدرت کاملہ کے ایک عظیم الشان کرشمہ کے اور

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور (یاد کرو اُسوقت کو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم کے لیئے پانی چاہا تو ہمنے کہا کہ چل اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس چٹان پر اُس سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے، بیشک جان لیا ہر شخص نے اپنا گھاٹ، کھاؤ اور پیو خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے اور مت پھرو زمین میں (یعنی ملک میں) فساد مچاتے (۵۷)

کچھ اُنکو نہیں دکھا سکتے تھے، پس وہ اُنکو اُس پہاڑ کے قریب لیگئے جسکی آتش فشانی اور گڑگڑاہٹ اور زور شور کی آواز اور پتھروں کے اُڑنے کے خوف سے وہ بیہوش یا مرے کی مانند ہوگئے، خدا تعالیٰ اُن تمام کاموں کو جو اُسکے قانون قدرت سے ہوتے ہیں خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے، جنکے منسوب کرنے کا بلا شبہ وہ مستحق ہے، اسیطرح ان واقعات عجیبہ کو بھی اُسنے اپنی طرف منسوب کیا ہے +

اس بات کے آثار کہ وہ کوہ سینا درحقیقت آتش فشاں تھا، ابتک پائے جاتے ہیں، اور ہر شخص اب بھی جاکر دیکھ سکتا ہے، ایک بہت بڑا عالم شخص یعنی کیپٹن اسٹینلی حال میں بطور سیاحت اُس وادی میں گئے تھے جہاں سے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل گذر کیا تھا، اُنھوں نے اس پہاڑ کا حال اسطرح پر لکھا ہے کہ ،،چٹانوں کی راہ سے جو بطور زینہ کے بنی ہوئی تھیں ہم ایک وادی میں پہنچے جو سرخ پتھر کے پہاڑوں کے درمیان تھا یہاں پر عجیب و غریب پہاڑ دیکھنے میں آئے جنکے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا سرخ و سیاہ مادہ کی گرم نہریں اُنپر بہتی ہیں۔ درحقیقت آتشی مادہ اوپر بہ آیا تھا جبکہ وہ زمین سے اُٹھے تھے، یہ راستہ ایسی جگہہ ہوکر گذرتا تھا جہاں بجز جلے ہوئے مادوں اور خاکستر کے اور کچھ نہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ہتھیار ڈھالنے کے کارخانہ میں ڈھیر ہوتے ہیں، یہاں اکثر ایسی چیزیں دیکھنے میں آئیں جنکو

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا	اور (یاد کرو) جب کہ تمنے کہا کہ اے موسیٰ ہم ایک کھانا کھانے پر صبر نہ کرینگے پس اپنے پروردگار سے ہمارے لیے مانگ کہ پیدا کرے ہمارے لیے اون چیزوں میں سے جنکو زمین اگاتی ہے اوسکو ساگ پات اور ککڑی اور اوسکی گیہوں اور اوسکی مسور اور اوسکی پیاز میں سے

کوئی نیا آدمی آتش فشاں پہاڑ کا آثار تصور کرے، لیکن یہ غلط فہمی ہے جلے پہاڑوں کی مانند جو بڑے بڑے ڈھیر معلوم ہوتے ہیں وہ صرف لوہے کے ریزے ہیں جو بھربھرے پتھروں کی بناوٹ میں ملے ہوئے ہیں، سرخی مائل پتھر کی چٹانوں میں جو آتشی عمل کے آثار پائے جاتے ہیں، وہ اُنکے ابتدائی اُٹھان سے متعلق ہیں، نہ کسی بعد کے انقلاب سے، ہر جگہ پانی کے عمل کے آثار ہیں آگ کے کہیں نہیں ہیں" ٭

کینن اسٹینلی بہت بڑے پادری اور عیسائی مذہب کے پیشوا ہیں، عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ درحقیقت خدا ہی آگ کی صورت میں پہاڑ پر اُترا تھا، اسلیے اُنھوں نے اپنی تحریر میں اُس پہاڑ کو آتشیں پہاڑ کہنے سے بہت بچایا ہے، مگر جو شے کہ موجود ہے اُسکو کوئی شخص ہیر پھیر کر بیان کرنے سے معدوم نہیں کرسکتا، خود توریت میں جو کچھ اس پہاڑ کی نسبت بیان ہوا ہے (اگر صحیح تسلیم کیا جاوے) تو کچھ شبہ نہیں رہتا کہ وہ آتش فشاں پہاڑ تھا، کتاب خروج باب نوزدہم میں لکھا ہے، "کہ بوقت طلوع صبح رعدہا و برقہا و غمامہ مظلمہ بالائے کوہ نمایاں شد و آواز کرنا بحدے شدید شد کہ تمامی قومی کہ در اردو بودند لرزیدند ٭ ٭ ٭ وتمامی کوہ سینی را دود فراگرفت ٭ ٭ و دودش مثل دود تنور متصاعد بود و تمامی کوہ بغایت متزلزل شد"، یہ تمام حالتیں وہ ہیں جو کوہ آتش فشاں میں واقع ہوتی ہیں، اور اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں وہ آتش فشاں تھا، اور کینن اسٹینلی

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ

موسیٰ نے کہا کہ کیا بدلتے ہو اُسکو جو گھٹیا ہے اُس سے جو اچھا ہے اُتر پڑو کسی شہر میں پھر بیشک تمھارے لیے وہ چیز ہے جو تم مانگتے ہو، اور ڈالی گئی اُنپر ذلت اور مسکنت اور مستحق ہوئے اللہ کے غصہ کے

یہ تاویل کہ وہ نشانیاں اُس پہاڑ کی بناوٹ ہی کی ہیں صحیح نہیں ہوسکتی ❊ خدا کی تجلی ہر چیز میں ہے جسکو اُسنے اپنی قدرت کاملہ سے بنایا اور پیدا کیا، ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ، فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّنَا عَلَى الْجَبَلِ، فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّنَا عَلَى الْبَحْرِ، فَلَمَّا تَجَلّٰى ربنا علی الانسان، فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّنَا علی الحِمار، فَلَمَّا تجلی ربنا علی البعوضة، ومافوقها فقد وقع کذا، مگر کسی مادی یا فانی صورت میں نہ خدا آسکتا ہے نہ سما سکتا ہے پس ہم توریت کے الفاظ پر کہ "خداوند در آتش بر آں نزول نمود"، یقین نہیں لاسکتے گو کینن اسٹینلی کو یقین ہو ہاں اگر ان لفظوں کے معنی بھی تجلی اور ظہور قدرت کے لیئے جاویں۔ تو پھر مقام انکار نہیں رہتا ❊

(۵۴) (وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ) توریت میں بنی اسرائیل پر بادلوں کی چھانوں ہونے کا واقعہ عجب طرح سے لکھا ہے، کہ بادل تمام دن بنی اسرائیل[†] کو راہ بتانے کے لیئے اُنکے آگے آگے چلتا تھا، اور جہاں ٹھہر جاتا تھا، وہاں بنی اسرائیل مقام کرتے تھے، اور رات کو وہی بادل روشنی کا ستون ہو جاتا تھا۔ مگر اسپر کیونکر یقین ہو سکتا ہے جبکہ چالیس برس تک بنی اسرائیل کو منزل مقصود تک پہنچنے کا رستہ نہیں ملا۔ ہمارے علماء مفسرین نے بھی اپنی عادت کے موافق یہودیوں کی پیروی کی ہے اور اس آیت کی

† دیکھو کتاب خروج باب ۱۳ ورس ۲۱ و ۲۲ و باب ۴۰ ورس ۳۴ – ۳۸۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (۵۸)	اور یہ اسلیئے کہ وہ نہ مانتے تھے اللہ کی نشانیوں کو، اور مار ڈالتے تھے پیغمبروں کو ناحق، اور یہ اسلیئے ہوا کہ اُنھوں نے نافرمانی کی، اور وہ حد سے تجاوز کرجاتے تھے (۵۸)

تفسیر میں ایسی قسم کی باتیں جن کا اشارہ تک اس آیت میں نہیں ہے۔ بیان کی ہیں۔

قرآن مجید سے بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ بادل کا پھرنا نہیں معلوم ہوتا، اس آیت سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت دھوپ اور گرمی کی سختی میں بادل آجانے سے خدا نے انکی تکلیف کو دور کردیا جسکا بطور ایک احسان کے ذکر کیا ہے۔ بڑی غلطی لوگوں کے خیال میں یہ ہے کہ جو امور موافق قانون قدرت کے ظہور میں آتے ہیں، اُنکو نہ معجزہ سمجھتے ہیں، نہ احسان جتلانے یا ماننے کے قابل جانتے ہیں، اور اسلیئے اسمیں بالطبع ایسی باتیں شامل کرلیتے ہیں، جو قانون قدرت سے خارج ہوں، حالانکہ خدا تعالیٰ نے تمام قرآن مجید میں جا بجا بندوں پر اُنھی باتوں سے اپنا احسان جتلایا ہے، اور اُنھی کو بطور معجزہ کے بتلایا ہے، جسکو اُسنے اپنی قدرت کاملہ سے، موافق قانون قدرت کے پیدا کیا ہے ؛

جب بنی اسرائیل بحر احمر کی شاخ کو پار کر گئے جسکا پانی بسبب جوار بھاٹے کے اُترتا چڑھتا تھا، تو اُس پار پتھر اور ریگستان کا ایک سطح بیابان ہے، وہاں اکثر ریگ کا طوفان رہتا ہے، جو اُس ملک کے ساتھ مخصوص ہے، اور حال کے سیاحوں نے بھی اُس کو دیکھا ہے، اس ریت کے میدان میں دھوپ کی شدت سے بنی اسرائیل کو بڑی تکلیف ہوئی ہوگی، خصوصاً اس وجہ سے کہ ریت بھی بھوبل کی مانند گرم ہوگی جسپر چلنا اور بیٹھنا نہایت مشکل ہو گا، ایسے وقت میں ابر کا آجانا بلاشبہ بنی اسرائیل کے حق میں بہت بڑی نعمت تھی اُنکو

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ	اسمیں کچھ شک نہیں کہ جو ایمان لائے ہیں اور جو لوگ یہودی ہوئے ہیں اور عیسائی اور صابئین جنہنے یقین کیا اللہ اور اخیر دن پر اور اچھے عمل کیے تو انکے لیے مزدوری انکے پروردگار کے پاس ہے اور نہ انکو کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے (۵۹)

اس مقام پر بطور احسان کے خدانے یاد دلایا ہے ؎

(منّ وسلویٰ) منّ، ایک چیز ہے بطور ترنجبین کے ایک خاص قسم کی جھاڑیوں پر جم جاتی ہے، اور سلوے، بٹیر کی قسم کا جانور ہے جو اُس جنگل میں جہاں بنی اسرائیل گئے تھے بکثرت پایا جاتا تھا، اور وہاں وہی انکے غذا تھی پس اُسی کا ذکر قرآن مجید میں ہے، باقی عجائبات ،منّ، کے جو توریت میں بیان ہوئے ہیں اور جنپر یقین کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے کہ قانون قدرت سے انکا کرنا، اُنکا کچھ ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، اگو مفسرین نے اور انبیا کے قصے لکھنے والوں نے یہودیوں کی پیروی سے اپنی تصنیفات میں اُنکا ذکر کیا ہے ؎

حال کے سیّاحوں نے بھی اُس جنگل میں ،منّ، کو پایا ہے، کپتان اسٹینلی لکھتے ہیں،، کہ چشمہ مرہ سے گذر کر دو وادیاں دیکھیں جسمیں سے ایک یقیناً ایلم ہوگی ــ عام صورت اس وسیع میدان کی یہ تھی کہ ایک ریگستان تھا اور جابجا پانی کے سے راستے جیسے کوئی دریا خشک ہوجاتا ہے بنے ہوئے تھے، اُن وادیوں کے راستہ راستہ جاکر عجیب سیاہ و سفید پہاڑ ملتے ہیں۔ یہ بیابان بغیر درخت اور گھاس کے تھا لیکن اُن دو وادیوں میں جنپر ایلم کا شبہ ہوتا ہے، درخت اور جھاڑیاں موجود تھیں ــ یہاں کے کھجور کے درخت چھوٹے چھوٹے تھے، اور پہاڑ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۰﴾	اور (یاد کرو) جبکہ ہمنے تمہارا قول لیا اور ہمنے تمھارے اوپر پہاڑ کو اونچا کیا کہ پکڑو جو چیز کہ تمکو دیجاتی ہے مضبوطی سے اور یاد رکھو جو کچھ اُسمیں ہے تاکہ تم پرہیزگار رہو (۶۰)

تر سک ،کے درخت بھی تھے جنکے پتوں پر وہ شے پائی جاتی ہے جسکو اہل عرب ،من، کہتے ہیں ،، ؎

(۵۵) وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا اس آیت میں جو کچھ بیان ہوا ہے ، وہ حضرت موسیٰ کے وقت کا قصہ نہیں ہے ، بلکہ بنی اسرائیل کا حال ہے ،جبکہ وہ حضرت یوشع کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تھے اس شہر کا نام قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے مگر قدیم نام اُسکا ،یریحو، ہے جسکو یونانی میں ،اجریکو، کہتے ہیں اور مسلمان مفسروں نے اُسکو ،اریحا، لکھا ہے ؎

(وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا) سجدہ سے مراد حقیقی سجدہ کرنا نہیں ہے جسمیں ماتھا زمین پر ٹیکنا ہوتا ہے ، بلکہ خشوع و خضوع سے خدا کا شکر کرتے ہوئے داخل ہونا مراد ہے ، تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ،،اراد بہ الخضوع وھو الاقرب،، یعنے سجدہ سے مراد عاجزی ہے اور یہی معنی اسجگہہ زیادہ اچھے ہیں ؎

(۵۶) فَبَدَّلَ اس تبدیل سے کسی لفظ کا بدل دینا مراد نہیں ہے ، کیونکہ اُنکو الفاظ نہیں بتائے گئے ، بلکہ استغفار یعنی گناہوں سے معافی چاہنے کا حکم تھا ، مگر اُنھوں نے اُس حکم کو بدلڈالا ، اور توبہ و استغفار کی کچھ پرواہ نہ کی ، بلکہ فتح کے سبب مغرور و متکبر ہوگئے ، امام فخر الدین رازی نے بھی یہ معنی اختیار کئے ہیں ، چنانچہ اُنھوں نے لکھا ہے کہ ،، لما امروا بالتواضع وسوال المغفرۃ لم یمتثلوا امر اللہ ولم یلتفتوا الیہ ،، یعنی جبکہ اُنکو تواضع اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو اُنھوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کی ، اور اُسپر التفات نہ کیا ،

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ	پھر تم پھر گئے اُسکے بعد، پھر اگر تم پر خدا کا فضل اور اُسکی رحمت نہوتی تو تم ٹوٹے میں پڑنے والوں میں سے ہوتے، اور بے شک تم اُنکو جانتے ہو جنھوں نے تم میں سے سبت کے دن زیادتی کی

اور بیضاوی میں بھی یہی مطلب تسلیم کیا گیا ہے کہ ،، بدلوا بما امروا به من التوبة والاستغفار طلب ما یشتھون من اعراض الدنیا ۔ یعنی انھوں نے بدل دیا حکم توبہ واستغفار کا جو اُنکو دیا گیا تھا دنیاوی چیزوں کے چاہنے سے جسکے وہ خواہشمند تھے ؛

(۵۷) (فانفجرت) اس آیت میں بھی ایک امر بحث کے لائق تھا کہ پانی کے بارہ چشمے کیونکر پیدا ہوئے تھے اور اس بحث کو ہمنے سینتالیسویں آیت ؂ کی تفسیر میں بالاستیعاب بیان کیا ہے ۔ پہاڑی ملک کو اہل عرب حجر کہتے ہیں جیسے کہ عرب الحجر یعنے عرب کا پہاڑی حصہ ،، فاضرب بعصاک الحجر، میں لفظ حجر کا استعمال ہوا ہے، بحر احمر کی شاخ کو عبور کرنے کے بعد ایک وادی ملتا ہے جسکا قدیم نام ،ایثام، ہے وہاں پانی نہیں ملتا توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا جسکا پانی نہایت تلخ تھا اور پی نہیں سکتے تھے اسلیئے اُسکا نام ،مرہ، رکھا ہے حال کے زمانے کے سیاحوں نے بھی وہاں ایک چشمہ پایا ہے جسکو وہ ،مرہ، خیال کرتے ہیں، یہی مقام ہے جہاں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے پانی مانگا تھا اس مقام کے پاس پہاڑیاں ہیں جنکی نسبت خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ ،، فاضرب بعصاک الحجر، یعنی اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس پہاڑی پر چڑھ چل، اس پہاڑی کے پرے ایک مقام

؂ دیکھو صفحہ ۹۷ نوٹ ۱۶ ۔

فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (٦١)	پھر ہمنے اُنکو کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل وخوار (٦١)

ہے جسکو توریت میں، ایلم، لکھا ہے وہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے جسطرح پہاڑی ملک میں پہاڑوں کی جڑ یا چٹانوں کی درازوں میں سی جاری ہوتے ہیں جنکی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ، فانفجرت منه اثنتاعشرة عيناً، یعنے اُس سے پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے، اگرہم توریت کی عبارت پر یقین کریں تو اس سے بھی پایا جاتا ہے اور اُسکی یہ عبارت ہے کہ ۱، بعدازاں بہ ایلم آمدند و درانجا دوازدہ چشمۂ آب یافتند وہفتاد درخت خرما بود ودر آنجا بہ پہلوے آب اردو زدند ۱ ؀

یہ مقام اب بھی موجود ہے، اور سیاحوں نے دیکھا ہے، مگر اب وہاں پانی کے چشمے نہیں بہتے، کیونکہ پہاڑی چشمے انقلاب زمانہ سے سوکھ جاتے ہیں، جیسے کہ مکہ معظمہ میں زمزم کا چشمہ خشک ہوگیا ہے، مگر ایسے مقاموں کو ہمیشہ لوگ مقدس سمجھتے ہیں، اور اُسکے یادگار یا نشان قائم رکھنے کو وہاں کنوئیں کھودیتے ہیں جسطرح کہ مکہ معظمہ میں چاہ زمزم کھودا گیا ہے، اُس مقام پر بھی جہاں حضرت موسیٰ کو بارہ چشمہ پانی کے ملے تھے، لوگوں نے کسی زمانہ میں کنوئیں کھودے ہیں، اور اب وہاں ستر کنوئیں موجود ہیں، اور وہ مقام عیون موسیٰ کے نام سے مشہور ہے، اس مقام پر بھی، تمرسک، کے درخت ہوتے ہیں جنکے پتوں پر، من، جم جاتا ہے ؀

(۵۸) (وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی) اس آیت کی تفسیر میں مفسروں نے دو زمانے کی جدا جدا باتوں کو خلط ملط کر دیا ہے، یہ بہت لبنی آیت ہے اور اسکے جدا گانہ دو حصے ہیں، ایک حصہ اُس سوال و جواب کا ہے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے

۱ کتاب خروج باب ۱۵ ورس ۲۷ ؀

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾	پھر ہم نے اس واقعہ کو اُس قوم کے لیے جو اُس واقعہ کے زمانہ میں تھی اور اُسکے لیے جو اُس واقعے کے بعد آئیگی بطور عبرت کے بنا دیا اور بطور نصیحت کے پرہیزگاروں کیلئے ۔

کیا تھا، اور دوسرا حصہ اُن واقعات کا ہے جو بعد حضرت موسیٰ بلکہ اُس سے بھی بہت زمانہ کے بعد بنی اسرائیل پر واقع ہوئے تھے ✤

جن جنگلوں اور میدانوں میں بنی اسرائیل پڑے پھرتے تھے، وہاں بجز جنگل کے جانوروں کے شکار کے یا اُس مویشی کے گوشت کے جو بنی اسرائیل کے ساتھ تھے اور کوئی چیز کھانے کو میسر نہوتی تھی، اور ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے کھاتے بنی اسرائیل دق ہو گئے تھے، جسکی شکایت اُنھوں نے حضرت موسیٰ سے کی، اور زمین کی پیداوار کھانے کو مانگی، جو شکار کے گوشت سے ادنیٰ درجہ کی تھی،

حضرت موسیٰ کا اصلی مقصد فلسطین میں جانا اور وہاں کے شہروں پر قبضہ کرنے کا تھا، مگر بنی اسرائیل عمالیقیوں اور کنعانیوں سے ڈرتے تھے، اور لڑنے پر اور ملک کے فتح کرنے پر آمادہ نہوتے تھے، پس جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے زمین کی پیداوار کا کھانا ملنے کی خواہش کی، تو اُنھوں نے جواب دیا کہ کسی شہر میں چل پڑو اور جا اُترو وہاں سب کچھ ملیگا، پس اس سے یہ سمجھنا کہ اُنکے سفر میں کوئی شہر پڑا تھا، اور حضرت موسیٰ نے یا خدا نے اُسمیں اُترنے کا حکم دیا تھا ایک صریح غلط فہمی ہے ✤

دوسرا حصہ آیت کا اُن واقعات کے بیان میں ہے، جبکہ بنی اسرائیل فلسطین میں پہنچ گئے اور شہروں کو فتح کر لیا اور اُسمیں آباد ہو گئے، اور پھر اُنکی بدیوں اور بُرائیوں اور انبیا کے قتل کے سبب اُنپر آفت پڑی، اور ذلیل و خوار اور مسکین بے یار و یار ہو گئے اور باوجودیکہ اُنمیں سے بادشاہان ذیشان پیدا ہوئے، مگر تمام قوم میں سے وہ شان و شوکت بیکلخت جاتی رہی ہے اور اسوقت تک اُنکا

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ (۶۳)

اور یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا تمکو حکم دیتا ہی کہ ایک بیل کو ذبح کر ڈالو، بولے کہ کیا تو ہمسے ٹھٹھا کرتا ہی (موسیٰ نے) کہا کہ خدا کی پناہ کہ میں نادانوں میں سے ہوجاؤں، بولے کہ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے پوچھ ہمکو بتادے کہ وہ کیسا ہی، (موسیٰ نے) کہا کہ وہ یہ کہتا ہی کہ ایک بیل ہی نہ بڈھا اور نہ بچا انکے درمیان درمیان ہی، پھر کرو جو حکم تمکو دیا گیا ہے (۶۳)

یہی حال ہے ❊

(۶۲) (ورفعنا) یہ مضمون دو مقام میں آیا ہے ایک تو اسی آیت میں ہے کہ ہمنے تمھارے اوپر پہاڑ کو اونچا کیا، اور سورہ اعراف میں یہ لفظ ہیں "واذ نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة وظنوا انه واقع بهم" ان دونوں مقاموں میں چار لفظ ہیں جنکے معنی حل ہونے سے مطلب سمجھ میں آویگا رفع۔ فوق۔ نتق۔ ظلہ ❊

"رفع" کے معنی اونچا کرنے کے ہیں، مگر اس لفظ سے یہ بات کہ جو چیز اونچی کی گئی ہے وہ زمین سے بھی معلق ہوگئی ہو لازم نہیں آتی دیوار اونچا کرنے کو بھی "رفعنا" کہہ سکتے ہیں حالانکہ وہ زمین سے معلق نہیں ہوتی ❊

"فوق" کے لفظ کو بھی اُس شے کا زمین سے معلق ہونا لازم نہیں ہے ❊

"نتق" کا لفظ البتہ بحث طلب ہے جسکے معنی مفسرین نے مذہبی عجائبات بنانے کو "قلع" کے بھی لیئے ہیں، جسکو زمین سے یا جگہ سے علیحدہ کرلینا لازم ہے، اور "رفع" کے بھی لیئے ہیں جسکو علیحدہ کرلینا لازم نہیں ہی، بیضاوی میں لکھا ہے "ونتقنا الجبل فوقهم" ای قلعناه ورفعناه" مگر قاموس میں اسکے معنی ہلا دینے کے لکھے ہیں "نتقه زعزعه" اور "زعزع" کے معنی ہلا دینے کے ہیں

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾	بولے کہ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے پوچھ، ہمکو بتاوے کہ کیا اُسکا رنگ ہے (موسیٰ نے) کہا وہ یہ کہتا ہی کہ وہ زرد شدہ جماتی رنگ کا بیل ہو دیکھنیوالونکو خوش آتا ہی (۶۴)

،،الزعزعة تحريك الريح الشجرة ونحوها او كل تحريك شديد،، یعنی زعزعہ کے معنی ہوا کا درخت کو ہلانے کے ہیں اور ہر جنبش شدید کو بھی ،زعزعہ، کہتے ہیں، پس صاف طور سے ،نتقنا، کے معنی ہلا دینے کے ہیں یعنی ہمنے پہاڑکو ہلا دیا اور الفاظ ،،وظنوا انہ واقع بھم،، زیادہ تر پہاڑ کے ہلا دینے کے جس سے انکو اُسکے گر پڑنے کا گمان ہوا مناسب ہیں ؛

،ظلہ، کے معنی سائبان کے بھی ہو سکتے ہیں، اچھتری کے بھی ہو سکتے ہیں اور جو چیز کہ ہمپر سایہ ڈالے اُسکے بھی ہو سکتے ہیں، اور اُس چیز کا زمین سے معلق ہمارے سر پر ہونا ضرور نہیں ہے، تفسیر کبیر میں لکھا ہی ،،الظلة كل ما اظلك من سقف بيت او سحابة او جناح حايطة،، یعنی ظلہ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو سایہ ڈالے گھر کی چھت ہو یا ابر کا ٹکڑا یا احاطہ کا بازو یعنی دیواریں، ظلہ کے لفظ سے بھی، یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ معلق سر کے اوپر ہو ✦

اب غور کرنا چاہیئے کہ واقعہ کیا تھا، بنی اسرائیل جو خدا کے دیکھنے کو گئے تھے طور یا طور سینین کے نیچے کھڑے ہوئے تھے، پہاڑ اُنکے سر پر نہایت اونچا اٹھا ہوا تھا، وہ اُسکے سایہ کے تلے تھے، اور طور بسبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلہ میں تھا، جسکے سبب وہ گمان کرتے تھے کہ اُنکے اوپر گر پڑیگا، پس اُس حالت کو خدا تعالیٰ نے ان لفظوں میں یاد دلایا ہے کہ، ورفعنا فوقکم الطور، نتقنا الجبل فوقهم كانه ظلة وظنوا انه واقع بهم،، پس ان الفاظ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عجیب ہو یا مطابق واقع اور موافق قانون قدرت

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٦٦﴾

بولے کہ ہمارے لیئے پروردگار سے پوچھ ہمکو بتا وے کہ وہ کیا ہی بات یہ ہی کہ ہمکو وہ بیل مشتبہ ہو گیا ہی اور بیشک اگر خدا نے چاہا تو ہم ٹھیک بات پالیوینگے (یعنی جس بیل کے ذبح کرنیکا حکم دیا ہی اُسکو ٹھیک جان لینگے (۶۵)

(موسیٰ نے) کہا کہ وہ یہ کہتا ہی کہ وہ ایک بیل ہی نہ سدھا ہوا زمین جوتنے کو اور نہ کھیتی میں پانی دینے کو سالم ہی (یعنی کان غیرہ کٹے ہوئے یا کوئی عضو نقص نہیں ہی) نہ اُسمیں کوئی دھبا ہی (یعنی یکرنگ ہی) بولے اب تو نے ٹھیک پتا بتا دیا پھر اُنھوں نے اسکو ذبح کر ڈالا اور کرتے ہوئے لگتے نہ تھے (۶۶)

نہو، ہاں مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس واقعہ کو عجیب وغریب واقعہ بنا دیا ہے اور ہمارے مسلمان مفسر (خدا اُن پر رحمت کرے) عجائبات دور از کار کا ہونا مذہب کا فخر اور اُسکی عمدگی سمجھتے تھے، اسلیئے اُنھوں نے تفسیروں میں لغو اور بیہودہ عجائبات بھر دی ہیں، بعضوں نے لکھا ہے کہ کوہ سینا کو خدا اُنکے سر پر اُٹھالایا تھا کہ مجھ سے اقرار کرو نہیں تو اسی پہاڑ کے تلے کچل دیتا ہوں، اور بعضوں نے کہا کہ نہیں بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو اُکھاڑ کر ہوا میں اُڑالایا تھا، اور پانچ میل کا چوڑا اور پانچ میل کا لمبا تھا، اتنی بڑائی اُسکی اسلیئے تھی کہ کل لشکر بنی اسرائیل کا اُسکے تلے ایک ہی دفعہ میں کچل جاوے یہ تمام خرافاتیں لغو وبیہودہ ہیں اور خدای پاک کا کلام پاک ایسی بیہودہ باتوں سے پاک ہی +

(۱۱) (كُونُوا قِرَدَةً) ہو جاؤ بندر، اسکی تفسیر میں بھی ہمارے علماء مفسرین نے عجیب وغریب باتیں بیان کی ہیں، اور لکھا کہ وہ لوگ سچ مچ صورت وشکل اور حیثیت میں بھی بندر ہو گئے تھے، بعضوں کا قول ہی کہ وہ سب تیسرے دن

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۗ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۶۷﴾	اور یاد کرو) جبکہ تمنے ایک شخص کو مار ڈالا پھر اسکو ایک دوسرے پر دھرنے لگے اور اللہ اسکو ظاہر کرنیوالا ہے جسکو تم چھپاتے تھے (۶۷)
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۗ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾	پھر ہمنے کہا کہ اُسی مقتول کو اُسکے ٹکڑے یعنی اعضا سے مارو اسطرح اللہ زندہ کر دیتا ہے (یعنی ظاہر کر دیتا ہے) مرے ہوئے (یعنی نامعلوم قاتل) کو اور اپنی نشانیاں تمکو دکھلاتا ہے تاکہ تم سمجھو (۶۸)

مر گئے، اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ بندر جواب درختوں پر چڑھتے اور ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر اُچھلتے پھرتے ہیں اُنہی بندروں کی نسل میں سے ہیں ❖

مگر یہ تمام باتیں لغو و خرافات ہیں، خدائے پاک کے کلام پاک کا یہ مطلب نہیں ہے۔ یہودیوں کی شریعت میں سبت کا دن عبادت کا تھا، اور اُسمیں کوئی کام کرنا یا شکار کھیلنا منع تھا، مگر ایک گروہ یہودیوں کا جو دریا کے کنارہ پر رہتا تھا فریب سے سبت کے دن بھی شکار کھیلتا تھا، اُنکی قوم کے شاخوں نے منع کیا جب نمانا تو اُنکو قوم سے منقطع برادری سے خارج کھانے پینے سے الگ میل جول سے علحدہ کر دیا، اور وہ توریت پر نہ چلنے والوں کو ایسا ہی کیا کرتے تھے، اور اسی لیئے اُنکی حالت بندروں کی سی حالت ہوگئی تھی جسکی نسبت خدانے فرمایا کہ، "کونوا قردۃ خاسئین"، یعنی جسطرح بندر بلا پابندی شریعت حرکتیں کرتے ہیں جسطرح انسانوں میں بندر ذلیل و خوار ہیں، اُسی طرح تم بھی انسانوں سے علحدہ اور ذلیل و خوار و رسوا ہو، جسکے سبب اُس زمانے کے لوگوں کو عبرت ہو، اور آیندہ آنے والے اُنکی ذلت و رسوائی کا حال سُنکر عبرت پکڑیں ❖

یہ کہنا کہ وہ لوگ سچ مچ کے بندر ہو گئے تھے، بجز اہل الجنۃ کے اور کوئی تسلیم نہیں کر سکتا تھا، اسی سبب سے بعض مفسرین نے بھی اُنکے سچ مچ کے بندر ہو جانے

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۶۹)

پھر اُسکے بعد بھی تمھارے دل سخت ہوگئے پس وہ پتھر کی مانند ہیں بلکہ اُس سے بھی زیادہ سخت اور ہاں پتھروں میں سے تو ایسا بھی ہی کہ پھوٹ نکلتی ہیں اُس سے نہریں اُنھی میں سے ایسا بھی ہی کہ پھٹ جاتا ہی پھر اُس سے پانی نکلتا ہی، اور اُنھی میں سے ایسا بھی ہی کہ خدا کے خوف سے گر پڑتا ہی، اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے بیخبر نہیں ہے (۶۹)

سے انکار کیا ہے، جسکو ہم بطور تایید اپنی کلام کے اس مقام پر نقل کرتے ہیں، بیضاوی میں لکھا ہی، ''وقال مجاهد ما مسخت صورهم ولكن قلوبهم فمثلوا بالقردة كما مثلوا بالحمار في قوله كمثل الحمار يحمل اسفارا''، یعنی مجاہد کا قول ہی کہ اُنکی صورتیں بندر کی سی نہیں ہو گئی تھیں بلکہ اُنکے دل بندروں کے سے ہو گئے تھے اور اسی لیئے بندروں کے ساتھ اُنکو تشبیہ دی ہی، جیسیکہ خدا نے گدھے کے ساتھ اپنے اس قول میں کہ اُنکی مثال گدھے کی ہی جسپر کتابیں لدی ہوں تشبیہ دی ہی ؛

(۶۳) (تذبحوا البقرة) یہ قصہ توریت میں بھی ہی ؛ مگر اسمیں بنی اسرائیل کا موسیٰ سے اُسکا اتا پتا پوچھنا مذکور نہیں ہی اور اُسکے ذبح کے بعد جو قصہ توریت میں ہے وہ قرآن مجید میں نہیں ہی بہر حال اتنی بات کہ خدا نے ایک بیل کے ذبح کرنیکا حکم دیا قرآن اور توریت دونوں میں موجود ہی البقرة، بالتحریک وسع التا گائے اور بیل دونو پر بولا جاتا ہی، اور قرآن مجید کے یہ الفاظ کہ ''لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث''، صاف اُسکے بیل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ قرآن کے تمام الفاظ سے اور اُن پتوں اور نشانیوں سے جو بتلائے گئے ہیں صاف پایا جا

؎ دیکھو کتاب اعداد باب ۱۹

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (۷۰)	(اے مسلمانو) کیا تم اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ (یہودی) تمکو مان لینگے حالانکہ بلاشبہ اُنہی میں کا ایک گروہ تھا جو خدا کا کلام سنتا تھا اور پھر اُسکو سمجھنے کے بعد بدل دیتا تھا اور خود بھی جانتے تھے (۷۰)

ہے، کہ وہ بیل بت پرستوں یا کافروں کے طریقہ پر بطور سانڈھ کے چھوڑا ہوا تھا تفسیر کبیر میں بھی مسلمۃ کی تفسیر "ای وحشیۃ مرسلۃ من الحبس" لکھی ہو جو ٹھیک چھوڑے ہوئے سانڈ کی ہی، اور اُسی کے ذبح کر ڈالنے کا موسیٰ نے حکم دیا تھا، اور بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ وہ ذبح ہونے سے بچ جاوے، اسی لئے اُسکے الٹے سیدھے پوچھتے تھے، پس اس قصہ میں کوئی اعجوبہ بات نہیں ہی، جس بچھڑہ کو بنی اسرائیل نے پوجا تھا اُسکا معدوم کرنا اور جس بیل کو بطور سانڈھ کے چھوڑا تھا کہ وہ بھی ایک قسم کی پرستش ہی، اُسکو ذبح کر ڈالنا اُس شرک و کفر کے مٹانیکے لئے تھا، ہمارے علماء مفسرین نے بلاشبہ غلطی کی ہی جو یہ سمجھا ہی کہ یہ قصہ اگلی آیت "واذ قتلتم نفسًا" سے متعلق ہی اور پہلی آیت کو خدا نے پیچھے کر دیا ہی ✢

(۶۷) (واذ قتلتم) اس قصہ کو پہلے قصہ سے کچھ تعلق نہیں ہی، بیل کے ذبح کرنے کا قصہ ختم ہو چکا، یہ دوسرا قصہ ہی، کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا اور قاتل معلوم نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈالدی کہ سب لوگ جو موجود ہیں اور اُنہی میں قاتل بھی ہی مقتول کے اعضا سے مقتول کو ماریں جو لوگ درحقیقت قاتل نہیں ہیں وہ بسبب یقین اپنی بیجرمی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کرینگے، مگر اصلی قاتل بسبب خوف اپنے جرم کے جو ازروے فطرت

✢ اول هذه القصة (ای قصة واذ قال موسیٰ لقومه) قوله تعالیٰ واذ قتلتم نفسًا فاذٰرءتم فیها وانما فك عنه وقدمت لاستقلاله (بیضاوی)

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۷۱﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۲﴾	اور جب وہ اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب آپسمیں ایک دوسرے کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم اُنسے کہدیتے ہو وہ چیز جو خدانے تمپر ظاہر کی ہی تاکہ وہ اسی بات سے جو تمہارے خدا کے پاس سے آئی ہی تم سے حجت کریں کیا تم سمجھتے نہیں (۷۱) کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ جانتا ہی جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (۷۲)

انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں سے ہوتا ہی ایسا نہیں کریگا، اور اُسیوقت معلوم ہوجاویگا، اور وہی نشان جو خدانے انسان کی فطرت میں رکھے ہیں لوگوں کو دکھا دیگا، اس قسم کے حیلوں سے اس زمانہ میں بھی بہت سے چور معلوم ہوجاتے ہیں، اور وہ بسبب خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو دوسرے لوگ بلاخوف بہ تقویت اپنی بیجرمی کے کرتے ہیں نہیں کرسکتے، پس یہ ایک تدبیر قاتل کے معلوم کرنے کی تھی اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا +

ہمارے مفسرین نے ان آیتوں کی یہ تفسیر کی ہی، کہ پہلا اور پچھلا ایک ہی قصہ ہی اور پچھلی آیتوں میں جو بیان ہوا ہی وہ باعتبار وقوع کے مقدم ہی، اور قصہ یوں قرار دیا ہی، کہ بنی اسرائیل نے ایک شخص کو قتل کیا تھا اُسکا قاتل معلوم کرنے کو خدانے ایک بیل کے ذبح کرنیکا حکم دیا اور یہ کہا کہ اس مذبوح بیل کے اعضا سے مقتول کو مارو، اُنکے مارنے سے مقتول زندہ ہوگیا اور اُسنے اپنے قاتل کو بتلادیا +

مگر اس تفسیر میں متعدد نقصان ہیں، اول تو پچھلی آیتوں کو مقدم قرار دینا اور

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۳﴾	اور اُنہی میں بعضے ان پڑھ ہیں لکھنا بھی نہیں جانتے بجز زبانی پڑھنے کے اور وہ کچھ نہیں ہیں بجز اسکے (کہ خدا کی طرف سے اُسکے ہونیکا) گمان کرتے ہیں پھر افسوس ہے اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں ایک نوشتہ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ لیلیویں اُسکے بدلے تھوڑی سی قیمت، پھر افسوس ہے اُنکے لیئے اُسپر جو اُنکے ہاتھوں نے لکھا اور افسوس ہے اُنکے لیئے اُسپر جو وہ کماتے ہیں (۷۳)

دونوں قصوں کو ایک کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دوسرے ،، کذلك يحيي الله الموتى ،، کے معنی جب مربوط ہوتے ہیں جب اُسکے پہلے یہ جملہ ،، فاحیاہم الله ،، مقدر مانا جاوے ، اور ایسے جملہ کو جو خارج از عقل اور خلاف عادت باری تعالیٰ ہے اپنی طرف سے بغیر موجود ہونے کسی یقین یا اشارہ صریح کے مقدر ماننا عبارت قرآن میں اضافہ کرنا ہے۔ تیسرے یہ کہ باوجود اس اضافہ کے ماننا پڑیگا کہ ،، کذلك يحيي الله الموتى ،، سے مراد احیاء اموات بروز بعث و نشر ہے اور اسجگہ بعث و نشر کے حال کے بیان کرنیکا کوئی محل و موقع نہیں ہے اور نہ کوئی مباحثہ بعث و نشر کی بابت ہے ؛

جو سیدھے سادے صاف صاف معنی آیتوں کے ہمنے بیان کیئے ہیں ، اور جنمیں نہ آیتوں کی ترتیب اُلٹنی پڑتی ہے اور نہ کسی جملہ خلاف از عقل و بغیر سند کے نقل کے اپنی طرف سے بڑھانے کی حاجت ہوتی ہے ، اور جو صاف طور پر قرآن مجید سے پایا جاتا ہے ، شاید اُسکی نسبت بھی بعض لوگ کچھ شبہ کرینگے ۔

اول تو یہ کہینگے ،، اضربوہ ،، میں ضمیر مذکر کی ہے اور ،، ببعضہا ،، میں ضمیر مؤنث

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷۴﴾ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۷۵﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۷۶﴾

اور کہتے ہیں کہ بجز چند گنتی کے دنوں کے ہمکو آگ نہیں چھونے کی تو اُن سے کہہ کیا تمنے اللہ سے کوئی اقرار لیلیا ہی کہ اللہ اپنے اقرار سے ہرگز خلاف نہیں کریگا یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جو نہیں جانتے (۷۴) ہاں جسنے بُرائی کمائی اور گھیر لیا اُسکو اُسکی خطاؤں نے پھر وہی آگ میں پڑنیوالے ہیں وُہی ہمیشہ اُسمیں رہینگے (۷۵) اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے وہ جنت میں جانیوالے ہیں وہ ہمیشہ اُسمیں رہینگے (۷۶)

کی، اور دونوں کا مرجع ہمنے مقتول ٹھہرایا ہی۔ مگر یہ اعتراض کسی طرح صحیح نہیں ہونیکا، اس آیت سے پہلے ،، واذ قتلتم نفسا ،، واقع ہی اور ببعضھا کی ضمیر نفس کی جانب راجع ہی اور نفس مؤنث ہی اور اُسکے لیئے مؤنث ہی کی ضمیر ہونی چاہیئے ،، اضربوہ کی ضمیر کو بھی تمام مفسرین نے نفس ہی کی جانب راجع کیا ہی، مگر باعتبار شخص مقتول کے اُسکا مذکر لانا جائز قرار دیا ہی، چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہی ،، الھاء فی قولہ تعالی فاضربوہ ضمیر وھو اما ان یرجع الی النفس وحینئذ یکون التذکیر علی تاویل الشخص والانسان واما الی القتیل وھو الذی دل علیہ قولہ وما کنتم تکتمون ،،

دوسرا یہ شبہہ کرینگے کہ ،، یحیی ،، اور ،، موتی ،، کے لفظ کے ہمنے وہ معنی نہیں لیئے جو صریح اُن لفظوں سے پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ اعتراض بھی صحیح نہوگا اسلیئے کہ ہمنے ان لفظوں کے وہی معنی لیئے ہیں جن معنوں میں خود خدا نے ان لفظوں کو استعمال کیا ہی جہاں فرمایا ہی † ،، وکنتم امواتا فاحیاکم ،، یعنی تم مردہ یعنی معدوم یا غیر موجود یا نامعلوم تھے، پھر ہمنے تمکو زندہ یعنی مخلوق یا موجود یا ظاہر کیا، پس اسی

† دیکھو صفحہ ۴۳

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ (۷۷)	اور (یاد کرو) جبکہ ہمنے بنی اسرائیل سے قول لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ماباپ کے ساتھ احسان کرو اور قرابت مندوں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ اور کہو لوگوں کیلئے اچھی بات اور پڑھتے رہو نماز اور دیتے رہو زکوۃ پھر تم پھر گئے بجز چند کے تم میں سے اور تم پھر جانے والے ہو (۷۷)
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (۷۸)	اور (یاد کرو) جب کہ ہمنے تمھارا قول لیا کہ آپس میں خونریزی مت کرو اور اپنے لوگوں کو اپنے گھروں سے مت نکالو پھر تمنے اقرار کیا اور تم شاہد ہو (۷۸)

دلیل سے ہمنے یہاں سے، یحیی اور، موتیٰ، کے یہی معنی لئے ہیں، کہ نامعلوم قاتل معلوم ہوگیا، اور ان معنوں کے صحیح ہونے پر خود اسی مقام میں خدا تعالے نے اشارہ کیا ہے، اوپر کی آیت میں لفظ واللہ مخرج آیا ہی، اُسی کے مقابل اس آیت میں یحیی اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اوپر کی آیت میں تکتمون کا لفظ آیا ہی، اُسی کے مقابل اس آیت میں موتیٰ کا لفظ آیا ہے، پس علانیہ ثابت ہی کہ، یحیی اللہ سے ظاہر ہونا قاتل کا اور موتیٰ سے نا معلوم یا غیر ظاہر ہونا قاتل کا مراد ہی نہ مقتول کا زندہ ہونا خدا اپنی قدرت اور اپنی حکمت کو، اُنہی باتوں میں جو انسان روزمرہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں ظاہر کرتا ہی، مگر انسان کا خیال اُسپر قناعت نہیں کرتا اور دور از کار باتوں کو پسند کرتا ہے +

تیسرا شبہ یہ کرینگے کہ "کذلک یحیی اللہ الموتیٰ"، کے قبل ہکو یہ جملہ کہ " فاظہرہ اللہ " مقدر ماننا پڑیگا، مگر یہ جملہ نہ خلاف عقل ہے نہ خلاف قرآن، اور نہ خلاف سیاق کلام خدا، کیونکہ خود خدانے فرمایا ہے، واللہ مخرج، برخلاف اُس پہلے

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۷۹) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (۸۰) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

پھر تم ہی وہ ہو کہ مار ڈالتے ہو اپنے لوگوں کو اور نکال دیتے ہو اپنے گروہ کو اُنکے گھروں سے اُنپر گناہ اور زیادتی سے ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہو اور اگر وہ غیر قوم کے قیدی ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو فدیہ دیکر چھوڑ لیتے ہو اور اُنکا نکالدینا بھی تو تمپر حرام ہے پھر کیا ایمان لاتے ہو کتاب کے ایک ٹکڑے پر اور انکار کرتے ہو اُسکے دوسرے ٹکڑے سے پھر کیا سزا ہے اُس شخص کی جو تم میں سے ایسا کرے بجز خواری کے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن سخت تر عذاب میں ڈالے جاویں اور جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے خدا بیخبر نہیں ہے (۷۹) یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے لیلیا ہے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے پھر نہ اُنپر سے عذاب کی تخفیف ہوگی اور نہ اُنکی مدد کیجاویگی (۸۰) اور بے شبہ ہمنے دی موسیٰ کو کتاب اور اُسکے بعد پے در پے بھیجے ہمنے پیغمبر اور ہمنے دیں عیسےٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں

جملے کے کہ نہ وہ زمین کا ہے نہ آسمان کا ؛

(۸۱) (وآتینا عیسی ابن مریم البینٰت) بینات صفت ہے اور جہاں صرف لفظ بینات ہے وہاں اُسکا موصوف جسکی وہ صفت ہے مقدر ہے، پس خدا کے کلام پر غور کرکر موصوف مقدر کو قرار دینا چاہیے، خدا کے کلام میں ہمیشہ بینات کا موصوف

وَاَیَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ	اور ہمنے اُسکی تایید کی روح قدس سے

آیات کا لفظ آیا ہے، جیسیکہ اسی سورہ میں آنحضرت صلعم کی نسبت فرمایا ہے "ولقد انزلنا الیک اٰیات بیّنات" اسلیئے جو معنی آیات بیّنات کے ہیں وہی معنی صرف بیّنات کے بھی ہیں، کیونکہ آیات اُسکا موصوف وہاں مقدر ہے، اور جو مراد لفظ بیّنات سے ہے، مع اُس صفت کے جسپر لفظ بیّنات دلالت کرتا ہے۔

(آیہ) کے معنی لغت میں علامت یعنی نشانی کے ہیں، اور علامت ہمیشہ اُسپر جسکی وہ نشانی ہے دلالت کرتی ہے، پس آیت کے معنی دلالت کرنیوالے کے ہوتے جیسے کہ امام فخرالدین رازی نے بھی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھا ہے، "ان الآیہ ھی الدالۃ" اور جوکہ قرآن مجید کے فقرے بھی خدا کی وحدانیت اور انبیاء کی نبوت اور احکام شریعت پر دلالت کرتے ہیں، اسلیئے اُسکے ہر فقرہ کو بھی آیت کہتے ہیں جیسیکہ تفسیر معالم التنزیل میں، "ولقد انزلنا الیک اٰیات بیّنات"، کی تفسیر میں لکھا ہے، "واضحات مفصلات بالحلال والحرام والحدود والاحکام"، اور جبکہ فقرات قرآن پر اسلیئے کہ وہ احکام پر دلالت کرتے ہیں آیات کا اطلاق ہوا، تو آیات سے خود احکام بھی جو اُس شخص کے وجود اور عظمت وجلال اور قدرت وسطوت واختیار پر دلالت کرتے ہیں جسنے وہ احکام صادر کیئے ہیں مراد لیئے جاسکتے ہیں، درحقیقت آیات کے لفظ سے قرآن مجید کی آیتیں یا احکام جو خدا نے اُن آیتوں میں نازل فرمائے ہیں مراد لینا ایک ہی بات ہے ؂

قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال کبھی تو خدا کی جانب سے ہوا ہے، جیسیکہ اس آیت میں، "ولقد انزلنا الیک اٰیات بیّنات" اور کبھی بطور قول کفار یا اہل الکتاب کے ہوا ہے، جیسیکہ اس آیت میں ہے، "وقالوا لولا یاتینا بایۃ من ربہ"، پس جہاں قرآن میں اس لفظ یعنی آیت، یا آیات، یا بیّنات، یا آیات بیّنات، کا استعمال خدا کی جانب سے ہوا ہے، اُس سے ہمیشہ وہ احکام یا نصایح اور مواعظ مراد ہیں، جو خداتعالیٰ نے

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨١﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٢﴾

کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمھارے پاس وہ چیز لایا جسکو تمھارا جی نہ چاہتا تھا تو تمنے اُس سے سرکشی نہیں کی پھر ایک گروہ کو تمنے جھٹلایا اور ایک گروہ کو تمنے مار ڈالا (۸۱) اور بولے کہ ہمارے دل (ایمان سے) ڈھکے ہوئے ہیں (نہیں) بلکہ اُنپر اُنکے کفر کے سبب اللہ نے لعنت کی ہی پس ذرا بھی ایمان نہ لائینگے (۸۲)

بذریعہ اپنے کلام یا وحی کے انبیا پر نازل فرمائے ہیں، اُن احکام و مواعظ میں سے بعضے خفی ہیں جنکی حکمت بہ تامل و تدقیق نظر سمجھ میں آتی ہی، اور بعضے ایسے ہیں جو نہایت صاف اور واضح بدیہی ہیں، اسی لیئے خدا نے کبھی صرف آیات سے اور کبھی آیات بیّنات سے اور کبھی زیادہ تر بدیہی ہونے کے سبب صرف بیّنات سے اُنکو تعبیر کیا ہے +

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ہم آیات بیّنات سے جہانکہ وہ خدا کی طرف سے بولا گیا ہی، وہ چیز مراد نہیں لیتے جسکو لوگ معجزہ یا معجزات کہتے ہیں، گو مفسرین نے اکثر مقامات میں بلکہ قریبًا کل مقامات میں ان الفاظ سے معجزات ہی مراد لیئے ہیں مگر یہ غلطی ہے، معجزہ پر آیت یا آیات کا اطلاق ہو نہیں سکتا، کیونکہ معجزہ امر مطلوب پر یعنی اثبات نبوت یا خدا کی طرف سے ہونے پر دلالت نہیں کرتا، اور نہ وہ بصفت بیّنات موصوف ہو سکتا ہی، اسلیئے کہ اُسمیں اگر وہ ہو بھی تو بھی کوئی ایسی وضاحت جس سے اُسکا حق اور وقعی ہونا اور خدا کی طرف سے ہونا پایا جاوے کبھی نہیں ہوتی صرف احکام ہی ہیں جو بیّنات کی صفت سے موصوف ہو سکتے ہیں +

معجزہ نبوت کے ثبوت کی کیونکر دلیل ہو سکتا ہی، اثبات نبوت کے لیئے اول خدا کا

+ تقدیرہ فقلیلا ما یؤمنون، ای ایمانا قلیلا یؤمنون، وما صلۃ او ایمانا قلیلا یؤمنون اکثر ویقول ملایؤمنون بقلیل ولا بکثیر تفسیر کبیر ۲ اص

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۸۳) بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (۸۴)

اور جب اُنکے لیئے اللہ کے پاس سے کتاب (یعنی قرآن) آئی سچ بتانیوالی اُس چیز کو جو اُنکے پاس ہی حالانکہ اُس سے پہلے (اُسی سے) اُن لوگوں پر جو کافر تھے فتح پانی چاہتے تھے، پھر جب اُنکے پاس آئی وہ چیز جسکو وہ جانتے تھے اُس سے انکار کیا پس لعنت ہی خدا کی انکار کرنے والوں پر (۸۳) بُری چیز ہی جو کچھ کہ آپ اُنھوں نے اپنے لیئے مول لی کہ انکار کریں اُس چیز سے (یعنی قرآن سے) جسکو خدا نے بھیجا ہی اس ضد سے کہ خدا اُسکو بھیجے اپنی فضل سی اپنی بندوں میں سے جسپر چاہی، پھر مستحق ہوئے غصہ پر غصہ کے اور کافروں کیلیئے سخت عذاب ہی (۸۴)

وجود اور اُسکا متکلم ہونا اور اُسمیں اپنے ارادہ سے کام کرنیکی قدرت کا ہونا اور اُسکا تمام بندوں کا مالک ہونا ثابت کرنا چاہیئے۔ پھر اسکا ثبوت چاہیئے کہ وہ اپنی طرف سے رسول و پیغمبر بھیجا کرتا ہی، پھر یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ جو شخص دعوے نبوت کرتا ہے وہ درحقیقت اُسکا بھیجا ہوا ہی۔ ہم پہلی دو باتوں سے قطع نظر کرتے ہیں کیونکہ کہا جا سکتا ہی کہ قرآن مجید میں ایسے مقامات پر اکثر اہل کتاب مخاطب ہیں جو اُن دونو پہلی باتوں کو مانتے تھے، اور اس لیئے معجزات سی صرف تیسری بات کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے ؛

مگر وہ تیسری بات بھی معجزے سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ قاضی ابی الولید محمد بن رُشد نے اپنی کتاب میں جسکا نام ،،کتاب الکشف عن مناہج الادلۃ فی عقائد الملۃ،، ہے بعثت انبیاء پر نہایت لطیف مباحثہ لکھا ہی، جسکا ماحصل ہم بھی اس مقام پر لکھتے ہیں، اُنھوں نے لکھا ہی کہ خدا کی طرف سے رسولوں کے آنے میں دو

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور جب اُنسے کہا جاتا ہی کہ اُس چیز پر ایمان لاؤ جو خدا نے بھیجی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسپر ایمان لاتے ہیں جو ہمپر اُتری ہی اور اُسکے سوا کسی کو نہیں مانتے حالانکہ وہ سچ ہی اور سچ بتاتی ہی اُس چیز کو جو اُنکے پاس ہی اے محمد تو اُنسے کہہ دے کہ اگر تم اُسی کو مانتے ہو جو تمھارے پاس ہی تو پھر تمنے کس لیئے اگلے زمانہ میں اللہ کے نبیوں کو مار ڈالا اگر ایمان والے تھے (۸۵)

چیزیں غور طلب ہیں۔ اول رسول کے ہونیکا ثبوت۔ دوسرے وہ چیز جس سے ظاہر ہو کہ یہ شخص جو رسول ہونیکا دعوی کرتا ہی رسولوں میں سے ایک رسول ہی، اور اپنے دعوے میں جھوٹا نہیں ہی۔ انسانوں میں سے ایسے انسان کے ہونے پر متکلمین نے دنیا کے حالات پر قیاس کر کر استدلال کیا ہی، وہ کہتے ہیں کہ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہی، کہ اللہ تعالی متکلم ہی اور صاحب ارادہ، اور بندوں کا مالک، اور دنیا میں دیکھا جاتا ہی کہ ایسا شخص مجاز ہی کہ اپنے مملوک بندوں کے پاس اپنا ایلچی یا رسول بھیجے، تو خدا کی نسبت بھی ممکن ہی کہ اپنے بندوں پاس اپنا رسول بھیجے۔ اور یہ بات بھی دنیا میں دیکھی جاتی ہی کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا ایلچی ہوں اور بادشاہی نشانیاں اُسکے پاس ہیں تو واجب ہوتا ہے کہ اُسکا ایلچی ہونا قبول کیا جاوے۔ متکلمین کہتے ہیں کہ یہ نشانیاں رسولوں کے ہاتھ سے معجزوں کا ہونا ہے ✣

ابن رُشد فرماتے ہیں کہ یہ دلیل عام لوگوں کے لیئے کسیقدر مناسب ہو، مگر جب غور سے دیکھا جاوے تو ٹھیک نہیں ہی، کیونکہ جو شخص بادشاہ کے ایلچی ہونیکا دعوی کرتا ہے اُسوقت تک اُسکو سچا نہیں مانا جا سکتا جبتک کہ یہ نہ معلوم ہو کہ جو

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۸۶﴾	بیشک تمھارے پاس موسےٰ کھلی ہوئی نشانیاں لیکر آیا پھر اُسکے بعد تمنے بچھڑا بنالیا اور تم ظالم ہو (۸۶)

نشانیاں وہ دکھاتا ہو وہی نشانیاں بادشاہ کے ایلچی ہونے کی ہیں، اور یہ بات دو طرح سے ہوسکتی ہی یا تو خود بادشاہ نے اپنی رعیت سے کہدیا ہوگا کہ جس شخص کے پاس تم میری ان خاص نشانیوں کو دیکھو تو اُسکو میرا رسول یا ایلچی جانو، یا بادشاہ کی عادت سے یہ بات معلوم ہوگئی ہو کہ وہ ایسی نشانیاں بجز اپنے ایلچی یا رسول کے اور کسی کو نہیں دیتا۔ جبکہ یہ بات ہی تو کوئی کہہ سکتا ہی کہ یہ بات کہاں سے معلوم ہوگی کہ بعض انسان کے ہاتھ سے معجزوں کا ہونا رسول ہونے کی خاص نشانی ہی، کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، یا یہ بات شرع سے جانی گئی ہوگی یا عقل سے، شرع سے جاننا تو غیر ممکن ہی، کیونکہ شرع تو رسول ثابت ہونے کے بعد ٹھہریگی اور ابتک رسول ہونا ہی ثابت نہیں ہوا ہی اور عقلاً بھی اسبات کا قرار دینا کہ یہ نشانیاں مخصوص رسولوں کی ہیں غیر ممکن ہی ہاں اگر وہ نشانیاں بہت سی دفعہ اُنہی لوگوں سے ظاہر ہوتیں جو رسول ہونیکا دعوی کرتے ہیں اور اُنکے سوا اور کسی سے نہیں ہوتیں تو جو لوگ رسولوں کے ہونے کو مانتے ہیں اُنکے لیئے دلیل ہوسکتی، اور اُسوقت یہ کہا جا سکتا کہ اس شخص نے جو رسول ہونیکا دعوی کرتا ہی معجزے دکھلائے ہیں، اور جو شخص کہ معجزے دکھاتا ہی وہ رسول ہوتا ہے، اور اسلیئے یہ شخص بھی رسول ہی۔ مگر یہ ماننا کہ اس شخص نے جو رسول ہونیکا دعوی کرتا ہی معجزے دکھلائے ہیں، اُسیوقت ہوسکتا ہی جبکہ اول تسلیم کرلیا جاوے کہ ایسی باتیں انسان سے ہوسکتی ہیں، اور درحقیقت اُنکا ہونا بجز بی محسوس ہوا ہو، اور یقین ہوگیا ہو کہ وہ کسی لاگ اور کسی حکمت سے اور خواص اشیاء سے نہیں ہوئیں اور جو دکھائی دیا ہی وہ ذھت بندی نہ تھی، بلکہ حقیقت میں واقع ہوا ہی۔ اور یہ کہنا

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸۷﴾

اور (یاد کرو) جب ہمنے تم سے قرار لیا اور ہمنے تمپر طور کو اونچا کیا کہ مضبوط پکڑو اس چیز کو جو ہمنے تمکو دی ہے اور (اسکو) مانو، (اپنی زبان سے تو انھوں نے) کہا کہ ہمنے مانا مگر انکی زبان حال اور کردار نے کہا کہ ہمنے نہ مانا اور انکے دلوں میں پلا دیگئی تھی بچھڑے کی (محبت) انکے کفر کے سبب کہدے بری بات ہے جسکے کرنے کو تمھارا ایمان تمکو حکم دیتا ہے اگر تم ایمان والے ہو (۸۷)

کہ جو شخص معجزے دکھاتا ہے وہ رسول ہوتا ہے، جب صحیح ہوگا کہ پہلے رسولوں کا وجود اور یہ بات کہ وہ معجزے بجز رسولوں کے اور کسی نے نہیں دکھائے مان لیا جاوے، کیونکہ اس قسم کی منطقی دلیل کا جسمیں دو مقدمے ملا کر نتیجہ نکالا جاتا ہے یہ خاصہ ہے کہ دونوں مقدمے مان لیئے گئے ہوں، مثلاً جس شخص کے سامنے یہ دلیل کیجاوے کہ العالم محدث، تو ضرور ہے کہ اسکو یہ بات معلوم ہو کہ عالم موجود ہے اور محدث بھی ہے، پس اب ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ یہ بات کہ جو شخص معجزے دکھاتا ہے وہ رسول ہوتا ہے کہاں سے ثابت ہوئی ہے، کیونکہ ابتک رسالت ہی کا وجود ثابت نہیں ہوا ہے (اور دو مقدموں کو ملا کر نتیجہ نکالنے کیلئے اول اُن دونو کا ثابت ہوجانا ضرور تھا) اور یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ جب رسولوں کا ہونا عقلاً ممکن ہے تو انکے ہونے پر عقل دلالت کرتی ہے، کیونکہ وہ امکان اس قسم کا امکان نہیں ہے جو موجودات کی طبیعت میں پایا جاتا ہے جسطرح کہ ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مینھ برسے اور نہ برسے، اسلیئے کہ جو امکان موجودات کی طبیعت میں مانا جاتا ہے وہ اسلیئے مانا جاتا ہے کہ وہ شی کبھی موجود ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی، جیسیکہ مینھ کا حال ہے کہ کبھی برستا ہے اور کبھی نہیں برستا، اور اسلیئے عقل بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات کہتی ہے کہ مینھ کا برسنا ممکن ہے۔ اور واجب کا حال اسکے برخلاف ہے اور وہ

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۸﴾	کہہ دے کہ اگر آخرت کا گھر خدا کے نزدیک اور لوگوں کے سوا بالتخصیص تمہارے ہی لیئے ہو تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو (۸۸)

وہ ہے جو ہمیشہ موجود اور محسوس ہو، اور اسلیئے اُسکی نسبت عقل لطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات کہتی ہے کہ اُسکا متغیر ہونا اور بدلا جانا ممکن نہیں، پس جو شخص کسی ایک رسول کے ہونیکا بھی قائل ہو گیا ہو تو اُسکے مقابل میں کہا جاسکتا ہے کہ رسولوں کا ہونا ممکن ہی، مگر جو شخص رسول ہونیکا قائل ہی نہ ہو تو اُسکے مقابل میں اُسکا امکان کہنا جہالت ہے، اور لوگوں کی طرف سے ایلچی کا ہونا ممکن مانا گیا ہے تو اس سبب سے مانا گیا ہی کہ اُنکے ایلچیوں کا وجود ہمنے پایا ہی، اگر یہ کہا جاوے کہ لوگوں کی طرف سے ایلچیوں سے وجود کا ہونا اس بات کی دلیل ہی کہ خدا کی طرف سے بھی رسولوں کا ہونا ممکن ہو، جیسیکہ عمرو کے ایلچی کا ہونا اس بات کی دلیل ہی کہ زید کی طرف سے بھی ایلچی کا ہونا ممکن ہی، تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہوگا اسلیئے کہ ایسی صورت میں عمرو اور زید دونوں کی طبیعتوں کا مساوی ہونا ضرور ہی، اور یہ مساوات خدا اور بندوں میں نہیں ہی، اور اگر آیندہ کے لیئے رسول ہونیکا امکان فی نفسہ مان لیا جاوے، تو یہ تسلیم ایک امکانی امر کی تسلیم ہوگی نہ اُسکے وقوع کی، اور یہ نہ معلوم ہوگا کہ اُسنے بھیجا بھی ہی یا نہیں، جیسیکہ اس بات میں شک ہوتا ہی کہ عمرو نے کسی گذشتہ زمانہ میں ایلچی بھیجا یا نہیں اور آیندہ زمانے میں بھیجنے میں شک کرنا کہ آیندہ بھی وہ بھیجیگا یا نہیں گذشتہ زمانے کے شک کرنے سے بالکل مختلف ہی پھر جب ہمکو یہ بات معلوم ہوئی کہ زید نے گذشتہ زمانہ میں کوئی ایلچی بھیجا ہے یا نہیں تو ہمکو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ جسکے پاس زید کی نشانیاں ہیں وہ زید کا ایلچی ہے جبتک کہ ہم یہ نہ جان لیں کہ یہ نشانیاں اُسکے ایلچی ہونے کی نشانیاں ہیں، اور یہ بات جب ہوگی جب ہم جان چکے ہوں کہ اُسنے اپنا ایلچی بھیجا ہی، پس جبکہ ہمنے یہ تسلیم بھی کر لیا کہ رسالت ہوتی ہے اور معجزے بھی ہوتے ہیں، تو کسطرح ہمکو یہ بات معلوم

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾	اور ہرگز کبھی اُسکی آرزو نکرینگے اُسکے سبب سے جو اُنکے ہاتھوں نے پیش کیا ہی (یعنی بسبب اپنے اعمال بد کے) اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو (۸۹)

نہوگی کہ جسنے وہ معجزے دکھائے ہیں وہ رسول ہے۔ کیونکہ اُسکے رسول ہونیکا ثبوت خدا کی طرف سے تو اُسوقت تک نہیں ہو سکتا جبتک کہ اُسکا رسول ہونا ثابت نہولے ورنہ تصحیح الشئی بنفسہ لازم آتی ہے جو باطل ہے اور تجربہ اور عادت سے بھی اُسکے رسول ہونیکا ثبوت نہیں ہو سکنے کا بجز اسکے کہ معجزے رسول ہی دکھایا کریں اور کوئی نہ دکھا سکے حالانکہ خرق عادت جسکا ایک نام معجزہ بھی ہی رسول اور غیر رسول دونوں دکھا سکتے ہیں۔ ان تمام مشکلات کے سبب متکلمین نے اُن سب باتوں کو چھوڑ کر صرف یہ بات کہی کہ جس شخص کے پاس معجز یعنے عاجز کرنے والی چیز ہو وہ رسول ہی، مگر یہ بھی صحیح نہوگا بجز اسکے کہ وہ شئے معجز فی نفسہ رسالت اور رسول پر دلالت نہ کرے، اور عقل میں یہ قوت نہیں کہ وہ جب کوئی عجیب خرق عادت دیکھے تو یہ جان لے کہ وہ ربانی ہی اور رسالت پر دلیل قاطع، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ دیکھنے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس شخص سے یہ خرق عادت ہوئی ہے، وہ ایک بڑا شخص ہے، اور بڑا شخص جھوٹ نہیں بولیگا، بلکہ اُسکے رسول ماننے کو یہ بھی کافی نہوگا جبتک کہ یہ بھی نہ مان لیا جائے کہ رسالت درحقیقت ایک چیز ہے، اور ایسی خرق عادت بجز رسول کے اور کسی بڑے شخص سے نہیں ہوتی۔ شئے معجز بھی رسالت پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ عقل نہیں جان سکتی کہ رسالت اور شئے معجز میں کیا علاقہ ہی، جبتک یہ نہ مان لیا جاوے کہ اعجاز، رسالت کے افعال میں سے ایک فعل ہے، جیسیکہ بیمار کا اچھا کرنا طب کے افعال میں سے ایک فعل ہی، اور جو شخص بیمار کو اچھا کر دیتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ طب کا وجود ہی، اور یہ شخص طبیب ہی، پس یہ تمام دلیلیں بودی ہیں۔ اور اگر ہم بطور تنزل کے رسالت کے امکان لغوی کو

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾

اور بیشک تو اُنکو پاویگا سب آدمیوں سے زیادہ حریص زندگی پر، اور اُن لوگوں سے بھی زیادہ تر (حریص) جو مشرک ہیں، ہر ایک اُنمیں کا چاہتا ہے کہ کاش اُسکو ہزار برس کی عمر دیجاوے اور لمبی عمر† ہونا بھی اُسکو عذاب سے بچانیوالا نہیں، اور اللہ دیکھتا ہی جو کچھ وہ کرتے ہیں (۹۰)

امکان و توعی فرض کرلیں اور معجزہ کو بھی اُس شخص کے سچا ہونے کی دلیل مان لیں جو رسالت کا دعوی کرتا ہے، تو بھی اُن لوگوں کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ رسول کے سوا اور سے بھی شئے معجز ظاہر ہوتی ہے، رسالت پر معجزہ کی دلالت لازمی نہیں ہونے کی، اور متکلمین اس بات کے قائل ہیں کہ شئے معجز کبھی جادوگر سے اور ولی سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس مقام پر جو اُنھوں نے یہ شرط لگائی ہے، کہ شئے معجز اُسی وقت رسالت پر دلالت کرتی ہے، جبکہ وہ رسالت کے دعوی سے مقارن ہو، اور جو شخص رسول نہیں ہے اور وہ یہ دعوی کرے کہ میں رسول ہوں شئے معجز کو دکھانا چاہے تو نہ دکھا سکے گا، یہ ایک ایسی بات ہے جسپر کوئی دلیل نہیں، نہ تو اُسکا نشان منقولات میں پایا جاتا ہے اور نہ عقل سے معلوم ہو سکتا ہے، اور یہ کہنا کہ شئے معجز ایک بڑے شخص سے ظاہر ہوتی ہے، اور جو شخص جھوٹا دعوی کرے وہ بڑا شخص نہیں ہے، اور اسلیئے اُس سے ظاہر نہ ہوگی، اسلیئے غلط ہوجاتا ہے کہ متکلمین جادوگر سے شئے معجز کا ظاہر ہونا تسلیم کرتے ہیں، اور جادوگر بڑا شخص تسلیم نہیں کیا جا سکتا ✦

اِن سب خرابیوں پر خیال کرکے بعض لوگوں نے یہ کہا ہے، کہ یہ اعتقاد ٹھیک ہے کہ خرق عادت بجز انبیا کے اور کسی سے نہیں ہوتا، اور سحر صرف ایک

† والضمیر (ای ضمیر ھو) ✦✦ لما دل علیہ یعمر وان یعمر بدل منہ (بیضاوی)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾

کہہ دے جو کوئی دشمن ہی جبرئیل کا کیونکہ اُسنے ڈالا ہی تیرے دل پر اللہ کے حکم سے (وہ کلام جو) سچ بتاتا ہو اُس چیز کو جو اُس سے پیشتر ہی اور ہدایت اور خوشخبری ہو ایمان والوں کیلیئے (۹۱)

دھشت بندی ہی، نہ قلب عین شے یعنی معجزہ سے لکڑی سچ مچ کا سانپ بنجاتی ہے، اور سحر سے وہ سانپ نہیں بنتی، بلکہ لوگوں کو سانپ دکھائی دیتی ہی۔ اور اسی وجہ سے اُن لوگوں نے کرامات اولیاء سے انکار کیا ہی (واضح ہو کہ اسی خیال پر شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ بالغہ میں کرامات اولیاء سے انکار کیا ہی) مگر قاضی ابن رشد اس اعتقاد کی بھی تردید کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تم کو رسول خدا صلعم کے حال سے ظاہر ہوگا، کہ آنحضرت نے نہ کسی ایک شخص کے اور نہ کسی ایک گروہ کے ایمان پر دعوت کرتے وقت یہ نہیں کیا، کہ اُس سے پہلے اُسکے سامنے کوئی خرق عادت کی ہو، اور ایک چیز کو دوسری چیز میں بدل دیا ہو یعنی لکڑی کا سانپ اور سانپ کی لکڑی، اور سونے کو مٹی اور مٹی کو سونا بنا دیا ہو، اور اسلام لانے کی دعوت کے وقت کوئی کرامات اور کوئی خوارق عادات آنحضرت صلعم سے ظاہر نہیں ہوئی، اگر ظاہر ہوئی ہی تو معمولی حالات میں، بغیر اسکے کہ کرامات یا خرق عادت کا دعویٰ کیا ہو، اور اسکا ثبوت خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہی جہاں خدا نے آنحضرت صلعم سے فرمایا ہی کہ، کافر کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لانیکے

وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما

جبتک کہ تو زمین پھاڑ کر ہمارے لیئے چشمے نہ نکالے یا تیرے پاس کھجور و انگور کا باغ نہو جسکے بیچ میں تو بہتی ہوئی نہریں نہ نکالے زور سے بہتی، یا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے نہ ڈالے، یا خدا اور فرشتوں کو اپنے ساتھ نہ لاوے یا تیرے لیئے کوئی مزین گھر نہو، یا تو آسمان پر چڑھ

جو شخص خدا کا دشمن ہے	مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ

زعمت علینا کسفا او تأتی بالله والملائکة قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤه قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا۔
وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بها الاولون ؛

نچاوے، اور ہم تو تیرے منتر پر ہرگز ایمان نہیں لاوینگے، جبتک کہ ہم پر ایسی کتاب نہ اُترے جو ہم پڑھ لیں (اسپر خدا اپنے پیغمبر سے کہتا ہو کہ) تو اُنسے کہدے، کہ پاک ہی میرا پروردگار میں تو کچھ نہیں ہوں مگر رسول (اور خدا نے فرمایا کہ) نہیں روکا ہمکو آیات کے بھیجنے سے مگر یہ کہ جھٹلایا اُنکو اگلوں نے ؛

غرضکہ قاضی ابن رشد نے معجزات کو مثبت نبوت قرار نہیں دیا، اور اُسکے بعد صرف قرآن کو مثبت نبوت قرار دیا ہو، اور قریبًا قریبًا وہی لکھا ہے † جو اس بحث میں ہم لکھ چکے ہیں، مگر وہ بحث اس مقام سے متعلق نہیں ہو۔ قاضی ابن رشد نے جو اتنی بڑی بحث لکھی ہو اُسکا حاصل یہ ہو، کہ اگر خدا کو موجود و مرید و متکلم و قادر و مالک عباد تسلیم بھی کرلیا جاوے، اور یہ بھی مان لیا جاوے کہ وہ رسول بھی بھیجا کرتا ہے، اور معجزات کا بھی وقوع قبول کرلیا جاوے، تب بھی معجزات کے وقوع سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، کہ وہ شخص خدا کا رسول ہے، مختصر طور پر اسکی یہ دلیلیں ہیں ؛

(۱) جو امر کہ واقع ہوا اُسکی نسبت اُس امر کے لزوم کا ثبوت نہیں ہوتا کہ جس شخص سے وہ واقع ہو وہ رسول ہوتا ہے ؛

(۲) کوئی خرق عادت ایسی معلوم نہیں ہو جو بطور خاصہ رسولوں سے مخصوص ہو ؛

(۳) کچھ ثبوت نہیں ہے کہ خرق عادت سے رسالت کو کیا تعلق ہے ؛

(۴) اسکا ثبوت نہیں ہوتا کہ اُسکا وقوع قانون قدرت کے مطابق نہیں

† دیکھو صفحہ ۳۵ لغایت ۴۰

وملائکتہ	اور اُسکے فرشتوں کا

ہوا کیونکہ بہت سے عجائبات اب بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں جو فی الحقیقت اُنکا وقوع قانون قدرت کے مطابق ہوتا ہے مگر وہ قانون ابھی لامعلوم ہے ؛

(۵) اسکا کچھ ثبوت نہیں ہوتا کہ جو امر واقع ہوا وہ خواص نفس انسانی سے جو ہر ایک انسان میں ہے کچھ تعلق نہیں رکھتا ؛

(۶) غیر انبیاء سے جو امور خرق عادت کے واقع ہوتے ہیں اور جو انبیاء سے واقع ہوتے ہیں اُن دونوں میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے ؛

(۷) یہاں تک کہ اہل ہنر سے جو امور واقع ہوتے ہیں اُن میں خرق عادت میں امتیاز نہایت ہی مشکل ہوتا ہے ؛

کوئی معترض غلطی سے کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جسطرح آیات بینات کا اطلاق قرآن کی آیتوں یا احکام ونصایح ومواعظ قرآنی پر ہوا ہے اسی طرح معجزات پر ہوا ہے اور وہ آیتیں قرآن کی غلط فہمی سے اسکی دلیل میں پیش کر سکتا ہے پس مناسب ہے کہ ہم اس مقام پر بتا دیں کہ اُن آیتوں میں سے آیات بینات سے معجزے مراد نہیں ہیں ؛

پہلی آیت سورۂ مائدہ کی ہے جہاں خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی نسبت فرمایا ہے کہ ،، اذ ایدتک بروح القدس تکلم الناس فی المھد وکھلا ۔ واذ علمتک الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل ۔ واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرًا باذنی وتبرئ الاکمہ والابرص باذنی ۔ واذ تخرج الموتیٰ باذنی ۔ واذ کففت بنی اسرائیل عنک اذ جئتھم بالبینات فقال الذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر مبین ،، اس آیت میں مفسرین کے نزدیک حضرت عیسیٰ کے معجزات کا بیان ہے اور پھر کہا گیا ہے کہ کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ، اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بینات سے جو اس

وَرُسُلِهٖ	اور اُسکے رسولوں کا

آیت میں ہے معجزے مراد ہیں جنکو کافروں نے جادو کہا۔ صاحب تفسیر بیضاوی نے بھی ہٰذا کا اشارہ ،، الذی جئتـبہ ،، کی طرف کیا ہے جس سے صاحب بیضاوی کے نزدیک بھی اسجگہہ بیّنات سے معجزے مراد ہیں ؛

مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے، اول تو ان ہٰذا کا مشار الیہ الذی جئت بہ ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ ظرف واقع ہوا ہے کففت کا جیسیکہ خود صاحب بیضاوی نے بھی اسکو تسلیم کیا ہے، پس ان ہٰذا کا مشار الیہ ما بہ کففت ہے نہ الذی جئت بہ، کیونکہ اذ جئتہم ظرف اور جزو زائد ہے جو کلام میں مقصود بالذات نہیں ہوتا، اور کففت خود فعل مسند ہے جو مقصود بالذات ہے اور اسلیئے ہٰذا کا اشارہ اُسکی طرف اولیٰ ہے غرضکہ حضرت عیسیٰ کا بنی اسرائیل کے حملہ سے بچ جانے کو جو انھوں نے اُنکے قتل کا ارادہ سے اُسوقت کیا تھا جبکہ وہ احکام خدا اُنکو سنا رہے تھے کافروں نے کھلا ہوا جادو بتایا، بیّنات کے لفظ سے اُسکو کچھ تعلق نہیں ہے +

دوسرے یہ کہ جب سادے طور سے تمام اِس آیت پر نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ پر جو اکرام کیئے تھے اُنکو اذ اذکر کر بیان کیا ہے، اور اخیر کو جو قول کافروں کا تھا اُسکا ذکر کیا ہے، پس وہ قول اُنہی چیزوں سے متعلق ہے جنسے کہ وہ متعلق ہو سکتا ہے نہ یہ کہ اُس سے کوئی خاص معنی لفظ بیّنات کے ثابت ہو سکتے ہیں +

دوسری آیت سورہ بنی اسرائیل کی ہے، جہاں خدا نے فرمایا ہے،، وما منعنا ان نرسل بالأیات الا ان کذب بھا الاولون، وأتینا ثمود الناقة مبصرة فظلموا بھا وما نرسل بالأیات الا تخویفا،، اِس آیت سے قاضی ابن رشد نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ادعاے نبوت کے ساتھ کوئی معجزہ کسی کو نہیں دکھلایا جیسیکہ اوپر بیان ہوا ہے، اور اِس سے پایا جاتا ہے، کہ قاضی ابن رشد نے اِس

وَجِبْرِيْلَ	اور جبریل

آیت میں جو لفظ ،، آیات ،، ہے اُس سے معجزات مراد لیئے ہیں۔ صاحب تفسیر بیضاوی نے بھی یہ سمجھا ہو کہ جو معجزات قریش نے طلب کیئے تھے اس آیت میں لفظ بینات سے وہ ہی معجزے مراد ہیں ؛

مگر اس تفسیر میں چند نقصان ہیں، اول تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ خدا نے لوگوں کی نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں معجزوں کا بھیجنا بند کر دیا۔ دوسرے یہ کہ آدم سے عیسیٰ تک برابر کیوں بھیجتا رہا۔ اور کیوں اگلوں کو ایسی بیرحمی سے غارت کرتا رہا، اسلیئے میری سمجھ میں اس مقام پر بھی آیات کے معنی معجزات کے لینا صحیح نہیں، یہاں بھی احکام کے ہی معنی ہیں، جو حکم خاص کسی کو یا کسی قوم کو دیا گیا ہو وہ بھی آیت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ جیسیکہ سورۂ آل عمران سے ثابت ہوتا ہو کہ حضرت زکریا سے جبکہ خدا نے کہا کہ تیرے بیٹا ہوگا، تو انھوں نے عرض کیا ،، رب اجعل لی اٰیۃ،، یعنی اے پروردگار میرے لیئے خاص آیت یعنی حکم مقرر کر۔ خدا نے کہا ،، اٰیتک الا تکلم الناس ثلثۃ ایام الا رمزا ،، یعنی تیری آیت یعنی تیرے لیئے یہ حکم ہو کہ تین دن تک بجز اشارے کے کسی آدمی سے بات نکر۔ قوم ثمود کو جو احکام حضرت صالح نے نسبت ناقہ کے بتائے اُنکے سبب اُسپر بھی آیت کا اطلاق ہوا ہو جہاں خدا نے فرمایا ہو ،، ھٰذہ ناقۃ اللہ لکم اٰیۃ ،، کیونکہ وہ اونٹنی فی نفسہ کوئی معجزہ نہ تھی ؛

پس اب اس آیت پر غور کرنا چاہیئے جسپر بحث ہو خدا تعالیٰ نے تمام قرآن میں کوئی حکم خاص نسبت کسی شخص کے یا خاص کسی قوم کے مخصوص نہیں کیا ہو، بلکہ تمام انسانوں کے لیئے یکساں حکم ہیں، اور نہ کسی حکم میں کوئی خاص بات یا کسی امر کی نشانی کا ہونا بتایا ہو، برخلاف اسکے بعضی اگلی امتوں پر بعض احکام خاص خاص بطور نشانی کے تھے، پس خدا فرماتا ہو کہ ہمنے وہ احکام اسلیئے نہیں بھیجے کہ اگلی قومیں جن پر وہ احکام تھے وہ اُسکو بجا نہیں لاسکیں۔ اور اُسی کے ساتھ بطور تمثیل کے قوم ثمود کا ذکر آیا ہے

وَمِیْکٰلَ	اور میکائیل کا

جنکو حکم تھا کہ اونٹنی کو کھاتا پیتا پڑا پھرنے دیں، اور کسی طرح ستاویں نہیں، اور پھر اخیر کو بتا دیا کہ وہ خاص احکام صرف ڈر قائم رکھنے کیلیئے تھے نہ مقصود بالذات ÷

(۹۲) وجبریل ومیکال یہودیوں نے فرشتوں کے لیئے نام مقرر کیئے تھے اور انکے ہاں سات فرشتے نہایت مشہور فرشتوں میں ہیں، مگر اسکا ثبوت نہیں ہے کہ کسی نبی نے انکو بتایا تھا، کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحف انبیا میں کوئی صفت صفات باری میں سے کسی خاص لفظ کے ساتھ تعبیر کیگئی تھی، اور پھر رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا، قرآن مجید میں انکا استعمال اُسی طرح پر ہوا ہے جسطرح کہ یہودی خیال کرتے تھے، مگر ہمارے ہاں کے علماء نے بھی یہودیوں کی تقلید سے ان کو فرشتوں کے نام قرار دیئے ہیں، قرآن مجید میں صرف دو فرشتوں یعنی جبرئیل ومیکائیل کا نام آیا ہے، وہ دونوں فرشتے یہودیوں کے ہاں .... بھی اسی نام سے مشہور ہیں، صرف تلفظ کا فرق ہے کیونکہ دونوں نام دراصل عربی نہیں بلکہ عبرانی ہیں ÷

(جبریل) عبری زبان میں اس لفظ کے معنی قوۃ اللہ یا قدرت اللہ کے ہیں یہ لفظ دانیال [1] پیغمبر کی کتاب میں آیا ہے - حضرت دانیال نے سینگدار مینڈھے اور سینگدار بکرے کی لڑائی کا ایک خواب دیکھا تھا، اُسی خواب میں ایک شخص نے دریا کے کنارے سے پکار کر کہا کہ اے جبرئیل اس شخص یعنے دانیال کو اُسکے خواب کی تعبیر سمجھا دے، اور ایک اور دفعہ وہی شخص جسکا نام خواب میں حضرت دانیال نے جبرئیل سنا تھا انکا خواب سمجھانے کو

[1] دانیال باب ۸ ورس ۱۶ و باب ۹ ورس ۲۱

وملئکته	اور اسکے فرشتوں کا

ہوا کیونکہ بہت سے عجائبات اب بھی ایسے ظاہر ہوتے ہیں جو فی الحقیقت اُنکا
وقوع قانون قدرت کے مطابق ہوتا ہے مگر وہ قانون ابھی لا معلوم ہے +

(۵) اسکا کچھ ثبوت نہیں ہوتا کہ جو امر واقع ہوا وہ خواص نفس انسانی سے جو
ہر ایک انسان میں ہے کچھ تعلق نہیں رکھتا +

(۶) غیر انبیا سے جو امور خرق عادت کے واقع ہوتے ہیں اور جو انبیا سے واقع
ہوتے ہیں اُن دونوں میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے +

(۷) یہاں تک کہ اہل ہنر سے جو امور واقع ہوتے ہیں اُن میں و خرق عادت
میں امتیاز نہایت ہی مشکل ہوتا ہے +

کوئی معترض غلطی سے کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جسطرح آیات بینات کا
اطلاق قرآن کی آیتوں یا احکام و نصایح و مواعظ قرآنی پر ہوا ہے اسی طرح
معجزات پر ہوا ہے اور وہ آیتیں قرآن کی غلط فہمی سے اسکی دلیل میں پیش کر
سکتا ہے پس مناسب ہے کہ ہم اس مقام پر بتا دیں کہ اُن آیتوں میں سے آیات
بینات سے معجزے مراد نہیں ہیں +

پہلی آیت سورۂ مائدہ کی ہے جہاں خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی نسبت فرمایا
ہے کہ ,, اذ ایدتک بروح القدس تکلم الناس فی المهد وکهلا ۔ واذ علمتک
الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل ۔ واذ تخلق من الطین کهیئة الطیر
باذنی فتنفخ فیها فتکون طیرا باذنی وتبرئ الاکمه والابرص باذنی ۔ واذ
تخرج الموتی باذنی ۔ واذ کففت بنی اسرائیل عنک اذ جئتهم بالبینات
فقال الذین کفروا منهم ان هذا الا سحر مبین ،، اس آیت میں مفسرین
کے نزدیک حضرت عیسیٰ کے معجزات کا بیان ہے اور پھر کہا گیا ہے کہ کافروں نے
کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بینات سے جو اس

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۳﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۴﴾	اور بیشک ہمنے بھیجی ہیں تیری پاس کھلی ہوئی نشانیاں (یعنی احکام صریح) اور اُنسے انکار نہیں کرتے مگر فاسق (۹۳) اور کیا یہ نہیں ہے، کہ جب کبھی اُنھوں نے (یعنی یہودیوں نے) کبھی عہد کا معاہدہ کیا، تو اُنہی میں سے ایک فریق نے اُسکو پھینک دیا، بلکہ اُنہیں کے اکثر اُسپر یقین ہی نہیں کرتے (۹۴)

میں تکرار کرکے گفتگو کی، تب اُسنے بدنامی کی نالش نہیں ویسی نہ کی، لیکن کہا اللہ تجھے ملامت کرے"۔

بہرحال ہمکو اسمیں کچھ شبہ نہیں ہو کہ جو الفاظ صفات باری پر مستعمل ہوئے تھے آخر کو اُنہی الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے۔ یہودی خیال کرتے تھے کہ میکائیل قوم بنی اسرائیل کا محافظ اور نگہبان ہو، اور جبرئیل کو سمجھتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کا مخالف ہو۔ اس سبب سے جبرئیل کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور اُس سے عداوت رکھتے تھے اُسی کی نسبت خدانے فرمایا ہو کہ جو کوئی جبرئیل کا یا میکائیل کا دشمن ہو بیشک خدا اُسکا دشمن ہو۔ مگر جبرئیل و میکائیل کا اس آیت میں حکایتًا نام ہونے سے اُنکے ایسے وجود واقعی پر جیسا کہ یہودیوں نے اور اُنکی پیروی سے مسلمانوں نے تصور کیا ہو استدلال نہیں ہوسکتا، جیسے کہ فرشتوں کی بحث کے بعد اُسکو بیان کرینگے۔

(ملائکہ) فرشتوں کی نسبت بھی جو بحث ہو وہ نہایت ہی غور طلب ہو، قرآن مجید میں فرشتوں کا ذکر آیا ہو، اور اسلیئے ہر ایک مسلمان کو جو قرآن پر یقین رکھتا ہو فرشتوں کے موجود اور اُنکے مخلوق ہونے پر یقین کرنا ضرور ہو، مگر جہاں تک بحث ہو اسپر بحث ہو کہ وہ کیسی مخلوق ہو† عام خیال مسلمانوں کا اور علماء

† دیکھو صفحہ ۲۰۵۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۵﴾

اور جب کبھی اُنکے پاس خدا کے پاس سے کوئی پیغمبر آیا، اُسچیز کو سچ بتاتا ہوا جو اُنکے پاس ہے تو اُن لوگوں میں کے ایک فریق نے جنکو کتاب کا (علم) دیا گیا تھا، خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، گویا کہ وہ اُسکو جانتے ہی نہیں (۹۵)

اسلام کا یہ ہے کہ جسطرح انسان و حیوان جسم و صورت و شکل رکھتے ہیں اسیطرح وہ بھی جسم اور صورت و شکل رکھتے ہیں، اور اُنکے پر بھی ہیں جنسے وہ اُڑکر آسمان پر جاتے ہیں اور زمین پر اتر آتے ہیں، اور خدا کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتے اور دنیا کے کام جو اُنسے متعلق ہیں کرتے پھرتے ہیں — اور حیوانات کے جسم اور اُنکے جسم میں اتنا فرق ہے کہ اُنکا جسم محسوس نہیں ہوتا نہ چھونے سے ہاتھ کو لگتا ہے، نہ دیکھنے سے آنکھ کو دکھائی دیتا ہے، اور باوجود اسقدر نازک ہونے کے وہ بہت بڑے بڑے اور نہایت مشکل کام کرتے ہیں، پہاڑ اُٹھا لیتے ہیں زمین کو اُلٹ دیتے ہیں، اور اُنمیں یہ بھی طاقت ہے کہ کبھی اپنے جسم کو ایسا کر لیتے ہیں کہ اُنکی اصلی صورت جو بہت بڑی خیال کیگئی ہے دکھائی دیجاتی ہے، اور اُنمیں یہ بھی قدرت ہے کہ جس شخص کی صورت چاہیں بنجاویں، اور انسانوں کی طرح انسانوں کے پاس آکر باتیں کریں +

ہمارے پاس کسی ایسی مخلوق کے ہونے سے جو کسی قسم کا جسم و صورت بھی رکھتی ہو جو ہمکو نہ دکھائی دیتی ہو انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے پس ہم کہتے ہیں کہ شاید ایسی مخلوق ہو، مگر ہم ایسی مخلوق کے ہونیکا دعوی بھی نہیں کرتے اور جو افعال ایسی مخلوق کی نسبت منسوب کیئے جاتے ہیں اُنکا بھی اقرار نہیں

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ	اور پیروی کی اُس چیز کی جو شیاطین سلیمان کی سلطنت میں † پڑھتے تھے (یہ سمجھکر کہ سلیمان نے اُسکو کیا ہی) اور سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا جو آدمیوں کو جادو سکھاتے تھے اور اُس چیز کی (پیروی کی جسکی نسبت وہ کہتے تھے) کہ بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر اُتارے گئے ہیں

کرتے کیونکہ اِن باتوں کے اثبات کے لیئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہی
قرآن مجید سے فرشتوں کے اس قسم کے وجود کا اور اُنکے اس قسم کے جسم کا اور
اُنکے ان افعال کا جنکا اوپر ذکر ہوا کچھ ثبوت نہیں ہے ؞

فرشتوں کے اس قسم کے وجود اور افعال کا ثبوت ضرور ہی کہ دلیل نقلی سے ہوگا
اور اسلیئے قبل شروع کرنے اِس بحث کے ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہی کہ علماء علم کلام
نے جو بحث نسبت دلیل نقلی کے کی ہی اس مقام پر اُسکو نقل کریں ؞

شرح مواقف میں اِس بات پر ایک بحث لکھی ہی، کہ دلائل نقلیہ جِنسے مطالب
پر استدلال کیا جاتا ہے مفید یقین ہیں یا نہیں، معتزلا اور جمہور اشاعرہ کا یہ مذہب
بیان کیا ہی کہ مفید نہیں، اور اُسکی وجہ یہ لکھی ہی کہ جن الفاظ سے استدلال کیا جاتا
ہی اُنکی نسبت جاننا چاہیئے کہ وہ اُنہی معنوں کے لیئے وضع کیئے گئے ہیں جو معنی
اُنسے لیئے جاتے ہیں، اور اِس بات کا بھی جاننا چاہیئے کہ یہی معنی اُنسے مراد بھی ہیں
پہلی بات کے جاننے کے اصول تین ہیں، لغت اور صرف و نحو، اور یہ تینوں
اصول روایت احاد سے ہم تک پہنچے ہیں، مثلاً اصمعی اور خلیل و سیبویہ سے، اور اگر

† علی ملک سلیمان - ای علی عہدہ - ای زمانہ ملکہ - فالمضاف محذوف -
او زمان سلیمان فالملک مجاز عن العہد وعلی التقدیرین علی بمعنی فی - (بیضاوی رحمۃ)

وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (۹۶)

اور وہ کسی کو نہ سکھاتے یہانتک کہ کہتے کہ ہم تو بجز فتنہ کے اور کچھ نہیں ہیں پس تم کافر مت ہو۔ پھر اُن دونوں سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے جدائی ڈالتے مرد میں اور اُسکی جورو میں، اور وہ اُس سے کسیکو ضرر نہ پہنچاتے تھے، بجز خدا کے حکم کے، اور اُنسے سیکھتے تھے وہ چیز جو اُنکو نقصان دیتی تھی، اور اُنکو نفع نہ پہنچاتی تھی، اور بیشک وہ جانتے ہیں کہ جس کسی نے جادو کو مول لیا اُسکے لیئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہی، اور جس چیز کے بدلے اپنے آپ کو اُنھوں نے بیچ دیا بیشک وہ بُری ہی، کاش کہ وہ جانتے ہوتے (۹۶)

وہ صحیح بھی ہوں تو ممکن ہی کہ خود اہل عرب نے اُسمیں غلطی کی ہو اسلیئے کہ امرءالقیس جو سب سے بڑا شاعر زمانہ جاہلیت کا تھا اُسنے کئی جگہہ ان باتوں میں غلطی کی ہی۔ اور ان اصول کی فروعات قیاس پر مبنی ہیں اور روایت احاد اور قیاس دونوں ظنی دلیلیں ہیں ❊

دوسری بات اسپر موقوف ہی کہ جن معنوں کیلیئے وہ لفظ وضع ہوئے تھے اُن معنوں سے کسی دوسرے معنی میں مستعمل نہیں ہوئے۔ اور نیز وہ لفظ مشترک المعنی بھی نہیں ہیں، کیونکہ اگر مشترک المعنی ہوں تو ہو سکتا ہی کہ جو معنی ہمنے سمجھے ہیں اُسنے وہ معنی مراد نہوں، بلکہ دوسرے معنی مراد ہوں، اور نیز یہ بھی معلوم ہو کہ وہ مجازی معنوں میں بھی نہیں بولے گئے ہیں، کیونکہ اگر مجازی معنوں میں بولے گئے ہوں تو اُسنے وہی معنی مراد ہونگے نہ حقیقی معنے جو اُنسے متبادر ہوتے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہو کہ کلام میں کوئی مضمر بھی نہیں ہی، کیونکہ اگر کوئی شے مضمر ہو تو اُسکے معنی بدل جاوینگے، اور نیز وہاں کوئی تخصیص بھی نہو، کیونکہ اگر کوئی تخصیص

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾	اور اگر وہ یقین لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو بلاشبہ اللہ کے پاس کا ثواب بہتر تھا، کاش کہ وہ جانتے ہوتے (۹۷)

ہوگی تو جن چیزوں پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے اُن میں سے بعض مراد ہونگے نہ کل، ا ور یہ کہ کلام میں تقدم و تاخر بھی نہو، کیونکہ اگر کلام میں تقدم و تاخر ہوگا تو اُسکے معنی بھی پلٹ جاوینگے اور ان باتوں میں سے ہر ایک بات ایسی ہے جو فی الواقع کلام میں ہوتی ہے اسلیئے ضرورتاً نقل مفید یقین نہیں ہوتی ؛

ان سب باتوں کے ہونے کے بعد اس بات کا جاننا بھی ضرور ہے کہ جس بات پر نقلی دلیل دلالت کرتی ہے اُسپر کوئی عقلی معارضہ بھی نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی عقلی معارضہ پایا جاویگا تو ضرور نقلی دلیل پر اُسکو ترجیح ہوگی، اور اُس نقلی دلیل کو ضرور دوسرے معنوں میں تاویل کرنا پڑیگا، مثلاً یہ جو خدا کا قول ہے کہ "الرحمن علی العرش استوی"، یہ صاف دلالت کرتا ہے کہ خدا تخت پر بیٹھا ہوا ہے، مگر دلیل عقلی اسکی معارض ہے اور خدا کا تخت پر بیٹھا ہوا ہونا عقلی دلیل سے محال ہے، اسلیئے اُس نقلی دلیل کی غلبہ یا با دشاہت سے تاویل کی گئی، اور اگر یوں نہ کیا جاوے تو اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین لازم آتا ہے، اور اگر دلیل نقلی کو عقل پر ترجیح دیں تو فرع سے اصل کا ابطال لازم آتا ہے کیونکہ جو چیزیں نقلی ہیں اُنکا اثبات بھی بجز عقل کے اور کیسطرح ممکن نہیں، پس نقل کے لیئے بھی عقل ہی اصل ہے، اسلیئے نقل کو ترجیح دینے سے اصل سے فرع کا ابطال لازم آتا ہے، اور فرع بھی اُس سے باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ صحت نقل تو متفرع تھی عقل پر جسمیں فساد ہونا مانا گیا تو نقل بھی مقطوع الصحت نرہی۔ عقلی معارضہ کا نہونا بھی یقینی نہیں ہے، کیونکہ غایت الغایت یہ ہے کہ باوجود تلاش کے کوئی معارض عقلی نہیں ملا، لیکن معارض عقلی کے نملنے سے اُسکے نہونے پر یقین نہیں ہو سکتا، اور اس سے ثابت ہوا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾	اے لوگوں جو ایمان لائے ہو تم راعنا کا لفظ مت کہو بلکہ انظرنا کا لفظ کہو اور اچھی طرح سنو اور کافروں کے لیئے دکھ دینے والا عذاب ہے (۹۸)

کہ دلالت نقلی بلکہ عقلی بھی امور ظنی پر موقوف ہے، اور اسلیئے دلالت نقلی اپنے مدلولات پر مفید یقین نہیں ہے ؛

صاحب شرح مواقف نے ان دلیلوں کے لکھنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ دلیلیں ٹھیک نہیں ہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ دلائل نقلی شرعیات میں اُن قرائن سے جو منقول ہیں مشاہدہ ہوتی ہیں، اور بطور تواتر کے ہم تک پہنچی ہیں، اور جنسے تمام احتمالات مذکورہ بالا جاتے رہتے ہیں مفید یقین ہوتی ہیں، کیونکہ تمام اہل لغت کے بیان سے ہم جانتے ہیں کہ جن معنوں میں لفظ ارض وسما کا اور اسی کی مانند جو اور مستعمل لفظ ہیں رسول خدا علیہ السلام کے وقت میں اُنہی معنوں میں مستعمل تھے جو معنی کہ اب اُنسے لیئے جاتے ہیں، اور اسمیں شک کرنا سفسطہ ہے جسکے غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں، اور معارض عقلی کا نہونا قائل کو یعنی پیغمبر کو صادق ماننے سے جانا جاتا ہے، کیونکہ اگر معارض عقلی کا ہونا خیال کیا جاوے تو قائل کا کذب لازم آتا ہے (ھذا محصل ما فی شرح المواقف) ؛

مگر جو کچھ نسبت دلیل نقلی کے مفید یقین ہونے کے شارح مواقف اور صاحب مواقف نے لکھا ہے وہ کسی قدر زیادہ غور کے قابل ہے، اسلیئے کہ الفاظ مستعملہ کے جو معنی بطور تواتر اور بنقل اہل لغت ہم تک پہنچے ہیں وہ مسمیات اُن الفاظ کے ہیں بلالحاظ اُنکی ماہیات کے، مثلاً ارض وسما، جو سب سے زیادہ مشہور و مستعمل الفاظ ہیں اُنکے معنی جو ہم تک بطور تواتر کے پہنچے ہیں وہ اسیقدر ہیں کہ جس چیز پر ہم رہتے ہیں وہ ارض ہے، اور جو چیز ہمکو اپنے سر پر دکھائی دیتی ہے وہ آسمان ہے، اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ عرب قدیم اسقدر سے زیادہ اور کوئی معنی اُن لفظوں کے نہیں

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۹۹﴾	نہیں دوست رکھتے اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا ہی اور نہ مشرکین اس بات کو کہ اُتاری جاوے تم پر کچھ بھلائی تمھارے پروردگار سے اور اللہ مخصوص کرتا ہی اپنی رحمت سے جسکو چاہتا ہی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہی (۹۹)

سمجھتے تھے، مگر اہل کلام نے اور علماء اسلام نے صرف اسیقدر پر قناعت نہیں کی بلکہ اُنکے معنوں میں وہ باتیں بھی شامل قرار دی ہیں جنکا مطلقاً خیال بھی عرب قدیم کو نہیں تھا، اور اس صورت میں اُن الفاظ کی دلالت اُن معنوں پر یقینی قطعی نہیں ہی +

الفاظ مشترک المعنی کی نسبت کوئی قرینہ ایسا نہیں ہی کہ جس سے اُنکا کسی ایک معنی پر مستعمل ہونے کو قطعی دلیل موجود ہو +

الفاظ کا مجازی معنوں میں مستعمل ہونا ایک ایسا وسیع امر ہی جسکی نسبت نقل سے اور نہ اہل لغت کے تواتر نقل سے تصفیہ ہو سکتا ہی. اور یہی حال اضمار اور تخصیص اور تقدیم و تاخیر کا ہے +

ان سب سے زیادہ ایک اور امر ہی جسپر شارح مواقف اور صاحب مواقف بلکہ اور کسی نے بھی غور نہیں کیا، اور وہ کلام غیر مقصود ہی، مثلاً ایک شخص یہ بات کہے کہ جب آفتاب مغرب سے نکلے یا اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکلجاوے تب یہ امر واقع ہوگا، اور مخاطب اُسکو یہ جواب دے کہ آفتاب کے مغرب سے نکلنے اور اونٹ کے سوئی کے ناکے میں سے نکلجانے پر بھی یہ امر واقع نہوگا۔ اس کلام میں آفتاب کا مغرب سے نکلنا اور اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکلجانا کلام مقصود نہیں ہی، بلکہ عدم وقوع اُس امر کا جسکے وقوع کا قائل مدعی تھا مقصود ہے۔ اور اس کلام سے تسلیم اس بات کی کہ درحقیقت کبھی آفتاب مغرب سے نکلیگا، یا اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکلجاویگا، لازم نہیں آتی، پس دلیل نقلی میں اس بات کا علم بھی کہ وہ کلام غیر مقصود

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا	ہم آیت میں سے منسوخ کرتے ہیں یا ہم اسکو بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی کی مانند لاتے ہیں

نہیں ہے اشد ضروریات میں سے ہے اور بغیر اسکے کوئی نقلی دلیل مفید یقین نہیں ہو سکتی ✤

قرآن مجید میں اس قسم کا کلام غیر مقصود نہایت کثرت سے ہے مشرکین و اہل کتاب کے عندیہ میں بہت سی ایسی باتیں سمائی ہوئی تھیں جنکا دراصل کچھ وجود نہ تھا، یا وجود تھا، مگر اُسکی جو حقیقت کہ وہ سمجھے ہوئے تھے دراصل وہ نہ تھی، یا وہ بات ظاہر میں دکھائی دیتی تھی اور بطور غلط العام یا باعتبار مشاہدہ اُسی کو واقعی سمجھتے تھے، حالانکہ حقیقت اور اصلیت برخلاف اُسکے تھی - اور قرآن مجید کو اُس سے بحث مقصود نہ تھی، اسلیئے اُسکو اُسیطرح بیان کیا جسطرح مشرکین یا اہل کتاب خیال کرتے تھے، اور کبھی اُسی پر بطور حجت الزامی کے کلام مقصود کی بناء قائم کی، اور کبھی اُسکو بطور نظیر مسلمہ مخالف کے اور کبھی بطور ایک مسئلہ غلط العام کے، اور کبھی بلحاظ مشاہدہ ظاہری کے، اُسکو بیان کیا، اور کلام مقصود سمجھایا گیا، پس کلام مقصود کے سوا جسقدر کلام ہے وہ سب کلام غیر مقصود ہی، اور اُس سے کوئی ثبوت کسی امر کی واقعیت کا حاصل نہیں ہوتا، اور نہ وہ کسی امر کے لیئے مفید یقین ہوتا ہی، اور اسلیئے دلیل نقلی کے مفید بالیقین ہونے کو قطع نظر اُن تمام باتوں کے جو شارح مواقف اور صاحب مواقف نے بیان کی ہیں، اس بات کا علم کہ وہ کلام غیر مقصود نہیں ہی واجب و ضرور ہی - یہ امر جو ہمنے بیان کیا اُسکو کچھ کلام اللہ ہی سے خصوصیت نہیں ہی، بلکہ عام کلام کا اور خود ہماری روزمرہ گفتگو کا، بلکہ تمام دنیا اور تمام قوموں کی باہمی گفتگو و کلام کا یہی طریقہ ہی کہ جو امر بحث سے اور مقصود سے خارج ہی اُسکے صحیح یا غیر صحیح ہونے سے قطع نظر کر کبھی بطور حکایت اور کبھی بطور تسلیم فرضی اور کبھی بغیر کسی خیال کے اُسکا ذکر اور بیان آجاتا ہی اور اُس سے بجز اسکے کہ اُسکے بعد کلام مقصود بنایا جاوے گا اور کچھ مقصد نہیں ہوتا - یہی

کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (۱۰۰)	اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱۰۰)

سبب ہے کہ بعض اشخاص غلطی سے سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں بعض ایسی باتیں بیان ہوئی ہیں کہ جو حقائق موجودہ کے برخلاف ہیں، اور بعضے اُس سے بھی زیادہ غلطی یہ کرتے ہیں کہ اُسکو کلام مقصود سمجھکر اِس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ وہی درحقیقت حقائق موجودہ ہیں۔ اور درحقیقت دونوں غلطی پر ہیں، قرآن مجید بلاشبہ کلام اللہ ہے مگر انسانوں کی زبان اور انسانوں کے کلام کی طرز پر، پس اُسی کلام کو مثل ایک انسان کے کلام کے تصور کرنا چاہیئے، اور اُس سے معانی و مطالب اور احکام و مقاصد اخذ کرنے اور اُس سے دلیلیں قائم کرنے میں اُسکو انسان کے کلام سے زیادہ کچھ رتبہ دینا نہیں چاہیئے +

اب ہمکو ملک اور ملائکہ کے لفظ سے اور جسطرح پر کہ فرشتوں کا خیال انسانوں کے دل میں پیدا ہوا اور جس طرح کا خیال یہودیوں اور عیسائیوں میں فرشتوں کی نسبت تھا اور جسطرح سے کہ اُنکا بیان قرآن مجید میں ہوا ہے اُسپر بحث کرنی چاہیئے۔ قدیم زمانہ کی تمام دنیا کی قوموں کا یہ حال تھا کہ جو امور عجیب و غریب اُنکے سامنے ایسے پیش آتے تھے جسکی علت اُنکی سمجھ سے باہر تھی اُسکو کسی ایسی قوت یا ایسے شخص سے منسوب کرتے تھے جو انسان سے برتر اور خدا سے کمتر تھی، اسی خیال سے تمام بت پرست قوموں نے اپنے ہاں خیالی دیوتا اور دیبیاں اور خدا پرست قوموں نے اپنے ہاں فرشتے نام کر لیئے +

ملک کے لفظ کی † اہل لغت ملاک بتاتے ہیں اور اُسکے معنی رسول یا پیغمبر یعنے پیغام پہنچانے والے کے کہتے ہیں، مگر اِس لفظ کا اطلاق اُس شے پر ہوتا ہے جسکو خدا تعالیٰ نے اپنے مقاصد کے انجام کے واسطے یا اپنے وجود یا قدرت کے اظہار کے واسطے معین کیا ہو +

توریت اور صحف انبیا اور انجیل میں فرشتہ کے لفظ کا استعمال نہایت وسیع معنوں میں

† دیکھو صفحہ ۵۲ لغایت ۵۸

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (۱۰۱)	کیا تو نہیں جانتا کہ خدا ہی کے لیئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہی اور نہ تمھارے لیئے خدا کے سوا کوئی دوست ہی اور نہ مددگار (۱۰۱)

آیا ہی، کتاب دوم شموئیل باب ۲۴ ورس ۱۶ و ۱۷ میں اور کتاب دوم ملوک باب ۱۹ ورس ۳۵ میں اور زبور داؤد باب ۷۸ ورس ۴۹ میں وبا پر فرشتہ کا اطلاق ہوا ہے اور زبور داؤد باب ۱۰۴ ورس ۴ میں ہواؤں پر فرشتہ کا اطلاق کیا گیا ہی +

کتاب ایوب باب ۱ ورس ۱۴ و کتاب اول شموئیل باب ۱۱ ورس ۳ اور انجیل لوقا باب ۷ ورس ۲۴ و باب ۹ ورس ۵۱ و ۵۲ میں فرشتہ کا لفظ عام ایلچیوں پر بولا گیا ہے، کتاب اشعیا باب ۴۲ ورس ۱۹ و کتاب حجی باب ۱ ورس ۱۳ و کتاب ملاکی باب ۳ میں فرشتہ کا لفظ پیغمبر یعنی انبیا کے معنوں میں آیا ہی، اور کتاب واعظ باب ۵ ورس ۶ و کتاب ملاکی باب ۲ ورس ۷ میں فرشتہ کا لفظ بمعنی کاہن یا امام کے مستعمل ہوا ہی، مشاہدات یوحنا باب ۱ ورس ۲۰ میں اور انجیل کے اور چند مقاموں میں فرشتہ کا لفظ حضرت عیسیٰ کے رسولوں پر بولا گیا ہے +

توریت میں بہت جگہہ فرشتوں کو اسطرح بیان کیا ہی جیسیکہ ایک انسان دوسرے انسان کے پاس آئے اور ملاقات کریں اور باتیں کریں، توریت کی پہلی کتاب مسمی بہ کتاب پیدایش باب ۳۲ میں فرشتہ کا بطور ایک شخص کے تمام رات حضرت یعقوب سے کشتی لڑنے کا اور اخیر کو اُنکی ٹانگ مروڑ ڈالنے کا ذکر لکھا ہی، اور ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اُس سے حضرت یعقوب کو بیماری نقرس یا وجع الورک کا ہونا مراد ہی، پس اگر یہ خیال صحیح ہو تو کہا جا سکتا ہی کہ مرض پر بھی فرشتہ کا اطلاق ہوا ہی، اور اُسی کتاب کے باب ۱۹ میں حضرت لوط کے پاس دو فرشتوں کے آنے کا ذکر ہی جو مسافر آدمیوں کی صورت میں آئے تھے، اور حضرت لوط نے اپنے گھر میں اُنکو مہمان رکھا اور اُنکی ضیافت کی اور نان فطیری اُنکے لیے پکائی اور اُنھوں نے کھائی۔ باانہمہ بہت جگہہ فرشتہ کا لفظ ایسے وجودوں سے روحانی

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (۱۰۲)	کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیا گیا تھا اور جو کوئی ایمان کو کفر سے بدل لے تو بیشک وہ گمراہ ہوا سیدھی راہ سے (۱۰۲)

یا عقول ملکی کی نسبت مستعمل ہوا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسکے احکامات بجا لانے کے واسطے مامور ہیں *

ارواح کی نسبت قدیم یہودیوں کا خیال اس زمانہ کے خیال سے کسیقدر مختلف تھا اس زمانہ میں روح سے غیر مادی چیز خیال کیجاتی ہے، اور مادہ کو ضد روح اور روح کو ضد مادہ سمجھا جاتا ہے، مگر یہودی عبری لفظ "روح" سے غیر مادی شے مراد نہیں لیتے تھے، بلکہ غیر مرئی جسم سمجھتے تھے، اور اُنکے جوہر کو خالص ہوا یا رقیق آگ تصور کرتے تھے، اور اسلیئے جب قدیم یہودی فرشتوں کو ارواح کہتے تھے تو اُنکے ذی جسم ہونے سے اُنکو انکار نہتھا۔ بلکہ صرف مادہ غلیظ کی نجاستوں سے مبرا ہونا سمجھتے تھے۔ سنٹ پال نے جو اپنے نامہ اول موسومہ کرنتھیاں باب ۱۵ ورس ۴۴ میں لکھا ہے، اُس سے پایا جاتا ہے کہ وہ بھی روحانی اجسام کو تسلیم کرتے تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ میں روحانی عقول کا اکثر ذکر پایا جاتا ہے جنکی حالت وجود جدا گانہ ہے اور ایک آسمانی جماعت قرار دی گئی ہے جسکا سردار خود خدا ہے کتاب دانیال باب ۷ ورس ۱۰ و انجیل متی باب ۲۶ ورس ۵۳ و انجیل لوقا باب ۲ ورس ۱۳ و نامہ عبرانیاں باب ۱۲ ورس ۲۲ و ۲۳ سے کروڑ ہا بلکہ کروڑ ہا در کروڑ ہا فرشتوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے اتنے بڑے جم غفیر کے لیئے مختلف درجے اور مختلف صفتیں موجود ہونی ضرور ہیں، تاکہ انسان سے لیکر خدا تک ایسا سلسلہ وجود کا قائم ہوجاوے جو خالق اور کمترین ذی عقل مخلوق کی تفاوت کو مربوط کردے، یہودیوں کی مقدس کتابوں میں فرشتوں کا ایسی جماعتوں میں منقسم ہونا مذکور ہے جنکی عزت اور قوت اور صعنت غیر مساوی ہے، اور اُنپر

وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۰۳)	اہل کتاب میں سے اکثر چاہتے ہیں کہ تمکو تمھارے ایمان لے آنے کے بعد پھیر کر کافر بنا دیں اپنے جی سے آپ تمپر حسد کر کے بعد اسکے کہ اُنپر حق بات ظاہر ہو گئی پھر معاف کرو اور درگذر کرو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم بھیجے بیشک اللہ سب چیز پر قادر ہے (۱۰۳)

سردار اور حکام بھی ہیں +

اسمیں کچھ شبہ نہیں ہو کہ یہودیوں کی قدیم کتب مقدسہ میں یعنی اُن کتابوں میں جو قید بابل سے پیشتر لکھی گئی ہیں یہ خیال صاف صاف بیان نہیں ہوا، بلکہ جو کتابیں جلا وطنی کے زمانہ میں، اور اُسکے بعد کو لکھی گئی ہیں اُن کتابوں میں اس خیال نے صورت پکڑی ہی، اور خصوصاً حضرت دانیال اور حضرت زکریا کی تحریرات میں اس خیال کا پتہ ملتا ہی، کتاب زکریا باب ۱ ورس ۱۱ میں ایک فرشتہ سب سے اعلیٰ درجہ کا ہی جو خدا کے روبرو کھڑا رہتا ہی، اور اور فرشتوں سے بطور اپنے کارندوں کے کام لیتا ہی، حضرت دانیال نے حضرت میکائیل فرشتہ کو بہت بڑے بڑے لقب عطا فرمائے ہیں، نامہ یہودہ ورس ۹ اور اول نامہ تھسلینی کے باب ۲۱ ورس ۱۶ سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ رائے کہ فرشتے مختلف درجہ رکھتے ہیں صرف یہودیوں کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی، بلکہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا بھی یہی خیال تھا، ہاں اسقدر ٹھیک ہی کہ متاخرین یہودیوں نے جو رتبے کی تقسیم فرشتوں میں قائم کی ہی وہ حواریوں کے وقت میں نہ تھی +

یہودیوں کی کتب مقدسہ میں فرشتے ہمیشہ مجسّم ہو کر انسانی صورت میں دکھائی دیتے تھے، اور کسی جگہ اس بات کا اشارہ نہیں ملتا کہ یہ اجسام حقیقی نہ تھے۔ متقدمین یہودی بیشک یہ جانتے تھے کہ ان اجسام کا مادہ ہمارے اجسام کے مادہ کی مانند نہیں ہی کیونکہ

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۰۴﴾	پڑھتے رہو نماز اور دیتے رہو زکوۃ اور جو کچھ تم اپنے لیئے نیکیوں میں سے آگے بھیجو گے تو اُسکو اللہ کے پاس پاؤگے بیشک جو تم کرتے ہو اللہ اُسکو دیکھتا ہی (۱۰۴)

فرشتوں میں یہ قدرت ہو کہ جب چاہیں اپنے تئیں لوگوں کو دکھلاویں اور جب چاہیں نگاہوں سے غائب ہوجادیں، عیسائی بھی اس سے انکار نہیں کرسکتے کیونکہ وہ یقین کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ مصلوب ہونے کے بعد اُٹھے تو کبھی اُنکا جسم حواریوں کو دکھائی دیتا تھا اور کبھی نگاہ سے غائب ہوجاتا تھا، اگرچہ وہ ہمیشہ انسان ہی کی صورت پر دکھائی دیتے تھے، مگر یہودیوں نے اس سے یہ بات لازم نہیں تصور کی تھی، کہ فرشتے انسان ہی کی صورت رکھتے ہیں بلکہ متقدمین یہودی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو چیز خالص روح نہیں ہو کوئی نہ کوئی شکل ضرور رکھیگی، ممکن ہو کہ اُنکی صورت انسان ہی کی سی ہو یا اور کسی شکل کی ؛

یہودیوں کی کتب مقدسہ میں اناث ملائکہ کا ذکر نہیں پایا جاتا، اور عیسائی بھی بدلیل انجیل متی باب ۲۲ درس ۳۰ بطور استنباط کے یہی سمجھتے ہیں، کہ فرشتوں میں ذکور اور اناث کی کچھ تمیز نہیں ہو۔ کتب مقدسہ میں غالباً اسوجہ سے کہ مذکر کا صیغہ زیادہ معزز ہی، فرشتوں کی نسبت مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہی، مگر کثرت پرست قومیں فرشتوں کو ذکور اور اناث قرار دیتی ہیں، اور دیوتا اور دیبی کا ماننا اُن خیالات کو ظاہر کرتا ہے ؛

عیسائی اور یہودی دونوں، فرشتوں میں ان صفات کو تسلیم کرتے ہیں، انسان سے اُن میں عقل کا زیادہ ہونا۔ اُنکا قوت اور قدرت میں زیادہ ہونا۔ اُنکا پاک اور برگزیدہ ہونا۔ اور یہ بات کہ فرشتے خدا تعالیٰ کے منشا اور مرضی کے اظہار کرنے کے ہیں ہیں۔ کتب مقدسہ یہودیوں اور عیسائیوں سے بخوبی معلوم ہوتی ہو، اور اسی سبب سے

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۵﴾	اور اُنھوں نے کہا کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہیں جانے کا بجز یہودیوں اور عیسائیوں کے، یہ اُنکی تنا ہے (اے پیغمبر تو اُنسے) کہدے کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو (۱۰۵)

بعض کاموں کو اُن کتابوں میں بالکل فرشتوں ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ انسانوں کے مقسوم کے متعلق امورات میں بھی اُنکی وساطت ہوتی ہے۔ یہودی اور عیسائی یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ گو فرشتوں کی وساطت ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو تب بھی اُنکی وساطت تسلیم ہو سکتی ہے، کیونکہ عبرانیوں کے خط کے باب ۱ ول ورس ۱۴، وزبور داؤد باب ۳۴ ورس ۷، وباب ۹۱ ورس ۱۱ وانجیل متی باب ۱۸ ورس ۱۰ میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں کو نجات کے وارثوں کی خدمت کے لیئے بھیجتا ہے +

قدیم عیسائی سمجھتے تھے کہ ہر فرد بشر کے ساتھ ایک فرشتہ ہے جو اُسکی حفاظت پر تعین ہے، مشرکین کا بھی اسی کے قریب قریب عقیدہ تھا، یونانی اپنے محافظ دیوتا کو "دین" اور رومی جنیس کہتے تھے، اور یہودی اور قدیم عیسائی یہ بھی سمجھتے تھے، ہر انسان پر دو فرشتے متعین ہوتے ہیں ایک نیکی کا، اور ایک بدی کا۔ عام یہودی بھی فرشتوں کی نسبت یہی اعتقاد رکھتے ہیں، مگر ایک فرقہ یہودیوں کا جو صدوقی کے نام سے مشہور تھا وہ فرشتوں کا منکر تھا +

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ یہودیوں کا یہ دستور ہے کہ خدا کی عظمت اور قدرت کے ہر ظہور کو فرشتوں کی وساطت کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اسلیئے وہ فرشتوں کے وجود اصلی کو نہیں مانتے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کا نام فرشتہ رکھدیا ہے، جیسے کہ مشرک ہر چیز کو جو عجیب و غریب ہوتی ہے اور جسکی علت اُنکی فہم سے باہر ہوتی ہے، دیوتاؤں کے کاموں کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر عیسائی مذہب کے عالم اس کی تردید میں یہودیوں کی کتب مقدسہ اور انجیل کی

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۱۰۶)	یہ نہیں ہے جو انھوں نے کہا، ہاں جس کسی نے تابعداری سے اپنا مُنھ خدا کے سامنے کیا اور وہ نیکی کرنیوالا ہی تو اُسکا ثواب اُسکے پروردگار کے پاس ہی، اور نہ اُنپر کچھ خوف ہی اور نہ وہ غمگین ہونگے (۱۰۶)

وہ ✝ آیتیں پیش کرتے ہیں، جنمیں فرشتوں کے لیے ایسے کام بیان کیئے گئے ہیں جو کسیطرح اس رائے کے مطابق نہیں ہو سکتے، وہ بڑی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت عیسٰے کی نسبت کہا گیا ہی کہ وہ فرشتوں سے برتر ہیں، پس اگر فرشتوں کا کوئی وجود اصلی نہو تو یہ کہنا مہمل ہو جاتا ہے ÷

اب ہمکو اسبات کی تلاش کرنی ہے، کہ قدیم مشرکین عرب کا یعنی اُس زمانہ کے عربوں کا جبکہ یہودیوں کا میل جول عرب میں نہیں ہوا تھا فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا، اور آیا وہ لفظ ملک اور ملائکہ کو اُنھیں معنوں میں خیال کرتے تھے جن معنوں میں کہ یہودی خیال کرتے تھے یا نہیں، جہاں تک کہ ہمنے تفتیش کی ہی قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال جیسا کہ یہودیوں کا ہی ثابت نہیں ہوا مشرکین عرب بلا شبہ ارواح فلکی کو یا ارواح فرضی کو یا ارواح اشخاص متوفی کو بطور خدا کے پوجتے تھے اور اُنکو مجسم و متحیز سمجھتے تھے، اور اُنکے بت اور اُن کے نام کے تھان اور اُنکے نام سے ہیکل اور مندر بناتے تھے، مگر اُنپر کبھی لفظ ملک یا ملائکہ کا اطلاق نہیں کرتے تھے، جہاں تک کہ ہمسے ہو سکا ہمنے اشعار جاہلیت پر بھی جسقدر کہ ہمکو دستیاب ہوئے غور کی، ہمکو کوئی شعر بھی ایسا نہیں ملا جسمیں لفظ ملک یا ملائکہ کا ان ارواحوں پر جنکو وہ پوجتے تھے اطلاق کیا گیا ہو، ہمکو قرآن مجید میں بھی کوئی ایسی سند نہیں ملی جسمیں منقولاً بزبان مشرکین لفظ ملک یا ملائکہ کا اُن ارواحوں پر اطلاق کیا گیا ہو، ملیں یہ بات تو تسلیم

✝ کتاب پیدایش باب ۱۶ ورس ۷ و ۸ کتاب قضاۃ باب ۱۳ ورس ۱ تا ۲۱ انجیل متی باب ۲۸ ورس ۲ و ۳ و باب ۲۲ ورس ۳۰ و اعمال باب ۱۰ ورس ۸ –

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور یہودیوں نے کہا کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں ہیں، اور عیسائیوں نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں، حالانکہ وہ (دونوں) کتاب (یعنے توریت) پڑھتے ہیں، اسیطرح اُنکے قول کی مانند اُن لوگوں نے کہا جو نہیں جانتے (یعنے مشرکین نے جو توریت کو نہیں جانتے یہ کہا کہ یہودی اور عیسائی دونوں کسی چیز پر نہیں ہیں) پس اللہ اُنہیں قیامت کے دن اُسچیز کا فیصلہ کریگا جسمیں کہ وہ اختلاف کرتے ہیں (۱۰۷)

کی جا سکتی ہی کہ لغت کی کتابوں میں لفظ ملک کے معنی ایلچی یا رسول یا پیغامبر کے کہے ہیں، مگر یہ تسلیم نہیں ہو سکتا کہ قدیم مشرکین عرب اُسکا اطلاق اس قسم کے رسولوں پر کرتے ہیں جنکو یہودی ملک یا ملائک کہتے تھے، ہاں اسقدر بات تسلیم ہو سکتی ہی کہ قدیم عرب اور نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے عرب بھی ملائکہ کا اطلاق اُن قوا پر جنسے ازروے قدرت دنیا کے اُمورات انجام پاتے ہیں کرتے تھے جیسیکہ ابو عبیدہ جاہلی کے اس شعر میں ہے ؎

لست لانسی ولکن لملاك تنزل فی جو السماء بصوب

صوب کہتے ہیں مینھ کو اسلیئے اس شعر سے پایا جاتا ہی کہ مینھ برسانے کی جو قوت ہی اسکو فرشتہ سمجھتے تھے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ عرب فرشتوں کو تحیز بھی سمجھتے تھے جیسے کہ امیتہ ابن صلت جاہلی کے اس شعر میں ہے ۔

فکان برقع والملائك حوله سدر تواکله القوائم اجرب

مگر اس بات کا کہ وہ اُنہی معنی اور مراد میں استعمال کرتے تھے جنمیں کہ یہودی استعمال کرتے تھے ہنوز ثبوت طلب ہی، اس خیال کے ثبوت پر ایک بڑی دلیل یہ ہی کہ فرشتوں کا

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۰۸)	کون اُس سے زیادہ ظالم ہی جسنے روک دیا اللہ کی مسجدوں کو اسبات سے کہ اُنمیں اللہ کے نام کی یاد کیجاوے، اور اُنکے خراب کرنے میں کوشش کی، یہی لوگ ہیں جنکے لیئے نہیں ہی کہ اُنمیں جاویں مگر ڈرتے ہوئے، اُنکے لیئے دنیا میں خرابی ہی اور اُنکے لیئے آخرت میں بڑا عذاب (۱۰۶)

کوئی نام بھی عربی زبان کا نہیں ہے، اور جبریل و میکائیل یہہ دو نام جو قرآن میں آئے ہیں وہ عبری ہیں اور عزرائیل و اسرافیل اور اور نام جو مسلمانوں میں مشہور ہیں سب عبرانی زبان کے ہیں، پس انہی اصول پر جو شارح مواقف اور صاحب مواقف نے قرار دیئے ہیں، اہل لغت کا یہ کہنا کہ ،، الملائک الملک لانہ یبلغ عن اللہ تعالیٰ،، مفید یقین نہیں ہے

فقہ اللغہ میں ملائکہ کی نسبت اہل عرب کا جو خیال لکھا ہی وہ بالکل ہمارے اس بیان کے مطابق ہی، اُسمیں ابی عثمان الجاحظ کا قول لکھا ہی، کہ عرب جن کے درجے درجے قرار دیتے تھے جبکہ وہ عام طور پر جن کا ذکر کرتے تھے تو صرف لفظ جن بولتے تھے، اور جب ایسے جن کا ذکر کرتے تھے جو انسانوں کے ساتھ رہتا ہو تو اُسکے لیئے عامر کا لفظ بولتے تھے جسکی جمع عمار ہی، اور جب ایسے جن کا ذکر کرتے تھے جو بچوں کو ستاتا ہی تو اُسکے لیئے ارواح کا لفظ بولتے تھے، اور جبکہ وہ خبیث ہوتا اور تکلیف دیتا تھا تو اُسپر شیطان کا اطلاق کرتے تھے، اور جب اس سے بھی سخت تکلیف دیتا تھا تو اُسکو مارد کہتے تھے، اور جو اس سے بھی زیادہ قوی ہوتا تھا اُسکو عفریت کہتی تھی، اور اگر وہ پاک ستھرا ہوتا تھا اور بالکل بھلائی اُس سے پہنچتی تھی تو اُسکو ملک کہتی تھی، اور ایک اور

عن ابی عثمان الجاحظ قال ان العرب تنزل الجن مراتب فاذا ذکرو الجنس قالوا جن واذا ارادوا انہ یسکن مع الناس قالوا عامر والجمع عمار فاذا کان ممن یعرض للصبیان قالوا ارواح فان خبث وتعرم قالوا شیطان فان زاد علی ذلک قالوا مارد فان زاد علی القوۃ قالوا عفریت فان طہر ونظف وصار خیرا کلہ قالوا ملاک (ردنی مقام لخر) روی الحکم بن ابان عن عکرمہ عن ابن عباس ان قریشا کانت تقول سروات الجن بنات الرحمٰن ❊

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۱۰۹) وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (۱۱۰)	اور خدا کے لیئے ہی مشرق اور مغرب پس جدھر منہ کرو پھر اُدھر ہی خدا کا مُنہ (یعنی اُسکی ذات) ہی بیشک اللہ (سب طرف) پھیلنے والا ہی جاننے والا (۱۰۹) اور اُنھیں نے کہا کہ اللہ نے بنا لیا ہی بیٹا، پاک ہے وہ بلکہ اُسی کے لیئے ہی جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہی، سب اُسکے لیئے فرمانبردار ہیں (۱۱۰)

مقام میں لکھا ہی کہ حکم بن ابان نے عکرمہ سے اور اُنھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہی کہ قریش جن کے سرداروں کو بنات الرحمن یعنی خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، اس سے صاف ثابت ہوتا ہی کہ عرب اُن غیر مرئی چیزوں کو جنکو نیک و پاکیزہ سمجھتے تھے اور جنسے خلقت کو بھلائی اور نیکی پہنچنے کا خیال کرتے تھے اُنکو ملک کہتے تھے، مگر وہ معنی اور مراد جو ملک کے لفظ سے یہودیوں نے مقرر کیئے تھے یا جو زمانہ اسلام کی کئی صدی بعد کی مصنفہ کتب لغت میں لکھ دیئے گئے ہیں اُس معنی و مراد میں عرب لفظ ملک کو استعمال نہیں کرتے تھے +

قرآن مجید میں کلام مقصود میں کسی جگہہ لفظ ملک یا ملائکہ کا اُس مراد سے استعمال نہیں ہوا ہی جو مراد کہ یہودیوں نے قرار دی تھی جسکی تفسیر ہم ہر ایک مقام پر لکھینگے برخلاف اسکے ملائکہ کا اطلاق اُن قدرتی قویٰ پر جنسے انتظام عالم مربوط ہی اور ان شیون قدرت کاملہ پروردگار پر جو اُسکی ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوت درجہ ظاہر ہوتی ہیں ملائکہ کا اطلاق ہوا ہی، سورہ والنازعات سے اسکا بخوبی ثبوت ہوتا ہی اُسکے پہلے چار جملوں کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہی، مگر پانچویں جملہ، فالمدبرات امرا، کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں، اور جملہ مفسرین متفق ہیں کہ مدبرات سے ملائکہ مراد ہیں پس اب غور کرنا چاہیئے کہ مدبرات امور کون ہیں، یہی قوا ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے تمام امور عالم کا مدبر مخلوق کیا ہے +

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ﴿۱۱۲﴾

پیدا کرنیوالا ہی آسمانوں اور زمین کا اور جب کرنا چاہتا ہی کوئی کام، تو صرف اُسکو کہتا ہی کہ ہو، پھر وہ ہوجاتا ہی (۱۱۱) اور اُن لوگوں نے کہا جو نہیں جانتے، کیوں نہیں خدا ہمسے کلام کرتا، یا کیوں نہیں ہماسے پاس کوئی نشانی آتی، اسیطرح اُنکے قول کی مانند اُن لوگوں نے کہا جو اُنسے پہلے تھے، ایک سے ہوگئے اُنکے دل، بیشک ہمنے بیان کیں نشانیاں اُن لوگوں کے لیئے جو یقین کرتے ہیں (۱۱۲)

ان آیتوں میں جنکی ہم تفسیر لکھتے ہیں کلام مقصود صرف اسقدر ہی، کہ جو شخص اُس وحی کا عدو ہو جو خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالی ہی، اور جو کوئی خدا اور اُسکے فرشتوں اور اُسکے رسولوں کا دشمن ہو، تو بیشک اللہ ان کافرونکا دشمن ہی، یہودیوں نے اپنے عندیہ میں دو جداگانہ فرشتے ٹھہرا رکھے تھے، ایک جبرئیل اور ایک میکائیل، پچھلے کو اپنا دوست جانتے تھے اور پہلے کو اپنا دشمن، اور جو کہ دین محمدی کو وہ اپنے برخلاف خیال کرتے تھے، تو یہ سمجھتے تھے کہ جبرئیل جو ہمارا دشمن ہے وہ آنحضرت صلعم کو یہ باتیں سکھاتا ہی۔ خدا نے پیغمبر سے کہا کہ، تو کہدے کہ میں جبرئیل ہی اللہ کے حکم سے میرے دل میں یہ باتیں ڈالتا ہی، مگر جو کوئی کہ اُن باتوں کا اور فرشتوں کا اور جبرئیل میکائیل کا اور رسولوں کا دشمن ہی، خدا اُسکا دشمن ہی۔ فرشتوں کی دشمنی بیان کرنے کے بعد جبرئیل اور میکائیل کا بالتخصیص نام لینا گویا یہود کے خیالات کا اعادہ ہی، اور وہ نام مقصود بالذات نہیں ہیں، کیونکہ اگر یہودیوں کا یہ خیال نہوتا تو غالبًا وہ نام نہ لیئے جاتے۔ پس اُن دونوں کے نام قرآن مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہا علحدہ علحدہ ایسی ہی مخلوق ہیں جیسے کہ زید و عمر بلکہ انسی آیتوں سے† پایا جاتا ہی کہ جس شی کو ہمنے جبرئیل

† دیکھو صفحہ ۱۴۳۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾	بیشک ہمنے تجھکو بھیجا ہی، سچ بات سے خوشخبری دینے والا، اور ڈرانے والا، اور تجھ سے بازپرس نہوگی دوزخ میں پڑنے والوں کی (۱۱۳)

تعبیر کرتے تھے وہ کوئی جداگانہ مخلوق سے تشخصہ نہ تھی کیونکہ خدا نے فرمایا ہی کہ بے شبہ اُسنے (یعنی جبرئیل نے) ڈالا ہی تیرے دل پر اللہ کے حکم سے (وہ کلام جو) سچ بتاتا ہی اُسچیز کو جو اُس سے پیشتر ہے،، دل میں ڈالنے والی کوئی ایسی مخلوق جو اُس شخص سے جسکے دل میں ڈالا گیا ہی، جداگانہ ہو، نہیں ہوتی۔ پس درحقیقت یہودی جسکو جبرئیل کہتے تھے اور جسکا نام حکایتاً خدا نے بیان کیا ہی، وہ ملکۂ نبوت خود آنحضرتؐ میں تھا جو وحی کا باعث تھا، اس سے اگلی آیت میں خدا تعالیٰ نے بلا ذکر جبرئیل کے فرمایا ہی، کہ بیشک ہمنے بھیجی ہیں تیرے پاس کھلی ہوئی نشانیاں،، ۔ اِن وجوہات سے یہ بات کہ جبرئیل درحقیقت کسی فرشتہ کا نام ہی ثابت نہیں ہوتی ۔ ہاں اسقدر تسلیم ہوسکتا ہی کہ اُسی ملکۂ نبوت پر جبرئیل کا اطلاق ہوا ہی ۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہی، کہ باوجودیکہ خدا کے پاس اِن دو فرشتوں کے سوا اور بھی بہت سے فرشتے ہیں، مگر بجز دو فرشتوں کے اور سب بے نام ہیں، کیونکہ کسی اور کا نام قرآن میں نہیں آیا۔ حضرت عزرائیل بھی بڑے .... مشہور فرشتے ہیں، جو سب کے پاس آوینگے اور کسی کو نہیں چھوڑینگے، اگرچہ اُنکا ذکر بلفظ ملک الموت قرآن میں آیا ہی، مگر اُنکا کچھ نام نہیں بیان ہوا ہی۔ ان سب باتوں سے صاف پایا جاتا ہی کہ فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کئے ہوئے ہیں جو مختلف قویٰ کے تعبیر کرنے کو انھوں نے رکھ لیئے تھے ۔

۹۶ (واتبعوا) اس آیت سے ستانویں آیت تک دو زمانے کے لوگوں کا ذکر ہی، ایک اُس زمانہ کے یہودیوں کا جو حضرت سلیمان کے وقت میں اور اُنکے بعد تھے، اور ایک اُن لوگوں کا جو ہاروت و ماروت کے زمانہ میں تھے، مگر سب سے اول پہلی آیت کے معنی سمجھنے چاہییں، خدا نے فرمایا،، کہ پیروی کی اُسچیز کی جو شیاطین سلیمان کی

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۱۱۴)	اور ہرگز تجھسے یہود راضی نہونگے اور نہ عیسائی، یہانتک کہ تو انکے مذہب کی پیروی کرے تو کہدے کہ بیشک اللہ کی ہدایت وہی ہدایت ہے، اور اگر تو انکی خواہشوں کی پیروی کرے، اسکے پیچھے کہ جو آگئی ہے تیرے پاس علم کی، نہیں تیرے لیئے اللہ سے (بچانیکو) کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار (۱۱۴)

سلطنت کی نسبت پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا،، اس آیت میں تین لفظ ہیں ما۔ تتلو۔ کفر۔ تتلو کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ اور اسی لفظ سے بعض مفسرین نے۔ ما۔ کے لفظ سے جھوٹی کتابیں یا جھوٹی تحریریں مراد لی ہیں، اور کفر۔ کے لفظ سے لکھنا مراد لیا ہے، اور اس تفسیر کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوتا ہے کہ" پیروی کی اُن جھوٹی کتابوں یا تحریروں کی جو شیاطین سلیمان کی سلطنت کی نسبت پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کوئی کفر کی بات نہیں لکھی، بلکہ شیاطین نے کفر کی باتیں لکھی تھیں،، اسطرح پر آیت کے معنی قرار دینے بالکل صحیح و درست ہیں مگر جو کہ آیت میں کوئی قید نہیں ہے اور۔ تتلو۔ کے لفظ سے لکھے ہوئے ہی کا پڑھنا لازم نہیں آتا، بلکہ زبانی پڑھنے پر بھی اطلاق ہو سکتا ہے، اسلیئے ہمنے ترجمہ بھی اُسیطرح عام لفظ سے کیا ہے جیسیکہ قرآن میں ہے +

لیکن خدا نے جو یہ فرمایا ہے کہ،، وما کفر سلیمان،، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ لوگ پڑھتے تھے اُسکی نسبت سمجھتے تھے کہ سلیمان نے اُسکو کیا یا کہا یا لکھا ہے، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ سمجھتے، بلکہ شیطانوں ہی کا فعل سمجھتے، تو سلیمان کو اُس سے بری کرنے کی ضرورت نہوتی پس تقدیر آیت کی یوں ہوئی کہ،، واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملك سلیمان منسوبہ الیہ من سلیمان۔،، وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا،، یعنی اور پیروی کی اُس چیز کی جو شیاطین ملک سلیمان کی نسبت پڑھتے تھے یہ

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۱۵﴾	وہ لوگ جنکو ہمنے کتاب (یعنی توریت) دی ہے اُسکو پڑھتے ہیں جیسا پڑھنے کا حق ہو وہی لوگ اُسپر یقین رکھتے ہیں، اور جو اُسکے منکر ہیں وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں (۱۱۵)

سمجھکر کہ سلیمان نے اُسکو کیا ہو، حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا۔ اسکے آگے لفظ ہو،، وما انزل علی الملکین،، مگر سیاق اس کلام کے جو اُسکے اوپر ہو، اُسکا صاف یہ مطلب پایا جاتا ہو کہ ۔ واتبعوا ما انزل بظنھم علی الملکین یعنی پیروی کی اُس چیز کی جسکی نسبت وہ گمان کرتے تھے کہ دو فرشتوں پر اُتاری گئی ہو، پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ درحقیقت خدا کی جانب سے کوئی چیز اُن فرشتوں پر اُتاری گئی تھی، بلکہ صرف یہ پایا جاتا ہو، کہ جسطرح وہ لوگ اُن چیزوں کو سمجھتے تھے کہ وہ سلیمان سے ہیں، حالانکہ سلیمان سے نہیں تھیں، اسیطرح دونوں فرشتوں کی نسبت بھی سمجھتے تھے، کہ خدا کی طرف سے وہ علم اُنکو دیا گیا ہو، حالانکہ خدا کی طرف سے کچھ نہیں دیا گیا تھا۔

یہ معنی جو ہمنے بیان کیئے ہیں ایسے صاف اور صحیح ہیں، کہ کوئی شخص بھی انکے صاف اور صحیح اور سیدھے ہونے میں کلام نہیں کر سکتا، اور کسی قسم کی تاویل بھی اسمیں نہیں ہو۔ لفظوں سے اور عبارت سے و سیاق کلام سے جو صحیح معنی نکلتے ہیں، وہ بیان کیئے ہیں، پس مخالفین قرآن نے جو یہ اعتراض کیا ہو، کہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے، کہ خدا لوگوں کو جادو بھی سکھاتا ہو، اور ایسا ناپاک کام خدا نازل کرتا ہے وہ ایک لغو و بیہودہ ناسمجھی کا اعتراض ہو، ہاں اسمیں کچھ شک نہیں، کہ ہمارے مفسرین نے بہت سی لغو باتیں اور جھوٹی روایتیں اور یہودیوں اور مجوسیوں کی حکایتیں اپنی تفسیروں میں بھر دی ہیں جنکا الزام خود اُن مفسروں پر ہے نہ قرآن پر ۔

حضرت سلیمان کا زمانہ ایک ابتر حالت میں ہو گیا تھا۔ کافروں کو موافق اپنے مذہب

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۱۱۶)	اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمتوں کو جو مینے تمکو دی ہیں، اور مینے تمکو تمام عالموں پر بزرگی دی ہے (۱۱۶)

اور عقائد کے پوجا پاٹ اور بُت پرستی کرنے سے کچھ ممانعت نہ تھی، خود حضرت سلیمان نے نہایت کثرت سے بیویاں کرلی تھیں، اور بُت پرست عورتوں کو بھی اپنی بیویاں بنایا تھا۔ عمونی قوم کی اور موابی قوم کی اور صدوقی قوم کی بیویاں اُنکے گھر میں تھیں، اور وہ اپنے محلوں میں بُت پرستی کرتی تھیں، اور اس سببسے گویا شاہی محل میں بُت پرستی ہونے لگی تھی، مگر خود حضرت سلیمان خدا کا نہایت ادب کرتے تھے، اور اُسکے نام کی کسی چیز کو بت پرستی کی آلایش میں شریک نہیں ہونے دیتے تھے، یہانتک کہ اُس محل میں جسمیں حضرت داؤد رہتے تھے، ایک دفعہ تابوت سکینہ آیا تھا تو اُسکے ادب سے اُنھوں نے اپنی ایک بت پرست بیوی کو وہاں رکھنا پسند نہیں کیا اور اُسکے لیئے جدا محل بنایا +
سلیمان کی سلطنت اگرچہ بہت بڑی اور قوی تھی، لیکن اُسمیں بھی خرابیاں ہوگئی تھیں، حضرت داؤد جب نہایت ضعیف ہوگئے تو ادونیاہ اُنکے بڑے بیٹے نے یواب اور ابیاتار کی سازش سے تخت پر بیٹھنا چاہا، مگر حضرت سلیمان کی ماں نے جاکر حضرت داؤد کو خبر کی، اور سلیمان کو تخت پر بٹھلانے کی درخواست کی، اور حضرت داؤد نے سلیمان کو تخت پر بیٹھنے کی اجازت دیدی، اور بنایاہ اور صادوق اور ناثان نبی نے حضرت سلیمان کو تخت پر بٹھادیا، مگر ادونیاہ اور یواب اور ابیاتار دلوں میں مخالف تھے، اور گویا دو گروہ خدا پرستوں کے ایک دوسرے کے مقابلہ میں قائم ہوگئے تھے، اور تیسرا گروہ بت پرستوں کا موجود تھا، اور گویا حضرت سلیمان کے شریکوں میں یا ساتھیوں میں شمار ہوتا تھا +

یہ سب واقعات تاریخی ہیں، اور ایسے واقعات کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک گروہ کے مجمعے جدا جدا قائم ہوگئے ہونگے، اور ایک گروہ دوسرے گروہ سے اپنے رازوں کو مخفی رکھتا ہوگا۔ یہی بنا معلوم ہوتی ہے جسکے سبب حضرت سلیمان کے وقت میں وہ

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور ڈرو اُس دن سے جبکہ کوئی کچھ بھی کسی کے کام نہ آویگا، اور نہ کچھ اُسکے بدلے میں قبول کیا جاویگا، اور نہ اُسکے لیئے کوئی سفارش فائدہ دیگی، اور نہ اُنکی مدد کیجاویگی (۱۱۷)

مجمع قائم ہوگیا تھا جسکو اس زمانہ میں فرمیسن کہتے ہین، اور ہمارے ملک کے لوگوں نے جادو گھر اسکا نام رکھا ہی، اس قسم کا مجمع راز حیرام بادشاہ صور کے ہاں بھی تھا۔ یہ بادشاہ حضرت داؤد کا بہت دوست تھا، اور کچھ عجب نہیں کہ وہیں سے اس مجمع راز کے قائم کرنے کو اخذ کیا ہو، اور فیثاغورث حکیم نے بھی اسی قسم کا ایک مجمع راز اپنے شاگردوں کے لیئے قائم کیا تھا۔ ان تمام حالات کا مقتضا یہ تھا، کہ کچھ پوشیدہ راز آپسمیں ہوں، اور کچھ پوشیدہ تحریریں بھی ہوں، اور انہیں کچھ اصلی ہوں، اور کسی وقت میں کسی نے جعلی اور مصنوعی باتیں اور تحریریں اُسمیں ملادی ہوں، اور انکو بھی اصلی تحریریں ظاہر کیا ہو۔ جھوٹی تحریروں کے اس اختلاط کا حضرت سلیمان کے گروہ میں پیدا ہونا زیادہ تر احتمال رکھتا ہی، کیونکہ اُنکے محل میں بت پرست عورتیں موجود تھیں، اور تمام بت پرست قومیں اُنکی حامی اور مددگار تھیں، اور وہ اپنی مذہبی رسم و رواج اور پوجا پاٹ کے قائم رکھنے کو زیادہ راغب ہونگی، اور سلیمان کے بعد اُن جھوٹی تحریروں کو جنمیں کفر کی باتیں بھی ہونگی لوگوں نے سلیمان کی تحریریں گمان کر کے اختیار کیا ہوگا اور اُنکی پیروی کرتے ہونگے۔ اسی امر کی نسبت خدا نے فرمایا ہی، کہ وہ سلیمان کی تحریریں نہیں تھیں، بلکہ شیطانوں یعنی کافروں کی تحریریں تھیں۔ اور انھوں نے ہی انمیں کفر کی باتیں لکھی تھیں سلیمان نے نہیں لکھی تھیں۔ یہ ایک تاریخی‡ واقعہ ہی جسکا اشارہ قرآن میں ہی +

شیاطین کے معنی ہمنے کافروں کے لیئے ہیں، بیضاوی میں لکھا ہی کہ "الشیاطین

‡ اس زمانہ میں بھی ایسی تحریریں موجود ہیں جو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب ہیں مگر خود یہودی اور عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مصنوعی تحریریں ہیں، سلیمان کی نہیں ہیں۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (۱۱۸)	اور جب مبتلا کیا ابراہیم کو اُسکے پروردگار نے چند باتوں میں پھر اُسنے اُنکو پورا کیا (خدا نے) کہا کہ بیشک میں تجھکو لوگوں کے لیئے پیشوا کرنے والا ہوں (ابراہیم نے) کہا اور میری اولاد میں سے (خدا نے) کہا کہ میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچتا (۱۱۸)

من الجن والانس او منهما، یعنی شیاطین کے لفظ سے یا تو شیاطین جن مراد ہیں یا شیاطین الانس یعنی شریر آدمی یا دونوں۔ تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے، کہ اکثر مفسر شیاطین سے شیاطین جن مراد لیتے ہیں، اور معتزلے شیاطین انس، اور بعضے دونوں قرار دیتے ہیں، لیکن ہر ایک سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ شیاطین سے شیاطین الجن مراد لینا مذہب کو ایک عجوبہ بنانا ہے، اور شیاطین سے شیاطین الجن مراد لینے پر نہ کوئی تاریخی دلیل ہے نہ کوئی عقلی دلیل ہے، اور نہ اس آیت میں کوئی اس قسم کا اشارہ ہے، بلکہ جو تاریخی واقعہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے اُس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہی کافر مراد ہیں جنھوں نے کفر کی جھوٹی تحریریں یا جھوٹی باتیں بنائی تھیں +

ہاروت اور ماروت دونوں تاریخی شخص ہیں، یعنی اُنکا وجود تاریخ کی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔ یہ دونوں شخص شام کے رہنے والے تھے، قرآن مجید میں انکا کوئی قصہ بجز اُسکے جو یہاں ہے بیان نہیں ہوا ہے، تمام قصے جو مفسرین نے انکی نسبت اپنی تفسیروں میں بھر لیئے ہیں، اُنکی کچھ اصل مذہب اسلام میں نہیں ہے جتنی روایتیں اُنکی نسبت مذکور ہیں وہ سب مصنوعی اور جھوٹی ہیں۔ مسٹر ہائڈ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مجوسیوں کے ہاں انکی نسبت بہت سے قصے لغو مشہور تھے، ہمارے مفسرین کی یہ عادت ہے کہ کسی کے ہاں کا قصہ ہو جب وہ اپنی تفسیروں میں اُسکو داخل کرتے ہیں تو اُسکے ساتھ ایک ایسی مصنوعی روایت داخل کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ مسلمانی

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۱۹﴾

اور جب ہمنے کعبہ کو آدمیوں کے لئے مرجع اور امن کی جگہہ بنایا، تو اختیار کرو مقام ابراہیم کو نماز کی جگہہ اور ہمنے ابراہیم اور اسمٰعیل سے عہد لیا کہ پاک رکھیں میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیئے (۱۱۹)

روایت ہی، مگر اس جھوٹ کا جو الزام ہی وہ مفسرین یا راویوں پر ہی قرآن اُس سے بری ہے +

یہ دونوں فرشتے نہیں تھے بلکہ آدمی تھے۔ ہمارے ہاں کے بعض مفسروں نے بھی اُنکا آدمی قرار دیا ہی، چنانچہ حسن نے ملکین کے لفظ کو لام کے زیرسے پڑھا ہی، جسکے معنے دو بادشاہوں کے ہیں۔ اور ضحاک سے اور ابن عباس سے بھی لام کے زیرسے پڑھنا روایت کیا گیا ہی۔ پھر انمیں اسبات پر اختلاف ہوا کہ وہ کون تھے۔ حسن کا قول ہی، کہ وہ دونوں بابل میں عجم کے کافروں میں سے تھے۔ بغیر ختنہ کیئے ہوئے، کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہی کہ وہ دونوں بادشاہوں میں سے صالح آدمی تھے +

> قرء الحسن ملكين بكسر اللام وهو مروي الضحاك وابن عباس ثم اختلفوا فقال الحسن كانا علجين اقلفين ببابل يعلمان الناس السحر وقيل كانا رجلين صالحين من الملوك ــ تفسیر کبیر

ہم ملکین کے لفظ کو مطابق قرأت مشہورہ لام کے زبر سے پڑھتے ہیں، مگر فرشتے مراد نہیں لیتے، بلکہ آدمی ہی مراد لیتے ہیں۔ جسکو لوگ نہایت نیک سمجھتے ہیں، اسپر فرشتہ کا اطلاق کرتے ہیں، قرآن مجید سے بھی کافروں میں اُس محاورہ کا ہونا پایا جاتا ہے جسطرح کہ زلیخا کی سہیلیوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھکر کہا تھا کہ "ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملك كريم" اور مجوسیوں میں بھی ایسا استعمال تھا۔ اور ہائڈ صاحب کی کتاب سے بھی معلوم ہوتا ہی کہ مجوسی ہاروت ماروت کو فرشتہ کہتے تھے۔ پس اس آیت میں جسطرح کہ لوگوں کے اس گمان کو کہ جو علم اُنکے پاس تھا وہ خدا کی طرف سے اُتارا گیا تھا، بیان کیا گیا ہی، اسیطرح پر جس خیال سے کہ وہ اُنکو فرشتہ کہتے تھے ملکین کا

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۰﴾	اور جب ابراہیم نے کہا، اے پروردگار اس جگہ کو ایک شہر پر امن کر دے اور رزق دے اسکے رہنے والوں کو پھلوں کا ان میں سے جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور اخیرن پر (خدا نے) کہا اور (یہ بھی کہو کہ اسکو بھی) جو کافر ہو، پھر میں اسکو تھوڑا سا فائدہ مند کرونگا، پھر اسکو مجبور کرونگا آگ کے عذاب میں اور بری جگہ میں جانے کو (۱۲۰)

لفظ لام کے زیر سے لایا گیا ہی، یعنی اُن لوگوں نے اُس چیز کی پیروی کی جسکی نسبت وہ کہتے تھے کہ بابل میں ہاروت اور ماروت پر جنکو وہ فرشتہ کہتے تھے خدا کی طرف سے اتاری گئی ہی، پس خدا نے نہ یہ فرمایا ہی کہ جو علم انکے پاس تھا وہ خدا کی طرف سے اتارا ہوا تھا، اور نہ یہ فرمایا ہی، کہ وہ دونوں فرشتے تھے، بلکہ جو زعم ان دونوں باتوں کی نسبت کافروں یا یہودیوں کا تھا وہ بیان کیا گیا ہے ؞

اب ایک شبہ باقی رہجاتا ہی کہ وہ جادو سیکھنے والوں کو منع کیوں کرتے تھے کہ تم مت سیکھو، اور کافر مت ہو یعنی بُرا کام کرنیوالے مت ہو۔ یہ بات کچھ تعجب کی نہیں ہی۔ جادو سے اپنے خیال میں نقصان پہنچانا، خواہ فی الحقیقت اُس سے نقصان پہنچتا ہو یا نہیں ہر کوئی یہانتک کہ جادوگر بھی بُرا جانتا ہی، اور اسی وجہ سے وہ سیکھنے والے کو منع کرتے تھے، اس زمانہ میں بھی بہت لوگ ایسے ہیں جو کوئی بُرا کام جانتے ہیں، مگر جب کوئی اُن سے سیکھنا چاہتا ہی تو کہتے ہیں، کہ یہ خراب کام ہی کیوں سیکھتے ہو، لیکن جب سیکھنے والا اصرار کرتا ہی تو سکھا دیتے ہیں، پس ہاروت اور ماروت کا سیکھنے والوں کو ایسا کہنا ایک عام مجرا طبیعی کے موافق تھا ؞

اسی آیت میں اسبات پر بھی دلیل ہے کہ سحر باطل ہی، یعنی سحر کچھ موثر نہیں ہی کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہی کہ وہ کسی کو بسبب اپنے سحر کے کچھ نقصان پہنچانے والے نہ تھے۔ اور یہ کہنا نص صریح اس بات پر ہی کہ سحر کچھ اثر نہیں رکھتا اور یہی معنی سحر کے باطل ہونے کے ہیں۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ	اور جب ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اُٹھاتا تھا اور اسمٰعیل (اُسکے ساتھ تھا تو اُن دونوں نے کہا)

آگے جو خدا نے فرمایا کہ "اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ"، اسکے یہ معنی سمجھنا کہ اُنکا سحر خدا کے حکم سے اثر کرتا تھا، محض غلطی اور ناسمجھی ہی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہی کہ عامل یا جادوگر کسی کام کے لیئے عمل یا جادو پڑھتا ہی اور وہ کام اتفاقیہ اُسکی خواہش کے مطابق ہوجاتا ہے اور شبہ پڑتا ہی کہ عمل یا جادو کے اثر سے ہوا ہی۔ اس شبہ کے مٹانے کو خدا نے فرمایا "اِلَّا باذن اللہ" یعنی ایسی حالت میں جو کام ہوجاتا ہی وہ خدا کے حکم سے ہوجاتا ہے۔ کچھ جادو یا عمل کے سبب نہیں ہوتا +

ہمنے اوپر بیان کیا تھا کہ ان آیتوں میں دو زمانہ کے لوگوں کا ذکر ہے۔ ایک اُس زمانہ کے یہودیوں کا جو حضرت سلیمان کے وقت میں اور اُنکے بعد تھے، اور ایک اُن لوگوں کا جو ہاروت اور ماروت کے زمانہ میں تھے۔ پس جان لینا چاہیئے کہ پہلا نو۔ سے آیت کے شروع سے ان لفظوں تک کہ "بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اوتاری گئی ہی" اُن لوگوں کا ذکر ہی، جو حضرت سلیمان کے وقت میں اور اُنکے بعد تھے۔ اور ان الفاظ سے کہ "اور وہ کسی کو نہیں سکھاتے" ان الفاظ تک کہ "اور اُنسے سیکھتے تھے وہ چیز جو اُنکو نقصان دیتی تھی اور نفع نہ پہنچاتی تھی" اُن لوگوں کا ذکر ہے جو ہاروت و ماروت کے زمانہ میں تھے، اور اُسکے بعد عام یہودی مخاطب ہیں جو توریت سے جانتے تھے کہ جادو گناہ اور کفر ہے +

۱۰۰ (وما تتلو) اس آیت کی تفسیر میں ہمارے ہاں کے مفسروں نے بے انتہا کج بحثیاں کی ہیں، اور مذہب اسلام کو بلکہ خدا کو بدنام کیا ہی، اور قرآن مجید کو ایک شاعر کی بیاض بنا دیا ہی۔ اُنہی کج بحثیوں میں بعض مفسروں نے جنکو خدا نے ہدایت کی ہی سیدھی راہ بھی اختیار کی ہی۔ ہر ایک شخص جسکی مزاج میں کج بحثی نہیں ہی وہ اس آیت کو اور اس سے پہلی آیت کو پڑھکر سیدھا اور صاف مطلب سمجھ سکتا ہی۔ اس

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۱﴾	اے ہمارے پروردگار اسکو ہمسے قبول کر، بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے (۱۲۱)

آیت سے پہلی آیت میں خداتعالیٰ نے فرمایا ہی، کہ اھل کتاب اِس بات کو دوست نہیں رکھتے کہ خدا کی طرف سے تمپر کچھ بھلائی اُترے، اور بھلائی سے علانیہ مراد قرآن اور احکام شریعت ہیں۔ اھل کتاب جو اِس بات کو دوست نہیں رکھتے تھی اُسکی صاف صاف دو وجہیں تھیں۔ اول یہ کہ تمام انبیا بنی اسرائیل میں گذرے تھے، اور اُنکو پسند نہیں تھا کہ بنی اسمٰعیل میں جنکو وہ بالطبع حقیر بھی سمجھتے تھے کوئی نبی پیدا ہو۔ اُسکی نسبت خدانے فرمایا کہ اللہ مخصوص کرتا ہی اپنی رحمت سے جسکو چاہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ احکام شریعت محمدیؐ کے موسویؑ شریعت کے احکام سے کسیقدر مختلف تھے، اور یہودی اپنی شریعت کی نسبت سمجھتے تھے کہ وہ دائمی ہے، اور کبھی کوئی حکم اُسکا تبدیل نہیں ہونے کا۔ اسکی نسبت خداتعالیٰ نے فرمایا کہ جو آیت کہ ہم منسوخ کرتے ہیں یا بُھلا دیتے ہیں تو اُسکی جگہ اُسی کی مانند یا اُس سے بہتر آیت دیتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام میں آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت مراد نہیں ہی بلکہ موسوی شریعت کے احکام جو شرع محمدیؐ میں تبدیل ہوگئے، یا جن احکام شریعت موسوی کو یہودیوں نے بُھلا دیا تھا وہ مراد ہیں۔ ہمارے اکثر مفسرین نے نہایت کج بحثی سے اس آیت میں جو لفظ، آیت ہی اسکو قرآن مجید کی آیتوں پر محمول کیا ہی، اور یہ سمجھا ہی کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے منسوخ ہوجاتی ہی: اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ، ننسھا، کے لفظ سے یہ قرار دیا، کہ پیغمبر خدا صلعم بعض آیتوں کو بھول بھی گئے تھے، اور اُن دو لفظوں یعنی نسخ اور ننسھا کی بنا پر جھوٹی اور مصنوعی روایتوں کے بیان کرنے سے اپنی تفسیروں کے ورق کے ورق سیاہ کردیئے ہیں، مگر اُنمیں کی ایک روایت بھی صحیح نہیں ہی، اُنہی جھوٹی روایتوں کی بنا پر اُنھوں نے قرآن کی آیتوں کو جا

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۲﴾	ای ہمارے پروردگار اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد کو اپنی فرمانبردار امت ، اور دکھا ہمکو ہماری عبادت کے طریقے ، اور ہمکو معاف کر بیشک توہی بڑا معاف کرنیوالا مہربان (۱۲۲)

قسم کی آیتوں پر تقسیم کیا ✦

اول ۔ وہ آیتیں جنکی تلاوت اور احکام دونوں بحال ہیں اور وہ سب آیتیں قرآن میں موجود ہیں ۔

دوم ۔ وہ آیتیں جنکی تلاوت بحال ہی اور احکام منسوخ ہو گئے ہیں ۔ ان آیتوں کی نسبت بھی کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود ہیں ۔

سوم ۔ وہ آیتیں جنکی تلاوت منسوخ ہو گئی ہی مگر احکام بحال ہیں ✦

چہارم ۔ وہ آیتیں جنکی تلاوت اور احکام دونوں منسوخ ہو گئے ہیں ۔ اور تیسری اور چوتھی قسم کی آیتوں کی نسبت کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود نہیں ہیں ، مگر ان جھوٹی روایتوں میں اُنکا موجود ہونا بیان کرتے ہیں ✦

ہم ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے ، اور یقین جانتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اُترا وہ بے کم وکاست موجودہ قرآن میں جو درحقیقت آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات میں تحریر ہو چکا تھا موجود ہی ، اور کوئی حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہی ، اور نہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ ہی ، بلکہ احکام ادیان سابقہ کی نسبت بھی لفظ نسخ کا مجازی معنی میں استعمال ہوا ہی نہ حقیقی معنی میں ۔ اسکی تشریح کے لئے ہمکو نسخ کے معنوں سے بحث کرنی پڑیگی ، اور جو احکام کہ تبدیل ہو گئے ہیں اُنکی بھی حقیقت بیان کرنی ہوگی ، لیکن قبل اسکے ہمکو اُن مفسروں کی رائے کا بیان کرنا مناسب ہی جنھوں نے آیت کے لفظ سے جو اس آیت میں ہی ، قرآن کی آیتیں مراد نہیں لی ہیں ✦

قال ابو مسلم ۔ ان المراد من الآیات المنسوخۃ الشرائع التی فی الکتب القدیمۃ

ابو مسلم صرف ایک شخص ہی جو خلاف جمہور مفسرین کے ہماری

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱۲۳)	اے ہمارے پروردگار اُنمیں اُنہی میں سے ایک رسول مبعوث کر کہ اُنکو تیری نشانیاں سُناوے، اور اُنکو کتاب اور حکمت سکھاوے، اور اُنکو پاک رکھے، بیشک تو ہی بڑا ہے حکمت والا (۱۲۳)

رائے سے متفق ہی۔ اُسکا بھی یہی عقیدہ ہی، کہ قرآن میں نسخ واقعہ نہیں ہوا، اور اُسکا قول ہی کہ آیات منسوخہ سے مراد وہ شریعتیں ہیں، جو کتب مقدسہ یعنی توریت اور انجیل میں تھیں، جیسے کہ سبت کا ماننا اور مشرق اور مغرب کی طرف نماز کا پڑھنا۔ اور اسی قسم کے حکموں کی مانند جو اللہ نے ہم سے دور کر دیئے ہیں، اور ہم بغیر اُسکے عبادت کرتے ہیں، یہود اور نصاری کہتے تھے کہ بجز اُسکے جو ہمارے دین کا تابع ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ، پس اللہ نے اس آیت سے اُسکو باطل کر دیا +

بعض آدمیوں نے اسکا یہ جواب دیا ہی، کہ آیت کا لفظ جبکہ اطلاق کیا جاتا ہی تو اُس سے قرآن ہی کی آیتیں مراد ہوتی ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک وہی آیتیں مقرر ہیں +

لیکن کوئی شخص اسکا جواب دے سکتا ہے کہ ہم یہ بات نہیں مانتے، کہ آیت کا لفظ قرآن کی آیتوں سے مخصوص ہی بلکہ وہ عام ہی اور ہر دلیل پر بولا جاتا ہے +

امام فخر الدین رازی نے یہ بات تسلیم کر لی ہی، کہ قرآن مجید میں منسوخ آیتیں ہیں پر اس آیت سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہی، اور اسلیئے اُنھوں نے اور آیتوں سے استدلال کیا ہی، چنانچہ تفسیر کبیر میں وہ لکھتے ہیں، کہ ہمنے کتاب محصول میں جو اصول فقہ میں ہی، تمام بحثیں جو عدم نسخ پر دلالت کرتی

الشرايع التي في الكتب القديمة من التورية والانجيل كالسبت والصلوة الى المشرق والمغرب مما وضعه الله تعالى عنا وتعبدنا بغيره فان اليهود والنصارى كانوا يقولون لا تؤمنوا الا لمن تبع دينكم فابطل الله عليهم ذلك بهذه الآية +

ومن الناس من اجاب بان الآية اذا اطلقت فالمراد بها آيات القرآن لانه هو المعهود عندنا +

ولقائل ان يقول لا نسلم ان لفظ الآية مختص بالقرآن بل هو عام في جميع الدلائل (تفسير كبير صفحہ ۴۰۶ جلد ۱ +

واعلم انا قد اثبتنا هذه الجملة في كتاب

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۱۲۴)

اور کون ابراہیم کی ملت سے منھ پھیرتا ہی بجز اسکے جو خود بیوقوف بنا ہوا اور بیشک ہمنے اُسکو برگزیدہ کیا ہی دنیا میں، اور وہ بیشک آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہے (۱۲۴)

المحصول فی اصول الفقہ تمسکنا فی وقوع النسخ بقولہ تعالیٰ ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا الاستدلال بہ ایضا ضعیف لان ما ھٰھنا تفید الشرط والجزاء وکما ان قولک من جاءک فاکرمہ لا یدل علی حصول المجئ بل علی انہ متی جاء وجب الاکرام فکذا ھذہ الاٰیۃ لا تدل علی حصول النسخ بل علی انہ متی حصل النسخ وجب ان یأتی بما ھو خیر منہ فالاقوی ان نعول فی الاثبات علی قولہ تعالیٰ واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ وقولہ یمحوا اللّٰہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب واللّٰہ اعلم۔ (تفسیر کبیر جلد ا۔ صفحہ ۴۰۷) +

ہیں، بیان کرکے، ہمنے وقوع نسخ پر اسی آیت ما ننسخ پر استدلال کیا ہی۔ مگر اس آیت پر استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہی۔ اسلیئے کہ ما کا لفظ اسجگہ بطور شرط اور جزا کے ہے، جیسے کہ تم کسیکو کہو، کہ جو شخص تیرے پاس آئے تو اُسکی تعظیم کر، تو یہ کہنا کسی شخص کے آنے پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ صرف اتنا نکلتا ہی، کہ جب کوئی آوے تو اُسکی تعظیم کرنی واجب ہی۔ اسیطرح یہ آیت بھی حصول نسخ پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس سے یہ نکلتا ہی کہ جب کوئی آیت منسوخ ہو، تو اُسکے بدلے دوسری آیت جو اس سے اچھی ہو لانی واجب ہی۔ پس ٹھیک بات یہ ہی کہ نسخ کے ثبوت میں ہم اور آیتوں کو اختیار کریں، یعنی اس آیت کو "واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ" اور اس آیت کو "یمحوا اللّٰہ ما یشاء ویثبت وعندہٗ ام الکتاب" +

ہم امام فخر الدین رازی کا شکر کرتے ہیں، کہ اُنھوں نے اسقدر تو ہمسے اتفاق کیا کہ اس آیت سے قرآن مجید میں آیت منسوخہ کا موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا، مگر خدا نے چاہا تو ہم بتا دینگے کہ اُن آیتوں سے بھی جنپر امام رازی نے منسوخ ہونیکا استدلال کیا ہی حقیقتاً منسوخ ہونا آیتوں کا ثابت نہیں ہوتا +

ناسخ و منسوخ کی بحث درحقیقت ایک لغو بحث ہی اسپر بحث کرنے کی ضرورت

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَـكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۲۶﴾	جب اُسکے پروردگار نے اُسکو کہا کہ فرمانبردار ہو تو کہا فرمانبردار ہوا میں پروردگار عالموں کا (۱۲۵) اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے یہ وصیت کی کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمھارے لیے اس دین کو برگزیدہ کیا ہی پس تم مت مرنا بجز اسکے کہ تم مسلمان مرو (۱۲۶)

صرف اسوجہ سے ہوگئی ہی، کہ فقہاے اسلام نے نہایت غلط قیاس اور بیجا استدلال سے اور صرف اپنے دل کے پیدا کیئے ہوئے خیالات سے، قرآن کی آیتوں کا اسطرح پر منسوخ ہونا قرار دیا ہی، جو خدا کی شان اور قرآن کے ادب کے بالکل برخلاف ہے، اور ہرگز مذہب اسلام کا وہ مسئلہ نہیں ہی، اور نہ اُن فقہا کے استنباط کیلئے کوئی دلیل ہے۔ اُنھوں نے جو آیات منسوخہ کو تین قسم، یعنی منسوخ الحکم ثابت التلاوت اور منسوخ التلاوت ثابت الحکم اور منسوخ التلاوت والحکم قرار دیا ہی، یہ محض جھوٹی تقسیم ہے اور خود اُنکی دل کی بنائی ہوئی ہی، اور مفسرین نے جھوٹی اور بے سند روایتیں اپنی تفسیروں میں بھردی ہیں، اور اگر ناسخ اور منسوخ کی بحث صرف اتنی بات پر منحصر رہتی، کہ آیا شرایع سابقہ میں کوئی ایسے احکام تھے جو اب شریعت اسلام میں نہیں رہے، یا اُنکی عوض دوسرے احکام آئے اور شرایع سابقہ کے احکام منسوخ ہوگئے یا نہیں۔ یا یہ کہ خود اسلام میں کوئی ایسے احکام تھے جو بعد کو قائم نہ رہے، یا اُسکے بدلے اور احکام آئے، اور پہلے احکام منسوخ ہوگئے یا نہیں، تو یہ بحث البتہ دلچسپ اور ذی عقلوں کی سی بحث ہوتی، اور اسپر مباحثہ کرنے کی کچھ ضرورت نہ پڑتی۔ کیونکہ جو لوگ احکام کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں، اور جو اُنکے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں، جب اُن دونوں کی بحثوں پر غور کیا جاوے، تو بجز نزاع لفظی کے یا ناسخ و منسوخ کو بطور ایک علمی اصطلاح کے قرار دینے کے، اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا،

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۲۷﴾

(اے بنی اسرائیل) کیا تم موجود تھے جبکہ یعقوب کو موت آئی جبکہ اُسنے اپنے بیٹوں کو کہا کہ میرے بعد کسکو پوجوگے، اُنھوں نے کہا کہ ہم عبادت کرینگے تیرے خدا کی، اور تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق کی خدا کی، جو خدائے واحد ہی، اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں (۱۲۷)

پس ہم اِس بات سے کہ قرآن کی آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ التلاوت وثابت الحکم، یا منسوخ التلاوت والحکم ہی انکار کرکے اس بات کی بحث پر متوجہ ہوتے ہیں، کہ آیا قرآن میں ایسی آیتیں جنپر ثابت التلاوت ومنسوخ الحکم ہونیکا اطلاق ہوسکے موجود ہیں یا نہیں۔ نتیجہ اس بحث کا صرف یہ ہوگا کہ آیا قرآن میں احکام منسوخہ ہیں یا نہیں، یا ایک آیت کا حکم دوسری آیت کے حکم کو منسوخ کرتا ہے یا نہیں، اور نتیجہ اس بحث کا بجز نزاع لفظی کے اور کچھ نہوگا +

نسخ کے معنی لغت میں کسی شے کے دور کردینے کے اور متغیر کردینے اور باطل کردینے کے ہیں خواہ اُسکی جگہہ کوئی دوسری چیز قائم ہوئی ہو یا نہوئی ہو، اور نقل وتحویل کے معنی بھی ہیں، اور اس بحث سے کہ ان معنوں میں سے اصلی کونسے ہیں اور مجازی کون سے ہمکو چنداں فائدہ نہیں ہی۔ مگر جب اس لفظ کو کسی خاص علم میں استعمال کیا جائیگا، مثلاً شرع میں، تو اُسکی تعریف میں کچھ ایسے الفاظ بڑھانے ہونگے جس سے وہ معنی اُس علم کے مناسب ہوجاویں۔ پس شرع میں نسخ کے معنی یہ ہونگے کہ ایک شرعی حکم کا کسی دوسرے شرعی حکم سے زائل یا متغیر یا باطل ہونا۔ پہلا حکم منسوخ کہلائیگا اور دوسرا حکم ناسخ +

ناسخ کے معنے علماء نے یہ قرار دیئے ہیں، کہ ناسخ سے مراد ایک ایسی شرعی

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٨﴾

یہ ایک امت تھی جو گذر گئی، انکے لیئے وہ چیز ہے جو انھوں نے کمائی، اور تمھارے لیئے وہ چیز ہے جو تمنے کمائی، اور تمسے اسچیز کی پرسش نہوگی جو وہ کرتے تھے (۱۲۸)

ان الناسخ فی اصطلاح العلماء عن طریق شرعی یدل علی ان الحکم الذی کان ثابتا بطریق شرعی لایوجد بعد ذلك مع تراخیه عنه علی وجهه لولاه لکان ثابتا (تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۴۵۹)

قاعدہ سے ہو جو اسبات پر دلالت کرے کہ اس سے پہلے جو حکم بقاعدہ شرعی ثابت ہو چکا تھا، اسکے بعد نہیں رہا، ایسی حالت میں کہ اگر یہ پچھلا حکم نہوتا تو وہ پہلا حکم ثابت اور قائم رہتا —

اس تعریف میں جو قیدیں کہ علما نے لگائی ہیں اُسکے یہ فائدے بتائے ہیں، کہ قاعدہ شرعی کی جو قید لگائی ہو وہ اسلیئے لگائی ہے کہ اُسمیں خدا ورسول کے قول وفعل شامل ہوجائیں، اور اجماع امت علی احد القولین خارج ہوجاوے کیونکہ جو طریق شرعی کی تفسیر یہاں بیان ہوئی ہے اُسمیں اجماع داخل نہیں ہوتا اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ شرع عقلی حکم کی ناسخ ہو، کیونکہ حکم عقلی کا ثبوت شرعی قاعدہ پر نہیں ہوتا، اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ معجزہ شرعی حکم کا ناسخ ہو کیونکہ وہ معجزہ شرعی طریق سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حکم کسی مدت یا شرط یا استثنا پر مقید ہو، کیونکہ ایسی حالت کی جو شرط لگائی ہے اُس سے یہ سب خارج ہو جاتی ہیں، اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اگر خدا نے ہمکو کسی ایک کام کرنیکا ایک دفعہ حکم دیا، اور پھر اُس کام کی مانند دوسرا کام کرنے کو منع کیا تو یہ حکم اُسکا ناسخ ہوگا، کیونکہ اگر یہ منع نہوتا تب بھی وہ حکم ثابت نہ تھا ❖

یہ تعریف ناسخ کی جو گویا ناسخ و منسوخ دونوں کی تعریف ہے ظاہر ہے کہ منصوص

ترجمہ	آیت
اور (یہودیوں نے کہا) کہ یہودی ہو جاؤ (اور عیسائیوں نے کہا کہ) عیسائی (ہو جاؤ) تو تم راہ پاؤ گے (اے پیغمبر کہدو کہ نہیں)، بلکہ (میں پیروی کرتا ہوں) ملت ابراہیم کی جو خالص تھے، اور وہ مشرکوں میں نہیں تھا (۱۲۹)	وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۹﴾

نہیں ہو یعنی ظاہر ہے کہ یہ تعریف ناسخ و منسوخ کی نہ خدا نے بتائی ہو نہ رسول نے بتائی ہو، بلکہ علما نے خود اپنے قیاس اور خیال اور استنباط سے قائم کی ہو، اور کسی مسلمان پر واجب نہیں ہو کہ خواہ مخواہ اس تعریف کو تسلیم کرے ہمارے نزدیک جس وقت نسخ کو شرع سے متعلق کیا جائیگا تو اسوقت حیثیت کو اُس کا جزو قرار دینا واجب اور لازم ہوگا، کیونکہ جسقدر احکام شرعی ہیں وہ سب کسی نہ کسی حیثیت پر مبنی ہیں۔ پس اگر باوجود بقا اُس حیثیت کے جسپر وہ حکم صادر ہوا تھا، دوسرا حکم برخلاف پہلے حکم کے صادر کیا جاوے، تو کہا جاویگا کہ دوسرا حکم ناسخ ہو اور پہلا منسوخ، اور اگر وہ حیثیت جسکی بنا پر پہلا حکم صادر ہوا تھا موجود نرہے، تو دوسرا حکم پہلے حکم کا حقیقتاً ناسخ نہیں ہو، گو مجازاً ایک کا دوسرے کو ناسخ کہیں ✦

ذات باری کے تنزہ اور اُسکے تقدس اور اُسکے علم و دانش میں نقصان اُسی وقت لازم آتا ہو جبکہ ایک حیثیت کے لحاظ سے کوئی حکم دیا ہو، اور پھر باوجود موجود ہونے اُسی حالت حیثیت کے دوسرا حکم اُسکے مخالف دیا ہو، لیکن اگر حالت اور حیثیت مختلف ہوگئی ہو، تو دوسرا حکم دینا اُسکے تقدس کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتا، بلکہ نہ دینا اُسکے تقدس اور علم و دانش کو نقصان پہنچاتا ہو۔ پس ہم قبول کرتے ہیں کہ ایسے احکام بھی موجود ہیں، جو شرائع سابقہ میں ماموربہ تھے اور شرائع مابعد میں ماموربہ نہیں رہے، یا بالفرض ہم تسلیم کرلیں کہ خود مذہب اسلام ہی میں اول کوئی حکم ماموربہ تھا، اور پھر بعد کو ماموربہ نہیں رہا، اور یہ بھی ثابت ہو

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

کہو ایمان لائے اللہ پر، اور اُسپر جو اُتارا گیا ہے ہمپر، اور جو اُتارا گیا ہے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُسکے پوتوں پر، اور اُسپر جو دیا گیا ہے موسیٰ اور عیسیٰ کو اور اُسپر جو دیا گیا ہے نبیوں کو اُنکے پروردگار سے، ہم فرق نہیں کرتے کسی ایک میں اُنمیں سے، اور ہم اُسکے (یعنی خدا کے) فرمانبردار ہیں (۱۳۰)

کہ حیثیت اور حالت متحد نہیں رہی تھی، تو ہم ایک دوسرے کا ناسخ نہیں قرار دینگے، اور ہم کیا کوئی ذی عقل بھی ہندو مسلمان یہودی عیسائی دہریہ اُن میں سے کسی کو ناسخ و منسوخ نہیں کہنے کا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم مجازاً یا بطور ایک اصطلاح کے ناسخ و منسوخ کہنے لگیں۔ ہمنے تمام قرآن میں کوئی ایسا حکم نہیں پایا، اور اسلیئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔ علما و فقہا نے جن آیتوں کو ایک دوسرے کے مخالف خیال کیا ہے، اور ایک کو ناسخ اور ایک کو منسوخ ٹھہرایا ہے تو ہم ہر موقعہ پر ثابت کرینگے کہ وہ باہم مخالف نہیں ہیں، اور تفاوت حیثیت بھی ظاہر کر دینگے، جسکے بغیر لحاظ کے ناسخ و منسوخ کا قرار دینا محالات سے ہے ؛؛

ناسخ اور منسوخ کے باب میں لوگوں نے بہت سی بحثیں کی ہیں، اور ابو مسلم نے جو ناسخ و منسوخ ہونے کا قائل نہیں ہے، متعدد دلیلیں اُسکی امتناع پر پیش کی ہیں، اور اُسکے مخالفین نے جو جمہور مفسرین ہیں اُسکی تردید کی ہے. اور اثبات نسخ پر دلیلیں پیش کی ہیں، ہماری سمجھ میں وہ سب قشری بحثیں ہیں، مغز سخن تک کوئی نہیں پہونچتیں، اور جو اصل بات اتحاد حیثیت کی ناسخ و منسوخ میں تھی، اُسپر کسیکا خیال نہیں گیا ہے، اور اسلیئے ہم اُن بحثوں کا اپنی تفسیر میں ذکر کرنا محض بیفایدہ سمجھتے ہیں۔ امام رازی صاحب نے جن دو آیتوں سے اپنی دانست میں قرآن مجید

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۱﴾	پھر اگر ایمان لائے اُسچیز کی مانند پر جسپر تم ایمان لائے ہو، پھر بیشک اُنھوں نے راہ پائی، اور اگر پھرے تو اُسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہی مخالفت میں ہیں، پھر کافی ہوگا تیری طرف سے انکو اللہ، اور وہ سننے والا ہی جاننے والا (۱۳۱)

میں نسخ کا ہونا قرار دیا ہے۔ اگرچہ اُنسے بھی نسخ کا ہونا ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم اُن دونوں آیتوں کی تفسیر میں لکھینگے، لیکن ہم اُنسے نہایت ادب سے پوچھتے ہیں، کہ آپنے اتحاد حیثیت کی شرط کو بھی ملحوظ فرمایا ہی یا نہیں۔ غالباً وہ فرماوینگے کہ نہیں، تو ہم اُنسے عرض کرینگے کہ حضرت ناسخ و منسوخ ہونیکا ثبوت بھی نہیں ✤ ایک اور بات قابل لکھنے کے ہی کہ حدیث یعنی قول و فعل آنحضرت صلعم کا حکم قرآنی کا ناسخ ہی یا نہیں۔ اسمیں علما کے مختلف قول ہیں، مگر جبکہ ہم قرآن سے قرآن کا حقیقتاً منسوخ ہونا نہیں تسلیم کرتے، تو حدیث سے اُسکا حقیقتاً منسوخ ہونا کیونکر تسلیم کرسکتے ہیں، خواہ وہ حدیث خبر احاد کا درجہ رکھتی ہو، یا حدیث مشہور کا، یا لوگوں نے معناً یا لفظاً اُسکو متواتر کے درجہ تک سمجھا ہو، باقی رہا یہ کہ جسطرح لوگوں نے مجازاً ناسخ و منسوخ ہونے کا اطلاق کیا ہی اسطرح بھی ہم حدیث کو ناسخ قرآن سمجھتے ہیں یا نہیں، تو ہم اسطرح بھی نہیں سمجھتے، بلکہ اُسکو حدیث کی نامعتبری کی وجہ قرار دیتے ہیں، ہاں احادیث صحیحہ کو جنکا درایتاً صحیح ہونا ثابت ہوگیا ہو بمنزلہ قرآن سمجھتے ہیں ✤

۴۸ (وَاِذِ ابْتَلٰی)۔ اب خدا تعالیٰ اُن بزرگیوں کا ذکر کرتا ہی جو حضرت ابراہیم کو دی تھیں، اور اُن تمام بزرگیوں میں سے جو حضرت ابراہیم کو دی گئی تھیں سب سے بڑی بزرگی وہ ہی جبکہ اُنھوں نے کہا، اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، اسی نعمت کا خدا نے ذکر کیا ہی۔ کلمات کے لفظ سے عجائب صنع باری تعالیٰ مراد ہیں۔ حضرت ابراہیم ستاروں اور چاند اور

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾	اللہ کا رنگ (رنگو)، کون بہتر ہو اللہ کے رنگ سے، اور ہم اُسی کی عبادت کرنیوالے ہیں (۱۳۸)

سورج کو دیکھکر عجائب صنع باری تعالیٰ میں متحیر ہو گئے تھے، اور اُنہی پر خدا ہونے کا گمان کیا تھا، لیکن اُنھوں نے اُسکو غلط سمجھا اور پورے طور پر خدا پر یقین کیا۔ اُسی کی نسبت خدا نے فرمایا،، فاتمھن،،۔

کلمات کے لفظ سے ہنے عجائب صنع الٰہی مراد لی ہے۔ یہ لفظ سورۂ لقمان میں بھی آیا ہی جہاں خدا نے فرمایا ہی،، ما نفدت کلمات اللّٰہ،، صاحب تفسیر کبیر نے اُس مقام پر بھی عجائب صنع الٰہی مراد لی ہی اور یہ بہت درست ہے۔ لفظ کلمہ اور کلمات کا استعمال اُن تمام چیزوں پر ہوتا ہے جنکو خدا نے پیدا کیا ہے۔

۱۱۹ (وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ) بعد اسکے کہ کعبہ بن گیا تمام لوگوں میں اُسکی تعظیم اور اُسکی زیارت کو آنا شایع ہو گیا تھا، اور ایک بہت بڑی تجارت گاہ بنگیا تھا اور تمام قوموں نے آپسمیں عہد کر لیا تھا کہ حج کے ایام میں قتل اور غارت اور خونریزی بند رہیگی، اور تمام لوگ جو مکہ میں آتے ہیں امن میں رہینگے۔ انہی دونوں باتوں کا خدا نے اُس مقام پر ذکر کیا ہے ✤

(وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى) ۔ یعنی اختیار کرو مقام ابراہیم کو نماز کی جگہہ۔ یہ ایک جملہ معترضہ واقع ہوا ہی، اور اُسکے مخاطب وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلعم پر ایمان لے آئے تھے۔ یعنی مسلمان کعبہ کو نماز کی جگہہ یعنی مسجد اختیار کریں۔ مقام ابراہیم کی نسبت مفسروں نے بہت بحث کی ہی اور ایسے اقوال نقل کیے ہیں جنکا کافی ثبوت نہیں ہی، مگر سیاق کلام سے جیسا کہ مجاہد کا بھی قول ہی پایا جاتا ہی،، ان مقام ابراہیم ھو الحرم کلہ،، کہ مقام ابراہیم سے کوئی خاص مقام مراد نہیں ہی، بلکہ قول مجاہد۔ (تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۷۱۹) سے کعبہ مراد ہی ✤

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۳﴾	کہہ (اے پیغمبر) کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو اللہ میں، حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی، اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیئے تمہارے اعمال، اور ہم اسی کے مخلص ہیں (۱۳۳)

اس جملہ کے بعد پھر حضرت ابراہیم کے زمانہ کا ذکر ہے، اور ابراہیم اور اسمٰعیل کو اس گھر کے آنے والوں اور ٹھہرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لیئے ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے +

طائفین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کعبہ کی زیارت اور حج کو آویں، اور عاکفین سے وہ لوگ مراد ہیں جو وہاں رہتے ہوں، یا آکر سکونت اختیار کریں، اور رکع السجود سے وہ لوگ مراد ہیں جو وہاں نماز پڑھیں +

(۱۲) (وَاِذْ یَرْفَعُ) کعبہ در حقیقت نماز پڑھنے کی جگہہ یعنی مسجد ہے، جسکو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا۔ خود خدا نے اسکو مسجد کہا ہے جہاں فرمایا ہے، "ان المشرکین نجس فلا یقربوا المسجد الحرام" اور جہاں فرمایا ہے، "لقد صدق اللہ الرویا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ" ابراہیم اور اُسکی تمام اولاد ایسے مقام کو بیت اللہ کہا کرتے تھے اور اسیلئے کعبہ کو بھی بیت اللہ کہتے ہیں +

انسان کی ایک جبلی عادت ہے کہ ایک ایسے وجود کے لیئے جو نہ دکھائی دیتا ہے، نہ چھوا جاتا ہے، اور نہ سمجھ میں آتا ہے، اور بجز اسکے کہ ہے، اور کوئی خیال اُسکی نسبت قائم نہیں ہو سکتا، کوئی نہ کوئی محسوس نشان قائم کرلیتا ہے، اور اُس محسوس نشان کے ذریعہ سے اپنا عجز اور نیاز اُس غیر محسوس اور بیچون و بیچگون ذات کے سامنے ادا کرتا ہے۔ قدیم زمانہ کے لوگوں کو بالطبع ایسے نشان کے قائم کرنے کی زیادہ ترغبت ہوتی تھی، اور یہی بات ہے جسکے سبب سے ہم قدیم سے قدیم قوموں کا اور وحشی سے وحشی لوگوں کا جب حال تحقیق کرتے ہیں، تو اُن میں بت پرستی کے یعنی ایک شے

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِمَ وَ إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ	کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُسکے پوتے یہودی تھے یا عیسائی، کہدے (اے پیغمبر) کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ،

محسوس کے پوجنے کے آثار پائے جاتے ہیں، معلوم ہوتا ہو کہ یہ خیال حضرت ابراہیم کے زمانہ تک معدوم نہیں ہوا تھا، اور اسی سبب سے حضرت ابراہیم بھی خدا کی عبادت کے لیئے ایک بن گڑھا پتھر کھڑا کر لیتے تھے، اور یہ رسم حضرت موسیٰ کے وقت تک قائم تھی۔ اس فعل میں جو انبیائے کیا، اور اُس فعل میں جو بت پرست کرتے تھے، فرق یہ ہو کہ بت پرست غیر خدا کے نام محسوس شے قائم کر کے پرستش کرتے تھے، اور اسلیئے وہ خدا کی پرستش نہ تھی، بلکہ اُس غیر خدا کی پرستش تھی جسکے نام سے وہ محسوس شے قائم کی تھی، انبیا نے جو محسوس شے قائم کی وہ خدا ہی کے نام پر قائم کی، اور خدا ہی کی پرستش کی نہ کسی غیر خدا کی، مگر مبارک ہو اُسکو (یعنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) جسنے اُن تمام نشانوں کو مٹا دیا، اور اُس بے نشان کی عبادت کو بغیر کسی نشان کے قائم کیا، اور بحر و بر اور پہاڑ اور گھر اور مسجد سب میں یکساں خدا کی عبادت ہونا سکھا دیا، کوئی سمت خدا کی عبادت کے لیئے مخصوص نہیں کی، یہ سمجھنا کہ کعبہ کی سمت خدا کی عبادت کے لیئے مخصوص ہے محض غلطی ہے، اور بانی اسلام کی ہدایت کے خلاف، وہ سمت عبادت کے لیئے مخصوص نہیں ہو، بلکہ ایک تمیز اور تفرقہ کے لیئے مخصوص ہو جسکو ہم آگے بیان کریں گے ﴿

کتاب پیدایش باب ۱۲ ورس ۷ میں لکھا ہو کہ، "تب خداوند نے ابراہیم کو دکھلائی دیکر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دونگا، اور اُسنے وہاں خداوند کے لیئے جو اُسپر ظاہر ہوا ایک مذبح بنایا"۔ اور اسی باب کی آٹھویں آیت سے ظاہر ہوتا ہو کہ پھر وہاں سے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾	اور کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جو چھپا وے گواہی کو جو اُسکے پاس ہے اللہ سے، اور اللہ بےخبر نہیں ہے اُس سے جو تم کرتے ہو (۱۴۰)

ابراہیم عم نے کوچ کیا اور آگے جاکر پھر ایک مذبح بنایا اور خدا کے نام سے یعنی خدا کے گھر کے نام سے اُسکو موسوم کیا ✦

اسی کتاب کے تیرھویں باب کی اٹھارھویں آیت میں ہے، کہ ملوطستان ممری میں ابراہیم جا رہا اور وہاں خداوند کے لیئے ایک مذبح بنایا ✦

ان تینوں آیتوں سے ثابت ہے کہ خدا کے لیئے مذبح تعمیر کرنا اور خدا کے نام سے اُسکو پکارنا اور وہاں خدا کے نام پر قربانی کرنا حضرت ابراہیم کا طریقہ تھا ✦

یہ طریقہ اُنکی اولاد میں بھی جاری تھا، چنانچہ کتاب پیدائش باب ۲۶ ورس ۲۵ میں لکھا ہے کہ، "بیرشبع میں اسحاق پسر ابراہیم کو خدا دکھلائی دیا اور اُسنے وہاں مذبح بنایا اور خدا کے نام سے اُسکو موسوم کیا" ✦

اب ہمکو یہ بتانا رہا کہ یہ مذبح کسطرح بنایا جاتا تھا، اُسکی تفصیل بھی توریت مقدس میں موجود ہے ✦

کتاب خروج باب ۲۰ ورس ۲۵ میں لکھا ہے کہ، "اگر تو میرے لیئے پتھر کا مذبح بناوے تو تراشے ہوئے پتھر کا مت بنائیو کیونکہ اگر تو اُسے اوزار لگا دیگا تو اُسے ناپاک کریگا" ✦

اور اسی کتاب کے باب ۲۴ ورس ۴ میں لکھا ہے کہ، "اور موسیٰ نے خداوند کی ساری باتیں لکھیں اور صبح کو سویرے اُٹھا اور پہاڑ کے تلے ایک مذبح بنایا اور اسرائیل کی بارہ سبطوں کے عدد کے موافق بارہ ستون بنائے گئے" ✦

اور کتاب پیدایش باب ۲۸ ورس ۱۸ و ۱۹ و ۲۲ میں لکھا ہے کہ، "یعقوب صبح سویرے اُٹھا اور اُس پتھر کو جسے اُسنے اپنا تکیہ کیا تھا لیکے ستون کے مانند کھڑا کیا اور اُسکے سر پر تیل ڈالا، اور اُسکا نام بیت ایل (یعنی بیت اللہ خدا کا گھر) رکھا، اور

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ	یہ ایک امت تھی جو گذر گئی، اُنکے لیئے وہ چیز ہے جو اُنھوں نے کمائی،

کہا کہ یہ پتھر جو میں نے ستون کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر یعنی بیت اللہ ہوگا،، +
جبکہ حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی سارہ کے کہنے سے اپنی دوسری بیوی ہاجرہ کو مع حضرت اسمٰعیل اپنے بیٹے کے جو ہاجرہ بیوی کے پیٹ سے تھے نکالدیا، اور وہ اُس کوہستان مکہ میں آکے ٹھہرے تو حضرت ابراہیم نے اُنکی عبادت کے لیئے اُسی طرح جیسا کہ وہ کیا کرتے تھے ایک پتھر کھڑا کر کے مذبح بنایا ہوگا جو اب ہم مسلمانوں میں حجر اسود اور یمین الرحمٰن کے نام سے مشہور ہی اِس حجر اسود کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہی کیونکہ وہ ایک جزو کعبہ کا ہوگیا تھا، مگر وہ ایک ایسی شے ہی جو اب تک موجود ہی؛ جہاں اِسطرح پر مذبح بنایا جاتا تھا وہاں کوئی عمارت بنا دینے کا بھی دستور تھا، جسکا اشارہ توریت کی اُن آیتوں سے بھی پایا جاتا ہی جو ہمنے اوپر بیان کی ہیں۔ پس بعد اس مذبح بنانے کے حضرت ابراہیم نے وہاں کعبہ بنایا جو اب بیت اللہ کہلاتا ہی، اور اُسی کے ایک کونے میں وہ پتھر لگا دیا۔ اس آیت میں اسی تعمیر کا ذکر ہی +
اگرچہ ڈایوڈورس یونانی مؤرخ کی تاریخ میں کعبہ کا ذکر ہے، اور اُسمیں یہ بھی لکھا ہے کہ اُسکے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے، مگر بعض ناسمجھ آدمی یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ توریت میں کہیں اِس مقام پر حضرت ابراہیم کے مذبح بنانے یا کعبہ کی تعمیر کرنیکا ذکر نہیں ہی، مگر اُنکا یہ اعتراض محض لغو اور بے بنیاد ہے، توریت میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جو مذکور نہیں، حالانکہ اُنکا تاریخی ثبوت موجود ہی۔ اور توریت میں ذکر نہونے سے اُسکا عدم وقوع لازم نہیں آتا۔ اصل یہ ہی کہ توریت اور جو کتابیں کہ اُس سے متعلق ہیں، وہ خاص بنی اسرائیل کے حالات میں لکھی گئی ہیں، اسلیئے اُنمیں بنی اسمٰعیل کا وہانتک کا ذکر ہے جہانتک کہ بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے مشترک حالات رہی ہیں، اور جہاں سے

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ	اور تمھارے لیئے وہ چیز ہی جو تمنے کمائی،

بنی اسمٰعیل کے حالات علیحدہ ہوگئے ہیں وہاں سے بنی اسمٰعیل کا ذکر ان کتابوں میں نہیں ہی، اِلّا ماشاء اللہ کہیں کہیں کسی سبب اور کسی تعلق سے آجاتا ہی۔ مکہ میں بنی اسمٰعیل کے لیئے حضرت ابراہیم کا مذبح یا کعبہ بنانا بنی اسرائیل سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تھا، اور

مقامات مشہورہ مکہ معظمہ

مقامات میقات۔ ذوالحلیفہ۔ مدینہ منوّرہ کے رستہ پر۔
ذات عرق۔ عراق کے رستہ پر۔
جحفہ۔ شام کے رستہ پر۔
قرن۔ نجد کے رستہ پر۔
یلملم۔ یمن کے رستہ پر

حجر اسود۔ کعبہ کے شرقی و شمالی کونے میں پتھر لگا ہوا ہے۔

مقام ابراھیم۔ عام لوگوں کے نزدیک وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ نے کھڑے ہو کر کعبہ کی دیوار چنی تھی۔ اور جو پتھر خانہ کعبہ کے شمال میں لگا ہوا ہے اور اُسپر ایک قبّہ بنا ہوا ہے اور وہاں شافعی امام کھڑا ہوتا ہے اُسی کو وہ پتھر بتاتے ہیں۔

صفا۔ کعبہ سے جنوب شرق میں ایک پہاڑی ہی اور اب اُسپر آبادی ہوگئی ہے۔

مروہ۔ کعبہ سے شرق و شمال میں ایک چھوٹی پہاڑی ہی اب وہاں بھی آبادی ہے۔

منیٰ۔ کعبہ سے گوشہ شرق و شمال میں چار کوس کے فاصلہ پر ہے۔

عرفات۔ کعبہ سے جانب شرق آٹھ کوس کے فاصلہ پر ایک میدان ہی۔

مزدلفہ۔ کعبہ سے جانب شمال و شرق ایک میدان و پہاڑ ہے۔

زمزم۔ مشہور کنواں حرم کے اندر ہے۔

میزاب رحمت۔ کعبہ کے چھت کا پرنالہ ہے۔

نقشہ کعبہ محترم یعنی مسجد الحرام
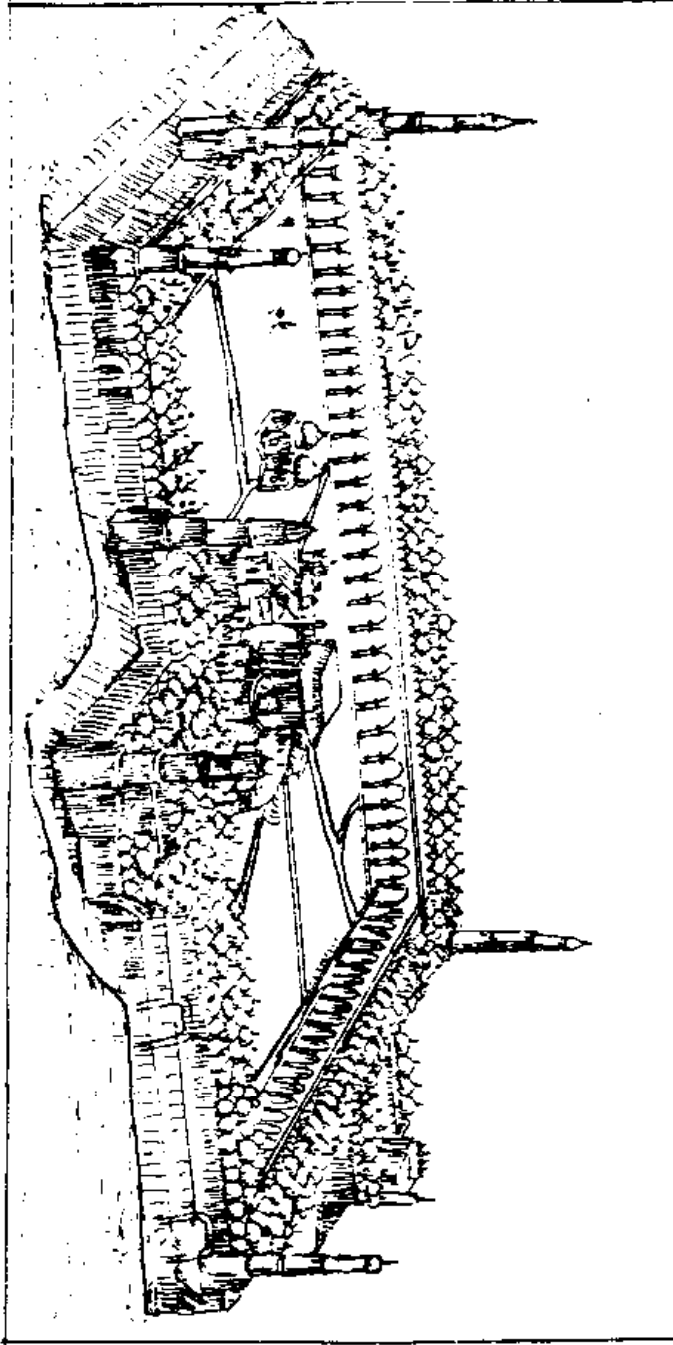
وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۵﴾	اور تمسے اُسچیز کی پرسش نہوگی جو وہ کرتے تھے (۱۳۵)

اُن کتابوں میں اُسکا ذکر نہونے کی یہ کافی وجہ ہی۔ مگر ہر زمانہ کے عرب کی متواتر روایتوں سے جن سے کسی امر کے ثبوت میں کچھ شبہ نہیں رہتا، اور نیز غیر قوموں کی کتابوں سے، اور نیز قدیم جغرافیہ سے، اور خود مکہ کے گرد کی قدیم ویران بستیوں سے جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹوں کے نام پر آباد ہوئی تھیں، کچھ شبہ نہیں رہتا کہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہی ✤

حضرت ابراہیمؑ نے جب کعبہ بنایا تو صرف اُسکی دیواریں بنائی تھیں چھت اُسپر نہیں تھی۔ بنی جرہم کے زمانہ میں پہاڑی نالہ کے سبب سے حضرت ابراہیم کا بنایا ہوا کعبہ ڈھے گیا، تب بنی جرہم نے اُسکو پھر تعمیر کیا۔ پھر وہ عمالیقؔ کے زمانہ میں جو ایک قبیلہ نبی حمیر کا تھا ڈھے گیا، تب عمالیق نے اُسکو بنایا، پھر اُسمیں کچھ نقصان آگیا تو قصی نے اُسکو تعمیر کیا۔ پھر آگ لگنے کے سبب کعبہ جلگیا اور قریش نے اُسکو تعمیر کیا، اُس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو چکے تھے اور آپ کی عمر تخمیناً بارہ چودہ برس کی تھی۔ یزید کے زمانہ میں جب کعبہ پر فوج کشی ہوئی تو پھر کعبہ جلگیا، اور عبداللہ ابن زبیر نے اُسکو تعمیر کیا، مگر حجاج بن یوسف نے عبدالملک ابن مروان کے وقت میں عبداللہ بن زبیر کی عمارت کو ڈھا ڈالا، اور از سر نو اُسکو اُسیطرح پر بنا دیا جیسا کہ قریش کے زمانہ میں تھا، اور اب جو عمارت موجود ہی وہ حجاج بن یوسف کی بنائی ہوئی ہی۔ مگر اُسکے گرد کی جو عمارتیں ہیں اور جو عمارات حرم کعبہ کہلاتی ہیں اُنکو بہت سے بادشاہوں نے بنایا ہی، اور وہ نہایت عالیشان عمارتیں ہیں، جیسیکہ نقشہ سے معلوم ہوتی ہیں ✤

(۳۱) (بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ) یہ جو خدا نے فرمایا کہ "اگر ایمان لائے اُسچیز کی مانند جسپر

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ	اب کہینگے بیوقوف لوگ

تم ایمان لائے ہو،، اسپر علما و مفسرین نے بحث کی ہو کہ مانند سے کیا مطلب ہے، اور سکا حل اسطرح پر کیا ہو کہ مانند کے لفظ سے کوئی دوسری چیز اسکے مشابہ مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہی شے مقصود ہوتی ہو جیسکہ کوئی کہے کہ ایسا کرو جیسا کہ اُنھوں نے کیا ہی، تو اُس سے مقصود یہی ہوتا ہی کہ وہی کرو جو اُنھوں نے کیا ہی، مقصود صرف اسقدر ہی کہ خدا پر اور نبیا پر ایمان لانا ٹھیک ٹھیک ہدایت پانی ہی، اور اُسکے ماننے سے انکار کرنا مخالفت کرنی ہے

۱۳۲ (صبغة الله)۔ یہودی اور عیسائی دونوں میں اصطباغ کی رسم جاری تھی، ابتدا میں یہودیوں میں کسی بنا پر یہ رسم شروع ہوئی ہو، مگر کچھ شبہ نہیں ہی کہ بعد تباہی بیت المقدس کے یہودیوں میں یہ رسم مستحکم ہوگئی تھی، اور مذہب میں داخل ہونیکو عیسائی مذہب کے رو سے بھی اصطباغ لازمی قرار پایا تھا، خود حضرت عیسیٰ نے بھی حضرت یحییٰ ع سے اصطباغ لیا تھا، اسمقام پر خدا نے فرمایا کہ خدا کا اصطباغ لو، اس سے بہتر کوئی اصطباغ نہیں، یعنی خدا پر دل سے جان سے روح سے یقین کرو، یہی خدا کا اصطباغ ہی، پس دین محمدیؐ میں اسلام میں داخل ہونیکو ظاہری اصطباغ موقوف ہوگیا اور روحانی اصطباغ قائم ہوا، اور صرف دل سے خدا پر اور اُسکی وحدانیت پر یقین کرنا ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنیکو کافی ہوا، جیسا کہ خدا کا اصطباغ دینے والا فرماتا ہی ما من عبد قال لا اله الا الله ثم مات على ذلك الا دخل الجنة،، اور اپنے خادم ابو ہریرہ سے کہا کہ،، من لقيك يشهد ان لا اله الا الله مستيقنا بها قلبه فبشره بالجنة،، پس دین محمدی میں یہی روحانی اصطباغ ہی جسمیں اصطباغ دینے والے کی ضرورت ہی، نہ پانی کی نہ رنگت کی، بلکہ صرف دل کا یقین کافی ہی، وهذا هو صبغة الله ✦

۱۳۶ (سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ) اس مقام سے تحویل قبلہ کا ذکر شروع ہوا ہی۔ مگر پہلے ہمکو یہ بات بتانی چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں قبلہ یا سمت قبلہ کا کیا حال تھا، اس امر کا بیان اسبات پر موقوف ہی کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں

مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾	کس چیز نے اُنکو پھیر دیا اُن کے قبلہ سے جسپر کہ وہ تھے کہہ (اے پیغمبر) اللہ ہی کے لیئے ہی مشرق اور مغرب ہدایت کرتا ہی جسکو چاہتا ہی سیدھے رستے کی (۱۳۶)

نماز کے کیا ارکان تھے، غالباً اس نماز میں بھی رکوع و سجدہ ہو، مگر ہمارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں ہی کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں نماز کے بعینہ یہی ارکان تھے جو اب مذہب اسلام میں ہیں، نہ یہ ثابت ہی کہ اُس نماز میں جیسیکہ وہ ہو اُسی طرح پر رکوع و سجدہ تھا جیسیکہ ہماری نماز میں ہی۔ بلکہ اگر اُس زمانہ کے حالات اور اُس زمانہ کی وحشی قوموں کی عبادت پر خیال کریں تو بجز اسکے اور کچھ نہیں پایا جاتا کہ وہ لوگ آپسمیں حلقہ باندھکر کھڑے ہو جاتے تھے، اور کودتے اور اُچھلتے تھے، اور وہ سارا حلقہ کا حلقہ اُسیطرح چکر کھاتا جاتا تھا، اور اُسی جوش و خروش میں آتے ہیں کھڑے ہو جاتے تھے، اور سر ٹیک دیتے تھے، اور اُسکا نام پکارتے جاتے تھے یا اُسکی تعریف کے گیت گاتے تھے جسکی وہ عبادت کرتے تھے، اسی نماز کا نشان اسلام میں طریقۂ ابراہیمی پر موجود ہی، جسکا نام مذہب اسلام میں طواف کعبہ قرار پایا ہی۔ ابن عباس سے مشکوٰۃ میں روایت ہی کہ ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الطواف حول البیت مثل الصلوٰۃ الا انکم تتکلمون فیہ فمن تکلم فیہ فلا یتکلمن الا بخیر“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کعبہ کے گرد طواف کرنا مثل نماز کے ہی، گو یہ طریقہ نماز کا وحشیانہ ہو مگر اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ حال کی مؤدب اور باوقار نمازوں سے زیادہ پُرجوش، اور زیادہ تر محبت معبود کا برانگیختہ کرنیوالا، اور معبود کے شوق کو زیادہ تر جوش میں لانیوالا، اور دل کو خالص اُسکی یاد میں مشغول کرنیوالا تھا۔ یہ حرکتیں انسان میں بالطبع مجنون کا سا شوق پیدا کردیتی ہیں، اور جسطرح مجنون کسی بات میں مشغول ہو اُسیطرح خدا کی یاد میں انسان

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴿۱۳۷﴾ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۚ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۳۸﴾	اور (جسطرح کہ ہمنے تمکو سیدھی رستے کی ہدایت کی ہی) اُسیطرح ہمنے تمکو اچھی خصلت کی امت بنا یا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو (۱۳۷) اور نہیں مقرر کیا ہمنے اُس قبلہ کو جسپر تو تھا بجز اسکے کہ ہم جان لیں اُس شخص کو جو پیروی کرتا ہی رسول کی اُس شخص سے جو پھر جاتا ہی اپنی ایڑیوں پر، اور البتہ (لوگوں پر) یہ بات بڑی دشوار ہی بجز اُن لوگوں کے جنکو اللہ ہدایت کرے، اور یہ نہیں ہے کہ اللہ ضایع کرے تمھارا ایمان: بیشک اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت کرنیوالا ہی مہربان (۱۳۸)

کو مشغول کر دیتی ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں جو طریقہ نماز کا ہو اُس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا۔ ایسی حالت میں ظاہر ہی کہ کوئی سمت قبلہ کی معین نہیں ہوتی، یہ تمام ذوق و شوق اور اچھل کود اُس شے کے گرد ہوتا تھا جسکو وہ بطور خدا کی نشانی کے قائم کرتے تھے۔ اسی قسم کی پرستش اب بھی بعض بعض وحشی قوموں میں پائی جاتی ہی۔ حضرت ابراہیمؑ خدا کی نشانی کے لئے ایک بن گڑھا پتھر کھڑا کر دیتے تھے اور جو عبادت یا نماز ہوتی تھی وہ اُسی کے گرد ہوتی تھی، اسلئے حضرت ابراہیم کے زمانہ میں کوئی خاص سمت قبلہ کا ہونا بجز اُس نشان کے جسکو وہ قائم کر لیتے تھے اور کچھ نہیں پایا جاتا ✦

حضرت ابراہیم کی اولاد کا حال جہانتک ہمکو ملا ہی اُس سے پایا جاتا ہی کہ وہ بھی کعبہ کی جانب کو سمت قبلہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ہر جگہ پتھر کھڑا کر کے اُسی کے گرد اُسی وحشیانہ طریقہ پر عبادت کرتے تھے، چنانچہ ازرقی نے کتاب اخبار مکہ میں لکھا ہے

ان بنی اسمعیل و جرهم من ساكنی مكة ضاقت عليهم مكة فتفسحوا فی البلاد و التمسوا المعاش ليزعمون

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾	البتہ ہمنے دیکھا تیرے مُنہ کا پھیرنا آسمان کی طرف پھر ہم تجھکو ایک قبلہ کی طرف پھیرینگے کہ تو اُسکو پسند کریگا۔ پھر پھیر اپنا مُنہ مسجد حرام کی طرف، اور جہاں تم ہو پس پھیرو اپنے مُنہوں کو اُسی کی طرف، اور بے شبہ جن لوگوں کو کتاب دیگئی ہے البتہ جانینگے وہ حق ہے اُنکے پروردگار سے اور اللہ بیخبر نہیں ہے اُسچیز سے جو وہ کرتے ہیں (۱۳۹)

اول ما کانت عبادۃ الحجارۃ فی بنی اسمٰعیل انہ کان لا یظعن من مکۃ ظاعن منھم الا احتمل معہ من حجارۃ الحرم تعظیما للحرم وصبابۃ بمکۃ وبالکعبۃ حیث ما حلوا وضعوہ فطافوا بہ کالطواف بالکعبۃ حتی سلخ ذلک بھم الی ان کانوا یعبدون ما استحسنوا من الحجارۃ واعجبھم من حجارۃ الحرم خاصۃ حتی خلفت الخلوف ونسوا ما کانوا علیہ واستبدلوا بدین ابراھیم واسمٰعیل غیرہ وعبدوا الاوثان الخ- (صفحہ ۷۲)

کہ بنی اسمٰعیل اور جرہم جو مکہ میں رہتے تھے اُنکو گنجایش نہوئی تو وہ ملک میں نکلے اور معاش کی تلاش میں پھرے، پس لوگ خیال کرتے ہیں کہ اولاً پتھر کا پوجنا بنی اسمٰعیل میں اسطرح شروع ہوا کہ جب اُنمیں سے کوئی مکہ سے جاتا تو حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اُٹھا لیتا، حرم کو بزرگ سمجھکر اور مکہ اور کعبہ کے شوق میں جہاں اُترتے، تو اُس پتھر کو رکھ لیتے، اور اُسکے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے، پھر اُسکی یہانتک نوبت پہنچگئی کہ جو پتھر اچھا دکھتا اور جو حرم کا پتھر عجیب اور اچھا معلوم ہوتا اُسکی عبادت کرتے اسیطرح پشتوں پر پشتیں گذر گئیں اور بھولگئے جو بات پہلی تھی اور ابراہیم اور اسمٰعیل کے دین کو بدلدیا اور بتوں کو پوجنے لگے +

اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اسمٰعیل اور جرہم کی اولاد میں پشت در پشت کبھی کعبہ کی جانب سمت قبلہ نہیں قرار پائی تھی، اور اُنکا طریقہ عبادت ہی ایسا تھا کہ کوئی سمت قبلہ قرار ہی نہیں پا سکتی تھی۔ قرآن مجید میں بھی کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (١٤٠)

اور اگر تو اُن لوگوں کے لیئے جنکو کتاب دیگئی ہو تمام نشانیاں لےآوے تب بھی تیرے قبلہ کی پیروی نکرینگے، اور تو بھی اُنکے قبلہ کی پیروی کرنے والا نہیں ہے، اور نہ اُن میں کے بعضے پیروی کرنے والے ہیں بعضوں کے قبلہ کی، اور اگر تو اُنکی خواہشوں کی پیروی کرے بعد اسکے کہ تجکو علم آگیا ہے تو بیشک تو اُسوقت ہوگا ظالموں میں (١٤٠)

کہ خدا نے اسمٰعیل یا اُسکی اولاد کے لیئے کعبہ کو سمت قبلہ مقرر کرنیکا حکم دیا تھا زمانہ جاہلیت میں جبکہ عرب کی قوم نے کعبہ میں بت رکھدیئے تھے، اُس زمانہ میں بھی جو کچھ اُنکی پوجا ہوتی ہوگی وہ کعبہ میں ہوتی ہوگی، لیکن یہ بات کہ جب وہ کعبہ سے دور چلے جاتے تھے اور اور مقاموں میں ہوتے تھے جب بھی کعبہ کی طرف مُنھ کرکے پوجا کرتے تھے کسیطرح ثابت نہیں +

بنی اسرائیل میں جب بیت المقدس کی تعمیر ہوگئی تو وہ بھی بطور ایک مسجد کے بنائی گئی تھی، اور تمام رسومات عبادت کی جو کچھ کہ بنی اسرائیل ادا کرتے تھے اُسی معبد یا مسجد میں ادا کرتے تھے۔ مگر اس زمانہ تعمیر بیت المقدس میں اُنکے وحشیانہ طریق عبادت یا نمازمیں کافی اصلاح ہوگئی، اور ایک باقاعدہ ارکان نماز کے جسمیں قیام اور رکوع بھی تھا قرار پائے۔ ہمکو عہد عتیق کی کوئی آیت ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ خدا نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تم بیت المقدس سے دور ہو تو اُسکی طرف مُنھ کرکے نماز پڑھا کرو۔ مگر جبکہ بنی اسرائیل کی نماز ایک قاعدہ ہوگئی تھی، اور اُسکے ادا کرنے میں کسی نہ کسی طرف مُنھ کا ہونا ایک لازمی امر تھا، اسلیئے بالطبع بنی اسرائیل اس بات پر مائل ہوئے ہونگے کہ بیت المقدس کی طرف مُنھ کرکے نماز پڑھیں، اور اسطرح پر بیت المقدس اُنکا سمت قبلہ قرار پاگیا +

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۱۴۱) الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (۱۴۲)	وہ لوگ جنکو ہمنے کتاب دی ہو اُسکو پہچانتے ہیں جسطرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور ہاں اُنمیں سے ایک فریق البتہ چھپاتا ہی حق کو اور وہ جانتے ہیں (۱۴۱) حق (بات) ہی تیرے پروردگار (کی طرف) سے پھر تو مت ہو شک کرنے والوں میں (۱۴۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت قریب تیرہ برس کے مکہ میں تشریف رکھی۔ اس بحث کو چھوڑ دو کہ نماز پنجگانہ فرض ہو چکی تھی یا نہیں، اور جو ارکان نماز کے بالفعل مسلمانوں میں مقرر ہیں وہ مقرر ہو چکے تھے یا نہیں، مگر اسمیں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اُس زمانہ دراز میں بھی کوئی طریقہ عبادت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور اختیار کیا تھا۔ خواہ یہی ارکان نماز کے اختیار کیئے ہوں جو بالفعل موجود ہیں خواہ بعد کو اُن میں کچھ اصلاح ہو گئی ہو، لیکن یہ بات ثابت نہیں ہی کہ ایسی حالتوں میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے بعید ہوں تو اُنھوں نے نماز یا عبادت ادا کرنے میں کعبہ کی طرف مُنھ کر کے ادا کرنا بطور ایک امر لازمی کے جس سے ثبوت سمت قبلہ کا ہو اختیار فرمایا ہو، بلکہ ہر طرح قرینہ و قیاس اِس بات کا مقتضی ہی کہ جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تشریف رکھی کوئی سمت قبلہ اختیار نہیں کی ✣

جبکہ حضرتؐ مکہ سے مدینہ میں تشریف لیگئے جہاں یہودی کثرت سے تھے، اور اُنکی نماز بھی قریبًا قریبًا اُسی قسم کی تھی جیسی کہ مسلمانوں کی تھی، تو بالطبع آنحضرتؐ کو اُسی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھنے کی رغبت ہوئی جسطرف کہ یہودی متوجہ ہوکر نماز پڑھتے تھے۔ بلاشبہ مشرکین کو یہ امر شاق گذرا ہوگا، لیکن بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھنے میں ایک بڑی حکمت یہ تھی کہ مشرکین میں سے جو لوگ منافق تھے وہ اصلی ایمان والوں سے بالکل ممیز ہو جاتے تھے۔ یہی بات خدا تعالیٰ نے بھی فرمائی ہی کہ وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور ہر ایک کے لیئے ایکطرف ہی کہ وہ اُسطرف منہ کرتا ہے، پس تم دوڑکر بھلائی کو، جو جہاں کہیں تم ہوگے تمکو اللہ لے آویگا اکٹھا، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہی (۱۴۳) اور جہاں کہیں تم جاؤ پھر اپنے منہ کو مسجد الحرام کی طرف پھیرو، اور بیشک وہی حق ہی تیرے پروردگار کی طرف سے اور اللہ بیخبر نہیں ہی اس چیز سے جو تم کرتے ہو (۱۴۴)

عقبیہ، یعنی ہمنے اُس قبلہ کو جسپر تو تھا بجز اس مطلب کے اور کسی لیئے نہیں مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں اُس شخص کو جو پیروی کرتا ہی رسول کی اُس شخص سے جو پھر جاتا ہی اپنی ایڑیوں پر ÷ مدینہ میں اور اُسکے گرد نواح میں کثرت سے یہودی رہتے تھے، اور اُنھوں نے بھی اسلام کی طرف رغبت ظاہر کی، جنہنے دل سے اسلام کو برحق جانا۔ اور بہت سے ایسے تھے جو بطور منافقوں کے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے، پس جو ضرورت منافقین مشرکین کو اصلی ایمان والوں سے ممیز کرنے کی پیش آئی تھی، وہی ضرورت منافقین یہود کو اصلی ایمان والوں سے ممیز کرنے کی پیش آئی۔ ہر ایک شخص ظاہرداری کے لیئے دوسرے مذہب کی جسکو کہ وہ حق نہیں سمجھتا چھوٹی باتوں میں منافقانہ طور پر شریک ہوسکتا ہی لیکن کسی ایسی بات میں جو ایک امر عظیم ہو اور خاص عبادت سے علاقہ رکھتا ہو، اور ایک مذہب کو چھوڑکر دوسرے مذہب میں داخل ہونے کی بطور ایک نشانی کی ہو، اُسکو بطور ایک نفاق کے ادا کرنے سے بالطبع نفرت اور پرہیز کرتا ہے، اور جبتک کہ دل ہی سے اُس دوسرے مذہب کو نہ قبول کرلیا ہو اُسوقت تک اُسکو ادا نہیں کرتا۔ اسلیئے آنحضرت صلعم کو فکر ہوئی کہ سمت قبلہ کو تبدیل کیا جائے، اور اُسپر خدا سے وحی آئی کہ کعبہ کی طرف سمت قبلہ بدل دو، اُسی کی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہی قد نریٰ تقلب وجهك

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۱۴۵	اور جہاں کہیں تم جاؤ پھر پھیر دلپنے مُنھ کو مسجد الحرام کی طرف اور جہاں کہیں تم ہو پھر پھیر دا پنے مُنھوں کو اُسی کی طرف تاکہ نہو لوگوں کو تم پر کچھ حجت، بجز اُن لوگوں کے جنھوں نے اُنمیں سے ظلم کیا ہی پس اُنسے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو، اور تاکہ پوری کروں میں تم پر اپنی نعمت. اور تاکہ تم ہدایت پاؤ (۱۴۵)

فی السماء فلنولینك قبلة ترضٰها فول وجهك شطر المسجد الحرام،، یعنی ہمنے دیکھا تیرا منھکا پھیرنا آسمان کی طرف پھر ضرور ہم تجھکو ایک ایسے قبلہ کی طرف پھیر دیگے جسکو تو پسند کریگا، پس پھیرا اپنا منھ مسجد حرام کی طرف۔ بیت المقدس اور بیت الحرام دونوں مسجدیں تھیں، اور دونوں میں سے کسی طرف مُنھ کرکے نماز پڑھنا برابر تھا مگر ایسا کرنے سے منافقین یہود کی اصلی ایمان والوں سے تمیز ہوگئی، یہ امر ایک ایسا ممیز قرار پایا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ،، من استقبل قبلتنا فھو مسلم ،، یعنی جس شخص نے کہ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی وہ مسلمان ہی، اور درحقیقت یہ امر ایسا ہی کہ جبتک کوئی یہودی دل سے مسلمان نہ ہو گیا ہو بیت المقدس چھوڑ کر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے پر بالطبع اسکو جرأت نہیں ہو سکتی +

اسی نشان کے قائم اور مستحکم رہنے کو خدا نے یہ حکم دیا کہ جہاں کہیں تم ہو اور جہاں کہیں جاؤ تو کعبہ ہی کی طرف منھ کرکے نماز پڑھو، مگر سمت قبلہ قرار دینے میں ایک بڑا نقص یہ لازم آتا ہے کہ لوگوں کے خیال میں یہ بات جمتی ہے کہ اُس سمت کو یا اُس مکان کو جو سمت کے لیئے مخصوص کیا گیا ہی خدا کی ذات سے کوئی خاص خصوصیت ہی، اور اُس سمت میں یا اُس مکان میں بالتخصیص خدا ہی۔ اس خیال کے باطل کرنے کو صاف صاف ہدایتیں خدا نے تحویل قبلہ کے ساتھ ہی ساتھ

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۴۶﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۴۷﴾	جسطرح کہ ہمنے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا ہو سناتا ہی تمکو میری نشانیاں، اور تمکو پاک کرتا ہی، اور تمکو کتاب اور حکمت سکھاتا ہی، اور وہ ہر چیز تمکو سکھاتا ہی جو تم نہیں جانتے تھے (۱۴۶) پھر مجھکو یاد کرو میں تمکو یاد کروں گا، اور میرا شکر کرو اور ناشکری مت کرو (۱۴۷)

بتلادیں، جہاں فرمایا کہ "وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" یعنے خدا کے لیئے ہی مشرق اور مغرب، پس جدھر منھ کرو پھر اُودھر ہی خدا کا منھ یعنے اُسکی ذات ہی۔ اس ہدایت نے صاف صاف لوگوں کو شرک سے نجات دی، اور جسطرح کہ مشرکین اپنے بتوں یا معبودوں کو سمت قبلہ بناتے ہیں، اور جسطرح کہ مسلمانوں نے سمت قبلہ ٹھیرایا ہی اُن دونوں کے فرق کو بخوبی سمجھا دیا ہی، اور ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ مشرکین کی سمت قبلہ اور مسلمانوں کی سمت قبلہ میں کیا فرق ہے۔ مسلمانوں کے مذہب کے مطابق کوئی خصوصیت یا وقعت بیت المقدس یا بیت الحرام کو قبلہ ہونیکے لیئے نہیں ہی بجز اسکے کہ وہ صرف ابتدائً واسطے تفریق درمیان منافقین اور مومنین کے ٹھیرایا گیا اور انتہائً الطور مسلمانوں کی ایک نشانی کے قرار پایا + کعبہ کی طرف منھ کرکے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہی۔ جو احکام اسلام میں ہیں لوگ اُنکو بخوبی نہیں سمجھتے۔ اس بات میں تو بہت لوگوں نے کوشش کی ہی کہ کونسا حکم فرض ہی، اور کونسا واجب، اور کونسا سنت، اور کونسا مستحب، جو صرف ایک فرضی یا خیالی یا اصطلاحی امور ہیں، اور اس تفریق کو اصل مذہب اسلام سے کچھ چنداں تعلق نہیں ہے، اسلام کی حقیقت اور اُسکے اسرار جاننے والے کو صرف اُسی تفریق کا جاننا کافی نہیں ہے، بلکہ اُسکو اس امر کا جاننا اور اس امر کا تحقیق کرنا ضرور ہی کہ درحقیقت اصلی احکام اسلام کے جنپر اسلام قائم ہی کونسے ہیں اور اُنکے سوا کون سے +

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾	اے لوگوں جو ایمان لائے ہو مدد چاہو صبر کرنے سے اور نماز پڑھنے سے، بیشک اللہ تعالی صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہی (۱۴۸) اور مت کہو اُن لوگوں کو جو مارے جاویں اللہ کی راہ میں مُردے بلکہ وہ زندہ ہیں ولیکن تم نہیں جانتے (۱۴۹) اور ہم تمھارا امتحان کرینگے ایک چیز سے، ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور خوشخبری دی صبر کرنیوالونکو (۱۵۰)

بالفعل مذہب اسلام جو ایک مجموعہ حقیقی اور فرضی یا واقعی اور قیاسی یا اجتہادی اور استنباطی احکام کا گنا جاتا ہے وہ دو قسم کے احکام پر منقسم ہو سکتا ہی۔ اول حقیقی اور واقعی۔ دوم فرضی اور قیاسی اور اجتہادی اور استنباطی پچھلی قسم کو مذہب اسلام کے احکام قرار دینا صرف ایک فرضی یا اصطلاحی بات ہی اور صرف اسوجہ سے کہ ائمہ اسلام اور علماء اعلام نے اُنکو استخراج کیا ہی احکام اسلام کا بطور ایک اصطلاح کے اُنپر اطلاق ہوتا ہی، ورنہ درحقیقت وہ اصلی احکام مذہب اسلام کے نہیں ہیں ہر شخص کو اختیار ہی کہ اُن احکام کو تسلیم کرے خواہ نکرے، دونوں حالتوں میں اُسکے اسلام میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اگر درحقیقت وہ واقعی اصلی احکام اسلام کے ہوتے تو اُنکے نماننے سے اسلام سے خارج ہونا ایک امر لازمی ہوتا۔ جہانتک کہ خرابیاں مذہب اسلام میں مخالفین بیان کرتے ہیں وہ اسی غلطی پر مبنی ہیں کہ اُنھوں نے اُن احکام اور مسائل کو جنکو علما اور ائمہ نے استنباطا اور استخراج کیا ہی جزو اسلام سمجھا ہی، حالانکہ اسلام کو اُنسے کچھ علاقہ نہیں۔ اگر وہ صحیح اور ٹھیک ہیں فھو المراد، اور اگر اُنمیں کوئی غلطی اور خطا ہی تو وہ اُنکی ہی جنھوں نے اُنکو استخراج کیا ہی، نہ مذہب اسلام کی۔ ہمارا مقصد اس بیان سے کسی عالم یا امام کی حقارت کرنیکا، یا کسی شخص کی جو اُنکی پیروی

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ١٥١ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ١٥٢	وہ لوگ جب انکو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم اللہ کے لیئے ہیں، اور ہم اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (۱۵۱) یہی لوگ ہیں کہ اُنپر اُنکے پروردگار کی طرف سے درود اور رحمت ہی، اور وہی لوگ ہدایت پائے ہوئے ہیں (۱۵۲)

کرنا ہے تحقیر کرنے کا، یا اُسکو بُرا جاننے کا نہیں ہی۔ بلکہ صرف احکام اصلی اور استخراجی میں فرق بتانا۔ اور اُن لوگوں کو جو حقائق یا اسرار اسلام پر غور کرنا، یا مخالفین اسلام کو جو اُسپر اعتراض کرنا چاہتے ہیں جقیقت احکام اور تفرقہ اُن دونوں قسم کے احکام میں بتانا مقصود ہے، تاکہ پہلے تحقیق حقائق یا اسرار اسلام میں اور پچھلی غلط بنا پر اعتراض کرنے میں غلطی نہ کریں +

پہلی قسم البتہ بیان کے لائق ہی۔ مذہب اسلام میں جو اصلی اور واقعی احکام ہیں وہ دو قسم ہیں، ایک اصلی اور دوسری محافظ احکام اصلی، جسکو ہم اس زمانہ میں قانون اور ضابطہ کارروائی سے اصطلاح قانونی میں تعبیر کرتے ہیں۔ مذہب اسلام کے احکام اصلی جسقدر ہیں اُنہی پر اسلام کی بنیاد قائم ہی اور اُن میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہی جو قانون قدرت اور انسان کے نیچر کے برخلاف ہو، بلکہ اُنپر غور کرنے سے اس بات پر یقین ہوتا ہی کہ مذہب انسان کے لیئے بنایا گیا ہی نہ انسان مذہب کے لیئے۔ احکام محافظ سے صرف اُن احکام اصلی کی حفاظت مقصود ہے، اور وہ خود مقصود بالذات نہیں ہیں۔ یہ احکام ایک ایسی عام قاعدہ پر صادر ہوئے ہیں جو قریباً کل افراد کے مناسب حال ہیں، اور ممکن ہی کہ کسی شاذ و نادر فرد کے مناسب حال نہ ہوں، مگر ایسا ہونا اُن احکام کے نقصان کا باعث نہیں ہی، کیونکہ تمام احکام عام کا یہ خاصہ ہی کہ قریباً کل افراد کے مناسب

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾	بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پھر جسنے حج کیا خانہ کعبہ کا یا عمرہ ادا کیا پھر اُسپر گناہ نہیں ہے کہ اُن دونوں کا طواف کرے اور جسنے اپنی خوشی سے ادا کیا نیکی کو پھر بیشک اللہ شکر کرنیوالا ہے جاننے والا (رم ۱۵) ہاں جو لوگ کہ چھپاتے ہیں اُسچیز کو جو ہمنے اتاری ہے نشانیاں اور ہدایت سے بعد اسکے کہ ہمنے اُسکو لوگوں کے لیئے کتاب میں بیان کردیا ہے، وہی لوگ ہیں کہ اُنپر خدا لعنت کرتا ہے اور اُنپر لعنت کرتے ہیں لعنت کرنے والے (رم ۱۵)

حال ہوتے ہیں، گو کہ کوئی شاذ و نادر فرد ایسے بھی نکلتے ہیں کہ اُسکے مناسب حال نہوں، مگر اس مطلب سے کہ قاعدہ کلیہ ٹوٹنے نپائے تمام افراد کیساتھ یکساں عمل کرنا واجب ہوتا ہے ❖

احکام محافظ کی نسبت کسی دانا کا کوئی اعتراض کرنا، اور اُنکی نسبت اس بحث کا پیش کرنا کہ اُن میں نیچر کی کیا مطابقت ہے، اور اُن احکام کو قانون قدرت سے کچھ تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ ایک محض بیوقوفی کا اعتراض ہوگا۔ کیونکہ وہ احکام بالذات اس اعتراض اور بحث کے کہ وہ نیچر کے مطابق ہیں یا نہیں مورد نہیں ہوسکتے، بلکہ اُنپر یہ بحث ہوسکتی ہے کہ آیا وہ احکام اُن اصلی احکام کے جو بالکل قانون قدرت کے مطابق ہیں محافظ ہیں یا نہیں۔ اگر اُنکا محافظ ہونا ثابت ہو تو وہ بھی ضمناً داخل احکام اصلی اور مطابق قوانین قدرت اور صحیح تصور ہونگے، اور اگر اُنسے اُن اصلی احکام کی محافظت ثابت نہو تو بلاشبہ وہ غلط ہونگے ❖

ہاں ایک بحث اُنپر اور ہوسکتی ہے کہ جو طریقہ اُن احکام اصلی کی حفاظت کا احکام محافظ میں قرار دیا ہے مثل اُسکے دوسرا طریقہ بھی حفاظت کا موجود تھا، حالانکہ اُسکے

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۵۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۵۶﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۵۸﴾

بجز اُن لوگوں کے جنھوں نے توبہ کی اور نکوکاری اختیار کی اور ظاہر کر دیا، پھر وہی لوگ ہیں کہ میں اُنکو معاف کرونگا، اور میں بڑا معاف کرنیوالا ہوں مہربان (۱۵۵) ہاں جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے اور وہ کافر رہے، وہی ہیں کہ اُنپر اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت ہے (۱۵۶) ہمیشہ اُسی میں رہینگے نہ اُنپر سے عذاب کی تخفیف ہوگی اور نہ اُنکو مہلت دی جاویگی (۱۵۷) اور تمھارا خدا خدائے واحد ہے نہیں کوئی خدا بجز اُسکے بخشنے والا ہے مہربان (۱۵۸)

ترک اور اُسکے اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یا یہ کہ اُن احکام اصلی کی حفاظت کا دوسرا طریقہ اُس سے بھی اچھا موجود تھا۔ پہلا شبہ اگر وہ تسلیم بھی کر لیا جاوے تو بھی لغو اور مہمل ہوگا، کیونکہ یہ شبہ بطور ایک شبہ عامۃ الورود کے ہوگا جسکو تمام عقلا لغو اور بیہودہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اگر بالفرض دو مساوی چیزوں میں سے ایک کے ترک اور ایک کے اختیار کی کوئی وجہ نہو تو جو شبہ اُسپر وارد ہوتا ہے وہی شبہ اُسوقت بھی وارد ہوگا جبکہ مختار کو ترک اور متروک کو اختیار کیا جاوے۔ دوسرا شبہ اگر وارد ہو تو البتہ تسلیم کے قابل ہوگا، لیکن ہمارا دعوی یہ ہے کہ مذہب اسلام میں جو طریقہ حفاظت احکام اصلی کا قرار دیا گیا ہے اسکے مساوی بھی کوئی اور طریقہ اُنکی حفاظت اصلی کا نہیں ہے چہ جای اسکے کہ اُس سے افضل کوئی طریقہ دوسرا ہو +

ہم اس مطلب کو دو ایک مثالوں سے سمجھاتے ہیں مثلاً نماز۔ قرآن مجید میں صرف نماز کا مقرر ہونا آیا ہے۔ اصلی حکم خدا کا اُس سے صرف اُسکے بندہ کا خدا کی طرف

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۱۵۹)

بیشک آسمانوں اورزمین کے پیدا کرنے میں، اور رات اور دن کے اختلاف میں، اور کشتی میں جو دریا میں چلتی ہی جو نفع پہنچاتی ہی آدمیوں کو، اور اُس چیز میں جسکو اللہ نے آسمان سے اُتارا ہی یعنی پانی پھر زندہ کردیا اُس سے زمین کو اُسکے مرنے کے بعد اور پھیلا دیئے اُسمیں ہر طرح کے چلنے والے جانور، اور ہواؤں کے چلانے میں، اور بادلوں کے آسمان اور زمین کے درمیان تابعدار کرنے میں، البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیئے جو سمجھتے ہیں (۱۵۹)

خلوص اور خضوع اور خشوع سے متوجہ ہونا، اور عجز عبدیت کا ظاہر کرنا، اور شان خالقیت کا تسلیم کرنا، اور اُسکے سامنے اپنے تئیں عاجز اور ذلیل اور مسکین بنانا ہی، ارکان نماز کے جو قرار دیئے گئے ہیں وہ اُس تمام خضوع و خشوع ظاہری اور باطنی کے محافظ ہیں پس اِن احکام محافظ پر یہ اعتراض کرنا کہ نماز میں اُٹھنا اور بیٹھنا اور سر ٹیکنا نیچر کے بخلاف ہے ایک بیوقوفی کا اعتراض ہے کیونکہ اِن احکام میں ایک یہ بات دیکھنی ہی کہ درحقیقت وہ اُس اصلی حکم کے محافظ ہیں یا نہیں ؛

ان احکام اصلی اور احکام محافظ کا تفرقہ ایسے مقام پر بخوبی واضح ہوجاتا ہی جبکہ کوئی حکم احکام محافظ میں سے ساقط ہوجاتا ہی، اور اُسکا سقوط ثابت کرتا ہی کہ وہ اصلی حکم نہیں تھا، جیسے نماز میں قیام اور قعود اور رکوع اور سجود اور قرأت، یہ سب احکام محافظ ہیں، جب انسان انپر قادر نہیں ہوتا تو کسی کا ادا کرنا بھی اُسپر لازم نہیں ہوتا برخلاف اُس اصلی حکم نماز کے کہ وہ کسی حالت میں انسان سے جبتک کہ اُسپر مکلف ہونے کا اطلاق کیا جاتا ہی ساقط نہیں ہوتا اس سے جو تمیز کہ ان دونوں قسم کے احکام میں ہی وہ بخوبی واضح ہوتی ہے، یا مثلاً اسلام نے ایک اخلاقی امر کی نسبت یہ حکم دیا ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ (۱۶۰)	اور لوگوں میں سے کوئی ٹھیراتا ہے اللہ کے سوا اللہ کی مانند، محبت کرتے ہیں اُنسے اللہ کی محبت کے مانند اور جو لوگ ایمان لائے ہیں بہت زیادہ ہیں اللہ کی محبت میں، اور اگر کوئی دیکھے اُن لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا ہے جبکہ وہ عذاب کو دیکھینگے، تو جانیگا کہ بیشک ساری طاقت اللہ کے لیئے ہے، اور بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (۱۶۰)

کہ جو عورت کہ اُسکا خاوند مرجاوے یا اُسکو طلاق دے تو اُسکو دوسرا شوہر کرنے میں اسقدر توقف کرنا چاہیئے جس سے معلوم ہو جاوے کہ وہ اُس شوہر سے حاملہ ہے یا نہیں، اور اِس امر کے دریافت کرنے کو ایک میعاد مقرر کی ہے جو عورتوں کے نیچر سے مناسبت رکھتی ہے۔ یہ حکم احکام محافظ میں سے ایک حکم ہوگا، اور بلا شبہ ایسی عورت کے جنے اُس مدت سے بھی زیادہ عرصے اپنے شوہر سے مقاربت نہ کی ہو مناسب حال نہوگا مگر یہ حکم تمام افراد سے از روے عمل کے اسلیئے متعلق ہوگا کہ عام قاعدہ جو اکثر افراد سے متعلق ہے ٹوٹنے نہ پائے۔ پس اس حکم محافظ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ قانون قدرت کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ یہ حکم اُس قانون قدرت کا محافظ ہے جس سے اولاد کو ماں باپ پر اور ماں باپ کو اپنی اولاد پر قانون قدرت کے موافق حقوق حاصل ہوتے ہیں +

مگر یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اگرچہ احکام اصلی اور احکام محافظ اپنی اصلیت میں مختلف درجہ اور حقیقت رکھتے ہیں، لیکن عملاً دونوں کا درجہ برابر ہے، اور اسلیئے جسطرح احکام اصلی کی تعمیل لازم ہے اُسیطرح احکام محافظ کی بھی تعمیل لازم ہے، کیونکہ وہ دونوں لازم و ملزوم یا موقوف و موقوف علیہ ہیں، اور اسلیئے عملاً دونوں میں کچھ فرق نہیں :

نماز میں سمت قبلہ کوئی حکم اصلی مذہب اسلام کا نہیں ہے، اور اسلیئے ایک ادنیٰ سے عذر پر ساقط ہو جاتا ہے، مثلاً سمت مشتبہ ہونے پر، سہواً کسی دوسری سمت نماز پڑھ لینے پر،

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۲﴾

جب بیزار ہونگے وہ لوگ جنکی پیروی کی گئی تھی ان لوگوں سے جنھوں نے پیروی کی تھی، اور دیکھینگے عذاب کو اور کٹ جاوینگے لگاؤ (۱۶۶) اور کہینگے وہ لوگ جنھوں نے پیروی کی تھی کاش ہمارے لیئے دوبارہ جانا ہو تو ہم بیزار ہوں گے اُن سے جسطرح کہ وہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں، اسیطرح انکو دکھا دیگا اللہ اُنکے اعمال پشیمانیاں (ہوں گی) اُنپر اور وہ آگ سے نکلنے والے نہونگے (۱۶۲)

بعض صورتوں میں گھوڑے کی سواری پر، دریا کے سفر میں، اور اس چودھویں صدی نبوی میں ریل کے سفر میں اور علیٰ ہذا القیاس۔ مگر چونکہ یہ حکم بطور ایک نشان اور تمیز اُن لوگوں کے قرار دیا گیا ہے جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے، اسلیئے اسکا بھی بجالانا مثل احکام اصلی کے ضرور ہوگا، اور قصداً ترک نہ کیا جائیگا، مگر ان لوگوں پر تعجب ہوگا جو غلبہ اوہام سے سمت قبلہ کے لیئے دوپہر میں باہر نکلکر سورج کو دیکھتے پھرتے ہیں کہ کسطرف سے نکلا تھا اور کسطرف ڈوبے گا، اور اپنی جیبوں اور تسبیحوں میں قطب نما یا قبلہ نما رکھے یا لٹکائے پھرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ٹھیک ہماری ناک کعبہ کے سامنے ہو جائے، اور اسی میں ایک بڑا ثواب اور ٹھیک ٹھیک نماز کا ادا کرنا سمجھتے ہیں۔

سمت قبلہ کی تحویل پر یہودی جو طعنہ دیتے تھے اُسکا ذکر بھی خدا نے اس مقام پر کیا ہے، اور اُنکی نادانی کو بتلایا ہے کہ باوجود اس بات کے جاننے کے کہ تحویل قبلہ ٹھیک ہے، پھر اُسپر طعنہ کرتے ہیں، جہاں فرمایا ہے کہ ،، یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم یعنے یہودی تحویل قبلہ کا حق ہونا ایسا ہی جانتے ہیں جیسیکہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں ،،یعرفونہ،، میں جو ضمیر ہے اُسکی نسبت مفسرین میں اختلاف ہے، اکثر نے اسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع کیا ہے، اور کہتے ہیں کہ یہودی توریت کی اشارات

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ﱪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۳﴾	اے لوگوں کھاؤ اُس چیز کو جو زمین میں ہے حلال پاکیزہ اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بے شک وہ تمھارے لئے دشمن ہے علانیہ (۱۶۳)
اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۴﴾	اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ تمکو حکم کرتا ہی برائی کا اور بیحیائی کا اور اس بات کا کہ تم کہو اللہ پر وہ کچھ جو تم نہیں جانتے (۱۶۴)

سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی برحق ہونا ایسا ہی یقینی جانتے تھے جیسیکہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے تھے۔ اور ابن عباس اور قتادہ اور ربیع اور ابن زید کا یہ قول ہے کہ "یعرفونہ" کی ضمیر امر قبلہ کی طرف راجع ہے اور یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے اسلیئے کہ یہاں اول سے آخر تک امور متعلق قبلہ کا ذکر ہے نہ آنحضرت کے نبی ہونیکی بشارات کا +

توریت میں حضرت ابراہیم کا اور حضرت اسمعیل ع کا اور انکے فاران میں یعنی حجاز میں آباد ہونے کا ذکر موجود ہے جسپر یہودی مذہبی اعتقاد سے بھی یقین رکھتے تھے یہودی توریت کی رو سے اس بات کو بھی یقینی جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم کا طریقہ عبادت کے لیئے مذبح قائم کرنے اور بیت ایل یعنی بیت اللہ بنانیکا تھا انکو اپنی قومی اور پشتینی روایتوں سے یقین کامل تھا کہ کعبہ حضرت ابراہیم ع کا بنایا ہوا بیت اللہ ہے اور من وجہ بیت المقدس سے ترجیح رکھتا ہے اور اُسکی طرف سمت قبلہ ہونا عین حق اور درست ہے انہی وجوہ پر خدانے فرمایا کہ "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" اور یہی وجہ انکے الزام کی ہے کہ باوجود ان سب باتوں کے جاننے کے حق بات کو چھپاتے ہیں اور پھر تحویل قبلہ پر طعنہ دیتے ہیں +

یہ سب باتیں جو ہمنے بیان کیں ایسی صاف وصریح ہیں کہ ہر شخص جو قرآن مجید کی سیاق وسباق عبارت پر غور کریگا بلاشبہ انکو تسلیم کریگا +

(۱۴۹) (وَلَا تَقُوْلُوْا) اس آیت سے پہلے اور اسکے بعد بھی خدا تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تھے شدائد پر صبر کرنے کی ہدایت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۚ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۚ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور جب اُنسے کہا جاوے کہ پیروی کرو اُسکی جو اللہ نے اُتارا ہے تو کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم پیروی کرینگے اُس چیز کی جس پر ہمنے اپنے باپ دادا کو پایا ہی، اور اگرچہ تھے اُنکے باپ دادا کہ نہیں جانتے تھے کچھ بھی، اور نہ ہدایت پائے ہوئے تھے (۱۶۵) اور اُن لوگوں کی مثال جو کافر ہوئے اُس شخص کی (بھیڑوں کی) مثال کی مانند ہی جو آواز دیتا ہی ایسے بیمعنی الفاظ سے کہ بجز بُلانے اور آواز کرنے کے اور کچھ نہیں سنتا، بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پھر وہ نہیں سمجھتے (۱۶۶)

مسلمانوں کے قتل و قتال پر کمر باندھی تھی، اور یہ آیت بعد وقوع قتل و قتال نازل ہوئی ہی جسمیں کچھ مسلمان کام آئے تھے۔ مفسرین کا قول ہی کہ وہ جنگ بدر تھی جسمیں چھ مسلمان مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے کام آئے تھے۔ بہرحال کسی واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو ہمکو جو بحث ہی وہ اس بات سے ہی کہ اس قول کے کہ "اُنکو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں" کیا معنی ہیں ؀

اسکی نسبت مفسرین کے تین قول ہیں، ایک یہ کہ وہ شہید ہوتے ہی اُسی وقت درحقیقت زندہ ہوجاتے ہیں لیکن ہمکو اُنکا زندہ ہونا نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرے یہ کہ احیاء سے مراد سیحیون ہی یعنے زندہ ہونگے یعنی قیامت کے دن۔ اُسکی مثال ایسی ہے جیسیکہ خدا نے کہا ہی کہ "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ"۔ "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ"۔ "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ نَعِيْمٍ" اُن سبکے معنی یہ ہیں کہ سیصیرون کذلک۔ یعنی عنقریب ایسے ہوجاوینگے۔ تیسرے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۷﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہمنے تمکو دی ہیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو (۱۶۷)

یہ کہ اُنکو مردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں۔ یہ کہنا ایسا ہی جیسیکہ کوئی کہے کہ .. ما مات رجل خلف مثلک" یعنی وہ شخص نہیں مرا جسنے تیرے مانند خلف چھوڑا ہے۔ جو لوگ دین کی استقامت کے سبب مارے گئے ہیں درحقیقت اُنھوں نے دین حق کے پھیلانے اور اپنے بعد اس نیکی کو قائم رہنے اور جاری رہنے کے لیئے جان دی ہی پس اُنھوں نے اپنے بعد ایسی نیکی چھوڑی ہی جو اس سے بہتر نہیں ہوسکتی، اور اسی اعتبار سے اُنکی نسبت کہا جاتا ہی کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں جنکی ایسی نیکی قائم و جاری ہی، پس حیات سے اُنکی حیات فی الدین مراد ہے، جیسیکہ ایک جگہ خدا نے ایمان والوں کی نسبت فرمایا ہی "اومن کان میتا فاحییناہ" اور سورہ آل عمران میں جو خدا نے اُنکی حیات کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہی کہ "بل احیاء عند ربھم" اس سے اور زیادہ اس مطلب کو تقویت ہوتی ہی کہ اُنکی حیات سے حیات فی الدین مراد ہی نہ اور قسم کی حیات میرے نزدیک تیسرے معنی صحیح ہیں *

(۱۶۷) (كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ) اس آیت سے پہلے خدا تعالیٰ نے اُن پاکیزہ چیزوں کے کھانے کی اجازت دی تھی جو زمین میں ہیں یعنی جو زمین سے پیدا ہوئی ہیں؛ اور اس آیت میں عموماً پاکیزہ چیزوں کے کھانے کی اجازت ہی جس لفظ کا ترجمہ ہمنے پاکیزہ کیا ہی وہ لفظ طیبات ہے، اُسکے معنی مزے دار اور خوشبودار غیر مضر کے ہیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ "ان الطیب فی اصل اللغۃ عبارۃ عن المستلذ المستطاب" ۔ پس ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ تمام چیزیں جو انسان کے لیئے مضر نہیں ہیں وہ حلال ہیں، اور وجہ حلت اور حرمت اشیائے ماکول جو خدا نے بتائی ہی وہ اُنکے مضر اور غیر مضر یا مضر اور مفید ہونے پر مبنی ہی *

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَاۤ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ	اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ حرام کیا ہی تمپر مرا ہوا اور خون اور سور کا گوشت اور وہ (جسینر ذبح کرنے میں اور کسیکا نام) سوائے خدا کے پکارا جاوے، پھر جو کوئی مضطر ہو نہ زیادتی کرنیوالا اور نہ حد سے گذرنے والا پھر اسپر گناہ نہیں،

(۱۶۷) (اِنَّمَا حَرَّمَ) اس آیت میں اُن تین مضر چیزوں کا بالتخصیص ذکر کیا ہی جنکے کھانے کا رواج عرب کی قوموں میں تھا۔ عرب کے لوگ مرے ہوئے جانور کو اور سور کو کھاتے تھے، اور جانوروں کے گلا کاٹنے میں جو خون نکلتا ہی اُسکو ایک برتن میں جمع کرتے تھے، اور جب وہ جمکر لوتھڑا ہوجاتا تھا تو بھون کر کھاتے تھے، اور یہ تینوں چیزیں انسان کیلیئے مضر ہیں، گوکہ مثل زہر کے فی الفور اُنکی مضرت نہ ظاہر ہو۔ مرے ہوئے جانور کے مضر ہونے میں جو اپنی موت سے مرجاتا ہی کسی کو کلام نہیں، اور دم مسفوح کا مضر ہونا بھی تسلیم کیا گیا ہی۔ سور کے گوشت کے مضر ہونے پر (علی الخصوص گرم ملکوں میں) بہت سے مباحثے ہوئے ہیں اور انجام کار اُسکا مضر ہونا تسلیم کیا گیا ہی۔ پس ان تینوں چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ اُنکے مضر ہونے پر مبنی ہی۔ علاوہ اسکے اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ غذا کی تاثیر انسان کے اخلاق پر ضرور ہوتی ہی۔ سور میں بعض خصائل ذمیمہ ایسے پائے جاتے ہیں جو علم اخلاق انسانی کے برخلاف ہیں، اور اسلیئے اُسکا کھانا بلحاظ حفظ اخلاق انسانی ممنوع کرنا بلاشبہ انسان کو اخلاق ذمیمہ سے محفوظ رکھتا ہی ؁

البتہ چوتھی چیز یعنی ،، وما اهل به لغیر الله،، کی حرمت قابل بحث ہی۔ پس اُسکی حرمت نفس مذبوح کے مضر ہونے یا نجس ہوجانے کے سبب سے نہیں ہی، بلکہ اُسکی حرمت واسطے مٹانے رسم شرک کے ہی۔ مشرکین عرب کا دستور تھا جیسیکہ ہندوستان میں ہندؤں کا دستور ہی کہ جانوروں کا گلا بتوں اور دیبیوں کا نام لیکر کاٹتے تھے،

إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۸﴾	بیشک اللہ بخشنے والا ہی مہربان (۱۶۸)

جبکا یہ مقصود تھا کہ اُسکی نذر اور اُسکے تقرب کیلئے جانور کو مارا ہی یہاں تک کہ جو جانور اپنے کھانے کے لیئے بھی مارتے تھے اُسکو بھی کسی بت یا دیبی کی نذر مقرر کرکے اور اُسیکا نام لیکر مارتے تھے۔ ہندوستان میں ابتک یہ رسم ہندؤں میں ہی اور کوئی ہندو کسی بکری کا بغیر دیبی کے نام کے جھٹکا نہیں کرتا۔ بہت گوشت خور ہندو ایسے ہیں کہ اگر کوئی جانور دیبی کے نام پر جھٹکا نکیا جاوے تو اُسکا گوشت نہیں کھاتے۔ اسلام میں تقرب الی غیر اللہ شرک اور کفر قرار پایا ہی۔ پس رسم شرک ہر طرح پر مٹانے کے لیئے یہ حکم ہوا ہے کہ جو جانور اس رسم شرک پر مارا جاوے وہ بھی نہ کھایا جاوے پس حرمت مذبوح لغیر اللہ کی احکام محافظ حکم اصلی میں سے ہی جسکی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں +

تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ علما کا یہ قول ہی کہ اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو بقصد تقرب الی غیر اللہ کے ذبح کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہی اور ذبیحہ اُسکا مرتد کا ذبیحہ ہی، اور یہ حکم اہل کتاب کے ذبایح کے سوا اوروں کے ذبیحہ سے متعلق ہی، اور اہل کتاب کے ذبایح ہمارے لیئے حلال ہیں، جیسا کہ خدا نے فرمایا ہی کہ طعام اُن لوگوں کا جنکو کتاب دیگئی ہی تمہارے لیئے حلال ہے +

قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد وھذا الحکم فی غیر ذبایح اھل الکتاب اما ذبایح اھل الکتاب تحل لنا لقولہ تعالی وطعام الذین اوتوا الکتب (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۱)

پس اس آیت کی جسکی ہم تفسیر لکھتے ہیں اسمیں تو کچھ شبہ نہیں کہ جو مسلمان کسی جانور کو تقرباً غیر خدا کے نام ذبح کرے اُسکا کھانا اسوجہ سے کہ وہ ایک فعل شرک پر ذبح کیا گیا ہی حفظاً للحکم التقرب الی اللہ ممنوع و حرام ہی مگر یہ بات باقی ہی کہ اگر غیر مسلم اس طرح پر کرے تو اُسکا کھانا بھی ممنوع و حرام ہی یا نہیں۔ امام فخر الدین رازی نے جو قول علماء اسلام نقل کیا ہی اُسمیں ذبیحہ اہل کتاب کو مستثنے کیا ہی جسکا یہ مقصد ہی کہ گو اہل کتاب نے تقرباً الی غیر اللہ ہی ذبح کیا ہو مگر وہ حلال ہے اور یہی قول بعض فقہا کا بھی ہی اور انھوں نے تصریح کردی ہی کہ "ولو ذبحہ باسم المسیح"۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۶۹﴾

ہاں جو لوگ چھپاتے ہیں اسکو کتاب میں سے جو اتارا ہی اللہ نے اور لیتے ہیں اُسکے بدلے تھوڑی سی قیمت، وہی لوگ ہیں کہ نہیں کھاتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور نہ کلام کریگا اُن سے اللہ قیامت کے دن اور نہ اُنکو پاک کریگا، اور اُنکے لیئے عذاب ہے دُکھ دینے والا (۱۶۹)

ومن الناس من + + + اجازوا ذبیحۃ النصرانی اذا سمی علیہا باسم المسیح وھو مذھب عطاء و مکحول والحسن والشعبی وسعید بن المسیب (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۲)

مگر یہاں یہ سوال باقی رہجاتا ہے کہ تو پھر دیگر اہل مذاہب کا لغیر اللہ ذبح کیا ہوا کیوں نہ حلال ہو۔ اسکا جواب بقاعدہ اہل نقل یہ ہو سکتا ہے کہ آیت طعام اہل کتاب سے اُنکا ذبیحہ مستثنیٰ ہو گیا ہی اور دیگر اہل مذاہب کا ذبیحہ مستثنیٰ نہیں ہوا، مگر پھر اسپر یہ سوال ہوگا کہ کیوں دیگر اہل مذاہب کا ذبیحہ مستثنیٰ نہیں ہوا +

ہاں اگر اس استثنا کی یہ وجہ بیان کی جاوے کہ اہل کتاب میں کبھی لغیر اللہ جانور کے ذبح کرنے کی رسم و عادت نہ تھی، یا وہ خدا کے نام پر قربانی کرتے تھے یا خدا کا نام لیکر ذبح کرتے تھے جیسیکہ یہود کی عادت ہی، یا کسی کا نام لیئے بغیر ذبح کرتے تھے جیسیکہ عیسائیوں کی عادت ہی، تو صرف ذبائح اہل کتاب کے مستثنے کرنے کی اور دیگر اہل مذاہب کے ذبائح کے مستثنے نکرنے کی وجہ کافی ہوگی، اور اسلیئے دیگر اہل مذاہب کا ذبیحہ یا جھٹکا حفظاً لحکم التقرب الی اللہ وحدہ حراماً و ممنوع الاکل رہیگا +

البتہ ایک سوال اور باقی رہتا ہی کہ اگر کسی غیر اہل کتاب نے کسی جانور کو لا لغیر اللہ ذبح کیا ہو تو وہ بھی حرام اور ممنوع الاکل ہی یا نہیں۔ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہوگا۔ کیونکہ آیت ،، کلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ ،، کا حکم عام نہیں ہے۔ پس نص صریح قرآن مجید سے اسکی حرمت ثابت نہوگی الا اجتہاد سے جسکی تسلیم خود مجتہد یا اُسکے متبعوں پر لازم ہوگی نہ ہر شخص پر +

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٠﴾	وہی لوگ ہیں جنھوں نے خریدا ہے گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب کو بدلے مغفرت کے پھر کس چیز نے انکو صابر کیا ہی آگ پر (۱۷۰)
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٧١﴾	یہ اسلیئے ہی کہ اللہ نے کتاب اتاری ہی برحق، اور بلا شبہ جن لوگوں نے اختلاف کیا ہی کتاب میں البتہ مخالفت میں (حق سے) دور ہیں (۱۷۱)

(اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) اسکے معنی میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہی کہ خدا کے سوا اور کسی کا نام پکارے جانے سے کیا مطلب ہے۔ اصمعی کا قول ہی کہ اہلال کے معنی پکارنے کے ہیں احرام باندھنے والے پر مہل کا لفظ اسلیئے بولا جاتا ہی کہ وہ احرام باندھتے وقت لبیک کہکر پکارتا ہی، اور ذابح پر بھی مہل کا لفظ بولتے ہیں کیونکہ عرب جانوروں کو ذبح کرتے وقت بتوں کا نام لیکر پکارتے تھے، اور "استہل الصبی" کا لفظ بھی اسی سے نکلا ہی کہ پیدا ہونے کے بعد چلّاتا ہی اسلیئے۔ ما اھل بہ لغیر اللہ کے معنی یہ ہوئے کہ جو بتوں کے لیئے ذبح کیئے جاویں۔ یہ مذہب تو مجاہد ضحاک اور قتادہ کا ہی۔ اور دوسرا قول ربیع بن انس اور ابن زید کا ہی۔ وہ کہتے ہیں کہ،، اھل بہ لغیر اللہ،، سے یہ مطلب ہے کہ جو خدا کے نام کے سوا اور کسی کے نام سے پکارا جاوے یعنی وہ ذبح کے وقت پکارے جانے کی قید نہیں لگاتے؛ بلکہ صرف غیر خدا کے نام موسوم کر دینے ہی کو،، اھل لغیر اللہ،، میں داخل کرتے ہیں جیسے کہ ہندوستان میں مسلمان بکرے کو شیخ سدو اور گاے کو پیراں اور مرغے کو مدار کے نام سے موسوم کر دیتے ہیں۔ ان مفسروں کی رائے کے مطابق جو جانور کہ غیر خدا کے نام اتقربا موسوم ہو گیا ہو اور گو بروقت ذبح خدا ہی کا نام لیا جاوے تب بھی وہ حرام ہو جائیگا، اور پہلی رائے کے موافق حرام نہوگا بشرطیکہ خدا کا نام لیکر ذبح کیا جاوے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں پچھلی رائے اختیار کی ہی۔ مگر درحقیقت وہ صحیح نہیں

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ	کچھ یہ نیکی نہیں ہے کہ اپنے مونھوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو

ہے کیونکہ صرف نام رکھدینا کہ شیخ سدو کا بکرا ہے اور میراں کی گاے یا مدار کا مرغا یہ اقدام بالشرک ہے نہ وقوع شرک، اور جبتک کہ شرک کا وقوع مذبوح کسا ورنہ ہوا اسوقت تک وہ مذبوح ممنوع الاکل نہیں ہوسکتا۔ پس اگر ذبح کے وقت خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا ہے تو اُسکا کھانا حرام نہیں ہے ✦

(۱۶۹) (اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡتُمُوۡنَ) ہمارے مفسرین کی عادت ہے کہ جہاں قرآن میں اہل کتاب کی نسبت ایسا مضمون آیا کہ وہ توریت کی باتیں چھپاتے ہیں، اور انھوں نے تفسیر میں لکھا کہ اس سے بشارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چھپانا مراد ہے چنانچہ اس مقام پر بھی ایسا ہی کچھ لکھا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ وہ مضامین جنپر بشارات کا اطلاق ہوتا ہے وہ خود توریت و انجیل میں بطور کنایہ اور اشارہ کے قرار پاسکتے ہیں اُنپر اطلاق اخفا کچھ ٹھیک نہیں ہے، اور نہ خدا کو اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی ضرورت تھی کہ جابجا اپنی نبوت کے اثبات کے لیئے توریت اور انجیل کے بشارات پر حوالہ کریں نبی کے لیئے بشارت کی ضرورت نہیں، نبی خود نبوت کی دلیل ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ بلکہ اس اخفا سے صرف احکام توریت کا اخفا مقصود ہے جو یہودیوں میں کثرت سے رایج ہوگیا تھا، اور دنیوی لالچ اور ہوا ے نفس سے برخلاف احکام توریت کے فتوے لکھدیتے تھے، اور اصلی احکام کو چھپاتے تھے۔ حسن کا بھی یہی قول ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ "قال الحسن کتموا الاحکام وھو کقولہ تعالیٰ، "وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَالرُّهۡبَانِ لَيَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ،، ✦

(۱۷۲) (لَيۡسَ الۡبِرَّ) اختیار کرنا سمت قبلہ کا گو وہ کیسی ہی خدا پرستی پر مبنی ہو خوف اور اندیشہ سے خالی نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تردد تھا کہ کہیں کعبہ

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۱۷۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى	ولیکن نیکی اُسکو ہی جو ایمان لایا اللہ اور اخیر دن اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر اور دیا مال اسکی محبت پر قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں، اور پڑھی نماز اور دی زکوۃ، اور اپنے عہد کے پورا کرنے والوں کو جبکہ وہ عہد کریں اور صبر کرنے والوں کو خوف اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت، وہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور وہی لوگ پرہیزگار ہیں (۱۷۲) اے لوگوں جو ایمان لائے ہو لکھا گیا تم پر قصاص مقتولوں میں،

بت پرستوں کی مانند نہ پوجنے لگے۔ اسیوجہ سے خدا تعالیٰ نے متعدد طرح سے اُسکو رفع کیا ہی، ایک جگہ فرمایا کہ، لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ اور اس آیت میں فرمایا کہ، لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اور پھر بتایا کہ خدا کو، قیامت کو، فرشتوں کو، نبیوں کی کتابوں کو، نبیوں کو ماننا، خدا کی محبت سے غریب قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور قیدیوں کو کچھ دینا، غلاموں کو آزاد کرنا، نماز پڑھنی، زکوۃ دینی، اقرار پورا کرنا، سختی اور مصیبت میں اور لڑائی میں صبر کرنا دراصل نیکی ہے +

(۱۷۳) (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ) اس آیت میں تین حکم ہیں۔ پہلا حکم اسلام میں قصاص کا قائم کرنا ہی۔ دوسرا حکم جو معاوضہ خون کا زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل اسلام کے تھا بعد اسلام اُسکا باطل کرنا ہے۔ تیسرا حکم اُن معاہدوں کا قائم رکھنا ہے جو باہم قبل اسلام کے خونوں کی بابت ہوئے تھے +

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۱۷۳	آزاد بدلے آزاد کے غلام بدلے غلام کے عورت بدلے عورت کے، پھر جس شخص کو معاف کیا جاوے اپنے بھائی سے کچھ، پھر تابعداری کرنا ہی ساتھ نیکی کے اور اُسکو ادا کرنا ہی ساتھ احسان ماننے کے (۱۷۳)

عرب کے مختلف قبیلے جب مسلمان ہوگئے تو اُن میں ایسے بھی لوگ تھے جنہوں نے ایک دوسرے کو مار ڈالا تھا، اور اسوقت تک مقتول کے لوگوں نے قاتل سے بدلا نہیں لیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بدلا لینے کا یہ دستور تھا کہ جو قومیں زبردست اور شریف تھیں وہ اپنے تئیں دوسری قوموں سے اسطرح بدلا لینے کا مستحق سمجھتی تھیں کہ اپنے غلام کے بدلے اُن میں کے ایک حر کو، اور اپنی عورت کے بدلے اُنکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے اُنکے دو مردوں کو ماریں، اور نیز زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ مقتول کے وارث خون کو معاف کر دیتے تھے، اور کبھی قتل کے بدلے میں کچھ روپیہ یا مال قاتل سے یا قاتل کے قبیلہ سے لیکر راضی ہوتے اور دعوی قتل سے دست بردار ہوجاتے۔ پچھلے دو حکم اسی رسم جاہلیت سے علاقہ رکھتے ہیں (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ و معالم التنزیل صفحہ ۶۷) +

پہلا حکم جو اسلام میں قصاص قائم کرنے کا ہی وہ اس آیت کے پہلے جملہ میں موجود ہی جہاں خدا نے فرمایا ہی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى" یہ جملہ ایک مستقل جملہ ہی اور تفسیر کبیر میں بھی بعض مفسرین کا یہ قول لکھا ہی کہ "کتب علیکم القصاص فی القتلی جملۃ تامۃ مستقلۃ بنفسہا"۔ اور اس جملہ سے مطلقاً یعنی بغیر کسی قید کے قصاص کا حکم پایا جاتا ہی یعنی قاتل بعوض مقتول کے مارا جاویگا کوئی شخص قاتل ہو اور کوئی شخص مقتول ہو، مرد ہو عورت ہو، آزاد ہو، کافر ہو مسلمان ہو، یہ لازمی قصاص غالباً اُن لوگوں کو جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور جنکے ماں

ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱۷۴)	یہ آسانی ہی تمہارے پروردگار سے اور رحمت، پھر جس شخص نے زیادتی کی اسکے بعد تو اُسکے لیئے عذاب ہی دُکھ دینے والا (۱۷۴)

معافی اور خون کے بدلے مال لینا بھی جائز تھا سخت گراں گذرا ہوگا، اور اسی لیئے اُسکے بعد خدا تعالیٰ نے قصاص میں جو حکمت ہی وہ بتلائی اور فرمایا کہ ،، وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ،،۔ اور اس اخیر آیت سی زیادہ تر اس رائے کو تقویت ہوتی ہی کہ قرآن مجید میں صرف خون کے بدلے خون کا حکم ہے۔ اگرچہ مسلمانوں میں دیت اور معافی کا رواج جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا موقوف نہیں ہوا اور اُسکی بنا حدیثوں پر قائم کی ہی، مگر مجھکو اِسمقام پر اُنسے بحث نہیں ہی، صرف یہ بیان کرنا ہی کہ قرآن مجید کی اس آیت سے کیا حکم نکلتا ہی، سو وہ حکم یہی ہی کہ بلا کسی قید اور تفرقہ کے مقتول کے بدلے قاتل مارا جائے ؛

قصاص کے لفظ سے بعض علماء نے جو یہ مطلب سمجھا ہی کہ جسطرح قاتل نے مقتول کو مارا ہی اُسیطرح قاتل بھی مارا جاوے یہ بھی اِس آیت سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف مقتول کے بدلے قاتل کا بیجان کردینا ثابت ہوتا ہی۔ قصاص کے معنی دو آدمیوں کا ایک سا کام کرنے کے ہیں جیسیکہ عرب کہتے ہیں کہ ،، اقتص فلان اثر فلان ،، جبکہ کوئی شخص ویسا ہی کام کرے جیسا کہ دوسرے نے کیا ہو۔ اہل شرع نے اسکے معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ کسی انسان کے ساتھ ایسا ہی کیا جاوے جیسا کہ اُسنے دوسرے انسان کے ساتھ کیا ہو۔ مگر ایسی تعمیم قصاص کے معنی کی اِس آیت کے لفظوں سے نہیں پائی جاتی کیونکہ اِس آیت میں قصاص کے لفظ کے ساتھ ،، فی القتلیٰ ،، کی بھی قید لگی ہوئی ہی، اور اِس قید سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ اُسکے مقتول ہوجانے میں مساوات چاہیئے نہ کیفیت مقتول ہونے میں، کیونکہ مقتول ہوجانا یعنی جان کا بدن سے مفارقت کرنا ایک چیز ہے اور جسطرح اور جس ذریعہ سی اُس نے

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۱۷۵)	اور تمھارے لیئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والوں تاکہ تم پرہیزگاری کرو (۱۷۵)

مفارقت کی ہے وہ دوسری چیز ہے، اور اس آیت میں لفظ قصاص سے مقتول ہونے میں یعنی جان کے بدن سے مفارقت کرنے میں مساوات چاہی گئی ہے نہ کیفیت قتل میں۔ پس آیت کا حکم صرف اتنا ہی کہ اگر کسی شخص نے کسی کو بیجان کردیا ہو تو وہ بھی ویسا ہی یعنی بیجان کردیا جاوے ؀

اس بیان سے ظاہر ہی کہ بعض علما کا لفظ قصاص سے یہ سمجھنا کہ اگر کسی نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو اُسکو بھی پتھر سے سر پھوڑ کر مارا جاوے، اور اگر کسی نے آگ سے جلاکر مارا ہو تو اُسکو بھی آگ سے جلاکر مارا جاوے، اور اگر کسی نے پانی میں ڈبو کر مارا ہو تو اُسکو بھی پانی میں ڈبو کر مارا جاوے صحیح نہیں ہی۔ علاوہ اُن علما کا یہ خیال بھی کہ ایسا کرنے میں ٹھیک ٹھیک مساوات ہوجاویگی غلط ہی، کیونکہ ان افعال کو اسطرح پر عمل میں لانا کہ بالکل اُن افعال کے فعل میں اور اثر میں مساوی ہوں جو قاتل نے مقتول کے ساتھ کیئے ہیں محض ناممکن ہی۔ منطوق آیت کا صرف اسبات پر دلالت کرتا ہی کہ مقتول کے بدلے قاتل بھی مار ڈالا جاوے ؀

دوسرا حکم جسطرح زمانہ جاہلیت میں معاوضہ خون کا لیا جاتا تھا اُسکا باطل کرنا ہی، اور وہ ان الفاظ سے باطل ہوتا ہی۔ "اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى" اگرچہ علماء نے ان لفظوں کی نسبت بہت بحث کی ہی جو ایک تطویل لاطائل ہی، مگر صاف و صریح مطلب یہ ہی کہ اسلام میں قصاص تو لیا جائیگا۔ لیکن یہ طریقہ جو جاہلیت میں تھا کہ قاتل کو چھوڑ کر دوسرے شخص کو مارتے تھے، اور غلام کے بدلے حر کو مارتے تھے، اور عورت کے بدلے مرد کو مارتے تھے، اور ایک مرد کے بدلے دو مردوں کو مارتے تھے، یہ طریقہ اسلام میں نہیں رہا۔ بلکہ اگر کسی حر نے حر کو مارا ہی تو وہ حر ہی مارا جائیگا۔ اور اگر کسی غلام نے غلام کو مارا ہی تو غلام ہی مارا جائیگا۔ اور

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ	لکھا گیا تم پر کہ جب تم میں سے کسی ایک کو موت آوے

اگر کسی عورت نے عورت کو مارا ہو تو عورت ہی ماری جائیگی، اور حر اور عبد اور انثی پر الف لام ہے، اُس سے قاتل میں قاتل و مقتول کی تخصیص لازم آتی ہے۔ پس بیان سے اوپر کے جملہ کی جسمیں قصاص کا حکم ہے تفصیل مقصود نہیں ہے، بلکہ جاہلیت میں جو رواج تھا کہ عورت کے بدلے مرد کو، اور غلام کے بدلے حر کو مارتے تھے، اُسکا موقوف کرنا مقصود ہے ✝

جن علماء نے غلطی سے ان الفاظ کو حکم قصاص کی تفصیل سمجھا ہے اُنھوں نے ایک سخت نا تمام بحث کی ہے، اور نتیجہ اپنی بحث کا یہ نکالا ہے کہ اگر ایک حر نے کسی عبد کو مار ڈالا ہو یا ایک عبد نے کسی حر کو مار ڈالا ہو، یا ایک مرد نے کسی عورت کو، یا ایک عورت نے کسی مرد کو مار ڈالا ہو، تو اُن سے قصاص لینے کا حکم اس آیت میں پایا نہیں جاتا۔ اور اس لیئے اُنکے قصاص میں مختلف رائیں ہوگئی ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ اگر کسی عبد نے حر کو یا عورت نے مرد کو مار ڈالا ہو تو اُن سے قصاص لینا قیاس پر مبنی ہے، کیونکہ ادنی نے اعلی کو مارا ہے۔ اور اگر ایک حر نے عبد کو، یا مرد نے عورت کو مار ڈالا ہو تو اُن سے قصاص لینا اجماع پر مبنی ہے۔ مگر کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ سب رائیں غلط ہیں اور جملہ اول سے عموماً قصاص لینے کا حکم ثابت ہے ✝

تیسرا حکم ایام جاہلیت کے خونوں کی بابت معاہدوں کا قائم رکھنا ہے وہ ان الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ "فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیم"۔ یہ جملہ بھی اُسی پہلے جملہ کی تابع ہے جو جاہلیت کے خونوں سے علاقہ رکھتا ہے۔ اس جملہ کا یہ مطلب ہے کہ ایام جاہلیت کے خونوں کی بابت اگر کسی نے کچھ معاف کر دیا ہو، یا اُسکی عوض میں کچھ دینے کا اقرار کیا ہو تو وہ اُسی اقرار کے موافق ادا کر دیا جاوے۔ قتل

إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (۱۷۶) فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۱۷۷)	اگر وہ مال چھوڑے تو وصیت کرے ماں باپ کے لیئے اور قرابت مندوں کے لیئے نیکی سے، یہ کام مقرر کیا گیا ہی پرہیزگاروں پر (۱۷۶) پھر جس شخص نے بدلیا وصیت کو اُسکے سننے کے بعد تو اُسکا گناہ اُنہی پر ہی جنہوں نے کہ اُسکو بدلا ہی، بیشک اللہ سننے والا ہی جاننے والا (۱۷۷)

ایک ایسی چیز نہیں ہی کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی اُسکے مواخذہ سے کوئی شخص بری ہو سکے۔ مگر زمانۂ جاہلیت میں جو بے انتہا خون ہوتے تھے، اور بدلا لینے کے لئے قتل و قتال قائم تھے، اسلیئے ابتداء اسلام میں اُن تمام جھگڑوں کے مٹانے کے لیئے وہ معاہدے جو زمانہ جاہلیت میں قصاص سے بری ہونے کی بابت قرار پائے تھے اُسیطرح جائز رکھے گئے۔ اس خاص آیت کے استدلال سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام میں بھی قتل عمد کا معاف کر دینا یا دیت کا لینا جائز کر دیا گیا۔ قتل خطا قتل عمد سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور اُسمیں دیت کا قرار پانا اور کسی معاوضہ کا ٹھیرانا انصاف کے برخلاف نہیں ہے +

(۷) (كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ) "کتب" کے لفظ سے علماء اسلام فرض کے معنی لیتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہی کہ والدین اور اقربا کے لیئے وصیت فرض تھی۔ مگر کہتے ہیں کہ یہ حکم اُسوقت تھا جبکہ آیت توریث نازل نہیں ہوئی تھی۔ اتنی بات بلاشبہ تسلیم کے لائق ہے کہ آیت توریث کے نازل ہونے کے بعد جو شدید ضرورت وصیت کی تھی وہ باقی نہیں رہی، کیونکہ ایک عام قاعدہ مقرر ہوگیا اور ہر شخص نے جان لیا کہ میرے بعد میرے اقربا میں اسطرح مال تقسیم ہوجاویگا +

لیکن فقہاے اسلام نے دو او مسئلے وصیت کے متعلق قرار دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ آیت توریث میں جو لوگ وارث قرار پائے ہیں اُنکے حق میں وصیت جائز نہیں ہے

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾	پھر جس شخص کو ڈر ہو وصیت کرنیوالے سے کجروی کا یا گناہ کا پھر کسنے اصلاح کر دی انمیں، تو اسپر کچھ گناہ نہیں، بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۱۷۸)

،، لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ،، انّ اللّٰہ قد اعطیٰ کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث ،،۔ دوسرے یہ کہ ثلث مال سے زیادہ میں وصیت جائز نہیں۔ جو کچھ کہ فقہانے اپنے اجتہاد سے یا کسی حدیث کی بنا پر مسئلہ ٹھیرایا ہے اسمیں بحث ضرور نہیں ہے کیونکہ وہ بحث حدیث کی صحت و غیر صحت پر جا پڑتی ہے۔ بحث اسمیں ہے کہ قرآن مجید سے وصیت کا کسی قید سے مقید ہونا پایا جاتا ہے یا نہیں، سو نہیں پایا جاتا ✦

قرآن مجید سے وصیت کرنا ایک فعل جائز ثابت ہوتا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کے مرنے کے بعد اُس طرح پر کیا جاوے جسطرح کہ خود اُسنے اپنی زندگی میں مقرر کر دیا ہے۔ جبکہ کسی شخص کو کسی سبب سے ہلاک ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جو مطلب ،، اذا حضر احدکم الموت ،، کا ہے تو اُسکو ضرور ہے کہ وصیت کر دے کہ اُسکا مال اُسکے والدین اور قرابت مندوں کو کیونکر دیا جاوے۔ آیت توریث سے اُس حکم کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ آیت وصیت کے نازل ہونیکے بعد یہ ضرور تھا کہ کوئی شخص بلا وصیت مرے ہی نہیں۔ پس جو لوگ کہ باوجود حکم وصیت کے بلا وصیت مر جاویں اُنکے مال کی تقسیم کے لئے کوئی قاعدہ مقرر ہونا چاہیئے تھا، وہ قاعدہ آیت توریث میں قرار پایا۔ پس قرآن مجید کی دونوں آیتوں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرنے والے نے اگر کوئی وصیت کی ہے تو اُسکا مال اُسکی وصیت کے مطابق تقسیم کیا جاویگا۔ اور اگر اُسنے کچھ وصیت نہیں کی یا جسقدر کہ وصیت کی ہے اس سے زیادہ مال چھوڑا ہے تو اُسکے مال کی یا اُسقدر کی جو وصیت سے زیادہ ہے آیت توریث کے مطابق تقسیم ہو جاویگی۔ پس دونوں آیتوں کا حکم بحال اور قائم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو لکھا گیا تم پر روزہ جسطرح لکھا گیا اُن لوگوں پر جو تمسے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگاری کرو (۱۷۹) گنے ہوئے دنوں میں پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر تو شمار کرلے اور دنوں میں ۔ اور (لکھا گیا) اُن لوگوں پر جو روزہ کی طاقت رکھتے ہیں بدلا دینا ہے ایک محتاج کی خوراک کا پھر جس شخص نے نیکی سے زیادہ دیا تو وہ اُسکے لیئے اچھا ہے اور روزہ رکھنا تمھارے لیئے بہتر ہے اگر تم جانو (۱۸۰)

ہے ۔ ثلث سے زیادہ میں اور وارث کے حق میں وصیت کا جائز نہونا ایک ایسا امر ہے جو قرآن مجید کی کسی آیت سے پایا نہیں جاتا ، اور جن حدیثوں سے اُسپر استدلال کیا ہے اگر وہ تسلیم بھی کرلی جاویں تو بھی نہایت شبہ ہے کہ اُنسے اس امر پر استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں +

بلاشبہ وصیت کو غیر مقید رکھنے میں بداخلاقی یا حق تلفی کا احتمال ہو سکتا ہے اُسکا انسداد جہانتک کہ بمقتضاے فطرت انسانی ممکن تھا وہ قرآن مجید میں کیا گیا ہی جہاں فرمایا ہی کہ ،، بالمعروف ،، یعنی نیکی اور نیک دلی سے وصیت کریں نہ بدنیتی سے کسی کا حق تلف کرنے اور ذی حق کے محروم کرنے کے لیئے ۔ پھر یہ بھی فرمایا ہی کہ اگر [illegible] دیکھے کہ وصیت کرنے والا کسی کے حق میں ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو اُسکو سمجھاوے اور اسکی وصیت کو یا ارادہ کو بدلوا دے تاکہ حق تلفی نہو ، اور اُس بداخلاقی یا حق تلفی کے روکنے کا طریقہ بجز اسکے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا +

منقول ہی کہ ایکدفعہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سعد بن مالک کی بیماری میں

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ	ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور علانیہ نشانیاں ہدایت کی، اور حق و باطل کو جدا کرنے والا، پھر تم میں سے جو کوئی اس مہینہ میں موجود ہو تو چاہیئے کہ اُس میں روزہ رکھے

خبر پرسی کو تشریف لیگئے۔ سعد بن مالک نے عرض کیا کہ میں اپنے کل مال کی وصیت کردوں (یعنی سوائے اپنے قرابت مندوں کے اوروں کے لیئے جیسا کہ حدیث کے مضمون سے پایا جاتا ہے) ۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ نصف مال کی وصیت کر دوں آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ ایک ثلث مال کی وصیت کردوں۔ آپ نے فرمایا کہ تہائی کی اور تہائی بھی بہت ہے۔ اگر تو اپنے وارثوں کو دولتمند چھوڑے تو اس سے بہتر ہے کہ انکو مفلس چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خیرات لیتے پھریں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائیشہ رض سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں اپنے مال کی وصیت کردینا چاہتا ہوں (یعنی سوائے اولاد کے) حضرت عائیشہ رض نے پوچھا کہ تیرے پاس کتنا مال ہے اور کتنی اولاد ہے۔ اُسنے کہا کہ تین ہزار درہم ہیں اور چار اولاد ہیں۔ حضرت عائیشہ رض نے فرمایا کہ یہ تو بہت مال نہیں ہے، بہتر ہے کہ اپنی اولاد کے لیئے رہنے دے۔ اور روایتوں میں ہے کہ حضرت علی رض فرماتے تھے کہ میں پانچویں حصہ مال کی وصیت کرنے والے کو چوتھائی مال کی وصیت کرنیوالے سے، اور چوتھائی مال کی وصیت کرنے والے کو تہائی مال کی وصیت کرنے والے سے زیادہ پسند کرتا ہوں، اور جسنے کہ تہائی مال کی وصیت کردی اُسنے تو کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ حسن بصری نے چھٹے حصہ یا پانچویں یا چوتھے تک کی وصیت کو پسند کیا، اور اس زمانہ کے لوگ اکثر پانچواں حصہ یا چوتھا حصہ وصیت کرتے تھے۔ یہ سب روایتیں اگر صحیح تسلیم ہوں

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨١﴾

اور جو کوئی کہ بیمار ہو یا سفر پر ہو تو شمار کرے اور دنوں میں، اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، اور تاکہ تم پورا کرو تعداد کو اور تاکہ اللہ کو اُس بات پر جسکی تمکو ہدایت کی ہے بزرگی سے یاد کرو، اور تاکہ تم شکر کرو (۱۸۱)

تو بھی اُسے ناجوازی وصیت کی ثلث کی نسبت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اِن روایتوں سے صرف صلاح اور فہمایش پائی جاتی ہے جسکی نسبت خود خدا نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اگر کوئی دیکھے کہ وصیت کرنے والا کسی کے حق میں ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو اُسکو سمجھاوے۔ وصیت کو کسی قید سے مقید کرنے سے بد اخلاقی و ظلم کی بندش نہیں ہوسکتی جبکہ ہبہ کرنے میں کچھ قید اور بندش نہیں ہے۔ وصیت و ہبہ درحقیقت ایک شے ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ہبہ عطا بالفعل ہے اور وصیت عطا بعد الموت۔ حدیث ،، فلا وصیة لوارث ،، کو تسلیم کرنے کے بعد بھی وارث کے حق میں وصیت کا بطلان تسلیم نہیں ہوسکتا، کیونکہ نفی ضرورت کی طرف منسوب ہوگئی نہ نفس وصیت کے بطلان کی طرف۔ علاوہ اسکے حدیث سے نسخ حکم قرآن کسی طرح تسلیم نہیں ہوسکتا ؛

آیت وصیت کو آیت توریث سے یا حدیث سے منسوخ قرار دینا ایک ایسا امر ہے جسکو علماے متقدمین میں سے بھی اکابر علما نے تسلیم نہیں کیا۔ تفسیر کبیر (جلد ۲ صفحہ ۴۶۳) میں لکھا ہے کہ ابو مسلم اصفہانی کا یہ مذہب تھا کہ آیت وصیت آیت توریث سے منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ جو لوگ کہ اسکے منسوخ ہونیکے قائل ہیں اُنکی بڑی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ اس حدیث کے رو سے ،، الا لا وصیة لوارث ،، آیت وصیت منسوخ و مسترد ہوگئی ہے، اور پھر لکھا ہے کہ اسمیں بڑی دقتیں ہیں، کیونکہ یہ حدیث خبر احاد ہے اور خبر احاد سے نسخ قرآن جائز نہیں۔ اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگرچہ خبر احاد ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ	اور جب تجھسے میرے بندے میرے حال سے سوال کریں تو بیشک میں نزدیک ہوں، جواب دیتا ہوں ہر ایک پکارنے والے کی پکار کا جب وہ مجھکو پکارتا ہے پس چاہیے کہ قبول کریں مجھکو

لیکن ائمہ نے اُسکو تلقی بالقبول کیا ہے، اور اسلیئے یہ حدیث حدیث متواتر سے ملگئی ہے۔ مگر اس جواب پر کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ دعوی کہ ائمہ نے اُسکو تلقی بالقبول کیا ہے بطور ظن کے یا بطور یقین کے۔ پہلی بات مسلم ہے۔ لیکن اُنکا یہ اجماع خبر احاد کی بنا پر ہو اُس سے نسخ قرآن جائز نہیں، اور دوسری بات ممکن نہیں کیونکہ اگر انھوں نے اس حدیث کو قطعی سمجھکر اجماع کیا ہی باوجودیکہ وہ خبر احاد ہی تو اُنکا اجماع خطا پر مبنی ہوگا جو ناجائز ہی۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ یہ آیت اجماع سے منسوخ ہوگئی ہی تو بھی اجماع سے قرآن کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہی کیونکہ اجماع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی دلیل آیت کے منسوخ ہونے کی موجود ہی مگر انھوں نے اس دلیل کو تو بیان نہیں کیا اور اجماع ہی پر اکتفا کیا، تو وہ کیونکر ناسخ قرآن ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہی کہ جب ایسے لوگ بھی امت میں موجود ہیں جو اس نسخ کے منکر ہیں تو اجماع کا نسخ پر کیونکر دعوے ہو سکتا ہے۔ غرضکہ قرآن کی رو سے پایا جاتا ہے کہ وصیت کا ہر شخص کو بلا کسی قید کے اختیار ہی اگر اُسنے ظلم اور حق تلفی کے ارادہ سے وصیت کی ہوگی تو اُسکا وبال اُسکی گردن پر ہوگا۔ مگر وصیت کے نافذ ہونے میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا۔ ہاں جن لوگوں نے وصیت نہیں کی یا وصیت سے زیادہ مال چھوڑا تو اُنکا مال مطابق حکم آیت توریث کے وارثوں پر تقسیم ہوگا +

(۷۹) (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ) اس آیت میں جو یہ حکم ہے کہ تمپر روزہ لکھا گیا جسطرح کہ تم سے پہلوں پر لکھا گیا تھا، اسکا مطلب قرار دینے کو چار باتوں کی تنقیح چاہیئے۔ اول یہ کہ اُن روزوں سے کون سے معنے مراد ہیں

وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ | اور چاہئیے کہ ایمان لاویں مجھ پر، تاکہ وہ راہ پاویں (۱۸۲)

یہ کہ ،، تم سے پہلوں ،، سے کون لوگ مراد ہیں ۔ تیسرے یہ کہ اُن پہلوں پر کونسے روزے لکھے گئے تھے ۔ چوتھے یہ کہ ،، جیسا کہ ،، کے لفظ سے کس بات میں تشبیہ مراد ہے +

پہلی بات کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہے ۔ معاذ و قتادہ و عطا، اور بموجب ایک روایت کے ابن عباس کے نزدیک یہ روزے ایام بیض کے اور روزہ عاشورہ کا تھا، یعنی وہ تین روزے تھے جو ہر مہینے کی تیرہویں چودھویں پندرھویں کو رکھے جاتے تھے، اور ایک روزہ وہ تھا جو دسویں محرم کو رکھا جاتا تھا ۔ اور اکثر محققین کے نزدیک جنمیں ابن عباس اور حسن اور ابی مسلم بھی شامل ہیں اِن روزوں سے رمضان ہی کے روزے مراد ہیں، اور اس صورت میں لفظ ،، شہر رمضان ،، جو اگلے آیت میں ہے وہ بدل واقعہ ہوگا لفظ ،، صیام ،، سے جو اس آیت میں ہے یعنی ،، کتب علیکم الصیام صیام شہر رمضان ،، +

جو لوگ کہتے ہیں کہ ان روزوں سے رمضان کے روزے مراد نہیں ہیں وہ یہ دلیلیں پیش کرتے ہیں ۔ اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان کے روزوں سے اور سابق روزوں کے رکھنے کا حکم منسوخ ہوگیا ہے ۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کے سوا اور بھی روزے تھے، اور اس مقام پر ،، صیام ،، سے وہی روزے مراد ہیں ۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن روزوں کے ذکر کے بعد بھی مریض اور مسافر کی نسبت حکم بتایا ہے اور اگلی آیت میں جہاں خاص رمضان کے روزوں کا نام لیا ہے اسکے بعد بھی مریض اور مسافر کی نسبت حکم بتایا ہے ۔ پس اگر یہ دونوں روزے ایک ہی ہوتے تو دوبارہ حکم بتانے کی کیا حاجت تھی ۔ تیسرے یہ کہ ان روزوں کی نسبت اُن لوگوں کو بھی جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں خدا نے اختیار دیا تھا کہ چاہیں روزہ رکھیں اور چاہیں فدیہ دیں، مگر رمضان کے روزوں کی نسبت یہ اختیار نہیں دیا ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روزے رمضان کے سوا تھے +

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾

حلال کیا گیا تمھارے لیئے روزہ کی رات کو اپنی بی بیوں سے اختلاط کرنا، وہ زیبائش ہیں تمھارے لیئے اور تم زیبائش ہو اُنکے لیئے خدا نے جانا کہ تم اپنے لیئے خیانت کرتے تھے، پھر معاف کیا تمکو اور درگذر کی تمسے، پھر اب اُنسے مخالطت کرو، اور تابعداری کرو اُنکی جو لکھا ہی اللہ نے تمھارے لیئے، اور کھاؤ اور پیو جبتک کہ نمودار ہو تمکو صبح کا سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے، پھر پورا کرو روزہ کو رات تک اور مت مخالطت کرو بیبیوں سے ایسی حالت میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کرنے والے ہو، یہ ہیں (مقرر کی ہوئیں) حدیں اللہ کی پھر اُنکے پاس مت جاؤ، اسیطرح اللہ بیان کرتا ہے لوگوں کے لیئے اپنی نشانیاں تاکہ وہ پرہیزگاری کریں (۱۸۳)

اس رائے کی تایید اُن روایتوں سے بھی ہوتی ہے جو معالم التنزیل میں لکھی ہیں کہ رمضان کے روزے فرض ہونیسے پہلے ہر مہینے میں تین روزے اور عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا، اور سترہ مہینے تک قبل فرض ہونے روزہ رمضان کے اسیطرح رکھے گئے۔ اور حضرت عائشہ رض سے ایک روایت لکھی ہی کہ آنحضرت نے مدینہ میں پہونچنے کے بعد عاشورہ کا روزہ رکھا، اور لوگوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔ اور زمانہ جاہلیت میں قریش اور آنحضرت بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔ اور ابن عباس سے ایک روایت لکھی ہے کہ ہجرت کے بعد جو حکم اول منسوخ ہو گئے وہ بیت المقدس

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾	اور مت کھاؤ اپنے آپس میں (ایک دوسرے کا) مال ناحق، اور مت ڈالو اُسکا جھگڑا حاکموں تک، تاکہ کھالو ایک ٹکڑا لوگوں کے مال کا ساتھ گناہ کے، حالانکہ تم جانتے ہو (۱۸۴)

کی طرف قبلہ ہونے اور روزہ رکھنے کے تھے۔ مگر یہ روایتیں ایسی ہیں جنکی صحت نہایت مشتبہ ہے +

جو لوگ اس رائے کے برخلاف ہیں، اور لفظ "صیام" سے جو اس مقام پر ہے رمضان ہی کے روزے مراد لیتے ہیں، وہ ان دلیلوں کا اسطرح پر جواب دیتے ہیں کہ اولاً خدا نے فرمایا کہ "تم پر روزے لکھے گئے"۔ یہ ایک مجمل حکم تھا جس سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ایک روزہ یا دو روزے یا کئی روزے۔ پھر اُسکے بعد فرمایا کہ "گنے ہوئے دنوں کے"، اس قول سے کچھ اجمال رفع ہوا۔ پھر فرمایا کہ "ماہ رمضان کے" جس سے ہر ایک بات متعین ہوگئی۔ پس اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ "صیام" اور "ایام معدودات" اور "شہر رمضان" تینوں کی ایک ہی مراد ہے، تو لفظ "صیام" کے سوائے رمضان کے اور روزوں کے مراد لینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، اور یہ جو دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "ان صوم رمضان نسخ کل صوم"۔ اس سے یہ تحقق نہیں ہوتا کہ جو روزے منسوخ ہوئے وہ اسلام میں فرض تھے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ وہ روزے ہوں جو اور شریعتوں میں فرض تھے۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ وہ وہی روزے تھے جو اسلام میں فرض تھے تو یہ کیونکر متحقق ہوگا کہ وہ وہی روزے تھے جو اس آیت سے فرض کئے گئے ہیں۔ اور یہ جو دلیل ہے کہ اگر یہ دونوں روزے ایک ہوتے تو بیمار اور مسافر کا حکم مکرر نہ بیان کیا جاتا، تو اُسکا جواب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں رمضان کے روزوں کے رکھنے یا فدیہ دینے کا اختیار تھا۔ مگر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور مسافر اور مریض کے لیئے جو حکم تھا وہ بدستور باقی رہا۔ اس شبہ کے رفع ہونیکے لیئے کہ آیا بیمار و مسافر کے حق میں بھی وہ حکم منسوخ ہوگیا ہے یا نہیں اُس حکم کو مکرر بیان

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۵﴾	پوچھتے ہیں تجھسے نئے چاندوں کے حال سے تو کہدے کہ یہ مقررہ وقت ہیں لوگوں کے لیئے اور حج کے لیئے، اور اسمیں کچھ نیکی نہیں ہے کہ گھروں میں اور انکے پچھواڑے سے، ولیکن نیکی اس شخص کے لیئے ہے جو پرہیزگاری کرے اور آئے گھروں میں انکے دروازوں سے، اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ (۱۸۵)

کیا گیا۔ اور جبکہ فدیہ دینے کا حکم منسوخ ہوگیا تو یہ حجت کہ ان روزوں میں فدیہ دینے کا اختیار تھا اور رمضان کے روزوں میں فدیہ دینے کا اختیار نہیں ہے اسلیئے وہ روزے رمضان کے علاوہ تھے پیش نہیں ہو سکتی +

ان دونوں رایوں میں سے کوئی رائے تسلیم کیجائے اسکا نتیجہ کسی نہ کسی آیت کا منسوخ ماننا پڑیگا کیونکہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لفظ ،،رمضان،، سے رمضان کے سوا اور روزے مراد تھے تو انکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس آیت میں خاص رمضان کے روزوں کا ذکر ہے اس سے پہلے آیت منسوخ ہوگئی، اور جو لوگ کہتے ہیں کہ لفظ ،،صیام،، سے رمضان ہی کے روزے مراد ہیں تو وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جس آیت میں روزے رکھنے یا فدیہ دینے کا حکم تھا وہ رمضان کے روزوں کی آیت سے جسمیں یہ اختیار نہیں رہا منسوخ ہوگئی ہے +

اسطرح پر ناسخ و منسوخ ماننے میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ ایسی آیتوں کو جو بالکل متصل اور مسلسل وارد ہیں کسطرح ایک کو دوسری کا ناسخ تسلیم کریں۔ اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تلاوت میں آیتوں کا متصل ہونا اس بات کا مستلزم نہیں ہے کہ وہ اسیطرح متصل نازل بھی ہوئی ہوں۔ بلکہ ایسا بھی ہے کہ منسوخ آیت نزول میں اول ہے اور ناسخ بعد، مگر تلاوت میں ناسخ مقدم ہوگئی ہے اور منسوخ بعد، وانا اقول فیہ نظر +

دوسری بات کی نسبت مفسرین نے ایک مبہم بات لکھدی ہے تفسیر معالم التنزیل

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۸۶﴾	اور لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تمسے لڑیں، اور زیادتی مت کرو، بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو (۱۸۶)

میں لکھا ہی کہ ،، من قبلکم سے مراد ،، من الانبیاء والامم ،، ہی ۔ اور تفسیر بیضاوی میں لکھا ہی کہ ،، من قبلکم ،، یعنی ،، الانبیاء والامم من لدن آدم ۔ مگر یہ بیان محض ناکافی ہے ، کیونکہ صاف بتانا چاہیئے کہ ،، من قبلکم سے کونسے نبی یا کونسی امت مراد ہی ۔ اسواسطے کہ اسبات کا کچھ ثبوت نہیں ہی کہ حضرت آدم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جسپر روزہ فرض نہو ہو ۔ اسلیئے اُس امت کا تعین کرنا ضرور ہی ۔ مشرک قومیں جو روزے رکھتی تھیں اُنکی نسبت تو کہا ہی نہیں جاسکتا کہ خدا نے اُنپر روزے فرض کیئے تھے ۔ کیونکہ اُنکے اکثر روزے غیر خدا کے لیئے ہوتے تھے ۔ قرآن مجید میں اکثر جگہ ،، من قبلکم ،، کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہوا ہے ، یعنی یہود اور نصاریٰ کی طرف ، اور اسلیئے ،، من قبلکم ،، سے اہل کتاب مراد لیئے جاتے ہیں اور اُنکی نسبت خدا کی طرف سے کسی حکم کا مقرر ہونا صادق بھی آسکتا ہی ۔

تیسری بات کی نسبت مفسرین نے یہود اور نصاریٰ کے روزوں کا ذکر کیا ہی ، اور لکھا ہی کہ یہود اور نصاریٰ پر بھی خدا تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کیئے تھے ۔ نصاریٰ نے اُس مہینے کو بدلکر معین موسم میں روزوں کا رکھنا مقرر کیا ، اور اِس تبدیل کے معاوضہ میں دس روزے بڑھا دیئے ۔ اُسکے بعد اُنکا کوئی بادشاہ بیمار ہوا اور اُسکے اچھے ہونے کے لیئے سات روزوں کی نذر مانی ، جب وہ اچھا ہوا تو سات روزے اور بڑھا دیئے ، سینتالیس ہوگئے ۔ پھر اُنمیں ایک بادشاہ ہوا اُسنے کہا کہ تین روزوں کے چھوڑنے سے کیا فائدہ ہی ، اسلیئے اُنھوں نے پورے پچاس کر لیئے ۔ بعضوں نے لکھا ہی کہ نصاریٰ احتیاطاً رمضان کے اول اور رمضان کے بعد بھی ایک ایک روزہ رکھتے تھے تاکہ رمضان کے مہینے میں کچھ

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ	اور مار ڈالو انکو جہاں انکو پاؤ اور نکالو انکو اسجگہ سے کہ اُنھوں نے تمکو نکالا ہی (کلا) انکو) مصیبت (میں ڈالدینا) زیادہ سخت ہی مار ڈالنے سے

نقصان نہ پڑے۔ اُنکے بعد کے لوگ اسیطرح ایک ایک بڑھاتے گئے یہانتک کہ پچاس تک نوبت پہنچگئی۔ اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ وہ بادشاہ نصاریٰ کے مرگئے تھے اسلیئے اُنھوں نے رمضان سے پہلے دس روزے اور رمضان کے بعد میں روزے اور بڑھالیئے۔ ایک اور روایت بیان کیگئی ہی کہ خدا تعالیٰ نے رمضان کے روزے یہود اور نصاریٰ پر فرض کیئے تھے۔ یہودیوں نے اُسکو چھوڑدیا اور بجاے اُنکے برس بھر میں صرف ایک روزہ اُسدن رکھنا اختیار کیا جسدن میں فرعون کا غرق ہونا وہ خیال کرتے تھے، اور اُسدن کے اختیار کرنے میں بھی اُنھوں نے غلطی کی کیونکہ فرعون دسویں محرم کو غرق ہوا تھا۔ یہ تمام اقوال مفسرین کے ایسے لغو و بیہودہ ہیں جیسیکہ اُنکی اور باتیں متعلق قصص اور حکایات کے لغو اور بے بنیاد ہوتی ہیں جنکی نہ کوئی سند ہوتی ہی اور نہ کوئی ثبوت ہوتا ہے۔ یہود اور نصارے کے .... روزوں کے حالات جو اُنکی کتابوں سے معلوم ہوتے ہیں وہ حسب تفصیل ذیل ہیں ؛

کتاب خروج کے (جو توریت کی دوسری کتاب ہی) باب ۳۴ ورس ۲۸ سے معلوم ہوتا ہی کہ جب حضرت موسیٰ کوہ سینا پر تھے تو چالیس دن اور چالیس رات وہاں رہے، اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا۔ توریت کی کتاب استثنا باب ۹ ورس ۹ و ۱۸ و ۲۵ کی تفسیر (ہنری اسکاٹ) میں نہ روٹی کھانے اور نہ پانی پینے کی نسبت لکھا ہے کہ لوگوں کی معصیت کی وجہ سے موسیٰ نے دوسری دفعہ چالیس دن کا روزہ رکھا تھا۔ اور بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے تین مرتبہ چالیس چالیس دن کا روزہ رکھا ہے ؛

کتاب لوبان کے (جو توریت کی تیسری کتاب ہے) باب ۱۶ ورس ۲۹ لغایت ۳۱ و باب ۲۳

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸۷﴾	اور مت لڑو اُنسے مسجد حرام کے پاس جبتک کہ وہ تمسے اُسمیں نہ لڑیں، پھر اگر تمسے وہ لڑیں تو تم اُنکو مار ڈالو، اسیطرح ہی سزا کافروں کی (۱۸۷)

ورس ۲۷ و ۲۹ سے پایا جاتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا روزہ رکھنے کا حکم تھا، اور اُسمیں لکھا ہے کہ جو کوئی اُسدن روزہ نہ رکھیگا اپنی قوم سے منقطع ہو جائیگا۔ اور اعمال حواریان باب ۲۷ ورس ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی بھی یہ روزے رکھا کرتے تھے ✣

انجیل لوقا باب ۱۸ ورس ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ فروسی ہفتہ میں دو دن روزہ رکھا کرتے تھے، ایک پانچویں دن جبکہ حضرت موسیٰ کوہ سینا پر چڑھے تھے اور ایک دوسرے دن جبکہ اُترے تھے ✣

کتاب زکریا باب ۸ ورس ۱۹ سے پایا جاتا ہے کہ یہودی چوتھے مہینے اور پانچویں مہینے اور دسویں مہینے میں بھی روزہ رکھتے تھے۔ چوتھے مہینے یعنی تموز میں سترھویں تاریخ کو بیت المقدس کی تباہی کے غم میں جو بخت نصر کے ہاتھ سے ہوئی تھی۔ پانچویں مہینے یعنے آب میں نویں تاریخ کو بیت المقدس کے شہر کے جلنے کے غم میں جسکو نبوزردان شاہ بابل کے افسر نے جلایا تھا۔ ساتویں مہینے یعنی تشری کی دسویں تاریخ کو جدلیا کے قتل ہونے کے غم میں جو بمقام مصپاہ مارا گیا تھا۔ دسویں مہینے یعنی تبت کی دسویں تاریخ کو بیت المقدس کے غم میں جسپر وندکہ بخت نصر نے بیت المقدس کا محاصرہ شروع کیا تھا ✣

کتاب اول ملوک باب ۲۱ ورس ۹ و کتاب دوم تواریخ ایام باب ۲۰ ورس ۳ میں ایک دن کا روزہ ہے جسکو ملکہ ایزبل نے اپنے شوہر اخاب کی خاطر سے منادی کرا کے مقرر کرایا تھا ✣

کتاب قضاۃ باب ۲۰ ورس ۲۶ سے ایک دن روزہ کا مقرر ہونا پایا جاتا ہے جبکہ بنی اسرائیل نے قوم بنیامین سے شکست پائی تھی اور بیت المقدس میں اُنکی فتح کے لیئے دعا مانگی تھی ✣

کتاب اول شموئیل باب ۳۱ ورس ۱۳ سے پایا جاتا ہے کہ شاؤل یعنی طالوت کے مرنے

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾	پھر اگر وہ باز رہیں تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۱۹۸) اور لڑو اُنسے جبتک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کا دین ہو جاوے پھر اگر وہ باز رہیں تو زیادتی کرنا نہیں چاہئے مگر ظالموں پر (۱۹۹)

کے غم میں سات روزے مقرر ہوئے تھے جو اُسکی ہڈیوں کے دفن کرنے کے بعد رکھے گئے تھے +

کتاب یوناہ باب ۳ ورس ۵ میں ایک اور روزہ کا مقرر ہوتا پایا جاتا ہے جبکہ نینوہ کے لوگ ایمان لائے تھے +

کتاب دانیال باب ۱۰ ورس ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دانیال نے تین ہفتہ تک روزے رکھے تھے +

کتاب اول ملوک باب ۱۹ ورس ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت الیاس کوہ حوریب کو گئے تھے تو اُنھوں نے چالیس دن اور رات روزے رکھے تھے +

علاوہ انکے اور روزے بھی مثلاً خدا تعالیٰ کی خفگی دور کرنے کے لئے، یا اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے، یا کسی بلا یا مصیبت کو ٹالنے کے لیئے، یا کسی ذاتی یا خاندانی امور کے متعلق جسطرح کہ منت وغیرہ کے لیئے میں ہوتا ہے یہودی روزے رکھا کرتے تھے +

انجیل متی باب ۴ ورس ۱-۱۱ اور انجیل لوقا باب ۴ ورس ۱-۱۳ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی جبکہ وہ بیابان میں تھے چالیس دن اور رات روزے رکھے تھے علاوہ اسکے انجیل متی کے باب ۱۷ ورس ۲۱ سے جسمیں یہ لکھا ہے کہ "بہرنہج اس قسم کا شیطان بجز نماز اور روزہ کے نہیں جاتا ہے" معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں روزہ بعض امور خاص میں اثر کے وضع کرنے کا ایک ذریعہ خیال کیا جاتا تھا +

انجیل متی باب ۹ ورس ۱۴ کے مضمون سے عیسائی خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے روزوں کا رکھنا موقوف کر دیا، مگر اسکے ساتھ اُسمیں یہ بھی اشارہ ہے کہ بعد حضرت عیسیٰؑ کے

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۰﴾	حرمت والا مہینا بدلے حرمت والے مہینے کے، اور حرمتوں کا ایکدوسرے سے بدلا ہو تو جس نے تم پر زیادتی کی، تم پر بھی زیادتی کرو تم پر جس طرح کہ اسنے تم پر زیادتی کی، اور ڈرو اللہ سے، اور جان لو کہ بیشک اللہ ڈرنیوالوں کے ساتھ ہے (۱۹۰)

رکھنے ہونگے ✦

ان تمام حالات پر جو اوپر بیان ہوئے غور کرنے سے اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ یہودیوں پر ایک روزہ جو ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو رکھا جاتا تھا اور جو کفارہ کا روزہ کہلاتا تھا بلاشبہ فرض تھا، اور چونکہ عیسائی بھی یہودی شریعت کے تابع ہیں اسلیئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ روزہ اُنپر بھی فرض تھا۔ چالیس دن کے روزے جو حضرت موسیٰ ؑ نے کوہ سینا پر اور حضرت عیسےٰ ؑ نے بیابان میں رکھے ممکن ہے کہ فرض ہوں مگر توریت یا انجیل میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے فرضیت اُن روزوں کی ثابت کیجاسکے۔ علاوہ اسکے جسقدر روزوں کا بیان ہے وہ سب روزے کیا یہودی مذہب میں اور کیا عیسائی مذہب میں فرض روزے نہیں معلوم ہوتے بلکہ بطور نفل روح کے تزکیہ اور عبادت کے ثواب حاصل کرنیکے لیئے معلوم ہوتے ہیں ✦

چوتھی بات کی نسبت بھی مفسرّوں میں اختلاف ہے جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ لفظ "کما" کی تشبیہ سے روزوں کے عدد میں مشابہت مراد تھی انکی رائے کی غلطی تو صریح ظاہر ہے، کیونکہ یہود اور نصاریٰ پر نہ ایام بیض کے روزوں کا فرض ہونا پایا جاتا ہے، نہ رمضان کے تیس یا انتیس روزوں کا۔ اور جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اس تشبیہ سے روزے کی مدت میں مشابہت مراد ہے یعنی جسوقت سے جسوقت تک یہودی روزہ رکھتے تھے اسیوقت سے اُسیوقت تک مسلمانوں پر بھی روزہ فرض ہوا ہے، تو یہ رائے بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہودی دن کے ختم ہونیکے بعد روزہ کھولکر

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩١﴾	اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور مت ڈالو (اپنے تئیں) اپنے ہاتھوں سے تہلکہ میں اور احسان کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو (۱۹۱)

کچھ کھا پی لیتے تھے، اور پھر اُسی وقت سے اُنکا روزہ شروع ہو جاتا تھا، اور اسی وجہ سے توریت اور انجیل میں دن رات کا روزہ رکھنا بیان ہوتا ہے کیونکہ رات بھی روزہ میں داخل تھی۔ مسلمان بھی ان باتوں میں جنکی نسبت کوئی خاص حکم نہیں ہوتا تھا اکثر یہودیوں کی پیروی کرتے تھے، اور اسلیئے وہ بھی یہودیوں کی طرح روزہ رکھتے تھے۔ لیکن کوئی خاص حکم اسطرح پر روزہ رکھنے کا مسلمانوں کے لیئے نہ تھا۔ "کما" کے لفظ کے ساتھ جو اِس آیت میں ہے کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ مشابہت روزہ کی مدت میں تھی۔ اِس آیت میں صرف اسقدر بیان ہوا ہے کہ جسطرح تم سے اگلوں پر روزے مقرر کیئے گئے تھے اُسیطرح تم پر بھی مقرر کیئے گئے ہیں، اور اِس تشبیہ سے مدت میں مشابہت قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں ہی۔ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہی کہ صرف نفس فرضیت میں تشبیہ مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں زجاج کا قول لکھا ہے کہ "موضع کما نصب علی المصدر لان المعنی فرض علیکم فرضا کالذی فرض علی الذین من قبلکم" اور ابو علی کا قول لکھا ہے کہ "هو صفة لمصدر محذوف تقديره كتابة كما كتب عليهم فحذف المصدر واقيم نعته مقامه" مگر جبکہ یہ بات ابتک ثابت نہیں ہوئی کہ درحقیقت خدا کی طرف سے یہودیوں اور عیسائیوں پر روزے فرض تھے تو "کما" کے لفظ سے نفس فرضیت میں بھی تشبیہ کیونکر تسلیم کیجاوے ❊

اِن چاروں مباحثوں کی نسبت جو میری سمجھ ہی وہ یہ ہی کہ (۱) اُن روزوں سے جو کتب علیکم الصیام کی آیت میں ہیں رمضان ہی کے روزے مراد ہیں۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ	اور پورا کرو حج کو اور عمرہ کو اللہ کے لیئے پھر اگر تم روکے جاؤ تو جو کچھ میسر ہو قربانی سے وہ کرلو) اور اپنے سروں کومت منڈاؤ جبتک کہ پہنچے قربانی اپنی جگہ۔

(۲)۔ من قبلکم سے اہل کتاب مراد ہیں۔ (۳) اس آیت میں اس بات کی کہ اہل کتاب پر کوئی روزے فرض تھے یا نہ تھے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ (۴) "کما" کے لفظ سے نہ عدد میں تشبیہ مراد ہے نہ مدت میں اور نہ نفس فرضیت میں بلکہ صرف سبب صیام میں تشبیہ مراد ہے۔ زمانہ نزول وحی میں حضرت موسیٰ ع نے چالیس دن پہاڑ میں اور حضرت عیسیٰ نے چالیس دن بیابان میں بسر کیئے۔ توریت اور انجیل دونوں سے پایا جاتا ہے کہ اُن دنوں میں وہ روزہ دار تھے بعد کو اُنکی امت نے اُنکی متابعت کے خیال سے اُن دنوں میں ہرسال روزے رکھنے اختیار کیئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کو جو نزول وحی کا مہینہ تھا کوہ حرا میں بسر کیا، اور آپ بھی اُس زمانہ میں روزہ دار تھے۔ پس خدا نے فرمایا کہ جسطرح یہودیوں اور عیسائیوں نے بمناجت اپنے نبی کے اُس زمانہ میں روزے اختیار کیے تھے اُسیطرح تم بھی اختیار کرو۔ پس جو سبب کہ اہل کتاب کے روزے اختیار کرنے کا تھا وہی سبب مسلمانوں پر روزوں کے مقرر ہونے کا ہے، اور "کما" کے لفظ سے اُسی سبب صیام میں تشبیہ دیگئی ہے +

مگر میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ ان آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ ہے یہ کہنا کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ روزے رمضان کے سوا تھے اور پھر یہ تسلیم کرنا کہ اُسکے بعد کی آیت نے جسمیں رمضان کے روزوں کا ذکر ہے پہلی آیت کے حکم کو منسوخ کردیا ہی ایسا ہی مشکل ہے جیسیکہ اس بات کو تسلیم کرکے کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ رمضان ہی کے روزے ہیں

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۱۹۲)

پھر تم میں سے جو شخص کہ بیمار ہو یا اسکے سر میں کچھ دکھ ہو تو اُسکا بدلا ہے روزہ یا صدقہ یا قربانی کے ساتھ پھر جب تم امن میں ہو تو جو شخص فائدہ اُٹھاوے عمرہ کے ساتھ حج کا تو جو کچھ میسر ہو قربانی سے (وہ کرے) پھر جو شخص کہ نہ پاوے تو تین روزے حج کے دنوں میں ہیں اور سات جبکہ تم پھرو، یہ پورے دس ہوئے، یہ اُسکے لئے ہے جسکے اہل (وعیال) مسجد حرام کے رہنے والے نہوں، اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے (۱۹۲)

مگر پچھلی آیت سے جو اختیار کہ روزہ رکھنے یا فدیہ دینے میں تھا منسوخ ہوگیا ہے تسلیم کرنا مشکل ہے۔ پچھلی آیت میں جسکو ناسخ قرار دیا جاتا ہو کوئی اشارہ کسی قسم کا پہلی آیت کے حکم کے منسوخ ہونے کا نہیں ہے، صرف قیاساً یہ بات قرار دیجاتی ہے کہ پہلی آیت کے روزے رمضان کے روزوں سے علحدہ تھے نہ جنکی نسبت قرآن میں بیان ہے کہ وہ کئے تھے اور کونسے تھے، اور اِس قیاس کے قرار دینے کے بعد کہا جاتا ہو کہ رمضان کے روزوں کی آیتنے اُس حکم کو منسوخ کردیا جسمیں کچھ بھی اشارہ منسوخ کرنیکا نہیں ہو۔ حدیث پر جو استدلال کیا گیا ہو اول تو اُسکی صحت میں کلام ہو، پھر اِس بات میں کلام ہو کہ حدیث اور خصوصاً اخبار احاد سے قرآن کا حکم منسوخ ہوسکتا ہو یا نہیں۔ یا قیاساً یہ بات قرار دیجاتی ہو کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہو وہ وہی رمضان کے روزے ہیں جنکا پچھلی آیت میں ذکر ہے اور پھر بغیر کسی اشارہ کے کہا جاتا ہو کہ جو اختیار کہ روزہ رکھنے یا فدیہ دینے جس خا

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ (۱۹۳)	حج کے لیئے مہینے معلوم ہیں پس جس شخص نے کہ اُن مہینوں میں اپنے پر حج کو فرض کیا تو حج میں نہ عورتوں سے مخالطت کرنی چاہیئے اور نہ بدکاری اور نہ لڑائی اور جو کچھ تم نیکی کرتے ہو اسکو اللہ جانتا ہے اور توشہ لو پھر بیشک اچھا توشہ پرہیزگاری ہے اور مجھسے ڈرو اے عقل والوں (۱۹۳)

وہ پچھلی آیت سے منسوخ ہو گیا۔ اگر قرآن میں اسطرح پر ناسخ و منسوخ کو تسلیم کیا جاوے تو اُس کے احکام کا منسوخ ہونا اور قائم رہنا صرف لوگوں کے قیاس پر منحصر رہجاتا ہے جو کسی طرح تسلیم کے لائق نہیں ہے٭

فدیہ دینے کی آیت میں جو حکم ہے وہ منسوخ نہیں ہوا اور وہ آیت یہ ہے، ”وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون“ اِس آیت میں جو لفظ ”یطیقون“ کا ہے اُسکی اور بھی قرأتیں ہیں مثلاً ”یُطَوَّقُوْنَہٗ“ یے کے پیش اور واؤ کے تشدید سے، یا یے کے زبر اور طا اور واؤ دونوں کی تشدید سے، جسکے معنی کسی کام کے تکلیف اُٹھا کر ہونے کے ہیں، مگر جو مشہور قرأت ہے ہم اُسکو اختیار کرتے ہیں بعض علمائے مفسرین کی یہ رائے ہے کہ فدیہ کا حکم بھی مسافر اور مریض سے علاقہ رکھتا ہے کیونکہ بعض مریض اور مسافر ایسے ہوتے ہیں جو مطلق روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ پہلے قسم کے مسافر اور بیمار کے لیئے یہ حکم ہے کہ وہ اور دنوں میں روزہ رکھ لیں، اور دوسرے قسم کے مسافر اور بیمار کے لیئے یہ حکم ہے کہ وہ چاہیں روزہ رکھیں اور چاہیں فدیہ دیں مگر یہ معنی صحیح نہیں ہو سکتے، کیونکہ ”علی الذین“ سے بتخصیص بیمار اور مسافر مراد

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۱۹۴	تمپر کچھ گناہ نہیں ہے کہ (موسم حج میں) تلاش کرو فضل (یعنی روزی) اپنے پروردگار سے پھر جبکہ تم پھرو عرفات سے تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام (یعنی مسجد حرام) کے پاس اور اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ تمکو ہدایت کی ہے اور اگرچہ اُس سے پہلے البتہ تم گمراہوں میں سے تھے (۱۹۴)

لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور جو رعایت اول قسم کے بیمار اور مسافر کی ہونی چاہیے تھی وہ دوسری قسم کے بیمار اور مسافر کی ہوتی ہے +

بعض علما کا یہ قول ہے (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۹۵) کہ "یطیقون" کے معنی بمشکل اور تکلیف سے کسی کام کے انجام ہونے کے ہیں۔ دو لفظ ہیں ایک "وسع" اور ایک "طاقت"۔ "وسع" اُس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام کرنے پر آسانی سے اور بغیر تکلیف کے قادر ہو۔ اور "طاقت" اُس شخص کی نسبت بولا جاتا ہے جو کسی کام کرنے پر مشکل سے اور تکلیف اُٹھا کر قادر ہو۔ اور وہ شاذ قرأتیں جنکا اوپر ذکر کیا ہے اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں پس "یطیقونہ" کے معنے "یستطیعونہ" کے ہونگے جو لوگ کہ روزہ رکھنے کی نہایت تکلیف اور سختی اُٹھا کر طاقت رکھتے ہیں اُنکو اجازت ہے کہ روزہ رکھنے کے بدلے فدیہ دیدیں پس یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اپنے حکم پر بحال ہے +

بعض علمائے مفسرین نے بھی جیسا کہ تفسیر کبیر میں مندرج ہے اس بات کو تسلیم کیا ہے، مگر یہ بحث پیش کی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو نہایت تکلیف اور سختی اُٹھا کر روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ وہ لوگ وہ ہیں جو بہت بڈھے ہو گئے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رض اپنے مرنے سے پہلے روزہ نہیں رکھتے تھے انکو روزہ رکھنے میں سختی اور دشواری معلوم ہوتی تھی اور ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے

ثُمَّ اَفِيضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۵﴾	پھر پھرو جہاں سے لوگ پھرتے ہیں اور اللہ سے بخشش چاہو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۱۹۵)

تھے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ بڈھے آدمی کی کیوں قید لگائی ہو۔ قرآن مجید میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہو جس سے ،، الذین ،، سے صرف بڈھا ہی آدمی مخصوص کیا جائے تمام انسان بڈھے ہوں یا جوان انکی حالت باعتبار خلقت اور موسم اور ملک کے مختلف ہوتی ہے۔ بہت سے جوان آدمی بلحاظ اپنی خلقت کے ایسے ہوتے ہیں کہ انکو روزہ میں بہت نہایت تکلیف اور مشقت ہوتی ہے۔ اور بعضے بڈھے ایسے ہوتے ہیں کہ انکو روزہ معلوم بھی نہیں ہوتا۔ پھر موسم کے اختلاف کے سبب بہت اختلاف پڑجاتا ہی۔ وہی لوگ جو ایک موسم میں نہایت آسانی سے روزہ رکھ سکتے ہیں دوسرے موسم میں روزہ رکھنے میں نہایت سختی اور تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ایک ملک کے لوگ جبکہ دن ایک معتدل مقدار کا ہوتا ہو آسانی سے روزہ رکھینگے اور وہی لوگ جبکہ دن بڑا ہوتا ہو نہایت تکلیف اور سختی روزہ رکھنے میں اٹھا دینگے۔ بلکہ بعض ملکوں میں کبھی دن اتنا بڑا ہوجاتا ہو کہ انسان کی طاقت سے روزہ رکھنا خارج ہوتا ہی جیسے کہ ارض تسعین میں جہاں چھ مہینے کا دن ہوتا ہے اور ارض ستین میں جہاں بعض موسموں میں غروب اور طلوع میں اسقدر فاصلہ ہوتا ہی جسکی نسبت یہ کہا جاسکتا ہو کہ رات ہوتی ہی نہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے ان تمام حالات کے لحاظ سے جو اسکے علم میں تھے نہایت عمدہ ترتیب سے جو فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہی یہ حکم دیا ہی کہ ،، وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ،،۔ پھر اسکو شخص و من شخص کے سے مقید کرنا ایک غلطی اور زیادتی علی الکتاب ہی۔

پہلی آیتوں میں جہاں بیمار اور مسافر کا اور ان لوگوں کا جو بدشواری روزہ برداشت کرسکتے ہیں حکم ہی ان آیتوں کا علانیہ یہ منشا تھا کہ مریض اور مسافر کو روزہ رکھنے

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۱۹۶	پھر جب تم پورے کرچکو اپنے ارکان حج پھر یاد کرو اللہ کو جسطرح کہ یاد کرتے ہو تم اپنے باپ دادا کو یا اس سے زیادہ یاد کرنا۔ پھر لوگوں میں سے کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو دے دنیا میں، اور نہیں ہے اسکو آخرت میں کچھ حصہ (۱۹۶)

کا رکھنا بہتر ہے۔ مگر اُن لوگوں کی نسبت جو بدشواری روزہ رکھ سکتے تھے یہ منشا تھا کہ اُنکو روزہ رکھنا بہتر ہے، جیسا کہ ان لفظوں سے کہ .. وان تصوموا خیر لکم" پایا جاتا ہے۔ اسی منشا سے پچھلی آیتوں میں جنمیں روزوں کو رمضان کے ساتھ مخصوص کیا ہے مریض اور مسافر کا مکرر ذکر کیا، اور اُن لوگوں کا جو بدشواری روزہ برداشت کر سکتے تھے ذکر چھوڑ دیا ہے کیونکہ اُنکے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر تھا +

اِن تمام بحثوں کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ رمضان ہی کے روزے ہیں، اور کوئی حکم اور کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اور تمام آیتوں پر لحاظ کرنے کے بعد روزوں کی نسبت مفصلہ ذیل حکم پائے جاتے ہیں +

۱۔ روزے رمضان کے ہر مسلمان پر لکھے گئے ہیں جسکو شرعی اصطلاح میں فرض کہتے ہیں +

۲۔ روزوں کے رکھنے سے یہ فرض ادا ہوتا ہے +

۳۔ اگر رمضان کے مہینے میں کوئی شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اُسکو روزہ رکھنا نہیں چاہیئے اور دنوں میں جبکہ وہ تندرست ہوا اور سفر ختم ہو جاوے تو اُسکے بدلے روزے رکھ لے +

۴۔ جن لوگوں کو روزہ رکھنے میں زیادہ سختی اور تکلیف ہوتی ہے اور بمشکل روزہ رکھ سکتے ہیں اُنکو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دیں۔ مگر اُنکے حق میں فدیہ دینے سے روزہ رکھنا بہتر ہے +

جو لوگ کہ روزہ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ وہ انسان کی تکلیف کا باعث ہے اور

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۷﴾

اور اُنمیں سے کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو دے دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی، اور بچا ہمکو آگ کے عذاب سے (۱۹۷)

صحت جسمانی کا نہایت مضر ہے، اور بعض ملکوں میں اُسکا ادا کرنا غیر ممکن ہے۔ اُنکو تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جس ترتیب اور خوبی سے خدا نے روزوں کا ذکر کیا ہے وہ نہ تکلیف کا باعث ہے، اور نہ صحت جسمانی کو مضر ہے، اور نہ خلاف فطرت انسانی ہے، اور نہ کسی ملک کے رہنے والوں کے خلاف طاقت ہے۔ مگر ایک بحث البتہ باقی ہے کہ آیا وہ فی نفسہ عبادت بھی ہے یا نہیں، اور اگر عبادت ہے تو کیونکر چنانچہ اس بحث کو ہم شروع کرتے ہیں ✦

جسقدر کثرت سے یہود اور متقدمین عیسائی روزے رکھتے تھے اُس سے ظاہر ہے کہ اُنکا خیال روزہ رکھنے سے تزکیہ نفس اور خدا کی رضامندی اور خدا کی عبادت کا تھا۔ ابتدائے زمانہ میں جبکہ انسان نے شایستگی کی طرف میلان شروع کیا تھا تمام لوگوں کو یہ خیال تھا کہ خدا اپنی مخلوق سے نہایت راضی ہوتا ہے اگر مخلوق قصداً اپنے بدن کو اپنی روح کو خدا کی خوشنودی کی نیت سے تکلیف مصیبت میں ڈالے۔ اسیوجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض قوموں نے تکالیف شاقہ اپنے پر گوارا کی ہیں۔ کسی نے ایک غار میں اپنی تمام زندگی بسر کر دی۔ جب ہم ہندو جوگیوں اور قدیم عیسائی فقیروں کے رہنے کے غار اور پہاڑوں کی تنگ و تاریک کھوئیں دیکھتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے، اور مذہبی خیالات کا جو غلبہ انسان پر ہوتا ہے اُسکا اندازہ کیا جاتا ہے، اور دیکھا جاتا ہے کہ اُنہی خیالات کے سبب سے انسان نے کسقدر تکلیفیں اپنے اوپر گوارا کی ہیں۔ کوئی اپنا ہاتھ اونچا کر کے سکھا دیتا ہے، کوئی بیٹھنا اور لیٹنا چھوڑ دیتا ہے اور تمام عمر کھڑے رہکر گذار دیتا ہے۔ کوئی لذیذ غذا کو چھوڑ دیتا ہے، اور تمام عمر صرف نہایت حقیر اور کثیف غذا پر زندگی

اُولٰئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۸﴾	یہی لوگ ہیں کہ اُنکے لیے حصہ ہی اُسمیں سے جو اُنھوں نے کمایا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے (۱۹۸)

بسر کرتا ہی - کوئی پلنگ پر سونا اور شادی کرنا چھوڑ دیتا ہی جسکی بہت سی مثالیں اب بھی ہمکو ہزاروں عیسائی مانک اور نن میں دکھائی دیتی ہیں - غرضکہ تمام جسمانی ریاضتوں کا اسی غلط خیال پر رواج ہوا ہی - اسی خیال سے جان کی قربانی مروج ہوئی، اور یہانتک نوبت پہنچی کہ انسان نے اپنی جان کی اور اپنی اولاد کی جان کی گناہ سے روح کو پاک کرنے کے خیال سے قربانی کی - یہ ایک عجیب خیال تھا کہ خدا یا دیوتا انسان کی زندگی کو آسایش سے بسر کرنا پسند نہیں کرتا - تمام یونانی اور رومی مذہبی افسانوں سے یہ خیال مترشح ہوتا ہے کہ دیوتا یا خدا انسان کے عیش کو روا نہیں رکھتا +

ابتدا میں جبکہ انسان کی غذا صرف زمین کی قدرتی پیداوار اور جنگل کے جانوروں کے شکار پر منحصر تھی کبھی کبھی فاقہ گذر جانا لازمی امر ہوگا - نیم وحشی انسانو کو غذا سے زیادہ کوئی چیز حظ دینے والی نہوگی - جب انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دیوتا یا خدا انسان کی جسمانی تکلیف سے راضی ہوتا ہی تو اُس وقت روزہ نے مذہبی امر ہونیکا درجہ پایا ہوگا - توریت میں جہاں روزہ رکھنے کا حکم ہی وہاں بھی حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا ہی کہ "اپنی روحوں کو مبتلا کرو" - عبری زبان کے قدیمی محاورہ کے موافق روح کے مبتلا کرنے سے روزہ رکھنا مراد ہوتا ہے پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ روزہ رکھنا اُسی خیال سے کہ خدا ریاضت بدنی سے راضی ہوتا ہی مذہبی امر قرار پایا ہے +

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس خیال کو کہ خدا انسان کی ریاضت بدنی یعنی جسم اور روح کو تکلیف میں ڈالنے سے راضی ہوتا ہی متعدد طرح سے باطل

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۹۹﴾	اور یاد کرو اللہ کو گنے ہوئے دنوں میں (یعنی ایام تشریق میں جو پانچیں ہیں ۹ سے ۱۳ تک) پھر جس شخص نے کہ جلدی کی (کوچ کرنے میں) دو دن میں تو اُسپر کچھ گناہ نہیں۔ اور جسنے تاخیر کی (کوچ کرنے میں) تو اُسپر بھی کچھ گناہ نہیں اُس شخص کے لئے جو پرہیزگاری کرتا ہی، اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک تم اُسکے پاس اکٹھے کیئے جاؤ گے (۱۹۹)

کیا ہی، اور فرمایا ہی کہ رہبانیت اسلام میں نہیں ہی۔ اِسلئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم نے اِس خیال پر رمضان کے روزوں کا حکم دیا ہو۔ مگر انبیا کا کام صرف سمجھدار ہی لوگوں پر منحصر نہیں ہی بلکہ اُنکو تمام لوگوں سے کام پڑتا ہی اور عام لوگوں کو ایسے امور کی نسبت جس سے اُنکو خدا کے رضامند کرنے کا خیال پیدا ہو زیادہ خیال ہوتا ہے۔ عرب کے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے تھے کہ خدا کے خوش کرنے کے خیال سے اور اپنے پیغمبر کی پیروی کی نظر سے روزہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُس رسم کے جاری رکھنے کی ایک عمدہ اور آسان اور غیر مخالف فطرت انسانی کے طریقہ میں اجازت دی۔ چنانچہ الفاظ کما کتب علی الذین من قبلکم، صاف اِسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اِس رسم کے موجد نہ تھے، بلکہ اِس رسم کو صرف بدستور قائم رہنے دیا تھا۔ باینہمہ اُس رسم کی سختی کو نہایت عمدگی سے نرم اور قابل برداشت کر دیا، کہ بیماروں اور مسافروں کو اور دنوں میں اور جو لوگ روزہ سے زیادہ تکلیف اُٹھاتے ہیں روزہ رکھنے اور فدیہ دینے میں مجاز کر دیا +

باوجود اِن سب باتوں کے جبکہ روزہ حد اعتدال سے نہ گذر جاوے اور وبال جان نہ ہو جاوے، اور انسان پر صعوبت نہ ڈالے جسکا اشارہ یطیقونہٗ کے لفظ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (۲۰۰) وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (۲۰۱)	اور لوگوں میں سے وہ شخص ہی کہ اُسکی بات تجھکو دنیا کی زندگی کے تعجب میں ڈالتی ہے اور اللہ کو گواہ لاتا ہی اُس چیز پر جو اُسکے دل میں ہو حالانکہ وہ بہت جھگڑالو ہے (۲۰۰) اور جب پیٹھ موڑتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہی تاکہ اُسمیں فساد کرے اور ضایع کرے کھیتی کو اور مویشی کو، اور اللہ نہیں دوست رکھتا فساد کو (۲۰۱)

میں ہی، تو بلا شبہ تزکیہ نفس اور روح میں نیکی اور صلاحیت پیدا ہونیکا ذریعہ ہی۔ کم کھانا بلا شبہ انسان کے دل اور دماغ کو زیادہ صحیح اور درست رکھتا ہی، اور انسان کے دل کو خدا کی طرف زیادہ تر متوجہ کرتا ہے، اور جو عبادت خدا کی غیر روزہ کی حالت میں کی جاتی ہی روزہ کی حالت میں زیادہ تر دلی توجہ سے ہوتی ہی۔ اسکا یہ سبب نہیں ہی کہ انسان کو اپنے تئیں تکلیف میں ڈالنا خدا کو پسند آتا ہی۔ بلکہ یہ سبب ہی کہ انسان میں یہ ایک فطرتی امر ہے کہ جب کسی خاص امر کی طرف زیادہ تر متوجہ ہوتا ہی تو اُسکو غذا کی طرف کم رغبت یا کم توجہ ہوتی ہے۔ اسیطرح قلیل غذا انسان کو اُس طرف جسپر وہ توجہ کرنی چاہتا ہی زیادہ تر متوجہ کردیتی ہے۔ یہی باعث ہی کہ روزہ کی حالت میں خدا کی عبادت غیر روزہ کی حالت کی بہ نسبت زیادہ تر توجہ اور خلوص سے ہوتی ہی۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کی رسم کو ایک نہایت اعتدال سے جاری رہنے دیا۔

حضرت موسیٰ نے کوہ سینا پر، یا حضرت عیسیٰ نے بیابان میں، یا محمد رسول اللہ صلعم نے کوہ حرا میں، جبکہ زمانہ نزول وحی قریب تر تھا روزے رکھنے اختیار کیے یا غذا سے پرہیز کیا، یا معمولی غذا میں کمی کی، اسکا یہی سبب تھا۔ پس جبکہ روزہ ایسی حالت میں کہ اُسکا رکھنا شاق نہ گذرے تزکیہ نفس اور روحانی نیکی کا ذریعہ ہی، تو اُس رسم کا نہایت اعتدال کے ساتھ قائم رکھنا جسطرح کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۳﴾

اور جبکہ اُس سے کہا جاوے کہ ڈر خدا سے تو اُسکو پکڑ لیتا ہے تکبر گناہ پر۔ پھر کافی ہی اُسکو جہنم۔ اور البتہ وہ بُری جگہہ ہے (۲۰۲) اور بعض آدمی وہ ہیں جو بیچتے ہیں اپنے آپ کو خدا کی رضامندیوں کی طلب میں۔ اور اللہ بندوں پر مہربان ہی (۲۰۳)

رکھی فطرت انسانی کے بالکل مطابق و موافق ہے ❊

(۱۸۳) (اُحِلَّ لَكُمْ) یہودی اور عیسائی دن رات کا روزہ رکھتے تھے یعنی روزہ افطار کرنے کے بعد ہی سے دوسرا روزہ شروع ہوجاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ توریت اور انجیل میں جہاں روزہ کا ذکر ہے دن رات کا روزہ بیان ہوا ہی۔ ماہ رمضان کے روزوں کا جب حکم ہوا تو کوئی حد روزے کی مقرر نہ تھی۔ مسلمان بھی یہودیوں کی دیکھا دیکھی دن رات کا روزہ رکھتے تھے جو اُنپر نہایت شاق گذرتا تھا اور جس منشاء سے کہ محمد رسول اللہ صلعم نے اس رسم کو قائم رکھا تھا اسکے بھی مخالف تھا۔ اسلیئے اس آیت میں خدا کی طرف سی یہ حکم ہوا کہ صرف دن ہی کا روزہ رکھنا چاہیئے۔ رات جو آرام کے لیئے ہی وہ روزہ میں داخل نہیں ہی۔ اس آیت سے یہ سمجھنا کہ پہلے مسلمانوں کو بھی دن رات کے روزہ رکھنے کا حکم تھا اور وہ حکم اس آیت سے منسوخ ہوگیا محض غلطی ہے ❊

(۱۸۶) (وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) اس آیت میں اور جو آیتیں کہ اسکے بعد ہیں اُن میں کافروں یا دشمنوں سے لڑنیکا حکم ہی۔ مگر صاف بیان کیا گیا ہی کہ جو تم سے لڑیں اُنسے لڑو اور زیادتی مت کرو ❊ اکثر لوگ مذہب اسلام پر یہ طعنہ دیتے ہیں کہ اُسمیں تحمل اور بردباری اور عاجزی اور مذہب کے سبب سے جو تکلیفیں کافروں کی طرف سی پہنچیں اُنکی صبر سے برداشت نہیں ہی۔ اور یہ باتیں مذہب کی سچائی اور نیکی اور اخلاق اور خدا کی راہ میں تکالیف برداشت کرنیکے برخلاف ہیں ❊ مگر یہ ایک بڑی غلطی اور ناسمجھی ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید میں

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۲۰۵

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو داخل ہو اسلام میں سب کے سب، اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی، بیشک وہ تمھارا دشمن ہے علانیہ (۲۰۴) پھر اگر تم ڈگمگا جاؤ بعد اسکے کہ تمھارے پاس آئی ہیں نشانیاں تو جان لو کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمتوں والا (۲۰۵)

جو احکام لڑائی کے نہایت نیکی اور انصاف پر مبنی تھے اُنکو مسلمانوں نے جو خلیفوں یا بادشاہوں کے نام سے مشہور ہوئے دینداری کے بہانے سے اپنی خواہش نفسانی کے پورا کرنے اور ملک گیری کے لیئے نہایت بداخلاقی اور ناانصافی سے برتا، اور بعضی درندوں سے بھی بدتر کام کیئے، اور علماء اسلام نے اُنکی تائید کیلیئے ایسے مسئلے بیان کیئے جو اسلام کی روحانی نیکی کے برخلاف تھے۔ مگر اُنکے ایسا کرنے سے جو بُرائی یا عیب قرار دیا جاوے وہ اُنہی پر محدود ہے جنھوں نے ایسا کیا نہ اسلام پر۔ ہر ایک منصف مزاج کا اور ہر ایک معترض اور نکتہ چین کا یہ فرض ہے کہ اُن ظالموں کے کردار کو اُنہی پر محدود رکھے نہ یہ کہ اُنکے کردار سے مذہب اسلام پر نکتہ چینی کرے ؛

مذہب اسلام میں اگرچہ جابجا عفو و صبر و تحمل کی خوبیاں بیان کیگئی ہیں اور لوگوں کو اُسپر رغبت دلائی گئی ہے۔ مگر اُسی کے ساتھ بدلا لینے کی بھی بغیر زیادتی کے اجازت دی ہے۔ کیا یہ قانون دنیا کے پیدا کرنے والے کے قانون قدرت کے مناسب نہیں ہے؟ اور کیا اِس قانون سے زیادہ عمدہ اور سچا کوئی قانون ہو سکتا ہے؟ انسان جب اخلاق کی باتوں پر گفتگو کرتا ہے تو بہت سی ایسی باتیں اور ایسے اصول بیان کرتا ہے جو کان کو اور دل کو نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں، اور سننے و پڑھنے والے خیال کرتے ہیں کہ یہی اصول اخلاق کے اور یہی اصول اعلےٰ درجہ کی نیکی کے ہیں، مگر درحقیقت وہ ہوائی آواز سے زیادہ

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ	کیا وہ (کسی اور بات کا) انتظار کرتے ہیں بجز اسکے کہ آوے اُنکے لیئے اللہ سفید بادلوں کے سایوں میں اور فرشتے اور پورا کر دیا جاوے کام، اور اللہ ہی کی طرف سب کام رجوع کرتے ہیں (۲۰۶)

کچھ رتبہ نہیں رکھتے، اور جو کہ وہ اصول فطرت انسانی کے بلکہ قانون قدرت کے برخلاف ہوتے ہیں کبھی اُنپر عملدرآمد نہیں ہو سکتا۔ ایسا قانون بنانے سے جس پر کبھی عملدرآمد نہو سکے کوئی نتیجہ اور فائدہ مترتب نہیں ہوتا، بلکہ دل میں اُس قانون کی حقارت بیٹھتی ہے کہ وہ قانون قدرت کے برخلاف ہی ؛

کوئی کتاب دنیا میں انجیل سے زیادہ انسان کو نرم مزاج اور بردبار اور متحمل کرنے والی، اور اخلاق کو ایسی چمک سے دکھلانے والی جس سے آنکھوں میں چکا چوند آجاوے نہیں ہے۔ گو اُسکے مقولے ایسے نہیں ہیں کہ سب سے پہلے اُسی میں بیان کیئے گئے ہوں۔ بلکہ بہت سے ایسے ہیں جو اُس سے پہلے لوگوں نے بھی جنکے سوا بُت پرست اُنکا فر گنے جاتے ہیں بیان کیئے ہیں۔ مگر ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ اُنکا لوگوں میں کیا اثر ہوا تھا ؛

انجیل میں لکھا ہے کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اُسکے سامنے کر دے۔ بلا شبہ یہ مسئلہ اخلاق کے خیال سے تو بڑا عمدہ معلوم ہوتا ہے، مگر کسی زمانہ کے لوگوں نے اسپر عمل کیا ہی؟ اگر دنیا اسپر عمل کرے تو دنیا کا کیا حال ہو؟ اسیطرح آباد رہے، اور اسیطرح لوگوں کی جان و مال امن میں رہیں انہایت دلچسپ جواب دیا جاتا ہی کہ جب سب کے سب ایسے ہی ہو جاویں تو دنیا سے شر اُٹھ جاوے۔ مگر پوچھا جاتا ہی کہ کبھی ایسا ہوا ہی؟ یا کبھی ایسا ہوگا؟ یہ سب نا شدنی باتیں ہیں جو خیال میں شدنی قرار دیکر انسان خیالی اور جھوٹی خوشی حاصل کرتا ہی۔ انجیل میں لکھا ہے کہ "تو اپنے کل کے کمانے کی فکر مت کر، خدا کل کی روزی پہنچانے کی فکر کرنیوالا ہے

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ	پوچھ بنی اسرائیل سے کہ ہمنے اُنکو صریح نشانیوں میں سے کسقدر دیں اور جو کوئی بدلڈالے اللہ کی نعمت کو بعد اسکے کہ اُسکے پاس آچکی ہو، تو بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنیوالا ہی (۲۰۷)

،، دل کو یہ مقولہ نہایت ہی پیارا اور اُس پیارے خدا پر اعتماد دلانیوالا معلوم ہوتا ہے، مگر کبھی کسی نے اسپر عمل کیا ہی؟ آیندہ کبھی اسپر عمل ہوگا؟ اگر ہم اس ناشدنی امر کو ایک لمحہ کے لیئے شدنی تصور کرکے تمام دنیا کے لوگوں کو اسی مقولہ پر عمل کرتا ہوا سمجھ لیں، تو دنیا کا کیا حال ہوگا؟ پس اُس قسم کی تمام باتیں انسان کو دھوکا دینے والی ہیں، اور قانون قدرت کے برخلاف ہونیسے خود اپنی سچائی کو مشتبہ کرتی ہیں +

عیسائی مذہب جسکی جڑ ایسی نیکی اور نرمی اور اخلاق میں لگائی گئی تھی وہ پھولا دپھلا، اور سرسبز و شاداب ہوا۔ اسکو چھوڑ دو کہ وہ کس سبب سے بڑھا اور سرسبز ہوا مگر دیکھو کہ اُسنے کیا پھل پیدا کیا۔ ایک بھی نصیحت اُسکی کام نہ آئی، اور خود مذہب نے جو خونریزی اور بیرحمی اور ناانصافی، اور درندوں سے بھی زیادہ بدتر خصلت دکھلائی وہ شاید دنیا میں بےمثل ہوگی، اور جس نیکی میں اُسکی جڑ لگائی گئی تھی اُسنے کچھ پھل نہیں دیا، کیونکہ قانون قدرت کے برخلاف لگائی گئی تھی۔ جو خوبی کیا روحانی اور کیا اخلاقی اور کیا تمدنی اب ہم بعض عیسائی ملکوں میں دیکھتے ہیں، کیا یہ پھل اُسی درخت کا ہی جسکی جڑ ایسی نیکی میں لگائی گئی تھی جو خلاف قانون قدرت تھی؟ حاشا وکلا، بلکہ یہ اُسکا پھل ہی کہ اُس درخت کو وہاں سے اکھاڑ کر دوسری زمین پر لگایا ہی جو قانون قدرت کی زمین ہی، اور جسقدر کہ پہلی زمین کی مٹی اُسکی جڑ میں لگی ہوئی ہے اُسیقدر اُسمیں نقصان ہے +

اس سے بھی زیادہ رحیم مذہب کا حال سنو جسنے ایک چھوٹے سے چھوٹے جانور کی جان کو بھی مارنا سخت گناہ قرار دیا ہی۔ خون کا بہانا، آدمی کا ہو یا درندے یا

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۰۸﴾	آراستہ کیگئی ہو اُن لوگوں کیلیئے جو کافر ہوئے دُنیا کی زندگی، اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں، اور جو لوگ پرہیزگار ہیں قیامت کے دن اُنسے بالاتر ہونگے، اور اللہ رزق دیتا ہی جسکو چاہتا ہی بے حساب (۲۰۸)

ایک پشتہ کا خدا کی صنعت کو ضایع کرنا سمجھا ہی، مگر تاریخ اور زمانہ موجودہ اِس اصول نے جو قانون قدرت کے مخالف تھا کیا نتیجہ دیا۔ قتل و خونریزی ویسی ہی رہی اور ویسی ہی ہی جیسی کہ قانون قدرت سے ہونی چاہیئے۔ وہی جو ایک پشتہ کا مارنا گناہ عظیم سمجھتے تھے ہزاروں آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتے تھے اور قتل کرتے ہیں۔ پس کوئی قانون گو وہ ظاہر میں کیسا ہی چمکیلا اور خوش آیند ہو جبکہ قانون قدرت کے برخلاف ہی محض نکما اور بے اثر ہے۔ اسلام میں جو خوبی ہی وہ یہی ہی کہ اُسکے تمام قانون قانون قدرت کے مطابق اور عمدرآمد کے لائق ہیں۔ رحم کی جگہہ جہانتک کہ قانون قدرت اجازت دیتا ہی رحم ہی۔ معافی کی جگہہ اُسی اصول پر معافی ہے۔ بدلے کی جگہہ اُسی کے مطابق بدلا ہی۔ لڑائی کی جگہہ اُسی کے اصولوں پر لڑائی ہی۔ ملاپ کی جگہہ اُسی کی بنا پر ملاپ ہی۔ اور یہی بڑی دلیل اُسکی سچائی کی اور قانون قدرت کے بنانے والے کی طرف سے ہونے کی ہے ؛

اسلام فساد اور دغا اور غدر و بغاوت کی اجازت نہیں دیتا۔ جسنے اُنکو امن دیا ہو، مسلمان ہو یا کافر، اُسکی اطاعت اور احسانمندی کی ہدایت کرتا ہی کافروں کیساتھ جو عہد و اقرار ہوئے ہوں اُنکو نہایت ایمانداری سے پورا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ خود کسی پر ملک گیری اور فتوحات حاصل کرنیکو فوج کشی اور خونریزی کی اجازت نہیں دیتا۔ کسی قوم یا ملک کو اس غرض سے کہ اُسمیں بالجبر اسلام پھیلایا جاوے حملہ کرکے مغلوب و مجبور کرنا پسند نہیں کرتا، یہانتک کہ کسی ایک شخص کو بھی اسلام

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۲۰۹

سب آدمی ایک گروہ تھے، پھر بھیجا اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والے اور ڈرانیوالے، اور اُنکے ساتھ برحق کتاب اُتاری تاکہ لوگوں میں اسبات میں جسمیں وہ مختلف ہو گئے ہیں حکم دیں، اور اُسمیں اختلاف نہیں کیا اُن لوگوں نے جنکو کتاب دیگئی تھی بعد اسکے کہ انکے پاس نشانیاں آگئیں مگر آپس کے حسد سے پھر ہدایت کی اللہ نے اپنی مرضی سے حق بات کی اُن لوگوں کو جو اُسمیں ایمان لائے جسمیں کہ انھوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسکو چاہے سیدھے رستے کی (۲۰۹)

قبول کرنے پر مجبور کرنا نہیں چاہتا۔ صرف دو صورتوں میں اُسنے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہے۔ ایک اُسحالت میں جبکہ کافر اسلام کی عداوت سے، اور اسلام کے معدوم کرنے کی غرض سے، نہ کسی ملکی اغراض سے، مسلمانوں پر حملہ آور ہوں، کیونکہ ملکی اغراض سے جو لڑائیاں واقع ہوں، خواہ مسلمان مسلمانوں میں خواہ مسلمان و کافروں میں، وہ دنیاوی بات ہے مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ دوسرے جبکہ اُس ملک یا قوم میں مسلمانوں کو اسوجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں اُنکی جان و مال کو امن نہ ملے، اور فرائض مذہبی کے ادا کرنے کی اجازت نہو۔ مگر اُسحالت میں بھی اسلام نے کیا عمدہ طریقہ پایداری کا بتایا ہے کہ جو لوگ اُس ملک میں جہاں بطور رعیت کے رہتے ہوں، یا امن کا علانیہ یا ضمناً اقرار کیا ہو، اور گو صرف بوجہ اسلام اُنپر ظلم ہوتا ہو تو بھی اُنکو تلوار پکڑنے کی اجازت نہیں دی۔ یا اُس ظلم کو سہیں یا ہجرت کریں، یعنی اُس

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۤءُ وَالضَّرَّاۤءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۰﴾

(اے ایمان والوں) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم داخل ہوگے جنت میں حالانکہ تم پر (ویسی مصیبت) نہیں آئی ہی جیسی کہ اُن لوگوں پر (آئی تھی) جو تم سے پہلے گذرے، اُنکو خوف نے پکڑا اور تکلیف نے، اور کپکپا دیئے گئے، یہانتک کہ رسول نے اور اُن لوگوں نے جو اُسپر ایمان لائے تھے کہا کہ کب خدا کی مدد ہوگی، جان لو کہ بیشک اللہ کی مدد قریب ہے (۲۱۰)

ملک کو چھوڑکر چلے جاویں۔ ہاں جو لوگ خود مختار ہیں اور اُس ملک میں امن لیئے ہوئے یا بطور رعیت کے نہیں ہیں، بلکہ دوسرے ملک کے باشندے ہیں، اُنکو اُن مظلوم مسلمانوں کے بچانے کو جنپر صرف اسلام کی وجہ سے ظلم ہوتا ہی، یا اُنکے لیئے امن اور اُنکے لیئے ادائے فرائض مذہبی کی آزادی حاصل کرنے کو تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہی۔ لیکن جس وقت کوئی ملکی یا دنیوی غرض اس لڑائی کا باعث ہو اُسکو مذہب اسلام کی طرف نسبت کرنے کی کسیطرح اسلام اجازت نہیں دیتا +

یہی بات ہی جسپر اسلام نے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہی۔ یہی لڑائی ہی جسکے کرنے کی ترغیب دی ہے۔ یہی لڑائی ہے جسکا نام جہاد رکھا ہی۔ یہی لڑائی ہے جسکے مقتولوں کو روحانی ثواب کا وعدہ دیا ہی۔ یہی لڑائی ہے جسکے لڑنے والوں کی فضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہی کہ اس قسم کی لڑائی ناانصافی اور زیادتی ہی؟ کون کہہ سکتا ہی کہ یہ لڑائی اخلاق کے برخلاف ہی؟ کون کہہ سکتا ہی کہ یہ لڑائی قانون قدرت، انسان کی فطرت کے مخالف ہی؟ کون کہہ سکتا ہی کہ اس لڑائی کا حکم خدا کی مرضی کے برخلاف ہی؟ کون کہہ سکتا ہی کہ اسحالت میں بھی لڑائی کا حکم نہوتا بلکہ دوسرا گال پھیر دینا خدا کی مرضی کے

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (۲۱۱)

تجھسے پوچھتے ہیں کہ کسطرح (اپنا مال) خرچ کریں، تو کہدے کہ جو کچھ تم مال میں سے خرچ کرو تو ماں باپوں اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلیے (خرچ کرو) اور جو نیکی تم کرتے ہو تو بیشک اللہ اُسکا جاننے والا ہے (۲۱۱)

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (۲۱۲) وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۱۳)

لکھی گئی تمپر لڑائی، اور وہ بری معلوم ہوتی ہے تمکو (۲۱۲) اور شاید جس چیز کو تم برا جانتے ہوا ور وہی بہتر ہو تمھارے لیئے، اور شاید جس چیز کو تم دوست رکھتے ہو وہی بُری ہو تمھارے لیئے، اور اللہ جانتا ہی اور تم نہیں جانتے (۲۱۳)

مطابق ہوگا ✦

لڑائی شروع ہونے کے بعد تلوار ہر ایک کی دوست ہوتی ہے اُسمیں بجز اسکے کہ دشمنوں کو قتل کرو، لڑائی میں بہادری کرو، دل کو مضبوط رکھو، میدان میں ثابت قدم رہو، فتح کرو یا مارے جاؤ اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ وہی قرآن نے بھی کہا ہی۔ یہ دوسری بات ہی کہ کوئی شخص اُس موقع اور محل کو جسکی نسبت قرآن میں لڑنیوالوں کے دلوں کو مضبوط کرنے کی آیتیں نازل ہوئی ہیں چھوڑ کر ان آیتوں کو عموماً خونخواری اور خونریزی پر منسوب کرے، جیساکہ اکثر ناوان عیسائیوں نے کیا ہے، تو یہ خود اُسکا قصور ہوگا نہ اسلام کا ✦

لڑائی میں بھی جو رحم قانون قدرت کے موافق ضرور ہی اسلام نے اُسمیں بھی فروگذاشت نہیں کیا۔ عورتوں کو، بچوں کو، بوڑھوں کو جو لڑائی میں شریک نہ ہوئے ہوں اُنکو قتل کرنے کی ممانعت کی۔ عین لڑائی میں اور صف جنگ میں جو مغلوب ہو جاوے اُسکے قتل کی اجازت نہیں دی۔ صلح کو، معاہدۂ امن کو

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲۱۴)

تجھے پوچھتے ہیں حرمت والے مہینے میں لڑنے سے، کہدے کہ اسمیں لڑنا بڑا برا ہے، اور خدا کی راہ سے روکنا ہے اور اُسکے ساتھ کفر کرنا ہے، اور مسجد حرام سے (روکنا ہے) اور اُسکے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا بہت زیادہ بُرا ہے اللہ کے نزدیک اور فتنہ (برپا کرنا) زیادہ بُرا ہے قتل سے، اور وہ ہمیشہ لڑے جاوینگے جبتک کہ پھیردیں تمکو تمھارے دین سے اگر وہ کرسکیں، اور جو تم میں سے پھر جاوے اپنے دین سے پھر جاوے اور وہ کافر ہو، تو یہی لوگ ہیں کہ ضائع ہو جاتے ہیں اُنکے عمل دنیا میں اور آخرت میں، اور یہی لوگ آگ (میں جلنے) والے ہیں، وہ اُسی میں ہمیشہ رہینگے (۲۱۴)

قبول کرنے کی رغبت دلائی۔ باغ کو کھیتوں کو جلانے کی ممانعت کی۔ قیدیوں کو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ نہایت ظالمانہ طریقہ جو لڑائی کے قیدیوں کو عورت ہوں یا مرد غلام اور لونڈی بنا لینے کا تھا اُسکو معدوم کیا۔ اس سے زیادہ لڑائی کی حالت میں انصاف اور رحم کیا ہو سکتا ہے؟ ہاں یہ سچ ہے کہ مسلمانوں نے اسمیں سے کسی کی بھی پوری تعمیل نہیں کی، بلکہ برخلاف اسکے بے انتہا ظلم و ستم کیئے مگر جبکہ وہ اسلام کے حکم کے برخلاف تھے تو اسلام کو اُس سے داغ نہیں لگ سکتا۔

وہ بھی تو مسلمانوں ہی میں سے تھے جنھوں نے عمرؓ کو، عثمانؓ کو، علیؓ کو حسینؓ کو ذبح کر ڈالا تھا، کعبہ کو جلایا تھا۔ پس اُنکے کردار سے اسلام کو کیا تعلق ہے +

مشرکین مکہ نے اُن لوگوں پر جو مسلمان ہو گئے تھے صرف اسلام کی عداوت سے اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے ظلم کیئے تھے اور تکلیفیں پہنچائی تھیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۱۵﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ﴿۲۱۶﴾ قُلِ الْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱۷﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ ﴿۲۱۸﴾ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۱۹﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہی لوگ امیدوار ہیں خدا کی مہربانی کے، اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۲۱۵) تجھ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے سے، کہدے کہ اُن دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور فائدے ہیں لوگوں کے لئے۔ اور اُنکا گناہ بڑا ہے اُنکے نفع سے، اور پوچھتے ہیں تجھ سے کسطرح (اپنا مال) خرچ کریں (۲۱۶) کہدے حاجت سے زیادہ کو اسیطرح اللہ بیان کرتا ہے تمھارے لئے نشانیاں تاکہ تم فکر کرو (۲۱۷) دنیا اور آخرت کے کاموں میں، اور پوچھتے ہیں تجھ سے یتیموں سے، کہدے کہ اُنکے لئے اصلاح کرنی بہتر ہے (۲۱۸) اور اگر تم اُنکو ملالو تو وہ تمھارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے (یعنی تمیز کرتا ہے) فساد کرنیوالوں کو اصلاح کرنیوالوں سے، اور اگر خدا چاہتا تو سختی میں ڈالتا تمکو، بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۱۹)

قتل کے درپے تھے، یہانتک کہ ایکدفعہ مسلمانوں نے حبشہ میں جاکر پناہ لی، اور آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمان مکہ کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ پھر اُنھوں نے وہاں بھی تعاقب کرنا چاہا، اور مکہ میں حج کے آنے سے روکا۔ لڑائی پر آمادہ ہوئے تب اسلام نے بھی اُنسے لڑنیکا حکم دیا۔ پس جسقدر احکام قتل مشرکین کے ہیں وہ سب اُنھی لڑنیوالوں سے متعلق ہیں۔ وہ بھی اُسیوقت تک کہ فتنہ و فساد رفع ہوجاوے جیسے کہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ "وقاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ"۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ مشرکین کا فتنہ یہ تھا کہ وہ مکہ میں مسلمانوں

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۝۲۲۰ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۲۱

اور مت نکاح میں لاؤ مشرک عورتوں کو جبتک کہ ایمان لاویں، اور البتہ مسلمان لونڈی بہتر ہے مشرک عورت سے اگرچہ وہ تمکو اچھی لگتی ہو، اور مت نکاح میں لو مشرک مردوں کو جبتک کہ ایمان لاویں، اور البتہ مسلمان غلام بہتر ہے مشرک مرد سے اور اگرچہ تمکو اچھا معلوم ہوتا ہو (۲۲۰) یہ لوگ بلاتے ہیں آگ (یعنی دوزخ) کی طرف، اور اللہ بلاتا ہے جنت اور بخشش کی طرف اپنی مرضی سے، اور بیان کرتا ہے اپنی نشانیاں لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں (۲۲۱)

کو مارتے تھے اور ایذا دیتے تھے، تنگ ہوکر مسلمان حبشہ کو چلے گئے پھر بھی وہ برابر ایذا اور تکلیف دیتے رہے یہانتک کہ مسلمان مدینہ میں ہجرت کر گئے، اور مشرکین کی غرض ایذاؤں اور تکلیفوں سے یہ تھی کہ مسلمان اپنا اسلام چھوڑ کر پھر کافر ہو جاویں اسپر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اسکے معنی یہ ہیں کہ کافروں سے لڑو جبتک کہ اُنپر غالب ہو جاؤ، تاکہ وہ تمکو تمھارے دین سے پھیرنے کے لیئے ایذا نہ دیسکیں، اور تم شرک میں نہ پڑو ✦

"یکون الدین للہ" کا فقرہ بھی اُنہی آیتوں کے ساتھ ہے جو مشرکین عرب کے حملہ کے دفعہ کرنے کو لڑنے کی بابت نازل ہوئی ہیں۔ اسکے یہ معنی سمجھنے کہ اتنا لڑنا چاہیئے کہ اسلام کے سوا کوئی دین نہ رہے یہ تو محض نادانی کی بات ہے جو سلف سے آجتک نہ کبھی ہوئی اور نہ ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔ اسکے معنے صاف صاف یہ ہیں کہ اِسقدر لڑنا چاہیئے کہ اللہ کے دین کے بجالانے میں جو کافر حرج ڈالتے ہیں وہ نہ رہے، اور اللہ کے لیئے دین ہو جاوے کہ مسلمان خدا کیلیئے اسکو بے ایذا کے بجالا سکیں ✦

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۲۲۲	اور تجھ سے پوچھتے ہیں حیض سے کہدے کہ وہ نجاست ہی پس کنارہ رکھو عورتوں کو حیض کی حالت میں اور اُنسے مقاربت نہ کرو جبتک کہ پاک ہوں، پھر جب پاک ہو جاویں تو اُنکے پاس جاو جسطرح کہ خدا نے تمکو حکم کیا ہی، بیشک اللہ دوست رکھتا ہو معافی چاہنے والوں کو اور دوست رکھتا ہو ستھرائی والوں کو (۲۲۲)

(۱۹۲) (وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ) اس آیت سے حج کے احکام شروع ہوئے ہیں، مگر قبل اسکے کہ ہم اُسکی ماہیت اور اُسکے اسرار پر بحث کریں پہلے سیدھی سادی طرح سے بتا دینا چاہیئے کہ مسلمان عمرہ اور حج کیونکر کرتے ہیں، اور یہ بتانا چاہیئے کہ جو کچھ حج میں کیا جاتا ہو اُسمیں سے قرآن مجید میں کس کس چیز کا ذکر ہے ✦

حج میں اتنی چیزیں ہیں۔ احرام و نیت، طواف قدوم، سعی بین الصفا و المروہ، خروج منیٰ، و وقوف مزدلفہ، منیٰ اور رمی جمار، طواف الزیارت، طواف الصدر۔ چنانچہ ہم اُن میں سے ہر ایک چیز کو علحدہ بیان کرتے ہیں

احرام اور نیت حج

احرام باندھنے کے لیئے مقامات معین ہیں جو میقات کہلاتے ہیں۔ مکہ کے رہنے والوں کے لیئے خاص حرم کعبہ میقات ہی، اور مدینہ کی طرف سی آنیوالوں کو ذوالحلیفہ، اور عراق کی طرف سے آنیوالوں کے لیئے ذات عرق، اور شام کی طرف سے آنیوالوں کیلیئے جحفہ، اور نجد کی طرف سے آنیوالوں کے لیئے قرن، اور یمن کی طرف سے آنیوالوں کے لیئے جس میں ہندوستان کے جانے والے بھی داخل ہیں یلملم ✦

میقات پر پہنچکر صرف حج کی یا صرف عمرہ کی یا حج اور عمرہ دونوں کی نیت

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

عورتیں تمھاری کھیتی ہیں پھر اپنی کھیتی پاس جاؤ جسطرح تم چاہو، اور آگے بھیجو اپنے لیئے (یعنی نیکی) اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک تم اُس سے ملوگے، اور خوشخبری دے ایمان والوں کو (۲۲۳) اور مت بناؤ اللہ کو آڑ اپنی قسموں کی (نیک کاموں سے) بچنے کو، اور پرہیزگاری کرو اور لوگوں میں اصلاح کرو اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا (۲۲۴)

سے احرام باندھا جاتا ہے۔ احرام کے معنے ایسے بزرگ اور مقدس کام کے شروع کرنے کے ہیں جسکا ادب نہ توڑا جا سکے۔ احرام میں صرف ایک چادر بطور تہ بند کے باندھتے ہیں، اور ایک چادر اوڑھنے کے لیئے ہوتی ہے۔ مگر سر پر چادر نہیں اوڑھی جاتی، سر کھلا رہتا ہے۔ چادر ایک پاٹ کی ہو خواہ دو پاٹ کی سی ہوئی کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ قطع کیا ہوا کپڑا جو قینچی سے قطع کر کے سیتے ہیں پہننا منع ہے +

میقات پر پہنچکر غسل کیا جاتا ہے یا وضو، اور اسکے بعد نیت کر کے احرام باندھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں "لبیك اللھم لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لك لا شریك لك لبیك"۔ اور ہر نماز کے بعد یا جب اونچی جگہہ پر چڑھے یا نیچی جگہہ اُترے تو یہی جملہ کہنا چاہیئے +

زمانہ احرام میں سر کو ڈھانکنا، یا ایسا کپڑا جو قطع ہو کر سیا گیا ہو پہننا، موزہ یا جراب سے پانوں کو ڈھانکنا، شکار کھیلنا، یا دوسرے کو شکار بتانا، سر منڈانا، ناخن ترشوانے، عورت کے پاس جانا منع ہے +

طواف قدوم

جب مکہ میں پہنچے اور حرم کعبہ دکھائی دے تو کہے "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۲۲۵) لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۲۶)	نہیں پکڑیگا اللہ تمکو تمہاری لغو قسموں میں ولیکن تمکو پکڑیگا اُسچیز میں کہ کمائی ہے تمہاری دلوں نے ، اور اللہ بخشنے والا ہے بردبار (۲۲۵) اُن لوگوں کیلیئے جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے) سے توقف کرنا ہے چار مہینے پھر اگر رجوع کر جاویں (اپنی قسم سے) تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۲۲۶)

اللہ اکبر واللہ اکبر و للہ الحمد" ؛

جب حرم کے اندر جائے حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو اگر ممکن ہو تو اُسکو بوسہ دے ورنہ ہاتھ سے بوسہ لینے کا اشارہ ہی کر لے ، اور کعبہ کے گرد گھومنا شروع کرے ، اور جب حجر اسود کے سامنے آوے یا اُسکا بوسہ لے یا اُسیطرح سو اشارہ کرے۔ سات مرتبہ گھومے اور کوئی دعا جو اُسکو جی چاہے پڑھتا رہے اور اُس گھومنے میں تیز مونڈھے ہلا کر چلے ؛ سات دفعہ گھومنے کے بعد جسکو طواف کہتے ہیں مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھے ؛

سعی بین الصفا والمروہ

اُسی دن طواف کے بعد صفا و مروہ میں جو نہایت چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں سات دفعہ پھرے۔ صفا کی پہاڑی پر چڑھے اور کعبہ کی طرف مُنہ کر کے کہے ،،

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید ،، ۔ اسکے بعد جو دعا چاہے مانگے ، اور صفا پر سے اُتر کر مروہ کو جاوے بیچ رستے میں دو نشان بنے ہوئے ہیں اُن نشانوں کے بیچ میں دوڑ کر چلے ۔ جب مروہ پر چڑھے تو کعبہ کی طرف مُنہ کر کے وہی تمام جملہ جو صفا پر پڑھا تھا پڑھے ۔ یہ ایک دوڑ ہوئی جسکو ایک شوط کہتے ہیں ۔ اسیطرح سات دفعہ کرے ۔ ساتویں دوڑ مروہ پر ختم ہوگی ؛

اگر احرام باندھتے وقت صرف عمرہ کی نیت کی ہے ، تو عمرہ ختم ہو لیا ۔ احرام

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۲۸﴾

اور اگر انھوں نے طلاق دینے کا ارادہ کیا ہو تو بیشک اللہ سننے والا ہے اور جاننے والا (۲۲۷) اور جن عورتوں کو کہ طلاق دیگئی ہو ٹھہری رہیں اپنے آپ تین معاوتک اور نہیں روا ہے انکو کہ چھپاویں جو کچھ کہ پیدا کیا ہے اللہ نے انکے رحموں میں اگر ہیں ایمان لانیوالی اللہ اور اخیر دن پر اور انکے خاوند زیادہ حقدار ہیں انکے پھیر لینے کے اسمیں (یعنی اپنے نکاح میں) اگر وہ اصلاح چاہیں اور عورتوں کیلیئے بھی (مردوں پر اُسی کی مانند حق) ہے جیسا کہ (مردوں کا اُنپر ہے ساتھ نکوئی کے اور مردوں کیلیئے اُنپر (اس معاملہ میں) فضیلت ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۲۸)

کھولدے، اور پھر آٹھویں ذیحجہ کو حرم کے اندر جا کر حج کا احرام باندھے۔ اور اگر حج اور عمرہ دونوں کی اکٹھی نیت کی ہو، یا صرف حج کی نیت کی ہو تو بدستور احرام باندھے رکھے ؛

خروج منیٰ

جو لوگ عمرہ ادا کر کے احرام سے خارج ہو گئے ہیں اُنکو چاہیئے کہ حرم میں جا کر صبح کی نماز پڑھیں اور حج کا احرام باندھیں، اور منیٰ کو روانہ ہوں، اور جن لوگوں نے احرام نہیں کھولا وہ صبح کی نماز کے بعد منیٰ کو روانہ ہوں۔ رات کو منیٰ میں رہیں نویں تاریخ صبح کی نماز کے بعد علی الصباح عرفات کے میدان میں جا دیں، اور غروب آفتاب تک اُسمیں رہیں، اور جو دعائیں چاہیں مانگتے رہیں، وہاں امام اونٹنی پر چڑھکر خطبہ پڑھتا ہے، اور لوگوں کو نیکی اور خدا پرستی کی نصیحت کرتا ہے، اور ہزاروں لوگ اُسکے گرد کھڑے ہو کر سنتے ہیں اور جو نہیں سن سکتے وہ اپنی

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۲۹)

طلاق (رجعی) دو دفعہ دینی ہے پھر یا تو نیکی سے روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور نہیں حلال ہے تمکو کہ لو اُس چیز میں سے جو کچھ تم نے اُنکو دیا ہے کچھ بھی۔ مگر جبکہ اس بات سے دونوں ڈریں کہ دونوں نہ قائم رکھ سکنے کے حدیں اللہ کی۔ پھر اگر تم ڈرو کہ دونوں نہیں قائم رکھینگے اللہ کی حدوں کو تو اُن دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے اُس چیز میں کہ عورت اُسکو اپنے بدلے دے۔ یہ ہیں اللہ کی حدیں پھر اُنسے تجاوز مت کرو اور جسنے تجاوز کیا اللہ کی حدوں سے پھر یہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں (۲۲۹)

ہی جگہ دعا وغیرہ پڑھتے ہیں ٭

وقوف مزدلفہ

مغرب کی نماز کے بعد اُس میدان سے لوگ روانہ ہوتے ہیں، اور مزدلفہ کے میدان میں آکر رات بسر کرتے ہیں ٭

منیٰ اور رمی جمار

دسویں ذیحجہ کو مزدلفہ سے چلکر منیٰ میں پہنچتے ہیں، منیٰ کے میدان میں تین ستون بطور نشان کے بنے ہوئے ہیں۔ ہر ایک ستون پر سات سات کنکریاں ایک ایک کرکے مارتے ہیں، اور ہر کنکری کے مارنیکے وقت یہ پڑھتے ہیں "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد،" ٭

جب تینوں ستونوں پر کنکریاں مارلیں تو ہر بلندی و پستی پر اور نماز کے بعد جو لبیک کہتا تھا وہ کہنا موقوف کردے، اور جمرۃ العقبہ کے پاس ایک چھوٹی سی پہاڑی

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر عورت کو طلاق دیدی (یعنی تیسری بار) تو اُسکے بعد اُسکو حلال نہیں ہی جبتک کہ نکاح کرے اُسکے سوا دوسرے شوہر سے پھر اگر وہ اسکو طلاق دیدے تو اُن دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہی پھر کر نکاح کر لینے میں اگر گمان کریں کہ دونوں قائم رکھینگے حدیں اللہ کی اور یہ اللہ کی حدیں ہیں بیان کرتا ہی اُنکو اُس گروہ کیلیئے کہ جانتے ہیں (یعنی اُس گروہ کیلیئے جو جاننے کے قابل ہیں نہ غیر مکلفین کیلیئے جو مجنون یا نابالغ ہیں (۲۳)

ہے وہاں قربانی کرے، اور سر منڈوالئے یا بال کترواڈالے اور احرام کھولدے اور کپڑے پہن لے، مگر عورت کے پاس جانے کی ابتک جازت نہیں گیارھویں اور بارھویں کو بدستور منٰی میں رہے، اور دونوں دن بھی اُن تینوں ستونوں کو سات سات کنکریاں اُسیطرح مارے جسطرح کہ دسویں تاریخکو ماری تھیں ✦

طواف الزیارت

انہی تاریخوں میں یعنی دسویں یا گیارھویں یا بارھویں کو قربانی کے بعد منٰی سے حرم میں آوے اور خانہ کعبہ کا طواف اُسیطرح کرے جسطرح اوپر بیان ہوا اور پھر منٰی میں چلاجاوے۔ بعد اُسکے اپنے کام میں لگے اور جو چاہے سو کرے ✦ اگر کسی نے طواف قدوم کے بعد سعی بین الصفا والمروہ نہ کی ہو تو اُسکو اس طواف کے بعد کرلینی چاہیئے ✦

طواف الصدر

جو لوگ اور ملکوں سے حج کرنیکو آتے ہیں، اور حج کے بعد واپس جانا چاہتے ہیں تو اُنکو صرف طواف کرکے روانہ ہونا چاہیئے ✦

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲۳۱)	اور جبکہ تمنے عورتوں کو طلاق دی پھر وہ پہنچ گئیں اپنی میعاد کو پھر یا تو روک لو اُنکو ساتھ نیکی کے یا چھوڑ دو اُنکو ساتھ نیکی کے اور مت روکو اُنکو ضرر پہنچانے کو تاکہ اُنپر زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کریگا تو بیشک اُسنے اپنے اوپر آپ ظلم کیا، اور مت ٹھیراؤ اللہ کی نشانیوں کو تمسخر اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تمپر ہیں اور اُسچیز کو یاد کرو جو اُتاری ہے تمپر کتاب اور حکمت سے اور نصیحت کرتا ہے تمکو اُس سے اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۲۳۱)

اقسام حج

حج تین قسم ہے۔ افراد، قران، تمتع۔ اگر صرف حج کی نیت سے احرام باندھا ہی اُسکا نام تو حج افراد ہے۔ اور اگر حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا ہی اُسکا نام قران ہے۔ اور اگر صرف عمرہ کی نیت سے، اور عمرہ کے بعد پھر حج کی نیت سے احرام باندھا ہے تو حج تمتع ہے ٭

حج افراد اور تمتع کی تو بالکل وہی صورت ہی جو بیان ہوئی۔ الا حج قران میں اسقدر فرق ہے کہ طواف قدوم اور سعی بین الصفا والمروہ دو دفعہ کرنی لازم ہے ٭

ارکان حج جو قرآن مجید میں مذکور ہیں

میقات کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہی۔ غالباً جو لوگ باہر سے کعبہ کی زیارت کو یا حج کو آتے تھے، اور جب قریب پہنچتے تھے تو حج کی نیت سے ایسی باتوں کے کرنے سے جنکو تقدس اور ادب کے برخلاف سمجھتے تھے اجتناب کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ مقامات بطور میقات قرار پا گئے، اور زمانہ کے گذرنے پر اُنہی مقامات سے مسافروں کا احرام

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۳۲)

اور جب تمنے عورتوں کو طلاق دیدی اور اُنھوں نے اپنی مدت پوری کردی تو انکو اپنے خاوندوں سے جبکہ وہ نیکی سے آپسمیں راضی ہوجاویں نکاح کرنیسے منع مت کرو، اِس بات سے اُس شخص کو کہ جو تم میں سے خدا پر اور اخیر دن پر ایمان لایا ہو نصیحت کیجاتی ہے یہ بات تمھارے لیئے پاکیزہ اور پاک ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲۳۲)

میں داخل ہونا ایک امر لازمی اور ضروری قرار دیا گیا۔ اگر کوئی شخص بلا ارادہ حج اور بغیر باندھے احرام کے میقات پر مکہ میں چلا جاوے، اور مکہ میں پہنچنے کے بعد حج کا ارادہ کرے اور احرام باندھے، تو اُسکے حج میں بھی کوئی نقص نہیں ہونیکا ؛

احرام کے وقت تہبند باندھنے اور بغیر قطع کیا ہوا کپڑا پہننے کا بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔ مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ اُسکا رواج زمانۂ جاہلیت سے برابر چلا آتا تھا، اور اسلام میں بھی قائم رہا۔ یہ پوشاک جو حج کے دنوں میں پہنی جاتی ہے ابراہیمی زمانہ کی پوشاک ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں دنیا نے سویلیزیشن میں جو تمدنی امور سے علاقہ رکھتی ہے کچھ ترقی نہیں کی تھی۔ وہ قطع کیا ہوا کپڑا بنانا نہیں جانتے تھے۔ اس زمانہ کی پوشاک یہی تھی کہ ایک تہبند باندھ لیا۔ کسی کو اگر کچھ زیادہ میسر ہوا تو ایک ٹکڑا کپڑے کا بطور چادر کے اوڑھ لیا۔ سر کو ڈھانکنا، اور قطع کیا ہوا کپڑا پہننا کسی کو نہیں معلوم تھا۔ حج جو اُس بڈھے خدا پرست کی عبادت کی یادگاری میں قائم ہوا تھا جسنے بہت سوچ بچار کر کہا تھا "انی وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين"، تو اِس عبادت کو اُسی طرح اور اُسی لباس میں ادا کرنا قرار دیا تھا جسطرح اور جس لباس

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۳۴)

اور بچے والیاں اپنے بچوں کو پوری دو برس دودھ پلاویں، یہ اُسکے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہے اور جس شخص کا بچا ہے اُسپر نیکی کے ساتھ اُنکا کھانا اور اُنکا کپڑا دینا ہے، کوئی شخص تکلیف نہیں دیجاتا مگر بقدر اُسکی طاقت کے، نہ ضرر میں ڈالی جاوے کوئی ماں بسبب اُسکے بچے کے اور نہ وہ جسکا بچا ہے بسبب اُسکے بچے کے اور وارث پر بھی اُسی کی مانند ہے، پھر اگر دونوں دودھ چھڑانے کا آپس کی رضامندی و مشورہ سے ارادہ کریں تو اُنپر کچھ گناہ نہیں ہے، اور اگر تم اپنی اولاد کو دایاؤں سے دودھ پلوا لینا چاہو تو تمپر کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ حوالہ کردو جو کچھ تمنے دینا کیا ہے نیکی سے اور ڈرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اُسکو دیکھتا ہے (۲۳۳)

میں اُسنے کی تھی۔ محمد رسول اللہ نے شروع سویلزیشن کے زمانہ میں بھی اُسی وحشیانہ صورت اور وحشیانہ لباس کو ہمارے بڈھے دادا کی عبادت کی یادگاری میں قائم رکھا۔

احرام میں داخل ہونے اور حج کی نیت یعنی حج کے قصد کرنیکا قرآن مجید کے اُن لفظوں سے کہ ''فمن فرض فیہن الحج'' پایا جاتا ہے۔

احرام کے دنوں میں جنگل کے جانوروں کے شکار کی ممانعت بھی قرآن سے پائی جاتی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے ''یا ایہا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما'' ۔

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾	اور جو لوگ تم میں سے مرجاویں اور بیویاں چھوڑیں تو اُنکو خود چار مہینے اور دس دن انتظار کرنا چاہیئے پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اُس بات میں جو وہ اپنے لیئے نیکی سے کرنا چاہیں اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے خبردار ہے (۲۳۴)

احرام کے دنوں میں لڑائی اور فساد اور عورت کے پاس جانے کی ممانعت بھی قرآن کی اس آیت سے پائی جاتی ہے۔ "فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ"۔

احرام اور ارکان کے ختم ہونے تک سر منڈانے کی ممانعت کا بھی اشارہ اس آیت سے نکلتا ہے۔ "وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ"۔

طواف کا اور اُسمیں ذکر اللہ کرنے کا اشارہ بھی قرآن سے پایا جاتا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے، "وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ"۔ "فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ"۔ مگر سات دفعہ پھرنیکا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ غالباً ایام جاہلیت سے برابر چلا آتا ہے۔

سعی بین الصفا والمروہ جسطرح ایام جاہلیت میں لوگ کرتے تھے، اُسیطرح اب بھی کرتے ہیں۔ اسکا بھی اشارہ قرآن میں موجود ہے جہاں فرمایا ہے۔ "اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا"

عرفات میں جانے کا بھی قرآن کی اس آیت سے اشارہ پایا جاتا ہے "فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ"۔

مزدلفہ میں رہنے اور منی میں ایام تشریق میں ٹھہرنیکا بھی اشارہ ان آیتوں سے پایا جاتا ہے

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿۲۳۵﴾	اور تم پر گناہ نہیں ہو اس بات میں کہ اشارتاً تمنے عورتوں سے پیغام نکاح کیا ہو یا تمنے اپنے دل میں اُسکو پوشیدہ رکھا ہو اللہ جانتا ہو کہ بیشک تم اُنکو یاد کروگے و لیکن اُنسے خفیہ وعدہ مت کرلو بجز اسکے کہ کہو کوئی بات نیک (۲۳۵)

"ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ" "وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ" +

قربانی جو حج میں کیجاتی ہو اُسکا ذکر بھی قرآن میں ہو۔ وہ قربانی تین طرح کی ہوتی ہے۔ایک وہ جو جانور کو ساتھ لیکر جاتے ہیں اِس ارادے سے کہ مکہ میں جاکر ذبح کرینگے اُسکا ذکر تو اِس آیت میں ہو "وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ" +

دوسری قسم قربانی کی وہ ہو جو حج تمتع میں کیجاتی ہو، اور اُسکا ذکر اس آیت میں ہے "فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ" +

تیسری قربانی عام طور پر حج کے بعد ہو، اور اُسکا ذکر اِس آیت میں ہو "وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ"

حجر اسود اور رمی جمار کا ذکر قرآن میں نہیں ہو۔ حجر اسود کعبہ کے ایک کونے میں لگا یا گیا تھا، اُس سے مقصد صرف یہ تھا کہ طواف کی تعداد معلوم رہے۔ اُسی کونے سے طواف شروع ہوتا ہو اور اُسی مقام پر ختم ہوتا ہو، اور حجر اسود کو چھو لیا جاتا ہے، یا بوسہ دیا جاتا ہو، یا اُسکی طرف اشارہ کرلیا جاتا ہو جس سے معلوم ہو کہ ایک طواف ختم ہوا۔ رمی جمار کی کوئی ٹھیک وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ تمام ارکان

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۲۳۶)	اور مت قصد کرو عقد نکاح کا جبتک کہ پہنچے میعاد معینہ اپنی مدت کو اور جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہی جو کچھ کہ تمھارے دلوں میں ہی پس اُس سے ڈرو اور جان لو کہ بیشک اللہ بخشنے والا ہی بردبار (۲۳۶)

حج اسلام میں وہی بحال رہے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں تھے، اور اسلیئے کہا جا سکتا ہی کہ وہی رسم رمی جمار کی جو زمانۂ جاہلیت میں تھی اسلام میں بھی مثل دیگر ارکان حج کے عملدرآمد رہے ؞

حج کی حقیقت

جبکہ حضرت اسمٰعیل مکہ میں آباد ہوئے، اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے کعبہ کو بنایا، تو اور قومیں جو گرد و نواح میں خانہ بدوش پھرتی تھیں وہاں آکر آباد ہوئیں اور جیسا کہ دستور ہی اُس مقدس مسجد کی زیارت کو لوگ آنے لگے۔ وہاں کوئی زیارت کی چیز بجز بے چھت کی مسجد کی دیواروں کے اور کچھ نہ تھی جو کچھ زیارت تھی وہ یہی تھی کہ لوگ جمع ہو کر اُس زمانۂ قدیم کے وحشیانہ طریقہ پر خدا کی عبادت کرتے تھے، ننگے سر تہبند بندھا ہوا ننگ دھڑنگ اُن دیواروں کے گرد جو خدا کے گھر کے نام سے بنائی گئی تھیں اُچھلتے اور کودتے اور حلقہ باندھکر جو گرد پھرتے تھے، جسکا اب ہمنے طواف نام رکھا ہی۔

حضرت ابراہیمؑ نے بغرض آبادی مکہ اور ترقی تجارت یہ بات چاہی کہ لوگوں کے آنے اور زیارت کرنے اور اُس مقام پر عبادت معبود کے بجا لانے کیلیئے ایام خاص مقرر کیئے جاویں، تاکہ لوگوں کے متفرق آنے کے بدلے موسم خاص میں مجمع کثیر ہوا کرے، اور سب ملکر خدا کی عبادت بجا لاویں، اور مکہ کی آبادی اور تجارت کو ترقی ہو۔ اس امر کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہی، جہاں حضرت ابراہیمؑ کو کہا ہے کہ حج کو لوگوں میں مشہور کردے تیرے پاس پیدل اور

اذ بوأنا لابراهيم مكان البيت ان لا تشرك بي شيئا وطهر بيتي للطائفين والعٰكفين والركع

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾

تمپر کچھ گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو طلاق دو اُس وقت کہ اُنکو چھوا بھی نہیں ہے یا اُنکے لیے تمنے کوئی مقدار (یعنی مقدار مہر) مقرر بھی نہیں کی ہے اور اُنکو کچھ دو مقدور والے پر نیکی سے دینا ہے اپنے مقدور کے موافق اور تنگدست پر اپنے مقدور کے موافق (یا ایکطرح کا) حق ہے نیک لوگوں پر (۲۳)

السجود واذن فی الناس یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق لیشهدوا منافع لهم (سورہ حج)

و بلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر ہر ایک دور دراز رستے سے لوگ آوینگے، تاکہ اپنے فائدوں کیلیئے موجود ہوں،، تفسیر ابن عباس میں ،،لیشهدوا منافع لهم،، کی تفسیر میں لکھا ہے منافع الدنیا والاٰخرۃ ومنافع الاٰخرۃ بالدعاء والعبادۃ ومنافع الدنیا بالربح والتجارۃ،، یعنی منافع سے دنیا و آخرت دونوں کے منافع مراد ہیں۔ آخرت کا منافع دعا مانگنے اور عبادت کرنیسے حاصل ہوتا ہے اور دنیا کا منافع فائدہ اٹھانے اور تجارت سے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اِس رسم کو اُنہی اغراض کیلیئے جاری رکھا جس غرض سے کہ حضرت ابراہیمؑ نے مقرر کی تھی، جسکا اشارہ اِس آیت میں ہے،، لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم،، یعنی حج کے دنوں میں اگر تم تجارت سے روزی کمانے کی تلاش کرو تو تمپر کچھ گناہ نہیں ہے۔ پس یہ سمجھنا کہ بانیٔ اسلام نے کعبہ شریف کو مثل بارس پتھر کے قرار دیا تھا کہ جسنے اُسکو چھوا وہ سونا ہو گیا یہ ایک غلط خیال ہے۔ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی بنائی ہوئی مسجد میں لوگ نماز پڑہنے کو آتے تھے اور ابراہیمی طریقہ پر نماز پڑھتے تھے۔ جو سختی اور اضطراب کہ اسمٰعیلؑ اور اُسکی ماں ہاجرہ پر صفا و مروہ کے مقام پر پانی کی تلاش میں گذرا تھا، اور اُس بیقراری کی حالت میں جسطرح اُسنے اپنے خدا کو یاد کیا تھا اور دعا مانگی تھی، اُسکی یادگاری میں وہی حالت اپنے پر طاری کرتے ہیں، اور خدا کی عبادت کا اپنے دل میں جوش پیدا کرتے ہیں۔ موسم حج کا صرف تجارت کی

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۸﴾

اور اگر تمنے اُنکو طلاق دی ہی قبل اسکے کہ اُنکو چھوا ہو اور تمنے اُنکے لیئے مقدار (یعنی مقدار مہر) مقرر کی ہی تو جو تمنے مقرر کیا ہی اُسکا نصف (دینا چاہیئے) مگر یہ کہ وہ معاف کریں یا وہ شخص معاف کرے جسکے اختیار میں نکاح باندھنا تھا اور تمہارا معاف کرنا زیادہ تر قریب ہے پرہیزگاری کیلیئے اور مت بھولو آپس کے احسان کو بیشک اللہ تعالیٰ اُسکو جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے (۲۳۸)

نظر سے مقرر کیا گیا تھا تاکہ قوم اُس سے فائدہ اُٹھاوے، اور اُن ایام میں عرب کی قومیں قافلوں کے لوٹنے اور آپس میں لڑائی جھگڑوں سے باز رہیں +

وہی تمام طریقے جو حج کی نسبت ابراہیم ع کے وقت سے چلے آتے تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قائم رکھے۔ اسمیں دنیاوی منفعت کے سوا روحانی بھی بہت بڑی بہت ہی۔ اول اُس بزرگ کی سالانہ یادگاری ہی جو دنیا کی قوموں کے لیئے، اور خدائے واحد کا نام دنیا میں پھیلانے اور فطرت اللہ یا دین اللہ کو تمام دنیا میں شایع کرنیکا باعث ہوا۔ ایسے بزرگوں کی یادگاری قائم رکھنا، اور اُنکے پُرانے تاریخی واقعات کو زندہ کرنا اُنکے دائمی احسانوں کا اعتراف کرنا ہی، اور اسبات کا ہمیشہ یاد رکھنا ہی کہ خدانے کسطرح انسان تک اپنی برکت اور اپنا فضل پہنچایا تھا۔ یہ یادگاری آیندہ اُنہی نیکیوں اور فوائد کے جاری رکھنے میں بہت بڑی مددگار ہوتی ہے۔ اور انسان کے دل کو نرم اور نیکیوں کی طرف راغب رکھتی ہی۔ ہمت بندھتی ہی، دل اور روحانی قوت نیکیاں کرنے پر تازہ ہوجاتی ہی۔ دوسرے تمام ارکان حج میں بجز ابراہیمی طریقہ کی نماز اور دعا اور خدا کی عبادت کے اور کچھ نہیں ہی، اور جبکہ وہ ایسے مقام پر کیجاتی ہی جسکے تاریخی واقعات صرف خیال ہی سے دلپر بہت بڑا اثر

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۹﴾	حفاظت کرو نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور خدا کیلیئے کھڑے ہو عاجزی کرنیوالے (۲۳۹)
فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۴۰﴾	پھر اگر تمکو ڈر ہو تو پیادہ پا چلتے ہوئے یا سواری پر چلتے ہوئے (نماز پڑھلو) پھر جب تمکو امن ہو تو یاد کرو اللہ کو جسطرح کہ تمکو سکھائی ہی وہ چیز کہ تم نہیں جانتے تھے (۲۴۰)

پیدا کرتے ہیں، اور جبکہ وہ ایک بہت بڑے جم غفیر کے ساتھ اور یکجائی ہی جو دور دراز رستوں اور مختلف ملکوں سے آکر خدا کی عبادت کیلیئے جمع ہوئے ہیں، تو صرف اُس ہیئت مجموعی ہی سے جو اثر دلپر اور انسان کی روح پر پڑتا ہی وہ کسی اور طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایک عملی طریقہ روحانی تربیت کا ہی جسکی مثل کوئی دوسرا طریقہ دنیا میں نہیں ہی۔ تیسرے یہ کہ چند روز کیلیئے اُس وحشیانہ حالت میں زندگی بسر کرنی جو اُس بڈھے دادا کے زمانہ میں تھی بہت قوی اثر خدا کی محبت کا دل میں پیدا کرتی ہے۔ سویلزیشن کے زمانہ میں جبکہ نیک دلی اور سچائی اور خدا پرستی اور خدا کے احسانات کی یادگاری میں وہی وحشیانہ سوانگ بھرا جاوے تو اُسکا نہایت قوی اثر دل پر ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ وہ ایک گروہ کثیر کے مجمع کے ساتھ ہو، اور مجمع کا مجمع ایک شخص یا ایک ذات پاک کی یادگاری میں دیوانہ وار مستغرق ہو۔ ان سویلیزڈ زندگی بھی ایک طرح پر نہایت عمدہ ہوتی ہی۔ اور دل کی سادگی اور بیگناہ زندگی کے سبب سے تقدس کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہی، اور خیالات کو بن سمجھے خدا کی طرف زیادہ رجوع کرتی ہی بے سمجھا یقین دل پر بہت بڑا اثر رکھتا ہی اُسکے بعد شک کا دور دورہ آتا ہی جبتک کہ وہ مٹ نجاوی، اور سمجھنے کے بعد دلپر یقین کا تسلط نہو۔ پس اُس پاک خدا کی چند روزہ عبادت کیلیئے اُسی مقدس زندگی کو اختیار کرنا روحانی تربیت کیلیئے نہایت مفید ثابت ہوتا ہی ٭
حقیقت حج کی ہماری سمجھ میں یہ ہی جو ہمنے بیان کی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اُس

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۱﴾

اور جو لوگ تم میں سے مرجاویں اور بیویاں چھوڑیں وصیت کریں اپنی بیویوں کیلئے ایک برس تک کچھ دینے کی بغیر نکالدینے کے پھر اگر وہ نکلجاویں تو تمپر کچھ گناہ نہیں ہی اِس بات میں کہ وہ کریں جو کچھ کرُانکے دل میں ہے نیکی سے اور اللہ زبردست ہی حکمت والا (۲۴۱)

پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہی کہ جہاں سات دفعہ اُسکے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ اُنکی خام خیالی ہی۔ کوئی چیز سواے خدا کے مقدس نہیں ہی۔ اُسی کا نام مقدس ہی، اور اُسی کا نام مقدس رہیگا۔ اُس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہی اُسکے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں۔ وہ تو کبھی حاجی نہیں ہوئے۔ پھر دو پاؤں کے جانور کو اُسکے گرد پھر لینے سے ہم کیونکر حاجی جانیں ہاں جو حقیقتاً حج کرے وہ حاجی ہے +

اس بیان سے حج کے ارکان کی بھی حقیقت بخوبی واضح ہوئی ہوگی۔ احرام باندھنا ابراہیمی زمانہ کی صورت کا بنانا ہی۔ طواف کرنا کعبہ کی دیواروں کے گرد صدقے ہونا نہیں ہی، بلکہ درحقیقت وہ اُس طریقہ پر نماز ہی جو ابراہیمی زمانہ میں اُس چوکھونٹے گھر کے گرد پڑھی جاتی تھی۔ صفا و مروہ میں سعی کرنا اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کے استقلال اور خدا پر کامل یقین کو یاد کرنا ہی، کہ اُس اضطرار اور اضطراب کی حالت میں بھی جو پانی کی تلاش میں وہاں اُنپر گذری تھی اُنھوں نے نہیں چھوڑا تھا اور ایسی حالت میں بھی خدا ہی پر اُنھوں نے بھروسہ کیا۔ پس اُس یقین کو یاد کرکے اپنے دل کو خدا کی محبت میں زیادہ ترقی دینی ہی +

حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی۔ مکہ ایک بیابان غیر ذی زرع تھا۔ اسقدر لوگوں کے جمع ہونے سے خوراک کا میسر آنا مشکل تھا۔ اسلیئے اکثر لوگ خوراک کیلیئے جانور اپنے ساتھ لیجاتے تھے جو بُدن اور قلائد کے نام سے مشہور تھے

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۲﴾	اور طلاق دی ہوئی عورتوں کیلیئے نیکی سے کچھ دینا حق ہی پرہیزگاروں پر (۲۴۲)
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۴۳﴾	اسیطرح بیان کرتا ہی اللہ تمھارے لیئے اپنی نشانیاں تاکہ تم سمجھو (۲۴۳)

اور جو نہ لیجاتے تھے وہ مکہ میں خریدتے تھے، اُنکو ذبح کرکے خود بھی کھاتے تھے اور لوگوں کو بھی کھلاتے تھے حج میں صرف یہی اصل قربانی کی قرآن مجید سے پائی جاتی ہی، جہاں خدا نے فرمایا ہی، "فکلوا منہا و اطعموا البائس الفقیر" ۔ "لکم فیہا منافع الی اجل مسمی ثم محلہا الی البیت العتیق" ۔ "والبدن جعلنا ہا لکم من شعائر اللہ لکم فیہا خیر فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا و اطعموا القانع والمعتر"، وہاں پر نہ کوئی دیوتا ہی نہ دیبی ہی، نہ پہاڑ پر کوئی چیز ہی، جسپر بکرا یا مینڈھا یا اونٹ چڑھایا جاوے۔ نہ خدا کو اسکی بو خوش آتی ہی، نہ اُنکا خون پیتا ہی، نہ اُنکی جان لینے سے خوش ہوتا ہی۔ بلکہ وہ تو صرف نیکی اور بھلائی چاہتا ہی جیسیکہ خود اُسنے کہا ہی "لن ینال اللہ لحومہا ولا دماءہا ولکن ینالہ التقوی منکم"۔ پس اس زمانہ میں جو حج کے دنوں میں حاجت سے زیادہ قربانی کی رسم ہی اور لاکھوں جانور ذبح کرکے جنگل میں ڈالتے ہیں، جنکو گیدڑ اور کوے بھی نہیں کھاتے اُسکا کچھ بھی نشان مذہب اسلام میں نہیں ہی۔ خدا نے حج ادا کرنے کی زیادہ سختی انسان پر نہیں کی، اور ہر شخص کی استطاعت پر اُسکو منحصر کیا ہی، جو نہایت وسیع معنی رکھتا ہی، وہ بھی تمام عمر میں ایک دفعہ اگر ہوسکے +

۲۲۷ (وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ) اسلام کے مخالفین نے ضد سے یا کج بحثی و ناسمجھی سے جو الزام اسلام پر لگائے ہیں اُنمیں سے طلاق کا بھی ایک مسئلہ ہی۔ یہودی تو یہ الزام لگا نہیں سکتے کیونکہ موسیٰ ع نے تو یہ حکم دیا ہی کہ جب کوئی طلاق دینی چاہے تو طلاق نامہ لکھدے۔ بعض بُت پرست قومیں جنکے ہاں طلاق نہیں ہی اور کسیقدر عیسائی

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ (۲۴۴)

کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا (یعنی اُنکا حال نہیں جانا) جو نکل بھاگے اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے اور وہ ہزاروں تھے پھر اُنسے کہا اللہ نے † مر و تم (یعنی بسبب موت کے ڈر کے یا اپنی نامردی کے اور لڑنے کے ڈر سے) پھر جلایا اُنکو (یعنی اُنکے دل میں شجاعت اور ارادہ جنگ پیدا کیا) بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر البتہ فضل کرنیوالا ہی ولیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (۲۴۴)

جنکے ہاں بجز زنا کے اور کسی حالت میں طلاق جائز نہیں اس مسئلہ پر الزام دیتے ہیں، الزام کی بنا یہ ہی کہ یہ مسئلہ رحم و محبت و ہمدردی کے برخلاف ہی، جان ملٹن نے اس سے اختلاف کیا ہی اور نہایت عمدہ دلیلوں سے ثابت کیا ہی کہ جب شوہر و زوجہ میں ایسی ناموافقت ہو جاوے جو تمدن و حسن معاشرت کے منافی ہو تو انجیل کے احکام کے رو سے طلاق ناجائز نہیں ہے ✣

بہر حال اسوقت تین شریعتیں طلاق کے معاملہ میں ہمارے سامنے موجود ہیں اول یہودیوں کی جسمیں بغیر کسی سبب قوی کے مرد کو طلاق دینا جائز قرار دیا گیا ہی اور ایسا کرنے میں کوئی گناہ یا الزام مرد پر عائد نہیں کیا گیا۔ بلاشبہ یہ شریعت ایک ناپسندیدہ شریعت ہی اور رحم و محبت اور حسن معاشرت و تمدن کے برخلاف ہے ایسی شریعت سے نکاح کی وقعت گھٹ جاتی ہی اور مرد کی محبت کا عورت کے ساتھ اور عورت کی وفاداری کا مرد کے ساتھ اعتبار نہیں رہتا۔ دوم بت پرستوں اور حال کے زمانہ کے عیسائیوں کی جنمیں طلاق جائز نہیں یا بجز زنا کے اور کسی حالت میں جائز نہیں۔ اس شریعت میں اس مقدس رسم کا بلاشبہ نہایت ادب کیا گیا ہے

† موتوا بحذرکم الموت؛ اوموتوا بجبنکم وحذرکم من الحرب کما قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ آل عمران قل موتوا بغیظکم۔ سید احمد۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۵﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۶﴾	اور لڑو (اے ایمان والو) اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بیشک اللہ سننے والا ہی جاننے والا (۲۴۵) کون وہ شخص ہی جو قرض دے اللہ کو قرض نیک پھر دوگنا کر دے اسکو اسکے لئے دوگنا کرنا بہت دفعہ اور اللہ تنگی کرتا ہی اور فراخی کرتا ہی اور اسی کے طرف رجوع کیئے جاؤ گے (۲۴۶)

مگر جسطرح کہ یہودی شریعت میں افراط تھی اُسیطرح اس شریعت میں تفریط ہے اور دونوں فطرت انسانی کے برخلاف ہیں، اگر کسی سبب و حالت سے ایسی خرابیاں مرد و عورت میں پیدا ہو جاویں جو کسیطرح اصلاح کے قابل نہوں تو اُنکا بھی کچھ علاج ہونا چاہیئے، اور وہ علاج طلاق ہی، پس کچھ شک نہیں کہ ایسی حالت میں بھی طلاق کا جائز نہونا حسن معاشرت اور انسانی فطرت کے برخلاف ہی۔ تیسری شریعت محمدیہ ہی جسکا ذکر اس آیت اور اسکے بعد کی آیتوں میں اور آنحضرت صلعم کی نصیحتوں اور ہدایتوں میں ہی۔ اِس شریعت حقہ نے اس خوبی اور اس اعتدال سے اس مسئلہ کو قرار دیا ہے جس سے زیادہ عمدہ نہیں ہو سکتا، اور نہ اُس سے زیادہ تمدن اور حُسن معاشرت کی حفاظت انسانی فطرت کے مطابق ہو سکتی ہے۔ شریعت محمدیہ نے طلاق کو ایسی حالت میں جائز قرار دیا ہے جبکہ زن و شوہر میں مرض ناموافقت و عدم محبت کا ایسے درجہ پر پہنچ جاوے جو علاج کے قابل نہو، یا یوں کہو کہ بجز طلاق کے دوسرا کوئی علاج اُسکا نہو۔ مگر زن و شوہر کا معاملہ ایک ایسا نازک اور ایک عجیب قسم کے ارتباط و اختلاط کا ہے کہ اُسمیں جو خرابی پیدا ہو سوائے اُنہی دونوں کے اور کوئی تیسرا شخص اسباب کا اندازہ نہیں کر سکتا کہ آیا وہ اس حد تک پہنچ گئی ہی جسکا علاج بجز طلاق

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ
مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا
لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا
نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ
عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا
لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا
وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۷﴾

کیا تونے بنی اسرائیل کے اُس گروہ کو نہیں
دیکھا جو موسیٰ کے بعد ہوئے (یعنی بہت شموئیل
پیغمبر) جبکہ اُنھوں نے اپنے نبی کو کہا کہ ہمارے
لیئے ایک بادشاہ مقرر کرتا کہ ہم خدا کی راہ میں
لڑیں (یعنی جالوت سے) نبی نے کہا کیا تم
ایسے نہیں معلوم ہوتے کہ اگر تم پر لڑائی لکھی جاوے تو
تم نہ لڑوگے اُنھوں نے کہا کیوں نہ ہم لڑینگے
اللہ کی راہ میں حالانکہ بیشک ہم خارج کیئے گئے ہیں
اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں سے پھر جب اُن پر لڑائی
لکھی گئی تو پھر گئے بجز تھوڑوں کے اُنمیں سے
اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو (۲۴۷)

کے اور کچھ نہیں یا نہیں، اسیلئے اِس شریعت حقہ کے بانی نے اس حد کی تعین
اُنہی کی راے اور اُنہی کی طبیعت پر منحصر کی ہے، اور اُسی کے اخلاق کو اُسکا قاضی
بنایا ہے جسکی تسلی و موانست کے لیئے ابتدا میں عورت بطور انیس دلنواز اور مونس
و غمگسار کے پیدا ہوئی تھی، اور اِس بات کا کہ وہ علاج بے محل و بے موقع بداخلاقی اور بد
خواہش نفسانی سے نکیا جاوے جہانتک کہ انسانی فطرت کے مناسب حال تھا
انسداد کیا ہے۔ مردوں کو فہمایش کی ہے کہ ہمیشہ عورتوں کے ساتھ محبت رکھیں اور
اُنکے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں، اُنکی سختی و بدمزاجی کو تحمل سے برداشت کریں۔
عورتوں کو فہمایش کی کہ اپنے مردوں کی تابعداری کریں، اُنکے ساتھ محبت رکھیں
اُنکی وفادار رہیں۔ پھر طلاق کی نسبت فرمایا کہ گو طلاق جایز کیگئی ہے مگر کوئی چیز
دنیا کے پردہ پر طلاق سے زیادہ خدا کو غصہ دلانیوالی پیدا نہیں ہوئی۔ عورت کی
نسبت فرمایا کہ جو عورت بغیر لاعلاج ضرورت کے اور بغیر سخت حالت کے اپنے شوہر

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۲۴۸	اور اُنسے کہا اُنکے نبی نے کہ بیشک اللہ نے تمھارے لیئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہی اُنھوں نے کہا کہ کیونکر اُسکو ہمپر بادشاہی ہوگی حالانکہ ہم اُس سے بادشاہی کے زیادہ مستحق ہیں اور نہ اُسکو کچھ دولت کی فراخی دیگئی ہے، اُنکے نبی نے کہا کہ بیشک اللہ نے اُسی کو تمپر منتخب کیا ہی، اور اُسکو علم اور جسم میں فراخی دی ہی اور اللہ دیتا ہی اپنا ملک جسکو چاہتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا ہے جاننے والا (۲۴۸)

سے۔ طلاق کی خواہاں ہو اُسپر جنت کی خوشبو حرام ہی۔ ہمارے پیغمبر خدا صلعم طلاق سے ایسے ناراض ہوتے تھے کہ بعض دفعہ صحابہ کو شبہ ہوا کہ طلاق دینے والے نے ایسا جرم کیا ہی کہ قتل کرنے کے قابل ہی۔ پھر ان ہدایتوں اور تہدیدوں ہی پر طلاق کے روکنے میں بس نہیں کیا، بلکہ نکاح اور ملاپ کے قائم رکھنے کی اور بھی تدبیریں فرمائیں، یعنی پوری تفریق واقع ہونے کو تین دفعہ طلاق دینا معتبر رکھا ہی اور یہ اجازت دی کہ پہلی طلاق کے بعد اگر آپسمیں صلح ہوجاوے اور رنجش مٹ جاوے اور دونوں کی محبت تازہ ہوجاوے تو پھر بدستور جورو خصم رہیں، دوسری طلاق کے بعد بھی اسیطرح وہ آپسمیں بدستور جورو خصم ہوسکتے ہیں، لیکن اگر پھر تیسری دفعہ طلاق دیجاوے تو ثابت ہوگیا کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں بہتر ہے کہ پوری تفریق ہوجاوے۔ ایسی حالت میں کہ عورت کو مرد سے کنارہ کش رہنا پڑتا ہی طلاق دینے، کو منع فرمایا اس امید پر کہ شاید زمانہ مقاربت میں محبت والفت کی ایسی تحریک ہو کہ خیال طلاق کا دل سے جاتا رہے، پس یہ تمام احکام

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۹﴾

اور اُنکو اُنکے نبی نے کہا کہ بیشک اُسکی بادشاہی کی نشانی یہ ہو کہ تمھارے پاس صندوق جسمیں ایک تسکین ہے تمھارے پروردگار سے اور (جسمیں) اُسمیں کا بقیہ ہو جو آل موسیٰ اور آل ہارون نے چھوڑا ہو آجاویگا اُٹھالا وینگے اُسکو فرشتے بیشک اسمیں البتہ نشانی ہو تمھارے لیئے اگر تم ایمان والے ہو (۲۴۹)

نہایت خوبی و عمدگی و اعتدال سے فطرت انسانی کے مطابق ہیں، خدا نے اُن احکام کی نسبت فرمایا کہ یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدیں ہیں اُنکو توڑنا نہیں چاہیئے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہو کہ یہ حدیں کچھ دیواریں یا خندقیں نہیں ہیں بلکہ یہ حدیں فطرت انسانی کی حدیں ہیں جنکو توڑنا انسانیت کی حد سے خارج ہونا ہو پس جو لوگ مسئلہ طلاق پر معترض ہیں جب وہ اُسکو بخوبی سمجھینگے اور فطرت انسانی پر غور کرینگے تو بالیقین جانینگے کہ بلاشبہ یہ حکم اُسی کا ہو جسنے فطرت انسانی کو بنایا ہے ؛

۲۴۴ (اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا) اس آیت سے نہیں معلوم ہوتا کہ اسمیں کن لوگوں کا ذکر ہو مفسرین نے لفظ موتوا اور لفظ احیا ء سے یہ قیاس کیا کہ یہ لوگ حزقیل نبی کے وقت میں تھے، حزقیل نبی کا ایک قصہ مُردوں کی ہڈیوں کے دیکھنے اور پھر اُنکے زندہ ہونیکا حزقیل نبی کی کتاب میں مندرج ہو، ہمارے ہاں کے مفسروں نے صرف اُن دو لفظوں سے ایک قصہ مثل قصہ حزقیل بنالیا ہو جو محض غلط ہو اور حذر الموت کے لفظ سے اُنھوں نے وبا سے اُن لوگوں کا اپنا ملک چھوڑ کر چلا جانا قرار دیا ہے مگر اس تفسیر کی کوئی سند نہیں ہو صرف اُسی غلط خیال پر یہ تفسیر بیان کی ہے ؛

حذر الموت کے لفظ سے بسبب وبا کے اُن لوگوں کا ملک سے چلا جانا ایک نہایت غلط قیاس

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

پھر جب آگے بڑھ گیا طالوت اپنے لشکر سمیت تو اُسنے کہا کہ بیشک اللہ تمکو مبتلا کریگا ساتھ ایک نہر کے پھر جو کہ پیلے اُس سے تو وہ مجھ (یعنی میرے گروہ سے) نہیں ہی اور جو کوئی اُسکو نہ چکھے تو بیشک وہ مجھ سے (یعنی میرے گروہ سے) ہی مگر (پینے والوں میں سے) جسنے بھر لیا ایک چلو اپنے ہاتھ سے (وہ پہلے حکم میں داخل نہیں ہی) پھر پیلیا لوگوں نے اُسمیں سے مگر اُنہیں سے تھوڑوں نے (نہیں پیا) پھر جبکہ وہ اور وہ لوگ جو اُسپر ایمان لائے تھے اُسکے پار ہوئے تو بولے کہ ہمکو آجکے دن جالوت اور اُسکے لشکروں کے (مقابلہ کی) طاقت نہیں ہی، اُن لوگوں نے کہا جو جانتے تھے کہ بیشک وہ خدا سے ملینگے، بہت ہوا ہی کہ چھوٹا گروہ غالب ہوا ہے بڑے گروہ پر خدا کی مرضی سے اور اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے (۲۵۰)

ہی کیونکہ اسی مقام پر خدا نے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے لڑنے کی ترغیب دی ہے اور اسیلئے لڑائی میں مارے جانے کے خوف سے اُن لوگوں کا ملک کو چھوڑ کر چلا جانا مراد ہو سکتا ہے نہ کہ وبا کے ڈر سے ✤

موت اور احیا کے حقیقی معنی بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ آیت میں کوئی اشارہ اسبات کا کہ یہ امر معجزہ سے ہوا تھا اور کیا محل معجزہ دکھانیکا تھا اور کس پیغمبر نے دکھایا تھا اور کسکو دکھایا تھا مذکور نہیں ہی، اور جو کہ یہ الفاظ موقع جنگ

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥١﴾ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥٢﴾

اور جب سامنے ہوا جالوت اور اُسکے لشکر تو اُنھوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم پر (یعنی ہمارے دلوں میں) صبر ڈال اور قائم رکھ ہمارے قدم اور مدد کر ہماری کافروں کی قوم پر (۲۵۱) پھر اُنھوں نے اُنکو اللہ کی مدد سے شکست دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے اُسکو بادشاہی اور حکمت عطا کی اور اُسکو جو کچھ وہ چاہتا تھا سکھایا اور اگر اللہ کا دفع کرنا آدمیوں کو بعض آدمیوں کا بعض سے نہوتا تو تباہ ہوجاتی زمین (یعنی ملک) ولیکن اللہ فضل کرنیوالا ہی عالموں پر (۲۵۲)

میں واقع ہیں اسلیئے موت سے اُن لوگوں کی نامردی اور بزدلاپن مراد ہے جو لڑائی میں موت کے ڈر سے ملک چھوڑ گئے تھے، جیسیکہ عام محاورہ میں کہتے ہیں کہ اگر یہ بات نہیں کرتے تو اچھا مرو یعنی مصیبت میں پڑے رہو خدا نے اور جگہ بھی موت کے لفظ کو اُنہی معنوں میں استعمال کیا ہی جہاں فرمایا ہی کہ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ، یعنی اپنے غصہ میں مرو یعنی تباہ وخستہ دل رہو، اور احیا کے لفظ سے اُنکے دل میں قوت آنا اور لڑنے پر آمادہ ہونا اور دشمن کو شکست دینے پر قادر ہونا مراد ہے، اور اسی تمثیل پر مسلمانوں کو دوسری آیت میں دشمنوں سے لڑنے اور دل کو مضبوط رکھنے کی ترغیب دی ہی پس موت واحیا سے حقیقی موت وزندگی سمجھنا اور تمام قصہ کو حزقیل نبی کے فرضی قصہ پر جو حزقیل کی کتاب میں ہی محمول کرنا بہت بڑی غلطی ہے ٭

بلاشبہ جبکہ قرآن مجید میں اُن لوگوں کا زیادہ حال بیان نہیں ہوا ہی تو مفسر کا

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾	یہ نشانیاں ہیں اللہ کی ہم اُنھیں تجھکو پڑھ سُناتے ہیں برحق اور بیشک تو رسولوں میں سے ہے (۲۵۲)

صرف یہ کام ہو کہ تاریخی گذشتہ واقعات پر خیال کرے اور دیکھے کہ کون سے تاریخی واقعہ سے زیادہ مناسبت معلوم ہوتی ہے اور کوئی قرینہ اُس واقعہ سے آیت کے متعلق کرنیکا ہے یا نہیں اور اسطرح آیت کا تعلق اُس واقعہ سے قرار دے۔ اسمقام پر قرآن مجید میں اُن واقعات کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل اور مدیانیوں اور فلسطینیوں میں واقع ہوئے تھے اور اسلیئے قیاس کرنے کو صریح موقع ہو کہ اس آیت میں بھی اُنہی واقعات میں سے کسی واقعہ کا ذکر ہے ؛

مدیانیوں کے ‡ ہاتھ سے بنی اسرائیل نے سخت شکست پائی تھی اور اپنا گھر چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گئے تھے اور سات برس تک اُنپر یہ مصیبت رہی۔ پھر جدعون نبی اُنمیں مبعوث ہوئے اور اُنھوں نے اُنکو لڑائی پر ترغیب دی اور اُنکا دل مضبوط کیا اور مدیانیوں پر اُنھوں نے فتح پائی۔ پس خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ جو لوگ لڑائی میں موت کے ڈر سے بھاگے وہ ایسی بدتر حالت کو جو مرنے کے برابر ہے پہنچ گئے تھے، پھر اللہ نے اُنکو ہمت و جرأت سے زندہ کیا اور فتحمند و خوشحال ہوئے، اسیطرح مسلمانوں کو بھی موت کے ڈر سے بُزدلی و نامردی جو موت کے برابر ہو اختیار کرنی نہیں چاہیئے بلکہ اپنے دشمنوں سے لڑنا اور بہادری و دلیری و استقلال کو کام میں لانا چاہیئے ؛

۲۴۷ (اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ) اس آیت سے لغایت آیت ۲۹۲ طالوت و جالوت کی لڑائیوں کا ذکر ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ بنی اسرائیل میں شموئیل نبی تھے اور ان آیتوں میں پانچ واقعوں کا بیان ہے ؛

‡ دیکھو توریت میں کتاب قضات باب ششم۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (۲۵۳)

یہ رسول ہیں فضیلت دی ہے ہمنے اُن میں بعض کو بعض پر اُنمیں سے وہ ہی جس سے خدا نے کلام کیا اور اُنمیں بعضوں کے درجے بلند کیے اور دیں ہمنے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں اور ہمنے اُسکی مدد کی ساتھ روح قدس کے اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑمرتے وہ لوگ جو اُنکے بعد ہوئے بعد اُسکے کہ اُنکے پاس نشانیاں بھی آئیں ولیکن اُنھوں نے اختلاف کیا پھر اُنمیں سے بعض وہ ہی جو ایمان لایا اور اُن میں سے بعض وہ ہی جو کافر ہوا اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑمرتے ولیکن اللہ کرتا ہی جو چاہتا ہی (۲۵۴)

(۱) بنی اسرائیل کا اپنے نبی سے درخواست کرنا کہ اُنپر کوئی بادشاہ مقرر کریں ۞
(۲) شموئیل نبی کا بنی اسرائیل پر طالوت کو بادشاہ مقرر کرنا ۞
(۳) تابوت سکینہ کا طالوت کے عہد میں بنی اسرائیل کے پاس آجانا ۞
(۴) طالوت کے لشکر کو دریا کے پانی سے منع ہونا ۞
(۵) فلسطینیوں کا شکست پانا اور جالوت کا داؤد کے ہاتھ سے مارا جانا ۞

یہ تمام واقعات توریت کی کتاب شموئیل میں مندرج ہیں مگر تیسرے اور چوتھے واقعہ میں کسیقدر اختلاف ہی یعنی کتاب شموئیل میں تابوت سکینہ کا طالوت کے عہد سے پہلے آجانا لکھا ہی اور قرآن مجید میں طالوت کے عہد میں لعد لسبب عیسائی مؤرخوں نے اعتراض کیا ہی کہ غلطی سے ماقبل کے واقعہ کو مابعد واقعہ میں شامل کر دیا ہی کتاب شموئیل سے پایا جاتا ہی کہ تابوت سکینہ بمقام شیلوہ تھا جہاں عیلی بنی اسرائیل پر حاکم تھا اُسکے عہد میں بنی اسرائیل اور فلسطینیوں میں بمقام ابن عیذر لڑائی ہوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۵﴾	اے لوگوں جو ایمان لائے ہو خرچ کرو اُس چیز میں سے جو ہمنے تمکو دی ہے قبل اسکے کہ آوے وہ دن کہ اُسمیں نہ بیچنا ہے اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور کافر وہی ظالم ہیں (۲۵۵)

اور بنی اسرائیل کی شکست ہوئی (دیکھو کتاب شموئیل ۱ باب ۴ ورس ۲) تب بنی اسرائیل نے تابوت سکینہ کو شیلوہ سے لشکر گاہ میں منگایا اور دوبارہ لڑے اور شکست عظیم ہوئی اور عیلی کے دونوں بیٹے مارے گئے اور تابوت سکینہ کو فلسطینی چھین لیگئے (دیکھو کتاب شموئیل ۱ باب ۴ ورس ۱۰ و ۱۱) عیلی بھی یہ خبر سنکر کرسی پرسے گر پڑا اور مر گیا اُس زمانہ میں شموئیل نبی ہو چکے تھے مگر اُنکی عمر چھوٹی تھی *

فلسطینی تابوت سکینہ کو مقام ابن عیزر سے جہاں سے اُنھوں نے فتح کیا تھا بمقام اشدود لیگئے اور داگون بت کے مندر میں رکھا (دیکھو کتاب شموئیل ۱ باب ۵ ورس الغایت ۵) پھر وہاں سے بمقام گت لیگئے (دیکھو کتاب مذکور ورس ۸) پھر وہاں سے بمقام عقرون لیگئے (دیکھو کتاب مذکور ورس ۱۰) اُسکے بعد فلسطینیوں نے ایک گاڑی میں دو گایوں کو جوت کر اور تابوت سکینہ کو اُسپر رکھکر جنگل میں چھوڑ دیا اور وہ گائیں اُسکو لیکر بمقام بیت الشمس چلی آئیں اور یوشع کے کھیت میں جا کھڑی ہوئیں اُسنے تابوت اُتار لیا اور اپنے ہاں رکھا (دیکھو کتاب شموئیل ۱ باب ششم) کتاب شموئیل میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کی شکست ہونے اور تابوت چھین لیجانے کے سات مہینہ بعد ہوا *

اسکے بعد تابوت سکینہ قریات یعاریم میں آیا اور ابیناداب کے گھر میں بمقام گبعاہ رکھا گیا (دیکھو کتاب ۱ شموئیل باب ۷ ورس ۱) مگر کتاب شموئیل میں نہیں لکھا کہ بیت الشمس میں کسقدر مدت رہا۔ عیسائی مورخوں کے نزدیک سنہ ۱۱۴۱ قبل مسیح کے تابوت سکینہ فلسطینیوں نے چھین لیا تھا اور سنہ ۱۱۴۰ میں قریات یعاریم میں آگیا

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۶﴾	اللہ نہیں ہی کوئی معبود بجز اُسکے زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا، نہ گھیرتی ہی اُسکو اونگھ اور نہ نیند اُسیکا ہی جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہی، کون ہی وہ شخص جو شفاعت کرے اُسکے پاس مگر اُسکی مرضی سے، جانتا ہے جو کچھ اُنکے آگے ہی اور جو کچھ اُنکے پیچھے ہی، اور وہ نہیں پا سکتے کچھ بھی اُسکے علم سے بجز اُسکے جو وہ چاہے، گھیر لیا اُسکی بادشاہت نے آسمانوں کو اور زمین کو اور تھکاتی نہیں اُسکو اُنکی نگہبانی اور وہ عالی ہی بہت بڑا (۲۵۶)

وہاں آنے کے بیس برس بعد یہودیوں نے بتوں کی عبادت شموئیل نبی کی فہمائش سے موقوف کی اور خدا کی پرستش اختیار کی (دیکھو کتاب شموئیل ا باب، درس ا و ۲) اور بنی اسرائیل سے شموئیل کی سرداری میں ایک لڑائی فلسطینیوں سے ہوئی اور فلسطینیوں نے شکست کھائی۔ جب شموئیل ضعیف ہوئے تب بنی اسرائیل نے کسی بادشاہ کے مقرر کرنے کو کہا اور طالوت کو ۱۰۹۵ قبل مسیح میں بادشاہ کیا۔ کتاب شموئیل میں طالوت یعنی شاؤل اور جالوت کی لڑائی اور اُسکے مارے جانیکا ذکر ہے مگر طالوت کے لشکر کو دریا کے پانی پینے سے منع کرنیکا ذکر نہیں ہی بلکہ توریت کی کتاب قضاۃ باب ہفتم میں جدعون کے لشکر کو ایک چشمہ کے پانی پینے سے منع کیا گیا تھا اور یہ واقعہ ۱۲۴۹ قبل مسیح کے ہوا تھا اسلیئے عیسائی مورخ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں غلطی سے جدعون کے لشکر کے واقعہ کو طالوت کے لشکر کے واقعہ سے ملا دیا ہے ✦

ان دونوں اعتراضوں کے تسلیم کرنے کے لیئے جو مخالفت کتاب شموئیل پر

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۷﴾

کچھ زبردستی نہیں ہو دین میں بلاشبہ ظاہر ہوگئی ہے ہدایت گمراہی سے پھر جو کوئی منکر ہو غیر خدا کی پرستش کا اور ایمان لاوے اللہ پر تو بیشک اُسنے پکڑ لیا مضبوط ذریعہ جسکے لیئے ٹوٹنا نہیں ہے اور اللہ سننے والا ہی جاننے والا (۲۵۷)

مبنی ہیں ضرور ہو کہ کتاب شموئیل میں جو واقعات اور جو ترتیب اُن واقعات کی ہے اُنکو صحیح تسلیم کرلیا جاوے اور یہ بات بھی مان لی جاوے کہ کوئی واقعہ طالوت کے لشکر کا ایسا نہیں ہو جو کتاب شموئیل میں لکھنے سے رہگیا ہو حالانکہ خود عیسائی مورخ اِن باتوں کو تسلیم نہیں کرتے، شموئیل کی کتابوں کے مضامین میں باہم اختلاف ہو۔ کتاب اول شموئیل باب ۱۶ ورس ۲۱ و ۲۲ سے ظاہر ہے کہ طالوت داؤد سے اور اُسکے باپ یشی سے بخوبی واقف تھا، داؤد کو اُسنے باپ کے پاس سے بلایا تھا اور اپنا سلحدار کیا تھا، اُسی کتاب کے باب ہفدہم ورس ۱۵ سے ظاہر ہے کہ داؤد طالوت سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا تھا۔ لڑائی کے ہنگامہ میں جب داؤد اپنے بھائیوں کی خبر لینے آیا تو داؤد نے کہا کہ جالوت سے میں لڑونگا یہ خبر سُنکر طالوت نے داؤد کو بلایا اور گفتگو کے بعد لڑنے کی اجازت دی اور اپنی فدہ وخود و تلوار بھی دی جسکو داؤد نے لیکر پھر دیدیا (دیکھو کتاب اول شموئیل باب ۱۷ ورس ۳۱ لغایت ۳۹) مگر اُسی باب کے ورس ۵۵ میں لکھا ہو کہ جب داؤد لڑنے کو بڑھا تو طالوت نے اپنے لشکر کے سردار سے پوچھا کہ یہ جوان کسکا بیٹا ہو اور ورس ۵۸ میں لکھا ہے کہ جب داؤد نے جالوت کا سر کاٹ لیا اور طالوت کے پاس لے آیا تو طالوت نے پوچھا کہ تو کسکا بیٹا ہے۔ پس اِن آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت تک طالوت داؤد سے مطلق واقف نہ تھا ٭

اِس اختلاف کے سبب خود عیسائی مورخوں کی یہ راے ہو کہ کتاب شموئیل میں

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۷﴾

کیا تو نے بنی اسرائیل کے اُس گروہ کو نہیں دیکھا جو موسیٰ کے بعد ہوئے (یعنی حضرت شموئیل پیغمبر) جبکہ اُنھوں نے اپنے نبی کو کہا کہ ہمارے لیئے ایک بادشاہ مقرر کرتا کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں (یعنی جالوت سے) نبی نے کہا کیا تم ایسے نہیں معلوم ہوتے کہ اگر تم پر لڑائی لکھی جاوے تو تم نہ لڑوگے اُنھوں نے کہا کیوں نہ ہم لڑینگے اللہ کی راہ میں حالانکہ بیشک ہم خارج کیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں سے پھر جب اُن پر لڑائی لکھی گئی تو پھر گئے بجز تھوڑوں کے اُن میں سے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو (۲۴۷)

کے اور کچھ نہیں یا نہیں، اسلیئے اِس شریعت حقہ کے بانی نے اُس حلِ لعین اُنہی کی راے اور اُنہی کی طبیعت پر منحصر کی ہے، اور اُنھی کے اخلاق کو اُسکا قاضی بنایا ہے جسکی تسلی و موانست کے لیئے ابتدا میں عورت بطور انیس دلنواز اور مونس و غمگسار کے پیدا ہوئی تھی، اور اِس بات کا کہ وہ علاج بے محل و بے موقع بد اخلاقی اور بد خواہش نفسانی سے نکیا جاوے جہانتک کہ انسانی فطرت کے مناسب حال تھا انسداد کیا ہے۔ مردوں کو فہمایش کی ہے کہ ہمیشہ عورتوں کے ساتھ محبت رکھیں اور اُنکے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں، اُنکی سختی و بدمزاجی کو تحمل سے برداشت کریں۔ عورتوں کو فہمایش کی کہ اپنے مردوں کی تابعداری کریں، اُنکے ساتھ محبت رکھیں اُنکی وفادار رہیں۔ پھر طلاق کی نسبت فرمایا کہ گو طلاق جایز کیگئی ہے مگر کوئی چیز دنیا کے پردہ پر طلاق سے زیادہ خدا کو غصہ دلانیوالی پیدا نہیں ہوئی۔ عورت کی نسبت فرمایا کہ جو عورت بغیر لاعلاج ضرورت کے اور بغیر سخت حالت کے اپنے شوہر

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّہٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۶۰﴾

کیا تو نے اُس شخص کو نہیں دیکھا (یعنی اُسکا حال نہیں جانا) جنے جھگڑا کیا ابراہیم سے اُسکے پروردگار میں کیونکہ اللہ نے اُسکو بادشاہت دی تھی جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اُسنے (یعنی نمرود نے) کہا کہ میں جلاتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا کہ بیشک اللہ نکالتا ہے سورج کو مشرق سے پھر تو اُسکو مغرب سے نکال پھر دنگ رہگیا وہ شخص جو کافر تھا اور اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو (۲۶۰)

گید نبی کے لکھے ہوئے ہیں - ابربانیل اور کروشیس خیال کرتے ہیں کہ یہ سب کتابیں یرمیاہ نبی نے لکھی ہیں، اجان کی یہ راے ہے کہ یہ کتابیں شموئیل کے بہت زمانہ بعد یعنی قید بابل کے تیسویں سال میں لکھی گئی ہیں - اگر درحقیقت ایسا ہی ہو کہ مین ہاتھوں نے ان کتابوں کو لکھا ہو تو واقعات کا اُلٹ پلٹ ہوجانا یا بعض واقعات کا تحریر سے رہجانا ایک ایسا امر ہے جو آسانی سے خیال میں آسکتا ہے +

ہماری غرض اس بحث سے شموئیل کی کتابوں پر جرح وقدح کی نہیں ہے بلکہ صرف یہ بات ثابت کرنی ہے کہ قرآن مجید پر اسوجہہ سے کہ شموئیل کی کتابوں سے بیان میں مختلف ہے اعتراض نہیں ہوسکتا جبتک کہ اور طرح پر اُسکی غلطی ثابت نکی جاوے +

میں یہ نہیں چاہتا کہ قرآن مجید میں جو کچھ لکھا ہے اُسکی صحت پر کسیکو اسوجہہ پر مجبور کروں کہ قرآن میں لکھا ہے، بلکہ میں دونوں واقعوں پر جو قرآن و کتاب شموئیل میں مندرج ہیں بطور ایک نکتہ چین مورخ کے غور کرنا اور اُس نکتہ چینی سے دونوں قولوں میں سے ایک کو ترجیح دینا چاہتا ہوں +

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦١﴾

یا دتو نے اُس شخص کو نہیں دیکھا یعنی اُسکا حال نہیں جانا جسنے رویا میں دیکھا) کہ گویا وہ گذرا ایک شہر پر ایسی حالت میں کہ وہ سرکے بل گرا ہوا تھا اُسنے کہا کہ کیونکر زندہ کریگا (یعنی آباد کریگا اللہ اُسکو اُسکے مرجانے کے (یعنے ویران ہونے کے) بعد پھر اللہ نے اُسکو سو برس تک مرا ہوا رکھا پھر اُسکو اُٹھایا خدا نے کہا کہ کتنی دیر تک تو پڑا رہا اُسنے کہا کہ میں پڑا رہا ایک دن یا کچھ کم ایک دن کہا بلکہ تو پڑا رہا سو برس پھر دیکھ اپنے کھانے کو اور اپنے پینے کو (کیا) وہ نہیں بگڑا ہے اور دیکھ اپنے گدھے کو (کیا وہ نہیں گل گیا ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ تجھکو ایک نشانی آدمیوں کیلئے بناؤں اور دیکھ ہڈیوں کو کسطرح ہم اُنکو حرکت میں لاتے ہیں پھر اُنکو گوشت پہناتے ہیں پھر جب اُسکو یہ بات ظاہر ہوئی اُسنے کہا (حالت بیداری میں) میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۲۶۱)

تابوت سکینہ کو فلسطینی فتح کر کے چھین لیگئے تھے، کتاب سموئیل میں اُسکا واپس بھیجدینا ایسی عجیب اور کراماتی واقعوں پر مبنی کیا ہے جسکو کوئی آزاد رائے کا مورخ جو واقعات کو انسانوں کے حالات اور افعال کا نتیجہ سمجھتا ہے تسلیم نہیں کر سکتا۔ لڑائی کے شکست ہونے کے بعد بنی اسرائیل نہایت ضعیف ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ اُنھوں نے پھر قوت حاصل کی تھی، تابوت سکینہ کا دشمنوں کے ہاتھ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۲۶۲)

اور جب کہا ابراہیم نے (خواب میں) اے پروردگار مجھکو دکھا کہ کسطرح تو زندہ کریگا مردوں کو خدا نے کہا کیا تو یقین نہیں کرتا ابراہیم نے کہا کیوں نہیں ولیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہوجاوے خدا نے کہا کہ لے چار پرندوں کو پھر اُنکے ٹکڑے اپنے پاس کر ڈال پھر رکھدے ہر پہاڑ پر اُن میں سے ایک ٹکڑا پھر اُنکو بلا تیرے پاس چلے آئینگے دوڑتے ہوئے اور جان لے کہ بیشک اللہ زبردست ہی حکمت والا (۲۶۲)

میں چلا جانا بلاشبہ اُنکو نہایت رنج دیتا ہوگا اور اُنکی نہایت آرزو یہ ہوگی کہ وہ اسکو پھر اپنے دشمنوں سے واپس لیں ✦

اس شکست کے بیس برس بعد وہ فلسطینیوں سے پھر لڑے اور فلسطینیوں نے شکست پائی جس سے معلوم ہوتا ہی فلسطینی کمزور ہوگئے تھے۔ فلسطینی خوب جانتے ہونگے کہ بنی اسرائیل جبتک تابوت سکینہ اُنکے نہ ہاتھ لگے لڑائی سے باز نہیں آنیکے۔ اس عرصہ میں بنی اسرائیل کو زیادہ قوت ہوگئی اور شموئیل نبی نے تمام فرقوں کو جو عیلی کے مرنے کے بعد متفرق ہوگئے تھے اکھٹا کرلیا اور طالوت کو بادشاہ مقرر کیا اور یہ امر بنی اسرائیل کی زیادہ قوت کا اور فلسطینیوں کو جو کمزور ہوتے جاتے تھے زیادہ خوف کا باعث ہوا ہوگا اُنھوں نے سمجھا ہوگا کہ اگر تابوت سکینہ واپس کردیا جاوے تو شاید مصیبت جنگ سے حفاظت ہو جاوے اُنھوں نے جابجا اُسکو منتقل کیا اور آخرکار ایک گاڑی میں لادکر معہ زر و تحائف کے بیت الشمس کی سرحد میں جو بنی اسرائیل کا ایک شہر فلسطینیوں کی سرحد سے ملا ہوا تھا چھوڑ لئے، اور اس تمام اصلی واقعہ ... پر خیال کرنیسے

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَ اللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۶۳﴾ اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًی ۙ لَّہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۶۴﴾

مثل اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنا مال خدا کی راہ میں مانند مثال ایک دانہ کے ہے جو نکالے سات بالیں ہر بالی میں سو دانے ہے اور اللہ دو چند کر دیتا ہے جسکے لیئے چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا ہی جاننے والا (۲۶۳) جو لوگ کہ خرچ کرتے ہیں اپنا مال اللہ کی راہ میں پھر جو کچھ کہ اُنھوں نے خرچ کیا ہی اُسکا پیچھا نہیں کرتے احسان جتا کر اور نہ ایذا دیکر اُنکے لیئے اُنکا بدلا ہے اُن کے پروردگار کے پاس اور نہ اُنپر کچھ خوف ہی اور نہ وہ غمگین ہونگے (۲۶۴)

اِس بات کو کہ تابوت سکینہ طالوت کے عہد میں آیا ہوگا جیسا کہ قرآن میں مندرج ہے زیادہ ترجیح ہوتی ہے ✦

دریا کے پانی پینے سے منع کرنے کی نسبت اول ہمکو خیال کرنا چاہیئے کہ جہاں طالوت وجالوت میں لڑائی ہوئی تھی وہ کیا مقام تھا، فلسطینی مقام سوکوہ دغلیغا و آفس دمیم میں جمع ہوئے تھے، اور بنی اسرائیل وادی ایلاہ میں، دونوں لشکروں کے درمیان دریائے شورق واقع تھا فلسطینی اُسکے بائیں کنارہ پر یعنی جانب جنوب تھے اور بنی اسرائیل اُسکے داھیں کنارہ پر یعنی جانب شمال تھے اور بنی اسرائیل نے دریا کو عبور کر کے فلسطینیوں پر حملہ کیا تھا پس قرآن مجید کے اِن لفظوں کی کہ "اِنَّ اللّٰہَ مُبۡتَلِیۡکُمۡ بِنَہَرٍ" جغرافیہ و تاریخ سے بخوبی تصدیق ہوتی ہے ✦

باقی رہا اُسکے پانی پینے سے منع کرنا۔ ہر شخص جو لڑائیوں کے حالات سے واقف ہے اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہی کہ جب ایک قوم دوسری قوم پر فوج کشی کرتی ہی تو

قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَۃٌ خَیۡرٌ مِّنۡ صَدَقَۃٍ یَّتۡبَعُهَاۤ اَذًی ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیۡمٌ ﴿۲۶۵﴾	بات اچھی کہنی اور معاف کرنا بہتر ہے ایسی خیرات سے جسکے پیچھے رنج دینا ہو اور اللہ غنی ہے بردبار (۲۶۵)

ہر ایک شخص اُسکی قوم کا بہادر اور غیر بہادر اور بزدل چلا اور بزدل کا بود اقومی لحاظ سے اُسکے ساتھ ہو لیتا ہو۔ لیکن جب وقت حملہ کرنیکا آتا ہی تو سپہ سالار ایک طریقہ ایسے لوگوں کے انتخاب کرنیکا مقرر کرتا ہی جسکے سبب حملہ میں وہی لوگ شریک رہیں جو نہایت بہادر اور دل چلے ہوں اور درحقیقت اپنی دلی جوش سے لڑائی میں شریک ہوتے ہوں۔ جب جدعون نے مدیانیوں پر فوج کشی کی تھی تو اُسنے حملہ کے وقت یہ قرار دیا تھا کہ جو شخص اُس چشمہ سے جو اُسکے لشکر کے پاس تھا پانی پی لے وہ حملہ میں شریک نہو اور جو نہ پیئے بلکہ صرف ہاتھ بھیگو کے زبان کو تر کرلے وہ حملہ میں شریک رہے۔ اِس سے مقصود صرف یہ تھا کہ جن لوگوں کو لڑنے اور جان دینے میں تذبذب ہو وہ چھٹ جائیں اور جو بالکل لڑنے اور مرنے پر آمادہ ہوں وہ حملہ میں شریک رہیں۔ اگرچہ شبہ ہی کہ جہاں جدعون کی مدیانیوں سے لڑائی ہوئی تھی وہاں کوئی چشمہ نہیں تھا اور اسلئے کتاب قضات میں طالوت کا واقعہ جدعون کے قصہ سے ملا دیا ہے لیکن اگر اُسکو جدعون ہی کے وقت کا واقعہ تسلیم کرلیا جاوے تو طالوت کو یہ واقعہ ضرور معلوم ہوگا اور اتفاق سے طالوت کا لشکر بھی دریا کے کنارہ پر پڑا تھا اور دریا کے پار اُتر کر حملہ کرنا قرار پایا تھا ہر طرح پر یقین کرنیکا موقع ہی کہ طالوت نے بھی اُسی طریقہ پر اُن لوگوں کا جو حملہ میں دل سے شریک ہونے کو تھے انتخاب کرنا چاہا ہوگا اور وہی طریقہ انتخاب کا اختیار کیا ہوگا جو جدعون نے اختیار کیا تھا۔ ہاں کتاب شموئیل میں اِس انتخاب کا ذکر نہیں ہی لیکن جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے کتاب شموئیل میں اُسکا ذکر نہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ واقعہ نہوا ہو۔ عیسائی مورخوں نے کج بحثی سے یہ اعتراض کیا ہی کہ قرآن مجید میں جدعون کے قصہ کو طالوت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۲۶۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ ملیامیٹ کرو اپنی خیراتوں کو احسان جتانے سے اور رنج دینے سے اُس شخص کی مانند جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھلا دے کو اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور اخیر دن پر تو اُسکی مثال ایسی ہے جیسے پتھر جس پر کچھ مٹی ہو پھر پڑے اُسپر زور کا مینھ اور چھوڑ جائے اُسکو صفاچٹ، وہ کسی چیز پر جو اُنھوں نے کمائی ہے قدرت نہیں رکھتے اور اللہ ہدایت نہیں کرتا کافروں کی قوم کو (۲۶۶)

کے قصہ میں ملادیا ہے۔ پس یہ اعتراض کرنیوالوں کی غلطی ہے کیونکہ تمام واقعات کو خیال کرنے سے اسبات کا یقین ہوتا ہے کہ جدعون کے عہد میں جو واقعہ ہوا ہو وہ علٰحدہ ہوا اور طالوت کے عہد میں جو واقعہ ہوا اور جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ علٰحدہ ہے۔ اور کم سے کم اسمیں تو کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اُس زمانہ کے یہود جب قرآن مجید نازل ہوا اس واقعہ کا طالوت کے عہد میں بھی واقع ہونیکا یقین رکھتے تھے کیونکہ اگر ایسا نہوتا تو اُنہی کے مقابلہ میں قرآن مجید میں علانیہ ایسا بیان نہیں ہو سکتا تھا ✝

آیتیں جنمیں یہ قصہ مذکور ہے نہایت صاف ہیں صرف ایک مقام تفسیر کے قابل ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ ،، طالوت کے عہد سلطنت میں تابوت سکینہ کو فرشتے اُٹھا لاوینگے ،، تحمله الملائكة۔ جالوت نے جب لڑائی میں مغلوب ہونے کے ڈر سے تابوت سکینہ کو بنی اسرائیل کے ملک میں بھیجنا چاہا تو اُسکو بیلوں کی گاڑی پر لادکر بنی اسرائیل کے ملک کی سرحد میں چھوڑ دیا تھا یہ قصہ سموئیل کی کتاب میں ہے۔ ہمارے علماء مفسرین نے کہدیا کہ اُن بیلوں کو جنپر کوئی ہانکنے والا نہ تھا فرشتے ہانکا

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۲۶۷

اور مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنا مال اللہ کی رضامندی چاہنے کو اور اپنے دلی اعتقاد سے مانند مثال ایک باغ کے ہی جو بلندی پر ہو پڑے اُسپر زور کا مینھ پھر وہ اپنے پھل دو چند لادے اور اگر اُسپر زور کا مینھ نہ پڑے تو شبنم ہی اُسکو کافی ہے اور اللہ اُس چیز کو جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے (۲۶۷)

لائے تھے اور یہی معنی ،، تحملہ الملائکہ ،، کے قرار دیئے بعض عالموں نے سمجھا کہ یہ معنی تو ٹھیک تحملہ کے لفظ کے چسپاں نہیں ہوتے اُنھوں نے یہ قیاس لگایا کہ موسیٰ کے بعد سے تابوت سکینہ کو دنیا سے اوپر فرشتے ادھر اُٹھائے ہوئے تھے پھر طالوت کو لاکر دیدیا، یہ سب غلط قیاسات ہیں آیت کا مطلب صاف ہی کہ بنی اسرائیل کو تابوت سکینہ کے ہاتھ آنے کی بڑی خواہش تھی شموئیل پیغمبر نے جب طالوت کو بادشاہ مقرر کیا تو فرمایا کہ اُسکی بادشاہت میں تابوت سکینہ آجاویگا، اور چونکہ اُسکا ہاتھ آنا نہایت مشکل معلوم ہوتا تھا اسلیئے اُنھوں نے کہا کہ اُسکو فرشتے اُٹھاوینگے جیسیکہ ایسے موقع پر بطور تقویت قلب کے بولا جاتا ہے ؞

۲۶۱ (اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ) قبل اسکے کہ اس آیت کی تفسیر بیان کیجاوے لفظ ،، کالذی ،، میں جو حرف کاف ہی اُسپر جو بحث ہی وہ بیان کرنی چاہئیے علماء نحو میں سے کسائی اور فرا اور ابو علی فارسی کا یہ قول ہی کہ اس سے پہلی آیت میں جہاں فرمایا ہی کہ ،، الم تر الی الذی حاج ابراھیم ،، وہاں بھی ،، الذی ،، کی جگہ ،، کالذی ،، مراد ہی اور پھر اس آیت میں جو ،، او کالذی ،، آیا ہی اُسکا عطف پہلی آیت کے معنوں پر ہے نہ لفظ پر۔ یہ بحث تو صرف سیاق عبارت سے اور ایک نحوی قاعدہ سے متعلق ہی اس بحث سے یہ مطلب حل نہیں ہوتا کہ الذی پر کاف تشبیہ لانے سے جو یہ معنی ہوگئے

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾	کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اُسکا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں اُسکے نیچے نہریں اور اُس شخص کیلیے اُس باغ میں ہر طرح کے میوے ہوں اور اُس شخص پر بوڑھاپا آگیا ہو اور اُسکی اولاد ناتواں ہو پھر اُس باغ پر لو کا جھوکا آیا جسمیں آگ تھی پس اُسنے جلا دیا، اسیطرح بیان کرتا ہی اللہ تمھارے لیے نشانیاں تاکہ تم فکر کرو (۲۶۶)

ہیں کہ، اُس شخص کی مانند، تو مانند کے کہنے سے کیا مطلب ہے۔ اخفش نے اِس بحث کو نہایت مختصر کر لیا ہی اور یہ کہا ہی کہ یہاں کاف زائد ہی مگر کاف کے زائد لانیکی اور اُسکے زائد ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی صاف بات تھی کہ پہلی آیت میں بتایا تھا کہ ،، کیا تو نے نہیں دیکھا اُس شخص کو جسنے ابراہیم سے جھگڑا کیا، اور دوسری آیت میں فرمایا کہ ،، کیا تو نے نہیں دیکھا اُس شخص کو جو ایک قریہ میں گذرا، پھر دوسری جگہ کاف زائد لانے کی اور مانند اُس شخص کے جو ایک قریہ میں گذرا کہنے کی کیا حاجت تھی۔ مبرد نحوی دوسری آیت میں چند لفظ محذوف مانتا ہی اور اُسکا قول ہی کہ تقدیر آیت کی یوں ہے ،، ءلم تر الی من کان کالذی مر علی قریۃ ،، یعنی تو نے کیا نہیں دیکھا اُس شخص کو جو تھا مثل اُس شخص کے جو ایک قریہ پر گذرا، مگر اِس سے بھی آیت کا مطلب نہیں کھلتا اور یہی سوال باقی رہتا ہی کہ مثل اُس شخص سے کیا مطلب ہے ؛

صاحب بیضاوی نے غالباً اُن مشکلات کو خیال کیا ہی اور ایک فعل بیان کرنے سے اپنی دانست میں اِس مشکل کو حل کیا ہی اور لکھا ہی کہ ،، او کالذی مر علی قریۃ ،، حضرت ابراہیمؑ کا قول ہی اور سوال مقدر کا جواب ہے، یعنی جب نمرود نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ میں زندہ کرتا ہوں ،، تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اگر تو زندہ کرتا ہی تو اسطرح زندہ کر جسطرح کہ خدا نے اُس شخص کو زندہ کیا تھا جو ایک قریہ پر گذرا تھا، اِس تفسیر کے مطابق تقدیر آیت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (۲۶۹) وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (۲۷۰) اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۲۷۱)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو خرچ کرو پاک کمائی میں سے جو تمنے کمایا ہے اور اُسمیں سے جو ہمنے تمھارے لیئے زمین میں سے نکالا ہے اور مت ارادہ کرو کہ اُسمیں سے خراب کو خرچ کرو (۲۶۹) اور تم بھی تو اُس خراب کو نہیں لیتے مگر یہ کہ چشم پوشی کرو اُسمیں اور جان لو کہ بیشک اللہ غنی ہے تعریف کیا گیا (۲۷۰) شیطان تمکو وعدہ دیتا ہے محتاجی کا اور تمکو حکم کرتا ہے بیحیائی کا اور اللہ تمکو وعدہ دیتا ہے اپنی بخشش کا اور فضل کا اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا (۲۷۱)

کی یہ ہوتی ہے کہ ،،ان کنت تحیی فاحیی کاحیاء اللہ الذی مر علی قریۃ،، نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ لفظ کاف سے اُس شخص کی مانند مراد نہیں بلکہ جسطرح وہ زندہ ہوا تھا اُس طرح زندہ کرنے کی مانند مراد ہے ۔ اور پھر قاضی بیضاوی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو زندہ ہوا تھا یا تو عزیر تھے یا خضر تھے یا کوئی کافر منکر بعث تھا ۔ عزیر تو ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کے بہت بعد ہوئے ہیں ۔ اور یہ معلوم نہیں کہ قاضی صاحب نے خضر سے مراد کس سے لی ہے اور یہ واقعہ خضر پر کب گذرا تھا ۔ اور نہ یہ معلوم کہ وہ کافر منکر بعث کون تھا رجماً بالغیب جو کچھ جی میں آیا یا سُنا لکھدیا ، راوی کی روایت (گو وہ کیسی ہی صحیح البطلان ہو) تفسیروں میں قصوں کے لکھدینے کو کافی ہے ، پس یہ قول حضرت ابراہیمؑ کا کسیطرح نہیں ہو سکتا +

اگر قرآن مجید کا ٹھیک ٹھیک ادب کیا جاوے اور اُسکو ویو ویری کا قصہ نہ قرار دیا جاوے جیسکہ عجائب پسند مسلمان قرار دیتے ہیں تو آیت کے معنی نہایت صاف ہیں ۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ کاف حرف تشبیہ کا ہے اور ،کان، بھی اُسی

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٧٢﴾ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٧٣﴾

حکمت عطا کرتا ہے جسکو چاہتا ہے اور جسکو حکمت عطا کیگئی تو بیشک اسکو بہت سی بھلائیاں عطا ہوئیں اور نصیحت نہیں پکڑتے مگر عقل والے (۲۷۲) اور جو کچھ خرچ کیا تمنے خرچ میں سے یا نذر مانی تمنے نذر ماننے سے تو بیشک اللہ اسکو جانتا ہے اور ظالموں کیلئے کوئی مددگار نہیں ہے اور اگر تم اپنی خیراتوں کو ظاہر کرو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اُنکو چھپاؤ اور اُنکو فقیروں کو دیدو تو وہ بھی تمہارے لئے اچھا ہے اور دور کریگا تم سے تمہارے گناہوں میں سے اور اللہ اُسچیز کو جو تم کرتے ہو جانتا ہے (۲۷۳)

کاف تشبیہ سے بنا ہے اور کاف تشبیہ کو بسبب کسی ضرورت کے مثلاً بغرض اہتمام تشبیہ یا تبدیل سیاق کلام یا کسی اور ضرورت کے مشبہ بہ سے جدا کرکے مقدم کردینا جائز ہے مثلاً "زید کالاسد" سے جب کاف تشبیہ کو کسی سبب سے جدا کرکے مقدم کریں تو یوں کہینگے "کان زیدا الاسد" اسمقام پر بھی الذی مشبہ بہ نہیں ہے بلکہ اُس سے اُس شخص کے مرور کی تشبیہ یا تمثیل مراد ہے پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ "المتر الی الذی کانہ مر علی قریۃ" یعنی کیا نہیں دیکھا تونے اُس شخص کو جو گویا کہ گذرا تھا ایک قریہ پر، درحقیقت وہ شخص گذرا نہیں تھا بلکہ اُسنے رویا میں دیکھا تھا کہ میں ایک قریہ پر گذرا ہوں جو ویران پڑا ہے اور جو تقدیر آیت کی ہمنے بیان کی ہے اُس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُس شخص کا حال بیان کیا جاتا ہے جو یہ سمجھا تھا کہ گویا میں ایک قریہ میں گیا ہوں اور اسطرح کا بیان صریح دلالت کرتا ہے کہ وہ رویا کا واقعہ ہے۔ مگر نحوی قاعدے کے موافق "کان" کا لفظ الذی موصول کے صلہ میں واقع نہیں ہو سکتا اس ضرورت سے

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

(اے محمد) اُنکی ہدایت کا تیرا ذمہ نہیں ہے ولیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسکو چاہتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو خیرات سے تو تمہارے ہی لیئے ہے اور تم نہ خرچ کروگے مگر اللہ کی خاص رضامندی چاہنے میں اور جو کچھ کہ خرچ کروگے تم خیرات سے پورا پہنچایا جائیگا تمہارے پاس اور تم مظلوم نہو گے، خیرات اُن فقیروں کیلئے ہے جو روکی ہوتے ہیں (یعنی سوال کرنیسے) اللہ کی راہ میں نہیں استطاعت رکھتے چلنے کی زمین میں (یعنی سفر کرنے کی) گمان کرتا ہے نادان اُنکو دولتمند سوال سے باز رہنے کے سبب سے، تو اُنکو پہچانتا ہے اُنکے چہرے سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر، اور جو کچھ کہ تم خرچ کروگے خیرات سے تو بیشک اللہ اُسکا جاننے والا ہے (۲۷۳)

حرف تشبیہ یعنی لفظ کاف کو مقدم لانا پڑتا تھا اور وہ مقدم نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اُسکی اسم وخبر صلہ کے جزو تھے اسلیئے حرف کاف جو اصل لفظ تشبیہ کا تھا وہ اُسکی جگہ مقدم کیا گیا*

قرآن مجید میں اُس شخص کا جسکا رویا یہاں بیان ہوا ہے ذکر نہیں ہے اور نہ اُس قریہ کا ذکر ہے جسمیں گذرنا اُس شخص نے رویا میں دیکھا تھا غالباً اُس قریہ کے تعین کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اُس شخص نے رویا میں دیکھا ہو گا کہ میں ایک قریہ میں گذرا ہوں جو ویران پڑا ہے البتہ اُس شخص کی جسنے یہ رویا دیکھا اُسکی تعیین کرنی چاہیئے غالباً آنحضرت کے زمانہ میں اُس شخص کے نام کو ہر کوئی جانتا ہو گا مگر اب ہمارے پاس

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲۷۵)	جو لوگ کہ خرچ کرتے ہیں اپنا مال رات کو اور دن کو چھپواں اور ظاہر تو اُنکے لیئے اُنکا بدلا ہے اُنکے پروردگار پاس اور نہ خوف ہی اُنپر اور نہ وہ غمگین ہونگے (۲۷۵)

اُس شخص کا نام متعین کرنے کو بجز روایات اور تاریخی واقعات کے اور کچھ نہیں ہے، تاریخی واقعات سے جہاںتک کہ تحقیق ہو سکتے ہیں اور جنپر اعتماد ہو سکتا ہو اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت نحمیاہ نبی تھے +

توریت میں جو واقعات بیت المقدس کی ویرانی کے لکھے ہیں اور جو زمانہ اُنکا قرار دیا ہو اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخت نصر نے ۵۹۰ قبل مسیح میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور ۵۸۶ قبل مسیح میں بیت المقدس کو فتح کر لیا اور معبد کو جلا دیا اور بیت المقدس کو ویران کر دیا مگر کیخسرو بادشاہ ایران نے غلبہ پاکر یہودیوں کو قید بابل سے آزاد کیا اور ۵۳۶ قبل مسیح کے اُنھوں نے بیت المقدس میں واپس آکر قربانیاں کیں اُسکے بعد کسی بادشاہ نے یہودیوں کو بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دی اور کسی نے پھر منع کر دیا پھر ۵۱۸ قبل مسیح میں دارا نے بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دیدی مگر ہامان کی دشمنی سے حرج پڑتا رہا +

۴۵۷ قبل مسیح کے عزیر پیغمبر بیت المقدس میں گئے اور یہودیوں کی بھلائی کا زمانہ شروع ہوا مگر بیت المقدس اُسیطرح جلا ہوا اور ڈھیا ہوا پڑا تھا حضرت نحمیا نبی کو اُسکا نہایت رنج تھا اُنھوں نے خدا سے بہت التجا اور دعا کی کہ وہ کسیطرح پھر تعمیر ہو، ایک دفعہ ارتحششتا بادشاہ کے حضور میں حاضر تھے بادشاہ نے پوچھا کہ تم کیوں رنجیدہ ہو اُنھوں نے کہا کہ میں کیونکر رنجیدہ نہوں کہ وہ شہر جسمیں ہمارے بزرگوں کے مزار ہیں ویران پڑا ہے اور اُسکے دروازے آگ سے جلے پڑے ہیں، بادشاہ نے پوچھا کہ پھر تو کیا چاہتا ہے حضرت نحمیا نے کہا کہ آپ مجھکو وہاں جانے دیں تاکہ میں

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۶﴾	جو لوگ کہ سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہونگے مگر جسطرح کہ کھڑا ہو وہ شخص جسکو مخبوط کر دیا ہو شیطان نے چھونے سے، یہ اسلیئے ہو (یعنی انکا خبط یہ ہی) کہ وہ کہتے ہیں کہ بیچنا بھی تو مثل سود ہی لینے کے ہو اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہو اور سود کو حرام پس جسکے پاس کہ اُسکے پروردگار سے کوئی نصیحت آوے تو وہ باز رہے پھر اُسکے لیئے ہو جو کچھ کہ گذرا اور اُسکا کام خدا کے حوالہ ہے اور جنے کہ پھر کیا تو وہ آگ میں پڑنیوالے ہیں وہ اُسی میں ہمیشہ رہینگے (۲۷۶)

اُسکو پھر تعمیر کروں، بادشاہ نے اجازت دی اور ایک میعاد مقرر کی کہ اس عرصہ میں تعمیر کرکے واپس آجاتا۔

جب حضرت نحمیا بیت المقدس کی تعمیر میں مصروف تھے تو لوگ اُنپر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ کیا وہ بیت المقدس کو بنا لینگے اور اُسکے پتھروں کو جو جلے ہوئے اور خاک کے ڈھیروں کے تلے جمع ہیں نکال لینگے۔ کتاب نحمیا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نحمیا کو بیت المقدس کی تعمیر کی بڑی فکر تھی اور خدا کے سامنے ہمیشہ التجا اور دعا کیا کرتے تھے، بلاشبہ اُنکے دل میں یہ بات گذری ہوگی کہ اس شہر کے مرجانے یعنی ویران ہوجانے کے بعد کسطرح اللہ تعالیٰ اُسکو زندہ یعنی آباد کریگا۔ انھیں تردّدات اور خدا سے التجا کرنے کے زمانہ میں جیسا کہ مقتضائے فطرت انسانی ہے حضرت نحمیا نے رویا میں دیکھا اور اُنکو تسلی ہوئی کہ بیت المقدس آباد اور تعمیر ہوجاویگا اُسی رویا کا ذکر اس آیت میں ہو اور وہ رویا یہ ہو کہ اُنھوں نے دیکھا کہ میں ایک قریہ میں گیا ہوں جو بالکل ڈھیا ہوا اور ویران پڑا ہی رویا ہی میں

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۲۷۷) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۲۷۸)	مٹاتا ہی اللہ سود کو اور بڑھاتا ہی خیراتوں کو اور اللہ نہیں دوست رکھتا کسی کفر کرنیوالے گنہگار کو، بیشک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیئے ہیں اور پڑہتے رہے ہیں نماز اور دیتے رہے ہیں زکوۃ اُنکے لیئے اُنکا بدلا ہی اُن کے پروردگار کے پاس اور نہ ڈر ہی اُنپر اور نہ وہ غمگین ہونگے (۲۷۷) اے لوگوں جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور چھوڑدو جو کچھ کہ باقی رہا ہی سود سے اگر تم ایمان والے ہو (۲۷۸)

اُنھوں نے کہا کہ اس قریہ کے سطرح مرجانے یعنی ویران ہوجانے کے بعد کسطرح خدا اسکو زندہ یعنی آباد کریگا اُسی حالت میں اُنھوں نے دیکھا کہ میں مرگیا ہوں اور پھر جی اُٹھا ہوں رویا میں اُنسے کسی نے کہا کہ کتنی دیر تک تم پڑے رہے اُنھوں نے کہا کہ ایکدن یا ایکدن سے کچھ کم اُسنے کہا کہ تم سو برس تک پڑے رہے اپنے کھانے اور اپنے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ تو نہیں بگڑیں اور اپنے گدھے کو دیکھو کہ اُسکا کیا حال ہوگیا ہی اور دیکھ کہ پھر اُسکی ہڈیاں کسطرح ملتی ہیں اور کسطرح اُنکے اوپر گوشت چڑھتا ہے اس عجیب رویا سے اُنکو تسلی ہوئی کہ بیت المقدس ضرور تعمیر ہوجاویگا پس یہی قصہ جو خدا کی قدرت اور حکمت اور عظمت کو جتاتا ہی اس آیت میں بیان ہوا ہی ؂

ہمارے مفسروں کی عادت ہی کہ سیدھی بات کو بھی ایک عجوبہ بات بناکر بیان کرتے ہیں اور سُنی سُنائی باتیں نا تحقیق اور قصے اور کہانیاں اُسمیں شامل کردیتے ہیں اسیطرح اسمیں بھی کیا ہی، باایں ہمہ جب اُن تمام باتوں پر غور کیا جاتا ہی تو جو اصل بات ہی وہ بھی اُسمیں سے نکل سکتی ہی چنانچہ اس مقام پر بھی جو روایت ابن عباسؓ کے نام سے تفسیر کبیر میں بیان کی ہی اُس سے پایا جاتا ہی کہ یہ تمام واقعہ جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہی

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ
فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ
وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾ وَاِنْ كَانَ
ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ
وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ
فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ
بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ

پھر اگر تم نہیں کرتے تو اجازت دو لڑائی کرنیکی
اللہ سے اور اسکے رسول سے اور اگر تم توبہ کرو تو تمہارے
لئے تمہارا راس المال ہے (یعنی زر اصل) نہ تم ظلم کرو
اور نہ تم پر ظلم کیا جائیگا۔ (٢٧٩) اور اگر کوئی (یعنی
مقروض) تنگدست ہو تو انتظار کرنا چاہئے فراخی تک
اور تمہارا خیرات کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر
تم جانتے ہو (٢٨٠) اور ڈرو اُس دن سے جسمیں
خدا کیطرف رجوع کروگے پھر پورا دیا جائیگا ہر شخص کو
جو کچھ اُسنے کمایا ہے اور وہ مظلوم نہونگے۔ (٢٨١)
اے لوگوں جو ایمان لائے ہو جب تم لین دین کرو
قرض کا کسی مقررہ میعاد تک تو اُسکو لکھ لو اور چاہئے
کہ تمہارے بیچمیں کوئی لکھنے والا انصاف سے لکھ لے

وہ ایک رویا تھا اُس روایت میں بجائے حضرت نحمیا کے حضرت عزیر کا نام لکھا ہی ممکن
ہے کہ وہ خواب دیکھنے والے حضرت عزیر ہی ہوں مگر تاریخ سے مطابقت کرنے سے
حضرت نحمیا کا ہونا زیادہ تر قرین قیاس معلوم ہوتا ہی اُسی روایت میں لکھا ہی کہ جب
وہ بیت المقدس میں پہنچے تو وہاں انجیر اور انگور پھل رہے تھے اُنھوں نے انجیر اور
انگور کھائے اور انگوروں کو نچوڑ کر انکا شیرہ پیا اور سو رہے اور سوتے ہی کی حالت
میں خدا تعالیٰ نے اُنکو مردہ کر دیا اور سو برس تک مرے پڑے رہے ان لفظوں سے
صاف ثابت ہوتا ہی کہ علما متقدمین کی بھی یہ رائے تھی کہ یہ واقعہ حالت نوم میں گذرا
تھا جسکو ہمنے سیدھی طرح رویا سے تعبیر کیا ہے باقی قصہ جو اس روایت میں لکھا ہے
محض بے اصل ہے جسکے لئے کوئی سند نہیں ہے ؎
قرآن مجید کا سیاق کلام اسطرح پر واقع ہوا ہی کہ جو قصّے اُسمیں بیان کیئے گئے ہیں

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ	اور انکار نہ کرے کاتب یہ کہ لکھے جیسا کہ سکھایا ہے اسکو اللہ نے پس چاہیئے کہ لکھے وہ شخص جسکے اوپر حق (یعنی قرض) ہو اور چاہیئے کہ ڈرے اپنے پروردگار اللہ سے اور نہ نقصان کرے اسمیں سے کچھ پس اگر وہ شخص جسپر حق (یعنی قرض) ہو بیوقوف ہو یا ضعیف ہو یا خود تحریر نہ کرسکتا ہو پس چاہیئے کہ لکھے اسکا ولی انصاف سے اور گواہ کرلو دو گواہوں کو مردوں میں سے

انکا مقصد بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہی، چنانچہ حضرت یوسف کے خواب کا جہاں ذکر ہے وہاں بھی اسیطرح بیان ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور چاند اور سورج کو اپنے تئیں سجدہ کرتے دیکھا، اور یوں نہیں بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ چاند اور سورج مجھکو سجدہ کرتے ہیں، کیونکہ خواب میں دیکھنا قرینۂ مقام سے علانیہ روشن تھا، اسیطرح اس مقام پر بھی حضرت عزیر کے خواب کا مقصد بیان کیا گیا ہی اور ،، فلما تبین ،، کے لفظ سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ تمام واقعات جو اس آیت میں بیان ہوئے ہیں رویا میں واقع ہوئے تھے ✦

۲۶۲ (واذ قال ابراہیم) جسطرح کہ پہلی آیت کے سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہی کہ مذکورۂ بالا قصہ ایک رویا کا واقعہ تھا اسیطرح اس قصہ کا بھی رویا میں واقع ہونا پایا جاتا ہی اول تو اسوجہ سے کہ سب سے اول جو قصہ ابراہیم کا نمرود کے ساتھ بیان ہوا اور واقعی قصہ تھا اس سے ابراہیم کے اس قصہ کو علیحدہ کرکے اس قصہ کے بعد بیان کیا ہے جو رویا میں واقع ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ کیفیت احیاء موتی امر مشاہد بالعین نہیں ہے اگر کوئی شخص کسی مردہ کو زندہ کردے یا بیمار کو اچھا کردے تو اسقدر مشاہدہ ہو سکتا ہی کہ مردہ زندہ یا بیمار اچھا ہوگیا مگر اُسکی کیفیت احیا و کیفیت صحت امر مشاہد نہیں

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ	پس اگر دو مرد نہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں اُن لوگوں میں سے جنپر تم راضی ہو گواہوں میں سے (تاکہ) اگر بھول جاوے ایک اُن دونوں میں کا تو اُن دونوں میں کا ایک دوسرے کو یاد دلاوے اور انکار نہ کرنا چاہیئے گواہوں کو جبکہ وہ طلب کیئے جاویں اور نہ کاہلی کرو اُسکے لکھنے میں اُسکی میعاد تک چھوٹی ہو یا بڑی

ہے اور اسلیئے لفظ اَرِنِی سے کسی ایسے امر سے مراد نہیں ہی جو وقوع فی المشاہدہ ہو بلکہ اطمینان قلبی مراد ہی پس گویا حضرت ابراہیمؑ کا یہ کہنا ہی کہ "اے رب میرے دلکو بتادے کہ مردے کسطرح زندہ ہونگے"۔ تیسرے یہ کہ اِس قسم کے ترددات جو بزرگوں کو اور اہل دل کو واقع ہوتے ہیں اُنکا رفع اور تسلی اُسی طریقہ سے ہوتی ہی جسکو مشاہدات یا مکاشفات یا رویا سے تعبیر کیا جاتا ہی اور جو فطرت انسانی کے بالکلیہ مطابق ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اور اُنسے پیشتر کسی نے اس دنیا میں مردوں کا زندہ ہونا دیکھا تھا اور اسلیئے کوئی ذی عقل خدا سے ایسا سوال نہیں کرسکتا تھا۔ پس صاف پایا جاتا ہی کہ جو تعجب احیاء اموات کی نسبت حضرت ابراہیمؑ کے دل میں پیدا ہوا تھا اُسکا رفع ہونا چاہتا تھا اور اُسکا رفع ہونا نہ دنیاوی مشاہدہ اور نہ ان ظاہری آنکھوں کے دیکھنے سے علاقہ رکھتا تھا پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ جو یہاں مذکور ہوا ہے وہ ایک رویا حضرت ابراہیمؑ کا ہی۔ اُنھوں نے رویا میں خدا سے کہا کہ مجھکو دکھلا یا بتا کہ تو کسطرح مردہ زندہ کریگا پھر خواب ہی میں خدا کے بتلانے سے اُنھوں نے چار پرند جانور لیئے اور اُنکا قیمہ کرکے ملا دیا اور پہاڑوں پر رکھدیا پھر بلایا تو وہ سب جانور الگ الگ زندہ ہو کر چلے آئے اور اُنکے دل کو مردوں کے زندہ ہونے سے جنکے اجزا بعد مرنیکے عالم میں مخلوط و

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا	یہ تمھارے لیئے زیادہ انصاف ہی اللہ کے نزدیک اور زیادہ قوی ہی گواہی کے لیئے اور قریب تر ہے کہ شک میں نہ پڑو مگر جبکہ تجارت کا (لین دین) ہو اور باہم دست بدست اُسکو پھراتے ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہی کہ اُسکو نہ لکھو

منتشر ہوجانے میں طمانیت ہوگئی ٭

کل مسلمان عالموں اور قدیم مفسروں کو بھی اس بات پر یقین نہیں تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے سچ مچ جانوروں کا قیمہ کرکے پہاڑوں پر رکھدیا تھا اور اسلیئے اس آیت کی نسبت مفسرین کی تین رائیں قائم ہوئی ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جنکی یہ رائے ہی کہ درحقیقت حضرت ابراہیمؑ نے جانوروں کا قیمہ کرکے پہاڑوں پر رکھدیا اور پھر جب بلایا تو وہ زندہ ہوکر چلے آئے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو صُرْهُنَّ کے معنی قیمہ کرنے کے نہیں لیتے بلکہ اپنے سے ہلا لینے کے لیتے ہیں اور جزء کے معنی ہر ایک جانور کے جزء کے نہیں لیتے بلکہ مجموعہ جانوروں میں سے بعض مراد لیتے ہیں جس سے آیت کا مطلب صرف یہ رہجاتا ہی کہ حضرت ابراہیمؑ نے چند جانور اپنے سے ہلائے اور پھر کوئی جانور کسی پہاڑ پر اور کوئی کسی پہاڑ پر چھوڑدیا اور پھر جب بلایا تو سب چلے آئے۔ لیکن اگر ایسا کیا ہو تو یہ تو لڑکوں کا کھیل ہوا اس سے احیاء اموات سے کیونکر طمانیت ہوسکتی ہی۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جانوروں کا قیمہ کرنا اور پہاڑوں پر رکھنا واقع نہیں ہوا بلکہ جب خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ایسا کرنے کا حکم دیا تو اس حکم سے حضرت ابراہیمؑ کے دل کو طمانیت ہوگئی پھر اُنھوں نے نہ جانور پکڑے نہ اُنکا قیمہ کیا نہ پہاڑوں پر رکھا۔ گو کہ پچھلے گروہ مفسرین کے بھی اس اَمر کے واقع ہونے سے یعنی جانوروں کے قیمہ کرنے اور پھر اُنکے زندہ ہونے سے انکار کرتے ہیں مگر ہماری سمجھ میں ان تینوں گروہ نے

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

دو گواہ کر لو جبکہ تم خرید و فروخت کرو اور نہ ضرر پہنچایا جاوے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر تم نہ کرو تو بیشک وہ تمھاری بداعمالی ہے اور ڈرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمکو اللہ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے (۲۸۲)

رویا کے واقعات کو ظاہری واقعات سمجھنے میں غلطی کی ہے*

عیسائی بحث کرنے والوں نے ہمارے مفسرین کے لغو اقوال کو غنیمت سمجھا اور بلا تحقیق اصل مطلب کے قرآن مجید پر اعتراض کرنیکو موجود ہوئے۔ کتاب حزقیل میں حضرت حزقیل کے رویا کا ذکر ہے کہ وہ ایک جنگل میں جسمیں آدمیوں کی بہت سی ہڈیاں پڑی تھیں پہنچے خدا نے کہا کہ کیا یہ ہڈیاں زندہ ہوسکتی ہیں پھر حزقیل نے اُن ہڈیوں سے خدا کے حکم سے کہا کہ تم زندہ ہوگی میں تم پر رگ اور گوشت آجاویگا اور جان پڑجاویگی اور تم زندہ ہوجاؤ گے چنانچہ وہ ہڈیاں ملیں اور گوشت و چمڑہ پیدا ہوا پھر وہ سب اسیطرح زندہ ہوگئیں۔ اور توریت کتاب پیدائش باب پندرھویں میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کو بیٹا پیدا ہونیکی بشارت کے وقت خدا نے کہا تھا کہ چار جانور لے اور اُنکے دو دو ٹکڑے کرکے ہر ایک ٹکڑے کو اُسکے مقابل رکھدے حضرت ابراہیم نے چار پایوں کے تو ٹکڑے کیئے مگر پرندوں کے ٹکڑے نہیں کیئے اور پھر اُسکو نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ پس عیسائیوں نے مفسرین کی لغو اور نا تحقیق روایتوں کو دیکھکر کہدیا کہ یہ دونوں قصے جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور جنکے ساتھ مفسرین نے روایتیں ملائی ہیں وہ ان دونوں قصوں سے جو توریت میں مذکور ہیں بنائی گئی ہیں۔ مگر ہم اسوقت اُن نا قابل فہم قصوں پر جو توریت میں اور کتاب حزقیل میں مذکور ہیں بحث نہیں کرتے بلکہ صرف اسقدر بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو یہ دونوں قصے مذکور ہیں اُنسے اور توریت و کتاب حزقیل

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ	اور اگر تم سفر پر ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا گروی ہو (مرتہن کے) قبضہ میں دی ہوئی پھر اگر امین جانیں بعض تم میں کے بعض کو پس چاہئیے کہ ادا کرے اُس شخص کو اُسکی امانت جسکو امین جانا ہی

کے مندرجہ قصوں سے کچھ تعلق نہیں ہے +

۲۷۶ (واحل اللہ البیع وحرم الربوا) حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے انتقال فرمایا اور ربا کی تفسیر ہمے نہیں فرمائی۔ یعنی ہمکو اسبات کے دریافت کرنیکا موقع نہیں ملا کہ ربا جسکو خدا نے حرام فرمایا وہ کیا ہی اور کونسا ربا ہی جو حرام ہوا ہے اور جسپر ایسی سخت وعید نازل ہوئی ہی، پس جبکہ اتنے بڑے خلیفہ رسول اللہ صلعم کو ربا کی حقیقت پر تسلی نہ تھی تو ضرور تھا کہ صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین اور علماء امت میں اختلاف رائے ہو اور ہر ایک اپنے اجتہاد کے موافق اُسکی نسبت مسائل قرار دے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہوتا ہی اور ہوگا اور اس چودہویں صدی نبوی میں جبکا یہ دسواں برس ہے میں بھی بقدر اپنے فہم کے علماء امت سے اس مسئلہ میں مختلف رائے ہوں +

علماء امت اور فقہاء اسلام نے ربا کی دو قسمیں کی ہیں ایک ربا الفضل اور دوسری ربا النسیہ۔ ربا الفضل سے ایسی بڑھوتڑی مراد ہی کہ ہمجنس چیز کے دست بدست مبادلہ کرنے میں لی دی جاوے۔ اس قسم کے ربا کی حرمت زیادہ تر حدیثوں پر مبنی ہی اور اسباب میں کہ کونسی ہمجنس چیزوں کے مبادلہ میں بڑھوتڑی لینا ربا ہے ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہے +

امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اُس ہمجنس مال کے مبادلہ میں بڑھوتڑی ربا ہے جو پیمانہ سے نپتا یا وزن سے تلتا ہو +

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ	اور چاہئے کہ ڈرے اپنے پروردگار اللہ سے
وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ	اور مت چھپاؤ گواہی کو

امام شافعی کے نزدیک وہ مال یا خود قیمتی ہو جیسے چاندی سونا یا شئے خوردنی ہو +

امام مالک کے نزدیک وہ مال یا خود چاندی و سونا ہو یا ایسا ہو جس سے انسان کا قوت ہوتا ہو یا جو اس کی اصلاح کرتا ہو جیسے کہ نمک +

ان اختلافات کا نتیجہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک چاندی اور سونے کے سوا باقی ایسی چیزوں کے مبادلہ کی بڑھوتری پر جو کھانے میں نہیں آتیں جیسے لوہا اور چونا وغیرہ ربا کا حکم نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ربا کا حکم ہے +

اور جب کہ قلیل مقدار کا غلہ جو ایک صاع سے کم ہو مبادلہ کیا جاوے تو اس کی بڑھوتری پر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ربا کا حکم نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک ربا کا حکم ہے +

اور جو پھل وغیرہ اشیاء خوردنی پیمانے یا وزن سے نہیں بکتی تھیں اُنکی بڑھوتری پر بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک ربا کا حکم نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک ربا کا حکم ہے +

امام مالک کے نزدیک جیسا کہ اُن کی کتاب مؤطا میں مذکور ہے چاندی اور سونے کے سوا اور چیزوں پر جو وزن سے بکتی ہیں جیسے تانبا سیسہ چونا لوہا کسم وغیرہ یا ایسا میوہ جو تازہ کھانے میں آتا ہے اور سکھلا کر ذخیرہ نہیں کیا جاتا اس کے مبادلہ میں بڑھوتری پر ربا کا حکم نہیں ہے +

ہم جنس ہونے میں اچھے اور بڑے یا کھرے اور کھوٹے ہونے میں کچھ فرق نہیں ہے، کھرا سونا کھوٹے سونے سے اور کھری چاندی کھوٹی چاندی سے

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ	اور جو کوئی چھپاویگا اسکو تو بیشک اُسکا دل گنہگار ہے

اور اچھی کھجوریں بُری سی کھجوروں سے یا سفید گیہوں لال گیہوں سے اگر بدلے جاویں تو ضرور ہے کہ برابر کے برابر بدلے جاویں اگر اُن کے مبادلہ میں بڑہوتری لیجاوے تو وہ بھی ربا میں داخل ہے +

مجھکو جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے مبادلہ کو جو اُس ربا میں داخل کیا ہے جسکا ذکر اس آیت میں ہے یہ علانیہ غلطی ہے اس قسم کے مبادلوں کی بڑہوتری سے اس آیت کو کچھ تعلق نہیں ہے بلاشبہ حدیثوں میں اس قسم کے مبادلوں کی بڑہوتری پر بھی ربا کا اطلاق کیا گیا ہے مگر اُس ربا سے یہ ربا جس کا ذکر اُس آیت میں ہے مُراد نہیں ہے۔ ربا کا اطلاق اُس فائدہ پر بھی ہوتا ہے جو بیع فاسد کے ذریعہ سے کوئی شخص حاصل کرے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے " من اجبی فقد اربی " اجبا کے معنے کسی درخت کے پھل کو پھلوں کے آنے سے پیشتر بیچ ڈالنے کے ہیں جیسے کہ ہندوستان میں آم کے درختوں کا پھل صرف مور آنے پر قبل اسکے کہ آم پیدا ہوں بیچ ڈالا جاتا ہے ایسی خرید فروخت میں یا تو بائع ایسا فائدہ اُٹھاتا ہے جس کے مقابلہ میں درحقیقت اُسنے کوئی جنس نہیں دی یا مشتری ایسا فائدہ اُٹھاتا ہے جسکے مقابلہ میں درحقیقت اُسنے کوئی مال نہیں دیا اور اسی لئے اس معاملہ پر ربا کا اطلاق کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہ معاملہ بیع فاسد کا ہے اور اُس ربا کی تفسیر میں داخل نہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے +

بخاری و مسلم نے اُسامہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ " الربوا فی النسیئة " یعنے ربا اُدھار میں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ " لا ربوا فیما کان یداً بید " یعنی جو چیز کہ دست بدست لی دیجاوے اُسمیں ربا نہیں ہے یعنی وہ ربا جو اس آیت کی رو سے حرام ہوا ہے، اس حدیث میں اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ دست بدست معاملہ میں جو ربا ہے وہ ربا بیع فاسد کا ہے نہ وہ ربا جو اس آیت میں حرام ہوا +

وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۳﴾	اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو جانتا ہے (۲۸۳)

امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں اس قسم کے معاملہ کو ربا سے تعبیر ہی نہیں کیا بلکہ ہر جگہ بیع سے تعبیر کیا ہے اور درحقیقت یہ معاملہ بیع کا ہے اور چونکہ اس قسم کے معاملہ میں اکثر یا بایع مغبون ہوتا ہے یا مشتری اور اسی لئے بیع فاسد میں شمار ہو سکتا ہے +

رسول خدا صلعم نے اس بات سے منع فرمایا کہ زیادہ مقدار کی ناقص کھجوروں کے بدلے کم مقدار کی اچھی کھجوروں کا مبادلہ مت کرو کیونکہ وہ ربا ہے یعنی بیع فاسد کا فائدہ ہے اسلئے کہ دونوں قسم کی کھجوروں کی واقعی قیمت درحقیقت تنقیح نہیں ہوئی پس یا مشتری کا نقصان ہے یا بایع کا نقصان اور اسلئے یہ فرمایا کہ اگر ایسا کرنا منظور ہے تو بُری کھجوروں کی قیمت مقرر کر کے علحدہ بیچڈالو اور اچھی کھجوروں کی قیمت مقرر کر کے علحدہ خرید لو +

یہی حال اچھی یا بُری کھری یا کھوٹی چاندی اور سونے کے مبادلہ میں ہے کہ اس طرح کا مبادلہ کرنے میں دونوں قسم میں کسی قسم کی صحیح قیمت منقح نہیں ہوتی لیکن اگر یہ قاعدہ قرار دیا جاوے کہ دو ہم جنس چیزوں کا مبادلہ برابر برابر سے کیا جاوے تو اسمیں کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ اگر درحقیقت دونوں ایک سے ہیں تو اُس وقت مبادلہ میں کسیکا نقصان نہیں اور اگر وہ اچھی اور بُری ہیں تو کوئی شخص برابر برابر پہ مبادلہ کرنا پسند نہیں کرنے کا اور ناقص چیز والے کو ضرور ہوگا کہ وہ اپنی چیز واجبی قیمت پر فروخت کر دے اور اچھی چیز کو واجبی قیمت پر خریدلے +

ابن عباسؓ اس قسم کے معاملہ کو اُس ربا میں جسکا ذکر اس آیت میں ہے اور جو اس آیت کی رو سے حرام ہوا ہے داخل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اُن کا قول تھا "لا ربا الا فی النسیئۃ وکان یجوز ربا النقد" یعنے وہ کہتے تھے کہ ربا اُدھار کے سوا اَور کسی میں نہیں ہے اور دست بدست مبادلہ میں جو ربا ہوتا تھا اسکو وہ جائز سمجھتے تھے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اُن کی دلیل یہ تھی کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اس میں ایک

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا	خدا کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اگر تم ظاہر کرو

درہم کو دو درہموں کے بدلے دست بدست بیچنا بھی داخل ہے، اور اللہ تعالےٰ نے ربا کو حرام کیا ہے اُسمیں اسطرح کا بیچنا داخل نہیں ہے کیونکہ ربا کے معنے بڑھوتری کے ہیں اور ہر ایک بڑھوتری حرام نہیں ہے بلکہ وہی خاص بڑھوتری حرام ہے جو ایسیں عرب کے لوگوں میں ربا کے نام سے موسوم تھی اور وہ بڑھوتری اُدھار کے معاملہ میں ہوتی تھی پس خدا نے جو یہ فرمایا" وحرم الربا"، اس سے وہی اُدھار والی بڑھوتری حرام ہوئی اور بیع کے حلال کرنے سے وہ بڑھوتری جو نقد دست بدست ہو حرام نہیں ہوئی اور نہ ربا کے حرام ہونیمیں داخل ہوئی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسکی حرمت حدیث کی رو سے ہوئی ہے کیونکہ ایسا کہنے میں ظاہر قرآن کی تخصیص خبر واحد سے ہو جاویگی اور یہ جائز نہیں +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ابن عباسؓ نے اپنے اس قول سے رجوع کی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ عکرمہ جو ان کے خاص شاگرد رشید تھے اور اُنہیں کے پاس رہتے تھے اور اُنہیں سے تربیت پائی تھی اُن کو ابن عباس کے رجوع کی خبر نہ تھی اور اس سبب سے وہ روایت جسمیں ابن عباس کا رجوع بیان کیا گیا ہے نہایت مشتبہ ہو جاتی ہے بہر حال اگر ابن عباس کا رجوع کرنا بھی تسلیم کیا جائے تو اُسکا صرف یہ نتیجہ ہوگا کہ بیع فاسد سے جو ربا ہوا اسکو ابن عباس پہلے جائز سمجھتے ہونگے پھر اُنہوں نے اُسکو ناجائز سمجھا نہ یہ کہ اُنہوں نے اس معاملہ کو اس ربا میں داخل کیا جسکا ذکر اس آیت میں ہے +

ربا النسیئہ وہی جو عرب کے لوگوں میں زمانہ جاہلیت میں مشہور اور معروف تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کو کچھ مال دیتا تھا اس اقرار پر کہ مدیون ہر مہینہ ایک مقدار معین اسکو دے اور راس المال بدستور مدیون کے ذمہ باقی رہے جب وعدہ ادا ہے

مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ	جو کچھ کہ تمہارے دلوں میں ہے یا اُسکو چھپاؤ

راس المال کا گذرجاتا تھا تو دائن پورا روپیہ اپنا طلب کرتا تھا اور اگر وہ نہ دیسکتا تھا تو میعاد بڑھا دیتا تھا اور راس المال کو بھی بڑھا دیتا تھا اور اسپر ہر مہینہ ایک مقدار معین لیتا تھا پس جو مقدار کہ ماہواری لیجاتی تھی یا جو اضافہ کہ راس المال میں کیا جاتا تھا اُسی پر عرب جاہلیت ربا کا اطلاق کرتے تھے اور اسی کی حرمت اس آیت میں آئی ہے اور لفظ ”حرم الربا“ سے یہی خاص ربا حرام ہوا ہے +

یہ طریقہ ربا کا جو عرب جاہلیت میں جاری تھا بعینہٖ ہندوستان کے سود خواروں میں جاری ہے کہ وہ ایک شخص کو روپیہ قرض دیتے ہیں اور اُسپر ماہواری یا ششماہی سود لیتے ہیں اور اگر وہ میعاد پر ادا نہیں ہوتا تو اُس سود کو بھی اصل میں داخل کردیتے ہیں اور مجموع اصل و سود پر پھر سود لیتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میعاد ادا منقضی ہونے پر دوسری میعاد بڑھا دیتے ہیں اسطرح پر کہ میعاد بڑھانے کی عوض کبھی کچھ نقد روپیہ لے لیتے ہیں اور کبھی مقدار اصل کو زیادہ کردیتے ہیں اور ایسا بھی کرتے ہیں کہ علا ایک میعاد معین کے لئے قرض دیتے ہیں اور یہ اقرار کرتے ہیں کہ جتنا دیا ہے اُسکا ڈیوڑھا یا دُگنا لینگے اور جب میعاد پر ادا نہیں ہوتا ہے تو اُس اضافہ کو بھی اصل میں شامل کرکے میعاد بڑھا دیتے ہیں اور اس مجموع پر ڈیوڑھا یا دُگنا لینے کا اقرار کرتے ہیں یہ سب صورتیں اُس ربا کی ہیں جسکا ذکر اس آیت میں ہے اور بلاشبہ یہ ربا حرام ہے +

ربا النسیئۃ کے اب یہ معنی ٹھیرے کہ مدیون سے علاوہ زر اصل کے کچھ روپیہ یا مال بطور فائدہ کے لینا مگر ایک بحث اَور باقی رہجاتی ہے کہ عموماً ایسا کرنا حرام اور ممنوع ہے اور اُس کا کرنے والا ہر حالت میں اُنہیں وعیدوں کا مستحق ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یا کسی اَور قسم کی بھی قید یا تخصیص قرآن مجید سے پائی جاتی ہے علماے اسلام کی یہ راے ہے کہ اسمیں کسی قسم کی قید یا تخصیص نہیں ہو مگر میں قرآن مجید کی رو سے ایسا نہیں سمجھتا بلکہ میری یہ سمجھ ہے کہ قرآن مجید کی رو سے اس قسم کے ربا کے حرام ہونے

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ	تم سے اللہ اس کا حساب لے گا پس بخشیگا

میں بھی ایک تخصیص پائی جاتی ہے جو آیندہ بیان ہوگی ✦

ربا درحقیقت ایک نہایت بُری چیز ہے اور انسانی اخلاق اور تمدن کے لیے بعضے حالتوں میں نہایت مضر ہے۔ ربا جب کہ ایک پیشہ کر لیا جاتا ہے جیسا کہ سود خور آڑھتیئے اور مہاجن بطور پیشہ کے اسکو برتتے ہیں تو تمدن کے لئے نہایت مضر ہوتا ہے، ذی مقدور شخص اُس روپیہ کو ملک کی ترقی اور تجارت کی افزونی میں صرف نہیں کرتا بلکہ خود اپنے ہی ملک کے لوگوں سے اُنکا مال لے لینے میں صرف کرتا ہے، وہ اپنی محنت اور مشقت سے معیشت پیدا کرنے میں بالکل سُست ہوجاتا ہے اور لوگوں نے جو محنت اور مشقت سے کمایا ہے اس کے لے لینے پر راغب ہوتا ہے، اس کے مال و دولت سے کوئی صنعت یا کوئی ایسا کارخانہ جس سے لوگوں کو معیشت میں مدد پہونچے اور ملک کی دولت کو ترقی ہو نہیں قائم ہوتا بجز اُس کے کہ غریبوں سے ان کی محنت اور مشقت کے حاصلات کے چھین لینے کا اُس کے قابو ملتا ہے، اور کچھ شبہ نہیں کہ ایسا ربا اخلاق و معاشرت و تمدن کے برخلاف ہے ✦

ایک اور صورت ربا کی ہے جو اُس سے بھی زیادہ اخلاق انسانی اور روحانی نیکی کے برخلاف ہے اور بلاشبہ حرب میں اللہ اور رسُول کے برابر ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ غریب و محتاج و مفلس ہیں اور نہ کسی عیش و آرام کے لئے بلکہ صرف اپنی زندگی کے لئے قوت لایموت بہم پہونچانے کو روپیہ یا غلہ قرض لیتے ہیں اور ذی مقدور سُود خور انکو دیتے ہیں اور سود لیتے ہیں۔ ایسا کرنا انسانی ہمدردی اور غریبوں کے ساتھ سلوک کرنیکے بالکل برخلاف ہے حالانکہ قرآن مجید میں اُن کے ساتھ سلوک کرنے کا جا بجا حکم ہے۔ ایسے لوگوں سے سُود لینا شقاوت قلبی اور بدترین اخلاق ہونے کے سوا قرآن مجید کی مُستحکم ہدایتوں کے بھی برخلاف ہے اور کوئی شخص

لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ	جسکو چاہیگا اور عذاب دیگا جس کو چاہے گا

شبہ نہیں کرسکتا کہ ایسا ربا نہایت بد اور ناپاک ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ایسے ہی ربا کا اس آیت میں ذکر ہے جس کو خدا نے منع فرمایا اور حرام کیا ہے اور کوئی انسانی دل جو ذرا بھی روحانی اخلاق کی طرف مائل ہوگا ایسا نہ ہوگا جو اس قسم کے ربا کو حرام و ناپاک نہ سمجھتا ہو ✦

میری اس سمجھ پر جو کچھ شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "حرم اللہ الربوا" جو ایک عام حکم تھا اُسکو میں نے خاص کر دیا ہے اور اُسی ربا پر منحصر کر دیا ہے جو ایسے لوگوں سے لیا جاوے جنکے ساتھ سلوک کرنے اور اُن کے ساتھ ہمدردی کرنیکے قرآن مجید میں ہدایت ہوئی ہے مگر میرے دل کو یقین ہے کہ قرآن مجید کے تمام سیاق و سباق کلام سے یہی ہدایت پائی جاتی ہے ✦

ربا کی آیت سے پہلی آیتوں میں خدا تعالے نے خدا کے راہ میں مال خرچ کرنیوالوں کی خوبیوں کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی مثال ایک دانہ کی ہے جو اُگے اور اُسمیں سات خوشہ لگیں اور ہر خوشہ میں سو سو دانے ہوں۔ پھر اُنکو نصیحت کی کہ غریب و محتاجوں کے ساتھ جو تم سلوک کرتے ہو اُسکے احسان جتانے سے اور اُنکا دل دُکھانے سے برباد مت کرو اور اسکی مثال ایسی شخص کی بتائی جسکا ہرا بھرا باغ آگ سے جلگیا ہو۔ پھر اُن کو سمجھایا کہ غریبوں اور مسکینوں کو جو خدا کے لئے دیتے ہو وہ اپنے ہی لئے دیتے ہو اور وہ تمہیں پہونچیگا ✦

اُس کے بعد خدا تعالے نے اُن لوگوں کا ذکر کیا جو غریب اور مسکین لوگوں پر مال خرچ کرتے ہیں اور اُن کے ثواب کا بیان کیا اور اسی کے ساتھ اُن لوگوں کا ذکر کیا جو بعوض سلوک و ہمدردی کرنے کے سود لیتے ہیں پس قرینہ مقام و طرز کلام سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس آیت میں انہیں لوگوں کا ذکر ہے جو غریب مسکین لوگوں سے سود لیتے تھے اور اُسی سُود کو جو ایسے لوگوں سے لیا جاتا تھا جو قابل رحم اور ہمدردی

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾	اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۲۸۴)

اور سلوک کرنے کے تھی خدا نے حرام کیا اور فرمایا کہ ،، حرم الربوا ،، اور پھر فرمایا کہ ،، یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقات ،، اور پھر فرمایا کہ اے ایمان والو جو کچھ سود کا لینا باقی رہگیا ہے اسکو چھوڑ دو اور اگر نہیں چھوڑتے تو خدا اور رسول سے لڑنیکو تیار ہو کیونکہ خدا اور رسول نے تو اُنکے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے اور تم اُس کے برعکس اُنسے سود لیتے ہو ،، خدا کے حکم کے برخلاف کرنا خدا سے ،، خدا سے لڑائی کرنی ہے +

پس تمکو چاہئے کہ اُن سے اپنا اصل مال لے لو اور اگر کوئی ایسا محتاج ہو کہ اصل دینے کا بھی مقدور نہ رکھتا ہو تو اُس کو مُہلت دو تاکہ جب اُس کو فراغت ہو ادا کرے اور اگر اصل بھی چھوڑ دو تو تمہارے لئے بہتر ہے جتنی جسقدر آیتیں کہ قبل آیت ربا کے ہیں اور جسقدر کہ اسکے بعد ہیں اُن سب کو ملانے اور سباق سیاق کلام پر نظر کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہی ربا حرام کیا گیا ہے جو ایسے غریب و محتاج آدمیوں سے لیا جاتا تھا جو کھانے کو محتاج تھے اور غلہ یا کھجوریں یا اور کچھ قرض لیکر قوت لا یموت بہم پہونچاتے تھے اور جن کی نسبت قرآن مجید میں جابجا سلوک و ہمدردی کرنے کی ہدایت تھی میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی شخص گو کہ وہ کوئی مذہب رکھتا ہو ایسے ربا کو ناپاک و حرام نہ سمجھتا ہو +

اُن کے سوا وہ لوگ ہیں جو ذی مقدور اور صاحب دولت و جاہ و حشمت ہیں اور اپنے عیش و آرام کے لئے روپیہ قرض لیتے ہیں جائدادیں مول لیتے ہیں مکان بناتے ہیں اور قرض روپیہ لیکر چین اُڑاتے ہیں گو اُنکو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو مگر اُن سے سود لینے کی حرمت کی کوئی وجہ قرآن مجید کی رو سے مجھکو نہیں معلوم ہوتی +

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ	ایمان لایا پیغمبر جو اوتاری گئی ہے اُس پر اُس کے پروردگار سے اور سب ایمان لانے والے ہیں ہر ایک ایمان لایا اللہ اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر نہیں فرق کرتے ہم

اسی طرح بہت سے معاملات قرضہ کے ہیں جو تجارت کے کاروبار میں پیش آتے ہیں اور ایسے بینکوں کے قائم ہونے سے سود پر تجارت کے مقاصد کے لئے روپیہ قرض دیتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہہ روپیہ پہونچا دیتے ہیں اور ہر قسم کے آڑہتوں کا کام کرتے ہیں اور جن سے تجارت کو اور ترقی ملک کو اور زر افزونی آبادی کو نہایت امداد پہونچتی ہے ان معاملات میں جو سود کر لیا و دیا جاتا ہے مجھکو قرآن مجید کی رو سے اُسکے ایسا ربا ہونے کے جسکو اس آیت میں حرام کیا ہے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی پس حکم ربا جو قرآن مجید میں ہے وہ نہایت اخلاق و نیکی پر مبنی ہے اور کسیطرح ترقی تجارت و ترقی ملک و دولت کا مانع نہیں ہے فقہا نے بلاشبہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے ایسی قیدیں بڑھا دی ہیں جن سے ربا کا حکم تجارت کی ترقی کا مانع قوی ہوگیا ہے، مگر قرآن مجید سے ایسا نہیں پایا جاتا مفتی شرف الدین رامپوری اور مولوی برہان الدین صاحب نے اپنے رسالوں میں ربا کو صرف جنس کے دست بدست مبادلہ میں منحصر کیا تھا جسکو ربا الفضل کہتے ہیں اور نسیہ یعنی قرضہ میں ربا نہیں قرار دیا تھا، مگر میری راے اس کے برخلاف ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا +

اب میں اپنی راے سے قطع نظر کرتا ہوں اور کتب فقہ اور مسائل مسلمہ فقہ کو تسلیم کر کے مندرجہ ذیل معاملات پر جو اس زمانہ میں اکثر پیش آتے ہیں نظر ڈالتا ہوں کہ اگر فقہ ہی کی روایتوں پر عمل کیا جاوے تو فقہ کی رو سے بھی معاملات مندرجہ ذیل کے سود پر ربا ناجائز کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں +

بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (۲۸۵) لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا	درمیان کسی ایک کے اسکے رسولوں میں سے اور اُنھوں نے کہا ہمنے سُنا اور ہمنے اطاعت کی ای ہمارے پروردگار تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیرے پاس پھر جانا ہی (۲۸۵) نہیں تکلیف دیتا اللہ کسیکو مگر بقدر اسکی طاقت کے اسکے لئے ہی وہ جو اُسنے کمایا اور اسپر ہے جو اُسنے کمایا اے پروردگار ہمارے ہمکو مت پکڑ

اول گورنمنٹ پرامیسری نوٹ۔اگرچہ مولنٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب نے گورنمنٹ پرامیسری نوٹ کے سود کے مباح ہونیکا فتویٰ دیا ہے مگر جس اصول پر وہ فتوی دیا گیا ہے میری راے میں وہ اصول صحیح نہیں بلکہ فقہ مسلمہ کی روسے پرامیسری نوٹ کے سود کے جائز ہونے کی اور وجہ ہے +

فقہ کے اس مسئلہ کو کہ،، کل قرض جر منفعتا فھو ربوا،، تسلیم کرلو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس قرضہ میں بڑھوتری ملے وہ ربا ہے۔قرضہ کے مستحق ہونیکو تین رُکن ضروری ہیں اگر ایک رکن بھی اسمیں موجود نہو تو اس پر قرضہ کا اطلاق نہوگا اور اس کی بڑھوتری رلینا جائز نہوگی اور وہ رُکن یہ ہیں، اول۔دائن یا دائنان کا محقق و مشخص ہونا۔دوم مدیون کا محقق و مشخص ہونا۔سوم دائن کو حق طلب باقی ہونا۔گورنمنٹ پرامیسری نوٹ میں جسمیں زمانہ ادا موعود نہیں ہے ان ارکان ثلاثہ میں سے دو رکن مفقود ہیں ایک مدیون کیونکہ اسمیں کوئی شخص معین و مشخص مدیون نہیں ہے بلکہ صرف ایک مفہوم جسکو گورنمنٹ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں مدیون ہے جو فقہ کی روسے صلاحیت مدیون قرار پانے کی نہیں رکھتے۔دوسری حق طلب اِسلئے کہ دائن کو اُس قرضہ کے طلب کا حق نہیں ہے۔اور جن پرامیسری نوٹوں میں میعاد ادا موعود ہے ان میں حق طلب ساقط نہیں اِلّا مدیون بدستور غیر متعین و غیر مشخص ہے،پس

إِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا	اگر ہم نے بھول یا ہم نے چوک کی ہے اے پروردگار ہمارے اور مت رکھ ہم پر بھاری بوجھ جسطرح کہ تو نے اسکو اُن لوگوں پر رکھا جو ہم سے پہلے تھے اے پروردگار ہمارے اور مت رکھ ہم پر

جو بڑھوتری کہ اُن پرامیسری نوٹوں کے ذریعہ سے حاصل ہو وہ فقہ کی رو سے ربا نہیں قرار پا سکتی +

ہمارے زمانہ کے علما پرامیسری نوٹوں کی بڑھوتری پر ربا ہونے یا نہونے کا حکم دیں یا نہ دیں مگر ہمارے زمانہ میں دھلی میں بعینہ مثل پرامیسری نوٹ کے ایک معاملہ پیش آیا تھا اور تمام علماء دھلی نے جو اُس زمانہ تک بڑے بڑے مقدس لوگ موجود تھے اُس کے جواز کا فتوے دیا تھا اور وہ واقعہ یہ تھا کہ بھادر شاہ بادشاہ نے یہ قاعدہ نکالا تھا کہ جو کوئی شخص بادشاہ کو کچھ روپیہ بطور نذرانہ کے دے تو اُس شخص کی تنخواہ اُس روپیہ کے سود کی برابر مقرر ہو جاوے جس شخص نے روپیہ دیا اُسکو روپیہ کے واپس مانگنے کا اختیار نہ رہتا تھا اور نہ بادشاہ کو تنخواہ معینہ کے بند کر دینے کا، ہاں یہ بات بادشاہ کی مرضی پر منحصر تھی کہ اگر وہ تنخواہ معینہ بند کرنی چاہیں تو وہ روپیہ جو بنام نہاد نذرانہ لیا ہے اس شخص کو واپس کردیں +

اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ مثلاً ایک شخص نے بادشاہ کو ہزار روپیہ نذرانہ اس شرط پر دیا کہ دس روپیہ مہینے کی تنخواہ اُس کی مقرر ہو جاوے بادشاہ نے منظور کیا اور تنخواہ مقرر کر دی - دوسرا ایسا شخص آن موجود ہوا کہ ہزار روپیہ نذرانہ اُس شرط پر دینے کو راضی تھا کہ بادشاہ پانچ روپیہ ماہواری اُسکا مقرر کر دیں بادشاہ نے ہزار روپیہ اُس سے لیا اور پہلے شخص کا روپیہ واپس کر دیا اور دس روپیہ تنخواہ اسکی بند کر دی اور اُنمیں سے پانچ روپیہ اس دوسرے شخص کی تنخواہ مقرر کر دی اور وہ پانچ روپیہ

مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا	وہ چیز جسکی برداشت کی ہمکو طاقت نہیں اور معاف کر ہم کو

جو بچے اس کی بھی کسی تیسرے شخص سے نذرانہ لیکر اس کی تنخواہ میں مقرر کردیئے +

یہ معاملہ پرامیسری نوٹ کے معاملہ سے بھی زیادہ مشتبہ ہے کیونکہ جو حالت بادشاہ کی مثل ایک پنشندار شخص کے تھی اسکے لحاظ سے بادشاہ بذاتِ خود مدیون متصور ہوتے تھے اور اس لئے اس معاملہ میں دو رکن موجود تھے یعنے دائن و مدیون البتہ صرف تیسرا رکن حق طلب معدوم تھا پس اس معاملہ کی بڑھوتری کو تمام علماے دہلی ربا نہیں سمجھتے تھے اور اگر میری یاد میں غلطی نہو تو بڑے بڑے مقدس مولویوں نے اس قسم کا نذرانہ دیکر تنخواہیں اپنی اور اپنے قرابت مندوں کی مقرر کرائیں تھیں پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر یہ بڑھوتری سود ناجائز نہ تھی تو پرامیسری نوٹ کی بڑھوتری کیوں سود ناجائز قرار پاسکتی ہے +

دویم معاملات ترقی ملک ۔ مثلاً گورنمنٹ یا کوئی جماعت محدود اس غرض سے روپیہ قرض لے کہ اس روپیہ سے ایک نہر آبپاشی کے لئے یا آہنی سڑک آمدورفت کے لئے جاری کرے اور دائن کو اس قرضہ کی بابت سود دینا قبول کرے تو وہ بھی رباے ممنوع میں جسکا ذکر آیت میں ہے داخل نہیں ہے کیونکہ وہ اس قسم کا قرضہ نہیں ہے جسپر ربا ممنوع ہے +

سوم معاملات رفاہ عام ۔ فرض کرو کہ کسی شخص یا جماعت نے ایک سرمایہ اس غرض سے جمع کیا ہے کہ اس کے محاصل سے عام رفاہ کے کام کئے جاویں گے وہ سرمایہ فقہ کی رو سے وقف ہے اور وہ شخص یا جماعت صرف امین یا متولی وقف ہے اس سرمایہ کی ملکیت نہیں رکھتے پس اگر وہ سرمایہ بالغرض کسیکو سودی قرض دیا جاوے تو وہ بھی رباے ممنوع

وَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا اَنۡتَ مَوۡلٰنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ۲۸۶	اور بخشدے ہمکو اور مہربانی کر ہمپر توہی ہمارا مولے ہے پھر مدد کر ہماری کافروں کی قوم پر (۲۸۶)

میں داخل نہیں ہوسکتا ✦

سبب اسکا یہ ہے کہ جو اصول وقواعد جماعت محدود کے لئے اس زمانہ میں مروج ہیں اُن کی رو سے وہ جماعت محدود اپنی ذات سے اُس قرضہ کی مدیون نہیں ہوتی اور نہ اُن کی ذات دائن ہوتی ہے اور یہی حال اُس شخص یا جماعت کا ہے جو کسی سرمایہ وقف کا متولی یا امین ہے پس اُن دونوں صورتوں میں یا دائن شخص ومعین نہیں ہے یا مدیون شخص ومعین نہیں ہے اور اس لئے اُس پر ایسے قرضہ کا ہونا جس پر سود لینا ممنوع ہے صادق نہیں آتا اور اس لئے اُس پر ربا ربائے ممنوع نہیں ہے

تمت

تمام شد

خاتمۃ الطبع

چکیدہ قلم اعجاز رقم حضرت ملک الکلام۔ قدوۃ الکرام۔ ناظم یکتا۔ ناثر بیہمتا جامع فضائل معنوی وصوری۔ مالک ممالک معانی۔ قہرمان جہان سخندانی وشیوا زبانی۔ معمور نگارخانہ جادو بیانی۔ اعنی جناب شاہزادہ مرزا محمد عبد الغنی صاحب ارشد گورگانی مدرس میونسپل بورڈ سکول فیروزپور سلمہ اللہ تعالے بالفرح والسرور

اے خدا! اے بزرگ خدا۔ اپنے رسول اور پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل اور انکے آل و اصحاب کا واسطہ آج میری مدد کر۔ اور جسطرح میں اپنے دل کو مذہبی خیالات جھوٹے منطقات سے پاک رکھنا چاہتا ہوں۔ تو بھی اُسے پاک کر۔ جو کچھ ٹھیک ٹھیک میرے دل میں ہو۔ لب و زبان اُسکی صداقت کریں۔ اور جو کچھ لب و زبان سے نکلے طبیعت و قلم اُسپر گواہی دیں۔ اے پیارے خدا! میں سخت مشکل میں ہوں کہ آج میرا ایک دوست اسبات پر ضد کر رہا ہے کہ میں تفسیر احمدی پر ریویو کروں یا تقریظ لکھوں جو تمنا آرزو دل دوستاں میرا مذہب نہیں ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ کہوں تو کیا کہوں اور نہ کہوں تو کیا نہ کہوں۔ اے خدا! میرا مددگار رہو۔ انسانی صداقت سے جہاں تک ممکن ہو مجھے باز نہ رکھ۔ سخت دقت ہے۔ کہ تفسیر احمدی کا نفس ایک دیباچہ مشہور۔ معروف۔ بلند پایہ ہے۔ اور ارشد اُسکے سامنے بے مایہ۔ اگر قلم سے تعریفی الفاظ نکلیں تو مہذب بھاٹ کا خطاب ملتا ہے۔ اگر جھوٹ کہا جاوے تو یہ گناہ صریح۔ امتحان کا وقت ہے۔ الٰہی تو مجھے امتحان میں نہ ڈال۔ بہرکیف یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل ڈی آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ سے بیجا استقدر ناراضگی ہے کہ انکے پیرو انکے دوست۔ ان کے نام لینے والوں کو برا کہا جاتا ہے۔ اور انکی بیتاثیر تقریر۔ جادو بیان تحریر کا شکریہ تو در کنار کئی فتوے تکفیر خاہی ہوگئے۔ میرے خیال میں شاید ان سب باتوں کا سبب یہ ہے کہ سر سید نے جو کچھ کیا وہ پہلا کام ہے کم و بیش دو سو سال سے ہندوستان کے مسلمانوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں بتایا جاسکتا جو اس ہمت و حوصلہ کے ساتھ تن تنہا میدان میں آیا ہو۔ اور جس نے اصلاح قوم کو اپنا شاسرون پر لگا کر نباہ دیا ہے کہ دیکھو قومی ہمدردی اسے کہتے ہیں شاہی خیرخواہی یہ ہوتی ہے حق بات تو یہ ہے کہ جو کچھ سر سید نے کیا وہ کسی سے نہ ہوسکا۔ اور اب بھی جو کچھ ہوتا ہے وہ سید ہی کا صدقہ ہے۔ یا انتہا ہے سر سید نے مسلمانوں کو سوتے سے جگایا۔ خراب حال قوم کو چٹکیاں لے لے کر جھنجوڑ جھنجوڑ کر چونکایا۔ گو ابتک بھی وہ پورے دوڑنے بھاگنے کے قابل نہیں ہوئے مگر شکر ہے کہ خواب دوشینہ کی خماری جاتی رہی۔ اور سب نے سلف ہی ہوکر خیال کرلیا ہے کہ قوم بنتی ہے اپنی ہمت سے۔ کیا آج سے کم و بیش

بیس برس پہلے کوئی انجمن حمایتہ الاسلام تھی۔ کوئی کمیٹی کے طریق جانتا تھا۔ نہیں۔ پھر کیوں ایک سیٹی اور ایک ہمدرد سے ایسی نصرت کیجاوے۔ تفسیر احمدی۔ بیشک ایک عمدہ اور نئی انوٹ کی تفسیر ہے جسمیں **معقولات** کا زور دکھایا گیا ہے۔ **فلاسفہ**۔ کے بازوؤں پر مفسر نے **معانی** کو اڑایا ہے۔ علم کلام کی طاقت صرف کرکے آیات سے بدیہی نتائج پیدا کئے ہیں **نئے فلسفہ سے قرآن** کو ٹکسال پر چڑھایا ہے اور ثابت کیا ہے۔ کہ قرآن ہر حال صداقت اور سچائی کا مخزن رہا ہے اور رہیگا۔ کیا ان باتوں کو کوئی برا کہہ سکتا ہے۔ توبہ۔ توبہ۔ اگر **سید صاحب** کے تمام اقوال یا صرف تفسیر میں کوئی بدگمانی والی بات گھبراہٹ ڈالنے والا معاملہ ہے تو یہ ہے کہ جو انہوں نے کیا وہ اکثر نیا اور جدید تحقیقات کے مطابق۔ نیز پرانے **فلاسفر مفسرین** کی **عربی تفاسیر** کا (جبکو سر سید نے زبان **اردو** کا **جامہ** پہنایا۔ اور اتنے پہلے باعث عدم واقفیت زبان **عربی** کے عوام اس کے سمجھنے سے **قاصر تھے**) بیان کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام **تفاسیر** جو **کلام مجید** کی موجود ہیں۔ یا آئیندہ ہوں گے۔ وہ سب ایک دوسرے سے کم و بیش مختلف ہیں۔ اگر ان کے اختلاف کو صرف جمع کرلیا جاوے تو **قرآن مجید** کا بہت تھوڑا حصہ معاذ اللہ صحیح ماننے کے قابل رہجاتا ہے۔ حالانکہ کتاب پاک من اولہ الی اخرہ حرف بحرف سب صحیح ہے۔ علاوہ ازیں بڑی بھاری بدگمانی یہ پیدا ہوتی ہے کہ جنھوں نے اختلاف کیا انہوں نے جانکر قرآن کے معانی بدلے اور ایسا آدمی علماء حال سے پوچھو کیا نام پاسکتا ہے **ونعوذ باللہ من فسخ الاعتقاد**۔ پس ثابت ہوا کہ جب کل **تفاسیر** باوجود اختلاف معانی ماننے کے قابل ہیں۔ **تو سر سید** کی ذات کیوں نشانہ بنائی جاوے اور کوئی وجہ نہیں کہ **تفسیر احمدی** سے اختلاف کیا جاوے +

افسوس! افسوس!!

نظم

جو فرقہ ہو تم سب میں عزت کے قابل
مسلمان بھائی کو کافر بنائیں
لکھیں سید احمد کو یہ پیر نیچر
کہ گر پیر نیچر نہ ہمت دکھاتا
تو جتنے کہ جاتے تھے عیسائی ہوتے
کہ دین ہی ختم گیا جاتے جاتے
نہیں ہم کو سید کی تعریف کرنی
سمجھتے ہیں پر فرض ہم سچ کا کہنا

فضیلت سے ہی جو فضیلت کے قابل
اگر ایک یا لغزشیں بھی ہیں پائیں
سمجھتے نہوں گرچہ تفسیر نیچر
تو اسلام ہندوستاں میں سے جاتا
عدو دین کے سیکڑوں بھائی ہوتے
قدم قوم کا جم گیا جاتے جاتے
اگر چاہئے ہو جو توصیف کرنی
نہیں چاہتے ہیں یہ خاموش رہنا

نیا نہیں پایا ہو جنے طریقہ
جمال نبی ہو کچھ اس کو نازش
نہ کچھ اسکے کاموں کی انکو خبر ہے
نئی روشنی کی شعاعیں جو پڑتیں
کچھ اس ڈھب سے سید دلیرانہ ہوگی
فروعات میں گو تغیر ہوا ہے
نہ ہم سید احمد کے کچھ معتقد ہیں
کہ سید کی نیت خدا جانتا ہے

وہ میں خوش بیانی میں کیا خوش سلیقہ
بنی ہیں تیری آن سے جو نئی
نہ کچھ حب قومی ہے انکو نظر ہے
بہت بستیاں دین حق کی اجڑتیں
نہ کچھ ڈھال رہ گئی نہ تلوار رہ گئی
اصول اب بھی وہ ہی ہیں دین کا
نہ ہم مولوی ہیں نہ ہم نیچری ہیں
خدا جانے یہ شخص کیا جانتا ہے

مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری نسبت جارا لجاہل فسبوہ ولعنوہ وان استطعت فاقتلوہ۔ نہ فرمایا جائے سامنے ہیں اپنے

بیان نا قابل کو معرفت یہ کہکر ختم کرتا ہوں وَلَا تَخْتَلِجُ فِی صَدْرِیْ رَشْحَۃُ شَیْءٍ۔ واضح ہو کہ میرے دوست منشی غلام احمد صاحب تاجر کتب فیروز پور کو چند سال ہوئے کہ جناب خان بہادر ڈپٹی قادر بخش خان صاحب مرحوم و مغفور کے توسط سے سر سید نے تفسیر کے جلد اول کے چھاپنے کی اجازت دی تھی۔ اور وعدہ کیا تھا کہ سوائے ایک جلد کے اور بھی جلدوں کی اجازت دیجاویگی۔ مگر دیر کیوں لگی اور دو سال [illegible] پہونچی اسکی وجہ یہ ہوئی کہ اول تو کاپی نویسوں نے کتابت سے انکار کیا ایک نے تھوڑی کاپیاں لکھیں تو فرمایا کہ ہمارا دین بگڑتا ہے اسلئے آگے ہم نہیں لکھ سکتے۔ اہل مطبع نے چھاپنے کا وعدہ نہ کیا۔ مجبوری جہلی پھر بھی منشی غلام احمد صاحب نے ہمت باندھکر اشتہارات وغیرہ چھاپے ریلوے سٹیشنوں پر چسپاں کئے اخبارات کو دئیے۔ مگر صدہا برخاست آخر کار بابو علی محمد صاحب (جنہوں نے کسی قسم کی مخالفت عوام کی کچھ پروا نہ کر کے منشی صاحب موصوف کے ساتھ کہ ہمت باندھی) کی امداد سے یہ کتاب چھپنی شروع ہوئی۔ اور الحمدللہ کہ پایۂ اختتام کو پہونچی۔ صاحبان موصوف کی ایک عالی العزمانہ بات جو قابل فخر ہو وہ یہ ہے کہ صاحبان موصوف نے ناموس کی عادی نظر نہیں کہا بلکہ خاص از دنیا رشد کتاب کی علیگڈہ محمڈن کالج کی مدد کی ہے جس سے وہ زیادہ تر تحسین و شکرگذاری کے مستحق ہیں۔ جزاہما اللہ۔ ان باتوں سے پایا جاتا ہے کہ سر سید بیچارہ سے جنہوں نے قومی ہمدردی کا بیڑا اٹھایا۔ اور اسی ذی علم قوم بنانا چاہا کسقدر مخالفت ہے۔ حالانکہ افتراق کی بابت۔ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ صاف نص قرآنی ہے۔ اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم۔ واٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ ۞

قطعۂ تاریخ

اے سید عالی تیری ہمت پہ شاباش
سن کہن سال ہو اور پھر بھی کہ جواں ہو
اللہ بزرگی سے رکھے تجھکو ہمیشہ
اور عمر تری بہتر ہو دو عالم و جہاں ہو
افتادہ مسلمانوں کو دنیا میں اٹھایا
اسلام کا تو گویا کہ محفوظ سے اماں ہو
اپنوں کی مخالفت تو زیادہ ہوئی ہے
شادی ہو [illegible] ایسا ہی ہوا
کہتے ہیں [illegible] تو لوگ ہمیشہ
خاموش رہا اسکے کانوں تک نہ رواں

ہر دم تیرے آرام کو عیش دو جہاں ہو
اے نخل ثمردار بہاروں پہ رہے تو
ہر خورد ترے سامنے عزت سے کلاں ہو
صد شکر کہ تو سر بھی ہے اور شاہی سید
گر کر پڑا اٹھی کیوں نہ عدو اسکا جہاں ہو
تفسیر دی اسکی کہ مخالف بھی خجل ہیں
اپنا جو بنایا ہو تو کہتے ہیں اسے ہاں ہو
نسبت دعلائی کی نیز نام ہے اسکو
کیوں صف اضافی نہ ہو باعث شاں ہو
ناگاہ دل میں ہاتف غیبی ہے یہ آواز

اپنی تو دعا ہے یہ زلیخا کی طرح سے
ہر سال نئی تیرے لئے تاب و تواں ہو
سید ہو وہی قوم کا جو قوم کا سر ہو
کسطرح چھپا سکتے ہیں جو بات عیاں ہو
تقریر میں تحریر میں بات دکھائی
کب بات کی تاب آج ہو جو تجھی یاں ہو
چھپوائی یہ تفسیر کسی دوست نے جب سے
نسبت ہو جسے تجھ سے وہ کسطرح نہاں ہو
ارشد کو نظر آئی جو مطبع یہ تفسیر
کس فکر میں ہو دست کدھر کو ہو گماں

تب کہو جو شاد آتو ہے مصرعۂ تاریخ | قرآن کی تفسیر ہوا چھپی کی بان ۱۳۰۴

تمت بالخیر

حصّہ دوم

تفسیر القرآن

تفسیر القرآن جلد دوم

سورۂ الٓمّٓ آل عمران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۱ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

الم، اللہ، نہیں ہے کوئی معبود بجز اُس کے زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا (۱) اُس نے اُتاری تجھ پر کتاب سچی، سچ بتاتی ہوئی اُس کو جو اُس کے ہاتھوں میں ہے، اور اُتاری توریت اور انجیل اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے، اور اُتارا (حق اور باطل میں) فرق کرنے والا (۲) بیشک جنھوں نے اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا اُن کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ بڑا ہے بدلا لینے والا (۳) بیشک اللہ پر کوئی چیز چھپی نہیں ہے زمین میں کی اور نہ آسمان میں کی، وہی ہے جو تمہاری صورتیں رحموں میں بناتا ہے جس طرح چاہتا ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی بڑا ہے حکمت والا (۴) وہی ہے جس نے اُتاری تجھ پر کتاب، اُس میں سے جو محکم آیتیں ہیں، تو کتاب کی جڑ ہیں اور اور متشابہ ہیں

(۵) (اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِھَاتٌ) محکمات اور متشابہات کی بحث بہت دقیق اور طویل ہے، علما نے اُس کے بیان میں بہت بڑی علمیت خرچ کی ہے۔ مگر مختصر بات یہ ہے کہ عربی زبان کے محاورہ میں محکم اُس بات کو کہتے ہیں جو ایسی صاف ہو جس سے ایک ہی مطلب سمجھ میں آوے اور دوسرے مطلب کو نہ آنے دے، اور متشابہ اُس بات کو کہتے

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ	پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے

ہیں جس کے کئی مطلب سمجھ میں آتے ہوں اور بخوبی تمیز نہ ہو سکتی ہو کہ کونسا مطلب مقصود ہے، یا جو معنی اُس کے الفاظ سے متبادر ہوتے ہوں وہ مقصود نہ ہوں، بلکہ وہ الفاظ بطور تمثیل یا بطور مجاز و استعارہ کے آئے ہوں ◆

اس پر لوگوں نے بہت بحث کی ہے کہ قرآن مجید میں آیات متشابہات کیوں نازل کی گئی ہیں، مگر ہر ایک سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جب قرآن مجید انسانوں کی زبان میں نازل ہوا ہے اور اُس سے عوام و خواص سب کی ہدایت مقصود ہے تو اُس میں آیات متشابہات کا نہ ہونا ناممکن ہے۔ قرآن مجید میں بہت سی ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کو انسان کے حواس خمسۂ ظاہری و باطنی نے محسوس نہیں کیا ہے، نہ ان کی کیفیات کو جانا ہے پس ممکن نہیں ہے کہ وہ مطلب آیات محکمات میں بیان ہو سکے، اور اسلئے ضرور ہے کہ وہ تمثیل کے پیرایہ میں آیات متشابہات کے ذریعہ بیان کیا جاوے۔ علاوہ اسکے قرآن مجید تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، اُس کا مقتضا یہ ہے کہ جس طرح ذی علم و دانشمند اُس سے ہدایت پاویں اُسی طرح جاہل و نادان عوام بھیڑوں اور بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والے بھی ویسی ہی ہدایت پاویں۔ تمام اکثر حقایق امور کے سمجھنے کے قابل نہیں ہوتے، بلکہ بلحاظ زمانہ اور بلحاظ اُس قدر ترقی علم و معلومات کے جو اُس زمانہ میں ہوئی ہوتی ہے اکثر ذی علم بھی حقایق اشیا یا حقیقۃ الامر کے سمجھنے سے عاری ہوتے ہیں۔ صاحب مذہب کو یا یوں کہو کہ روحانی ہادی یا پیغمبر کو ان اُمور سے چنداں بحث نہیں ہوتی، اس لئے وہ روحانی اصلاح و تربیت کو مدنظر رکھ کر اُن مطالب کو ایسے الفاظ میں بیان کرتا ہے جن پر آیات متشابہات کا اطلاق ہوتا ہے۔ اگر اُس کے ایک پہلو پر خیال کرو تو اُس سے وہ مطلب پایا جاتا ہے جو عوام کے خیالات یا اُس زمانہ کے اہل علم کی معلومات کے مناسب ہوتا ہے، لیکن اُس میں ایک دوسرا پہلو بھی مخفی ہوتا ہے، اور جب علم کی اور معلومات کی ترقی ہوتی جاتی ہے جب سمجھ میں آتا ہے پس ایک ایسی کتاب میں جیسا کہ قرآن مجید ہے آیات متشابہات کا ہونا امر لازمی و ضروری ہے، بلکہ اُن کا ہونا ہی دلیل اُس کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے کی ہے اور قرآن مجید کا یہی بہت بڑا معجزہ ہے۔ اسی کے ساتھ بعض امور ایسے بھی ہوتے ہیں جو اصل اصول اور مدار اُس روحانی تربیت کے ہیں جن کے بغیر روحانی تربیت کا ہونا جو مقصود اصلی ہے ناممکن ہے۔ وہ امور بالضرور اس طرح پر بیان ہونے چاہئیں جن کا ایک ہی مطلب ہو اور نہایت صفائی سے سمجھ میں آسکے، اور دوسرے مطلب کو اُس میں لگنے کی گنجایش نہ ہو، اور یہی مطالب وہ ہیں جن پر آیات محکمات کا اطلاق ہوا ہے ◆

سب سے بڑا اصول مسلمانی مذہب کا توحید ہے، اور اُس کے بعد اعمال حسنہ، وہ اس خوبی

فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (٥) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (٦) رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (٧) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ (٨) كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ (٩)

تو اُس میں سے متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ چلانے کے لئے اور اُس کی (غلط) مراد کی تلاش کرنے کے لئے اور اُس کی صحیح مراد کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے، اور جو لوگ علم میں پکے ہیں کہتے ہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے ہیں، سب کا سب ہمارے پروردگار کے پاس سے (اترا) ہے، اور نصیحت نہیں پکڑتے مگر عقل والے (۵) اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ تو نے ہم کو ہدایت کی ہے کجی میں مت ڈال، اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت دے، بیشک تو ہی دینے والا ہے (۶) اے ہمارے پروردگار بیشک تو لوگوں کو اُس دن میں اکٹھا کرنے والا ہے جس میں کچھ شک نہیں، بیشک اللہ وعدہ کے برخلاف نہیں کرتا (۷) ہاں جو لوگ کافر ہوئے اُن کو اُن کا مال اور نہ اُن کی اولاد اللہ سے کچھ بھی بے پرواہ نہ کرے گی وہی لوگ آگ کے ایندھن ہیں (۸) جیسا فرعون والوں کا اور اُن کا جو اُن سے پہلے تھے حال ہوا ہے، اُنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا پھر خدا نے اُن کے گناہوں میں اُن کو پکڑا، اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے (۹)

دھڑگی اور صفائی سے قرآن مجید کی آیات محکمات میں بیان ہوئے ہیں جن میں کسی طرح دوسرا احتمال ہو ہی نہیں سکتا۔ سورہ انعام میں فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود ہی نہیں، ہر چیز کا وہی خالق ہے اُسی کی عبادت کرو۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اے محمد کہہ دے کہ اُس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہی خدا ہے واحد ہے، ایک اور جگہ فرمایا کہ خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو خدا مت بناؤ۔ سورہ بقر میں کس صفائی سے بتلایا کہ جو شخص خدا پر ایمان لایا بیشک اُس نے مضبوط ذریعہ پکڑ لیا جس کے لئے ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔ سورہ نساء میں فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اُس کا شریک مت کرو، ماں باپ کے ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، غریبوں کے ساتھ ہمسایہ میں جو رشتہ مند رہتے ہوں اُن کے ساتھ، ہمسایہ میں جو اور لوگ رہتے ہوں اُن کے ساتھ، جو غیر لوگ ساتھی ہوں اُن کے ساتھ، مسافر غریب الوطن کے ساتھ احسان کرو، اور ایک جگہ سورہ بقر میں فرمایا کہ غلاموں کے آزاد کرانے

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۰﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۱﴾	کہدے اُن لوگوں کو جو کافر ہوئے کہ عنقریب عاجز ہو گے اور جہنم کی طرف ہنکائے جاؤ گے، اور وہ بُری جگہ ہے ﴿۱۰﴾ بے شبہ تمہارے لئے نشانی ہے دو گروہوں کے مُٹ بھیڑ ہونے میں، ایک گروہ خدا کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا، وہ اُن کو چشم دید اپنے سے دوگنا دیکھتے تھے اور اللہ تائید کرتا ہے اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے، بیشک اس میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے ﴿۱۱﴾

میں مال خرچ کرو۔ سورہ نساء میں کتنا صاف طور پر بیان کردیا ہے کہ خدا صرف شرک کو نہیں بخشنے کا، اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں اگر چاہیگا اُن کو بخش دیگا۔ ایک اور جگہ کس خوبی سے کلیہ قاعدہ بتایا ہے کہ جس نے تابعداری سے اپنا منہ خدا کے سامنے کیا اور وہ نیکی کرنیوالا ہے، تو اُس کا ثواب اُس کے پروردگار کے پاس ہے، اُن کو کچھ خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ پس یہ تمام آیات اور اُن کی مانند اور بہت سی آیتیں آیات محکمات ہیں جن کا مطلب سوائے ایک کے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا +

ذات باری کی تعبیر بجز اس کے کہ موجود واحد لا ند و لا شریک لہ ولیس کمثلہ شیئ نہ آیات محکمات سے ہوسکتی ہے اور نہ آیات متشابہات سے، اس لئے قرآن مجید میں جا بجا اُس کی صفات کو بیان کیا ہے، مگر جہاں جہاں صفات باری بیان ہوئی ہیں وہ سب از قبیل آیات متشابہات کے ہیں، "حی لا یموت" کے الفاظ سے ہم کو اُسی زندگی اور موت کا خیال آتا ہے جو ہم انسانوں اور حیوانوں میں دیکھتے ہیں، حالانکہ ذات باری اُس حیات و ممات سے جس کو ہم جانتے ہیں بری ہے۔ سمیع و بصیر و علیم ہونے کی صفات کو بجز اُس قوت اور حس کے جو ہم کو بذریعہ کانوں اور آنکھوں اور بعد وجود معلومات کے اُن کے ادراک سے حاصل ہوتی ہے اور کچھ نہیں جانتے۔ حالانکہ ذات باری اس قسم کی صفات سے بری ہے۔ رحم اور غضب و قہر سے ہم اُنہیں صفات کو سمجھتے ہیں جو ہمارے دل کو کسی کی حالت زار دیکھ کر لاحق ہوتی ہیں اور ہمارا دل اُس سے متاثر ہو کر مضطر و رقیق ہو جاتا ہے۔ یا کسی مخالف کی مخالفت یا خلاف طبع سرزد ہونے کے سبب ہمارے دل میں ایک جوش انتقام لینے کا اور ایسے فعل کے کرنے کا جس سے ہمارے جوش قلب کو تسکین ہو پیدا ہوتا ہے، مگر ذات باری اس قسم کی صفات رحم و قہر سے پاک و منزا ہے۔ خدا کی نسبت عرش پر بیٹھنا اُس کے ہاتھ ہونے اُس کا منہ ہونا بیان ہوا ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۱۴)	خوشنما کی گئی ہے لوگوں کے لئے محبت نفسانی کی محبت عورتوں اور بیٹوں اور سونے و چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانوں کی اور عمدہ گھوڑوں اور چوپایوں اور کھیتی کی، یہ سامان دنیا کی زندگی کا ہے، اور خدا اس کے نزدیک اچھی طرح سے جانا (اچھا ہے) (۱۴)

ان الفاظ سے بجز ایسے تخت کے جس کو ہم نے دیکھا ہے، اور بجز ان ہاتوں کے جو ہمارے بدن میں ہیں، اور بجز اس منہ کے جو زیادہ سے زیادہ شان و شوکت والا ہم نے دیکھا ہے اور کوئی معنی ہمارے خیال میں نہیں آ سکتے، مگر خدا تعالیٰ اس طرح سے تخت پر بیٹھنے اور ایسے ہاتوں اور ایسے منہ کے ہونے سے مبرا ہے۔ حشر اجساد، نعیم جنت، عذاب دوزخ کا جن آیتوں میں بیان ہوا ہے وہ سب آیتیں متشابہات میں سے ہیں۔ جسد کے موجود ہونے کا خیال بجز اس طریقہ کے جس کو ہم دیکھتے ہیں اور طرح پر آ ہی نہیں سکتا، اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ حشر اجساد سے اسی معمولی دنیوی طریقہ پر محشور ہونا مقصود نہیں ہے، اور نہ موجودہ اجسام کا بعینہا محشور ہونا مراد ہے۔ نعیم جنت و عذاب دوزخ کے لذائذ و آلام جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں اُن کی کیفیت بجز اس کے جو ہم اپنی جسمانی حالت میں پاتے ہیں اور کچھ سمجھ نہیں سکتے، اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ وہ حالت اس جسمانی حالت سے مغائر ہوگی۔ پس وہ تمام آیات متشابہات ہیں جن کے کئی مطلب سمجھ میں آتے ہیں اور اصلی مقصود متعین نہیں ہو سکتا، یا اُن میں ایسے مطالب ہیں جو انسان کی حس سے خارج ہیں اور بطور تمثیل کے بذریعہ آیات متشابہات بیان ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ خرابی ڈالنے کے لئے اُن کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور اُن کی غلط تاویلیں کرتے ہیں، اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سب خدا کے پاس سے آیا ہے، اس لئے وہ اس قسم کی تاویلوں کے درپے نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ:۔

وہ علۃ العلل جس کو خدا کہتے ہیں وحدہ لا شریک ہے۔ وہی علۃ العلل تمام چیزوں کی خالق ہے، ایسی علۃ العلل کے لئے ضرور ہے کہ اس میں ایسی چیز بھی ہو جس کو ہم زندگی کہتے ہیں، ایسی چیز نہ ہو جس کو ہم موت کہتے ہیں، اُس میں کوئی ایسی چیز بھی ہونی ضرور ہے جس کو ہم لفظ سمع و بصر و علم رحم و غضب و قہر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُس میں کوئی ایسا امر بھی ہونا ضرور ہے کہ جن کاموں کو ہم ہاتھ پاؤں منہ وغیرہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اُس میں بھی منسوب کر سکیں، کیونکہ اُس کے علۃ العلل و خالق جمیع اشیا کے ہونے کو ایسی چیزوں کا اُس میں ہونا لازم ہے، اس لئے

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۱۳﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۵﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ ﴿۱۸﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۗ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۱۹﴾

کہو اے محمد کہ کیا تم کو بتادوں اس سے بھی اچھی ان لوگوں کے لئے جو پرہیزگار ہیں اُن کے پروردگار کے پاس بہشتیں ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں ہمیشہ وہ اُس میں رہیں گے، اور پاکیزہ بیبیاں ہیں، اور اللہ کی رضامندی ہے، اور اللہ بندوں (کے حال) کو دیکھتا ہے ﴿۱۳﴾ (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار بیشک ہم ایمان لائے ہیں، پھر ہمارے لئے ہمارے گناہ بخشدے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا ﴿۱۴﴾ (یہی لوگ) صبر کرنے والے، اور سچ بولنے والے، اور فرمانبرداری کرنے والے، اور نیک ...میں مال خرچ کرنے والے اور پچھلی راتوں میں گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں ﴿۱۵﴾ خدا نے گواہی دی کہ بیشک کوئی خدا اُس کے سوا نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے جو انصاف پر قایم ہیں (گواہی دی) کہ نہیں کوئی معبود بجز اُس کے، غالب ہے حکمت والا ﴿۱۶﴾ بیشک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے اور مخالفت نہیں کی اُنہوں نے جن کو کتاب دی گئی ہے مگر بعد اس کے کہ اُن کو علم آگیا (مخالفت کی) آپس کے حسد سے، اور جو شخص منکر ہے اللہ کی نشانیوں سے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۷﴾ پھر اگر تجھ سے جھگڑا کریں تو کہدے کہ میں نے اور جنہوں نے میری پیروی کی تابعدار کردیا ہے اپنے مُنہ کو (یعنی اپنے آپ کو) اللہ کا ﴿۱۸﴾ اور کہدے اُن کو جن کو کتاب دی گئی ہے اور اَن پڑھوں کو کیا تم اسلام لائے ہو، پھر اگر وہ اسلام لائے تو اُنہوں نے ہدایت پائی اور اگر وہ پھر گئے تو تجھ پر پیغام پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں، اور اللہ بندوں کے حال کو دیکھتا ہے ﴿۱۹﴾

ہم اس کے حی لایموت، سمیع، بصیر، علیم، رحمان و رحیم، قہار و جبار ہونے پر یقین کرتے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ
وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ
مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ
أَلِيمٍ ﴿۲۰﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۲۱﴾
أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا
مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ
اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ
فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۲﴾
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا
النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ وَ
غَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا
يَفْتَرُونَ ﴿۲۳﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ
لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ
كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۴﴾ قُلِ اللَّهُمَّ
مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ
تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ
بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵﴾ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ
وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ
مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۶﴾

بیشک جنھوں نے انکار کیا ہے اللہ کی نشانیوں کا
اور مار ڈالا ہے نبیوں کو ناحق ، اور لوگوں میں سے
اُن کو مار ڈالا ہے جنھوں نے انصاف کی بات کہی ،
پھر اُن کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری دیدے ﴿۲۰﴾
وہی لوگ ہیں جن کے عمل دنیا و آخرت میں نابود ہو گئے
ہیں اور اُن کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے ﴿۲۱﴾
کیا تو نے نہیں دیکھا اُن کو جن کو کتاب کا کچھ حصہ
دیا گیا ہے کہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں
تاکہ اُن میں حکم دیں ، پھر اُن میں سے ایک فریق پھر
جاتا ہے اور وہ منہ پھیر لیتے ہیں ﴿۲۲﴾ یہ بات
اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم کو آگ نہیں
چھوئے گی بجز گنے ہوئے دنوں کے اور اُن کو
غرہ میں کر دیا اُن کے دین میں اُن باتوں نے جن
کی افترا پردازی کرتے تھے ﴿۲۳﴾ پھر کیا حال ہوگا
جب کہ ہم اُن کو اُس دن اکٹھا کرینگے جس میں کچھ
شک نہیں ، اور ہر شخص کو پوری دیجاویگی وہ چیز جو
اُس نے کمائی ہے ، اور اُن پر ظلم نہ کیا جاویگا ﴿۲۴﴾
کہدے اے خدایا مالک ملک کے ، تو دیتا ہے ملک جس کو
چاہتا ہے ، اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے
اور تو عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ، اور ذلت دیتا
ہے جس کو چاہتا ہے ، تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے ،
بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۵﴾ ڈالتا ہے رات
کو دن میں اور ڈالتا ہے دن کو رات میں ، اور
نکالتا ہے زندہ کو مردے سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے یعنی
ہست نیست اور نیست سے ہست کرتا ہے اور روزی دیتا ہے
جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے ﴿۲۶﴾

ہیں ، مگر اس امر کی کہ اُس کی حیات کیا ہے اور عدم موت کیا ہے ، اُس کا سمیع و بصیر و علیم و رحمان

ے کقولہ تعالیٰ وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ۝ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۲۷)

نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست سوائے ایمان والوں کے، اور جس نے ایسا کیا تو اللہ سے اُس کے لئے کچھ نہیں مگر یہ کہ تم اُن (کے شر) سے بچنے کے لئے ایک بچاؤ کرو، اور اللہ اپنے سے تم کو ڈراتا ہے اور اللہ کے پاس جانا ہے، (کہہ دے اے پیغمبر) کہ اگر تم چھپاؤ گے جو کچھ تمہارے دل میں ہے یا اُس کو ظاہر کرو گے اس کو خدا جانتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۲۷)

ورحیم وجبار وقہار ہونا کیا ہے اور کیسا ہے کچھ تاویل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ لا یعلم تاویلہ الا اللہ، ہاں اس قدر کہ سکتے ہیں کہ ہمارا ایسا نہیں پس ہمارے نزدیک آیات متشابہات پر ایمان لانے کے یہی معنی ہیں اور فطرت انسانی کا یہی مقتضے ہے ✦

(۲۷) (لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ) اس آیت کی نسبت مسلمان عالموں نے بہت بحث کی ہے اور متعدد محمل نکالے ہیں، مگر تمام آیت پر غور کرنے سے ظاہر ہے کہ اس میں کافروں کے ساتھ محبت یا دوستی فی الدین ممنوع ہے، یعنی کافروں سے اس وجہ سے دوستی ومحبت کرنی کہ اُن کا دین اچھا ہے منع بلکہ کفر ہے، اور اس کے سوا اور قسم کی دوستی ومحبت ممنوع نہیں ہے ✦

یہ تخصیص خود اس آیت سے ظاہر ہے کیونکہ اسی میں فرمایا ہے "ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیٔ" جس سے اُس دوستی کرنے والے کا کفر لازم آتا ہے، اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہ محبت منجر بکفر نہ ہو، اور وہ منجر بکفر نہیں ہو سکتی جب تک کہ تحسین فی الدین نہ ہو ✦

اصل یہ ہے کہ جب مسلمان کافرانِ مکہ کے پنجے میں پھنس جاتے تھے تو وہ اُن کو ایذا دیتے تھے اور اسلام سے پھیر کر پھر اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے، اس مصیبت کے سبب یہ حکم نازل ہوا ہے جس میں یہ ہدایت ہے کہ کافروں سے دوستی ومحبت فی الدین مت کرو لیکن اگر اُن کے شر سے بچنے کے لئے بچاؤ کر لو تو کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ دل کی بات اور ظاہر کی بات سب خدا جانتا ہے یہ آیت مثل سورہ نحل کی آیت کے ہے جہاں کافروں کے عذاب کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" یعنی جس شخص نے جبر سے کفر کی بات کہدی ہے اور اُس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو اُس کو کچھ عذاب نہ ہوگا ✦

علمائے مفسرین نے اگرچہ متعدد تاویلیں اس آیت کی ہیں مگر وہ مطلب بھی جو ہم نے

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۹﴾	جس دن کہ موجود پاویگا ہر شخص نیکی سے جو کچھ اُس نے کی ہے اور بدی سے جو کچھ اُس نے کی ہے چاہیگا کہ کاش اُن بدی میں اور اُس میں بہت فاصلہ ہوتا، اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے، اور اللہ بندوں پر بہت شفقت کرنے والا ہے ﴿۲۸﴾ کہدے (اے پیغمبر) کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، اللہ تم کو دوست رکھیگا اور تمہارے گناہ بخش دیگا اور اللہ بخش دینے والا ہے بڑا مہربان، کہدے اے پیغمبر، اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر پھر جاؤ تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ﴿۲۹﴾

بیان کیا ہے اُنہوں نے تسلیم کیا ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ چند یہودیوں نے مسلمانوں سے میل جول اس غرض سے شروع کیا کہ اُن کو اُن کے دین سے پھیر دیں۔ رفاعۃ بن المنذر اور عبد الرحمان بن جبیر و سعد بن خثیمہ نے اُن مسلمانوں سے کہا کہ تم اُن سے بچے رہو کہ تم کو تمہارے دین سے نہ پھیر دیں اُس پر یہ آیت نازل ہوئی ❖

اُسی تفسیر میں " الا ان تتقوا منهم تقاة " کے ذیل میں ایک قصہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں کو مسیلمہ کذاب نے پکڑ لیا مسیلمہ کہتا تھا کہ قوم قریش کے لئے تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہیں اور بنی حنیفہ کے لئے میں پیغمبر ہوں، اُس نے ایک صحابی سے پوچھا کہ محمد پیغمبر ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہاں ہاں، پھر اُس نے پوچھا کہ میں بھی پیغمبر ہوں انہوں نے کہا ہاں۔ جب دوسرے صحابی سے پوچھا کہ محمد پیغمبر ہیں اُنہوں نے کہا کہ ہاں، اور جب یہ پوچھا کہ میں بھی پیغمبر ہوں تو اُنہوں نے کہا کہ میں بہرا ہوں، اس پر مسیلمہ نے اُن کو مروا ڈالا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو اپنے یقین پر مارا گیا اور اُس نے رخصت پر عمل کیا ❖

اُسی تفسیر میں لکھا ہے کہ کافروں کی دوستی تین طرح پر ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ اُس کے کفر کو پسند کرتا ہو اور اُس کے کفر کے سبب اُس سے دوستی رکھتا ہو، ایسی دوستی تو منع بلکہ کفر ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیاوی امور میں بحسب ظاہر معاشرت جمیلہ یعنی اچھا میل جول ہو اور یہ ممنوع نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ کافروں کے ساتھ میلان ہونا اور اُن کی اعانت اور مدد اور نصرت کرنا بسبب قرابت کے یا محبت کے اس اعتقاد کے ساتھ کہ اُن کا مذہب باطل ہے ممنوع ہے مگر کفر نہیں۔ مگر ممنوع ہونے کی جو وجہ لکھی ہے

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۳۰) إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (۳۱)

بیشک اللہ نے برگزیدہ کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو عالموں پر ذریت ہیں اُن میں کے بعضے بعضوں کی اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا (۳۰) جس وقت عمران کی بی بی نے کہا کہ اے پروردگار جو میرے پیٹ میں ہے میں نے اُس کو خالصاً تیری نذر کر دیا پھر میری طرف سے قبول کر بیشک تو ہی سننے والا ہے جاننے والا پھر جب بیٹی پیدا ہوئی تو اُس نے کہا اے پروردگار میں نے تو بیٹی جنی اور خدا خوب جانتا ہے جو اُس نے جنا اور بیٹا بیٹی کی مانند نہیں ہوتا اور ہاں میں نے اُس کا نام مریم رکھا اور بیشک میں اُس کو اور اُس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں مردود شیطان سے (۳۱)

وہ محض ناکافی ہے یعنی اُس میں لکھا ہے کہ ممنوع اس لئے ہے کہ اس طرح کا برتاؤ کبھی اُن کے کفر کی پسندیدگی پر منجر ہو جاتا ہے، مگر یہ بات محض لغو اور خود اپنے خیال سے دلیل پیدا کی ہوئی ہے جو مذہبی مسئلہ کی بنیاد نہیں ہو سکتی +

پس ان تمام روایتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ کفار سے محبت اور دوستی من حیث الدین ممنوع ہے اس کے سوا کسی قسم کی دوستی اور معاشرت و محبت و وفاداری اور امداد اور کسی طرح کی راہ و رسم مذہب اسلام کے رُو سے ممنوع نہیں ہے +

(۳۰) (آل عمران) مفسرین نے اس بات پر بحث کی ہے کہ یہ عمران کون ہیں، حضرت موسیٰ و ہارون کے باپ یا حضرت مریم کے باپ، اور اس امر کے قرار دینے میں اختلاف کیا ہے، مگر جب تمام آیت پر غور کیا جاوے جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ اُن کی ذریت میں سے بعضے بعض کی ذریت ہیں تو کچھ شبہ نہیں رہتا کہ اس مقام پر عمران سے موسیٰ و ہارون کے باپ مراد ہیں +

(۳۱) (اذ قالت امرأۃ عمران) یہ نام حضرت مریم کے باپ کا ہے، عیسائی مذہب کی کتابوں سے ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت مریم کے باپ کا کیا نام تھا، بعضے گمان کرتے ہیں کہ ہیلی یا عیلی اُن کے باپ کا نام تھا، اگر وہ صحیح بھی ہو تو ممکن ہے کہ ایک شخص کے دو نام ہوں +

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۲﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ﴿۳۳﴾ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۴﴾

پھر اُس کے پروردگار نے اُس کو قبول کیا اچھی طرح کا قبول کرنا اور اُس کو بڑا کرنا اچھی طرح کا بڑا کرنا اور اُس کو زکریا کے سپرد کیا جب (زکریا) اُن کے پاس حجرہ میں (یعنی جہاں حضرت مریم عبادت کرتی تھیں اور نماز پڑھتی تھیں) جاتے تو اُن کے پاس کھانے کی کوئی چیز پاتے (زکریا نے) کہا اے مریم یہ کہاں سے تیرے لئے آئی (مریم نے) کہا اللہ کے پاس سے اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے ﴿۳۲﴾ اسی جگہ زکریا نے اپنے پروردگار سے دُعا کی کہا اے پروردگار دے مجھ کو اپنے پاس سے اچھی اولاد بیشک تو دُعا کا سننے والا ہے پھر فرشتوں نے اس کو آواز دی اور وہ اس حجرہ میں کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا ﴿۳۳﴾ کہ اللہ تعالےٰ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی ماننے والا اللہ کے کلمہ (یعنی اللہ کی کتاب) کا اور بزرگ اور عورتوں سے پرہیز کرنے والا اور پیغمبر نیکوں میں سے ﴿۳۴﴾

یہودیوں کے ہاں رواج تھا کہ اپنے کسی بیٹے کو خدا کے نام پر وقف کر دیتے تھے، شموئیل نبی پسر القانہ کو بھی اُن کی ماں حناہ نے اسی طرح خدا کی نذر کیا تھا اور منت مانی تھی کہ اگر اُس کے بیٹا ہو تو وہ اُس کو عمر بھر کے لئے خدا کے نام پر وقف کر دیگی اور اُس کے سر پر اُسترا نہیں لگانے کی (دیکھو کتاب اول شموئیل باب اول) اسی طرح حضرت مریم کی ماں نے اپنے پیٹ کے بچے کو خدا کی نذر کیا تھا، مگر اتفاق سے بیٹا نہ ہوا بیٹی ہوئی۔ یہ نذر کئے ہوئے لڑکے معبد کی خدمت کیا کرتے تھے، دودھ چھوٹنے کے بعد جب کسی قدر ہوشیار ہوتے تھے تو معبد میں بھیج دئے جاتے تھے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جب وہ بالغ ہوتے تھے تو اُن کو اختیار رہتا تھا کہ چاہیں اپنے تئیں خدا کے کاموں کے لئے وقف رکھیں چاہیں معبد سے چلے جاویں۔ بیٹی اس طرح پر معبد کی خدمت گذاری پر مامور نہیں ہو سکتی تھی اس لئے جب لڑکی پیدا ہوئی تو حضرت مریم کی ماں نے افسوس کیا اور کہا کہ "لیس الذکر کالانثیٰ" +

جب حضرت مریم کسی قدر ہوشیار ہوگئیں جیسے کہ ان لفظوں سے پایا جاتا ہے "وانبتها نباتا حسنا" اُس وقت حضرت زکریا نبی کے سپرد ہوئیں۔ معبد کی خدمت پر تو مامور نہیں

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ
وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ
عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ
مَا يَشَاۗءُ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ
اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ
النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ
وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ
بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۳۶﴾ وَاِذْ قَالَتِ
الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ
اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ
عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ يٰمَرْيَمُ
اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ
مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِنْ
اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ
اَقْلَامَھُمْ اَيُّھُمْ يَكْفُلُ
مَرْيَمَ ۠وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِذْ قَالَتِ
الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ
يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۤ اسْمُهُ
الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۰﴾
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا
وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۱﴾

(زکریا نے) کہا اے پروردگار کیونکر میرے بیٹا ہوگا
مجھ کو تو بڑھاپا آ گیا ہے اور میری بی بی بانجھ ہے
(اللہ نے) کہا ایسی ہوگا (یعنی جو کہا گیا ہے وہ ہوگا)
اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے (۳۵) (زکریا نے) کہا اے پروردگار
میرے لئے کوئی نشانی (یعنی حکم) مقرر کر، (خدا نے)
کہا کہ تیرے لئے نشانی (یعنی حکم) یہ ہے کہ تین دن تک
کسی آدمی سے بجز اشارہ کے بات نہ کر، اور اپنے
پروردگار کو بہت سا یاد کر، اور اپنے پروردگار کے تقدس
کو یاد کر شام کو اور صبح کو (یعنی رات دن) (۳۶) اور جب کہا
فرشتوں نے اے مریم بیشک اللہ نے تجھ کو برگزیدہ کیا اور
تجھ کو پاک کیا، اور تجھ کو برگزیدہ کیا عالم کی عورتوں پر (۳۷)
اے مریم اطاعت کرتی رہ اپنے پروردگار کی، اور سجدہ کیا کر
اور رکوع کیا کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ (۳۸) یہ ہے غیب
کی خبروں میں سے، ہم نے اس کی وحی تجھ کو کی ہے، اور
تو اُن کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنے قلموں کو (بطور قرعہ
کے) ڈالتے تھے کہ اُن میں سے کون مریم کی خبر گیری کا ذمہ
لے، اور تو اُن کے پاس نہ تھا جب کہ وہ جھگڑتے تھے
(۳۹) جب کہ فرشتوں نے کہا اے مریم بیشک اللہ
تجھ کو خوشخبری دیتا ہے ایک کلمہ کی اپنی طرف سے
اس کا نام (ہوگا) مسیح عیسٰے مریم کا بیٹا رویت والا
دنیا میں اور آخرت میں اور (خدا کے) مقربوں
سے (۴۰) اور کلام کریگا لوگوں سے گہوارہ
میں (یعنی بچپنے میں) اور بڑھاپے میں، اور
ہوگا نیکوں میں سے (۴۱)

ہوسکتی تھیں مگر ایک بالاخانہ میں یا حجرہ میں اُن کو رکھا جو عابد و زاہد عورتوں کے لئے معین ہونگے،

سلہ تفسیر کبیر میں ابو مسلم کا قول لکھا ہے کہ لا تکلم الناس کا مطلب یہ ہے کہ تو مامور ہوا ہے کہ تین دن تک بات نہ
کرے اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ بمعنی نہی کیا ہے قول مذکور یہ ہے " ان المعنی ایتك ان لا تکلم تصیر
مامورا بان لا تکلم ثلثۃ ایام انتہی ملخصا ۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَیُعَلِّمُهُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِیُٔ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۴۹﴾

(مریم نے) کہا اے پروردگار کہاں سے ہوگا میرے بیٹا اور نہیں چھوا ہے مجھ کو کسی آدمی نے، (خدا نے) کہا یہی ہوگا (یعنی جو کہا گیا ہے وہ ہوگا)، اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جب کہ کوئی کام کرنا ٹھہر چکتا ہے تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس کو کہتا ہے، ہو، پھر ہو جاتا ہے ﴿۴۷﴾ اور اس کو سکھاوے گا کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل، اور (کریگا) پیغمبر بنی اسرائیل کا، ہاں میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی اپنے پروردگار سے (یعنی خدا کا حکم یا انجیل) ہاں میں پیدا کرتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی صورت کی مانند، پھر میں اس میں پھونکتا ہوں تاکہ ہو جاوے پرند اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں اندھے کو اور کوڑھی کو اور زندہ کرتا ہوں مردے کو اللہ کی اجازت سے، اور تم کو بتا دیتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کر لیتے ہو، ہاں اس میں البتہ تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو ﴿۴۹﴾

اُس میں حضرت مریم خدا کی عبادت کرتی تھیں جیسے کہ قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے
"یا مریم اقنتی لربك واسجدی وارکعی مع الراکعین"+

(۳۲) (قالت هو من عند الله) اس امر کی نسبت کہ جب حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس جاتے تھے تو اُن کے پاس کھانے کی کوئی چیز دیکھتے تھے مفسرین نے عجیب عجیب روایتیں نقل کی ہیں، حالانکہ اس بات کے کہنے میں کہ اللہ کے پاس سے آیا ہے یا اللہ نے بھیجا ہے کوئی ایسی عجیب بات نہیں ہے، یہ تو ایک روزمرہ کے محاورہ کی بات ہے۔ ابو علی جبائی نے گو کہ وہ معتزلی ہو اپنی تفسیر میں ٹھیک بات لکھی ہے جس کو تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے، کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالے ایمان والوں کے ہاتھ سے جو زاہد و عابد عورتوں کی خبرگیری کرتے تھے حضرت مریم کو رزق پہنچاتا تھا، جب حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس کوئی کھانے کی چیز دیکھتے

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۴۴)	اور ماننے والا ہوں جو میرے ہاتھوں میں ہے یعنی توریت، اور تمہارے لئے حلال کرتا ہوں وہ بعض چیزیں جو تم پر حرام ہوئی تھیں، اور تمہارے پاس تمہارے پروردگار سے نشانی لایا ہوں، پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو، بیشک اللہ میرا پروردگار اور تمہارا پروردگار ہے، پھر اُس کی عبادت کرو، یہی سیدھا رستہ ہے (۴۴)

تو پوچھتے تھے کہ کہاں سے آئی ہے۔ اس تفسیر پر جو ابو علی جبائی رحمۃ اللہ علیہ نے کی حضرت مریم کا یہ جواب کہ "ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب" بالکل صحیح و درست اور روزمرہ کے محاورہ کے مطابق ہوتا ہے ✦

(۳۴) (بکلمۃ من اللہ) یہودی حضرت یحییٰ کو پیغمبر نہیں مانتے مگر عیسائی مذہب میں یہ تسلیم ہوا ہے کہ حضرت یحییٰ پیغمبر تھے اور وہ حضرت مسیح کی بشارت دینے کے لئے پیغمبر ہوئے تھے، علمائے اسلام کی عادت ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی ایسی باتوں کو جو اُن کے خیال کے مخالف نہ ہوں بلا عذر تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس آیت میں کلمہ کا لفظ آیا ہے اور حضرت مسیح کی نسبت بھی کلمہ کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے، پس مفسرین نے کہہ دیا کہ "مصدقا بکلمۃ من اللہ" سے یہ مراد ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت دینگے یا حضرت عیسیٰ کی تصدیق کرینگے، حالانکہ حضرت عیسیٰ خود اُس زمانہ میں موجود تھے اور صرف چھ مہینے حضرت یحییٰ سے چھوٹے تھے، اور خود حضرت عیسیٰ نے اُن سے اصطباغ لیا تھا۔ ممکن ہے کہ حضرت یحییٰ نے کہا ہو کہ میرے بعد جو ہونے والا ہے یعنی حضرت عیسیٰ جن کو غالباً وہ اپنا جانشین تصور کرتے ہونگے مجھ سے بھی برتر ہے۔ مگر اس امر کو اس آیت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ✦

"مصدقا بکلمۃ من اللہ" کے صاف معنی یہ ہیں کہ اللہ کے حکم کی یا اللہ کی کتاب کی تصدیق کریگا۔ تمام قرآن کا محاورہ یہی ہے کہ انبیا کی نسبت کتب سابقہ کی تصدیق کا اشارہ کیا گیا ہے نہ کسی شخص معین کی تصدیق کا۔ تفسیر کبیر میں کلمۃ اللہ کی نسبت ابی عبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ اُس سے مراد کتاب من اللہ ہے، اور اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اہل عرب بولتے ہیں کہ "انشد فلان کلمۃ"، اور اُس سے مراد طول طویل قصیدہ کے پڑھنے کی ہوتی ہے ✦

(۴۲) (قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر) حضرت عیسیٰ کی نسبت جو اُمور قرآن مجید میں مذکور ہیں بلاشبہ نہایت غور کے لایق ہیں، اُن میں سے چند اس سورہ میں

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْھُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاشْھَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾	پھر جب عیسٰے نے اُن کا کفر معلوم کیا کہا کہ کون میری خدا کی طرف کرنے والے ہیں حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں ایمان لائے ہیں اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں ﴿۴۵﴾

بیان ہوئے ہیں اور سورہ مائدہ میں مجموعاً مذکور ہیں، اور اس لیے ہم سورہ مائدہ کی تفسیر میں اُن سب سے بحث کرینگے ۔ اس مقام پر صرف ولادت حضرت عیسٰے پر غور کرتے ہیں ×

عیسائی اور مسلمان دونوں خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسٰے صرف خدا کے حکم سے علی العموم انسانی پیدائش کے برخلاف بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے ۔ اگر ایسا ہی ہونا فرض کیا جاوے تو اول اس بات پر غور کرنی ہوگی کہ بن باپ کے پیدا کرنے میں حکمت الٰہی کیا ہو سکتی ہے ۔ ایسے واقعات جو خلاف عادت یا مافوق الفطرت تسلیم کئے جاتے ہیں اُن سے یا تو قدرت کاملہ پروردگار کا اظہار مقصود ہونا چاہئے یا اُن کا وقوع بطور معجزہ مانا جاوے ۔ جب کہ خدا تعالےٰ اقسام حیوانات کو بغیر توالد و تناسل کے عادتاً پیدا کرتا رہتا ہے اور خود انسان کو بھی بلکہ تمام حیوانات کو ابتداءً اُس نے اسی طرح پیدا کیا ہے، یا یوں کہو کہ حضرت آدم کو بے ماں و بے باپ کے پیدا کیا تھا تو حضرت عیسٰے کے صرف بے باپ کے پیدا کرنے میں اُس سے زیادہ قدرت کاملہ کا اظہار نہ تھا ۔ اگر یہ خیال کیا جاوے کہ صرف ماں سے پیدا کرنا دوسری طرح پر اظہار قدرت کاملہ تھا تو یہ بھی صحیح نہیں ہوتا، اس لئے کہ اظہار قدرت کاملہ کے لئے ایک امر بیّن اور ایسا ظاہر ہونا چاہئے کہ جس میں کسی کو شبہ نہ رہے، بن باپ کے مولود کا ہونا ایک ایسا امر مخفی ہے جس کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ اظہار قدرت کاملہ کے لئے کیا گیا ہے ×

بطریق اعجاز حضرت عیسٰے کے بن باپ کے پیدا ہونے پر معجزہ کا بھی اطلاق نہیں ہوسکتا معجزہ بمقابلہ منکران نبوت صادر ہوتا ہے ۔ قبل ولادت حضرت مسیح بلکہ ادعائے نبوت یا الوہیت کوئی شخص منکر نہیں ہو سکتا تھا، پھر معجزہ کیونکر کہا جا سکتا ہے علاوہ اگر وہ معجزہ تھا تو حضرت مریم کا معجزہ ہوتا نہ حضرت مسیح کا ۔ علاوہ اس کے جب کہ اُن کی ولادت ٹھیک اسی طرح پر واقع ہوئی تھی جس طرح کہ عموماً بچوں کی ہوتی ہے کہ × نو مہینے تک حمل میں رہے اور بوقت ولادت حضرت مریم پر وہ تمام حالات طاری ہوئے

× اُس کے یعنی مریم کے جننے کے دن پورے ہوئے اور وہ اپنا پہلوٹا بیٹا جنی (لوک باب ۲ درس ۶ و ۷) ×

فاجاءھا المخاض الی جذع النخلۃ (سورہ مریم)

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما انما کانت (مدۃ حملھا) تسعۃ اشھر کما فی سائر النساء (تفسیر کبیر) ×

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۴۷﴾	اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو تو نے اُتارا اور ہم نے پیروی کی رسول کی پھر ہم کو شاہدوں کے ساتھ لکھ لے ﴿۴۶﴾ اور اُنھوں نے مکر کیا (یعنی اللہ کے ساتھ) اور اللہ نے مکر کیا (یعنی اُن کے ساتھ کہ وہ کفر کی گمراہی سے نہ نکلے) اور خدا سب مکر کرنے والوں سے بہتر ہے ﴿۴۷﴾

جو عموماً عورتوں پر بچہ پیدا ہونے میں طاری ہوتے ہیں تو کسی طرح اعجازاً اُن کے پیدا ہونے کا کسی کو احتمال بھی نہیں ہو سکتا تھا +

عیسائی حضرت مسیح کے بن باپ کے پیدا ہونے کو ایک اَور حکمت الٰہی پر منسوب کر سکتے ہیں کہ وہ گنہگار انسان کی آمیزش سے پاک اور بے گناہ ہوں تاکہ گنہگار انسانوں کی طرف سے فدیہ کئے جاویں۔ مگر جب ماں کی شرکت سے وہ بری نہ تھے تو انسانی آمیزش سے پاک نہیں ہو سکتے تھے۔ لاطینی کلیسیا نے کونسل ٹرینٹ میں تسلیم کیا کہ حضرت مریم بھی بن باپ کے پیدا ہوئی تھیں، اگر یہ بھی مانا جاوے تو وہ بھی ماں کی شرکت سے بری نہ تھیں۔ انجام کار عیسائی کہ سکتے ہیں کہ خدا نے حضرت مریم کو انسانی خاصیت یعنی گنہگار ہونے کی قابلیت سے اس لئے پاک کر دیا تھا کہ اُن سے فدیہ ہونے کے لایق مولود پیدا ہو تو خدا اس طرح حضرت عیسےٰ کے باپ کو بھی پاک کر سکتا تھا، اور بن باپ کے پیدا کرنے میں کوئی خاص حکمت نہیں ہو سکتی تھی +

ابتدا میں عیسائیوں کو یہ خیال نہیں تھا کہ حضرت عیسےٰ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں یا بن باپ کے پیدا ہونگے، کیونکہ مسیح کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ وہ داؤد کی نسل سے ہونگے۔ یہودیوں نے حضرت عیسےٰ کو مسیح موعود نہیں مانا، مگر جنہوں نے اُن کو مسیح موعود مانا اور عیسائی یا نصاریٰ کہلائے اُن سب کو کامل یقین تھا کہ وہ حضرت داؤد کی اولاد میں ہیں، چنانچہ انجیل متی میں لکھا ہے "یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم" اور لوک کی انجیل کے باب ۱ ورس ۲۷ اور متی کی انجیل باب ۱ ورس ۲۰ سے پایا جاتا ہے کہ یوسف حضرت مریم کا شوہر داؤد کی نسل سے تھا۔ مسلمان بھی قرآن کے رُو سے جیسے کہ سورہ انعام میں لکھا ہے حضرت عیسےٰ کو حضرت ابراہیم کی ذریت یعنی اولاد سمجھتے ہیں، پس اگر حضرت عیسےٰ بن باپ کے پیدا ہوئے ہوں تو وہ نسل داؤد یا اولاد ابراہیم سے کیونکر قرار پا سکتے ہیں +

اگر یہ کہا جاوے کہ ماں کے سبب سے اُن کو داؤد کی نسل سے قرار دیا گیا ہے تو یہ بات دو وجہ سے غلط ہے۔ اول اس لئے کہ یہودی شریعت میں عورت کی طرف سے نسب قائم نہیں ہو سکتا

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾	جب خدا نے کہا اے عیسٰے بیشک میں تجھ کو مارنے والا ہوں اور اپنے پاس اُٹھا لینے والا ہوں اور تجھ کو پاک کرنیوالا ہوں اُن لوگوں سے جو کافر ہوئے، اور کرنے والا ہوں اُن لوگوں کو جنہوں نے تیری تابعداری کی برتر اُن پر جو کافر ہوئے قیامت کے دن تک پھر تم کو میرے پاس پھر آنا ہے تب تم میں فیصلہ کردونگا جس بات میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۴۸﴾

دوسرے یہ کہ حضرت مریم کا داؤد کی نسل سے ہونا ثابت نہیں کیتھو سیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ "یوسیبیس جو قدیمی مذہبی مورخ ہے گو حضرت عیسٰے کے نام پر اُس نے طول طویل بحث کی ہے مگر اُس کے بیان سے اور نیز متی اور لوک کی انجیلوں سے مریم کی پیدائش اور نسب پر کوئی نئی روشنی نہیں پڑتی - اینی جو مریم کی ماں بیان کی گئی ہیں اُن کی نسبت جس قدر قصے ہیں وہ محض افسانے ہیں اور اُن کا کچھ ثبوت و شہادت نہیں ہے" - انجیل لوک باب ورس ۱ و ۲۷ سے پایا جاتا ہے کہ حضرت مریم حضرت زکریا کی بیوی الیشبع کی رشتہ دار تھیں، اور الیشبع ہارون کی بیٹی تھیں، مگر نہ یہ معلوم ہے کہ مریم و الیشبع میں کیا رشتہ تھا اور نہ یہ معلوم ہے کہ ہارون کس کی اولاد میں تھے - قرآن مجید میں حضرت مریم کے باپ کا نام عمران لکھا ہے اُس پر استدلال کرنے سے بھی داؤد کی نسل سے حضرت مریم کا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا +

عیسائی مفسر جب کہ حضرت عیسٰے کو بغیر باپ کے پیدا ہوئے تسلیم کر کر نسل داؤد سے ثابت کرنے میں عاجز ہوئے تو اُنہوں نے کہا کہ سینٹ لوک کی انجیل میں جو نسب نامہ یوسف کا لکھا ہے۔ درحقیقت وہ مریم کا نسب نامہ ہے تاکہ مریم کا داؤد کی نسل سے ہونا ثابت کریں - دو انجیلوں میں حضرت عیسٰے کے نسب نامے ہیں متی کی انجیل میں حضرت عیسٰے کے باپ کا نام یوسف اور اُن کے باپ کا نام یعقوب لکھا ہے - اور لوک کی انجیل میں یوسف کے باپ کا نام ہیلی لکھا ہے پہلا نسب نامہ بذریعہ سلیمان کے داؤد تک پہنچتا ہے اور دوسرا نسب نامہ بذریعہ ناتان کے - یہ دونوں نسب نامے بلاشبہ مختلف ہیں مگر عیسائی مفسر کہتے ہیں جیسے کہ تفسیر ہنری اسکاٹ میں مندرج ہے کہ یوسف نے ہیلی کی دختر سے یعنی حضرت مریم سے شادی کی تھی، اور شاید اُس نے یوسف کو متبنے بھی کیا تھا، اور یوسف ہیلی کا بیٹا کہلاتا تھا، اور یہودیوں میں رواج تھا کہ نسب ناموں میں صرف مردوں کا نام لکھتے تھے نہ عورتوں کا اس لئے سینٹ لوک نے اُس نسب نامہ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۴۹﴾	پھر جو لوگ کافر ہوئے اُن کو عذاب دونگا عذاب سخت دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی اُن کا مدد کرنے والا نہ ہوگا ﴿۴۹﴾

میں جو درحقیقت مریم کا ہے بجائے مریم کے یوسف کا نام لکھ دیا ہے ✦

اس بیان پر بعض عیسائی علما نے یہ اعتراض کیا ہے کہ نسب نامہ داؤد تک بذریعہ ناتان کے پہنچتا ہے اور حضرت مسیح کا بذریعہ سلیمان کے داؤد کی نسل میں ہونا چاہئیے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ حضرت عیسٰے سلیمان کی اولاد میں ہونے والے تھے بلکہ صرف یہ بیان ہُوا ہے کہ وہ داؤد کے بیٹے اور یشی کی نسل سے ہونگے اور سلیمان بطور ایک عمدہ نمونہ حضرت مسیح کے بیان ہوئے ہیں ✦

اگر یہ بات فرض بھی کرلی جاوے کہ اس پچھلے نسب نامہ میں بجائے حضرت مریم کے یوسف کا نام لکھا گیا ہے، اور یہ بھی فرض کرلیا جاوے کہ یوسف ہیلی کے متبنے اور داماد تھے، اور یہ بھی فرض کیا جاوے کہ حضرت عیسٰے کا سلیمان کے ذریعہ سے داؤد کی اولاد میں ہونا کچھ ضرور نہ تھا، تو بھی اس بات کا جواب نہیں ہوسکتا کہ یہودی شریعت میں ماں کی طرف سے نسب نہ معتبر گنا جاتا تھا اور نہ بیان کیا جاتا تھا یہاں تک کہ عورتوں کا نام بھی نسب ناموں میں داخل نہ ہوتا تھا، پس حضرت عیسٰے مسیح کی نسبت جو پیشین گوئی تھی کہ وہ داؤد کی نسل میں سے ہونگے کسی طرح ماں کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی، بلکہ بموجب اُس پیشین گوئی کے ضرور ہے کہ حضرت عیسٰے مسیح ایسے باپ کی اولاد ہوں جو داؤد کی نسل سے ہو ✦

پادری رچارڈ واٹسن نے تفسیر انجیل لوک میں لکھا ہے کہ "عام یقین تھا کہ حضرت عیسٰے یوسف کے بیٹے ہیں اور اُن کا معجزہ کے طور سے پیدا ہونا مشہور نہیں کیا گیا تھا بلکہ یوسف و مریم کے دلوں ہی میں مخفی تھا، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بات کب پہلے پہل ظاہر کی گئی۔ چونکہ انجیل کے حالات میں اس پر کچھ اشارہ نہیں پایا جاتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات حواریوں کو بھی ظاہر نہیں کی گئی تھی، اِس لئے وہ اور نیز اَور بھی اُن کو یوسف اور مریم کا بیٹا سمجھتے تھے اور یہ امر منجملہ اُن امور کے تھا جن کو مریم نے خدا کی ہدایت سے حضرت عیسٰے کے مُردوں سے جی اُٹھنے کے بعد تک اپنے دل میں چھپا رکھا۔ اگر پیشتر سے یہ بات مشہور ہو جاتی تو حضرت عیسٰے کی تبلیغ رسالت کے بعد لوگ اکثر حضرت مریم کو تنگ کیا کرتے اور اہانت کی باتیں اُن سے پوچھا کرتے۔ اور جب کہ اس قدر اختلاف سارے عیسٰے کی نسبت اُن کے دشمنوں میں ہوتا تو مریم کو خطرہ پہنچنے کا اندیشہ تھا، کم سے کم یہ ہوتا کہ وہ بہت وقت تکلیف میں مبتلا ہو جاتیں۔ ان امور کے لحاظ سے ظن قوی ہوتا ہے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۱﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۲﴾

اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کئے ہیں تو اُن کو پوری اُن کی اجرت دونگا اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظلم کرنے والوں کو ﴿۵۰﴾ یہ باتیں جو ہم تجھ کو پڑھ سناتے ہیں نشانیوں میں سے ہیں اور گذری ہوئی ٹھیک باتوں میں سے ﴿۵۱﴾ بیشک عیسےٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی مثال ہے اُس کو پیدا کیا مٹی سے، پھر اُس کو کہا کہ ہو، پھر وہ ہوگیا ﴿۵۲﴾

کہ یہ بات حضرت عیسےٰ کی زندگی بھر کسی کو معلوم نہیں ہوئی تھی، مگر سینٹ لوک کے اس فقرہ سے کہ، جیسا کہ وہ یوسف کا بیٹا خیال کیا جاتا تھا؛ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعد عروج مسیح یہ امر منجملہ اُن باتوں کے تھا جو پہلے پہل معلوم ہوگئی تھیں، اور بغیر کسی شبہ کے وہ مان لیا گیا تھا، اور اسی وجہ سے یہ بات انجیل متی اور انجیل لوک میں داخل ہوئی ہے"+

اس بات کو خود حواری حضرت عیسےٰ کے اور تمام عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مریم کا خطبہ یوسف سے ہوا تھا۔ یہودیوں کے ہاں خطبہ کا یہ دستور تھا جیسے کہ جیوش سیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ شوہر اور زوجہ میں اقرار ہو جاتا تھا کہ اس قدر میعاد کے بعد شادی کرینگے۔ یہ اقرار یا تو ایک باقاعدہ تحریر یا معاہدہ کے ذریعہ سے گواہوں کی موجودگی میں ہوتا تھا جس طرح کہ ہم مسلمانوں کے ہاں نکاح خط لکھا جاتا ہے، یا بغیر تحریر کے اس طرح پر ہوتا تھا کہ مرد عورت کو گواہوں کے سامنے ایک ٹکڑا چاندی کا دیدیتا تھا اور یہ لفظ کہتا تھا کہ یہ چاندی کا ٹکڑا اُس امر کی کفالت میں قبول کر کہ اتنے دنوں بعد تو میری زوجہ ہو جاویگی +

یہ معاہدے حقیقت میں عقد نکاح تھے صرف زوجہ کا گھر میں لانا باقی رہ جاتا تھا، اور وہ اُس میعاد پر ہوتا تھا جو اُس معاہدہ میں قرار پاتی تھی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسی کہ مسلمانوں میں فاتحہ خیر ہوتی ہے جو درحقیقت ایک شرعی نکاح ہے، لیکن زوجہ فی الفور گھر میں نہیں لائی جاتی۔ یا جیسے کہ اب بھی بعض دفعہ مسلمانوں میں نکاح بتحریر نکاح خط عمل میں آتا ہے اور زوجہ کا شوہر کے گھر بھیجنا کسی آئندہ وقت پر ملتوی رہتا ہے +

یہودیوں کے ہاں اس رسم کے ادا ہونے کے بعد مرد اور عورت باہم شوہر اور زوجہ ہو جاتے تھے، اور بجز اس کے کہ زوجہ اپنے شوہر کے گھر رہنے کو اس مدت کے بعد بھیجدی جاوے، اور کوئی ایسی رسم جس پر جواز تزوج منحصر ہو عمل میں نہیں آتی تھی یہاں تک کہ اگر بعد اس رسم کے اور قبل رخصت

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

یہ ٹھیک بات ہے تیرے پروردگار سے، پھر تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو ﴿۶۰﴾ پھر جو کوئی تجھ سے اس بات میں جھگڑا کریں (یعنی حضرت عیسٰی کے خدا کا بیٹا بتلاویں) بعد اس کے کہ تجھ کو جو علم آگیا ہے تو تو کہہ کہ بلاویں ہم اپنے بچوں کو اور تمہارے بچوں کو، اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اور خود ہم بھی اور خود تم بھی (اُن میں ہوں) پھر سب عاجزی سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت پڑے ﴿۶۱﴾

کرنے کے اُن دونوں سے اولاد پیدا ہو تو وہ ناجائز اولاد تصور نہیں ہوتی تھی، بلکہ بےگناہ شرعی اولاد جائز تصور ہوتی تھی۔ شاید خلاف رسم بات ہونے سے معیوب گنی جاتی ہوگی اور دونوں کو ایک شرم اور خجالت کا باعث ہوتی ہوگی +

امر مذکورہ کا ثبوت کیتھو سیکلو پیڈیا سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ جب معاہدہ شادی کا یہودیوں میں ہو جاتا تھا تو زن و مرد ایک دوسرے کے دیکھنے کو مجاز ہوتے تھے جس کی اُن کو پہلے اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک نسبت شدہ باکرہ کے بطن سے خدا نے اپنے بیٹے کے پیدا ہونے میں یہ حکمتیں رکھی تھیں۔ اول یہ کہ اُن پر غیر مشروع اولاد ہونے کا طعنہ عاید نہ ہو۔ دوم یہ کہ اُن کے والدین موافق یہودی شریعت کے سزا کے مستوجب نہ ہوں۔ سوم یہ کہ یوسف کے نسب نامہ سے جن کی رشتہ دار مریم تھیں مریم کا نسب مظاہر ہو جاوے۔ چہارم یہ کہ حضرت مسیح کا ایام طفولیت میں کوئی مربی اور سرپرست ہو۔ ان تمام بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں میں اس طرح نسبت کے بعد اولاد کا پیدا ہونا شرعاً ناجائز نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں نے نعوذ باللہ حضرت مریم پر جو بہتان باندھا تھا وہ یوسف کے ساتھ نہیں باندھا تھا، بلکہ پنتھرا نامی کے ساتھ منسوب کیا تھا، کیونکہ یوسف اُن کے شرعی شوہر ہو چکے تھے پس کوئی وجہ اس بات کے خیال کرنے کی نہیں ہے کہ یوسف فی الواقع حضرت مسیح کے باپ نہ تھے متی کی انجیل میں جو یہ لکھا ہے کہ یوسف نے جب دیکھا کہ حضرت مریم حاملہ ہیں تو اُن کے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، اگر یہ بیان تسلیم کیا جائے تو اُس کا سبب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ عام رسم کے برخلاف حاملہ ہو جانے سے یوسف کو رنج و خجالت ہوئی ہوگی جس کے سبب سے ایسا خیال ہوا ہوگا، مگر چونکہ فی الحقیقت وہ پاک حمل تھا اور جو کچھ حضرت مریم کے پیٹ میں تھا وہ روح القدس اور کلمۃ اللہ تھا یوسف نے خواہ خود ہی خواہ اپنے خواب کی تائید پر جس کا ذکر سینٹ متی کی انجیل میں ہے وہ خیال

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥٥﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٥٦﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٧﴾

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہی وہ سچے قصے ہیں، اور نہیں کوئی خدا بجز اللہ کے اور بیشک اللہ وہی زبردست ہے حکمت والا (۵۵) پھر اگر وہ (اس طرح کو سنانے سے) پھر جاویں (جس سے ثابت ہوجاویگا کہ جو بات وہ کہتے ہیں اُس کا اُن کو یقین نہیں) تو بیشک اللہ جانتا ہے مفسدوں کو (۵۶) کہدے (اے پیغمبر) کہ اے اہل کتاب (یعنی اے عیسائیو) آؤ ایک بات پر جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم کسی کی پرستش نہ کریں بجز خدا کے۔ اور ہم کسی چیز کو اُس کے ساتھ شریک نہ کریں اور نہ ٹھیراویں آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب خدا کے سوا پھر اگر وہ (اس بات سے) پھر جاویں تو تم ان کو کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں (۵۷)

چھوڑ دیا +

اگرچہ ان چاروں مروج انجیلوں کے زمانہ تالیف میں نہایت اختلاف ہے، مگر جو زمانہ کہ علمائے عیسائی نے قریب صحت کے تسلیم کیا ہے اُس کی رُو سے پایا جاتا ہے کہ متی کی انجیل حضرت عیسے کے بعد دوسرے یا تیسرے سال میں، اور لوک کی انجیل اکتیسویں یا بتیسویں سال میں، اور یوحنا کی انجیل ترسیٹھویں یا چوسٹھویں سال، اور مارک کی انجیل اُس کے بھی بہت دنوں بعد تحریر ہوئی تھی۔ مگر متی کی انجیل کی نسبت بخوبی ثابت ہے کہ وہ در اصل عبرانی میں لکھی گئی اور موجودہ یونانی انجیل اُس کا ترجمہ ہے جس کے مترجم کا نام اور زمانہ ترجمہ اب تک تحقیق نہیں ہوا پس متی کی موجودہ یونانی انجیل بھی قدیم نہیں ہے بلکہ اخیر زمانہ کی لکھی ہوئی ہے +

یہ تمام انجیلیں اور حواریوں کے نامے اور اعمال جو ان انجیلوں کے اخیر میں شامل ہیں یونانی زبان میں لکھے گئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتابیں عیسائی مذہب کو اُن ملکوں میں رواج دینے کے لئے لکھی گئیں تھیں جہاں یونانی زبان مروج تھی اور جہاں کے لوگ زیادہ تر یونانیوں کے سے خیالات رکھتے تھے +

یونانیوں میں ایک عام خیال تھا کہ نہایت مقدس اور بزرگ شخص کو خدا کا بیٹا کہتے تھے ۔ ہرکیولیس - ڈیاس کوری - رامیولس - فیثاغورث - افلاطون - ان سب کو یونانی خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور افلاطون کے حمل کے قصہ کو مثل قصہ حضرت عیسے بیان کرتے تھے غرضکہ جب حواریوں کو یونانی زبان کے ذریعہ سے دین عیسوی کا پھیلانا مد نظر ہوا تو حضرت عیسے کو ایسے بزرگ لقب سے

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۸﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾ مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿۶۰﴾ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِىُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۱﴾

اے کتاب والو تم کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم پر اور کیا توریت اور انجیل اُس کے بعد نہیں اُتری، کیا تم سمجھتے نہیں ﴿۵۸﴾ ہاں تم وہ لوگ ہو کہ تم نے ایسی بات میں جھگڑا کیا جس کو تم جانتے تھے (یعنی اُن باتوں پر جو توریت میں موجود تھیں)، پھر کیوں جھگڑتے ہو ایسی بات پر جس کو نہیں جانتے (یعنی جو توریت میں بھی نہیں ہے)۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۵۹﴾ ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، ولیکن تھا خالص (حنیف) مسلمان، اور مشرکوں میں سے نہ تھا ﴿۶۰﴾ بلاشبہ لوگوں میں سب سے زیادہ دوست ابراہیم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُس کی پیروی کی، اور یہ نبی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم)، اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، اور اللہ دوست ہے ایمان والوں کا ﴿۶۱﴾

ملقب کرنا پڑا ہوگا جو اُن لوگوں کے خیالات سے مناسب تھا جن کے لئے وہ انجیلیں لکھی گئی تھیں، اس لئے ہمارے نزدیک وہ انجیلیں حضرت عیسےٰ کی ولادت کی نسبت اُن خالص خیالات کے ظاہر ہونے کا ذریعہ نہیں ہوسکتیں جو حضرت عیسےٰ کے زمانہ میں اور ان انجیلوں کے تحریر ہونے سے پیشتر تھا، باایں ہمہ انہی انجیلوں میں متعدد جگہ پاتے ہیں کہ یوسف کو حضرت مریم کا شوہر اور حضرت مسیح کو اُن کے باپ یوسف کا بیٹا تسلیم کیا ہے +

انجیل متی باب ۱ ورس ۱۶ میں لکھا ہے کہ یوسف مریم کا شوہر تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ متی کی انجیل میں حضرت عیسےٰ کے نسب نامہ میں اَوروں کی نسبت یونانی لفظ "اجن نسی" بمعنی بیدا معروف استعمال ہوا ہے، جس سے خاص باپ کا بیٹا ہونا پایا جاتا ہے اور حضرت عیسےٰ کی نسبت یونانی لفظ "جناں" آیا ہے جس سے اُس ورس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ "یعقوب سے پیدا ہوا یوسف شوہر مریم جس سے عیسےٰ پیدا ہوا" مگر ولیطسلیمن نے یونانی زبان کی سند پر ثابت کیا ہے کہ "جناں" کا لفظ بھی ماں اور باپ دونوں سے پیدا ہونے پر بولا جاتا ہے، معہذا اس تغیر کا سبب وہی خیالات ہیں جو یونانیوں میں مذہب عیسوی پھیلانے کی بناء پر پیدا ہوئے تھے +

لوک کی انجیل باب ۳ ورس ۲۳ کے موجودہ نسخوں میں یہ لفظ ہیں "تب یوسف اور اُس

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾	چاہتا تھا ایک گروہ اہل کتاب کا کہ تم کو گمراہ کرے اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو، اور نہیں سمجھتے ﴿۶۹﴾ اے کتاب والو تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی نشانیوں کے ساتھ، اور تم جانتے ہو ﴿۷۰﴾

کی ماں" مگر اس مقام پر بھی اسی خیال سے تغیر کیا ہے ڈاکٹر گریسباخ کی تصحیح اور مقابلہ کرکے چھاپی ہوئی انجیل مطبوعہ لیپسک ۱۸۰۵ء اور شنڈروف کی چھاپی ہوئی انجیل مطبوعہ ۱۸۴۱ء اور رومن وللّٹ کے ترجمہ انگریزی میں یوسف کا نام نہیں ہے بلکہ "اس کا باپ اور اس کی ماں" لکھا ہے اور ٹروٹوپ نے یونانی انجیل کی شرح میں اسی کی تصحیح کی ہے جس سے یوسف کا پدر مسیح ہونا تسلیم ہوتا ہے +

لوک کی انجیل کے اسی باب کے ۴۳ ورس میں بھی قدیم نسخے الکزنڈریانوس میں بھی "گونس" کا لفظ ہے جس کے معنی والدین کے ہیں +

لوک کی انجیل باب ۲ ورس ۴۸ میں حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ سے کہا کہ "دیکھ تیرا باپ اور میں غمگین ہو کر تجھے ڈھونڈتے تھے" +

لوک کی انجیل باب ۲ ورس ۲۷ و ۴۱ میں یوسف اور مریم کو حضرت عیسیٰ کا ماں باپ کہہ کر تعبیر کیا ہے +

متی کی انجیل باب ۱۳ ورس ۵۵ میں لکھا ہے کہ لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی نسبت کہا کہ "کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں کیا اس کی ماں مریم نہیں کہلاتی" +

اور انجیل یوحنا باب ۶ ورس ۴۲ میں ہے کہ لوگوں نے حضرت مسیح کی نسبت یہ کہا کہ "کیا یہ یسوع یوسف کا بیٹا جس کے ماں باپ کو ہم پہچانتے ہیں نہیں ہے" +

انجیل یوحنا باب ۱ ورس ۴۵ میں لکھا ہے کہ "فلپ نے نتھنیل کو کہا کہ جس کا ذکر موسیٰ نے توریت میں اور نبیوں نے کیا ہے ہم نے اسے پایا ہے وہ یوسف کا بیٹا یسوع ناصری ہے" +

اعمال حواریں باب ۲ ورس ۳۰ میں پطرس حواری نے حضرت عیسیٰ کے داؤد کی نسل میں ہونے کی نسبت کہا کہ "خدا نے اس سے (یعنی داؤد سے) قسم کرکے کہا کہ میں تیرے تخت پر بیٹھنے کے لئے جسم کے طور پر تیری کمر سے مسیح کو پیدا کرونگا" +

سینٹ پال نے اپنے خط موسومہ رومیاں باب ۱ ورس ۳ میں لکھا ہے کہ "وہ مسیح جسم کے حق میں داؤد کے تخم سے ہوا پر روح قدس کے حق میں جی اٹھنے کی قوی دلیل سے (خدا کا بیٹا) نہیں پیدا ہوا" +

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٤﴾ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾ وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٦﴾

اے کتاب والو تم کیوں ملا دیتے ہو سچ میں جھوٹ، اور (کیوں) چھپاتے ہو سچ بات کو، اور تم جانتے ہو ﴿۹۴﴾ اہل کتاب سے ایک گروہ نے (آپس میں) کہا کہ ان لوگوں پر (یعنی مسلمانوں پر) جو اترا ہے اس پر ایمان لے آؤ، دن چڑھتے ایمان لاؤ اور دن اترتے انکار کرو، شاید وہ بھی (یعنی جو مسلمان ہوگئے ہیں) پھر جاویں ﴿۹۵﴾ اور دل میں ایمان لاؤ مگر اسی پر جو تمہارے دین کی پیروی کرے، کہدے (اے پیغمبر) کہ ہدایت اللہ کی ہدایت ہے کہ دیا جا سکتا ہے کوئی ایسی ہی جیسی تم کو دی گئی ہے (یعنی جس طرح شریعت موسوی دی گئی ہے اسی طرح شریعت محمدی دی گئی ہے) یا تم سے تمہارے پروردگار کے پاس (اس بات پر کہ موسیٰ کو شریعت کیوں دی گئی) جھگڑا کریں گے، (پھر تم محمد صلعم کو شریعت ملنے پر کیوں جھگڑتے ہو) کہدے (اے پیغمبر) بیشک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ وسیع نعمت والا جاننے والا ہے ﴿۹۶﴾

ان تمام سندوں سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے زمانہ کے سب لوگ اور خود حواری بھی جانتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ اپنے باپ یوسف کے تخم سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ بغیر باپ کے، مگر وہ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا روحانی اعتبار سے کہتے تھے اسی خیال سے جس سے کہ یونانی اپنے ہاں کے بزرگوں کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور اس بات کو نہایت صفائی سے سینٹ پال نے اپنے خط کی مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا ہے۔ زمانہ کے گذرنے پر وہ خیال جس سے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا محو ہو گیا اور لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھنے لگے، اور اسی کے ساتھ یہ قرار دیا کہ وہ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے اور ان کی ضد سے یہودیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ نعوذ باللہ وہ ناجائز طور پر پیدا ہوئے تھے۔ یہ اتہام سلس نے جو تیسری صدی میں تھا کیا تھا اور ظاہرا یہ وہ زمانہ ہے کہ جب عیسائیوں کو اس بات میں کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں اور بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں زیادہ تر غلو ہو گیا تھا ؎

قرآن مجید نے اس بات میں کہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے کچھ بحث نہیں کی۔ جب قرآن نازل ہوا اس وقت دو فرقے مخالف موجود تھے ایک فرقہ نہایت نالایقی اور بدی سے یہ

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۷﴾ وَمِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ﴿۶۸﴾

مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے ﴿۶۷﴾ اور اہل کتاب سے بعضا ایسا ہے کہ اگر تو اس کے پاس سونے کا ڈھیر امانت رکھے تو تجھ کو پھیر دے، اور ان میں سے بعضا ایسا ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار امانت رکھے تو تجھ کو پھیر نہ دے جب تک تو اس کے سر پر کھڑا نہ رہے ﴿۶۸﴾

کہتا تھا کہ حضرت مسیح بطور ناجائز لوگوں کے پیدا ہوئے ہیں ۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے اور ثالث ثلاثہ ہیں ۔ قرآن مجید نے ان دونوں فرقوں کے اعتقاد کو رد کر دیا اور حضرت مسیح کے مقدس اور روح پاک ہونے پر، اور حضرت مریم کی عصمت و طہارت پر گواہی دی، اور اس بات کو کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے اور ثالث ثلاثہ ہیں جھٹلا دیا، اور بتلا دیا کہ وہ مثل اور انسانوں کے خدا کے بندے ہیں ۔ قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں بیان ہوا کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے، جہاں تک کہ اشارہ ہے حضرت عیسٰی کے روح القدس اور کلمۃ اللہ ہونے کا اور حضرت مریم کی عصمت و طہارت کا اشارہ ہے، جیسا کہ ہم آگے بیان کرتے ہیں ۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جو شخص حضرت مریم کی نسبت تہمت بد لگاوے وہ مسلمان نہیں ہے ۔

سورۂ آل عمران میں ہے کہ جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے شک اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے ایک کلمہ کی اپنی طرف سے اس کا نام (ہوگا) مسیح عیسٰی مریم کا بیٹا رویت دار دنیا میں اور آخرت میں اور (خدا کے) مقربوں سے اور کلام کریگا لوگوں سے گہوارہ میں (یعنی بچپنے میں) اور بڑاپے میں اور ہوگا نیکوں میں سے ۔ مریم نے کہا اے پروردگار کہاں سے ہوگا میرے بیٹا اور نہیں چھوا ہے مجھ کو کسی آدمی نے خدا نے کہا ایسی ہوگا اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے جب کوئی کام کرنا ٹھیرا چکتا ہے تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس کو کہتا ہے کہ ہو پھر ہو جاتا ہے ۔ اور سورۂ مریم میں ہے کہ پھر ہم نے بھیجا اس کے (یعنی مریم کے) پاس اپنی روح کو پھر وہ بن گئی اس کے لئے ٹھیک آدمی، مریم نے کہا کہ بیشک میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو (خدا سے) ڈرتا ہے، اس نے کہا کہ میں تو صرف تیرے خدا کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھ کو پاکیزہ لڑکا دوں ۔ مریم نے کہا کہ کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور نہیں چھوا ہے مجھ کو کسی آدمی نے

اذ قالت الملٰئكة يا مريم ان الله يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسى ابن مريم وجيها فى الدنيا والاخرة ومن المقربين ويكلم الناس فى المهد وكهلا ومن الصلحين قالت رب انى يكون لى ولد ولم يمسسنى بشر قال كذلك الله يخلق ما يشاء اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون (سورۂ آل عمران)

فارسلنا اليها روحنا فتمثل لها بشرا سويا قالت انى اعوذ بالرحمن منك ان كنت تقيا

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾	یہ بات اس لئے ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ جاہلوں کو ہم پر (دعوٰے کرنے کی) کوئی راہ نہیں، اور جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر، اور وہ جانتے ہیں ﴿۶۹﴾

قال انما انا رسول ربك لاهب لك غلاما زكيا قالت انی يكون لی غلام ولم يمسسنی بشر ولم اك بغيا قال كذلك قال ربك هو علی هين ولنجعله اية للناس ورحمة منا وكان امرا مقضيا (سورہ مریم)

اور نہ میں بدکار رہوں، اُس نے کہا یہی ہوگا تیرے پروردگار نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اُس کو لوگوں کے لئے نشانی اور اپنی رحمت کرنا چاہتے ہیں اور تھی یہ بات ٹھہر چکی ✦

فرشتہ کا حضرت مریم کو بیٹا ہونے کی بشارت دینا

اور اُن کا یہ کہنا کہ مجھے مرد نے نہیں چھوا ہے سینٹ لوک کی انجیل میں بھی مذکور ہے ۔ تمام یہودی یقین رکھتے تھے کہ اُن میں ایک مسیح پیدا ہونے والا ہے جو یہودیوں کی بادشاہت کو پھر قائم کریگا اس لئے یہودی اور یہودی عورتیں بیٹا ہونے کی نہایت آرزو رکھتی تھیں اور دعائیں مانگتی تھیں اور عبادتیں کرتی تھیں کہ وہ شخص ہمارا ہی بیٹا ہو ۔ ایسی حالتوں میں اُن کا اس قسم کی خوابوں کا دیکھنا یا بن بولنے والے کی آوازوں کا سننا یا تخیلہ میں کسی مجسم شے کا دکھلائی دینا ایسا امر ہے جو بمقتضائے فطرت انسانی واقع ہوتا ہے ۔ بعض علما کا یہ قول ہے کہ اس سورۃ میں جو خطاب فرشتوں کا حضرت مریم سے ہے وہ بطریق الہام اور روع فی النفث اور القافی القلب کے ہے ۔ مگر مجھ کو کچھ شبہ نہیں جیسے کہ سیاق کلام سے پایا جاتا ہے کہ ہر بشارت جو اس سورۃ میں اور سورہ مریم میں بیان ہوا ہے وہ ایک ہی واقعہ ہے اور رویا میں واقع ہوا تھا، اور سینٹ متی کی انجیل سے بھی ایسا ہی مستنبط ہوتا ہے، کیونکہ بموجب اُس انجیل کے یوسف کو بھی اس حمل کی خبر خواب میں بذریعہ فرشتہ کے دی گئی تھی ✦

بیٹا ہونے کی بشارت حضرت اسحٰق کو اور اُن کی بیوی کو اور حضرت زکریا کو بھی دی گئی تھی پس صرف بشارت سے تو بے باپ کے پیدا ہونا لازم نہیں آتا ہے، ہاں ان بشارتوں پر غور کرنا چاہئے کہ ان میں کوئی ایسا لفظ تو نہیں ہے جس سے بن باپ کے بیٹا پیدا ہونے کا اشارہ نکلے ۔ سو ایسا بھی کوئی لفظ ان بشارتوں میں نہیں ہے ✦

سب سے زیادہ غور کے لایق لفظ ،، لم یمسسنی بشر ولم اك بغيا ،، ہے ۔ بلا شبہ یہ دونوں کلمے نہایت صحیح ہیں، اور جس زمانہ میں بشارت ہوئی اُس زمانہ میں بلا شبہ حضرت مریم کو کسی مرد نے نہیں چھوا تھا ، بلکہ غالباً اُن کا خطبہ بھی یوسف کے ساتھ نہ ہوا تھا ، مگر اس سے

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۱﴾	(بات یوں نہیں ہے) بلکہ جو کوئی پورا کرے اپنا اقرار اور پرہیزگاری کرے تو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو ﴿۷۰﴾ (اس میں کچھ شک نہیں کہ) جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے بیچتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور قیامت کے دن نہ اُن سے اللہ بات کرے گا اور نہ اُن کی طرف نگاہ کرے گا، اور نہ اُن کو پاک کرے گا، اور اُن کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے ﴿۷۱﴾

یہ لازم نہیں آتا کہ اُس کے بعد بھی یہ امر واقع نہیں ہوا +

جس طرح کہ حضرت مریم کو اس بشارت سے تعجب ہوا اُسی طرح حضرت اسحاق اور اُن کی بیوی اور حضرت زکریا کو بھی تعجب ہوا تھا، جب کہ وہ فرمانے لگیں "یا ویلتی االد وانا عجوز و ھذا بعلی شیخا ان ھذا الشئ عجیب"، دوسری جگہ فرمایا ہے "فاقبلت امرتہ فی صرۃ فصکت وجھھا وقالت عجوز عقیم"۔ اور حضرت زکریا نے فرمایا "انی یکون لی غلام وقد بلغنی الکبر وامرتی عاقر"، اور دوسری جگہ فرمایا "وکانت امرتی عاقرا وقد بلغت من الکبر عتیا"۔ حضرت مریم کی حالت اولاد ہونے سے مایوسی کی نہ تھی، اور اسحاق اور اُن کی بیوی اور زکریا اور اُن کی بیوی کی حالت مایوسی کے قریب تھی، مگر جب اُن دونوں سے بیٹے کا پیدا ہونا بغیر باپ کے تسلیم نہیں کیا گیا تو حضرت مریم کے تعجب سے جو صرف اُس وقت کی کیفیت پر مبنی تھا جب کہ بشارت ہوئی تھی نہ آیندہ کی ہونے والی حالت پر کیونکر حضرت عیسےٰ کے بے باپ کے پیدا ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے، اور کیا عجب ہے کہ اس خواب کے بعد ہی حضرت مریم کو اور اُن کے مربیوں کو حضرت مریم کی شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو جو آخر کار یوسف کے ساتھ عقد ہونے سے پورا ہوا +

اس تعجب کے بعد فرشتہ نے حضرت مریم سے کہا "کذٰلک اللہ یخلق ما یشاء"، اسی طرح حضرت زکریا سے کہا تھا کہ "کذٰلک اللہ یفعل ما یشاء"۔ حضرت مریم سے کہا "قال کذٰلک قال ربک ھو علی ھین"، اسی طرح حضرت زکریا سے کہا کہ "قال کذٰلک قال ربک ھو علی ھین"۔ لفظ "کن فیکون" جو سورہ آل عمران میں ہے وہ کسی امر کے ہونے پر بلا اسباب قدرتی و فطرتی کے دلالت نہیں کرتا، کیونکہ ہر شے کے ہونے کو خدا اسی طرح

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور بے شبہ انہی میں سے وہ لوگ ہیں جو کتاب (یعنی توریت) پڑھنے میں اپنی زبانوں کو پیٹ دیتے ہیں تاکہ تم جانو کہ وہ (پلٹا ہوا لفظ بھی) کتاب (یعنی توریت) میں ہے اور وہ کتاب میں نہیں ہے، اور کہتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کے پاس سے (نازل ہوا) ہے اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں (نازل ہوا) ہے، اور جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر، اور وہ جانتے ہیں ﴿۷۲﴾

فرماتا ہے " اذا اراد شیئا انما یقول له کن فیکون " پس ہر شے " کن " کے حکم سے ہمیشہ قانون قدرت اور قاعدہ فطرت کے مطابق ہوتی ہے - پس یہ الفاظ کسی طرح اس بات پر کہ حضرت مسیح کی ولادت فی الذور بلا قاعدہ فطرت اور بغیر باپ کے ہوئی تھی دلالت نہیں کرتے +

" ایۃ للناس " کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ حضرت مسیح کو بغیر باپ کے بطور ایک نشانی معجزہ کے پیدا کیا تھا محض بیجا ہے، اس لئے کہ بے باپ کے پیدا ہونا (اگر بالفرض ہوا بھی ہو) ایسا امر مخفی ہے جو کسی طرح " ایۃ للناس " نہیں ہو سکتا - آیۃ کا لفظ قرآن مجید میں، فرعون، اصحاب الکہف والرقیم، قوم نوح، نوح اور اصحاب سفینہ پر بھی اطلاق ہوا ہے - حضرت مریم بوجہ اپنی عبادت اور خدا پرستی اور نیکی کے اور حضرت عیسے بسبب اُس رحم دلی کے جو انجیل سے پائی جاتی ہے خدا کی عمدہ نشانی کے لقب کے مستحق تھے +

" بکلمۃ منه " کے الفاظ یا " کلمۃ القاها الی مریم " کے الفاظ بھی کسی طرح بن باپ کے پیدا ہونے پر دلالت نہیں کرتے - خدا تعالے نے قرآن مجید میں متعدد جگہ لفظ " کلمہ " کو اپنی طرف منسوب کیا ہے - سورہ اعراف میں فرمایا ہے " وتمت کلمۃ ربك الحسنی علے بنی اسرائیل " - اور سورہ یونس میں فرمایا ہے " وکذلك حقت کلمۃ ربك علی الذین فسقوا " اسی طرح اور بہت سی جگہ آیا ہے - اور کلمۃ اللہ سے وہ امور محققہ مراد ہیں جو ہونے والے تھے اور ہوئے اور ہونگے - حضرت مسیح کا حضرت مریم سے پیدا ہونا ایک امر محقق او معین تھا، یا یوں کہو کہ موعود تھا، پس اُسی امر محقق یا موعود کو کلمہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے : اور جس طرح تمام قرآن میں کلمہ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح اس مقام پر بھی کیا ہے - ان الفاظ سے بن باپ کے پیدا ہونے پر کچھ بھی اشارہ نہیں نکلتا +

سورۃ النسا میں جہاں خدا تعالے نے حضرت عیسے کی نسبت فرمایا ہے کہ " کلمتہ القاها الی مریم " وہاں یہ بھی فرمایا ہے " وروح منه " اس لفظ سے بھی بن باپ کے پیدا ہونا نہیں ثابت ہوتا - تمام جانداروں کی نسبت کیا حیوان اور کیا انسان " روح منه " کا لفظ اطلاق

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۳﴾

کوئی انسان نہیں کرسکتا کہ خدا تو اُس کو کتاب حکمت اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم میرے بندے ہو جاؤ سوائے خدا کے، مگر (یہ کہیگا کہ) ہو جاؤ اللہ والے کتاب (اللہ) کے سکھانے سے اور (کتاب اللہ کے) پڑھنے پڑھانے سے[1] ﴿۷۳﴾

کیاجاسکتا ہے ۔ سوائے اس کے اور کسی معنی میں حضرت عیسٰے کی نسبت اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا ۔ خصوصاً مسلمانوں کے مذہب کے مطابق جو خدا کے یا خدا کی روح کے یا خدا کے کلمہ کے مجسم ہونے کے قائل نہیں ہیں ، اور اُس کو " لم یلد ولم یولد " جانتے ہیں معہذا چند علمائے مفسرین نے بھی جیسا کہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے " روح منه " سے قریباً قریباً ویسے ہی معنی مراد لئے ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں +

اُس میں لکھا ہے کہ حضرت عیسٰے لوگوں کے لئے دینی زندگی کا سبب تھے " اس لئے اُن کو روح سے تعبیر کیا ہے ۔ خدا نے قرآن کی صفت میں فرمایا ہے " کذٰلك اوحینا الیك روحا من امرنا " اسی طرح حضرت عیسٰے کو بھی روح کہا گیا ہے ۔ اور روح کے لفظ سے اُن کی بزرگی بھی ظاہر ہوتی ہے ۔ جیسے کہ کہتے ہیں کہ یہ تو خدا کی نعمت ہے ، اور اس سے صرف اُس نعمت کا بزرگ اور کامل ہونا مراد ہوتا ہے +

اور یہ بھی لکھا ہے کہ روح سے رحمت مراد ہے ۔ اس آیت کی تفسیر میں " وایدھم بروح منه " کہا ہے " ای برحمة منه " اور جب کہ حضرت عیسٰے خلق کے لئے رحمت تھے تو اُن کی نسبت " روحا منه " کا اطلاق کیا گیا ہے ۔ سورہ مجادلہ میں تمام ایمان والوں کی نسبت کہا گیا ہے " اولٰئك كتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منه " پھر حضرت عیسٰے کی نسبت ایسے الفاظ کا استعمال کسی طرح اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتا کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے +

سورہ مریم میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں اُن پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اُن سے بن باپ کے پیدا ہونے کا اشارہ پایا جاتا ہے ، مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے ۔ سورہ مریم میں حضرت مریم کے رویا کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ اُنہوں نے انسان کی صورت دیکھی جس نے کہا کہ میں خدا

[1] ما بمعنی المصدر مع الفعل وانتصابه یرکونوا ربانیین بسبب کونکم عالمین ومعلمین وبسبب هو منکم الکتاب (تفسیر کبیر) +

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿۸۰﴾	اور تم کو یہ نہ کہیگا کہ تم ٹھیراؤ فرشتوں کو اور نبیوں کو پروردگار کیا وہ تم کو کفر کرنے کو کہیگا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو گئے ﴿۸۰﴾

کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تم کو بتا دوں ، اس کے بعد جو کچھ بیان ہوا ہے اُس پر فے تعقیب کی آئی جیسے کہ فحملتہ - فاجاءها المخاض ، مگر اس فے سے اتصال زمانی مستنبط نہیں ہوسکتا ، جیسے کہ مثال مذکورہ بالا سے ظاہر ہے ، کیونکہ اُن کے حاملہ ہونے اور درد زہ شروع ہونے میں اتصال زمانی نہ تھا - لوک کی انجیل میں بھی لکھا ہے کہ " جب مریم کے جننے کے دن پورے ہوئے وہ اپنا پہلوٹا بیٹا جنی " تفسیر کبیر میں بھی مدت حمل نو مہینے یا آٹھ مہینے یا سات مہینے لکھے ہیں ابن عباس کی روایت نو مہینے کی ہے جو صحیح معلوم ہوتی ہے - غرضکہ اس کلم پر جہاں فے آئی ہے اُس سے ہرگز خواہ اتصال زمانی مستنبط نہیں ہوسکتا ہے ✦

اس بات کے سمجھنے کے بعد آیات سورہ مریم پر غور کرنا چاہئے کہ جب حضرت مریم نے اپنے رویا میں انسان کو دیکھا تو اُنہوں نے کہا " انی اعوذ بالله منك ان كنت تقيا " اُس نے کہا " انما انا رسول ربك لاهب لك غلاما زكيا " حضرت مریم نے کہا " انى يكون لى غلام ولم يمسسنى بشر ولم اك بغيا " اُس نے کہا " كذلك قال ربك هو على هين ولنجعله اية للناس ورحمة منا وكان امرا مقضيا " اس کے بعد ہے " فحملته " پس اس حرف فے سے جو فحملتہ پر ہے یہ لازم نہیں آتا کہ بمجرد اس گفتگو کے حضرت مریم حاملہ ہو گئی تھیں بلکہ پایا جاتا ہے کہ اس گفتگو کے کسی زمانہ مابعد میں وہ حاملہ ہوئیں جس وقت کی یہ گفتگو ہے بلاشبہ حضرت مریم کو کسی بشر نے نہیں چھوا تھا لیکن اُس کے بعد ان کا خطبہ یوسف سے ہوا اور وہ حسب قانون فطرت انسانی اپنے شوہر یوسف سے حاملہ ہوئیں ✦

اسی طرح " فاتت به قومها تحمله " کی فے کا حال ہے کہ وہ ولادت کے زمانہ سے متصل نہیں ہے ، بلکہ امر مذکورہ ولادت کے بعد کسی زمانہ میں واقع ہوا ہے - تفسیر ابن عباس میں لکھا ہے کہ ولادت کے چالیس دن بعد یہ واقعہ ہوا ہے . اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ یعنی قوم کے پاس لانے کا اور حضرت عیسٰی کے کلام کرنے کا حضرت عیسٰی کی صغر سنی میں واقع ہوا تھا ، اور ابو القاسم بلخی کا قول ہے کہ حضرت عیسٰی جوان ہونے کے قریب تھے جب یہ واقعہ ہوا تھا چنانچہ تفسیر کبیر کی یہ عبارت ہے " اختلف الناس فيه فالجمهور على انه قال هذا الكلام حال صغره وقال ابو القاسم البلخى انه كما قال ذلك حين كان كالمراهق الذى يفهم و ان لم يبلغ حد التكليف " (تفسیر کبیر) غرضکہ علماء مفسرین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تکلم

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور جب کہ اللہ نے نبیوں سے کا عہد لیا[۱] جس وقت کہ میں نے (یعنی اللہ نے) تم کو (نبیوں کو) کتاب و حکمت دی۔ پھر (اے اہل کتاب) تمہارے پاس رسول آیا سچ بتاتا ہوا اُس کو جو تمہارے پاس ہے تو چاہیئے کہ تم اُس پر ایمان لاؤ اور چاہیئے کہ اُس کی مدد کرو۔ خدا نے (نبیوں سے) کہا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس بات پر میرے عہد کا بوجھ اُٹھا لیا بولے کہ ہم نے اقرار کیا (خدا نے) کہا کہ تم شاہد رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہدوں میں ہوں ﴿۷۵﴾

حضرت عیسےٰ ولادت کے متصل نہ تھا ✦

قرآن مجید سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ ایسے وقت میں واقع ہوا تھا جب حضرت عیسےٰ نبی ہو چکے تھے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ "انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا"۔ تاریخ پر اور انجیلوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ کی بارہ برس کی عمر تھی (دیکھو انجیل لوک باب ۲) جب اُنہوں نے بیت المقدس میں یہودی عالموں سے گفتگو کی، اسی بات پر یہودی عالم ناراض ہو گئے اور اُنہوں نے آ کر حضرت مریم سے کہا کہ تیرے ماں باپ تو بڑے نیک تھے تو نے یہ کیسا عجیب یعنی بدمذہب لڑکا جنا ہے۔ حضرت مریم نے خود اُس کا جواب نہیں دیا اور حضرت عیسےٰ کو اٹھا لائیں، اُس وقت اُنہوں نے فرمایا کہ "انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا"۔ اور ممکن ہے کہ یہ واقعہ اُس کے بھی بعد ہوا ہو، یعنی جب کہ حضرت یحییٰ شہید ہو چکے تھے اور حضرت عیسےٰ نے یہودیوں کو سمجھانا اور اُن کی بدیوں کو وعظ میں بُرا کہنا شروع کیا تھا ✦

غرض اس قدر تو جملہ علمائے مفسرین تسلیم کرتے ہیں کہ یہ واقعہ ولادت کے زمانہ کے متصل واقع نہیں ہوا تھا اُس کے بعد ہوا، کوئی مدت مابعد کے زمانہ کی چالیس دن اور کوئی قریب عمر مراہق یعنی بارہ برس کے قرار دیتا ہے، اور ہم باستدلال قرآن مجید زمانہ نبوت قرار دیتے ہیں ✦

قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسےٰ نے ایسی عمر میں جس میں حسب فطرت انسانی کوئی بچہ کلام نہیں کرتا کلام کیا تھا۔ قرآن مجید کے یہ لفظ ہیں "کیف نکلم من کان فی المھد صبیا"، اس میں لفظ "کان" کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسے سے ہم کیونکر

[۱] لما اتیتکم یقول حین اعطیتکم (تفسیر ابن عباس) ✦

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾	پھر جو کوئی اُس سے پھر جاوے تو وہی لوگ فاسق ہیں ﴿۷۶﴾ پھر کیا خدا کے دین کے سوا (کوئی دوسرا دین) چاہتے ہیں اور اسی کی فرمانبرداری کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں چار و ناچار اور اُسی کے پاس پھر جاوینگے ﴿۷۷﴾

کلام کریں جو مہد میں تھا یعنی کم عمر لڑکا ہماری گفتگو کے لایق نہیں - یہ اسی طرح کا محاورہ ہے جیسے کہ ہمارے محاورہ میں ایک بڑا شخص ایک کم عمر لڑکے کی نسبت کہے کہ ابھی ہونٹ پر سے تو اُس کے دودھ بھی نہیں سوکھا کیا یہ ہم سے مباحثہ کے لایق ہے - "کان" کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اُس وقت وہ نہ مہد میں تھے نہ مہد کے لایق تھے - اور اُس کے بعد کی آیت سے اس مراد کی اور بھی تائید ہوتی ہے - اور بالفرض حضرت عیسٰے نے اگر مہد میں کلام بھی کیا ہو تو اُس سے اُن کے بن باپ کے پیدا ہونے پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے ✦

یہودیوں کے اس قول سے بھی کہ "یا مریم لقد جئت شیئا فریا یا اخت ھارون ما کان ابوك امرء سوء وما کان امك بغیا" حضرت عیسٰے کے بن باپ کے پیدا ہونے پر استدلال نہیں ہو سکتا - اس لئے کہ اُس زمانہ میں جب کہ یہودیوں نے حضرت مریم سے یہ بات کہی کوئی بھی حضرت مریم پر بدکاری کی تہمت نہیں کرتا تھا ، اور نہ اس آیت میں اس قسم کی تہمت کا اشارہ ہے ، "فری" کے معنی بدیع و عجیب کے ہیں - اس لفظ سے غالباً یہودیوں نے مراد لی ہوگی "شیئا عظیما منکرا" مگر اس سے یہ بات کہ انھوں نے اُس وقت حضرت عیسٰے کی نسبت ناجائز مولود ہونے کی تہمت کی تھی لازم نہیں آتی ، بلکہ قرینہ اُس کے برخلاف ہے ، کیونکہ حضرت عیسٰے نے اُس کے جواب میں اُس تہمت سے بری ہونے کا کوئی لفظ بھی نہیں کہا ، اگر اُس وقت یہودیوں کی مراد اُس سے تہمت بہ نسبت حضرت مریم کے اور ناجائز مولود ہونے کی نسبت حضرت عیسٰے کے ہوتی تو ضرور حضرت عیسٰے اپنے جواب میں اپنی اور اپنی ماں کی بریت اُس تہمت سے ظاہر کرتے ✦

صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰے کی تلقین سے جو خلاف عقاید یہود تھی علمائے یہود ناراض ہو کر حضرت مریم پاس آئے جس سے اُن کی غرض یہ ہوگی کہ وہ حضرت عیسٰے کو اُن باتوں سے باز رکھیں ، اور کہا کہ تیرا باپ اور تیری ماں تو بڑے نیک تھے تو نے یہ کیسا عجیب بچہ جنا ہے جو تمام عقاید کے برخلاف باتیں کرتا ہے ، حضرت مریم نے کہا کہ اُسی سے تم پوچھو ، اُس پر یہودیوں

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۷۸)	کہدے (اے پیغمبر) کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اُس پر جو ہم پر اُتارا گیا اور اُس پر جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اُس کے پوتوں پر اُتارا گیا اور اُس پر جو موسیٰ و عیسیٰ اور تمام نبیوں کو اُن کے پروردگار کے پاس سے دیا گیا ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اُن میں سے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں (۷۸)

کہا کہ وہ کل کا بچہ ہمارے مُنہ لگنے کے لائق نہیں۔ اُس پر حضرت مریم حضرت عیسےٰ کو اُٹھا لائیں اور اُنھوں نے کہا کہ مَیں خدا کا نبی ہوں - یہ ایسا معاملہ ہے جو فطرت انسانی کے موافق واقع ہُوا اور اب بھی واقع ہوتا ہے۔ شوخ و شریر لڑکے کی ماں سے اُس کی شکایت کی جاتی ہے، جو شوخی کہ اُس نے کی ہو اُس کی نسبت اُس کی ماں کہتی ہے کہ اُسی سے پوچھو، پس ان الفاظ سے جو قرآن مجید میں ہیں حضرت عیسےٰ کے بن باپ کے پیدا ہونے پر کسی طرح استدلال نہیں ہوسکتا - اُٹھا لانے کا لفظ اس مقام پر مجازاً بولا گیا ہے، اُس سے خواہ نخواہ گود میں اُٹھا لانا لازم نہیں آتا +

سورۂ انبیا میں حضرت مریم کی نسبت خدا نے فرمایا ہے " والتی احصنت فرجها فنفخنا فیها من روحنا وجعلنا ها وابنها آیۃ للعالمین " اس سے بھی حضرت عیسےٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا ثابت نہیں ہوتا - اول تو کوئی مسلمان خدا کی روح کے مجسم ہونے پر اعتقاد نہیں کرسکتا " احصنت فرجها " کے یہ معنی نہیں کہ احصنت فرجها من کل رجل، بلکہ یہ معنی ہیں کہ احصنت فرجها من غیر زوجها - چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے " احصنت ای عن الفواحش لانها قذفت بالزنا " اس کی نظیر خود قرآن میں موجود ہے تفسیر کبیر میں لکھا

الحصان بالفتح المرأۃ العفیفۃ سے کہ حصان کے معنی عفیفہ عورت کے ہیں اور اُس کی
لمنعها فرجها من الفساد قال تعالیٰ مثال میں حضرت مریم کی نسبت جو لفظ " احصنت فرجها
ومریم ابنت عمران التی کا آیا ہے وہی لکھا ہے - پس صاف ظاہر ہے کہ اس لفظ
احصنت فرجها - سے حضرت مریم کا تہمت بد سے بری ہونا نکلتا ہے نہ
حضرت عیسےٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا - محصنات کے معنی عفاف کے اور جگہ بھی قرآن میں آئے ہیں جیسے کہ " محصنات غیر مسافحات " " محصنین غیر مسافحین " اور شوہردار عورت کے بھی آئے ہیں جیسے کہ " والمحصنات من النساء " تفسیر کبیر میں لکھا ہے " یقال امرأۃ

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۷۹﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿۸۰﴾	اور جو شخص سوائے اسلام کے دوسرا دین چاہے تو ہرگز اُس سے قبول نہ کیا جاویگا اور وہ قیامت میں ٹوٹے والوں میں ہوگا ﴿۷۹﴾ کیونکر اللہ ہدایت کرے ایسی قوم کو کہ کافر ہوگئی اپنے ایمان لانے کے بعد اور گواہی دی کہ بیشک رسول برحق ہے اور اُن کے پاس صریح نشانیاں بھی آچکیں اور اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو ﴿۸۰﴾

محصنۃ اذا کانت ذات زوج "۔ پس حضرت مریم کی نسبت احصنت کا لفظ زیادہ تر صاحب زوج ہونے پر دلالت کرتا ہے ✦

نفخ روح حضرت عیسےٰ میں کچھ دلیل اُن کے بن باپ ہونے کی نہیں ہوسکتی۔ تمام انسانوں کی نسبت خدا تعالےٰ نے نفخ روح کہا ہے، جیسے کہ سورۂ تنزیل میں فرمایا ہے "خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ" پس جس طرح کہ اور تمام انسانوں میں اللہ اپنی روح نفخ کرتا ہے اسی طرح حضرت عیسےٰ میں بھی کی تھی ✦

سورہ آل عمران میں ہے "ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" اس آیت سے بھی حضرت عیسےٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا ثابت نہیں ہوتا مفسرین نے لکھا ہے کہ وفد نجران جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور جو حضرت عیسےٰ ابن اللہ ہونے پر یہ دلیل لاتے تھے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں اس لئے خدا کے بیٹے ہیں اس دلیل کے رد کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی۔ اگر یہ روایت صحیح مانی جاوے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسےٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا تسلیم کرلیا ہو کیونکہ یہ دلیل بطور دلیل الزامی کے ہے، دلیل الزامی میں اس سے بحث نہیں ہوتی کہ جو مقدمہ مخالف نے قائم کیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط، بلکہ اُس کے مقابلہ میں ایک اور مقدمہ مسلّمہ پیش کیا جاتا ہے جس سے مخالف کی دلیل باطل ہوجاتی ہے۔ پس اس مقام پر دلیل الزامی اس طرح پر قائم ہوتی ہے کہ اگر بالفرض تم بوجہ بن باپ کے پیدا ہونے کے حضرت عیسےٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہو تو حضرت آدم کہ جو بن ماں باپ کے پیدا ہوئے ہیں بدرجۂ اولےٰ خدا کا بیٹا ماننا چاہئے۔ اور جب کہ تم حضرت آدم کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے تو حضرت عیسےٰ کو صرف بن باپ کے پیدا ہونے سے کیوں خدا کا بیٹا مانتے ہو ✦

معہذا اگر لفظ مثل سے حضرت آدم اور حضرت عیسےٰ میں مماثلت مراد ہے تو وہ مماثلت دونوں

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۲﴾	وہی ہیں جن کی سزا یہ ہے کہ اُن پر ہے لعنت اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی ﴿۸۱﴾ ہمیشہ اُسی میں رہینگے اُن سے عذاب کی تخفیف نہ ہوگی اور نہ اُن کو مہلت دی جاویگی ﴿۸۲﴾

کی خلقت میں تو ہو نہیں سکتی، کیونکہ حضرت آدم مٹی سے یا پانی سے پیدا ہوئے تھے، اور وہ نو مہینے تک کسی عورت کے پیٹ میں رہے اور بمثل ایسے انسانوں کے جو نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اُن کا حالت نطفہ سے جنین ہونے تک نشو و نما ہوا، برخلاف حضرت عیسٰے کے پس حضرت عیسٰے اور حضرت آدم کی پیدایش میں تو کسی طرح مماثلت نہیں ہوسکتی، اور اگر یہ کہا جائے کہ صرف باپ نہ ہونے میں مماثلت ہے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ اول یہ بات ثابت ہونی چاہئے کہ حضرت عیسٰے بن باپ کے پیدا ہوئے تھے جب یہ بات ثابت ہوجائے تو بن باپ پیدا ہونے میں مماثلت کا دعوٰے ہوسکتا ہے، حالانکہ اُن کا بے باپ کے پیدا ہونا ابھی تک ثابت نہیں ہے۔ پس اگر مماثلت ہے تو یا تو نفخ روح میں ہے کہ حضرت آدم کی نسبت بھی کہا ہے کہ "نفخت فیه من روحی" اور حضرت عیسٰے کی نسبت کہا ہے "فنفخنا فیه من روحنا" اور یا صرف مخلوق ہونے میں ہے کہ جس طرح آدم خدا کے بندے اور مخلوق تھے اسی طرح حضرت عیسٰے بھی خدا کے بندے اور مخلوق ہیں، اور اس کی تائید قرآن مجید سے ہوتی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے "لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا للّٰه" پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس آیت سے حضرت مسیح کے بن باپ پیدا ہونے پر استدلال کیا جائے +

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہر جگہ حضرت عیسٰے کو ابن مریم کہا گیا ہے۔ اگر اُن کے کوئی باپ ہوتا تو اُن کی ابنیت باپ کی طرف منسوب کی جاتی نہ ماں کی طرف، مگر یہ دلیل نہایت بودی ہے، کیونکہ جب قرآن نازل ہوا تو حضرت عیسٰے یہود اور نصاریٰ دونوں میں ابن مریم کے لقب سے مشہور تھے، وہی مشہور لقب اُن کا قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے، اس سے اُن کا بے باپ پیدا ہونا ثابت نہیں ہوتا +

﴿۴۸﴾ حضرت مسیح کے واقعات میں جیسے کہ آپ کی ولادت کا مسئلہ بحث طلب ہے ویسا ہی آپ کی وفات کا مسئلہ بھی غور کے لایق ہے، یہودی یقین رکھتے ہیں کہ اُنھوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا کر قتل کر ڈالا، عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ یہودیوں نے اُن کو صلیب پر چڑھایا اور وہ صلیب ہی پر مر گئے پھر صلیب پر سے اُتار کر قبر میں دفن کیا پھر وہ جی اُٹھے جیسا مسلمین

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۸۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿۸۴﴾	مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور نیکی کی تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۸۳﴾ بیشک جو کافر ہوئے اپنے ایمان کے بعد پھر زیادتی کی کفر میں ہرگز قبول نہ کی جاویگی اُن کی توبہ اور وہ ہی ہیں گمراہ ﴿۸۴﴾

کا یا اعتقاد ہے کہ وہ صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے ۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسےٰ پر الحاد کا اور یہودی شریعت کے مسائل مقررہ سے پھر جانے کا الزام لگایا تھا۔ انجیل یوحنا کے ساتویں باب کی بارھویں آیت میں لکھا ہے کہ ،، لوگوں میں اُس کی (یعنی حضرت عیسےٰ کی) بابت بہت تکرار تھی بعضے کہتے تھے کہ وہ نیک ہے اور کتنے کہتے تھے کہ نہیں بلکہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے ،، اور اُسی انجیل کے باب ۲۶ آیت ۶۵ میں لکھا ہے کہ ،، سردار امام نے اپنے کپڑے پھاڑ کر کہا کہ یہ (یعنی حضرت عیسےٰ) کفر کہہ چکا ہے اب ہم کو اور گواہوں کی کیا درکار ہے دیکھو اب تم نے اُس کا کفر بکنا سنا ،، ✚

یہودی شریعت میں جیسے کہ توریت کی کتاب احبار باب ۲۴ درس ۱۴ و کتاب استثنا باب ۱۳ سے پایا جاتا ہے ارتداد یا الحاد کی سزا سنگسار کرنا تھا ۔ مگر اُس زمانہ میں رومیوں کی سلطنت تھی اور وہ یہودی شریعت سے مرتد ہونے کے جرم میں کسی کو سنگسار نہیں کرتے تھے اس لئے یہودیوں نے حضرت عیسےٰ پر بادشاہ وقت سے باغی ہونے کی تہمت لگائی اور پلاطس سے کہا کہ وہ اپنے تئیں یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے ، لوگوں کو ورغلاتا ہے ، اور قیصر کو خراج دینے سے منع کرتا ہے جرم بغاوت کی سزا صلیب پر چڑھا کر مار ڈالنا تھی ۔ اِس لئے یہودیوں نے پلاطس سے جو وہاں کا حاکم تھا درخواست کی کہ وہ صلیب پر چڑھا دیا جاوے ✚

واقعہ صلیب کے بعد مختلف فرقوں نے مختلف رائیں اُس کی نسبت قائم کیں یہودی اپنی شیخی سے یہ دعوے کرتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسےٰ کو شریعت کے بموجب پہلے سنگسار کر کے قتل کر ڈالا اور پھر صلیب پر لٹکا دیا ۔ عیسائی سنگسار کر کے مار ڈالنا تو تسلیم نہیں کرتے جو درحقیقت میں غلط بھی ہے ، مگر صلیب پر چڑھا کر مار ڈالنا تسلیم کرتے ہیں اور دعوے کرتے ہیں کہ بعد اس کے حضرت عیسےٰ قبر میں دفن کئے گئے اور پھر مُردوں میں سے جی اُٹھے اور حواریوں سے ملے ، اور پھر زندہ آسمان پر چلے گئے اور اپنے باپ یعنی خدا کے دائیں ہاتھ پر جا بیٹھے ۔ بعض قدیم عیسائی فرقے جن کو حضرت

ــــلے دیکھو انجیل متی باب ۲۲ درس ۱۹ و باب ۲۶ درس ۲ و ۲۸ ۔ و انجیل لوک باب ۱۵ درس ۲ و ۳۹ و باب ۲۳ درس ۲ ۔ و انجیل یوحنا باب ۱۸ درس ۱۹ ✚

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ (۸۵)	بیشک جو کافر ہوئے اور کفر ہی میں مر گئے تو نہ قبول ہوگا اُن میں سے ایک کا بھی زمین بھر سونا اگر وہ اُس کو بدلے میں دے اُنہی لوگوں کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے اور کوئی اُن کے لئے مددگار نہیں (۸۵)

عیسے کا صلیب پر چڑھایا جانا نہایت ناگوار تھا حضرت عیسے کے صلیب پر چڑھائے جانے سے قطعاً منکر تھے ۔ بعضے کہتے تھے کہ شمعون قرینی صلیب پر چڑھایا گیا، اور بعض کہتے تھے کہ یہوداہ اسخریوطی۔ شمعون وہ شخص ہے جو صلیب لیکر چلنے کو بیگار میں پکڑا گیا تھا اور یہوداہ وہ شخص ہے جس نے مخبری کرکے حضرت عیسے کو پکڑوایا تھا ۔

مسلمان مفسروں کی عادت ہے کہ پرانے قصوں میں بغیر تحقیقات اصلیت کے اور بلا غور کرنے کے مقصد قرآن مجید پر جہاں تک ہوسکتا ہے یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کو لے لیتے ہیں ۔ اُنہوں نے پچھلی روایت کو زیادہ موزوں سمجھا اور ظاہری الفاظ قرآن مجید کو اُس کے مناسب پایا اس لئے اُنہوں نے پچھلی روایت کو اختیار کیا، اور قرآن مجید کے ایک لفظ کی بنا پر جس کو ہم آگے بیان کرینگے یہ قرار دیا کہ شمعون یا یہوداہ کی صورت بدل کر بعینہ حضرت عیسے کی سی صورت ہوگئی تھی اور یہودیوں نے اُس کو حضرت عیسے جانکر صلیب پر چڑھا دیا تھا، اور وہ زندہ آسمان پر چلے گئے تھے ۔

ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسے کے آسمان پر جانے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے اعتقاد میں چنداں تفاوت نہیں ہے، کیونکہ دونوں حضرت عیسے کے زندہ آسمان پر چلے جانے کا اعتقاد رکھتے ہیں، مگر درحقیقت یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو دونوں مذہبوں میں نہایت مختلف ہے عیسائی مذہب میں حضرت عیسے کے صلیب پر چڑھائے جانے اور صلیب ہی پر جان دینے کا اعتقاد رکن اعظم ایمان ہے، کیونکہ اُن کے اعتقاد میں انسانوں کی نجات صرف حضرت عیسے کے فدیہ ہونے یعنی صلیب پر جان دینے میں منحصر ہے۔ جو کوئی اس امر کا اعتقاد نہ کرے وہ موجودہ عیسائی مذہب کے مطابق عیسائی نہیں ہے اور نہ نجات کا مستحق ہے، پس مسلمانوں کا یہ اعتقاد کہ حضرت عیسے بغیر صلیب پر چڑھائے زندہ آسمان پر چلے گئے موجودہ عیسائی مذہب کے بالکل برخلاف ہے ۔

اس واقعہ پر بحث کرنے سے پہلے ہم کو مناسب ہے کہ صلیب دینے کی نسبت کچھ بیان کریں کہ وہ کیونکر دیجاتی تھی اور کس طرح اُس پر جان نکلتی تھی ۔ جاننا چاہئے کہ صلیب بطور چلیپا کے اس صورت کی ہوتی تھی اُس پر چڑھانے کا طریق یہ تھا کہ انسان کے دونوں ہاتھ اُن لکڑیوں پر جو یمین و یسار میں ہیں پھیلاتے تھے اور اُس کی ہتھیلیوں کو اُن لکڑیوں سے ملاکر آہنی کیلیں

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (۹۲) كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۹۳)	ہرگز نہ پہنچو گے بھلائی کو جب تک کہ خرچ کرو اُس میں سے جس سے محبت رکھتے ہو (یعنی مال و دولت میں سے) اور جو کوئی چیز تم خرچ کرو گے تو بیشک اللہ اُس کو جانتا ہے (۹۲) سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل پر مگر جو حرام کر لیا تھا اسرائیل نے خود اپنے پر قبل نازل کئے جانے توریت کے کہدے (اے پیغمبر) کہ لے آؤ توریت کو اور اُس کو پڑھو اگر تم سچے ہو (۹۳)

ٹھوک دیتے تھے۔ جہاں گول نشان ہے وہاں ایک مضبوط لکڑی لگی ہوتی تھی جو دونوں ٹانگوں کے بیچ میں رہتی تھی اور انسان اُس پر ٹِک جاتا تھا اس سے غرض یہ تھی کہ انسان بدن کے بوجھ سے نیچے نہ کھسکنے پاوے پھر دونوں پاؤں کو اوپر تلے کر کے اور نیچے کی لمبی لکڑی پر رکھ کر ایک لوہے کی میخ اس طرح ٹھوکتے تھے کہ دونوں پاؤں کو توڑ کر لکڑی میں نکل جاتی تھی۔ اور کبھی پاؤں میں میخ نہیں ٹھوکتے تھے بلکہ رسّی سے خوب جکڑ کر باندھ دیتے تھے ❖

صلیب پر چڑھا دینے سے انسان مر نہیں جاتا کیونکہ اُس کی صرف ہتیلیاں اور کبھی ہتیلیاں اور پاؤں زخمی ہوتے تھے، اُس کے مرنے کا سبب یہ ہوتا تھا کہ چار چار پانچ پانچ دن تک اُس کو صلیب پر لٹکائے رکھتے تھے اور ہاتھ پاؤں کے چھیدوں اور بھوک اور پیاس اور دھوپ کا صدمہ اُٹھاتے اُٹھاتے کئی دن میں مرتا تھا۔ چنانچہ اس کی سند طیطوس کی شہادت سے جو کتاب سطیری کان صفحہ ۱۱۱ میں اور اربجیرس کی شہادت سے جو تفسیر انجیل متی مطبوعہ گریگاریِن صفحہ ۴۲ میں مندرج ہے اور انسطینان کی کتاب صفحہ ۲۵۰ سے جو حضرت مسیح کے حالات میں لکھی ہے اور یوسی بیس کی تاریخ کلیسا صفحہ ۲۷۱ سے بخوبی پائی جاتی ہے ❖

اب اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ حضرت عیسےٰ کو کس طرح صلیب پر چڑھایا تھا جس دن حضرت عیسےٰ صلیب پر چڑھائے گئے وہ جمعہ کا دن اور یہودیوں کی عید فسح کا تہوار تھا۔ دوپہر کا وقت تھا جب اُن کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اُن کی ہتیلوں میں کیلیں ٹھوکی گئیں،

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۸۸) قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۸۹) اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (۹۰)

پھر جو کوئی خدا پر اس کے بعد جھوٹا افترا کرے تو وہی لوگ ہیں ظالم (۸۸) کہدے (اے پیغمبر) کہ سچ کہا خدا نے پھر پیروی کرو ابراہیم کے خالص دین کی اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھا (۸۹) بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا (یعنی لوگوں کے لئے خدا کی عبادت کرنے کو) وہ ہے جو مکہ میں ہے، مبارک اور ہدایت عالموں کے لئے (۹۰)

مگر یہ امر مشتبہ ہے کہ پاؤں میں بھی کیلیں ٹھونکی گئیں یا نہیں، کیونکہ انجیل یوحنا میں صرف ہتھیلیوں کے چھید دیکھنے کا ذکر ہے اور لوک کی انجیل میں ہاتھ و پاؤں دونوں کا، مگر اس اختلاف سے جو اصل امر ہے اُس میں کچھ اثر پیدا نہیں ہوتا +

عید فصح کے دن کے ختم ہونے پر یہودیوں کا سبت شروع ہونے والا تھا۔ اور یہودی مذہب کی رُو سے ضرور تھا کہ مقتول یا مصلوب کی لاش قبل ختم ہونے دن کے یعنی قبل شروع ہونے سبت کے دفن کردی جاوے، مگر صلیب پر انسان اس قدر جلدی نہیں مرسکتا تھا، اس لئے یہودیوں نے درخواست کی کہ حضرت مسیح کی ٹانگیں توڑ دی جاویں تاکہ وہ فی الفور مرجاویں، مگر حضرت عیسے کی ٹانگیں توڑی نہیں گئیں، اور لوگوں نے جانا کہ وہ اتنی ہی دیر میں مرگئے۔ برچھی کا حضرت عیسے کے پہلو میں اُن کے زندہ یا مردہ ہونے کی شناخت کے لئے چبھونا صرف یوحنا کی انجیل میں ہے اور کسی انجیل میں نہیں ہے اور نہ اُس وقت جب کہ حضرت عیسے نے اپنے ہاتھوں کے چھید حواریوں کو دکھلائے پسلی کے چھید کا دکھانا کسی انجیل میں لکھا ہے، اس لئے برچھی کا چبھونا نہایت مشتبہ ہے، معہذا اگر وہ صحیح بھی ہو تو وہ بھی کوئی ایسا زخم جس سے فی الفور ہلاکت ہو متصور نہیں ہوسکتا جس طرح اُن کے ہاتھ پاؤں زخمی تھے اُسی طرح پسلی کے نیچے بھی ایک زخم تسلیم کیا جاوے +

جب کہ لوگوں نے غلطی سے جانا کہ حضرت درحقیقت مرگئے ہیں تو یوسف نے حاکم سے اُن کے دفن کرنے کی درخواست کی، وہ نہایت متعجب ہوا کہ ایسے جلد مرگئے۔ اس قدر جلدی مرجانے کی خبر سے کچھ حاکم ہی کو تعجب نہیں ہوا بلکہ عیسائی بھی اس کو ناممکن سمجھتے تھے اور اس لئے تیسری صدی عیسوی میں جو عیسائی علما تھے انہوں نے حضرت عیسے کا اس قدر جلد صلیب پر مرنا آخرکار ایک معجزہ قرار دیا +

غرضکہ یوسف کو دفن کرنے کی اجازت مل گئی اور حضرت عیسے صرف تین چار گھنٹہ صلیب پر رہے

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴿۹۱﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَاۗءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

اُس میں صریح نشانیاں ہیں مقام ابراہیم کی اور جو کوئی وہاں آیا امن میں ہوا اور اللہ کے واسطے لوگوں پر اُس گھر کا حج کرنا ہے جس کو استطاعت ہو وہاں تک رستہ کی (۹۱) پھر جو کوئی کافر ہوا تو اللہ بے پرواہ ہے عالموں سے (۹۲) کہدے (اے پیغمبر) کہ اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی نشانیوں کے ساتھ اور اللہ گواہ ہے اُس پر جو تم کرتے ہو (۹۳) کہدے (اے پیغمبر) کہ اے اہل کتاب کیوں تم روکتے ہو اللہ کے رستہ سے اُس کو جو ایمان لایا تم اللہ کے رستہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو اور تم جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں ہے اُس سے جو تم کرتے ہو (۹۴)

کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی رسم تجہیز و تکفین کی حضرت عیسےٰ کے ساتھ عمل میں آئی تھی بلکہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوسف نے اُن کو ایک لحد میں رکھا اور اُس پر ایک پتھر ڈھانک دیا۔ اس بات کا تصفیہ نہیں ہو سکتا کہ یوسف نے یہ کام اس لئے کیا تھا تاکہ حضرت عیسےٰ کے دشمن یقین کرلیں کہ درحقیقت حضرت عیسےٰ مر گئے اور وہ جانتا تھا کہ وہ مرے نہیں ہیں، یا آنکہ درحقیقت اُن کو مردہ سمجھ کر اُس نے لحد میں رکھ دیا تھا۔ بہرحال رات کو وہ اس لحد میں نہ تھے، اور اُس سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود یہودیوں کو بھی شبہ تھا کہ وہ مر گئے ہیں یا نہیں، اس لئے صبح کو یعنی بروز شنبہ اُنہوں نے حاکم کی اجازت سے وہاں پہرہ متعین کر دیا، مگر اب کیا فائدہ تھا جو کچھ ہونا وہ اس سے پہلے ہو چکا تھا ؞

جب اس تمام واقعہ پر منصفانہ طور پر نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ صلیب پر مرے نہ تھے بلکہ اُن پر ایسی حالت طاری ہو گئی تھی کہ لوگوں نے اُن کو مردہ سمجھا تھا۔ اس امر کی نظیریں کہ صلیب پر سے لوگ زندہ اُترے ہیں تاریخ میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر کلارک نے متی کی انجیل کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایسی کئی ایک مثالیں کہ شخص مصلوب کئی دن تک زندہ رہا ہے۔ ہیرو ڈوٹس رومی مورخ نے لکھا ہے کہ سندوکیس دارا کے حکم سے صلیب پر چڑھا گیا اور پھر اُس کے حکم سے اُتارا گیا وہ زندہ رہا اور رہا کر دیا گیا۔ یوسی بیس مورخ نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ طیطوس بادشاہ کے حکم سے بہت سے قیدی صلیب پر چڑھائے گئے، اُن میں سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۹۶﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اطاعت کرو گے ایک فرقہ کی اُن میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے پھیر دینگے تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنا کر ﴿۹۵﴾ اور کیونکر تم کافر ہو گے اور تم ہی ہو کر پڑھہ سنائی جاتی ہیں تم کو اللہ کی نشانیاں اور تم میں اُس کا رسول ہے اور جو کوئی اللہ کو مضبوط پکڑے تو بیشک اُس کو سیدھا رستہ بتایا گیا ﴿۹۶﴾

تین آدمی اُس کے ملاقاتی تھے، اُس نے بادشاہ سے اُن کی سفارش کی اور وہ صلیب پر سے اُتارے گئے اور اُن کا معالجہ کیا گیا، مگر اُن میں سے دو آدمی مر گئے اور ایک شخص اچھا ہو گیا۔ حضرت عیسٰے تین چار گھنٹہ کے بعد صلیب پر سے اُتار لئے گئے تھے اور ہر طرح پر یقین ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ تھے، رات کو وہ لحد میں سے نکال لئے گئے اور وہ مخفی اپنے مریدوں کی حفاظت میں رہے، حواریوں نے اُن کو دیکھا اور ملے اور پھر کسی وقت اپنی موت سے مر گئے۔ بلاشبہ اُن کو یہودیوں کی عداوت کے خوف سے نہایت مخفی طور پر کسی نامعلوم مقام میں دفن کر دیا ہو گا جو اب تک نامعلوم ہے، اور یہ مشہور کیا ہو گا کہ وہ آسمان پر چلے گئے۔ حضرت موسٰے کی وفات کے وقت بھی نہایت شبہ تھا کہ بنی اسرائیل جو پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرتے پھرتے اور دشمنوں سے لڑتے لڑتے حضرت موسٰے کے ہاتھ سے نہایت تنگ ہو گئے تھے حضرت موسٰے کی لاش کے ساتھ کیا کرینگے اس لئے اُن کو بھی ایک پہاڑ کی کھو میں ایسے نامعلوم مقام میں دفن کیا تھا کہ آج تک کسی کو اُس کا پتہ معلوم نہیں ہوا۔ چنانچہ توریت کی پانچویں کتاب میں لکھا ہے کہ "پس موسٰے بندہ خداوند در انجا بزمین موآب موافق قول خداوند وفات کرد واو را در دره زمین موآب برابر بیت یعور دفن کرد و ہیچ کس از مقبرہ او تا بامروز واقف نیست" حضرت علی مرتضٰے کا جنازہ بھی خوارج کے خوف سے اسی طرح مخفی طور پر دفن کیا گیا تھا حالانکہ خوارج کا خوف بہ نسبت یہودیوں کے بہت کم تھا، اور اسی طرح بعض فرق شیعہ نے حضرت علی مرتضٰے کی نسبت بھی کہا تھا کہ وہ آسمان پر چلے گئے +

اب ہم کو قرآن مجید پر غور کرنا چاہئے کہ اُس میں کیا لکھا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت عیسٰے کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے +

اول تو سورہ آل عمران میں اور وہ یہی آیت ہے جس کی ہم تفسیر لکھتے ہیں کہ "جب اللہ نے عیسٰے سے کہا کہ بے شک میں تجھ کو

اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیك ورافعك الی (آل عمران آیت ۴۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (۹۷) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (۹۸) وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۹۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ مرو بجز ایسی حالت کے کہ تم مسلمان ہو (۹۷) اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب ملکر اور متفرق مت ہو اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اپنے پر جب کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر ملاپ کر دیا تمہارے دلوں میں پھر تم اُس کی نعمت سے صبح کو اُٹھے آپس میں بھائی بنکر (۹۸) اور تم آگ بھرے ہوئے گڑھے کے کنارہ پر تھے پھر تم کو اُس سے بچایا اس طرح تم کو اللہ بتلاتا ہے اپنی نشانیاں تاکہ تم ہدایت پاؤ (۹۹)

وفات دینے والا ہوں اور تجھ کو اپنی طرف رفع کرنے والا ہوں" +

دوم - سورہ مائدہ میں جہاں فرمایا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے کہیگا

ما قلت لهم الا ما امرتني به ان اعبدوا الله ربي وربكم وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شيء شهيد (سورہ مائدہ)

کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ تو حضرت عیسیٰ کہینگے کہ میں نے اُن سے نہیں کہا بجز اُس کے جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اور جب تک میں اُن میں رہا اُن پر شاہد تھا پھر جب تو نے مجھ کو وفات دی تو تو اُن پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے" +

سوم - سورہ مریم میں جہاں فرمایا ہے کہ "جب حضرت مریم حضرت عیسیٰ کو علماء

واوصاني بالصلوة والزكوة ما دمت حيا وبرا بوالدتي ولم يجعلني جبارا شقيا - والسلام علي يوم ولدت ويوم اموت ويوم ابعث حيا (سورہ مریم آیت ۳۲ و ۳۳ و ۳۴)

یہود سے کلام کرنے کو لے آئیں تو حضرت عیسیٰ نے کہا کہ میں خدا کا بندہ اور نبی ہوں مجھ کو کتاب ملی ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے نماز کا اور زکوٰۃ کا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے کا اور مجھ کو جبار و شقی نہیں بنایا ہے اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ مرونگا اور جس دن کہ پھر زندہ ہو کر اُٹھونگا (یعنی بروز حشر)" +

چہارم - سورہ نساء میں جہاں یہودیوں کے کفر کے اقوال بیان کئے ہیں وہاں اُنکا

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾	اور تم میں ایک گروہ ہونا چاہئے کہ بلاوے (لوگوں کو) نیکی کی طرف اور اور اچھے کام کرنے کو کہے اور بُرے کاموں سے منع کرے اور وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿۱۰۰﴾ اور اُن لوگوں کی مانند مت ہو جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا بعد اس کے کہ اُن کے پاس نشانیاں آئیں اور وہی لوگ ہیں کہ اُن کے لئے بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۱﴾

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوہ وما صلبوہ ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه مالهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ يقينا بل رفعه الله اليه (سورہ نساء آیت ۱۵۶) یہ قول نقل کیا ہے کہ "یہودی کہتے تھے ہم نے عیسےٰ بن مریم رسول خدا کو قتل کر ڈالا حالانکہ نہ انہوں نے اُن کو قتل کیا اور نہ صلیب پر مارا و لیکن اُن پر (صلیب پر مار ڈالنے کی) شبیہ کر دی گئی اور جو لوگ کہ اس میں اختلاف کرتے ہیں البتہ وہ اس بات میں شک میں پڑے ہیں اُن کو اُس کا یقین نہیں ہے بجز گمان کی پیروی کے انہوں نے اُن کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اپنے پاس اُن کو اُٹھا لیا ✦

پہلی تین آیتوں سے حضرت عیسےٰ کا اپنی موت سے وفات پانا علانیہ ظاہر ہے مگر چونکہ علمائے اسلام نے بتقلید بعض فرق نصاریٰ کے قبل اس کے کہ مطلب قرآن مجید پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسےٰ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں ، اس لئے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کو بیجا کوشش کی ہے ✦

پہلی آیت میں صاف لفظ "متوفيك" کا واقع ہے جس کے معنی عموماً ایسے مقام پر موت کے لئے جاتے ہیں ، خود قرآن مجید سے اس کی تفسیر پائی جاتی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے "الله يتوفى الانفس حين موتها" ابن عباس اور محمد ابن اسحٰق نے بھی جیسے کہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے "متوفيك" کے معنی "مميتك" کے لئے ہیں ✦

یہی حال لفظ "توفيتني" کا ہے جو دوسری آیت میں ہے اور جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جب تو نے مجھ کو موت دی یعنی جب میں مر گیا اور اُن میں نہیں رہا تو تو اُن کا نگہبان تھا ✦

پہلی آیت میں اور چوتھی آیت میں لفظ "رفع" کا بھی آیا ہے جس سے حضرت عیسےٰ

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

جس دن کہ کچھ مُنہ سفید ہونگے اور کچھ مُنہ کالے ہونگے پھر جن کے مُنہ کالے ہونگے (اُن سے کہا جاویگا) کہ کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے پھر عذاب (کا مزہ) چکھو اپنے کافر ہونے پر ﴿۱۰۶﴾

کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ اُن کے جسم کو اُٹھا لینے کا ۔ تفسیر کبیر[ل] میں بھی بعض علما کا قول لکھا ہے کہ لفظ " رفع " کا تعظیماً اور تفخیماً بولا گیا ہے ✤

جن علما نے " متوفیك " کے معنی " ممیتك " کے قرار دئیے تھے اُنہوں نے قرآن مجید کے ٹھیک ٹھیک معنی سمجھے تھے ، اُن کا خیال تھا کہ یہودیوں نے حضرت عیسٰے کو قتل نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی موت سے مرے مگر اُنہوں نے " رافعك " کے معنوں میں غلطی کی جو یہ خیال کیا کہ پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے ، کیونکہ " رافعك " کے لفظ سے جیسا ہم نے اوپر بیان کیا آسمان پر جانا لازم نہیں آتا ۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت عیسٰے پر موت طبعی طاری کرنے سے مقصود یہ تھا کہ اُن کے دشمن اُن کو قتل نہ کر سکیں ۔ وہب کا یہ قول ہے کہ وہ تین گھنٹے تک مردہ رہے اور محمد ابن اسحاق کا قول ہے کہ سات گھنٹے تک ، پھر زندہ ہوئے اور آسمان پر چلے گئے ، اور ربیع ابن انس کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آسمان پر اُٹھاتے وقت موت دی ✤

متوفیك ای ممیتك وھو مروی عن ابن عباس ومحمد ابن اسحاق قالوا والمقصود ان لا یصل اعداؤہ من الیھود الی قتلہ ثم انہ بعد ذلك اکرمہ بان رفعہ الی السماء ثم اختلفوا علی ثلاثۃ اوجہ احدھا قال وھب توفی ثلاث ساعات ثم رفع وثانیھا قال محمد ابن اسحاق توفی سبع ساعات ثم احیاہ اللہ ورفعہ الثالث قال الربیع بن انس انہ تعالیٰ توفاہ حین رفعہ الی السماء قال تعالیٰ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت منامھا ۔ (تفسیر کبیر)

بہرحال ان اقوال سے اس قدر ثابت ہوا کہ بعض علما اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ حضرت عیسٰے کو موت طبعی طاری ہوئی ، اور بعض علما نے رفع کے لفظ سے حضرت عیسٰے کے جسم کا آسمان پر اُٹھا لینا مراد نہیں لیا ، بلکہ اُس سے اُن کی قدر و منزلت مراد لی ہے پس جب ان دونوں قولوں کو تسلیم کیا جاوے تو جو ہم بیان کرتے ہیں وہی پایا جاتا ہے کہ حضرت عیسٰے کو یہودیوں نے نہ سنگسار کر کے قتل کیا نہ صلیب پر قتل کیا بلکہ وہ اپنی موت سے مرے

[ل] قولہ رافعك الی ای المراد الی محل کرامتی وجعل ذلك رفعا الیہ للتفخیم والتعظیم ومثلہ قولہ انی ذاھب الی ربی وانما ذھب ابراھیم صلعم من العراق والشام وقد یقول السلطان ارفعوا ھذا الامر الی القاضی وقد یسمی الحجاج زوار اللہ ویسمی المجاورون جیران اللہ والمراد من کل ذلك التفخیم والتعظیم فکذلك ھھنا ✤

وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۸﴾	اور جن کے منہ سفید ہونگے تو اللہ کی رحمت میں ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہینگے ﴿۱۰۷﴾ یہ ہیں نشانیاں اللہ کی ہم تجھ کو پڑھ سناتے ہیں برحق، اور اللہ لوگوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا ﴿۱۰۸﴾

اور خدا نے اُن کے درجہ اور مرتبہ کو مرتفع کیا ✦

ان آیتوں میں ایک لفظ بھی غور کے قابل ہے یعنی "مادمت فیہم" اس کے صاف معنی ہیں کہ جب تک میں زندہ تھا، اور اُس کی سند خود قرآن مجید کی دوسری آیت میں موجود ہے جہاں فرمایا ہے "مادمت حیا"، پس صاف ظاہر ہے کہ جو معنی "حیا" کے ہیں وہی معنی "فیہم" کے ہیں، اس کے بعد ہے "فلما توفیتنی" تو اس سے اور بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس لفظ سے حیّا ہی مراد تھی اور مطلب بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ جب تک میں اُن میں تھا یعنی زندہ تھا تو میں اُس پر شاہد تھا، اور جب تو نے مجھے موت دی تو تو اُن کا نگہبان رہا۔

پس ان دونوں آیتوں میں اس دنیا ہی میں حضرت عیسٰے کا زندہ رہنا اور اس دنیا ہی میں اپنی موت سے مرنا بخوبی ظاہر ہوتا ہے ✦

اب باقی رہی چوتھی آیت، مگر جب یہ تحقیق ہو گیا کہ یہودی یہ دعوے کرتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسٰے کو سنگسار کر کے قتل کیا تھا، اور عیسائی یہ یقین کرتے تھے کہ یہودیوں نے صلیب پر حضرت عیسٰے کو قتل کیا تھا، حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط تھیں، وہ سنگسار تو ہرگز نہیں ہوئے، صلیب پر البتہ لٹکائے گئے مگر صلیب پر مرے نہیں۔ ان دونوں اعتقادوں کے رد کرنے کو خدا نے فرمایا کہ "ماقتلوہ وماصلبوہ" پہلے "ما" نافیہ سے نفس قتل کا سلب ہوا ہے اور دوسرے سے کمال صلیب کا، کیونکہ صلیب پر چڑھانے کی تکمیل اُسی وقت تھی جب صلیب کے سبب موت واقع ہوتی، حالانکہ صلیب پر موت واقع نہیں ہوئی، "ولکن شبہ لہم" سے اور زیادہ تشریح اس مطلب کی ہوتی ہے۔ تشبیہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں، ایک مشبہ، ایک مشبہ بہ، ایک وجہ تشبیہ، ایک مشبہ لہ، اس آیت میں صرف دو چیزیں بیان ہوئی ہیں، ایک مشبہ جو حضرت عیسٰے علیہ السلام تھے۔ دوسری مشبہ لہم جو یہودی تھے اور جو در پے قتل حضرت مسیح تھے مشبہ بہ قرآن میں مذکور نہیں ہے۔ علمائے اسلام نے جب بعض عیسائی فرقوں کا یہ قول پایا کہ شمعون یا یہودا صلیب پر چڑھایا گیا تھا اُنھوں نے جھٹ قرآن کے معنی بدل دیئے، اور یہودا یا شمعون کو مشبہ اور حضرت عیسٰے کو مشبہ بہ، اور یہودا یا شمعون کی تبدیل صورت کو

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۵﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کام رجوع کئے جاتے ہیں ﴿۱۰۵﴾ تم اچھی امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اچھے کاموں کے کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں کے کرنے سے منع کرتے ہو اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آویں تو بلاشبہ اُن کے لئے اچھا ہے اُن میں سے بعضے ایمان والے ہیں اور اکثر اُن میں فاسق ہیں ﴿۱۰۶﴾

وجہ تشبیہ قرار دیا ۔ حالانکہ یہاں صرف مشبہ بہ محذوف ہے اور وہ "موتی" ہے ، اور وجہ تشبیہ وہ حالت ہے جو حضرت عیسےٰ پر طاری ہوئی تھی جس کے سبب وہ مردہ تصور ہوئے تھے ۔ پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ " وما صلبوہ ولکن شبہ لھم بالموتی " ۔ اس کی زیادہ تصریح اسی آیت کے اگلے لفظوں سے ہوتی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ "جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ شک میں ہیں اُن کو کچھ علم نہیں ہے بجز گمان کی پیروی کے " اور پھر اس کے بعد تاکیداً اور یقیناً فرمایا کہ " اُنھوں نے عیسےٰ کو قتل نہیں کیا " اور اس مقام پر صلیب کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ صرف قتل کی نفی کی ، اور اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اوپر جو صلیب کی نفی کی تھی اُس سے نفی قتل بالصلیب مراد تھی نہ مطلق صلیب کی ۔ ثم اماتہ اللہ باجل مسمی ورفعہ الیہ کما قال اللہ تعالیٰ بل رفعہ اللہ الیہ ✤

انھی باتوں پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عیسائی عالموں سے مباہلہ چاہا جس سے ایک نہایت عمدہ طور پر فطرت انسانی ظاہر ہوتی ہے ۔ تمام اہل مذاہب خواہ صحیح مذہب رکھتے ہوں یا غلط دو قسم کے ہوتے ہیں جہلا اور علما ۔ جہلا کا یقین مذہبی باتوں پر نہایت پختہ اور مستحکم ہوتا ہے ، اور جو کچھ اُنھوں نے سمجھا ہے یا سیکھا ہے اُس کے سوا وہ اور کچھ نہیں جانتے ، اور کوئی شبہ اُن کے دل میں نہیں ہوتا ۔ اُن کی مثال اندھے آدمی کیسی ہے کہ وہ اُس رستے پر جو اُس کو کسی نے بتلا دیا ہے چلا جاتا ہے اور اُس کے ٹھیک ہونے پر یقین رکھتا ہے اور خود نہیں جانتا کہ درحقیقت یہ رستہ اُسی جگہ جاتا ہے جہاں اُس کو جانا ہے یا نہیں ۔ پھر اگر کسی نے کہدیا کہ میاں اندھے آگے گڑھا ہے یا دیوار ہے تو وہ بغیر کسی شک کے اُس پر یقین کر لیتا ہے اور پھیر جاتا ہے ، پھر جس نے جو راہ بتائی اُس طرف ہو لیا ۔ یہی جہلائے اہل مذہب کا حال ہے

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

تم کو ضرر نہیں پہنچانے کے بجز تھوڑی سی اذیت دینے کے اور اگر تم سے لڑینگے تو تم سے پیٹھ پھیر دینگے پھر اُن کی مدد نہ کیجاویگی ﴿۱۰۷﴾ اُن پر ذلت ڈالی گئی ہے جہاں وہ ہوں (وہ کہیں نہیں ٹھیر سکتے) بغیر خدا کی پناہ یا آدمیوں کی پناہ لینے کے وہ پھر گئے ہیں اللہ کے غضب میں یہ بات اس لئے ہوئی کہ کفر کرتے تھے اللہ کی نشانیوں سے اور مار ڈالتے تھے نبیوں کو ناحق، یہ کام اُن کے گناہ کرنے کے سبب ہُوا اور وہ حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے ﴿۱۰۸﴾

جس مذہب میں وہ ہیں ان کو اُس پر ذرا بھی شبہ نہیں۔ مگر علما کا حال اُس کے برخلاف ہوتا ہے، گو وہ بھی مذہب کی پیروی کرتے ہیں اور جس مذہب میں وہ ہیں اُس کو سچ کہتے ہیں اور دل میں بھی اُس پر یقین رکھتے ہیں، مگر اُن کا دل شبہ سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ مذہب کے ہزاروں مسئلوں کو سچ کہتے ہیں مگر اُن کی عقل اُن کو قبول نہیں کرتی، اُن کا علم اُن کے ویسے ہی ہونے پر اُن کی تصدیق نہیں کرتا، اور جب وہ اُس پر سچا یقین نہیں کرسکتے تو اپنے دل کو سمجھاتے ہیں کہ گو یہ بات عقل سے اور سمجھ سے دور ہو مگر مذہب کی رُو سے ہم کو یونہی ماننا اور اُس پر یقین کرنا ضرور ہے۔ پس درحقیقت اُن پر اُن کو سچا یقین نہیں ہوتا، دل میں ایک کانٹا کھٹکتا رہتا ہے، اور جس پر اُن کو حقیقی یقین نہیں ہوتا، اُس پر یقین جملانا چاہتے ہیں۔ علماے عیسائی جو حضرت عیسےٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا اعتقاد رکھتے تھے یہ بھی ایسی ہی باتیں تھیں جن کو وہ مذہباً مانتے تھے اور مذہباً اُس پر اعتقاد رکھتے تھے، مگر سچائی سے دل نہیں مانتا تھا۔ فطرت انسانی میں یہ بات ہے کہ جو سچا شبہ اُس کے دل میں ہوتا ہے وہ زبردستی دور کرنے سے دُور نہیں ہوتا اور یقین جمانے سے یقین نہیں جمتا، بلکہ وہ شبہ جب ہی دور ہوتا ہے جب حقیقتاً دُور ہوجاوے، اور یقین جب ہی جمتا ہے جب کہ حقیقتاً یقین آجاوے۔ ایسی حالت میں کوئی شخص ایسی بات کرنے پر فطرۃً آمادہ نہیں ہوسکتا جو اُس کے دل میں کھٹکنے والے شبہ کے برخلاف ہو۔ اسی لئے علماے عیسائی سے نہ جہلاے عیسائی سے کہا گیا کہ اگر تم اس پر

لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (۱۰۹) يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۱۱۰) وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ (۱۱۱) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۱۱۲) مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۱۱۳)

وہ ایک سے نہیں ہیں، اہل کتاب ہی میں سے لوگ ہیں سیدھے وہ پڑھتے ہیں اللہ کی آیتوں کو رات کے وقتوں میں اور وہ سجدہ کرتے ہیں (۱۰۹) ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور اچھے کاموں کے کرنے کو کہتے ہیں اور برے کاموں کے کرنے سے منع کرتے ہیں اور جلدی کرتے ہیں بھلائیوں میں اور وہ لوگ نیکوں میں ہیں (۱۱۰) اور جو کچھ کہ وہ بھلائیوں میں سے کرتے ہیں وہ مثائی نہ جاویگی اور اللہ جانتا ہے پرہیزگاروں کو (۱۱۱) بیشک جو لوگ کافر ہوئے اُن کو اُن کا مال اور اُن کی اولاد اللہ سے کچھ بھی بے پرواہ نہیں کرنے کی اور وہ لوگ آگ میں پڑنے والے ہیں وہ اُس میں ہمیشہ رہینگے (۱۱۲) جو کچھ کہ وہ دنیا کی اس زندگانی میں خرچ کرتے ہیں اُس کی مثال ایسی ہوا کی مانند ہے جس میں سخت پالا ہو جو ایک قوم کی کھیتی پر پڑے جنھوں نے آپ اپنے پر ظلم کیا ہو پھر تمام کھیتی کو مار دے اور اُن پر خدا نے ظلم نہیں کیا و لیکن وہ آپ اپنے پر ظلم کرتے ہیں (۱۱۳)

سچا یقین رکھتے ہو تو مباہلہ کرو، اور ظاہر ہو گیا کہ وہی دل میں کھٹکنے والا شبہ اُس پر آمادہ نہیں کر سکتا، اور ثابت ہو گیا کہ خود علماے عیسائی کو حضرت عیسے کے ابن اللہ ہونے اور مر کے جی اُٹھنے پر سچا یقین نہیں تھا، اور میں کہ سکتا ہوں کہ اب بھی بجز ایسے یقین کے جو مذہبًا ہوتا ہے سچا یقین نہیں ہے +

ہم اہل اسلام کو بھی ان باتوں سے بری نہیں سمجھتے - ہزاروں مسلمان اس وقت موجود ہیں جو بہت سے مسئلوں پر صرف اس وجہ سے یقین رکھتے ہیں کہ مذہبًا اُن پر یقین رکھنا چاہئے، مگر وہ دل میں کھٹکنے والا شبہ اُن کے دل موجود ہے - البتہ اسلام میں

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا
بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ
خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ
الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا
تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ هٰاَنْتُمْ
اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ
وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا
لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا
عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ
مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۵﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ
حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ
سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا
وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ
شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۱۶﴾
وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ
الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ اِذْ هَمَّتْ
طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا
وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے لوگوں کے سوا
کسی کو اپنا بھیدی مت بناؤ وہ تمہاری خرابی
میں کمی نہیں کرتے وہ دوست رکھتے ہیں اس چیز
کو جو تمہیں رنج میں ڈالے بیشک اُن کے مُنہ کی
باتوں سے دشمنی ظاہر ہوگئی ہے اور جو کچھ اُن کے
دل میں چھپا ہوا ہے وہ اُس سے زیادہ ہے بلاشبہ
ہم نے تم کو نشانیاں تبلادیں اگر تم سمجھتے ہو (۱۱۴)
دیکھو ان لوگوں کو تم دوست رکھتے ہو اور وہ تم کو
دوست نہیں رکھتے اور ہر ایک کتاب پر ایمان
رکھتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں
کہ ہم ایمان لائے اور جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر
غصہ کے مارے انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں کہ دے
(اے پیغمبر) کہ مرو اپنے غصے میں بیشک اللہ جانتا ہے
دل کی باتوں کو (۱۱۵) اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے
تو اُن کو رنج دیتی ہے اور اگر تم پر کوئی برائی پڑتی
ہے تو وہ اُس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو
اور بچتے رہو تو تم کو اُن کا فریب کچھ بھی ضرر نہ کرے
بیشک اللہ اُن چیزوں پر جو وہ کرتے ہیں حاوی ہے (۱۱۶)
اور (یاد کر) جب کہ تو اپنے لوگوں میں سے صبح کو اٹھا تا
بٹھاتا تھا مسلمانوں کو کمین گاہ میں لڑنے کو لیے،
اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا (۱۱۷) جب کہ تم میں
سے دو گروہوں نے ارادہ کیا بزدلی کرنے کا اور
اللہ اُن کا حمایتی تھا، اور چاہیے کہ ایمان
والے اللہ ہی پر توکل کریں (۱۱۸)

ایسے علماء اہل اللہ بھی گذرے ہیں جنہوں نے درحقیقت مذہب اسلام پر غور و فکر کی ہے
اور حقیقۃً تمام شبہات اُن کے راستے دور ہوتے ہیں، اور حقیقۃً اُن کے دل میں یقین آیا
ہے۔ ایسے محققین کو ہمیشہ لوگوں نے کا ذکر کیا ہے اور اب بھی کہتے ہیں۔ مگر کچھ شبہ نہیں

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱۱۹) اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ (۱۲۰) بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (۱۲۱) وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ (۱۲۲) لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۱۲۳)

اور بیشک اللہ نے تمہاری مدد بدر (کی لڑائی) میں کی تھی اور تم بے حقیقت (یعنی تھوڑے اور کمزور) تھے پھر اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر کرو (۱۱۹) جب کہ تو مسلمانوں سے کہتا تھا کیا تم کو کافی نہ ہوگا کہ تمہارا پروردگار تین ہزار بھیجے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے (۱۲۰) بلکہ اگر تم صبر کرو اور (بزدلی سے) بچتے رہو اور ابھی وہ تم سے آ بھڑیں اسی دم تمہاری مدد کریگا تمہارا پروردگار پانچ ہزار نشان دار فرشتوں سے (۱۲۱) اور نہیں کیا اللہ نے اُس کو مگر بشارت واسطے تمہارے اور تاکہ اُس سے تمہارے دل مطمئن ہو جاویں اور فتح نہیں ہے مگر اللہ کی طرف سے جو زبردست حکمت والا (بدر کی لڑائی میں تم کو اس لئے فتح دی) تاکہ توڑ دے اُن لوگوں کے ایک گروہ کو جو کافر ہوئے یا اُن کو ذلیل کر دے پھر وہ نامراد ہو کر اُلٹے پھر جاویں (۱۲۲) تجھ کو اس سے کچھ کام نہیں یا اُن کو معاف کرے یا اُن کو عذاب دے کیونکہ بیشک وہ ظالم ہیں (۱۲۳)

کہ خدا کے سامنے اُن کے کفر کے مقابلہ میں دوسروں کا ایمان بجو سے ہم نے ارزد +

(۱۱۸) (اذ همت طائفتان) پہلی آیتوں میں اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ جو لوگ درحقیقت تمہارے دوست نہیں ہیں اُن کو اپنا بھید مت بتلاؤ، وہ ظاہر میں دوست ہیں اور باطن میں دشمن۔ اُس کی مثال میں اللہ تعالے نے جنگ اُحد کے واقعہ کو یاد دلایا۔ اُس لڑائی میں عبداللہ ابن اُبی یہودی بھی تین سو آدمی لیکر شامل تھا، وہ ظاہر میں مسلمانوں سے ملا ہوا تھا مگر دل میں نفاق رکھتا تھا، اور جس طرح پر لڑنا ٹھہرا تھا اُن بھیدوں کی اُس کو بھی خبر تھی، جب لڑائی شروع ہوئی تو وہ معہ اپنے تین سو آدمیوں کے بھاگ نکلا۔ اُس کو بھاگتا ہوا دیکھ کر بنو سلمہ جو بنی خزرج کے قبیلہ کے تھے اور بنو حارثہ جو اوس کے قبیلہ میں سے تھے اور یہ دونوں گروہ انصار میں سے اور سچے مسلمان تھے گھبرا گئے، اور انہوں نے بھی بھاگنے کا ارادہ کیا مگر پھر دل مضبوط کر کے قائم

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۱۲۴﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو سود مت کھاؤ دوگنے پر دوگنا اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿۱۲۵﴾ اور بچو اس آگ سے جو طیار کی گئی ہے کافروں کے لئے اور اطاعت کرو خدا کی اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جاوے ﴿۱۲۶﴾ اور دوڑو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور جنت کی جس کی چوڑان آسمانوں اور زمین کی مانند ہے طیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے ﴿۱۲۷﴾ وہ لوگ وہ ہیں جو (اپنا مال) خرچ کرتے ہیں فراخی میں اور تنگی میں، اور غصہ کو پی جاتے ہیں، اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں، اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو ﴿۱۲۸﴾ اور وہ لوگ وہ ہیں کہ جب کوئی برا کام کرتے ہیں، یا اپنے پر آپ ظلم کرتے ہیں، تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر معافی چاہتے ہیں اپنے گناہوں کی، اور کون بخشتا ہے گناہوں کو بجز خدا کے اور (وہ لوگ) اپنے کئے پر ہٹ نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں ﴿۱۲۹﴾

رہے، اور لڑائی میں ایسی بے ترتیبی ہوگئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کو بھی صدمہ پہنچا، آخرکار بہزار خرابی پھر سب مسلمان یکجا ہوئے اور دلیری سے لڑے اور دشمنوں کو ہزیمت دی +

﴿۱۱۹﴾ (ولقد نصرکم) احد کی لڑائی کی مثال تو خدا نے اس ضرر کے بتانے کی دی تھی جو غیر لوگوں کو بھید کی خبر کر دینے سے ہوتا ہے، اب یہ دوسری مثال بدر کے واقع کی دی ہے جس میں کوئی غیر شخص لڑائی کے بھیدوں سے واقف نہ تھا، اور باوجودیکہ مسلمان

أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ
مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٠﴾ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ
فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٣١﴾
هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ
مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٢﴾ وَلَا تَهِنُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِنْ
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ
قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ
نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٣٤﴾
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ
اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ
وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَلَقَدْ
كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ
اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ
تَنْظُرُوْنَ ﴿١٣٧﴾

وہی لوگ ہیں کہ اُن کی جزا اُن کے پروردگار سے
بخشش ہے اور جنتیں کہ اُن کے نیچے نہریں
بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اُن میں رہینگے، اور
اچھا بدلا ہے (نیک) عمل کرنے والوں کا ﴿١٣٠﴾
بیشک تم سے پہلے (بہت سے) واقعات ہو چکے ہیں
پھر زمین کی (یعنی دنیا کی یا ملکوں کی) سیر کرو، پھر دیکھو
کہ کیونکر ہوا انجام جھٹلانے والوں کا ﴿١٣١﴾ یہ
لوگوں کے لئے (ایک) بیان ہے اور ہدایت اور
نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے ﴿١٣٢﴾ تم سست
ہو اور رنج مت کرو اور تم ہی اعلیٰ ہو اگر تم
ایمان والے ہو ﴿١٣٣﴾ اگر تم کو کوئی زخم (یعنی رنج و
مصیبت یا نقصان) پہنچے تو اگلی قوم کو بھی ایسا ہی
زخم پہنچا ہے، اور یہ زمانہ ہے کہ ہم اُس کو لوگوں
میں اولتے بدلتے رہتے ہیں، تاکہ جان لے اللہ اُن
لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، اور ٹھیرالے تم میں سے
شاہد اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو ﴿١٣٤﴾ اور
تاکہ کسوٹی پر کس لے اللہ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے
ہیں اور مٹادے کافروں کو ﴿١٣٥﴾ کیا تم نے گمان کیا کہ
جنت میں جاؤگے اور ابھی تک نہیں جانا اللہ نے
تم میں سے اُن لوگوں کو جو جہاد کرتے ہیں اور ابھی
تک نہیں جانا صبر کرنے والوں کو ﴿١٣٦﴾ اور ہاں بیشک
تم موت کی آرزو کرتے تھے اس سے پہلے کہ اُس سے
ملو پھر بیشک تم نے اُس کو دیکھ لیا اور تم
دیکھتے ہو ﴿١٣٧﴾

نہایت کم اور کمزور تھے اور دشمن بہت زیادہ اور قوی اُس پر بھی مسلمانوں نے فتح پائی +

یہ مسئلہ بحث طلب اس آیت میں فرشتوں کا لڑائی میں دشمنوں سے لڑنے کے
لئے اُترنا ہے، میں اس بات کا بالکل منکر ہوں مجھے یقین ہے کہ کوئی فرشتہ لڑنے کو سپاہی

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (۱۳۸) وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ (۱۳۹) وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (۱۴۰) وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۴۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (۱۴۲)

اور محمد اور کچھ نہیں ہے مگر ایک پیغمبر، بیشک اُس سے پہلے بھی پیغمبر گذرے ہیں، پھر کیا اگر وہ مرجاوے یا مارا جاوے تو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے، اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پر پلٹے اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا ئیگا اور اللہ جزا دیگا شکر کرنے والوں کو (۱۳۸) اور کسی جاندار کے لئے نہیں ہے کہ مرے مگر اللہ کے حکم سے، لکھا ہوا ہے (اُس کی موت کا) وقت، اور جو کوئی دنیا کی بھلائی چاہتا ہے اُس میں اُس کو ہم دیںگے، اور جو کوئی آخرت کا ثواب چاہتا ہے اُس کو ہم اُس میں سے دیںگے، اور جزا دیںگے شکر کرنے والوں کو (۱۳۹) اور نبیوں میں سے بہت ایسے ہوئے کہ اُن کے ساتھ ہوکر بہت سے خدا پرست لوگ (کافروں سے) لڑے پھر وہ اُن مصیبتوں سے جو اُن کو خدا کی راہ میں پہنچیں سُست نہیں ہوئے، اور نہ ناتواں ہوئے اور نہ عاجز ہوئے، اور اللہ دوست رکھتا ہے صبر کرنے والوں کو (۱۴۰) اُن کا قول بجز اس کے نہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ اور ہمارے کاموں میں ہماری زیادتیاں ہم کو معاف کردے اور ہمارے قدموں کو (کافروں کے مقابلہ میں) قائم رکھ اور ہم کو مدد دے کافروں کی قوم پر، پھر اللہ نے اُن کو دنیا کی بھلائی اور آخرت کا اچھا ثواب عطا کیا اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو (۱۴۱) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اطاعت کروگے کافروں کی تو وہ تم کو پھیر دیںگے تمہاری ایڑیوں پر پھر تم ہو جاؤ گے ٹوٹا اُٹھانے والے (۱۴۲)

بن کر یا گھوڑے پر چڑھ کر نہیں آیا۔ مجھ کو یہ بھی یقین ہے کہ قرآن مجید سے بھی ان جنگ میں فرشتوں کا اُترنا ثابت نہیں ہے، مگر تمام مسلمانوں کا اعتقاد اُس کے برخلاف ہے۔ وہ یقین کرتے ہیں

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ (۱۴۳) سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ (۱۴۴) وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ (۱۴۵) مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۴۶) اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۱۴۷)

بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ اچھا مدد کرنے والا ہے (۱۴۳) ہم جلد دہشت ڈال دینگے اُن لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہوگئے اِس لئے کہ وہ شریک کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اُس چیز کو کہ اُس کے لئے کوئی حجت نہیں اُتاری اور اُن کی جگہ آگ ہے اور وہ بُری جگہ ہے ظالموں کے رہنے کی (۱۴۴) اور ہاں بیشک تم سے اللہ نے اپنا سچا وعدہ کیا (یعنی اُحد کی لڑائی میں) جب کہ تم اُن کو (یعنی اپنے دشمنوں کو) ہٹاتے تھے اُس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور تم (اپنے متعلق) کام میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی (یعنی پیغمبر کی) بعد اس کے کہ دکھلا دیا تم کو جو تم چاہتے تھے (یعنی دشمن پر فتح اور غلبہ) (۱۴۵) تم میں سے وہ تھے جو دنیا کو چاہتے تھے اور تم میں سے وہ تھے جو آخرت کو چاہتے تھے پھر تم کو اُن سے شکست دلوا کر لوٹا دیا تاکہ تم کو مبتلا کرے، اور ہاں بیشک تم کو معاف کیا اور اللہ فضل کرنے والا ہے مسلمانوں پر (۱۴۶) جس وقت کہ تم بے تحاشا بھاگے جاتے تھے اور کسی کی طرف مڑتے بھی نہ تھے اور پیغمبر تم کو بلاتا تھا تمہاری پچھلی صف میں پھر سزا دی تم کو غم پر غم کی (اللہ نے تم کو معاف کیا) تاکہ جو کچھ کہ تم نے کھو دیا اُس پر غمگین نہ ہو اور نہ اُس پر جو کچھ کہ تم کو پہنچا اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو (۱۴۷)

کہ درحقیقت فرشتوں کا رسالہ لڑنے کو اُترا تھا، وہ نادانی سے یہ بھی کہتے ہیں کہ فرشتوں کا لڑائی کے لئے اُترنا منصوص ہے اور اُس سے انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے، مگر اُن کا یہ خیال محض غلط ہے +

مجھ کو فکر تھی کہ اور کسی مسلمان نے بھی اس سے انکار کیا ہے یا نہیں، تو مجھ کو ایک مسلمان ملا جس نے اس سے انکار کیا ہے: تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابوبکر اصم اس سے سخت منکر تھے اُنہوں نے اپنے انکار کی چار دلیلیں بیان کیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک فرشتہ بھی تمام دنیا کے غارت

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۱۴۸)

پھر تم پر اس غم کے بعد امن اُتارا ایسا کال جس میں اُونگھ آجاوے چھا لیتا تھا ایک گروہ کو تم میں سے اور ایک گروہ تھا کہ اُن کو اُن کی جانوں ہی نے فکر میں ڈالا تھا گمان کرتے تھے اللہ پر نا حق، کہتے تھے کہ کیا اس کام میں ہمارے اختیار میں کچھ ہے کہدے اے پیغمبر کہ تمام کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں چھپائے رکھتے ہیں اپنے دلوں میں وہ باتیں جو نہیں ظاہر کرتے تجھ پر، کہتے ہیں کہ اگر اس کام میں ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے، کہدے کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی بیشک وہ لوگ جن پر قتل ہونا لکھا تھا اپنے قتل ہونے کی جگہ پر نکل کھڑے ہوتے، اور تاکہ امتحان کرے اللہ جو کچھ کہ تمہارے سینوں میں ہے، اور کسوٹی پر کس لے جو کچھ کہ تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ جانتا ہے دلوں کی باتوں کو (۱۴۸)

کردینے کو کافی تھا پھر فرشتوں کی فوج بھیجنے سے کیا فائدہ تھا۔ دوسرے یہ کہ جو کفار کہ لڑے اُن کو سب لوگ جانتے تھے اور جو صحابہ اُن کے مقابل ہوئے اُن کو بھی لوگ جانتے تھے پھر نہیں کہا جا سکتا کہ کفار کو فرشتوں نے مارا تھا۔ تیسرے یہ کہ اگر فرشتے لڑے تھے تو وہ لوگوں کو دکھائی دیتے تھے یا نہیں، اور اگر دکھائی دیتے تھے تو آدمیوں کی صورت میں دکھائی دیتے تھے یا اَور کسی صورت میں، اگر آدمیوں کی صورت میں دکھائی دیتے تھے تو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں شمار ہوتے تھے، اور اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لشکر تین ہزار یا اُس سے زیادہ ہو گیا ہوگا، اور اتنا لشکر کسی نے بیان نہیں کیا، اور قرآن کے بھی برخلاف ہے کیونکہ دشمنوں کی آنکھوں میں تھوڑا لشکر دکھائی دیتا تھا، اور اگر اور کسی صورت پر دکھائی دیتے تو تمام لوگوں کے دل پر دہشت پڑ جاتی، اور اگر وہ لوگوں کو دکھائی نہ دیتے تو کفار کو لوگ بغیر قتل کرنے والے کے قتل ہوتا ہوا دیکھتے، اور یہ واقعہ اعظم معجزات میں سے ہوتا، مگر اس طرح پر کفاروں کا مارا جانا وقوع میں نہیں آیا۔ چوتھے یہ کہ جو فرشتے آئے تھے اُن کے اجسام کثیف تھے یا لطیف

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (۱۴۹) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۱۵۰) وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (۱۵۱) وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ (۱۵۲) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (۱۵۳)

بیشک جنہوں نے تم میں سے پیٹھ پھیری دو فوجوں کے بھڑ جانے کے دن اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ڈگمگا دیا اُن کو شیطان نے اُن بعض کاموں کے سبب جو اُنہوں نے کئے، اور ہاں بے شبہ اُن کو اللہ نے معاف کیا؟ بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے (۱۴۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اُن لوگوں کی مانند مت ہو جو کافر ہوئے اور اپنے بھائیوں کو کہا جبکہ وہ سفر کرنے کو چلے یا جب وہ لڑائی پر تھے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ کرے اللہ اس کو پچھتاوا اُن کے دلوں میں اور اللہ جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس کو دیکھتا ہے (۱۵۰) اور اگر تم مارے جاؤ اللہ کی راہ میں یا مر جاؤ تو بلاشبہ بخشش اللہ کی اور رحمت بہتر ہے اُس سے جو وہ جمع کرتے ہیں (۱۵۱) اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ بے شبہ اللہ کے پاس لیجائے جاؤ گے (۱۵۲) پھر خدا کی رحمت سے ہے کہ تو اُن کے لئے نرم (مزاج) ہوا اور اگر تو تندخو اور سخت دل ہوتا تو تیرے اِردگرد سے بھاگ جاتے، پھر اُن کو معاف کر اور اُن کے لئے (خدا سے) معافی چاہ اور اس کام میں اُن سے مشورہ کر پھر جب تو مصمم اراد کرلے تو اللہ پر توکل کر، بیشک اللہ دوست رکھتا ہے توکل کرنے والوں کو (۱۵۳)

اگر کثیف تھے تو اُن کو سب لوگ دیکھتے حالانکہ اُن کو کسی نے نہیں دیکھا، اور اگر اُن کے اجسام ہوا کی طرح لطیف تھے تو گھوڑے پر سوار ہوکر نہیں آسکتے تھے +

امام فخرالدین رازی نے ان شبہوں میں سے کسی کا جواب نہیں دیا اور ملانوں کی طرح یہ بات کہی کہ ایسے شبہے کرنا اُس شخص کو لائق ہے جو قرآن اور نبوت کا منکر ہو، مگر جو شخص کہ قرآن اور نبوت

إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۶۴﴾

اگر تمہاری مدد خدا کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں، اور اگر تم کو خوار کرے تو پھر کون ایسا ہے جو اُس کے بعد تمہاری مدد کرے اور اللہ پر توکل کرتے ہیں ایمان والے ﴿۱۶۰﴾ اور کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ (غنیمت کے مال میں) غبن کرے اور جو کوئی غبن کریگا آویگا اُس چیز سمیت جس کو غبن کیا ہے قیامت کے دن پھر پوری دیجاویگی (سزا) ہر ایک شخص کو اُس کی جو اُس نے کمایا ہے اور اُن پر ظلم نہ کیا جاویگا ﴿۱۶۱﴾ پھر کیا وہ شخص جس نے تابعداری کی اللہ کی رضامندی کی اُس شخص کی مانند ہوگا جس نے کمایا غصہ اللہ کا اور اُس کی جگہ جہنم ہے اور بُری جگہ جانے کی ہے ﴿۱۶۲﴾ اُن کے درجے ہیں اللہ کے پاس اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ﴿۱۶۳﴾ بیشک اللہ نے احسان کیا ہے ایمان والوں پر جب بھیجا اُن میں رسول اُنہی میں سے پڑھ سناتا ہے اُن کو اُس کی نشانیاں اور پاک کرتا ہے اُن کو اور سکھاتا ہے اُن کو کتاب اور حکمت اور بیشک وہ تھے اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں ﴿۱۶۴﴾

کو مانتا ہے اُس کو ایسے شبہے کرنے لائق نہیں، پس ابو بکر اصم کو لائق نہ تھا کہ ان باتوں کا انکار کرتا باوجود اس کے کہ نص قرآن سے اُن کا ہونا پایا جاتا ہے اور ایسی حدیثوں میں جو تواتر کے قریب ہیں اُن کا بیان ہے ✦

امام صاحب نے اخیر بات تو بالکل غلط کہی ہے، کیونکہ تواتر تو درکنار کسی صحیح اور قوی حدیث سے بھی ان باتوں کا ثبوت نہیں ہے، تمام ضعیف اور موضوع حدیثیں ہیں جن میں ایسی باتیں مذکور ہیں علمائے محققین ایسی حدیثوں پر اعتبار نہیں کرتے اور اصول حدیث سے بھی اُن کی تقویت نہیں ہوتی۔ پہلی بات بھی امام صاحب کی صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید سے فی الواقع سپاہی بنکر فرشتوں کا اُترنا پایا نہیں جاتا، بلکہ صرف وہ ایک بشارت تھی مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرنے اور لڑائی میں ثابت قدم رہنے کی، جیسے کہ خود خدا نے اس جگہ اور سورہ انفال

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (١٥٩) وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ (١٦٠) يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ (١٦١)

کیا جب تم کو پہنچی مصیبت (احد کی لڑائی میں) بیشک پہنچے تھے تم اُس سے دو چند کو (بدر کی لڑائی میں) تم نے کہا کہ یہ کہاں سے ہے (یعنی بدر کی لڑائی کی مصیبت) کہدے کہ وہ خود تمہیں میں سے ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۵۹) اور جو کچھ تم کو پہنچا دو گروہوں کی مٹ بھیڑ کے دن پھر اللہ کے حکم سے تھا اور تا کہ جان لے ایمان والوں کو اور تا کہ جان لے اُن لوگوں کو جنہوں نے نفاق کیا اور کہا گیا اُن کو آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا (کافروں کے حملے کو) دفع کرو کہنے لگے کہ اگر ہم لڑنا جانتے تو بیشک تمہاری پیروی کرتے وہ کفر کے لئے اُس دن قریب تر تھے بہ نسبت اس کے کہ اُن میں سے (کوئی) واسطے ایمان کے (۱۶۰) کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ہے اُن کے دلوں میں اور اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں (۱۶۱)

میں فرمایا ہے "وما جعله الله الا بشریٰ لکم ولتطمئن قلوبکم" مگر اس سورہ میں جنگ بدر کے واقعہ کا جس سے یہ آیت متعلق ہے بہت ہی تھوڑا بیان ہے، اور سورہ انفال میں وہ واقعہ بالاستیعاب بیان ہوا ہے اور اُس میں ہزار فرشتوں کی مدد کا ذکر ہے، پس ہم اس کی زیادہ تفصیل اور فرشتوں کی امداد کی حقیقت اور تین ہزار و پانچ ہزار اور ایک ہزار کے عدد کے کہنے کی وجہ خدا نے چاہا تو سورہ انفال کی تفسیر میں بیان کرینگے +

(۱۴۸) (امنة نعاسا) یہ مضمون دو آیتوں میں آیا ہے ایک اسی آیت میں اور دوسرے سورہ انفال کی آیت میں جہاں فرمایا ہے "اذ یغشیکم النعاس امنة منه" پہلی آیت جنگ احد سے متعلق ہے اور دوسری جنگ بدر سے۔ جنگ احد میں یہ امر پیش آیا تھا کہ لڑائی شروع ہونے پر مسلمانوں کی فتح اور دشمنوں کی شکست ہونی شروع ہوئی، مسلمانوں کا ایک گروہ تو بدستور لڑنے کی جگہ قائم رہا اور لڑا کیا مگر ایک گروہ نے لوٹ کے لالچ سے اُن مقاموں کو جہاں وہ متعین تھے چھوڑ دیا اور لوٹ پہ جا پڑے، دشمن اس بے ترتیبی کو دیکھ کر پھر پڑے اور خوب مارا یہاں تک کہ فتح کی شکست ہوگئی اور وہ لوگ جو لوٹ کے لالچ میں پڑے تھے اور اُن کی دیکھا دیکھی وہ لوگ بے تحاشا بھاگ نکلے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک پتھر جا لگا جس سے دندان مبارک کو

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۶۲) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (۱۶۳) فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۱۶۴)	جن لوگوں نے کہا اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے کہ اگر ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے کہہ دے کہ ہٹا دو اپنے آپ پر سے موت کو (۱۶۲) اور نہ گن اُن لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مرے ہوئے بلکہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے نزدیک رزق دیئے جاتے ہیں (۱۶۳) خوش ہیں اُس چیز سے جو دیا ہے اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے خوشخبری دیتے ہیں (ایک دوسرے کو) اُن لوگوں سے جو اُن کے بعد (ابھی) اُن سے آکر نہیں ملے (یعنی ابھی تک شہید نہیں ہوئے) کہ اُنکو کچھ خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے (یعنی شہید ہونے کے بعد) (۱۶۴)

سخت صدمہ پہنچا اور آپ بھی ایک گڑھے میں گر پڑے مگر پھر سنبھل کر لوگوں کو پکارا اور اکٹھا کیا اور اُن کے دلوں کو تقویت دی اور دشمنوں پر حملہ کیا وہ بھاگ نکلے اور اخیر کو مسلمانوں کی فتح ہوئی شکست کے بعد جو لوگوں کے دل کو تقویت اور دوبارہ حملہ کرنے کی جرأت ہوئی اُس کا ذکر خدا تعالیٰ نے اس آیت میں ان لفظوں سے کیا ہے کہ ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاسا +

دوسری آیت جو جنگ بدر سے متعلق ہے اُس میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ مسلمان نہایت اقل قلیل تھے تین سو تک بھی اُن کی تعداد نہ تھی اور ہتھیار بھی نہایت کم معدودے چند تھے اُن کا دفعۃً مقابلہ دشمنوں کے گروہ کثیر سے جو بخوبی مسلح تھے ہو گیا مسلمانوں پر نہایت مایوسی اور دہشت طاری ہوئی دل چھوٹ گئے دشمنوں کی کثرت سے گھبر گئے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے دلوں کو تقویت دی خدا کے بھروسہ پر لڑنے کو آمادہ کیا سب کے دل میں طمانیت اور جرأت پیدا ہوئی دشمنوں سے مقابلہ کیا اور ایسی بہادری و دلیری سے مقابلہ کیا کہ دشمنوں کا دل چھوٹ گیا وہ بھاگ نکلے اور بہت سے مارے گئے ایک قلیل گروہ کو خدا نے جم غفیر پر فتح دی ۔ اُس پہلی ہراس و مایوسی اور دہشت کے بعد جو تقویت و طمانیت و جرأت مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوئی اُس کا ذکر خدا نے دوسری آیت میں ان لفظوں سے کیا ہے ،، اذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ " +

ان دونوں آیتوں میں جو نعاس کا لفظ ہے اُس پر لوگوں نے روایتیں گھڑنی شروع کیں اور

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶۶﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۶۷﴾

خوشخبری دیتے ہیں (اپنے آپ کو) اللہ کی نعمت سے اور فضل سے اور بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر ایمان والوں کا ﴿۱۶۵﴾ جن لوگوں نے قبول کیا (حمراء اسد میں ابوسفیان کے حملہ کو روکنے کے لئے جانا) اللہ و رسول کے لئے بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچا تھا (اُحد کی لڑائی میں) تو اُن میں سے اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اچھے کام کئے اور پرہیزگاری کی بہت بڑا اجر ہے ﴿۱۶۶﴾ وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا تھا کہ بہت لوگ تم سے لڑنے کو جمع ہوئے ہیں (بمنشی کو مقام میں) پھر اس نے زیادہ کیا اُن کے ایمان کو زیادہ کر دیا اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور اچھا کارساز ﴿۱۶۷﴾

کہا کہ درحقیقت اُس لڑائی میں وہ گروہ جس نے فتح حاصل کی اُونگھ گئے تھے، ایک راوی نے ابوطلحہ کا قول نقل کیا کہ ہم ایسے اُونگھ گئے تھے کہ ہمارے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑتی تھی پھر ہم اُس کو اُٹھاتے تھے اور پھر اُونگھ کے مارے چھوٹ پڑتی تھی، پھر ان بے اصل روایتوں پر علما نے طبع آزمائی شروع کی اور کہا کہ ایسے خوف کی حالت میں اُونگھ کا آجانا ایک معجزہ تھا اور یہ معجزہ اس لئے ہوا تھا کہ مسلمانوں کا ایمان اور خدا کی قدرت پر یقین اور زیادہ بڑھ جاوے، اور نیند آجانے سے کسل و ضعف رفع ہوجاوے، اور جن لوگوں کو دشمن قتل کر رہے تھے اُن کا قتل ہونا نہ دیکھیں، کیونکہ اگر وہ لوگ جو قتل ہونے سے بچ گئے اُونگھ نہ جاتے اور اپنے عزیز و اقارب کو قتل ہوتے دیکھتے تو اُن پر خوف و بزدلی چھاجاتی اور جو لوگ باوجود اُونگھ جانے کے قتل ہونے سے بچ گئے اُن کو خدا کی حفاظت پر زیادہ یقین ہوگیا۔
یہ ایسے بیہودہ خیالات ہیں کہ جو کوئی اُن کو پڑھتا ہے افسوس کرتا ہوگا +

ہمارے علمائے مفسرین کی عادت ہے کہ ضعیف و موضوع اور بے اصل روایتوں کو اپنی تفسیروں کا زیور سمجھتے ہیں اور کیسی ہی ضعیف و بے اصل روایت اُن کے کان تک پہنچے قرآن مجید کے اصل مطلب پر غور کئے بغیر قرآن کی آیتوں کو توڑ مروڑ کر اُن بے اصل روایتوں کے مطابق کرنا چاہتے ہیں، اسی اپنی عادت کے مطابق اُنہوں نے ان دونوں آیتوں کو بھی توڑا مروڑا ہے +

پہلی آیت میں اُنہوں نے "امنة نعاسا" کو بدل و مبدل منہ قرار دیا ہے یعنی امنة کو مبدل منہ اور نعاسا کو بدل اور چونکہ بدل و مبدل منہ میں مقصود بدل ہوتا ہے اس لئے اُنہوں نے قرار دیا کہ خدا نے فی الحقیقت نیند ہی کو مسلط کیا تھا۔ مگر اس مقام پر بدل کل تو صحیح نہیں ہوسکتا

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۱﴾	اور تجھ کو غمگین نہ کرینگے (اے پیغمبر) وہ لوگ جو بڑھے جاتے ہیں کفر میں بیشک وہ کچھ بھی اللہ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے خدا چاہتا ہے کہ اُن کے لئے کوئی حصہ آخرت میں نہ کرے اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے ﴿۱۷۰﴾ بیشک جن لوگوں نے خریدا کفر کو ایمان کے بدلے اور وہ کچھ بھی اللہ کو ضرر نہ پہنچاوینگے ﴿۱۷۱﴾ اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے

تمام سیاق قرآنی اس مقام پر اس طرح واقع ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے احسانوں کو یاد دلاتا ہے اور اپنے تئیں اُن کا فاعل بیان کرتا ہے۔ اس آیت کے قبل بیان فرمایا ہے " واذ یعدکم اللہ " پھر فرمایا " اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم " پھر اس آیت کے بعد فرمایا " اذ یوحی ربک " پس اگر اذ یغشکم النعاس کو بمعنی تنعسون لیا جائے اور فعل متعدی کو بمعنی لازمی قرار دیا جاوے تو تمام سیاق قرآنی اُلٹ جاتا ہے بلکہ سلسلہ عطف و معطوف کا درست نہیں رہتا، ان تمام خرابیوں کا سبب یہ ہے کہ اُن بے اصل روایتوں پر پہلے سے دل میں یقین جما لیا ہے کہ درحقیقت لڑائی میں لوگ سو رہے تھے اور پھر اس کی مطابقت کرنے کو اس قدر تکلف کیا ہے ۔

قرآن مجید کی دونوں آیتوں کے معنی نہایت صاف ہیں، کوئی شخص لڑائی میں نہ سویا تھا نہ اونگھا تھا، بلکہ " امنۃ نعاسا " سے کنایہ غایت امن اور کامل امن سے ہے۔ انسان اُسی وقت سوتا ہے جب کہ اُس کو پورا امن ہو اس لئے نعاسا سے غایت امن یا کامل امن کنایہ کیا گیا ہے پس پہلی آیت میں " امنۃ " موصوف ہے اور " نعاسا " اُس کی صفت ہے، مصادر میں تانیث و تذکیر ضروری امر نہیں ہے پس تقدیر کلام کی یوں ہے کہ " امنۃ کامنۃ النعاس " یعنی نیند کا سا امن ۔ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے شکست ہونے کے بعد لوگوں کا دل بڑھایا اور ہمت دلائی تو خدا نے اُن کے دلوں پر کامل اور غایت درجہ کا امن اور تسلی و طمانیت ڈالی کہ شکست کے بعد پھر لڑے اور دشمنوں پر فتح پائی ۔

تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس آیت میں " نعاس " کے لفظ سے کنایہ غایت امن کا ہے، لیکن اُس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بغیر کسی دلیل کے لفظ نعاس کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لئے جاتے ہیں، مگر یہ اعتراض اُن کا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس جگہ لفظ نعاس کو مجازی معنوں میں لینے کے لئے خود سورہ انفال کی آیت دلیل موجود ہے جیسے کہ ہم بیان

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۷۰) اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۷۱)	اور تجھ کو غمگین نہ کرینگے (اے پیغمبر) وہ لوگ جو بڑے جاتے ہیں کفر میں بیشک وہ کچھ بھی اللہ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے خدا چاہتا ہے کہ اُن کے لئے کوئی حصہ آخرت میں نہ کرے اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے (۱۷۰) بیشک جن لوگوں نے خریدا کفر کو ایمان کے بدلے اور وہ کچھ بھی اللہ کو ضرر نہ پہنچاوینگے (۱۷۱) اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے

تلم سیاق قرآنی اس مقام پر اس طرح واقع ہوا ہے کہ خدا تعالے نے اپنے احسانوں کو یاد دلاتا ہے اور اپنے تئیں اُن کا فاعل بیان کرتا ہے ۔ اس آیت کے قبل بیان فرمایا ہے " واذ یعدکم اللہ " پھر فرمایا " اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم " پھر اس آیت کے بعد فرمایا " اذ یوحی ربک " پس اگر اذ یغشیکم النعاس کو بمعنی تنعسون لیا جاوے اور فعل متعدی کو بمعنی لازمی قرار دیا جاوے تو تمام سیاق قرآنی اُلٹ جاتا ہے بلکہ سلسلہ عطف و معطوف کا درست نہیں رہتا ، ان تمام خرابیوں کا سبب یہ ہے کہ اُن بے اصل روایتوں پر پہلے سے دل میں یقین جما لیا ہے کہ درحقیقت لڑائی میں لوگ سو رہے تھے اور پھر اس کی مطابقت کرنے کو اس قدر تکلف کیا ہے ۔

قرآن مجید کی دونوں آیتوں کے معنی نہایت صاف ہیں ، کوئی شخص لڑائی میں نہ سویا تھا نہ اونگھا تھا ، بلکہ " امنۃ نعاسا " سے کنایہ غایت امن اور کامل امن سے ہے ۔ انسان اُسی وقت سوتا ہے جب کہ اُس کو پورا امن ہو اس لئے نعاسا سے غایت امن یا کامل امن کنایہ کیا گیا ہے پس پہلی آیت میں " امنۃ " موصوف ہے اور " نعاسا " اُس کی صفت ہے ، مصادر میں تانیث و تذکیر ضروری امر نہیں ہے پس تقدیر کلام کی یوں ہے کہ " امنۃ کامنۃ النعاس " یعنی نیند کا سا امن ۔ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے شکست ہونے کے بعد لوگوں کا دل بڑھایا اور ہمت دلائی تو خدا نے اُن کے دلوں پر کامل اور نہایت درجہ کا امن اور تسلی اطمانیت ڈالی کہ وہ شکست کے بعد پھر لڑے اور دشمنوں پر فتح پائی ۔

تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس آیت میں " نعاس " کے لفظ سے کنایہ غایت امن کا ہے ، لیکن اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بغیر کسی دلیل کے لفظ نعاس کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لئے جاتے ہیں ، مگر یہ اعتراض اُن کا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس جگہ لفظ نعاس کو مجازی معنوں میں لینے کے لئے خود سورہ انفال کی آیت دلیل موجود ہے جیسے کہ ہم بیان

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (۱۷۲) مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (۱۷۳) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ (۱۷۴)

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو کافر ہوئے کہ ہمارا اُن کو مہلت دینا اُن کے حق میں بہتر ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اُن کو اس لئے مہلت دیتے ہیں تاکہ گناہ میں زیادہ ہو جاویں اور اُن کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے (۱۷۲) نہیں چھوڑیگا اللہ ایمان والوں کو اس حالت پر جس پر کہ تم اب ہو یہاں تک جدا کرے پاک کو ناپاک سے (۱۷۳) اور نہ مطلع کریگا تم کو اللہ غیب پر ولیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پھر ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے (۱۷۴)

کرتے ہیں ÷

اور جب کہ ہم نعاس کو امن کامل سے کنایہ کہتے ہیں تو اگر "امنۃ نعاسا" کو بدل و مبدل منہ ہے قرار دیں تو بھی کچھ ہرج نہیں ہے، کیونکہ امن کامل اور امن میں اتحاد ذاتی ہے اس صورت میں "امنۃ نعاسا" بدل کل ہو جاویگا جیسے کہ سورہ انفال کی آیت میں ہے ÷

جو معنی کہ مفسرین نے سورہ انفال کی آیت کے لئے تھے اُن کی غلطی اور بے ترتیبی ہم نے اوپر بیان کر دی ہے، اور وہ بے ترتیبی اس لئے کی گئی تھی کہ جو غلط معنی سورۂ آل عمران کی آیت کے قرار دئے تھے اُسی کے مطابق سورہ انفال کی آیت کے معنی ہو جاویں، لیکن جب اُن تمام خیالات کو جو پہلے سے دل میں بٹھا لئے ہیں دور کر دیا جاوے تو سورہ انفال کی آیت کے معنی صاف ہو جاتے ہیں اور سورہ آل عمران کی آیت کے معنی اُس مطلب کے بالکل مطابق ہیں جو ہم نے بیان کیا ہے ÷

سورہ انفال کی آیت کے یہ لفظ ہیں "اذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ" یعنی جب کہ چھا دیا تم پر خدا نے اونگھ کو کہ وہ امن تھا خدا کی طرف سے۔ اس آیت میں "نعاس" کا لفظ مبدل منہ ہے اور "امنۃ" موصوف ہے اور "منہ" جار مجرور نازلۃ کے متعلق ہو کر صفت ہے موصوف کی اور موصوف صفت دونوں ملکر بدل ہیں مبدل منہ سے جیسے کہ آیت "بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ" میں ہے۔ بدل و مبدل منہ میں مبدل منہ مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ بدل

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ (۱۷۵)	اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس میں جو دیا ہے اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے کہ وہ (بخل) اُن کے لئے اچھا ہے بلکہ وہ اُن کے لئے بُرا ہے (۱۷۵)

مقصود بالذات ہوتا ہے، پس ظاہر ہے کہ نعاس مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ امن من اللہ مقصود بالذات ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درحقیقت۔ نعاس نازل نہیں ہوا تھا بلکہ امن نازل ہوا تھا اور نعاس کا لفظ صرف امن کامل سے کنایہ ہے۔ امن کامل سے امن من اللہ زیادہ تر فضل ہے اس لئے اُس کا بدل "امنۃ منہ" دیا گیا ہے، یہ معنی ایسے صاف ہیں جن کو ہر شخص ادنیٰ غور کے بعد تسلیم کر سکتا ہے اور دونوں آیتوں میں بلاکسی تکلف کے مطابقت ظاہر ہوتی ہے اور پہلی آیت میں نعاس کے لفظ کو کنایہ غایت امن سے قرار دینے کو خود دوسری آیت بطور دلیل کے موجود ہے، فافہم وتدبر۔

(۱۴۳) (ولا یحسبن الذین) اس آیت کی تفسیر میں امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں مفسرین کے تمام رطب ویابس اقوال نقل کئے ہیں، اُن میں سے صرف قول ابو مسلم بلخی کا صحیح و درست ہے جس کو ہم اس آیت کی تفسیر میں کافی سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ "مرے ہوئے شخص کا جب دین کے لحاظ سے بہت بڑا درجہ ہو اور قیامت میں اُس کو خوشی اور بزرگی اور سعادت نصیب ہونے والی ہو تو اُس کی نسبت یہ کہنا کہ وہ زندہ ہے مرا نہیں صحیح ہے، جیسے کہ ایک جاہل کی نسبت جس سے نہ اُس کی ذات کو نفع پہنچتا ہو نہ کسی دوسرے کو یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ مردہ ہے زندہ نہیں ہے، اور جیسے کہ احمق آدمی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ گدھا ہے، اور موذی آدمی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ درندہ ہے"۔ کہتے ہیں کہ جب عبدالملک بن مروان زہری سے ملے اور اُن کے تفقہ اور تحقیق کو جانا تو اُن کے باپ کی نسبت جو مر چکے تھے کہا کہ، وہ شخص نہیں مرا جس نے تجھ سا بیٹا چھوڑا، غرض کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان جب کہ مر جاوے اور کوئی اچھا کام اور کوئی اچھی یادگاری چھوڑ جاوے تو اس کی نسبت بطریق مجاز کہا جاتا ہے کہ وہ مرا نہیں بلکہ زندہ ہے، اسی طرح اس آیت میں شہدا کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔

تمام الفاظ جو اس آیت میں آئے ہیں وہ اسی مطلب پر دلالت کرتے ہیں جو ابو مسلم بلخی نے بیان کیا ہے، مثلاً اس آیت میں ہے کہ "بل احیاء عند ربھم" یعنی بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے نزدیک، اس لفظ سے کہ اپنے پروردگار کے نزدیک زندہ ہیں ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی زندگی زندہ انسانوں کی سی زندگی نہیں ہے، اور نہ اُس زندگی کو ابدان سے کچھ

سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۷۶﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۱۷۷﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۱۷۸﴾ اَلَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ﴿۱۷۹﴾

جس چیز کا کہ انہوں نے بخل کیا ہے اُسی کا طوق قیامت کے دن اُن کو پہنایا جاویگا اور اللہ کے لئے ہے میراث آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ خبر رکھتا ہے اُس کی جو تم کرتے ہو (۱۷۶) بیشک اللہ نے سنا اُن لوگوں کا کہنا جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں ہم لکھ رکھتے ہیں جو کچھ کہ انہوں نے کہا اور (لکھ رکھتے ہیں) ان کا نبیوں کا مارنا ناحق اور ہم کہینگے (یعنی قیامت کے دن) کہ چکھو جلانے والا عذاب (۱۷۷) یہ اُس کا بدلا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور بیشک اللہ ظلم کرنے والا نہیں ہے بندوں پر (۱۷۸) وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم نہ ایمان لاویں کسی رسول پر جب تک کہ ہمارے پاس ایسی قربانی لاوے کہ اُس کو آگ کھالے (۱۷۹)

کچھ تعلق ہے ۔ "یرزقون فرحین" کے بعد آیا ہے ، "بما اتاھم اللہ" یعنی اُن رزق دیا جانا اور خوش ہونا اُن اشیاء یا اسباب سے نہیں ہے جس سے ایسے زندے جن کو تعلق ابدان سے ہوتا ہے رزق دئے جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں ، بلکہ اُن کا رزق دیا جانا اور خوش ہونا اُس چیز سے ہے جو خدا نے اُن کو دی ہے ۔ پھر آگے اُس کا بیان کیا ہے کہ وہ چیز کیا ہے وہ اللہ کا فضل ہے ۔ پس معنی یہ ہوئے کہ وہ اللہ کے فضل اور کرم و رحمت سے رزق دئے جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں نہ مثل زندہ انسانوں کے اشیاء خوردنی و نوشیدنی سے ؛

تفسیر کبیر میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ "قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی" یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک رات خدا کے پاس مہمان رہا وہ مجھ کو کھلاتا تھا اور مجھ کو پلاتا تھا ۔ اس پر امام رازی ارقام فرماتے ہیں کہ کچھ شک نہیں کہ اس کھانے اور پینے سے ، معرفت و محبت الٰہی اور انوار عالم غیب سے اکتساب نور مراد ہے ۔ ہم اس وقت نہ اس حدیث کی صحت و عدم صحت پر بحث کرتے ہیں ، نہ اُس کے معنوں پر ، بلکہ اس مقام پر اُس کو صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ علمائے اسلام نے متعدد جگہ طعام و شراب سے یعنی رزق سے وہ معنی مراد لئے ہیں جو ارواح سے متعلق ہوتے ہیں نہ ابدان سے ؛

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۸۰) فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (۱۸۱) كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۱۸۲) لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۱۸۳) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (۱۸۴)

کہدے (اے پیغمبر) کہ بیشک تمہارے پاس رسول آئے تو مجھ سے پہلے صریح نشانیوں کے ساتھ اور اُس کے ساتھ جو تم نے کہا پھر کس لئے تم نے اُن کو مار ڈالا اگر تم سچے ہو (۱۸۰) پھر اگر تجھ کو جھٹلاویں تو بیشک جھٹلائے گئے ہیں رسول تجھ سے پہلے آئے تھے صریح نشانیوں اور صحیفوں اور روشن کتابوں کے ساتھ (۱۸۱) ہر جاندار موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے، اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہاری مزدوریاں قیامت کے دن پوری پوری دی جاویں گی، پھر جو کوئی آگ سے بچا دیا گیا۔ اور جنت میں داخل کیا گیا تو بیشک مراد کو پہنچا، اور دنیا کی زندگی کچھ بھی نہیں مگر پونجی فریب دینے والی (۱۸۲) البتہ تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں، اور البتہ تم سنو گے اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی ہے اور اُن لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی ایذا دینے والی باتیں اور اگر تم صبر کرو گے اور پرہیزگاری کرو گے تو بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے (۱۸۳) اور جس وقت وعدہ لیا اللہ نے اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تھی کہ بتاویں گے اُس کو لوگوں کو اور اُس کو نہ چھپاویں گے پھر پھینک دیا اُس کو انہوں نے اپنی پیٹھوں کے پیچھے اور لیا اُس کے بدلے میں مول تھوڑا پھر بُری ہے وہ چیز جو وہ لیتے ہیں (۱۸۴)

اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ مرنے کے بعد کیا چیز باقی رہتی ہے، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ "یرزقون فرحین من فضلہ" اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ چیز باقی رہتی ہے جس کو روح کہتے ہیں۔ روح کی اور اُس کی بقا کی اور اُس کی فرحت و الم کی بحث نہایت دقیق و طویل ہے ہم اُس کو اس مقام میں مخلوط کر دینا نہیں چاہتے، بلکہ اس بحث کو جہاں تک کہ ہماری سمجھ

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۵﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۶﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۸۷﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۸۸﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۸۹﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ﴿۱۹۰﴾ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۱﴾

مت گمان کر اُن لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں اُس کام سے جو اُنہوں نے کیا اور پسند کرتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جاوے اُس پر جو اُنہوں نے نہیں کیا پھر مت گمان کر اُن کو عذاب سے چھٹکارے میں اور اُن کیلئے عذاب ہے دکھ دینے والا ﴿۱۸۵﴾ اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۸۶﴾ بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے اختلاف میں البتہ نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے ﴿۱۸۷﴾ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹ پر لیٹے اور سوچتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدایش میں (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار یہ جو کچھ تو نے پیدا کیا ہے بیفائدہ نہیں ہے تو پاک ہے پھر بچا ہم کو آگ کے عذاب سے ﴿۱۸۸﴾ اے ہمارے پروردگار بیشک تو جس کو دوزخ میں ڈالے تو بیشک تو نے اس کو ذلیل کیا اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ﴿۱۸۹﴾ اے ہمارے پروردگار بیشک ہم نے سنا منادی کرنے والے کو ایمان کے لئے منادی کرتا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ پھر ہم ایمان لائے ﴿۱۹۰﴾ اے پروردگار ہمارے پھر ہمارے لئے ہمارے گناہ بخشدے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر اور ہم کو نیکیوں کے ساتھ موت دے ﴿۱۹۱﴾

اور ہمارے خیال کی رسائی ہے، اور جہاں تک کہ قرآن مجید سے اُس کو ہم مستنبط کرسکے ہیں اور جو ایک ایسی بحث ہے کہ انسان کی زندگی میں تجربہ میں نہیں آسکتی سورۂ بنی اسرائیل کی اُس آیت آیت کی تفسیر میں بیان کرینگے جس میں خدا نے فرمایا ہے "قل الروح من امر ربی" +

﴿۱۷۹﴾ (یاتینا بقربان تاکلہ النار) یہودی جس جانور کی قربانی بنظر تقرب الی اللہ یا بطور کفارہ گناہ کرتے تھے اُس کو ذبح کرنے کے بعد آگ میں جلا دیتے تھے، توریت سے

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۲﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ ﴿۱۹۳﴾ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴿۱۹۴﴾	اے ہمارے پروردگار اور ہم کو وہ دے جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے اور ہم کو قیامت کے دن ذلیل مت کر بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ﴿۱۹۲﴾ پھر قبول کر لیا اُن کے لئے اُن پروردگار نے دعا اُن کی دعا کو اور کہا کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے مرد یا عورت کا عمل ضائع نہ کرونگا ایک تم میں ایسا ہے جیسے دوسرا ﴿۱۹۳﴾ پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے ملک سے نکالے گئے اور میری راہ میں ایذا دئے گئے اور لڑے اور مارے گئے البتہ دور کرونگا میں اُن سے اُن کے گناہ اور بیشک داخل کرونگا میں اُن کو جنتوں میں بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ﴿۱۹۴﴾

معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم حضرت آدم اور حضرت نوح کے وقت سے چلی آتی تھی، تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرست لوگوں میں اور یونانی بت پرستوں میں بھی یہ رسم تھی، مذہب اسلام اس قسم کی قربانیوں کے بالکل برخلاف تھا۔ اس پر یہودیوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "توریت میں حکم ہے کہ کسی نبی پر جب تک کہ وہ ایسی قربانی نہ کرے جس کو آگ جلادے ایمان نہ لاؤ"۔ خدا نے اُن پر حجت الزامی قائم کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمہارے پاس انبیاء صریح نشانیاں لے کر آئے اور جس طرح کہ تم کہتے ہو اُسی طرح کی قربانی بھی اُنہوں نے کی، پھر تم نے کیوں اُن کو مار ڈالا اگر تم سچے ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمہارا یہ بیان کہ توریت میں ایسا حکم ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ جو نبی ایسی قربانی کرے اُس پر ایمان لاؤ گے یہ دونوں باتیں سچ نہیں ہیں ✤

ہمارے علمائے مفسرین نے اس مقام پر بڑی غلطی کی ہے، اُنہوں نے یہودیوں کی بعض بیہودہ روایتوں سے یہ سن لیا کہ جو قربانی آگ سے جلائی جاتی تھی اُس کے جلانے کو آسمان پر سے ایک سفید آگ بغیر دھوئیں کے ایک سنسناہٹ کے ساتھ اُترتی تھی، اور قربانی کئے ہوئے جانور کو جلا کر خاکستر کر جاتی تھی۔ اُنہوں نے سمجھا کہ انبیائے بنی اسرائیل کا یہ معجزہ تھا اور یہودیوں نے یہی معجزہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے طلب کیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ معجزہ تو نہیں دکھایا مگر اور دلیلوں سے اُن کو ساکت کر دیا ✤

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۶﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴿۱۹۸﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

بطور ثواب کے اللہ کے پاس سے اور اللہ اُس کے پاس اچھا ثواب ہے ﴿۱۹۵﴾ تجھ کو فریب میں نہ ڈالیگا (تجارت سے فائدہ اُٹھانے کیلئے) کثرت سے آنا جانا کافروں کا شہروں میں یہ پونجی تھوڑی ہے پھر اُن کی جگہ جہنم ہے اور بُری جگہ ہے ﴿۱۹۶﴾ مگر وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اُن کے لئے جنتیں ہیں بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہینگے اُس میں سب چیز تیار پاوینگے اللہ کے پاس سے اور جو کچھ اللہ کے پاس بھلائی ہے نیک لوگوں کے لئے ﴿۱۹۷﴾ اور بیشک اہل کتاب میں سے وہ شخص ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ بھیجا گیا ہے تمہارے پاس اور جو کچھ بھیجا گیا ہے اُن کے پاس عاجزی کرتے ہیں اللہ کے لئے نہیں لیتے ہیں اللہ کی نشانیوں کے بدلے تھوڑا مول ﴿۱۹۸﴾ وہ لوگ ہیں کہ اُن کے لئے اُن کا ثواب ہے اُن کے پروردگار کے پاس بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹۹﴾

یہ خیال مفسرین کا محض غلط ہے، توریت میں کہیں یہ حکم نہیں ہے کہ جب تک کوئی نبی آگ سے جلنے والی قربانی نہ کرے اُس پر ایمان مت لاؤ۔ اور نہ توریت میں کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ قربانی کے جلانے کو آسمان پر سے آگ اترتی تھی ✦

قربانی سوختنی کا ذکر بہت جگہ توریت میں آیا ہے، حضرت موسیٰ نے اُس کے قواعد مقرر کئے ہیں اور وہ سب قواعد (جن کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے) توریت سفر لویان میں مندرج ہیں اُن سے ثابت ہے کہ قربانی سوختنی کو کاہن آگ جلا کر اُس میں جلا دیتا تھا، چنانچہ باب اول سفر لویان درس ۔ و ۔ میں لکھا ہے کہ "قربانی سوختنی را پوست کندہ آنرا پارہ پارہ نماید و پسران ہارون کاہن آتش را بر مذبح بگذارند و ہیزم بالائے آتش بچینند" اسی طرح اور بہت سے مقام ہیں جن میں ذکر ہے کہ کاہن آگ جلا کر اُس میں قربانی سوختنی کو جلاتے تھے نہ یہ کہ آسمان پر سے آگ اُترتی تھی ✦

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۲۰۰)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور صبر دلاؤ اور بندھے رہو (پیغمبر کے حکم سے) اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ (۲۰۰)

انسان کے گناہوں کے کفارہ میں قربانی کرنا اور انسان کے جرم کے سبب ایک جانور کی جان مارنا اور یہ سمجھنا کہ انسان اُس گناہ سے پاک ہوگیا ایک عجیب غریب خیال ہے جو نہایت تاریکی اور جہالت کے زمانہ میں لوگوں کو پیدا ہوا تھا۔ عام جاہلوں کے خیال کا بقیہ ہر ایک زمانہ میں چلا آتا ہے، اور کیسا ہی بڑا مصلح ہو کچھ نہ کچھ اُس کا دھبہ اُس کے زمانہ میں بھی باقی رہتا ہے انبیاء علیہم السلام ایسے امور کی جو خدا کی وحدانیت اور ایمان کے برخلاف نہ تھے، اور ایسے امور کی جس نے عام جاہلوں کے خیال میں کسی قسم کا خیال تقدس و تقرب الی اللہ پیدا ہوتا تھا (گو فی نفسہ وہ بے اصل ہی ہو) کچھ پرواہ نہ کرتے تھے اور اُسی حال پر چھوڑ دیتے تھے، یہی سبب کہ حضرت موسیٰ نے اُس قدیم رسم کو جاری رہنے دیا، لیکن نبی آخر الزمان کا یہ کام تھا کہ اُس قسم کے خیالات کو بھی توڑ دے۔ کسی قربانی کا حکم بطور انسانی گناہ کے کفارہ کے قرآن مجید میں نہیں آیا ہے، حج کی قربانیاں درحقیقت مذہبی قربانیاں نہیں ہیں، نہ اُن کی فرضیت قرآن مجید سے یا نص صریح سے پائی جاتی ہے، یہی سبب ہے کہ ہمارے علمائے مجتہدین نے کتب فقہ میں کسی قربانی کو فرض نہیں قرار دیا ہے، زیادہ سے زیادہ جو کوشش کی ہے تو واجب لکھا ہے اور ہم کو اُس میں بھی کلام ہے ✦

اسلام نے کوئی قربانی بطور تقرب الی اللہ یا بطور کفارہ گناہ مقرر نہیں کی، یہودی سمجھتے تھے کہ بدون قربانی سوختنی انسان پاک نہیں ہوسکتا، پھر وہ کیونکر ایسے نبی پر ایمان لاتے جس کے ہاں انسان کے گناہوں کے کفارہ کے لیے نہ قربانی تھی نہ قربانی سوختنی، وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم ایسے نبی پر ایمان لائے تو گناہوں سے کیونکر پاک ہونگے۔ مگر وہ نہ سمجھے کہ اسلام نے گناہوں سے پاک ہونے کے لیے کسی بے گناہ جانور کے مارنے کے بدلے خود گنہگار کے دل کی قربانی مقرر کی ہے جس کو مذہبی اصطلاح میں توبہ و استغفار سے تعبیر کیا ہے، اور یہی قربانی حقیقت میں حقیقی قربانی ہے ✦

سُوْرَةُ النِّسَاءِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗــــــًٔا مَّرِيْۗـــــــًٔا ④

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان
اے لوگو ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور پیدا کیا اُس سے اُس کا جوڑا اور پھیلائے دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کے نام سے آپس میں سوال کرتے ہو اور (ڈرو) کنبے کے (چھوڑنے سے) بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے ① اور یتیموں کا مال اُن کو دو اور مت بدل دو بُرا بعوض اچھے کے اور نہ کھا جاؤ اُن کا مال اپنے مال میں ملا کر بے شک وہ بڑا گناہ ہے ② اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح کرو اور عورتوں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر تم کو ڈر ہو کہ (اُن میں) عدل نہ کرو گے تو پھر (تمہارے لئے) ایک ہی ہے یا وہ جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہو چکے ہیں یہ اُس سے کم ہے تاکہ ظلم نہ کرو اور دیدو عورتوں کو اُن کا مہر خوشی بخوشی پھر اگر اپنے جی کی خوشی سے وہ تم کو اُس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو اُس کو کھاؤ رچتا پچتا ④

③ (فان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمٰی) یتامی جمع الجمع ہے یتیم کی اور یتیم اُس کو کہتے ہیں جس کا باپ مرگیا ہو یعنی سرپرست سے تنہا رہ گیا ہو ۔ یہ لفظ لڑکوں پر اور لڑکیوں پر اور جن عورتوں کا نکاح ہونے سے پہلے باپ مرگیا ہوا طلاق ہوتا ہے گو کہ وہ جوان ہوگئی ہوں ۔ اس پر تفسیر کبیر میں مفصل بحث لکھی ہے مگر اُس کا حاصل مطلب اسی قدر

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿۴﴾	اور مت دو بے عقلوں کو اپنا مال جس کو اللہ نے تمہارے لئے وجہ معیشت کیا ہے اس میں سے اُن کو کھاؤ اور پہناؤ اور کہو اُن کے لئے نیک بات ﴿۴﴾

ہے جو ہم نے بیان کیا اس مقام پر "یتامی" سے صرف لڑکیاں اور بن بیاہی عورتیں جن کے باپ مر گئے ہیں مراد ہے +

اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں یتیم لڑکیوں یا عورتوں کے حق میں ناانصافی کرنے کا امتناع ہے اس مقام پر بنظر مزید احتیاط یہ فرمایا ہے کہ اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں اُن کے مال اور اُن کے حقوق میں انصاف نہ کرو گے تو اور عورتوں سے نکاح کرو۔ اس سے غایت درجہ کی احتیاط یتیموں کے مال اور حقوق کی حفاظت کی پائی جاتی ہے +

تفسیر کبیر میں عروہ سے ایک روایت لکھی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ یہ جو

روی عن عروۃ انه قال قلت لعائشة ما معنی قول الله وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فقالت یا ابن اختی هی الیتیمة تکون فی حجر ولیها فیرغب فی مالها وجمالها الا انه یرید ان ینکحها بادنی من صداقها ثم اذا تزوج بها عاملها معاملة ردیة لعلمه بانه لیس لها من یذب عنها ویدفع شر ذلك الزوج عنها فقال تعالیٰ وان خفتم ان تظلموا الیتامی عند نکاحهن فانکحوا من غیرهن ما طاب لکم من النساء (تفسیر کبیر) +	خدا نے فرمایا ہے کہ ان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ اس کے کیا معنی ہیں حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یتیم لڑکی اپنے ولی کی حفاظت میں ہوتی ہے اور وہ اُس کے مال و جمال کی لالچ کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تھوڑے سے مہر پر اُس سے نکاح کر لے اور پھر جب نکاح کر لیتا ہے تو بدسلوکی سے پیش آتا ہے اور اس کا کوئی ایسا سرپرست نہیں ہوتا کہ اُس کی حمایت کرے اور اُس کے خصم کی بدسلوکی سے اُس کو بچا دے اس پر

خدا نے فرمایا کہ اگر تم کو ڈر ہو کہ نکاح کر لینے سے یتیم لڑکیوں پر ظلم کرو گے تو اور عورتوں سے نکاح کرو +

جو تفسیر آیت کی حضرت عائشہ نے فرمائی اور سیاق کلام بھی اُسی پر دلالت کرتا ہے اُس کے لحاظ سے تقدیر کلام یوں ہے کہ "ان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فلا تنکحوهن وانکحوا من غیرهن ما طاب لکم من النساء" یعنی اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کرو گے تو اُن سے نکاح مت کرو اور اُن کے سوا اَور عورتوں سے جو پسند ہوں نکاح کرو۔ فلا تنکحوهن گویا جزائے محذوف ہے اور "فانکحوا ما طاب لکم" اُس پر معطوف ہے، جزا کو محذوف

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا ⑤ اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ⑥ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑦ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑧ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑨

اور یتیموں کو آزماؤ جب کہ وہ نکاح کی حد تک پہنچیں (یعنی حد بلوغ کو) پھر اگر تم اُن میں ہوشیاری پاؤ تو اُن کو اُن کا مال دیدو اور اُن کے مال کو (اُن کے چھٹپن میں) اسراف اور جلدی کرکے مت کھا جاؤ ⑤ (اس ڈر سے) کہ بڑے ہو جاوینگے اور جو شخص آسودہ ہو تو اُس کو (اُن کے مال سے) بچنا چاہئے اور جو کوئی محتاج ہو تو وہ (اُس میں سے) کھاوے نیکی سے ⑥ پھر جب تم اُن کو اُن کا مال دیدو تو اُن پر گواہ کرلو اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا ⑦ مردوں کے لئے اُس میں سے جو اُن کے ماں باپ اور قرابت مندوں نے چھوڑا ہے حصہ ہے، اور عورتوں کے لئے بھی اُس میں سے جو اُن کے ماں باپ اور قرابت مندوں نے چھوڑا ہے حصہ ہے، اُس مال میں سے تھوڑا ہو یا بہت مقرر کیا ہوا حصہ ⑧ اور جب موجود ہوں تقسیم ہوتے وقت قرابت مند اور یتیم اور مسکین تو اُس میں سے اُن کو کچھ دیدو اور کہو اُن کو نیک بات ⑨

کرکے معطوف علے الجزا کو اُس کی جگہ فرمایا ہے اس میں ایک نہایت دقیق نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ،، فلا تنکحوھن،، کو محذوف نہ کیا جاتا تو یہ شبہ پیدا ہوتا کہ یتامے سے اُن کے اولیاء کا نکاح قطعاً ممنوع ہے حالانکہ امتناع صرف تصرف مال اور اُن کے حقوق میں نا انصافی کرنے سے متعلق تھا +

نکاح درحقیقت دو شخصوں میں ایک معاہدہ ہے مثل دیگر معاہدوں کے، مگر یہ ایک ایسا معاہدہ ہے کہ اُس کے مثل کوئی دوسرا معاہدہ نہیں ہے، اور ایک ایسا معاہدہ ہے جو فطرت انسانی کا مقتضی ہے، اور اُس سے بالتخصیص ایسے احکام بمقتضائے فطرت انسانی متعلق ہیں جو دوسرے کسی معاہدہ سے متعلق نہیں ہیں، اور وہ احکام ایک نوع کے مذہبی احکام ہوگئے ہیں، اس لئے نکاح عام معاہدوں سے خاص ہوکر ایک نئے ہی معاہدہ میں داخل ہوگیا ہے اور بلحاظ اُس کی خصوصیات کے ٹھیک ٹھیک ایسا ہی ہونا لازم تھا +

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۱۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿۱۱﴾ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۲﴾

اور اُن لوگوں کو (جو قریب المرگ مریض کو اُن کے مال کی نسبت مشورہ دیتے ہوں صلاح دینے میں خدا سے) ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے ضعیف اولاد چھوڑ جاتے (اُن پر تنگی کا ڈر کرتے) تو اپنے مال کی نسبت کیا کرتے پس اُن کو خدا سے ڈرنا چاہئے اور کہنی چاہئے بات پختہ (۱۰) بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں تو اُس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں اور جاوینگے دوزخ میں (۱۱) بتا دیا تم کو خدا نے میراث میں تمہاری اولاد کا حصہ، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر اولاد میں عورتیں (یعنی بیٹیاں) ہوں دو سے زائد تو اُن کا حصہ کل ترکہ میں دو ثلث ہے، اور اگر ایک بیٹی ہو تو نصف متروکہ اُس کا حصہ ہے۔ اور اُس کے ماں باپ کا اُن دونوں میں سے ہر ایک کا متروکہ میں چھٹا حصہ ہے اگر اُس کی اولاد ہو، پھر اگر اُس کے کوئی اولاد نہ ہو اور اُس کے وارث اُس کے ماں باپ ہوں تو اُس کی ماں کا تیسرا حصہ ہے، پھر اگر اُس کے بھائی ہوں تو اُس کے ماں باپ کا چھٹا حصہ ہے، وصیت جو کی گئی ہو یا قرض کے ادا کرنے کے بعد، اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں (میں سے) تم نہیں جانتے کہ اُن میں سے کون تمہارے لئے نفع پہنچانے کے قریب ہے، مقرر کردیا گیا (اُن کا حصہ) اللہ کی طرف سے بیشک اللہ جاننے والا ہے حکمت والا (۱۲)

عورت بہ نسبت مرد کے اس معاہدہ کے نتائج کے لئے محل ہے، اس لئے وہ مجاز نہیں ہو سکتی کہ ایک سے معاہدہ کرنے کے بعد اور اُس معاہدہ کے فسخ ہونے کے قبل دوسرے سے معاہدہ کرے، اسی وجہ سے اسلام نے بمقتضائے فطرت انسانی عورت کو ایک وقت میں تعدد ازواج کی اجازت نہیں دی، مگر مرد کی حالت اُس کے برخلاف ہے۔ اور علاوہ

۵ یعنی جب کہ کوئی شخص بلا وصیت مر گیا ہو یا کسی قدر کی وصیت کی ہو اور باقی متروکہ بلا وصیت ہو کیونکہ میری تحقیق میں ثلث مال پر وصیت محدود نہیں ہے ۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴿۱۳﴾ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴿۱۴﴾ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴿۱۵﴾ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۶﴾

اور تمہارے لئے نصف حصہ ہے تمہاری جوروں کے متروکہ میں اگر اُن کے کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر اُن کے اولاد ہو تو تمہارا چوتھائی حصہ ہے اُن کے متروکہ میں، وصیت کے جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے ادا کرنے کے بعد ﴿۱۳﴾ اور اُن کے لئے چوتھائی حصہ ہے تمہارے متروکہ میں اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو اُن کے لئے آٹھواں حصہ ہے تمہارے متروکہ میں، وصیت کے جو تم کر گئے ہو یا قرض کے ادا کرنے کے بعد ﴿۱۴﴾ اگر ایک مرد ہو کہ اس کے ورثہ لینے والوں میں اُس کی اولاد اور باپ کے سوا اَور لوگ ہوں اور یا ایسی ہی کوئی عورت ہو اور اُس کے وارثوں میں بھائی اور بہن ہوں تو اُن میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے، پھر اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ تیسرے حصہ میں شریک ہیں، وصیت کے جو وہ کی گئی ہو یا قرض کے ادا ہونے کے بعد ﴿۱۵﴾ بغیر مضرت پہنچانے کے، مقرر کیا گیا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا ہے حلم والا ﴿۱۶﴾

اس کے مرد کے ساتھ اور اقسام کے ایسے تمدنی امور متعلق ہیں جو عموماً عورات سے متعلق نہیں ہیں، اس لئے وہ عدم جواز مرد سے بعینہٖ متعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ پس مرد کو کسی ایسی شرط کے ساتھ جو بجز خاص حالت کے اُس کو بھی تعدد ازدواج سے روکے مجاز رکھنا بمقتضائے فطرت نہایت مناسب تھا، ان تمام دقایق کی رعایت مذہب اسلام نے اس عمدگی سے کی ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ بانیٔ فطرت کی طرف سے ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اُس کو نہایت بُری طرح پر استعمال کیا ہے +

فطرت اصلی جب کہ اُس میں کوئی اَور عوارض داخل نہ ہوں تو اُس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مرد کے لئے ایک ہی عورت ہونی چاہئے، مگر مرد کو جیسے امور تمدن سے بہ نسبت عورت کے زیادہ تر تعلق ہے ایسے امور پیش آتے ہیں جن سے بعض اوقات اُس کو اس اصلی قانون سے عدول کرنا پڑتا ہے کہ در حقیقت میں وہ عدول نہیں ہوتا بلکہ دوسرا قاعدہ قانون فطرت کا اختیار کرنا

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْھُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِھَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْھُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۲۰﴾

یہ ہیں اللہ کی مقرر کی ہوئیں حدیں اور، جو کوئی اطاعت کرے اللہ کی اور اُس کے رسول کی اللہ اُس کو داخل کریگا بہشتوں میں، بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہینگے اُس میں اور یہ ہے کامیابی بڑی ﴿۱۷﴾ اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور توڑ دیں اُس کی مقرر کی ہوئی حدیں اللہ اُس کو ڈالدیگا آگ میں ہمیشہ رہیگا اُس میں اور اُس کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا ﴿۱۸﴾ تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں تو اُن پر تم میں سے چار شخص گواہ مانگو پھر اگر وہ گواہی دیں تو اُن کو بند کر رکھو گھروں میں یہاں تک کہ اُٹھالے اُن کو موت، یا مقرر کرے اللہ اُن کے لئے کوئی راہ ﴿۱۹﴾ اور جو دو مرد تم میں سے بدکاری کریں تو اُن دونوں کو ایذا دو پھر اگر (سزا بھگتنے کے بعد آیندہ کے لئے) توبہ کریں اور نیکی پر رہیں تو اُن سے درگذر کرو، بیشک اللہ معاف کرنے والا ہے رحم والا ﴿۲۰﴾

ہوتا ہے ۔ اگر یہ قاعدہ قرار پاتا کہ جب تک ایک عورت سے قطع تعلق نہ ہو جائے تو دوسری عورت ممنوع رہے، تو اُس میں اُن عورات پر اکثر حالت میں نہایت بے رحمی کا برتاؤ جائز رکھا جاتا، اور اگر اُس قطع تعلق کو اُس کی موت پر یا کسی خاص فعل کے سرزد ہونے پر منحصر رکھا جاتا تو مرد کو بعض صورتوں میں منہیات پر رغبت دلانی ہوتی اور بعض صورتوں میں اُس کی ضرورت تمدن کو روکنا ہوتا : پس مرد کو حالات خاص میں تعدد ازدواج کا مجاز رکھنا فطرت انسانی کے مطابق عمدہ فوائد پر مبنی تھا +

اگر ایک عورت ایسے امراض میں مبتلا ہو جاوے کہ اُس کی حالت قابل رحم ہو مگر معاشرت کے قابل نہ رہے، کوئی عورت عقیمہ ہو جس کے سبب مرد کی خواہش اولاد پوری نہ ہو سکتی ہو (اور جو ایک ایسا امر ہے کہ انبیا بھی اُس کی تمنا سے خالی نہ تھے)، تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ ایک بیرحمانہ طریقہ اُس سے قطع تعلق کا اختیار کئے بغیر دوسری عورت جائز نہ ہو، یا اُس کی موت کا انتظار میں مرد کو اُن اُمیدوں کے حاصل کرنے میں جو بلحاظ تمدن اُس کے لئے ضروری ہیں روکا جاوے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ
يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ
يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ
يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ
عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۲۱﴾ وَلَيْسَتِ
التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ
حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ
قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ
يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ
أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۲﴾
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ
أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُو
هُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ
إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ
وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ
كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا
شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا
كَثِيرًا ﴿۲۳﴾ وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ
زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ
إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا
مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا
وَإِثْمًا مُبِينًا ﴿۲۴﴾

اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ پر اُن لوگوں کی توبہ قبول کرنی ہے جو بُرا کام کرتے ہیں نادانی سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے، تو وہی لوگ ہیں کہ اللہ اُن کو معاف کریگا اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۲۱﴾ اور اُن لوگوں کے لئے معافی نہیں ہے جو بُرے کام کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی ایک کے پاس موت آموجود ہوئی تو کہا کہ بیشک میں نے اب توبہ کی اور نہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو مر گئے اور وہ کافر تھے، یہ لوگ وہ ہیں جن کے لئے ہم نے طیار کیا ہے عذاب دکھ دینے والا ﴿۲۲﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ ورثہ میں عورتوں کو زبردستی سے (جورو بنانے کو) لو اور اُن کو اوروں سے نکاح کرنے سے منع مت کرو تاکہ کچھ اُس میں سے لیلو جو تم نے اُن کو دیا ہے، مگر جب وہ علانیہ بدکاری کریں، اور اُن کے ساتھ گذران کرو نیکی سے پھر اگر تم اُن کو ناپسند کرو تو (چھوٹ مت دو) شاید تم ناپسند کرو ایک چیز کو اور پیدا کیے اللہ اُس میں بہت سی بھلائیاں ﴿۲۳﴾ اور اگر تم چاہو بدل لینا ایک جورو کا ایک جورو کی جگہ (یعنی ایک کو طلاق دیکر دوسری سے نکاح کرنا) اور تم نے اُن میں سے ایک کو بہت سا مال دیا ہو تو مت لو اُس میں سے کچھ کیا تم اُس کو لیتے ہو بہتان کرکے اور علانیہ گناہ کرکے ﴿۲۴﴾

یہ ایسے امور ہیں کہ بمقتضائے فطرت انسانی رُک نہیں سکتے، اور جب روکے جاتے ہیں تو اُس سے زیادہ خرابیوں میں مبتلا کرتے ہیں +

۴۱ تعدد ازواج کے جائز رکھنے کے ساتھ اس بات کی روک ضرور تھی کہ سوائے حالت ضرورت کے کہ وہ بھی بمقتضائے فطرت انسانی ہو اس جواز کو خواہش نفسانی کے پورا کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جاوے (جیسا کہ مسلمانوں نے بنایا ہے) پس اسلام نے نہایت خوبی اور بے انتہا عمدگی

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (۲۵) وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا (۲۶) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا (۲۷)

اور کیونکر تم اُس کو لو گے حالانکہ بیشک تم نے ایک دوسرے سے حاجت روائی کی ہے اور عورتوں نے تم سے مضبوط قول لیا ہے (۲۵) اور مت نکاح کرو عورتوں میں سے اُس عورت سے جس سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو، مگر جو ہوا سو گزر گیا، بیشک وہ بےحیائی ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہ (۲۶) حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری گیلڑ بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں ہیں تمہاری اُن بیویوں کے پیٹ سے جن سے تم نے صحبت کی ہے پھر اگر تم نے اُن سے صحبت نہ کی ہو تو کچھ گناہ تم پر نہیں اور (حرام کی گئیں تم پر) تمہارے بیٹوں کی جوروان جو تمہاری پیٹھ سے ہیں اور (حرام کیا گیا) کہ دو بہنوں کو اکٹھا کرو، مگر جو ہوا سو گزر گیا، بے شک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۲۷)

سے اُس روک کو قائم کیا ہے، جہاں فرمایا ہے کہ "فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ" یعنی اگر تم کو ڈر ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی جورو چاہئے۔ لفظ "ان خفتم" زیادہ تر غور کے لائق ہے کیونکہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ جس کو کسی وقت اور حالت میں بھی خوف عدم عدل نہ ہو۔ پس قرآن کی رُو سے تعدد ازدواج کی اجازت اُسی حالت میں پائی جاتی ہے جب کہ محل عمل بمقتضائے فطرت انسانی باقی نہ رہے، کیونکہ صحیح طور سے اُسی وقت عدم خوف عدل صادق آسکتا ہے۔ ایسی حالت میں بھی اسلام نے تعدد ازدواج کو بلکہ نفس نکاح کو بھی لازم نہیں کیا کیونکہ اس مقام پر "فانکحوا" صیغہ امر کا (جیسا کہ اور مفسر بھی تسلیم کرتے ہیں) وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ جواز کے لئے ہے +

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۸﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴿۲۹﴾

اور (حرام کی گئیں تم پر) عورتوں میں سے آزاد عورتیں مگر وہ جن کے مالک ہوئے ہیں تمہارے ہاتھ (یعنی نکاح کر لینے سے) لکھ دیا اللہ نے تم پر (یہ حکم) اور حلال کیا گیا تمہارے لئے ان محرمات کے سوا، اس لئے کہ تم ڈھونڈو بعوض اپنے مال کے (آزاد عورتوں کو نکاح کر لینے کے لئے) پاک دامنی رکھنے کو نہ مستی جھاڑنے کو، پھر جو عورت کہ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا عورتوں میں سے تو دو ان کو اُن کی مقرر کی ہوئی اُجرت (یعنی مہر) اور تم پر کچھ گناہ نہیں جس میں تم آپس میں اس پر راضی ہو جاؤ (مہر مقرر کرنے کے بعد) بیشک اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۲۸﴾ اور جو کوئی تم میں سے بلحاظ مقدور کے استطاعت نہ رکھتا ہو کہ مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرے تو تمہاری اُن مسلمان چھوکریوں سے (نکاح کرے) جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہوئے ہیں، اور اللہ جانتا ہے تمہارے ایمان کو ایک تم میں کا ایسا ہے جیسے دوسرا، پھر اُن سے نکاح کرو اُن کے صاحبوں کی اجازت سے اور اُن کو دو اُن کی اجرت (یعنی مہر) خوشی سے جب کہ وہ پاکدامن ہوں نہ مستی جھاڑنے والی اور نہ پوشیدہ آشنا رکھنے والی ﴿۳۰﴾

اس آیت میں جس لفظ پر بحث ہو سکتی ہے وہ لفظ "عدل" ہے علمائے اسلام نے عدل کو صرف رہنے میں باری باندھنے اور نان ونفقہ دینے میں مخصوص کیا ہے، اور میل قلبی یعنی محبت میں اور اس امر میں جو خاص زوجیت سے تعلق ہے عدل کو متعلق نہیں کیا۔ اُنہوں نے ایک حدیث سے اس کا استنباط کیا ہے جس کے یہ لفظ ہیں "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقسم بین نسائه فیعدل ویقول اللھم ھذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك" یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم باری باندھتے تھے اپنی بیویوں میں اور عدل کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے خدا یہ میری تقسیم ہے جس میں میں مالک ہوں پھر تو مجھ کو ملامت

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۰﴾ یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَیَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۳۱﴾ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۳۳﴾

پھر جب شوہردار ہونے کے بعد فاحشہ یا آتیاں کریں تو اُن پر اُس عذاب کا آدھا ہے جو (عقاً) آزاد عورتوں پر ہے، چھوکریوں سے نکاح کرنا اُس کے لئے ہے جس کو تم میں سے بدکاری کا خوف ہو، اور اگر تم صبر کرو تو تمہاری لئے بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۳۰﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تم کو بتائے اور تم کو ہدایت کرے اُن لوگوں کی راہ کو جو تم سے پہلے تھے اور معاف کرے تم کو اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۳۱﴾ اور اللہ چاہتا ہے کہ معاف کرے تم کو اور جو لوگ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے ہیں، چاہتے ہیں کہ تم کج روی کرو بڑی کج روی کرنی، اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے (بوجھ) ہلکا کرے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے ﴿۳۲﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت کھاؤ اپنے آپس کا مال دغا سے مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تم میں سوداگری ہو اور مت مار ڈالو اپنے آپ کو بیشک اللہ تمہارے ساتھ رحم کرنے والا ہے ﴿۳۳﴾

مت کر اُس میں جس میں تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں،، ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض علما نے بیان کیا ہے کہ ان اخیر لفظوں سے محبت و مودّت مراد ہے۔ اور لمعات میں اُس امر کو بھی جو خاص زوجیت سے متعلق ہے اسی میں داخل کیا ہے +

مگر ہم کو اس میں کلام ہے۔ اول تو اس حدیث کی صحت قابل بحث ہے اس حدیث کے دو سلسلے ہیں ایک حماد بن سلمہ سے اور ایک حماد بن زید اور اَور لوگوں سے، حماد بن سلمہ نے اپنے سلسلہ کو حضرت عائشہؓ تک ملا دیا ہے اور حماد بن زید اور اَور لوگوں نے صرف ابی قلابہ تک چھوڑ دیا ہے یعنی اُن کی حدیث مرسل ہے، ترمذی نے پہلے سلسلہ کو کافی اعتبار کے لائق نہیں سمجھا

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۶﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۷﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۸﴾

اور جس شخص نے زیادتی اور ظلم سے ایسا کیا تو ہم اُس کو جلد آگ میں ڈالینگے اور یہ اللہ پر آسان ہے ﴿۳۴﴾ اگر تم بچو گے اُن بُری باتوں سے جن سے (یعنی جن کے کرنے سے) منع کئے گئے ہو تو ہم دور کردینگے تم سے تمہارے گناہ اور داخل کرینگے اچھی جگہ میں ﴿۳۵﴾ اور تم تمنا نہ کرو (یعنی حسد مت کرو) اُس کی جو بزرگی کہ اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے مردوں کے لئے ہے اُس کا حصہ جو اُنھوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے ہے اُس کا حصہ جو اُنھوں نے کمایا اور اللہ سے مانگو اُس کا فضل بیشک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿۳۶﴾ ہر ایک کے لئے ہم نے وارث قرار دئے ہیں اُس میں جو چھوڑا ہے ماں باپ نے اور قرابت مندوں نے ؛ اور جن لوگوں سے تم نے عہد باندھا ہے پھر تم اُن کا حصہ اُن کو دو ، بیشک اللہ ہر چیز پر شاہد ہے ﴿۳۷﴾ مرد تسلط رکھنے والے ہیں عورتوں پر بسبب اُس کے کہ بزرگی دی ہے اللہ نے انسانوں میں سے ایک کو دوسرے پر اور اس سبب سے کہ خرچ کیا ہے اپنے مال میں سے پھر نیکبخت عورتیں فرمانبردار ہیں حفاظت رکھنے والی ہیں اپنے (شوہروں کے) پیچھے اللہ کی حفاظت کے ساتھ ، اور جو عورتیں کہ اُن سے تم کو سرکشی کا خوف ہو تو اُن کو سمجھاؤ اور اُن کو اُن کے سونے کی جگہ میں اکیلا چھوڑ دو ، اور اُن کو مارو پھر اگر وہ فرمانبردار ہو جاویں تو اُن پر اور کوئی راہ مت ڈھونڈو (یعنی کوئی اور حیلہ اُن کے ایذا دینے کا یا طلاق دینے کا مت ڈھونڈو) بیشک اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ والا ہے ﴿۳۸﴾

اور کہا کہ دوسرا سلسلہ یعنی حماد بن زید کا زیادہ صحیح ہے مگر جب کہ وہ خود مرسل ہے تو کافی اعتبار کے لائق نہیں ہے +

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۴۲﴾

اور اگر تم کو اُن دونوں میں ناموافقت کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے لوگوں میں سے اور ایک پنچ عورت کے لوگوں میں سے مقرر کرو، اگر وہ صلاح چاہیں تو خدا اُن میں توفیق دیگا، بیشک اللہ جاننے والا ہے خبردار ﴿۳۹﴾ اور عبادت کرو اللہ کی اور مت شریک کرو اُس کے ساتھ کسی چیز کو، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قرابت مندوں اور یتیموں اور غریبوں اور قرابت مند ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور پاس رہنے والے اور راہ چلتے کے ساتھ اور اُن کے ساتھ جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہوئے ہیں، بیشک اللہ نہیں دوست رکھتا اُس کو جو متکبر شیخی کرنیوالا ہے ﴿۴۰﴾ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کو کہتے ہیں اور چھپاتے ہیں اُس کو جو اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے، اور طیار کیا ہے ہم نے کافروں کے لئے عذاب ذلیل کرنے والا ﴿۴۱﴾ اور جو لوگ کہ خرچ کرتے ہیں اپنا مال لوگوں کے دکھلانے کو اور ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور روز آخر دن پر اور جو کوئی کہ ہو شیطان اُس کا مصاحب تو بُرا مصاحب ہے ﴿۴۲﴾

دوسرے یہ کہ الفاظ " فلا تلمنی فیما تملك ولا املك " سے کسی امر کی طرف کنایہ ہے اُس کو میل قلبی یعنی محبت و موانست پر مخصوص و متعین کر لینے اور بالتخصیص اُس امر سے بھی متعلق کر دینے کی جو خاص زوجیت سے متعلق ہے کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام کی عظمت و شان اور اُن کی نیک طینت و پاکیزگئ طبیعت کے بالکل برخلاف ہے، کیا یہ انبیاء کی شان سے ہے جو وہ یہ کہیں کہ اے خدا جس پر میرا دل آجائے تو اُس میں تو مجھ کو معاف کر، یا جس کے ساتھ میں وہ امر نہ کروں جو خاص زوجیت سے متعلق ہے تو تو مجھ کو ملامت مت کر۔ افسوس ہے کہ بعض دفعہ اکابر بھی قدر و منزلت نفوس قدسیۂ انبیاء کو بھول جاتے ہیں اور اپنے

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اور اُن کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ پر اور اخیر دن پر ایمان لاتے اور خرچ کرتے اُس میں سے جو اُن کو اللہ نے دیا ہے ، اور اللہ اُن کے (حال کو) جاننے والا ہے ﴿۳۹﴾ بیشک اللہ ظلم نہیں کرتا ذرہ بھر بھی، اور اگر نیکی ہو، تو اُس کو دوگنا کردیتا ہے ، اور اپنے پاس سے بڑا اجر دیتا ہے ﴿۴۰﴾ پھر کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر ایک اُمت سے گواہ بلائینگے اور تجھ کو اُن پر گواہ لائینگے ، اُس دن چاہینگے وہ لوگ جو کافر ہوئے اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاشکے اُن پر برابر ہوجاتی زمین اور نہ چھپا سکینگے اللہ سے کوئی بات ﴿۴۲﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو نماز کے نزدیک مت جاؤ (یعنی مت پڑھو) ایسے حال میں کہ تم نشہ میں ہو ، جب تک کہ تم جانو کیا کہتے ہو ، اور نہ ایسے حال میں کہ تم ناپاک ہو مگر رستہ چلنے (یعنی مسافرت میں) جب تک کہ نہالو ، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی ضرورت رفع کرکے آوے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو اور تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو پاک مٹی کا پھر مسح کرو اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں کو ، بیشک اللہ معاف کرنے والا ہے بخشنے والا ﴿۴۳﴾

نفوس پر قیاس کرکے وہی خفیف و ناتر بیا باتیں جو ان کے نفوس میں ہیں نفوس قدسیہ انبیاء کی کی طرف منسوب کرتے ہیں وشان الانبیاء اعلیٰ واجل وارفع مما یظنون +

اگر اس حدیث کو واقعی تصور کرلیا جاوے اور اُس کے الفاظ بھی ہی تسلیم کئے جاویں جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے تھے ، جس کا یقینا تسلیم کرلینا نہایت مشکل ہے تو ممکن ہے کہ ان الفاظ سے اُن امور کی طرف اشارہ ہو جو قضاء و قدر الٰہی سے واقع ہوتے ہیں اور

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا (۴۷) مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ (۴۸) وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا (۴۹)

کیا نہیں دیکھا تو نے اُن لوگوں کی طرف جن کو دیا گیا ہے ایک حصہ کتاب سے، مول لیتے ہیں گمراہی کو اور چاہتے ہیں کہ تم راہ سے بھٹک جاؤ، اور اللہ جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ دوست ہونے کو اور کافی ہے اللہ مدد دینے والا (۴۷) اُن لوگوں میں سے جو یہودی ہیں پھیر دیتے ہیں کلموں کو اُن کی جگہ سے (یعنی غلط معنی کرنے سے) اور کہتے ہیں (ظاہر میں) ہم نے سنا اور اپنے گناہ سے اقرار کیا۔ اور باطن میں یعنی کہتے ہیں کہ ہم نے سنا پر تجھ نہ مانا، اور کہتے ہیں (ظاہر میں) سن اے پیغمبر تو کوئی بری بات نہ سنایا گیا ہو (یعنی کوئی بری بات تجھ کو نہ کہے) اور باطن میں یعنی کہتے ہیں کہ سن اے پیغمبر تیری بات سنی گئی نہ ہو (یعنی تیری بات کوئی نہ سنے) اور کہتے ہیں راعنا کا لفظ مگر اپنی زبان کو موڑ کر (جس سے راعینا سمجھا جاوے پہلے کے معنی ہیں کہ ہماری طرف متوجہ ہو اور دوسرے کے معنی ہیں کہ تو ہمارا چرواہا ہے) اور ان باتوں سے دین میں طعنہ کرتے ہیں (۴۸) اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور سن اور ہماری طرف متوجہ ہو تو اُن کے لئے اچھا اور درست تر ہوتا ولیکن خدا نے اُن پر سبب اُن کے کفر کے لعنت کی ہے پھر وہ ایمان نہ لاویں گے مگر چند (۴۹)

جن میں انسان کا کچھ اختیار نہیں ہے۔ مثلاً امراض میں سے کسی کو کسی مرض کا لاحق ہو جانا یا ایک کا ذی ولد اور ایک کا لاولد ہونا وغیرہ ذلک، نہ اُن امور کی طرف جو خواہش نفسانی سے علاقہ رکھتے ہیں کیونکہ انبیاء کی قدر و منزلت کا ادنیٰ درجہ اُن کا خواہش نفسانی کے مطیع نہ ہونے کو مقتضی کرتا ہے ✦

تیسرے یہ کہ باری کی اور نان و نفقہ کی تقسیم میں مساوات جس کو ایک حریص علی الازواج کر سکتا ہے کوئی ایسا امر مشکل اور مہتم بالشان نہ تھا جس کی نسبت لفظ "فان خفتم" استعمال ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۵۱﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۵۲﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۴﴾

اے لوگو جو کتاب دیے گئے ہو ایمان لاؤ اُس پر جو اُتارا ہم نے سچ بتانے والا اُس کا جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم بگاڑ دیں تمہارے چہروں کو پھر ہم پھیر دیں اُن کو گُدّی پر، (یعنی اُن کے دل کی بدی اُن کے چہروں پر دکھائی دے اور گُدّی پر چہرے پھر جاویں یعنی راہ راست نہ دکھائی دے) یا ہم اُن کو لعنت دیں جیسا کہ ہم نے لعنت دی اصحاب سبت کو (یعنی اُن یہودیوں کو جو سبت کے دن ممنوع کام کرتے تھے) اور خدا کا حکم بجا لایا ہوا ہوتا ہے (دیکھو تفسیر کو مو تود تحاشین (۵۰) بیشک اللہ نہیں بخشتا (اُس گناہ کو) کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جاوے اور بخشتا ہے اس کے سوا (تمام گناہوں کو) جس کسی کو چاہتا ہے اور جو کوئی خدا کے ساتھ شرک کرے تو بیشک اس نے پیدا کیا گناہ بڑا (۵۱) کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جو اپنے آپ کو پاک ٹھیراتے ہیں، بلکہ خدا پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور نہ ظلم کیے جاوینگے باریک تاگے کی برابر بھی (۵۲) دیکھ کیونکر بہتان باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹا اور بس ہے یہی کھلا ہوا گناہ (۵۳) کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جن کو دیا گیا ہے ایک حصہ کتاب کا یقین کرتے ہیں خبیث روحوں اور بھوتوں پر اور کہتے ہیں اُن لوگوں کو جو کافر ہیں کہ یہی لوگ اُن لوگوں کی بہ نسبت جو ایمان لائے ہیں بہت ٹھیک رستہ پر ہیں (۵۴)

یہ لفظ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس سے کوئی ایسا امر عظیم الشان مراد ہے جس کی بجا آوری بجز اُن نفوس قدسیہ کے جو فی الحقیقت نفسانی خواہشوں کے مطیع نہیں ہیں یا اُس حالت میں جب کہ مقتضائے فطرت انسانی محل عمل باقی نہیں ہے، اور کسی طرح پر ہو نہیں سکتی ۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿۵۵﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۶﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۷﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۵۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۵۹﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر خدا نے لعنت کی تو اُس کے لیے تو کوئی مددگار نہ پاویگا ﴿۵۵﴾ کیا اُن کو حکومت کا کوئی حصہ ہے (اگر ہو) تو جب بھی نہ دینگے لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کی دراڑ برابر بھی ﴿۵۶﴾ کیا وہ حسد کرتے ہیں لوگوں پر جو کچھ اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے دیا ہے، تو بیشک ہم نے دی ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت اور ہم نے اُن کو دی بڑی بادشاہت ﴿۵۷﴾ پھر اُن میں سے وہ ہیں جو اُس پر ایمان لائے اور اُن میں سے وہ ہیں جو اُس سے رُک گئے اور کافی ہے جہنم آگ بھڑکا ہوا ﴿۵۸﴾ بیشک جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ کفر کیا ہم ڈالینگے اُن کو آگ میں جب جب پک جاوینگی اُن کی کھالیں بدل دینگے ہم اُن کی کھالیں اُن کے سوا تاکہ چکھیں عذاب کو بے شک اللہ بڑا ہے حکمت والا ﴿۵۹﴾

چوتھے یہ کہ - عدل کے لفظ میں میل قلبی کو داخل نہ سمجھنا ایک بڑی غلطی ہے - بلکہ جو تعلقات کہ باہم زن و شوہر کے ہیں اُن میں میل قلبی سب سے مقدم امر ہے اور اس لئے لفظ عدل بدرجہ اولیٰ اُسی امر مقدم سے متعلق ہوتا ہے اور وہ امر مقدم کسی طرح اُس سے خارج نہیں ہو سکتا اور اُس لئے حدیث مذکورہ بالا کے الفاظ "لا تلمنی فیما تملك ولا املك" سے میل قلبی کی طرف اشارہ سمجھنا سراسر غلطی ہے +

خود خدا تعالیٰ نے موانست و محبت کو تعلقات زن و شوہر میں امر مقدم قرار دیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ "اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑا پیدا کیا تاکہ تم دلی میلان اُس سے کرو اور تم دونوں

ومن ایاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا[1] الیها وجعل بینکم مودة ورحمة ان فی ذلك لایات لقوم یتفکرون (سورہ روم)

[1] یقال سکن الیه للسکون القلبی ویقال سکن عنده للسکون الجسمانی (تفسیر کبیر) +

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۹۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۹۳﴾

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں ہم اُن کو داخل کرینگے جنتوں میں بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہینگے اُن میں اُن کے لئے پاکیزہ جوڑے ہیں اور ہم اُن کو داخل کرینگے چھاؤں چھاؤں (۹۰) بیشک اللہ تم کو حکم کرتا ہے کہ دیدو امانتیں امانت والوں کو اور جب تم لوگوں میں حکم کرو تو حکم کرو انصاف سے، بیشک اچھی چیز ہے جس کی اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے بیشک اللہ سننے والا ہے دیکھنے والا (۹۱) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے حکم والوں کی پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو لیجاؤ اللہ اور رسول کے پاس اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اخیر دن پر یہ اچھا ہے اور نیک ہے آخر کو (۹۲) کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو کہ جو گمان کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اُس پر جو اُتارا گیا ہے تجھ پر اور جو اُتارا گیا ہے تجھ سے پہلے، چاہتے ہیں کہ فیصلہ کروادیں ناحق کرنے والوں سے اور بے شبہ اُن کو حکم دیا گیا ہے کہ اُس کو نہ مانیں اور چاہتا ہے شیطان کہ اُن کو گمراہ کرے دُور کی گمراہی (۹۳)

میں محبت و پیار پیدا کیا" پس جو امر کہ تعلقات زن و شوہر سے مخصوص ہے وہ کیونکر لفظ عدل سے جو ایسے موقع پر بولا گیا ہے خارج رہ سکتا ہے +

پانچویں یہ کہ ۔ جن کے پاس پہلے سے یعنی اس حکم کے آنے کے قبل سے متعدد جوروان تھیں اُن کی نسبت حکم بیان کرتے وقت خود خدا نے عدل کو میل قلبی سے متعلق کیا ہے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۳﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۷﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۸﴾

اور جب اُن کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس کی طرف جو اُتارا ہے اللہ نے اور (آؤ) رسول کے پاس تو تو دیکھتا ہے کہ منافق تجھ سے رُک رُک جاتے ہیں ﴿۶۳﴾ پھر کیونکر جب اُن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے اُس سبب جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے تو پھر تیرے پاس آتے ہیں اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے بجز احسان اور موافقت کے اور کچھ نہیں چاہا تھا ﴿۶۵﴾ یہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے کہ کیا اُن کے دلوں میں ہے پھر اُن سے درگذر کر اور اُن کو نصیحت کر اور کہہ اُن سے اُن کے دلوں میں بیٹھ جانے والی بات ﴿۶۶﴾ ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لئے کہ وہ فرمانبرداری کیا جاوے اللہ کے حکم سے اور اگر اُنہوں نے جب کہ ظلم کیا اپنے آپ آتے تیرے پاس پھر معافی چاہتے اللہ سے اور چاہتا اُن کے لئے رسول البتہ وہ پاتے اللہ کو معاف کرنے والا رحم کرنے والا ﴿۶۷﴾ پھر تیرے پروردگار کی قسم کہ وہ ایمان والے نہ ہونگے جب تک کہ تجھ کو حاکم نہ بنادیں اُس میں جس میں کہ وہ آپس میں جھگڑتے ہیں پھر نہ پادیں اپنے دلوں میں صرف کچھ اُس سے جو تو نے حکم کیا اور مان لیں ٹھیک جان کر ﴿۶۸﴾

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل (سورہ نساء) جہاں فرمایا ہے کہ ”ہرگز تم عدل نہ کر سکو گے عورتوں میں اور گو کہ تم کو حرص ہو پھر مت جھک پڑو (یعنی ایک پر) بالکل جھک پڑنا“ اس مقام پر فرمایا ہے کہ تم عدل نہیں کر سکنے کے، اگر عدل سے صرف مساوات نان ونفقہ و باری معین کرنے سے مراد ہوتی تو یہ بات ایسی نہ تھی جس کی نسبت کہا جاتا کہ تم ہرگز نہ کر سکو گے گو کہ اُس کے کرنے کی حرص بھی کرو اُس کے بعد میل قلبی کا ذکر فرمایا ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ عدل میل قلبی کو شامل تھا، ممکن ہے کہ حدیث مذکورہ بالا

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا (۶۹) وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (۷۰) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (۷۱) ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (۷۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا (۷۳) وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا (۷۴) وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا (۷۵)

اور اگر ہم اُن پر لکھ دیتے کہ مار ڈالو اپنے تئیں آپ یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو اُس کو نہ کرتے مگر اُن میں سے چند، اور اگر وہ کرتے جس سے وہ نصیحت دیئے گئے ہیں تو البتہ ہوتا اُن کے لئے اچھا اور بہت زیادہ ثابت (قدم) رہنا (۶۹) اور اُس وقت البتہ ہم اُن کو دیتے اپنے پاس سے ثواب بڑا اور البتہ ہم اُن کو ہدایت کرتے رستہ سیدھا (۷۰) اور جس نے کہ اطاعت کی اللہ کی اور رسول کی تو وہ لوگ اُن لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کے (ساتھ) اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں (۷۱) یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور کافی ہے اللہ جاننے والا (۷۲) اے لوگو جو ایمان لائے ہو لو اپنا بچاؤ پھر نکلو ٹکڑے ٹکڑے یا اکٹھے ہو کر (۷۳) اور بیشک تم میں سے وہ شخص ہیں کہ دیر کرتے ہیں پھر اگر پہنچتی ہے تم کو مصیبت کہتا ہے کہ بیشک اللہ نے مجھ پر احسان کیا جب کہ میں اُن کے ساتھ موجود نہ تھا (۷۴) اور اگر تم کو پہنچتی ہے بھلائی اللہ کی طرف سے تو کہتا ہے کہ گویا نہ تھی تم میں اور اُس میں دوستی (کہ اُس کو بھی اپنے ساتھ لیجاتے) اے کاش میں ہوتا اُن کے ساتھ تو کامیاب ہوتا بڑا کامیاب ہونا (۷۵)

اس آیت سے متعلق ہو +

غرضکہ قرآن مجید سے جو حکم پایا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ ایک جورو ہونی چاہیئے تعدد ازواج کی اجازت اُسی وقت ہے کہ جب بمقتضائے فطرت انسانی و ضروریات تمدنی کے عقل و اخلاق و تمدن اُس کی اجازت دے اور خوف عدم عدل باقی نہ رہے +

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

پھر چاہیئے کہ لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچ ڈالتے ہیں دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے، اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہو تو البتہ ہم اُس کو دینگے بڑا ثواب ﴿٧٤﴾ اور کیا ہوا ہے تم کو کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے (بچانے کے لئے) مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنے والے ہیں اُس کے لوگ اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار ﴿٧٥﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو لوگ کافر ہیں لڑتے ہیں گمراہ کرنے والوں کی راہ میں پھر لڑو شیطان کے دوستوں سے بیشک شیطان کا مکر بودا ہے ﴿٧٦﴾

لفظ "او ما ملکت ایمانکم" اُن عورات سے متعلق ہے جو قبل اس کے نکاح میں آچکی ہوں یا بموجب رسم جاہلیت کے بطور ملک یمین لوگوں کے پاس ہوں مگر بعد کو مذہب اسلام نے اُس رسم جاہلیت کو موقوف کر دیا جہاں فرمایا کہ "فاما منا بعد واما فداء" پس اُس کے بعد کوئی انسان کسی انسان کا ملک یمین نہیں ہوسکتا۔ اس باب میں میرا مستقل رسالہ ہے "بتبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام" جس کسی کو مستوجب بحث دیکھنی ہو اُس کو دیکھے اور میں اپنی اس تفسیر میں بھی مذکورہ بالا آیت کے تحت میں بالاجمال اُس کا ذکر کرونگا انشاء اللہ تعالے۔

(٣٨) (ان تبتغوا باموالکم) یہ آیت بھی منجملہ ان آیتوں کے ہے جس کی تفسیر میں مجھ کو تمام مفسرین اور علمائے متقدمین سے اختلاف ہے۔ تمام مفسرین اس آیت کو آیت متعہ کہتے ہیں یعنی اس آیت میں متعہ کے جائز ہونے کا حکم ہے۔ متعہ کے یہ معنی ہیں کہ ایک مرد ایک عورت سے

وھی ان المتعۃ عبارۃ عن ان یستاجر الرجل المرأۃ بمال معلوم الی اجل معین فیجامعھا۔ (تفسیر کبیر)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ
كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
يَخْشَوْنَ النَّاسَ
كَخَشْيَةِ اللّٰهِ
اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوْا
رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ
لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ
مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۹﴾
اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ
وَلَوْ كُنْتُمْ فِىْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ
وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ
هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ
يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۸۰﴾ مَآ اَصَابَكَ
مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ
مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وَاَرْسَلْنٰكَ
لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًا ﴿۸۱﴾

کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کہا گیا کہ روک رکھو اپنے ہاتھ (یعنی مت لڑو اس لئے کہ اب لڑائی نہیں ہے) اور پڑھو نماز اور دو زکوٰۃ (تو اس بات کو خوشی خوشی قبول کرتے ہیں) پھر جب لکھا گیا اُن پر لڑنا (یعنی جب پھر لڑائی کا وقت آیا) تو ایک گروہ اُن میں سے آدمیوں سے ڈرتا ہے جیسے کہ خدا کا ڈر ہو یا خدا کے ڈر سے بھی زیادہ، اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے کیوں لکھ دی ہم پر لڑائی، کیوں تو نے تھوڑے وقت تک ہم کو اور مہلت نہ دی، کہہ دے (اے پیغمبر) کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت کا (فائدہ) بہتر ہے اُس شخص کے لئے جس نے پرہیزگاری کی اور ظلم نہ کئے جاؤ گے بار یک تاگے کی برابر بھی ﴿۷۹﴾ جہاں کہیں تم ہو گے پکڑ لیگی تم کو موت اور گو کہ تم مضبوط برجوں میں ہو، اور اگر اُن کو پہنچتی ہے بھلائی تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر اُن کو پہنچتی ہے بُرائی تو کہتے ہیں کہ یہ تیرے سبب ہے، کہہ دے اے پیغمبر کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، پھر کیا ہے اُس قوم کو کہ بات کو سمجھتی ہوئی نہیں لگتی ﴿۸۰﴾ جو کچھ کہ تجھ کو پہنچا ہے بھلائی سے تو اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ کہ تجھ کو پہنچا ہے بُرائی سے تو خود تیری طرف سے ہے اور ہم نے بھیجا تجھ کو لوگوں کے لئے پیغام پہنچانے والا اور کافی ہے اللہ گواہی کو ﴿۸۱﴾

میعاد معین کے لئے مثلاً ایک شب کے لئے بعوض مال معین کے مثلاً دس روپیہ کی اُجرت ٹھیرا لے اور اُس سے اُس میعاد تک مباشرت کرے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں بے حیا عورتوں سے بے حیا مردوں کا عام دستور ہے ✣

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۲﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۴﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۶﴾

جس شخص نے اطاعت کی رسول کی تو بیشک اُس نے اطاعت کی اللہ کی اور جو پھر گیا تو ہم نے نہیں بھیجا تجھ کو اُن پر نگہبان ﴿۸۲﴾ اور کہتے ہیں فرمانبردار ہیں پھر جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ایک گروہ اُن میں سے گھر میں بیٹھ کر سوچتا ہے اُس کے سوا جو تو کہتا ہے، اور خدا لکھ لیتا ہے جو کچھ وہ گھر میں بیٹھ کر سوچتے ہیں، پھر بچے رہو ہی کر اُن سے اور توکل کر اللہ پر اور کافی ہے اللہ کام سنوارنے والا ﴿۸۳﴾ پھر کیا وہ نہیں سمجھتے قرآن کو اور اگر خدا کے سوا اور کسی کے پاس سے ہوتا تو وہ بیشک اُس میں بہت اختلاف پاتے ﴿۸۴﴾ اور جب اُن کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی آتی ہے تو اُس کو مشہور کرتے ہیں اور اگر اُس کو رسول تک لیجاتے یا اُن میں سے حکم والوں تک تو البتہ اُس کو جان لیتے اُن میں سے وہ لوگ جو اُس میں سے ٹھیک بات نکال سکتے اور اگر خدا کا فضل تم پر نہ ہوتا اور اُس کی رحمت تو البتہ تم پیروی کرتے شیطان کی مگر چند ﴿۸۵﴾ پس لڑ اے محمد اللہ کی راہ میں، تو (اور دوسرے کے فعل کا) ذمہ دار نہیں کیا جاتا مگر خود اپنا اور (لڑنے پر) مسلمانوں کو رغبت دلا قریب ہے کہ اللہ اُن لوگوں کی دہشت کو کھو دیگا جو کافر ہیں اور اللہ بہت سخت دہشت والا ہے اور بہت سخت سزا دینے والا ﴿۸۶﴾

علماء کا اتفاق ہے کہ ابتدائے اسلام میں متعہ جائز تھا اور اس باب میں کہ وہ بدستور جائز ہے یا ممنوع یا منسوخ ہوگیا ہے اختلاف ہے، گروہ کثیر امت کا یہ قول ہے کہ اس آیت میں تو بلاشبہ جواز متعہ کا حکم ہے لیکن یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے، مگر جن آیتوں سے اس کے نسخ کا استدلال کرتے ہیں وہ استدلال میری دانست میں نہایت ضعیف ہے +

اور گروہ قلیل امت کا یہ قول ہے کہ حکم جواز متعہ بدستور بحال و غیر منسوخ ہے، ابن عباسؓ

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً
يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ
شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ
مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ
فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ
لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ
اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ
فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ
بِمَا كَسَبُوْا ۗ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا
مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا
لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ
سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ۗ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪
وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا
نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

جو کوئی سفارش کریگا اچھی بات کی سفارش تو اُس اچھی بات میں اُس کا بھی حصہ ہوگا اور جو کوئی سفارش کریگا بُرے کام کی سفارش تو اُس بُرے کام کا اُس پر بھی بوجھ ہوگا اور اللہ ہر چیز پر طاقت والا ہے ﴿۸۵﴾ اور جب تم کو دعا دیجاوے سلامتی کی دعا تو اُس سے بہتر سلامتی کی دعا دو یا اُسی دعا کو اُلٹ کر کہو بیشک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے ﴿۸۶﴾ اللہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی بیشک اکٹھا کریگا تم کو قیامت کے دن جس میں کچھ شک نہیں اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچ بات کہنے والا ﴿۸۷﴾ پھر (اے مسلمانوں) تم کو کیا ہے کہ منافقوں (کی مدارات کرنے اور نہ کرنے) میں دو فرقے ہوگئے ہو اور اللہ نے اُن کو سرنگوں کیا اُس چیز سے جو اُنہوں نے کمایا کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ ہدایت کرو اُس کو جس کو اللہ نے گمراہ کیا اور جس کو گمراہ کرے اللہ تو ہرگز تو نہ پاویگا اُس کے لئے کوئی رستہ ﴿۸۸﴾ چاہتے ہیں (منافق) کہ تم بھی کافر ہوتے جیسے کہ وہ کافر ہیں تو تم بھی برابر ہو پھر اُن میں سے کسی کو دوست مت ٹھیراؤ جب تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں پھر اگر پھر جاویں تو اُن کو پکڑو اور اُن کو مار ڈالو جہاں اُن کو پاؤ اور مت ٹھیراؤ اُن میں سے کسی کو دوست اور مددگار ﴿۸۹﴾

اس میں مختلف روایتیں ہیں - ایک روایت تو جواز متعہ کی ہے بلا کسی قید کے - اور ایک روایت میں اُس کا جواز بحالت اضطرار بیان ہوا ہے، جیسے کہ مردار و سُوَر کا گوشت حالت اضطرار میں کھا لینا جائز ہے - اور ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ ابن عباس نے تسلیم کیا کہ حکم جواز منسوخ ہوگیا ہے - عمران بن حصین اُس کے جواز کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ جواز متعہ کی آیت قرآن میں موجود ہے اور اُس کے بعد کوئی ایسی آیت نہیں جس سے حکم جواز متعہ منسوخ

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا (۹۲) سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا (۹۳)

مگر اُن لوگوں کو (مت پکڑو اور مت مارو) جو اُس قوم سے جا ملیں جس سے تم میں اور اُن میں قول قرار ہو گیا ہے یا تمہارے پاس آویں (اور) اُن کے دل میں یہ بات نہ رہی ہو کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں، اور اگر خدا چاہتا تو البتہ اُن کو تم پر مسلط کرتا پھر ضرور تم سے لڑتے: پھر اگر وہ تم سے (یعنی تمہارے مقابلہ سے) علحدہ ہو جاویں اور تم سے نہ لڑیں اور تم سے صلح کا پیغام ڈالیں تو پھر اللہ نے اُن پر تمہارے لئے کوئی رستہ نہیں بنایا ہے (۹۲) اور تم اور قوموں کو پاؤ گے کہ یہ چاہتی ہیں کہ تم سے امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں، جب کبھی فساد کی طرف پھیرے جاتے ہیں تو اُس میں نگونسار ہوتے ہیں پھر اگر تمہارے مقابلہ سے علحدہ نہ ہوں اور تم سے صلح کا پیغام ڈالیں (اور لڑائی سے) اپنا ہاتھ نہ روکیں تو اُن کو پکڑو اور اُن کو مار ڈالو جہاں اُن کو پاؤ، اور یہی لوگ ہیں جن پر (یعنی جن کے پکڑنے یا قتل کرنے پر) ہم نے تم کو صریح حجت دی ہے (۹۳)

ہوا ہو نازل نہیں ہوئی - اور شیعہ حضرت علی مرتضےٰ سے جواز متعہ کی بہت سی روایتیں بیان کرتے ہیں، مگر اہلسنت وجماعت کے ہاں حضرت علی مرتضےٰ سے کوئی معتبر روایت جواز متعہ پر منقول نہیں ہے - محمد بن جریر الطبری نے اپنی تفسیر میں حضرت علی سے یہ روایت لکھی ہے کہ ،، اگر عمر لوگوں کو متعہ کرنے سے منع نہ کرتے تو بجز کسی بدبخت کے کوئی زنا نہ کرتا ،، اور محمد بن الحنیفہ سے جو حضرت علی کے بیٹے ہیں یہ روایت ہے کہ ،، حضرت علی مرتضےٰ ابن عباس پاس گئے جو جواز متعہ کا فتوے دیتے تھے اور فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع کیا ہے ،، +

میرے نزدیک علما و مفسرین کا اس آیت سے حکم جواز متعہ پر استدلال کرنا محض غلط ہے، بلکہ اس آیت سے علانیہ متعہ کے امتناع کا حکم پایا جاتا ہے - تمام تاریخوں اور قدیم کتابوں سے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۴﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾

اور کسی مسلمان کو لائق نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو مار ڈالے مگر چوک سے، اور جو کوئی کسی مسلمان کو چوک سے مار ڈالے تو (اُس کا کفارہ ہے) آزاد کرنا مسلمان بردہ کا اور خونبہا کا دیا جانا اُس کے لوگوں کو مگر یہ کہ وہ (خونبہا کا دیا جانا) معاف کردیں، پھر اگر (وہ شخص جو مارا گیا ہے) تمہاری دشمن قوم میں سے ہو اور وہ مسلمان ہو تو (اُس کا کفارہ ہے) آزاد کرنا مسلمان بردہ کا، اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور اُن میں قول قرار ہو گیا ہے تو (اُس کا کفارہ ہے) خونبہا کا دیا جانا اُس کے لوگوں کو اور آزاد کرنا مسلمان بردہ کا، پھر جو شخص (مسلمان بردہ) نہ پائے تو اُس کا (بدلہ ہے) پے درپے دو مہینے کے روزے معافی چاہنے کو اللہ سے، اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۹۴﴾ اور جو کوئی مسلمان کو عمدًا مار ڈالے تو اُس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ اُس میں رہیگا خدا اُس پر غصہ ہوا اور اُس کو لعنت کی اور اُس کے لئے طیار کیا بڑا عذاب ﴿۹۵﴾

پایا جاتا ہے کہ ہر ایک قوم میں قدیم زمانہ سے اس قسم کی عورتیں تھیں جو یہی پیشہ کرتی تھیں، کہ لوگوں سے اُجرت ٹھیرا کر اُن کو اپنے ساتھ مباشرت کرنے دیتی تھیں، جیسے کہ اس زمانہ میں بھی ایسی عورتیں پائی جاتی تھیں، جن کو بلحاظ اُن کے حالات کے خانگیاں اور کسبیاں کہتے ہیں! یہودیوں میں فارسیوں میں بلکہ تمام قوموں میں اس قسم کی عورتیں تھیں، عرب میں بھی قبل اسلام اور ابتدائے اسلام میں اور شاید اُس کے بعد بھی ایسی عورتوں کا وجود تھا، اور شاید اب بھی ہو، یا اُس کی ظاہری صورت میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہو۔ یہ طریقہ اور فعل بھی اس وجہ سے نکلا تھا کہ مردوں کو اپنی مستی جھاڑنے کا موقع ملے۔ پس تزوج میں اور اس طرح پر متعہ یعنی اُجرت کے ملنے میں فی نفسہ کوئی فرق نہ تھا، اس لئے کہ مہر اور اجرت حقیقۃً ایک ہی شے ہے، رضا و معاہدہ دونوں حالت میں ایک ہی حقیقت رکھتا ہے، متعہ میں میعاد کا معین ہوجانا اور تزوج میں تعین میعاد کا اختیار زوج کے ہاتھ میں رہنا، یا میعاد کا معلوم ہونا مگر اُس کی تعداد کا نا معلوم ہو کہ کب موت آئیگی حقیقت معاہدہ میں کوئی معتدبہ تبدل نہیں کرتا۔ پس ان دونوں میں جو حقیقۃً

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا
لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ
مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ
كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ
قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ﴿٩٦﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ
وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ
دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى
وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى
الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٧﴾
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٨﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم کوچ کرو اللہ کی راہ میں
تو تحقیق کر لو (مسلمانوں اور کافروں کی) اور مت کہو
اُس شخص کو جس نے تم سے سلام علیک کی ہے کہ تو
مسلمان نہیں ہے تم چاہتے ہو دولت دنیا کی زندگی
کی تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں، تم ایسے ہی
تھے اس سے پہلے پھر مہربانی کی اللہ نے تم پر پس تحقیق
کر لو، بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے
خبردار ہے ﴿٩٦﴾ مسلمانوں سے بیٹھ رہنے والے
سوائے ناکاروں کے، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال
اور اپنی جان سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں،
بزرگی دی ہے اللہ نے اپنے مال اور اپنی جان
سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر
مرتبہ میں، اور ہر ایک سے اللہ نے اچھا
وعدہ کیا ہے، اور بزرگی دی ہے اللہ نے
جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر
اجر عظیم دینے سے ﴿٩٧﴾ اپنی طرف
سے درجے دئے ہیں اور بخشش
اور رحمت، اور اللہ بخشنے والا
ہے رحم والا ﴿٩٨﴾

فرق تھا وہ یہی تھا کہ تزوج سے مقصود دراصل احصان یعنی پاکدامنی اور نیکی تھی، اور متعہ سے
صرف مستی جھاڑنی، کیونکہ اُس سے اُس کے مرتکب کو بجز سفح منی کے اور کوئی مقصود نہیں ہوتا
پس اسی کو خدا تعالیٰ نے منع کیا جہاں فرمایا کہ "ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر
مسافحین" یعنی تم بعوض اپنے مال کے آزاد عورتوں کو نکاح کرنے کے لئے تلاش کرو اور اُن سے
نکاح کرنا پاک دامنی رکھنے کی غرض سے ہو نہ مستی جھاڑنے کی غرض سے یہ مطلب آیت کا صرف
محصنین کے لفظ پر ختم ہو گیا تھا۔ غیر مسافحین کا لفظ صرف اسی طریقہ متعہ کے منع
کرنے کو کہا گیا ہے جو نہایت بے حیائی اور بد اخلاقی سے رائج تھا، "انہ کان فاحشۃ
ومقتا وساء سبیلا" پس اس آیت سے متعہ کا امتناع پایا جاتا ہے نہ اُس کا جواز

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (۹۹) إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا (۱۰۰) وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (۱۰۱) وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا (۱۰۲)

بیشک وہ لوگ جن کی روح فرشتے قبض کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے پر آپ ظلم کیا ہے (یعنی منافقوں نے) تو فرشتے کہتے ہیں تم کن میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم اُس ملک میں لاچار تھے (فرشتے) کہتے ہیں کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی تاکہ تم اپنا ملک چھوڑ کر وہاں چلے جاتے، پس یہی لوگ ہیں کہ اُن کے رہنے کی جگہ جہنم ہے اور بُری جگہ ہے (۹۹) مگر مردوں اور عورتوں اور لڑکوں میں سے جو لاچار ہیں نہیں کر سکتے کوئی حیلہ اور نہ پاتے ہیں کوئی رستہ تو یہی لوگ ہیں کہ جلد اللہ اُن کو معاف کریگا اور اللہ معاف کرنے والا ہے بخشنے والا (۱۰۰) اور جو کوئی کہ ہجرت کرے اللہ کی راہ میں پاویگا زمین میں رہنے کی بہت جگہ اور کشایش اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے اللہ کے اور اُس کے رسول کے لئے ہجرت کر کے پھر اُس کو موت لے لیوے تو بیشک اُس کا اجر دینا اللہ کے ذمہ ہے اور اللہ بخشنے والا ہے رحم والا (۱۰۱) اور جب کہ تم کوچ کرو ملک میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ قصر کرو نماز میں سے، اگر تم کو ڈر ہو کہ فساد کریںگے تم سے وہ لوگ جو کافر ہیں بیشک کافر تمہارے لئے دشمن علانیہ ہیں (۱۰۲)

جیسے کہ غلطی سے علماے اسلام نے خیال کیا ہے +

باقی رہی روایتیں، جن میں سے بعض سے بجز اس کے اور کچھ نہیں پایا جاتا کہ مکہ کی عورتیں بن سنور کر نکلتی تھیں جیسے اب بھی اس قسم کی عورتیں میلوں اور

روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم مکۃ فی عمرتہ تزین نساء مکۃ فشکا اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم طول العزوبۃ فقال استمتعوا من ہذہ النساء (تفسیر کبیر)

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا۟ أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا۟ فَلْيَكُونُوا۟ مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا۟ فَلْيُصَلُّوا۟ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا۟ حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَن تَضَعُوٓا۟ أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا۟ حِذْرَكُمْ إِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۱۰۳﴾

اور اے (پیغمبر) جب کہ تو اُن میں ہو اور تو نے اُن کے لئے جماعت کی نماز کھڑی کی ہو تو چاہئے کہ ایک گروہ اُن میں سے تیرے ساتھ کھڑا رہو (یعنی ایسے موقع پر کہ کعبہ کی طرف مُنہ کرنے سے دشمن کی طرف پیٹھ ہو جاتی ہو جیسے کہ ذات الرقع کی لڑائی کا موقع تھا) اور چاہئے کہ لے لیں اپنے ہتیار پھر جب (پہلے گروہ کے لوگ) سجدہ کر لیں تو اُن کو چاہئے کہ تمہارے یعنی دوسرے گروہ کے آگے ہو جاویں (یعنی دشمن کی طرف مُنہ کرکے کھڑے ہو جاویں) اور چاہئے کہ آوے گروہ دوسری جس نے کہ نماز نہیں پڑھی تھی (اور دشمن کی طرف مُنہ کئے ہوئے کھڑے رہے تھے) پھر چاہئے کہ وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور چاہئے کہ لیں اپنی حفاظت اور اپنے ہتیار اور جو لوگ کہ کافر ہیں چاہتے ہیں کہ اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے ہتیاروں اور اپنے اسباب سے تو پل پڑیں تم پر پل پڑنا ایک ساتھ ، اور تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اگر تم کو کچھ اذیت ہو، مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اپنے ہتیار رکھ دو ، اور لو اپنی حفاظت بیشک اللہ نے طیار کیا ہے کافروں کے لئے عذاب رسوا کرنے والا ﴿۱۰۳﴾

مجمعوں میں بناؤ سنگار کرکے بیٹھتی ہیں اور اُن سے متعہ کرنے کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی ، وہ سب روایتیں محض بیہودہ ولغو ہیں ۔ جس قدر حدیثیں جواز متعہ پر بیان ہوئی ہیں اور جس قدر کہ اُس کی منسوخی یا بحالی کی نسبت منقول ہیں اُن میں سے ایک بھی لائق التفات اور قابل تسلیم نہیں ہے ۔ کیونکہ اُن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے ۔ متعہ پر جو بحث شروع ہوئی ہے وہ اسی آیت کی بنا پر ہوئی ہے ، کہ علما و مفسرین نے غلطی سے سمجھا کہ اس آیت سے جواز متعہ نکلتا ہے ۔ پھر ایک گروہ اُس کا مخالف ہوا اُس نے اُس کی منسوخی ثابت کرنے پر توجہ کی

۱۵ صف جنگ میں مقتدیوں کو اگر موقع نماز کا ہو تو صرف ایک رکعت نماز کی فرض ہے اور اگر اس کا بھی موقع نہ ہو تو صرف اشارہ ہی سے بلا لحاظ سمت قبلہ کافی ہے اور اگر اتنی بھی فرصت نہ ہو تو قضا کرنا جائز ہے ٭

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا
اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ
فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَهِنُوْا
فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُوْنُوْا
تَأْلَمُوْنَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُوْنَ كَمَا
تَأْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا
يَرْجُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۵﴾
إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا
أَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ
خَصِيْمًا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ
كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا
تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَهُمْ
إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا
أَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ
وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ
مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى
مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
مُحِيْطًا ﴿۱۰۹﴾

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے، پھر جب تم کو اطمینان ہو جاوے تو قایم کرو نماز کو، بیشک نماز مسلمانوں پر لکھی گئی ہے معین وقتوں پر ﴿۱۰۴﴾ اور سستی مت کرو اُس قوم یعنی کافروں کے پیچھا کرنے میں، اگر تم کو تکلیف ہوتی ہے تو بیشک وہ بھی تکلیف اُٹھاتے ہیں جیسے کہ تم تکلیف اُٹھاتے ہو اور تم اللہ سے امید رکھتے ہو اُس چیز کی کہ وہ اُس کی اُمید نہیں رکھتے، اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۱۰۵﴾ بیشک ہم نے بھیجی ہے تجھ پر کتاب برحق تاکہ تو لوگوں میں حکم کرے اُس چیز سے جو دکھائی ہے تجھ کو اللہ نے اور نہ ہو خیانت کرنے والوں کے لئے جھگڑنے والا، اور معافی مانگ اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۱۰۶﴾ اور مت جھگڑا کر اُن لوگوں کی طرف سے جو خیانت اپنے دلوں میں کرتے ہیں، بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا اُس کو جو کہ خیانت کرنے والا گنہگار ہو ﴿۱۰۷﴾ چھپاتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپا سکتے اللہ سے اور وہ اُن کے پاس ہے جب وہ رات میں چھپ کر مشورہ کرتے ہیں اُس کا جس بات کو اللہ پسند نہیں کرتا اور جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں اللہ اُس پر حاوی ہے ﴿۱۰۸﴾

ہوا اُس کی تائید پر ناسخ حدیثیں موجود ہوگئیں اور اُس کے مؤیدین نے اُس کے جواز کی حدیثیں پچھڑ بنائیں اشیعہ کی پشت پناہ تو جناب علی مرتضیٰ ہیں ہی اُنہوں نے سچ جھوٹ جو چاہا اب للظلوم علیہا السلام پر تہمت دھر دی ۔ البتہ اگر اس آیت سے حکم امتناع متعہ تسلیم کیا جاوے جو اُس زمانہ میں عرب میں مروج تھا تو وہ روایتیں جن میں بلا ذکر نسخ صرف حکم امتناع متعہ ہے تائید اس آیت کے قابل ترجیح یا لایق اعتماد تصور ہو سکینگی اور خیال ہو سکتا ہے کہ بعد نزول اس آیت کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے متعہ مروجہ کا امتناع کیا ✦

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

ہاں تم وہ لوگ ہو کہ دُنیا کی زندگی میں اُن کی طرف سے جھگڑتے ہو، پھر کون اُن کی طرف سے قیامت کے دن اللہ سے جھگڑیگا، کیا کوئی ہوگا اُن پر وکیل ﴿۱۰۹﴾ اور جو کوئی بُرا کام کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ سے معافی چاہے تو اللہ کو پاویگا معاف کرنے والا رحم والا ﴿۱۱۰﴾ اور جو کوئی گناہ کماتا ہے تو اُس کے سوا کچھ نہیں کہ اُس کو کماتا ہے اپنے لئے آپ اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۱۱۱﴾ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرتا ہے پھر اُس کی تہمت کسی بے گناہ پر ڈالتا ہے تو بیشک اُس نے اُٹھایا (بوجھ) علانیہ بہتان اور گناہ کا ﴿۱۱۲﴾ اور اگر خدا کا فضل تجھ پر نہ ہوتا اور اُس کی رحمت تو البتہ قصد کیا تھا اُن میں سے ایک گروہ نے کہ تجھ کو (ایک چور کا مقدمہ فیصل کرنے وقت و انصاف کرنے میں) بہکا دیویں، اور وہ نہیں بہکاتے مگر اپنے آپ کو اور تجھ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچاتے اور اللہ نے تجھ پر کتاب و حکمت نازل کی ہے اور تجھ کو وہ سکھایا ہے جو تو نہیں جانتا تھا اور تجھ پر خدا کا بہت بڑا فضل ہے ﴿۱۱۳﴾

جب کہ ہم روایاتِ متعلق متعہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتے تو ضرور تہ یہ لازم آتا ہے کہ ہم اس بات کو بھی متعہ کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جواز کا حکم دیا، اور ابن عباس اور عمران بن حصین نے یہ کہا اور علی مرتضٰے نے یہ فرمایا تسلیم نہیں کرتے، اور جو تفسیر اس آیت کی ہم نے بیان کی اُس کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُن بزرگوں کے اقوال کے برخلاف ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سوائے ہمارے تمام مفسرین علمائے متقدمین آیت کے معنی اُلٹے سمجھے، مگر اس کہنے کی ہم کو کچھ پروا نہیں ہے۔ غرض کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ متعہ کا طریقہ اسلام نے پیدا نہیں کیا بلکہ وہ قدیم سے جاری تھا اسلام نے اُس کو منع کیا گو کہ ابتدائے زمانہ اسلام میں بھی جاری رہا ہو۔ بہت سے رواج زمانہ جاہلیت کے ایسے تھے جو زمانہ ابتدائی اسلام میں رائج تھے بعد کو ممنوع ہوئے متعہ بھی اُن میں ہے ؎

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوْفٍ أَوْ إِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ إِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُوْنَ إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿﴾ وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۸﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۱۹﴾ أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۰﴾

کچھ بھلائی اُن کے بہت سے مشوروں میں نہیں ہے مگر (اُس شخص کے مشورہ میں بھلائی ہے) جو خیرات کرنے کو یا کوئی نیک بات کرنے کو کہے یا لوگوں میں اصلاح کرائے، اور جو شخص خدا کی رضامندی چاہنے کے لئے ایسا کرے تو ہم جلد اُس کو بڑا اجر دینگے ﴿۱۱۴﴾ اور جس شخص نے مخالفت کی رسول کی اُس کو ٹھیک راہ ظاہر ہونے کے بعد، اور پیروی کرے اُس راہ کی جو مسلمانوں کی نہیں، تو پھیر دینگے ہم اُس کو جدھر وہ پھرا ہے اور ہم اُس کو پہنچا دینگے جہنم میں اور وہ بُری جگہ ہے ﴿۱۱۵﴾ بیشک اللہ نہیں معاف کرنے کا کہ شرک کیا جائے اُس کے ساتھ اور بخشیگا اُس کے سوا جس کو چاہیگا، اور جو کوئی شرک کرے اللہ کے ساتھ تو بیشک وہ راہ سے بھٹک گیا بہت دُور بھٹکنا ﴿۱۱۶﴾ وہ (یعنی مشرک) نہیں پکارتے اُس کے (یعنی اللہ کے) سوا بجز موہبوں کے اور نہیں پکارتے بجز سرکش شیطان کے ﴿۱۱۷﴾ لعنت کی ہے اُس پر اللہ نے اور اُس نے کہا کہ البتہ میں لونگا تیرے بندوں سے مقرر کیا ہوا حصہ اور البتہ میں اُن کو گمراہ کروں گا اور اُن کو آرزوؤں میں ڈالونگا اور البتہ اُن کو حکم دونگا تا کہ وہ چارپایوں کے جانوروں کے کان (میری نذر کیلئے) چیریں اور میں اُن کو حکم دونگا تا کہ (میری بھینٹ کے لئے) خدا کی پیدائش میں تغیر کردیں، اور جس نے خدا کے سوا شیطان کو اپنا مربّی بنایا تو بیشک وہ ٹوٹے میں پڑا علانیہ ٹوٹے میں پڑنا ﴿۱۱۸﴾ اُن کو (شیطان) وعدہ دیتا ہے اور آرزوؤں میں ڈالتا ہے اور شیطان اُن کو وعدہ نہیں دیتا بجز فریب کے ﴿۱۱۹﴾ یہی لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے اور نہ پاوینگے اُس سے مخلصی ﴿۱۲۰﴾

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۱﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۲﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۴﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۵﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۶﴾

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں ہم اُن کو داخل کرینگے جنتوں میں بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہینگے اُن میں ہمیشہ ہمیش، اللہ نے سچا وعدہ کیا اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچا بات میں (۱۲۱) نہ تمہاری آرزوؤں سے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے (کچھ ہوتا ہے) جو کوئی بُرا کام کریگا اُس کا بدلا اُس کو دیا جاویگا اور نہ پاویگا اپنے لئے سوائے خدا کے کوئی مربی اور نہ کوئی مددگار (۱۲۲) اور جو کوئی اچھے کاموں میں سے کریگا، مردوں میں سے یا عورتوں میں سے اور وہ ایمان والا ہے تو یہی لوگ ہیں جو داخل ہونگے جنت میں اور نہ ظلم کئے جاوینگے کھجور کی گٹھلی کی ذرا برابر بھی (۱۲۳) اور کون دین کی راہ سے اُس شخص سے اچھا ہے جس نے اپنے مُنہ کو خدا کی اطاعت میں کردیا اور وہ نیکی کرنے والا ہے اور پیروی کی ہے دین ابراہیم کی جو خالص خدا کا پوجنے والا تھا، اور خدا نے ابراہیم کو دوست ٹھیرایا ہے (۱۲۴) اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے (۱۲۵) تجھ سے عورتوں کے باب میں حکم پوچھتے ہیں کہدے کہ اللہ اُنکے باب میں حکم دیگا اور جو کچھ پڑھ سنایا جاتا ہے تم کو کتاب میں یتیم عورتوں کے حق میں جن کو تم نہیں دیتے جو اُن کے لئے لکھا گیا ہے اور رغبت کرتے ہو کہ نکاح کرلو اُن سے، اور بے بس لڑکوں کے حق میں، اور اُس میں کہ تم یتیموں کے لئے انصاف سے قائم رہو اور جو کچھ کہ تم کرتے ہو نیکی سے بیشک اللہ اُس کا جاننے والا ہے (۱۲۶)

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۷﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۸﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۱﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّھَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۲﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند سے کھنچ رہنے یا بے التفاتی کرنے سے تو اُن دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں کسی طرح کی صلح اور صلح اچھی ہے اور طیار کی گئی ہیں طبیعتیں بخیلی پر اور اگر تم احسان کرو گے اور خدا سے ڈرو گے تو بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس پر خبردار ہے ﴿۱۲۷﴾ اور ہرگز تم طاقت نہیں رکھتے کہ عدل کرو عورتوں میں اور گو کہ تم حرص کرو اور پھر مت جھک جاؤ (ایک طرف) بالکل جھک جانا کہ اُس کو چھوڑ دو جیسے ادھر میں لٹکی اور تم صلح کر لو اور خدا سے ڈرو تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے رحم والا ﴿۱۲۸﴾ اور اگر تم دونوں چھوٹ جاؤ تو اللہ تم دونوں کو اپنے پاس کی کشائش کر کے بے پرواہ کر دیگا اور اللہ کشائش کرنے والا ہے حکمت والا ﴿۱۲۹﴾ اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور بیشک ہم نے حکم دیا اُن لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور تم کو کہ ڈرو اللہ سے اور اگر تم کفر کرو تو بیشک اللہ کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور بیشک اللہ بے پرواہ ہے تعریف کیا گیا ﴿۱۳۰﴾ اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کام سنوارنے والا ﴿۱۳۱﴾ اگر چاہے تو تم کو نیست کر دے اے لوگو اور اوروں کو موجود کر دے اور اللہ ایسا کرنے پر قادر ہے ﴿۱۳۲﴾ جو شخص دنیا کی بھلائی چاہتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے اور اللہ سننے والا ہے دیکھنے والا ﴿۱۳۳﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۶﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۷﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۸﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم قائم رہو انصاف پر، خدا کے لئے (سچ بات کو) ظاہر کرنے والے اور گو کہ وہ خود تم کو نقصان پہنچانے والی ہو یا ماں باپ اور قرابت مندوں کو خواہ وہ دولتمند ہوں یا فقیر پھر اللہ اُن کے ساتھ (بنسبت تمہارے) زیادہ مہربان ہے اور تم اپنی خواہش کی پیروی مت کرو عدل کرنے میں، اور اگر تم پیچ ڈالو یا منہ موڑ لو تو بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس پر خبردار ہے ﴿۱۳۴﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس کی کتاب پر جو بھیجی گئی ہے اُس سے پہلے اور جس نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اُس کے فرشتوں کے اور اُس کی کتابوں کے اور اُس کے رسولوں کے اور آخیر دن کے تو بیشک وہ بھٹک گیا دور کے رستے پر بھٹکنا ﴿۱۳۵﴾ بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھ گئے کفر میں ہرگز نہ بخشیگا اللہ اُن کو اور ہرگز نہ بتاویگا اُن کو رستہ ﴿۱۳۶﴾ خوشخبری دے منافقوں کو کہ بیشک اُن کے لئے ہے عذاب دُکھ دینے والا ﴿۱۳۷﴾ وہ لوگ (یعنی منافق) جو ٹھیراتے ہیں کافروں کو دوست مسلمانوں کے سوا کیا وہ اُن کے نزدیک عزت چاہتے ہیں پھر بیشک تمام عزت اللہ کے لئے ہے ﴿۱۳۸﴾ اور بیشک ہم نے (حکم) بھیجا ہے تم پر قرآن میں (سورۃ الانعام آیت ۶۷) کہ جب تم سنو کہ اللہ کے احکام کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور اُن کے ساتھ ٹھٹھا کیا جاتا ہے تو تم اُن لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ اُس کے سوا اور کسی بات میں لگ جاویں بیشک تم اُس وقت (اگر تم اُن میں بیٹھے رہو تو) اُن کی مانند ہوگے بیشک اللہ اکٹھا کرنے والا ہے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں سب کو ﴿۱۳۹﴾

اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤٠﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤١﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٣﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٤﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٥﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿١٤٦﴾

جو لوگ کہ تکتے رہتے ہیں تم کو پس اگر تمہارے لئے فتح ہو اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں (تم سے) کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر کافروں کے لئے نصیب ہو تو کہتے ہیں (کافروں سے) کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں ہوئے تھے اور کیا ہم نے تم کو بچایا نہیں مسلمانوں سے پھر اللہ تم میں قیامت کے دن فیصلہ کریگا اور ہرگز نہ دیگا کافروں کو مسلمانوں پر رستہ ﴿١٤٠﴾ بیشک منافق اللہ کو فریب دیتے ہیں اور اللہ ان کو فریب دینے والا ہے اور جس وقت (منافق) نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل دکھلاتے ہیں لوگوں کو اور اللہ کو نہیں یاد کرتے مگر تھوڑا ﴿١٤١﴾ ڈھلتے رہتے ہیں اسی میں نہ اُن لوگوں کی طرف اور نہ اُن لوگوں کی طرف اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو پھر تو ہرگز نہ پاویگا اُس کے لئے کوئی رستہ ﴿١٤٢﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت پکڑو کافروں کو دوست مسلمانوں کے سوا کیا تم چاہتے ہو کہ کرو اللہ کے لئے اپنے پر کھلی ہوئی حجت ﴿١٤٣﴾ بیشک منافقین آگ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہونگے اور تو نہ پاویگا اُن کے لئے کوئی مدد کرنے والا ﴿١٤٤﴾ مگر جن لوگوں نے کہ توبہ کی اور صلاحیت اختیار کی اور اللہ کو مضبوط پکڑا اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لئے کیا تو وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور جلد دیگا اللہ ایمان والوں کو اجر عظیم ﴿١٤٥﴾ کیا کریگا اللہ تم کو عذاب دیکر اگر تم شکر کروگے اور ایمان لاؤ گے اور اللہ شکر کرنے والا (یعنی شکر کی قدر کرنے والا) جاننے والا ہے ﴿١٤٦﴾

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْۗءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰۗىِٕكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ يَسْــَٔـلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

اللہ پسند نہیں کرتا ظاہر کرنا بُری بات کا مگر اُس شخص کا جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ سُننے والا ہے جاننے والا ﴿۱۴۸﴾ اگر تم ظاہر کرو بھلائی کو یا اُس کو چھپاؤ یا درگذر کرو کسی بُرائی سے تو بیشک اللہ معاف کرنے والا ہے قدرت والا ﴿۱۴۹﴾ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اللہ اور اُس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہا کہ تفرقہ ڈال دیں اللہ میں اور اُس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں بعض (پیغمبروں) پر اور نہیں مانتے بعض کو اور چاہتے ہیں کہ لیویں اس کے درمیان کوئی رستہ ﴿۱۵۰﴾ وہی لوگ کافر ہیں ٹھیک اور ہم نے طیار کیا ہے کافروں کے لئے عذاب ذلیل کرنے والا ﴿۱۵۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اور اُنہوں نے فرق نہیں کیا اُن میں سے کسی ایک میں یہ لوگ ہیں کہ اُن کو جلد دیوےگا (اللہ) اُن کا اجر اور اللہ معاف کرنے والا ہے رحم والا ﴿۱۵۲﴾ تجھ سے چاہتے ہیں اہل کتاب کہ تو اُتار لاوے اُن پر ایک کتاب آسمان سے پھر بیشک اُنہوں نے چاہا تھا موسٰے سے اس سے بھی بڑا پھر کہنے لگے کہ دکھادے ہمیں اللہ کو ظاہر میں پھر پکڑ لیا اُن کو کڑک نے بسبب اُن کے ظلم کے پھر اُنہوں نے بچھڑا بنایا اس کے بعد کہ اُن کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے پھر ہم نے اُن کو اس سے معاف کیا اور دی ہم نے موسٰے کو روشن حجت ﴿۱۵۳﴾

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (۱۵۳) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا (۱۵۴) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا (۱۵۵) وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (۱۵۶) وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا (۱۵۷)

اور ہم نے اُن کے اوپر[1] طور کو اونچا کیا اُن سے قول قرار لینے کو اور ہم نے اُن کو کہا کہ اُس دروازہ میں داخل ہو سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے اُن کو کہا کہ سبت کے احکام میں تجاوز نہ کرو اور ہم نے اُن سے لیا گاڑھا قول قرار (۱۵۳) پھر بسبب اُن کے اپنا قول قرار توڑنے کے اور اُن کے انکار کرنے کے اللہ کی نشانیوں سے اور اُن کے قتل کر ڈالنے کے نبیوں کو ناحق اور اُن کے کہنے کے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں بلکہ اللہ نے اُن پر بسبب اُن کے کفر کے مہر کر دی ہے پھر ایمان نہیں لانے کے مگر چند (۱۵۴) اور بسبب اُن کے کفر کے اور اُن کے کہنے کے مریم پر بہت بڑا بہتان (۱۵۵) اور اُن[2] کے کہنے کے کہ بیشک ہم نے قتل کر ڈالا مسیح عیسیٰ بیٹے مریم خدا کے رسول کو حالانکہ نہ اُنہوں نے اُن کو قتل کیا اور نہ صلیب پر مارا و لیکن اُن پر (صلیب پر مار ڈالنے کی) شبیہ کر دی گئی اور جو لوگ کہ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ البتہ اس بات میں اُس سے شک میں پڑے ہیں اُن کو اُس کا یقین نہیں ہے بجز گمان کی پیروی کے اور اُنہوں نے اُن کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اُن کو اپنے پاس اُٹھا لیا اور اللہ غالب ہے حکمت والا (۱۵۶) اور نہیں کوئی اہل کتاب میں مگر یہ کہ یقین کر لیتا ہے اُس کے (یعنی حضرت عیسیٰ کے صلیب پر مارے جانے کے) قبل اپنے مرنے کے (یعنی بعد مرنے کے وہ جان لیگا کہ صلیب پر حضرت عیسیٰ کا مرنا غلط تھا) اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ اُن پر گواہ ہونگے (یعنی اہل کتاب کو اپنی زندگی میں جو عقیدہ تھا اُس کے برخلاف گواہی دینگے) (۱۵۷)

[1] دیکھو تفسیر جلد اول +

[2] دیکھو اسی جلد میں +

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا
عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ
وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
كَثِيْرًا ﴿۱۵۸﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا
وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ
اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿۱۵۹﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي
الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ
وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ
سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۰﴾
اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ
اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ
وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ
زَبُوْرًا ﴿۱۶۱﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ
عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى
تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ
وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ
لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ
بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
حَكِيْمًا ﴿۱۶۳﴾

پس اُن لوگوں کے ظلم کے سبب جو یہودی ہیں
ہم نے حرام کیں اُن پر پاک چیزیں جو حلال کی
تھیں اُن کے لئے اور بہ سبب اُن کے روکنے
کے بہت لوگوں کو اللہ کے رستہ سے (۱۵۸)
اور اُن کے سود لینے سے حالانکہ بیشک اُن کو منع کیا
گیا تھا اُس سے اور اُن کے کھالینے کے لوگوں کے
مال کو فریب سے اور طیار کیا ہے ہم نے اُن میں سے
کافروں کے لئے عذاب دکھ دینے والا (۱۵۹) لیکن اُن میں
سے جو لوگ کہ علم میں مضبوط ہیں اور ایمان لانے والے
جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو بھیجا گیا ہے تجھ پر اور جو بھیجا
گیا ہے تجھ سے پہلے اور نماز قائم رکھنے والے اور زکوٰۃ دینے
والے اور اللہ پر اور آخرت پر ایمان لانے والے وہ لوگ
ہیں کہ ہم عنقریب اُن کو دینگے اجر عظیم (۱۶۰) بیشک
ہم نے وحی کی تجھ کو جیسے کہ وحی کی ہم نے نوح
کو اور نبیوں کو اُس کے بعد اور وحی کی ہم نے
ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب
اور اُس کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب
اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو اور
دی ہم نے داؤد کو زبور (۱۶۱) اور رسول ہیں کہ
بیشک ہم نے اُن کا حال اس سے پہلے تجھ پر
بیان کیا اور رسول ہیں کہ اُن کا حال ہم نے تجھ پر بیان
نہیں کیا اور بات کی اللہ نے موسےٰ سے ایک
طرح کی باتیں کرنی (۱۶۲) رسول خوشخبری دینے
والے اور ڈرانے والے ہیں تاکہ نہ ہو
لوگوں کو اللہ پر کچھ حجت رسولوں کے
بعد اور اللہ غالب ہے حکمت
والا (۱۶۳)

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ
اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۵﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا
لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۶﴾
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۷﴾
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ
بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا
لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۸﴾ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ
اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى
مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ
اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ
وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ﴿۱۷۰﴾

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اُس پر جو بھیجا ہے تجھ
پر بھیجا ہے اس کو اپنے علم سے اور فرشتے گواہی
دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہی دینے والا ﴿۱۶۴﴾
بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) روکا
اللہ کے رستہ سے بیشک وہ بھٹک گئے دُور کے
رستہ سے بھٹکنا ﴿۱۶۵﴾ بیشک جو لوگ کافر ہوئے
اور ظلم کیا نہیں ہوگا کہ اللہ اُن کو معاف کرے
اور نہ اُن کو ہدایت کریگا کسی رستہ کی ﴿۱۶۶﴾
مگر جہنم کے رستہ کی ہمیشہ رہینگے اُس میں ہمیشہ
اور یہ اللہ پر آسان ہے ﴿۱۶۷﴾ اے لوگو بیشک
آیا ہے تمہارے پاس رسول سچائی کے ساتھ
تمہارے پروردگار کی طرف سے پھر تم ایمان لاؤ
بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم کفر کرو گے تو بیشک
اللہ کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور زمین
میں اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۱۶۸﴾
اے کتاب والو اپنے دین میں غلو مت کرو اور مت
کہو اللہ پر بجز سچ کے اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ
مسیح عیسٰے بیٹا مریم کا رسول اللہ کا ہے اور اُس کا
کلمہ ہے کہ ڈالا اُس کو مریم کی طرف اور روح ہے
اُس کی طرف سے پھر ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے
رسولوں پر اور مت کہو کہ تین خدا ہیں (اس کہنے سے)
باز رہو بہتر ہے واسطے تمہارے اس کے سوا کچھ
نہیں کہ اللہ ایک ہی اللہ ہے وہ پاک ہے
اس سے کہ ہو وے اُس کے کوئی بیٹا اُسی کے لئے
ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ
کہ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کام
سنوارنے والا ﴿۱۶۹﴾

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (۱۷۰) وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (۱۷۱) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (۱۷۲) وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (۱۷۳) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (۱۷۴) يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۱۷۵)

ہرگز ننگ نہیں کرنے کا مسیح کہ ہو بندہ اللہ کا اور نہ مقرب فرشتے (۱۷۰) اور جو کوئی کہ ننگ کرے اُس کی بندہ ہونے سے اور تکبر کرے تو اُٹھا بلاویگا اُن کو اللہ اپنے پاس اکٹھا (۱۷۱) پھر وہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کئے ہیں پھر پورا دیگا اُن کو اُن کا اجر اور زیادہ دیگا اُن کو اپنے فضل سے اور وہ جنہوں نے ننگ کیا اور تکبر کیا تو اُن کو عذاب دیگا عذاب دکھ دینے والا (۱۷۲) اور وہ نہ پاوینگے اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار (۱۷۳) اے لوگو بیشک تمہارے پاس ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آئی ہے اور اُتارا ہے ہم نے تمہارے پاس نور روشن (یعنی قرآن) پھر وہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اُس کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے تو جلد داخل کریگا اُس کو اپنی رحمت میں اور فضل میں اور دکھائیگا اُن کو اپنی طرف کا سیدھا رستہ (۱۷۴) تجھ سے حکم پوچھتے ہیں کہہ کہ اللہ تم کو حکم دیگا کلالہ میں (باپ اور اولاد کے سوا جو وارث ہیں اُن کو کلالہ کہتے ہیں اور اُس شخص کو بھی کہتے ہیں جو مرگیا ہو اور اس کا باپ اور اُس کی اولاد میں سے کوئی وارث نہ ہو بلکہ اور رشتہ دار وارث ہوں) اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو اور اُس کی بہن ہو تو اُس کے لئے نصف حصہ ہے اُس چیز کا جو کچھ اُس نے چھوڑا ہے اور وہ یعنی بھائی بہن کے کل مال کا وارث ہوگا اگر نہ ہو اُس کے کوئی اولاد پھر اگر دو بہنیں ہوں تو اُن کے لئے دو ثلث ہیں اس میں سے جو اُس نے چھوڑا ہے اور اگر ہوں چند بھائی بہن مرد اور عورت تو مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر حصہ ہے ظاہر کرتا ہے اللہ تمہارے لئے گمراہی کو (تا کہ تم اس کو جان لو اور گمراہ نہ ہو) اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۱۷۵)

سُوْرَةُ الْمَائِدَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۚ
اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ
اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ
وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ
اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ
وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ
الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَرِضْوَانًا ② وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْ
كُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا
وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا
تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
الْعِقَابِ ③ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ
الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ
وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان
اے لوگو جو ایمان لائے ہو پورا کرو اقرار کو، حلال کئے گئے
ہیں تمہارے لئے چرنے والے چارپائے اُن کے سوا جن کو تم
سے بیان کرینگے (درحالیکہ تم) نہ حلال جاننے والے ہو شکار کو
جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو، بیشک اللہ حکم کرتا ہے جو چاہتا
ہے (۱) اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت توڑو اللہ کے مقرر
کئے ہوئے حکموں کو اور نہ حرمت والے مہینے اور نہ کعبہ کو لیجانے
والے جانور اور نہ گلے میں پٹے ڈالے ہوئے جانور اور نہ حرمت والے
گھر (یعنی کعبہ) کے جانیوالوں کے حکموں کو، کہ وہ چاہتے ہیں فضل
اپنے پروردگار سے اور اُس کی خوشنودی (۲) اور جب تم حرام
سے نکلو تو شکار کرو اور تم کو برانگیختہ نہ کرے دشمنی کسی قوم کی
اس سبب سے کہ روکتے تھے تم کو مسجد حرام میں جانے سے، کہ تم زیادتی
کرو، اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری میں
اور ایک دوسرے کی مدد مت کرو گناہ پر اور زیادتی
پر، اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ سخت عذاب کرنیوالا
ہے (۳) حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور
سور کا گوشت اور وہ جانور کہ (ذبح کے وقت)
اُس پر خدا کے سوا اور کسی کا نام پکارا گیا ہو

(۴) (حرمت علیکم) اس آیت میں جن چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے اُن میں سے
مرے ہوئے جانور اور خون اور سور کے گوشت اور اُس جانور کی حرمت کا بیان جو خدا کے سوا
اور کسی کے نام پر مارا جاوے سورہ بقر کی تفسیر میں گذرا (دیکھو تفسیر جلد اول صفحہ لغایت)
اور " ما اهل لغير الله " ہی کے حکم میں " وما ذبح على النصب ان تستقسموا بالازلام "
بھی داخل ہے نصب اور صنم دونوں ایک ہی چیز ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ صنم میں کوئی صورت
بنی ہوئی ہوتی ہے اور نصب میں کسی صورت کا بنا ہوا ہونا ضرور نہیں اکثر بت پرستوں میں رواج ہے
کہ ایک بن گھڑا پتھر کسی دیوتا کے نام پر نصب کر دیتے ہیں اور اُسی کی پرستش کرتے ہیں حالانکہ اُس میں

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ③	اور گلا گُھٹ کر، اور پھینکی ہوئی چیز لگ کر، اور اُوپر سے گر کر، اور سینگ لگ کر مر گیا ہو، اور وہ جانور جس کو درندہ نے کھالیا ہو، مگر جب کہ تم نے اُس کو حلال کر لیا ہو، اور وہ جانور جو تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو، اور تم اس لئے کہ اُسے کون سے فال نکالنے کو تیر ڈالو، یہ فسق ہے، آج کے دن وہ لوگ جو تمہارے دین سے منکر ہیں نا اُمید ہوئے پھر تم اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو ③

کوئی صورت کھُدی ہوئی نہیں ہوتی پس جو چیز غیر خدا کے نام پرستش کے لئے قائم کی جائے خواہ وہ صورت دار ہو یا بے صورت جیسے کرسید کا استھان یا شہید کا استھان یا سیتلا کا استھان وہ سب نصب میں داخل ہیں +

"وما اھل لغیر اللہ بہ" کے کہنے کے بعد "وما ذبح علی النصب" کہنے سے جو فرق ان دونوں میں ہے وہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مذبوح علے النصب کی حرمت میں ذبح کے وقت اھلال لغیر اللہ مشروط نہیں ہے، اُن کا وہ فعل ہی بروقت ذبح قایم مقام اھلال لغیر اللہ کے گیا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگوں نے کعبہ کے گرد بن گھڑے پتھر کھڑے کرلئے تھے اور اُن پر جانوروں کو چڑھایا کرتے تھے اور ذبح کرکے اُن کا خون اُن پتھروں کو لگا دیتے تھے جیسے ٹھیک ہندوستان کے بت پرست بعض دیبیوں کے مندروں پر جانوروں کو چڑھا کر مارتے ہیں پس یہ اُن کا فعل ہی قطعی ثبوت اس بات کا ہے کہ وہ ذبح تقرباً لغیر اللہ تھا اور اس لئے اُس کی حرمت کے لئے بروقت ذبح اھلال لغیر اللہ مشروط نہیں ہوا +

"وان تستقسموا بالازلام" کی تفسیر میں ہمارے مفسرین نے ایسی تفسیریں لکھی ہیں جن میں کوئی بھی اس مقام کے مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ جو جانور علے النصب ذبح ہوتے تھے اُن کی نسبت یہ قرار دینا کہ پوجاریوں میں سے کون لیوے ازلام کے ذریعہ سے ہوتا تھا جب ذبح علے النصب کی حرمت بیان ہوئی تو اُسی کے ساتھ جو فعل کہ اُس کے ساتھ کیا جاتا تھا اُس کو بھی بیان کیا ہے اُس کو اس مقام پر فال لینے یا استعلام بالغیب سے کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ وہ کوئی علیحدہ حکم ہے بلکہ ماذبح علے النصب ہی کا بیان ہے اور فعل استقسام کا وہی مفعول ہے اور تقدیر کلام یوں ہے کہ حرمت علیکم ماذبح علی النصب وان تستقسموھا بالازلام +

ٗ اذا اختلفوا فی الشیٔ لمن یکون اجالوا القداح واعطوہ من خرج لہ (شمس العلوم) +

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

آج کے دن میں نے کامل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پھر جو شخص بے قرار ہو بھوک میں بغیر مائل ہونے گناہ کی طرف تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے رحم والا ﴿۵﴾

اور موقوذۃ - اور متردیۃ - اور نطیحۃ - اور ما اکل السبع - کی حرمت بھی ایسی ہی ہے جیسے کہ میتہ کی اور میتہ کی حرمت کا بیان بھی سورہ بقر میں ہو چکا ہے صرف "منخنقۃ" پر بحث ہونی چاہئے +

خنق اور اختناق کے معنی حلق کے اس قدر گھُٹنے کے ہیں جس سے جاندار مر جاوے اور وہ تین طرح پر ہو سکتا ہے - یا تو انسان جانور کا گلا گھوٹ ڈالے - یا شکار کرنے میں اس کے گلے میں اس طرح پھندا پڑ جاوے کہ وہ گھٹ کر مر جاوے - یا کسی درخت کی ٹہنیوں میں گردن پھنس کر گلا گھٹ جاوے - جو چارپایہ جانور ان تینوں طرح میں سے جس طرح پر مر جاوے یا مارا جاوے حرام ہوتا ہے - کیونکہ ان تینوں حالتوں میں بسبب نہ خارج ہونے خون کے جو چارپاؤں میں کثرت سے ہوتا ہے اور جس کو دمِ مسفوح کہتے ہیں اس کی موت، موت طبعی کے مشابہ ہو جاتی ہے، اور وہ بہت سی باتوں میں مثل میتہ کے ہو جاتا ہے - جس کا بیان اوپر ہو چکا - مگر بحث باقی رہتی ہے طیور منخنقہ میں جن میں خونِ سیال نہایت کم ہے اور جس کا خارج ہونا یا نہ ہونا برابر ہے کہ آیا جب انسان نے اپنے قصد و ارادہ سے اُن کو گلا گھوٹ کر مارا ہو تو وہ بھی اس حکم حرمت میں داخل ہے یا نہیں +

یہ بحث مسلمانوں کی نسبت کچھ زیادہ قابل بحث نہیں ہے اس لئے کہ مسلمانوں کی نسبت بغرض مخالفت طریقہ شرک کے ہر ایک جانور کو خواہ چرند ہو خواہ پرند خدا کے نام پر ذبح کرنے کا حکم ہے پس اس حکم حرمت میں جو اس آیت میں منخنقہ کی نسبت ہے پرند داخل ہوں یا نہ ہوں اگر کسی مسلمان نے اس کا گلا گھوٹ کر مار ڈالا ہو تو اُس کا کھانا حرام ہوگا اس لئے کہ اُس کو ذبح کرنے کا حکم تھا اور اُس نے برخلاف اُس حکم کے اُس کو مارا ہے +

جہاں تک بحث ہے نسبت اہل کتاب کے ہے کہ اگر اہل کتاب نے کسی پرند جانور کو گلا گھوٹ کر مار ڈالا ہو اور پرند کو اس طرح مار کر کھانا وہ اپنے مذہب میں جائز سمجھتے ہوں تو آیا مسلمان کو اُس کا کھانا جائز ہے یا نہیں +

اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے تین امر کا بیان ضرور ہے - اول یہ کہ - آیت طیور منخنقہ

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ (۶)	تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز حلال کی گئی ہے اُن کے لئے کہدے کہ حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور (شکار) سدھے ہوئے شکاری جانوروں کا جن کو تم نے سکھایا ہے سکھاتے ہو تم اُن کو جو کچھ کہ تم کو اللہ نے سکھایا ہے پھر کھاؤ اُس شکار کو جس کو اُنہوں نے پکڑ رکھا تمہارے لئے اور لو اُس پر اللہ کا نام اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے (۶)

کی حرمت پر نص قطعی ہے یا نہیں ۔ دوسرے یہ کہ ۔ اگر نص قطعی ہے تو یہ حرمت اُس کی عین ذات سے علاقہ رکھتی ہے یا کسی امر خارجی سے ۔ تیسرے یہ کہ ۔ کوئی امر ہو اُس کی اگلی آیت نے جس میں ہمارے لئے طعام اہل کتاب کی حلت بیان ہوئی ہے طیور منخنقہ اہل کتاب کو حرمت سے مستثنیٰ کر دیا ہے یا نہیں ✦

امر اول کا تصفیہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ طیور منخنقہ کی حرمت پر نص صریح نہیں ہے اس لئے کہ اس آیت میں چار لفظ ہیں ۔ المنخنقة ۔ الموقوذة ۔ المتردية ۔ النطيحة ۔ ان چاروں لفظوں میں حرف تاء فوقانی موجود ہے اور بموجب محاورہ زبان عرب کے اس بات کا قرار دینا چاہئے کہ یہ "تے" کس قسم کی ہے اور چونکہ دوسری آیت قرآن مجید سے قسم "تے" کا تعین جو ان کلموں میں ہے نہیں پایا جاتا اس لئے اجتہاد سے اُس کا تعین کرنا پڑتا ہے ، پس اب یہ "تے" کسی قسم کی قرار دی جاوے اور کسی جانور کی حرمت کا مسئلہ اُس سے نکالا جاوے اُس کی حرمت منصوص نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ "تے" اُس قسم کی نہ ہو بلکہ دوسری قسم کی ہو اور اس قسم کے جانوروں کی حرمت پر حاوی نہ ہو ✦

مثلاً ہم قرار دیتے ہیں کہ ان چاروں لفظوں میں تاء تانیث ہے جیسا کہ اکثر مفسروں نے بھی قرار دیا ہے پس اس حالت میں بموجب محاورہ زبان عرب کے ضرور ہے کہ یہ چاروں لفظ صفت ہوں کسی موصوف محذوف مؤنث کی ✦

اب ہم کو دوسرا اجتہاد کرنا پڑا کہ وہ موصوف مؤنث محذوف کون ہے جس کو ہم قرار دیں بہرحال جس کو قرار دیں اُس کی حرمت البتہ اس آیت سے نکلیگی مگر اُس کی حرمت اجتہادی ہوگی نہ منصوصی ، کیونکہ ہم نے دو باتوں کو یعنی قسم "تے" کو اور موصوف محذوف کو نص قرآنی سے نہیں بلکہ صرف اپنے اجتہاد سے قایم کیا ہے ۔ امام فخر الاسلام رازی فرماتے ہیں کہ یہاں موصوف مؤنث محذوف (شاة) ہے کہ وہی اکثر کھانے میں آتی ہے اور باقی تمام جانور وں چرند و پرند کی حرمت کا اُس پر

ترجمہ	آیت
آج کے دن حلال کی گئیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور طعام اُن لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی ہے حلال ہے تمہارے لئے اور تمہارا طعام حلال ہے اُن لوگوں کے لئے اور (حلال کی گئیں تمہارے لئے) آزاد عورتیں مسلمانوں میں سے اور آزاد عورتیں اُن لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب کہ تم اُن کا مہر اُن کو دیدو پاک دامنی رکھنے کو اور نہ مستی بجھانے کو اور نہ پوشیدہ آشنائی رکھنے والی اور جو کوئی انکار کرے ایمان سے تو بیشک نابود ہوا اُس کا عمل اور وہ آخرت میں ہے ٹوٹے والوں میں سے ۵	اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۵

قیاس کیا جاتا ہے۔ قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے اس حالت میں پرند منخنقہ کی حرمت دو اجتہادوں اور ایک قیاس غیر منصوص العلۃ سے قرار پاویگی نہ نص قطعی سے ÷

مگر امام صاحب نے لاحق شاۃ کو موصوف مؤنث محذوف مانا ہے اگر وہ نفس کو موصوف مؤنث محذوف مانتے تو تمام منخنقہ جانوروں کی حرمت آجاتی اور بکرے کی حرمت پر باقی جانوروں کے قیاس کی حاجت نہ رہتی اور تقدیر کلام یہ ہوتی کہ حرمت علیکم النفس المنخنقۃ الخ اب قبول کرو کہ یہی اجتہاد صحیح ہے تو بھی پرند جانور کی حرمت دو اجتہادوں مذکورہ بالا سے قرار پاوے گی نہ نص قطعی سے ÷

اب ہم اس تے کو تاء تانیث نہیں قرار دیتے بلکہ تاء نقل و تحویل قرار دیتے ہیں جیسا کہ صاحب تفسیر بیضاوی نے قرار دیا ہے اور جو کہ یہ تے صفت کو اسم بنا دیتی ہے اس لئے کسی موصوف مؤنث محذوف کی تلاش کی حاجت نہیں رہتی اور جس پر اطلاق منخنقہ اور متردیہ وغیرہ کا ہوگا اُس کی حرمت اس آیت سے ثابت ہوگی مگر اُس کی حرمت کا ثبوت ایک اجتہاد سے یعنی حرف تا کو تاء نقل قرار دینے سے ہوگا نہ نص صریح قطعی سے ÷

ہمارے نزدیک ان چاروں کلموں میں تاء تانیث ہے اور موصوف مؤنث بہیمہ ہے یعنی مویشی یا چوپایہ یا چرند کے پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ حرمت علیکم البہیمۃ المنخنقۃ والبہیمۃ الموقوذۃ والبہیمۃ المتردیۃ والبہیمۃ النطیحۃ پس پرند اس حکم میں داخل نہیں ہیں ÷

خود قرآن مجید سے بوجوہات مفصلہ ذیل ثابت ہے کہ یہاں موصوف محذوف بہیمہ ہے

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِذَا قُمْتُمْ
إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ
وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا
بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى
الْكَعْبَيْنِ ⑧ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا
فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى
أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ
مِنَ الْغَآئِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ
فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا
طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ
وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ
لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ
يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ⑨

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم کھڑے ہو نماز کو
تو دھو اپنے مونہوں کو اور اپنے ہاتھوں کو
کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کو
اور دھو اپنے پاؤں کو ٹخنے تک ⑧
اور اگر تم ناپاک ہو تو نہالو اور اگر تم بیمار
ہو یا سفر پہ ہو یا کوئی تم میں سے ضروری
حاجت رفع کرکے آوے یا تم مساس کرو
عورتوں سے پھر تم پانی نہ پاؤ تو لو خاک پاک
کو اور مسح کرو اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں
کو اُس سے اللہ نہیں چاہتا کہ کرے تم
پر کچھ تنگی ولیکن چاہتا ہے کہ پاک کرے
تم کو اور تمام کرے تم پر اپنی
نعمت تا کہ تم شکر
کرو ⑨

اول یہ کہ خود قرآن مجید میں اسی آیت کے قبل شروع سورہ میں خدا نے فرمایا "احلت
علیکم بھیمۃ الانعام الا ما یتلیٰ علیکم" یعنی حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی
مگر وہ جو آگے بتا دینگے پس اس کے بعد جو حرام جانور باشارہ صفت مؤنث بتائے وہ خود خدا کے
فرمانے سے اسی استثناء کی تفصیل ہیں جن کی نسبت فرمایا تھا "الا ما یتلیٰ علیکم" نہ اور
کسی کی اور موصوف مؤنث محذوف بھی وہی بھیمہ ہے جس کی نسبت اوپر فرمایا تھا کہ - احلت
علیکم بھیمۃ الانعام - پس خود خدا نے صاف بتا دیا ہے کہ وہ موصوف مؤنث محذوف
بھیمہ ہے نہ اَور کوئی ✦

دوسرے یہ کہ منجملہ صفات چہارگانہ کے جو اس آیت میں مذکور ہوئیں اخیر دو صفتوں -
تردی - یعنی اوپر سے گر کر مر جانے اور - نطح - یعنی لڑنے میں سینگ کی چوٹ سے مر جانے کی
صفت سوائے بھیمہ یعنی چوپائے کے پرند میں متحقق ہی نہیں ہو سکتی باقی رہا - وقذ - یعنی لکڑی سے
یا لٹھ سے یا اَور کسی چیز سے مار ڈالنا اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی ممکن ہے مگر جو لوگ اگلے
زمانہ کی تاریخ سے اور جنگلی قوموں کے حالات سے اور خود عرب کے بیابان کے رہنے والوں
کی عادت سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ صرف چوپائے جانوروں کا اس طرح سے شکار

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾	اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے پر اور اُس کے قول قرار کو جو تم سے لیا ہے جب کہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ جاننے والا ہے دلوں کی بات کا ﴿۱۰﴾

ہوتا تھا کہ اُن کو گھیر کر لٹھوں سے مار ڈالتے تھے نہ پرند کا پس یہ صفت بھی درحقیقت حسب عادت عرب مختص بہایم سے ہے نہ پرند سے +

اب بحث طلب رہا۔ خنق۔ یعنی گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔ اگرچہ یہ فعل پرند کی نسبت بھی ممکن ہے مگر عرب میں چوپاؤں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا مروج تھا جس کی حرمت میں یہ آیت نازل ہوئی +

امام فخرالدین رازی صاحب، تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ " واعلم ان المنخنقة علی وجوہ منہا ان اہل الجاہلیة کانوا یخنقون الشاة فاذا ماتت اکلوھا ومنہا ما ینخنق بحبل الصائد ومنہا ما یدخل راسہا بین عودین فی شجرة فتختنق فتموت الخ" پس اس بیان سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ جو احکام اس آیت میں مذکور ہیں وہ بہیمہ کی نسبت ہیں نہ پرند کی اور اس لئے اس آیت سے طیور منخنقہ کی حرمت منصوص نہیں ہے البتہ ممکن ہے کہ قیاسی ہو +

اس تقریر پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر اس آیت میں اُس استثنا کی تفصیل ہے جس کا ذکر " الا ما یتلیٰ علیکم " میں ہے تو یہ آیت من اولہا الی اٰخرہا بہیمة الانعام ہی سے متعلق ہوئی پھر کلمہ میتة۔ والدم۔ وما اھل لغیر اللہ۔ وما اکل السبع۔ وما ذبح علی النصب۔ سے کیوں حرمت چرند و پرند کی لیجاتی ہے چاہئے کہ وہ بھی مخصوص بہ بہیمة الانعام ہو اور پرند اُس میں داخل نہ ہوں +

مگر یہ سوال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اُن تمام کلموں کا مفہوم عام ہے گو محل خاص ہو اس لئے بسبب اپنے مفہوم عام ہونے کے چرند و پرند دونوں کو شامل ہیں برخلاف منخنقة۔ وموقوذة ومتردیة۔ ونطیحة کے کہ بسبب صفت ہونے ایک موصوف محذوف کے نہ اُن کا مفہوم عام ہے اور نہ محل عام ہے اس لئے وہ سوائے جنس مستثنےٰ منہ کے اور کسی سے متعلق نہیں ہو سکتی +

دوسرے امر کے تصفیہ کے وقت ہم فرضاً تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ آیت طیور منخنقہ کی حرمت

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۳﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے انصاف سے ٹھیک گواہی دینے کو اور تم کو برانگیختہ نہ کرے دشمنی کسی قوم کی اس بات پر کہ عدل نہ کرو، عدل کرو وہی زیادہ قریب ہے پرہیزگاری کے لئے اور ڈرو اللہ سے بیشک اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو ﴿۱۱﴾ اللہ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں کہ اُن کے لئے بخشش اور اجر عظیم ﴿۱۲﴾ اور وہ لوگ جو کافر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں (یعنی احکام) کو وہی آگ میں جہنم (میں جانے) والے ﴿۱۳﴾

پر نص قطعی ہے۔ مگر یہ حرمت عین ذات طیور منخنقہ ماکول اللحم کی نہیں ہے بلکہ ایک فعل خارجی سے متعلق ہے اور جو حرمت کسی ماکول کی کسی امر خارجی سے ہوتی ہے تو وہ حرمت درحقیقت اُس فعل سے علاقہ رکھتی ہے نہ نفس ماکول سے مگر چونکہ ماکول فعل اکل سے منفک نہیں ہو سکتا اس لئے مجازاً ماکول پر بھی اطلاق حرمت کیا جاتا ہے۔ کوئی چیز جس کو خدا نے پاک بنایا ہے جب تک کہ اُس کی ذات میں تغیر واقع نہ ہو کسی خارجی فعل سے ناپاک نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی چیز جس کو خدا نے حرام بنایا ہے کسی فعل خارجی سے حلال نہیں ہو سکتی سُور نہ خدا کے نام سے ذبح کرنے پر پاک ہو سکتا ہے نہ شیطان کے نام ذبح کرنے سے۔ غریب بکری نہ لغیر اللہ ذبح کرنے سے ناپاک ہو سکتی ہے اور نہ علی النصب ذبح کرنے سے البتہ انسان کے افعال سے حرمت و حلت کا تعلق ہوتا ہے +

مثلاً ایک شخص نے کسی کے گیہوں چورا لئے تو اُس چوری کی وجہ سے وہ گیہوں فی نفسہ حرام نہیں ہو گئے کیونکہ اُن کی ماہیت میں کسی قسم کا تغیر نہیں آیا بلکہ اُن کا کھانا ایک فعل ممنوع ہے اسی طرح جب حلال جانور لغیر اللہ یا علی النصب ذبح کیا جائے تو ذات مذبوح میں کچھ حرمت نہیں لگ جاتی کیونکہ جیسا گوشت اُس کا اُس وقت تھا جب کہ وہ خدا کے نام سے ذبح کیا جاتا ویسا ہی اُس کا گوشت اب بھی ہے جب کہ وہ لغیر اللہ یا علی النصب ذبح کیا گیا ہے اگر یہ سبب شرک ہونے کے وہ فعل ممنوع ہوا ہے اور بنظر محفوظی شرک کے اس کا اکل بھی حرام کیا گیا ہے پس ایسی حالت میں حرمت حقیقۃً فعل اکل سے متعلق ہے اور ماکول پر مجازاً اس کا اطلاق ہوتا ہے +

میتہ ۔ اور بہایم منخنقہ ۔ و موقوذہ ۔ و متردیہ ۔ و نطیحہ ۔ اور ماکول السبع کا حال اس سے مختلف ہے کیونکہ بوجہ موت طبعی ۔ یا عدم اخراج دم مسفوح جو حرام ہے ۔ یا بسبب عدم علم کے فی الحال ماہیت اُس کے نفس ماہیت کا متغیر ہونا یقینی یا ظنی ہے، اور اس لئے وہ بذاتہ و بنفسہ حرام ہے۔ مگر طیور منخنقہ بفعل الانسان کا یہ حال نہیں ہے اور یہ کہنا کہ بسبب عدم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۴﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے پر جب کہ ایک قوم نے (یعنی جب کہ اہل مکہ نے بزمانہ ہجرت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں کے قتل کا ارادہ کیا تھا) قصد کیا کہ تم پر اپنی دست درازی کریں پھر روک دیا اُن کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرو اللہ سے اور اللہ پر چاہیئے کہ توکل کریں ایمان والے ﴿۱۴﴾

اخراج دم اُن کا حال بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ بہایم منخنقہ کا ایک محض مکابرہ وجدال ہے کیونکہ جو خون کہ بہایم میں ہے مقداراً وماہیتہً جس کے عدم اخراج سے تغیر نفس بہائم مذکور میں واقع ہوتا ہے کوئی سلیم العقل نہیں قبول کرسکتا کہ ویسا ہی طیور میں ہے اور اُس کے عدم اخراج سے تغیر اُس کی ذات میں واقع ہوتا ہے طیور و بہائم کا خون بالکل مختلف الاجزا و مختلف الترکیب ہے، مچھلی میں اور دریائی جانوروں میں بھی خون ہے مگر وہ طیور سے بھی زیادہ مختلف الترکیب اور مختلف الاجزا ہے پس جو امر کہ بہایم میں ہے اُس کا قیاس طیور پر صحیح نہیں ہے اور اس لئے حرمت طیور منخنقہ کی اُن کی عین ذات سے متعلق نہیں ہے بلکہ بسبب ایک امر خارجی کے ہے جو خلاف حکم ذبح خنق سے واقع ہوا ہے اور جب کہ یہ فعل ایک مسلمان کے ہاتھ سے واقع ہو جاوے تو بالذبح ہے تو گو اُس طیر منخنقہ کے نفس و ذات سے حرمت متعلق نہ ہو مگر اُس کا اکل یعنی فعل اکل حرام و ممنوع ہوگا +

تیسرے امر کے تصفیہ کے لئے ہم اُن دونوں امر سے قطع نظر کرتے ہیں اور جو فیصلہ اُن کا قرار دیا جاوے اُس کو تسلیم کرتے ہیں تو طیور منخنقہ کی حرمت عدم الذبح یا موت بالخنق قرار پاویگی مگر اگلی آیت میں خدا تعالے نے طعام اہل کتاب ہمارے لئے بلا کسی قید و شرط کے حلال کردیا ہے ۔پس جس طرح کہ اہل کتاب موافق اپنے اپنے مذہب کے اُس طعام کو جس کا عین ہمارے لئے حرام نہیں ہے اپنے لئے طیار کرتے ہیں اُن کا کھانا ہمارے لئے جائز ہے اور اگلی آیت یعنی "وطعام الذین اوتوا الکتب حل لکم" اُن تمام احکام میں سے جو نسبت ذبائح ہیں طعام اہل کتاب کو مستثنےٰ کر دیتی ہے پس باوصف تسلیم کرنے تمام باتوں کے جو امر اول و دوم سے علاقہ رکھتی ہیں طیور منخنقہ اہل کتاب کا کھانا حرام و ممنوع نہیں رہتا +

یہ صرف میرا ہی اجتہاد نہیں ہے بلکہ بہت سے علمائے متقدمین و محدثین کا بھی یہی اجتہاد و مذہب ہے ۔ابو داؤد میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ جو آیت ہے کہ " کلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ " اس سے طعام اہل کتاب

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۵﴾	اور بیشک لیا اللہ نے قول قرار بنی اسرائیل کا اور ہم نے اُٹھائے اُن میں سے بارہ سردار اور کہا اللہ نے کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم قایم رکھو نماز کو اور تم دیتے رہو زکوٰۃ کو اور تم ایمان لاؤ میرے رسولوں پر اور تم اُن کو مدد دو اور تم قرض دو اللہ کو قرض اچھا تو بیشک میں نیست کردونگا تم سے تمہارے گناہ اور بیشک داخل کرونگا میں تم کو جنت میں بہتی ہیں اُس کے نیچے نہریں پھر جو شخص کافر ہووے تم میں سے اُس کے بعد تو بیشک بھٹک گیا سیدھے رستہ سے ﴿۱۵﴾

مستثنے ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے " وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم " ✦

شعبی - اور عطا - اور زہری - اور مکحول - کا جو علمائے متقدمین میں سے ہیں یہ مذہب ہے کہ اگر عیسائی حضرت مسیح کے نام پر جانور ذبح کریں تب بھی اُس کا کھانا مسلمان کو جائز ہے ✦

معیار میں حضرت امام محی الدین ابن عربی کا فتوے اور ابو عبداللہ العجار کا مذہب نقل کیا گیا ہے کہ اگر عیسائی مرغی کی گردن مروڑ کر توڑ ڈالے تو اُس کا کھانا مسلمان کو درست ہے - احکام طعام اہل کتاب کی نسبت میرا ایک جداگانہ رسالہ ہے جس کو زیادہ تفصیل دیکھنی ہو اُس میں دیکھے ✦

(۸) (فاغسلوا وجوھکم) اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں طہارت کا ذکر ہے، کوئی شخص قرآن مجید کی آیتوں اور اُن حدیثوں سے جو طہارت کے باب میں ہیں یہ خیال نہیں کرسکتا کہ طہارت سے مقصود اصلی صرف منہ کا اور ہاتھ پاؤں کا دھونا یا کھانا یا ظاہری نجاست کا بہانا ہے بلکہ اُس سے اصلی مقصود اندرونی نجاستوں کا دور کرنا ہے ✦

حدیث میں آیا ہے کہ " بنی الدین علی النظافة " اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ " الطهور شطر الایمان " ظاہر ہے کہ ایمان ، دلی یقین قلبی یا اعتقاد کا نام ہے پس جو امر کہ دلی یقین یا قلبی اعتقاد پر مبنی ہو نہ اُس کی بنیاد ظاہری نظافت پر ہوسکتی ہے اور نہ ظاہری طہارت کا اُس کا جزو ہونا ممکن ہے ایمان ایک روحانی امر ہے اور اسی لیے روحانی نظافت اُس کی بنیاد اور روحانی طہارت اُس کا جزو ہوسکتی ہے ✦

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۹)

پھر بسبب توڑنے کے اپنا قول قرار لعنت کی ہم نے اُن کو اور کیا ہم نے اُن کے دلوں کو سخت پھیر دیتے ہیں کلام کو اُس کی جگہ سے اور بھول گئے ایک حصہ اُس کا جس کی نصیحت اُن کو کی گئی تھی اور ہمیشہ تو خبردار ہوتا رہیگا اُن کی کسی خیانت پر مگر اُن میں سے تھوڑے ہیں (یعنی جن میں خیانت نہیں ہے) پھر اُن کو معاف کر اور درگذر کر بیشک اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو (۱۹)

قرآن مجید میں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے " رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین " اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ " ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولٰکن یرید لیطھرکم " پس صاف ظاہر ہے کہ اللہ جس طہارت کو دوست رکھتا ہے وہ ہاتھ پاؤں پر پانی ڈالنا اور بدن پر پانی بہانا نہیں ہے بلکہ وہ دلی و روحانی طہارت ہے جس کو خدا دوست رکھتا ہے - ہاں ظاہری طہارت کا بھی اور بالتخصیص جب کہ کوئی شخص کسی عبادت میں بطور خصوصاً فرض عبادت میں مصروف ہو خدا نے حکم دیا ہے اور وضو کو شرط نماز یا طہارت کو مفتاح الصلوٰۃ قرار دیا ہے یہ حکم بھی مثل احکام محافظت کے ہے جو نماز سے علاقہ رکھتے ہیں جیسے قیام و قعود و سجدہ وغیرہ +

خدا تعالےٰ نے انسان کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے کہ وہ جو کچھ آنکھ سے دیکھتا ہے - کان سے سنتا ہے - ناک سے سونگھتا ہے - زبان سے چکھتا ہے - ہاتھ سے چھوتا ہے اُس کا اثر اُس کے دل پر پہنچتا ہے اور ایک خیال اُس میں پیدا ہوتا ہے جو اُس کے اخلاق پر اثر کرتا ہے انسان کے دل سے نکلنے والی چیزوں کی بہ نسبت وہ چیزیں بہت ہیں جو باہر سے انسان کے دل میں جاتی ہیں بلکہ ٹھیک ٹھیک یوں کہنا چاہیئے کہ جو کچھ انسان کے دل سے نکلتا ہے وہ وہی ہے جو باہر سے اُس کے دل میں جاتا ہے پس وضو نماز کے وقت جو ایک ظاہری فعل ہے روحانی طہارت کا خیال پیدا کرنے کو قرار دیا گیا ہے - صفائی و طہارت و نظافت تمام ظاہری چیزوں میں یہاں تک کہ لباس میں سواری میں مکان میں استعمالی چیزوں میں کھانے پینے میں بشرطیکہ وہ اعتدال سے تجاوز نہ ہو جاوے اور مالیخولیا کی حد تک نہ پہنچ جاوے اخلاق کی درستی و اصلاح پر نہایت مؤثر ہوتی ہے پس جب کہ وہ ایک فعل عبادت کے ساتھ لازم کردیجاوے تو درستی اخلاق اور روحانی طہارت پر اُس کا بہت زیادہ اور قوی اثر ہوجاتا ہے - اسی اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لئے اسلام نے

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۸﴾

اُن لوگوں میں سے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے اُن سے قول قرار لیا پھر بھول گئے ایک حصہ اُس کا جس کی نصیحت کی گئی تھی پھر ڈال دی ہم نے اُن کے درمیان میں دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک اور قریب ہے کہ خبردار کریگا اُن کو اللہ اُس سے جو وہ کرتے تھے ﴿۱۷﴾ اے اہل کتاب بیشک آیا ہے تمہارے پاس ہمارا پیغمبر بیان کرتا ہے تمہارے لئے بہت کچھ اُس سے جو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور درگذر کرتا ہے بہتیری سے بیشک تمہارے پاس آیا ہے اللہ کے پاس سے نور اور کتاب (ہر ایک بات کو) بیان کرنے والی ہدایت کرتا ہے اللہ اُس سے سلامتی کے رستوں کی اُس کو جو چاہتا ہے اُس کی رضامندی اور نکالتا ہے اُنکو اندھیروں میں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور اُن کو ہدایت کرتا ہے سیدھے رستہ کی ﴿۱۸﴾

نماز کے لئے ظاہری طہارت کو بھی شرط کیا ہے - نماز کے لئے اُن اعضا کا دھولینا مقرر کیا ہے جن کا دھونا مختلف اسباب سے زیادہ تر مناسب اور طہارت ظاہری کو بھی زیادہ تر مفید ہے حالت جُنب میں تمام بدن کا دھونا زیادہ تر طہارت کے مناسب ہے مگر پانی نہ ہونے کی حالت میں کسی ایسے فعل کا جو اندرونی طہارت کا خیال پیدا کرے اُس کے قایم مقام قرار دینا ضروری تھا اور اسی لئے ایسی حالت میں تیمم کا حکم دیا گیا ہے کہ ظاہری اعمال کا روح پر جب ہی اثر ہوتا ہے جب اُن کو روحانی نیکی کا یاد دلانے والا سمجھے - اور اگر صرف اُن ظاہری اعمال ہی کو مقصود اصلی سمجھ لے تو روحانی تربیت معدوم رہتی ہے کما نشاھدہُ فی زماننا ٭

اس بات میں بحث چلی آتی ہے کہ اعضاء وضو میں جن کے دھونے کا حکم ہے پاؤں بھی داخل ہیں یا نہیں - بلاشبہ قرآن مجید کے ایسے الفاظ ہیں جن سے اس بات کا قطعی یقین نہیں ہوسکتا کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے یا مسح کرنا - میرے نزدیک نہایت عمدہ اصول یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت موجود ہو جس کے دو معنی سمجھ میں آتے ہوں اور اُن دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین خود قرآن مجید سے نہ ہوتی ہو تو اُن دونوں معنوں میں سے جس معنی پر عمل کوئی کرے تو اس پر کوئی الزام نہیں ہو سکتا - بلکہ ہر ایک شخص مختار ہے کہ اُن معنوں میں سے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴿۱۹﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۱﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۲﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۲۳﴾

بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ وہ مسیح ہی ہے بیٹا مریم کا کہدے پھر کون مالک ہے اللہ سے کسی چیز کا (یعنی کون منع کر سکتا ہے اللہ کو) اگر وہ چاہے ہلاک کرے مسیح بیٹے مریم اور اُس کی ماں کو اور اُن کو جو زمین میں ہیں سب کو ﴿۱۹﴾ اور اللہ کے لیئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ کہ اُن دونوں میں ہے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۰﴾ یہودیوں نے اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم بیٹے اللہ کے ہیں اور اس کے دوست کہدے پھر کیوں تم کو عذاب کرتا ہے تمہارے گناہوں پر بلکہ تم انسان ہو اُسی قسم کے جس قسم کے اَور وں کو پیدا کیا ہے معاف کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ کے لیئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور اُسی کے پاس پھر جانا ہے ﴿۲۱﴾ اے کتاب والو بیشک آیا ہے تمہارے پاس ہمارا پیغمبر بیان کرتا ہے تمہارے لیئے ایسے وقت میں کہ رسولوں میں سے کوئی نہیں ہے تاکہ تم کہو نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ ڈرانے والا پس بیشک آیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۲﴾ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے کہ اے قوم یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے پر جب پیدا کیئے تم میں انبیا اور کیا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو وہ کچھ جو نہیں دیا کسی کو عالم کے لوگوں میں سے ﴿۲۳﴾

جس کو عمدہ یا مرجح سمجھے اُسے اختیار کرے پس جن لوگوں نے پاؤں پر صرف مسح کرنا فرض سمجھا ہے نہ اُن پر کچھ الزام ہے اور نہ اُن کے وضو میں کچھ نقصان ہے۔ مگر میری رائے میں پاؤں

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ

اے میری قوم داخل ہو مقدس زمین میں جس کو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور مت پھیرو اپنے پیٹھوں کو پھر ہو جاؤ گے ٹوٹا پانے والے (۲۱) اُنہوں نے کہا اے موسے اُس میں قوم ہے زبردست اور ہم ہرگز اُس میں نہ داخل ہونگے جب تک کہ وہ اُس سے نکل جاویں پھر اگر وہ وہاں سے نکل جاویں تو بیشک ہم داخل ہوں (۲۵) کہا دو شخصوں نے اُن لوگوں میں سے جو ڈرتے تھے (اللہ سے) انعام کیا تھا اللہ نے اُن دونوں پر گھس چلو اُن پر دروازے کی راہ سے جب تم اُس میں (یعنی دروازے) میں گھس گئے تو بیشک تم غالب ہو اور اللہ پر پھر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو (۲۶) اُنہوں نے کہا اے موسے بیشک ہم ہرگز نہ داخل ہونگے اُس میں کبھی جب تک کہ وہ اُس میں ہیں پھر جا تو اور تیرا پروردگار پھر دونوں لڑو ہم تو اسی جگہ بیٹھے ہیں (۲۷) موسے نے کہا اے پروردگار بیشک میں نہیں مالک ہوں بجز اپنی جان کے اور اپنے بھائی کے پس فرق کر ہم میں اور اس نافرمان قوم میں (۳۰) خدا نے کہا تو بیشک وہ (پاک زمین) حرام کی گئی اُن پر چالیس برس تک ڈانواں ڈول پھرینگے زمین میں پس غم نہ کھا اُوپر اُس نافرمان قوم کے (۲۹) اور اُن کو پڑھ سنا قصہ آدم کے دو بیٹوں کا ٹھیک طور پر جب وہ دونوں اللہ کی نذر کے لئے کچھ نذر لائے تو اُن میں سے ایک کی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی

وضو نے کو ترجیح ہے اور اسی لئے میں پاؤں دھونا فرض سمجھتا ہوں کیونکہ پاؤں کے ساتھ "الی الکعبین" کی حد لگا دی ہے جیسے کہ ہاتھوں کے دھونے کے ساتھ "الی المرافق"۔

قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اُس نے کہا کہ ضرور میں تجھ کو مار ڈالونگا اُس نے کہا اِس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ پرہیزگاروں کی (نذر) قبول کرتا ہے ﴿۳۰﴾ اگر تو میری طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیگا تاکہ مجھے مار ڈالے تو میں تیری طرف اپنا ہاتھ نہیں بڑھانیکا کہ تجھ کو مار ڈالوں بیشک میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے عالموں کا ﴿۳۱﴾

کی قید لگائی تھی اگر پاؤں پر صرف مسح ہی کرنے کا حکم ہوتا تو جس طرح سر کے مسح میں کوئی حد نہیں لگائی اسی طرح پاؤں کے مسح میں بھی کوئی حد نہ لگائی جاتی اور صرف یوں کہا جاتا کہ " وامسحوا برؤسکم وارجلکم " +

﴿۳۰﴾ (انما یتقبل اللہ من المتقین) آدم کے دونوں بیٹوں یعنی ہابیل اور قابیل کا قصہ بہت پرانے زمانہ سے مشہور چلا آتا ہے توریت میں بھی اس کا ذکر ہے قابیل نے جس کا نام توریت میں قاین ہے ہابیل کو مار ڈالا اس حسد سے کہ ہابیل کی نذر خدا نے قبول کی اور قابیل کی نذر خدا نے قبول نہیں کی +

غور طلب یہ بات ہے کہ ہابیل کی نذر کا قبول ہونا اور قابیل کی نذر کا قبول نہ ہونا کیونکر ہوا ۔ قرآن مجید میں کچھ اس کی تفصیل نہیں ہے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کھیتی کرنیکا پیشہ کرتا تھا اور ہابیل بکریوں اور بھیڑوں کے گلہ رکھنے کا اور اسی سبب سے قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار میں سے اور ہابیل نے اپنے گلہ کے نوزائیدہ بچوں میں سے خدا کی نذر دی تھی ۔ اُس کے بعد قابیل کی کھیتی میں پیداوار اچھی نہیں ہوئی ہوگی جیسا کہ اکثر ہوجاتا ہے ، اور ہابیل کی بکریوں اور بھیڑوں میں جن کے چرنے کے لئے جنگل اور گھاس اور غیر مزروعہ زمین بافراط موجود تھی بہت زیادہ برکت اور بڑھوتری ہوئی ہوگی جس کے سبب سے ایک کی نذر کا قبول ہونا اور دوسرے کی نذر کا قبول نہ ہونا تصور کیا گیا ۔ جیسا کہ اُن لوگوں کا خیال تھا اُسی طرح قرآن مجید میں فرمایا کہ " فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر " یہی امر ہے جو اس قصہ پر تاریخانہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے +

توریت میں بھی بجز اس کے کہ ہابیل کی نذر قبول ہوئی اور قاین کی نذر قبول نہیں ہوئی اور کچھ زیادہ تصریح نہیں ہے اُس میں لکھا ہے کہ " بعد از مرور ایامے ایں واقع شد کہ قاین از محصول زمین بخداوند ہدیہ آورد ۔ ے آورد و ہابیل نیز از اول زادہا ے گوسفندان خود ، از پیہ آں نہا آورد و خداوند ہابیل و ہم ہدیہ اورا قبول نمود اما قاین را و ہم ہدیہ اورا قبول نمود (کتاب پیدائش باب ۴ ورس ۴ - ۶) +

إِنِّي أُرِيدُ أَن تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ (۳۲) فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۳۳) فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ (۳۴) مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (۳۵)

بیشک میں چاہتا ہوں کہ تو اُٹھالے میرے (قتل کا) گناہ اور اپنے (اور) گناہ پھر تو ہو جاوے آگ (میں پڑنے) والوں میں سے اور یہی ہے سزا ظالموں کی (۳۲) پھر آسان کردیا اُس کے لئے اُس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل کو پھر اُس کو مار ڈالا پھر ہو گیا شامت والوں میں سے (۳۳) پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا کہ کرُھا کرتا تھا زمین میں تاکہ اُس کو دکھلاوے کہ کس طرح وہ چھپاوے اپنے بھائی کی لاش کو، اُس نے کہا کہ پھٹکار مجھ پر کیا میں اس لائق بھی نہ ہوا کہ ہوں مثل اس کوے کے تاکہ میں چھپا دیتا اپنے بھائی کی لاش کو، پھر ہو گیا ندامت والوں میں (۳۴) اسی سبب سے ہم نے لکھ دیا بنی اسرائیل پر (قصاص) کہ جس شخص نے کہ مار ڈالا کسی کو بغیر کسی کے مارڈالنے کے یا ملک میں فساد کرنے کے تو گویا کہ اُس نے مار ڈالا سب لوگوں کو، اور جس شخص نے زندہ رکھا کسی کو تو گویا کہ اُس نے زندہ رکھا سب آدمیوں کو (۳۵)

مگر عیسائی و یہودی عالموں نے اس واقعہ کو عجیب کراماتی واقعہ بنانے کے لئے کوشش کی اور یہ قرار دیا کہ ہابیل کی نذر اس طرح پر قبول ہوئی تھی کہ آسمان سے آگ اُتری اور ہابیل کی قربانی کو جلا دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ابراہیم نے قربانی کی تھی تو آفتاب کے غروب ہونے کے بعد جب اندھیرا ہوا تو قربانی کے جانوروں کے ٹکڑوں میں تنور دود کنندہ اور آتشی مشعل آئی تھی (پیدائش باب ۱۵ ورس ۱۷) +

اور جب حضرت موسٰے نے قربانی کی تو خداوند کی حضور سے آگ نکلی اور قربانی سوختنی کو جو مذبح پر رکھی ہوئی تھی جلا دیا (لویان باب ۹ ورس ۲۴) اُن کے نزدیک یہ آگ آدمیوں کی جلائی ہوئی نہ تھی بلکہ خدا نے جلائی تھی +

اور جب گدعون نے قربانی کی تھی اور اُس کو تھپر پر رکھ دیا تھا تو فرشتہ نے تھپر پر لکڑی ماری اور اُس میں سے آگ نکلی جس نے قربانی کو جلا دیا (قضات باب ۶ ورس ۲۱) ان کے نزدیک یہ آگ بھی تھپر میں سے نہیں نکلی بلکہ خدا کے پاس سے یا آسمان پر سے آئی تھی +

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۷﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۸﴾	اور بیشک اُن کے پاس آئے ہمارے رسول کھلے ہوئے احکام لے کر، پھر بیشک بہت اُن میں سے اُس کے بعد ملک میں زیادتی کرنے والے ہیں ﴿۳۲﴾ اس کے سوا کچھ نہیں کہ سزا اُن لوگوں کی جو مقابلہ کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول (کے حکموں) کا اور کوشش کرتے ہیں ملک میں فساد مچانے کی یہ ہے کہ مار ڈالے جاویں یا سولی پر کھینچے جاویں یا کاٹ ڈالے جاویں اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں مخالف طرف سے یا غائب کر دیئے جاویں ملک سے یہ ہے اُن کے لئے رسوائی دنیا میں اور اُن کے لئے ہے آخرت میں عذاب بڑا ﴿۳۷﴾ مگر جن لوگوں نے کہ توبہ کی اس سے پہلے کہ تم ان پر قدرت پاؤ تو جان لو کہ بیشک اللہ بخشنے والا ہے رحم والا ﴿۳۸﴾

اور جب ایلیاہ نے قربانی کی تھی تو بہت سی لکڑیاں چن کر قربانی کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کر لکڑیوں پر رکھ دیا تھا اور لکڑیوں پر بہت سا پانی ڈال کر ایک خندق میں بہا دیا تھا مگر جب ایلیاہ نے دعا کی کہ میری قربانی قبول ہو تو اُس وقت خدا نے آگ لکڑیوں میں ڈال دی تھی (اول سلاطین باب ۱۸ ورس ۳۰-۳۱) اُن کے نزدیک یہ آگ بھی خدا ہی نے آسمان پر سے ڈالی تھی کسی انسان نے نہیں جلائی تھی +

اور جب حضرت داؤد نے قربانی کی اور خدا سے دعا مانگی تو آسمان پر سے آگ اُتری اور قربانی کو جلا دیا (کتاب اول تواریخ باب ۲۱ ورس ۲۶) +

اور جب حضرت سلیمان نے قربانی کی تھی تب بھی آسمان پر سے آگ اُتری تھی (کتاب دوم تواریخ باب ۷ ورس ۱) +

ان قرینوں سے علمائے یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ جب کہ تمام قربانیاں آسمان کی آگ سے قبول ہوتی تھیں تو غالب ہے کہ ہابیل کی قربانی بھی اسی طرح قبول ہوئی ہوگی کہ آسمان سے آگ اُتری ہوگی اور اُس کو جلا دیا ہوگا۔ ہمارے علمائے مفسرین جو ان باتوں میں ٹھیک ٹھیک علمائے یہود کے مقلد ہیں اُنھوں نے یہودیوں سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا، یہودیوں نے تو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۰﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿۴۱﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اُس کی طرف وسیلہ اور کوشش کرو اُس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿۳۹﴾ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اگر ہو اُن کے لئے جو کچھ کہ زمین میں ہے سارا اور اُتنا ہی اور اُس کے ساتھ تاکہ اُس کو بدلے میں دیں قیامت کے دن کے عذاب سے اُن سے نہ قبول کیا جاویگا اور اُن کے لئے ہے عذاب دکھ دینے والا ﴿۴۰﴾ چاہینگے کہ نکلجاویں آگ سے اور وہ اُس سے نکلنے والوں میں نہیں ہیں اور اُن کے لئے عذاب ہے دائمی ﴿۴۱﴾

بطور ظن غالب اس بات کو لکھا تھا، مگر ہمارے علمانے بطور یقین اپنی تفسیروں میں لکھ دیا کہ آسمان سے آگ اُتری اور ہابیل کی نذر کو جلا دیا جیسے کہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ "فنزلت نار من السماء فاحتملت قربان هابيل ولم تحمل قربان قابيل" +

توریت کی آیتوں سے جو آسمان پر سے آگ اُترنے پر یہودیوں اور عیسائیوں نے غلط استدلال کیا ہے اُس پر بحث کرنا ہم اس مقام پر ضرور نہیں سمجھتے بلکہ اس مقام پر اُن کے تمام اقوال و استدلال ہم نے اس بات کے دکھلانے کو نقل کئے ہیں کہ قربانی یا نذر کے جلانے کو آسمان پر سے آگ کا اُترنا اسلام کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ علمائے اسلام نے یہودی اور عیسائی علما کی پیروی سے اُس کو مانا ہے اور مفسرین نے قرآن کی تفسیروں میں شامل کر دیا ہے اسلام ایسی بیہودہ باتوں سے پاک و مبرا ہے۔ یہودیوں میں قربانی سوختنی کی رسم ایسی ہی تھی جیسے کہ ہندوں میں ہوم کی رسم ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہ تھی آسمان پر سے آگ کا اُترنا اور قربانی کو جلانا محض غلط ہے اور نہ توریت سے اور نہ اُن ورسوں سے جو اوپر مذکور ہوئے آسمان پر سے قربانی کے جلانے کو آگ کا اُترنا ثابت ہوتا ہے +

﴿۳۵﴾ (من اجل ذلك) اس آیت میں بحث یہ ہے کہ "کتبنا" کا مفعول کیا ہے اکثر مفسرین نے "انه من قتل" کو اس کا مفعول قرار دیا ہے مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اُن مفسرین نے کتبنا کو بمعنی حکمنا لیا ہے اور جس جملہ کو بذریعہ لفظ "انه" کے اُس کا مفعول قرار دیا ہے اُس میں کوئی حکم مندرج نہیں ہے بلکہ وہ صرف بطور بیان کے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا
اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا
نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ﴿۴۲﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ
ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ
عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۳﴾
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ يُعَذِّبُ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۴﴾
يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ
الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ
مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ
وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ
الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ
سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ

اور چرانے والا اور چرانے والی (یعنی جنھوں نے چوری
کی ہو) پس اُن دونوں کے ہاتھ کاٹو اُس کی سزا میں
جو اُنھوں نے کیا ہے سزا اللہ کی طرف سے، اور اللہ
زبردست ہے حکمت والا ﴿۴۲﴾ پھر جو کوئی کہ توبہ کرے
اپنے ظلم کرنے کے بعد اور نیک چلن ہو جاوے تو بیشک اللہ
اُس کو معاف کرے گا، بیشک اللہ بخشنے والا ہے رحم والا ﴿۴۳﴾
کیا تو نہیں جانتا کہ بیشک اللہ اُسی کے لئے ہے
بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی، عذاب کرتا ہے
جس کو چاہتا ہے اور بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے
اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۴۴﴾ اے رسول
تجھ کو غمگین نہ کریں وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں
کفر میں (اور وہ) اُن لوگوں میں سے ہیں جو
اپنے مونہوں سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور نہیں ایمان
لائے اُن کے دل اور اُن لوگوں میں سے ہیں جو یہودی ہیں
سننے والے (یعنی تسلیم کرنے والے) ہیں جھوٹی بات کو،
سننے والے ہیں اور لوگوں کے لئے (یعنی بطور جاسوس کے)

یا بطور خبر کے ہے پس میرے نزدیک " کتبنا " کا مفعول محذوف ہے جو قرینہ مقام سے ظاہر
ہوتا ہے اور وہ لفظ قصاص ہے اور " انہ " بحذف لام علت قصاص کے حکم کی علت کو بیان کرتا
ہے اور ایسے مقام پر لام علت کا حذف کرنا کثرت سے کلام عرب میں جاری ہے پس تقدیر آیت کی
یوں ہے کہ کتبنا علے بنی اسرائیل القصاص لانہ من قتل نفسا بغیر نفس الخ +

قصاص کا حکم توریت میں متعدد جگہ موجود ہے۔ سفر اعداد باب ۳۵ ورس ۳۱ میں
لکھا ہے کہ " واز برائے جان قاتلے کہ واجب القتل است دیت گرفتہ مشود بلکہ کشتہ شود " اور
سفر لویان باب ۲۴ ورس ۱۷ میں ہے کہ " و کسے کہ نفسے از نفوس بنی آدم را بکشد البتہ کشتہ
شود " اور اُسی باب کے ورس ۲۱ میں ہے کہ " کشندہ مرد کشتہ شود " اور سفر خروج
باب ۲۱ ورس ۱۲ میں لکھا ہے کہ " کسے کہ مردے را چنداں بزند تا بمیرد البتہ باید
کشتہ شود " +

اور مندرجہ ذیل آیتیں قصاص کی جو توریت میں موجود ہیں نہایت مشہور و معروف

لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۴۵) سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ

نہیں آتے ہیں تیرے پاس (یعنی سوائے اس کام کے) بدل ڈالتے ہیں کلام کو پیچھے اس کے موقع سے، کہتے ہیں (یعنی اپنے دوستوں کو) کہ اگر تم کو یہ حکم دیا جاوے (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) تو اس کو قبول کرو اور اگر وہ حکم تم کو نہ دیا جاوے تو احتراز کرو، اور جس شخص کو خدا نے ارادہ کیا گمراہ کرنے کا تو ہرگز تو نہ پاویگا اس کے لئے اللہ سے کچھ یہ لوگ، وہ ہیں کہ اللہ نے نہیں چاہا ہے کہ پاک کرے ان کے دلوں کو، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں ہے بڑا عذاب (۴۵) سننے والے ہیں جھوٹی بات کو کھانے والے ہیں حرام (مال) کو، پھر اگر وہ آویں تیرے پاس تو ان میں حکم کر یا منہ پھیر لے ان سے،

اور زبان زد ہر خاص و عام ہیں ۔

"چشم بعوض چشم دنداں بعوض دنداں دست بعوض دست پا بعوض پا سوختن بعوض سوختن زخم بعوض زخم لطمہ بعوض لطمہ (خروج باب ۲۱ ورس ۲۴ و ۲۵) جان بعوض جان چشم بعوض چشم و دنداں بعوض دنداں و دست بعوض دست و پا بعوض پا دادہ شود" (سفر تورات مثنے باب ۱۹ ورس ۲۱) ۔

قرآن مجید میں اس آیت سے پہلے قابیل و ہابیل کا قصہ بیان ہوا ہے کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا اس قصہ کے بیان کرنے سے مقصد یہ تھا کہ قتل و خونریزی انسان میں قدیم سے چلی آتی ہے اور اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ جو شخص ناواجب کسی کا قتل کرے اس سے قصاص لیا جاوے پس الفاظ "من اجل ذلك" کے معنی جو اس آیت میں آئے ہیں نہایت صاف ہیں ہمارے مفسرین نے بے فائدہ ان الفاظ کی نسبت کج بحثی کی ہے ۔

اس کے بعد خدا تعالےٰ نے قصاص کا فائدہ بیان کیا ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ جس کسی نے کسی کو بغیر جان کے بدلے کے یا ملک میں فساد مچانے کے مار ڈالا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا یعنی ان کا قتل کر دینا جائز و روا قرار دیدیا اور جس نے جان کو زندہ رکھا یعنی قصاص کا حکم تعمیل کرنے سے بہتیری جانوں کو بچایا تو اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا کیونکہ قصاص

وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (۴۲) وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ (۴۳)	اور اگر تو اُن سے مُنہ پھیر لے تو ہرگز نہ نقصان پہنچا سکینگے تجھ کو کچھ ۔ اور اگر تو حکم کرے تو حکم کر اُن میں انصاف سے، بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو (۴۲) اور کیونکر وہ تجھ کو حکم بدینگے حالانکہ اُن کے پاس توریت ہے اُس میں اللہ کا حکم ہے پھر وہ پھر جاتے ہیں اُس کے بعد ، اور وہ نہیں ہیں ایمان والے (۴۳)

کے حکم سے زندہ بیگناہوں کی جان جانے سے محفوظ ہوگئی +

(۳۷) (انما جزاؤ الذین) اس آیت میں اُن لوگوں کے احکام بیان کئے ہیں جن کا قتل کرنا یا اُن کو اَور کسی قسم کی سزا دینا ضروری قرار دیا گیا ہے +

" یحاربون اللہ ورسولہ " سے صاف مراد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جو فطرت انسانی میں تمدن پیدا کیا ہے اور رسول نے بھی اُسی کے مطابق انسانوں کے لئے احکام تمدن صادر فرمائے ہیں اُن کے برخلاف کام کرنے کو خدا اور رسول سے جنگ کرنا فرمایا ہے +

" یسعون فی الارض فسادا " میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جو امن اور راحت اور تمدن میں خلل ڈالتے ہیں جیسے ڈاکا ڈالنے والے یا رستہ لوٹنے والے یا گھروں میں گھُس کر یا کوملِ دیکر چوری کرنے والے اور اُن کے لئے اس آیت میں یہ سزائیں بیان فرمائی ہیں ۔ یا قتل ۔ یا سولی پر لٹکا دینا ۔ یا اُن کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ ڈالنا ۔ یا قیدخانہ میں بند کر رکھنا ۔ مگر پہلی تین سزائیں صرف چوری کرنے والوں سے متعلق نہ تھیں اس لئے اگلی آیت میں فرمایا کہ چور کو جب سزا دے دی جاوے تو وہ صرف اُس کا ہاتھ کاٹنا ہوگی ۔ پس چور کے لئے صرف دو سزائیں باقی رہیں یا ہاتھ کاٹنا ۔ یا قیدخانہ میں بند کر رکھنا +

یہ سزائیں مختلف درجے کی ہیں اور ہر ایک سزا کو یا یہ یا یہ کرکے بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بلحاظ حیثیت و مقدار جرم کے وہ سزائیں مقرر کی گئی ہیں مثلاً ایسے شخص کے لئے جو فساد کرنے میں قتل کا بھی مرتکب ہوا ہو اُس کو قتل کی سزا دیجا دیگی ۔ اور جب کہ وہ قاتل بھی ہو اور ڈاکا زنی میں مشہور ہو جس کا خوف ملکوں میں پڑ رہا ہو اُس کو سولی پر لٹکا دینے کی سزا دیجاویگی تاکہ بہت سے لوگ دیکھ لیں اور واقف ہو جاویں کہ وہ بدذات مارا گیا ۔ اور جب کہ وہ ایسے ہوں کہ رستہ لوٹتے ہوں اور دُور دُور جا کر ڈاکا مارتے ہوں مگر اُنہوں نے کوئی خون نہ کیا ہو یا

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (۴۸)	بیشک ہم نے بھیجی ہے توریت اُس میں ہے ہدایت اور روشنی، حکم کرتے تھے اُس کے مطابق نبی جو خدا کے تابعدار تھے اُن لوگوں کے لئے جو یہودی تھے اور (حکم کرتے تھے) اہل اللہ اور عالم اُس کے مطابق جو اُن کو یاد رکھوایا گیا تھا اللہ کی کتاب سے اور وہ تھے اُس پر گواہ، پھر مت ڈرو آدمیوں سے اور ڈرو مجھ سے اور مت لو میرے حکموں کے بدلے مول تھوڑا، اور جو شخص کہ حکم نہ کرے اُس کے مطابق جو اللہ نے بھیجا ہے پھر وہی لوگ کافر ہیں (۴۸)

خون کرنا اُن پر ثابت نہ ہو تو اُن کو ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کی یا صرف ہاتھ کاٹنے کی سزا دیجاویگی، یا اُن کو قید خانہ میں بند کر رکھا جاویگا +

" او ینفوا من الارض " نفی بلد یا نفی من الارض کے معنی شہر سے یا ملک سے غائب کر دینے کے ہیں اور اس سے کسی خاص شہر یا کسی خاص ملک سے خارج کر دینا بھی سمجھا جا سکتا ہے مگر اس مقام پر یہ پچھلے معنی صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ ڈاکوؤں و قطاع الطریقوں اور چوروں کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں نکال دینے سے انسان اُن کے شر سے محفوظ نہیں رہ سکتے ۔ اِس لئے اس مقام پر " ینفوا " سے وہی پہلے معنی مراد ہو سکتے ہیں جن کو ہم نے الفاظ " غایب کر دینے " سے تعبیر کیا ہے ۔ اور اُس کا نتیجہ صرف قید کرنے سے حاصل ہوتا ہے ۔ پس قرآن مجید کے اُن الفاظ کا " او ینفوا من الارض " یہ مطلب ہوا کہ " او حبسوھم " یعنی یا " اُن کو قید کردو " ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ " النفی من الارض ھو الحبس " اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے " وھو اختیار اکثر اھل اللغۃ " اسی لئے ہم نے " ینفوا من الارض " کے معنی قید خانہ میں بند کرنے کے لئے ہیں +

ان آیتوں میں جو ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کا حکم ہے اور نیز اُس آیت میں جس میں چور کا صرف ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے وہ لازمی نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس کو لازمی سمجھا ہے اُنہوں نے استنباط مسائل میں غلطی کی ہے ۔ اول تو خود آیت ہی میں موجود ہے یا اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو یا قید خانہ میں بند کر رکھو پس اختیار ہے کہ دونوں سزاؤں میں سے جونسی سزا چاہو دو ۔ دوسرے جبکہ تمام فقہاء نے ایک مقدار مال مقرر کی ہے کہ جب اس قدر مالیت کا مال چرایا جائے تب ہاتھ کاٹا جاوے

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۹﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے اُن پر اُس میں (یعنی توریت میں) لکھا ہے کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا ویسا ہی بدلا[۹]، پھر جو کوئی اُس کو معاف کرے تو وہ اُس کے لئے کفارہ ہے، اور جو شخص کہ نہ حکم کرے اُس کے مطابق جو اللہ نے بھیجا ہے پھر وہی لوگ ظالم ہیں (۴۹) اور ہم نے اُن کے پیچھے بھیجا اُن کے پاؤں کے نشانوں پر عیسےٰ مریم کے بیٹے کو سچا بتلانے والا اُس چیز کو جو اُس کے آگے ہے توریت سے، اور دی ہم نے اُس کو انجیل اُس میں ہدایت ہے اور روشنی سچا کرتی ہے اُس چیز کو جو اُس کے آگے ہے توریت سے، اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے (۵۰)

اس سے لازم آتا ہے کہ اُنہوں نے چوری کی سزا میں ہاتھ کا کاٹا جانا لازمی قرار نہیں دیا کیونکہ قرآن مجید میں کوئی مقدار مال کی ہاتھ کاٹنے کے لئے بیان نہیں ہوئی ہے۔ تیسرے یہ کہ ایسے واقعے بھی پائے جاتے ہیں کہ صحابہ کے وقت میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا گیا اور صرف قید کیا گیا بلکہ اکثر ڈاکو سمجھتے تھے کہ اگر پکڑے جاوینگے تو قید کئے جاوینگے اور ہاتھ و پاؤں کاٹے جانے کا کسی کو خیال نہ تھا۔

حماسہ کی شرح میں لکھا ہے کہ، حریث بن عناب بن مضر ایک غلام کے چرا کر بیچ ڈالنے کے جرم میں مدینہ کے قیدخانہ میں قید کیا گیا تھا۔

ابو النشناس بنی تمیم کے قبیلہ کا ایک مشہور چور تھا اور رہزنی کیا کرتا تھا مروان کے عاملوں نے اُسے پکڑا اور قیدخانہ میں قید کیا گیا۔

عبد الرحمٰن ابن حاطب سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کا ناقہ چرایا حضرت عمر نے اول ہاتھ کاٹنے کی تجویز کی مگر اُس کو ملتوی کیا اور مدعی سے پوچھا کہ وہ کس قیمت کا تھا اُس نے چارسو درم قیمت بتلائی حضرت عمر نے اُس پر آٹھ سو درم کا جرمانہ کیا اور وہ درم مدعی کو دلوا دئے اور مجرم کو رہا کر دیا۔

حضرت علی مرتضےٰ کے وقت میں عمر بن کریب ایک مشہور چور تھا جو رہزنی کیا کرتا تھا

[۹] دیکھو کتاب خروج باب ۲۱ ورس ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و کتاب توریت مثنیٰ باب ۱۹ ورس ۲۱ -

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٥١﴾ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴿٥٢﴾	اور چاہئے کہ حکم کریں انجیل والے مطابق اُس کے جو بھیجا ہے اللہ نے اُس میں، اور جو شخص کہ حکم نہ کرے اُس کے مطابق جو بھیجا ہے اللہ نے تو وہی لوگ ہیں نافرمان (۵۱) اور ہم نے بھیجی ہے ہم نے تیرے پاس کتاب برحق سچا بتاتی ہے اُس کو جو آپ کے آگے ہے کتاب سے (یعنی توریت و انجیل سے) اور اُس کی محافظ، پس تو اُن میں حکم کر مطابق اُس کے جو اُتارا ہے اللہ نے اور نہ پیروی کر اُن کی خواہش کی برخلاف اُس کے جو آیا ہے تیرے پاس سچ سے ہر ایک کے لئے ہم نے تم میں سے مقرر کی ہے شریعت اور رستہ (۵۲)

اُس کے گرفتار کرنے کو حضرت علی نے شمیط کے بیٹوں کو بھیجا مگر وہ بھاگ گیا اور گرفتار نہ ہوا تب عمر بن کریب نے یہ اشعار کہے :-

ولما ان دایت ابنی شمیط بسکۃ طئ والباب دونی
تجللت العصا وعلمت انی رھین مخیس ان ادرکونی
ولو انی لبثت بھم قلیلا لجرونی الی شیخ بطین
شدید مجامع الکتفین باق علی الحدثان مختلف الشوون

ان اشعار سے صاف پایا جاتا ہے کہ عمر بن کریب کا یہ خیال تھا کہ اگر وہ پکڑا گیا تو قید خانہ میں جس کا نام مخیس تھا قید کیا جاویگا ۔

مخیس ایک قید خانہ کا نام تھا جس کو حضرت علی نے بنایا تھا پہلی دفعہ انہوں نے بانسوں کا قید خانہ بنایا تھا اور نافع اُس کا نام رکھا تھا اُس میں سے چور کو ملی لگا کر نکل گئے تب انہوں نے دوسرا مضبوط قید خانہ بنایا اور مخیس اُس کا نام رکھا اور یہ شعر کہے ۔

اما ترانی کیسا مکیسا بنیت بعد نافع مخیسا
بابا حصینا وامینا کیسا

ایک معترض کہ سکتا ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا اُس سے اس بات کی ضرور تسلیم لازم آتی ہے کہ قرآن مجید نے سرقہ کی علت میں عضو انسان کا کاٹنا بھی جائز رکھا ہے جو نہایت سخت اور وحشیانہ اور بے رحمانہ خلاف انسانیت سزا ہے اور خدا کی شان سے ایسی سزا کا جائز رکھنا نہایت بعید ہے بعضوں کا قول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ سزا دیجاتی تھی جیسا کہ تاریخ ابو الفدا میں لکھا ہے مگر زمانہ جاہلیت میں اُس کا رواج ہوتا تمانہ اسلام میں بھی اُس کے جائز رکھنے کی نہ دلیل ہو سکتا

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (۵۳) وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ (۵۴) اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۵۵) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاۗءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۵۶)

اور اگر چاہتا اللہ تو کر دیتا تم کو ایک امت لیکن چاہتا ہے کہ تم کو آزمائے اُس میں جو تم کو دی ہے پھر سبقت کرو نیکی میں اللہ کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر بتاویگا تم کو جس میں تم اختلاف کرتے تھے (۵۳) اور یہ کہ حکم کر اُن میں مطابق اُس کے جو بھیجا ہے اللہ نے اور نہ پیروی کر اُن کی خواہشوں کی؛ اور اُن سے ڈر کہ دِقت میں نہ ڈالیں تجھ کو بعض اُن حکموں (کے نہ بجا لانے) سے جو بھیجے ہیں اللہ نے تیرے پاس، پھر اگر وہ پھر جاویں تو جان لے کہ اُس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ اُن کو عذاب دے اُن کے بعض گناہوں کے سبب اور بیشک لوگوں میں سے اکثر نافرمان ہیں (۵۴) کیا پھر جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں، اور کون ہے اللہ سے بہتر حکم کرنے میں اُن لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں (۵۵) اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست بعض اُن کے دوست ہیں بعض کے، اور جو تم میں سے دوستی کرے اُن سے تو بیشک وہ انہیں میں سے ہے۔ بیشک اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالموں کی قوم کو (۵۶)

ہے اور نہ اسلام اُس وحشیانہ سزا کے جائز رکھنے کے الزام سے بری ہو سکتا ہے +

مگر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں جس طرح کہ مختلف سزاؤں کا بیان ہوا ہے اور جس طرح کہ وہ مختلف حیثیت اور مقدار جرم سے علاقہ رکھتی ہیں اُسی طرح زمانہ کی حالت سے بھی اُن کا تعلق رکھنا اُن کے احکام کے ضمن میں پایا جاتا ہے جس زمانہ میں کہ ملک کی یا قوم کی ایسی حالت ہو کہ قید خانوں کا انتظام ناممکن ہو اور نہ ایسے جزائر پر دست رس ہو جہاں مجرم جلاوطن کر کے قید کئے جا سکیں تو اُن جرموں کے موقوف کرنے کے لئے اور تمام خلق اللہ کو امن دینے کے لئے بالاضطرار سزاے بدنی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے گو کہ وہ ایک وحشیانہ

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿۵۷﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿۵۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۹﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۶۰﴾

پھر تو دیکھتا ہے اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے (یعنی نفاق)، گھُسے جاتے ہیں اُن میں کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم کو کوئی مصیبت پہنچے، پس قریب ہے کہ اللہ دیوے فتح یا کوئی اور شے اپنے پاس سے، پھر وہ ہو جاویں گے اُس پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپایا ہے شرمندہ ﴿۵۷﴾ اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کیا یہی ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی اللہ کی اپنی سخت قسمیں کہ بیشک وہ تمہارے ساتھ ہیں، نابود ہو گئے اُن کے عمل پھر ہو گئے نقصان اُٹھانے والوں میں ﴿۵۸﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو کوئی پھر جاوے تم میں سے اپنے دین سے تو جلد بلاویگا اللہ ایک قوم کو کہ دوست رکھتا ہے اُن کو اور وہ دوست رکھتے ہیں اُس کو متواضع ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور سخت گیر ہیں کافروں کے ساتھ، کوشش کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ خوف کریں گے ملامت کرنے والوں کی ملامت سے، یہ ہے فضل اللہ کا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ وسیع نعمت والا ہے جاننے والا ﴿۵۹﴾ اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارا دوست اللہ اور اُس کا رسول ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں جو پڑھتے رہتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ کو اور وہی رکوع کرنے والے ہیں ﴿۶۰﴾

سزا ہو مگر مجبوری اختیار کی باقی ہے۔ نہایت شایستہ ملکوں میں بھی بحالت مجبوری سزائے بدنی دیجاتی ہے بید کی سزا بھی ایسی ہی وحشیانہ سزا ہے مگر قید خانے اس قدر کثیر مجرموں کے قید کرنے کو کافی نہیں ہوتے تو مجبوری سزائے بدنی دیکر چھوڑ دیا جاتا ہے پس قرآن مجید نے اور نیز حضرت موسیٰ نے مجبوری کی حالت میں اُس سزائے بدنی کو جائز رکھا ہے مگر جب کہ ملک میں تسلط ہو اور قید خانوں کا انتظام موجود ہو تو قرآن مجید کی رو سے اس سزائے بدنی کا

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۶۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۵﴾

اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں تو بیشک اللہ کا گروہ وہی غلبہ پانیوالے ہیں ﴿۶۱﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو دوست مت بناؤ اُن لوگوں کو جنہوں نے بنایا ہے تمہارے دین کو ٹھٹھا اور کھیل اُن لوگوں میں سے جن کو دی گئی ہے کتاب تم سے پہلے اور کافروں کو، اور ڈرو اللہ سے اگر تم ایمان والے ہو ﴿۶۲﴾ اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لیئے تو بناتے ہیں اُس کو ٹھٹھا اور کھیل، یہ اس لئے کہ بیشک وہ قوم ہیں کہ سمجھتے نہیں ﴿۶۳﴾ کہدے کہ اے کتاب والو کیا تم ہم پر اس کے سوا کچھ عیب پکڑتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اُس پر جو ہمارے پاس بھیجا ہے اور اُس پر جو اس سے پہلے بھیجا گیا تھا اور تم میں سے بہت سے فاسق ہیں ﴿۶۴﴾ کہدے کیا میں تم کو اس سے زیادہ بدتر خدا کے پاس سے سزا کی کیا خبر دوں کہ جس پر خدا نے لعنت کی اور اس پر غصہ ہوا اور اُن میں سے بندر و سوّر اور شیطان پوجنے والے بنادیئے وہی لوگ بدتر جگہ میں ہیں اور بڑے گمراہ سیدھے رستے سے ﴿۶۵﴾

دینا کسی طرح جائز نہیں ہے بلکہ صرف وہی سزا بیجا ویگی جو سب سے اخیر بیان ہوئی ہے اور جس کو بلفظ "او ینفوا من الارض" بیان کیا ہے اور اُس کے بعد کسی اور سزا کا بیان نہیں ہے ـ صرف ایک جرم میں یعنی زنا میں سزا سے بدنی کا دیا جانا فطرت انسانی کے مطابق ہے کیونکہ جیسا وہ جرم تمتعات نفسانی سے علاقہ رکھتا ہے ویسی ہی اُس کی سزا بھی تکلیف نفسانی سے ہونی چاہیئے پس اسلام نے بھی سوا سے حالت مجبوری کے بجز زنا کے اَور کسی جرم میں سزائے بدنی کو جائز نہیں رکھا ہے +

اب باقی رہا معاف کرنا اُس کی نسبت نہایت عمدہ لفظ "قبل ان تقدروا علیہم" قرآن مجید میں آیا ہے ہر ایک ڈاکو جو درحقیقت ڈاکہ زنی کر لے یا ایک چور جو درحقیقت چوری کا پیشہ

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْھٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَھُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور بیشک وہ کفر میں پڑے ہوئے ہیں اور بیشک وہ کفر ہی میں نکلے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں (۶۶) اور تو اُن میں کے بہت سوں کو دیکھتا ہے کہ گناہ کرنے اور زیادتی کرنے اور حرام کھانے میں کوشش کرتے ہیں البتہ بُرا ہے جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں (۶۷) کیوں نہیں اُن کو منع کرتے اُن کے خداپرست اور اُن کے عالم اُن کو گناہ کی بات کہنے اور اُن کو حرام کھانے سے البتہ بُرا ہے جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں (۶۸) یہودیوں نے کہا کہ خدا کے ہاتھ بند ہیں (یعنی ہم کو فراخی نہیں دیتا) اُنھی کے ہاتھ بند ہو گئے ہیں اور جو کچھ اُنھوں نے کہا اُس پر اُن کو لعنت کی گئی ہے بلکہ خدا کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں دیتا ہے جس طرح کہ چاہتا ہے اور البتہ اُن میں سے بہت سوں میں نافرمانی و کفر کو وہ چیز زیادہ کرے گی جو تیرے پاس تیرے پروردگار کے پاس سے بھیجی گئی ہے اور ہم نے اُن میں (یعنی یہودیوں و عیسائیوں میں) عداوت اور بغض قیامت کے دن تک ڈال دیا ہے جب کبھی وہ (مسلمانوں سے) لڑائی کے لئے آگ جلاتے ہیں اللہ اُس کو بجھا دیتا ہے اور ملک میں فساد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (۶۹)

رکھتا ہے اور اُس کے ڈاکو یا چور ہونے میں کسی کو شبہ نہیں مگر بسبب نہ دستیاب ہونے ثبوت کے ہم اُس کے سزا دینے پر قادر نہیں ہیں پس اگر قبل ہماری قدرت سزا دینے کے وہ ڈاکو اور چور اپنے پیشہ کو چھوڑ دے اور صلاحیت قبول کرے اور نیک چلن ہو جاوے تو اُس کے گذشتہ افعال سے درگذر کرنا ایک ایسا امر ہے جس کی مخالفت نہ انصاف کر سکتا ہے اور نہ کوئی قانون، یہی عمدہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں اُس کی نسبت بیان ہوئے ہیں +

(۴۲) (والسارق والسارقة) سیبویہ کا قول ہے کہ "والسارق والسارقة" مبتدا ہے اور اُس کی خبر محذوف "حکمهما فیما یتلی" ہے اور "فاقطعوا ایدیهما" جداگانہ جملہ ہے +

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ (۷۰) يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۷۱) قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (۷۲)

اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو البتہ ہم مٹا دیتے اُن کے گناہ اور بیشک اُن کو داخل کرتے نعمت کی جنت میں اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور جو کچھ کہ بھیجا گیا تھا اُن کے پاس اُن کے پروردگار سے (یعنی اُس کے مطابق عمل کرتے) تو بیشک کھاتے (یعنی نعمتیں) اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے (یعنی آسمان زمین سے) اُن میں سے ایک گروہ ہے ٹھیک راہ پر چلنے والا اور اُن میں سے بہت ہیں کہ بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں (۷۰) اے پیغمبر پہنچا دے (لوگوں میں) جو کچھ کہ بھیجا گیا ہے تیرے پاس تیرے پروردگار سے اور اگر تو نہ کرے تو تو نے اُس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ بچاویگا تجھ کو آدمیوں سے بیشک اللہ نہیں ہدایت کرتا کافروں کی قوم کو (۷۱) کہدے اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم قایم کرو توریت کو اور انجیل کو اور جو کچھ کہ تمہارے پاس بھیجا گیا ہے تمہارے پروردگار سے اور البتہ اُن میں سے بہتوں میں نافرمانی اور کفر کو وہ چیز زیادہ کر دے گی جو تیرے پاس تیرے پروردگار سے بھیجی گئی ہے پھر تو مت غم کھا کافروں کی قوم پر (۷۲)

سارق کے احکام کو جدا بیان کرنے کی یہی وجہ تھی کہ اس سے پہلی آیت میں جو الفاظ "یسعون فی الارض فسادا" آئے تھے اُس میں سارق بھی شامل تھے مگر جو احکام سزائے بدنی کے وہاں بیان ہوئے تھے وہ سرقہ محض سے متعلق نہ تھے اس لئے اُس کی نسبت علیحدہ حکم بیان کرنے کی ضرورت ہوئی پس جب ان دونوں آیتوں پر یکساں غور کی جاوے تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ سرقہ محض میں یا سارق کا ہاتھ کاٹا جاویگا جب کہ ملک و قوم کی حالت ایسی ہو کہ قید خانوں کا انتظام نہ ہو یا قید خانہ میں قید کیا جاویگا جب کہ وہ موجود ہوں +

ایک یہ بحث پیش آئی ہے کہ مکرر سرقہ کرنے کی حالت میں دوسرے ہاتھ کا بھی کاٹا جانا جائز

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا
وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ﴿۷۳﴾ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ
بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ
رُسُلًا كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ
بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُهُمْ فَرِيقًا
كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿۷۴﴾
وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا
وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ
وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۷۵﴾
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ
هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ
الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا
اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ
يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ
وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۷۶﴾
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ
ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ
وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ
لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جو یہودی ہیں اور صابی اور
عیسائی اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور آخیر دن
پر اور عمل کرے اچھے تو اُن پر کچھ خوف نہیں اور
نہ وہ غمگین ہونگے ﴿۷۳﴾ بیشک ہم نے عہد لیا
بنی اسرائیل سے اور ہم نے اُن کے پاس رسول
بھیجے جب اُن کے پاس کوئی رسول آیا اُس کے
ساتھ جس کو اُن کے نفس نہیں چاہتے تھے تو
کسی کو وہ جھٹلاتے تھے اور کسی کو مار ڈالتے
تھے ﴿۷۴﴾ اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بُرائی نہ
ہوگی پھر وہ اندھے ہوئے اور بہرے ہوگئے پھر معاف کیا
اُن کو اللہ نے پھر اُن میں سے بہت سے اندھے ہوگئے
اور بہرے ہوئے اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ کرتے
کرتے ہیں ﴿۷۵﴾ بیشک وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے
کہا کہ بیشک اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح
نے کہا اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو ہے میرا
پروردگار اور تمہارا پروردگار ہے بیشک جس شخص
نے شرک کیا اللہ کے ساتھ تو بیشک حرام کی اللہ
نے اُس پر جنت اور اُس کی جگہ ہے آگ اور
ظالموں کے لئے کوئی مدد کرنے والا
نہیں ﴿۷۶﴾ بیشک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں
نے کہا کہ بیشک اللہ تین میں کا تیسرا ہے
اور نہیں ہے کوئی معبود بجز خدائے واحد کے اور اگر وہ
نہ باز آویں اُس سے جو وہ کہتے ہیں تو البتہ چھوئیگا
اُن لوگوں کو اُن میں سے جو کافر ہوئے عذاب
دکھ دینے والا ﴿۷۷﴾

ہے یا نہیں اس پر متقدمین کو بھی شبہ رہا ہے اور بعض دفعہ اُس پر عمل ہُوا ہے مگر میں نہایت
طمانیت سے کہ سکتا ہوں کہ مکرر سرقہ کرنے کی حالت میں قرآن مجید میں دوسرے ہاتھ یا پاؤں

اَفَلَا يَتُوۡبُوۡنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيۡقَةٌ ؕ كَانَا يَاۡكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ انۡظُرۡ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۷۵﴾ قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَـكُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۷۶﴾ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ غَيۡرَ الۡحَـقِّ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوۡا لَا يَتَـنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡكَرٍ فَعَلُوۡهُ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۹﴾

کیا معافی نہیں چاہتے اللہ ہی اور بخشش نہیں مانگتے اُس سے اور اللہ بخشنے والا ہے رحم والا ﴿۷۸﴾ نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر ایک رسول بیشک گذرے ہیں اُس سے پہلے بہت سے رسول اور اُس کی ماں سچے دل سے خدا کی ماننے والی ہے وہ دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ کس طرح ہم اُن کے لئے بیان کرتے ہیں نشانیاں پھر دیکھ کہاں سے وہ پلٹائے جاتے ہیں ﴿۷۹﴾ کہدے کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اُس کی جو نہیں قدرت رکھتا تمہارے لئے کسی ضرر کی اور نہ کسی نفع کی اور اللہ وہی سُننے والا ہے جاننے والا ﴿۸۰﴾ کہدے اے اہل کتاب زیادتی مت کرو اپنے دین میں ناحق اور پیروی مت کرو ایسی قوم کی خواہشوں کی جو بیشک گمراہ ہوئی اس سے پہلے اور گمراہ کیا بہتوں کو اور گمراہ ہوئے سیدھے رستہ سے ﴿۸۱﴾ لعنت کی گئی ہے اُن لوگوں پر جو بنی اسرائیل میں سے کافر ہوئے داؤد اور عیسیٰ مریم کے بیٹے کی زبان سے یہ اس لئے کہ اُنہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے بُرے کام سے جو وہ کرتے تھے البتہ بُرا تھا جو وہ کرتے تھے ﴿۸۲﴾

کے کاٹے جانے کا ہرگز حکم نہیں ہے جنہوں نے اُس پر عمل کیا ہے اُن سے اجتہاد میں خطا ہوئی ہے کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ اگر یہ جائز ہو تو تیسرے یا پانچویں جُرم سرقہ میں کیا کیا جاویگا +

ڈاکوؤں اور رہزنوں کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں اور چور کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالنا اُن کو اُن جرائم کے ارتکاب سے ایک مناسب حد تک معذور کر دینا ہے۔ اور اُس سے زیادہ خدا کی حکمت کو باطل کرنا اور اُن کو انسان سے ایک مضغہ بنا دینا ہے جو فطرت اللہ کے برخلاف

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓي اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۷﴾

تو دیکھتا ہے اُن میں سے بہتوں کو کہ دوستی کرتے ہیں اُن لوگوں سے جو کافر ہیں، البتہ بُرا ہے جو اُن کے لئے آگے بھیجا ہے اُن کے نفسوں نے کہ غصے ہوا اللہ اُن پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں ﴿۸۳﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم) پر اور اُس پر جو بھیجا گیا ہے اُس کے پاس تو نہ بناتے اُن کو دوست لیکن اُن میں سے بہت فاسق ہیں ﴿۸۴﴾ البتہ تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمنی میں اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں یہودیوں کو اور اُن لوگوں کو جو مشرک ہیں اور البتہ تو پاویگا اُن سب سے زیادہ نزدیک دوستی میں اُن لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ بیشک سلہ ہم نصاریٰ ہیں اِس لئے کہ اُن میں عالم اور درویش ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے ﴿۸۵﴾ اور جس وقت کہ سنتے ہیں جو بھیجا گیا ہے اُس رسول کے پاس تو دیکھتا ہے کہ اُن کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں آنسوؤں سے بسبب اُس کے کہ جان لیا انہوں نے سچ کو، کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے پھر ہم کو لکھ لے شاہدوں کے ساتھ ﴿۸۶﴾ اور کیا ہے ہم کو کہ ہم ایمان نہ لاویں اللہ پر اور اُس پر جو ہمارے پاس آیا ہے سچ، اور کیوں ہم طمع نہ کریں کہ داخل کرے ہم کو ہمارا پروردگار نیک لوگوں کے ساتھ ﴿۸۷﴾

ہے +

﴿۸۶﴾ (ذات جاؤک) عرب میں جس قدر لوگ بستے تھے وہ اپنے اپنے گروہ کے سردار کے بطور رعیت محکوم تھے وہی سردار اُن پر حاکم ہوتا تھا اور تمام خصومات اور جنایات کا وہی

سلہ نصر نصره على عدوه نصرا اعانه اليه والاسم النصرة والنصير المعين مثل انا صر وجمعه انصار كشريف واشراف والنصارى جمع نصران ونصرانة كالندامى جمع ندمان وندمانة (جواهر القرآن) +

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (۸۸) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۸۹) وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (۹۰) لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۹۱)

پھر ان کو بدلا دیا اللہ نے اس کا جو کہتے تھے جنتیں بہتی ہیں اُس کے نیچے نہریں ہمیشہ رہینگے اُس میں یہ ہے بدلا نیک کام کرنے والوں کا، اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ لوگ ہیں جہنم میں رہنے والے (۸۸) اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت حرام کرلو پاکیزہ چیزوں کو جو حلال کیا ہے خدا نے تمہارے لئے اور زیادتی مت کرو، بیشک اللہ نہیں دوست رکھتا زیادتی کرنے والوں کو (۸۹) اور کھاؤ جو کچھ کہ دیا ہے تم کو اللہ نے حلال اور پاکیزہ اور ڈرو اللہ سے جس پر کہ تم ایمان لائے ہو (۹۰) نہیں عذاب دیگا تم کو اللہ بغیر قصد کے تمہارے قسم کھا لینے میں لیکن عذاب دیگا تم کو اُن قسموں پر جو تم نے باندھی ہیں پھر (اگر توڑ دو تو) اُس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اوسط درجہ کا کھانا جو تم اپنے کنبہ کو کھلاتے ہو یا (دس مسکینوں کو) کپڑے بنوا دینا یا ایک بردہ کا آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھتے ہیں، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور حفاظت کرو اپنی قسموں کی، اس طرح پر تمہارے لئے خدا اپنی نشانیوں کو بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو (۹۱)

فیصلہ کرتا تھا اور وہی سزا کا حکم دیتا تھا یہودی توریت کے سخت احکام سے بچنے کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس فیصلہ کو آتے تھے۔ خدا نے فرمایا کہ تجھ کو اختیار ہے چاہے اُن کا فیصلہ کر چاہے نہ کر کیونکہ وہ اُس گروہ میں نہ تھے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تابع تھے اور فرمایا کہ اگر فیصلہ کرے تو جو انصاف ہو وہ کرے۔ اور پھر یہودیوں کی بدنیتی پر تنبیہ کی کہ باوجود اس کے کہ توریت میں سب حکم موجود ہیں پھر تجھ کو کیوں حکم بناتے ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ
وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ
وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ
الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ (۹۲) إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ
أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ
الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ
وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا
أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (۹۳)
لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا
إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا
ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِينَ (۹۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِنَ الصَّيْدِ
تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ
لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَخَافُهُ
بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ
فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۹۵)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اس کے سوا کچھ نہیں
کہ شراب (پینی) اور جوا (کھیلنا) اور استھانوں کو
(پوجنا) اور شگون کے تیروں سے (فال نکالنا) ناپاک
(کام) ہے شیطان کے کاموں میں سے اُس سے
بچو تاکہ تم نجات پاؤ (۹۲) اس کے سوا اور کچھ
نہیں کہ شیطان چاہتا ہے کہ تم میں عداوت اور
بغض شراب اور جوے کے سبب ڈالے اور تم کو
اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا
تم اُس سے رُک رہنے والے ہو، اور اطاعت کرو
اللہ کی اور اطاعت کرو پیغمبر کی اور ڈرو پھر اگر تم
پھر گئے تو جان لو کہ ہمارے پیغمبر پر (احکام) صریح پہنچانے
کے سوا اور کچھ نہیں (۹۳) اُن لوگوں پر جو ایمان
لائے ہیں اور اچھے کام کئے ہیں اس بات میں
کہ وہ (اُس سے پہلے) کھا پی چکے ہیں کچھ گناہ
نہیں جب کہ اُنہوں نے پرہیزگاری کی اور اچھے
عمل کئے پھر پرہیزگاری کی اور ایمان لائے پھر پرہیزگاری
اور نیک کام کئے، اور اللہ دوست رکھتا ہے
نیک کام کرنے والوں کو (۹۴) اے لوگو جو ایمان لائے
ہو اللہ تم کو شکار کرنے میں ایک چیز سے آزمائیگا
جس تک تمہارے ہاتھ یا تمہارے تیر پہنچیں
تاکہ جان لے کہ کون بن دیکھے اُس سے
ڈرتا ہے پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی
تو اُس کے لئے عذاب ہے دُکھ دینے والا (۹۵)

اس سے اُن کی بدنیتی اور توریت کے احکام سے بچنے کی تدبیر پائی جاتی ہے +

• بالقسط کے لفظ پر جس کے معنی انصاف کے ہیں بحث ہو سکتی ہے کہ انصاف
سے کیا مراد ہے اُس لفظ سے شریعت اسلام مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ ہوتا تو
جس طرح اگلی آیتوں میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ جو کچھ خدا نے تجھ پر اتارا ہے اُس کے مطابق

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ (٩٦) أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (٩٧) جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (٩٨)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت مارو شکار کو جب تم احرام باندھے ہو اور جس نے تم میں سے جان بوجھ کر اُس کو مارا تو بدلا دے اُس کی مانند جو مارا ہے چوپایہ جانوروں میں سے جو قربانی کے لئے کعبہ میں پہنچنے والے ہوں۔ تم میں سے دو منصف آدمی اُس کے برابر ہونے کا حکم کر دیں یا اُس کا کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اُس کی برابر روزے رکھنے تاکہ چکھے وبال اپنے کام کا معاف کیا اللہ نے جو کچھ پہلے ہو چکا اور جس نے پھر کیا تو بدلا لیویگا اللہ اُس سے اور اللہ غالب ہے بدلا لینے والا (٩٦) حلال کیا گیا ہے تمہارے لئے دریا کا شکار اور اُس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے اور تم پر حرام کیا گیا ہے جنگل کا شکار جب تک کہ تم احرام باندھے ہو اور ڈرو اللہ سے جس پاس تم اکٹھے ہو کر جاؤ گے (٩٧) بنایا ہے اللہ نے کعبہ کو جو بزرگ گھر ہے لوگوں کے لئے امن سے رہنے کو اور بزرگ مہینے کو اور قربانی کے جانوروں اور گلے میں پٹا ڈالے ہوئے جانوروں کو، یہ اس لئے تاکہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (٩٨)

حکم کر اُسی طرح یہاں بھی بیان کیا جاتا اس سے صاف ظاہر ہے کہ قسط کے لفظ سے شریعت اسلامی مخصوص نہیں ہے ❊

ایک شخص جو اپنے تئیں کسی خاص گروہ کا بیان کرتا ہے اور ہمیشہ اُن فائدوں سے جو اُس گروہ میں ہونے کے سبب اُس کو حاصل ہو سکتے تھے مستفید ہوتا رہتا ہے اور کسی خاص معاملہ

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿١٠١﴾ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٢﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٤﴾

پیغمبر پر بجز حکم پہنچا دینے کے اور کچھ نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو ﴿۹۹﴾ کہہ دے اے پیغمبر کہ برابر نہیں ہے ناپاک اور پاک اور اگرچہ تجھ کو ڈالے تعجب میں زیادتی ناپاک کی، پھر ڈرو اللہ سے اے عقل والو تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿۱۰۰﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت سوال کرو اُن چیزوں سے کہ اگر تمہارے لئے کھول دی جاویں تو تم کو بُری لگیں اور اگر تم اُن سے سوال کرو گے قرآن نازل کئے جانے کے وقت میں تو تمہارے لئے کھول دی جاوینگی، معاف کیا اللہ نے اُس سے اور اللہ بخشنے والا ہے تحمل والا۔ بیشک اُن (چیزوں) سے سوال کیا تھا ایک قوم نے تم سے پہلے پھر اُن ہی سے کافر ہو گئی ﴿۱۰۱﴾ اللہ نے حرام نہیں کیا کان پھاڑے ہوئے اونٹ کو اور نہ سانڈ کو اور نہ اُس بکری کو جو بچے کے ساتھ پیدا ہوئی ہو اور نہ دس بچے جنی ہوئی اونٹنی کو ولیکن اُن لوگوں نے جو کافر ہیں اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے اور اُن میں کے اکثر نہیں سمجھتے ﴿۱۰۲﴾ اور جب اُن کو کہا جاتا ہے آؤ اُس کی طرف جو اللہ نے بھیجا ہے اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپوں کو پایا ہے کیا جب بھی کہ اُن کے باپ کچھ نہیں جانتے اور نہ اُنہوں نے ہدایت پائی تھی ﴿۱۰۳﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اپنی آپ خبرداری کرو، نہ نقصان پہنچا دیگا تم کو کوئی شخص جو گمراہ ہوا ہو جب کہ تم نے ہدایت پالی۔ اللہ کے پاس تم سب کو پھر جانا ہے پھر بتا دیگا تم کو جو کچھ کہ تم کرتے تھے ﴿۱۰۴﴾

میں جس میں اُس کا نقصان ہے دوسرے گروہ کے حاکم سے فیصلہ چاہے جن کی شریعت یا دستور کے مطابق وہ اُس نقصان سے بچ سکتا ہے تو اُس کے حق میں بھی انصاف ہوگا کہ دوسرے گروہ کا حاکم اُس کو وہی حکم دے جو اُس گروہ میں مروج ہیں جس گروہ سے وہ شخص علاقہ رکھتا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ
اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ
مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ
اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ
فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ
تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ
لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ
ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ
اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۵﴾
فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ
اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا
مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ
الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ
لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا
وَمَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى
اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ
اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ
اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے باہم گواہ ہونے
چاہئیں جب تم میں سے کسی کو وصیت کرتے
وقت موت آموجود ہو تو تم میں سے دو معتمد
شخص گواہ ہوں یا اور دو ہوں غیروں میں سے
اگر تم سفر ملک میں کرتے ہو اور تم کو پہنچی مصیبت
موت کی (اور جب اُن کی گواہی لینی ہو) تو انکو
ٹھیرا رکھو نماز کے بعد تک پھر وہ قسم کھادیں اللہ کی اگر تم اُن
پر شک کرتے ہو۔ کہ ہم نہ لیوینگے اس کے بدلے
مول اور اگرچہ قرابت مند ہی ہو اور ہم نہ چھپاوینگے اللہ
کی (مقرر کی ہوئی) گواہی کو بیشک ہم اُس وقت (جب
گواہی کے بدلے مول لیں یا گواہی کو چھپادیں) گنہگاروں
میں سے ہونگے ﴿۱۰۵﴾ پھر اگر کھل جاوے کہ اُن دونوں نے
گناہ حاصل کیا ہے (یعنی رشوت لیکر گواہی دی ہے یا گواہی
کو چھپایا ہے) تو اُن کی جگہ دوسرے دو گواہ (گواہی دینے
کو) اُن لوگوں کی طرف کھڑے ہو جاویں جن کو ضرر
پہنچا کہ پہلے دو گواہ گناہ کے مستحق ہوئے پھر دونوں گواہ اللہ
کی قسم کھاویں کہ ہماری گواہی اُن کی گواہی سے زیادہ تر حق ہے
اور ہم نے کچھ زیادتی نہیں کی ہے بیشک جب ہم نے ایسا
کیا تو ہم ظالموں میں سے ہونگے ﴿۱۰۶﴾ جس طرح پر گواہی دینی
چاہئے یہ طریقہ بہتر ہے گواہی دینے والوں کا زیادہ ڈرینگے
(یعنی پہلے گواہ) کہ رد کی جاوینگی اُن کی قسمیں اُن کی قسمیں
کھانے کے بعد، اور ڈرو اللہ سے اور اس کے کہے کو مانو
اللہ ہدایت نہیں کرتا نافرمان لوگوں کو ﴿۱۰۷﴾

ہے +

بعض احادیث سے پایا جاتا ہے کہ یہودیوں نے زنا کے جرم میں رجم سے بچنے کے لئے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حیلہ اخفا کیا کہ قرآن مجید میں رجم کی سزا زنا کے جرم میں نہ تھی آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے جو سزا توریت میں تھی اُسی کے جاری کرنے کا حکم دیا اور بلاشبہ وہی اس کے

جس دن کہ اللہ اکٹھا کریگا پیغمبروں کو تو کہیگا کہ تم کس طرح پر مانے گئے (یعنی پچھلے لوگوں نے تم کو مانا یا کس طرح) تو وہ کہینگے ہم کو کچھ علم نہیں ہے بیشک تو ہی غیب کی بات کا جاننے والا ہے (۱۰۹)	یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (۱۰۸)

حق میں انصاف تھا ◆

اِس آیت سے استنباط ہوسکتا ہے کہ حکومت اسلام میں جو غیر مذہب والے بطور رعایا کے رہتے ہوں اُن کی خصومات کا اُنہیں کے دستور و رواج یا قواعد مذہب کے مطابق جو مخل امن و راحت مُلک میں مخل نہ ہوں فیصلہ کرنا اسلام کی رُو سے ناجائز نہیں ہے۔ بعض علمائے اسلام نے خیال کیا ہے کہ یہ آیت اگلی آیتوں سے جن میں یہ الفاظ ہیں کہ " فاحکم بینهم بما انزل الله " اور " وان احکم بینهم بما انزل الله " منسوخ ہوگئی ہے اور اس لئے سلطان کو تمام رعایا پر خواہ مسلمان ہو یا نہ ہو شرع اسلام کے موافق حکم کرنا چاہئے مگر یہ خیال اُن کا میری تحقیق میں غلط ہے کیونکہ قرآن مجید کی نہ کوئی آیت منسوخ ہے اور نہ اُن آیتوں سے اس سے کچھ تعلق ہے جیسا کہ اُن کی تفسیر میں بیان ہوگا ◆

(۵۲) (وانزلنا الیك الکتاب) اس آیت سے پہلی آیتوں میں خدا تعالےٰ نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ اول اُن لوگوں کا جو مُنہ سے اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے مگر دل سے مسلمان نہ تھے اور اُن کی نسبت فرمایا تھا " من الذین قالوا اٰمنا بافواههم ولم تؤمن قلوبهم "۔ دوسرے یہودیوں کا جو علانیہ اپنے تئیں یہودی کہتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس بھی احکام پوچھنے کے بہانے سے جاسوسی کرنے کو آتے تھے اور اُن کی نسبت فرمایا تھا " من الذین هادوا سمّٰعون للکذب سمّٰعون لقوم اٰخرین " تیسرے عیسائیوں کا جہاں فرمایا ہے " وقفینا علیٰ اٰثارهم بعیسی ابن مریم " اور پھر فرمایا ہے " ولیحکم اهل الانجیل بما انزل الله فیه " ◆

اب بحث اس پر ہے کہ اس آیت " وانزلنا الیك الکتاب " میں جو یہ الفاظ ہیں کہ " فاحکم بینهم " اور اس کے بعد کی آیت میں ہے " وان احکم بینهم " تو " هم " کی ضمیر کن لوگوں کی طرف راجع ہے یعنی " هم " سے کون لوگ مراد ہیں۔ اگر اس سے منافق مراد لئے جاویں جن کا بیان سب سے اول ہے تو کیا وجہ ہے کہ پچھلے بیان والے اس حکم میں کہ قرآن کے بموجب اُن پر حکم کیا جاوے شامل نہ ہوں اور اگر یہودی مراد لئے جاویں تو کیا وجہ ہے کہ عیسائی اُس میں داخل نہ ہوں اور اگر عیسائی مراد لئے جاویں جن کا ذکر " اهل الانجیل " کے لفظ سے اس آیت کے بہت قریب آیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہودی اُس میں شامل نہ ہوں۔ اگر یہ تصور کیا جاوے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے بیان سے جو اس آیت کے اوپر ہوا اور توریت و انجیل کے ذکر کرنے سے ایک مفہوم اہل کتاب کا مستنبط ہوسکتا ہے اور یہ ضمیر " هم " کی اہل کتاب کی طرف راجع ہوتی ہے تو اس میں بھی کئی دقتیں ہیں۔ اول یہ کہ یہ آیت مخالف ہوتی ہے اُس آیت کی جس میں یہودیوں کی مخاصمت کے فیصلہ کرنے

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ	جب کہیگا اللہ عیسے مریم کے بیٹے کو یاد کر میری نعمتوں کو جو تجھ پر اور تیری ماں پر ہوئیں

یا نہ کرنے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے ۔ دوسرے یہ کہ یہودی عیسائی بعد نزول قرآن مجید کے مکلف بالایمان تھے نہ مکلف جزئیات احکام کے تیسرے یہ کہ ان آیتوں کے اخیر میں خدا نے فرمایا ہے "افحکم الجاھلیۃ یبغون" اور یہودی اور عیسائی شریعت پر جو قبل نزول قرآن تھے حکم الجاھلیہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا +

سیاق کلام اس طرح پر ہے کہ خدا نے فرمایا کہ جن لوگوں کو توریت دیگئی تھی اُن کو کہا گیا تھا کہ اُس کے مطابق حکم کریں اور جن کو انجیل دیگئی تھی اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ اُس کے مطابق چلیں اب تجھ کو اے پیغمبر یہ کتاب یعنی قرآن دیا گیا ہے اور جن کو یہ کتاب دیگئی اُن میں اُس کے مطابق حکم کرنا لازم ہے پس سیاق وسباق عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن دونوں آیتوں میں "ھم" کی ضمیر اہل ھذا الکتاب یعنی مسلمانوں کی طرف راجع ہے خواہ اُنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا ہو خواہ ظاہر میں مسلمان کہتے ہوں اور دل سے مسلمان نہ ہوں +

جو لوگ کہ سچے دل سے مسلمان تھے اُن کی نسبت تو کچھ زیادہ کہنے کی حاجت نہ تھی مگر جو لوگ کہ ظاہر میں اسلام لائے تھے اور مسلمانوں میں داخل تھے مگر اُن کا دل اسلام پر مضبوط نہ تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی خواہشوں کو ظاہر کرتے تھے اور اسی کے مطابق حکم ہوجانے کی تدبیریں سوچتے تھے اُن کی نسبت کچھ زیادہ کہنا مناسب تھا اور وہ دو فرقے تھے ایک تو مسلم اہل کتاب اور دوسرے مسلم کفار عرب ۔ اہل کتاب کو بڑا خیال تھا کہ توریت و انجیل میں خدا کے احکام آچکے اب یہ کیسے احکام آتے ہیں جن میں سے کچھ اُن احکام کے مطابق اور کچھ غیر مطابق ہیں ۔ اُن کی نسبت خدا نے پیغمبر سے فرمایا کہ تو اُن کی خواہشوں پر خیال مت کر اور قرآن کے مطابق اُن میں حکم کر ہم نے ہر نبی کے لئے گو کہ سب کا دین واحد ہے ایک شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے کفار عرب جو اسلام ظاہر کرتے تھے اُن کی نسبت فرمایا کہ اُن میں بھی قرآن کے مطابق حکم دے اور اُن کی خواہشوں کی پرواہ مت کر بلکہ اُن سے ڈر کہ تجھ کو دقت میں ڈالدیں کیا وہ پھر جاہلیت کے زمانہ کے سے حکم چاہتے ہیں ۔ ان آیتوں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے اُنہی لوگوں کی نسبت قرآن کے احکام کے مطابق حکم کرنے کا حکم دیا ہے جو اسلام میں داخل ہوگئے ہوں نہ غیر اہل اسلام کی نسبت ۔ یہ ایک محقق مسئلہ ہے کہ جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے وہ جب تک کہ مسلمان نہ ہوں جزئیات احکام شرع کے مکلف نہیں ہیں بلکہ صرف اسلام لانے پر مکلف ہیں اور اسلام لانے کے بعد جزئیات احکام شرع کے مکلف ہوتے ہیں اور اس لئے قبل اسلام اُن پر احکام شرع جاری نہیں ہوسکتے +

(۱۰۹) (اذ قال اللہ) اس مقام سے خدا تعالے نے اُن اتفاقات میں سے جو حضرت عیسے پر بچپنے اور جوانی کے زمانہ میں گذرے تھے چند واقعات کا جن کا بیان سورۂ آل عمران میں بھی ہوچکا ہے بطور اپنے احسان اور اپنی نعمت کے بیان کرنا شروع کیا ہے بچپنے کی حالت کو یاد دلایا ہے پھر نو عمری کے زمانہ کو یاد دلایا ہے پھر نبوت کے زمانہ کو یاد دلایا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طرح کا طرز کلام نہایت دلچسپ اور محبت سے بھرا ہوا ہوتا ہے ۔ ایک اعلےٰ درجہ کے شخص کو اُس کے بچپنے کی بھولی بھولی باتیں یاد دلائی جاتی ہیں اور پھر اُن کمالوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو اُس نے حاصل کیا ہے ۔ ان دونوں زمانوں کی باتیں ملکر نہایت دلچسپ پر اثر ہوجاتی ہیں اسی طرح خدا تعالے نے حضرت

اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (۱۰۹)	جب کہ میں نے روح قدس سے تیری تائید کی کلام کرتا تھا تو آدمیوں سے گہوارہ میں (یعنی بچپنے میں) اور بڑاپے میں (۱۰۹)

عیسٰے کو دونوں باتوں کی باتوں کو یاد دلایا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ تو اس بات کو یاد کر جب کہ میں نے روح القدس سے تیری مدد کی تو اس بات کو یاد کر جب کہ تو نے بچپنے میں گفتگو کی۔ تو اس بات کو یاد کر جب کہ میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت سکھائی۔ تو اس وقت کو یاد کر جب کہ تو مٹی سے جانوروں کی مورتیں بناتا تھا اور ان میں پھونکتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاوینگی۔ تو اس وقت کو یاد کر جب کہ تو اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتا تھا۔ تو اس وقت کو یاد کر جب کہ تو مُردوں کو زندہ کرتا تھا۔ تو اس وقت کو یاد کر جب کہ میں نے تجھ کو بنی اسرائیل سے بچایا۔ اس وقت کو یاد کر جب کہ میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور تجھ پر ایمان لاویں۔ تو اس وقت کو یاد کر جب کہ تجھ سے حواریوں نے آسمان پر سے رزق اُترنے کی درخواست کی۔ تو اس وقت کو بھی یاد رکھ جب کہ میں تجھ کو اس شرک کے الزام سے جو تیری اُمت نے تجھ پر دھرا ہے بری کرونگا۔ ان باتوں کے سوا سورۂ آل عمران میں ایک اور بات بھی بیان ہوئی ہے کہ حضرت عیسٰے نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی (یعنی تکلم) لیکر آیا ہوں اور یہ بھی کہا کہ میں تم کو بتلا دونگا کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو ۔

یہ سب وہ باتیں ہیں جن کو ہم ایک سلسلہ میں جمع کر کے ہر ایک کا اس ترتیب سے جدا جدا بیان کرینگے۔ اول تکلم فی المہد۔ دوم خلق طیر۔ سوم تائید روح القدس۔ چہارم تعلیم کتاب و حکمت۔ پنجم خدا کی نشانی کا لانا۔ ششم حواریوں کے دل میں ایمان کا ڈالنا۔ ہفتم اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا۔ ہشتم مُردے کو زندہ کرنا۔ نہم اخبار عن الغیب۔ دہم نزول مائدہ۔ یازدہم بنی اسرائیل سے بچانا۔ دوازدہم براءت عن المشرکین ۔

اول تکلم فی المہد

اس امر کی نسبت خدا تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے۔ ویکلم الناس فی المهد وکهلا۔ اور سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے۔ تکلم الناس فی المهد وکهلا۔ اور سورۂ مریم میں فرمایا ہے۔ فاشارت الیه قالوا کیف نکلم من کان فی المهد صبیا قال انی عبد الله آتانی الکتاب وجعلنی نبیا ۔

ان آیتوں میں صرف لفظ مہد کا ہے جس پر بحث ہو سکتی ہے مگر مہد سے صرف صغر سنی کا زمانہ مراد ہے نہ وہ زمانہ جس میں کوئی بچہ بمقتضائے قانون قدرت کلام نہیں کر سکتا اس مضمون پر ہم ابھی سورۂ آل عمران میں بحث کر چکے ہیں ۔

دوم خلق طیر

یہ اُس حالت کا ذکر ہے جب کہ حضرت عیسٰے بچے تھے اور بچپنے کے زمانہ میں بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے اُس کی نسبت خدا نے سورۂ آل عمران میں حضرت عیسٰے کی زبان سے یوں فرمایا ہے کہ

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ	اور جب کہ میں نے سکھائی تجھ کو کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل ۔

انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ ۔ اور سورہ مائدہ میں یوں فرمایا ہے ۔ واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی ۔

سورہ آل عمران میں یہ مضمون حضرت عیسے کی زبان سے متکلم کے صیغوں میں بیان ہوا ہے اور سورہ مائدہ میں خدا کی طرف سے مخاطب کے صیغوں میں ۔ مگر سورہ آل عمران میں اس آیت سے پہلے یہ آیت ہے کہ انی قد جئتکم بآیۃ من ربکم ۔ اور اس کی نسبت ہم نے ثابت کیا ہے کہ وہ سوال کے جواب میں ہے اُسی سیاق پر یہ آیت ہے اور سوال کے جواب میں واقع ہوئی ہے تقدیر کلام کی یہ ہے کہ کسی شخص نے حضرت عیسے کو مٹی سے جانوروں کی مورتیں بناتے دیکھ کر پوچھا کہ ۔ ماتفعل ؛ قال مجیبا لہ بانی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر الخ ۔ تاریخ سے بھی پایا جاتا ہے کہ جانوروں کی مورتیں بنانے کی نسبت لوگوں نے حضرت عیسے سے سوال بھی کیا تھا جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے ۔

اب اس پر بحث یہ ہے کہ کیا درحقیقت یہ کوئی معجزہ تھا اور کیا درحقیقت قرآن مجید سے اُن مٹی کے جانوروں کا جاندار ہو جانا اور اُڑنے لگنا ثابت ہوتا ہے ؛ تمام مفسرین اور علماء اسلام کا جواب یہ ہے کہ ہاں ۔ مگر ہمارا جواب ہے کہ نہیں ۔ بشرطیکہ دل و دماغ کو اُن خیالات سے جو قرآن مجید پر غور کرنے اور قرآن مجید کا مطلب سمجھنے سے پہلے عیسائیوں کی صحیح و غلط روایات کی تقلید سے بیٹھا لئے ہیں خالی کر کے نفس قرآن مجید پر بنظر تحقیق غور کیا جاوے ۔

سورہ آل عمران میں جو یہ الفاظ ہیں کہ ،، انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیر باذن اللہ ،، اس کے معنی یہ ہیں کہ مٹی سے پرندوں کی مورتیں بناتا ہوں پھر ان میں پھونکونگا تاکہ وہ اللہ کے حکم سے پرند ہو جاویں ۔ یہ بات حضرت عیسے نے سوال کے جواب میں کہی تھی مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پھونکنے کے بعد درحقیقت وہ پرندوں کی مورتیں جو مٹی سے بناتے تھے جاندار ہو جاتی تھیں اور اُڑنے بھی لگتی تھیں ۔

،، فیکون ،، پر جو (ف) ہے وہ عاطفہ تو ہو نہیں سکتی کیونکہ اگر وہ عاطفہ ہو تو ،، یکون طیرا ،، ان کی خبر ہو گی اور اس کا عطف ،، اخلق ،، پر ہوگا اور ،، یکون طیرا ،، میں مکرر صیغہ متکلم کا نہیں ہے اور نہ اُس کلام میں کوئی ضمیر اس طرح پر واقع ہوئی ہے کہ اسم ان کی طرف راجع ہو سکے اس لئے ،، یکون طیرا ،، نحو کے قاعدہ کے مطابق یا یوں کہو کہ بموجب محاورہ بان

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي	اور جب کہ تو بناتا تھا مٹی سے پرند کی صورت کی مانند میرے حکم سے پھر پھونکتا تھا اُس میں تاکہ ہو جاوے پرند میرے حکم سے

عرب کے کسی شخص کو اُن کی خبر نہیں ہو سکتا اور "فیکون" کی (ف) حاملہ نہ قرار دی جا سکتی۔ البتہ ضرور ہے کہ وہ (ف) تفریع کی ہو اور پھونکنے ہیں اور اُن مورتوں کے پرند ہو جانے میں گو کہ درحقیقت کوئی سبب حقیقی یا مجازی یا ذہنی یا خارجی نہ ہو مگر ممکن ہے کہ متکلم نے اُن میں ایسا تعلق سمجھا ہو کہ اُس کو متفرع اور متفرع الیہ کی صورت میں یا سبب اور مسبب کی صورت میں بیان کرے جیسا کہ کلام مجازات کی بحث نحو کی کتابوں میں لکھی ہے اُس میں صاف بیان کیا ہے کہ کلام مجازات سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ درحقیقت وہ ایک امر کو دوسرے امر کا حقیقی سبب کر دیتے ہیں بلکہ متکلم اُس طرح پر خیال کرتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلا امر دوسرے امر کا حقیقی یا خارجی یا ذہنی سبب ہو۔ مگر صرف اس طرح کے بیان سے امر متفرع یا مسبب کا وقوع ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کہ کسی اَور دلیل سے نہ ثابت ہو کہ وہ امر فی الحقیقت وقوع بھی آیا تھا۔ اور جس قدر الفاظ قرآن مجید کے ہیں اُن میں یہ بیان نہیں ہوا ہے کہ وہ پرندوں کی مٹی کی مورتیں درحقیقت جاندار اور پرند ہو بھی جاتی تھیں +

حضرت عیسے کے زمانہ طفولیت کے حالات بہت کم لکھے گئے ہیں چاروں انجیلیں جو اس زمانہ میں معتبر گنی جاتی ہیں اُن میں زمانہ طفولیت کے کچھ بھی حالات نہیں ہیں یہ بات تو ممکن نہیں ہے کہ اُن کے زمانہ طفولیت کے کچھ حالات ہوں ہی نہیں مگر کسی کو اُن کے لکھنے پر رغبت ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی +

حضرت عیسے کے انتقال کے بہت زمانہ بعد بعض قدیم عیسائی مورخوں نے اُن کے حالات زمانہ طفولیت کے لکھنے پر کوشش کی ہے اور اس وقت ہم کو دو کتابیں انجیل طفولیت کے نام سے دستیاب ہوتی ہیں جن کو حال کے عیسائیوں نے نامستند کتابوں میں داخل کیا ہے بہرحال اُن کتابوں کی روایتوں کو بھی بہت لوگ تسلیم کرتے تھے اور لوگوں میں مشہور تھیں اُن دونوں کتابوں میں خلق طیر کا قصہ اُن معمولی مبالغہ آمیز باتوں اور کرامتوں کے ساتھ جو ایسے بزرگوں کی تاریخ لکھنے میں خواہ نخواہ ملا دی جاتی ہیں لکھا ہوا ہے۔ یہ دونوں کتابیں انجیل اول طفولیت اور انجیل دوم طفولیت کے نام سے مشہور ہیں +

انجیل اول طفولیت دوسری صدی عیسوی ناسٹکس کے ہاں جو عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے مروج اور مسلم تھی اور زمانہ مابعد میں بھی اُس کے اکثر بیانات پر اکثر مشہور عیسائی عالم یوسیبیس

اور اچھا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے	وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ

و ابھانا سیس و ایپی فینیس و کراٹی ساستم وغیرہ اعتقاد رکھتے تھے کوبیس ڈی کیسٹرڈ ایک انجیل طامسن کا ذکر کرتا ہے کہ ابتدا و افریقہ کے اکثر گرجاؤں میں پڑھی جاتی تھی اور اُسی پر لوگوں کے اعتقاد کا دارومدار تھا۔ فیبریشیس کے نزدیک وہی انجیل ہے ✦

انجیل دوم طفولیت اصل یونانی قلمی نسخہ سے ترجمہ کی گئی ہے جو کتب خانہ شاہ فرانس میں دستیاب ہوا تھا۔ یہ طامسن کی طرف منسوب ہے اور ابتدا انجیل مریم کے شامل خیال کی گئی ہے ✦

انجیل اول میں یہ قصہ اس طرح پر لکھا ہے۔ اور جب کہ حضرت عیسٰے کی عمر سات برس کی تھی وہ ایک روز اپنے ہم عمر رفیقوں کے ساتھ جو کھیل رہے تھے اور مٹی کی مختلف مورتیں یعنی گدھے بیل چڑیاں اور اَور مورتیں بنا رہے تھے ✦

ہر شخص اپنی کاریگری کی تعریف کرتا تھا اور اَوروں پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتا تھا ✦

تب حضرت عیسٰے نے لڑکوں سے کہا کہ میں اُن مورتوں کو جو میں نے بنائی ہیں چلنے کا حکم دونگا ✦

اور فی الفور وہ حرکت کرنے لگیں اور جب اُنھوں نے اُن کو واپس آنے کا حکم دیا تو وہ واپس آئیں ✦

اُنھوں نے پرندوں اور چڑیوں کی مورتیں بھی بنائی تھیں اور جب اُن کو اُڑنے کا حکم دیا تو وہ اُڑنے لگیں اور جب اُنھوں نے اُن کو ٹھیر جانے کا حکم دیا تو وہ ٹھیر گئیں اور اگر وہ اُن کو کھانا اور پانی دیتے تھے تو کھاتی پیتی تھیں ✦

جب آخر کار لڑکے چلے گئے اور اُن باتوں کو اپنے والدین سے بیان کیا تو اُن کے والدین نے اُن سے کہا کہ بچو آیندہ اُس کی صحبت سے احتراز کرو کیونکہ وہ جادوگر ہے۔ اُس سے بچاؤ پرہیز کرو اور اب اُس کے ساتھ کبھی نہ کھیلو ✦

اور انجیل دوم میں اس طرح پر ہے جب حضرت عیسٰے کی عمر پانچ برس کی تھی اور مینہ برس کر کھل گیا تھا حضرت عیسٰے عبرانی لڑکوں کے ساتھ ایک ندی کے کنارہ کھیل رہے تھے اور پانی کنارہ کے اوپر بہکر چھوٹی چھوٹی جھیلوں میں ٹھیر رہا تھا ✦

مگر اُسی وقت پانی صاف اور استعمال کے لائق ہو گیا۔ حضرت عیسٰے نے اپنے حکم سے جھیلوں

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾	اور جب کہ تو نکالتا تھا مردوں کو میرے حکم سے اور جب کہ میں نے روک لیا بنی اسرائیل کو تجھ سے جب کہ تو اُن کے پاس صریح احکام لایا تو کہا اُن لوگوں نے جو اُن میں کافر تھے کہ اور کچھ نہیں مگر یہ صریح جادو ہے ﴿۱۱۰﴾

کو صاف کر دیا اور اُنھوں نے اُن کا کہنا مانا تب اُنھوں نے ندی کے کنارہ پر سے کچھ نرم مٹی لی اور اُس کی بارہ چڑیاں بنائیں اور اُن کے ساتھ اور لڑکے بھی کھیل رہے تھے ✦

مگر ایک یہودی نے ان کاموں کو دیکھ کر یعنی اُن کا سبت کے دن چڑیوں کی مورتیں بنانا دیکھ کر بیتاب ہو گیا تو فوراً اُن کے باپ یوسف سے جا کر اطلاع کی اور کہا کہ دیکھ تیرا لڑکا ندی کے کنارہ کھیل رہا ہے اور مٹی لیکر اُس کی بارہ چڑیاں بنائی ہیں اور سبت کے دن گناہ کر رہا ہے ✦

تب یوسف اُس جگہ جہاں حضرت عیسیٰ تھے آیا اور اُن کو دیکھا تب بلا کر کہا کیوں تم ایسی بات کرتے ہو جو سبت کے دن کرنا جائز نہیں ہے ✦

تب حضرت عیسیٰ نے اپنے ہاتھوں کی ہتیلیاں بجا کر چڑیوں کو بلایا اور کہا کہ جاؤ اُڑ جاؤ اور جب تک تم زندہ رہو مجھے یاد رکھو پس چڑیاں غل مچاتی ہوئی اُڑ گئیں ✦

یہودی اس کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور چلے گئے اور اپنے ہاں کے بڑے بڑے آدمیوں سے جا کر وہ عجیب و غریب معجزہ بیان کیا جو حضرت عیسیٰ سے اُن کے سامنے ظہور میں آیا تھا ✦

مگر جب تاریخانہ تحقیق کی نظر سے اس پر غور کیجاتی ہے تو اصل بات صرف اس قدر تحقیق ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بچپنے میں لڑکوں کے ساتھ کھیلنے میں مٹی کے جانور بناتے تھے اور جیسے کبھی کبھی اب بھی ایسے موقعوں پر بچے کھیلنے میں کہتے ہیں کہ خدا ان میں جان ڈالدیگا وہ بھی کہتے ہونگے مگر ان دونوں کتابوں کے لکھنے والوں نے اُس کو کراماتی طور پر بیان کیا کہ فی الحقیقت اُن میں جان پڑجاتی تھی ۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی امر وقوعی نہ تھا بلکہ صرف حضرت مسیح کا خیال زمانہ طفولیت میں بچوں کے ساتھ کھیلنے میں تھا علماے اسلام ہمیشہ قرآن مجید کے معنی یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کے مطابق اخذ کرنے کے مشتاق تھے اور بلا تحقیق اُن روایتوں کی تقلید کرتے تھے اُنھوں نے ان الفاظ کی اُسی طرح تعبیر کی جس طرح غلط سلط عیسائیوں کی روایتوں میں مشہور تھی اور اس پر خیال نہیں کیا کہ خود قرآن مجید اُن روایتوں کی غلطی کی تصحیح کرتا ہے ✦

سورہ مائدہ میں بھی یہی مضمون خدا تعالےٰ نے مخاطب کے صیغوں سے دوبارہ بیان فرمایا ہے مگر اُس مقام پر ایسی عمدگی سے سیاق کلام واقع ہوا ہے کہ باوجود اس کے کہ اس قصہ کو بعض

اور جب ہم نے وحی بھیجی حواریوں کے پاس کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور اے عیسیٰ تو اس کا گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں (۱۱۱)	وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (۱۱۱)

واقعات تحقق الوقوع کے ساتھ بیان کیا ہے اس پر بھی اس خاص قصہ کا وقوع کہ وہ مٹی کی مورتیں پرند ہوجاتی تھیں ثابت نہیں ہوتا۔ اس سورہ میں خدا تعالیٰ نے تمام واقعات متحقق الوقوع کو ماضی کے صیغہ سے بیان فرمایا ہے۔ جیسے کہ۔ اذ ایدتک بروح القدس۔ اذ علمتک الکتاب والحکمۃ۔ اذ کففت بنی اسرائیل عنک۔ واذ اوحیت الی الحواریین۔ مگر مٹی کی مورتوں کے پرند ہوجانے کے قصہ کو مستقبل کے صیغہ سے بیان فرمایا ہے جیسے کہ اذ تخلق۔ فتنفخ۔ فتکون۔ اس سیاق کے بدلنے سے یہ نتیجہ ہے کہ جس مضارع کے صیغہ پر اذ کا اثر پہنچیگا وہ تو امر متحقق الوقوع ہوجاویگا اور جس صیغہ تک اُس کا اثر نہ پہنچیگا وہ امر غیر متحقق الوقوع رہیگا۔ اس کلام میں اذ کا اثر "تخلق" اور "تنفخ" تک پہنچتا ہے اور "تکون" تک نہیں پہنچتا جیسا کہ ہم بیان کرینگے پس ان مٹی کی مورتوں کا جاندار ہوجانا غیر متحقق الوقوع باقی رہتا ہے یعنی قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا کہ درحقیقت وہ مٹی کی مورتیں جاندار اور پرند ہوجاتی تھیں ◆

اس آیت میں بھی "فتکون" پر کی (ف) عاطفہ نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر وہ عاطفہ ہو تو اس کا عطف "تخلق" پر ہوگا اور معطوف حکم معطوف علیہ میں ہوتا ہے اور معطوف علیہ کی جگہ قایم ہوسکتا ہے اور یہ بات ضرور رہتی ہے کہ اگر معطوف علیہ کو حذف کر دیا جاوے اور معطوف اس کی جگہ رکھ دیا جاوے تو کوئی خرابی اور نقص کلام میں نہ ہونے پاوے۔ اور اس مقام پر ایسا نہیں ہے کیونکہ اگر معطوف علیہ کو حذف کرکے "فیکون طیرا" اس کی جگہ رکھ دیں تو کلام اس طرح پر ہوجاتا ہے کہ۔ اذکر نعمتی علیک اذ تکون طیرا۔ اور یہ کلام محض مہمل اور غیر مقصود ہے۔ اب ضرور ہے کہ یہ (ف) بھی اسی طرح تفریع کی ہو جس طرح سورۂ آل عمران میں (ف) تفریع کی تھی اور اس (ف) کے ذریعہ سے "تنفخ" متفرع علیہ اور تکون متفرع دونوں مل کر تخلق پر معطوف ہونگے اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ اذکر نعمتی علیک اذ تنفخ فیہا فتکون طیرا مگر اس صورت میں "فتکون طیرا" صرف "تنفخ" پر تفریع ہوگی اور "اذ" کا اثر جو مضارع پر آنے سے تحقق زمانہ ماضی کا ہے یا اُس امر کو متحقق الوقوع کر دینے کا ہے "تکون" تک نہیں پہنچتا کیونکہ وہ اثر اُس وقت پہنچتا جب کہ "تکون" کی (ف) عاطفہ ہوتی اور اُس کا عطف "تخلق" پر جائز ہوتا۔ اس صورت میں "تکون" کو محض تفریعی تعلق اپنے متفرع علیہ سے ہے اور محض تفریعی بات اُسی طرح باقی رہتی ہے جیسی کہ سورۂ آل عمران میں تھی اور اس لئے اس تفریع سے اُس امر متفرع کا وقوع ثابت نہیں ہوتا ◆

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۱۱۲)

جب کہ حواریوں نے کہا اے عیسے مریم کے بیٹے کیا تیرا پروردگار کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے خوان نعمت اتارے؟ عیسے نے کہا کہ ڈرو اللہ سے اگر تم ایمان والے ہو (۱۱۲)

اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن مجید سے یہ بات تو ثابت ہے کہ حضرت عیسے بچپنے کی حالت میں مٹی سے جانوروں کی مورتیں بناتے تھے اور پوچھنے والے سے کہتے تھے کہ میرے پھونکنے سے وہ پرند ہو جاویں گے مگر یہ بات کہ درحقیقت وہ پرند ہو بھی جاتی تھیں نہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے نہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے پس حضرت عیسے کا یہ کہنا ایسا ہی تھا جیسے کہ بچے کھیلنے میں بمقتضائے عمر اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں ◆

سوم - تائید روح القدس

اس امر کی نسبت خدا تعالے نے سورہ بقر میں فرمایا ہے - وایدناہ بروح القدس اور سورہ مائدہ میں فرمایا ہے - اذ ایدتک بروح القدس - یہ آیتیں کچھ زیادہ تفسیر کی محتاج نہیں ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام موید بتائید روح القدس ہیں اگر بحث ہو سکتی ہے تو حقیقت روح القدس میں ہو سکتی ہے تمام علمائے اسلام اس کو ایک مخلوق جداگانہ خارج از خلقت انبیاء قرار دیکر اس کو بطور ایلچی کے خدا و نبی میں واسطہ قرار دیتے ہیں اور جبرئیل اس کا نام بتاتے ہیں ہم بھی جبرئیل اور روح القدس کو شے واحد یقین کرتے ہیں مگر اس کو خارج از خلقت انبیاء مخلوق جداگانہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ خود انبیاء علیہم السلام کی فطرت میں جو ملکہ نبوت ہے اور جو ذریعہ مبدء فیاض سے ان امور کے اقتباس کا ہے جو نبوت یعنی رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں وہی روح القدس ہے اور وہی جبرئیل - اس کی نسبت ہم سورہ بقر میں بتحت آیت " و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا " کے پوری بحث کہہ چکے ہیں ◆

چہارم - تعلیم کتاب و حکمت

اس امر کی نسبت خدا تعالے نے سورہ آل عمران میں فرمایا ہے - ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل ورسولا الی بنی اسرائیل - اور سورہ مائدہ میں فرمایا ہے - واذ علمتک الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل - یہ دونوں مضمون واحد ہیں اور ان میں کچھ مشکلات نہیں ہیں کیونکہ بلاشبہ تمام انبیاء کو خدا تعالے احکام و حکمت تلقین کرتا ہے اور کتاب پڑھاتا ہے

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾	اُنہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھاویں اور ہمارے دل مطمئن ہو جاویں اور ہم جان لیں کہ بیشک تو نے ہم سے سچ کہا اور ہم اس پر گواہوں میں سے ہوں ﴿۱۱۳﴾

اور اُن کے حق میں ملا کا وہ خزانہ جمع کرتا ہے جس کو وہ تمام لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔

پنجم ۔ خدا کی نشانی کا لانا

اس امر کی نسبت سورہ آل عمران میں خدا تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ کی زبان سے یوں فرمایا ہے ۔ انی قد جئتکم بایۃ من ربکم ۔ ہم اس بات کی تحقیق سورہ بقر میں لکھ چکے ہیں (دیکھو جلد اول) کہ آیت اور آیات اور آیات بینات سے خدا تعالےٰ کے احکام مراد ہوتے ہیں جو انبیاء کو وحی کئے جاتے ہیں پس اس مقام پر بھی ہم آیت کے لفظ کے یہی معنی قرار دیتے ہیں اور آیت سے جنس مراد لیتے ہیں نہ فرد ۔ صاحب تفسیر کبیر نے بھی اُس سے جنس ہی مراد لی ہے اور کہا ہے کہ ۔ المراد بالاٰیۃ الجنس لا الفرد ۔

مگر اس مقام کی تفسیر کرنے سے پیشتر ہم کو اس امر کا بیان کرنا چاہیے جو سورہ آل عمران کی آیتوں کے ربط کی نسبت ہے ۔ یہ آیت اور اُس کے بعد کی آیتیں سورہ آل عمران میں اُن آیتوں کے بعد واقع ہوئی ہیں جن میں حضرت عیسےٰ کے ہونے کی بشارت ہے ۔ وہ آیتیں ورسولا الی بنی اسرائیل تک برابر سلسلہ چلی آتی ہیں مگر اُس کے بعد جو یہ آیت ہے ۔ انی قد جئتکم بایۃ من ربکم ۔ اس کا اور نیز اُس کے بعد کی آیتوں کا بشارت کی آیات سے جوڑ نہیں ملتا ۔ علمائے مفسرین نے اس آیت کو اور نیز اس کے بعد کی آیتوں کو شامل آیات بشارت کے کیا ہے اور جوڑ ملانے کو لفظ قائلا محذوف مانا ہے یعنی ورسولا الی بنی اسرائیل قائلا انی قد جئتکم بایۃ ۔ مگر قال کے بعد ان مفتوحہ آنا کسی قدر اعتراض کے لائق تھا اس لئے زجاج نے اس جگہ اوپر کی آیتوں سے جوڑ لگانے کو ویکلم الناس رسولا مقدر مانا ہے اور یہ معنی قرار دئے ہیں ویکلم رسولا بانی قد جئتکم ۔

مگر ہم کو مفسرین کے ان اقوال سے اختلاف ہے خود سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس قدر آیتیں بشارت سے متعلق تھیں وہ اس مقام پر ختم ہوگئیں جہاں فرمایا ۔ ورسولا الی بنی اسرائیل ۔ اور وہ کلام منقطع ہو گیا اور ۔ انی قد جئتکم بایۃ ۔ سے دوسرا کلام شروع ہوا اس لئے کہ بشارت کی آیتوں میں تمام صیغے مستقبل کے آئے ہیں جیسے ۔ یکلم الناس ۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (۱۱۴)	عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا کہ یا اللہ ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے خوان نعمت اتار کہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کے لئے اور نشانی تیری طرف سے، اور ہم کو روزی دے اور تو بہت اچھا روزی دینے والا ہے (۱۱۴)

ویعلمہ الکتاب ۔ اور اُن سب آیتوں میں حالات قبل ولادت حضرت عیسیٰ کے بیان ہوتے ہیں ۔ اور اُس کے بعد صیغے متکلم کے ہیں جیسے کہ ۔ انی قد جئتکم ۔ انی اخلق لکم ۔ وابرئ الاکمہ وانبئکم ۔ اور اُن میں وہ تمام حالات مذکور ہیں جو بعد ولادت حضرت عیسیٰ واقع ہوئے ہیں پس ان پچھلی آیتوں کو آیات بشارات کے ساتھ شامل کر دینا بالکل سیاق کلام کے برخلاف ہے ✦

صاحب تفسیر ابن عباس نے بھی ان آیتوں کو بشارت کی آیتوں سے منقطع کیا ہے اور تقریر کلام کی یوں کی ہے ۔ فلما جاءھم قال انی قد جئتکم بایۃ ۔ مگر اس تقریر میں وہی نقص باقی رہتا ہے کہ قال کے بعد اَن مفتوحہ واقع ہوگیا ہے ✦

مگر ہم تقریر کلام کی اس طرح پر کرتے ہیں کہ ۔ فلما جاءھم قال مجیبا لھم بانی قد جئتکم بایۃ ۔ یعنی جب حضرت عیسیٰ لوگوں میں وعظ و نصیحت کرنے لگے اور خدا کے احکام سنانے لگے تو اُن کی قوم نے کہا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ نے فرمایا انی قد جئتکم بایۃ من ربکم ۔ یہ تقریر ہم نے اس لئے کی ہے کہ یہ مضمون انی قد جئتکم بایۃ من ربکم اور وہ مضمون جو سورہ مریم میں ہے ۔ قال انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا ۔ بالکل متحد ہے اور پچھلا مضمون جواب میں قوم کے سوال کے واقع ہوا ہے اور یہ قرینہ ہے کہ وہ پہلا مضمون بھی قوم کے جواب میں ہے ✦

متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ جب حضرت مسیح معبد میں وعظ کر رہے تھے تو سردار امام مشائخ اُن کے پاس آئے اور پوچھا کہ تو کس حکم سے یہ کام کرتا ہے اور کس نے تجھے یہ حکم دیا ہے ۔ ماحصل جواب مسیح یہ ہے کہ جس کے حکم سے یحییٰ غوطہ دینے والا کرتا تھا (متی باب ۲۱ درس ۲۳ ۔ ۲۷) ✦

اب کسی اور تفسیر کی اس مقام پر ضرورت نہیں رہی کیونکہ جس قدر انبیا علیہم السلام قوم کی طرف مبعوث ہوتے ہیں وہ خدا کی طرف سے اُن کے پاس احکام لاتے ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی بنی اسرائیل کی قوم پر مبعوث ہوئے تھے اور خدا کی طرف سے ان کے لئے احکام لائے تھے ✦

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (۱۱۵)	اللہ نے کہا کہ بیشک میں اس کو تم پر اُتارنے والا ہوں پھر جو شخص تم میں سے بعد کو کافر ہو تو بیشک میں اس کو عذاب دونگا ایسا عذاب کہ ایک کو بھی عالم کے لوگوں میں سے ویسا عذاب نہ دیا ہوگا (۱۱۵)

ششم۔ حواریوں کے دل میں ایمان کا ڈالنا

اس کی نسبت خدا تعالےٰ نے سورہ مائدہ میں فرمایا ہے۔ واذا وحیت الی الحواریین ان امنوا بی وبرسولی قالوا امنا واشہد باننا مسلمون۔ تمام انبیا پر خدا تعالےٰ کی بڑی رحمت اُس کے حواریوں اور صحابیوں کا پیدا کردینا ہے۔ وہ اس کام میں مددگار ہوتے ہیں۔ رنج و تکلیف کی حالت میں اُن سے تسلی ہوتی ہے۔ اسی سبب سے خدا نے حضرت عیسےٰ کو حواریوں کا جو دل و جان اُن پر فدا تھے ایمان لانا یاد دلایا اور اپنی رحمت اور احسان کو زیادہ وضاحت سے بیان کرنے کے لئے کہا کہ ہم نے حواریوں کو کہا کہ میرے رسول پر ایمان لے آؤ یعنی میں نے ہدایت کی اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ ایمان لانا خدا ہی کی ہدایت پر منحصر ہے +

ہفتم۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا

ہشتم۔ موتےٰ کو زندہ کرنا

اس مضمون کو خدا تعالےٰ نے سورہ آل عمران میں حضرت عیسےٰ کی زبان سے اس طرح فرمایا ہے کہ۔ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ۔ اور سورہ مائدہ میں یوں فرمایا ہے۔ وتبرئ الاکمہ والابرص باذنی واذ تخرج الموتی باذنی +

علمائے اسلام کی عادت ہے کہ قرآن مجید کے معنی یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کے مطابق بیان کرتے ہیں اسلئے اُنھوں نے ان آیتوں کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ حضرت عیسےٰ اندھوں کو آنکھیں بخشتے اور کوڑھیوں کو چنگا کرتے تھے اور مُردوں کو جلا دیتے تھے اور صرف تازہ مُردوں ہی کو نہیں جلاتے تھے بلکہ ہزاروں برس کے پرانے مُردوں کو بھی جلا دیتے تھے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت عیسےٰ نے سام ابن نوح کو اُن کی قبر میں سے بُلایا اور وہ زندہ ہو کر قبر میں سے نکل آئے اور اسی قسم کی اور بہت سی بیہودہ روایتیں لکھی ہیں +

انجیلوں میں بھی اس قسم کے بہت سے معجزے حضرت مسیح کی نسبت بیان ہوئے ہیں مگر نہایت تعجب ہے کہ خود انجیلوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ نے جب اُن سے نزدیک دل

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ

اور جب کہیگا اللہ اے عیسے مریم کے بیٹے کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو دو خدا مانو اللہ کے سوا۔ (عیسے کہینگے) تو پاک ہے کیا مجھ کو بڑا تھا کہ میں وہ کہتا جس کا مجھ کو حق نہیں۔ اگر میں نے وہ کہا ہوگا تو بیشک تو اس کو جانتا ہے۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے

اور صدوقیوں نے آسمانی معجزہ طلب کیا تو انھوں نے معجزے کے ہونے سے انکار کیا (دیکھو انجیل متی باب ۱۲ ورس ۳۸ ۔ باب ۱۶ ورس ۴ ۔ انجیل مارک باب ۸ ورس ۱۲ ۔ انجیل لوک باب ۱۱ ورس ۲۹) پھر کیونکر اس قدر معجزے حضرت مسیح کی انجیلوں میں مذکور ہیں اور وہ معجزے بھی اس قسم کے ہیں کہ ان کو سن کر تعجب آتا ہے کہیں دیوانے آدمیوں میں سے دیو نکلتے ہیں اور سوروں کے گلہ میں گھس کر ان کو دریا میں ڈبوتے ہیں کہیں گونگے آدمیوں سے گونگا دیو نکلتا ہے کہیں کپڑا چھونے سے بیمار اچھے ہوتے ہیں ۔ اور کہیں صرف یہ کہدینا کہ جا تیری مراد پوری ہوئی سخت سے سخت بیماروں کو اچھا کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے ۔

اگر موجودہ انجیلوں پر تاریخانہ تحقیق سے نظر ڈالی جاوے تو اس سے زیادہ سچ اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہودی ہمیشہ جھاڑ پھونک کی عادت رکھتے تھے بیماروں کے لئے دعائیں پڑھکر اُن کی صحت کے لئے اُن پر دم ڈالتے تھے لوگوں کو برکت دیتے تھے لوگ کاہنوں اور اماموں اور مقدس لوگوں کے ہاتھ چومتے پاؤں کو ہاتھ لگانے کپڑے کو چھونے یا بوسہ دینے سے برکت لیتے تھے جیسے کہ اب بھی رومن کیتھلک فرقہ میں رواج ہے اُنہی کی تقلید سے مسلمانوں میں بھی اس قسم کی بہت سی باتیں رائج ہوگئی ہیں ۔ اُسی دستور کے موافق حضرت عیسے بھی بیماروں کو دعا دیتے تھے اُن پر دم ڈالتے تھے برکت دیتے تھے لوگ اُن کے ہاتھوں کو برکت لینے کے لئے چومتے تھے قدموں کو ہاتھ لگاتے کپڑے کو چھوتے تھے یا چومتے تھے پس یہ ایک معمولی بات تھی اُس بیان کے ساتھ اس بات کو اضافہ کیا کہ جو اس طرح کرتا تھا فی الفور چنگا ہو جاتا تھا اندھے آنکھوں والے ہو جاتے تھے اور کوڑھی اچھے ہوتے تھے اُسی قسم کی مبالغہ آمیز تحریریں ہیں جیسے کہ ایسے بزرگوں کے حالات لکھنے والے لکھا کرتے ہیں ۔ جب کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ حضرت عیسے نے معجزہ دکھانے سے انکار کیا تو کہتے ہیں کہ صدق کلمۃ اللہ و روح اللہ اور جب اُن مبالغہ آمیز بندشوں کو پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ھذا بھتان عظیم و روح اللہ و کلمۃ اللہ بری عن ذلک ۔

بیشک تو ہی غیب کی بات کا جاننے والا ہے (۱۱۹)	إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (۱۱۹)

انجیلوں میں صرف دو جگہ مردوں کے زندہ ہونے کا ذکر ہے۔ حاکم کی بیٹی کے زندہ کرنے کے قصہ میں تو خود حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ وہ مری نہیں (متی باب ۹ ورس ۲۴) متی کی انجیل جو اور انجیلوں کی نسبت زیادہ معتبر تصور ہو سکتی ہے اس میں سوائے اس واقع کے اور کسی مردہ کے جلانے کا مذکور نہیں ہے ❖

اور انجیل لوک میں ایک بیوہ کے بیٹے کے زندہ کرنے کا ذکر ہے جس کا جنازہ لئے جاتے تھے (ورس ۱۱) مگر اس کا کچھ ثبوت نہیں کہ درحقیقت وہ مر گیا تھا بہت سے واقعے ایسے گذرے ہیں کہ لوگوں نے ایک شخص کو مردہ سمجھ کر اس کی تجہیز و تکفین کی ہے اور بعد کو معلوم ہوا ہے کہ وہ شخص درحقیقت مرا نہیں گیا تھا تعجب ہے کہ تمام انجیلوں میں اُن واقعوں کے سوا جو نہایت مشتبہ ہیں اور کوئی واقعہ مردوں کے زندہ کرنے کا بیان نہیں ہوا ❖

مسلمانوں کے حال پر اس سے بھی زیادہ افسوس ہے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاے سابقین سے افضل سمجھتے ہیں۔ انبیاے سابقین کے معجزے تو قرآن میں بتلاتے ہیں مگر افضل الانبیا کے ایک معجزہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں نہیں دکھلاتے بلکہ برخلاف اس کے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خدا نے فرمایا ہے کہ۔ انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم اللہ واحد۔ اور معجزے ہونے سے بالکل انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ۔ قالوا لولا انزل علیہ ایت من ربہ قل انما الایات عند اللہ وانما انا نذیر مبین۔ اور ایک جگہ فرمایا۔ لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا نذیر وبشیر لقوم یومنون۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی آیتیں ہیں۔ پس خود ہمارے سردار نے معجزوں کی نفی کی ہے پھر کس طرح ہم معجزوں کو مان سکتے ہیں ❖

ہاں اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا نے انسان میں ایک ایسی قوت رکھی ہے جو دوسرے انسان میں اور دوسرے انسان کے خیال میں اثر کرتی ہے اور اس سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جو نہایت عجیب وغریب معلوم ہوتے ہیں اور جن میں سے بعض کی علت ہم جانتے ہیں اور بہت سوں کی علت نہیں جانتے بلکہ اُس کے عامل بھی اس کی علت نہیں جانتے اسی قوت پر اس زمانہ میں اُن علوم کی بنیاد قایم ہوئی ہے جو مزمرزم اور اسپریچولزم کے نام سے مشہور ہیں اور سابقین اُس کے عامل تھے مگر اُس علم سے ناواقف تھے یا اُس کو مخفی رکھتے تھے۔ مگر جب کہ وہ ایک قوت ہے قواے انسانی میں سے اور ہر ایک انسان میں بالقوہ موجود ہے جیسے قوت کتابت

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ	مَیں نے اُن سے کچھ نہیں کہا بجز اُس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا پروردگار اور تمہارا پروردگار ہے اور مَیں اُن پر گواہ تھا جب تک کہ مَیں اُن میں تھا ،

تو اُس کا کسی انسان سے ظاہر ہونا معجزہ میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو فطرت انسانی میں سے انسان کی ایک فطرت ہے فافہم و تدبر ✦

قرآن مجید میں لفظ ـ ابری ـ اور ـ تبری ـ کا ہے جس کے معنی اچھا کرنے کے بھی ہیں اور بری کرنے کے بھی ہیں ـ یہودی شریعت میں برص دو قسم کی قرار پائی تھی ایک وہ قسم تھی کہ جو اُس مرض میں بیمار ہوتا تھا یہودی اُس کو ناپاک سمجھتے تھے (سفر لیویان باب ۱۳ ورس ۳ و ۸ و ۱۲ و ۱۵ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۵ و ۲۷ و ۳۱ و ۳۹ و ۴۴ و ۵۲) اور ایک قسم وہ تھی جس کے مریض کو ناپاک نہیں ٹھیراتے تھے (سفر لیویان باب ۱۳ ورس ۶ و ۱۳ و ۱۷ و ۲۳ و ۲۸ و ۳۰ و ۳۷ و ۳۹) اور جو لوگ برص سے ناپاک قرار پاتے تھے بالفعل اور وہ لوگ جو اس مرض سے بری کئے جاتے تھے قربانی ادا کرنے کے بغیر معبد میں عبادت کے لئے داخل نہیں ہو سکتے تھے ✦

متی کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ سے ایک کوڑھی نے کہا کہ اگر تو چاہے مجھے پاک کر سکتا ہے حضرت عیسےٰ نے اُس کو چھوا اُس کا کوڑھ جاتا رہا اور حضرت عیسےٰ نے اُس کو کہا کہ اپنے تئیں امام کو دکھا اور جو نذر موسےٰ نے مقرر کی ہے اُسے دے (باب ۸ ورس ۲ ـ ۴) پاک کرنے کے لفظ سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عیسےٰ اُس کو بتا دیں کہ اُن دونوں قسموں کی کوڑھ میں سے کون سی قسم کی کوڑھ اُس کو ہے ✦

اندھے لنگڑے اور چپٹی ناک والے کو یا اُس شخص کو جس میں کوئی عضو زیادہ ہو اور ٹوٹے پاؤں ٹوٹے ہوئے کو اور کبڑے اور ٹھنگنے اور آنکھ میں پھلی والے کو معبد میں جانے اور معمولی طور پر قربانیاں کرنے کی اجازت نہ تھی (سفر لیویان باب ۲۱ ورس ۱۶ لغایت ۲۴) یہ سب ناپاک اور گنہگار سمجھے جاتے تھے اور عبادت کے لایق یا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لایق متصور نہ ہوتے تھے ✦

حضرت عیسےٰ نے یہ تمام قیدیں توڑ دی تھیں اور تمام لوگوں کو کوڑھی ہوں یا اندھے یا لنگڑے چپٹی ناک کے ہوں یا پتلی ناک کے کبڑے ہوں یا سیدھے ٹھنگنے ہوں یا لمبی پھلی والے ہوں یا جالے والے سب کو خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کی منادی کی تھی کسی کو خدا کی

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (۱۱۷)	پھر جب تو نے مجھ کو فوت کیا تو تو ہی اُن پر نگہبان تھا اور تو ہر ایک چیز پر گواہ ہے (۱۱۷)

رحمت سے محروم نہیں کیا اور کسی کو عبادت کے اعلے سے اعلے درجہ سے نہیں روکا پس یہی اُن کا کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کرنا تھا یا اُن کو ناپاکی سے بری کرتا ۔ جہاں جہاں انجیلوں میں بیماروں کے اچھا کرنے کا ذکر ہے اُس سے یہی مراد ہے اور قرآن مجید میں جو یہ آیتیں ہیں اُن کے یہی معنی ہیں +

انسان کی روحانی موت اُس کا کافر ہونا ہے حضرت عیسےٰ خدا کی وحدانیت قایم کرنے اور خدا کے احکام بتانے سے لوگوں کو اُس موت سے زندہ کرتے تھے اور کفر کی موت کے پنجے سے نکالتے تھے جس کی نسبت خدا نے فرمایا ۔ واذ تخرج الموتی باذنی +

مگر ہم نے جو اس مقام پر موت سے کفر اور حیات سے ایمان مراد لیا ہے اُس پر ہم کو کسی قدر بحث کرنی اور یہ ثابت کرنا کہ یہ مراد صحیح ہی ضرور ہے +

سورہ نمل میں خدا تعالےٰ نے کافروں پر موت کا اطلاق کیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ " تو ہرگز

انک لا تسمع الموتی ولا تسمع ۔ سنا نہیں سکتا مُردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو جب کہ
الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین ۔ وہ پیٹھ پھیر کر پھریں اور تو اندھوں کو اُن کی گمراہی سے راہ پر
وما انت بھادی العمی عن ضلالتہم ۔ لانے والا نہیں ہے تو نہیں سنا سکتا مگر اُس کو جو ہماری
ان تسمع الا من یؤمن بایاتنا ۔ نشانیوں پر ایمان لایا ہے پھر وہ مسلمان ہیں +
فہم مسلمون (سورۂ نمل) ۔ موتےٰ کے مقابلہ میں " الا من یؤمن " کا لفظ

واقع ہوا ہے جو صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ موتےٰ کا لفظ کافروں پر اطلاق کیا گیا ہے ۔ مفسرین بھی اس مقام پر کافروں ہی سے مراد لیتے ہیں اور موتیٰ اور صم اور اعمی کے معنی کالموتی ۔ کالصم ۔ کالعمی بیان کرتے ہیں +

سورہ فاطر میں اس سے بھی صاف طرح پر ۔ احیاء ۔ و اموات ۔ کا لفظ مومن و کافر پر اطلاق

وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ۔ ہوا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ " برابر نہیں جیتے احیاء
ان اللہ یسمع من یشاء وما انت ۔ یعنی زندے اور اموات یعنی مردے اللہ تعالےٰ سنا دیتا ہے
بمسمع من فی القبور (سورۂ فاطر) ۔ جس کو چاہتا ہے اور تو نہیں سنانے والا ہے اُن کو جو قبروں میں ہیں +

تمام مفسرین اس مقام پر بھی احیاء سے مومن اور اموات سے کافر مراد لیتے ہیں تفسیر کبیر میں لکھا ہے ۔ ثم قال وما یستوی الاحیاء ولا الاموات مثلا اٰخر فی حق المومن

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ	اگر تو اُن کو عذاب دے تو بیشک تیرے بندے ہیں ،

والکافر کانہ قال تعالٰی حال المومن والکافر فوق حال الاعمی والبصیر الخ۔ پس آیت کے معنی صاف ہیں کہ اللہ تعالٰی نے اپنے احسانوں میں حضرت عیسٰے کے اس وقت کو یاد دلایا جب وہ خدا کے حکم سے کافروں کو ایمان دلایا کرتے تھے خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگرچہ حضرت عیسٰے بنی اسرائیل کے لئے نبی ہوئے تھے مگر وہ اور لوگوں کو بھی جو بنی اسرائیل نہ تھے ہدایت کرتے تھے اور ایمان میں لاتے تھے۔ اُسی حال کی نسبت خدا نے فرمایا " واذ تخرج الموتی باذنی " یعنی واذ تخرج الکافر من کفرہ باذنی ‍+

نہم۔ اخبار عن الغیب

اس کی نسبت خدا تعالٰے نے سورہ آل عمران میں حضرت عیسٰے کی زبان سے فرمایا ہے کہ وانبئکم بما تاکلون وتدخرون فی بیوتکم ان فی ذلک لایۃ لکم ان کنتم مومنین +

علمائے مفسرین نے جو اپنی تفسیر میں عجیب ولایعنی باتوں کا لکھنا اپنا فخر سمجھتے ہیں اس آیت کی بھی تفسیر عجیب وغریب کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰے بچپنے ہی سے مخفی باتوں کی خبر دیدیا کرتے تھے۔ لڑکوں کو جن کے ساتھ کھیلتے تھے بتا دیتے تھے کہ تم نے کیا کھایا ہے اور تمہارے ماں باپ نے فلاں چیز (مثلاً مٹھائی) تم سے چھپا کر رکھ چھوڑی ہے وہ لڑکے گھر میں آکر ماں باپ سے ضد کرتے آخر کو وہ چیز نکلتی تھی اور وہ لے لیتے تھے۔ بعض مفسرین نے یہ کہا کہ جب مائدہ نازل ہؤا تو اُس میں کے کھانے کو جمع کرنے کا حکم نہ تھا مگر لوگ جن پر مائدہ اُترا تھا اُس کو جمع کر لیتے تھے اور حضرت عیسٰے بتا دیتے تھے کہ تم نے کیا کھایا ہے اور کیا جمع کیا ہے +

تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے علما جو نہایت اعلیٰ درجہ کا علم وفضل رکھتے تھے کیونکر ایسی بیہودہ باتیں لکھ گئے ہیں۔ آیت نہایت صاف ہے اور اُس کا مطلب نہایت روشن ہے یہود اور علمائے یہود طرح طرح کے حیلوں اور فریبوں سے ناجائز طور پر لوگوں کا مال مارتے تھے لوگوں کا مال کھاتے تھے اپنے گھروں میں مال مار کر روپیہ دولت جمع کرتے تھے جو بالکل حرام تھا اور جب تھا خود خدا تعالٰے نے سورہ نسا میں یہودیوں کی نسبت فرمایا ہے کہ۔ واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل واعتدنا للکافرین عذابا

اور اگر تو ان بخش دے تو بیشک تو ہی بڑا زبردست ہے حکمت والا (۱۱۸)	وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (۱۱۸)

الیما (۹۵) اور سورہ توبہ میں فرمایا ہے کہ یا یہا الذین امنوا ان کثیرا من الاحبار والرہبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (۳۴)
پس اسی حرام خوری اور حرام کا مال جمع کرنے کی نسبت حضرت عیسے نے فرمایا کہ میں تم کو بتاؤنگا کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو یعنی بتاؤنگا کہ حرام کا مال مارتے ہو اور حرام کی دولت اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔ نہ یہ کہ یہ بتاؤنگا کہ تم نے کیا کھایا ہے اور کیا گھر میں رکھا ہے ✦

یہ ایسی صاف و صریح آیت ہے جس کی تفسیر خود قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں موجود ہے مگر افسوس ہے کہ علماے اسلام نے اس کو بھی ایک افسانہ اور خیالی معجزہ کرکے بیان کیا ہے مگر جس کو خدا نے بصیرت دی ہے وہ صاف سمجھتا ہے کہ نہایت صاف و صریح یہ آیت ہے اور اس کے معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے ✦

دہم۔ نزول مائدہ

سورہ مائدہ میں ذکر ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسے سے کہا کہ خدا سے دعا کریں کہ آسمان پر سے ان کے لئے کھانا اترے۔ حضرت عیسے نے دعا مانگی۔ خدا نے کہا کہ میں تم پر کھانا اتاروں گا لیکن اگر اس کے بعد کسی نے کفر کیا تو میں اس کو ایسا عذاب دونگا کہ کسی کو نہ دیا ہوگا ✦

ہمارے مفسروں نے ان آیتوں کی تفسیر میں نزول مائدہ کی نسبت بہت سے بے سروپا قصے و کہانیاں لکھی ہیں جن میں ایک بھی اعتبار کے لائق نہیں ہے علاوہ قرآن مجید کے لفظوں سے ان قصوں کی تائید ہوتی ہے اور نہ ان کی نسبت کوئی اشارہ پایا جاتا ہے ✦

تفسیر کبیر اور تفسیر کشاف اور اسی طرح اور تفسیروں میں بھی یہ روایت لکھی ہے کہ جب حواریوں نے سنا کہ اگر مائدہ اترنے کے بعد کوئی کفر کریگا تو اس کو سخت عذاب ہوگا تو انھوں نے کہا کہ ہم مائدہ کا اترنا نہیں چاہتے پس کوئی مائدہ نہیں اترا کشاف میں لکھا ہے کہ حضرت حسن بصری نے کہا کہ " واللہ ما نزلت " قرآن مجید میں بھی نہیں بیان کیا گیا ہے کہ بعد اس گفتگو کے مائدہ اترا تھا بلکہ اترنے کا ذکر نہ ہونا جس کے ذکر ہونے کا موقع تھا کافی دلیل اس بات پر یقین کرنے کی ہے کہ نزول مائدہ ہرگز وقوع میں نہیں آیا ✦

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۱۹)	کہیگا اللہ یہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کا سچ ہی نفع دیگا اُن کے لئے جنتیں ہیں بہتی ہیں اُنکے نیچے نہریں ہمیشہ ہمیش اُن میں رہینگے ، خدا اُن سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں یہی بڑی مراد ملنی ہے (۱۱۹)

حضرت عیسٰے کا زمانہ ایک ایسا زمانہ تھا کہ بنی اسرائیل میں یہودیت شدت سے پھیلی ہوئی تھی یہودیوں کی عادت تھی کہ انبیاء سے اس قسم کی خواہشیں کیا کرتے تھے اٹھترویں زبور سے پایا جاتا ہے کہ جب بنی اسرائیل جنگل میں تھے تو یہ لفظ اُنہوں نے کہے تھے کہ ” آیا می شود کہ خدا در بیابان سفرہ را آمادہ گرداند “ (زبور ۷۸ ۔ درس ۱۹) اس کے بعد خدا نے اُن پر من سلوا نازل کیا تھا اُسی طرح حواریین نے بھی حضرت عیسٰے سے کہا ” هل يستطيع ربك ان ينزل علينا مائدة من السماء “ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مائدہ سے اُن کی مراد پکا پکایا کھانے سے نہ تھی بلکہ کھانے کی چیزوں کے موجود ہونے سے تھی ✦

یہ سوال ایک ایسی طبیعت سے نکلا تھا جو یہودیوں کے خیالات سے بھری ہوئی تھی اس کا جواب لحاظ اُن کی طبیعت کے اس سے زیادہ عمدہ اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا کہ خدا کہتا کہ میں تمہارا سوال پورا کرونگا مگر اس کے بعد جو کوئی گناہ کریگا تو اُس کو سخت عذاب دونگا ۔ یہودی اُن مصیبتوں سے واقف تھے جو بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے اور جنگلوں میں پھرنے کے وقت پڑی تھیں حواریین نے ضرور اس جواب سے خوف کیا ہوگا اور سوال سے باز آئے ہونگے جیسا کہ مذکورہ بالا روایت سے پایا جاتا ہے مروّجہ انجیلوں میں یہ قصہ مذکور نہیں ہے مگر کوئی شک کرنے کی جگہ نہیں ہے کہ حضرت عیسٰے کے تمام حالات اور واقعات ان انجیلوں میں مذکور نہیں ہیں ✦

یازدہم ۔ بنی اسرائیل سے بچانا

اس کا بیان خدا تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں اس طرح پر کیا ہے ۔ واذ كففت بني اسرائيل عنك اذ جئتهم بالبينات فقال الذين كفروا منهم ان هذا الا سحر مبين ✦

ہمارے مفسرین جو کففت سے یہ معنی نکالتے ہیں کہ خدا نے حضرت عیسٰے کو یہودیوں کے ہاتھ سے بچایا اور اُن کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا خود اسی آیت سے غلط ثابت ہوتے ہیں کیونکہ کافر آسمان پر زندہ چلے جانے کو اُسی وقت کھلا ہوا جادو کہتے جب وہ یقین کرتے کہ وہ زندہ آسمان پر چلے گئے حالانکہ وہ لوگ اس بات کا یقین نہیں رکھتے بلکہ اُن کو یقین ہے کہ اُنہوں نے

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اللہ کیلئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی

حضرت عیسے کو صلیب پر قتل کیا اور اس تفسیر پر کافروں کا یہ قول ” ان ھذا الا سحر مبین “ صحیح نہیں ہو سکتا اور اگر کافروں کے اس قول کو تبلیغ احکام سے منسوب کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ حضرت مسیح کے پُر اثر بیان کی نسبت کافروں نے یہ کہا تھا تو پھر کفعت سے حضرت عیسے کے آسمان پر اٹھا لینے سے مراد لینے کی جیسے کہ مفسرین نے کی ہے کوئی وجہ نہیں ہے ✦

آیت کا صرف مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسے خدا کے احکام لیکر بنی اسرائیل کو سمجھانے کو گئے تو انھوں نے حضرت عیسے کو مارنے یا تکلیف دینے کا ارادہ کیا خدا نے اُس سے ان کو روکا اور حضرت عیسے محفوظ رہے جس کو یا اُن کے وعظ کو کافروں نے کہا کہ ان ھذا الا سحر مبین ✦

متی کی انجیل میں بھی اس واقعہ کا نشان پایا جاتا ہے جب کہ حضرت عیسے گدھے پر سوار ہو کر بیت المقدس خدا کے احکام سُنانے کو گئے اور بہت سے بدعت کے کاموں سے منع کیا اور وہاں کے عالموں کو لاجواب کیا اور متعدد تمثیلیں بیان کیں اور اخیر کو فرمایا کہ ”میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے چھن جائیگی اور ایک قوم کو جو اُس کے میوے لاوے دیجاویگی (یعنی بنی اسمٰعیل کو) اور جو کوئی اس پتھر پر گریگا کچل جائیگا اور جس پر یہ گریگا اُسے پیس ڈالیگا جب سردار اماموں اور فروسیوں نے اُس کی تمثیلیں سُنیں اُنھوں نے معلوم کیا کہ وہ انہی کے حق میں کہتا ہے تب اُنھوں نے چاہا کہ اُسے پکڑلیں پر وے لوگوں سے ڈرے کیونکہ وے اُسے نبی جانتے تھے (باب ۲۱) پس یہی واقعہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے - اور اس آیت کو حضرت عیسے کے زندہ آسمان پر چلے جانے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ✦

دوازدہم - برأت عن المشرکین

اس مضمون کی آیتیں سورہ مائدہ کے اخیر میں آئی ہیں اور نہایت عمدہ اور دلچسپ اور دل پر اثر کرنے والی ہیں اُن میں حضرت مسیح کے خدا نہ ہونے اور حضرت مسیح کا اپنے تئیں خدا نہ کہنے کا اور جو اُن کو خدا کہتے ہیں اُن سے بیزار ہونے کا بیان ہے مگر وہ مطلب نہایت فصاحت و بلاغت سے خود حضرت مسیح کی زبان سے ادا کیا گیا ہے - اُس کے ہر ہر لفظ سے اندرونی تہذیب اور اخلاقی شائستگی اور خدائے واحد ذوالجلال کا ادب اور اُس کی اعلےٰ قدری اور رب کے سامنے اپنا عجز و انکسار پایا جاتا ہے - یہ طرز کلام ایسا عمدہ ہے کہ پڑھنے والوں اور سننے والوں کے دلوں پر نہایت درجہ کا اثر کرتا ہے - اور اُس کی سچائی لفظوں کے ساتھ دل میں

وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۲۰)	اور جو کچھ اُن میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۲۰)

بیٹھتی جاتی ہے ◆

اس مقام پر اشارہ ہے کہ عیسائی حضرت عیسےٰ اور اُن کی ماں حضرت مریم دونوں کو خدا مانتے تھے یہ عقیدہ رومن کیتھلک چرچ کے پیروں کا تھا اُنہوں نے ورجن میری یعنی حضرت مریم کو خدا کا درجہ دیا تھا اور خدا کی سی تعظیم و ادب کے قابل ٹھیرایا تھا اور حضرت مسیح سے برتر اُن کا رتبہ سمجھتے تھے اور دسویں صدی عیسوی میں حضرت مریم کی خاص پرستش شروع ہو گئی تھی اور روز شنبہ حضرت مریم کی پرستش کا دن قرار پایا تھا اسی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ "یاعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰہین من دون اللہ" ◆

پس اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ کل عیسائیوں کا حضرت مریم کی نسبت یہ عقیدہ ہے بلکہ حضرت مریم کی نسبت صرف اُنہی عیسائیوں کے عقیدہ کی طرف اشارہ ہے جن کا وہ عقیدہ تھا ◆

تم الجلد الثانی من تفسیر القرآن

حصّہ سوم

تفسیر القرآن

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

سب بڑائیاں خدا کے لئے ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو پھر جو کافر ہوئے برابر کرتے ہیں (اصنام کو) اپنے پروردگار سے ﴿۱﴾ وہ تو وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا مٹی سے پھر مقرر کیا مرنے کا وقت اور مقرر کیا ہوا وقت اُس کے پاس ہے (یعنی اُس کو معلوم ہے) پھر تم شک کرتے ہو ﴿۲﴾ اور وہی خدا ہے آسمانوں میں اور زمین میں جانتا ہے تمہارے چھپے اور کھلے (کاموں) کو اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو ﴿۳﴾ اُن کے پاس کوئی نشانی اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اُس سے رُوگرداں ہوتے ﴿۴﴾ پھر بیشک جھٹلایا انہوں نے سچ کو جب کہ وہ (یعنی سچ) اُن کے پاس آیا پھر قریب ہے کہ اُن کے پاس اُن کی خبریں آوینگی جس کے ساتھ وہ ٹھٹھی کرتے تھے ﴿۵﴾ کیا اُن کو خبر نہیں کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنوں کو اگلے زمانہ کی قوموں میں سے ہلاک کر ڈالا جن کو ہم نے زمین میں ایسی قدرت دی تھی کہ تم کو ویسی قدرت نہیں دی اور ہم نے اُن پر موسلا دھار برسنے والے بادل بھیجے اور ہم نے نہریں پیدا کیں جو اُن کے (کھیتوں کے) نیچے بہتی تھیں پھر ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور اُن کے بعد اور لوگوں کا قرن پیدا کیا ﴿۶﴾

﴿۱﴾ (الحمد للہ الذی) اس تمام سورۃ میں آگے لوگ زیادہ تر مخاطب ہیں مشرکین عرب خدا کو جانتے تھے مگر بتوں کو خدا کی برابر کرتے تھے اور خدا کی مانند بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم توحید ذات باری اور توحید صفت باری اور توحید فی العباد

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿٨﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾

اور اگر ہم تجھ پر اتارتے کاغذ میں لکھا ہوا پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے تو بھی جو لوگ کافر ہوئے کہتے کہ یہ تو کھلے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے ﴿٧﴾ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر (یعنی پیغمبر پر) فرشتہ، اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو کام پورا ہو جاتا پھر ٹال میں نہ ڈالے جاتے ﴿٨﴾ اور اگر ہم اس کو (یعنی پیغمبر) ہی کو فرشتہ کر دیتے (یعنی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے) تو اس کو بھی آدمی کی صورت میں بناتے تو ہم ان پر وہی شبہ ڈالتے جو شبہ کہ اب وہ کرتے ہیں ﴿٩﴾ اور بیشک ٹھٹھا کیا گیا ہے رسولوں کے ساتھ تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا ان کو ان کافروں میں سے جو ٹھٹھا کرتے تھے اس چیز نے جس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿١٠﴾ کہدے (اے پیغمبر) کہ سیر کرو زمین میں (یعنی ملکوں میں) پھر دیکھو کہ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا ﴿١١﴾ کہ (یعنی پوچھ اے پیغمبر کافروں سے) کس کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں، کہ (یعنی ان کو بتا دے) کہ اللہ کے لئے ہے، لکھی ہے اس نے اپنے اوپر رحمت، بیشک اکٹھا کریگا تم سب کو قیامت کے دن میں جس میں کچھ شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے تئیں آپ نقصان پہنچایا تو وہ ایمان نہیں لانے کے ﴿١٢﴾ اور اسی کے لئے ہے جو کچھ کہ ٹھیرتا ہے رات میں اور دن میں، اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ﴿١٣﴾

کی ہدایت فرماتے تھے جو ان کے اعتقادات اور بتوں کی پرستش کے برخلاف تھی اس کو نہ مانتے تھے اور آنحضرت کی ہدایت پر خدا کی طرف سے ہونے میں شک کرتے تھے اور اپنی جہالت سے ان امور کا ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بطور معجزہ کے چاہتے

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۗ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۗ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۗ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۗ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۗ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

کہدے اے پیغمبر اُن مشرکین کو جو تجھ کو بتوں کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں کہ کیا میں خدا کے سوا دوسرے کو دوست بناؤں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور وہی رزق دیتا ہے اور اُس کو رزق نہیں دیا جاتا، کہدے کہ بیشک مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں ہوں پہلا شخص جو اسلام لایا اور (یہ حکم ہوا ہے) کہ تو مشرکوں میں سے مت ہو ﴿۱۴﴾ کہدے کہ بیشک میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے پروردگار کی۔ بڑے دن کے عذاب سے ﴿۱۵﴾ جو شخص کہ اُس سے اُس دن عذاب روک رکھا جاوے تو بیشک خدا نے اُس پر مہربانی کی، اور یہی ہے کھلی ہوئی مراد پانی ﴿۱۶﴾ اور اگر خدا تجھ کو ضرر پہنچاوے تو کوئی اُس کا دُور کرنے والا نہیں سوائے اُسی کے، اور اگر تجھ کو بھلائی پہنچاوے تو وہ سب چیز پر قادر ہے ﴿۱۷﴾ اور وہ قد رکھنے والا اپنے بندوں پر اور حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ﴿۱۸﴾ کہدے (اے پیغمبر کافروں سے) کہ کونسی چیز سب سے بڑی شہادت میں ہے، کہدے کہ اللہ، وہ شاہد ہے مجھ میں اور تم میں، اور وحی کیا گیا ہے مجھ کو یہ قرآن تاکہ میں اُس سے تم کو تنبیہ کروں اور اُن کو جن کے پاس اُس کی خبر پہنچی، کیا تم شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور خدا ہیں، کہدے کہ میں شہادت نہیں دیتا، کہدے کہ اُس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ خدا ہے واحد ہے اور بیشک میں بری ہوں اُس چیز سے کہ تم شریک کرتے ہو ﴿۱۹﴾

تھے جو فطرت اللہ کے برخلاف تھی۔ انہی باتوں کا اس سورۃ کے شروع میں بیان ہوا ہے۔ مشرکین عرب مغرور بھی تھے اور وہ اپنی عظمت اور قوت پر گھمنڈ رکھتے تھے اور آنحضرت

الَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو ایسا ہی جانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو جن لوگوں نے اپنے تئیں آپ نقصان پہنچایا تو وہ ایمان نہیں لانے کے (۲۰) اور کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جس نے جھوٹ بہتان خدا پر باندھا یا اُس کی نشانیوں کو جھٹلایا بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے (۲۱) اور جس دن ہم اُن سب کو اکٹھا کرینگے پھر ہم کہینگے اُن لوگوں سے جو شرک کرتے ہیں کہ کہاں ہیں تمہارے شریک جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے (۲۲) پھر اُن کو اور کچھ بہانا بجز اس کے نہ ہوگا کہ کہینگے خدا کی قسم اے ہمارے پروردگار ہم مشرک نہ تھے (۲۳) دیکھ کس طرح اُنھوں نے اپنے پر آپ جھوٹ باندھا اور کھویا گیا اُن سے جو کچھ کہ اُنھوں نے افترا کیا تھا (۲۴) اور اُن میں سے کوئی شخص کان لگاتا ہے تیری طرف اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دئے ہیں اُس کے سمجھنے سے اور اُن کے کانوں میں بہرا پن ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو بھی اُن پر ایمان نہ لاوینگے یہاں تک کہ جب تیرے پاس آوینگے تو کج بحثی کرینگے جو لوگ کافر ہوئے کہتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے مگر اگلوں کی کہانیاں (۲۵)

صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے خدا نے ان کو بتایا کہ تم سے بھی زیادہ قوی اور باحشمت قومیں جو نہایت سرسبز وشاداب ملکوں میں تھیں وہ بھی اپنے گناہوں کے سبب برباد ہوگئیں - پھر خدا نے اُن کے شبہوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اگر وہ ناممکن چیزیں ہو بھی جاویں جو وہ چاہتے ہیں تب بھی وہ لوگ ایمان نہیں لانے کے اور جو رنج و اذیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی باتوں سے پہنچتی تھی انبیاء سابق کی مثال سے آنحضرت کو تسکین دی ہے +

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (۲۶) وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۲۷) بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (۲۸) وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (۲۹) وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (۳۰) قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ (۳۱)

اور وہ (اَوروں کو) اُس سے منع کرتے ہیں اور خود بھی اُس سے الگ رہتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں جانتے (۲۶) اور اگر تو دیکھے جب وہ آگ پر کھڑے ہوں تو کہینگے اے کاش ہم پھر جاویں اور نہ جھٹلاویں اپنے پروردگار کی نشانیوں کو اور ہو ویں ایمان والوں میں سے (۲۷) بلکہ اُن کو ظاہر ہوگیا جو کچھ کہ اس سے پہلے چھپاتے تھے اور اگر وہ پھر بھیجدیئے جاویں تو وہی کرینگے جس سے اُن کو منع کیا گیا تھا بیشک وہ جھوٹے ہیں (۲۸) اور اُنہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر دنیا کی زندگی اور ہم نہیں پھر اُٹھنے والے (۲۹) اور اگر تو دیکھے جبکہ وہ کھڑے کئے جاوینگے اپنے پروردگار کے سامنے (خدا) کہیگا کیا یہ سچ نہیں ہے، کہینگے ہاں قسم ہمارے پروردگار کی، (خدا) کہیگا پھر چکھو عذاب بدلے اُس کے جو تم کفر کرتے تھے (۳۰) بیشک نقصان میں پڑے جن لوگوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو، یہاں تک کہ جب یکایک اُن کے پاس وہ گھڑی آویگی تو کہینگے اے ہم پر افسوس ہماری اُس تقصیر پر جو ہم نے اُس میں کی، اور وہ اُٹھائینگے بوجھ اپنی پیٹھوں پر، جان لو بُرا ہے وہ جو اُٹھاوینگے (۳۱)

(۳۷) (وقالوا لولا انزل علیه آیة) اس آیت سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا یعنی جس کو کفار یا عام لوگ معجزہ سمجھتے ہیں کیونکہ اگر کوئی معجزہ ہوتا تو کفار یہ نہ کہتے کہ کیوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی معجزہ نہیں اُتارا گیا +

تفسیر کبیر میں ان آیتوں کی شان نزول میں ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے ۔ کہ

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾	اور دُنیا کی زندگی کیا ہے مگر لہو ولعب (یعنی چند روزہ بیہودہ خوشی) اور بیشک دارِ آخرت بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو پرہیزگاری کرتے ہیں پھر کیا تم نہیں سمجھتے ﴿۳۲﴾

حرث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف معہ چند قریش کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اُن سب نے کہا کہ اے محمد اللہ کے پاس سے کوئی معجزہ لاؤ جیسے کہ انبیاء کیا کرتے تھے تو ہم تم پر ایمان لائیں مگر خدا نے معجزہ بھیجنے سے انکار کیا کیونکہ خدا کے علم میں تھا کہ وہ ایمان نہیں لانے کے ✦

جن لوگوں نے مذکورہ بالا آیتوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس کوئی معجزہ نہ تھا اُن کو امام فخرالدین رازی نے ملحد قرار دیا ہے اور اُن کا جواب اس طرح دیا ہے کہ خود قرآن ہی بہت بڑا معجزہ ہے کہ باوجودیکہ کافروں سے کہا گیا کہ مثل اس کے لاؤ اور وہ نہ لاسکے۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جاوے کہ اگر قرآن معجزہ تھا تو پھر کافروں نے یہ کیونکر کہا کہ "کیوں نہیں اُتاری گئی پیغمبر پر کوئی نشانی" تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اس کا کئی طرح پر جواب دینگے اول یہ کہ لوگوں نے دشمنی سے قرآن کو معجزہ نہ ٹھیرایا ہوگا اور کہا ہوگا کہ یہ تو کتاب کی قسم سے ہے اور کتاب معجزات کی قسم میں سے نہیں ہے جیسے کہ توریت و زبور و انجیل اور اسی شبہ کے سبب اُنہوں نے وہ کہا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اُنہوں نے معجزات قاہرہ طلب کئے ہونگے جیسے کہ اور انبیا کے پاس تھے مثل سمندر کے چیر دینے اور پہاڑ کے سر پر معلق ہو جانے اور مردوں کے زندہ کرنے کے۔ تیسرے یہ کہ اُنہوں نے ضد سے علاوہ معجزات موجودہ کے اور معجزے طلب کئے ہونگے جیسے فرشتوں کا اُترنا یا آسمان کے ٹکڑے کا ٹوٹ پڑنا۔ چوتھے یہ کہ یا اُنہوں نے آسمان پر سے پتھروں کا برسنا یا اور عذاب کا اُترنا چاہا ہوگا کیونکہ یہ سب باتیں آیت کے لفظ میں شامل ہیں ✦

پھر امام صاحب کافروں کے مطلوبہ معجزات نہ نازل کرنے کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب خدا تعالے نے قرآن مجید بہت بڑا معجزہ دیا تھا تو اس پر اور معجزہ طلب کرنا ضد اور خدا پر تحکم کرنا تھا کرنے اور نہ کرنے میں خدا اپنی مرضی کا مختار ہے وہ لوگوں کی خواہشوں کے مطابق نہیں کرتا لہٰذا اُن کا سوال قبول کیا جانا نہ گیا۔ علاوہ اس کے اگر ان کے اُن سوالوں کو پورا کر دیتا تو وہ ایک اور معجزہ چاہتے جب وہ بھی پورا ہو جاتا تو اور چاہتے اور اس کی کچھ انتہا نہ ہوتی اس لئے پہلی ہی دفعہ سد باب کر دیا۔ سوائے اس کے اگر خدا تعالے نے اُن کے مطلوبہ معجزات کو نازل کرتا اور

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (۳۳) وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ (۳۴)

بیشک ہم جانتے ہیں کہ بیشک تجھ کو رنجیدہ کرتا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں پھر وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے ولیکن یہ ظالم اللہ کی نشانیوں سے ہٹ دھرمی کرتے ہیں (۳۳) اور بیشک جھٹلائے گئے ہیں پیغمبر تجھ سے پہلے پھر انہوں نے صبر کیا اس پر کہ جھٹلائے گئے اور ایذا دی گئی یہاں تک کہ ہماری مدد اُن کے پاس آئی۔ اور کوئی نہیں بدلنے والا خدا کی باتوں کو۔ اور بیشک تیرے پاس آئی ہیں پیغمبروں کی خبروں میں سے (۳۴)

اگر وہ ایمان نہ لاتے تو سب کو نیست و نابود کر ڈالتا پس خدا نے بمقتضائے رحمت کے اُن کو نازل نہیں کیا۔ اور یہ بھی ہے کہ خدا جانتا تھا کہ وہ لوگ ان معجزات کو فائدہ کی غرض سے نہیں طلب کرتے تھے بلکہ ضد سے طلب کرتے تھے اور خدا کو معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لانے کے +

مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں صاف صاف بیان کیا ہے

اما شق القمر فعندنا لیس من المعجزات انما ھو من اٰیات القیامۃ کما قال اللہ تعالٰی اقتربت الساعۃ وانشق القمر ولکنہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبر عنہ قبل وجودہ فکان معجزۃ من ھذا السبیل + + + + + ولم یذکر اللہ سبحانہ شیئا من ھذہ المعجزات فی کتابہ ولم یشر الیھا قط لسر بدیع وھو ان القراٰن انما ھو من الاسم فلا یذکر فیہ ما ھو من تحتہ (تفہیمات الٰہیہ)

کہ قرآن مجید میں کسی معجزہ کا ذکر نہیں ہے اور شق قمر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ معجزہ نہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک شق قمر معجزات میں سے نہیں ہے ہاں وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ قریب ہوئی ساعت اور پھٹ گیا چاند لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کے ہونے سے پہلے اُس کی خبر دی ہے اس راہ سے معجزہ ہے + + + اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ان معجزات میں سے کچھ بھی اپنی کتاب (یعنی قرآن) میں ذکر نہیں کیا اور نہ مطلق اُس کی طرف اشارہ کیا ہے ، اِس میں نادر بھید یہ ہے کہ قرآن پرتو اسم ذات کا ہے (اور شاہ صاحب نے معجزات کو اشراقات میں داخل کیا ہے جو اسم ذات سے کم درجہ ہے اس لئے انہوں نے فرمایا کہ) پس جو چیز کہ اُس کے ماتحت ہے اُس کا ذکر اُس میں نہیں ہو سکتا +

مگر تعجب یہ ہے کہ اگر شاہ صاحب کے نزدیک کسی نبی کے معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہوتا

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰي فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾	اور اگر تجھ پر گراں گذرتا ہے اُن کا مُنہ پھیرنا، پھر اگر تو کرسکے کہ ڈھونڈ نکالے ایک سرنگ زمین میں یا ایک سیڑھی آسمان میں پھر لے آوے اُن کے پاس کوئی نشانی (تو بھی ایمان نہ لاوینگے) اور اگر خدا چاہے تو اُن سب کو ہدایت پر اکٹھا کردے پھر نادانوں سے ہرگز مت ہو ﴿۳۵﴾

تو اُس وقت اُن کی یہ دلیل صحیح ہوسکتی تھی لیکن جب کہ شاہ صاحب اور انبیاء کے معجزات کا ذکر قرآن مجید میں تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ تفہیمات کے متعدد مقاموں سے پایا جاتا ہے تو یہ بھید ٹوٹ جاتا ہے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ قرآن مجید میں بلحاظ اس بھید کے اور پیغمبروں کے معجزوں کا تو ذکر ہو اور بلحاظ اس بھید کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کا ذکر نہ ہو +

غرضکہ امام صاحب نے اس بحث کو اسی طریقہ پر کیا ہے جیسے کہ ہمارے ہاں کے قدیم علما کا طریقہ ہے اور شاہ صاحب نے اُس کو تصوف کے سانچہ موہوم میں ڈھالنا چاہا ہے مگر اس زمانہ کے لوگوں کو ایسی تقریروں سے تشفی نہیں ہوتی اور جب تک اصل حقیقت صاف صاف نہ بتائی جاوے دل کو طمانیت نہیں رہتی +

قرآن مجید میں اس آیت میں اور اَور متعدد آیتوں میں جو کچھ لکھا ہے سب سچ ہے اور نہایت صفائی سے اصل حقیقت کو بتا دیا ہے۔ بزرگوں کے ساتھ کرامت کا اور انبیا کے ساتھ معجزہ کا خیال فطرت کے ایک بڑے لمبے سلسلہ سے مربوط ہے جب تک کہ اُس سلسلہ پر ابتدا سے بغور کامل نظر نہ ڈالی جاوے اور قرآن مجید کی آیتوں کے ساتھ اُس کو نہ تطبیق دی جاوے اُس وقت تک نہ معجزہ کی اور نہ کرامت کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور نہ اس آیت کی اور نہ قرآن مجید کی اور آیتوں کی جو مثل اُس کے ہیں اصلی مراد و حقیقت کھلتی ہے اور نہ اُن لوگوں کے دلوں کو جو اصلی حقیقت کی تلاش میں ہیں تسلی ہوتی ہے پس اول ہم فطرت کے اُس سلسلہ کو مختصر طور پر بیان کرینگے اور اُس کے بعد قرآن مجید کی آیتوں کو اُس سے تطبیق دینگے۔ اور اسی کی ضمن میں انسان کے اُن خیالات کی غلطی ظاہر کردینگے جو انبیاے علیہم السلام میں انسانوں سے بڑھ کر بجز نبوت کے سوا کسی اَور چیز کا ہونا بطور دلیل اُن کی نبوت کے ضروری سمجھتے ہیں۔ ان سب باتوں کے سمجھانے کے لئے اول فطرت کی اُن باتوں کی طرف توجہ دلانا ضرور ہے جن سے مخلوقات کا سلسلہ نبوت کے سلسلہ تک ملا ہوا ہے +

تمام مخلوقات میں انسان ہو یا حیوان ۔ شجر ہو یا حجر ۔ سب میں خدا نے ایک فطرت

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾	اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردے (یعنی کافر) ان کو اٹھاویگا اللہ پھر اس کے پاس لیجائے جاوینگے ﴿۳۶﴾

رکھی ہے، اور اُس کے اثر بغیر کسی کے بتانے اور بغیر کسی سکھلانے والے کے سمجھانے اُسی فطرت کے مطابق ہوتے رہتے ہیں۔ اس ودیعت فطرت کو بعض علمائے اسلام نے الہامات طبعی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مگر خدا تعالٰے نے اُس کو وحی سے تعبیر کیا ہے جہاں فرمایا ہے ”واوحی ربك الى النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون (النحل بیت ۰“) یہ وحی جبرئیل یا خدا کا اور کوئی فرشتہ شہد کی مکھی کے پاس لیکر نہیں گیا تھا بلکہ خود خدا اُس کے پاس لیجانے والا یا اُس میں ڈالنے والا تھا۔

اب دیکھو کہ اس وحی نے شہد کی مکھی میں کیا کیا؟ کس طرح اُس نے پہاڑوں کی چوٹیوں اور گھنے بلند درختوں کی ٹہنیوں میں اور کس حکمت سے چھتہ لگایا۔ اور کس دانائی سے اُس میں چھوٹے چھوٹے مسدس خانے بنائے۔ پھر کس طرح عمدہ سے عمدہ شفا بخش پھولوں سے رس چوس کر لائی۔ اور کس طرح اُس سے میٹھا شہد نکالا جس کے مختلف رنگ ہیں۔ پھر کس طرح اُن مسدس خانوں کو اُس سے بھرا جس کی نسبت خدا نے فرمایا کہ ”فیہ شفاء للناس“۔

ایک چھوٹے سے زرد رنگ کے جانور بئے کو دیکھو کہ اُس وحی یا فطرت نے اس میں کیا کر دکھایا ہے۔ کس حکمت سے وہ اپنا گھونسلا بناتا ہے۔ دشمنوں سے محفوظ رکھنے کو کس قدر اونچے کانٹوں دار درختوں میں لٹکاتا ہے، اندھیری برسات کی راتوں میں کس طرح پٹ بیجنے کا چراغ اپنے گھونسلے میں جلاتا ہے۔ بجز اُس وحی کے اور کس نے اس کو بتایا ہے کہ وہ فاسفورس دار کیڑا صرف روشنی دیتا ہے اور گھونسلا نہیں جلاتا۔

اس کے سوا اور پرندوں کو دیکھو کس طرح جوڑا جوڑا ہو کر رہتے ہیں۔ اپنے انڈوں کو دونوں ملکر کس طرح سیتے ہیں، ایسی معتدل حرارت اُن کو پہنچاتے ہیں کہ بڑے سے بڑے حکیم سے بھی نہیں ہوسکتی۔ پھر بچہ کس طرح انڈے کو کھٹک کر نکلتا ہے۔ پھر کس طرح وہ دونوں اُس کو پالتے ہیں جب بڑا ہو جاتا ہے تو اُڑ جاتا ہے اور وہی کرتا ہے جو اُس کے ماں باپ کرتے تھے۔

چرندوں کا بھی یہی حال ہے وہ بھی اُسی وحی کے مطابق جو اُن کو دیگئی ہے کام کرنے میں اپنا چارہ ڈھونڈھ لیتے ہیں، پانی تلاش کر لیتے ہیں۔ دشت بعید فاصلہ سے پانی کی بو سونگھ لیتا ہے۔ حربہ کے جو اوزار اُن کے پاس ہیں موقع پر کام لاتے ہیں دشمن سے اپنی جان بچاتے ہیں، بکری نے گو کبھی بھیڑیا نہ دیکھا ہو مگر پہلی ہی دفعہ دیکھ کر کانپتی ہے اور جان بچانے کو بھاگتی ہے۔ یہ

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾	اُنھوں نے کہا کیوں نہیں اُتری اُس پر (یعنی پیغمبر پر) کوئی نشانی (یعنی معجزہ) اس کے پروردگار کی طرف سے، کہہ بیشک خدا اس پر قادر ہے کہ اُتارے کوئی نشانی لیکن اُن میں کے اکثر نہیں جانتے ﴿۳۷﴾

سب کرشمے اُسی وحی ربانی کے ہیں جو قادر مطلق ہمہ قدرت نے اُن کو عطا کی ہے +

انسان بھی مثل اُن کے ایک مخلوق ہے وہ بھی اُس وحی کے عطیہ سے محروم نہیں رہا، مگر جس طرح مختلف قسم کے حیوانوں کو بقدر اُن کی ضرورت کے اُس وحی کا حصہ ملا ہے اسی طرح انسان کو بھی بقدر اُس کی ضرورت کے حصہ عطا ہوا ہے +

انسان جس شکل و شمائل اور ترکیب اعضا پر پیدا ہوا ہے وہ بظاہر اُس میں منفرد نہیں ہے بلکہ اُس سے کم درجہ کی بھی ایسی مخلوق پائی جاتی ہے جو بظاہر اُسی کی سی شکل و شمائل رکھتی ہے۔ اس سے مراد میری اُس مخلوق سے ہے جو انسان کے مشابہ ہے مگر انسانی تربیت کا مادہ نہیں رکھتی لیکن اس مقام پر میری بحث اُس شکل و شمائل کے انسان سے ہے جس میں انسانی تربیت کا مادہ بھی ہے کیونکہ خدا کا خطاب بھی اُن ہی سے ہے نہ اُن سے جو حقیقت میں انسان نہیں ہیں بلکہ انسان سے کم درجہ میں اور بندروں کے سلسلہ میں داخل ہیں +

آب و ہوا اور ملک کی حالت سے جہاں انسان رہتا ہے یا ایسے مقامات سے جہاں گو انسان پایا جاتا ہے مگر درحقیقت عمرانات میں شمار نہیں ہو سکتے انسان کی ضروریات میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو جاتا ہے مگر میں ان عارضی تبدیلات کو بھی اپنی اس بحث میں دخل نہ دونگا بلکہ انسان من حیث الانسان سے بمقتضائے اُس کی جبلت انسانی کی بحث کرونگا +

اب ہم انسان کا حیوان سے مقابلہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ انسان بمقابل حیوان کے اس وحی کا کس قدر زیادہ حصہ پانے کا مستحق تھا اور کن کن امور کے لئے +

ہم انسان اور حیوان دونوں میں بھوک اور پیاس کی خواہش پاتے ہیں مگر دونوں میں یہ فرق دیکھتے ہیں کہ حیوانوں کی اُس خواہش کے پورا کرنے کا تمام سامان خود خدا نے اُن کے لئے مہیا کر دیا ہے خواہ وہ جنگل میں رہتے ہوں یا پہاڑ میں خواہ وہ گھانس کھاتے ہوں یا دانہ چگتے ہوں، زمین کے کیڑے کوڑے کھاتے ہوں یا نہایت عمدہ تیار و فربہ جانوروں کا گوشت جہاں وہ ہیں سب کچھ اُن کے لئے مہیا ہے +

انسان کے لئے اُس کی اُن خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے بغیر اُس کی محنت و تدبیر کے کوئی چیز بھی مہیا نہیں یا یوں کہو کہ نہایت ہی کم مہیا ہے اُس کو خود اپنی غذا پیدا کرنی چاہیے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾	اور نہیں ہے کوئی زمین پر چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں پر اُڑتا ہے بجز اس کے کہ مثل تمہاری جماعتیں ہیں ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر اپنے پروردگار کے پاس اکٹھے کئے جاوینگے ﴿۳۸﴾

جب کہ وہ پانی کے چشموں سے دُور ہے تو خود اس کو پانی بھی پیدا کرنا چاہئے +

جانوروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کا لباس خود اُن کے ساتھ ہے جو جاڑے اور گرمی میں تبدیل ہوتا رہتا ہے چھوٹی سی چھوٹی تیتریوں کا ایسا خوبصورت لباس ہے کہ بڑی سے بڑی شہزادی کو بھی نصیب نہیں مگر انسان ننگا پیدا ہوا ہے اُس کو خود اپنی تدبیر سے اپنی محنت سے اپنے لئے آپ گرمی و جاڑہ کا لباس پیدا کرنا ہے +

یہ ضرورتیں انسان کی فرداً فرداً پوری نہیں ہو سکتیں اور اس لئے اُس کو اپنے ہمجنسوں کے ساتھ جمع ہو کر رہنے اور ایک دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے بہت قسم کے جانور بھی ہیں جو ایک جگہ جمع ہو کر رہتے ہیں مگر اُن کو آپس کی استعانت کی حاجت نہیں انسان ہی یک ایسا مخلوق ہے جو اپنے ہمجنسوں کی استعانت کا محتاج ہے +

اس طرح پر باہم ملکر رہنے کی ضرورت اور بہت سی ضرورتوں کو پیدا کر دیتی ہے اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ مجمع آپس میں کس طرح پر برتاؤ اور معاشرت کرے۔ کس طرح اپنے گھروں کو آراستہ کریں اور کس طرح اُن کا انتظام کریں۔ اُن قویٰ کو جو خدا نے اُن میں پیدا کئے ہیں اور جن سے توالد اور تناسل ہوتا ہے کس طرح پر کام میں لاویں۔ اُن مقاصد کے انجام کے لئے کس طرح سرمایہ پیدا کریں اور جو پیدا کیا ہے اُس کو کس طرح بغیر دوسرے کی مزاحمت کے اپنے صرف میں لاویں جس سے دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔ اُس مجمع کا مجموعہ من حیث المجموع کس طرح پر انتظام رہے۔ کسی دوسرے ویسے ہی مجمع کی دست اندازی اور زیادتی سے کس طرح محفوظ رہے +

یہ ضرورتیں انسان میں ایک اور قویٰ کی ودیعت ہونے کی ضرورت کو پیش کرتی ہیں جس کو عقل انسانی یا عقل کامل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہی ودیعت ہے جس سے انسان چند واقعات وقوعی یا مقدمات ذہنی سے ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اور جزئیات کی تتبع سے کوئی کلیہ قاعدہ بناتا ہے یا قاعدہ کلیہ سے جزئیات کو حاصل کرتا ہے۔ ابتدا سے یعنی جب سے کہ انسان نے انسانی جامہ پہنا ہے وہ اس ودیعت کو کام میں لاتا رہا ہے اور جب تک کہ وہ ہے کام میں لاتا رہیگا +

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾	اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو بہرے گونگے ہیں اندھیروں میں جس کو خدا چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو سیدھی راہ پر کرتا ہے ﴿۳۹﴾

یہی ودیعت ہے جس نے انسان کو نئی نئی ایجادوں اور حقایق اشیا کی تحقیقاتوں اور علوم و فنون کے مباحثوں پر قادر کیا ہے، یہی ودیعت ہے جس سے انسان انبساط کی طرف مائل ہوتا ہے وہ غور کرتا ہے کہ کن محسوس اور ذہنی چیزوں سے وہ خوشی حاصل کر سکتا ہے پھر وہ اُن کے جمع کرنے اور ترتیب دینے یا ایجاد کرنے میں کوشش کرتا ہے یہی ودیعت ہے جس سے انسان کا دل ہر ایک واقعہ کی نسبت اس طرف مائل ہوتا ہے کہ یہ کیوں ہوا اور پھر اس سے کیا ہوگا، یہی ودیعت ہے جس کے سبب سے انسان کے دل میں خالق کا، سزا و جزا کا، معاد کا، خیال پیدا ہوتا ہے +

وہ اپنے چاروں طرف اپنے سے بہت زیادہ قوی، عجیب، زبردست مخلوقات کو دیکھتا ہے اور اُس کے دل میں ایک اعلےٰ اور قوی زبردست وجود کا خیال پیدا ہوتا ہے، اُس کے سامنے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کا ظاہر میں کوئی کرنے والا معلوم نہیں ہوتا، بیماریوں، وباؤں، قحطوں میں وہ مُبتلا ہوتا ہے اچھا موسم اور عمدہ فصلوں اور صحت و تندرستی کا زمانہ اُس پر گذرتا ہے اور اس اختلاف کے اسباب سے بہت کم واقف ہوتا ہے وہ اُس کو کسی ایسے وجود غیر معلوم سے منسوب کرتا ہے جس کے اختیار میں اُن کا کرنا تسلیم کرتا ہے۔ پھر اُس غیر معلوم وجود سے خوف کھاتا ہے اور بھلائی کو اُس کی خوشی اور بُرائی کو اُس کی خفگی کا سبب قرار دیتا ہے۔ پھر اُس غیر معلوم وجود کی خوشی حاصل کرنے اور اُس کی خفگی سے بچنے کی تدبیریں سوچتا ہے۔ وہ فکر کرتا ہے کہ میں کون ہوں اور اخیر میں کیا ہونگا اور آخر کار اعمال کی جزا و سزا کا اور ایک قسم کی معاد کے یقین پر مائل ہوتا ہے +

یہ تمام خیالات جو بذریعہ وحی کے یا فطرت کے انسان میں پیدا ہوتے ہیں زمانہ کے گذرنے اور آیندہ نسلوں کے آنے اور برابر سنتے رہنے سے دلوں میں ایسے منقش ہو جاتے ہیں کہ بدیہات سے بھی اُس کا درجہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح انسان کی حالت کو ترقی ہوتی جاتی ہے اُسی طرح اُن باتوں کو بھی جو فطرت نے اُس کو سکھائی ہیں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ بلکہ اُن فطرتی باتوں کا ترقی پانا ہی انسان کی ترقی کہلاتی ہے +

پس جب اس طرح اس انسانی پُتلے پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں جن کو انبیاء علیہم السلام اور حکمائے علیہم الرحمۃ نے دنیا میں قایم کیا ہے اور جن کو ہم علم معاش۔ علم تمدن۔ علم سیاست مدن۔ علم تدبیر منزل۔ علم معاشرت۔ علم المعاملات والاحکام۔ علم الدین یا ادیان۔

قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۰﴾	کہ (اے پیغمبر) کیا دیکھا ہے تم نے اپنے لئے اگر تم پر اللہ کا عذاب آوے یا تم پر بری گھڑی آوے کیا خدا کے سوا اور کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو ﴿۴۰﴾

علم البر والاثم - علم المعاد والآخرت - سے تعبیر کرتے ہیں وہی ہیں جن کی خود خدا نے انسان میں وحی ڈالی ہے یا اُن کو خود اُس کی فطرت میں رکھا ہے +

یہ حقیقت زیادہ تر وضاحت اور تعجب انگیز طریقہ سے منکشف ہوتی ہے جب کہ تمام دنیا کے انسانوں کو جہاں تک کہ ہم کو اُن سے واقفیت ہے باوجود اُن کی زبان - اُن کی قوم - اُن کے ملک - اُن کی صورت - اُن کی رنگت کے اختلاف کے بہت سی باتوں میں متفق پاتے ہیں گو طریقہ عمل میں کچھ اختلاف ہو مثلاً - معبود کا تعین - اُس کی پرستش کا خیال - موت کے بعد اعمال کی جزا و سزا - دوسرے جہان کا وجود - کسی نبی یا رہنمائے روحانی کا ہونا - دنیاوی معاملات میں - تزوّج - سرگروہ کا مقرر کرنا اور اس کے تابع رہنا - افعال میں - رحم دلی ہمدردی - سچائی کا اچھا سمجھنا - زنا - چوری - قتل - جھوٹ کو بُرا جاننا ، یہ اور اُس کے مثل اور بہت سے امور ہیں جن میں تمام دُنیا کے انسانوں کو متفق پاتے ہیں - چند کا ان اتفاقوں میں سے مستثنیٰ ہونا جن کے اسباب بھی جدا ہیں اس کلیہ کے متناقض نہیں ہے +

یہ خیال کرنا کہ ان سب نے ایک ایسے زمانہ میں جب کہ سب یکجا ہونگے ان باتوں کو سیکھا ہوگا اور متفق ہو جانے کے بعد بھی وہ اُن سب باتوں کو اپنے ساتھ لے گئے ایک ایسا خیال ہے کہ جس کا ثبوت موجود نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ناممکن ہے اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ وہ سب کسی زمانہ میں یکجا تھے تو بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کی افتراق نے اُن کی حالت کو (جو ضرور ہے کہ بیانتہا زمانہ کی مفارقت باعث ہوئی ہوگی) ایسا تبدیل کر دیا ہے کہ صورت میں رنگت میں طبیعت میں اعضا کی ساخت میں اُن کے جوڑ بند میں اُن کی زبان میں ایک تبدیل عظیم واقع ہوگئی ہے تو یہ کیونکر تسلیم ہو سکتا ہے کہ وہ خود تو بدل گئے مگر جو سبق اُنہوں نے سیکھا تھا وہ نسل درنسل نہ بھولے - بلکہ برخلاف اس کے وہ اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ توافق اُسی وحی یا فطرت کا باعث ہے جو خدا نے انسان کو ودیعت کی ہے +

مگر خدا نے اس فطرت کو جس کو ہم نے عقل انسانی یا عقل کلی سے تعبیر کیا ہے ایسا نہیں بنایا کہ سب میں برابر ہو یا سب میں ایک سا اُس کا ظہور ہو بلکہ انسان کے پتلے میں اُس کے اعضا کی بناوٹ اس طور پر بنائی ہے کہ اس فطرت کا ظہور بتفاوت اور بانواع مختلف ہوتا ہے پس اس فطرت سے جس شخص کو اعلے درجہ کا حصہ اور جس نوع کا دیا جاتا ہے وہ اوروں کے لئے اُس نوع کا

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

بلکہ اُسی کو پکارو گے پھر جس مصیبت کے لئے اُس کو پکارتے ہو اگر چاہے تو دُور کر دیتا ہے اور تم جن کو اُس کا شریک بناتے ہو بھول جاتے ہو ﴿۴۱﴾ اور بیشک ہم نے بھیجا تجھ سے پہلے لوگوں کے پاس پھر ہم نے اُن کو پکڑا عذاب اور مصیبت سے شاید کہ وہ عاجزی کریں ﴿۴۲﴾

ہادی اور پیشوا ہوجاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ایسے شخص کو مفہّمون کے لقب سے ملقب کیا ہے وہ حجۃ اللہ البالغہ میں "تحت باب حقیقۃ النبوۃ وخواصہا" ارقام فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ "مفہّمون مختلف استعداد کے اور کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ جس کو اکثر خدا کی طرف سے بذریعہ عبادات کے تہذیب نفس کے علوم کا القا ہوتا ہے وہ کامل کہلاتا ہے۔ جس کو اکثر عمدہ اخلاق اور تدبیر منزل کے علوم کا القا ہوتا ہے وہ حکیم کہلاتا ہے۔ جس کو سیاست کے امور کا القا ہوتا ہے اور وہ اُس کو عمل میں لاسکتا ہے وہ خلیفہ کہلاتا ہے۔ جس کو ملاء اعلےٰ سے تعلیم ہوتی ہے اور اُس سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں وہ مؤید بروح القدس کہلاتا ہے۔ اور جس کے دل میں اور زبان میں نور ہوتا ہے اور اُس کی نصیحت سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اُس کے حواریوں اور مریدوں پر بھی نور و سکینہ نازل ہوتا ہے وہ ہادی اور مزکی کہلاتا ہے۔ اور جو قواعد ملت کا زیادہ جاننے والا ہوتا ہے وہ امام کہلاتا ہے۔ اور جس کے دل میں کسی قوم پر آنے والی مصیبت کی خبر ڈال دی جاتی ہے جس کی وہ پیشین گوئی کرتا ہے یا قبر و حشر کے حالات کا اُس پر انکشاف ہوتا ہے اور وہ اس کا وعظ لوگوں کو سناتا ہے وہ مُنذِر کہلاتا ہے۔ اور جب خدا اپنی حکمت سے مفہّمین میں سے کسی بڑے شخص کو مبعوث کرتا ہے تاکہ لوگوں کو ظلمات سے نور میں لاوے تو وہ نبی کہلاتا ہے"۔ بہرحال شاہ صاحب نے اس مطلب کو کسی لفظوں سے اور ہم نے کسی لفظوں سے تعبیر کیا ہو نتیجہ واحد ہے کہ انسانوں ہی میں سے جس درجہ اور جس نوع کی فطرت یا وحی خدا نے جس انسان میں ودیعت کی ہے وہ اور وں کے لئے اُس نوع کا ہادی یا رہنما ہوتا ہے۔ جس میں خدا نے اعلےٰ درجہ کی تہذیب نفس انسانی کی فطرت پیدا کی ہے خواہ اُس کو اُنہی لفظوں سے تعبیر کرو خواہ "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" کے لفظوں سے وہ نبی ہوتا ہے گو کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ ہی میں کیوں نہ ہو +

پس اب ایسی مخلوق کی نسبت جس میں خدا نے اس قدر کاموں اور متعدد درجوں کی فطرت پیدا کی ہو خیال کرو کہ وہ کیا کریگی۔ ضرور ہے کہ وہ اپنی تمدنی فطرت کے مقتضا سے ایک جگہ اکٹھا ہو کر رہیگی۔ اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے ایسی معین آوازیں ظاہر کریگی جو اُس کے مافی الضمیر

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾	پھر کیوں نہ اُنھوں نے عاجزی کی جب کہ اُن کے پاس ہمارا عذاب آیا و لیکن سخت ہو گئے اُن کے دل اور اچھا دکھلایا اُن کو شیطان نے جو کچھ کہ وہ کرتے تھے ﴿۴۳﴾

دال ہوں جس طرح اُس کو مافی الضمیر کے اظہار کی زیادہ ضرورت پیش آتی جاویگی اُن آوازوں کی بھی کثرت اور اُن میں تنوع اور اشتقاق پیدا ہوتا جاویگا رفتہ رفتہ وہ اُس گروہ کی زبان قرار پاویگی اور علم لغت اور علم اشتقاق اور صرف و نحو اور فصاحت و بلاغت سے مالا مال ہو جاویگی +

وہ سب اپنی زندگی بسر کرنے کے سامان مہیا کرنے کی فکر کرینگے دریاؤں اور ندیوں اور چشموں کے مقامات کو پانی میسر آنے کے لئے تلاش کرینگے اگر وہ ایسا موقع نہ پاوینگے تو زمین کھود کر پانی نکال لینگے۔ ایک غریب بیکس عورت بھی اپنے بچہ کے لئے پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑتی پھریگی۔ گو کہ چند روز جنگل کی اتفاقیہ پیداوار پر وہ اپنی زندگی بسر کریں مگر غلہ پیدا کرنے پر کوشش کرینگے زمین کو پھاڑینگے اگر کدال میسر نہ ہوگی تو درخت کے سوکھے نوکدار تنہ ہی سے بہزار مشقت زمین چیرینگے اور بیج ڈالینگے۔ بدن ڈھانکنے کی کوشش کرینگے۔ درختوں کے پتے بھی لپیٹینگے جانوروں کی کھالوں کے تہبند باندھینگے اپنے کھیت میں دوسرے کو نہ آنے دینگے اپنے غلہ کی حفاظت چرند پرند سے انسان سے ہر طرح پر کرینگے۔ رفتہ رفتہ زراعت کے قواعد اور حقوق کی بنیاد اور اُس کے قوانین قایم ہو جاوینگے اور جس طرح اُس کو ترقی ہوتی جاویگی اُسی طرح ان سب باتوں میں جو معاش کے ذریعے ہیں ترقی ہوتی رہیگی۔ یہاں تک کہ انگوری باغ لگا دینگے اور اُس سے شراب بنا دینگے اور اُس کو پی کر بدمست ہو جاوینگے +

وہ اپنی بود و باش کی فکر کرینگے مکانات بنا وینگے کالکمل تان کر یا سرکنڈے اور بانس جمع کر کے یا اینٹ اور گارہ بنا کر اور اس طرح مجتمع ہو کر گانوں اور قصبے اور شہر آباد کرینگے رفتہ رفتہ اس میں ترقی کرتے جاوینگے یہاں تک کہ قصر حمرا اور محل بیضا اور کرسٹل پیلیس اور شیش محل بنا کر اُس میں چین کرینگے +

وہ اپنے گھروں کی درستی اور آبادی کی تدبیریں سوچینگے فرزندوں کی خواہش مونس غمگسار کی آرزو کو پورا کرینگے تزوج کے قواعد اولاد کی پرورش کے طریقے اُن کے حقوق اُن کے ساتھ سلوک کے طریقے قرار دینگے جو رفتہ رفتہ ایسی ترقی پاوینگے کہ علوم کا درجہ حاصل کرینگے اور علم تدبیر منزل کے نام سے موسوم ہونگے +

وہ اپنی گروہ میں راہ رسم کے طریقے اخلاق اور دوستی اور محبت اور ہمدردی کے قاعدے ایجاد

پھر جب وہ بھول گئے جو ہم نے اُن کو نصیحت کی تھی کھول دئے ہم نے اُن پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک جب وہ خوش ہو گئے اُس چیز سے جو اُن کو دی گئی پکڑ لیا ہم نے اُن کو دفعتہً پھر وہ نا اُمید تھے (٤٤)	فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (٤٤)

کرینگے رسم و رواج قایم کرینگے خوشی اور انبساط حاصل کرنے کے سامان مہیا کرینگے اور وہ تمام چیزیں رفتہ رفتہ علم اخلاق و معاشرت کا درجہ حاصل کرینگی ÷

وہ اس مجمع کی حفاظت کی اور اُس میں انتظام قایم کرنے اور سب کے حقوق محفوظ رہنے کی فکر میں پڑینگے اُس کے لئے قوانین تجویز کرینگے اور اُس کے نفاذ کے لئے کسی کو اپنا سردار بنا دینگے اور رفتہ رفتہ سلیمان کی سی بادشاہت اور عمر کی سی خلافت قایم کرینگے اور وہی قوانین ترقی پاتے پاتے علم سیاست مدن کا رتبہ حاصل کرینگے ÷

فطرت کے تفاوتِ درجات کے موافق انہی میں سے وہ لوگ پیدا ہونگے جن کو شاہ ولی اللہ صاحب نے . کامل ، حکیم ، خلیفہ ، موید بروح القدس ، ہادی و مزکی ، امام ، منذر ، نبی ، کے لقب سے ملقب کیا ہے اور اس زمانہ کے بے اعتقادوں نے ، ریفارمر ، اُن کا نام رکھا ہے ، اور انہی کی نسبت خدا نے یہ فرمایا ہے ،، ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم ÷

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بعثت انبیا کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے - یا تو یہ ہوتا ہے کہ ایک دولت (یعنی حکومت یا سلطنت) کے ابتداے ظہور کا اور اُس سے اور دولتوں کے زوال کا وقت آپہنچتا ہے اُس وقت خدا اُس دولت کے لوگوں کے دین کو قایم رکھنے کے لئے کسی کو مبعوث کرتا ہے جس طرح کہ ہمارے سردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی - (نعوذ باللہ ولیس اعتقادی ہذا) یا خدا تعالےٰ کسی قوم کا بقا اور تمام انسانوں پر اُس کا برگزیدہ کرنا چاہتا ہے اُس وقت کسی کو مبعوث کرتا ہے جو اُن کی کجی کو سیدھا کرے اور کتاب اُن کو سکھاوے جس طرح کہ ہمارے سردار موسےٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی - یا کسی قوم کے منتظم کرنے کے لئے جس کی دولت و دین کی پائداری قرار پا چکی ہے کسی مجدد کے مبعوث کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ داؤد و سلیمان اور تمام انبیاے بنی اسرائیل کی بعثت ہوئی جن کو خدا نے اُن کے دشمنوں پر فتح دی - شاہ صاحب نے جو کچھ فرمایا یہ اُن کا استنباط ہے مگر ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے میں یقین کرتا ہوں کہ بعثت انبیاء صرف تہذیب نفسِ انسانی کے لئے ہوتی ہے نہ اور کسی چیز کے لئے ÷

بہرحال یہ تمام واقعات وہ ہیں جو از روے قاعدۂ فطرت انسان پر گذرتے ہیں اور انسان ہر ایک کام میں کسی نہ کسی کو اپنا ہادی اور پیشوا اور رہنما قایم کرتا ہے - اُس وقت ہماری بحث

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

پھر کاٹی گئی جڑ اُس قوم کی جس نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے پروردگار عالموں کا ﴿۴۵﴾ کہہ دے اے پیغمبر کیا تم نے دیکھا ہے اگر اللہ تمہاری سماعت اور بصارت لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو کونسا خدا ہے سوائے اللہ کے کہ تم کو وہ پھر لا دے دیکھ کس طرح ہم بیان کرتے ہیں نشانیوں کو پھر وہ پھر رہتے ہیں ﴿۴۶﴾

اُن لوگوں سے متعلق نہیں ہے جو عموماً مختلف قسم کے علوم و فنون و معارف و مکاسب میں ہادی و پیشوا اور رہنما قرار پاتے ہیں۔ بلکہ صرف اُسی ہادی سے متعلق ہے جو تہذیب نفس انسانی کے لئے پیشوا اور ہادی ہوتا ہے ✦

ایسا ہادی جس میں اس قسم کی ہدایت کی کامل فطرت ہوتی ہے وہی نبی ہوتا ہے اور وہی فطرت، ملکۂ نبوت، ناموس اکبر، جبرئیل اعظم، کے لقب سے ملقب کیجاتی ہے۔ وہ کسی بات کو سوچتا ہے اور کچھ نہیں جانتا دفعتہً اس کے دل میں بغیر کسی ظاہری اسباب کے ایک القا ہوتا ہے اور قلب کو ایک صدمہ اُس کے القا سے محسوس ہوتا ہے جیسے کہ اوپر سے کسی چیز کے گرنے سے صدمہ ہوتا ہے یا اس قسم کا ایک انکشاف اُس کے دل پر ہوتا ہے جو سچ مچ وہ جانتا ہے کہ تمام حجاب اُٹھ گئے ہیں اور جس کی میں تلاش میں تھا مثل سپیدۂ دم صبح میرے سامنے موجود ہے شاید مختلف حالات و معاملات میں اوروں کو بھی ایسا ہوتا ہو مگر جب اُس شخص میں دو صفتیں تسلیم کر لی گئی ہیں ایک فطرت کا کامل ہونا اور دوسرے اُس فطرت کا تہذیب نفس انسانی سے مخصوص ہونا تو لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا وہ القا یا وحی خواہ جبرئیل لیکر آیا ہو یا خود وہ ملکۂ نبوت تھی اُس کا اور خدا کا بھیجا ہوا ہو سچ اور فطرت اللہ کے مطابق ہے۔ اگر بحث رہ جاتی ہے تو اسی قدر رہ جاتی ہے کہ وہ شخص فی الواقع ایسا ہی ہے کہ نہیں ✦

تہذیب نفس سے بلاشبہ بہت امور متعلق ہونگے لیکن اُن سب میں ضرور کوئی ایسا امر بھی ہوگا جو اصل اصول تہذیب نفس انسانی کا ہو اور وہ اصول بمقتضائے فطرت انسانی وہ ہے جس کو خود انسانی فطرت نے قرار دیا ہے یعنی وجود اعلیٰ اور قوی زبردست وجود کا۔ اس مقام پر ہم اس بحث کو کہ اسی امر کو ہم نے کیوں اصل اصول تہذیب نفس انسانی قرار دیا ہے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ خلط بحث نہ ہو جاوے پھر کسی مقام پر اس سے بحث کرینگے اور اس لئے تسلیم امر مذکورہ کئے لیتے ہیں کہ ضرور اُس ہادی کا سب سے اول اور سب سے مقدم کام اُس سب سے اعلیٰ اور سب سے قوی اور سب سے زبردست ہمہ قدرت وجود کی طرف

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾	کہہ دے اے پیغمبر کیا تم نے دیکھا ہے کہ اگر تم پر خدا کا عذاب دفعتہً یا جتلا کر آوے تو کیا ظالموں کی قوم کے سوا اور کوئی مارے جاوینگے ﴿۴۷﴾

ہدایت کرنا ہوگا اور جب کہ وہ کامل فطرت سے ہدایت ہوگی تو تمام کامل فطرت رکھنے والے ہادیوں کو کچھ میں اختلاف نہ ہوگا اور وہی فطرت اللہ اور دین اللہ ہوگا۔ اور اور امور جو اس کے متعلق ہیں طریقے یا رسمیں یا مصالح ہونگے جن کو اب ہم شرائع کے نام سے موسوم کرتے ہیں پس تمام انبیا کا جیسے ہتیا ہوئے دین واحد تھا اصل دین میں کچھ تفاوت نہ تھا خدا فرماتا ہے ”شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ“ (الشوریٰ آیت ۱۱) اور ایک جگہ فرمایا ہے ”لکل جعلنا منکم شرعةً ومنهاجا“ (مائدہ آیت ۵۲) +

بلحاظ اُن فطرتوں کے جو خدا نے انسان میں پیدا کی ہیں شاہ ولی اللہ صاحب بھی اس بات کے قایل ہوئے ہیں کہ انسان[۱] کا اُن کو ترک کرنا محال ہے اور وہ بہت سے امور میں ایک ایسے حکیم کے محتاج ہیں جو تمام ضرورتوں سے واقف ہو اور مصالح تدبیر جانتا ہو خواہ بذریعہ فکر و درایت کے خواہ اس طرح پر کہ خدا تعالیٰ نے اُس کی جبلت میں قوت ملکیہ بھی ہو اور ملاء اعلیٰ سے اُس پر علوم نازل ہوتے ہوں +

پھر وہ لکھتے ہیں کہ انسانوں میں جو رسمیں قایم ہو جاتی ہیں اُن میں اکثر بسبب قوم کے شریر دلوں کی نادانی سے خرابیاں پڑ جاتی ہیں اور نفسانی خواہشوں اور شیطانی حرکتوں تک پہنچ جاتی ہیں اور بہت سے لوگ اُس کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور اس لئے ایک ایسے شخص کی حاجت ہوتی ہے جو غیب[۲] سے مؤید ہو اور مصالح کلیہ کا پابند ہو تا کہ رسومات بد کو مٹا دے اور ایسا شخص مؤید بروح القدس ہوتا ہے +

پھر وہ ارقام فرماتے ہیں کہ انبیا کی بعثت اگرچہ دراصل اور بالتخصیص عبادت کے طریقوں کی تعلیم کرنے کے لئے ہوتی ہے مگر بعد کو اُس کے ساتھ رسومات بد کا دُور کرنا بھی شامل ہو جاتا ہے یہ بات ذرا تفصیل طلب ہے اگر شاہ صاحب کی مراد اُن رسوم بد سے ہے جو عبادات اور تہذیب نفس انسانی سے متعلق ہیں تو مسلّم اور اگر مراد اُن رسوم کی اصلاح سے بھی ہے جو محض دنیاوی امور سے متعلق ہیں تو ہم اُس کو نہیں قبول کر سکتے کیونکہ نبوت کو محض دنیاوی امور سے کچھ تعلق نہیں ہے - اور

---

[۱] حجة الله البالغه باب اقامة الارتفاقات واصلاح الرسوم +

[۲] اگر شاہ صاحب بجائے غیب کے فطرت اللہ کا لفظ استعمال فرماتے تو مطلب بالکل صاف ہو جاتا +

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾	اور ہم نہیں بھیجتے پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پھر جو کوئی ایمان لایا اور اچھے کام کئے پھر اُن کو کچھ ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے ﴿۴۸﴾

قصہ تابیر نخل اور یہ الفاظ کہ "انتم اعلم بامور دنیاکم" اور یہ حدیث کہ "من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد" ایک بہت بڑی دلیل ہماری اس مدعا پر ہے +

تمام رسومات و عادات اور طریقے جو انسانوں میں بمقتضاے اُن کی فطرت کے قایم ہوجاتے ہیں وہ متعدد اقسام پر منقسم ہیں +

اول - جو خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہیں یعنی اُس قوت اعلےٰ کے وجود سے جس کو انسانوں نے بمقتضاے اپنی فطرت کے تسلیم کیا ہے +

دوم - اُس کی عبادت کے طریقوں سے جو لوگوں نے بمقتضاے فطرت انسانی اُس کے لئے قرار دئے ہیں اور یہی امور وہ ہیں جن پر دین کا اطلاق ہوتا ہے +

سوم - وہ امور ہیں جو تہذیب نفس انسانی سے علاقہ رکھتے ہیں اور جن کو نوع انسانی نے بطور بدیہیات کے حسن یا قبیح قرار دے رکھا ہے مثلاً زنا - قتل - سرقہ کذب وغیرہ کہ تمام نوع انسان کے نزدیک قبیح ہیں گو کہ کسی فرقہ نے زنا یا قتل : سرقہ و کذب کی حقیقت قرار دینے میں غلطی کی ہو - یا جیسے صداقت رحم ہمدردی کہ تمام نوع انسانی کے نزدیک حسن ہیں گو کہ کسی سے اُس کی صحیح طور پر بیان نہ ہوسکی ہو - اُنہی امور سہ گانہ کی نسبت جو طریقے قرار پاتے ہیں اُن کا نام شریعت ہے +

چہارم - وہ امور ہیں جو محض دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں وہ نہ دین ہیں اور نہ انبیا کو من حیث النبوۃ اُن سے کچھ تعلق ہے - اسی میں وہ تمام مسائل بھی داخل ہیں جو علوم و فنون اور تحقیقات حقایق اشیاء سے علاقہ رکھتے ہیں گو کہ انبیا نے اُن امور کا ذکر اُس طرز یا الفاظ میں کیا ہو جس طرح پر اُس زمانہ کے لوگوں کا یقین یا اُن کی معلومات تھی +

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث کی زیادہ تفصیل کی ہے اور بہت اچھی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ چیز جو انبیا اسباب بین قاطبتہ خدا کے پاس سے لاتے ہیں وہ یہ ہے کہ دیکھا جاوے کہ کھانے پینے اور لباس اور مکان بنانے اور زیب و زینت کرنے اور نکاح شادی بیاہ کرنے اور خرید و فروخت کرنے اور گناہ گاروں کے سزا دینے اور تنازعات کے فیصلہ کرنے میں اُس وقت کے لوگوں میں کیا عادتیں اور رسمیں مروج ہیں پھر اگر وہ سب باتیں عقل کلی کے مطابق ومناسب ہیں تو اُن کے

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾	اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو چھوئیگا اُن کو عذاب بسبب اس کے کہ وہ فاسق تھے ﴿۴۹﴾

اول بدل کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں بلکہ ضرور ہے کہ لوگوں کو اسی پر قایم رہنے کے لئے برانگیختہ کیا جاوے اور اُس باب میں اُن کی تصویب کی جاوے اور اُس کی خوبیاں بتلائی جاویں اور اگر وہ مطابق نہ ہوں اور اُن کے رد و بدل کی حاجت ہو کیونکہ وہ دوسروں کو ایذا پہنچاتی ہیں یا لذاتِ دنیا میں ڈال دیتی ہیں اور نیکی سے باز رکھتی ہیں اور دین دنیا سے بے فکر کر دیتی ہیں اُس وقت بھی کوئی ایسی بات نہیں نکالی جاتی جو بالکل اُن کے مالوفہ امور کے برخلاف ہو بلکہ جو اگلی مثالیں اُن لوگوں کے ہاں ہیں اور جو اچھے لوگ اُن لوگوں کے نزدیک گذرے ہیں اُن کی طرف اُن کو پھیرا جاتا ہے اور جب وہ اُس طرف مائل ہوتے ہیں تو اُن کو ٹھیک بات بتائی جاتی ہے اور اُن کی عقلیں اُس کو نامقبول نہیں کرتیں بلکہ اُن کے دلوں کو طمانیت ہو جاتی ہے کہ یہی سچ ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں مختلف ہیں۔ جو لوگ راسخ فی العلم ہیں جانتے ہیں کہ شرع میں درباب نکاح اور طلاق اور معاملات اور زیب و زینت اور لباس اور انفصال مقدمات اور حدود اور لوٹ کے مال کی تقسیم کے کوئی ایسی بات نہیں آئی ہے جو اس وقت کے لوگ اُس کو نہ جانتے ہوں یا اُس کے کرنے سے تردد میں پڑ جاویں جب اُس کے کرنے کا حکم ہو۔ ہاں یہ ہوا ہے کہ جس میں جو خرابی تھی وہ درست کر دی گئی اور غلط کو صحیح کر دیا۔ اُن لوگوں میں سود خوری بہت تھی اُس کو منع کر دیا۔ وہ پھل آنے سے پہلے صرف پھول آنے پر میوہ بیچ ڈالتے تھے اور پھر اس میں جھگڑا ہوتا تھا اُس کو منع کر دیا۔ دِیت یعنی خون بہا عبدالمطلب کے وقت میں دس اونٹ تھے پھر قوم نے دیکھا کہ قتل سے باز نہیں رہتے تو سو اونٹ دیت کر دئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسی کو قایم رکھا پہلے پہل مال غنیمت کی تقسیم ابی طالب کے حکم سے ہوئی اور رئیس قوم کے لئے بھی حصہ قرار پایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خمس جاری کیا۔ شاہان فارس یعنی قباد اور اُس کے بیٹے نوشیرواں نے خراج اور عشر لوگوں پر مقرر کیا تھا شرع میں بھی یہی قرار دیا گیا۔ بنی اسرائیل زنا کے جرم میں رجم کرتے تھے چوروں کے ہاتھ کاٹتے تھے (یہودیوں میں ہاتھ کاٹنے کی رسم نہ تھی بلکہ عرب میں تھی) جان کے بدلے جان مارتے تھے قرآن میں بھی یہی حکم نازل ہوا (رجم قرآن میں نہیں ہے) اور اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جو تلاش کرنے والے سے مخفی نہیں ہیں۔ بلکہ اگر تو فطین یعنی پوری سمجھ کا ہے اور تمام احکام کے مراتب پر محیط ہے تو تو یہ بھی جانیگا کہ انبیاء علیہم السلام عبادات میں بھی اُس کے سوا جو قوم کے پاس تھا بعینہٖ اُس کی نظیر کے اور کچھ نہیں لائے لیکن اُنہوں نے جاہلیت کی تحریفات کو دور کر دیا اور جو مبہم تھا اُس کو اوقات و ارکان کے ساتھ ضبط کر دیا اور جو ٹھیک تھا اُس لوگوں

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾	کہدے (اے پیغمبر) کہ نہ میں تم کو یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب کی بات جانتا ہوں اور نہ میں تم کو یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں نہیں پیروی کرتا مگر اُس کی جو وحی دی گئی ہے مجھ کو۔ کہدے کہ کیا اندھے اور آنکھوں سے دیکھنے والے برابر ہیں پھر کیا تم غور نہیں کرتے ﴿۵۰﴾

میں پھیلا دیا (انتہٰی) +

یہ مضمون شاہ ولی اللہ صاحب کا قریب قریب ایسے مضمون کے ہے جو اس زمانہ کے لوگوں کے خیال میں ہے اور جن کو ہمارے زمانہ کے علما اور مقدس لوگ کافر وملحد اور مرتد وزندیق کہتے ہیں گو کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ وما جاء بہ پر بھی یقین رکھتے ہوں مگر نہیں معلوم کہ وہ لوگ شاہ ولی اللہ صاحب کو کیا کہتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ انبیا عبادات میں بھی کوئی نئی چیز نہیں لائے بہرحال شاہ صاحب نے جو محض دنیاوی امور کو بھی مذہب یا شریعت میں شامل کر لیا ہے ہم اُس کو تسلیم نہیں کرتے۔ دین جیسا کہ اوپر بیان ہوا امور دایم سے تبدیل نہیں ہو سکتا۔ لیکن دنیاوی معاملات وقتًا فوقتًا تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور وہ کسی طرح ابدی خدا کی جانب سے صورت خاص کے محکوم نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ کہو کہ جب اصل اُن کے محفوظ ہیں تو حوادث جدید کے احکام علمائے اسلام جو کانبیاء بنی اسرائیل ہیں استنباط کر سکینگے۔ تو ہم یہ کہینگے کہ علما وقوہین یہود کے اور قسیس و رہبان عیسائی مذہب کے بھی علم میں کچھ کم درجہ نہیں رکھتے تھے اگر اُنہوں نے دنیاوی احکام میں غلطی کی تو کیا وجہ ہے کہ یہ غلطی نہ کرینگے اور اگر دنیاوی احکام بھی اصل نبوت ہیں تو کیا وجہ ہوگی کہ اُن کی غلطیوں کی وجہ سے تو انبیاء کے مبعوث ہونے کی ضرورت ہو اور ان کی غلطی کے سبب نہ ہو۔ خصوصًا ایسی صورت میں کہ توریت مقدس میں جس قدر دنیاوی امور کا تذکرہ ہے اُس کا عُشر عشیر بھی قرآن مجید میں نہیں ہے +

یہ مباحث نہایت طویل ہیں اور یہ مقام اُن سب کے بیان کی گنجائش نہیں رکھتا مگر اس تمام بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ انسانوں میں بموجب فطرت انسانی کے کوئی نہ کوئی اُن کا ہادی ہو جاتا ہے اگر خدا نے اُس کو فطرت کامل اور وحی اکمل عطا فرمائی ہے تو وہ سچا ہادی ہوتا ہے جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے "لکل قوم ھاد" پس جو گروہ کسی شخص کو دین وشریعت کا ہادی سمجھتی ہے اُس کی بزرگی و تقدس کا اعتقاد بھی اعلےٰ درجہ پر رکھتی ہے جس کا نتیجہ موافق فطرت انسانی کے یہ ہوتا ہے کہ انسانوں سے اُس کو برتر درجہ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ ابن اللہ یا محیط ذات اللہ

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۰﴾	اور ڈرا اُس (وحی) سے اُن لوگوں کو جو ڈرتے ہیں کہ اکٹھے کئے جاوینگے اپنے پروردگار کے پاس کہ نہیں ہے اُن کے لئے سوا اُس کے یعنی (پروردگار کے) کوئی دوست اور نہ کوئی سفارش کرنے والا تاکہ وہ پرہیزگاری کریں ﴿۵۰﴾

(یعنی اوتار) یقین کیا جاتا ہے اور کم سے کم یہ ہے کہ اُس میں ایسے اوصاف اور کرامتیں اور معجزے تسلیم کئے جاتے ہیں جن سے نوعِ انسان سے اُس کو برتری حاصل ہو معمولی واقعات اور حوادثات کو جو قانونِ فطرت کے مطابق واقع ہوتے رہتے ہیں جب اُس کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو وہ اُس کی کرامت اور معجزہ قرار پاتے ہیں مثلاً اگر ایک عام آدمی کسی کو بددعا دے کہ تجھ پر بجلی گرے اور اتفاق سے وہ بجلی سے مارا جاوے تو کسی کو کچھ خیال بھی نہ ہو لیکن اگر وہ بددعا کسی ایسے شخص نے دی ہو جس کے تقدس کا خیال لوگوں کے دلوں میں ہو تو اُس کی کرامت یا معجزہ سے منسوب ہو جاتی ہے ۔ بہت سی باتیں ہوتی ہیں کہ اُن لوگوں سے جن کے تقدس کا خیال ہوتا ہے اسی طرح سرزد ہوتی ہیں جیسے کہ عام انسانوں سے مگر مقدس لوگوں سے سرزد ہونے کے سبب اُن کی قدر و منزلت زیادہ کی جاتی ہے اور معجزے و کرامات کے درجہ پر پہنچا دیا جاتا ہے ۔ انسان میں بعضی ایسی قوتیں ہیں جو خاص طریقہ مجاہدہ سے قوی ہو جاتی ہیں اور کسی میں بمقتضائے خلقت قوی ہوتی ہیں اور اُن سے ایسے امور ظہور پاتے ہیں جو عام انسانوں سے جنہوں نے ان قوتوں کو قوی نہیں کیا ہے ظہور نہیں پاتے حالانکہ وہ سب باتیں اسی طرح ہوتی ہیں جس طرح کہ اور امور حسب مقتضائے فطرت انسانی واقع ہوتے ہیں مگر وہ بھی اُن مقدس شخصوں کے معجزے و کرامات شمار ہوتے ہیں ۔ بہت عجیب باتیں افواہاً ایسے بزرگوں کی نسبت مشہور ہو جاتی ہیں جن کی درحقیقت کچھ اصل نہیں ہوتی مگر لوگ اُن بزرگوں کے تقدس کے خیال سے ایسے مؤثر ہوتے ہیں کہ اُسکی اصلیت کی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور بے تحقیق اُس پر یقین کر لیتے ہیں یہی سبب ہے کہ انبیائے سابقین علیہم السلام کے تمام واقعات کو لوگوں نے ایسے طور پر بیان کیا ہے جن کا واقع ہونا ایک عجیب طریقہ سے ظاہر ہوا اور پھر اُنہیں کو اُن کے معجزے قرار دئے ہیں اور بعضی ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن کا کچھ ثبوت نہیں ۔ انہی غلط خیالات کے سبب لوگوں نے انبیا علیہم السلام سے انکار کیا ہے چنانچہ قوم نوح قوم عاد قوم ثمود نے انبیا کے انکار کرنے کی یہی وجہ بیان کی ہے کہ "ان انتم الا بشر مثلنا" پس انہی غلط خیالات کی وجہ تھی کہ مشرکین عرب بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزوں کے طلبگار ہوئے تھے ۔ کبھی کہتے

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۵۲)

اور نہ نکال دے (اپنے پاس سے) اُن لوگوں کو جو پُکارتے ہیں اپنے پروردگار کو صبح و شام طلب گاری کرتے ہیں اپنے پروردگار کے مُنہ (یعنی اُس کی ذات پاک) کی نہ تجھ پر اُن کے حساب میں سے کچھ ہے اور نہ تیرے حساب میں سے اُن پر کچھ ہے کہ تو اُن کو نکال دے پھر ہوئے تو ظالموں میں سے (۵۲)

تھے کہ اگر یہ پیغمبر ہیں تو کیوں نہیں اُن کے پاس فرشتے آتے کیوں نہیں اُن کے پاس خزانہ اُتارا گیا۔ کبھی کہتے تھے کہ یہ تو عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں بازاروں میں پڑے پھرتے ہیں یعنی انسانوں سے زیادہ کوئی بات ان میں نہیں ہے۔ کبھی آسمان سے پتھر برسوانے چاہتے تھے۔ کبھی آسمان کا ٹکڑا ٹوٹ کر گرنے کی خواہش کرتے تھے +

وحدانیت ثلاثہ کا ایک رکن جو توحید فی الصفات ہے اُس کی تکمیل کے لئے اس قسم کے خیالات کا مٹانا ضرور تھا اس لئے جا بجا قرآن مجید میں معجزات کی نفی آئی ہے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ "لوگوں سے کہہ دے کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں انسان ہوں مثل تمہارے۔ مجھ کو وحی دی گئی ہے کہ یہی ٹھیک بات ہے کہ تمہارا خدا خدائے واحد ہے" اور

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰهکم اله واحد (سورہ کهف آیت ۱۱۰) +

دوسری جگہ یہ حکم دیا کہ "لوگوں سے کہدے کہ میں مالک نہیں ہوں اپنے لئے کسی نفع یا ضرر کا بجز اُس کے کہ جو چاہے اللہ اور اگر میں غیب کا عالم ہوتا تو میں بھلائیوں کو بکثرت حاصل کر لیتا اور برائی مجھ کو چھوتی بھی نہیں، میں تو اُن لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں +

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء الله ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یؤمنون (سورہ اعراف آیت ۱۸۸) +

کافروں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزے طلب کئے اور صاف صاف کہا کہ ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تو زمین پھاڑ کر ہمارے لئے چشمے نکالے، یا تیرے پاس کھجور و انگور کا باغ ہو جس کے بیچ میں تو بہتی ہوئی نہریں نکالے زور سے بہتی ہوئی یا تو ہم پر جیسا کہ تو سمجھتا ہے آسمان کے ٹکڑے ڈالے۔ یا خدا اور فرشتوں کو اپنے ساتھ لا دے۔

وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا او تکون لک جنة من نخیل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی بالله والملائکة قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤه قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۰ - ۹۵) +

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (۵۳)	اور اسی طرح ہم نے فتنہ میں ڈالا ہے بعض کو بسبب بعض کے کہ کہتے ہیں کیا ہم میں سے یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے انعام کیا ہے۔ کیا خدا نہیں ہے جاننے والا شکر کرنے والوں کو (۵۳)

یا تیرے لئے کوئی مزین گھر ہو، نہ تو آسمان پر چڑھ جاوے، اور ہم تو تیرے منتر پر ہرگز ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ ہم پر ایسی کتاب اُترے جو ہم پڑھ لیں،، مگر باوجود اس قدر اصرار کے جو کافروں نے معجزوں کی طلب میں کیا اور بغیر ایسے معجزوں کے ایمان لانے سے شدید انکار کیا اُس پر بھی خدا نے اپنے پیغمبر سے یہی فرمایا کہ ،، تو اُن سے کہدے کہ پاک ہے میرا پروردگار میں تو کچھ نہیں ہوں مگر ایک انسان بھیجا ہوا یعنی رسول،، +

ایک اور جگہ ہے کہ ،، کافروں نے کہا ،، کیوں نہیں اُتار گئیں اُس پر یعنی پیغمبر پر نشانیاں لولا انزل علیہ آیات من ربہ قل انما الآیات عند اللہ وانما انا نذیر مبین ۔ یعنی معجزے اُس کے جواب میں خدا نے پیغمبر سے کہا کہ تو یہ کہدے کہ بات یہ ہے کہ نشانیاں یعنی معجزے تو خدا کے پاس ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تو علانیہ ڈرانے والا ہوں + (سورۂ عنکبوت آیت ۴۹) +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس جو افضل الانبیاء والرسل ہیں معجزہ نہ ہونے کے بیان سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاے سابقین علیہم السلام کے پاس بھی کوئی معجزہ نہیں تھا اور جن واقعات کو لوگ معجزہ (متعارف معنوں میں) سمجھتے تھے درحقیقت وہ معجزات نہ تھے بلکہ وہ واقعات تھے جو مطابق قانون قدرت کے واقع ہوئے تھے ۔ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اس بات کو کھول دیا اور چھپا لگا نہیں رکھا اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ بڑا جزو اسلام کا جس کے سبب اُس کو خطاب ،، الیوم اکملت لکم دینکم ،، کا ملا اور جس کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہونے وہ صرف تکمیل تلقین توحید ذات باری کی ہے جو توحید ثلاثہ میں منحصر ہے یعنی توحید فی الذات ۔ توحید فی الصفات ۔ توحید فی العبادت ۔ انبیاء علیہم السلام میں معجزات کا (علی المعنی المتعارف) یا اولیاء اللہ میں کرامات کا یقین کرنا (گو کہ اعتقاد کیا جاوے کہ خدا ہی نے وہ قدرت یا صفت اُن میں دی ہے) توحید فی الصفات کو نامکمل کر دیتا ہے ۔ کوئی عزت اور کوئی بزرگی اور کوئی تقدس اور کوئی صداقت اسلام کی اور بانئ اسلام کی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو اس نے بغیر کسی لاؤ لپیٹ کے اور بغیر کسی دھوکا دینے کے اور بغیر کسی کرشمہ و قوت کا دعوے کرنے کے صاف صاف لوگوں کو بتا دیا کہ معجزے تو خدا کے پاس ہیں میں تو مثل تمہارے ایک انسان ہوں خدا نے میرے دل میں جو وحی ڈالی

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۵۴)

اور جس وقت تیرے پاس وہ لوگ آویں جو ہماری نشانیوں پر ایمان لائے ہیں تو تو کہ سلامتی ہو تم پر تمہارے پروردگار نے لکھ لی ہے اپنے آپ پر رحمت کہ جو کوئی تم میں سے نادانستہ برا کام کرے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اچھے کام کرے تو بیشک وہ بخشنے والا ہے رحم والا (۵۴)

ہے اس کی میں تم کو تلقین کرتا ہوں - صلے اللہ علے محمد خاتم النبیین و [illegible] ب رب العلمین +

ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں اس بات پر بحث کی ہے کہ معجزہ اگر فی نفسہ کوئی شے ہو تب بھی وہ مثبت نبوت نہیں ہو سکتا اور اب اس مقام پر نفس معجزہ سے بحث کرنا چاہتے ہیں مگر جب تک لفظ معجزہ کی تعریف اور مراد نہ متعین ہو جاوے اُس وقت تک اس پر بحث نہیں ہو سکتی +

علامہ سید شریف نے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک معجزہ وہ چیز ہے جس سے مدعی رسالت کی تصدیق ہو جاوے اور گو وہ امر بطور خرق عادت کے نہ ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے مدعی رسالت سے کہا کہ اس وقت مینہ برس جاوے تو میں تم کو نبی برحق مانونگا چنانچہ بادل آیا اور مینہ برسنے لگا۔ سید شریف کے قول کے مطابق یہ مینہ برسنا معجزہ ہوا۔

المعجزة عندنا ما يقصد به تصديق مدعي الرسالة وان لم يكن خارقاً للعادة (شرح مواقف)

مگر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس طرح پر متصل یا متعاقب واقع ہونا ان قدرتی واقعوں کا سوائے سچے نبی کے اور کسی سے یا مدعی کاذب سے ظہور میں نہیں آ سکتا +

علاوہ اس کے تمام علمائے اسلام نے معجزہ کی تعریف میں اُس کا خارق عادت ہونا ضروری سمجھا ہے اور خود سید شریف بھی جب کہ یہ فرماتے ہیں کہ "گو وہ خارق عادت نہ ہو" تو وہ بھی معجزات کا خارق عادات ہونا تسلیم کرتے ہیں صرف خارق عادت ہونا لازمی نہیں قرار دیتے +

عادت سے مراد یہ ہے کہ ایک کام جیسے ایک طرح پر ہوتا رہتا ہو اور اس کے اسباب بھی یکساں طریقہ پر جمع ہوتے رہتے ہوں اور جب وہ اسباب جمع ہو جاویں بلا تفاوت اُس امر کا ظہور ہو +

خرق عادت کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ جو امر ہمیشہ بطور عادت مستمرہ کے یکساں طور پر ہوتا رہتا ہے اور بطور عادت مالوفہ کے ہو گیا ہے اُس کے برخلاف کوئی امر وقوع میں آوے۔ مثلاً آسمان پر سے خون کے مشابہ کوئی شے برسے یا پتھر کا ٹکڑا گرے گو کہ ایسا ہونے کے لئے کوئی سبب امور طبعی میں سے ہو +

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾	اور اسی طرح ہم نشانیوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ ظاہر ہو جاوے راہ گنہگاروں کی ﴿۵۵﴾

دوسرے یہ کہ پیچرل ہو یعنی خارج از قانون قدرت یعنی اللہ تعالےٰ نے جو قاعدہ ملو قانون وقوع واقعات اور ظہور حوادث کا مقرر کیا ہے اور عادت اللہ اُسی کے مطابق جاری ہے اُس کے برخلاف وقوع میں آوے ٭

پہلے معنوں پر بطور اصطلاح یا مجاز کے خرق عادت کا اطلاق کیا جانا ممکن ہے مگر حقیقۃً اُس پر خرق عادت کا اطلاق نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اُس کا وقوع بھی اُس کے اسباب کے اجتماع پر منحصر ہے اور عادت میں داخل ہے نہ خرق عادت میں کیونکہ جب اُس کے اسباب جمع ہو جاوینگے تو یکساں طریقہ پر اُس کا وقوع ہوگا گو کہ کیسا ہی نادر الوقوع ہو ٭

مثلاً عادت یہ ہے کہ جب شیشہ ایک بلندی سے جس سے اُس کو پورا صدمہ پہنچے ہاتھ سے چھوٹ پڑتا ہے تو ٹوٹ جاتا ہے ایک دفعہ ہمارے ہاتھ سے شیشہ چھوٹ پڑا اور نہ ٹوٹا تو ظاہر میں خرق عادت ہوئی مگر حقیقت میں خرق عادت نہیں ہے اس لئے کہ اُس کے گرنے پر یا تو وہ اسباب جمع نہ تھے جن سے اُس کو ٹوٹنے کے لایق صدمہ پہنچتا یا ایسے اسباب موجود تھے جنہوں نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچنے سے باز رکھا پس اُس کا نہ ٹوٹنا درحقیقت موافق عادت کے ہے نہ بطور خرق عادت کے کیونکہ جب اس طرح کے اسباب جمع ہو جاوینگے تو کوئی شیشہ بھی ہاتھ سے چھوٹ کر گرنے سے نہیں ٹوٹنے کا ٭

یا مثلاً ایک شخص نے ایک شخص کو آنکھ بھر کے دیکھا اور وہ بیہوش ہو گیا یا اُس نے بہرے کے کے کانوں میں اُنگلیاں ڈالدیں یا اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور وہ بہرا سُننے اور وہ اندھا دیکھنے لگا پس اگر اس کا سبب کوئی ایسی قوت ہے جو انسانوں میں موجود ہے اور اُسی قوت کی قوت سے اُس نے یہ کام کیا ہے تو اُس پر خرق عادت کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ جو انسان اپنی اُس قوت کو کام میں لانے کے لایق کریگا وہ بھی ویسا ہی کر دیگا پس یہ بات حقیقۃً کچھ خرق عادت نہ ہوئی بلکہ عین عادت ہوئی ٭

علاوہ اس کے اگر ہم مجازاً ایسے واقعات پر خرق عادت کا اطلاق بھی کریں تو وہ معجزہ کی تعریف میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ معجزے یا کرامات کو انبیا اور اولیا کے ساتھ مخصوص ہونا لازم ہوگا مگر جب اُن واقعات کا وقوع اجتماع اسباب پر منحصر ٹھیرا تو اُس کی تخصیص شخصٍ دُوْنَ شخصٍ باقی نہیں رہتی ٭

واقعات اور حادثات ارضی وسماوی موافق اُس قانون قدرت کے جو خدا تعالےٰ نے

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ (٥٦)	کہدے کہ بیشک مجھ کو منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو خدا کے سوا تم پکارتے ہو۔ کہدے کہ میں پیروی نہیں کرتا تمہاری خواہشوں کی، بیشک میں گمراہ ہو جاؤنگا اُس وقت اور نہ ہونگا میں ہدایت پائے ہوؤں میں سے (٥٦)

اُن میں رکھا ہے یکے بعد دیگرے واقع ہوتے رہتے ہیں پس کسی امر کے بعد کسی واقعہ یا حادثہ ارضی و سماوی کا ظاہر ہونا کسی طرح معجزہ میں شامل نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا ظہور اُسی عادت پر ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ نے قانون قدرت کے بموجب اُس میں رکھی ہے +

بعض عالموں نے کہا ہے کہ جو معجزات اور کرامتیں انبیا اور اولیا سے ظہور میں آتی ہیں وہ بغیر موجود ہونے اسباب کے ظہور میں نہیں آتیں مگر خدا تعالےٰ بسبب اپنی مہربانی کے جو اُن بزرگوں پر رکھتا ہے فی الفور اُس کے ظہور کے اسباب مہیا کر دیتا ہے کیونکہ وہ اسباب مہیا کرنے پر قادر ہے کما قیل "اذا اراد الله شیئا هیئا اسبابه" بعضوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو کسی چیز کے پیدا کرنے کے لئے اُس کے اسباب کے مہیا کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے "ان الله علےٰ کل شیءٍ قدیر۔ اذا اراد شیئًا ان یقول له کن فیکون" ۔ ہاں یہ سب سچ ہے مگر وہ اُن سب چیزوں کو اُسی طرح پیدا کرتا ہے جو اُس نے قانون قدرت کا قاعدہ بنایا ہے ۔ اور ان الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اُس قانون قدرت کے قاعدہ کے برخلاف کرتا ہے +

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں بہ تحت باب الابداع والخلق والتدبیر اول تو اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ خدا نے جو خاصیت جس چیز میں رکھی ہے اُس کو نہیں بدلتا حیث قال "و جرت عادۃ الله تعالےٰ ان لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها۔ مگر اس کے بعد کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے بلحاظ تدبیر عالم کے اور شر کے رفع ہونے کے اُن تھوڑی یعنی خاصیتوں میں قبض و بسط و احالہ اور الہام سے تصرف کرتا بندوں پر مقتضائے رحمت کا قرار دیا ہے قبض کی مثال اُنہوں نے یہ دی ہے کہ جب دجال آویگا تو ایک مسلمان کو قتل کرنا چاہیگا اور باوجود آلہ قتل کے درست ہونے کے وہ قتل نہ ہو سکیگا !! ۔ بسط کی مثال اُنہوں نے یہ دی ہے کہ زمین پر پاؤں مارنے سے خدا نے حضرت ایوب کے لئے ایک چشمہ پیدا کر دیا جس میں نہانے سے اُن کے بدن میں جو بیماری تھی جاتی رہی !!! ۔ احالہ کی مثال یہ دی ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم پر آگ کو ٹھنڈی ہوا کر دیا !! ۔ اور الہام کی مثال میں کشتی کے توڑنے اور لڑکے کے مار ڈالنے اور دیوار بننے کا قصہ لکھا ہے !! +

مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے اول تو اس کے لئے کہ اس کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ (۵۶)	کہہ کہ بیشک مجھ کو منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو خدا کے سوا تم پکارتے ہو۔ کہہ کہ میں پیروی نہیں کرتا تمہاری خواہشوں کی، بیشک میں گمراہ ہو جاؤنگا اُس وقت اور نہ ہونگا میں ہدایت پائے ہوؤں میں سے (۵۶)

اُن میں رکھا ہے یکے بعد دیگرے واقع ہوتے رہتے ہیں۔ پس کسی امر کے بعد کسی واقعہ یا حادثہ ارضی و سماوی کا ظاہر ہونا کسی طرح معجزہ میں شامل نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا ظہور اُسی عادت پر ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ نے قانون قدرت کے بموجب اُس میں رکھی ہے ✦

بعض عالموں نے کہا ہے کہ جو معجزات اور کرامتیں انبیا اور اولیا سے ظہور میں آتی ہیں وہ بغیر موجود ہونے اسباب کے ظہور میں نہیں آتیں مگر خدا تعالےٰ بسبب اپنی مہربانی کے جو اُن بزرگوں پر رکھتا ہے فی الفور اُس کے ظہور کے اسباب مہیا کر دیتا ہے کیونکہ وہ اسباب مہیا کرنے پر قادر ہے کما قیل "اذا اراد الله شیئًا هیئًا اسبابه" بعضوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو کسی چیز کے پیدا کرنے کے لئے اُس کے اسباب کے مہیا کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے "ان الله علے کل شیٔ قدیر۔ اذا اراد شیئًا ان یقول له کن فیکون"۔ ہاں یہ سب سچ ہے مگر وہ اُن سب چیزوں کو اُسی طرح پیدا کرتا ہے جو اُس نے قانون قدرت کا قاعدہ بنایا ہے۔ اور ان الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اُس قانون قدرت کے قاعدہ کے برخلاف کرتا ہے ✦

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں بہ تحت باب الابداع والخلق والتدبیر اول تو اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ خدا نے جو خاصیت جس چیز میں رکھی ہے اُس کو نہیں بدلتا حیث قال " و جرت عادۃ الله تعالےٰ ان لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها۔ مگر اس کے بعد کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے بلحاظ تدبیر عالم کے اور شر کے رفع ہونے کے اُن خواص یعنی خاصیتوں میں قبض وبسط و احالہ اور الہام سے تصرف کرتا بندوں پر مقتضائے رحمت کا قرار دیا ہے۔ قبض کی مثال اُنہوں نے یہ دی ہے کہ جب دجال آویگا تو ایک مسلمان کو قتل کرنا چاہیگا اور باوجود آلۂ قتل کے درست ہونے کے وہ قتل نہ ہو سکیگا !! ۔ بسط کی مثال اُنہوں نے یہ دی ہے کہ زمین پر پاؤں مارنے سے خدا نے حضرت ایوب کے لئے ایک چشمہ پیدا کر دیا جس میں نہانے سے اُن کے بدن میں جو بیماری تھی جاتی رہی !!! ۔ احالہ کی مثال یہ دی ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم پر آگ کو ٹھنڈی ہوا کر دیا !! ۔ اور الہام کی مثال میں کشتی کے توڑنے اور لڑکے کے مار ڈالنے اور دیوار بنانے کا قصہ لکھا ہے !! ✦

مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے اول تو اس کے لئے کہ اس کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ (۵۷)	کہہ کہ بیشک میں اپنے پروردگار کے پاس سے صریح دلیل رکھتا ہوں اور تم نے اُس کو جھٹلایا ہے میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جس کی تم جلدی کرتے ہو، نہیں ہے حکم مگر اللہ کو بیان کرتا ہے سچ کو اور وہ بہت اچھا فیصلہ کرنے والا ہے (۵۷)

علاوہ اس کے ان میں سے ایک مثال تو ابھی واقع ہی نہیں ہوئی باقی مثالوں کی نسبت ثبوت باقی ہے کہ وہ اسی طرح واقع ہوئی تھیں جس طرح کہ مثال میں پیش ہوئی ہیں، اور اگر بالفرض اسی طرح واقع ہوئی تھیں تو اُن میں یہ تحقیق باقی ہے کہ آیا وہ اس استدلال کی مثالیں ہوسکتی ہیں باآنکہ وہ بلا کسی بسط کے اور بغیر کسی اعالہ کے اور بغیر کسی السام کے صرف مطابق عام قانون قدرت کے واقع ہوئی تھیں +

پس جب تک کہ خرق عادت کے دوسرے معنی یعنی خلاف قانون قدرت کے نہ لئے جاویں اُس وقت تک کسی واقع کا وقوع بطور معجزہ وکرامت کے تسلیم نہیں ہوسکتا۔ مگر ہم اس کے انکار پر مجبور ہیں کیونکہ خدا تعالےٰ نے ہم کو صاف صاف بتلایا ہے کہ جو قانون قدرت اُس نے بنادیا ہے اُس میں کسی طرح تبدیل نہیں ہوسکتی نہ خدا اُس میں کبھی تبدیل کرتا ہے اور نہ تبدیل کریگا۔ خدا کا بنایا ہوا قانون قدرت اُس کا عملی وعدہ ہے کہ اسی طرح ہوا کریگا پھر اگر اُس کے برخلاف ہو تو خلف وعدہ اور کذب خدا کی ذات پاک پر لازم آتا ہے جس سے اُس کی ذات پاک بری ہے +

خدا نے فرمایا ہے کہ " انا کل شئ خلقناہ بقدر (سورہ قمر آیت ۴۹) یعنی ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ پر پیدا کیا ہے۔ اور فرمایا ہے " وکل شئ عندہ بمقدار (سورۂ رعد آیت ۹) یعنی ہر چیز خدا کے نزدیک ایک اندازہ پر ہے تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے " فمعناہ بقدر وحد لایجاوزہ ولا ینقص عنہ " یعنی اُس کے معنی یہ ہیں کہ ایک اندازہ اور ایک حد پر کہ نہ اُس سے بڑھتی ہے نہ کم ہوتی ہے۔ اور فرمایا ہے " وخلق کل شئ فقدرہ تقدیرا (سورۂ فرقان آیت ۲) یعنی اللہ نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا پھر مقرر کیا اُس کا ایک اندازہ " اور یہی اندازہ قانون قدرت ہے +

دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ لا تبدیل لخلق اللہ (سورہ روم آیت ۲۹) یعنی اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے لئے بدل جانا نہیں ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ " فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا " (سورہ ملائکہ آیت ۴۱ و ۴۲) یعنی تو ہرگز نہیں پانے کا اللہ کی سنت میں ادل بدل ہونا اور نہ پاویگا تو اللہ کی سنت میں اُلٹ جانا۔ اور اسی طرح فرمایا ہے " سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا " (سورۂ فتح آیت ۲۳)

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۵۹)	اور اُسکے پاس غیب کی کُنجیاں ہیں اُن کو کوئی نہیں جانتا بجز اُسکے اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل میں ہے اور دریا میں اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر کہ وہ اس کو جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی رطب اور نہ کوئی یابس مگر وہ ہے بیان کرنے والی کتاب میں (یعنی علم الٰہی) میں (۵۹)

ہونے کے تین سبب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ شخص جس سے معجزہ ہوا مفہمین میں سے ہے کیونکہ اُس کا ایسا ہونا باعث ہوتا ہے بعض حوادث کے انکشاف کا اور سبب ہوتا ہے استجابۃ دعا اور ظہور برکۃ کا۔ دوم یہ کہ ملاء اعلےٰ اُس کے حکم بجالانے کو موجود ہوا اور اُس کو الہام اور حالات اور تقریبات ہونے ہوں جو پہلے نہ ہوتے تھے پس وہ اپنے احباب کی مدد کرتا ہے اور دشمنوں کو مخذول کرتا ہے اور خدا کا حکم ظاہر ہوتا ہے اگرچہ کافر اس کو ناپسند کرتے ہوں۔ تیسرے یہ کہ دنیا میں جو واقعات بوجہ اپنے خارجی اسباب کے ہوتے ہیں اور آسمان و زمین کے بیچ میں جو حوادث ظہور پاتے ہیں خدا تعالےٰ اُنہی کو کسی وجہ سے اُس کا معجزہ قرار دیدے (انتہےٰ)۔

تعریف معجزہ و کرامات میں جب لفظ " خرق عادت " کو جس کے معنی بجز خلاف قانون قدرت کے اور نہیں ہوسکتے جیسے کہ ہم نے اوپر تشریح کی ہے محفوظ رکھا جاوے تو تینوں صورتیں جو شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہیں داخل معجزہ و کرامات نہیں ہوسکتیں۔

پہلی صورت میں شاہ صاحب نے مفہمین سے کسی امر کا ظاہر ہونا معجزہ یا کرامت قرار دیا ہے۔ مفہمین کے معنی اُنہوں نے یہ لکھے ہیں کہ اُن کا ملکہ نہایت اعلےٰ ہو ممکن ہو کہ وہ ایک بہت بڑے نظام مطلوب کے قایم کرنے کو سچے دعوے سے برانگیختہ ہوں اور اُن پر ملاء اعلےٰ سے علوم اور احوال اُلٰہیہ کی بھوار پڑتی ہو۔ معتدل المزاج ہوں اُن کی شکل و صورت درست اور خلق اچھا ہو اُن کی رائے میں اضطراب و عدم استقلال نہ ہو نہ اُن میں بے انتہا کی ذکاوت ہو جس سے کلی سے جزئی تک اور مغز سے پوست تک رستہ نہ ہو اور نہ ایسے سخت غبی ہوں کہ جزئی کلی تک اور پوست سے مغز تک نہ پہنچ سکیں سب سے زیادہ سنت کے پابند ہوں نہایت عابد ہوں معاملات میں لوگوں کے ساتھ ٹھیک ہوں عام بھلائی کی تدبیروں کو درست رکھتے ہوں نفع عام میں شوق رکھتے ہوں بلا سبب کسی کو نہ ستاویں ہمیشہ عالم غیب کی جانب متوجہ رہیں اُس کا اثر اُن کے کلام سے اُن کے مُنہ سے ظاہر ہوتا ہو اور اُن کی تمام شان سے معلوم ہوتا ہو کہ موید من الغیب ہیں اُن کو دنیا ریاست

سلہ　قال الرازی ـ ان قولہ الکتاب المبین ہو علم اللہ تعالےٰ لا غیرہ وہذا ہو الاصوب (تفسیر کبیر)۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ

وہ وہ ہے جو مار ڈالتا ہے تم کو (یعنی سُلا دیتا ہے) رات میں اور جانتا ہے جو کیا ہے تم نے دن میں پھر تم کو اُٹھاتا ہے اُس میں (یعنی دن میں) تاکہ پورا کیا جاوے وقت

قربِ سکینہ کی وہ باتیں کھلجاتی ہیں جو اوروں کو نہیں کھلتیں پس ایسا شخص باعث ہوتا ہے بعض حوادث کے انکشاف کا اور سبب ہوتا ہے استجابت دعا اور ظہور برکات کا" ✦

برکت کے معنی شاہ صاحب نے یہ بتلائے ہیں کہ جس شے پر برکت دیجاوے یا تو اُس کا نفع زیادہ ہو جاوے مثلاً تھوڑی سی فوج دشمن کے خیال میں بہت سی معلوم ہونے لگے اور وہ بھاگ جاوے یا تھوڑی غذا میں طبیعت تصرف کرکے ایسا خلط صالح پیدا کرے کہ اُس سے دو چند غذا کھانے کی برابر ہو یا خود وہ شے ہی بسبب منقلب ہو جانے مادہ ہوائی کے بشکل اُس شے کے زیادہ ہو جاوے ✦

اس تمام بیان میں شاہ صاحب مغفور نے اُس امر کے ظہور کو قانون قدرت کے ماتحت کر دیا ہے ہیں پس جب کہ وہ قانون قدرت کے ماتحت ہے اور تخیل تھوڑی فوج کو بہت تصور کر سکتا ہے اور طبیعت قلیل غذا سے کثیر غذا کا فائدہ دے سکتی ہے اور مادہ ہوائی بالفرض کوئی شے بن جا سکتا ہے تو وہ نفس انسانی کے خاصوں میں سے ایک خاصہ ہے شخص دون شخص پر موقوف نہیں ہے اور اس لیے کسی کا معجزہ نہیں ہو سکتا ✦

دوسری صورت جو شاہ صاحب نے لکھی ہے وہ الہامات اور احالات اور تقریبات کی قسم سے ہے اور جب کہ یہ نہیں بیان کیا کہ وہ الہامات و احالات و تقریبات بمقتضائے فطرت انسانی نہیں ہیں تو اُنھوں نے اُن سب کو داخل فطرت انسانی سمجھا ہے اور جب وہ فطرت انسانی میں داخل ہیں تو قانون قدرت کے ماتحت ہیں اور اس سے معجزہ قرار نہیں پا سکتے ✦

تیسری صورت تو نہایت ضعیف ہے اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ دو امور کا جن کا وقوع موافق قانون قدرت کے ہوتا ہے ایک دوسرے کے متصل واقع ہونا معجزہ ہے مثلاً ایک شخص مر گیا اور اُسی کے قریب سورج گہن لگا یا ایک پیغمبر کو لوگوں نے ستایا اور اُس کے بعد کوئی واقعہ مثل طوفان یا وبا کے واقع ہوا پس پچھلے واقعہ کا اقتران پہلے واقعہ کے ساتھ معجزہ ہے حالانکہ یہ تمام امور وہ ہیں جو قانون قدرت کے موافق واقع ہوتے رہتے ہیں اور اُن کا اقتران کسی واقعہ کے ساتھ صرف اتفاقی ہے اور وہ بھی مطابق قانون قدرت کے پس بموجب اُس اُصول کے جس کی بنا پر ہم نے معجزہ وکرامت سے انکار کیا ہے اُس اصول کے مطابق شاہ ولی اللہ صاحب بھی معجزہ وکرامت کے منکر ہیں شاہ صاحب نے اس سے بھی زیادہ وضاحت سے ایک جگہ تفہیمات میں تمام معجزات کو اسباب پر مبنی کیا ہے اور جب وہ اسباب پر مبنی ہیں تو تابع قانون قدرت ہیں اور جب تابع قانون قدرت ہیں تو معجزہ

مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾	معین پھر اُسی کے پاس تم کو پھر جانا ہے پھر تم کو بتلاویگا جو کچھ تم کرتے تھے ﴿۶۰﴾

نہیں اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ درا صل شاہ صاحب بھی ہمارے اصول کے موافق منکرین معجزات سے ہیں انہوں نے تفہیمات میں لکھا ہے کہ: بیشک مقامات نفس الامر کے متفاوت ہیں ان میں سے

ان مراحل نفس الامر متفاوتة منها امور من الاسباب فيه العلة ومعلول فقط واسباب مسبب نحسب ومن المتحقق عندنا انه لم يترك الاسباب قط ولن يترك ولن تجد لسنة الله تبديلا انما المعجزات والكرامات امور اسبابية غلب عليها السبوع فبانيت سائر الاسبابيات (تفہیمات)

مقدمہ اسباب ہے اور اُس مقام میں فقط علت معلول کا سلسلہ ہے اور صرف سبب اور سبب کا اور ہمارے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ اسباب کبھی نہیں چھوٹتے اور نہ چھوٹینگے اور نہ کبھی تو پاویگا اللہ کی سنت میں ادل بدل ہونا۔ اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہے کہ معجزے اور کرامتیں امور اسبابیہ ہیں (یعنی سبب پر مبنی ہیں) کمس ہونا ان پر غالب ہوگیا ہے اس لئے تمام اور اسبابیات سے جدا ہو گئے ہیں +

غرضکہ ہم نے معجزہ و کرامت کے مفہوم میں اس امر کو داخل کیا ہے کہ اس کا وقوع خلاف قانون قدرت ہو اور اسی اصول پر معجزہ و کرامت سے انکار کیا ہے۔ مشرکین عرب بھی اسی قسم کے معجزے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے طلب کرتے تھے جن سے جا بجا قرآن مجید میں انکار ہوا ہے۔ لیکن اگر وقوع خلاف قانون قدرت کو مفہوم معجزہ سے خارج کر دیا جائے اور امورات اتفاقیہ یا نادر الوقوع پر جو قانون قدرت کے مطابق واقع ہوتے ہیں معجزہ کا اطلاق کیا جاوے تو ایسی حالت میں صرف اصطلاح قرار دینے کا اختلاف ہوگا اور جو اصطلاح ہم نے قرار دی ہے اُس کے مطابق اُس پر معجزہ و کرامت کا اطلاق نہ ہوگا +

تمام فرق اسلامیہ معجزات کو حق بیان کرتے ہیں اور سوائے معتزلیوں اور استاد ابو اسحاق اسفرائنی کے جو اہل سنت وجماعت میں سے ہیں تمام فرقے کرامات اولیا کے بھی قائل ہیں اور شیعہ صرف دوازدہ امام علیہم السلام میں حصر کرامت کرتے ہیں معتزلے اس وجہ سے کرامات کے منکر ہیں کہ اگر اولیا سے بھی کرامتیں ہوں تو اُس میں اور معجزہ میں کچھ تمیز باقی نہیں رہتی اور مجرد معجزہ ثبوت نبوت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ لیکن محققین علما معجزوں کا بیان اس طرح پر کرتے ہیں کہ گویا اُن کا وقوع قانون قدرت کے مطابق ہوا ہے پس اگر میرا یہ خیال صحیح ہو تو میں کہ سکتا ہوں کہ تمام علمائے فرق اسلامیہ اس مسئلہ میں میرے ساتھ متفق ہیں اور صرف اصطلاح کا فرق ہے اور جس اصطلاح مقررہ کے مطابق ہم نے معجزات و کرامات کا انکار کیا ہے وہ سب بھی اُس کے منکر

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

وہی زبردست ہے اوپر اپنے بندوں کے اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے ایک کو موت تو اُس کو مار ڈالتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے اور وہ تقصیر نہیں کرتے (۶۱) پھر وہ لیجائے جاتے ہیں اللہ کے پاس جو اُن کا مالک ہے برحق اُسی کے لئے حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والوں میں ہے (۶۲)

ہیں اور اگر علماے متقدمین اس بات کے منکر ہوں کہ معجزہ وکرامت کا وقوع خلاف قانون قدرت ہوتا ہے یا خلاف قانون قدرت بھی ہو سکتا ہے تو بلاشبہ وہ ہم سے اور ہم اُن سے بالکل مختلف ہیں +

حکماء و فلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار کسی وجہ سے کیا ہو مگر ہمارا انکار صرف اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ مخالف عقل کے ہیں اور اس لئے اُن سے انکار کرنا ضرور ہے بلکہ ہمارا انکار اس بنا پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات وکرامات یعنی ظہور امور کا بطور خرق عادت یعنی خلاف فطرت یا خلاف جبلت یا خلاف خلقت یا خلاف قدر التی قد رھا اللہ کے امتناع پایا جاتا ہے جس کو ہم مختصر لفظوں میں یوں تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلاف قانون قدرت واقع نہیں ہوتا اور اس لئے معجزات وکرامات سے جب کہ اُن کے معنوں میں غیر مقید ہونا قانون قدرت کا مراد لیا جاوے تو انکار کرتے ہیں اور اگر اُن کے مفہوم میں یہ بھی داخل کیا جاوے کہ وہ مطابق قانون قدرت کے واقع ہوتے ہیں تو صرف نزاع لفظی باقی رہ جاتی ہے کیونکہ جو امر کہ واقع ہؤا اور جس شخص کے ہاتھ سے واقع ہؤا اُس کو ہم دونوں تسلیم کرتے ہیں مگر وہ اُس کا معجزہ یا کرامت نام رکھتے ہیں ہم اُس کا یہ نام نہیں رکھتے +

اس اختلاف کا نتیجہ تشریح مندرجہ ذیل سے بخوبی واضح ہوگا - ایک عجیب امر جو عام طور پر نہیں ہؤا یا کسی پیغمبر یا ولی سے منسوب ہؤا یا کسی پیغمبر کے زمانہ میں ہوتا بیان ہؤا - تو اول ہم اُس کے فی الحقیقت واقع ہونے کا ثبوت تلاش کرینگے اور غالباً معتقدین معجزہ وکرامت بھی اس میں مختلف نہ ہونگے - ان شاید انجام کو اس بات میں اختلاف ہو کہ اُن کے نزدیک اُس وقوع کا کافی ثبوت ہو اور ہمارے نزدیک نہ ہو لیکن بغرض تسلیم اُس کے ثبوت کے ہم دونوں اُس کے وقوع میں متفق ہونگے +

اُس کے بعد ہم غور کرینگے کہ اُس کا وقوع آیا کسی قانون قدرت کے مطابق ہؤا ہے جو

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾	کہ کون تم کو نجات دیتا ہے جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں سے پکارتے ہو اس کو گڑگڑا کر اور چھپے سے کہ اگر ہم کو ان سے نجات دیگا تو بیشک ہم شکر کرنے والوں میں ہونگے ﴿۶۳﴾ کہہ کہ اللہ تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر سختی سے پھر تم شرک کرتے ہو ﴿۶۴﴾

ہم کو اب تک معلوم ہیں اگر اُس کا وقوع کسی معلوم قانون قدرت کے مطابق ہم کو معلوم ہوا تو ہم اُس کو اُس کی طرف منسوب کرینگے معتقدین معجزہ و کرامت امر مذکورہ پر غور و فکر کئے بغیر اُس کو معجزہ یا کرامت قرار دینگے +

اور اگر کوئی قانون قدرت اُس کے وقوع یا ظہور کا ہم کو معلوم نہ ہو تو چونکہ ہم کو قرآن مجید نے یقین دلایا ہے کہ تمام امور موافق قانون قدرت کے واقع ہوتے ہیں ہم یہ کہینگے کہ ضرور اس کے لئے بھی کوئی قانون قدرت ہے جو ہم کو معلوم نہیں ہے - اور معتقدین معجزہ و کرامات بغیر مذکورہ بالا خیال کے اُس کو معجزہ یا کرامت قرار دینگے اور اس صورت میں صرف نزاع لفظی یا اصطلاحی یا عقلی و بے عقلی باقی رہ جاتی ہے +

ہماری سمجھ میں کسی شخص میں معجزے یا کرامت کے ہونے کا یقین کرنا ذات باری کی توحید فی الصفات پر ایمان کو ناقص اور ناتمکمل کر دیتا ہے اور اُس کا ثبوت پیر پرست و گور پرست لوگوں کے حالات سے جو اس وقت بھی موجود ہیں اور صرف معجزہ و کرامت کے خیال نے اُن کو پیر پرستی و گور پرستی کی رغبت دلائی ہے اور خدائے قادر مطلق کے سوا دوسرے کی طرف اُن کو رجوع کیا ہے اور منتیں ماننا اور نذر و نیاز چڑھانا اور اُن کے نام کے نشانات بنانا اور جانوروں کی بھینٹ دینا سکھایا ہے بخوبی حاصل ہے - اسی وجہ سے ہمارے سچے نبی محمد رسول اللہ نے اور ہمارے سچے خدا وحدہٗ لاشریک نے صاف صاف معجزات کی نفی کر دی تاکہ توحید کامل بندوں کو حاصل ہو اور بندے خدا پر اس طرح یقین لاویں کہ لا الٰہ الا اللہ ھو واحد فی ذاتہ لا شریک لہ - لا الٰہ الا اللہ ھو واحد فی صفاتہ لا مثل ولا شبیہ ولا شریک لہ لا الٰہ الا اللہ ھو المستحق للعبادت لا شریک لہ وھذا اکمل الایمان باللہ ولھذا قال اللہ تعالیٰ لحبیبہ محمد رسول اللہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا - والحمد للہ الذی وھب لی ھذا الایمان ایمانًا کاملا و طمئن قلبی بما الھمنی ربی والصلوٰۃ علیٰ محمد وآلہ +

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾	کہدے کہ وہ قادر ہے اس بات پر کہ تم پر عذاب بھیجے ایک عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (یعنی آفت سماوی یا ارضی) یا تم کو ہمسر گروہوں میں کردے اور مزا چکھادے تمہارے ایک گروہ کو دوسرے کی لڑائی کا، دیکھ کس طرح ہم بیان کرتے ہیں نشانیوں کو تاکہ وہ سمجھیں ﴿۶۵﴾

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ انبیا پر ایمان لانا بسبب ظہور معجزات باہرہ کے ہوتا ہے مگر خیال محض غلط ہے انبیاء علیہم السلام پر یا کسی ماننے باطل پر ایمان لانا بھی انسانی فطرت میں داخل اور قانون قدرت کے تابع ہے ۔ بعض انسان باز روے فطرت کے ایسے سلیم الطبع پیدا ہوتے ہیں کہ سیدھی اور سچی بات اُن کے دل میں بیٹھ جاتی ہے وہ اُس پر یقین کرنے کے لئے دلیل کے محتاج نہیں ہوتے باوجودیکہ وہ اس سے مانوس نہیں ہوتے مگر اُن کا وجدان صحیح اُس کے سچ ہونے پر گواہی دیتا ہے اُن کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اُس بات کے سچ ہونے پر اُن کو یقین دلاتی ہے ۔ یہی لوگ ہیں جو انبیاے صادقین پر صرف اُن کا وعظ و نصیحت سُنکر ایمان لاتے ہیں نہ معجزوں اور کرامتوں پر ۔ اسی فطرت انسانی کا نام شارع نے ہدایت رکھا ہے مگر جو لوگ معجزوں کے طلبگار ہوتے ہیں وہ کبھی ایمان نہیں لاتے اور نہ معجزوں کے دکھانے سے کوئی ایمان لا سکتا ہے خود خدا نے اپنے رسول سے فرمایا کہ ” اگر تو زمین میں ایک سرنگ ڈھونڈ نکالے یا آسمان میں ایک سیڑھی لگالے تب بھی وہ ایمان نہیں لانے کے “ اور ایک جگہ فرمایا کہ ” اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی بھیجدیں اور اُس کو وہ اپنے ہاتھوں سے بھی چھوئیں تب بھی وہ ایمان نہیں لانے کے اور کہینگے یہ تو علانیہ جادو ہے “ پس ایمان لانا صرف ہدایت (فطرت) پر منحصر ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا ” اللہ یهدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

ماننے باطل پر جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کے دل میں بھی غالباً اسی قسم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس کا سبب کبھی اُن کی فطرت ہوتی ہے جو کجی کی طرف مائل ہے سیدھی طرف مائل ہی نہیں ہوتی اور اسی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے ” من یشاء اللہ یضللہ ومن یشاء یجعلہ علی صراط مستقیم “ (الانعام) اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ دین آبائی کا اور سوسیٹی کا ایسا بوجھ اُن کی طبیعتوں پر ہوتا ہے کہ سیدھی بات کے دل میں آنے کی جگہ ہی نہیں رہتی اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ متخلی بالطبع ہو کر اس بات پر غور نہیں کرتے اور اسی کی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح ” جس کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت کرے اُس کا دل اسلام کے

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۶۶)	اور جھٹلایا اُس کو تیری قوم نے حالانکہ وہ سچ ہے کہہ کہ میں نہیں ہوں تم پر وکیل ہر چیز کے قرار پانے کے لئے وقت ہے اور قریب ہے کہ تم جانو گے (۶۶)

صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء کذلک یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون (الانعام آیت ۱۲۵) لئے (یعنی سیدھی راہ پر چلنے کے لئے) کھول دیتا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اُس کے دل کو تنگ اور ایسا دق کر دیتا ہے کہ سیدھی بات کے اختیار کرنے کو آسمان پر چڑھنے سے بھی زیادہ مشکل سمجھتا ہے اسی طرح خدا اُن پر بُرائی ڈالتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ،، ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے ہدایت پانے یا گمراہ ہونے کو اپنا فعل قرار دیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ خدا جو فاعل حقیقی ہے ہمیشہ تمام چیزوں کو جو ظہور میں آتی ہیں اپنی طرف نسبت کرتا ہے اسی طرح ان آیتوں میں بھی انسان کے فطرتی افعال کو اپنی طرف نسبت کیا ہے مگر درحقیقت یہ بیان انسان کی فطرت کا ہے اور بس +

(۶۱) (ویرسل علیکم حفظۃ) اس آیت کی تفسیر میں ہمارے علما نے عجیب باتیں لکھی ہیں - اول تو اُنہوں نے اس آیت کے ان لفظوں سے " ویرسل علیکم حفظۃ " اور قرآن مجید کی اور آیتوں کے ان الفاظ سے " معقبات بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ " اور ان الفاظ سے " ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید " اور ان الفاظ سے " وان علیکم لحافظین کراما کاتبین " یہ قرار دیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ انسان سے خارج اُس کے نگہبان فرشتے متعلق ہیں جو ملائک حفظہ کے نام سے موسوم ہیں +

مگر اسی آیت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ " حتی اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا " تو اس پر یہ بحث پیش آئی کہ یہ فرشتے مار ڈالنے والے وہی حفظہ ہیں جو اخیر کو قتلہ ہو گئے یا اُن سے علٰحدہ ہیں - بعضوں کا یہ قول ہے کہ یہ قتلہ وہی حفظہ ہیں اور اکثر قول ہے کہ نہیں قتلہ حفظہ سے علٰحدہ ہیں اور اسی قول کو راجح قرار دیا ہے +

اس کے بعد جو اس آیت میں یہ الفاظ ہیں کہ " ثم ردوا الی اللہ مولاھم الحق " یہ قرار دیا ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو یہ قتلہ فرشتے بھی مر جاتے ہیں اور خدا کے پاس لیجائے جاتے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ فرشتے نہیں لیجائے جاتے بلکہ آدمی جو مرتے ہیں وہ لیجائے جاتے ہیں - مگر کسی مفسر نے یہ نہیں لکھا کہ اگر یہ حفظہ و قتلہ فرشتے جو ہر ایک انسان پر متعین ہیں اگر وہ بھی انسان کے ساتھ نہیں مرتے تو پھر کیا کیا کرتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کو کسی اور خدمت پر معین کرتا

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (٦٩)

اور چھوڑ دے اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل و تماشا کر رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکا دیا ہے اور نصیحت کر ساتھ اس کے کہ ہلاکت میں پڑے گی ہر ایک جان بسبب اُس کے جو کمایا ہے نہیں ہے اُس کے لئے سوائے خدا کے کوئی دوست اور نہ کوئی بخشوانے والا اور اگر بدلا دیوے کتنا ہی بدلا تو اُس سے کچھ نہیں لیا جاویگا وہی لوگ ہیں جو ہلاکت میں پڑے ہیں بسبب اُسکے جو انھوں نے کمایا ہے اُن کے لئے ہے پینا کھولتے ہوئے پانی کا اور عذاب دکھ دینے والا بسبب اُس کے کہ وہ کفر کرتے تھے (٦٩)

ملائکہ کی بحث میں ہم نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ملائکہ کا اطلاق انہی قوتوں پر ہوا ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان میں اور اپنی دیگر مخلوقات میں پیدا کئے ہیں نہ کسی ایسے جسم پر جو خارج از انسان پیدا ہوا ہو پس حفظہ کا موصوف محذوف خواہ ملائکہ کو قرار دو خواہ قوتوں کو دونوں صورتوں میں مطلب واحد ہے ✦

(٧٢) (وھو الذی) اس آیت میں جس بات پر غور کرنی ہے وہ یہ ہے کہ "کن فیکون" سے کیا مراد ہوتی ہے۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ خدا کا جو یہ قول ہے کہ کن فیکون تو اس سے مراد کسی کی طرف خطاب کرنا ہے اور نہ حکم دینا ہے اس لئے کہ اگر یہ معدوم چیزوں کے لئے ہو تو وہ محال ہے اور اگر موجود چیزوں کے لئے ہو تو موجود چیزوں کو کہنا ہوگا کہ موجود ہو جاؤ اور یہ بھی محال ہے بلکہ اس سے مراد جتلانا ہے کہ خدا کی قدرت اور خواہش تمام کائنات کے ہونے اور موجودات کے ایجاد پانے میں نافذ ہے"۔

ليس المراد بقوله كن فيكون خطاب وامر لان ذلك الامر ان كان للمعدوم فهو محال وان كان الموجود فهو امر بان يصير الموجود موجودا وهو محال بل المراد منه التنبيه على نفاذ قدرته ومشيته في تكوين الكائنات وايجاد الموجودات (تفسیر کبیر)

پس جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان لفظوں کے لغوی معنی ہی مراد ہیں یہ اُن کی غلطی ہے اور اس امر کے محقق ہونے میں کہ۔ خدا جو کرتا ہے اُسی قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے جو اُس نے اُن چیزوں کے موجود ہونے کے لئے بنایا ہے۔ کچھ تخلل مانع نہیں ہوتا ✦

(٧٣) (ينفخ في الصور) یہ مضمون قرآن مجید میں بہت جگہ بہ تبدل الفاظ آیا ہے سورہ انعام میں ہے يوم ينفخ في الصور (٧٣) سورہ کہف میں ہے ونفخ في الصور فجمعناهم جمعا (٩٩) سورہ طٰہٰ میں ہے يوم ينفخ في الصور ونحشر المجرمين يومئذ زرقا (١٠٢) سورہ مومنون میں

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۷۰)	کہیے (اے پیغمبر) کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا اس کو جو نہ ہم کو نفع دے اور نہ ضرر پہنچائے اور ہم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پھیر دیئے جائیں بعد اس کے کہ خدا نے ہم کو ہدایت کی مثل اس شخص کے جس کو شیطانوں نے مجبور کر دیا ہو اور زمین پر حیران رہ گیا ہو۔ اس کے دوست ہیں اس کو سیدھی راہ پر بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آ۔ کہیے خدا ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے مطیع ہوں (۷۰)

ویوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات ومن فی الارض (۸۹) سورہ یٰسین میں ہے ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون (۵۱) سورہ زمر میں ہے ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض (۶۰) سورہ قٓ میں ہے ونفخ فی الصور ذلک یوم الوعید (۱۹) سورہ الحاقہ میں ہے فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ (۱۳) سورہ نبا میں ہے یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا (۱۸) سورہ مدثر میں ہے فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر (۸) +

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام آیتیں قیامت کے حال سے متعلق ہیں اور ان میں اس دن کا ذکر ہے جب کہ تمام دنیا الٹ پلٹ اور درہم برہم ہو جاوے گی مگر ابو عبیدہ کا قول ہے کہ صور جمع صورۃ کی ہے اور اس سے مراد مردوں میں روح پھونکنے سے ہے اگر اس رائے کو تسلیم کیا جاوے تو ان آیتوں میں سے اکثر جگہ صور کے لفظ کے متعارف معنوں کے لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی مگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان سب آیتوں میں صور کے لفظ سے وہی آلہ مراد ہے جس کو بھونپو۔ نرسنگھا۔ سنکھ۔ ترئی۔ قرنا۔ ترم۔ بگل کہتے ہیں اور جس میں پھونکنے سے نہایت سخت و شدید آواز نکلتی ہے +

تاریخ کے قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت قدیم زمانہ میں یعنی حضرت موسےٰ کے وقت سے بھی پیشتر لڑائی کے لئے لوگوں کے جمع کرنے کو آگ جلانے کا رواج تھا پہاڑوں پر اور اونچے مقامات پر آگ جلاتے تھے اور گویا وہ پیغام تھا کہ سب آکر جمع ہو گویا وہ علامت حشر کی تھی اب بھی بعض بعض پہاڑی قوموں میں یہ رسم پائی جاتی ہے +

لڑائی کے میدان میں غولوں کے کسی خاص طرف جمع کرنے یا حملہ کے لئے مستعد کرنے کا حکم پہنچانے میں دقت پڑتی ہوگی معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں نے اس کام کے لئے مشعلہ کا جلانا اور

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾	کہدے (اے پیغمبر) کہ کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا اس کو جو نہ ہم کو نفع دے اور نہ ضرر پہنچائے اور ہم اپنی ایڑیوں کے الٹے پھیر دیئے جاویں بعد اس کے کہ خدا نے ہم کو ہدایت کی مثل اس شخص کے جس کو شیطانوں نے مجنون کر دیا ہو اور زمین پر حیران رہ گیا ہو۔ اس کے دوست ہیں اس کو سیدھی راہ پر بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آ۔ کہدے خدا ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے مطیع ہوں ﴿۷۰﴾

ویوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات ومن فی الارض (۸۹) سورہ یٰسین میں ہے ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون (۵۱) سورہ زمر میں ہے ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض (۶۸) سورہ ق میں ہے ونفخ فی الصور ذلك یوم الوعید (۱۹) سورہ الحاقہ میں ہے فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ (۱۳) سورہ نبا میں ہے یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا (۱۸) سورہ مدثر میں ہے فاذا نقر فی الناقور فذلك یومئذ یوم عسیر (۸) +

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام آیتیں قیامت کے حال سے متعلق ہیں اور ان میں اس دن کا ذکر ہے جب کہ تمام دنیا الٹ پلٹ اور درہم برہم ہو جاوے گی مگر ابوعبیدہ کا قول ہے کہ صور جمع صورۃ کی ہے اور اس سے مراد مردوں میں روح پھونکنے سے ہے اگر اس رائے کو تسلیم کیا جاوے تو ان آیتوں میں سے اکثر جگہ صور کے لفظ کے متعارف معنوں کے لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی مگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان سب آیتوں میں صور کے لفظ سے وہی آلہ مراد ہے جس کو بھونپو۔ نرسنگھا۔ سنکھ۔ تری۔ قرنا۔ ترم۔ بگل کہتے ہیں اور جس میں پھونکنے سے نہایت سخت و شدید آواز نکلتی ہے +

تاریخ کے قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت قدیم زمانہ میں یعنی حضرت موسٰے کے وقت سے بھی پیشتر لڑائی کے لئے لوگوں کے جمع کرنے کو آگ جلانے کا رواج تھا پہاڑوں پر اور اونچے مقامات پر آگ جلاتے تھے اور گویا وہ پیغام تھا کہ سب آکر جمع ہو گویا وہ علامت حشر و نشر کی تھی اب بھی بعض بعض پہاڑی قوموں میں یہ رسم پائی جاتی ہے +

لڑائی کے میدان میں غولوں کے کسی خاص طرف جمع کرنے یا حملہ کے لئے مختور کرنے کا حکم پہنچنے میں دقت پڑتی ہوگی معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں نے اس کام کے لئے شعلہ کا بنانا اور

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۷۲﴾	اور یہ حکم دیا گیا ہے) کہ قائم رکھو نماز کو اور اس سے (یعنی خدا سے) ڈرو اور وہ وہ ہے جس کے پاس لیجائے جاؤ گے ﴿۷۱﴾ اور وہ وہ ہے جس نے درستی سے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جس دن کہے گا کہ ہو پھر ہو جاویگا ﴿۷۲﴾

اور مشعلوں کی روشنی کے ذریعہ سے لڑائی کے میدان میں غولوں کو حکم پہنچانا ایجاد کیا +

غالباً ان کو مشعلوں سے بخوبی کام نہ نکلتا ہوگا اس لئے ایک ایسی چیز کی تلاش کی ضرورت پیش آئی جس کی بہت بڑی آواز ہو اور وہ آواز لڑائی کے میدان میں حکم بھیجنے کا ذریعہ ہو مصری ہی اس کے موجد ہوئے اور انہوں نے دریائی جانوروں کی ہڈی کے خول سے جس میں خم گھونگھے کے پیچ در پیچ ہوتے تھے اور جس میں پھونکنے سے نہایت سخت و شدید آواز نکلتی تھی یہ کام لینا شروع کیا چنانچہ اب تک ہندو اسی کا استعمال کرتے ہیں جو سنکھ کے نام سے مشہور ہے +

بنی اسرائیل جب مصر میں تھے تو انہوں نے مصریوں سے اس کو اخذ کیا تھا اور جب وہ جنگل میں آوارہ و پریشان ہوئے اور پہاڑی اور جنگلی ملک میں دریائی جانوروں کے خول میسر تھے انہوں نے صحرائی جانوروں خصوصاً مینڈھے یا دنبہ یا پہاڑی بکرے کے سینگوں سے جو ٹیڑھے اور پیچ دار ہوتے تھے اور جن میں پھونکنے سے ویسی ہی سخت شدید آواز نکلتی تھی یہ کام لینا شروع کیا صور کے معنی قرن یعنی سینگ کے ہیں۔ بعد اس کے جب زمانہ نے ترقی کرنا شروع کیا تو اس کو اور اشیا مثل چاندی پیتل اور تانبے وغیرہ سے اور نہایت عجیب و پیچدار طور سے بنانے لگے +

توریت سفر خروج باب ۱۰ میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ تو اپنے لئے چاندی کے دو قرنا بنا جب تو ان دونوں کو بجاوے تو تمام لوگ خیمہ کے دروازہ پر جمع ہو جایا کریں۔ اور جب ایک کو بجاوے تو بنی اسرائیل کے سردار تیرے پاس آجایا کریں۔ اور جب زور سے بجائی جاوے تو جن کے خیمے جانب مشرق ہوں وہ کوچ کرنا شروع کریں اور جب دو دفعہ زور سے بجائی جاوے تو جن کے خیمے جنوب کی جانب ہوں وہ کوچ کرنا شروع کریں۔ اور جب سب کو ایک جگہ ٹھیرانا مقصود ہو تو دھیمی آواز سے بجایا جاوے اگر اپنے ملک میں اپنے دشمن سے جس نے تم پر زیادتی کی ہے لڑنے کو جاؤ تو قرنا کو بہت زور سے بجاؤ اور خوشی کے دنوں میں اور عیدوں کے دن اور ہر مہینہ کے شروع میں قربان گاہوں میں بجایا کرو اور ہارون کی اولاد اس کو بجایا کرے +

یرمیاہ اور عہد عتیق کی اور کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ شہروں اور ملکوں سے لڑائی کے

اس کا کہنا درست ہے اُسی کے لئے بادشاہت ہے جس دن پھونکا جاویگا صور میں جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا اور وہ حکیم ہے خبر رکھنے والا (۷۳)	قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (۷۳)

لئے لوگوں کو جمع کرنے کو قرنا بجائی جاتی تھی چنانچہ یرمیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ "علم را در زمین برپا وا دید کرنا را درمیان طوائف بنوازید در برابر ش اقوام را زبدہ نمائید و بر ضدش ممالک آرارا ط دمنی واشکناز را آواز دہید و بر خلافش سرداراں را نصب نمودہ اسپ ہا را مثل ملخ برآورید" (باب ۵۱ ورس ۲۷) +

اور ایک مقام میں لکھا ہے کہ "در یہودا ہ اخبار نمودہ و در اورشلیم مسموع گردانید و بگوئید کہ در زمین قرنا بنوازید بآواز بلند ندا کردہ بگوئید کہ جمع آئید تا آنکہ در شہرہائے مشیّد در آئیم" (باب ۴ ورس ۵) +

یہودیوں نے اپنے خیال میں خدا تعالے کے پاس بھی فرشتوں کی فوج کا ہونا اور اس میں درجہ بدرجہ سرداروں کا ہونا تسلیم کیا تھا اور اسی خیال سے فوج میں کام لینے کو فرشتوں کے پاس بھی صور یا قرنا کا ہونا خیال کیا اور صور پھونکنے والے فرشتے قرار دئے جن میں سب کا سردار اسرافیل فرشتہ ہے +

عیسائیوں نے بھی اس خیال میں یہودیوں کی پیروی کی یوحنا حواری اپنے مشاہدات میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے تین فرشتوں کو ترئی پھونکنے پر متعین دیکھا (باب ۸ ورس ۱۳) +

یہودی اور عیسائی دونوں حشر اجساد کے اور سب مُردوں کے ایک جگہ جمع ہونے کے قائل تھے اس حشر اور اجتماع کے لئے اُسی خیال کے مطابق جس طرح وہ لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے انہوں نے صور کا پھونکا جانا تصور کیا اشعیاہ نبی کی کتب سے یہ خیال کہ قیامت کے شروع میں صور پھونکی جاویگی جابجا پایا جاتا ہے۔ اور سینٹ پال نے اپنے پہلے خط کے باب پندرھویں میں جو کارنتھیوں کو لکھا ہے اس خیال کو بخوبی ظاہر کیا ہے جہاں لکھا ہے کہ "ہم سب ایک دم میں ایک پل مارنے میں پچھلی ترئی پھونکنے کے وقت مبدل ہو جاوینگے کہ ترئی پھونکی جاویگی اور مردے اٹھینگے اور ہم مبدل ہو جاوینگے +

ہمارے ہاں کے علما نے حسب عادت اپنے اس امر میں یہودیوں کی پیروی کی ہے اور نفخ صور کے لغوی معنی لئے ہیں اور جب انھوں نے لغوی معنی لئے تو ضرور ہوا کہ صور کو بشکل معینہ موجود اور اس کے بجانے کے لئے فرشتے قرار دیں۔ بعض بزرگوں نے یہاں تک یہودیوں کی پیروی کی ہے

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ (یعنی چچا) آزر سے کہ کیا تو نے ٹھیرایا ہے بتوں کو خدا بیشک میں تجھ کو اور تیری قوم کو علانیہ گمراہی میں دیکھتا ہوں ﴿۷۴﴾

کہ جس طرح توریت میں لکھا ہے کہ خدا نے موسے کو چاندی کی دو صوریں بنانے کا حکم دیا تھا انہوں نے بھی صور کو جوڑا قرار دیا ہے کہ ایک کے بجانے سے ایک طرح کی اور دونوں کو ساتھ بجانے سے دوسری طرح کی آواز نکلیگی اور اس پر حاشیہ یہ چڑھایا کہ صور میں بقدر تعداد ارواحوں کے چھید ہیں جیسے بانسلی میں ہوتے ہیں اور جب مردوں کو زندہ کرنے کے لئے صور پھونکی جاویگی تو ارواحیں صور کے چھیدوں میں سے نکل پڑینگی (دیکھو تفسیر کبیر سورۃ مدثر آیت ۸) ✦

مگر قرآن مجید میں جس طرح تنزہ ذات باری کا اور اس کے کاموں کا بیان ہے وہ اس قسم کے خیالات کثیفہ مانع ہے نفخ صور صرف استعارہ ہے بعث وحشر کا اور تبدل حالت کا جس طرح لشکر میں صور پھنکنے سے سب مجتمع ہوجاتے ہیں اور لڑنے کو کھڑے ہوجاتے ہیں اور گروہ در گروہ آموجود ہوتے ہیں اسی طرح بعث وحشر میں ارادۃ اللہ سے جس طرح کہ اس نے تا نون قدرت میں مقرر کیا ہوگا وقت موعود پر سب لوگ اُٹھینگے اور جمع ہوجاوینگے اُس حالت نفخ صور سے استعارہ کیا گیا ہے پس اس آیت سے یا قرآن مجید کی اور آیتوں سے یہ بات کہ فی الواقع کوئی صور یعنی متعارف موجود ہے یا موجود ہوگی اور فی الواقع وہ مثل صور متعارفہ کے پھونکنے کے پھونکی جاویگی اور فی الواقع اُس کو فرشتے لئے ہونگے اور وہ اُس کو پھونکینگے ثابت نہیں ✦

گو کہ تمام علماے اسلام صور کو ایک شے موجود فی الخارج اور اس کے لئے پھونکنے والے فرشتے یقین کرتے ہیں اور عموماً مسلمانوں کا اعتقاد یہی ہے مگر بعض اقوال انہی علما کے ایسے پائے جاتے ہیں جن میں صاف بیان ہے کہ نفخ صور صرف استعارہ اور تمثیل ہے تفسیر کبیر میں سورہ طٰہٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ لوگوں کو آخرت کی باتیں ان چیزوں کی مثالوں سے بتلاتا ہے جو دنیا میں دیکھی جاتی ہیں اور لوگوں کی عادت ہے کہ کوچ کے وقت اور لشکروں میں بھونپو یعنی بُوق یعنی صور بجاتے ہیں۔ اور سورہ مومنون کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نفخ فی الصور استعارہ ہے اور اس سے مُراد بعث وحشر ہے سورہ نمل کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جائز ہے کہ یہ

واللہ تعالیٰ یعرف الناس من امور الاخرۃ بامثال ما شوھد فی الدنیا ومن عادۃ الناس النفخ فی البوق عند الاسفار وفی العساکر (طٰہٰ)

ان النفخ فی الصور استعارۃ والمراد منہ البعث والحشر (مؤمنون)

یجوز ان یکون تمثیلا لدعاء الموتی فان خروجہم من قبورھم کخروج الجیش عند سماع صوت الآلۃ (نمل)

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾	اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے تھے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی تاکہ وہ ہووے یقین کرنے والوں میں سے ﴿۷۵﴾ پھر جب اس پر رات چھا گئی اس نے ایک تارے کو دیکھا۔ کہا یہ ہے میرا پروردگار۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں دوست نہیں رکھتا ڈوب جانے والوں کو ﴿۷۶﴾

تشبیہ ہو مردوں کے بلانے کی۔ بیشک اُن کا اپنی قبروں میں سے نکلنا لشکر کے نکلنے کی مانند ہے جب کہ وہ صور کی آواز سُنتے ہی نکل کھڑا ہوتا ہے۔ پس جن عالموں کی یہ رائے ہے وہ بھی حشر پر نہ صور کے لغوی معنی لیتے ہیں اور نہ صور کے وجود فی الخارج کو مانتے ہیں اور نہ اُس کے وجود کیا؟ نہ اُس کے پھونکنے والوں کی ضرورت جانتے ہیں۔ حشر اجساد کا مسئلہ قابل بحث ہے ہم اُس کی نسبت بھی کسی وقت بحث ارواح کے بعد بحث کرینگے واللہ المستعان +

﴿۷۴﴾ (واذ قال ابراھیم لابیہ آزر) اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں حضرت ابراہیم کی نسبت جو حالات مذکور ہیں اُن میں چند امور غور طلب ہیں۔ اول یہ کہ آزر حضرت ابراہیم کے کون تھے قرآن مجید میں آزر کو حضرت ابراہیم کے اب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے مگر قرآن مجید میں اب کا اطلاق باپ اور چچا دونوں پر آیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت یعقوب کی اولاد نے کہا کہ "نعبد الٰھک والہ آبائک ابراھیم واسمعیل واسحٰق" حالانکہ اسمٰعیل حضرت یعقوب کے چچا تھے اُن پر بھی یعقوب کے باپ کا اطلاق ہوا ہے۔ تفسیر کبیر میں بھی بعض اقوال لکھے ہیں کہ اس آیت میں اب کا اطلاق عم پر ہوا ہے ظن غالب ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارح تھا۔ توریت سے پایا جاتا ہے کہ تارح کے بھائی بھی تھے مگر توریت میں ان کے نام نہیں بیان کئے چنانچہ کتاب پیدایش باب ۱۱ ورس ۲۴ و ۲۵ میں لکھا ہے کہ "وناحور بست و نہ سال زندگی نمودہ تارح را تولید نمود۔ وناحور بعد از تولید نمودن تارح یک صد و نوزدہ سال زندگانی نمودہ پسراں و دختراں را تولید نمود" ان آیتوں سے تارح کے بھائیوں یعنی حضرت ابراہیم کے چچاؤں کا ہونا پایا جاتا ہے +

علاوہ اس کے توریت کے اُسی باب میں لکھا ہے کہ بعد اُن تمام واقعات کے جو حضرت ابراہیم پر اُن کے وطن "اور کسدیم" میں گذرے اُنہوں نے اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور کنعان کی طرف روانہ ہوئے تو اُن کے ساتھ ان کے باپ تارح بھی تھے اور اُنہوں نے بھی اُس ملک کو چھوڑ دیا تھا چنانچہ ورس ۳۱ میں لکھا ہے کہ "تارح پسر خود ابرام و نبیرہ خود لوط پسر ہاران و عروس خود

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ (۷۷) فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (۷۸)

پھر جب دیکھا چاند کو چمکتا ہوا کہا یہ ہے میرا پروردگار پھر جب ڈوب گیا تو کہا کہ اگر میرا رب مجھ کو ہدایت نہ کریگا تو بیشک میں گمراہوں کے گروہ میں سے ہو جاؤنگا (۷۷) پھر جب دیکھا سورج کو چمکتا ہوا کہا یہ ہے میرا پروردگار یہ ہے سب سے بڑا پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے میری قوم میں بیشک بیزار ہوں اُس سے جو تم شرک کرتے ہو (۷۸)

ساری زن پسرش ابرام را برداشت و باہم دیگر از اور کلدانیاں بقصد رفتن بزمین کنعن بیروں آمدند"

پس یہ ایک دلیل اس بات کی ہے کہ جس مباحثہ کا قرآن مجید میں ذکر ہے وہ حضرت ابراہیم کے باپ سے نہیں ہوا تھا بلکہ اب کا لفظ عم پر بطور اظہار محبت اور بزرگی چچا کے جن سے مباحثہ پیش آگیا تھا بولا گیا ہے ✦

دوسرے یہ کہ جب حضرت ابراہیم نے یہ مباحثہ کیا تو اُن کی عمر کیا تھی۔ اس امر کا تحقیق کرنا ناممکن ہے کیونکہ ان امور کی تحقیقات صرف توریت پر منحصر ہے نسخے توریت کے اس باب میں نہایت مختلف ہیں عبری توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ دنیوی کے ۱۹۵۰ برس بعد حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے اور یونانی نسخہ توریت سے جس کو سپٹواجنٹ کہتے ہیں اُن کی پیدایش ۲۸۲۷ برس بعد سنہ دنیوی کے اور سامری نسخہ توریت سے ۲۵۴۸ برس بعد معلوم ہوتی ہے عیسائی مورخوں نے ولادت حضرت ابراہیم کی ۲۰۰۸ برس بعد سنہ دنیوی کے اور اُن کا اُور کلدانیان سے نکلنا ۲۰۸۳ سنہ دنیوی میں قرار دیا ہے اور اس حساب سے اُس وقت اُن کی عمر پچھتر برس کی تھی مگر اس حساب پر اعتماد کرنے کی کوئی کافی وجہ نہیں ہے ✦

قرآن مجید سے جہاں خدا نے فرمایا ہے "قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم" معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں حضرت ابراہیم جوان تھے اور دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے "ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین" (سورۂ انبیا آیت ۵۲) اور اسی آیت کے بعد اس مباحثہ کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل وقت مباحثہ کے حضرت ابراہیم جوان اور رشید ہو چکے تھے اور اُن کا دل الہامات ربانی سے معمور تھا جس کے لئے عموماً چالیس برس کی عمر خیال کی جاتی ہے پس کچھ عجب نہیں ہے کہ یہ واقعہ اسی عمر کے قریب قریب واقع ہوا ہو ✦

مگر ہمارے علمائے مفسرین کو "فلما جن علیہ اللیل" نے گھبرا دیا ہے وہ سمجھے ہیں کہ یہ پہلی دفعہ تھی جو اُنہوں نے رات دیکھی تھی اور اس لئے بے اصل قصہ اپنی تفسیروں میں لکھا ہے کہ اُس زمانہ

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۷۹) وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ۚ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ۚ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (۸۰)	بیشک میں نے متوجہ کیا اپنے مُنہ کو اُس کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو دلی یقین سے اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے (۷۹) اور حجت کی اُس سے اُس کی قوم نے اُس نے کہا کیا تم حجت کرتے ہو میرے ساتھ اللہ میں اور بیشک اُس نے مجھ کو ہدایت کی ہے اور میں نہیں ڈرتا اُس سے جس کو تم اُس کے ساتھ شریک کرتے ہو مگر یہ کہ اگر چاہے میرا خدا کسی امر کو، پھیلا ہوا ہے میرے پروردگار کا علم ہر چیز پر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے (۸۰)

کے بادشاہ کے خوف سے جس نے ایک خواب دیکھا تھا اور لڑکوں کے قتل کا ارادہ کیا تھا حضرت ابراہیم کی ماں نے اُن کے حمل کو چھپایا اور جب لڑکا پیدا ہونے کا وقت آیا تو ایک پہاڑ کی کھو میں جا کر جنا اور اُس کا مُنہ پتھروں سے بند کر دیا اور حضرت جبرئیل نے حضرت ابراہیم کی پرورش کی جب وہ اُسی پہاڑ کی کھو میں بڑے ہو گئے تو اُس کھو میں سے پہلی دفعہ رات کو ایک ستارہ دیکھا پھر چاند دیکھا پھر سورج دیکھا +

مگر یہ خیال اور یہ قصہ دونوں صحیح نہیں ہیں حضرت ابراہیم کے ناحور اور ہاران دو اور بڑے بھائی تھے اور حضرت ابراہیم سب سے چھوٹے تھے انسان کی فطرت میں ہے کہ جب وہ کسی قوم میں پیدا ہوتا ہے تو یا تو اُسی قوم کی باتوں پر یقین کرتا ہے اور اُسی قوم کے عقاید و اعمال کی پیروی کرنے لگتا ہے یا اُس قوم کے افعال و اقوال کو تعجب و حیرت کی نگاہ سے دیکھتا رہتا ہے نہ اُن پر یقین کرتا ہے اور نہ اُن افعال میں شریک ہوتا ہے اور نہ اُس کے ذہن میں آتا ہے کہ اصل بات کیا ہے اور ایک تفکر اور سوچ کی حالت میں ایک زمانہ بسر کرتا ہے اور خدا کی ہدایت جو خدا نے انبیا اور صلحا کی فطرت میں رکھی ہے اُس کی تائید کرتی رہتی ہے اسی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے "کذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض" اسی حالت میں ایک رات ستارہ اور چاند اور اُس کے بعد سورج کو دیکھ کر حضرت ابراہیم کو وہ خیال آیا جو قرآن مجید میں مذکور ہے پس ضرور نہیں ہے کہ وہ رات پہلی ہی رات ہو جو اُنہوں نے دیکھی تھی +

تیسرے یہ کہ "ملکوت السموات والارض" سے اور اُس کے دکھلانے سے کیا مراد ہے علمائے مفسرین نے اُس کی نسبت بھی بہت سی رطب و یابس باتیں لکھی ہیں مگر خدا کی قدرت اور اُس کی عظمت اور وحدانیت پر یقین کرنے کے لئے موجودات عالم اور اُس کی خلقت اور فطرت پر غور کرنے سے زیادہ یقین لانے والی کوئی چیز نہیں ہے اسی وجہ سے خدا تعالے نے قرآن مجید

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۸۲﴾	اور کیونکر میں ڈروں اس سے جس کو تم شریک کرتے ہو اور تم نہیں ڈرتے اس سے کہ تم شریک کرتے ہو اللہ کے ساتھ اس کو جس کے لئے کوئی دلیل تم پر اتاری نہیں گئی ہے۔ پھر دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو ﴿۸۱﴾ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (یعنی شرک) میں نہیں ملایا ہے، وہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے امن ہے اور وہ ہی ہدایت پائے ہوئے ہیں ﴿۸۲﴾

میں متعدد طریقہ پر وجود عالم سے صانع کے وجود پر استدلال کیا ہے پس خدا نے آسمان و زمین کی بادشاہت کی حقیقت حضرت ابراہیم کے دل پر کھولی جس کی ابتدا تارے چاند و سورج کو رب خیال کرنا اور اُس کی انتہا ” انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض “ کہنا ہے اور اسی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے ” کذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض “ +

چوتھے یہ کہ علمائے اسلام کو ایک اور مشکل پیش آئی ہے کہ اُن کے اصول مقررہ کے موافق انبیا کبھی اور کسی حال میں مرتکب شرک و کفر نہیں ہوئے پس کیونکر حضرت ابراہیم نے تارہ اور چاند اور سورج کو دیکھ کر کہا کہ ” ھذا ربی “ اس شبہ کے رفع کرنے کو انہوں نے متعدد طرح سے صعوبتیں اٹھائی ہیں مگر یہ امر نہایت صاف ہے جس میں کچھ مشکل نہیں +

بلاشبہ انبیا علیہم السلام کبھی مرتکب شرک و کفر کے نہیں ہوتے اُن کی فطرت ہی اُس آلودگی سے پاک ہوتی ہے مگر قدیم زمانہ میں جو بت پرستی تھی اور جس شرک و کفر میں اُس زمانہ کے لوگ گرفتار تھے اُس کی حقیقت پر اول غور کرنی لازم ہے۔ تمام مشرکین ذات باری کا کسی کو شریک نہیں قرار دیتے تھے بلکہ خدا کے سوا موجودات غیر مرئی اور اجرام سماوی کو مدبرات عالم اور مالک نفع و نقصان سمجھتے تھے اور انہی کے نام سے ہیاکل اور اصنام بنا کر اُن کی پرستش کرتے تھے اور اُن کو یقین تھا کہ اُن کی رضامندی و خوشنودی فائدہ بخش اور اُن کی ناراضی مضرت رساں ہے مگر کسی وجود غیر مرئی کو یا کسی کو اجرام سماوی میں سے صرف مدبر عالم خیال کرنا خواہ وہ خیال صحیح ہو یا غلط کفر و شرک نہیں ہو سکتا بلکہ کفر و شرک اُس وقت ہوتا ہے جب کہ اُس میں قدرت نفع و نقصان پہنچانے کی مانی جاوے یعنی یہ سمجھا جاوے کہ اُس میں قدرت ہے کہ جب چاہے نفع پہنچاوے جب چاہے نقصان اور اسی خیال سے اُس کی پرستش کی جاوے۔ مثلاً مسلمانوں کا یہ خیال کہ مینہ کے برسانے والے فرشتے بادلوں پر متعین ہیں اور مینہ برساتے پھرتے ہیں یا یہ خیال کہ آفتاب فصول اربعہ کا باعث

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور یہ ہماری دلیلیں ہیں ہم نے اُن کو ابراہیم کو اُس کی قوم پر کرنے کو دی تھیں ہم بلند کر دیتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں بیشک تیرا پروردگار حکمت والا ہے جاننے والا ﴿۸۳﴾ اور ہم نے اُس کو عطا کیا اسحٰق اور یعقوب ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور نوح کو ہم نے اس سے پہلے ہدایت کی اور اُس کی (یعنی ابراہیم کی) اولاد میں سے ہیں داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسٰے اور ہارون اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿۸۴﴾

اور روئیدگی اور پھولوں اور پھلوں کا مدبر ہے نہ کفر ہے نہ شرک ہے لیکن جب آفتاب یا کسی اور جرم کی نسبت یہ اعتقاد کیا جاوے کہ اُن کو مینہ برسانے یا نہ برسانے اور میوہ پکانے یا نہ پکانے کا اختیار ہے اور اُن کی رضامندی اُس کے لئے مفید اور ناراضی مضرت رساں ہے اور اس خیال پر اُن کی پرستش کی جاوے تو وہ بلا شبہ شرک و کفر ہے۔ تارخ کے خاندان میں زیادہ تر اجرام علوی کے اصنام کی پرستش ہوتی تھی اسی وجہ سے حضرت ابراہیم کا خیال ستارے اور چاند اور سورج پر رب یعنی مربات میں سے ہونے کا گیا نہ الٰہ ہونے کا اور اُس کو بھی خدا کی ہدایت سے جو فطرت انبیا میں ہے قرار نہ ہوا پس صرف یہ خیال شرک و کفر نہ تھا اور حضرت ابراہیم نے اُن میں سے کسی کی پرستش نہیں کی نہ اُن میں جب چاہیں نفع اور جب چاہیں مضرت پہنچانے کی قدرت یقین کی اس لئے کسی طرح اُن کا اس معصیت میں مبتلا ہونا لازم نہیں آتا ✦

اس بیان کی تشریح بعد کی آیتوں سے بخوبی ہوتی ہے جہاں حضرت ابراہیم نے فرمایا ہے کہ ”میں نہیں ڈرتا اُس سے جس کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو“ پھر فرمایا کہ ”کیونکر میں ڈروں اُس سے جس کو تم شریک کرتے ہو“ یہ اقوال صاف اس بات پر دال ہیں کہ جن کی نسبت حضرت ابراہیم نے ربی کہا تھا اُن کو مالک اور قادر نفع و نقصان پہنچانے پر نہیں مانا تھا ✦

پانچویں یہ کہ اس آیت میں جو الفاظ ”لیکون من الموقنین“ ہیں زیادہ تر غور کے لائق ہیں خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو ملکوت السموات والارض اس لئے دکھائیں تاکہ یقین کرنے والوں میں ہو۔ ہم اُن لوگوں کو جو بتقلید آبائی یا باطاعت کسی کے قول کی خدا پر یقین رکھتے ہیں مومن پاک جانتے ہیں مگر جو لوگ کہ بعد غور و فکر کے اور خدا کی قدرتوں اور مصنوعات

وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾

اور زکریا اور یحیٰے اور عیسٰے اور الیاس ہرایک نیک لوگوں میں سے تھے ﴿۸۵﴾ اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط ہرایک کو ہم نے بزرگی دی عالموں پر ﴿۸۶﴾ اور اُن کے باپوں اور اُن کی اولاد اور اُن کے بھائیوں میں سے ہم نے اُن کو برگزیدہ کیا اور ہم نے اُن کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت کی ﴿۸۷﴾

پر غور و فکر کر کے خدا پر یقین لاتے ہیں وہ نہایت اعلےٰ درجہ پر پہنچتے ہیں جن کا یقین پورا کامل یقین ہوتا ہے اور کسی طرح زائل نہیں ہوسکتا اسی سبب سے خدا نے حضرت ابراہیم کو ملکوت السموات والارض دکھانے کا مقصد یہ بتلایا ہے کہ "لیکون من الموقنین" +

ہمارا یہ یقین و تجربہ ہے کہ انسان کو جس قدر علم فطرت - قوانین قدرت - علم السماء والافلاک - بڑھتا جاتا ہے اور تحصیل سیر علوم طبیعیات حقہ میں جس قدر اُس کی واقفیت اور مہارت زیادہ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کو خدا کے وجود کا یقین اور اُس کی قدرت و عظمت اور شان ربوبیت اور استحقاق معبودیت کا دل میں زیادہ نقش ہوتا جاتا ہے وللہ در من قال +

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

پس یہی قوانین قدرت لاآف نیچر تھے جو زبان شرع میں ملکوت السموات والارض سے تعبیر کئے گئے ہیں اور جن کو خدا نے حضرت ابراہیم کو دکھایا تھا یوں کہو کہ سمجھایا تھا اور جس کی بدولت اُنہوں نے "فیکون من الموقنین" کا خطاب پایا +

چھٹے یہ کہ یہ مباحثہ حضرت ابراہیم کا جو قرآن میں مذکور ہے توریت میں نہیں ہے توریت میں کسی واقعہ کا نہ ہونا اُس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں ہوسکتا +

﴿۱۲۴﴾ (مثل ما اوتی رسل اللہ) کافروں کے اس قول پر کہ "ہم ہرگز ایمان نہیں لانے کے جب تک ہم کو اُس کے مثل نہ دیا جاوے جیسا کہ اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے" حسن اور ابن عباس کا قول ہے کہ اس سے کافروں کی یہ مراد تھی کہ جب تک ہم کو ویسے ہی معجزے نہ دکھلائے جاویں جیسے کہ انبیاے سابقین نے دکھائے تھے اُس وقت تک ہم ایمان نہیں لانے کے مگر امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ یہ قول ضعیف ہے قوی وہ ہے جو محققین نے کہا ہے یعنی کافر چاہتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو خدا کی طرف سے پیغمبر ہونے کا

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

یہ ہے اللہ کی ہدایت، ہدایت کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اور اگر وہ شرک کرتے تو بیشک ملیامیٹ ہوجاتا اُن سے جو کچھ کہ اُنہوں نے کیا تھا (۸۸) یہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کو ہم نے دی ہے کتاب اور حکمت اور نبوت پھر اگر یہ لوگ اُس کے ساتھ کفر کریں تو بیشک ہم نے اُس کے لئے مقرر کیا ہے اور قوم کو کہ اُس کے ساتھ کفر کرنیوالے نہیں ہیں (۸۹) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے پھر اُنہی کی ہدایت کی پیروی کر۔ کہدے (لوگوں سے) کہ میں تم سے اُس پر کچھ صلہ نہیں مانگتا، یہ نہیں ہے مگر نصیحت عالموں کے لئے (۹۰) اور نہیں قدر کی اللہ کی جیسا حق اُس کی قدر کرنے کا تھا جب اُنہوں نے کہا کہ نہیں اُتاری ہے اللہ نے کسی بندے پر کوئی چیز۔ کہدے کہ کس نے وہ کتاب اُتاری ہے جس کو موسےٰ لایا ہے، نور اور ہدایت لوگوں کے لئے تم اُس کو کرتے ورق ورق، اُن کو دکھاتے ہو اور بہت سوں کو چھپاتے ہو اور تم کو سکھایا گیا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، تم اور نہ تمہارے باپ، کہدے اللہ نے پھر اُن کو چھوڑ دے اُن کی بیہودہ بحثوں میں کھیل کرتے (۹۱)

دعوے کرتے ہیں جب تک ہمارے پاس بھی خدا کی طرف سے کوئی پیغام نہ آوے ہم ہرگز ایمان نہیں لانے کے اُسی کے جواب میں خدا نے فرمایا "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" یعنی خدا کی طرف سے پیغام آنا تو نبوت ہے ہر کسی کو نبوت نہیں مل سکتی بلکہ خدا خوب جانتا ہے کہ کس کو نبوت دے ✦

(حیث یجعل رسالتہ) یہ بھی ایک دقیق مسئلہ ہے ہم نے جا بجا بیان کیا ہے کہ نبوت بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دیدیتا ہے بلکہ نبوت ایک فطری امر ہے اور جس کی فطرت میں خدا نے ملکہ نبوت رکھا ہے وہی نبی ہوتا ہے اور اس بات کو ہم نہیں مانتے کہ سب انسان ایک سے ہوتے ہیں اور اُن میں سے جس کو خدا چاہتا ہے نبی اور

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (۹۲) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (۹۳)

اور یہ کتاب ہے کہ اس کو ہم نے اُتارا ہے برکت والی سچا بتانے والی اُس چیز کی جو اُس کے ہاتھوں میں (یعنی اُسکے آگے) ہے تاکہ تو مکہ والوں کو اور جو اُس کے گرد ہیں ڈراوے۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں آخرت پر بیشک ایمان لاتے ہیں اُس پر (یعنی ہذا الکتاب پر یعنی قرآن پر) اور وہ اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں (۹۲) اور کون اُس شخص سے زیادہ ظالم ہے جس نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا۔ یا اُس نے کہا کہ وحی بھیجی گئی ہے میرے پاس اور حقیقت میں اُس کے پاس کچھ وحی نہیں بھیجی گئی اور اُس شخص سے جس نے کہا کہ اب میں اُتارونگا مثل اُس کے جو اللہ نے اُتارا ہے اور اگر تو دیکھے ظالموں کو جب کہ وہ موت کی سختیوں میں ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں، آج کے دن تم کو بدلا دیا جاویگا رسوا کرنے والا عذاب بسبب اُس کے جو تم کہتے تھے اللہ پر ناحق اور تم اُس کی نشانیوں سے سرکشی کرتے تھے (۹۳)

پیغمبر کر دیتا ہے +

یہ تحقیق کچھ ہماری پیدا کی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس باب میں قدیم سے علما کی دو رائیں ہیں بعض علما کی یہ رائے ہے کہ سب انسان برابر ہیں اُن میں سے اللہ جس کو چاہتا ہے درجہ نبوت دیدیتا ہے۔

واعلم ان الناس اختلفوا فی هذه المسئلة فقال بعضهم النفوس والارواح متساوية فی تمام الماهية فحصول النبوة والرسالة لبعضها دون البعض تشریف من الله واحسان وتفضل وقال الآخرون بل النفوس البشرية مختلفة بجواهرها وماهياتها فبعضها خيرة طاهرة من علائق الجسمانيات مشرقة بالانوار الالهية مستعلية منورة وبعضها خسيسة كدرة محبة للجسمانيات فالنفس ما لم تكن من القسم الاول لم تصلح لقبول الوحی والرسالة ثم ان القسم الاول يقع الاختلاف فيه بالزيادة والنقصان والقوة والضعف الى مراتب لا نهاية لها

اور بعض علما کی یہ رائے ہے کہ نبی از روئے فطرت و خلقت کے نبی ہوتا ہے چنانچہ اسی آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں یہ دونوں قول نقل کئے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس مقام پر ان دونوں قولوں کو نقل کردیں وہ لکھتے ہیں کہ یہ بات جاننی چاہئے کہ اس مسئلہ میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ نفوس اور ارواح تمام ماہیت میں سب برابر ہیں پس نبوت اور رسالت کا ایک کو ملنا

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۹۴﴾ إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۹۷﴾

اور بیشک تم آئے ہو ہمارے پاس اکیلے جیسا کہ ہم نے تم کو اول دفعہ پیدا کیا تھا اور تم نے چھوڑ دیا جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اپنے پیٹھوں کے پیچھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ تمہارے شفاعت کرنے والے جن کو تم نے خیال کیا تھا کہ بیشک وہ تم میں (یعنی تمہاری بھلائی میں خدا کے ساتھ) شریک ہیں بیشک کٹ گیا تم میں کا علاقہ اور کھو گیا تم سے جس پر تم گھمنڈ رکھتے تھے ﴿۹۴﴾ بیشک اللہ پھاڑ کر اگانے والا ہے بیجوں اور گٹھلیوں کا ۔ نکالتا ہے زندہ کو (یعنی ہرے لہلہاتے درخت قوت نامیہ سے بڑھنے والے کو) مردہ (یعنی خشک بیج اور گٹھلی) سے اور نکالنے والا ہے مردہ کا (یعنی خشک دانے اور گٹھلی کا) زندہ (یعنی سبز لہلہاتے قوت نامیہ رکھنے والے درخت) سے یہ ہے اللہ پھر کہاں بہکے جاتے ہو ﴿۹۵﴾ پو کو پھاڑنے والا ہے (یعنی رات کو پھاڑ کر سفیدۂ صبح کو نکالنے والا ہے) اور بنایا ہے رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے یہ مقرر کیا ہوا ہے زبردست جاننے والے کا (یعنی خدا کا) ﴿۹۶﴾ وہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا ہے تاکہ ان سے رستہ پاؤ جنگل اور سمندر کے اندھیروں میں ، بیشک ہم نے تفصیل نشانیاں بیان کی ہیں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں ﴿۹۷﴾

فلاجرم کانت مراتب الرسل مختلفة فمنهم من حصلت له المعجزات القوية والتبع القليل ومنهم من حصلت له معجزة واحدة او اثنتان وحصل له تبع عظيم ومنهم من كان بالرفق غالبا عليه ومنهم من كان التشديد غالبا عليه (تفسیر کبیر) ۔

اور دوسرے کو نہ ملنا خدا کی طرف سے شرف دینا اور احسان کرنا اور بزرگی دینا ہے ۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ نفوس بشری اپنے جوہر اور اپنی ماہیت میں مختلف ہیں بعضے ان میں سے برگزیدہ اور علایق جسمانیات سے پاک اور انوار الہیہ سے روشن اور بلند درجہ پر منور ہوتے ہیں اور بعضے ان میں سے خسیس اور گدلے جسمانیات سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں پس نفس جب تک

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اور وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے پھر تمہارے لئے ٹھیرنے کی جگہ ہے اور جگہ امانت بیشک ہم نے بتفصیل نشانیاں بیان کی ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں ﴿۹۸﴾ اور وہ وہ ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے ہر چیز کے اُس سے پودے نکالے، پھر ہم نے اُس سے نکالے ہرے (پودے) اُس میں سے ہم نکالتے ہیں دانے گتھا بیج اور کھجور کے درخت کے گابھے میں سے خوشے لٹکتے ہوئے اور باغ انگور اور زیتون اور انار کے جو ایک سے بھی ہیں اور ایک سے بھی نہیں، دیکھو اُس کے پھل کو جب پھلے اور اُس کے پکنے کو بیشک اُس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں ﴿۹۹﴾ اور اُنھوں نے ٹھیرایا ہے اللہ کے لئے ساجھی جنوں کو حالانکہ (خدا نے) اُن کو پیدا کیا ہے اور بہتان بندی کی ہے اُس پر بیٹوں اور بیٹیوں کی بغیر جاننے کے وہ پاک ہے اُس سے جو وہ بیان کرتے ہیں ﴿۱۰۰﴾ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا کہاں سے ہوا اُس کے لئے بیٹا اور نہیں ہے اُس کے لئے کوئی جوڑا (خدا نے) پیدا کیا ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۱۰۱﴾

کہ قسم اول سے نہ ہو وہ وحی اور رسالت کے قبول کی صلاحیت نہیں رکھتا ۔ پھر قسم اول میں زیادتی اور کمی اور قوت اور ضعف کے اُن درجوں تک جن کی کچھ انتہا نہیں ہے اختلاف واقع ہوتا ہے اور اسی وجہ سے رسولوں کے درجے مختلف ہوتے ہیں پھر اُن میں سے بعضے ہیں جن کو معجزات قویہ حاصل ہوتے ہیں اور اُن کے پیرو بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور بعض اُن میں سے وہ ہوتے ہیں جن کو ایک یا دو معجزے حاصل ہوتے ہیں اور اُن کے پیرو بہت سے ہو جاتے ہیں اور اُن میں سے بعضوں پر نرمی غالب ہوتی ہے اور اُن میں سے بعضوں پر تشدد غالب ہوتا ہے +

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (١٠٢) لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (١٠٣) قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (١٠٤) وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (١٠٥) اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (١٠٦)

یہ ہے اللہ پروردگار تمہارا نہیں ہے کوئی خدا مگر وہ پیدا کرنے والا ہر چیز کا پھر اُسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے (١٠٢) نہیں پاتیں اُس کو نظریں اور وہ پالیتا ہے نظروں کو اور وہ ہے مہربان خبر رکھنے والا (١٠٣) بیشک آئی ہیں تمہارے پاس دلیلیں تمہارے پروردگار سے پھر جس نے اُن کو دیکھا تو اپنے (فائدہ کے) لئے اور جو کوئی اُن سے اندھا ہوا تو اُس کا (نقصان) اُسی پر ہے اور ہم نہیں ہیں تم پر نگہبان (١٠٤) اور اسی طرح ہم طرح طرح پر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو اور تاکہ وہ کہیں کہ تو نے سیکھ لیا ہے (بصائر کو یعنی دلیلوں کو اپنے پروردگار سے) اور تاکہ ہم اُس کو بیان کریں اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں (١٠٥) تابعداری کر اُس کی جو وحی کی گئی ہے تجھ کو تیرے پروردگار سے نہیں ہے کوئی خدا مگر وہ منہ پھیر لے مشرکوں سے (١٠٦)

گو اس تقریر میں ماہیت نفوس بشری میں تفرقہ کرنا شاید غلطی ہو خصوصاً اُن لوگوں کی رائے میں جو تمام نفوس حیوانی کی ماہیت کو متحد مانتے ہیں اور تفاوت مدارج کا اُس کی صورت نوعیہ پر قرار دیتے ہیں جس سے وہ نفس متعلق ہے تاہم حاصل اس تقریر کا جو امام صاحب نے لکھی ہے یہی ہے کہ انبیاء میں از روئے خلقت و پیدایش و فطرت کے ایک ایسی چیز ہوتی ہے جس کے سبب وہ نبی ہوتے ہیں اس لئے خدا نے فرمایا کہ "الله اعلم حيث يجعل رسالته" غرضکہ اس مطلب کو امام صاحب نے کسی تقریر سے بیان کیا ہو اور ہم نے کسی تقریر سے مطلب دونوں کا متحد ہو جاتا ہے اگر فرق رہتا ہے تو اس قدر رہتا ہے کہ ہمارے نزدیک جو ملکۂ نبوت فطرت میں رکھا گیا ہے وہ اپنے وقت معین پر اسی طرح ظہور کرتا ہے جس طرح درخت میں سے پھول پھل اپنے وقت میں اُس کے قوی ہو جانے کے بعد پیدا ہوتے ہیں جو بعثت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور امام صاحب کی تقریر کے مطابق باوصف فطرت کے موجود ہونے کے وہ فطرت رسالت دیئے جانے کی محتاج رہتی ہے اسی سبب سے ہم تو کہتے ہیں کہ النبی نبی فی بطن امه اور امام صاحب یوں کہینگے کہ بعض الانسان قابل للنبوۃ فی بطن امه اما ان یوتی اولا ۔

شاہ ولی اللہ صاحب بھی تفہیمات میں اسی رائے کے موید معلوم ہوتے ہیں اُنہوں نے

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾

اور اگر خدا چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھ کو نہیں کیا ہے اُن پر نگہبان اور نہیں ہے تو اُن پر تعینات ﴿١٠٧﴾ اور مت گالی دو اُن لوگوں کو جو پکارتے ہیں (اور کسی کو) اللہ کے سوا پھر وہ اللہ کو گالی دینگے بے سمجھے اسی طرح ہم نے اچھا کر دکھایا ہے ہر گروہ کے لئے اُن کے عمل کو پھر اُن کے پروردگار کے پاس اُن کو جانا ہے پھر اُن کو خبر دیجاویگی اُس کی جو وہ کرتے تھے ﴿١٠٨﴾ اور اُنہوں نے قسمیں کھائیں اللہ کی بہتی نہایت سخت قسمیں کہ اگر اُن کے پاس نشانی آوے تو اُس پر ایمان لاوینگے کہدے کہ اِس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ نشانیاں اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانوں) کیا تم نہیں جانتے کہ بیشک جب وہ (یعنی نشانیاں) آویگی تو وہ ایمان نہیں لانے کے ﴿١٠٩﴾ اور ہم الٹ دینگے اُنکے دلوں کو اور اُن کی نگاہوں کو جس طرح کہ وہ اُس پر ایمان نہیں لائے پہلی دفعہ اور ہم اُن کو چھوڑ دینگے اُن کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے ﴿١١٠﴾ اور اگر ہم بھیجتے اُن پر فرشتے اُتار کر اور مُردے اُن سے باتیں کرتے اور ہم اُنکے پاس ہر چیز کو آمنے سامنے اکٹھا کر دیتے تو بھی نہ ہوتا کہ وہ ایمان لاتے مگر یہ کہ چاہے اللہ و لیکن اُن میں کے اکثر جاہل ہیں ﴿١١١﴾

صاف لکھ دیا ہے کہ یہ رائے کہ نبوت محض خدا کا فضل ہے قرون اولے کی نہیں ہے چنانچہ شاہ صاحب

حقيقة النبوة ان يريد الله بعباده اصلاحا فيتدلى اليهم بوجود يشبه الوجود العرضي قائم برجل زكي الفطرة تام الاخلاق تنتهي منه اللطيفة الانسانية لا يقال ذهب علماء اهل السنة الى ان النبوة محض فضل من الله تعالى من غير خصوصية من العبد وانت تثبت لهم خصوصية في استعداده لانا نقول هذا قول نشأ بعد القرون المشهود لها بالخير فان مدلول الكتاب والسنة وما اجمع عليه السلف

کا قول یہ ہے کہ نبوت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اصلاح کا ارادہ کرے اور اُن کی طرف ایک خاص توجہ اور عنایت مائل کرے (تدلی کے لغوی معنی ہیں ڈول کا کنوئیں میں لٹکانا) بسبب وجود کے جو قائم ہو ایک انسان کامل اور پاک طینت عمدہ خصلت میں جس کا لطیفہ انسانی بیدار اور خبردار ہو۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۚ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾

اور اسی طرح ہم نے کیا ہے ہر نبی کے لئے دشمن انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو، ان میں کے بعضے بعضوں کے کانوں میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتے ہیں فریب دینے کو اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو وہ اس کو نہ کرتے پس چھوڑ دے ان کو اور اس کو جو کچھ وہ بہتان بندی کرتے ہیں (١١٢) اور تاکہ اس کی طرف جھکیں ان لوگوں کے دل جو ایمان نہیں لائے آخرت پر اور تاکہ وہ اس کو پسند کرلیں اور تاکہ وہ کرلیں جو کچھ کہ وہ کرنے والے ہیں (١١٣) پھر کیا اللہ کے سوا میں (اور کسی کو) حکم کرنیوالا پسند کروں۔ اور وہ وہ ہے جس نے تمہارے پاس مفصل کتاب (یعنی قرآن) اتاری اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب (یعنی توریت) دی ہے جانتے ہیں کہ بیشک وہ (یعنی قرآن) اتارا ہوا ہے تیرے پروردگار سے بالتحقیق پھر تو مت ہو شک کرنے والوں میں (اس بات میں کہ ان کو یعنی اہل کتاب کو قرآن کے خدا کی طرف سے ہونے میں شک ہے) (١١٤) اور تمام ہوئی بات تیرے پروردگار کی سچائی اور انصاف سے کوئی بدلنے والا نہیں ہے اس کی باتوں کو اور وہ سننے والا ہے جاننے والا (١١٥) اور اگر تو تابعداری کرے اکثر اُن کی جو زمین (یعنی دنیا) میں ہیں تو تجھ کو بھٹکا دینگے اللہ کی راہ سے وہ پیروی نہیں کرتے بجز گمان کے اور وہ نہیں ہیں مگر اٹکل پچو کہنے والے (١١٦)

هو ان الخصوصية التي ترجع الى كثرة المال وصباحة الوجه وغير ذلك من حسنات التي يفتخر بها العامة لا دخل لها في النبوة وكان الكفار يقولون ما كان الله يبعث جلالرسالة سوى يتيم ابي طالب ولولا انزل القرآن على رجل من القريتين عظيم فكشف الله تعالى الشبهة واشبع في الرد واما الصفات الباطنية التي يتكلم فيها فلا شبهة ان الانبياء اتم الخلق

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ [illegible] کا یہ قول ہے کہ نبوت محض خدا کا فضل ہے بندہ کی خصوصیت کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے اور ہماری تقریر سے ان کے لئے ایک خصوصیت استعداد کی ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قول بہت پیچھے بعد انقضا کے قرون مشہود لہا بالخیر کے پیدا ہوا ہے

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (۱۱۷) فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ (۱۱۸) وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ (۱۱۹) وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ (۱۲۰) وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ (۱۲۱)

بیشک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون بہکتا ہے اُس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پائے ہوؤں کو (۱۱۷) پھر کھاؤ اُس کو جس پر خدا کا نام لیا گیا ہو (یہودی قربانی سوختنی کو نہیں کھاتے تھے بلکہ آگ میں جلا دیتے تھے) اگر تم ہو اُس کی نشانیوں پر ایمان لانے والے (۱۱۸) اور کیا ہوا ہے تم کو کہ نہیں کھاتے اُس کو جس پر خدا کا نام لیا گیا ہے حالانکہ بیشک مفصل بیان کر دیا ہے (خدا نے) تمہارے لئے جو چیز کہ تم پر حرام ہے مگر وہ کہ جس پر (یعنی جس کے کھانے پر) تم لاچار ہو (یعنی بحالت گرسنگی شدید) اور بیشک بہت سے البتہ گمراہی کرتے ہیں بہ سبب اپنی ہوائے نفسانی کے بغیر جاننے کے بیشک تیرا خدا وہ خوب جانتا ہے زیادتی کرنے والوں کو (۱۱۹) اور چھوڑ دو ظاہر کے گناہ اور باطن کے گناہ بیشک جو لوگ گناہ کماتے ہیں جلد بدلا دئے جاوینگے اُس کا جو وہ کرتے تھے (۱۲۰) اور مت کھاؤ جس پر خدا کا نام نہیں لیا گیا اور بیشک وہ (یعنی اُس کا کھانا) بُرا کام ہے اور بیشک شیطان اپنے دوستوں کے (دل میں) وسوسہ ڈالتے ہیں کہ ہم تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم اُن کی تابعداری کرو تو بیشک تم مشرک ہو گئے (۱۲۱)

فيها واقواهم بخلاق وازكاهم نفسا من ذلك لا يستحق ان يتكلم به لعبده عن سبيل الانبياء راسا الا ترى ان هرقل كيف قال وكذلك الانبياء تبعث في نسب قومها وبالجملة فللرسالة شروط لكن قابلية عن الرسول وركن لذلك وقد بين مدرس (تفهيمات)

کہ کتاب اللہ اور حدیث اور اجماع سلف سے یہ ثابت ہے کہ خصوصیت کثرت مال اور خوبی چہرہ کو (اور ایسی ہی اور صفات جن کو عام لوگ موجب فخر جانتے ہیں) نبوت میں کچھ دخل نہیں ہے کفار یہ کہا کرتے تھے کہ خدا کو اس ابو طالب کے یتیم کے سوا کوئی آدمی رسالت کے لئے نہ ملا کیوں نہ اُتارا گیا یہ قرآن اُن دونوں شہروں کے کسی بڑے آدمی پر خدا تعالیٰ نے اس شبہ کو کھول دیا اور صاف طرح سے اُن کے قول کو رد کر دیا اور صفات باطنیہ جن میں ہم کلام کرتے ہیں وہ بلاشبہ انبیا میں بہت زیادہ تھیں انبیا سب خوبیوں کے پوری طرح سے

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٢﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾

کیا وہ شخص جو مردہ (یعنی کافر) تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ (یعنی ایماندار) کیا اور ہم نے اُس کے لئے نور پیدا کیا کہ اُس کے ساتھ لوگوں میں چلتا ہے اُس شخص کی مانند ہے جس کی مثال ایسی ہے کہ اندھیروں میں پڑا ہے اور اُن سے نکلنے والا نہیں، اسی طرح اچھا کر دکھایا گیا ہے کافروں کے لئے جو کچھ کہ وہ کرتے تھے (۱۲۲) اور اسی طرح ہم نے ہر گاؤں میں اُس کے بدکاروں کو سردار کر دیا ہے تاکہ وہ اُس میں مکر کریں اور وہ مکر نہیں کرتے مگر آپ اپنے ساتھ اور نہیں جانتے (۱۲۳) اور جب کہ اُن کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لاویں گے جب تک ہم کو اُس کی مثل نہ دیا جاوے جیسا کہ اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ کس جگہ رکھے اپنی پیغمبری کو، قریب ہے کہ پہنچے گی اُن لوگوں کو جو گناہ کرتے ہیں ذلت خدا کے نزدیک اور سخت عذاب بسبب اس کے جو وہ مکر کرتے تھے (۱۲۴) پھر جس کو خدا چاہتا ہے کہ اُس کو ہدایت کرے کھول دیتا ہے اُس کے دل کو اسلام کے لئے اور جس کو چاہتا ہے کہ اُس کو گمراہ کرے اُس کے دل کو تنگ اور دق کر دیتا ہے گویا کہ وہ آسمانوں میں چڑھا جاتا ہے، اسی طرح اللہ برائی ڈالتا ہے اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے (۱۲۵)

جامع تھا اُن کے اخلاق بہت اچھے تھے وہ نہایت پاک ذات تھے جو اُس کا منکر ہے وہ کسی طرح اس لائق نہیں ہے کہ اُس سے کلام کیا جاوے کہ وہ انبیا کے خصائل اور خوبیوں سے بالکل دُور ہے کیا نہیں معلوم ہے کہ ہرقل نے کہا تھا کہ انبیا ایسے ہی ہوتے ہیں اپنی قوم کے عمدہ خاندان میں سے بھیجے جاتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ رسالت کے دو رکن ہیں ایک رکن استعداد اور قابلیت نبی کا اور دوسرا رکن توجہ اور عنایت اور تدبیر الٰہی کا ◆

(۱۳۰) (یامعشر الجن والانس) اس آیت میں خدا تعالےٰ نے دو گروہوں کو یعنی جن و انس کو

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ (١٢٦) لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (١٢٧) وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (١٢٨) وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (١٢٩) يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ (١٣٠)

اور یہ ہے تیرے پروردگار کا سیدھا رستہ بیشک ہم نے مفصل بیان کر دی ہیں نشانیاں اُن لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں (١٢٦) اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہ اُن کا دوست ہے بسبب اُس کے جو وہ کرتے تھے (١٢٧) اور جس دن (خدا) اُن سب کو اکٹھا کریگا (کہیگا) اے گروہ جنوں کے البتہ تم نے بہت تابعدار کر لئے انسان میں سے، کہینگے اُن کے دوست انسانوں میں سے اے ہمارے پروردگار ہم میں سے ایک نے دوسرے سے فائدہ اُٹھایا (یعنی اُن کو خدا نہیں جانا بلکہ فائدہ اُٹھانے کے لئے اُن کی پرستش کی) اور ہم پہنچ گئے اپنی میعاد کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی (خدا) کہیگا کہ آگ تمہارے ٹھیرنے کی جگہ ہے ہمیشہ اُس میں رہوگے (کیونکہ وہ شرک فی العبادت کرتے تھے اور اعتقاداً صفات باری میں شریک تھے) مگر جو چاہے اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت والا ہے جاننے والا (١٣٠) اور اسی طرح ہم غالب کر دیتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر بسبب اُس کے جو وہ کماتے تھے (١٢٩) اے گروہ جن و انس کے کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے بیان کرتے تھے تمہارے سامنے میری نشانیاں اور تم کو ڈراتے تمہارے اس دن کے ملنے سے، وہ کہینگے ہم اپنے پر آپ گواہی دیتے ہیں اور فریب دیا اُن کو دُنیا کی زندگی نے اور گواہی دی اُنھوں نے اپنے پر آپ کہ وہ کافر تھے (١٣٠)

مخاطب کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے یعنی تمہاری جنس میں سے رسول نہیں آئے اس پر مفسرین نے بحث کی ہے کہ آیا جنوں کی گروہ میں سے اُن کے لئے بھی پیغمبر رسول ہوئے تھے یا نہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ جس طرح انسانوں میں انسان پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اسی طرح جنوں میں سے جن اُنکے لئے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور اکثر علما کا قول ہے کہ پیغمبر صرف انسان ہی ہوئے ہیں جنوں میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا جنوں کے لئے بھی وہی انسان پیغمبر پیغمبر ہوتا ہے +

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰي شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٧﴾

یہ اس لئے کہ تیرا پروردگار شہروں کو (اُن کے رہنے والوں کی زیادتیوں کے سبب) ایسی حالت میں ہلاک کرنیوالا نہ ہو کہ اُس کے لوگ غافل ہوں (١٣١) اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں اُس پر جو اُنہوں نے کیا ہے اور تیرا پروردگار بے خبر نہیں ہے اُس سے جو وہ کرتے ہیں (١٣٢) اور تیرا پروردگار بے پرواہ ہے رحمت والا اگر چاہے تم کو دُور کر دے اور تمہارے بعد جس کو چاہے جانشین کرے جس طرح کہ تم کو پیدا کیا دوسری قوم کی نسل سے (١٣٣) بیشک جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے ضرور آنے والا ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو (١٣٤) کہہ اے میری قوم عمل کرو اپنی جگہ پر بیشک میں بھی عمل کرنے والا ہوں پھر تم جلد جان لوگے (١٣٥) کون شخص ہے کہ ہوگی اُس کے لئے آخر کار (بھلائی آخرت کی) گھر کی بیشک نہیں فلاح پانے کے ظالم (١٣٦) اور اُنہوں نے اللہ کے لئے مقرر کیا ہے کھیتی اور مویشی میں سے حصہ پھر کہتے ہیں موافق اپنے گمان کے کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے مقرر کئے ہوئے شریکوں کے لئے، پھر جو کچھ کہ اُن کے مقرر کئے ہوئے شریکوں کے لئے ہے وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا اور جو کچھ اللہ کیلئے ہے تو وہ اُن کے مقرر کئے ہوئے شریکوں تک پہنچتا ہے کیا بُرا ہے جو اُنہوں نے فیصلہ کیا ہے (١٣٧)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ تمام علماے اسلام نے جنوں کی جداگانہ ایسی ہی مخلوق قرار دی ہے جیسے کہ انسان کی مگر قرآن مجید سے جنوں کی ایسی مخلوق ہونے کا ثبوت نہیں ÷

جن اور جس قدر الفاظ اس مادہ سے بنے ہیں اُن سب کے معنی پوشیدہ مستور عن الاعین چھپے ہوئے غیر مرئی کے ہیں۔ مشرکین عرب تمام اُن واقعات کو جن کے وقوع کے اسباب اُن کو معلوم نہ ہوتے تھے اور اکثر بیماریوں کو جن کا سبب وہ نہ جانتے تھے غیر معلوم یا غیر مرئی موثر کا اثر خیال کرتے تھے اور اُس کو لفظ جن سے تعبیر کرتے تھے اب بھی تمام جاہل آدمی بیمار پر آسیب یعنی جن بھوت کا اثر خیال کرتے ہیں ÷

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوا هٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٣٩﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٤٠﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ

اور اسی طرح ان کے مقرر کئے ہوئے شریکوں نے اچھا دکھلایا ہے بہت سے مشرکوں کو اپنی اولاد کے مار ڈالنے کو تاکہ وہ ان کو مار ڈالیں اور تاکہ مشتبہ ہو جاوے ان پر ان کا دین اور اگر چاہتا اللہ تو وہ اس کو نہ کرتے پھر چھوڑ دے ان کو اور اس کو جو کچھ کہ وہ بہتان بندی کرتے ہیں (١٣٧) اور انہوں نے کہا کہ یہ مویشی اور کھیتی اچھوتی ہے اس کو کوئی نہ کھاوے بجز اس کے جس کو ہم موافق اپنے گمان کے چاہیں (یعنی کھانے کے لائق سمجھیں) اور مویشی ہے کہ ان کی پیٹھیں حرام کی گئی ہیں (یعنی ان پر سوار ہونا حرام ٹھیرایا) اور مویشی ہے کہ اس پر (بوقت ذبح) خدا کا نام نہیں لیتے بہتان بندی کے خدا پر قریب ہے کہ خدا ان کو سزا دیگا بسبب اس کے جو بہتان بندی کرتے تھے (١٣٨) اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ اس مویشی کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر مرا ہوا ہو تو ہم سب اس میں شریک ہیں بدلا دیگا ان کو اللہ ان کی باتوں پر بیشک وہ حکمت والا ہے جاننے والا (١٣٩) بیشک ٹوٹے میں پڑے ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی سے بغیر علم کے مار ڈالا اور حرام کر لیا اس کو جو رزق دیا تھا ان کو اللہ نے بہتان بندی کر کے خدا پر۔ بیشک وہ گمراہ ہوگئے اور ہدایت پائے ہوئے نہ تھے (١٤٠) وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا باغوں کو ٹٹیوں پر چڑھے ہوئے اور بغیر ٹٹیوں کے کھڑے ہوئے اور کھجور کے درختوں کو اور کھیتی کو طرح طرح کے ہیں اس کے پھل

حضرت موسے کی کتاب پیدائش یعنی توریت میں جہاں تمام عالم کے پیدا ہونے کا ذکر ہے جنوں کی مخلوقات کے پیدا ہونے کا ذکر نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے ابتدائی زمانہ میں ایسی مخلوق کا کچھ خیال نہ تھا مگر مجوسیوں اور بت پرستوں میں تھا۔ جب کہ انہوں نے

وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـــُٔـوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور زیتون اور انار کو ملا ایک سے بھی اور ایک سے نہیں، کھاؤ اُس کے پھل کو جب پھلے اور دو اُس کا حق اُس کے کاٹنے کے دن اور اسراف مت کرو بیشک خدا دوست نہیں رکھتا اسراف کرنے والوں کو (۱۴۱) اور (پیدا کیا) مویشی میں سے بوجھ اُٹھانے کو اور فرش بنانے کو، کھاؤ اُس سے جو رزق دیا ہے اللہ نے تم کو اور پیروی نہ کرو شیطان کے قدموں کی بیشک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے (۱۴۲) آٹھ جوڑے[۵۱] (بوجھ اور فرش والے مویشی کے) دو بھیڑ میں سے، دو بکری میں سے، کہہ کہ کیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادائوں کو یا اُس کو جس کو دونوں ماداؤں کے پیٹ نے اندر لے لیا ہے، مجھ کو بتلاؤ دلیل سے اگر تم سچے ہو (۱۴۳)

غیر مرئی موثر کو واقعات غیر معلوم السبب اور امراض غیر معلوم العلت کا فاعل سمجھا تھا تو یہ بات لازم تھی کہ وہ اُن کے لئے کوئی صورت ورکسی قسم کا جسم تصور کریں اور اُن کو ذی عقل اور فاعل بالارادہ بھی سمجھیں اور اُن کو انسانوں سے بہت زیادہ قوی اور قوی ہیکل لنبا تڑنگا خیال کریں تو اُن سے ڈرتے رہیں اور اُن کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے اُن کی پرستش کریں تاکہ اُن کی خفگی کے بھبھوں سے محفوظ رہیں اور اُن کی مہربانی سے فائدہ اُٹھا دیں +

غالباً اس خیال کی ابتدا مجوسیوں سے ہوئی جو ابتدا ہی سے اہرمن و یزدان کے قائل تھے انہی سے یہودیوں میں اور عرب کے بُت پرستوں میں پھیلی۔ مشرکین عرب میں یہاں تک اس کا یقین ہو گیا تھا کہ وہ یقین کرتے تھے کہ ہر ایک جنگل میں جن رہتے ہیں اور جب وہ سفر میں جاتے تھے یا شکار کے لئے کسی جنگل میں اُترتے تھے تو اُس جنگل یا میدان کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے تھے تمام عرب میں یہ خیال پیدا ہوا تھا اور مسلمانوں میں بطور ارث کے چلا آتا تھا اس لئے تمام مفسرین نے جہاں قرآن مجید میں لفظ جن یا جان یا اُس کے مثل آیا اُس کے معنی ویسی ہی بھوت کے سمجھے

[۵۱] آٹھ جوڑے اس طرح پر ہوئے - ۱ - بھیڑ نر و مادہ - ۲ - اُن کے پیٹ کے بچے نر و مادہ - ۳ - بکری نر و مادہ - ۴ - اُن کے پیٹ کے بچے نر و مادہ - ۵ - اونٹ نر و مادہ - ۶ - اُن کے پیٹ کے بچے نر و مادہ - ۷ - بیل نر و مادہ - ۸ - اُن کے پیٹ کے بچے نر و مادہ +

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۶﴾

اور اونٹ سے دو، اور بیل سے دو، کہہ کہ کیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادؤں کو یا اُس کو جس کو دونوں مادؤں کے پیٹ نے اندر لیا ہے، کیا تم گواہ تھے جب خدا نے تم کو اس کا حکم دیا تھا، پھر کون زیادہ ظالم ہے اُس سے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا تاکہ گمراہ کرے آدمیوں کو بغیر علم کے بیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو ﴿۱۴۵﴾ کہہ دے (اے پیغمبر) میں نہیں پاتا اُس میں جو مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ حرام کیا گیا ہے کسی کھانے والے پر جو اُس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ مرا ہوا ہو یا (رگوں میں سے) بہا ہوا خون ہو یا سُور کا گوشت ہو پھر بیشک وہ ناپاک ہے یا فسق ہو کہ اُس پر خدا کے سوا اور کسی کا نام پکارا گیا ہو، پھر جو کوئی (فاقوں کے مارے) مضطر ہو بغیر نافرمانبردار ہونے یا حد سے گذرنے والے کے (اور ایسی حالت میں بقدر حاجت اُس میں سے کھالے) تو بیشک تیرا پروردگار بخشنے والا ہے مہربان ﴿۱۴۶﴾

اور اسی کے مناسب تفسیریں لکھدیں مگر اس بات پر غور نہیں کیا کہ قرآن مجید سے بھی ایسی صورت و شمائل مخلوق کے ہونے کا وجود پایا جاتا ہے یا نہیں ✦

ہمارے پاس اس بات سے انکار کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ سوائے موجودات مرئی اور محسوس کے کوئی اور ایسی مخلوق موجود نہ ہو جو مرئی نہ ہو مگر کلام اس میں ہے کہ جس طرح جنوں کی مخلوق کو مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے ایسی مخلوق کا وجود قرآن مجید سے ثابت نہیں ✦

علمائے اسلام جن کی تعریف میں بیان کرتے ہیں کہ "جسم ناری حساس متحرک بالارادۃ یتشکل باشکال مختلفۃ" ۔ اسی بنا پر عام مسلمان خیال کرتے ہیں کہ وہ ایک ہوائی آگ کے شعلے سے پیدا ہوئے ہیں اُن میں مرد اور عورت دونوں ہیں وہ لڑکے اور لڑکیاں جنتے جنلاتے ہیں طرح طرح کی شکلوں میں بن جاتے ہیں انسانوں کے سروں پر آتے ہیں اُن کو تکلیف پہنچاتے ہیں اُن کو اُٹھا لیجاتے ہیں اُن کو مار ڈالتے ہیں انسانوں پر عاشق ہو جاتے ہیں اُن کو تازہ بتازہ میوے لا کر دیتے ہیں اور دکھائی نہیں دیتے مگر جب چاہیں اور جس شکل میں چاہیں اپنے تئیں دکھلا دیتے ہیں ۔ یعنی اپنے جسم میں دفعۃً البسالمدہ پیدا کر لیتے ہیں کہ دکھائی دینے لگتا ہے ۔ آدمی کی صورت بن کر بزرگوں کی خدمت میں

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٧﴾

اور اُن لوگوں پر جو یہودی ہیں ہم نے حرام کیا ہر ناخون دار جانور کو اور گائے اور بکری میں سے ہم نے اُن پر حرام کی اُن کی چربی مگر وہ جس کو اُن کی پیٹھیں یا پیلیاں اُٹھائے ہوئے ہوں یا وہ جو لپٹ رہا ہو ساتھ ہڈی کے۔ اُن کو ہم نے یہ بدلا دیا ہے بسبب اُن کی نافرمانی کے اور بیشک ہم سچے ہیں (۱۴۶) پھر اگر تجھ کو وہ جھٹلاویں تو کہہ کہ تمہارا پروردگار بہت وسیع رحمت والا ہے، اور نہیں ہٹایا جاتا اُس کا عذاب گنہگار لوگوں سے (۱۴۷)

حاضر ہوتے ہیں عامل اُن کو آدمی بنا کر اپنے گھوڑے کا سائیس کر لیتے ہیں۔ مگر اس میں سے ایک بات بھی قرآن مجید سے ثابت نہیں ۔

مشرکین عرب جو جنوں کا یقین رکھتے تھے وہ اُن کو جنگلوں اور پہاڑوں میں انسانوں سے مخفی رہنے والے جانتے تھے اور شریر اور زبردست قوی ہیکل خیال کرتے تھے اور اس قسم کے انسانوں پر بھی جن کا اطلاق کرتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی کہیں استعارةً جن کا اطلاق شیطان مغوی للانسان پر ہوا ہے اور کہیں وحشی اور شریر انسانوں پر اور کہیں بطور الزام و خطابیات کے اُسی وجود خیالی پر جس کا مشرکین یقین کرتے تھے۔ مگر خطابیات کے طور پر بیان کرنے سے فی الواقع ویسی مخلوق کے ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا ۔

اس آیت میں جس کی تفسیر ہم لکھ رہے ہیں اور سورہ سبا کی آیت میں خدا تعالیٰ نے مشرکین کو

"ویوم نحشرھم جمیعا ثم نقول للملائکۃ اھؤلاء ایاکم کانوا یعبدون قالوا سبحانک انت ولینا من دونھم بل کانوا یعبدون الجن اکثرھم بھم مؤمنون" (سبا ۔ ۳۹ و ۴۰)

اُنہی خیال کے مطابق خطابیات کے طور پر جنوں کی پرستش کا الزام دیا ہے۔ اس آیت سے پہلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے انسانوں کا جو اُس کی ہدایت سے سیدھی راہ پاتے ہیں اور جو سیدھی راہ سے گمراہ ہوتے ہیں ذکر کیا ہے جہاں فرمایا ہے "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء" پھر اُنہی دونوں گروہوں کو قیامت کے دن اکٹھا کرنا کہا ہے ان لفظوں سے کہ "یوم نحشرھم جمیعا" ھُم کی ضمیر اُنہی دونوں گروہوں کی طرف راجع ہے اور جنوں کی پرستش کا کچھ ذکر نہیں ہے دفعةً فرمایا "یا معشر الجن قد استکثرتم من الانس" یہ صاف قرینہ اس بات کا ہے کہ یہ جملہ خطابیات کے طور پر مشرکین کے الزام دینے کو اُن کے خیالی معبودوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم نے اپنے بہت سے

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (۱۴۹) قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (۱۵۰)

اب کہینگے وہ لوگ جو شرک میں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نکرتے اور نہ ہمارے باپ دادا نہ ہم کوئی چیز حرام ٹھیرا تے، اسی طرح جھٹلایا ہے اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے چکھا مزا ہمارے عذاب کا، کہ کیا ایسے تمہارے پاس کوئی دلیل تو اُس کو ہمارے لئے لاؤ، تم پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور تم نہیں ہو مگر اٹکل پچو کہنے والے (۱۴۹) کہدے کہ پھر اللہ ہی کے لئے ہے دلیل مضبوط پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کرتا (۱۵۰)

پیروی کرتے ہیں۔ اس خطاب کا جواب جنوں کی طرف سے کچھ نہیں دیا بلکہ مشرکین جو عقیدہ جنوں کی پرستش کی نسبت رکھتے تھے اُس کو بیان کیا ہے کہ ہم تو ایک دوسرے سے نفع اُٹھانے کی غرض سے اُن کی پرستش کرتے تھے اور شریک ذات باری نہیں جانتے تھے۔ اُس پر خدا نے یہ فیصلہ کیا کہ "النار مثواکم" یعنی تمہاری جگہ آگ ہے۔ اور یہ ایک نہایت مؤثر اور فصیح و بلیغ طرز تقریر ہے اس بات کے سمجھانے کو کہ خدا کے سوا دوسرے کی پرستش گو کہ اُس کو اِلٰہ اعتقاد کرکے نہ ہو شرک اور باعث دخول نار ہے کیونکہ وہ بھی شرک فی العبادت اور شرک فی الصفات میں داخل ہے۔ پس اس طرح جنوں کو مخاطب کرنے سے ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقع جنوں کی ایسی ہی مخلوق ہے جیسے کہ مشرکین عرب یقین کرتے تھے یا جس طرح کہ مسلمان عالموں نے لکھا ہے +

سورہ سبا کی آیت میں دوسرا طرز تجاہل عارفانہ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ بات معلوم تھی کہ مشرکین جنوں کی پرستش کرتے تھے باوجود اس علم کے ملائکہ فرشتوں سے جو مشرکین کے نزدیک بھی معبود تھے پوچھیگا کہ یہ مشرکین تمہاری پرستش کرتے تھے جواب دینگے کہ نہیں۔ جنوں کی پرستش کرتے تھے جن کو ملائکہ سے مشرکین بھی کم درجہ کا سمجھتے تھے اور اس طرز بیان سے جنوں کی پرستش کی زیادہ تحقیر نکلتی ہے۔ مگر کسی طرح جنوں کی ایسی مخلوق ہونے کا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ثبوت نہیں ہوتا +

سورہ انعام میں ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ مشرکین نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا ہے حالانکہ اُن کو یعنی مشرکین کو خدا نے پیدا کیا ہے ہم کی ضمیر جن کی طرف پھیرنی اس لئے ٹھیک نہیں ہے کہ مشرکین جنوں کو غیر مخلوق نہیں سمجھتے تھے اور اس

وجعلوا للہ شرکاء الجن وخلقھم وخرقوا لہ بنین وبنات بغیر علم سبحانہ وتعالیٰ عما یصفون۔ (انعام ۱۰۰) +

صورت میں وخلقھم کے لفظ سے کچھ معتدبہ فائدہ نہیں ہوتا اور مشرکین کی طرف ضمیر پھیرنے سے

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾	کہدے لاؤ اپنے گواہوں کو جو گواہی دیتے ہیں کہ بیشک خدا نے حرام کیا ہے اُس کو، پھر اگر وہ گواہی بھی دیں تو تُو اُن کے ساتھ گواہی مت دے اور نہ پیروی کر اُن لوگوں کی خواہشوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور اُن لوگوں کی جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر اور وہ (اصنام کو) اپنے پروردگار کے برابر کرتے ہیں ﴿۱۵۱﴾

اس بات کے اشتباہ کا فائدہ ہے کہ خالق ہی مستحق عبادت ہے نہ کوئی مخلوق ✦

اس آیت میں صرف مشرکین کے اعتقاد کا ذکر ہے مگر اس سے نہ جنوں کی فی الواقع ایسی مخلوق ہونے کا ثبوت ہے جیسے کہ مشرکین اعتقاد کرتے تھے اور نہ خدا کے بیٹے اور بیٹیوں کے ہونے کا ثبوت ہے ✦

سورۂ اعراف میں خدا تعالیٰ نے ابلیس کا قول نقل کیا ہے کہ اُس نے آدم کو سجدہ نہ کرنے

قال انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین (اعراف ۔ ۱۱) ✦ — میں یہ کہا کہ میں اُس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے ✦

خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار (الرحمن ۱۳ و ۱۴) ✦ — اور سورہ الرحمن میں فرمایا ہے کہ "پیدا کیا انسان کو سڑی مٹی سے اور جان یعنی جن کو بھڑکتی آگ سے ✦

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماٍ مسنون والجان خلقناہ من قبل من نار السموم (حجر ۔ ۲۶ و ۲۷) — اور سورہ حجر میں فرمایا ہے کہ ہم نے انسانوں کو پیدا کیا ہے سڑی مٹی سے اور جان یعنی جن کو آگ کی لُو سے ✦

اذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ (کہف ۵۰) — اور سورہ کہف میں فرمایا ہے کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ جنوں میں سے یعنی سرکشوں میں سے تھا ✦

ان آیتوں کے بیان کرنے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ ابلیس کی خلقت بھی نار سے بیان ہوئی ہے اور سورہ کہف میں ابلیس پر جن کا اطلاق ہوا ہے اور سورہ الرحمن اور سورہ حجر میں انسان کے پیدا کرنے کے ساتھ جو جان کے آگ سے پیدا کرنے کا ذکر ہے اُس سے بھی ابلیس مراد ہے مغوی للانسان اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ کوئی وجود خارج از انسان نہیں ہے اور اس لئے

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱۵۲) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۱۵۳)

کہ کہ آؤ میں پڑھ دوں جو حرام کیا ہے تمہارے پروردگار نے تم پر، کہ اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو، اور اپنی اولاد کو مت مار ڈالو مفلسی کے ڈر سے ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی، اور بے حیائی کے پاس مت جاؤ جو کھلی ہوئی بے حیائیوں میں سے ہو اور جو پوشیدہ میں ہو، اور نہ مار ڈالو کسی جان کو کہ اُس کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے مگر انصاف پر، یہ ہیں کہ اُن کا تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو (۱۵۲) اور نہ جاؤ یتیم کے مال کے پاس مگر اس طرح کہ وہ نیکی سے ہو جب تک کہ وہ پہنچے اپنے رشد کو، اور پورا کر دیا کرو پیمانے کو اور ترازو کو انصاف سے ہم تکلیف نہیں دیتے کسی جان کو مگر بقدر اُس کی طاقت کے، اور جب تم کچھ کہو تو انصاف کرو اور اگرچہ تمہارا قرابت دار ہی ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو یہ ہیں کہ اُن کا تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو (۱۵۳)

ان آیتوں سے جنوں کی کسی ایسی مخلوق پر جس کا یقین مشرکین کرتے تھے استدلال نہیں ہو سکتا انسان کے قوٰی میں سے اُس قوت کا جس پر شیطان کا اطلاق ہوا ہے آگ سے یا حرارت سے پیدا ہونا ایسا ٹھیک اور بالکل سچ ہے کہ اُس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا باقی جو امور ان آیتوں سے متعلق ہیں اُن پر بحث اُس مقام پر کریں گے جہاں اُن کی تفسیر لکھیں گے ✤

حضرت سلیمان کے قصہ میں جن و شیاطین کا جو حضرت سلیمان کے ہاں بہت سے کاموں پر متعین تھے قرآن مجید میں ذکر آیا ہے سورہ سبا میں خدا نے فرمایا ہے کہ ''جنوں میں سے وہ تھا جو

ومن الجن من يعمل بين يديه باذن ربه (سبا - ۱۱) — حضرت سلیمان کے سامنے اپنے رب (یعنی آقا) کے حکم سے کام کرتا تھا اور جگہ فرمایا ہے کہ جب

فلما خر تبينت الجن ان لو كانوا يعلمون الغيب ما لبثوا في العذاب المهين (سبا - ۱۰) — حضرت سلیمان مر گئے (جن کی لاش کو لکڑی کے سہارے سے کھڑا کر دیا تھا) تو کسی کو خبر نہ ہوئی

مگر جب دیمک نے عصا کو کھا لیا اور وہ گر پڑے تب جنوں نے جو بیت المقدس کی عمارت کا کام

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۱۵۴)	اور یہ ہے میرا رستہ سیدھا پھر اُس کی پیروی کرو اور مت پیروی کرو (دوسرے) رستوں کی پھر وہ تم کو متفرق کر دینگے اُس رستے سے یہ ہے جس کا تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری کرو (۱۵۴)

کر رہے تھے اُن کا مر جاتا اور کہا کہ اگر ہم کو غیب کی بات معلوم ہوتی تو ہم اس سخت عذاب میں نہ ٹھیرے رہتے +

ان آیتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ حضرت سلیمان کے وقت کا در بیت المقدس کی تعمیر ہونے کا ایک تاریخی واقعہ ہے اور تاریخ پر رجوع کرنے سے بخوبی معلوم ہو سکیگا کہ حضرت سلیمان کی سرکار میں عمارت کا اور جنگلوں میں سے لکڑی کاٹنے کا پتھر تراشنے کا جہاز چلانے کا کون کام کرتے تھے۔ جو وہ جون اُنہی پر جن اور شیاطین کا اطلاق ہوا ہے +

کتاب اول سلاطین باب پنجم سے پایا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان نے حیرام صور کے بادشاہ سے صیدونی قوم کے آدمی جنگل میں سے لکڑی کاٹنے کو مانگے تھے مقام لبنان سے لکڑی کاٹی جاتی تھی اور سلیمان کے لوگ اور حیرام بادشاہ صور کے بھیجے ہوئے لوگ اور "جبلیم" یعنی پہاڑی لوگ لکڑیاں کاٹتے تھے اور پتھر تراشتے تھے +

کتاب دوم تاریخ الایام سے پایا جاتا ہے کہ صور کے بادشاہ نے ایک کاریگر صور کے رہنے والے حضرت سلیمان کے ہاں کام کرنے کو بھیجا تھا جو اپنے آقا کی اجازت سے کام کرنے آیا تھا اسی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ " ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ " +

اُسی کتاب سے پایا جاتا ہے کہ سوا بنی اسرائیل کے جو لوگ فلسطین میں غیر قوم کے پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے تھے اُن میں سے حضرت سلیمان نے ستر ہزار آدمیوں کو حمالی پر اور اسی ہزار کو درخت کاٹنے اور پہاڑوں میں سے پتھر تراشنے پر متعین کیا تھا یہ سب بیگار میں پکڑے گئے ہونگے جنوں نے حضرت سلیمان کا مرنا معلوم کر کے ضرور کہا ہوگا کہ " لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین " +

حضرت سلیمان کے قصہ کو مولوی چراغ علی صاحب نے جو عربی اور عبری زبان سے بخوبی واقف ہیں ایک رسالہ میں نہایت عمدگی سے لکھا ہے جس کو ہم حضرت سلیمان کے قصہ میں تفصیل لکھینگے اس مقام پر صرف اس قدر بتانا مقصود تھا کہ ان آیتوں میں جو جن کا لفظ آیا ہے اُس سے وہ پہاڑی و جنگلی آدمی مراد ہیں جو حضرت سلیمان کے ہاں بیت المقدس بنانے کا کام کرتے تھے اور جن پر بسبب وحشی اور جنگلی ہونے کے جو انسانوں سے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپے رہتے ہیں اور نیز بسبب قوی اور

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۵﴾	پھر ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اُس شخص پر (نعمت) پورا کرنے کو جو نیک کام کرتا ہے اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے کو اور ہدایت اور مہربانی تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے پر ایمان لاویں ﴿۱۵۵﴾

طاقتور اور مخفی ہونے کے جن کا اطلاق ہوا ہے پس اس سے وہ جن مراد نہیں ہیں جن کو مشرکین نے اپنے خیال میں ایک مخلوق مع اُن اوصاف کے جو اُن کے ساتھ منسوب کئے ہیں مانا ہے اور جن پر مسلمان بھی یقین کرتے ہیں +

عبری زبان میں شد اور شدیم معنی دیو اور جن کے آیا ہے اور نیز ڈاکوؤں اور شریر آدمیوں پر اس کا اطلاق ہوا ہے - عربی زبان میں بھی وحشی اور قوی آدمیوں پر جن کا لفظ بولا گیا ہے - دمو مثال العرب ،، اجن اللہ جبالہ ،، ای الجبال التی یسکنھا ای اکثر اللہ فیھا الجن ای اوحشھا - (شرح امثال میدانی) +

نابغہ ذبیانی شاعر جاہلی کہتا ہے

سہکین من صداء الحدید کانہم تحت السنور جنۃ البقار

یعنی اُن کے بدن میں بدبو ہوگئی لوہے کے زنگ سے گویا کہ وہ - زرہ کے نیچے بقار کے جن ہیں +

زہیر ابن سلمی جاہلی شاعر کہتا ہے

اذا فزعوا طاروا الی مستغیثہم طوال الرماح لاضعاف ولا عزل

یعنی جب وہ لوگ جوش میں آتے ہیں تو دوڑ کر جاتے ہیں اپنی پناہ مانگنے والے کے پاس - لمبے نیزے لیکر نہ وہ کمزور ہیں اور نہ بے ہتیار +

بخیل علیھا جنۃ عبقریہ جدیرون یوما ان ینالوا فیستعلوا

گھوڑوں پر کہ اُن گھوڑوں پر جن عبقری ہے - لایق ہیں لڑائی کے دن کہ اپنا مقصد پاویں اور غالب ہوں +

جن اذا فزعوا انس اذا امنوا مردون بھالیل اذا جھدوا

جن ہیں جب کہ جوش میں آتے ہیں اور انس ہیں جب کہ امن میں ہوتے ہیں - دراز قد ہیں خنیع رُد ہیں جب کہ وہ کوشش کرتے ہیں +

قال عفریت من الجن انا اٰتیك بہ قبل ان تقوم من مقامك (نمل - ۳۹) +

سورہ نمل میں ہے کہ جب حضرت سلیمان نے بلقیس کا تخت منگانا چاہا تو جنوں میں سے ایک

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۱۵۶)	اور یہ کتاب ہم نے اُس کو اُتارا ہے برکت والی پھر اُس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری کرو تاکہ تم رحم کیے جاؤ (۱۵۶)

عفریت نے کہا کہ میں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اُٹھیں آپ کے پاس لا دیتا ہوں" آس آیت میں جو اور بحثیں ہیں اُن کو ہم اس مقام پر نہیں چھیڑتے صرف اتنی بات بتلاتے ہیں کہ قاموس میں لکھا ہے کہ عفریت کہتے ہیں رجل کامل ضابطہ قوی - یعنی موٹے مسنڈے مضبوط آدمی کو اور جن کا اطلاق جیسے کہ ہم نے ابھی بیان کیا صحرائی اور پہاڑی آدمیوں پر جو حضرت سلیمان کے ہاں حمالی کا اور اُور قسم کا کام کرتے تھے ہوا ہے پس آیت کے معنی نہایت صاف ہیں کہ ایک قوی مضبوط پہاڑی آدمی نے کہا کہ میں ابھی اُس تخت کو جو حضرت سلیمان کے توشہ خانہ میں موجود تھا نہ ملک سبا میں اُٹھا لاتا ہوں +

سورہ جن میں تین جگہ لفظ جن آیا ہے اور اُسی مضمون کی ایک آیت سورہ احقاف میں ہے عرب کے

قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن -	مشرکین کی عادت تھی کہ چھپ چھپ کر آنحضرت
(سورہ جن - ۱)	صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُنا کرتے تھے بھید لینے
وانا ظننا ان لن تقول الانس والجن علے	اور غمازی کرنے کو اُنہیں لوگوں میں سے جب کہ
اللہ کذبا - (سورہ جن - ۵)	وہ چھپ کر باتیں سُنتے تھے چند آدمیوں نے
وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سُنا
من الجن - (سورہ جن - ۶)	اُن کے دل پر اثر ہوا اور اُنہوں نے اُس کو سچ اور
واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون	منزل من اللہ جانا اُنہی کا ذکر ان آیتوں میں ہے
القرآن - (سورہ احقاف - ۲۰)	اور جو کہ لامعلوم شخص تھے اور چھپ کر سنتے تھے اُن

کی نسبت لفظ جن استعمال ہوا ہے - اس بات کا ثبوت کہ وہ جن بمعنی متعارف نہ تھے بلکہ انسان تھے خود اُسی سورت میں موجود ہے - جہاں اُن کے عقاید کا ذکر ہوا ہے - کیونکہ اُن میں سے بعض نے کہا کہ خدا تعالے نے نہ کوئی جورو کی ہے اور نہ اُس کے کوئی بیٹا ہے ہمارے پیشواؤں نے خدا پر تہمت لگائی تھی - حضرت عیسے علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا سمجھنا عیسائیوں کا عقیدہ ہے پس جن لوگوں نے اس عقیدہ کے غلط ہونے کا اقرار کیا بیشک وہ عیسائی تھے +

اور بعضوں نے کہا کہ انسانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو جناتوں سے پناہ چاہتے تھے یہ طریقہ عرب کے بُت پرست کافروں کا تھا اور جن لوگوں نے اس عقیدہ کو قرآن سنکر غلط سمجھا بلاشبہ وہ لوگ عرب کے بُت پرست کافر تھے +

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ایسا نہ ہو کہ تم کہو کہ اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے، کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب اُتاری گئی ہے اور بیشک ہم اُن کے پڑھنے سے غافل تھے ﴿۱۵۶﴾ یا تم کہو کہ ہم پر کتاب اُتاری جاتی تو ہم اُن سے بھی زیادہ ہدایت پانے والے ہوتے پھر بیشک تمہارے پاس آئی ہے دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے اور ہدایت اور رحمت پھر کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جس نے جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو اور اُن سے پھر گئے۔ ہم جلد سزا دینگے اُن لوگوں کو جو ہماری نشانیوں سے پھرے ہوئے ہیں بُرے عذاب کی بسبب اُس کے کہ وہ پھرے ہوئے تھے ﴿۱۵۷﴾ کیا وہ منتظر ہیں مگر اُسی کے کہ اُن کے پاس فرشتے آویں یا تیرا پروردگار آوے یا تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آویں۔ جس دن تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آوینگی نفع نہ دیگا کسی شخص کو اُس کا ایمان جو اُس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا نہیں کمایا تھا اپنے ایمان میں بھلائی کو۔ کہدے انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں ﴿۱۵۸﴾

اور بعضوں نے کہا کہ ہم سمجھتے تھے کہ خدا کسی پیغمبر کو نہیں بھیجنے کا یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا وہ سمجھتے تھے کہ جو شریعت موسے کو دی گئی ہے وہ ابدی ہے اب کوئی پیغمبر صاحب شریعت مبعوث نہیں ہونے کا جن لوگوں نے قرآن سُن کر اس عقیدہ کو غلط جانا اور اس بات پر یقین کیا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور پیغمبر پر نازل ہوا ہے اور ایک پیغمبر آخر الزمان صاحب شریعت مبعوث ہوا ہے وہ لوگ یا تو یہودی تھے +

اور بعضوں نے کہا کہ ہم جو بیٹھ بیٹھے آسمانوں میں سے غیب کی باتیں سُنتے تھے اب سُننے والوں پر شہاب ثاقب مارے جاتے ہیں اس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بات کے کہنے والے مجوسی آتش پرست تھے اُس فرقہ کے پیشوا نجوم پر یقین رکھتے تھے اور ستاروں کے مقامات سے غیب کی خبریں دیتے تھے اور ہر ایک کے لئے بھلائی بُرائی بتلاتے تھے پس جن لوگوں نے قرآن مجید سُن کر اس عقیدہ کو غلط سمجھا اور اس پر ایمان لائے کہ نجومی جھوٹے ہیں اور غیب کی بات

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡہُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُہُمۡ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا ۚ وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلۡ اِنَّنِیۡ ہَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۬ۚ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۶۳﴾

بیشک جن لوگوں نے مختلف کر دیا اپنے دین (یعنی دین ابراہیم) کو اور ہو گئے گروہ گروہ تو نہیں ہے اُن میں سے کسی چیز میں۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اُن کا فیصلہ خدا پر ہے پھر وہ اُن کو بتا دیگا اُس کو جو وہ کرتے تھے (۱۶۰) جو شخص نیکی کو لایا ہے تو اُس کے لئے ویسا ہی اُس کا دس گنا ہے اور جو شخص بُرائی کو لایا ہے تو اُس کو بدلا نہیں دیا جاویگا مگر اُسکے برابر اور وہ نہیں ظلم کئے جاوینگے (۱۶۱) کہدے کہ بیشک میرے پروردگار نے مجھ کو ہدایت کی ہے سیدھے رستہ کی جو دین مضبوط ہے دین ابراہیم کی خلوص سے یقین رکھنے والے کا اور وہ نہیں تھا شرک کرنے والوں میں سے (۱۶۲) کہدے کہ بیشک میری نماز اور میری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت خدا پروردگار عالموں کے لئے ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں (۱۶۳)

کوئی نہیں جان سکتا اور خدا کو نہ کوئی ہرا سکتا ہے اور نہ اُس کو جیت سکتا ہے نہ اُس سے بھاگ سکتا ہے بلاشبہ وہ لوگ مجوسی تھے یعنی آتش پرست +

حسن کا قول ہے کہ "ان فیھم یھودا ونصاریٰ ومجوسا ومشرکین" (تفسیر کبیر)

یعنی قرآن سُننے والوں میں یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور مشرکین تھے اور اس قول سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ سننے والے انسان تھے نہ جن بمعنی متعارف اور یہ کہنا کہ جنوں میں بھی یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور مشرکین ہوتے ہیں ایک ایسی بات ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل تو نہیں کہہ سکتا +

علاوہ ان آیتوں کے جو وہ آیتیں قرآن مجید میں اور ہیں جن میں جن و انس کا لفظ ساتھ ساتھ آیا ہے مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ ان سب آیتوں میں جن کا اطلاق وحشی بدوی جنگل و پہاڑ کے رہنے والوں پر ہوا ہے ان دونوں لفظوں کے ساتھ لانے سے ہر قسم اور ہر درجہ کے آدمیوں کا حصر مقصود ہے خدا پر اور اس کے حکام پر ایمان لانے اور اعمال بد کی سزا پانے میں کیونکہ

۱۔ یا معشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم (سورۃ انعام۔ ۱۳۰) +

۲۔ قل لئن اجتمعت الجن والانس علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ۔ (سورۃ اسریٰ۔ ۹۰) +

۳۔ وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

کہہ دے کیا دوسرے کو اللہ کے سوا پروردگار چاہوں اور وہ تو پروردگار ہر چیز کا ہے اور نہیں کماتا کوئی شخص مگر اپنے اوپر نہیں اٹھاتا کوئی اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ پھر تمہارے پروردگار کے پاس تم کو پھر جانا ہے پھر بتادیگا تم کو اس چیز کو جس میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۱۶۴﴾ اور وہ وہ ہے جس نے تم کو کیا خلیفہ زمین کا اور بعضوں کو بعضوں سے درجہ میں بلند کیا تا کہ تم کو آزماوے اس چیز میں جو تم کو دی ہے بیشک تیرا پروردگار جلد عذاب کرنے والا ہے اور بیشک البتہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۱۶۵﴾

والانس والجن (سورہ انعام - ۱۱۲) +

۴- قال ادخلوا فی امم قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار (اعراف - ۳۸) +

۵- ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس (اعراف - ۱۷۸) +

۶- وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس و الطیر فہم یوزعون (نمل - ۱۷) +

۷- وحق علیہم القول فی امم قد خلت من قبلہم من الجن والانس انہم کانوا خاسرین (فصلت - ۲۵) +

۸- وقال الذین کفروا ربنا ارنا الذین اضلانا من الجن والانس (فصلت - ۲۹) +

۹- اولئک الذین حق علیہم القول فی امم قد خلت من قبلہم من الجن والانس انہم کانوا خاسرین (احقاف - ۱۸) +

۱۰- یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض (الرحمن - ۳۳) +

۱۱- فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان (الرحمن - ۳۹) +

۱۲ و ۱۳- فیہن قاصرات الطرف لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان (الرحمن ۵۶ و ۷۴) +

۱۴- وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ذاریات - ۵۶) +

شہری و دیہاتی وحشی اور انسی تربیت یافتہ و ناتربیت یافتہ مہذب نامہذب سویلزڈ اور باربیرین سب کے سب اس پر مکلف ہیں +

ایک ہمارے دوست نے ہم سے کہا کہ جب تم نے سورۂ انعام کی ایک سو اٹھائیسویں آیت جہاں لفظ " یا معشر الجن " ہے لفظ جن سے وہی معنی متعارف مراد لئے ہیں گو بطور خطابیات کے اس کو قرار دیا ہے تو یہی لفظ اسی سورت کی ایک سو تیئیسویں آیت میں اور سورہ الرحمن کی تیتیسویں آیت میں آیا ہے اور ان دونوں مقاموں میں وحشی آدمیوں کے معنی لئے ہیں اس تفرقہ کا کیا سبب ہے +

ہم نے کہا کہ یہ تفرقہ ہم نے نہیں کیا بلکہ خود خدا نے کیا ہے کیونکہ سورہ انعام کی پہلی آیت میں صرف یا معشر الجن کہا ہے اور اس کے بعد کی اور سورہ الرحمن کی آیت میں یا معشر الجن والانس کہا ہے پس جو تفرقہ خود خدا نے اپنے کلام میں کیا ہے وہی تفرقہ ہم نے اس کی مراد میں بتایا ہے +

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ① اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ② وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ③ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ④ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑤ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑥ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٟالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑦

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

یہ کتاب ہے کہ اتاری گئی ہے تجھ پر پھر نہ ہو تیرے دل میں کچھ تنگی تاکہ ڈراوے (تو لوگوں کو) اس سے اور نصیحت واسطے ایمان والوں کے ① پیروی کرو اس کی جو اتارا گیا ہے تم پر تمہارے پروردگار سے اور مت پیروی کرو اس کے سوا اور دوستوں کی تھوڑی سی نصیحت پکڑتے ہو ② اور بہت سے شہر ہیں کہ ہم نے ان کو ہلاک کیا پھر آیا ان پر ہمارا عذاب رات کو اور وہ سوتے تھے ③ پھر اور کچھ ان کا کہنا نہ تھا جب ان پر عذاب آیا بجز اس کہنے کے کہ بیشک ہم ظالم تھے ④ پھر ضرور ہم پوچھینگے ان لوگوں سے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے ہیں اور ضرور ہم پوچھینگے پیغمبروں سے ⑤ پھر ضرور ہم ان کا قصہ ان کو سنا دینگے اور جو کچھ کہ وہ کہتے تھے (اس وقت) ہم غیر حاضر نہ تھے ⑥ اور وزن ہونا (اعمال کا) اس دن حق ہے پھر جو کوئی کہ اس کے بھاری ہونگے (اعمال نیک) پھر وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ⑦

⑦ (والوزن یومئذ الحق) عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور اس پر بہت سی بے بنیاد حدیثیں بھی بنالی ہیں کہ قیامت کے دن بندوں کے اعمال تولنے کے لئے ایک ترازو ہوگی جس کا ایک پلڑا بہشت پر اور ایک پلڑا دوزخ پر ہوگا اور اتنی بڑی ہوگی کہ تمام آسمان و زمین اور جو کچھ کہ ان میں ہے سب ایک دفعہ ایک پلڑے میں سما سکینگے اور اس کی رسان یعنی ڈنڈی پر کی چوٹی جیسی بیل چڑھے ہوئے ہونگے اچھے اعمال خوبصورت اور برے اعمال بدصورت بنکر آوینگے اور تولے جاوینگے - یا نامۂ اعمال جن کو نیکی و بدی کے فرشتے لکھتے رہتے ہیں تولے جاوینگے - مگر خود علمائے محققین نے ان سب باتوں کو بے اصل اور غیر ثابت سمجھ کر ان سے انکار کیا ہے - تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ مجاہد اور ضحاک اور اعمش کا قول ہے کہ میزان سے عدل اور انصاف مراد ہے اور اکثر متاخرین کی یہ رائے ہے اور کہتے ہیں کہ لفظ وزن کا استعمال ان معنوں میں بہت ہوتا ہے اور اس پر دلیل بھی ہے پھر یہی معنی لینے ضرور ہیں - کیونکہ عدل لینے و دینے میں صرف پیمانے یا میزان سے دنیا میں ظاہر ہوتا ہے پھر وزن سے عدل کا

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۸﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۱﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۶﴾

اور جو کوئی کہ اس کے ہلکے نکلے (اعمال نیک) پھر یہی لوگ وہ ہیں جنہوں نے ٹوٹا دیا اپنے آپ کو بسبب اس کے کہ ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے (۸) اور بیشک ہم نے تم کو قدرت دی زمین میں اور ہم نے تمہارے لئے اس میں معیشتیں پیدا کیں بہت تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو (۹) بیشک ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ سجدہ کرو آدم (یعنی انسان) کو پھر انہوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ تھا (۱۰) (خدا نے) کہا کس چیز نے تجھ کو منع کیا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا۔ (شیطان نے) کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو پیدا کیا ہے آگ سے اور اس کو پیدا کیا ہے مٹی سے (۱۱) خدا نے کہا کہ نکل جا اتر ان میں سے (یعنی فرشتوں کے درجہ میں سے) پھر تجھ کو نہیں چاہئے کہ تکبر کرے ان میں (یعنی فرشتوں میں) پس نکل (یعنی فرشتوں میں سے) بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے (۱۲) (شیطان نے) کہا کہ مجھ کو مہلت دے ان کے اٹھنے کے دن تک (۱۳) (خدا نے) کہا بیشک تو مہلت دئے گیوں میں سے ہے (۱۴) (شیطان نے) کہا پھر اس سبب سے کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا ہے ان کے لئے تیرے سیدھے رستے کی راہ ماری کرنے کو گھات میں بیٹھوں گا (۱۵) پھر ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے ان پر آن پڑوں گا تو ان میں سے بہتوں کو شکر کرنے والا نہ پاویگا (۱۶)

کنایہ کرنا مجھ نہیں ہے۔ ایک آدمی جب کہ اس کی قدر و منزلت نہیں ہوتی تو کہا جاتا ہے وہ کچھ وزن نہیں رکھتا۔ خدا نے بھی فرمایا ہے "فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا"۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو خفیف کر دیا۔ اور کلام کی نسبت بھی کہتے ہیں کہ یہ کلام اسی وزن کا ہے

سے شروع آیت میں خدا نے تمام انسانوں کو خطاب کیا ہے اس کے بعد آدم کا جو لفظ آیا ہے اس سے کوئی شخص معین مراد نہیں ہو سکتا بلکہ وہ سب مراد ہیں جو مخاطب تھے یعنی انسان ●

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٧﴾ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ﴿١٩﴾ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ﴿٢٠﴾ فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَن تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُل لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢١﴾

(خدانے) کہا نکل اُن میں سے (یعنی فرشتوں میں سے) ذلیل و مردود ہوکر جو کوئی اُن میں سے تیری پیروی کریگا ضرور میں بھر دونگا دوزخ کو تم میں سے سب (١٧) اے آدم تو اور تیری جورو رہ اس جنت میں پھر کھاؤ دونوں جہاں سے چاہو اور نہ پاس جاؤ اس درخت کے پھر تم دونوں ہوجاؤگے ظالموں میں سے (١٨) پھر وسوسے میں ڈال دیا اُن کو شیطان نے تاکہ ظاہر کرے اُن دونوں کو جو چھپا ہوا ہے اُن دونوں سے اُن کی شرمگاہوں میں سے۔ اور کہا کہ نہیں منع کیا تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے مگر اس لئے کہ ہوجاؤگے فرشتے یا ہوجاؤگے ہمیشہ رہنے والے (١٩) اور اُن دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ بیشک میں تم دونوں کے خیرخواہوں میں ہوں (٢٠) پھر پچھاڑ دیا اُن کو فریب سے۔ پھر جب اُن دونوں نے اُس درخت کو چکھا تو اُن دونوں کو اُن کی شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں۔ دونوں اپنے تئیں جنت کے پتوں سے چھپانے لگے۔ اور اُن کے پروردگار نے اُن دونوں کو پکارا کہ کیا میں نے تم دونوں کو منع نہ کیا تھا اُس درخت سے اور کیا تم دونوں کو نہ کہدیا تھا کہ بیشک شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے (٢١)

یعنی اُس کے برابر ہے پس یہی معنی یہاں لینے بھی لازم ہیں +

غرضکہ علمائے متقدمین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ میزان اور وزن اعمال سے فی الحقیقت میزان کا موجود ہونا اور فی الحقیقت اعمال کا وزن ہونا مراد نہیں ہے بلکہ صرف عدل کا استعارہ ہے اور مراد یہ ہے کہ خدا عدل کریگا اور اعمال نیک کی جزا اور بد کی سزا نہایت عدل و انصاف سے دیگا۔ اسی لئے ہم نے اس امر کی نسبت زیادہ بحث نہیں کی +

(١٩) (سواتهما) سوءۃ کے معنی شرمگاہ کے بھی ہیں اور اعمال قبیحہ اور اخلاق قبیحہ کے بھی ہیں قاموس میں لکھا ہے السوءۃ الفرج والفاحشۃ والخلۃ القبیحۃ اور فاحشہ کی نسبت بھی لکھا ہے کہ "الفاحشۃ الزناء وما یشتد قبحہ من الذنوب" اس مقام پر سوءۃ کے معنی

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۳﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اُن دونوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشیگا اور ہم پر رحم نہ کریگا تو بیشک ہم ٹوٹے میں پڑنے والوں میں سے ہو جاوینگے ﴿۲۲﴾ (خدا نے) کہا اُترو (اُس درجہ سے جس پر تھے) تم میں کا ایک دوسرے کے لئے دشمن ہے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھیرنا اور ایک زمانہ تک فائدہ اُٹھانا ہے ﴿۲۳﴾ (خدا نے) کہا اُسی میں جیوگے اور اسی میں مروگے اور اُسی سے نکلو گے ﴿۲۴﴾ اے آدم کے بیٹو بیشک ہم نے اُتارا ہے تم پر ایک لباس کہ ڈھانکتا ہے تمہاری شرمگاہ کو اور زینت کا ہے اور لباس تقویٰ کا یہی سب سے اچھا ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿۲۵﴾ اے آدم کے بیٹو نہ خرابی میں ڈالے تم کو شیطان جس طرح نکالا تمہارے ماں باپ کو جنت سے چھین لیا تھا اُن سے اُن کا لباس تاکہ دکھاوے اُن کو اُن کی شرمگاہ بیشک دکھاتا ہے تم کو وہ اور اُس کا گروہ اس طرح پر کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے، بیشک ہم نے کیا ہے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست جو ایمان نہیں لاتے ﴿۲۶﴾ اور جب وہ کرتے ہیں کوئی بُرا کام تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادو کو اسی بات پر پایا ہے اور اللہ نے اس کا ہم کو حکم کیا ہے، کہدے کہ بیشک اللہ نہیں حکم کرتا بُرے کام کا کیا تم کہتے ہو اللہ پر وہ بات جس کو تم نہیں جانتے ﴿۲۷﴾

شرمگاہ کے لئے ہیں اس سبب سے کہ اگلی آیت میں پتوں سے اُس کے چھپانے کا ذکر آیا ہے ✽

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ تمام قصہ آدم کا ایک استعارہ میں بیان ہوا ہے اور اُس سے مراد صرف بیان فطرت انسانی ہے اس طرح پر کہ ہر ایک شخص کی سمجھ میں آجاوے خواہ وہ عالم ہو

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَ
اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ
كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ
لَهُ الدِّیْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ
فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ
عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا
الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۸﴾
یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ
كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ
الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ
زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ
وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِیَ
لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا
خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ كَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ
بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ
مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ
تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۱﴾

کہدے کہ میرے پروردگار نے حکم کیا ہے ٹھیک طور سے، اور
ٹھیک کھینچے اپنے منہوں کو (یعنی اپنے آپ کو یعنی اپنے
دل اور اپنی جان کو) نزدیک ہر ایک سجدہ کی جگہ کے
اور پکارو اُسی کو (یعنی خدا کو) خالص کرکے اُسی کے
لئے عبادت کو، جس طرح کہ تم کو پیدا کیا پھر جاؤ گے،
ایک گروہ کو ہدایت کی اور ایک گروہ کو ٹھیر دی اُن پر
گمراہی، بیشک انہوں نے پکڑا شیطانوں کو اپنا دوست اللہ
کے سوا اور سمجھتے ہیں کہ بیشک وہ ہدایت پائے ہوئے ہیں (۲۸)
اے آدم کے بیٹو لو اپنا سنگار (یعنی اپنا لباس بخلاف مشرکوں کے
کہ وہ ننگے ہوکر طواف کرتے تھے یا یہ کہ اپنی جوتیاں مت اُتارو
بخلاف یہودیوں کے کہ وہ اپنے معبد میں جوتیاں اُتار کر جاتے
تھے) نزدیک ہر سجدہ کی جگہ کے اور کھاؤ اور پیو اور حد سے
مت گذرو بیشک وہ (یعنی اللہ) دوست نہیں رکھتا حد سے
گذر جانے والوں کو (۲۹) کہدے کہ کس نے حرام کیا ہے خدا کے
پیدا کئے ہوئے سنگار کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے
اور کھانے میں سے پاک چیزوں کو، کہدے کہ وہ اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان
لائے ہیں دنیا کی زندگی میں خاص کر قیامت کے دن، اسطرح ہم بیان
کرتے ہیں نشانیوں کو اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں (۳۰) کہدے
کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حرام کیا ہے میرے پروردگار نے بے حیائی کو
اس میں سے جو کھلی ہوئی ہو اور جو چھپی ہوئی ہو اور گناہ کو اور سرکشی کو
ناحق اور یہ کہ شریک کرو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو کہ نہیں اُتاری
ہے اس کے لئے کوئی دلیل اور یہ کہو تم اللہ پر جو نہیں جانتے (۳۱)

یا جاہل اسی سبب سے یہاں بھی لفظ سوآۃ کا استعمال ہوا ہے کیونکہ شرمگاہ کے کھلنے کو ہر ایک شخص معیوب اور برا سمجھتا ہے اور شیطان کی یعنی قوائے بہیمہ کی پیروی سے جو افعال بد صادر ہوتے ہیں اُس کی برائی کو ایک محسوس شے سے استعارۃً بیان کیا ہے اور بتلایا ہے کہ انسان کس طرح اپنی برائیوں کے چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ چھپ گئیں مگر درحقیقت وہ چھپتی نہیں پس ان قصوں اور کہانیوں کی طرف ملتفت نہ ہونا چاہئے جن کو مفسرین نے اُن کے لغوی معنوں میں

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۲﴾ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۴﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُمْ مِنَ الْكِتَابِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۳۵﴾

ہر ایک گروہ کے لئے ایک میعاد ہے پھر جب آتا ہے اُن کا وقت نہیں تاخیر کرتے ایک ساعت اور سبقت کرتے ہیں ﴿۳۲﴾ اے آدم کے بیٹو جب تمہارے پاس پیغمبر آویں تم میں سے بیان کریں تم پر میری نشانیاں ۔ پھر جس نے پرہیزگاری اور نیکی کی تو اُن پر کچھ خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے ﴿۳۳﴾ اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور اُن سے سرکشی کی وہی لوگ ہیں آگ میں رہنے والے وہ ہمیشہ اُس میں رہینگے ﴿۳۴﴾ پھر کون زیادہ ظالم ہے اُن لوگوں میں سے جنہوں نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹ یا جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہی لوگ ہیں کہ پہنچیگا اُن کو اُن کا حصہ لکھے ہوئے میں سے یہاں تک کہ جب آوینگے اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے اُن کی جان لینے کو کہینگے کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارتے تھے اللہ کے سوا کہینگے کہ وہ ہم سے کھوئے گئے اور گواہی دینگے اپنے پر آپ کہ بیشک وہ کافر تھے ﴿۳۵﴾

سے ایک خاص معنی لیکر اُس پر طرح طرح کے بے سند و بے سرو پا لکھ دئے ہیں ۔ اس مطلب کی تشریح قابل تسکین اُس وقت ہو جاتی ہے جب انسان اس آیت کو پڑھتا ہے کہ اے آدم کے بیٹو تم پر ہیں نے ایک لباس اُتارا ہے جو تمہاری شرمگاہ کو ڈھانکیگا اور تقوے کا لباس سب سے اچھا ہے ۔ پس اس آیت نے ثابت کردیا کہ نہ وہاں سوأۃ سے شرمگاہ مراد تھی اور نہ پتوں کے ڈھانکنے سے اس کا ڈھانکنا بلکہ صرف افعال اور اخلاق ذمیمہ کو جو انسان کے لئے ایسے ہی بُرے ہیں جیسے اُس کی شرمگاہ کا لوگوں کے سامنے کھُل جانا اُس استعارے میں بیان فرمایا ہے ۔ اس سے بھی زیادہ تشریح اس مطلب کی ایک اور آیت سے ہوتی ہے جو ان آیتوں کے بعد ہے ۔ پہلے تو یہ فرمادیا کہ تقوے کا لباس سب سے بہتر ہے پھر فرمایا کہ اے آدم کے بیٹو ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو بھی بہکا کر تمہارے ماں باپ کی طرح لباس اُتروا کر شرمگاہوں کو دکھلادے اس نصیحت سے صاف ظاہر ہے کہ لباس سے مراد تقوے اور سوأۃ سے مراد بُرائیاں ہیں نہ یہ

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِنْ لَا تَعْلَمُونَ (۳۶)

خدا کہیگا کہ داخل ہو اُن گروہوں میں جو گذر گئی ہیں تم سے پہلے جن و انس سے آگ میں جب جب داخل ہوگی کوئی گروہ لعنت کریگی اپنی بہن کو یہاں تک کہ جب ملجاوینگی سب اُس میں تو کہینگی پچھلی اپنی پہلیوں کو اے پروردگار ہمارے اُنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا پھر دے اُن کو دوگنا عذاب آگ سے (خدا) کہیگا ہر ایک کے لئے دوگنا ہے ولیکن تم نہیں جانتے (۳۶)

ظاہری لباس نور کا یا نور باف کا بنا ہوا اور نہ وہ مضغۂ گوشت جس کے کھلنے سے لوگ شرماتے ہیں +

(۳۶) (قال ادخلو) اس آیت میں اور اسکے بعد کی آیتوں میں بہت کچھ ذکر معاد کا ہے اور قرآن مجید میں جابجا اس کا کچھ نہ کچھ ذکر آجاتا ہے مگر یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جب تک پورا سلسلہ اُس کا بیان نہ ہو خیال میں نہیں آتا اور نہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ اُس کی نسبت بیان ہوا ہے اُس کا کیا منشا ہے پس مناسب ہے کہ ہم اسی مقام میں اُس پر بقدر امکان بحث کریں مگر ان مطالب پر بحث کرنے سے پہلے اس بات کا بیان کرنا ضرور ہے کہ ان مسائل پر بحث کرنے کی نسبت اگلے عالموں نے کیا کہا ہے قاضی ابوالولید ابن رشد نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ ۔ شرع کا مقصود علم حق اور عمل حق کی تعلیم ہے اور تعلیم کی دو قسمیں ہیں ایک کسی شے کا خیال کرنا اور دوسرے اُس پر یقین کرنا جس کو اہل علم تصور اور تصدیق سے تعبیر کرتے ہیں +

تصور کے دو طریق ہیں یا تو خود اُسی شے کو تصور کرنا ہے یا اُس کی مثال کو تصور کرنا ہے اور تصدیق کے طریق جو انسانوں میں ہیں وہ تین ہیں ۔ برہانی یعنی دلائل قطعی کے سبب سے یقین کرنا ۔ جدلی یعنی مخالفانہ اور مخاصمانہ دلیلوں کے ٹوٹ جانے کے بعد یقین ۔ خطبی یعنی ایسی باتوں سے جن سے انسان کے دل اور وجدان قلبی کو تسکین ہوجائے اُس پر یقین ماننا +

اکثر آدمی ایسے ہیں جن کو دلائل خطبیہ[1] یا جدلیہ سے تصدیق حاصل ہوتی ہے اور دلائل برہانیہ خاص چند آدمیوں کے سمجھنے کے لائق ہوتی ہیں شرع کا مقصود سب سے اول عام لوگوں کو سمجھانا ہے اور خواص سے بھی غافل نہ ہونا پس شرع نے تعلیم کے لئے مشترک طریقہ اختیار کیا ہے اور اُس کے اقوال چار طرح پر ہیں +

[1] ایسی دلیلیں جو دل کو تسلی دینے والی ہوں + احمد بالقصدی

وَقَالَتْ أُولٰهُمْ لِأُخْرٰهُمْ	اور کہینگی اُن میں کی پہلی اپنی دوسری کو

اول یہ کہ۔ جن امور کی نسبت وہ کہے گئے ہیں اُن کے تصور اور تصدیق دونوں پر یقین کرنا ضرور ہے گو کہ اُن کی دلیلیں خطبیہ ہوں یا جدلیہ اور جو نتیجے اُن سے نکالے ہیں وہی نتیجے بعینہا مقصود ہیں بطور تمثیل کے نہیں کہے گئے ہیں۔ ابن رشد فرماتے ہیں کہ ایسے اقوال کی تاویل کرنی نہیں چاہئے اور جو شخص اُن سے انکار کرے یا اُن کی تاویل کرے وہ کافر ہے ✦

دوم یہ کہ۔ جو اقوال بطور مقدمات کے کہے گئے ہیں گو کہ اُن کی صرف شہرۃ ہی ہو اور گو کہ وہ مظنون ہی ہوں مگر اُن پر یقین کرنا لازمی ٹھیرا ہو اور نتیجے جو اُن سے نکالے ہوں وہ بطور مثال اُن نتیجوں کے ہوں جو مقصود ہیں۔ ابن رشد فرماتے ہیں کہ صرف ان مثالی نتیجوں کی نسبت البتہ تاویل ہوسکتی ہے ✦

سوم یہ کہ۔ جو نتیجے اُن اقوال سے نکالے گئے ہیں وہی بعینہا مقصود ہیں اور جو اُن کے مقدمات بیان ہوئے ہیں وہ مشہور ہوں یا مظنون مگر اُن پر یقین کرنا لازمی نہ ٹھیرا ہو تو اُن نتائج میں کچھ تاویل نہیں ہوسکتی البتہ صرف اُن مقدمات میں تاویل ہوسکتی ہے ✦

چہارم یہ کہ۔ جو مقدمات اُس میں بیان ہوئے ہیں وہ صرف مشہور ہوں یا مظنون اور اُن پر یقین کرنا بھی لازمی نہ ٹھیرا ہو اور جو نتیجے اُن سے نکالے گئے ہیں وہ بطور مثال اُن نتیجوں کے ہوں جو مقصود ہوں۔ ان میں تاویل کرنا خاص لوگوں کا کام ہے اور عام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ بلا تاویل کے اُن کو ویسا ہی مانتے رہیں (انتہیٰ مخلصاً) ✦

ہم کو افسوس ہے کہ اس عالم مصنف نے اِن چاروں قسموں میں سے کسی قسم کی مثال نہیں دی جس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ صرف فرضی اور عقلی تقسیم ہے اور کوئی مثال شرع میں اس کے مناسب موجود نہیں ہے علاوہ اس کے نہایت خامی اس بیان میں یہ ہے کہ قول شارع میں خواہ وہ آیت قرآن مجید کی ہو یا کوئی حدیث رسول کی اُس میں اس بات کا قرار دینے والا کون ہے کہ اُس کے مقدمات ایسے ہیں جن پر یقین کرنا ضروری ہے یا اُس کے برخلاف ہیں یا اُس کے نتیجے وہی بعینہا مقصود بالذات ہیں یا وہ تمثیل ہیں نتائج مقصود بالذات کی۔ اگر اُس کے قرار دینے والے یہی ہماں شماں ہوں تو یہ تمام تقریر اور تقسیم فضول ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ مثلاً زید نے شارع کے ایک قول کو جس قسم کا ٹھیرایا ہے لازم نہیں ہے کہ عمرو بھی اُس کو اُسی قسم کا ٹھیراوے ✦

اس کے بعد ابن رشد فرماتے ہیں کہ آدمی تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو مطلقاً تاویل کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے وہ تو خطبیون ہیں یعنی دل کو تسلی دینے والی باتوں پہ یقین لانے والے اور اسی قسم کے لوگ بہت کثرت سے ہیں۔ دوسرے جدلی ہیں جو بالطبع یا بطریق عادت

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا	پھر کیا تھی تمہارے لیئے ہم پر

مخالفانہ اور مخاصمانہ دلیلوں کے ٹوٹ جانے کے بعد یقین لاتے ہیں ۔ تیسرے اہل تاویل حقہ یقینیہ ہیں اور وہ برہانیون صاحب علم وحکمت ہیں ۔ مگر برہانیون جو تاویل کریں اُس کو اُن پہلی دو قسموں کے سامنے بیان کرنا نہیں چاہیئے اور اگر یہ تاویلیں اُن لوگوں کے سامنے بیان کی جاویں جو اُس کے اہل نہیں ہیں تو بیان کرنے والے اور سننے والے دونوں کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں کیونکہ تاویل کرنے والے کا مقصود ظاہری معنوں کو باطل کرنے اور تاویلی معنوں کے ثابت کرنے کا ہوتا ہے پس جب عام آدمیوں کے نزدیک جو صرف ظاہری بات کو سمجھ سکتے ہیں ظاہری معنی باطل ہوگئے اور تاویلی معنی اُس کے نزدیک ثابت نہ ہوئے کیونکہ اُن کے سمجھنے کی اُس کو عقل نہ تھی پس اگر یہ بات ایسے اقوال کی نسبت تھی جو اصول شرع میں داخل ہیں تو کفر تک نوبت پہنچ گئی ۔ پس ابن رشد فرماتے ہیں کہ تاویلات کا عام لوگوں میں ظاہر کرنا یا عام لوگوں کی تعلیم کے لئے جو کتابیں ہیں اُن میں لکھنا نہیں چاہیئے اور اُن کو سمجھا دینا چاہیئے کہ یہ خدا کی باتیں ہیں خدا ہی ان باتوں کی حقیقت خوب جانتا ہے ۔ لا یعلم تاویلہ الا اللہ ۔ (انتہیٰ مختصاً) +

اس کے بعد ابن رشد اسی قسم کی تاویلوں ہی کو عام لوگوں پر ظاہر کرنے کو منع نہیں فرماتے بلکہ ہر چیز کی حقیقت کو جو عام لوگوں کے سوا ے راسخین فی العلم کی سمجھ سے باہر ہے ظاہر کرنے کو منع کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اسی کی مانند جواب سوالات مور غامضہ کے ہیں جو جمہور کے سمجھنے کے لایق نہیں ہیں جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۔ ان باتوں کو بھی غیر اہل پر بیان کرنے والا کافر ہے کیونکہ وہ لوگوں کو کفر کی طرف بلاتا ہے خصوصاً جب کہ تاویلات فاسدہ اصول شریعت میں ہونے لگیں جیسے کہ ہمارے یعنی ابن رشد کے زمانہ میں لوگوں کو یہ بیماری لگ گئی ہے (انتہیٰ ملخصاً) +

نتیجہ اس تقریر کا یہ ہے کہ کوئی بات بھی شریعت کی جو بیان حقیقت یا تاویلات کی قسم سے ہو سوائے راسخین فی العلم کے کسی کے سامنے بیان نہ کی جاوے جس قسم کے لوگوں کو ابن رشد نے راسخین فی العلم میں قرار دیا ہے اس زمانہ میں تو ویسا شخص کوئی نہیں ہے بلکہ اگلے زمانہ میں بھی دو ایک کے سوا کوئی نہ تھا پس ضرورۃً لازم آتا ہے کہ تمام متعدم باتیں شریعت کی بطور ایک معما چیستان یا مشتے از خروارِ کے غیر معلوم رہنی چاہئیں +

اگر ہمارا مذہب اسلام ایسا ہو کہ اُس کے اصول لوگوں کو نہ سمجھا سکیں جو اُن کو سمجھنا چاہتے ہیں یا اُن لوگوں کی تشفی نہ کر سکیں جن کے دل میں شبہات پیدا ہوتے ہیں بلکہ اُن سب کو اس پر مجبور کریں کہ ان باتوں کو اسی طرح مان لو تو ہم اپنے مذہب کی صداقت فی نفسہا اور بمقابلہ دیگر مذاہب

فضیلت	مِنْ فَضْلٍ

غیر حق کے کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔ ایک عیسائی کہتا ہے کہ تثلیث کا مسئلہ کہ تین تین بھی ہیں اور ایک بھی ہیں ایک الٰہی مسئلہ ہے اُس پر بے سمجھے یقین کرنا چاہئے پس اگر ہم مذہب اسلام کے بہت سے مسئلوں کی نسبت ایسا ہی کہنا قرار دیں تو کیا وجہ ہے کہ اُس کی تکذیب اور اس کی تصدیق کریں۔

ایک اور بات غور کے لائق ہے کہ جب کسی کے دل میں مذہب اسلام کے کسی مسئلہ کی نسبت شک پیدا ہوا خواہ وہ عالم ہو یا جاہل اور ہم اُس کی حقیقت یا تصریح یا تاویل بیان کر کے اُس کے دل کے شبہ کو رفع نہ کریں اور بعوض اُس کے کہیں کہ تم راسخین فی العلم میں نہیں ہو بلا تفتیش اس کو تسلیم کرو اور اُسی پر یقین رکھو تو اُس کا ایمان ایسا رہیگا جس کا اثر حلق سے نیچے نہ اُتریگا اُس کی زبان کہیگی ہاں اور دل کہیگا ناہ۔ علاوہ اس کے یقین ایسی چیز نہیں کہ کسی کے کہدینے سے آجاوے بلکہ یقین ایک امر اضطراری ہے کہ جب تک وہ شبہ جس نے یقین میں خلل ڈالا ہے ہٹ جاوے یقین آ ہی نہیں سکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں عالم ہوں یا جاہل دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو دل سے تمام باتوں پر جو اسلام میں ہیں اور گو وہ کیسی ہی خلاف عقل اور خلاف سمجھ اور محال و ناممکن ہوں بلکہ خلاف واقع سب پر یقین رکھتے ہیں اس قسم کے لوگوں کے لئے کسی قسم کی دلیل کی ضرورت نہیں۔ دوسرے وہ جن کو اُن باتوں پر شبہ ہے یا اُن کا وقوع غیر ممکن سمجھتے ہیں یا اُن کے غلط ہونے پر صحیح یا غلط دلیلیں رکھتے ہیں بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ منجملہ راسخین فی العلم ہیں یا نہیں اور عالم ہیں یا جاہل اُن کے سامنے ہر ایک چیز کی جو اسلام میں ہے اُس کی حقیقت اور ہر ایک امر قابل تاویل کی تاویل بیان کرنی فرض ہے اور جو اُس کے بیان کی قدرت رکھتا ہے اور بیان نہیں کرتا وہ کافر ہے اُسی دلیل سے جس دلیل سے کہ ابن رشد نے حقیقت بیان کرنے والوں اور تاویل کی تصریح کرنے والوں کو کافر بتایا ہے۔

ہم فرض کریں کہ اُن مشککین کو اس قدر لیاقت نہیں ہے کہ وہ اُن حقیقتوں اور تاویلوں کو سمجھیں مگر اتنی بات تو اُن پر ثابت ہوگی کہ اُس کے لئے دلیلیں اور اُس کی صداقت کے ثبوت کے لئے وجوہ ہیں اور اُس کی حقیقت کے لئے بیانات ہیں گو ہم اُن کو سمجھ نہیں سکتے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اُن کے سمجھانے کا جو فرض ہم پر تھا اُس کو بلا شبہ ہم ادا کر دینگے۔ بہت لوگوں نے پیغمبروں کی نصیحتوں کو نہیں سمجھا مگر پیغمبر اس خیال سے کہ وہ اُن کے سمجھنے کے لائق نہیں ہیں نصیحتوں کے سمجھانے سے باز نہیں رہے بلکہ طرح طرح سے سمجھایا اور کوشش کی کہ اُن کو اُن کے سمجھنے کے لائق کریں۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ	پھر چکھو عذاب کو

اس خوف سے کہ اُن لوگوں کے نزدیک جب ظاہری معنی باطل ہو جاوینگے اور اصل حقیقت یا تاویل کے سمجھنے کے لائق نہ ہونے کے سبب وہ اُس کو نہ سمجھینگے تو اصل شرع سے منکر ہو جاوینگے اور کفر تک نوبت پہنچاوینگے ہم کو حقیقت اور صداقت کے بیان سے باز رہنا نہیں چاہئے اگر یہ الزام صحیح ہو (کما نسب بعض الخلائق الیٰ) تو قرآن مجید بھی باایں ہمہ خوبی اس الزام سے بری نہیں رہ سکتا۔ خود خدا تعالےٰ فرماتا ہے یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا ✦

تاویلات فاسدہ بھی اگر ہوں تو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں اس لئے کہ جو چیز غلط ہے اُس کی غلطی بہت دیر پا نہیں ہو سکتی دوسروں کو اُس کی غلطی بیان کرنے کا اور غلط کو صحیح کرنے کا موقع ملتا ہے اور اگر وہ بیان ہی نہ کی جاویں تو سچ بات کے ظاہر ہونے کا موقع ہی نہیں ہوتا ✦

ہاں یہ بات سچ ہے کہ بہت سے حقایق ایسے ہیں جن پر انسان کو یقین کرنے کے لئے دلیل ہے مگر اُن کی حقیقت جاننا انسان کی فطرت سے خارج ہے مگر اس قسم کے حقایق ہمارے استدلال میں کچھ نقص ڈالنے والے نہیں ہیں کیونکہ دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا جاننا یا سمجھنا انسان کی فطرت سے خارج ہے اور یہی عدم علم اُن کی معرفت کے لئے کمال معرفت ہے ✦

اصل یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں جب کہ علما نے اس قسم کی رائیں لکھیں علم ایک نہایت محدود فرقہ میں تھا جس کو وہ بجز اپنے خاص لوگوں کے اوروں میں شائع کرنا ہی پسند نہیں کرتے تھے اور تمام لوگ اعلےٰ وادنےٰ علوم کے دونے اونے مسائل سے بھی بے بہرہ تھے اور اُن کے دل شبہات و تشکیکات سے پاک تھے اور یہی باعث ہوا کہ اُن علما نے ایسی رائے قایم کی تھی مگر وہ زمانہ گیا علوم و حکمت اب اس قدر عام ہو گئی کہ ایک بہت بڑا حصہ دنیا کا اُس سے واقف ہو گیا طفل دبستان بھی اپنے مکتب میں ارسطو اور افلاطون کی غلطیوں کا چاں جہاں اُنہوں نے کی ہیں ذکر کرتا ہے ہزاروں آدمی شہر و قصبہ میں ایسے موجود ہیں جو خود کچھ نہیں جانتے مگر بہت سے مسائل علوم و حکمت کے سُن سُن کر اُن کے کان آشنا ہو گئے ہیں اور اکثر الناس وہ ہیں جن کے دل شبہات و تشکیکات سے ملتہب ہیں ۔ اِس زمانہ میں جو ذی علم ہیں اُن کا ایمان بھی حلق کے نیچے تک نہیں ہے مُنہ سے کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں آیا ہے اُس پر یقین کرنا چاہئے مگر دل میں شبہات بھرے پڑے ہیں ۔ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یقین کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ ہونے سے ہوتا ہے پس اب یہ زمانہ ہے کہ جو کوئی بقدر اپنی طاقت کے اُن تمام حقایق اور تاویلات کو نہ کھولے اور لومۃ لایم سے نڈر ہو کر اگلے علما کی اُن غلطیوں کو جو بمقتضاے اُس زمانہ کے ناکمل علوم اور ناکمل تحقیقات کے حقایق کی بیان حقیقت اور قرآن مجید کی تفسیر میں راہ پا گئی ہیں عام طور سے سب کے سامنے بیان نہ کرے وہ اپنے

بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۳۹﴾	بسبب اُس کے جو تم کماتے تھے ﴿۳۹﴾

وتش کے ادا کرنے سے قاصر ہے ومن یفعل فھو یجوی حق اللہ وحق دینہ وحق اھل دینہ وقومہ واللہ المستعان ✦

المسئلۃ الاولیٰ

ما الروح ھو جوھر ام عرض

اس امر کی تنقیح کو کہ روح کا وجود ہے یا نہیں ہم کو اوّلاً اجسام موجود فی العالم پر نظر کرنی چاہئے پس جب ہم اُن پر غور کرتے ہیں تو ابتداے نظر میں اُن کو دو قسم کے پاتے ہیں ✦

ایک بطور تھوڑے کے کہ وہ جہاں ہیں وہیں ہیں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے ممکن ہے کہ وہ بے انتہا بڑے ہو جاویں اگر کوئی ایسا سبب جو اُن کے بڑے ہونے کو روکنے والا نہو۔ اس قسم کے اجسام صرف نہایت چھوٹے چھوٹے متشابہ اجزا سے بنے ہوئے ہیں اور اُس کے ہر ایک جزو میں وہی اوصاف ہیں جو اُس کے کل میں ہیں جیسے پتھر اور لوہا ۔ اگر اُن میں سے کوئی ٹکڑا توڑلیں تو اُس میں بھی وہی اوصاف ہونگے جو اُس کل میں ہیں۔ اور جب کہ وہ بالکل خالص بغیر کسی ملاوٹ کے ہو تو اُس میں ایک سی طرح کے پرت ہونگے ✦

دوسری قسم کے اجسام ایسے ہیں کہ اُن کا جسم باختلاف اُن کی انواع کے ایک معین حد تک بڑا ہوتا ہے اور اُس کے اجزا غیر متشابہ اور مختلف الالوان ہوتے ہیں ۔ اور ان میں باریک باریک رگیں اندر سے خالی مثل نلی کے ہوتی ہیں جن میں بہنے والا مادہ پھرتا رہتا ہے اور اسی طرح الگ الگ پردے بھی ہوتے ہیں جن کے بیچ میں خالی جگہ ہوتی ہے اور پھر کہیں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اس بناوٹ کو اُس جسم کے اعضا کہتے ہیں ۔ اس لئے پہلی قسم کے اجسام کو اجسام غیر عضویہ اور دوسری قسم کے اجسام کو عضویہ کہتے ہیں ✦

اجسام عضویہ میں پرت نہیں ہوتے اور اُس کا نمو اُسی قسم کی دوسری چیزوں سے ہوتا ہے اور جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو اُس میں مختلف طرح کا بیج پیدا ہوتا ہے ✦

غیر عضوی جسم دفعۃً پیدا ہو جاتا ہے جس وقت اُس کا مادہ جمع ہو جائے اور عضوی جسم رفتہ رفتہ نمو پاتا ہے اور جب اُس کے بیج کو بوؤ تو وہی جسم اُس سے پیدا ہوتا ہے جس کا بیج ہے اور بونے والا جب زمین پر ڈالتا ہے تو جانتا ہے کہ وہ کب پھوٹیگا اور کب اُس میں مادہ چوسنے کی طاقت آویگی ۔ اُس کے پتے اور ٹہنیاں ہوا میں سے غذا بھی لیتی رہتی ہیں جس کے سبب اُن کا قد بڑھتا ہے اور

بیشک جن لوگوں نے	اِنَّ الَّذِیْنَ

رنگ بدلتا جاتا ہے ✦

اور ایک فرق ان دونوں جسموں میں یہ ہے کہ جسم عضویہ میں غذا اُن کے اعضا کے اندر جاتی ہے اور اندرونی غذا سے بیرونی جسم بڑھتا ہے اور جب تک یہ قوت رہتی ہے نمو ہوتا رہتا ہے اور ایک زمانہ کے بعد اُس میں ضعف آجاتا ہے اور غذا کم ہو جاتی ہے اور نمو نہیں ہوتا اور آخرکار مر جاتا ہے عضوی جسم کی حالتیں علانیہ بدلتی رہتی ہیں ۔ وہ پیدا ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے پھر اُس کا بڑھنا موقوف ہو جاتا ہے پھر بڑھاپے کے سبب گھٹنے لگتا ہے پھر مر جاتا ہے ✦

جسم غیر عضوی پیدا ہوتا ہے اجتماع مادہ سے اور وہ اس طرح بڑھتا ہے کہ اُسی قسم کے اور اجزا مادی اُس کے اوپر کی سطح پر آکر جڑتے جاتے ہیں اور اجسام عضویہ کا نمو اندر سے ہوتا ہے اور جسم غیر عضوی کا حجم بے انتہا بڑھ جا سکتا ہے اگر کوئی امر مانع نہ ہو اور جسم عضوی کا حجم ایک مقدار معین سے زیادہ نہیں بڑھ سکتا ✦

جسم عضوی اور غیر عضوی میں یہ فرق بھی ہے کہ پہلے جسم میں مختلف قسم کا مادہ ہوتا ہے اور دوسری قسم میں صرف ایک قسم کا ۔ اگرچہ اس کے سوا اور بھی اختلافات ہیں مگر مختصر طور پر مقدم اختلافات کو ذیل میں لکھتے ہیں ✦

۱ ۔ اجسام عضوی کا وجود تناسل سے ہوتا ہے اور غیر عضوی کا جذب و اتحاد سے ✦

۲ ۔ بقا اجسام عضوی کا محدود ہے اور غیر عضوی کا محدود نہیں ✦

۳ ۔ اجسام عضوی کے اجزا کروی شکل پر ہوتے ہیں اور غیر عضوی کے زاویہ کے طور پر ✦

۴ ۔ نمو اجسام عضوی کا منحصر ہے غذا کے اندر جانے پر اور وہ نمو اندر سے باہر کو ہوتا ہے اور غیر عضوی کا اس کے برخلاف ہے ان کا حجم باہر سے اجزا مل جانے سے بڑا ہو جاتا ہے ✦

۵ ۔ بناوٹ جسم عضوی کی مختلف اجزا سے ہوتی ہے اور جسم غیر عضوی کے اجزا متحد الصفت سے ✦

۶ ۔ جسم عضوی کی ترکیب اجزا متضاعفہ متحرکہ سے ہوتی ہے اور غیر عضوی کی بسیط ✦

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجسام غیر عضوی میں تمام معدنیات مثل نمک اور پتھر وغیرہ کے اور مٹی کے داخل ہیں اور اجسام عضویہ میں نباتات اور حیوانات ✦

مگر نباتات و حیوانات میں جو فرق ہے وہ بہت ظاہر ہے ۔ حیوانات کی بناوٹ میں نباتات کی بناوٹ سے تضاعفات بہت زیادہ ہیں اور حیوان متحرک ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتا ہے اور وہ مدرک ہے اور ذی اختیار ہے کہ جس کام کو چاہے کرے اور جس کو چاہے نہ کرے

جھٹلایا ہماری نشانیوں کو	کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

اور اُس میں حواس مخصوص ہیں کہ اُن کے سبب آواز کو بوؤں کو مزے کو چھونے کو جانتا ہے اور غذا اُس کے پیٹ میں جاتی ہے اور بالتخصیص اُس کے پیٹ میں ایک ایسی ہنڈیا ہے جو غذا کو اس طرح پکا دیتی ہے کہ اعضا کے تغذیہ اور نمو کے لایق ہو جاتی ہے +

نباتات اُس کے برخلاف ہیں وہ جہاں بویا ہے وہاں سے دوسری جگہ نہیں چل سکتا۔ اُس میں حرکت کرنے کی قوت نہیں ہے اور نہ اُس میں اختیار ہے وہ اپنی جڑوں کے ذریعے سے جو زمین میں ہیں اور ٹہنیوں اور پتوں کے ذریعہ سے جو ہوا میں ہیں غذا کو جذب کر لیتا ہے اُس میں کوئی ہنڈیا غذا پکانے کی نہیں ہے بلکہ جو غذا اُس میں جاتی ہے اُسی وقت غذا کے قابل ہوتی ہے +

نباتات و حیوانات میں بہت بڑا اختلاف یہ ہے کہ حیوان میں پٹھوں کا بھی ایک سلسلہ ہے اور نباتات میں نہیں ہے اور یہی اعصاب جب کہ حیوانات میں ایک مرکز سے تعلق رکھتے ہیں اس سبب سے حیوان میں قابلیت احساس ہوتی ہے اور یہ بات نباتات میں نہیں پائی جاتی علاوہ اس کے حیوانات میں اور بھی جھلیاں اور پردے اور پٹھے اور عضلے اس قسم کے ہوتے ہیں جو نباتات میں نہیں ہوتے +

ایک عمدہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ حیوانات کی غذا اجسام عضوی سے ہوتی ہے اور نباتات کی غذا اجسام غیر عضوی سے جیسے پانی اور ہوائیں اور نمک۔ نباتات کے بننے کا مادہ دراصل ایک کسیلا مادہ ہوتا ہے اور تحلیل کیمیاوی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرکب ہے کاربن اور ہیڈروجن اور اکسیجن سے یہ تینوں ایک ہوائی سیال عنصر ہیں اور نباتات میں نوٹریجن نہیں ہے جس کو ازوٹ بھی کہتے ہیں مگر حیوانات میں ہے اور یہ بھی ایک ہوائی سیال جسم ہے مگر اس کی یہ خاصیت ہے کہ اگر کسی جگہ صرف نائیٹروجن بھری ہو اور وہاں آدمی جائے تو فی الفور مر جاتا ہے جیسا کہ غلہ کی کھیتی میں یا کسی پرانے اندھے کنوئیں میں دفعۃً اُترنے سے آدمی مر جاتے ہیں +

یہ تمام امور جو ہم نے بیان کئے ہیں امور محققہ میں سے ہیں جو علم زوالوجی یعنی علم الحیوانات اور علم کمسٹری یعنی کیمیا میں بخوبی ثابت ہیں مگر جو فرق کہ جسم نباتی اور جسم حیوانی میں اوپر بیان ہوا ہے اُس پر ہم زیادہ غور کرنی چاہتے ہیں ۔ ہم کو بالتخصیص اس بات پر غور کرنی ہے کہ حیوانات میں جو حرکت اور ارادہ اور اختیار اور ادراک اور خیال اور ایک قوت نتیجہ نکالنے کی ہے اُس کا کیا سبب ہے +

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نباتات کے جسم کے مادہ میں تین عنصر ہیں کاربن ۔ اکسیجن ۔ ہیڈروجن ۔ اور حیوانات کے جسم کے مادہ میں ایک چوتھا عنصر نوٹریجن بھی ہے مگر یہ تمام عنصر اُن کے جسم کی

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا	اور اُن سے سرکشی کی

بناوٹ کا مادہ ہیں اُس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اُن افعال کے بھی باعث ہیں جو حیوانات سے بالتخصیص علاقہ رکھتے ہیں اور جن پر ہم غور کرنی چاہتے ہیں کمسٹری سے ثابت ہؤا ہے کہ نائیٹروجن میں کچھ کیمیاوی قوت نہیں ہے اور نہ وہ معاون زندگی ہے صرف اتنی بات ہے کہ جانوروں کے گوشت کے ریشوں میں پائی جاتی ہے ✦

یہ سچ ہے کہ حیوانات کے اعضا میں ایک ایسا عضو ہے جو غذا کو اس طرح پکا دیتا ہے کہ اعضا کے تغذیہ اور نمو کے لائق ہو جاوے نباتات میں ایسا کوئی عضو نہیں ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نباتات اپنی جڑ کے ریشوں سے اور اُس کے پتے اور ٹہنیاں ہوا سے وہی مادہ جذب کرتے ہیں جو غذا و نمو کے لائق ہے اور اس لئے اُن میں کسی ایسے عضو کے ہونے کی ضرورت نہیں ۔ برخلاف حیوانات کے کہ وہ ایسی غذا کھاتے ہیں جن میں علاوہ مادہ تغذی و نمو کے اور فضول مادہ بھی شامل ہوتا ہے اور اس لئے ایسا ایک عضو بنایا گیا ہے جو مادہ تغذی و نمو کو فضول مادہ سے جدا کرے مگر اُس کے جُدا ہو جانے کے بعد حیوان کی وہی حالت ہوتی ہے جو نباتات کی شروع تغذیہ میں تھی اور اس لئے یہ تصور نہیں ہوسکتا کہ حیوان میں اُس عضو کا ہونا اُن افعال کا باعث ہے جو بالتخصیص حیوانات سے علاقہ رکھتے ہیں ✦

حیوانات کے جسم کی بناوٹ میں ایک بہت بڑا سا جال اعصاب کا ہے جس کا مرجع ایک مرکز عام یعنی دماغ کی طرف ہے اور وہ تمام افعال حیوانات کے جن پر ہم غور کرنا چاہتے ہیں اسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لیکن یہ افعال اُس سے صرف بحیثیت اُن کے اعضا ہونے کے تو منسوب نہیں ہو سکتے اور نہ صرف بحیثیت اُن کے مادہ کے کیونکہ تمام جسم حیوانات میں وہی عناصر موجود ہیں مگر مختلف ترکیب پانے سے مختلف مادہ اور مختلف صورت پیدا ہوئی ہے پس صرف بحیثیت مادہ جو اختلاط عناصر سے پیدا ہوتا ہے وہ افعال منسوب نہیں ہو سکتے ✦

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ عناصر یعنی کاربن آکسیجن ہیڈروجن نائیٹروجن کی ترکیب سے کیا حالت پیدا ہوسکتی ہے ۔ عناصر آپس میں ملکر ایک دوسری صورت کا جسم پیدا کر لیتے ہیں مثلاً جب آکسیجن اور ہیڈروجن بمقدار معینہ سے باہم مل جاتے ہیں تو ایک تیسرے عنصر کا جسم رقیق سیال پیدا ہو جاتا ہے جس کو پانی کہتے ہیں مگر اُس میں کوئی ایسی صفت جو مادہ کی حیثیت سے بڑھ کر ہو پیدا نہیں ہوتی ۔ عناصر کی ترکیب سے ایک جسم غیر میں یا اُسی جسم میں جو ان عناصر سے بنا ہے حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک وہ ترکیب قایم رہے وہ حرارت بھی قائم رہتی ہے ۔ عناصر کی ترکیب سے جسم میں ایک خاص قسم کے مادہ کی یا دوسرے جسم کے جذب کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ مقناطیس میں

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ	ہرگز نہ کھولے جاوینگے اُن کے لئے

لوہے کی کشش اور نباتات وحیوانات میں دیگر اقسام کے عناصر اور مادہ کے جذب کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ عناصر کی ترکیب سے ایک ایسا جسم پیدا ہو جاتا ہے جو جوش میں (یعنی متحرک) رہے یعنی خود اُسی کے اجزا حرکت میں رہیں جب تک کہ وہ ترکیب اُس میں باقی رہے جیسے کہ تیزابوں کے ساتھ دوسری چیزوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔ عناصر کی ترکیب سے ایک قوت مخفیہ جو اجسام میں سے ظاہر ہو جاتی ہے اور دیگر اجسام سے جذب کرکے ایک جگہ لے آتی ہے جیسے کہ اعمال برقی سے ظہور اور اجتماع برق کا ہوتا ہے۔ ترکیب عناصر سے یا اُن اجسام کی ترکیب سے جو عناصر سے بنے ہوئے ہیں ایک جسم ہوائی سیال پیدا ہوتا ہے جو دکھائی بھی دیتا ہے اور کبھی ایسا لطیف ہوتا ہے جو دکھائی بھی نہیں دیتا +

اکثر اطبا اور حکما کا یہ خیال ہے کہ جسم حیوانی میں جو ترکیب عناصر سے بنا ہے اور جس میں مختلف قسم کے اعضا ہیں اُس ترکیب کے سبب ایک جسم ہوائی پیدا ہوا ہے جو باعث تہیج ہے جو سبب ہے حیوانات میں ارادہ پیدا ہونے کا اور ترکیب اعضا سے حرکت کے ظہور میں آنے کا اور یہی جسم سیال ہوائی باعث ہے انسان کی زندگی کا اور اسی کو بعضوں نے روح حیوانی اور بعضوں نے مطلق روح اور بعضوں نے نسمہ سے تعبیر کیا ہے اور نتیجہ اس کا یہ سمجھا ہے کہ جب ترکیب جسم حیوانی کی اس جسم سیال کے قایم رہنے کے قابل نہیں رہتی تو وہ حالت موت سے تعبیر کی جاتی ہے اور اُس کا صحیح نتیجہ یہ ہے کہ جسم کے معدوم ہونے یا اُس کی حالت قابل قایم رکھنے اُس جسم سیال کے معدوم ہونے کے ساتھ وہ جسم سیال بھی معدوم ہو جاتا ہے یعنی وہ روح بھی فنا ہو جاتی ہے +

مگر ہم کو اس میں یہ کلام ہے کہ تمام آثار جو ترکیب عناصر سے پیدا ہوتے ہیں وہ سب یکساں ہوتے ہیں مثلاً مقناطیس اُس میں بسبب عناصر کے لوہے کے جذب کی قوت پیدا ہوتی ہے تو اب یہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی وہ اس کو جذب کرے اور کبھی جذب نہ کرے۔ یا جب ہم نے ایسے عناصر کو یا اجسام مرکبہ عناصر کو آپس میں ترکیب دیا جو برق کے مہیج ہیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی برق مہیج ہو اور کبھی نہ ہو۔ یا اجسام نباتی جب کہ وہ اپنی ٹھیک حالت میں ہیں ان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ مادہ غذائی کو اپنی جڑوں اور ٹہنیوں اور پتوں سے جب چاہیں جذب کریں اور جب چاہیں جذب نہ کریں غرضکہ جو آثار جس جسم میں بوجہ ترکیب عناصر پیدا ہوتے ہیں وہ آثار اُس جسم سے کبھی منفک نہیں ہوتے اور اُس جسم کے اختیار میں یہ بات نہیں ہوتی کہ جب چاہے اُن آثار کو ظاہر ہونے دے اور جب چاہے اُن کو ظاہر نہ ہونے دے +

اس کا ثبوت زیادہ تر اُس قسم کی نباتات پر غور کرنے سے بخوبی حاصل ہوتا ہے جس کو

ابواب السماء	دروازے آسمان کے

جاندار نبات خیال کیا جاتا ہے ۔ ایک درخت جو چھوئی موئی یا لجائی کے نام سے مشہور ہے ۔ صرف چھونے سے اُس کے پتے سکڑ جاتے ہیں اور ٹہنی گر پڑتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر پتے کشادہ اور ٹہنی اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے ۔ امریکا میں ایک اور درخت پایا گیا ہے جس کو ذبنہ کہتے ہیں اس کے پھول کی پنکھڑیوں پر جب مکھی یا بھنگا آکر بیٹھتا ہے تو پنکھڑیاں بند ہو جاتی ہیں اور اُس جانور کو پکڑ لیتی ہیں یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے مگر اُن سے یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اُس کو چھوئیں اور پتے نہ سکڑیں اور ٹہنی نہ گرے یا مکھی اور بھنگا اُس پھول کی پنکھڑی پر بیٹھے اور وہ اُس کو نہ پکڑ لے ۔

بعض پانی کی نباتات ایسی معلوم ہوئی ہیں جن پر شبہ حرکت ارادی کا پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک قسم کی نبات تنگے کی مانند ہے وہ ایک دوسرے سے ملنے کو حرکت کرتی ہے تاکہ اُن کے ملنے سے پیدائش اُن کی ہو مگر یہ کیفیت صرف قوت جاذبہ سے بھی پیدا ہوتی ہے اُس پر حرکت ارادی کا اطلاق نہایت مشتبہ ہے خصوصاً جب کہ وہ پانی پر تیرتی ہیں ۔

پانی میں پیدا ہونے والی ایک اور نبات ہے جب وہ اُس نبات سے جس سے پیدا ہوتی ہے علیحدہ ہوتی ہے تو اور نبات کے پیدا کرنے پر مستعد ہوتی ہے اور متحرک رہتی ہے اور جب اُس میں قوت حرکت ونمو باقی رہتی ہے تو اُس میں سے اُسی قسم کی نبات پیدا ہوتی ہے مگر نہایت مشتبہ ہے کہ اُس کی حرکت کو حرکت ارادی تصور کیا جاوے ۔ اجتماع اور ترکیب عناصر سے تحرک پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا اور جب کہ وہ جسم پانی پر ہو تو اُس کا تحرک اُس کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر بھی لے جا سکتا ہے مگر اُس پر حرکت ارادی کا اطلاق یقینی طور پر نہیں ہو سکتا ۔

حیوان کے بعض افعال ایسے ہیں جو صرف ترکیب عناصر کا نتیجہ نہیں ہو سکتے مثلاً ارادہ اور اختیار کہ جس کام کو چاہے کرے اور جس کام کو چاہے نہ کرے اگر کسی کام کے کرنے کا ارادہ صرف نتیجہ ترکیب عناصر کا ہوتا تو اُس کا کرنا امر طبعی ہوتا اور اس لئے اُس کا نہ کرنا امر خلاف طبع ہوتا جس کا محال ہونا بدیہی ہے ۔ علاوہ اس کے حیوانات میں بہت سے ایسے انکشافات ہیں جن کا صرف ترکیب عناصر سے ہونا ناممکن ہے مثلاً حیوان کی آنکھ کا ترکیب عناصر اور ترتیب طبقات سے بنا اور اُس میں اُن چیزوں کی صورت کا جو اُس کے سامنے ہوں شعاع کے سبب منقش ہونا یقینی امر ہے مگر اُس کا اُن اشیا کو پہچاننا اور دوست و دشمن میں تمیز کرنا صرف ترکیب عناصر سے نہیں ہو سکتا ۔ علاوہ اس کے خیال ایک ایسا امر ہے کہ کوئی دلیل اور کوئی ترکیب کیمیاوی کا اصول اس بات پر قائم نہیں ہو سکتا کہ صرف عناصر کی ترکیب کیمیاوی کا وہ نتیجہ ہے بلا شبہ صانع نے

وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ	اور نہ داخل ہونگے جنت میں

ان کاموں کے جُدا جُدا اعضا بنائے ہیں جو عناصر کی ترکیب کیمیاوی سے بنتے ہیں مگر کوئی دلیل نہیں ہے کہ صرف وہی علت تمام اُن امور کے ہیں۔ غرضکہ یہ سب امور جن کو ہم ایک مختصر لفظ تعقل سے تعبیر کرتے ہیں صرف ترکیب کیمیاوی عناصر کا نتیجہ نہیں ہے۔ ہم عناصر میں فرداً فرداً کوئی ایسے آثار نہیں پاتے جس سے یہ امر ثابت ہو کہ عناصر میں تعقل اور اختیار ہے اور جب اُن میں یہ صفت حالت انفراد میں نہیں ہے تو حالت ترکیب میں بھی وہ صفت اُن سے پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اختیار اور عدم اختیار دو مخالف صفتیں ہیں اور جو صفت کہ اجزا میں نہیں ہے تو اُن سے جو چیز کہ مرکب ہوئی ہے میں بھی نہیں ہو سکتی یعنی کوئی جنس جو غیر جنس طبیعت اجزا ہو وہ اُس شے میں جو اُن اجزا سے مرکب ہے حاصل نہیں ہوتی ✣

جب کہ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بہت سے افعال حیوانات کے ایسے ہیں جو صرف عناصر معلومہ کی ترکیب کا نتیجہ نہیں ہیں تو ہم کو ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حیوانات میں کوئی ایسی شے ہے جو تعقل کا باعث ہے اور اُس نتیجہ پر ہم لازمی طور پر پہنچتے ہیں اور اس لئے حیوانات میں اس شے کے ہونے کا لازمی طور پر یقین کرتے ہیں اور اُسی شے کو جو وہ ہو ہم روح کہتے ہیں ✣

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے مگر اس سوال کا جواب انسان کی فطرت سے باہر ہے انسان کی فطرت صرف اس قدر ہے کہ وہ اشیا کے وجود کو ثابت کر سکتا ہے خواہ وہ اشیا محسوس ہوں یا غیر محسوس مگر اُن کی حقیقت کا جاننا اُس کی فطرت سے خارج ہے کسی شے کی بھی حقیقت انسان نہیں جانتا اُن اشیا کی بھی حقیقت نہیں جانتا جو ہر دم اُس کے سامنے یا اُس کے استعمال میں ہیں مثلاً پانی انسان یہ ثابت کر سکتا ہے کہ پانی موجود ہے مگر اس کی حقیقت نہیں بتا سکتا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اُس کے اجزا کی اگر اس میں ہوں تشریح کر سکتا ہے اور پھر اُن اجزا کی حقیقت نہیں بیان کر سکتا وہ کہہ سکتا ہے کہ پانی میں آکسیجن اور ہیڈروجن ہے جب پوچھو کہ آکسیجن اور ہیڈروجن کیا چیز ہے تو اُس کی حقیقت نہیں بتا سکتا پس جب کہ انسان اُن چیزوں کی حقیقت نہیں جان سکتا جو اس قدر عام ہیں اگر وہ روح کی ماہیت بھی بعد اس کے کہ اس کے وجود کو ثابت کر چکا ہے نہیں بیان کر سکتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ✣

جو چیز کہ ہمارے تجربہ سے خارج ہے جیسے کہ روح اُس کی نسبت بجز اس کے کہ دلیل یا قیاس سے کوئی امر کہیں حسب مقتضائے فطرت انسانی اور کچھ نہیں کہہ سکتے مگر جب ہم کو اُس کا وجود حیوانات میں ثابت ہوا ہے اور وہ ایسا وجود ہے کہ جس سے تمام افعال جو حیوانی افعال میں اعلیٰ ترین افعال بلکہ مخصوص بالحیوانات ہیں اُسی کے سبب سے ہیں تو ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ضرور ہے کہ وہ ایک شی الطف

یہاں تک کہ گھس جاوے اونٹ	حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ

اور جوہر قائم بالذات ہو اور اسی لئے ہم روح کو ایک جسم لطیف جوہر قائم بالذات تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ہم کو یہ بات ثابت نہیں ہوئی ہے کہ کوئی اور جسم بطور جوہر کے موجود ہے اور روح اس کے ساتھ قائم ہے بلکہ ہم کو صرف روح کا وجود ثابت ہوا ہے بغیر وجود کسی دوسرے وجود کے اور اس لئے لازم ہے کہ اس کو جوہر تسلیم کیا جاوے غرض ٭

مذہب اسلام نے روح کا موجود ہونا بیان کیا مگر اس کی حقیقت بیان نہیں کی خدا تعالےٰ کے اس قول کی نسبت کہ "قل الروح من امر ربی" علما نے دو قسم کی گفتگو کی ہے بعضوں کی رائے ہے کہ حقیقت روح سے بحث کرنا جائز نہیں رکھا گیا ہے اور بعضوں کی یہ رائے ہے کہ روح کے قدیم یا حادث یعنی مخلوق ہونے کی نسبت جو مباحثہ تھا اس کا جواب ہے ۔ بہرحال اس سے کوئی مطلب سمجھا جاوے مگر جو تفصیل کہ ہم نے اوپر بیان کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت روح کا جاننا بلکہ ہر ایک شے کی حقیقت کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے ۔ قرآن مجید تمام ان چیزوں کی حقیقت کے بیان سے جن کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے انکار کرتا ہے اسی طرح حقیقت روح کو بھی بیان نہیں کیا عام چیزوں کی نسبت کثرت استعمال و مشاہدہ کے باعث لوگوں کا خیال کم تر رجوع ہوتا ہے حالانکہ وہ ان عام چیزوں کی حقیقت بھی کچھ نہیں جانتے اگر وہ لوگ جنہوں نے روح کی نسبت سوال کیا تھا پانی اور مٹی کی نسبت سوال کرتے تو خدا تعالےٰ یہی فرماتا کہ یسئلونک عن الماء والطین قل الماء والطین من امر ربی غرضکہ ماہیت اشیا کا جاننا انسانی فطرت سے خارج ہے ٭

جب کہ ہم روح کو ایک جوہر تسلیم کرتے ہیں تو اس کے مادی یا غیر مادی ہونے پر بحث پیش آتی ہے ۔ مگر جب کہ ہم کو اس کی ماہیت کا جاننا ناممکن ہے تو درحقیقت یہ قرار دینا بھی کہ وہ مادی ہے یا غیر مادی ناممکن ہے دنیا میں بہت سی چیزیں موجود ہیں جو باوجود اس کے کہ وہ محسوس بھی ہوتی ہیں اور ان کے مادی یا غیر مادی ہونے کی نسبت فیصلہ نہیں ہوسکتا ۔ مثلاً ہم ایک شیشہ کے پتے کے ذریعہ سے الکٹرسٹی یعنی بجلی نکالتے ہیں اور وہ نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور خصوص اجسام میں سرایت کر جاتی ہے انسان کے بدن سے گذر جاتی ہے ۔ بعض ترکیبوں سے ایک بوتل میں یا انسان کے بدن میں محبوس ہو جاتی ہے ۔ بعض خصوص اجسام ایسے ہیں جن میں نفوذ نہیں کر سکتی ۔ مگر اس کی ماہیت کا اور یہ کہ وہ شے مادی ہے یا غیر مادی تصفیہ نہیں ہوسکتا طرفین کی دلیلیں شبہ سے خالی نہیں ۔ یہی حال روح کے مادی یا غیر مادی قرار دینے کا ہے لیکن اگر وہ کسی قسم کے مادہ کی ہو یا ہم اس کو کسی قسم کی مادی تسلیم کرلیں تو کوئی نقصان یا اشکال پیش نہیں آتی البتہ اس قدر ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ جن اقسام مادوں سے ہم واقف ہیں اس کا مادہ ان اقسام کے مادوں سے نہیں ہے کیونکہ ان سے منفرداً یا مجموعاً ان

فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ	سوئی کے ناکے میں

افعال کا صادر ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے جو افعال کہ روح سے صادر ہوتے ہیں ✦

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ تمام حیوانات میں بسبب اختلاط اخلاط کے قلب میں بخار لطیف پیدا ہوتا ہے جس کو حرارت غریزی کہتے ہیں اُسی سے حیوان کی زندگی ہے جب تک وہ پیدا ہوتا رہتا ہے حیوان زندہ رہتا ہے جب اس کا پیدا ہونا بند ہو جاتا ہے حیوان مر جاتا ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے گلاب کے پھول میں نمی یا کوئلے میں آگ (اس زمانہ کے موافق ٹھیک مثال یہ ہے کہ جیسے اجسام میں الکٹرسٹی) مگر یہ بخار متولدہ من الاخلاط روح نہیں ہے۔ بلکہ یہ بخار جس کو وہ نسمہ قرار دیتے ہیں روح کا مرکب ہے اور روح کو اُس سے متعلق ہونے کے لئے مادہ ہے۔ پس روح اس نسمہ سے متعلق ہوتی ہے اور بذریعہ اس نسمہ کے جسم سے ✦

اس دعوے کی دلیل وہ یہ لاتے ہیں کہ ہم ایک بچہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہے اور بڑھا ہوتا ہے اور اُس کے بدن کے اخلاط اور وہ روح یعنی نسمہ جو ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے ہزاروں دفعہ بدلتے رہتے ہیں۔ وہ بچہ چھوٹا ہوتا ہے پھر بڑا ہو جاتا ہے کبھی گورا رنگ نکلتا ہے کبھی کالا پڑ جاتا ہے۔ جاہل ہوتا ہے پھر عالم ہو جاتا ہے اسی طرح بہت سے اوصاف بدلتے رہتے ہیں مگر وہ وہی رہتا ہے جو تھا۔ اگر کسی شخص میں ہم اُن اوصاف کے بقا کا یقین نہ کریں تو بھی اُس شخص کے بقا کا یقین کرتے ہیں پس وہ شخص اُس کے سوا ہے۔ اور جو چیز کہ اُس کے سبب یہ ہے وہ نہ وہ روح ہے یعنی نسمہ اور نہ یہ بدن ہے اور نہ تشخصات ہیں جو ابتداءً خیال میں آتے ہیں بلکہ وہ حقیقی روح ہے۔ وہ چھوٹے کے ساتھ بھی اسی طرح ہے جیسے بڑے کے ساتھ ہے۔ کالے کے ساتھ بھی اسی طرح ہے جس طرح کہ گورے کے ساتھ ہے (انتہٰی ملخصاً) غرضکہ جس قدر غور کی جاوے حیوان میں علاوہ عناصر مرکبہ کے اور جو نتیجہ اُس ترکیب سے ہوتا ہے ایک اور شے بھی پائی جاتی ہے جس سے ارادہ اور تعقل اور ایجاد اور ترقی مراتب تعقل میں صادر ہوتی ہے اور اُسی شے کو ہم روح کہتے ہیں ✦

المسئلة الثانية

روح الانسان وسائر الحيوانات من جنس واحد

بیشک میں اس بات کا قائل ہوں کہ انسان میں اور تمام حیوانات میں ایک ہی سی روح ہے انسان میں بسبب ترکیب اخلاط کے ایک قسم کی روح حیوانی پیدا ہوتی ہے جس کو نسمہ سے تعبیر کیا ہے اور روح حقیقی جو ما نحن فیہ ہے اُس سے متعلق ہوتی ہے۔ اسی طرح تمام حیوانات میں بھی ترکیب اخلاط

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۸﴾	اور اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں گنہگاروں کو ﴿۳۸﴾

سے روح حیوانی پیدا ہوتی ہے ۔ ہم حیوانات میں بھی تعقل اور ارادہ پاتے ہیں پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اُن میں بھی روح کا ہونا تسلیم نہ کریں ۔ اور کوئی دلیل ہمارے پاس ایسی نہیں ہے جس سے ہم انسان کی روح کو اور جنس سے اور حیوانات کی روح کو اور جنس سے قرار دیسکیں ۔ اور اس لئے ہم انسان میں اور حیوانات میں ایک ہی جنس کی روح کے ہونے کو تسلیم کرتے ہیں ✦

المسئلة الثالثة

لم لا يصدر من سائر الحيوانات ما يصدر من الانسان

ولم احدهما مكلّف والاخر غير مكلّف

جب کہ ہم نے روح کو سبب تعقل و ارادہ تسلیم کیا ہے تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ روح فی نفسہ مدرک ذی ارادہ اور مصدر افعال ہے مگر یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ جب کہ وہ مجرد نسمہ سے اور نسمہ مجرد جسم سے ہو تب بھی اُس سے افعال صادر ہوتے ہیں ۔ مثلاً ہم کسی درخت کے تخم کو خیال کریں کہ اس میں باشبہ مادہ ٹہنیوں اور پتوں اور پھلوں کا موجود ہے مگر حالت موجودہ میں اُس سے کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکتی اسی طرح روح میں تعقل اور مادہ موجود ہے الا جب تک کہ اُس کا تعلق نسمہ سے اور نسمہ کا تعلق بدن سے نہ ہو اُس سے وہ افعال صادر نہیں ہو سکتے ۔ صدور افعال کے لئے جسم کی ضرورت ہے پس اُس جسم کی جس قسم کی بناوٹ ہوگی اُسی قسم کے افعال اُس سے صادر ہونگے ۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے دخان اور دخانی کل ۔ دخانی کل کے تمام پرزوں کو حرکت دینے والی صرف ایک چیز ہے یعنی دخان[1] مگر جس قسم کے پرزے بنائے گئے ہیں اُسی قسم کے افعال اُن سے صادر ہوتے ہیں ۔ اسی طرح گو انسان اور حیوانات میں ایک جنس کی روح ہے مگر ہر ایک سے بمقتضائے اُس کی صورت نوعیہ کے افعال صادر ہوتے ہیں ۔ انسان کے اعضا کی بناوٹ میں بھی ایک دوسرے سے کچھ فرق ہے اور یہی سبب ہے کہ بعض انسانوں سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو دوسرے سے صادر ہونے ممکن نہیں ہیں ۔ ایک کی آواز نہایت دلکش ہے دوسرے کی نہایت معیب نہ وہ اپنی آواز کو معیب کر سکتا ہے اور نہ یہ اپنی آواز کو دلکش بنا سکتا ہے ۔ ایک کے دماغ کی بناوٹ علوم دقیقہ کے ایجاد کرنے کے لایق ہے

[1] دخان کے لفظ کا استعمال اس جگہ صحیح نہیں ہے بلکہ بھاپ کا استعمال زیادہ مناسب تھا مگر چونکہ عموماً دخانی کل علم لوگوں میں مشہور ہے اس لئے اسی لفظ کا استعمال کیا ہے ✦

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ	اُن کے لئے جہنم سے بچھونا ہے

دوسرے کے دماغ کی بناوٹ عام بات کے سمجھنے کے بھی لایق نہیں۔ پس روح سے افعال مطابق بناوٹ اُس جسم کے صادر ہوتے ہیں جن سے وہ متعلق ہے اور یہی سبب ہے کہ جو کچھ انسان کرسکتا ہے وہ حیوان نہیں کرسکتے بلکہ بہت سے ایسے امر ہیں کہ ایک انسان کرسکتا ہے دوسرا انسان نہیں کرسکتا اور جو حیوان کرسکتا ہے وہ انسان نہیں کرسکتا پس یہ تفاوت اُن آلات کا ہے جن کے وسیلہ سے افعال روح کے صادر ہوتے ہیں ٭

ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانات کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ اُس سے نہایت محدود افعال صادر ہوسکتے ہیں اور وہ بھی اکثر ایسے ہیں جو اُن کی زندگی کے لئے ضرور ہیں اور اُس تمام نوع کے ایک ہی قسم کے افعال ہوتے ہیں اور قریباً وہ سب افعال ایسے ہوتے ہیں کہ بلا تعلیم و اکتساب ان کو حاصل ہوجاتے ہیں۔ اُن سے کوئی افعال ایسے صادر نہیں ہوسکتے جن سے روح کی ترقی یا تنزل کو کچھ تعلق ہو اور اُن سے روح کو اکتساب سعادت یا شقاوت حاصل ہو اور اسی سبب سے وہ مکلف نہیں ہیں برخلاف انسان کے کہ اُس کی بناوٹ ایسی ہے جس سے افعال غیر محدود صادر ہوسکتے ہیں اُن میں ترقی ہوسکتی ہے اُن میں تنزل آجاتا ہے ایک انسان سے کسی قسم کے ایک ہی قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں وہ علوم عقلیہ و الٰہیہ کا انکشاف کرسکتا ہے اُس کے ادراکات اور انکشافات کی کوئی حد نہیں ہے۔ اُس سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو روح کے لئے باعث اکتساب سعادت یا شقاوت ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ مکلف ہے ٭

المسئلة الرابعة

ان للروح اكتساب سعادة وشقاوة

یہ مسئلہ بلاشبہ نہایت دقیق مسئلہ ہے اُس کے ثبوت کے لئے عینی دلیل کا ہونا قانون قدرت کے برخلاف ہے مگر اُس کے لئے ایسی قیاسی دلیلیں موجود ہیں جو اس بات پر یقین دلاسکتی ہیں کہ روح سعادت یا شقاوت کا اکتساب کرتی ہے ٭

یہ امر تسلیم ہوچکا ہے کہ تعقل اور ارادہ روح کا خاصہ ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اُن چیزوں کو اکتساب کرتا ہے جو اُس میں پہلے نہ تھیں۔ وہ جاہل ہوتا ہے پھر علوم کا اکتساب کرکے عالم ہوجاتا ہے وہ حقایق اشیا کو جہاں تک کہ اُن کا جاننا قانون قدرت کی رو سے ممکن ہے نہیں جانتا پھر تجربوں و تحقیقات سے اُن کا اکتساب کرلیتا ہے۔ جب کہ وہ پیدا ہوا تھا اُس کے خیالات بالکل سادے

وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ	اور اُن کے اوپر سے بالاپوش

حیوان کی مانند تھے رفتہ رفتہ وہ مختلف باتوں کو اکتساب کرتا جاتا ہے جس سوسائٹی میں وہ پرورش پاتا ہے اُس کی تمام مادی و غیر مادی عادتیں اور خیالات کو اکتساب کر لیتا ہے +

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بعضی دفعہ نہایت نجس اور ناپاک میلا کچیلا سور کی مانند زندگی اختیار کرتا ہے اور کبھی نہایت صفائی اور ستھرائی اور اُجلے پنے سے زندگی بسر کرتا ہے +

یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کبھی اس میں نہایت سفاک اور بے رحم عادتیں ہوتی ہیں وہ خونخوار ہوتا ہے مردم آزاری کرتا ہے تمام قوائے بہیمیہ اُس پر یا غلبہ کرتے ہیں کہ وہ ایک حیوان درندہ بصورت انسان ہو جاتا ہے۔ کبھی اس میں ایسی صلاحیت اور نیکی رحم اور تواضع بُردباری اور سب کے ساتھ محبت و ہمدردی پیدا ہوتی ہے کہ ایک فرشتہ بصورت انسان دکھائی دیتا ہے۔ ان تمام فضائل و رذائل کو وہی شے اکتساب کرتی ہے جس کا خاصہ تعقل و ارادہ ہے یعنی روح کیونکہ انسان کا جسم اور تمام اعضاے اندرونی تو برابر تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تعقل و ارادہ ان اعضا کا خاصہ تھا۔ یہ ایسی واضح دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح سعادت و شقاوت کا اکتساب کرتی ہے اور اُس کی حالت بمناسبت اُس کے جس کا اس نے اکتساب کیا ہے تبدیل ہو جاتی ہے۔ فصیلاً اکتسب سعادۃ وشقی ان اکتسب شقاوۃ +

المسئلة الخامسة

ان للانسان موت فما حقيقة الموت وللروح بقاء بعد مفارقة الابدان

امید ہے کہ ہم اور ہمارے اس کتاب کے پڑھنے والے ضرور ایک دن اس کی واقعی حقیقت سے واقف ہونے والے ہیں مگر اس زندگی میں جس قدر کہ موت کا حال معلوم ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ خلاط کے تغیر یا کسی ایسے عضو میں نقصان پہنچنے کے سبب جس سے اُن بخارات کی تولید یا بقا کو زیادہ تعلق ہے جو ترکیب خلاط سے پیدا ہوتے ہیں اور جن کو نسمہ سے تعبیر کیا ہے ان کی تولید موقوف ہو جاتی ہے اور موجودہ مضمحل ہو جاتے ہیں اُس وقت انسان یا حیوان مر جاتا ہے اور روح جس کو بدن سے تعلق اُسی نسمہ کے سبب سے تھا جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے +

مگر غور طلب یہ بات ہے کہ جس قدر زمانہ تک روح کو نسمہ سے مصاحبت رہی ہے اُس سے کچھ تاثر روح میں ہوتا ہے یا نہیں اور اگر ہوتا ہے تو بعد مفارقت ابدان وہ تاثر اُس میں باقی رہتا ہے یا نہیں۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تمام اجسام لطیف جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک اور قسم کا جسم حاصل

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾	اور اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں ظالموں کو ﴿۳۹﴾

کرلیتے ہیں ۔ اگر کیمیاوی ترکیب پر خیال کیا جاوے تو تمام اجسام سخت سے سخت و ثقیل سے ثقیل کی ترکیب صرف اجسام لطیف ہوائی سے ہے جن کو علم کیمیا میں گیاس یا بخارات سے تعبیر کیا ہے ۔ پھر کوئی وجہ نہیں پائی جاتی کہ روح کو نسمہ کے ساتھ ملنے سے تاثر نہ ہؤا ہو اور اس نے کوئی جسم جو اس کے پہلے جسم سے کسی امر میں مختلف ہو حاصل نہ کیا ہو ۔ اس کے تسلیم کے بعد کوئی وجہ نہیں پائی جاتی کہ بدن سے مفارقت کرنے کے بعد پھر فی الفور روح کا وہ جسم بھی جو اس نے نسمہ کی مصاحبت سے حاصل کیا ہے تحلیل ہو جاوے ۔ نتیجہ اس تقریر کا یہ ہے کہ روح نسمہ کی مصاحبت سے ایک اور جسم لطیف حاصل کرتی ہے اور وہ جسم روح اور نسمہ سے ترکیب پایا ہؤا ہوتا ہے اور بدن سے مفارقت کرنے کے بعد بھی وہ جسم علیٰ حالہ باقی رہتا ہے گو بعد کو ۔ روح کا کسی وقت نسمہ سے علیحدہ ہو جانا بھی ممکن ہو کیونکہ جن اسباب سے دو جسم لطیف آپس میں ملکر ایک نیا جسم پیدا کرتے ہیں وہ دیگر اسباب سے تحلیل بھی ہو جاتے ہیں یعنی ایک دوسرے سے علیحدہ بھی ہو جاتے ہیں پس یہی حال روح و نسمہ کا ہوتا ہے ۔ ہوا میں پھولوں کے اجزا لطیف ملنے سے تمام ہوا خوشبودار اور غلیظ چیزوں کے اجزا رقیق ملنے سے بدبودار ہو جاتی ہے اور پھر وہ اجزا تحلیل ہو جاتے ہیں اور ہوا علیٰ حالہ صاف رہ جاتی ہے ۔ اسی طرح وہ اجسام جو ترکیب کیمیاوی سے مرکب ہیں دیگر اسباب و تاثرات سے تحلیل ہو جاتے ہیں پس روح و نسمہ میں ترکیب کیمیاوی ہوئی ہو یا غیر کیمیاوی اس کا تحلیل ہونا ممکن ہے ۔

جب روح کو ایک جسم لطیف جوہر مستقل بالذات تسلیم کیا جاوے جیسا کہ ہم نے تسلیم کیا ہے تو اس کا فنا ہونا محالات سے ہے تمام چیزیں جو دنیا میں موجود ہیں کوئی بھی ان میں سے معدوم نہیں ہوتی صرف تبدیل صورت ہوتی ہے پانی آگ سے یا دھوپ کی تیزی سے خشک ہو جاتا ہے مگر معدوم نہیں ہوتا صرف صورت کی تبدیل ہوتی ہے آکسیجن اور ہیڈروجن علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں آکسیجن آکسیجن میں ہیڈروجن ہیڈروجن میں مل جاتی ہے اور ایک ذرہ برابر بھی کوئی چیز معدوم نہیں ہوتی پس روح کے معدوم ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے غایت ما فی الباب یہ ہے کہ جب تمام اشیاء موجودہ میں تبدیل صورت ہوتی رہتی ہے تو روح میں بھی تبدیل صورت ہوتی ہوگی اس کی امتناع پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے ۔ مگر اس کے تسلیم کر لینے سے کوئی مشکل مذہب اسلام میں پیش نہیں آتی بلکہ بعض خیالات کی جو اہل اسلام میں مروج ہیں اور میری تحقیق میں ان کی بنا کسی معتبر سند پر نہیں ہے تائید ہوتی ہے ۔ غرضکہ روح کے وجود کو تسلیم کرنے کے ساتھ ہی اس کے بقا کا تسلیم کرنا بھی لازم آتا ہے ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۴۰)	اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر بقدر اُس کی طاقت کے۔ وہی لوگ ہیں بہشت میں جانے والے اور وہ اُس میں ہمیشہ رہینگے (۴۰)

المسئلة السادسة

اِن سلمنا البقاء للروح فما حقيقة البعث والحشر والنشر

بعث وحشر ونشر کی حقیقت بیان کرنے سے پہلے یہ بیان کرنا چاہئے کہ قیامت کے دن کائنات کا کیا حال ہوگا اور قرآن مجید میں اُس کی نسبت کیا بیان ہوا ہے اور اُس کا مطلب کیا ہے اس لئے اوّل ہم قیامت کا ذکر کرتے ہیں +

قیامت

قیامت کے دن کائنات کا جو حال ہوگا وہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتوں میں مذکور ہے +

۱۔ یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات وبرزوا لله الواحد القہار (۱۴ سورۃ ابراہیم ۴۹)+	۱۔ اُس دن بدل دی جاویگی زمین سوائے اُس زمین کے اور بدل دئے جاوینگے آسمان اور حاضر ہونگے سامنے خدائے واحد قہار کے +
۲۔ یوم تکون السماء کالمھل وتکون الجبال کالعھن (۷۰ سورۃ المعارج ۸ و ۹)+	۲۔ جس دن کہ ہوگا آسمان تیل کی تلچھٹ کی مانند اور ہووینگے پہاڑ رنگ برنگ کے اُون کی مانند +
۳۔ یوم یکون الناس کالفراش المبثوث وتکون الجبال کالعھن المنفوش۔ (۱۰۱ سورۃ القارعۃ ۔ ۳ و ۴)+	۳۔ جس دن ہوجاوینگے آدمی پراگندہ ٹڈیوں کی مانند اور ہوجاوینگے پہاڑ رنگ برنگ کی دُھنی ہوئی اُون کی مانند +
۴۔ کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک صفا صفا (۸۹ سورۃ الفجر ۲۲ و ۲۳)+	۴۔ جس وقت توڑی جاویگی زمین ریزہ ریزہ اور آویگا تیرا پروردگار اور فرشتے صف کے صف +
۵۔ فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ وحملت الارض والجبال	۵۔ پھر جب پھونکا جاویگا صور میں ایک دفعہ کا پھونکنا اور اُٹھائی جاویگی زمین اور پہاڑ پھر

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّۃُ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور ہم نکال لینگے ناخوشی کو جو کچھ کہ اُنکے دل میں تھی (یعنی بہشت میں کسی کے دل میں ناخوشی نہیں رہیگی) اُن کے نیچے بہتی ہونگی نہریں، اور وہ کہینگے شکر خدا کا جس نے ہم کو اس لئے ہدایت کی اور ہم ایسے نہ تھے کہ ہدایت پاتے اگر ہم کو خدا ہدایت نہ کرتا ۔ بیشک آئے تھے پروردگار کے رسول برحق ۔ اور اُن کو پکار کر کہا جاویگا کہ یہ ہے جنت تم اُس کے وارث کئے گئے ہو اُس کام کے سبب جو تم کرتے تھے ﴿۴۱﴾

فدکتا دکۃ واحدۃ فیومئذ وقعت الواقعۃ وانشقت السماء فھی یومئذ واھیہ والملک علٰی ارجائھا ویحمل عرش ربک یومئذ ثمانیہ (۹۹ سورۃ الحاقہ ۱۴ - ۱۷) ✦

توڑے جاوینگے ایک دفعہ کے توڑنے سے پھر اُس دن ہو پڑیگی ہونے والی (یعنی قیامت) اور پھٹ جاویگا آسمان پھر وہ اُس دن ہو جاویگا ڈھیلا اور فرشتے ہونگے اُس کے کناروں پر اور اُٹھا وینگے تیرے پروردگار کے عرش کو اپنے اوپر اُس دن آٹھ ✦

۶ ۔ یوم ترجف الارض والجبال وکانت الجبال کثیبا مھیلا (سورۃ المزمل ۱۴)

۶ ۔ اُس دن کہ کانپیگی زمین اور پہاڑ اور ہو جاوینگے پہاڑ ٹیلے بُھربُھری ریت کے ✦

۷ ۔ یوما یجعل الولدان شیبا السماء منفطر بہ (سورۃ مزمل ۱۷ و ۱۸) ✦

۷ ۔ وہ دن کہ کردیگا لڑکوں کو بُڈھا آسمان پھٹ گیا ہوگا اُس دن میں ✦

۸ ۔ ان یوم الفصل کان میقاتا یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا وفتحت السماء فکانت ابوابا وسیرت الجبال فکانت سرابا (۷۸ سورۃ النباء ۱۷ - ۲۰) ✦

۸ ۔ بیشک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے جس دن پھونکا جاویگا صور میں تو تم آؤ گے گروہ گروہ اور کھولا جاویگا آسمان پس وہ ہو جاویگا دروازے دروازے اور چلائے جاوینگے پہاڑ پھر ہو جاوینگے چمکتی ریت کی مانند ✦

۹ ۔ اذا السماء انشقت واذنت لربھا وحقت واذا الارض مدت والقت ما فیھا وتخلت واذنت لربھا وحقت (۸۴ سورۃ انشقاق ۱ - ۵) ✦

۹ ۔ جس وقت کہ آسمان پھٹ جاویگا اور کان لگائے رہیگا اپنے پروردگار کے (حکم پر) اور وہ اسی لائق ہے اور جب کہ زمین پھیلائی جاویگی اور ڈالدیگی جو کچھ اُس میں ہے اور خالی ہو جاویگی اور کان لگائے رہیگی اپنے پروردگار (کے حکم) پر اور وہ اسی لائق ہے ✦

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور پکار کر کہینگے اہل بہشت اہل دوزخ کو کہ بیشک ہم نے پایا جو کچھ ہم سے ہمارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا سچ۔ پھر کیا تم نے بھی پایا جو کچھ تم سے تمہارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا سچ۔ وہ کہینگے ہاں پھر ایک آواز دینے والا ان میں آواز دیگا کہ لعنت خدا کی ظالموں پر ﴿۴۴﴾

۱۰۔ فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان (۵۵ - سورۃ الرحمن ۳۷) ✦

۱۰۔ پھر جب پھٹ جاویگا آسمان تو ہوگا سرخ لعل رنگے ہوئے چمڑے کی مانند ✦

۱۱۔ اذا السماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت واذا البحار فجرت واذا القبور بعثرت علمت نفس ما قدمت واخرت (۸۲ - سورۃ الانفطار ۱ - ۵) ✦

۱۱۔ جب کہ آسمان پھٹ جاویگا اور جب کہ تارے جھڑ پڑینگے اور جب کہ سمندر پھوٹ بہینگے اور جب کہ قبریں پھاڑی جاوینگی جان لیگی ہر جان جو کچھ آگے بھیجا ہے اور پیچھے چھوڑا ہے ✦

۱۲۔ اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت واذا الجبال سیرت واذا العشار عطلت واذا الوحوش حشرت واذا البحار سجرت واذا النفوس زوجت واذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت واذا الصحف نشرت واذا السماء کشطت واذا الجحیم سعرت واذا الجنۃ ازلفت علمت نفس ما احضرت۔

(۸۱ - سورۃ التکویر ۱ - ۱۴) ✦

۱۲۔ جب کہ سورج لپیٹا جاویگا اور جب کہ تارے دھندلے ہو جاوینگے اور جب کہ پہاڑ چلائے جاوینگے اور جب کہ دس مہینے کی گابھن اونٹنی بیکار چھٹی رہیگی اور جب کہ وحشی جانور (آدمیوں کے ساتھ) اکٹھے کئے جاوینگے اور جب کہ سمندر آگ کی مانند بھڑکائے جاوینگے اور جب کہ جانیں جوڑا جوڑا کی جاوینگی اور جب کہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاویگی کہ کس گناہ کے بدلے وہ ماری گئی اور جب کہ اعمال نامے کھولے جاوینگے اور جب کہ آسمان کی کھال کھینچی جاویگی اور جب کہ دوزخ دھکائے جاوینگے اور بہشت پاس لائے جاوینگے جان لیگی ہر جان کہ کیا حاضر لائی ہے ✦

۱۳۔ اذا رجت الارض رجا وبست الجبال بسا فکانت ھباء منبثا (۵۶ - سورۃ الواقعہ ۴ - ۶) ✦

۱۳۔ جب کہ ہلائی جاویگی زمین زور کے ہلانے سے اور ذرہ ذرہ کئے جاوینگے پہاڑ جھٹ چھوٹے چھوٹے ذرہ پھر ہو جاوینگے پھیلے ہوئے غبار کی مانند ✦

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾	جو لوگوں کو روکتے تھے اللہ کے رستے سے اور اُس رستہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے، اور آخرت کے منکر تھے ﴿۴۴﴾

۱۴ - وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعا قبضته یوم القیامة والسموات مطویات بیمینه سبحانه وتعالی عما یشرکون۔ ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون واشرقت الارض بنور ربها ووضع الکتاب وجیء بالنبیین والشهداء وقضی بینهم بالحق وهم لا یظلمون (۳۹ سورۃ زمر ۶۷-۶۹) ✦	۱۴ - اور نہیں قدر کی اُنہوں نے اللہ کی حق اُس کی قدر کرنے کا اور ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان لپٹے ہونگے اُس کے داہنے ہاتھ پر پاک ہے وہ اور برتر ہے اُس سے کہ اُس کا شریک کرتے ہیں۔ اور پھونکا جاویگا صور میں پھر بیہوش ہو جاویگا جو آسمانوں میں ہے مگر جس کو چاہے خدا۔ پھر پھونکا جاویگا صور میں دوسری دفعہ یکایک وہ کھڑے ہو نگے دیکھتے۔ اور روشن ہو جاویگی زمین اپنے پروردگار کے نور سے اور رکھی جاویگی کتاب اور حاضر کیا جاویگا پیغمبروں کو اور گواہوں کو اور فیصلہ کیا جاویگا اُن میں (یعنی لوگوں میں) ساتھ حق کے اور وہ نہ ظلم کئے جاوینگے ✦
۱۵ - یوم تاتی السماء بدخان مبین یغشی الناس هذا عذاب الیم۔ (۴۴ - سورۃ دخان - ۹ و ۱۰) ✦	۱۵ - جس دن آویگا آسمان دھواں ہو کر ڈھانک لیگا لوگوں کو یہ ہے عذاب دُکھ دینے والا ✦
۱۶ - ویوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ وکل اتوه داخرین وتری الجبال تحسبها جامدة وهی تمر مر السحاب (۲۷ - سورۃ نمل ۸۹ - ۹۰) ✦	۱۶ - اور جس دن پھونکا جاویگا صور میں تو گھبرا جاویگا جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں مگر جس کو چاہے اللہ اور ہر ایک اس کے سامنے آوینگے ذلیل ہو کر۔ اور تو دیکھیگا پہاڑوں کو (جن کو) تو سمجھتا ہے جمے ہوئے کہ وہ چلے جاتے ہیں بادل کے چلنے کی مانند ✦
۱۷ - یوم تمور السماء مورا وتسیر الجبال سیرا (۵۲ سورۃ الطور ۹-۱۰) ✦	۱۷ - جس دن کہ پھٹ جاویگا آسمان اچھی طرح کے پھٹنے سے اور چلنے لگینگے پہاڑ ایک قسم کے چلنے سے ✦
۱۸ - فاذا النجوم طمست	۱۸ - جب کہ تارے بے نور کئے جاوینگے تو

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿۴۴﴾	اور اُن دونوں (یعنی جنتیوں اور دوزخیوں کے) بیچ میں حجاب ہوگا (یعنی کفر پر مرنے کے سبب سے جنتیوں اور دوزخیوں میں ایک ایسی روک ہوگی کہ وہ اُن نعمتوں سے جو جنتیوں کو حاصل ہونگی کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکینگے) اور اعراف پر (یعنی معرفت کے مرتبہ پر) لوگ ہونگے جو پہچانتے ہونگے ہر ایک کو (یعنی بہشتیوں اور دوزخیوں کو) اُن کی پیشانیوں سے۔ اور پکار کر کہینگے اہل جنت کو (یعنی اُن کو جو جنت میں جانے والے ہونگے) سلام علیکم یعنی سلامتی ہو تم پر۔ (حالانکہ) وہ ابھی نہیں داخل ہوئے اُس میں (یعنی جنت میں) اور وہ امید رکھتے ہیں ﴿۴۴﴾
واذا السماء فرجت واذا الجبال نسفت (۷۷۔ سورۃ مرسلات ۸۔۱۰) +	جب کہ آسمان پھاڑے جاوینگے اور جب کہ پہاڑ ریزہ ریزہ کئے جاوینگے +
۱۹۔ اذا زلزلت الارض زلزالها واخرجت الارض اثقالها (۹۹۔ سورۃ الزلزلہ ۱ و ۲) +	۱۹۔ جب کہ زمین ہلائی جاویگی اپنے ہلنے سے اور نکالیگی زمین اپنے بوجھ +
۲۰۔ کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام (۵۵۔ سورۃ الرحمن ۲۶ و ۲۷) +	۲۰۔ جو کوئی زمین پر ہے فنا ہونیوالا ہے اور باقی رہیگی ذات تیرے پروردگار بزرگی والے اور اکرام والے کی +

اب دیکھنا چاہئے کہ ان آیتوں میں نسبت کائنات موجودہ کے کیا بیان ہوا ہے +

زمین۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ۔ بدل دی جاویگی زمین سوائے اس زمین کے۔ اور یہ بیان ہے کہ زمین ریزہ ریزہ کردیجاویگی صور پھونکنے کے ساتھ زمین اُٹھائی جاویگی اور ایک دفعہ میں توڑ دیجاویگی۔ قیامت کے دن زمین کپکپائی اور ہلائی جاویگی۔ قیامت میں زمین خدا کی مٹھی میں

سلہ الحجاب۔ ان تموت النفس مشرکة وهذا يغفر للعبد ما لم يقع الحجاب (قاموس) +

سلہ قول الحسن قبل لحجاج في احد قوليه ان تويه وعلى الاعراف بريطے معرفة اهل الجنة واهل النار رجال يعرفون كل واحد من اهل الجنة واهل النار بسيماهم (تفسیر کبیر) +

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۵﴾	اور جب پھیری جاویگی اُن کی آنکھیں اہل دوزخ کی طرف (یعنی اُن کی طرف جو دوزخ میں جانیوالے ہیں) کہینگے اے پروردگار ہمارے مت کر ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ ﴿۴۵﴾

ہوگی ۔ زمین کھینچی جاویگی یا پھیلائی جاویگی اور جو کچھ اُس میں ہے وہ ڈال دیگی اور خالی ہوجاویگی ✦

پہاڑوں ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ رنگ برنگ کی دُھنی ہوئی اُون کی مانند ہوجاوینگے ۔ صُور پھُکنے پر پہاڑ اُٹھائے جاوینگے اور توڑ دئے جاوینگے ۔ وہ ہلائے جاوینگے اور بھر بھری ریت کے ٹیلے کی مانند ہوجاوینگے ۔ وہ ذرہ ذرہ کئے جاوینگے اور غبار کی مانند ہوجاوینگے ۔ وہ جمے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں بادلوں کی چال چلتے ہونگے یا ایک طرح کے چلنے سے چلتے ہونگے ۔ وہ سراب یعنی چمکتے ہوئے ریت کی مانند ہوجاوینگے ✦

سمندر ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ آگ کی مانند بھڑکائے جاوینگے ۔ اپنی جگہ سے پھُوٹ بہینگے ✦

آسمانوں ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ آسمان بدل دئے جاوینگے سوائے ان آسمانوں کے ۔ وہ تیل کی تلچھٹ کی مانند ہوجاوینگے ۔ وہ پھٹ جاوینگے سُرخ رنگے ہوئے چمڑے کی مانند ہونگے اور ڈھیلے و سُست پڑ جاوینگے اور دروازے دروازے کی مانند ہوجاوینگے وہ خدا کے داہنے ہاتھ پر لپیٹ لئے جاوینگے ۔ وہ دھوئیں کی مانند ظاہر ہونگے ۔ وہ پھٹ جاوینگے اور ایک طرح کے چلنے سے چلینگے ۔ اُن کی کھال کھینچی جاویگی ✦

سورج اور تاروں ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ ۔ سورج لپیٹ لیا جاویگا تارے جھڑ جاوینگے اور ایک جگہ آیا ہے کہ تارے دُھندلے ہوجاوینگے بے نور ہوجاوینگے ✦

انسان اور نفوس ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ ۔ آدمی ٹڈیوں کی مانند پراگندہ ہوجاوینگے ۔ رنگ کے بدلے ہوجاوینگے آدمی یا روحیں فوج فوج آوینگے ۔ وحشی جانور آدمیوں کے ساتھ اکٹھے ہوجاوینگے ✦

سورہ الرحمٰن میں کہا ہے کہ جو کوئی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور پروردگار کی ذات باقی رہیگی ✦

اب غور کرنا چاہئے کہ اگلے علما نے ان آیتوں کی نسبت کیا کہا ہے اور کیا نتیجہ نکالا ہے ۔ سورہ ابراہیم میں جو یہ آیا ہے کہ قیامت میں زمین اور آسمان بدل جاوینگے اُس کی نسبت تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ بدلنا دو طرح پر ہوسکتا ہے ایک اس طرح کہ اُس شے کی ذات باقی رہے اور اُس کی

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور پکارینگے پہچان والے (دوزخ میں جانیوالے) لوگوں کو پہچانکر اُن کو اُن کی پیشانیوں سے کہینگے کہ بے پرواہ کیا تم کو تمہارے جمع کئے ہوئے نے جس پر کہ تم تکبر کرتے تھے ﴿۴۶﴾

صفتیں بدل جاویں ۔ دوسرے اس طرح کہ اُس شے کی ذات فنا ہو جائے اور اس کی جگہ دوسری موجود ہو جائے ۔ اس کے بعد تفسیر کبیر میں بموجب محاورہ عرب کے اس کی مثالیں لکھی ہیں کہ تبدل کے لفظ کا استعمال دونوں طرح پر ہوتا ہے ۔ اسی بنا پر ایک گروہ عالموں کی یہ رائے ہے کہ اس

فی الآیۃ قولان ۔ الاول ان المراد تبدیل الصفۃ لا تبدیل الذات قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ھی تلک الارض الا انہا تغیرت فی صفاتہا فتسیر عن الارض جبالہا وتفجر بحارہا وتسوی فلا یری فیہا عوج ولا امت ۔ وروی ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یبدل اللہ الارض غیر الارض فیبسطہا ویمدھا مد الادیم العکاظی فلا تری فیہا عوجا ولا امتا ۔ وقولہ والسموات ای تبدل السموات غیر السموات وھو کقولہ علیہ السلام لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ والمعنی ولا ذو عہد فی عہدہ بکافر وتبدیل السموات بانتثار کواکبہا وانفطارھا وتکویر شمسہا وخسوف قمرھا وکونہا ابوابا وانہا تارۃ تکون کالمہل وتارۃ تکون کالدھان ۔ والقول الثانی ان المراد تبدیل الذات قال ابن مسعود تبدل بارض کالفضۃ البیضاء النقیۃ لم یسفک علیہا دم ولم تعمل علیہا خطیئۃ فھذا شرح القولین ومن الناس من رجح القول الاول قال لان قولہ یوم تبدل الارض المراد ھذہ الارض وتبدل صفۃ مضافۃ الیہا وعند حصول الصفۃ

آیت میں تبدیل سے آسمان و زمین کی صفات کا تبدیل ہو جانا مراد ہے نہ اُن کی ذات کا ۔ ابن عباس نے فرمایا کہ زمین سے یہی زمین مراد ہے مگر اُس کی صفتیں تبدیل ہو جاوینگی ۔ پہاڑ زمین پر سے اُڑ جاوینگے دریا پھوٹ نکلینگے ۔ زمین ایسی برابر ہو جاویگی کہ کہیں اونچا نیچا نہ دکھائی دیگا ۔ حضرت ابوہریرہ نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ خدا زمین کو بدلدیگا اور عکاظی چمڑے کی طرح اُس کو پھیلا کر بچھا دیگا کہیں اُس میں اونچا نیچا نظر نہ آئیگا ۔ خدا کا یہ قول " والسموات " اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ آسمان بدل کر اور طرح کا کر دیا جاویگا جیسا کہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے نہیں مارا جاویگا اور نہ وہ کافر جس سے عہد و پیمان ہے عہد و پیمان کے زمانہ تک " یعنی وہ شخص بھی کافر کے بدلے نہ مارا جاویگا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے معاہدہ کے زمانہ تک ۔ آسمانوں کا بدلنا یوں ہوگا کہ ستارے متفرق ہو کر ٹوٹ پھوٹ جائینگے آفتاب لپیٹ دیا جاویگا چاند دھندلا ہو جائیگا آسمان میں دروازے ہو جاوینگے اور وہ کبھی تو تیل کی تلچھٹ کا سا ہوگا اور کبھی سُرخ چمڑے کی مانند ۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ تبدیل سے آسمان و زمین کی

أَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ (۴۷)

(اور بہشت میں جانے والوں کی طرف اشارہ کرکے دوزخ میں جانے والوں سے کہینگے) کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر تم قسم کھاتے تھے کہ خدا اُن کو ہرگز رحمت نہیں پہنچاویگا - (اُس وقت خدا اُن بہشت میں جانے والوں سے کہیگا) کہ جنت میں داخل ہو تم کو نہ کچھ ڈر ہے اور نہ تم غمگین ہوگے (۴۷)

لابد وان يكون الموصوف موجودا فلما كان الموصوف بالتبدل هو هذه الارض وجب كون هذه الارض باقية عند حصول ذلك التبدل و لا يمكن ان تكون هذه الارض باقية مع صفاتها عند حصول ذلك التبدل و الا لامتنع حصول التبدل فوجب ان يكون الباقي هو الذات فثبت ان هذه الاية تقتضي كون الذات باقية والقائلون بهذا القول هم الذين يقولون عند قيام القيامة لا يعدم الله الذوات والاجسام وانما يعدم صفاتها واحوالها - واعلم انه لا يبعد ان يقال المراد من تبديل الارض والسموات هو انه تعالى يجعل الارض جهنم ويجعل السموات الجنة والدليل عليه قوله تعالى كلا ان كتاب الابرار لفي عليين وقوله كلا ان كتاب الفجار لفي سجين - (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۰۰) +

ذات کا بدل جانا مراد ہے - ابن مسعود کہتے ہیں کہ یہ زمین بدل کر چمکتی ہوئی چاندی بن جاویگی جس پر کبھی خونریزی ہوئی ہے اور نہ کبھی اُس پر گناہ کیا گیا ہے - بعضوں نے قول اول کو ترجیح دی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت میں اسی زمین کی نسبت تبدیلی کا لفظ ہے اور چونکہ تبدل ایک صفت ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے تحقق کے وقت یہی موصوف یعنی یہی زمین موجود ہو یہ بھی ظاہر ہے کہ تبدل کے وقت زمین کی صفتیں تو موجود ہونگی نہیں تو اب ذات ہی کا باقی رہنا آیت سے لازم آیا - جن لوگوں کا یہ مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ قیامت قایم ہونے کے وقت اللہ پاک جسموں اور ذاتوں کو سرے سے معدوم نہ کردیگا بلکہ صرف اُن کی صفتیں معدوم ہوجاوینگی - ممکن ہے کہ زمین اور آسمان کے بدلنے سے یہ مراد لی جاوے کہ زمین کو خدا دوزخ بنا دیگا اور آسمانوں کو بہشت - اور خدا کا یہ قول "کلا ان کتاب الابرار لفی علیین کلا ان کتاب الفجار لفی سجین" اس مطلب کی دلیل ہے +

ان تمام حالات سے جو اوپر مذکور ہوئے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اس دنیا کے تمام حالات بدل جاوینگے جو چیزیں کہ اب موجود ہیں وہ معدوم نہیں ہونے کیں اُن کے خواص و اوصاف تبدیل ہوجاوینگے +

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تفہیمات میں واقعات قیامت کو وقائع جو سے تعبیر کیا ہے

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۸﴾	اور پکار کر کہینگے اہل دوزخ اہل جنت کو کہ ڈال دو ہم پر تھوڑا سا پانی میں سے یا اُس میں سے جو خدا نے تم کو دیا ہے۔ اہل جنت کہینگے کہ خدا نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا ہے ﴿۴۸﴾

یعنی اُن واقعات کا جو آسمان و زمین کے درمیان میں ہوتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ " تعود تلك الوقائع الی الانوار المحیطة فیقع ظلها فیستعد العالم لوقعة عظیمة من توابع الجو فتهلك البشر والموالید ویعود کل عنصر لمحلة " انتہٰے یعنی تمام قبل قیامت مثل عالم میں فسادات ہونے اور دجال کے آنے اور حضرت عیسےٰ کے تشریف فرمانے کے بعد انوار محیطہ الہیہ واقعہ عظیمہ کے ہونے پر متوجہ ہونگے اور واقعات جو یعنی جو آسمان و زمین کے بیچ میں واقع ہوتے ہیں واقع ہونگے بشر و موالید سب مر جاوینگے اور ہر ایک عنصر اپنی جگہ پر چلا جاویگا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یہ نظام الٹ پلٹ ہو جاویگا ۔

تحقیقات جدید کی رو سے جہاں تک معلوم ہو سکا ہے چاند کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ کسی زمانہ میں اُس میں آبادی تھی اور ہوا مثل کرۂ ارض کے اُس کے محیط تھی پانی بھی اُس میں تھا۔ مگر اب محض ویران اور سوکھ کر ٹھنڈا ہو گیا ہے کوئی ذی نفس اُس میں نہیں ہے ہوا بھی اُس کی محیط نہیں ہے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض کواکب جو حقیقت میں بہت بڑے بڑے کرۂ زمین سے بھی سیکڑوں حصہ بڑے تھے منتشر ہو گئے اور راور کروڑوں میں جا ملے ۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ زمین کا مدار جو گرد آفتاب کے ہے چھوٹا ہوتا جاتا ہے پس یہ خیال کرنے کی بات ہے کہ زمانہ مدت کے بعد جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا اور گو وہ لاکھوں کروڑوں برس کے بعد ہو جب زمین کا مدار بہت چھوٹا ہو جاویگا تو دنیا کا کیا حال ہوگا۔ کیا سمندر نہ اُبل جاوینگے ۔ کیا پہاڑ ریت کی مانند نہ ہو جاوینگے ۔ کیا زمین نہ بل جاویگی ۔ یہ آسمان جو ہم کو ایسا نیلا خوبصورت دکھائی دیتا ہے کیا وہ تیل کی تلچھٹ کی مانند اور کبھی سرخ چمڑے کی مانند نظر نہ آویگا ۔ کیا یہ ستارے بے نور نہ دکھائی دینگے ۔ پس واقعہ قیامت ایک ایسا واقعہ ہے جو امور طبعی کے مطابق اس دنیا پر واقع ہوگا اور ضرور واقع ہوگا مگر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب واقع ہوگا خدا تعالےٰ نے اُس طبعی واقعہ کو جا بجا اور مختلف تشبیہوں سے اس لئے بیان کیا ہے کہ بندوں کو خدا کی قدرت کاملہ پر وثوق ہو اور اس خدا لاشریک کے سوا کسی دوسری چیز کو اپنا معبود نہ بنائیں ۔ دنیا میں پہاڑوں کی پرستش ہوتی تھی سمندر پوجے جاتے تھے آگ کی پرستش کی جاتی تھی چاند سورج کی پرستش ہوتی تھی ۔ ستاروں کی پرستش کے لئے ہیاکل بنائی گئی تھیں اور اُن کی پرستش ہوتی تھی اس لئے خدا نے اس طبعی واقعہ کو جتلایا کہ یہ سب چیزیں ایک دن فنا یعنی متغیر ہونے والی ہیں اور اُن میں کوئی بھی معبود ہونے کے لائق نہیں ہے پس قیامت کا ذکر جا بجا اسی غرض سے

الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ (۴۹)	جنہوں نے ٹھیرا لیا تھا اپنے دین کو تماشا اور کھیل اور اُن کو دھوکا دیا دنیا کی زندگی نے ۔ پھر آج کے دن ہم اُن کو بھول جاوینگے جیسے کہ وہ بھول گئے تھے اپنے ملنے کے دن کو جو یہ ہے اور جیسے کہ وہ ہماری نشانیوں سے انکار کرتے تھے (۴۹)

آیا ہے کہ عجائب مخلوقات خدا کی جن میں مخلوقات زمین اور آسمان اور کواکب زیادہ تر عجیب دکھائی دیتے ہیں اور جن کی پرستش انواع اقسام سے لوگوں نے اختیار کی تھی اُس کو چھوڑیں اور صرف خدا کی جو اُن سب چیزوں کا پیدا کرنے والا اور پھر فنا کرنے والا ہے پرستش اختیار کریں ✦

یہ قیامت جس کا اوپر ذکر ہوا یہ تو کائنات پر گذریگی مگر اصلی قیامت جو انسان پر گذریگی وہ وہ ہے جس کا ذکر سورہ قیامہ میں آیا ہے اور اُس کا خلاصہ ان دو لفظوں میں ہے کہ " من مات فقد قامت قیامتہ " خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ انسان پوچھتا ہے کہ کب ہوگا قیامت کا دن پھر (وہ

یسئل ایان یوم القیامة ۔ فاذا برق البصر وخسف القمر وجمع الشمس والقمر یقول الانسان یومئذ این المفر کلا لا وزر الی ربك یومئذ المستقر ینبؤ الانسان یومئذ بما قدم واخر بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القی معاذیره (۵، سورۃ قیامہ)	دن اُس وقت ہوگا) جب کہ آنکھیں پتھرا جاوینگی چاند کا لا پڑ جائیگا یعنی آنکھوں کی روشنی جاتی رہیگی اور آنکھیں اندر بیٹھ جاوینگی چاند سورج یعنی رات دن اکٹھے ہو جاوینگے کہ اُس کو کچھ تمیز نہ رہیگی کہ دن ہے یا رات سب چیز دھندلی دکھائی دیگی اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ انسان دن میں کسی
وجوہ یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة و وجوہ یومئذ باسرة تظن ان یفعل بها فاقرة کلا اذا بلغت التراقی وقیل من راق وظن انه الفراق والتفت الساق بالساق الی ربك یومئذ المساق ۔ (۵، سورۃ قیامہ)	وقت مرے اُس کو شام کا وقت دکھائی دیگا ۔ انسان کہیگا کہ اس دن بھاگ جانے کی کہاں جگہ ہے ہرگز کوئی جگہ پناہ کی نہیں ۔ تیرے پروردگار ہی کے پاس اُس دن ٹھیرنے کی جگہ ہے ۔ اُس دن جان لیگا انسان کہ اُس نے کیا آگے بھیجا ہے

اور کیا پیچھے چھوڑا ہے ۔ بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب پہچانتا ہے گو کہ درمیان میں بہت سے عذر لا ڈالے ✦

اس کے بعد یہ فرمایا ہے کہ اُس دن کتنے مُنہ تر و تازہ ہونگے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے اور اُس دن کتنے مُنہ تھوتھائے ہوئے ہونگے گمان کرینگے کہ اُن پر مصیبت پڑنے والی ہے ۔ جس وقت کہ جان نرخرے میں پہنچتی ہے اور کہا جاتا ہے کون ۔ پھر آواز نہیں نکلتی اتنا ہی کہکر جب پہچانا

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾	اور بیشک ہم نے ان کو لادی کتاب، ہم نے اُس کو مفصل کردیا ہے اپنے علم[۵۱] پر ہدایت کرنے والی[۵۲] اور رحمت والی ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۵۰﴾

ہے۔ پھر کہا جاتا ہے۔ جھاڑنے پھونکنے والا۔ پھر چپ ہوجاتا ہے۔ اور جان لیا کہ بیشک اب جدائی ہے اور لپیٹ لیا ایک پنڈلی کو دوسری پنڈلی سے۔ اُس دن تیرے پروردگار کے پاس چلنا ہے +

یہ تمام حالت جو خدا نے بتائی انسان پر مرنے کے وقت گذرتی ہے اور اس سوال کے جواب میں کہ قیامت کا دن کب ہوگا بتائی گئی ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر انسان کی اصلی قیامت اُس کا مرنا ہے اور " من مات فقد قامت قیامته " بہت صحیح و سچا قول ہے۔ اگرچہ اگلے علما نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ انسان کی ایسی حالت کب ہوگی بعضوں نے کہا کہ موت کے وقت بعضوں نے کہا کہ بہشت کے وقت بعضوں نے کہا کہ دوزخ کو دیکھنے کے وقت مگر قرآن مجید کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بیان موت کے وقت کی حالت کا ہے جس میں ذرا بھی شک نہیں ہوسکتا جن عالموں نے اس حالت کو وقت موت کے حالت قرار دیا ہے اُنھوں نے خسف قمر کے لفظ سے آنکھ کی روشنی کا جاتا رہنا مراد لیا ہے تفسیر کبیر میں ہے " جو لوگ کہ آنکھ کے چوندھیانے کو موت کی علامت قرار دیتے ہیں " خسف القمر " کے معنی یہ کہتے ہیں کہ نگاہ کی روشنی جاتی رہیگی عرب میں جب آنکھ پھوٹ جاوے یہاں تک کہ ڈھیلا سر میں بیٹھ جاوے تو کہتے ہیں " عین خاسفہ " یہ محاورہ خسف الارض سے نکلا ہے جس کا استعمال زمین کے دھنس جانے کے وقت ہوتا ہے۔ اور خدا کا یہ قول " جمع الشمس والقمر " روح کے عالم آخرت کی طرف چلے جانے سے کنایہ ہے گویا وہ دوسری دنیا ایک آفتاب ہے کیونکہ اُس میں چھپی ہوئی باتیں کھل جاوینگی اور روح گویا چاند ہے جس طرح چاند آفتاب سے روشنی پاتا ہے

فاما من یجعل برق البصر من علامت الموت قال معنی وخسف القمر ذهب ضوء البصر عند الموت یقال عین خاسفة اذا فقئت حتی غابت حدقتها فی الراس واصلها من خسف الارض اذا ساخت بما علیها و قوله جمع الشمس والقمر کنایة عن ذهاب الروح الی عالم الاخرة کان الاخرة کالشمس فانه یظهر فیها المغیبات وتتضح فیها المبهمات و الروح کالقمر کما ان القمر یقبل النور من الشمس فکذا الروح تقبل نور المعارف من عالم الاخرة ولا شك ان تفسیر هذه الآیة بعلامات القیمة اولی من تفسیرها بعلامات الموت واشد مطابقة لها۔ (تفسیر کبیر)

[۵۱] علی علم ای بعلمنا (تفسیر ابن عباس) +

[۵۲] قوله هدی و رحمة قال الزجاج هدی فی موضع نصب ای فصلناه هادیا و ذا رحمة (تفسیر کبیر) +

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۱﴾

کس بات کا وہ انتظار کرتے ہیں بجز اُس (یعنی اُس) کے) سچے ہونے کی جس دن آجائیگا اُس کا سچا ہونا کہینگے وہ لوگ جو پہلے اُس کو بھول گئے تھے بیشک آئے تھے ہمارے پروردگار کے رسول برحق، پھر کیا ہمارے لئیں شفاعت کرنے والوں میں سے تاکہ ہماری شفاعت کریں یا ہم کو پھیر دیا جائے (یعنی دنیا میں) تاکہ ہم عمل کریں بجز اس کے جو ہم عمل کرتے تھے بیشک اُنہوں نے نقصان کیا اپنا آپ اور کھویا گیا اُن کے پاس سے جو وہ افترا کرتے تھے ﴿۵۱﴾

اسی طرح روح بھی عالم آخرت سے معرفت کے انوار حاصل کرتی ہے اندکچھ شک نہیں کہ اس آیت کی تفسیر قیامت کی علامتوں سے کرنی اس سے کہیں بہتر ہے کہ اُس کی تفسیر موت کی علامتوں سے کی جاوے" +

صاحب تفسیر کبیر کا یہ کہنا کہ اس آیت کی تفسیر علامات قیامت سے کرنی بہ نسبت علامات موت کے بہتر ہے کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا الفاظ کلا اذا بلغت التراقی وقیل من راق وظن انہ الفراق والتفت الساق بالساق الی ربك یومئذ المساق بالکل شاہد اس بات پر ہیں کہ اس تمام سورہ میں جو حالات مذکور ہیں وہ حالات عند الموت کے ہیں۔ جمع الشمس و القمر کی جو توضیح تفسیر کبیر میں بیان ہوئی ہے وہ بھی دور از کار ہے۔ خسف قمر یعنی آنکھوں کی روشنی جانے اور آنکھوں کے بیٹھ جانے کے بیان کے بعد جمع الشمس والقمر کو لفظ صاف دلالت کرتے ہیں کہ اُن دونوں میں تمیز نہ رہنے کا چاند کا تعلق رات سے ہے اور سورج کا دن سے اس لئے اُن دونوں سے رات دن کا کنایہ کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت اس بات کی تمیز کہ دن ہے یا رات کچھ نہ ہوگی +

ہمارے اس بیان سے یہ مطلب نہیں ہے کہ جو واقعات کائنات پر ایک دن گذرنے والے ہیں اور جن کا بیان پہلے ہوچکا وہ نہ ہونگے بلکہ وہ اپنے وقت پر ہونگے اور جو کچھ ان میں ہونا ہے وہ ہوگا اور اُس زمانہ کے انسان اور وحوش وطیور پر جو کچھ گذرنا ہے گذریگا اور اُس وقت جو حال روحوں کا اور ملائکہ کا ہونا ہے وہ ہوگا۔ مگر جو لوگ اُس سے پہلے مر چکے ہیں اُن کے لئے قیامت اُسی وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ وہ مرے +

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	بیشک تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو

حشر اجساد

حشر اجساد کی نسبت جیسا کہ شرح مواقف میں لکھا ہے پانچ مذہب ہیں ٭

اعلم ان الاقوال الممکنة فی مسئلة المعاد لا تزید عن خمسة (الاول) ثبوت المعاد الجسمانی فقط وهو قول اکثر المتکلمین النافین للنفس الناطقة (والثانی) ثبوت المعاد الروحانی فقط وهو قول الفلاسفة الالٰهیین (والثالث) ثبوتهما معاً وهو قول کثیر من المحققین کالحلیمی والغزالی والراغب وابو زید الدبوسی ومعمر من قدماء المعتزلة وجمهور متاخری الامامیة وکثیر من الصوفیة فانهم قالوا الانسان بالحقیقة هو النفس الناطقة وهی المکلف والمطیع والعاصی والمثاب والمعاقب والبدن یجری منها مجری الالة والنفس باقیة بعد فساد البدن فاذا اراد الله حشر الخلائق خلق لکل واحد من الارواح بدنا یتعلق به ویتصرف فیه کما کان فی الدنیا (والرابع) عدم ثبوت شیء منهما وهذا قول القدماء من فلاسفة الطبیعیین (والخامس) التوقف فی هذه وهو المنقول عن جالینوس فانه قال لم یتبین لی ان النفس هل هی المزاج فینعدم عند الموت فیستحیل اعادتها او هی جوهر باق بعد فساد البنیة فیمکن المعاد (شرح مواقف)

معاد کے مسئلہ میں جو اقوال کیے جا سکتے ہیں وہ صرف پانچ ہیں ٭ (۱) صرف معاد جسمانی کا ثبوت اور یہ اکثر ان متکلمین کا مذہب ہے جو نفس ناطقہ کا انکار کرتے ہیں (۲) صرف معاد روحانی کا ثبوت یہ مذہب فلاسفہ الٰہیین کا ہے (۳) دونوں کا ثبوت، اور یہی اکثر محققوں کا مذہب ہے مثلاً حلیمی ۔ غزالی ۔ راغب ۔ ابو زید الدبوسی ۔ معمر جو قدیم معتزلیوں میں سے ہے اور عموماً متاخرین شیعہ اور اکثر صوفیوں کا ۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان حقیقت میں صرف نفس ناطقہ کا نام ہے وہی مکلف ہے وہی عاصی اور مطیع ہے اسی پر ثواب عذاب ہوتا ہے اور بدن تو بجائے ایک آلہ کے کام دیتا ہے جسم خراب ہو جاتا ہے پھر بھی نفس باقی رہتا ہے پس جب خدا قیامت کے دن مخلوقات کو اٹھانا چاہیگا تو ہر ایک روح کے لئے ایک مخصوص جسم بنا دیگا جس سے روح کا تعلق ویسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں تھا (۴) ان دونوں میں سے کسی کا ثبوت نہیں فلاسفہ طبیعیین میں سے قدماء کا یہی مذہب ہے (۵) بالکل سکوت اختیار کرنا یہ مذہب جالینوس سے منقول ہے اس کا قول ہے کہ مجھ کو یہ ثابت نہیں ہوا کہ نفس آیا مزاج ہے تو موت کے وقت معدوم ہو جاویگا تو اس کا اعادہ ناممکن ہوگا یا وہ ایک جوہر ہے جو بدن کے خراب ہونے پر باقی رہتا ہے اس حالت میں معاد بھی ممکن ہوگی ٭

فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ	چھ دن میں پھر قایم ہوا عرش پر

میرے نزدیک قول ثالث جو مذہب اکثر محققین کا ہے صحیح ہے صرف اس قدر اختلاف ہے کہ میں اُن بزرگوں کی اس رائے کو کہ جب خدا تعالےٰ حشر کرنا چاہیگا تو ہر ایک روح کے لئے ایک جسم پیدا کردیگا جس سے وہ روح متعلق ہوجاویگی تسلیم نہیں کرتا میرے نزدیک یہ بات ہے کہ روح نسمہ سے جب جاتی ہے تو خود ایک جسم پیدا کرلیتی ہے اور جب انسان مرتا ہے اور روح اُس سے علحدہ ہوتی ہے تو خود ایک جسم رکھتی ہے۔ جیسے کہ مسئلہ خامسہ میں ہم نے بیان کیا ہے پس حشر میں کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ پہلی ہی زندگی کا تتمہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ اُنہوں نے حجۃ اللہ البالغہ میں کہا ہے +

ان حشر الاجساد واعادة الارواح اليها ليست حياة مستانفة انما هى تتمة النشاة المتقدمة بمنزلة التخمة لكثرة الاكل كيف ولولا ذلك لكانوا غير الذين عملوا ولما اخذوا بما فعلوا - (حجة الله البالغه صفحه ۳۲)

جسموں کا اُٹھنا اور روحوں کا اُن میں پھر آنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ اسی پہلی زندگی کا تتمہ ہے جس طرح زیادہ کھا جانے سے بدہضمی ہوجاتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو لازم آوے کہ یہ کوئی دوسری خلقت ہو اور اُن لوگوں کے کئے کا (یعنی جو دنیا میں تھے) کچھ بدلا ہی نہ ہو +

قرآن مجید سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ تمام آیات ماسبق و مالحق پر بامعان نظر ایک مجموعی حالت سے غور کیا جاوے نہ فرداً فرداً اور ایک مضمون کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے۔ اول یہ بات قابل غور ہے کہ کونسے عقیدہ کے رد کرنے کے لئے قرآن مجید میں آیات حشر و نشر وارد ہوئی ہیں۔ خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ روح کوئی چیز نہیں ہے انسان پیدا ہوتا ہے اور پھر مرکر نسیاً منسیا ہوجاتا ہے ہوا ہوا میں مٹی مٹی میں مل جاتی ہے اور کچھ نہیں رہتا اُس عقیدہ کی تردید کے لئے آیات حشر و نشر نازل ہوئی ہیں چنانچہ خدا تعالےٰ نے

وقالوا ما هى الا حياتنا الدنيا نموت ونحيى وما يهلكنا الا الدهر وما لهم بذلك من علم ان هم الا يظنون واذا تتلى عليهم اياتنا بينات ما كان حجتهم الا ان قالوا ائتوا باٰبائنا ان كنتم صدقين (حم سورة جاثيه ۲۳ - ۲۴) +

سورہ جاثیہ میں اُن لوگوں کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری دنیا کی یہ زندگی کیا ہے ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں اور ہم کو زمانہ ہی مارتا ہے نہ اور کوئی۔ خدا نے کہا کہ اُن کو اُس کا علم نہیں ہے وہ صرف ایسا گمان کرتے ہیں اور جب اُن پر ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اُن کی حجت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو +

اسی کی مانند سورہ انعام میں بھی خدا تعالےٰ نے اُن کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری یہ

يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ	ڈھانک دیتا ہے دن رات کو

وقالوا ان هي الا حياتنا وما نحن بمبعوثين ۔ ولو ترى اذ وقفوا على ربهم قال اليس هذا بالحق قالوا بلى وربنا (۷ سورۂ انعام ۳۰ و ۳۱) ✦

کیا ہے صرف دنیا کی زندگی ہے اور ہم پھر اُٹھنے والے نہیں ہیں خدا نے فرمایا کہ جب تو دیکھیگا اُن کو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوا تو خدا اُن سے کہیگا کہ کیا یہ سچ نہیں ہے اُس وقت وہ کہینگے کہ ہاں قسم ہمارے پروردگار کی یہ سچ ہے ✦

سورۂ صافات میں ہے کہ وہ لوگ کہینگے کہ کیا جب ہم مرجاوینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاوینگے

ائذا متنا وكنا ترابا وعظاما ائنا لمدينون ۔ (۷ سورۂ صافات ۵۱)

کیا بدلا دیئے جاوینگے یعنی اعمال کی سزا و جزا ہم کو دیجاویگی پس اس سے صاف ثابت ہے کہ اُن لوگوں کو موت کے بعد جزا و سزا ہونے سے استبعاد تھا اور اس استبعاد کا سبب بجز روح کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اس سے بخوبی روشن ہوتا ہے کہ اس مباحثہ کا موضوع درحقیقت اس جسم کا جو ہم دنیا میں رکھتے ہیں دوبارہ جلا بکر اُٹھنے کا تھا ہی نہیں بلکہ جزا و سزا کا بعد موت ہونا موضوع تھا ۔ اور یہی سبب ہے کہ ہم اُن تمام آیتوں کا مصداق جسم کے دوبارہ موجود ہونے سے کچھ تعلق ہی نہیں سمجھتے ✦

اب اس بات کو ذہن میں رکھ کر کہ آیات حشر واسطے تردید عقیدہ عدم یقین روح کے نازل ہوئی ہیں قرآن مجید پر غور کیا جاوے تو ظاہر ہوتا ہے کہ موضوع اُس بحث کا اس جسم کے جو ہم اس دنیا میں رکھتے ہیں دوبارہ اُٹھنے کا ہے ہی نہیں اور نہ قرآن مجید میں اس جسم کے دوبارہ اُٹھنے کا ذکر ہے ۔ جب کہ وہ لوگ روح کے قائل نہ تھے تو ثواب و عقاب کا حال سُنکر اُن کو تعجب ہوتا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب آدمی مرگیا تو کل مرکر معدوم ہوگیا ثواب و عذاب کیسا اور کس پر اور متعجب ہو کر کہتے تھے کہ کیا ہم پھر زندہ ہونگے کیا یہ گلی ہوئی ہڈیاں پھر بھی اُٹھینگی کیونکہ وہ لوگ بغیر اس دنیا کی زندگی اور بدون اس جسم کے جو دنیا میں تھا انسان کا موجود ہونا جس پر عذاب ہو یا ثواب ملے نہیں سمجھتے تھے ۔ خدا نے متعدد طرح سے اس کو سمجھایا اور حشر کے ہونے پر یقین دلایا اور اُس پر اپنے قادر ہونے کو متعدد مثالوں سے بتایا مگر کہیں نہیں کہا کہ یہی جسم جو دنیا میں ہے پھر اُٹھیگا اور اُسی جسم میں پھر جان ڈالیجاویگی ✦

شاہ ولی اللہ صاحب اس جسم کے جو دنیا میں ہے دوبارہ اُٹھنے کے قائل نہیں ہیں چنانچہ

تفتوم (اے بعد وقوع الواقعات) النفس ما وهي شد ضاما بالجسد وبقيت عجب ذنبها الا الذي به تعرف انه بدن فلان فيلحق بالجسد وجمع جنس اجزاءها وكلا كن لم يبق عجب ذنبها فينفخ في جسد من الارض باعتدال

اُنہوں نے تفہیمات الٰہیہ میں بعد بیان واقعات قیامت کے لکھا ہے کہ اُس کے بعد نفوس جو مرگئے ہیں یعنی جو صاحب نفوس کہ مرگئے ہیں اُن کے نفوس کھڑے ہو جاوینگے اور اُن کا تعلق جسم سے تو ٹوٹ ہوگیا اور ریڑھ کی ہڈی باقی رہ جاویگی یعنی

يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا	بُلاتا ہے اُس کو جلد جلد

هنالك - وجنس اخر يستوجب عند هيجان الارواح واستفاختها ان يتجسد بجسد مثالى كالملائكة والشياطين - فلا يكون تلك الحياة مبتدأة بل تكميل ما فيها مجازاة فيتصعد تلك الاجساد الى هيئة نسمية وتدخل فى حوادث الحشر (تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۳۸۸) ✦

ایک ایسا نشان جس سے پہچانا جائے کہ فلاں شخص کا بدن ہے پھر وہ بدن سے ملا دی جائے گی - ایک اَور قسم کی روحیں آوینگی جو حیران ہونگی کہ اُن کی ریزہ کی ہڈی کا نشان ہی باقی نہ رہا ہوگا تو وہ ایک ایسی زمین میں پھونکی جاوینگی جس سے اُن کو کچھ مناسبت ہوگی - ایک اَور قسم کی روحیں آوینگی جن کو روحوں کے برانگیختہ ہونے اور صور کے پھکنے کے وقت ایک مثالی جسم اختیار کرنا ہوگا فرشتوں اور شیاطین کے جسم مثالی کی مانند - تو یہ زندگی کوئی ابتدائی زندگی نہ ہوگی بلکہ اُسی کی تکمیل کے لئے ہوگی جو اُن میں بطور بدلا دینے کے - پھر یہ جسم ایک ہیئت نسمیہ میں اوپر کو چڑھینگے اور حشر کے واقعات میں داخل ہونگے ✦

اس مقام پر شاہ ولی اللہ صاحب نے تین قسم کی روحیں ٹھیرائی ہیں اور اُن کے لئے متعدد قسم کے جسم قرار دئے ہیں مگر اس جسد کا جو دنیا میں قبل موت تھا اُس کا دوبارہ اُٹھنا اور اُس میں روح کا آنا بیان نہیں کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب بھی اس جسد کے جو دنیا میں ہے اُٹھنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ اُنہوں نے بھی اُسی قول ثالث کو اختیار کیا ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ✦

شاہ ولی اللہ صاحب کے سوا اور مفسرین نے بھی اس قول کی تائید کی ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں یہ تقریر لکھی ہے کہ جو اعتراض کیا جاتا ہے

قوله - ايحسب الانسان ان لن نجمع عظامه - وتقريره ان الانسان هو هذا البدن فاذا مات تفرقت اجزاء البدن واختلطت تلك الاجزاء بسائر اجزاء التراب وتفرقت فى مشارق الارض ومغاربها فكان تميزها بعد ذلك من غيرها محالا لكان تجدت محالا واعلم ان هذه الشبهة ساقطة من وجهين - الاول - لا نسلم ان الانسان هو هذا البدن فلم لا يجوز ان يقال انه شئ مدبر لهذا البدن فاذا فسد هذا البدن بقى هو حيا كما كان حينئذ يكون الله تعالى قادرا على ان يرد الیه بدنا ثانيا وعلى هذا القول يسقط السؤال وفى الاية اشارة الى هذا لانه اقسم بالنفس اللوامة ثم قال ايحسب الانسان ان لن نجمع عظامه وهو تصريح بالفرق بين النفس والبدن - (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۰۸)

کہ انسان تو یہی موجودہ بدن ہے پھر جب انسان مر گیا تو بدن کے اجزا متفرق ہو گئے اور مٹی میں ملکر مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک پھیل گئی اب ان اجزا کا دوسری مٹی کے اجزا سے ممتاز ہونا ناممکن ہے تو قیامت بھی ناممکن ہوگی تو یہ اعتراض دو طور سے منتفع ہوتا ہے (۱) ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ انسان اس بدن کا نام ہے ممکن ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہو جو اس بدن کی مدبر ہو اور جب بدن خراب ہو جائے تو وہ اپنی حالت پر زندہ رہے ایسا کہ اس بات پر قدرت ہے کہ اُس کو کوئی اور بدن دیدے چنانچہ اس آیت میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ خدا نے پہلے تو نفس لوامہ کی قسم کھائی پھر فرمایا کہ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں نہ اکٹھی کرینگے -

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ	اور پیدا کیا سورج کو اور چاند کو اور ستاروں کو

اس سے صاف پیدا ہوتا ہے کہ نفس اور بدن دو چیزیں ہیں ✦

اب ہم یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے بھی اس موجودہ جسم کا دوبارہ اُٹھنا نہیں پایا جاتا بلکہ ایک اور قسم کے جسم کا ہونا ثابت ہوتا ہے خدا نے سورہ واقعہ میں فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو پیدا کیا پھر کیوں نہیں تم مانتے۔ پھر کیا تم سمجھتے ہو جو کچھ تم عورتوں کے رحم میں ڈالتے ہو کیا تم اُس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے مقدر کی ہے تم میں موت اور ہم اس بات سے پیچھے نہیں رہے یعنی عاجز نہیں ہیں کہ ہم بدل دیویں اوصاف تمہارے اور ہم تم کو پیدا کریں اُس صفت میں جس کو تم نہیں جانتے ✦

نحن خلقناکم فلولا تصدقون افرءیتم ما تمنون ءانتم تخلقونه ام نحن الخالقون۔ نحن قدرنا بینکم الموت وما نحن بمسبوقین علی ان نبدل امثالکم وننشئکم فی ما لا تعلمون۔

(۵۶ سورۃ واقعہ ۵۷ - ۶۱)

اس آیت میں لفظ امثال کا جمع ہے لفظ مثل بفتح المیم والثاء کی اور تمام آیات ماسبق و لاحق سے جو اس سورۃ میں ہیں صاف ظاہر ہے کہ حالات حشر اس میں مذکور ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے موت کو تم میں مقدر کیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ جو اس زندگی میں تمہارے اوصاف ہیں اُن کو بدل دیں اور پیدا کریں ایسے اوصاف میں جن کو تم نہیں جانتے۔ لفظ پیدا کرنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ موجودہ اوصاف کے معدوم ہونے کے بعد پیدا کرنا مراد ہے۔ جو لوگ روح کے قائل نہیں تھے اور وہی لوگ حیات بعد الموت کے قائل نہ تھے اور وہی لوگ ان آیتوں میں مخاطب ہیں اسی بدن کو جو انسان دنیا میں رکھتا ہے انسان کے اوصاف سمجھتے تھے۔ طویل القامت بادی البشرہ عریض الاظفار ماشی علی قدمیہ وغیرہ ذلک۔ اب خدا نے فرمایا کہ ان اوصاف یعنی اس جسم کے فنا ہونے کے بعد ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ ان اوصاف کو بدل کر تم کو اور اوصاف میں یعنی دوسری قسم کے جسم میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کریں۔ پس آیت صاف دلیل اس بات کی ہے کہ حیات بعد الموت میں روح کے لئے یہ جسم جو دنیا میں ہے نہ ہوگا بلکہ ایک اور قسم کا جسم ہوگا ✦

یہ وہ حقایق ہیں جو نہ حکمت یونان میں پائے جاتے ہیں اور نہ فلسفہ و علم کلام میں بلکہ یہ انوار ہیں مشکوٰۃ نبوت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے جو بلاواسطہ سفینۂ سینۂ منور محمدی سے سینۂ احمدی میں پہنچے ہیں۔ گو کہ نابلدان کوچۂ حقیقت ان انوار محمدی کو نعوذ باللہ کفر و زندقہ سے تعبیر کریں ✦

وما تلک الا شقشقة هدرت لجاشت النفس بما هجس بها ثم قرت مع ان لکل جواد کبوة ولکل سیف نبوة ✦

جو تابعدار کئے گئے اُس کے حکم کے ساتھ	مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ

لمؤلفہ

خلاطوں طفلکے باشد بہ یونانے کہ من دارم — مسیحا رشک میدارد بدرمانے کہ من دارم
زکفر من چہ میخواہی زایمانم چہ مے پرسی — ہماں یک جلوۂ عشق است ایمانے کہ من دارم
خدا دارم دلے بریاں زعشق مصطفےٰ دارم — ندارد ہیچ کافر سازو سامانے کہ من دارم
زجبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمیخواہم — ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم
فلک یک مطلع خورشید دارد باہمہ شوکت — ہزاراں ہمچنیں دارد گریبانے کہ من دارم
زبرہاں تا بہ ایماں سنگ ہا دارد رہ واعظ — ندارد ہیچ واعظ ہمچو برہانے کہ من دارم

اب ہم قرآن مجید کی ان آیتوں کو جو اس مضمون سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ جب با معان نظر اُن کو دیکھا جاوے اور منکرین روح کے عقاید کو بھی مدنظر رکھا جاوے تو اُن سے اس جسم کا جو دنیا میں ہے دوبارہ اُٹھنا ثابت نہیں ہوتا اور وہ آیتیں یہ ہیں +

خدا نے سورہ نوح میں فرمایا کہ خدا نے اُگایا تم کو زمین سے ایک قسم کا اُگانا پھر تم کو پھر لیجاویگا

۱- واللّٰہ انبتکم من الارض نباتا ثم یعیدکم فیہا ویخرجکم اخراجا - (۱۷ و ۱۸ سورہ نوح) + اُس میں اور نکالیگا تم کو ایک طرح کا نکالنا اور نہ زمین سے مثل نباتات کے نہیں اُگا - اسی طرح دمثل نباتات کے دوبارہ زمین سے نکلیگا پس یہ صفت تشبیہ معدوم ہونے کے بعد پھر پیدا ہونے کی ہے نہ اس بات کی کہ انسان بعد مرنے کے مثل نباتات کے پھر زمین سے نکلینگے ویخرجکم اخراجا میں لفظ منہا کے ترک ہونے سے یعنی ویخرجکم منہا اخراجا نہ کہنے سے اس مطلب کو جو ہم نے بیان کیا اور زیادہ تقویت ہوتی ہے +

خدا تعالیٰ نے سورہ اعراف میں اس طرح پر بیان فرمایا ہے کہ وہ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو

۲- ھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنٰہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء فاخرجنا بہ من کل الثمرات کذالک نخرج الموتیٰ لعلکم تذکرون - (۵۵ - سورۂ اعراف) کو خوشخبری دینے والیاں اپنی رحمت کے آنے کی یہاں تک کہ جب اُٹھاتی ہیں بوجھل بادل تو ہم ان کو ہانک لیجاتے ہیں مرے ہوئے شہر کو پھر اُس سے برساتے ہیں پانی پھر ہم اُس سے نکالتے ہیں ہر طرح کے میوے اسی طرح ہم نکالینگے مردوں کو - ادنیٰ تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی صرف بعد معدوم ہونے کے پھر موجود ہونے کا بیان ہے اس سے زیادہ اور کسی چیز کا بیان نہیں اور اس مطلب کو سورہ ملائکہ کی آیت جو ابھی ہم لکھتے ہیں زیادہ صاف کردیتی ہے +

جان لو کہ اُسی کے لئے پیدا کرنا ہے اور حکم کرنا	الا له الخلق والامر

خدا تعالےٰ نے سورہ ملائکہ میں فرمایا ہے اور اللہ وہ ہے جس نے بھیجا ہے ہواؤں کو پھر اٹھاتی

۳۔ واللہ الذی ارسل الریاح فتثیر سحابا فسقناہ الی بلد میت فاحیینا بہ الارض بعد موتہا کذلک النشور۔ (۳۵ سورۂ ملائکہ ۱۰) + — ہیں بادلوں کو پھر ہم اُس کو ہانک لیجاتے ہیں مرے ہوئے شہر کی طرف پھر اُس سے زندہ کرتے ہیں زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد اسی طرح مردوں کا زندہ ہونا ہے

فی القاموس۔ النشر۔ احیاء المیتۃ کالنشور والانتشار۔ اس آیت میں تخرج کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ نشر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف مردوں کے پھر موجود ہونے کی تشبیہ ہے نہ اُس جسم کی جو دنیا میں موجود تھا قبر میں سے نکلنے کی +

ظاہر میں سورہ طٰہٰ کی آیت اس امر کی جو ہم نے بیان کیا مخالف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اُس میں

۴۔ منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری۔ (۲۰ طٰہٰ ۔ ۵۷) + — لفظ منہا کا بھی موجود ہے جو سورہ اعراف کی آیت میں نہ تھا مگر ہرگز وہ آیت مخالف نہیں ہے

سورہ طٰہٰ میں خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اُسی میں پھر لیجاوینگے اور اُسی سے تم کو دوسری دفعہ نکالینگے۔ انسانوں کو خدا نے زمین میں سے پیدا کیا ماں کے پیٹ سے پیدا کیا ہے پس اُس کا زمین سے پیدا کرنا مجازاً بادنےٰ ملابست ہوگیا ہے اسی طرح اُس کے مقابلہ میں زمین سے دوسری دفعہ نکلنا بھی مجازاً بادنےٰ ملابست ہوا ہے پس اس سے یہ مطلب کہ یہی جسم جو دنیا میں موجود تھا پھر دوبارہ زمین سے نکلیگا ثابت نہیں ہوتا +

ایک اور آیت بھی ہے جس کی تحقیق اسی مقام سے مناسب ہے اور وہ سورہ ق کی آیت

واستمع یوم ینادی المناد من مکان قریب یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذلک یوم الخروج۔ انا نحن نحیی ونمیت والینا المصیر یوم تشقق الارض عنہم سراعا ذلک حشر علینا یسیر۔ (۵۰۔ سورۂ ق ۔ ۴۰ ۔ ۴۳) + — ہے خدا تعالےٰ نے یوں فرمایا ہے کہ سُن ایک دن پکاریگا پکارنے والا پاس کے مقام سے۔ ایک دن سُنینگے زور کی آواز یہ ہے دن نکلنے کا یعنی

اپنی اپنی جگہ سے روحوں کے معہ اُن اجسام کے جو مفارقت بدن کے وقت اُن کو حاصل ہوئی تھی نکلنے کا اور ایک جگہ جمع ہونے کا نہ یہ کہ اُن اجسام کا جو دنیا میں موجود تھے دوبارہ پتلا بنکر نکلنے کا۔ اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ بیشک ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم مار ڈالتے ہیں اور ہماری طرف پھر آنا ہے جلدی کرتے ہوئے اُس دن کہ پھٹ جاویگی اُن سے زمین یہ اکٹھا کرنا ہم پر آسان ہے۔ اس جگہ سے یہ سمجھنا کہ زمین کا پھٹنا مردوں کے جسم کے نکلنے کا باعث ہوگا محض غلط خیال ہے بلکہ یوم تشقق الارض سے یوم قیامت مراد ہے۔ اور متعدد آیتوں میں یہ مضمون اسی مراد سے آیا ہے نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے

بڑی برکت والا ہے اللہ پروردگار عالموں کا (۵۲)	تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (۵۲)

دن سب روحیں اکھٹی ہونگی اس آیت کو اُن جسموں کے جو دنیا میں تھے دوبارہ اُٹھنے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے +

خدا تعالیٰ نے سورہ نازعات میں فرمایا ہے کہ۔ کہتے ہیں کہ کیا ہم لوٹائے جاوینگے اُلٹے قدموں۔

يقولون ائنا لمردودون في الحافرة ءاذا كنا عظاما نخرة قالوا تلك اذا كرة خاسرة فانما هي زجرة واحدة فاذا هم بالساهرة ۔

(۷۹ ۔ سورۃ النازعات ۱۰ ۔ ۱۴)

کیا جب ہونگے ہم ہڈیاں گلی ہوئی ۔ کہتے ہیں کہ یہ (لوٹنا) اس وقت پھر آنا ہے نقصان کا ۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک سخت آواز ہے پھر یکایک وہ ایک میدان میں ہونگے جس میں نیند نہ آتی ہو ۔ منکرین حشر کے جو یہ الفاظ ہیں ائذا کنا عظاما نخرة ۔ اس آیت میں اور مثل اُس کے اور آیتوں میں آئے ہیں جیسے کہ ۔ ائذا کنا ترابا وعظاما ۔ اور من يحيي العظام وهي رميم ۔ اور ائذا كنا عظاما ورفاتا ائنا لمبعوثون ۔ یہ اُن کے اقوال اُسی خیال پر مبنی ہیں کہ وہ انسان کو بجز اس جسم موجودہ کے اور کچھ نہیں جانتے تھے یعنی روح کے وجود کے قائل نہ تھے اور اسی سبب وہ تعجب کرتے تھے کہ اس جسم کے گلجانے اور معدوم ہوجانے کے بعد پھر کیونکر وہ اُٹھیگا اور اسی استبعاد کے سبب وہ اس قسم کے شبہات کرتے تھے ۔ روح کی حقیقت وہ نہیں سمجھ سکتے تھے بلکہ اُس کی ماہیت مثل دیگر اشیا کی ماہیت کے انسان کی سمجھ سے خارج تھی اور خدا تعالیٰ نے طرح طرح سے اُن کے استبعاد کو دُور کرتا تھا اور حشر کے ہونے پر یقین دلاتا تھا کبھی تمثیل میں اور کبھی اپنے قادر مطلق ہونے میں پس ان الفاظ سے جو منکرین روح استبعاد رکھتے تھے اور اُن کے جواب تمثیل یا اُس کے مقابلہ میں اظہار قدرت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُسی جسم کا جو وہ دنیا میں رکھتے تھے اور جس کا گلجانا اور معدوم ہوجانا کہتے تھے اُسی جسم کو خدا پھر اُٹھاویگا +

سورہ مومن ۔ سورہ صافات ۔ سورہ واقعہ میں بالفاظ متحدہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہتے

قالوا ائذا متنا وكنا ترابا وعظاما ائنا لمبعوثون ۔

(انتہی)

وكانوا يقولون ائذا متنا وكنا ترابا وعظاما ائنا لمبعوثون اوآباؤنا الاولون قل ان الاولين والآخرين لمجموعون الى ميقات يوم معلوم ۔

(۵۶ ۔ سورۃ واقعہ ۴۷ ۔ ۵۰)

ہیں کہ کیا جب ہم مرجاوینگے اور ہم ہوجاوینگے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم اُٹھائے جاوینگے ۔ اور سورہ واقعہ میں خدا نے فرمایا اور وہ کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجاوینگے اور ہوجاوینگے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم پھر اُٹھائے جاوینگے کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اُٹھائے جاوینگے) کہہ دے کہ بیشک اگلے اور پچھلے ضرور اکھٹے کئے جاوینگے ایک دن معین میں ۔ اس آیت میں سوال تھا کہ کیا ہم اور ہمارے باپ دادا اُٹھائے جاوینگے اُس کا جواب یہ ملا کہ بیشک اکھٹے کئے جاوینگے اس سے صاف ظاہر ہے کہ جہاں جہاں قرآن مجید میں بعث کا لفظ آیا ہے اُس سے

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً	پکارو اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر چھپا کر

جمع کرنا مراد ہے نہ اس جسم کو جو ہم دنیا میں رکھتے ہیں بعد معدوم ہو جانے کے پھر پتلا بنا کر اُٹھانا۔
بعث کا اطلاق بشک پر ان معنوں میں آتا ہے جب کہ اُن کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا جاتا ہے
پس اس آیت میں خود خدا نے بعث کے معنوں کی تشریح کر دی ہے اور اس لئے اُس کے کوئی دوسرے
معنی نہیں لئے جا سکتے +

سورہ حج میں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے ۔ اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک ہو گئی پھر جب ہم
برساتے ہیں اُس پر پانی تو پھولتی ہے اور بڑھتی ہے
اور اُگاتی ہے ہر قسم کی خوش آیند چیزیں ۔ یہ
اس لئے ہے کہ اللہ وہی برحق ہے اور یہ کہ وہی
زندہ کرتا ہے مردوں کو اور یہ کہ وہ ہر شے پر
قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے کس

وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء
اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج ذلک
بان اللہ ھو الحق وانہ یحی الموتی وانہ علی کل
شئ قدیر وان الساعۃ اتیۃ لاریب فیھا و
اللہ یبعث من فی القبور ۔
(۲۲ - سورۃ الحج ۵ و ۶ و ۷) +

میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اُٹھاویگا اُن کو جو قبروں میں ہیں +

اور سورہ یسین میں فرمایا ہے ۔ پھونکا جاویگا صور میں پس یکایک وہ قبروں میں سے اپنے
پروردگار کے پاس دوڑینگے کہینگے اے وائے
ہم پر کس نے اُٹھایا ہم کو ہمارے مرقد سے یہ وہ ہے
جس کا وعدہ کیا تھا خدا نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں
نے یہ نہیں تھا مگر ایک تند آواز میں پھر دفعۃً وہ

ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی
ربھم ینسلون ۔ قالو یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا
ھذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون ان کانت
الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم جمیع لدینا محضرون ۔
(۳۶ - یسین ۵۱ - ۵۳)

سب ہمارے پاس حاضر ہونے والے ہیں +

اگرچہ ان آیتوں میں خدا تعالےٰ نے اُن لوگوں کا قبروں میں سے اُٹھنا اُن کو جو بعث کے
بسبب نہ یقین کرنے روح کے منکر محض تھے زیادہ تر یقین دلانے کو بالفاظ " من فی القبور " اور
" من الاجداث " کے بیان فرمایا ہے ۔ یعنی جن کو تم قبروں میں گڑا ہوا اور گلا سڑا خاک میں ملا
ہوا سمجھتے ہو وہی قبروں میں سے اُٹھینگے ۔ مگر درحقیقت مقصود اور موضوع کلام کا یہ نہیں ہے کہ
وہ کہاں سے اُٹھینگے کیونکہ بہت سے ایسے ہیں جو قبروں میں نہیں ہیں آگ میں جلا دیئے گئے
ہیں جانور کھا گئے ہیں بلکہ مقصود مردوں کا یعنی جن کو ہم مرا ہوا سمجھتے ہیں اور جن پر مردے کا اطلاق
ہوتا ہے قیامت میں اُن کا موجود ہونا ہے لیکن اگر ہم کچھ غور نہ کریں اور یہی سمجھیں کہ جو لوگ قبروں
میں دفن ہیں وہی اُٹھینگے تو بھی ان آیتوں سے یہ بات کہ اُن کا یہی جسم ہوگا جو دنیا میں رکھتے تھے
کسی طرح سے پایا نہیں جاتا +

بیشک وہ نہیں دوست رکھتا حد سے نکلنے والوں کو (۵۳)	إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (۵۳)

قرآن مجید میں دو اور عجیب آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن نہ کسی معدوم جسم کا دوبارہ پیدا ہو کر اُٹھایا جاویگا نہ کوئی جدید جسم اُن کو ملیگا بلکہ وہی جسم ہوگا جو روح و نسمہ کے اختلاط سے روح نے حاصل کیا تھا اور بعد مفارقت بدن روح نے معہ اس جسم کے مفارقت کی تھی پس جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ نشاء آخرت تتمہ اسی حیات کا ہوگا نہ خلق جدید بالکل ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سورۃ الاسرے میں فرمایا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور گلے ہوئے ہو جاوینگے تو کیا ہم پھر اُٹھائے جاوینگے نئے پیدا ہو کر۔ کہدے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا اُس قسم کی پیدائش جو تمہارے دل کو بڑی مستحکم لگتی ہو تب بھی تم کہوگے کہ کون ہم کو لوٹا لاویگا۔ کہدے کہ وہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی دفعہ پھر جھکا دینگے اپنے سروں کو تیری طرف اور کہتے ہیں کہ وہ کب ہوگا۔ کہدے کہ شاید یہ ہووے قریب +

وقالوا ائذا کنا عظاما ورفاتا ائنا لمبعوثون خلقا جدیدا قل کونوا حجارۃ او حدیدا او خلقا مما یکبر فی صدورکم فسیقولون من یعیدنا قل الذی فطرکم اول مرۃ فسینغضون الیک رؤسہم ویقولون متی ہو قل عسی ان یکون قریبا
(۱۷ سورۃ الاسری ۴۹ و ۵۳)

اور سورہ سجدہ میں خدا نے فرمایا ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ جب ہم زمین میں گم ہو جاوینگے (یعنی گل گلا کر مٹی ہو کر اُس میں مل جاوینگے) تو کیا ہم ایک نئی پیدائش میں آوینگے۔ بلکہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں۔ کہدے کہ تم کو ملک الموت ماریگا جو تم پر متعین ہے پھر اپنے پروردگار کے پاس پھر جاؤ گے۔

وقالوا ائذا ضللنا فی الارض ائنا لفی خلق جدید بل ہم بلقاء ربہم کافرون قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون۔
(سورہ سجدہ - ۹ و ۱۰)

ان دونوں آیتوں میں باوجودیکہ سوال خلق جدید کا تھا مگر خدا نے اس کو قابل جواب نہیں سمجھا کیونکہ خود سوال ہی باطل تھا کہ خلق جدید خلق سابق کے اعمال کی جزا و سزا کی مستحق نہیں ہو سکتی ایک جگہ تو یہ فرمایا کہ تم کو وہی حشر میں لاویگا جس نے تم کو اول مرتبہ پیدا کیا تھا اور لانے کی کچھ تفصیل نہیں بتلائی۔ اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اُن کی یہ باتیں اس بنا پر ہیں کہ اپنے پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں اور یہ جواب دیا کہ جب مروگے تو اپنے پروردگار کے پاس جاؤگے۔ غرضکہ ان آیتوں سے بھی اس جسم کو جو دنیا میں ہے دوبارہ پیدا ہو کر اُٹھنا ثابت نہیں ہوتا +

دو آیتیں اور ہیں جن کا ہم اس مقام پر ذکر کرینگے ایک آیت سورہ یٰسین کی ہے۔ خدا نے فرمایا کہ ہمارے لیے یہ مثال تو لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کون زندہ کریگا ہڈیوں کو اور وہ تو گل گئی ہونگی اور اپنے پیدا ہونے کو بھول جاتے ہیں کہدے کہ اُن کو زندہ کریگا وہ جس نے تم کو پیدا کیا پہلی دفعہ اور وہ ہر قسم کی آفرینش کو جانتا ہے +

وضرب لنا مثلا ونسی خلقہ قال من یحیی العظام وہی رمیم قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ وہو بکل خلق علیم۔
(۳۶ - سورۃ یٰسین ۷۸ و ۷۹)

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۴﴾	اور مت فساد کرو زمین میں اُس کی اصلاح ہونے کے بعد اور پکارو اُس کو ڈر کر اور امید رکھ کر۔ بیشک رحمت اللہ کی قریب ہے نیک کام کرنے والوں کے ﴿۵۴﴾

اور سورۂ قیامہ میں فرمایا ہے کہ۔ کیا گمان کرتا ہے کہ ہم ہڈیوں کو اکٹھا نہ کرینگے۔ یہ بات نہیں ایحسب الانسان الن نجمع عظامہ۔ بلی قادرین علی ان نسوی بنانہ (۷۵ سورۂ قیامہ ۳ و ۴) ہے بلکہ ہم اس پر قادر ہیں کہ انگلیوں کی پوریوں کو بھی درست کردیں +

اور سورۂ جاثیہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ۔ کہدے کہ اللہ تم کو جلاتا ہے پھر تم کو مار ڈالیگا قل اللہ یحییکم ثم یمیتکم ثم یجمعکم الی یوم القیامۃ پھر تم کو قیامت کے دن اکٹھا کریگا +

(۴۵ جاثیہ ۲۵)

ان تین آیتوں میں سے پہلی دو آیتیں ایسی ہیں جن پر متکلمین نفس ناطقہ استدلال کر سکتے ہیں جیسا کہ شرح مواقف میں مذہب اول بیان کیا گیا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ جب انہی گلی ہوئی ہڈیوں کے زندہ کرنے کا بیان ہوا ہے اور انگلیوں کے پوروں تک کا بنا دینا بتایا ہے تو اس سے اسی جسم کا جو دنیا میں ہے دوبارہ پتلا بنکر اُٹھنا پایا جاتا ہے +

مگر یہ خیال دو طرح پر غلط ہے ایک اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کسی سوال کے جواب میں صرف اظہار قدرت سے اس بات کا ثبوت کہ یہی جسم جو دنیا میں ہے دوبارہ پتلا بنا کر اٹھایا جاویگا لازم نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ اسی کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ھو بکل خلق علیم یعنی وہ ہر قسم کے پیدا کرنے کو جانتا ہے کہ گلی ہوئی ہڈیوں کی زندگی کیا چیز ہے اور وہ کیونکر ہوتی ہے۔ پھر اس سے یہ سمجھنا کہ وہ گلی ہوئی ہڈیاں دوبارہ ایسی ہی ہو جاوینگی جیسے کہ اب اس زندگی میں ہیں ایک صریح غلطی ہے۔ ایک آیت کے معنی دوسری آیت سے حل ہوتے ہیں سورۂ جاثیہ میں صاف لفظوں میں خدا نے فرمایا ہے کہ اللہ تم کو جلاتا ہے پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو قیامت کے دن اکٹھا کریگا پس یہ آیت نہایت صاف ہے اور اسی آیت کے سیاق سے تمام آیتوں کے معنی حل ہوتے ہیں +

یہ مسئلے جو ہم نے اس مقام پر بیان کئے معاد کے متعلق مسائل میں سے تھے اور جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اُن تمام آیتوں کو جو اُن سے علاقہ رکھتی تھیں ایک جگہ جمع کر دیا اور بقدر اپنی طاقت کے اُن کو حل بھی کیا اور اُس کی تائید میں علماء محققین کے اقوال بھی نقل کئے اب معاد کے متعلق کیفیت حساب و کتاب عذاب و ثواب کا بیان باقی ہے جس کو اگلے علماء نے اور خصوصاً امام غزالی اور شاہ ولی اللہ نے نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم بھی اُس کو آئندہ موقع بموقع بیان کرینگے

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور وہ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دیتی ہوئیں اُسکی رحمت کے آگے یہاں تک کہ جب وہ اُٹھا لاتی ہیں بھاری بادل کو تو ہم اُس کو لیجاتے ہیں مری ہوئی زمین کی طرف پھر اُتارتے ہیں ہم اُس سے پانی پھر اگاتے ہیں ہم اُس سے ہر ایک طرح کے میوے ۔ اسی طرح ہم نکالینگے مُردوں کو شاید کہ تم نصیحت پکڑو ﴿۵۵﴾

انشاءاللہ تعالےٰ +

﴿۵۲﴾ (ستۃ ایام) توریت میں ہے کہ خدا نے نور و ظلمت کو ایک دن میں ۔ آسمانوں کو ایک دن میں ۔ کواکب اور شمس و قمر کو ایک دن میں ۔ زمین و دریا و اشجار کو ایک دن میں ۔ حیوانات آبی و ہوائی کو ایک دن میں ۔ حیوانات زمین پر رہنے والے اور انسان کو ایک دن میں پیدا کیا ۔ یہ سب ملکر چھ دن ہوئے +

قرآن مجید میں بھی تمام چیزوں کا چھ دن میں پیدا کرنا بیان کیا ہے ۔ سورۂ فصلت میں اُس کی تفصیل بھی ہے ۔ اُس سورۃ میں ۔ نور و ظلمت کا جس کا زیادہ تر اثر زمین پر محسوس ہوتا ہے اور زمین و اشجار و حیوانات ہوائی و آبی و ارضی کا پیدا ہونا چار دن میں ۔ اور آسمانوں اور کواکب کا دو دن میں بیان ہوا ہے غرضکہ جس طرح پر یہودیوں کا اعتقاد تھا اُسی کا بطور حکایت اُن کے اعتقاد کے قرآن مجید میں ذکر آیا ہے +

ساتواں دن یہودیوں کے ہاں خدا کے آرام کرنے کا تھا جس سے یہ پایا جاتا تھا کہ گویا چھ دن تک کام کرنے سے خدا تھک گیا تھا یہ خیال خدا کی عظمت اور شان کے موافق درست نہ تھا اس لئے اُس کی تردید کردی کہ " بیشک ہم نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن دونوں میں ہے چھ دن میں اور ہم کو ذرا بھی ماندگی نے نہیں چھوا " ولقد خلقنا السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب (سورۂ ق آیت ۳۰) + اور اُس کی بجائے فرمایا " ثم استوی علی العرش " اُن کے پیدا کرنے کے بعد اُن کے اوپر حکومت و سلطنت کی ۔ نہ یہ کہ تھک کر ساتویں دن آرام کیا +

توریت میں جو چھ دن میں دنیا کا پیدا کرنا بیان ہوا ہے اُس پر سخت اعتراضات کئے گئے ہیں اور علمی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ چھ دن میں دنیا پیدا نہیں ہوئی بلکہ بہت زیادہ عرصہ میں پیدا ہوئی ہے وہ دلیلیں ایسی مستحکم تھیں کہ ٹل نہیں سکتی تھیں اس لئے عیسائی علما نے کبھی تو کہا کہ ہر ایک دن کی مقدار ہزار ہزار برس کی تھی ۔ مگر یہ زمانہ بھی دنیا کے پیدا ہونے کے لئے کافی نہ تھا اس لئے آخرکار اُنہوں نے دن کے معنی ایک زمانہ کے لئے ہیں جس کی مقدار مقرر نہیں کی +

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ (۵۶) ۶	اور زمین جو اچھی ہے اُس کی کھیتی اُگتی ہے اُس کے پروردگار کے حکم سے اور جو بُری ہے اُس کی نہیں اُگتی مگر تھوڑی سی۔ اس طرح ہم اپنی نشانیوں کو پھیر کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو شکر کرتے ہیں (۵۶)

جو مسلمان عالم یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے قرآن مجید میں دنیا کا پیدا ہونا چھ دن کے عرصہ میں بطور اخبار کے بیان کیا ہے اُن کو بھی وہی مشکلیں پیش آتی ہیں جو عیسائی علما کو پیش آئی ہیں چنانچہ بعض عالموں نے باستدلال آیت سورہ سجدہ کے خیال کیا ہے کہ یہ ایک دن دنیا کے ہزار برس کے برابر تھا۔ بعض عالموں نے دن سے ایک حالت اور ایک زمانہ مراد لیا ہے اور یہ رائے عیسائی علما کی اُس رائے کے مشابہ ہے جس میں اُنہوں نے دن سے ایک زمانہ مراد لیا ہے اور اُس کی مقدار معین نہیں کی چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ چھ دن سے اشارہ ہے دیکھنے والوں کی نگاہ میں چھ حالتوں کی طرف اور یہ اس طرح پر ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ اُن میں ہے تین چیزیں ہوئیں اور اُن میں سے ہر ایک کے لئے ذات ہے اور صفت ہے پس آسمان کی بلحاظ اُس کی ذات کے پیدا کرنے کے ایک حالت ہے اور بلحاظ اُن کی صفات کے پیدا کرنے کے دوسری حالت ہے اور یہی حال ہے زمین کی ذات اور اُس کی صفات کے پیدا کرنے کے لحاظ سے اور اسی طرح اُن دونوں کے بیچ میں جو کچھ ہے اُن کی ذات و صفات کے پیدا کرنے کے لحاظ سے ہے پس یہ چھ چیزیں چھ حالتوں میں۔ مگر چھ حالتوں کی بجائے چھ دن کا ذکر کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جب انسان خلق کو دیکھتا ہے تو ایک فعل سمجھتا ہے اور فعل زمانہ میں واقع ہوتا ہے اور دن اُن لفظوں میں ہیں جن سے زمانہ تعبیر کیا جاتا ہے سب سے زیادہ مشہور ہے ورنہ آسمانوں کے پیدا ہونے کے پہلے نہ رات تھی نہ دن تھا۔ اور یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی دوسرے سے کہے کہ جس دن میں پیدا ہوا ہوں وہ مبارک دن تھا حالانکہ ممکن ہے کہ رات کو پیدا ہوا ہو مگر ایسا ہونا اُس کے مطلب سے خارج نہیں ہے کیونکہ اُس کی مراد دن کہنے سے وہ زمانہ ہے جس میں وہ پیدا ہوا ہو +

في ستة ايام اشارة الى ستة احوال في نظر الناظرين وذلك لان السموات والارض وما بينهما ثلاثة اشياء ولكل واحد منها ذات وصفة فنظر الى خلقه ذات السموات حالة ونظر الى خلقه صفاتها اخرى ونظر الى ذات الارض والى صفاتها كذلك ونظر الى ذات ما بينهما والى صفاتها كذلك فهي ستة اشياء في ستة احوال وانما ذكر الايام لان الانسان اذا نظر الى الخلق راه فعلا والفعل ظرفه الزمان والايام اشهر الازمنة والا فقبل السموات لم يكن ليل ولا نهار وهذا مثل ما يقول القائل لغيره ان يوما ولدت فيه كان يوما مباركا وقد يجوز ان يكون ذلك ضحى او ليلا ولا يخرج عن مراده لان المراد هو الزمان الذي هو ظرف ولادته

(تفسیر کبیر تفسیر سورہ ...)

ہمارے نزدیک امر محقق یہ ہے کہ جہاں جہاں قرآن مجید میں چھ دن کے عرصہ میں دنیا کا پیدا

بیشک ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کے پاس	لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ

ہونا بیان ہے وہ نہ اخبار ہے اور نہ کلام مقصود بلکہ مخاطبین کے اعتقاد کو بطور نقل تسلیم کر کے اُس پر دلیل قائم کی ہے یعنی خدا تعالےٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں اور ممکن ہے کہ مشرکین کو بھی مخاطب کر کے یہ فرمایا ہے کہ جس کی نسبت تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ اُس نے چھ دن میں دنیا پیدا کی ہے وہی خدا ہے واحد ذوالجلال ہے مخاطبین کے مسلّم امر سے خدا کے ہونے پر اور اُس کی عظمت اور استحقاق عبادت پر استدلال کیا ہے نہ یہ کہ خدا تعالےٰ نے بتایا ہے کہ اُس نے چھ دن میں دنیا کو پیدا کیا ہے یہی رائے بعضے اگلے عالموں کی بھی ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ایک سوال کرنے والا یہ پوچھ سکتا ہے کہ ان چیزوں کا چھ دن میں

لسائل ان یسئل فیقول کون ھذہ الاشیاء مخلوقۃ فی ستۃ ایام لا یمکن جعلہ دلیلا علی اثبات الصانع وبیانہ من وجوہ الاول ان وجہ دلالۃ ھذہ المحدثات علی وجود الصانع ھو حدوثہا او امکانہا او مجموعہما فاما وقوع ذلک الحدوث فی ستۃ ایام او فی یوم واحد فلا اثر لہ فی ذلک البتۃ + + + فالجواب انہ سبحانہ ذکر فی اول التوراۃ انہ خلق السموات والارض فی ستۃ ایام والعرب کانوا یخالطون الیہود والظاہر انہم سمعوا ذلک منہم فکانہ سبحانہ یقول لا تشتغلوا بعبادۃ الاوثان والاصنام فان ربکم ھو الذی سمعتم من عقلاء الناس انہ ھو الذی خلق السموات والارض علی غایۃ عظمتہا ونہایۃ جلالتہا فی ستۃ ایام۔ (تفسیر کبیر) +

پیدا ہونا ممکن نہیں ہے کہ اُس کو صانع کے وجود کے اثبات پر دلیل کیا جاوے۔ اس کا بیان کئی طرح پر ہے۔ اول یہ کہ ان محدثات یعنی پیدا ہونی ہوئی چیزوں سے وجود صانع پر دلیل ہونے کی وجہ یا یہ ہے کہ وہ پیدا شدہ ہیں یا یہ ہے کہ ممکنات سے ہیں یا دونوں باتیں اس کی دلیل ہیں لیکن اس بات کا کہ وہ چھ دن میں پیدا ہوئی ہیں یا ایک دن میں اُس سے بالشبہ دلیل پر کچھ اثر نہیں ہے + + + پھر مصنف تفسیر کبیر اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے توراۃ کے شروع میں کہا ہے کہ اُس نے چھ دن میں آسمان و زمین پیدا کیے ہیں اور اہل عرب یہودیوں کے ساتھ مخلوط ہو گئے تھے اور ظاہر ہے کہ اُنہوں نے یہودیوں سے یہ بات سُنی تھی۔ پس گویا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم بتوں کی پرستش پر مشغول مت ہو کیونکہ تمہارا پروردگار وہ ہی ہے کہ جس کی نسبت تم نے عقلمند لوگوں سے سُنا ہے کہ بیشک وہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بے انتہا عظمت اور بہت بڑی منزلت پر چھ دن میں پیدا کیا ہے +

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ستۃ ایام کا لفظ صرف نقلاً مخاطبین کے اعتقاد یا اذعان کے مطابق آیا ہے نہ بطور بیان حقیقت پس لفظ ستۃ ایام کا کلام مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ بطور نقل و بحیثیت اعتقاد مخاطبین آیا ہے۔ اگر اس بات پر ہمیشہ خیال رکھا جاوے کہ انبیا علیہم السلام کا کام نہ حقائق اشیا سے بحث کرنے کا ہے اور نہ تمام اُن چیزوں پر رد و قدح کرنے کا ہے جو فی الواقع حقیقت اشیا کے برخلاف ہیں بلکہ اُن کا کام صرف یہ ہے کہ جو چیزیں خدا کی وحدانیت اور قدرت و عظمت کی

۱؎ ستۃ ایام کی بحث بالتفصیل تہذیب الاخلاق میں سید مرحوم نے کی ہے۔ محمد [illegible]

پھر اُس نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی خدا سوائے اس کے ۔ بیشک تم پر خوف کرتا ہوں بُرے دن کے عذاب کا (۵۹)	فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (۵۹)

برخلاف لوگوں کے دلوں میں ہوں اُن کو نیست و نابود کریں پس خلق سموات و الارض کی نسبت جو کچھ کہ مخاطبین کا اعتقاد برخلاف شان خدا تعالیٰ تھا وہ صرف تھک کر ساتویں دن اُس کا آرام لینا تھا اُسے مٹانا ایک پیغمبر کو بلحاظ اپنے منصب پیغمبری کے ضرور تھا چنانچہ اُس کو الفاظ " وما مسنا من لغوب " سے مٹا دیا اور باقی امور سے کچھ تعرض نہیں کیا پس کوئی ذی عقل انسان جس کو قرآن مجید کے طرز بیان سے ذرا بھی مس ہے یہ نہیں کہ سکتا کہ لفظ ستۃ ایام کا قرآن مجید میں بطور بیان حقیقت کے واقع ہے +

(استویٰ علی العرش) عرش کے معنی لغت میں تخت رب العالمین کے ۔ اور تخت بادشاہ کے ۔ اور عزت کے ۔ اور جس سے کہ کوئی امر قایم ہو ۔ اور گھر کی چھت کے ۔ اور سردار قوم کے ۔ اور اُس چیز کے جس پر جنازہ اُٹھایا جاتا ہے لکھے ہیں +

تمام مفسرین عرش سے تخت رب العالمین مراد لیتے ہیں اور اُس کو موجود فی الخارج سمجھتے ہیں ۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ آسمانوں کے اوپر ایک جسم عظیم ہے اور وہ تخت رب العالمین ہے +

قرآن مجید میں جہاں عرش کا لفظ آیا ہے وہ دو قسم کی آیتیں ہیں ایک وہ جن میں صرف عرش کا ذکر ہے اور دوسری وہ کہ جن میں استویٰ علی العرش کا ذکر ہے اول ہم ان دونوں قسم کی آیتوں کو اس مقام پر لکھتے ہیں +

آیات قسم اول جن میں صرف عرش کا ذکر ہے

لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم ۔ ۹ توبہ ۱۳۰ +

قل لو کان معہ اٰلھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا ۔ ۱۷ اسریٰ ۔ ۴۴ +

فسبحان اللہ رب العرش عما یصفون ۔ ۲۱ الانبیاء ۲۲ +

قل من رب السموات السبع و رب العرش العظیم ۔ ۲۳ مومنون ۸۸ +

فتعالی اللہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم ۔ ۲۳ مومنون ۱۱۷ +

اللہ لا الٰہ الا ھو رب العرش العظیم ۔ ۲۷ النمل ۔ ۲۶ +

وتری الملائکۃ حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم وقضی بینھم بالحق وقیل الحمد للہ رب العالمین ۔ ۳۹ ۔ زمر ۔ ۷۵ +

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾	اُس کی قوم کے سرداروں میں کہا کہ ہم تجھ کو دیکھتے ہیں کھلی ہوئی گمراہی میں ﴿۶۰﴾

رفیع الدرجات ذو العرش۔ ۴۰ مومن ۱۵ +

سبحان رب السموت والارض رب العرش عما یصفون۔ ۴۳ زخرف۔ ۸۲ +

عند ذی العرش مکین۔ ۸۱ تکویر ۲۰ +

ذو العرش المجید فعال لما یرید ۸۵ بروج ۱۵ +

والملک علی ارجائہا ویحمل عرش ربک فوقہم یومئذ ثمانیہ۔ ۶۹ الحاقہ ۱۷ +

الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربہم ویؤمنون بہ ویستغفرون للذین آمنوا

۴۰۔ مومن ۷ +

وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء لیبلوکم ایکم

احسن عملا۔ ۱۱ ھود ۹ +

آیات قسم ثانی جن میں استوٰے علی العرش کا ذکر ہے

ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش۔

۷ الاعراف ۲۵ وسورۃ ۱۰ یونس ۳ +

الذی خلق السموت والارض وما بینہما فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش الرحمن

فاسئل بہ خبیرا۔ ۲۵ فرقان ۶۰ +

اللہ الذی خلق السموت والارض وما بینہما فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش ما لکم

من دونہ من ولی ولا شفیع۔ فلا تتذکرون یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان

مقدارہ الف سنۃ مما تعدون۔ ۳۲ السجدہ ۳ ۔ ۴ +

ھو الذی خلق السموت والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش۔ ۵۷۔ حدید ۴ +

اللہ الذی رفع السموت والارض بغیر عمد ترونہا ثم استوٰی علی العرش۔ ۱۳ رعد ۲ +

الرحمن علی العرش استوٰی۔ ۲۰ طہ ۴ +

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوٰی الی السماء فسوٰھن سبع سموات وھو بکل شیٔ

علیم۔ ۲ بقرہ ۲۸ +

قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون لہ اندادا ذلک رب العلمین

وجعل فیہا رواسی من فوقہا وبارک فیہا وقدر فیہا اقواتہا فی اربعۃ ایام سواء للسائلین

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۹﴾	(نوح نے) کہا اے میری قوم مجھ کو گمراہی نہیں ہے ولیکن میں تمام عالموں کے پروردگار کی طرف سے پیغمبر ہوں ﴿۵۹﴾

ثم استویٰ الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعًا او کرھًا قالتا اتینا طائعین فقضاھن سبع سموات فی یومین واوحیٰ فی کل سماء امرھا وزینا السماء الدنیا بمصابیح وحفظا ذلک تقدیر العزیز العلیم ۔ ۴۱ فصلت ۔ ۹ لغایت ۱۱ ۔

باوجود اس کے کہ تمام مسلمان عرش رب العالمین کو ایک جسم عظیم موجود فی الخارج فوق السموات مانتے ہیں مگر لفظ استوے سے تخت پر بیٹھنا مراد نہیں لیتے ۔ بلکہ وہ یقین کرتے ہیں کہ کبھی خدا اُس تخت پر بیٹھا اور نہ کبھی بیٹھیگا اور نہ تخت پر اُس کا بیٹھنا ممکن ہے ۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے " فاعلم انہ لا یمکن ان یکون المراد منہ کونہ مستقرا علی العرش " کیونکہ اگر خدا تخت پر بیٹھے یا بیٹھا ہوا ہو تو وہ متناہی ہوجاویگا اور جب متناہی ہوگا تو حادث ہوجاویگا ۔ اور حیز معین اور جہت خاص میں محدود ہوگا اور حیز اور مکان کی اُس کو احتیاج ہوگی ۔ پھر وہ مقدار میں عرش سے بڑا ہوگا یا عرش اس سے بڑا ہوگا یا دونوں برابر ہونگے ہر طرح سے خدا پر شکل لازم آتی ہے ۔ بڑی مشکل یہ پڑتی ہے کہ زمین یا دنیا تو کروی ہے اور جب خدا ایک تخت پر بیٹھا تو ایک طرف کی دنیا کے لوگوں سے تو وہ اوپر ہوگا اور دوسری طرف کی دنیا کے لوگوں سے نیچے تو جب اوپر ہونا اُس کا متحقق نہ رہیگا ۔ اسی قسم کی سولہ دلیلیں خدا کے تخت پر بیٹھنے کے امتناع میں تفسیر کبیر میں مندرج ہیں ۔ غرضکہ تمام اہل سنت وجماعت بلکہ تمام فرق اسلامیہ سوائے بعض کے خدا تعالےٰ کے جلوس کو ممتنع بیان کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عرش جب سے بنا ہے خالی پڑا ہے اور ہمیشہ خالی پڑا رہیگا ۔ مگر کسی نے یہ نہ بتلایا کہ پھر وہ بنایا کیوں ہے اور کس لئے ۔

جب ہمارے علما اس مشکل میں پڑے تو انہوں نے استویٰ اور عرش دونوں کے معنی بدلے اور کہا کہ ان آیتوں میں جن میں استویٰ علی العرش کا ذکر ہے وہ جو ہزار اچکلا جسم عظیم جس کو تخت رب العالمین موجود فی الخارج فوق السموات قرار دیا ہے مراد نہیں ہے بلکہ عرش سے بادشاہت اور مملکت اور استوے سے استیلا یعنی غلبۂ قدرت مراد ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ " قفال نے کہا ہے

قفال (ای القفال رحمۃ اللہ علیہ) العرش فی کلامھم ھو السریر الذی یجلس علیہ الملوک ثم جعل العرش کنایۃ عن نفس الملک یقال ثل عرشہ ای انتقض ملکہ وفسد واذا استقام لہ ملکہ واطرد امرہ وحکمہ قالوا استویٰ علی عرشہ واستقر علی سریر ملکہ ھذا ما قالہ القفال و

کہ عرش کلام عرب میں وہ تخت ہے جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے پھر عرش سے مُلک اور سلطنت مجازی ہے کہا جاتا ہے " ثل عرشہ " جب کہ سلطنت میں خرابی آجاوے اور جب کہ سلطنت درست ہو اور کام اچھا چلتا ہو اور حکم نافذ ہو تو کہتے ہیں کہ

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۹۰)

میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (۹۰)

اقول ان الذی قاله حق وصدق وصواب نظیره قولهم للرجل الطویل فلان طویل النجاد وللرجل الذی یکثر الضیافة کثیر الرماد وللرجل الشیخ فلان اشتعل راسه شیبا ولیس المراد فی شیء من هذه الالفاظ اجراؤها علی ظواهرها انما المراد منها تعریف المقصود علی سبیل الکنایة فکذا ههنا یذکر الاستواء علی العرش والمراد نفاذ القدرة وجریان المشیئة ثم قال القفال رحمه الله تعالیٰ والله تعالیٰ لما دل علی ذاته وعلی صفاته وکیفیة تدبیره العالم علی الوجه الذی الفوه من ملوکهم ورؤسائهم استقر فی قلوبهم عظمة الله وکمال جلاله الا ان کل ذلک مشروط بنفی التشبیه فاذا قال انه عالم فهموا منه انه لا یخفی علیه تعالیٰ شیء ثم علموا بعقولهم انه لم یحصل ذلک العلم بفکرة ولا رویة ولا باستعمال حاسة واذا قال قادر علموا منه انه متمکن من ایجاد الکائنات وتکوین الممکنات ثم علموا بعقولهم انه غنی فی ذلک الایجاد والتکوین عن الآلات والادوات وسبق المادة والمدة والفکرة والرویة وهکذا القول فی کل صفاته واذا اخبر انه له بیتا یجب علی عباده حجه فهموا منه انه نصب لهم موضعا یقصدونه لمسألة ربهم وطلب حوائجهم کما یقصدون بیوت الملوک والرؤساء لهذا المطلوب ثم علموا بعقولهم نفی التشبیه وانه لم یجعل ذلک البیت مسکنا لنفسه ولم ینتفع به فی دفع الحر والبرد عن نفسه فاذا امرهم بتحمیده وتمجیده فهموا منه انه امرهم بنهایة تعظیمه ثم علموا بعقولهم انه لا یفرح بذلک التحمید والتعظیم ولا یغتم بترکه والاعراض عنه اذا عرفت هذه المقدمة فنقول انه خلق السموات والارض کما اراد وشاء من غیر منازع ولا مدافع ثم اخبر انه استوی علی العرش ای حصل له تدبیر المخلوقات علی ما شاء واراد فکان قوله ثم استوی علی العرش ای بعد ان خلقها استوی علی عرش الملک والجلال ثم قال القفال والدلیل علی ان هذا

(استوی علی عرشه واستقر علی سریر ملکه) یعنی اچھی طرح اپنی سلطنت پر قائم ہے اور اپنے سریر مملکت پر متمکن ہے یہ وہ ہے جو قفال نے کہا ہے اور صاحب تفسیر کبیر کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ حق اور سچ اور صواب ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ طویل قامت کے لئے عرب کا یہ قول ہے (طویل النجاد) یعنی پرتلے والا اور بہت زیادہ ضیافت کرنے والے کے لئے (کثیر الرماد) بہت خاکستر والا اور بوڑھے آدمی کے لئے یہ کہنا کہ اس کا سر بڑھاپے سے روشن ہوگیا (اشتعل راسه شیبا) ان سب الفاظ سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنے ظاہری معنی میں جاری ہیں بلکہ ان سے یہی مراد ہے کہ اصل مقصود کو بطور کنایہ کے سمجھا دیا جاوے ایسا ہی اس موقع پر کہا جاتا ہے (استوی علی العرش) اور مراد ہے اس کی قدرت کا نافذ ہونا اور اس کی خواہش کا جاری ہونا۔ قفال نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے جب کہ سمجھایا اپنی ذات اور اپنی صفات اور اپنی کیفیت تدبیر عالم کو اس طرح پر جس طرح کہ انہوں نے اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو پایا تھا تو اللہ تعالیٰ کی عظمت ان کے دلوں میں اسی طرح پر قایم ہوئی مگر ان سب میں یہ شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تشبیہ نہ دے جب اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ عالم ہے تو اس سے یہ سمجھے کہ اس سے کچھ مخفی نہیں ہے پھر اپنی سمجھ سے یہ جانا کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کو فکر اور غور سے نہیں حاصل ہوا اور نہ حواس کے استعمال سے اور جب فرمایا کہ وہ قادر ہے تو جانا کہ وہ پیدا کرنے عالم پر اور ممکنات

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

کیا تم اس میں تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار سے نصیحت آئی تمہارے ہی میں سے ایک آدمی پر تاکہ وہ تم کو ڈرا دے اور تاکہ تم پرہیز گاری کرو اور تاکہ تم پر رحم کیا جاوے ﴿۶۱﴾

ھو المراد من قولہ فی سورۃ یونس ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر فقولہ یدبر الامر جری مجری التفسیر لقولہ استوی علی العرش وقال فی ھذہ الآیۃ التی نحن فی تفسیرھا ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النہار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الا لہ الخلق والامر وھذا یدل علی ان قولہ ثم استوی علی العرش اشارۃ الی ما ذکرنا فان قیل اذا حملتم قولہ ثم استوی علی العرش علی ان المراد استوی علی الملک وجب ان یقال انہ لم یکن مستویا قبل خلق السموات والارض قلنا انہ تعالیٰ کان قبل خلق العالم قادرا علی تخلیقہا وتکوینہا اما ما کان مکونا ولا موجدا الاشیاء بأعیانہا لان احیاء زید واماتۃ عمرو واطعام ھذا وارواء ذلک لا یحصل الا عند ھذہ الاحوال فاذا فسرنا العرش بالملک والملک بہذہ الاحوال صح ان یقال انہ تعالیٰ انما استوی علی ملکہ بعد خلق السموات والارض وھذا جواب حق صحیح فی ھذا الموضع ❊

(تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۰)

کے پیدا کرنے پر قادر ہے پھر اسی سمجھ سے یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس ایجاد اور پیدا کرنے میں اوزاروں وغیرہ کا محتاج نہیں ہے اور اس کا بھی محتاج نہیں ہے کہ کچھ مادہ ہو لے اور پھر اس میں کچھ مدت غور کر کے کام کرے اور ایسا ہی قول ہے سب صفات اللہ تعالیٰ میں جب کہ اس نے خبر دی کہ اس کا ایک گھر ہے اس کا حج ان پر واجب ہے اس سے انھوں نے سمجھا کہ اس نے ایک جگہ کو مقرر کر دیا ہے خدا تعالیٰ سے سوال کرنے کے لئے اور اس سے اپنی حاجتیں طلب کرنے کے لئے تاکہ اس کا قصد کریں جیسے کہ بادشاہوں اور سرداروں کے گھروں کا اس غرض سے قصد کرتے ہیں پھر اپنی عقل سے سمجھا کہ وہ تشبیہ سے پاک ہے اور اس نے یہ گھر اپنے رہنے کے لئے نہیں بنایا ہے اور اس گھر سے اس کو یہ فائدہ نہیں ہے کہ وہ اپنے سے گرمی یا سردی کو دفع کرے پھر جب کہ ان کو حکم کیا کہ اس کی حمد کریں اور اس کی بزرگی مانیں تو اس سے سمجھے کہ اس نے نہایت درجہ کی تعظیم کا حکم دیا پھر سمجھے کہ خدا تعالیٰ اس تحمید اور تمجید سے نہ خوش ہوتا ہے اور نہ اس کے ترک کرنے سے رنجیدہ ہوتا ہے۔ جب کہ یہ مقدمات تو نے سمجھ لئے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو جس طرح چاہا پیدا کیا بغیر کسی جھگڑہ کرنے اور بیکار کرنے والے کے پھر اس نے خبر دی (انہ استوی علی العرش) یعنی وہ اپنی سلطنت پر قایم ہوا مراد یہ ہے کہ حاصل ہوئی اس کو تدبیر مخلوقات جس طرح کہ اس نے چاہا تھا اور ارادہ کیا تھا پس یہ قول کہ عرش پر قایم ہوا ایسا ہے کہ بعد پیدائش عالم کے اپنے عرش حکومت اور عظمت پر قایم ہوا پھر قفال نے کہا کہ اس بات کی دلیل کہ یہی معنی مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے قول کے جو سورہ یونس میں ہے کہ بیشک ہمارا پروردگار وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پھر قایم ہوا اپنے عرش پر

ترجمہ	آیت
پھر انہوں نے اُس کو جھٹلایا پھر بچا لیا ہم نے اُس کو اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو ڈبو دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔ بیشک وہ لوگ اندھے تھے (۶۲)	فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ (۶۲) ع

کہ تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے پس یہ قول کہ "یدبر الامر" بمنزلہ تفسیر کے ہے جو قول یا استویٰ علی العرش کے مطلب کو صاف کھولتا ہے اور اس آیت میں جس کی ہم تفسیر میں ہیں یوں فرمایا ہے ثم استویٰ علی العرش یغشی اللیل النہار یطلبہ حثیثا۔ پھر قایم ہوا عرش پر ڈھانپتا ہے رات سے دن کو کہ گویا کرتے تھے اُس کو دوڑ کر والشمس والقمر مسخرات بامرہ۔ الا لہ الخلق والامر اور چاند اور سورج فرمانبردار ہیں اُس کے حکم کے جان لو کہ اُسی کے لئے پیدا کرنا اور حکم کرنا یہ اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کا یہ کہنا کہ ثم استویٰ علی العرش اسی کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کیا اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ تم نے قول (استویٰ علی العرش) کو اس پر قیاس کیا کہ مراد ہے کہ اپنی حکومت پر قایم ہوا تو یہ لازم آیا کہ پہلے پیدایش آسمان اور زمین کے اس پر قایم نہ تھا تو ہم اس کا یہ جواب دینگے کہ قبل پیدایش عالم کے وہ اس کے پیدا کرنے اور تکوین پر قادر تھا لیکن نہیں تھا پیدا کرنے والا اور موجود وہ اشیاء معینہ کا اس لئے کہ زید کا زندہ کرنا اور عمرو کا مارنا اُس کو کھانا دینا اور اُس کو پانی دینا یہ نہیں حاصل ہوتا مگر ان احوال کے ساتھ پس جب کہ ہم نے عرش کی تفسیر ملک سے کی اور ملک خود یہی احوال ہیں تو صحیح ہے کہ یہ کہا جاوے کہ اپنے ملک پر قایم ہوا بعد پیدا کرنے آسمان اور زمین کے اور یہ جواب صحیح ہے اس موقع پر +

اب میں نہایت ادب سے اُن بزرگوں کی خدمت میں جنہوں نے اُن آیتوں میں عرش کے لفظ سے سلطنت اور مملکت مراد لی ہے عرض کرتا ہوں کہ جن آیتوں میں صرف لفظ "رب العرش" کا یا "رب العرش العظیم" کا یا "ذی العرش" کا یا "رب العرش الکریم" کا یا "ذو العرش المجید" کا آیا ہے وہاں بھی عرش کے معنی سلطنت و حکومت کے کیوں نہیں لئے جاتے۔ جو ایک چوڑے چکلے تخت موجود فی الخارج کے جس کا بنا تا بھی ظاہرا بیکار معلوم ہوتا ہے جس پر نہ کبھی خدا بیٹھا ہے نہ بیٹھیگا اور نہ بیٹھ سکتا ہے لئے جاتے ہیں +

ہماری اس تقریر کے برخلاف شاید یہ آیتیں پیش ہو سکتی ہیں اور بیان کیا جاسکتا ہے کہ اُن آیتوں میں ایسے مضامین ہیں جن کے سبب عرش کو مثل سریر پادشاہی موجود فی الخارج تسلیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے +

پہلی آیت سورہ زمر کی ہے جہاں قیامت کے حالات بیان فرمائے فرمایا ہے کہ "تو فرشتوں کو عرش کے گرد گھیرے ہوئے دیکھیگا پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں ساتھ تعریف کے اپنے رب کو +

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾	اور (بیشک ہم نے بھیجا) عاد کی قوم کے پاس اُنکے بھائی ہود کو (ہود نے) کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود سوائے اُس کے کیا تم نہیں ڈرتے ﴿۶۳﴾

دوسری آیت سورہ الحاقہ کی ہے جہاں خدا نے قیامت کے حال میں فرمایا ہے "اور اُٹھاوینگے تیرے پروردگار کے تخت کو اپنے اوپر آج کے دن آٹھ" +

تیسری آیت سورہ مومن کی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ "وہ جو اُٹھاتے ہیں عرش کو اور وہ جو اُس کے گرد ہیں پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں تعریف کے ساتھ اپنے پروردگار کو اور اُس پر ایمان لاتے ہیں اور معافی چاہتے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں" +

چوتھی آیت سورہ ہود کی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ "وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں اور اُس کا عرش تھا پانی پر" +

سورہ زمر کی آیتیں جن میں عظمت وجلال خدا کا بیان ہوا ہے وہ سب تمثیلی ہیں مفسرین بھی اُن کا تمثیلی ہونا قبول کرتے ہیں۔ مثلاً اُس میں فرمایا ہے "والارض جميعا قبضته يوم القيامة والسموات مطويات بيمينه" پس ظاہر ہے کہ خدا کی نہ مٹھی ہے اور نہ اُس کا داہنا ہاتھ، یہ ایک تمثیل یا استعارہ یا مجاز ہے جس سے مقصود خدا کی عظمت وقدرت کا ظاہر کرنا ہے نہ یہ کہ حقیقۃً خدا زمین کو مٹھی میں لے لیگا اور آسمانوں کو ہاتھ پر لپیٹ لیگا +

صاحب کشاف نے کہا ہے کہ غرض اس کلام سے جب کہ اس سب کو پوری طرح سمجھ لے جیسا کہ

قال صاحب الكشاف الغرض من هذا الكلام اذا اخذته كما هو بجملته ومجموعه تصوير عظمته والتوقيف على كنه جلاله من غير ذهاب بالقبضة ولا باليمين الى جهة حقيقة او جهة مجاز وكذلك حكم ما يروى ان جبريل عليه السلام جاء الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ابا القاسم ان الله يمسك السموات يوم القيامة على اصبع والارضين على اصبع والجبال على اصبع والشجر على اصبع والثرى على اصبع وساير الخلق على اصبع ثم يهزهن فيقول انا الملك فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم تعجبا مما قال ثم قرء تصديقا له وما قدروا الله

وہ سب ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تصویر ہے اور کنہ جلال الٰہی کے سمجھنے میں توقف کرنا ہے نہ کہ قبضہ اور داہنے ہاتھ کے حقیقی اور مجازی معنوں کی طرف جانا اور ایسا ہی ہے حکم اُس روایت کا کہ جبرئیل آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا اے ابوالقاسم اللہ تعالیٰ اٹھا لیگا آسمانوں کو قیامت کے دن ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر اور جو زمین کے نیچے ہے اُس کو ایک انگلی پر اور سب خلقت کو ایک انگلی پر پھر اُن کو ہلا دیگا پھر کہیگا کہ میں بادشاہ ہوں پس ہنسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعجب کر کے اُس کے قول پر پھر بطور تصدیق اس بات کے یہ آیت پڑھی وما قدروا الله حق قدره الآیہ۔ کہا صاحب کشاف نے کہ صرف اس وجہ سے کہ فصیح العرب

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾	اُس کی قوم کے سرداروں میں سے اُن لوگوں نے کہا جو کافر تھے کہ بیشک ہم دیکھتے ہیں تجھ کو بیوقوفی میں اور بیشک ہم گمان کرتے ہیں تجھ کو جھوٹوں میں سے ﴿۶۶﴾

حق قدره الآية ـ قال صاحب الكشاف وإنما ضحك أفصح العرب وتعجب لأنه لم يفهم منه إلا ما يفهمه علماء البيان من غير تصور إمساك ولا إصبع ولا هز ولا شيء من ذلك ولكن فهمه وقع أول شيء وآخره على الزبدة والخلاصة التي هي الدلالة على القدرة الباهرة وأن الأفعال العظام التي تتحير فيها الأفهام ولا تكتنهها الأوهام هينة عليه هوانا لا يوصل السامع إلى الوقوف عليه إلا إجراء العبارة في مثل هذه الطريقة من التخييل قال ولا ترى بابا في علم البيان أدق ولا أرق ولا ألطف من هذا الباب (تفسیر کشاف صفحہ ۱۲۶۶)۔

اور تعجب کیا کہ اُنہوں نے اس سے بجز اُس کے اور کچھ نہیں سمجھا جو کہ علمائے علم بیان سمجھتے ہیں بغیر خیال کرنے اُٹھانے اور اُنگلی اور حرکت کے معنوں کے اور نہیں سمجھا کچھ اس میں سے بلکہ سمجھا واقع ہونا اول ہر شے کا اور آخر ہر شے کا بطور خلاصہ اور انتخاب کے کہ وہ دلالت ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اور اس پر کہ وہ بڑے کام جن میں سب عقلا کی عقلیں حیران ہیں اور ذہن اُن کو نہیں سمجھ سکتے اللہ تعالیٰ پر آسان ہے نہایت آسان ۔ سُننے والا اُس سے واقف ہونے تک پہنچ نہیں سکتا بجز اس کے کہ کلام کو اسی طریقہ پر خیال میں لانے کو بلایا جاوے کہا صاحب کشاف نے کہ ہم علم بیان میں کوئی باب اس سے زیادہ دقیق اور لطیف نہیں پاتے ہیں ۔

علاوہ اس کے صاحب تفسیر کشاف نے ان لفظوں کی مراد اس طرح بیان کی ہے کہ

قيل قبضته ملكه بلا مدافع ولا منازع وبيمينه قدرته (کشاف جلد ۲ صفحہ ۱۲۰۰)۔

اللہ تعالیٰ کا قبضہ اُس کا ملک ہے جس میں کوئی تکرار کرنے والا اور جھگڑنے والا نہیں ہے اور داہنے ہاتھ سے مراد اُس کی قدرت ہے ۔

صاحب تفسیر کبیر مصنف کشاف کی اس تحریر سے کسی قدر خفا ہو گئے ہیں اور اعتراض فرماتے ہیں کہ

أقول إن حال هذا الرجل في إفراطه في تحسين طريقته وتقبيح طريقة القدماء عجيب جدا فإنه إن كان مذهبه أنه يجوز ترك الظاهر من اللفظ والمصير إلى المجاز من غير دليل فهذا طعن في القرآن وإخراج له عن أن يكون حجة في شيء وإن كان مذهبه أن الأصل في الكلام الحقيقة وأنه لا يجوز العدول عنه إلا لدليل منفصل فهذا هو الطريق الذي أطبق عليها جمهور المتقدمين

"میں کہتا ہوں کہ اس آدمی کا یہ حال کہ وہ متوجہ ہے اپنے طریقہ کی خوبی بیان کرنے پر اور پہلوں کے طریقہ کی بُرائی بیان کرنے پر نہایت ہی عجیب ہے اگر اس کا یہ مذہب ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کا چھوڑنا اور مجازی معنی کی طرف جانا بغیر کسی دلیل کے جائز ہے تو یہ تو قرآن میں طعن کرنا ہے اور قرآن کو دلیل کے درجہ سے خارج کرنا ہے کہ وہ کسی امر میں حجت نہیں ہو سکیگا اور اگر اس کا یہ مذہب ہے کہ کلام میں اصل یہ ہے کہ معنی حقیقی

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

ہود نے کہا کہ اے میری قوم میرے ساتھ بیوقوفی نہیں ہے ولیکن میں رسول ہوں پروردگار عالموں کی طرف سے ﴿۶۵﴾

فاین کلام الذی یزعم انہ علمہ واین العلم الذی لم یعرفہ غیرہ مع انہ وقع فی التاویلات العسیرۃ والکلمات الرکیکۃ فان قالوا المراد بہ لما دل الدلیل علی انہ لیس مراد من لفظ الیمین والیمین ھذہ الاعضاء وجب علینا ان نکتفی بھذا القدر ولا نشتغل بتعیین المراد بل نفوض علمہ الی اللہ تعالیٰ فنقول ھذا ھو طریق الموحدین الذین یقولون انا نعلم انہ لیس مراد اللہ من ھذہ الالفاظ ھذہ الاعضاء فاما تعیین المراد فانا نفوض ذلک العلم الی اللہ تعالیٰ وھذا ھو طریق السلف المعرضین عن التاویلات فثبت ان ھذہ التاویلات التی اتی بھا ھذا الرجل لیس تحتھا شیء من الفائدۃ (تفسیر کبیر)

مراد ہوں اور معنی حقیقی سے بغیر کسی جداگانہ دلیل کے پھرنا نہیں چاہیئے پس یہ ہی طریقہ ہے جس پر سب پہلے علما نے اتفاق کیا ہے پس کہاں ہے وہ علم جس کو وہ خاص اپنا علم بیان کرتا ہے اور کہاں ہے وہ علم جس کو دوسرا نہیں جانتا ہے باوصف اس کے یہ بھی خود بہت تنگ تاویلات میں پھنسا ہے اور وہ بہت رکیک کلمات کہے ہیں اگر یوں کہیں کہ مراد یہ کہ جب دلیل سے ثابت ہو گیا کہ لفظ قبضہ و یمین سے یہ سب اعضا مراد نہیں ہیں تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اسی پر اکتفا کریں اور جو کچھ مراد ہے اس کے معین کرنے میں نہ مشغول ہوں بلکہ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں پس ہم کہتے ہیں کہ یہی ہے طریقہ موحدین کا جو یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے مراد اللہ تعالیٰ کی ان الفاظ سے یہ اعضا خاص لیکن اللہ کی مراد کو معین کرنا پس ہم اس کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں یہی ہے طریقہ علمائے سلف کا جو تاویلات سے الگ رہے ہیں

پس ثابت ہوا کہ تاویلات جن کو یہ شخص لایا ہے ان میں کچھ فائدہ نہیں ہے +

صاحب تفسیر کبیر کا اس قدر نا راستی ہونا بے فائدہ ہے کیونکہ ہر شخص جو ظاہر لفظ کو چھوڑ کر مجاز کی طرف لیجاتا ہے اس کے نزدیک دلیل قاطع اس بات کی ہوتی ہے کہ اس مقام پر اس لفظ سے حقیقت مراد نہیں ہے باقی رہی یہ بات کہ اتنے ہی پر اکتفا کیا جاوے اور اس کی تاویل و مراد کو خدا کے علم پر چھوڑ دیا جاوے ایک ایسی بے معنی بات ہے جس سے قرآن مجید کی صد ہا آیات کا نازل ہونا لغو اور بیکار ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہا اور صرف لغو و بیکار ہی نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنا نعوذ باللہ قرآن مجید کو مضحکہ بنانا ہے۔ ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں ید اللہ ۔ وجہ اللہ ۔ قبضتہ ۔ یمینہ اور کہتے ہیں کہ ان لفظوں سے ۔ خدا کا ہاتھ ۔ خدا کا منہ ۔ خدا کی مٹھی ۔ خدا کا داہنا ہاتھ مراد نہیں ہے ۔ جب پوچھتے ہیں کہ اور کیا مراد ہے تو کہا جاتا ہے کہ خدا ہی کو معلوم ہے ۔ ارے میاں اگر یہی مقصود تھا کہ خدا ہی کو معلوم رہے تو ان الفاظ کا نازل کرنا اور بندوں کو پڑھوانا ہی کیا ضرور تھا +

اصل منشا اس غلطی کا یہ ہے کہ قرآن مجید جو بلاشبہ کلام الٰہی ہے ۔ مگر بعضے وقت لوگوں کو یہ خیال نہیں رہتا کہ وہ انسانوں کی زبان میں بولا گیا ہے ۔ پس اگر وہ درحقیقت انسانوں کی زبان میں

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (۶۸)	پہنچاتا ہوں تم کو پیام اپنے پروردگار کے اور بیشک میں تمہارے لئے خیرخواہ ہوں امانت دار (۶۸)

بولا گیا ہے اور درحقیقت ایسا ہی ہے تو جس طرح ایسے موقع پر انسان کے کلام کے معنی و مراد قرار دئے جاتے ہیں اُسی طرح قرآن مجید کے الفاظ کے بھی معنی و مراد قرار دئے جاوینگے ۔ اس طرح معنی قرار دینے کو تاویل کہنا ہی غلطی ہے کیونکہ درحقیقت اُس میں کچھ تاویل نہیں ہے بلکہ ہم کو یقین ہے کہ قائل نے اسی مراد سے وہ الفاظ استعمال کئے ہیں ✦

اب میں کہتا ہوں کہ سورہ زمر میں صرف یہی دو لفظ نہیں ہیں جو مجازاً استعمال کئے گئے ہیں بلکہ اور بھی بہت سے ہیں مثلاً نفخ صور کہ وہ صرف استعارہ ہے وقت معین کے آجانے سے ۔ "مقالید السموات والارض" کا استعمال مجازاً ہوا ہے اخیر سورہ کا تمام مضمون بطور خطابیات کے زبان حال اہل دوزخ و اہل بہشت سے بیان کیا گیا ہے جیسے کہ سورہ فصلت میں زمین و آسمان کی زبان حال سے بیان ہوا ہے جہاں فرماتا ہے ۔ " ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین " دوزخ و بہشت میں دروازوں کا ہونا اور دوزخیوں اور بہشتیوں کے لئے اُن کا کھولا جانا دوزخ پر چوکیداروں کا ہونا اور دوزخ میں جلنے والوں کو طعنہ دینا بہشت پر دربانوں کا ہونا اور بہشت میں جانے والوں کو مبارکباد دینا یہ سب بطور تمثیل کے بیان ہوا ہے خدا تعالیٰ نے ہمیشہ معاد کے معاملات کو دنیاوی حالات کی تمثیل سے بیان کیا ہے اور اُس تمثیل سے وہ چیزیں بجنسہ مقصود نہیں ہوتیں بلکہ صرف ماحصل اُس کا مقصود ہوتا ہے ۔ دوزخ کو دنیا کے جیلخانوں کی مانند سمجھنا جس پر چوکیدار اس غرض سے متعین ہوتے ہیں کہ قیدی بھاگ نہ جاویں یا بہشت کو دنیا کے باغوں کی مانند سمجھنا جس پر دربان اس غرض سے ہوتے ہیں کہ کوئی غیر اُس میں نہ چلا جاوے اُس کے پھل نہ توڑ لے خدا کی قدرت اور عظمت اور حکمت پر بٹہ لگاتا ہے جو اُس کی شان کے شایاں نہیں اور یہی دلیل اس بات کی ہے کہ ان الفاظ سے اُن کے ظاہری معنی مراد نہیں ✦

اسی طرح سورہ زمر کی اس آیت میں کہ " تو فرشتوں کو عرش کے گرد کھڑے ہوئے دیکھیگا پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں ساتھ تعریف کے اپنے رب کو " جو کہ دنیا میں بادشاہوں کا طریقہ اپنی عظمت و جلال دکھلانے کا یہی ہے کہ تخت پر بیٹھتے ہیں تخت کے چاروں طرف اہل موالی کھڑے ہیں بادشاہ کا ادب بجا لا رہے ہیں اُس کی تعریف کر رہے ہیں اُسی کی تمثیل میں خدا نے بندوں کو سمجھانے کے لئے اپنے جلال و عظمت کو بتایا ہے ۔ اس سے یہ مقصد نہیں نکالا جا سکتا کہ درحقیقت وہاں کوئی تخت ہوگا اور درحقیقت وہاں کوئی مجسم فرشتے بطور اہل موالی کے اُس کے گرد کھڑے ہونگے اور خدا کی تعریف میں جو تخت پر بیٹھا ہوگا قصیدے پڑھ رہے ہونگے نہایت

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ	کیا تم نے تعجب کیا کہ آوے تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار سے ایک شخص پر تم میں سے تاکہ تم کو ڈراوے اور یاد کرو جب تم کو کیا جانشین

تعجب ہوتا ہے اُن علما سے کہ خدا کا تخت پر بیٹھنا تو محال و ممتنع قرار دیتے ہیں اور پھر تخت کو اور اُس کے سامان جلوس کو حقیقی اور واقعی سمجھتے ہیں ◆

سورہ الحاقہ کی جو آیت ہے اُس سے پہلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے قیامت کا اور تمام دنیا کے برباد ہو جانے کا اس طرح پر ذکر کیا ہے کہ ۔ صور پھونکی جاویگی اور زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاوینگے اور آسمان کے پرخچے اُڑ جاوینگے اور فرشتے اُس کے کناروں پر ہٹ جاوینگے ۔ یہ سنکر انسان کے خیال میں آتا ہے کہ جب سب چیز برباد ہو جاویگی تو خدا کی بادشاہت کس پر ہوگی کیا خدا کی بادشاہت ہی ختم ہو جاویگی ؟ اس شبہ کے رفع کرنے کو خدا نے اُسی کے ساتھ فرما دیا کہ " ويحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية " یعنی جب کہ سب کچھ برباد ہو جاویگا اُس دن بھی تیرے پروردگار کی بادشاہت بے انتہا چیزوں پر جو اُس کی مخلوق ہیں اُسی طرح پر قایم رہیگی ◆

" حمل " کے معنی اُٹھانے کے ہیں مگر اس کا استعمال شے مادی موجود فی الخارج کی نسبت بھی ہوتا ہے اور شے عقلی غیر مادی غیر موجود فی الخارج پر بھی ہوتا ہے ۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ نے توریت کے عالموں کی نسبت فرمایا ہے " الذين حملوا التوراة ثم لم يحملوها " اور جیسے کہ حافظان قرآن کو حاملان قرآن یا قاضیوں اور مفتیوں کو حاملان شریعت اور گنہگاروں کی نسبت گناہوں کا اُٹھانا " حملنا اوزارا " کہا جاتا ہے ۔ پس حمل کے لفظ سے کسی چیز کا اُٹھانا مراد نہیں ہوتا جو موجود فی الخارج ہو ◆

جب کسی کو کسی شے کا حامل کہتے ہیں اُس سے اُس کا ظہور لازمی تصور کیا جاتا ہے حاملان توریت اسی لئے کہتے تھے کہ اُن سے احکام توریت ظاہر اور معلوم ہوتے تھے اور حاملان شریعت سے احکام شریعت پس جس شے سے جو چیز ظاہر ہو اُس کو اُس کا حامل کہتے ہیں ۔ خدا کی مخلوق سے جو خدا کی سلطنت و بادشاہت ظاہر ہوتی ہے اُن پر حاملان عرش کا اطلاق ہو سکتا ہے ۔ پس خدا فرماتا ہے کہ جب یہ سب چیزیں جو تم دیکھتے ہو برباد ہو جاوینگی تب بھی خدا کی بادشاہت اُس کی اور بے انتہا مخلوقات اُٹھائے ہوئے ہوگی ◆

ثمانیہ کا لفظ صرف فصاحت کلام کے لئے آیا ہے اس سے کوئی عدد خاص مقصود نہیں ہے اور اس میں بہت بڑی بلاغت یہ ہے کہ اُس کے دو رکن لے یعنی اُس کے معدود اور مضاف الیہ کے مضاف الیہ کے بیان کے محذوف کرنے سے عدد غیر متناہی اور اجناس غیر محصور کا اظہار ہے ۔

مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ	قوم نوح کے بعد

جیسے کہ ثمانیہ الاف یا ثمانیہ الاف الاف الی غیر النہایۃ من المخلوقات الغیر المحصور ۔ پس اس آیت سے عرش کا وجود فی الخارج ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ بعد فنا ہونے اس تمام موجودات کے بھی خدا کی بادشاہت بدستور قایم رہیگی +

تفسیر کشاف میں جو قول حسن بصری اور ضحاک کا نقل کیا ہے اُس سے بھی ٹھیک ٹھیک یہی مراد معلوم ہوتی ہے جو ہم نے بیان کی ہے ۔ اس میں لکھا ہے کہ ۔ حسن بصری سے مروی ہے

وعن الحسن الله اعلم کم هم اثمانیة ام ثمانیة الاف وعن الضحاک ثمانیة صفوف لا یعلم عددهم الا الله ویجوز ان یکون ثمانیة من الروح ومن خلق آخر فهو القادر على كل خلق سبحان الذی خلق الازواج كلها مما تنبت الارض ومن انفسهم ومما لا یعلمون ۔

(تفسیر کشاف صفحہ ۱۵۲۲)

کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کتنے ہیں آٹھ ہیں یا آٹھ ہزار ہیں اور ضحاک سے مروی ہے کہ آٹھ صفیں ہیں اور یہ کہ اُن میں کتنے ہیں اللہ تعالے کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور جائز ہے کہ مراد ہو آٹھ روحیں یا اور مخلوق خدا کی پس اللہ تعالے ہی قادر ہے سب کی پیدایش پر پاک ہے اللہ جس نے پیدا کیا ہے سب جوڑوں کو جن کو اُگاتی ہے زمین اور جو خود اُن کے ہیں اور جن کو وے نہیں جانتے +

سورۂ مومن میں جو آیت ہے وہ نہایت غور طلب ہے اس کے شروع میں ہے ،، الذین یحملون العرش ،، پس بحث یہ ہے کہ الذین کا اشارہ کس کی طرف ہے ۔ تمام مفسرین کہتے ہیں کہ ،، الذین ،، کا اشارہ فرشتوں کی طرف ہے ۔ صاحب تفسیر کبیر اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ،، اس آیت سے پہلے خدا تعالے نے ایمان والوں کے ساتھ کفار کی عداوت کا حال بیان کیا ہے اُس کے بعد بطور تسلی کے کہا کہ اشرف طبقات مخلوقات فرشتے ہیں اور خصوصاً حملۃ العرش ،، ایمان والوں سے نہایت محبت رکھتے ہیں پس ان کمینہ لوگوں کی عداوت پر کچھ التفات کرنا نہیں چاہیئے +

مگر تعجب یہ ہے کہ کفار دنیا میں ایمان والوں کے ساتھ عداوت کرتے تھے اور ایذا پہنچاتے تھے اگر اُس کے مقابل کوئی ایسی چیز بیان کی جاتی جو اُس دنیاوی ایذا میں مدد کر سکتی تو البتہ ایک تسلی کی بات تھی مگر اُس دنیاوی تکلیف کے مقابلہ میں یہ کہنا کہ فرشتے ہمارے گناہوں کی معافی چاہ رہے ہیں کس طرح پر تسلی دے سکتا ہے علاوہ اس کے اُس مقام پر فرشتوں کا کچھ ذکر نہیں آیا ہے اور جب کہ عرش سے سلطنت مراد لیجاوے نہ ایک شے مجسم موجود فی الخارج تو کوئی قرینہ بھی نہیں جس سے ،، الذین ،، کا اشارہ فرشتوں کی طرف سمجھا جاوے +

قرآن مجید کا مطلب نہایت صاف ہے اس سے پہلی آیتوں میں خدا نے فرمایا ہے کہ

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً	اور زیادہ قوی ہیکل کیا تم کو پیدایش میں

"خدا تعالیٰ کی نشانیوں - (یعنی احکام) میں کوئی جھگڑا نہیں کرتا بجز کافروں کے پھر اُن کا شہروں میں بُرے پھرنا یعنی اُن کی خوشحالی تجھ کو دھوکے میں نہ ڈالے + + + ہر ایک امت نے اپنے رسول کے پکڑنے و مار ڈالنے کا قصد کیا ہے + + + اور اُن لوگوں کی نسبت جو کافر ہیں خدا کا حکم ہو چکا ہے کہ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں +

اس کے بعد خدا نے فرمایا "الذین یحملون العرش" کفار کے مقابلہ میں ایمان والے تھے پس صاف ظاہر ہے کہ " الذین " سے اہل ایمان انسان مراد ہیں نہ فرشتے - عرش کے معنی سلطنت کے ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں پس آیت کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ "جو لوگ خدا کی سلطنت کو اُٹھائے ہوئے ہیں یعنی وہ جو " انعمت علیہم " میں داخل ہیں اور جو اُس کے قریب ہیں یعنی صحابہ خیار اُمت پاکیزگی سے اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور اُس پر ایمان لاتے ہیں اور معافی چاہتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں " الی آخرہ - اس کے بعد پھر کافروں کا ذکر کیا ہے پس قرآن مجید میں تو اس مقام پر فرشتوں کا پتہ بھی نہیں اور نہ الذین کے وہ مشار الیہ ہیں +

سورہ ہود میں جو آیت ہے جس میں چھ دن میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ " وکان عرشہ علی الماء " کچھ زیادہ بحث طلب نہیں ہے ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ ستۃ ایام میں آسمان و زمین کا پیدا کرنا اخبار عن الخلقت نہیں ہے نہ کلام مقصود بلکہ نقلاً اعتقاد یہود کا بیان ہے - یہود کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ خدا کی روح پانی پر چھائی ہوئی تھی چنانچہ توریت میں آیا ہے +

وَرُوَحْ اِلُوهِيمْ مِرِحِفَتْ عَلْ فِنِيْ هَمَّائِيمْ

یعنی خدا کی روح چھائی ہوئی تھی پانیوں کے منہ کے اوپر - " مرحفت " کے ٹھیک معنی مرغی کے انڈے سینے کے ہیں یعنی جس طرح مرغی تمام انڈوں کو پروں کے اندر سیکرا ور اُن کو گھیر کر بیٹھ جاتی ہے اُسی طرح خدا کی روح پانیوں پر تھی اس آیت میں اُسی اعتقاد یہود کی نقل ہے روح کی جگہ خدا کا عرش یعنی خدا کی سلطنت یا غلبہ بیان ہوا ہے پس کوئی لفظ اس آیت کا عرش کے وجود خارجی ہونے کا مثبت نہیں ہے +

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ	پھر یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو

عاد اور ثمود کی نسبت کچھ لکھنے سے پہلے مندرجہ ذیل شجرہ انساب لکھنا مناسب ہے
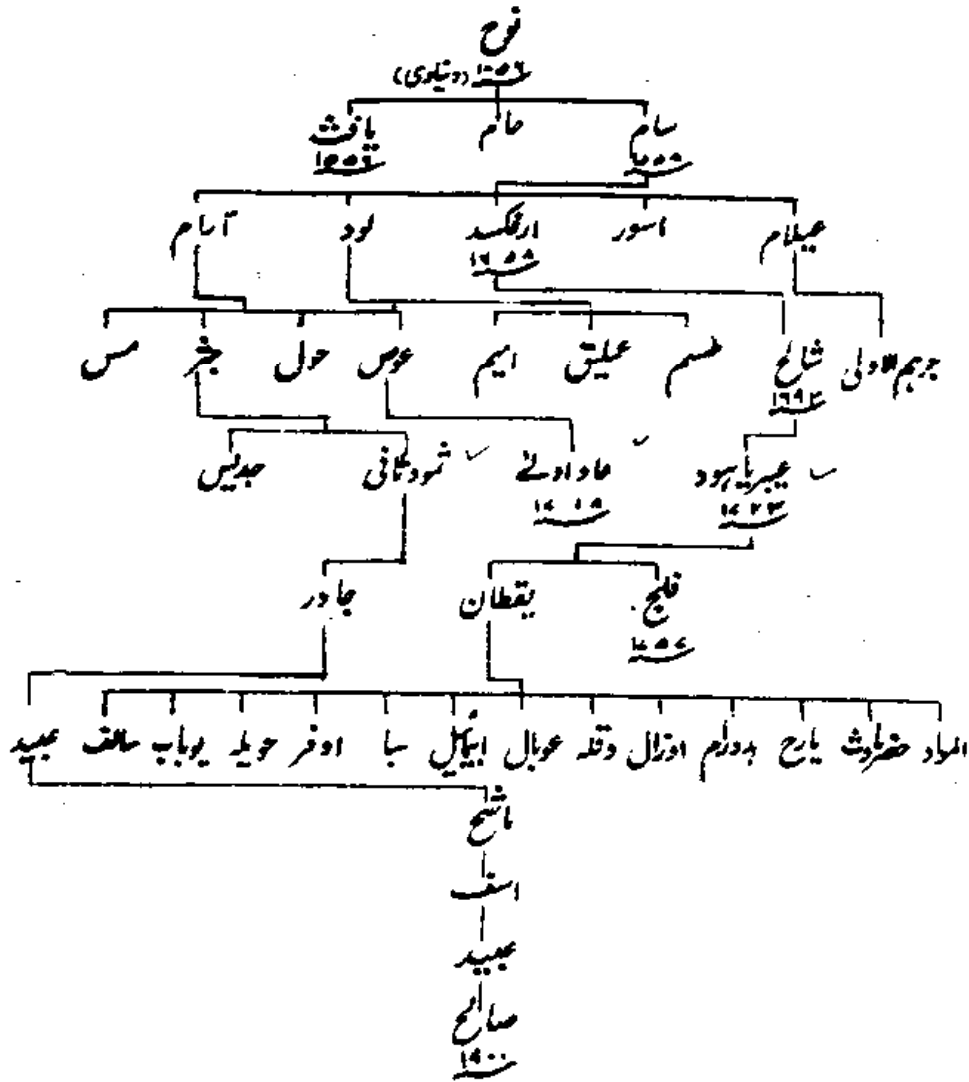
قوم عاد اولے

عاد اولاد سام بن نوح سے ہے۔ سام کا بیٹا آرام اور اُس کا بیٹا عوص اور اُس کا بیٹا عاد۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے وھو عاد بن عوص بن ارام بن سام وھم عاد الاولی ۔ قوم عاد کی آبادی عربیا ڈزرٹا یعنی عرب کے ریتلے میدان میں تھی اور الاحقاف کہلاتی تھی معالم التنزیل میں لکھا ہے ۔ کانت منازل قوم عاد بالاحقاف وھی رمال بین عمان وحضرموت ۔ عرب کے نقشہ میں جو ریگستان بچاس درجہ طول اور بیس درجہ عرض پر واقع ہے وہ جگہ الاحقاف ہے جہاں قوم عاد آباد تھی ۔ یہ قوم عاد اولے کہلاتی ہے جس کی نسبت قرآن مجید میں کہا گیا ہے ،، وانہ اھلک عادا الاولی

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (٦٩)	تاکہ تم فلاح پاؤ (٦٩)

(سورۂ نجم آیت ۵۱) ثمود جس کا ذکر آگے ہوگا وہ عاد ثانی کہلاتا تھا اور ایک تیسرا عاد ہے جو عبد شمس یعنی سبا اکبر کی اولاد میں ہے اور جس کا بیٹا شداد ہے جو سنہ ۲۰۹۲ دنیوی میں پیدا ہوا تھا پہلی دونوں قومیں عاد کی حضرت ابراہیم سے پہلے تھیں اور تیسری قوم حضرت ابراہیم کے زمانہ میں ہمارے مفسروں نے علاوہ اُن لغو قصوں کے جو قوم عاد کی نسبت لکھے ہیں ایک اور غلطی یہ کی ہے کہ ان تینوں قوموں کے واقعات کو گڈ مڈ کر دیا ہے ٭

قوم عاد اولےٰ کا واقعی زمانہ بتلانا نہایت مشکل ہے مگر انگریزی مورخوں نے جو توریت میں بیان کئے ہوئے حساب کے زمانے قایم کئے ہیں اُسی حساب کی بنا پر ہم بیان کرتے ہیں کہ سام سنہ ۱۵۵۸ دنیوی میں پیدا ہوا تھا اور ارفکسد جو ارام کا بھائی ہے سنہ ۱۶۵۸ دنیوی میں یعنی سو برس بعد پس یہی زمانہ قریباً ارام کی پیدایش کا خیال ہو سکتا ہے اور عاد دو پشت بعد ارام سے ہے پس اگر ساٹھ برس دو پشت کے لئے ہم اضافہ کریں تو ظاہر ہوتا ہے کہ عاد سنہ ۱۷۱۸ دنیوی یعنی اٹھارھویں صدی دنیوی میں ہوا تھا ٭

ہود جن کا نام توریت میں عیبر لکھا ہے وہ بھی اولاد سام بن نوح سے ہیں عیبر کی پیدایش توریت کے حساب سے سنہ ۱۷۲۳ دنیوی کی ہے اور اس سے ثابت ہے کہ عاد اور ہود ایک ہی زمانہ میں تھے۔ اسی صدی میں نمرود نے بابل یا سریا میں بادشاہت قایم کی تھی اور مصرایم پدر مصریم نے مصر میں اور عاد بن عوص نے الاحقاف میں اور عیبر یعنی ہود کے بیٹے یقطان نے یمن اور اس کے اطراف میں۔ حضرموت یقطان کا ایک بیٹا تھا جس کے نام سے یمن کے قریب کا وہ ملک جو انڈین اوشن یا بحر عرب کے کنارہ پر ہے مشہور ہے ٭

یہ قوم عاد اولےٰ کی نہایت قوی اور قدآور تھی جیسے کہ اب بھی بعض ملکوں کے لوگ قوی اور قدآور ہوتے ہیں یہی بات خدا تعالےٰ نے اس قوم کی نسبت فرمائی ہے "وزادکم فی الخلق بصطۃ" (سورۂ اعراف ۶۷) اُن کے قد معمولی قدآور آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ تفسیروں میں جو یہ بات لکھی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا آدمی اُن میں کا ساٹھ ذراع کا لمبا تھا اور اوسط آدمی سو ذراع کا لمبا تھا اور لمبے سے لمبا چار سو ذراع کا محض غلط ہے نہ قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہے نہ اور کسی سند سے۔ قدیم علما نے بھی اس سے انکار کیا ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے "ومنہم من حمل ھذا اللفظ علی الزیادۃ فی القوۃ وذلک لان القوی متفاوتۃ بعضہا اعظم وبعضہا اضعف" یعنی

وقال قوم یحتمل ان یکون المراد من قولہ وزادکم فی الخلق بصطۃ کونہم من قبیلۃ واحدۃ متشارکین فی القوۃ والشدۃ والجلادۃ

بعض عالموں نے "زادکم فی الخلق بصطۃ" سے اُن کا زیادہ قوی ہونا مراد لیا ہے نہ لمبا قد ہونا

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ

اُنھوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس آیا ہے تاکہ ہم عبادت کریں اللہ واحد کی

وكون بعضهم محبا للباقين ناصرا لهم وزوال العداوة والخصومة من بينهم فانه تعالى لما خصهم بهذه الانواع من الفضائل والمناقب فقد قررها حصولها فصح ان يقال وزادكم في الخلق بسطة - (تفسیر کبیر)

بعض عالموں نے ان لفظوں سے یہ مراد لی ہے کہ اُس قوم کے لوگ کثرت سے تھے اور آپس میں محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے مددگار ہوتے تھے اور اس ارتباط کے سبب گویا ایک جسم ہو گئے تھے نہ یہ کہ اُن کے قد بہت لمبے تھے اور وہ تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ چوڑے چکلے تھے +

سورۃ الفجر میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ”الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلها فی البلاد +

اس آیت میں بھی اسی قوم عاد اولیٰ کا تذکرہ ہے۔ ارم عاد کے دادا کا نام ہے چونکہ متعدد قومیں عاد کے نام سے مشہور تھیں جیسے کہ ہم نے اوپر بیان کیا اسی لئے خدا تعالیٰ نے ایک جگہ اس قوم کو عاد اولیٰ کر کے بیان کیا اور اس جگہ اُس کے دادا کے نام سے پس ارم بیان ہے یا بدل ہے لفظ عاد سے یعنی ارم کی اولاد والا عاد ذات العماد سے بھی اسی طرح اُن کا قوی اور تناور ہونا بتایا ہے جیسے کہ لفظ زادکم فی الخلق بسطة سے بتایا ہے لفظ لم یخلق مثلها فی البلاد سے صاف پایا جاتا ہے کہ عماد سے اُن کے مخلوق قد مراد ہیں نہ کہ کسی مکان کے مصنوعی ستون۔

اما ارم فهو اسم لجد عاد وفي المراد منه في هذه الآية اقوال احدها ان المتقدمين من قبيلة عاد كانوا يسمون بعاد الاولى فلذلك يسمون بارم تسمية لهم باسم جدهم (تفسیر کبیر)

في قوله ارم وجهان و ذلك لانا ان جعلناه اسم القبيلة كان قوله ارم عطف بيان لعاد وايذانا بانهم عاد الاولى القديمة (تفسیر کبیر) +

چنانچہ اکثر تفسیروں میں اور نیز تفسیر کبیر میں جیسا کہ حاشیہ پر منقول ہے اسی کے مطابق علماء مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں مگر اس کے سوا اور قول بھی ہیں جن میں غلطی سے ارم کو شہر کا نام سمجھا ہے اور ذات العماد سے عمارات رفیعہ مراد لی ہے اور یہ محض غلط ہے اس لئے کہ قوم عاد اولیٰ ریگستان میں رہتی تھی اور اُن کی کوئی عالیشان عمارتیں نہ تھیں بعض عالموں نے غلطی پر غلطی کی ہے کہ ارم کو باغ تصور کیا ہے اور لکھا ہے کہ عدن کے پاس شداد نے بنایا تھا مگر یہ محض ناواقفیت سے لکھا ہے شداد کے باپ کا نام بھی عاد ہے مگر وہ اُس زمانہ میں نہ تھا اور نہ اُس نے کوئی ایسا باغ جیسا کہ مفسر بیان کرتے ہیں بنایا تھا +

بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ قوم ارم خیموں میں رہتی تھی اور خیموں میں ضرور ہے کہ عماد

اور چھوڑ دیں جو پوجا کرتے تھے ہمارے باپ	وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

یعنی ستون ہوں جن پر خیمے کھڑے ہوتے ہیں اور عمد کی جمع عماد آتی ہے مگر اس رائے سے یہ الفاظ قرآن مجید کے کہ لم یخلق مثلها فی البلاد مساعدت نہیں کرتے۔ رونڈو رسٹر نے ایک تاریخانہ جغرافیہ عرب کا لکھا ہے اور اس میں نویری کے تاریخانہ جغرافیہ سے بعض حالات نقل کئے ہیں سنہ ۶۷۸ عیسوی اور سنہ ۶۸۰ عیسوی کے درمیان یعنی مطابق سنہ ۵۸ و سنہ ۶۰ ہجری کے معاویہ ابن ابی سفیان کے عہد حکومت میں عبدالرحمن یمن کا حاکم تھا اس نے چند کتبے قدیم زمانہ کے یمن، حضرموت کے نواح کے کھنڈرات میں پائے تھے اور پڑھے گئے تھے اور لوگوں نے خیال کیا تھا کہ یہ کتبے قوم عاد کے زمانہ کے ہیں۔ ان کا عربی ترجمہ نویری کے جغرافیہ میں مندرج ہے ان میں سے چند کتبوں کے ترجموں کو اس کتاب سے ہم اس مقام پر لکھتے ہیں +

ترجمہ کتبہ اول مندرجہ جغرافیہ نویری

غنینا زمانا فی عراصة ذا القصر   بعیش غیر ضنک ولا نذر
یفیض علینا البحر بالمد زاجرا   فانهارنا مبزعة بجر
خلال نخیل باسقات نواطرها   نفق بالقسب المجزع والتمر
نصطاد صید البر بالخیل والقنا   وطورا نصید النون من لجج البحر
ونرفل فی الخز المرقم تارة   وفی القز احیانا وفی الحلل الخضر
یلینا ملوک یبعدون عن الخنا   شدید علی اهل الخیانة والغدر
یقیم لنا من دین هود شرائعا   ونؤمن بالآیات فی البعث والنشر
اذا ما عدو حل ارضنا یریدنا   برزنا جمیعا بالمثقفة السمر
نحامی علی اولادنا ونسائنا   علی الشهب والکمیت المنیف والشقر
نقارع من یبغی علینا ویعتدی   باسیافنا حتی یولون بالدبر

دوم ۔ ترجمہ کتبہ مندرجہ جغرافیہ نویری

غنینا بهذا القصر دهرا فلم یکن   لنا همة الا التلذذ والقصف
تروح علینا کل یوم هنیدة   من الابل یعشو فی معاطنها الطرف
واضعاف تلک الابل شاء کانها   من الحسن آرام والبقر القطف
فعشنا بهذا القصر سبعة احقب   باطیب عیش جل عن ذکره الوصف

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٦٨﴾	تو ہمارے پاس لے آ جس سے تو ہم کو دھمکی دیتا ہے اگر تو ہے سچوں میں سے ﴿٦٨﴾

فجاءت سنون مجدبات قواحل ... اذا ما مضا علم اتی آخر یقفو

فظلنا کان لم نغن فی الخیر لمحۃ ... خذ انوا ولما ینج خف ولا ظلف

کذلک من لم یشکر اللہ لم یزل ... معالمہ من بعد ساحتہ تعفو

سوم۔ کتبہ مندرجہ کتاب ابن ہشام

قال ابن ھشام حفر السیل عن قبر بالیمن فیہ امراۃ فی عنقھا سبع مخانق من دروفی یدیھا ورجلیھا من الاسورۃ والخلاخیل والدمالیج سبعۃ سبعۃ وفی کل اصبع خاتم فیہ جوھرۃ مثمنۃ وعند راسھا تابوت مملوما لا ولوح فیہ مکتوب +

باسمک اللھم الہ حمیر

انا تاجۃ بنت ذی شفر بعثت مایرنا الی یوسف

فابطا علینا فبعثت لاذتی ... بمد من ورق لتاتینی بمد من طحین

فلم تجدہ فبعثت بمد من ذھب ... فلم تجدہ فبعثت بمد من بحری

فلم تجدہ فامرت بہ فطحن ... فلم انتفع بہ فاقتفلت

فمن سمع بی فلیرحمنی ... وایۃ امراۃ لبست حلیا من حلیی

فلاماتت الا میتتی

۱۸۳۴ء میں سرکار انگریزی نے یمن کی پیمائش کے لئے کچھ افسر بھیجا انہوں نے حضر موت میں جو سمندر کے کنارہ پر ہے ایک پہاڑ پر ایک قلعہ کے کھنڈرات معلوم کئے اور ان کھنڈرات میں پتھر پر کھدے ہوئے کتبے دیکھے تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ قلعہ حصن غراب کے نام سے مشہور ہے (طول بلد ۴۸ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض بلد ۱۴ درجہ) وہاں ایک اونچی جگہ پر ایک کتبہ ملا پرانے حرفوں میں پتھر پر کھدا تھا جو حرف کہ کوفی حرفوں سے بھی بہت پہلے کے ہیں۔ اور اس سے کسی قدر نیچے ایک اور کتبہ پایا اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک اور چھوٹا سا کتبہ ملا علاوہ اس کے حصن غراب سے پچاس میل کے فاصلہ پر اور کھنڈرات ملے نقب الحجر کے نام سے اور اس کے دروازہ پر ایک کتبہ ملا ان کتبوں کی بعینہٖ نقل کرلی گئی +

ان کتبوں کی تحقیقات ہوتی رہی جب وہ پڑھے گئے تو معلوم ہوا کہ نویری کے جغرافیہ میں

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۚ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٧١﴾

(ہود نے) کہا بیشک تم پر پڑی ہے تمہارے پروردگار سے بُرائی اور غضب۔ کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو ناموں میں کہ وہ نام رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپوں نے نہیں بھیجی اللہ نے اُس کے لئے کوئی دلیل۔ پس منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ﴿٧١﴾

جو کتبہ ہے وہ ترجمہ ہے حصن غراب کے بڑے کتبہ کا چنانچہ اصلی کتبہ کا ترجمہ انگریزی میں کیا گیا جس کا اردو ترجمہ ہم اس مقام پر لکھتے ہیں +

ترجمہ حصن غراب کے بڑے کتبہ کا

ہم بستے تھے رہتے ہوئے مدت سے عیش و عشرت میں زمانہ میں اس وسیع محل کے ہماری حالت بری تھی مصیبت اور بدبختی سے بہتا تھا ہمارے تنگ راستہ میں +

سمندر زور سے لہراتا ہوا اور غصہ سے ٹکراتا ہوا ہمارے قلعہ سے۔ ہمارے چشمے بہتے تھے گنگناتی ہوئی آواز سے گرتے تھے +

کھجور کے بلند درختوں سے اور جن کے رکھوالے کثرت سے کھیتے تھے خشک کھجور (یعنی اُن کی گٹھلیاں) ہماری گھاٹی کی کھیتی کی زمین میں وہ اپنے ہاتھ سے پھیلاتے تھے سوکھے چانول (یعنی بوتے تھے) +

ہم شکار کرتے تھے پہاڑی بکروں کو اور نیز خرگوش کے بچوں کو پہاڑیوں رسیوں اور سرکنڈوں سے بھگا کر لاتے تھے جھڑکتی سوئی مچھلیوں کو +

ہم چلتے تھے آہستہ مغرور چال سے پہنے ہوئے سوئی کے کام کئے ہوئے مختلف رنگ کے ریشمی کپڑے بالکل ریشم کے کاہی سبز رنگ کی چارخانہ دار پوشاک +

ہم پر حکومت کرتے تھے بادشاہ جو بہت دور تھے ذلت سے اور سخت سزا دینے والے تھے بدکار اور سنگر آدمیوں کے اور انہوں نے لکھی ہمارے واسطے مطابق اصول ہود کے +

عمدہ فتوے ایک کتاب میں محفوظ رہنے کے لئے اور ہم یقین کرتے تھے معجزہ کے بھید میں موت کے بھید میں اور ناک کے سوراخ کے بھید میں +

ایک حملہ کیا لٹیروں نے اور ہم کو ایذا پہنچاتے تھے ہم اور ہمارے فیاض نوجوان جمع ہو کے سوار ہو کر چلے معہ سخت اور تیز نوکدار برچھیوں کے آگے کو جھپٹتے ہوئے +

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ (۷۰)	پھر نجات دی ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھ تھے ساتھ اپنی رحمت کے اور کاٹ دی ہم نے جڑ اُن لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا تھا ہماری نشانیوں کو اور وہ نہ تھے ایمان والے (۷۰)

مغرور بہادر حمایتی ہمارے خاندانوں اور ہماری بیویوں کے لڑتے ہوئے دلیری سے گھوڑوں پر سوار جن کی لمبی گردنیں تھیں اور جو سمند اور لوہیا رنگ اور سرنگ تھے +

ہم اپنی تلواروں سے زخمی کرتے ہوئے اور چھیدتے ہوئے اپنے دشمنوں کو یہاں تک کہ دھاوا کر کے ہم نے فتح کیا اور کچل ڈالا ان ذلیل آدمیوں کو +

ترجمہ اُس کتبہ کا جو اس کتبہ کے نیچے کھدا ہوا ہے

علیحدہ حصوں میں تقسیم کیا گیا اور لکھا گیا سب سے ہاتھ سے اُلٹے ہاتھ کی طرف اور نقطہ لگے ہوئے یہ گیت فتح کا سرکش اور زرغا نے عوص نے چھید ڈالا (یعنی زخمی کر دیا) اور تعقب کیا بنی عک کا اور اُن کے چہروں کو سیاہی سے بھر دیا +

ترجمہ چھوٹے کتبہ کا جو پہاڑی کی چوٹی پر ہے

دشمن کی سی نفرت سے گنہگار آدمیوں پر +

ہم نے حملہ کیا آگے کو دوڑا کر اپنے گھوڑوں کو اُن کو پاؤں کے نیچے روند ڈالا +

ترجمہ کتبہ کا جو نقب الحجر کے دروازہ پر ہے

رہتے تھے اس محل میں اب (ابو) محارب اور بحشہ جب کہ یا ابتدا میں تیار ہوا رہتے تھے اُس میں خوشی سے فرزندانہ اطاعت کے ساتھ نواس اور دنیا حاکم علے حرحل مالک محل کا جس نے فیاضی سے بنایا کارواں سرائے اور کنواں ...... اُس نے نیز بنایا عبادت خانہ فوارہ اور تالاب اور بنایا زنانہ اپنے عہد میں +

ریورنڈ فاسٹر نے اس بڑے کتبہ کے نیچے جو کتبہ ہے اُس میں عک کا نام دیکھ کر اس کتبہ کا زمانہ قرار دینے پر توجہ کی اور کہا کہ عک بیٹا تھا عدنان کا اور مسلمانوں کی حدیث کے مطابق جو ام سلمہ سے منقول ہے عدنان حضرت اسمٰعیل کی چوتھی پشت میں تھا پس اس حساب سے کہ ایک پشت کا زمانہ تیس برس لگایا جائے تو عک یعقوب کی زندگی کے اُس زمانہ میں ہوگا جب کہ یوسف بھی موجود تھے اور قریب پچاس برس کے قبل اُس وقت کے جب کہ مصر اور اُس کے قرب و جوار کے ملکوں

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ	اور بھیجا ہم نے ثمود کی قوم کے پاس اُن کے بھائی صالح کو اُس نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود بجز اُس کے بیشک آئی ہے تمہارے لئے ایک دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے

میں قحط ہوا تھا ✦

ریورنڈ فاسٹر لکھتے ہیں کہ یوسف کی تاریخ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں اسمٰعیل کی اولاد مختلف فرقوں اور قوموں میں منقسم ہوکر پھیل گئی تھی ۔ اور نویری کے جغرافیہ میں جو دوسرا کتبہ ہے اُس سے قحط کا حال معلوم ہوتا ہے جس میں وہ قوم تباہ ہوگئی ۔ ان وجوہ سے وہ ان کتبوں کو یعقوب علیہ السلام کے زمانہ کا قرار دیتے ہیں ✦

جب کہ ریورنڈ فاسٹر نے یہ تسلیم کرلیا کہ یہ کتبے قوم عاد کے ہیں جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور اُن کا زمانہ اُنہوں نے حضرت یعقوب کے زمانہ کے مطابق قرار دیا تو اب وہ قرآن مجید پر گویا دو اعتراض کرتے ہیں ایک یہ کہ قوم عاد کا نوح کی قوم کے بعد ہونا جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ " اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح " صحیح نہیں ہے ۔ دوسرے یہ کہ کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے بادشاہوں کے قوانین پر عمل کرتے تھے اور حضرت ہود کا اُن لوگوں میں جانا جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ " والی عاد اخاھم ھودا " ثابت نہیں ہوتا ✦

مگر یہ دونوں اعتراض جیسے عجیب ہیں ویسے غلط بھی ہیں ۔ اول یہ کہ قوم عاد والے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ یمن یا حضرموت میں نہیں بستی تھی ۔ یمن و حضرموت و حویلہ میں خود حضرت ہود کی اولاد بستی تھی یا د رحضرموت اور حویلہ اور سباجن کے نام سے اب تک وہ مقامات مشہور ہیں حضرت ہود کے پوتے تھے ۔ اور قیطان ابن عیبر یعنی ہود وہاں جا کر بسے تھے پس اُنہوں نے جو ان کتبوں کو عاد کی قوم کے کتبے قرار دئے ہیں یہ محض غلطی ہے ✦

دوسرے یہ کہ جو زمانہ ان کتبوں کا ریورنڈ فاسٹر نے قرار دیا ہے وہ بھی غلط ہے ۔ ام سلمہ کی روایت جس کی بناپر ریورنڈ فاسٹر نے عدنان کو حضرت اسمٰعیل کی چوتھی پشت میں قرار دیا ہے وہ روایت ہی غلط اور محض نامعتبر بے سند ہے صحیح نسب نامہ کے بموجب جو برخیا کاتب حی ارمیانبی نے لکھا ہے (دیکھو خطبات احمدیہ) اُس کے مطابق عدنان باپ معد و عک کا اکتالیسویں پشت میں حضرت ابراہیم سے تھا حضرت ابراہیم بموجب حساب سند رجہ توریت کے ۲۰۰۸ دنیوی میں پیدا ہوئے تھے پس جو حساب نسلوں کے پیدا ہونے کا ہے اُس حساب سے عک قریباً ۳۴۰۰ دنیوی

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۱﴾	یا اونٹنی اللہ کی تمہارے لئے نشانی ہے پھر اُس کو چھوڑ دو کہ کھاوے اللہ کی زمین میں اُس کو کوئی تکلیف مت پہنچاؤ پھر پکڑے گا تم کو عذاب دکھ دینے والا ﴿۷۱﴾

میں ہوگا یعنی چودہ سو برس بعد حضرت ابراہیم کے اور کتبہ میں عک پر فتح یابی نہیں لکھی ہے بلکہ بنی عک پر لکھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عک کی بھی کئی پشت کے بعد کا ہے ✦

نوری کے دوسرے کتبہ کو جس میں قحط کا ذکر ہے سٹر فاسٹر پہلے کتبہ کا تتمہ سمجھتے ہیں تاکہ پہلے کتبہ کو بھی یعقوب و یوسف کے زمانہ کا قرار دیں ۔ مگر وہ اصلی کتبہ دستیاب نہیں ہوا اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں تھا نہ یہ معلوم ہے کہ کس خط میں تھا پس کوئی دلیل نہیں ہے کہ نوری کے پہلے و دوسرے کتبہ کو ایک زمانہ کا قرار دیا جاوے ✦

کچھ عجب نہیں کہ یہ کتبے قوم حمیر کے ہوں جس میں سلاطین نامدار اور باوقار گذرے ہیں تیغان ابن عیبرنا ابن ہود یمن میں آباد ہوا اُس کا بیٹا سبا تھا اور سبا کا بیٹا حمیر اُس کی اولاد میں بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں اور اُسی کی اولاد کی سکونت حضر موت میں تھی جو اُس کے ایک بیٹے کے نام سے مشہور ہے پس یہ کتبے قوم حمیر کے ہو سکتے ہیں نہ قوم عاد کے ۔ اس کی تائید اُس کتبہ سے ہوتی ہے جس کا ذکر ابن ہشام نے کیا ہے جو اطراف یمن کی ایک قبر میں سے نکلا ہے کیونکہ اُس کے شروع میں لکھا ہے "باسمک اللھم الہ حمیر" اور یہ ایک ایسا ثبوت ہے جس سے قوم حمیر کے کتبے ہونے سے انکار ہی نہیں ہو سکتا ✦

حصن غراب کے چھوٹے کتبہ میں بلا شبہ بنی عک پر فتح پانے کا ذکر ہے عک جو حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھا اور جن کا مسکن حجاز میں تھا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی اولاد یعنی بنی عک نے کسی زمانہ میں یمن پر یا حضر موت پر حملہ کیا ہوگا زمانہ کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اُس زمانہ میں ہوا جس زمانہ میں کہ بخت نصر نے مصر اور عرب پر حملے کئے تھے اُس حملہ میں بنی عک کو شکست ہوئی ہوگی جس کا ذکر اس کتبہ میں ہے ✦

حصن غراب کے بڑے کتبہ سے جواب بھی موجود ہے نہایت استحکام سے قرآن مجید کے اس تاریخی واقعہ کا ثبوت ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے عرب میں ہود پیغمبر کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا تھا اور بعث و نشر کے عقاید انہوں نے تعلیم کئے تھے اور جو کہ قوم حمیر اور تمام بادشاہ بن یمن حضرت ہود کی اولاد میں تھے اُن کے بادشاہوں نے اُن تمام عقاید کو جو حضرت ہود نے تعلیم کئے تھے اپنی کتابوں میں لکھے تھے جن پر وہ یقین کرتے تھے مگر افسوس ہے کہ اُن تمام عقاید کے ساتھ آخر کو اُن لوگوں میں بت پرستی بھی پھیل گئی تھی جس کو محمد رسول اللہ نبی آخر الزمان نے تمام جزیرۂ عرب

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (۷۴)	اور یاد کرو جب کہ کیا تم کو جانشین عاد کی قوم کے بعد اور ٹھیرایا تم کو زمین میں تم بنا لیتے ہو اُس کے میدانوں میں محل اور پہاڑوں کو کھود کر گھر پس یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور مت پھرو زمین میں فساد کرتے ہوئے (۷۴)

سے بلکہ دنیا کے بہت بڑے حصہ سے معدوم کیا اور خدا کی وحدانیت کے اصول کو ایسی وضاحت اور عمدگی سے بتا دیا جس سے امید ہے کہ ان کے پیرؤں میں بت پرستی قائم ہونی ممتنعات عقلی سے ہے اور یہی ایک امر ہے جس کے سبب ابراہیم خلیل اللہ کے پوتے اور عبد اللہ کے بیٹے نے خاتم الانبیا ہونے کا تاج پہنا اور اس کے دین نے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" کا خطاب حاصل کیا وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد رسول اللہ وعلیٰ آلہ واتباعہم اجمعین ۔

اب ہم کو اُس عذاب کا بیان کرنا باقی ہے جو قوم عاد پر نازل ہوا تھا اور جس کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے جو حاشیہ پر مندرج ہیں[1] وہ عذاب آندھی تھی جو اُس ریگستان کے بسنے والوں پر نازل ہوئی تھی آٹھ دن اور سات رات برابر آندھی چلتی رہی اور بخوبی یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جب ایسی آندھی ریگستان کے ملک میں چلی جو گرم ملک تھا اور جس میں نہایت سخت لو کی بھی کیفیت ہوگی تو وہاں کے رہنے والوں کا کیا حال ہوا ہوگا بیشک اُن کی لاشیں ایسی ہی پڑی ہونگی کہ گویا درخت جیسے اکھڑ کر گر پڑے ہیں جس کی تشبیہ خدا نے دی ہے "کانہم اعجاز نخل منقعر ۔ کانہم اعجاز نخل خاویہ" لو کی گرمی کے سبب اُن کے بدن جھگڑی ہو کر کھپ گئے ہونگے جیسے لو زدہ انسان کا بدن ہوجاتا ہے جس کی تشبیہ خدا نے اس طرح پر دی ہے کہ "ما تذر من شیء اتت علیہ الا جعلتہ کالرمیم" ۔

[1] فارسلنا علیہم ریحا صرصرا فی ایام نحسات لنذیقہم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا ولعذاب الاخرۃ اخزی وہم لا ینصرون ۔
۴۱ ۔ سورۃ فصلت ۔ ۱۵ ۔

کذبت عاد فکیف کان عذابی ونذر ۔ انا ارسلنا علیہم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمر ۔ تنزع الناس کانہم اعجاز نخل منقعر ۔
۵۴ ۔ سورۃ القمر ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ ۔

واما عاد فاہلکوا بریح صرصر عاتیۃ سخرہا علیہم سبع لیال وثمنیۃ ایام حسوما فتری القوم فیہا صرعی کانہم اعجاز نخل خاویۃ ۔
۶۹ ۔ سورۃ الحاقہ ۶ و ۷ ۔

فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد وثمود ۔ ۴۱ فصلت ۱۲ ۔

واذکر اخا عاد اذ انذر قومہ بالاحقاف وقد خلت النذر من بین یدیہ ومن خلفہ الا تعبدوا الا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم ۔ قالوا اجئتنا لتافکنا عن الہتنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین ۔ قال انما العلم عند اللہ وابلغکم ما ارسلت بہ ولکنی ارٰکم

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (۷۳)

کہا اُس قوم کے سرداروں میں سے اُن لوگوں نے جو تکبر کرتے تھے اُن کو جو اُن لوگوں میں سے ایمان لائے تھے جو کمزور سمجھے جاتے تھے کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجا گیا ہے اُن لوگوں نے کہا کہ بیشک ہم اُس پر جو اُس کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایمان لائے ہیں (۷۳)

تومأتجهلون۔ فلمارأوه عارضاً مستقبل اوديتهم قالوا هذا عارض ممطرنا بل هو ما استعجلتم به ريح فيها عذاب اليم۔ تدمر كل شیء بامر ربها فاصبحوا لا يرىٰ الا مساكنهم كذلك نجزي المجرمين۔ ۴۶ سورۃ احقاف۔ لغایت ۲۴ ۲۵ ◆

وفی عاد اذ ارسلنا علیهم الريح العقيم۔ ما تذر من شیء اتت علیه الا جعلته کالرميم۔

۵۱ سورۃ ذاریات ۴۱ - ۴۲

وانه اهلك عادا الاولی۔ ۵۳ سورۃ النجم ۵۰ ◆

ارفکسد بن سام کی اولاد میں حضرت ہود تھے اور ارام بن سام کی اولاد میں عاد اور قوم عاد تھی اسی وجہ سے خدا نے حضرت ہود کو قوم عاد کا بھائی کہا حضرت ہود احقاف میں گئے جہاں قوم عاد بستی تھی اور بت پرستی کرتی تھی تین بت تھے جن کو وہ پوجتے تھے حضرت ہود نے ان کو بت پرستی سے منع کیا اور کہا کہ سوا ے خدا کے اور کسی کی عبادت مت کرو مجھ کو خوف ہے تم پر کسی دن سخت عذاب آویگا۔ ان لوگوں نے کہا کہ کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہمارے خداؤں سے ہم کو چھڑا دو اور جس عذاب سے تم ڈراتے ہو اُس کو لاؤ اگر تم سچے ہو حضرت ہود نے کہا اس کا علم تو خدا کو ہے میں تو خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیتا ہوں۔ ایک دن اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کے ریگستان کی طرف کچھ گھٹا سی چلی آتی ہے اُنھوں نے خیال کیا کہ بادل ہے جو خوب برسیگا مگر وہ نہایت سخت آندھی تھی جس نے سب چیز کو اکھیڑ کر پھینک دیا ◆

یہ تو قصہ قوم عاد کے عذاب کا ہے مگر جو بحث کہ اس واقع پر اور مثل اس کے دیگر واقعات ارضی و سماوی پر ہو سکتی ہے جن کو قرآن مجید میں کسی قوم کی معصیت کے سبب اُس واقعہ کا بطور عذاب کے اُس قوم پر نازل ہونا بیان ہوا ہے غور طلب ہے آندھی اور طوفان۔ پہاڑوں کی آتش فشانی اُن سے ملکوں کا اور قوموں کا برباد ہونا زمین کا دھنس جانا قحط کا پڑنا کسی قسم کے حشرات کا زمین میں یا پانی میں ہوا میں پیدا ہو جانا کسی قسم کے وباؤں کا آنا اور قوموں کا ہلاک ہونا سب امور طبعی ہیں جو اُن کے اسباب جمع ہو جانے پر موافق قانون قدرت کے واقع ہوتے رہتے ہیں انسانوں کے گنہگار ہونے یا نہ ہونے سے ان واقع اُس کو کچھ تعلق نہیں ہے اگرچہ توریت میں اور دیگر صحف انبیا میں اس قسم کے ارضی و سماوی واقعات کا سبب انسانوں کے گناہ قرار دئے ہیں جو مثل ایک پوشیدہ بھید کے سمجھ سے خارج ہے اُس سے ہم کو اس مقام پر بحث نہیں ہے مگر قرآن مجید میں بھی ایسے واقعات کو انسانوں کے گناہوں سے منسوب کرنا بلا شبہ تعجب سے

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (۷۶)	کہا اُن لوگوں نے جو تکبر کرتے تھے کہ بیشک ہم اُس شخص کے جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو منکر ہیں (۷۶)
فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۷۷)	پھر اُنہوں نے اُس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور نافرمانی کی اپنے پروردگار کے حکم کی اور کہا اے صالح لے آ ہمارے پاس جو دھمکی تو ہم کو دیتا ہے اگر تو ہے رسولوں میں سے (۷۷)

خالی نہیں ہے ❖

اس قسم کے شبہے بلاشبہ انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ شبہات بیشک اصلی ہوتے ہیں کیونکہ حوادث ارضی وسماوی حسب قانون قدرت واقع ہوتے ہیں اُن کو انسانوں کے گناہوں سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اور نہ انسانوں کے گناہ اُن حوادث کے وقوع کا باعث ہوتے ہیں مگر ان شبہات کے پیدا ہونے کا منشا یہ ہے کہ لوگ حقیقت نبوت اور اُس کی غایت کے سمجھنے میں پہلے غلطی کرتے ہیں اور پھر اُس غلطی کی بنا پر اُس شبہ کو قایم کرتے ہیں ۔ نبوت ہمیشہ فطرت کے تابع ہوتی ہے اُس کا مقصد حقایق اشیا کو علے ماہی علیہ بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ اُس کی غایت تہذیب نفس ہوتی ہے پس جو امور کہ کسی قوم میں یا انسان کے خیال میں ایسے پائے جاتے ہیں جو موید تہذیب نفس کے ہیں گو کہ وہ مطابق حقایق اشیا علے ماہی علیہ کے نہ ہوں تو انبیا اُن سے کچھ تعرض نہیں کرتے بلکہ وہ اُس کو بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ مطابق حقیقت اشیا علے ماہی علیہ کے ہے یا نہیں بطور ایک امر مسلمہ مخاطب کے تسلیم کر کے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص بحث کرنے والا اپنے مخالف کے امر مسلمہ کو باوجودیکہ وہ اس کو صحیح نہ جانتا ہو تسلیم کر کے مخالف ہی کے امر مسلمہ سے مخالف کو ساکت کرنا چاہے پس ایسے مواقع پر یہ سمجھنا کہ جو کچھ انبیا نے تسلیم کیا یا اُس کو اپنے مقصد کے لئے کام میں لائے اُسی کے مطابق حقایق اشیا بھی ہیں یہی غلطی ہے اور یہی غلطی باعث اس قسم کے شبہات کے پیدا ہونے کی ہوتی ہے ۔ مثلاً لوگ یقین کرتے تھے کہ خدا نے چھ دن میں زمین و آسمان و تمام کائنات پیدا کی ہے ۔ اب ایک پیغمبر اُس قوم کو نصیحت کرتا ہے کہ جس نے چھ دن میں زمین و آسمان پیدا کئے اُسی کی عبادت کرو پس اس بیان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُس پیغمبر کا بیان نسبت چھ دن میں آسمان و زمین کی پیدایش کے بطور بیان حقیقت اشیا ماہی علیہ کے ہے سخت غلطی ہے کیونکہ اُس پیغمبر نے اُس قوم کے امر مسلمہ ہی کو تسلیم کر کے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کے استحقاق عبادت کو ثابت کیا ہے ❖

انسان کی ابتدائی حالت کی فلاسفی پر غور کرنے سے جو وحشی قوموں کی حالت یا وحشی زمانے سے شروع ہوتے ہی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کے دل میں اپنے سے زیادہ قوی و زبردست اشیا کو

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

پھر پکڑا اُن کو زلزلے نے پھر صبح کی اُنہوں نے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے ﴿۷۸﴾ پھر (صالح) اُن سے پھر گیا اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے پہنچایا تمہارے پاس پیغام اپنے پروردگار کا اور خیر خواہی کی تمہاری ولیکن تم دوست نہیں جانتے خیر خواہی کرنے والوں کو ﴿۷۹﴾

اپنے گرد دیکھ کر کسی وجود قوی کا جس کو اُنہوں نے خدا تسلیم کیا خیال آیا ہے اُسی کے ساتھ ساتھ اُس کے خوش رکھنے کے لئے اُسی کی عبادت کا بھی خیال ہوا ہے اور اسی کے ساتھ یہ خیال بھی پیدا ہوا ہے کہ دنیا میں جو مصیبتیں آتی ہیں وہ اُس کی خفگی کے اور انسانوں کے افعال سے ناراض ہو جانے کے سبب آتی ہیں پس یہ خیال کہ تمام آفات ارضی و سماوی انسانوں کے گناہوں کے سبب سے ہوتی ہیں ایک ایسا خیال تھا جو تمام انسانوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا تھا اور اس زمانہ میں بھی جاہل قوموں کے دلوں میں ویسی ہی مضبوطی سے جما ہوا ہے۔ یہ خیال خواہ وہ حقیقت اشیاء علیٰ ما ہی علیہ کے مطابق ہو یا نہ ہو ایک ایسا خیال ہے جو تہذیب نفس انسانی کا نہایت موید ہے اور بموجب اُس اصول فطرت کے جس کے تابع انبیاء علیہم السّلام ہوتے ہیں اُن کو ضرور تھا کہ اس امر مسلمہ کو تسلیم کر کے لوگوں کو تہذیب نفس کی ہدایت کریں۔ پس قرآن مجید کے اس قسم کے بیانات کہ جن میں حوادث ارضی و سماوی کو انسان کے گناہوں سے منسوب کیا ہے یہ سمجھنا کہ وہ ایک حقیقت اشیاء علیٰ ما ہی علیہ کا بیان ہے اُن سمجھنے والوں کی غلطی ہے نہ قرآن مجید کی +

یہ اصول جو میں نے بیان کیا ایک ایسا اصول ہے کہ اگر وہ ذہن میں رکھا جائے تو بہت سے مقامات قرآن مجید کی اصلی حقیقت منکشف ہوتی ہے مگر یہ اصول ایسا نہیں ہے جس کو میں نے ایجاد کیا ہو اور نبوت کو ماتحت فطرت قرار دیا ہو بلکہ اور محققین علما کی بھی یہی رائے ہے جس کا بیان بہت مختصر طور پر "سنۃ ایام" کے بیان میں گذرا ہے مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں اس اصول کو زیادہ تر وضاحت سے بیان کیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ اس کی نسبت لکھا ہے اس کا مطلب بالکل اُسی کے مطابق ہے جو میں نے بیان کیا گو کہ دونوں کے طرز ادا اور طریق تقریر اپنی اپنی طرز پر جداگانہ مذاق سے ہو +

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ بات جان لینی چاہئے کہ نبوت فطرت کے ماتحت ہے جیسا کہ انسان کے کبھی دل میں بہت سے علوم اور باتیں جم کر بیٹھ جاتی ہیں اور اُنہی پر مبنی ہوتی ہیں وہ چیزیں جو اُس پر اُس کے سودا میں فائض

اعلم ان النبوۃ من تحت الفطرۃ کما ان الانسان قد یدخل فی صمیم قلبہ وجذر نفسہ علوم و ادرکات علیہا تبتنی ما یفاض علیہ من رؤیا غیری بالامور متشبعۃ بما اختزنتہ دون غیرہا کذلک

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جس وقت اُس نے کہا اپنی قوم کو کیا تم فحش کام کرتے ہو کہ اُس کو تم سے پہلے کسی ایک نے بھی جہانوں کے لوگوں میں سے نہیں کیا ﴿۸۰﴾ بیشک تم مردوں کے پاس آتے ہو شہوت رانی کو عورتوں کے سوا، تم ایک قوم ہو حد سے گذری ہوئی ﴿۸۱﴾

لكل قوم واقليم لهم فطرة فطروا عليها امورهم كلها كاستقباح الذبح والقول بالقدم فطرة فطر الهنود عليها وجواز الذبح والقول بحدوث العالم فطرة فطر عليها بنو سام من العرب والفارس فانما يجيء النبي يتامل فيما عندهم من الاعتقاد والعمل فما كان موافقا لتهذيب النفس يثبته لهم ويرشدهم اليه وما كان مخالفا لتهذيب النفس فانه ينهاهم عنه وقد يحصل بعض الاختلاف من قبل اختلاف فيض الجود كما ذكرنا في توجه المجوس الى القوى الفلكية وتوجه الحنفاء الى الملاء الاعلى لا غير وكما ذكرنا في عموم بعثة النبي خاتمه بخلاف سائر النبوة فالنبوة سويته وتهذيبه وجعله كاحسن ما ينبغي سواء كان ذلك الشيء شمعا او طينا فالفطرة والملة بمنزلة المادة كالشمع والطين فلا تعجب باختلاف احوال الانبياء عليهم السلام و اختلاف امورهم عما يتعلق بالمادة فاصل النبوة تهذيب النفس باعتقاد تعظيم الله والتوجه اليه وكسب ما ينجي من عذاب الله في الدنيا والآخرة و اما مجازات السيئة ففي الدورة الاولى كان لا يتوقف على معرفة البعث بعد الموت ولا الملائكة وفي الدورة الاخرى توقفت على الايمان بالله بالصفات الحقيقية والملائكة وكتبه ورسله والايمان بالبعث بعد الموت اما مسئلة قدم العالم وحدوثه ومسئلة التناسخ ومسئلة تحريم الذبح وحله ومسئلة الصفات الله التي من التجدد والتنقل والصفات الحادثة كالرؤية والنزول والارادة المتجددة وابداء

ہوتی ہیں پھر وہ اُن چیزوں کی صورتوں کو دیکھتا ہے جس کو اس نے پیدا کیا ہے نہ اُس کے سوا اور کسی کو ایسے ہی ہر ایک قوم اور اقلیم کی ایک فطرت ہے جس پر اُس کی سب باتیں پیدا کی گئی ہیں۔ جیسے جانور کے ذبح کرنے کو بُرا جاننا اور عالم کو قدیم کہنا یہ ایک فطرت ہے کہ فطرت ہنود کی اس پر ہے اور ذبح جانور کو جائز ماننا اور عالم کو حادث کہنا فطرت ہے جس پر بنی سام یعنی عرب اور فارس مخلوق ہوئے ہیں نبی جو آیا کرتا ہے وہ اُن کے علوم اور اعتقادات اور اعمال میں تامل کیا کرتا ہے جو اُن میں سے موافق تہذیب نفس کے ہوتا ہے اسکو ثابت رکھتا ہے اور اُن کو وہی راہ چلاتا ہے اور جو کہ تہذیب نفس کے خلاف ہو اُس سے منع کرتا ہے اور کبھی کچھ اختلاف ہو جاتا ہے بوجہ اختلاف فیض الٰہی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے بیچ معاملہ متوجہ ہونے مجوس کے قوائے فلکیہ کی جانب اور متوجہ ہونے حنفا کے ملاء اعلیٰ کی جانب اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے بعثت نبی کے عام ہونے اور خاتم النبیین کے بیان میں بخلاف اور نبیوں کے پس نبوت اُس فطرت کا درست اور آراستہ کرنا ہے اور اُس کو درست کرنا جس قدر اُس کا عمدہ تر ہونا ممکن ہے

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ (۸۰) فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ (۸۱)	اور نہ تھا اُن لوگوں کا جواب بجز اس کے کہ اُنہوں نے کہا نکال دو اُن کو اپنی بستی سے بیشک وہ آدمی ہیں اپنے تئیں پاک بتانے والے (۸۰) پھر نجات دی ہم نے اُس کو اور اُس کے لوگوں کو بجز اُس کی عورت کے کہ وہ تھی پیچھے رہجانے والوں میں (۸۱)

وغیر ذلک فانہا کلہا من الفطرۃ والمادۃ لیست بحث عن ذلک بالاصالۃ (تفہیمات)

خواہ وہ شے موم ہو خواہ گارا فعات مذہب کے لئے بمنزلہ مادہ کے ہے مثل موم اور گوندھی مٹی کے

پس تعجب نہ کرنا چاہئے اختلاف احوال انبیا سے اور اُن کے اس اختلاف سے جو ان امور سے متعلق ہیں جو بمنزلہ مادہ کے ہے پس اصل نبوت تہذیب نفس کی ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اعتقاد سے اور اُس کی طرف متوجہ ہونے سے اور اُن امور کے کرنے سے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دنیا اور آخرت میں بچاوے برائی کا بدلہ پہلے زمانہ میں اس پر موقوف نہ تھا کہ مرنے کے بعد اُٹھنے کو جانیں اور پچھلے زمانہ میں اس پر موقوف ہے کہ اللہ پر ایمان لاویں اور اُس کی صفات تعظیمیہ پر اور فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے سب رسولوں پر اور مرنے کے بعد اُٹھنے پر ایمان لاویں اور مسئلہ قدم عالم اور حدوث عالم اور مسئلہ تناسخ اور مسئلہ حرام ہونے ذبح جانور کا اور مسئلہ صفات کا جو کہ بدلتے رہتے ہیں اور صفات جو کہ حادث ہیں جیسے دیکھنا اور اُترنا اور دنیا اور مادہ اور ایسے ہی اور صفات پس یہ مسئلہ فطرتی ہے اور بمنزلہ مادہ کے ہے ایسے مسائل سے اصلی طور پر نبی بحث کرتا ہے۔ یہ بیان شاہ ولی اللہ صاحب کا ہماری دلیل سے بالکل مطابق ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہماری دلیل کا ماخذ یہی بیان ہے جو نہایت عالی دماغی اور بلاخوف لومۃ لایم کے شاہ صاحب نے فرمایا ہے ◆

قوم ثمود

ثمود جس کے نام سے قوم ثمود مشہور ہوئی جثر بن ارام بن سام بن نوح کا بیٹا ہے۔ اور عاد اور ہود کا ہمعصر ہے حضرت صالح پیغمبر اُس کی چھٹی پشت میں ہیں اور اسی لئے زمانہ حضرت صالح کا اخیر انیسویں یا شروع بیسوی صدی دنیاوی میں اور قریباً سو برس پیشتر حضرت ابراہیم سے پایا جاتا ہے ◆

قوم ثمود الحجر میں آباد تھی اور پہاڑ کو کھود کر اُس میں گھر بنائے تھے تقویم البلدان میں اسمٰعیل ابوالفدا نے ابن حوقل کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اُن پہاڑوں میں گیا تھا اور اُس نے اُن کا

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۸۲﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸۳﴾

اور برسایا ہم نے اُن پر برسانا پھر دیکھ کیا ہوا انجام گنہگاروں کا (۸۲) اور (بھیجا ہم نے) مدین کے لوگوں کے پاس اُن کے بھائی شعیب کو اُس نے کہا کہ اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود بجز اُس کے - بیشک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے پروردگار سے پھر پورا کرو پیمانہ کو اور ترازو کو اور مت کم دو اُن لوگوں کو اُن کی چیزیں اور نہ فساد کرو زمین میں اُس کی اصلاح ہو جانے کے بعد یہ ہے بہتر تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو (۸۳)

کو دیکھا تھا جو پہاڑ کو کھود کر بنائے تھے - افسوس ہے کہ سلاطین اسلامیہ نے اس طرح پر عرب کے قدیم حالات کی تحقیقات نہیں کی کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جزیرہ عرب میں بہت سی ایسی چیزیں موجود ہونگی جن سے پُرانے تاریخی حالات کی صحت پر بہت کچھ مدد مل سکتی ہے +

عاد اولے حضرت نوح سے پانچویں پشت میں تھا اور عاد اور ثمود دونوں آپس میں بھائی تھے قوم عاد کے برباد ہونے کے بعد قوم ثمود نے ترقی کی تھی جس کی نسبت خدا نے فرمایا "واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد" اور چونکہ قوم ثمود نے قوم عاد کے بعد ترقی کی تھی اسی سبب سے ثمود کو عاد ثانی کہتے ہیں جیسے کہ نوح کو آدم ثانی +

حضرت صالح قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے جو واقعات کہ اُن کے زمانہ نبوت میں گذرے اُن کا بیان مندرجہ حاشیہ آیتوں میں ہے اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صالح نے اُن لوگوں سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو خدا کی عبادت کرو تمہارے لئے اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اُن لوگوں نے کہا کہ تم تو سحر زدہ ہو تم تو ہم ہی جیسے ایک آدمی ہو - اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ - حضرت صالح نے کہا کہ تمہارے پاس ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آئی ہے - یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے اُس کو چھوڑ دو کہ خدا کی

والی ثمود اخاھم صالحا قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ قد جاءتکم بینۃ من ربکم ھذہ ناقۃ اللہ لکم آیۃ فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب الیم - واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد وبوأکم فی الارض تتخذون من سھولھا قصورا وتنحتون الجبال بیوتا فاذکروا آلاء اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین فعقروا الناقۃ وعتوا عن امر ربھم واخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جاثمین -

(الاعراف)

قال یا قوم ارأیتم ان کنت علی بینۃ من ربی

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ (۸۴) وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (۸۵)

اور مت گھات میں بیٹھو ہر رستہ میں کہ ڈراتے ہو اور بند کرتے ہو اللہ کے رستہ سے اس کو جو اس کے ساتھ ایمان لایا ہے اور چاہتے ہو اس میں کجروی۔ اور یاد کرو جبکہ تم تھے تھوڑے پھر زیادہ کر دیا تم کو اور دیکھو کیا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا (۸۴) اور اگر ہے تم میں کوئی گروہ کہ ایمان لایا ہے اس پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور کوئی گروہ کہ نہیں ایمان لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ حکم کرے اللہ ہم میں اور وہ بہت اچھا حکم کرنے والا ہے (۸۵)

وان اتانی منه رحمة فمن ینصرنی من الله ان عصیته فما تزیدوننی غیر تخسیر - ویا قوم هذه ناقة الله لکم آیة فذروها تاکل فی ارض الله ولا تمسوها بسوء فیاخذکم عذاب قریب فعقروها فقال تمتعوا فی دارکم ثلثة ایام ذلک وعد غیر مکذوب - فلما جاء امرنا نجینا صالحا والذین امنوا معه برحمة منا ومن خزی یومئذ ان ربک هو القوی العزیز - واخذ الذین ظلموا الصیحة فاصبحوا فی دیارهم جاثمین " هود – ۶۶ – ۷۰

قالوا انما انت من المسحرین ما انت الا بشر مثلنا فات بآیة ان کنت من الصادقین - قال هذه ناقة لها شرب ولکم شرب یوم معلوم - ولا تمسوها بسوء فیاخذکم عذاب یوم عظیم - فعقروها فاصبحوا نادمین - فاخذهم العذاب ان فی ذلک لآیة وما کان اکثرهم مؤمنین -

(۲۶ - شعراء ۱۵۳ - ۱۵۸)

واما ثمود فهدیناهم فاستحبوا العمی علی الهدی فاخذتهم صاعقة العذاب الهون بما کانوا یکسبون -

(۴۱ - فصلت ۱۷)

انا مرسلوا الناقة فتنة لهم فارتقبهم واصطبر - ونبئهم ان الماء قسمة بینهم کل شرب محتضر فنادوا صاحبهم فتعاطی فعقر فکیف کان عذابی ونذر - انا ارسلنا علیهم صیحة واحدة فکانوا کهشیم المحتظر (۵۴ - سورۃ القمر - ۲۷ - ۳۱) ◆

زمین میں چرتی پھرے۔ باقی رہا پانی ایک دن اس کو پی لینے دیا کرو اور ایک دن تم سے لیا کرو اور اس کو کچھ برائی مت پہنچاؤ نہیں تو تم کو دکھ دینے والا عذاب پکڑ لیگا۔ وہ لوگ اونٹنی سے تنگ آ گئے انہوں نے اس کو ذبح کر ڈالا یا اس کی کونچیں کاٹ دیں کہ مر گئی۔ حضرت ہود نے کہا کہ تین دن اپنی جگہ میں چین کر لو عذاب آنے کا وعدہ نہیں ٹلنے کا اس کے بعد ان پر خدا کا عذاب پڑا کہ بڑی گرج ہوئی اور حد سے زیادہ بھونچال آیا اور وہ اپنے رہنے کی جگہ میں گھٹنوں کے بل گر کر مر گئے ◆

قرآن مجید میں تو یہ قصہ اسی قدر ہے مگر ہمارے مفسرین نے اس قصہ کو ایک تودہ طوفان بنا دیا ہے جس کے لئے کوئی معتبر سند بھی نہیں ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کے ان لفظوں کو کہ "فات بآیة ان کنت من الصادقین" اور ان لفظوں کو "قد جاءتکم بینة من ربکم" دیکھ کر تصور کیا کہ وہ اونٹنی کسی عجیب و بیجا طریقہ سے پیدا ہوئی ہوگی۔ کچھ عجب نہیں کہ پہلے سے عرب میں اس

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۶﴾

کہا اُس قوم کے سرداروں میں سے اُن لوگوں نے جو تکبر کرتے تھے کہ ضرور ہم تجھ کو نکالدینگے اے شعیب اور اُن لوگوں کو جو ایمان لانے میں تیرے ساتھ اپنی بستی سے یا یہ کہ پھر آجاؤ تم ہمارے دین میں ۔ شعیب نے کہا گو کہ ہم کراہیت کرنیوالے ہوں ﴿۸۶﴾

فاما ثمود فاهلكوا بالطاغية (۶۹-الحاقہ ۵) ✦
كذبت ثمود بطغواها ۔ اذ انبعث اشقاها ۔ فقال لهم رسول الله ناقة الله وسقياها فكذبوه فعقروها فدمدم عليهم ربهم بذنبهم فسواها ✦
(۹۱- سورۃ الشمس ۱۱-۱۴) ✦

اونٹنی کی نسبت عجیب باتیں مشہور ہوگئی مفسرین نے اُن افواہی باتوں کو قرآن مجید کے اُن الفاظ کے خیال سے سچ سمجھا اور تفسیروں میں لکھ دیا حالانکہ اُس کے لئے کوئی معتبر سند نہیں ہے ✦

اُنھوں نے لکھا ہے کہ جب حضرت صالح نے بتوں کی پرستش سے اُن کو منع کیا اور خدائے واحد کی پرستش کی ہدایت کی تو قوم ثمود نے جس میں کہ خود حضرت صالح بھی تھے معجزہ طلب کیا ۔ حضرت صالح نے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو ۔ اُنھوں نے کہا کہ تم ہمارے تیوہار کے دن ہمارے ساتھ چلو ہم اپنے بتوں کو نکالینگے تم خدا سے معجزہ مانگنا ہم اپنے بتوں سے مانگینگے ۔ اگر تمھاری دعا کا اثر ہوا تو ہم تمھارے مرید ہو جاوینگے اور اگر ہماری دعا کا اثر ہوا تو تم ہمارے مرید ہو جانا ۔ اس اقرار پر دونوں شہر کے باہر گئے اُنھوں نے اپنے بتوں سے کچھ دعا مانگی مگر کچھ نہ ہوا حضرت صالح سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس پہاڑ کے ٹکڑے میں سے ایک اونٹنی نکلے حضرت صالح نے اُن سے اقرار لیا کہ اگر نکلے تو تم ایمان لے آؤ گے سب نے اقرار کیا جب بات پکی ہوگئی تو حضرت صالح نے دو رکعت نماز کی پڑھی اور خدا سے دعا مانگنی شروع کی ۔ وہ پہاڑ کا ٹکڑا پھولنا شروع ہوا اور حاملہ کے پیٹ کی مانند پھول گیا ۔ پھر پھٹا اور اُس میں سے نہایت بڑی موٹی مستندی اونٹنی نکلی ۔ اور اُسی وقت اُس نے اپنے برابر کا بچہ بھی دیدیا ✦

اُس اونٹنی کا پیدا ہونا ہی عجیب طرح پر بیان نہیں کیا بلکہ اُس کی عجیب عجیب صفات بھی بیان کی ہیں ۔ لکھا ہے کہ جہاں قوم ثمود رہتی تھی وہاں پانی بہت کم تھا اور ٹھیرا تھا کہ ایک دن وہ پانی اونٹنی پیا کرے اور ایک دن وہ لوگ لیا کریں ۔ اونٹنی میں یہ عجیب صفت تھی کہ وہ سارا پانی جس کو تمام لوگ پی سکتے تھے سڑپ جاتی تھی اور پہاڑ پر چلی جاتی تھی پھر وہاں سے آتی تھی اور لوگ اُس کا دودھ دُہتے تھے اور اس قدر کثرت سے دودھ ہوتا تھا کہ تمام قوم کے لئے بجائے پانی کے کافی ہوتا تھا ✦

حضرت صالح نے کہا کہ تمہارے شہر میں ایک لڑکا پیدا ہونے کو ہے کہ تمھاری موت

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (۸۷)	بیشک ہم نے جھوٹا افترا کیا ہوگا اللہ پر اگر ہم پھر آجاویں تمہارے دین میں بعد اس کے کہ نجات دی ہم کو اللہ نے اُس سے ۔ اور نہیں ہو سکتا کہ ہم پھر آجاویں اُس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ پروردگار ہمارا ۔ گھیر لیا ہے جانے پروردگار نے ہر چیز کو اپنے علم میں اللہ پر ہمارا توکل ہے ۔ اے ہمارے پروردگار فیصلہ کر دے ہم میں اور ہماری قوم میں ٹھیک طور پر اور تو بہت اچھا فیصلہ کرنے والا ہے (۸۷)

اُس کے ہاتھ سے ہوگی اُنھوں نے یہ بات سُن کر جو لڑکا پیدا ہوا اُس کو مار ڈالا یہاں تک کہ نو لڑکوں کو مارا جب دسواں لڑکا پیدا ہوا کہا کہ جبکہ اب تو ہم نہ ماریںگے مگر بدبختی سے یہ وہی لڑکا تھا جس کے ہاتھ سے اُن کی موت ہونے والی تھی +

بہرحال وہ لڑکا بڑا ہوا جوان ہوا یاروں میں بیٹھنے لگا ایک دن وہ اپنے یاروں کی مجلس میں تھا اور سب نے شراب پینے کا ارادہ کیا اور شراب میں پانی ملانے کو پانی چاہا مگر وہ دن اونٹنی کے پانی پینے کا تھا وہ سب پانی پی گئی تھی ایک قطرہ شراب میں ملانے کو بھی نہیں چھوڑا تھا +

اُس جوان کو نہایت غصہ آیا وہ پہاڑ میں گیا اور اونٹنی کو بلایا جب آئی تو اُس کو ذبح کر ڈالا یا کونچیں کاٹ ڈالیں کہ وہ مر گئی ۔ پھر اُن پر تین دن میں عذاب آیا پہلے دن سب کے بدن سُرخ ہوگئے ۔ دوسرے دن زرد ہوگئے ۔ تیسرے دن کالے ہوگئے ۔ اس پر بھی نہ مرے ۔ تب بھونچال آیا اور اُس کے سبب سے مر گئے ۔ اس قصہ کا لغو اور مہمل ہونا خود اس قصہ سے ظاہر ہوتا ہے مفسرین نے بھی اس قصہ کو اگرچہ لکھا ہے مگر چنداں اعتبار نہیں کیا بعضوں نے تو " روی " کہکر لکھا ہے جو اس قصہ کے ضعیف اور بے سند ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ صاحب تفسیر کبیر نے

اعلم ان القرآن قد دل علی ان فیہا اٰیۃ فاما ذکرانہا کانت اٰیۃ من ای الوجوہ فھو غیر مذکور والعلم حاصل بانہا کانت معجزۃ من وجہ ما لا محالۃ ۔ (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۹۱) +	لکھا ہے کہ قرآن سے پایا جاتا ہے کہ اُس اونٹنی میں کچھ نہ کچھ ایک نشانی تھی مگر یہ بات کہ وہ کیا نشانی تھی اور کس طرح پر تھی بیان نہیں ہوئی مگر اتنی بات معلوم ہے کہ وہ کسی نہ کسی وجہ سے معجزہ تھی ۔ مگر میں

کہتا ہوں کہ جس وجہ سے صاحب تفسیر کبیر نے اُس کو معجزہ مافوق الفطرت قرار دیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے +

ثمود کی قوم نے بتوں کی پرستش اختیار کی تھی اور کئی نسلیں اُن کی بُت پرستی میں گذر گئی تھیں جب حضرت صالح نے ایسے خدائے واحد کی پرستش کی ہدایت کی جس کی نہ کوئی صورت

اور کہا اُن سرداروں نے جو کافر تھے اُسی کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرو گے شعیب کی تو بیشک اُس وقت تم ہو گے نقصان پانے والے (۸۸)	وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (۸۸)

بے شکل ہے نہ اُس کا وجود دکھائی دیتا ہے نہ کوئی اُس کے پاس جا کر اُسے دیکھ سکتا ہے صرف خیال ہی خیال میں وہ ہے اور خیال میں بھی بیچون و بیچگون منزا حیز و مکان اور شکل و صورت و جہت و مثال سے تو ایک فطرتی بات تھی کہ ایک شخص بت پرست کہتے کہ اگر تم سچے ہو تو اُس کی نشانی لاؤ جس کے ذریعہ سے وہ اُس بن دیکھے خدا کی پرستش کریں کیونکہ بغیر کسی ظاہری چیز کے اُن کے دل کو تسلی نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے ایک اونٹنی کو بطور سانڈ کے چھوڑ دیا کہ یہ خدا کی اونٹنی ہے اور تمہارے لئے خدا کی نشانی ہے اُس کو کسی قسم کی ایذا مت پہنچاؤ اور چرنے چگنے دو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح پر جانوروں کے چھوڑنے کی قدیم رسم تھی عرب متعدد طرح پر سانڈ چھوڑتے تھے۔ اونٹنی جب پانچ بچے جن لیتی تھی تو اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور جہاں وہ چرتی چرنے دیتے تھے اور پانی پینے سے نہ ہکاتے تھے۔ بیماری سے اچھا ہونے یا سفر سے آنے پر یا دس برس خدمت لینے کے بعد اونٹ کو بتوں کے نام پر بطور سانڈ کے چھوڑتے تھے جو بحیرہ اور سائبہ اور حام کے نام سے مشہور ہیں حضرت صالح نے بھی اسی طرح اس اونٹنی کو چھوڑا صرف اتنا فرق کیا کہ کسی بت یا کسی مخلوق کے نام پر نہیں چھوڑا بلکہ خدا کے نام پر چھوڑا۔

آیت کے لفظ کے معنی معجزہ کے نہیں ہیں اور اس لئے مصنف تفسیر کبیر کا یہ لکھنا کہ "والعلم حاصل بانها كانت معجزة بوجه ما لا محالة" صحیح نہیں ہے۔ آیت کے معنی نشانی کے ہیں۔ محمد بن ابی بکر الرازی نے لغات قرآن میں لکھا ہے کہ "الآية العلامة ومنه قوله تعالى ان اية ملكه، وقوله تعالى، وجعلنا الليل والنهار آيتين، اى علامتين" پس آیت کے لفظ سے یہ قرار دینا کہ وہ اونٹنی یا سانڈھنی ایک معجزہ تھی جو خلاف قانون قدرت یا مافوق الفطرت پیدا ہوئی تھی قابل تسلیم نہیں ہے۔

دوسرا لفظ ان آیتوں میں "بينة من ربكم" لکھا ہے۔ ان الفاظ کا جو قرآن مجید میں ترجمہ یہ ہے کہ "کہا (صالح) نے اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی خدا سوائے اُس کے۔ بیشک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے پروردگار سے۔ یہ اونٹنی اللہ کی تمہارے لئے نشانی ہے" اگر یہ کہا جاوے کہ اونٹنی ہی وہ دلیل تھی تو الفاظ لکم اية بیکار ہو جاتے ہیں کیونکہ اُس حالت میں صرف اتنا کہنا کافی تھا کہ قد جاءتكم بينة

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٨٩﴾	پھر پکڑا اُن کو زلزلہ نے پھر انھوں نے صبح کی اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے ﴿٨٩﴾

من ربکم ھذہ ناقۃ اللہ فذروھا تاکل الخ دوسرے یہ کہ خدا کی تمام مخلوقات وہ کسی طرح پر پیدا ہو خدا پر دلیل ہے اونٹنی کے پیدا ہونے سے گو کہ وہ کسی عجیب طرح سے پیدا ہوئی ہو خدا پر دلیل ہونے کی کچھ خصوصیت نہیں ہو سکتی پس صاف ظاہر ہے کہ قد جاءتکم بینۃ من ربکم جدا جملہ ہے اور اس سے وہ دلیل مراد ہے جو انبیا اپنی اُمت کو خدا تعالےٰ کے وجود اور اُس کی توحید اور اُس کے استحقاق عبادت کی نسبت بتلاتے ہیں اور ،، ھذہ ناقۃ اللہ لکم اٰیۃ الیٰ اٰخرہٖ جملہ مستانفہ ہے اُس کو بینۃ من ربکم سے کچھ تعلق نہیں ہے ؛

اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ اُس کو بینۃ من ربکم سے تعلق ہے تو بھی اُس سے کوئی نتیجہ سوائے اس کے نہیں نکلتا کہ حضرت صالح نے اُس اونٹنی کو جس طرح ایک نشانی بتایا تھا اُسی طرح اور اُسی مقصد سے اُس کو دلیل یا گواہ بھی کہا تھا۔ بینہ کے لفظ سے اُس سانڈھنی کا معجزہ ہونا اور خلاف قانون قدرت یا مافوق الفطرت پیدا ہو کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ تعجب ہے کہ خدا تعالےٰ نے تمام قصہ حضرت صالح کا بیان کیا اور جو بات سب سے مقدم اور سب سے زیادہ عجیب تھی کہ پہاڑ کو فی الفور اونٹنی کا حمل رہا اور وہ مثل حاملہ کے پیٹ کے پھولنا شروع ہوا اور شق ہوگیا اور اونٹنی پلی پلائی ساٹھ گز چوڑی اور معلوم نہیں کس قدر لمبی سنڈ مسنڈ اُس میں سے پیدا ہوئی اور پیدا ہوتے ہی اپنی برابر کا بچہ جنا اور یہ قدرتی مسئلہ المظروف اقصر من الظرف والجزء اقصر من الکل کو بھی باطل کردیا۔ اُس کا بیان بالکل چھوڑدیا۔ اور مفسرین کو اس کا الہام کیا کیونکہ انھوں نے بغیر غور و فکر اور بغیر کسی معتبر سند کے اس قصہ کو لکھا ہے جو بغیر الہام کے اور کسی طرح لکھا نہیں جاسکتا تھا۔ افسوس ہے کہ ہمارے مفسروں نے ایسے ہی لغو بے معنی قصوں کو قرآن مجید کی تفسیروں میں داخل کرکے مسائل مستحکمہ اسلام کو مضحکہ اطفال بنایا ہے اور اُس کے نور عالم افروز کو لغویات کے گرد و غبار سے دھندلا کردیا ہے۔ خدا اُن پر رحم کرے آمین ✤

جب کہ اُن لوگوں نے اُس سانڈھنی کو مار ڈالا اور کفر و بت پرستی کو نہ چھوڑا تو حضرت صالح نے فرمایا کہ تم تین دن اور چین کرلو پھر تم پر خدا کا عذاب ضرور آوے گا۔ اعداد جو ایسے مقام پر بیان ہوتے ہیں اُن سے وہی عدد مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک زمانہ مراد ہوتا ہے اس طرح کے کلام کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ چند روز تم اور چین کرلو پھر تم پر عذاب ہوگا بدکار انسان کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ تین دن کا یا چند روز کا یہ عیش و آرام ہے اور اُس سے اُس کی تمام عمر مراد ہوتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا حال معلوم ہوگا پس اسی طرح حضرت صالح نے فرمایا ،، تمتعوا

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۵۰﴾	جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو (وہ ہو گئے ایسے کہ) گویا ایسے نہ تھے اُن میں۔ جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی تھے نقصان پانیوالے ﴿۹۰﴾

فی دارکم ثلثة ایام" +

جو آفت کہ قوم ثمود پر آئی وہ شدید بھونچال تھا لفظ طاغیہ جو بعض آیتوں میں ہے وہ اُس کی شدت اور حد سے زیادہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ صیحہ کا اُس بھونچال کی آواز گڑگڑاہٹ پر اشارہ کرتا ہے اور رجفہ کے معنی بھونچال کے ہیں غرضکہ جس طرح عادت اللہ جاری ہے بھونچال کے آنے سے وہ قوم غارت ہو گئی یعنی اُس کے بہت سے آدمی مر گئے اور بہت سے بچے بھی رہے قوم ثمود کے مکانات پہاڑوں میں بھی تھے اور میدانوں میں بھی تھے میدانوں کے مکانات پر تو بھونچال سے صدمہ ظاہر ہے مگر پہاڑ کے اندر کے مکانات پر بھی متعدد طرح سے صدمہ پہنچ سکتا ہے یہ واقعہ کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس کو معجزہ یا خلاف قانون قدرت یا مافوق الفطرت تصور کیا جاوے ابھی یہ واقعہ ہوا ہے کہ اندلس کے علاقہ میں ایک بھونچال کے سبب ایک ہزار آدمی مر گیا +

حضرت لوط کا قصہ سورہ ہود میں زیادہ تفصیل سے ہے اور اُسی مقام پر اُس سے بحث کرنی زیادہ مناسب ہے اس لئے اس بحث کو سورہ ہود کی تفسیر میں لکھینگے مگر حضرت شعیب کے قصہ کا اس مقام پر بیان کرتے ہیں +

﴿۴۳﴾ (والی مدین اخاھم شعیبا) مدین ۔ حضرت ابراہیم کے بیٹے کا نام ہے جو قطورا کے پیٹ سے قریباً سنہ ۲۱۵۱ دنیوی کے پیدا ہوا تھا ۔ مدین کا بیٹا عیفاہ تھا۔ جس کو بعض عربی کتابوں میں غلطی سے عنقا لکھ دیا ہے ۔ یہاں تک تو حسب توریت میں مندرج ہے (دیکھو سفر پیدایش باب ۲۵ ورس ۱ و ۴) اُس کے بعد تاریخ کی کتابوں میں اختلاف ہے۔ مگر اُن اختلافات سے جو امر ہمارے نزدیک زیادہ تر قرین صحت ہے یہ ہے کہ عیفاہ کا بیٹا نوبہ یا نابت تھا۔ اور اُس کا بیٹا ضیعون اور ضیعون کے بیٹے حضرت شعیب ہیں پس حضرت شعیب حضرت ابراہیم سے پانچویں پشت میں ہیں +

مدین ۔ جہاں حضرت ابراہیم کے بیٹے مدین نے سکونت اختیار کی تھی رفتہ رفتہ وہاں شہر آباد ہو گیا۔ اور مدین ہی اس شہر کا نام ہو گیا بطلیموس کے جغرافیہ میں (موڈیانا) اس شہر کا نام لکھا ہے وہ شہر بحر قلزم کے کنارہ سے کسی قدر فاصلہ پر حجاز عرب میں واقع ہے کوہ سینا کے جنوب مشرق میں اب یہ شہر بالکل ویران ہے کچھ نشان کھنڈرات وہاں اب تک موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں ایک قدیم کنواں موسیٰ کے وقت کا بھی موجود ہے +

نہ نہری ملک ہے جیسے انگریزی جغرافیہ میں [illegible] لکھا جاتا ہے [illegible] + احمد بابا مخدوم

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۱﴾	پھر شعیب نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم میں تمہیں پہنچا دیئے پیغام اپنے پروردگار کے اور میں نے خیر خواہی کی تمہارے لئے پھر میں کیونکر افسوس کروں کافروں کی قوم پر ﴿۹۱﴾

حضرت شعیب کا قصہ بالکل سادا اور سیدھا ہے مفسرین نے بھی اس قصہ میں بہت ہی کم رنگ آمیزی کی ہے صاحب تفسیر کبیر اس بات سے کہ شعیب پیغمبر پاس کوئی معجزہ نہ تھا نہایت متعجب ہوئے ہیں چہ کہتے ہیں کہ گو قرآن میں خدا نے اُن کے کسی معجزہ کو نہ بیان کیا ہو مگر ضرور اُن کے پاس معجزہ ہوگا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ شعیب حضرت شعیب نے نبوۃ کا دعوے کیا پھر کہا کہ آئی ہے تمہارے پاس بینہ یعنی دلیل یا گواہی تمہارے پروردگار کے پاس سے۔ اور واجب ہے کہ اس جگہ بینہ سے مراد معجزہ ہو کیونکہ جو شخص نبوت کا دعوے کرے اس کے لئے معجزہ کا ہونا ضرور ہے اور نہیں تو وہ متنبی ہوگا نہ سچا نبی۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُن کے پاس کوئی معجزہ تھا جو اُن کے سچا ہونے پر دلالت کرتا تھا۔ مگر یہ بات کہ وہ معجزہ کس قسم کا تھا قرآن میں اس پر کچھ اشارہ نہیں ہے جیسے کہ قرآن میں ہمارے رسول خدا کے بہت سے معجزوں پر کچھ اشارہ نہیں ہے ✦ (انتہی)

انه (ای الشعیب) ادعی النبوة فقال قد جاءتکم بینة من ربکم۔ ویجب ان یکون المراد من البینة ههنا المعجزة لانه لابد لمدعی النبوة والا لکان متنبیًا لا نبیاء فهذه الایة دلت علی انه حصلت له معجزة دالة علی صدقه فاما ان تلك المعجزة من ای الانواع کانت فلیس فی القرآن دلالة علیه کما لم یحصل فی القرآن الدلالة علی کثیر من معجزات رسولنا۔ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۶۹ ✦

اس کے بعد صاحب تفسیر کبیر نے تفسیر کشاف سے حضرت شعیب کے چند معجزے نقل کیے ہیں اور جیسے کہ وہ فی نفسہ لغو ہیں ویسے ہی تاریخانہ امور کے لحاظ سے بھی غلط ہیں پس ہم کو اس مقام پر اُن کے ذکر کی ضرورت نہیں ہم صرف اُسی مضمون پر بحث کرنا چاہتے ہیں جو قرآن مجید سے پیدا ہوتا ہے ✦

قرآن مجید میں حضرت شعیب کا قصہ نہایت صاف طرح پر بیان ہوا ہے بہت سا حصہ اس کا تو اسی سورۃ میں ہے اور پھر اُسی کی مثل سورہ ہود میں اور سورہ شعرا میں اور سورہ عنکبوت میں آیا ہے اور وہ ایسے صاف لفظوں میں ہے جن کو بجز ترجمہ کے اور کسی تفسیر کی حاجت نہیں ✦

(۱۰۱) (ثم بعثنا من بعدهم موسیٰ) اس آیت سے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ شروع ہوا ہے۔ اس قصہ میں مندرجہ ذیل امور بحث طلب ہیں ✦

۱۔ تحقیق لفظ آیہ و لفظ بینہ۔ ۲۔ حقیقت سحر اور یہ کہ کن معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ ۳۔ بیان تخیل تحرک حبل و عصائے سحرۂ فرعون۔ ۴۔ بیان عصائے موسیٰ اور اُس کا ثعبان

اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی نبی مگر ہم نے اُسی کے لوگوں کو پکڑا بلامیں اور دُکھ میں تاکہ وہ عاجزی کریں (۹۲)	وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ (۹۲)

۴۔ اژدہے کے دکھائی دینا۔ ۵۔ بیان ید بیضا۔ ۶۔ ذکر قتل اولاد بنی اسرائیل۔ ۷۔ بیان قحط۔ ۸۔ ذکر طوفان۔ و جراد۔ و قمل۔ و ضفادع۔ و دم۔ ۹۔ غرق فی البحر۔ ۱۰۔ اعتکاف حضرت موسیٰ کا پہاڑ میں۔ ۱۱۔ حقیقت کلام خدا با موسیٰ۔ ۱۲۔ حقیقت تجلی بجبل۔ ۱۳۔ بیان کتابت فی الالواح۔ ۱۴۔ اتخاذ عجل۔ ۱۵۔ ستر آدمیوں کا منتخب کرنا۔ ۱۶۔ ذکر ستقائے قوم موسیٰ اور ظاہر ہونا چشموں کا۔ ۱۷۔ سایہ کرنا ابر کا۔ ۱۸۔ من وسلوے کا اُترنا۔ ۱۹۔ دخول باب +

ہم ان اُنیسوں امور کی نسبت علحدہ علحدہ بیان کرنا چاہتے ہیں مگر ان میں سے جن امور کا پہلے بیان ہوچکا ہے اُن کے صرف حوالہ دینے پر اکتفا کرینگے +

اول تحقیق معنی لفظ آیہ و بیّنہ

ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں بہ تحت تفسیر، "وآتینا عیسی ابن مریم البینات" لفظ آیہ و بیّنہ پر مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان الفاظ کے معنی معجزہ کے نہیں ہیں بلکہ احکام کے ہیں۔ اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ معجزہ دلیل ثبوت نبوت نہیں ہوسکتا اور اس صورت میں آیہ و بیّنہ کے معنی اِس غرض سے معجزہ کے لینے کہ وہ مثبت نبوت ہوتا ہے عرط القتاد سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتا +

دوم حقیقت سحر

اور یہ کہ کن معنوں میں اُس کا استعمال ہوتا ہے

سحر کا لفظ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے کہ بہت سے الفاظ زبان عرب میں ایسے مستعمل تھے جن کے لئے نفس الواقع کوئی حقیقت نہ تھی اور نہ درحقیقت اُن کا مصداق تھا نہ اُن کا کوئی ستی حقیقۃً وجود رکھتا تھا۔ بلکہ عرب جاہلیت نے اپنے وہم میں ایک شے غیر موجود کا وجود قرار دیا تھا اور اُس سے کچھ افعال منسوب مکئے تھے اور اُس شے غیر موجود وہمی کے لئے وہ الفاظ مستعمل کرتے تھے۔ قرآن مجید اہل عرب کی زبان میں نازل ہوا اور اس لئے اُس زبان کے محاورہ کے موافق وہ الفاظ

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ	پھر بدل دیا ہم نے بُرائی کی جگہ بھلائی کو یہاں تک کہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ بیشک چھوا تھا ہمارے باپوں کو دُکھ

بھی قرآن مجید میں آئے ہیں - مگر قرآن مجید میں اُس کا استعمال اُن اثروں کے سمجھانے کے لئے ہوا ہے جو اثر کہ اہل عرب اُن لفظوں سے پاتے تھے نہ اس لئے کہ اُن لفظوں کے لئے فی الواقع کوئی حقیقت تھی یا درحقیقت اُن کا کوئی مصداق تھا ۔

اس کی مثال میں ہم ایک مباحثہ لطیف کا ذکر کرتے ہیں جو خلیفہ منصور کے وزیر ابوالفضل بن ربیع کی مجلس میں ایک بہت بڑے عالم سے ہوا تھا - مراۃ الجنان المشہور بہ تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ فضل بن ربیع نے جو خلیفہ منصور کا وزیر اور ایک بہت بڑا عالم تھا ابوعبیدہ کے پاس جو اُس زمانہ کے بہت بڑے عالم متبحر تھے اور بصرہ میں تھے ایک شخص بھیجا اور اپنے پاس بُلایا وہ آئے اور اُن کو وزیر کی مجلس میں آنے کی اجازت ملی جب وہ مجلس میں گئے تو دیکھا کہ وہ ایک بہت لمبے چوڑے مکان میں ہے جس میں بھر پور ایک ہی کپڑے کا فرش بچھا ہوا ہے اور صدر میں ایک بہت اونچی جگہ جس پر بغیر زینہ کے چڑھا نہیں جا سکتا مسند تکیہ لگا ہوا ہے اور وہ اس پر بیٹھا ہے - ابوعبیدہ نے موافق اُس آداب کے جو وزیروں کے لئے مقرر کیا تھا سلام علیک کی وزیر نے اُس کا جواب دیا اور اپنی مسند کے پاس بیٹھنے کی اجازت دی - پھر ابوعبیدہ کی خیر و عافیت پوچھی اور اُن پر التفات کیا اور بہت مہربانی کی - پھر کہا کہ کچھ اشعار پڑھو ابوعبیدہ نے عرب جاہلیت کے نہایت عمدہ اشعار جو اس کو یاد تھے پڑھے - وزیر نے کہا کہ ایسے تو بہت سے اشعار میں بھی جانتا ہوں میرا یہ مقصد تھا کہ کچھ نمکین چٹ پٹے اشعار سناؤ ابوعبیدہ نے ویسے ہی اشعار پڑھے جن کو سُنکر وزیر خوش ہوا اور ہنسا اور مزے میں آگیا - اتنے میں وزیر کا ایک منشی جو وجیہ آدمی تھا آگیا وزیر نے اُس کو ابوعبیدہ کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا اور

قال ابوعبیدة ارسل الی الفضل بن الربیع الی البصرة فی الخروج الیه فقدمت علیه وکنت اخبر عن تجبره فاذن لی فدخلت علیه وهو فی مجلس طویل عریض فیه بساط واحد قد ملأه وفی صدره فرش عالیة لا یرتقی علیها الا بکرسی وهو جالس علی الفرش فسلمت علیه بالوزارة فرد وضحک الی واستدنانی من فرشه ثم سألنی وبسطنی وتلطف بی وقال فانشدنی فانشدته من عیون اشعار جاهلیة احفظها فقال قد عرفت اکثر هذه وارید من ملیح الشعر فانشدته فطرب وضحک وزاد نشاطه ثم دخل رجل فی زی الکتاب وله هیئة حسنة فاجلسه الی جانبی وقال اتعرف هذا قال لا فقال هذا ابوعبیدة علامة اهل البصرة اقدمناه لنستفید من علمه فدعا له الرجل ثم التفت الی وقال لی کنت الیک مشتاقا وقد سألت عن مسئلة افتاذن لی ان اعرفک ایاها قلت هات فقال قال الله تعالٰی طلعها کانه رؤس الشیاطین وانما یقع الوعد والایعاد بما قد عرف وهذا لم یعرف قال فقلت انما کلم الله العرب علی قدر کلامهم اما سمعت قول

وَالضَّرَّآءِ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۳﴾	اور دُکھ نے ۔ پھر ہم نے اُن کو یکا یک پکڑ لیا اور وہ نہیں جانتے تھے ﴿۹۳﴾

امری القیس

ایقتلنی والمشرفی مضاجعی
ومسنونۃ زرق کانیاب اغوال
وھھ لم یرو الغول قط ولکنہ لما کان امر الغول یھولھم اوعدوابہ فاستحسن الفضل والسائل فی ذلک ۔

مرأۃ الجنان ۔ ورق ۱۵۱ ۔

اور ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کر کے منشی سے پوچھا کہ تم ان کو جانتے ہو اُس نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتا وزیر نے کہا کہ یہ ابو عبیدہ ہیں علماء اہل بصرہ میں سے اُن کو بلایا ہے تاکہ اُن کے علم سے ہم فائدہ اُٹھادیں اُس منشی نے وزیر کو دعا دی اور ابو عبیدہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں آپ سے ملنے کا بہت مشتاق تھا ۔ لوگوں نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا ہے آپ مجھ کو اجازت دیتے ہیں کہ اُس کو آپ سے کہوں ابو عبیدہ نے کہا کہ کہو اُس منشی نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے دوزخ کے درخت کے پھل کو شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دیکر ڈرایا ہے مگر لالچ دینا یا ڈرانا ایسی چیز سے ہوسکتا ہے جس کو وہ لوگ جانتے ہوں مگر شیطانوں کے سروں کو تو کوئی نہیں جانتا کہ کیسے ہیں ابو عبیدہ نے کہا کہ خدا نے عرب کے کلام کے مطابق کلام کیا ہے کیا تم نے امرء القیس کا قول نہیں سنا چنانچہ ابو عبیدہ نے وہ شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے :۔

کیا وہ مجھ کو مار ڈالینگے اور تلوار میری ساتھ لیٹی ہے
اور نیلی چمکدار برچھیاں ہیں مانند دانتوں غول بیابانی کے

اُس شخص نے جس کے حق میں یہ شعر کہا ہے یا اور کسی نے غول بیابانی کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر جب کہ غول بیابانی کا ہول اُس کے دل میں تھا تو اُسی سے اُن کو ڈرایا اس تقریر کو وزیر ابو الفضل اور اُس کے منشی دونوں نے پسند کیا (انتہیٰ) ۔

غرضکہ جس طرح امرء القیس کے شعر سے یہ لازم نہیں آتا کہ درحقیقت غول بیابانی کے لمبے لمبے نیلے چمکدار دانت ہوتے ہیں اسی طرح قرآن مجید میں جو رؤس الشیاطین کا لفظ آیا ہے اُس کو یہ لازم نہیں آتا کہ درحقیقت شیطان کا ڈراؤنا سر ہوتا ہے بلکہ جس چیز سے اپنے خیالات کے موافق عرب دہشت کھاتے تھے اُسی سے اُن کے خیالات کے موافق دھمکایا ہے اسی طرح سحر کا لفظ جا قرآن میں آیا ہے وہ صرف عرب جاہلیت کے خیال کے موافق آیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس طرح پر عرب جاہلیت سحر کو سمجھتے تھے درحقیقت اُس طرح پر اُس کا وجود تھا ۔ یا خدا تعالیٰ نے اُس کا واقعی ہونا بتایا ہے یا عرب جاہلیت کے خیالات کی تصدیق کی ہے ۔

اسی طرح سینکڑوں لفظ قرآن مجید میں حسب محاورہ زبان عرب اور بلحاظ خیالات عرب جاہلیت آتے ہیں جن سے اُن کا واقعی ہونا مراد نہیں ہے ۔ علمائے متقدمین نے اس باب میں کتابیں

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۹۴)

اور اگر اُس بستی کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو بیشک ہم اُن پر کھول دیتے آسمان اور زمین کی برکتیں ولیکن اُنھوں نے جھٹلایا پھر ہم نے اُن کو پکڑ لیا بسبب اُس کے جو وہ کماتے تھے (۹۴)

لکھی ہیں۔ چنانچہ تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ اس مباحثہ کے بعد ابو عبیدہ نے اُسی دن سے ارادہ کیا کہ وہ قرآن کے اس قسم کے الفاظ کے بیان میں ایک کتاب لکھے اور جب وہ بصرہ میں واپس آگیا تو اُس نے کتاب لکھی اور اس کا نام مجاز رکھا۔ افسوس ہے کہ اس قسم کی کتابیں دستیاب نہیں ہوتیں ہمارے زمانہ کے عالم اُن کتابوں سے ناواقف محض ہیں۔ اور جب کوئی شخص جس کو خدا نے بصیرت دی ہے قرآن مجید پر غور کر کے اور تمام حالات کو پیش نظر رکھ کے اس قسم کے الفاظ کی نسبت کچھ لکھتا ہے تو ان کو ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے اور چونک اُٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نص کے برخلاف ہے حالانکہ جس کو وہ نص سمجھتے ہیں درحقیقت وہی نص کے خلاف ہے ◆

وعزمت مذ ذلك اليوم ان اصنع كتابا في القرآن لمثل هذا واشباهه ولما يحتاج اليه من علمه فلما رجعت الى البصرة عملت كتابي الذي سميته المجاز۔

مرآة الجنان یافعی صفحہ ۷۰ ◆

سحر جس طرح کہ لوگ اُس پر یقین کرتے ہیں اور عرف عام میں جس طرح پر وہ سمجھا جاتا ہے اُس کی کچھ اصلیت نہیں ہے اور نہ قرآن مجید سے اُس کی تصدیق پائی جاتی ہے۔ ان تمام انسانوں میں خواہ وہ انبیا ہوں یا اولیا یا عوام الناس اور کسی مذہب کے ہوں حتیٰ کہ حیوانوں میں بھی ایک قسم کی قوت مقناطیسی موجود ہے جو خود اُس پر اور نیز دوسروں پر ایک قسم کا اثر پیدا کرتی ہے۔ یہ قوت بمقتضائے خلقت بعضوں میں ضعیف اور بعضوں میں قوی اور بعضوں میں اقوی ہوتی ہے۔ اور جس طرح اور قوائے انسانی ورزش سے قوت پکڑتے ہیں جیسے کہ پنجہ کشی کی ورزش سے پنجہ میں کلائی کی ورزش سے کلائی میں زیادہ قوت آجاتی ہے اسی طرح اس قوت میں بھی خاص قسم کی ورزش سے قوت زیادہ ہو جاتی ہے ◆

انسان جو خواب میں عجیب عجیب چیزیں دیکھتا ہے اور عجیب واقعات و حالات اُس پر گذرتے ہیں جن کو وہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت وہ تمام چیزیں موجود ہیں اور فی الواقع وہ حالات اُس پر گذر رہے ہیں اُسی قوت کے اثروں میں سے ہے حالانکہ وہ چیزیں درحقیقت نہ موجود ہوتی ہیں اور نہ فی الواقع وہ حالات اُس پر گذرتے ہیں ◆

یہ کیفیت جس طرح کہ خواب طبعی میں ہوتی ہے کبھی حالت بیداری میں بھی پیدا ہو جاتی ہے آدمی سمجھتا ہے کہ میں جاگتا ہوں اور درحقیقت وہ جاگتا بھی ہوتا ہے مگر اُس پر ایک قسم کی خواب طاری

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ (۹۷)	پھر کیا نڈر ہوگئے ہیں بستیوں کے رہنے والے کہ آئے اُن پر ہمارا عذاب رات کو اور وہ سوتے ہوں (۹۷)

ہو جاتی ہے جو خواب مقناطیسی سے تعبیر کی جا سکتی ہے اور اس حالت میں انسان ایسی چیزوں کو موجود دیکھتا ہے جو فی الحقیقت موجود نہیں ہیں اور ایسے واقعات اپنے گذرتے ہوئے یقین کرتا ہے جو درحقیقت اُس پر نہیں گذرتے ◆

یہ قوت مقناطیسی جس میں قوی ہوتی ہے وہ دوسرے شخص پر بھی ڈال سکتا ہے اور اُس دوسرے شخص پر بحالت بیداری ایک قسم کی خواب مقناطیسی طاری ہو جاتی ہے کبھی وہ دوسرا شخص جاگتا رہتا ہے اور خواب مقناطیسی اُس پر طاری رہتی ہے اور کبھی وہ اُسی خواب مقناطیسی میں بیہوش ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوتا ہے ◆

اس قوت مقناطیسی سے کیا کیا چیزیں ظہور میں آتی ہے بحث طلب ہیں جو لوگ اس فن کے عامل ہیں وہ اس قوت سے بہت سی عجائب و غرایب چیزوں کے ظہور کا دعوے کرتے ہیں مگر جب تک وہ تجربہ اور مشاہدہ میں نہ آویں اُس وقت تک اُن کے صحیح و غیر صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا ۔ ہاں صرف اُن باتوں کے وجود سے یا اُن کے ظہور پذیر ہونے سے انکار کیا جا سکتا ہے جو معلوم قوانین قدرت کے برخلاف ہیں ۔ یا یہ کہ جو امور کہ اُس سے ظہور میں آویں وہ صرف خیالی اور وہمی ہوتے ہیں جیسے خواب کی چیزیں نہ اصلی اور واقعی ◆

یہ قوت بعض آدمیوں میں خلقی نہایت قوی ہوتی ہے اور جو لوگ مجاہدات کرتے ہیں اور لطائف نفسانی کو متحرک کرتے ہیں خواہ وہ اُن مجاہدات میں خدا کا نام لیا کریں یا کسی کا اُن میں بھی یہ قوت نہایت قوی ہو جاتی ہے اور اُس کے اثر ظاہر ہونے لگتے ہیں ۔ اُن اثروں کو جب کہ مسلمانوں سے ظاہر ہوتے ہیں مسلمان کرامت سے تعبیر کرتے ہیں اور جب کہ غیر مذہب والے سے ظاہر ہوتے ہیں اُس کو استدراج سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ دونوں کی اصلیت واحد ہے ۔ بہر حال جو کچھ کہ اُس سے ظاہر ہو اس کا کوئی وجود اصلی و حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف وجود وہمی و خیالی ہے ◆

اسی قسم کی تاثیرات نفسانی کے ظہور کو جب کہ اُن کا برانگیختہ کرنا ایسے مجاہدات سے کیا گیا ہو جو خدا کے سوا اور اشیا یا اشخاص کے تصور و تذکر سے تعلق رکھتے ہیں سحر سے تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ صاحب تفسیر کبیر نے بھی سحر کی نسبت بہت لمبی بحث لکھی ہے ۔ مگر ابن خلدون نے اس بحث کو نہایت خوبی سے صاف صاف مختصر طور پر لکھا ہے جس کو ہم بجنسہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے لکھا ہے

حقیقۃ السحر و ذلک ان النفوس البشریۃ و ان کانت واحدۃ بالنوع فھی مختلفۃ بالخواص وھی اصناف کل صنف مختص	کہ سحر کی حقیقت یہ ہے کہ نفوس انسانی اگرچہ نوعیت کے لحاظ سے متحد ہیں مگر خاصیتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں اور

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾	یا نڈر ہو گئے ہیں بستیوں کے رہنے والے کہ آوے اُن پر ہمارا عذاب دن چڑھے اور وہ کھیلتے ہوں ﴿۹۸﴾

بخاصية واحدة بالنوع لا توجد في الصنف الآخر وصارت تلك الخواص فطرة وجبلة لصنفها فنفوس الأنبياء عليهم الصلوة والسلام لها خاصية تستعد للمعرفة الربانية ومخاطبة الملائكة عليهم السلام عن الله سبحانه وتعالى كما مر وما يتبع ذلك من التأثير في الأكوان واستجلاب روحانية الكواكب للتصرف فيها والتأثير بقوة نفسانية أو شيطانية فأما تأثير الأنبياء فمدد إلهي وخاصية ربانية ونفوس الكهنة لها خاصية الاطلاع على المغيبات بقوى شيطانية وهكذا كل صنف مختص بخاصية لا توجد في الآخر والنفوس الساحرة على مراتب ثلاثة يأتي شرحها فأولها المؤثرة بالهمة فقط من غير آلة ولا معين وهذا هو الذي تسميه الفلاسفة السحر والثاني بمعين من مزاج الأفلاك والعناصر أو خواص الأعداد ويسمونه الطلسمات وهو أضعف رتبة من الأول والثالث تأثير في القوى المتخيلة يعمد صاحب هذا التأثير إلى القوى المتخيلة فيتصرف فيها بنوع من التصرف ويلقي فيها أنواعا من الخيالات والمحاكات وصورا مما يقصد من ذلك ثم ينزلها إلى الحس من الرائين بقوة نفسه المؤثرة فيه فينظر الراؤون كأنها في الخارج وليس هناك شيء من ذلك كما يحكى عن بعضهم أنه يرى البساتين والأنهار والقصور وليس هناك شيء من ذلك ويسمى هذا عند الفلاسفة الشعوذة أو الشعبذة هذا تفصيل مراتبه ثم هذه الخاصية

وہ چند قسم کے ہیں - ہر ایک قسم ایک نوع خاص کی خاصیت کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو دوسری قسم میں نہیں پائی جاتی - اور یہ خاصیتیں اُن کی جبلت اور سرشت ہیں - پس انبیا علیہم السلام کے نفوس کو ایک خاص مناسبت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ خدا کی معرفت اور فرشتوں سے (جو خدا کی طرف سے آتے ہیں) بات چیت کی اور اس قسم کے اور کام کی یعنی موجودات میں تاثیر کی - اور ستاروں کی روحانیت کی تسخیر کی اُن میں تصرف کرنے کی غرض سے قابل ہوتے ہیں - اور تاثیر قوت نفسانیہ سے ہوتی ہے یا شیطانیہ سے لیکن انبیا کی تاثیر تو وہ امداد الٰہی اور خاصیت ربانی ہے اور جادوگروں کے نفوس کو غائب چیزوں پر اطلاع حاصل کرنے کی خاصیت قوائے شیطانیہ کے ذریعہ سے ہے - اور اسی طرح ہر ایک قسم ایک خاصیت کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ دوسری میں نہیں پائی جاتی - اور جادوگروں کے نفوس کے مختلف درجے ہیں جن کی تفصیل آتی ہے - قسم اول تو صرف ہمت کے ذریعہ سے بغیر کسی آلہ اور مددگار کے تاثیر کرنے والی ہیں اور فلاسفہ اسی کو سحر کہتے ہیں - دوسری قسم بذریعہ کسی معین کی تاثیر کے ہے یعنی افلاک یا عناصر کے مزاج یا عددوں کی خاصیتوں سے - اور اس کو طلسمات کہتے ہیں - اور یہ قسم اول سے رتبہ میں کم ہے تیسری قسم خیالی قوتوں میں تاثیر کرنا ہے - اس تاثیر والا آدمی قوائے متخیلہ کی طرف توجہ کرتا ہے پس اُن میں ایک خاص قسم کا تصرف کرتا ہے - اور اُن میں طرح طرح کے خیالات و گفتگو اور صورتیں جو کچھ اس کو مقصود ہوتی ہیں ڈالتا ہے پھر اُن کو دیکھنے والوں کی حس پر ڈالتا ہے اپنے نفس مؤثرہ کی قوت کے ذریعہ سے - سو دیکھنے والے ایسا دیکھتے ہیں کہ گویا وہ خارج میں موجود ہیں

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۹۷﴾	پھر کیا وہ نڈر ہوگئے ہیں اللہ کے مکر سے پھر نڈر نہیں ہوتے اللہ کے مکر سے مگر نقصان پانے والی قوم ﴿۹۷﴾

تكون ذات الساحر بالقوة شان القوى البشرية كلها وانما تخرج الى الفعل بالرياضة (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۲۰)

اور حالانکہ وہاں کچھ نہیں ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ باغ ۔ نہریں ۔ مکانات دیکھتے ہیں اور وہاں کچھ نہیں ہوتا ۔ فلاسفہ کے نزدیک یہ شعودہ یا شعبدہ ہے۔

یہ اُس کے مراتب کی تفصیل ہے ۔ یہ خاصیت ساحر میں اور قوائے بشریہ کی طرح بالقوہ موجود ہوتی ہے مگر ریاضت کرنے سے بالفعل موجود ہوجاتی ہے ✦

ابن خلدون نے جو سحر کے تین درجے قرار دئے ہیں حقیقت میں وہ تینوں سے واحد ہیں پہلا درجہ صرف ہمت کی تاثیر قرار دیا ہے اور تیسرا درجہ متخیلہ میں چیزوں کا جمع کرکے دوسرے کے متخیلہ میں اُس کا القا کرنا قرار دیا ہے ۔ یہ قسم درحقیقت صرف ہمت ہی سے متعلق ہے کوئی شے اُس سے علیحدہ نہیں ہے دوسرا درجہ امداد کا مزاج افلاک و عناصر اور خواص اعداد سے قرار دیا ہے حالانکہ اس بات کے لئے کہ افلاک و کواکب و اعداد سے درحقیقت اس میں کچھ اعانت ہوتی ہے کچھ ثبوت نہیں ہے پس یہ دوسری قسم محض ذہنی ہے اور تینوں قسمیں قسم واحد ہیں ۔ یعنی صرف ہمت سے تاثیرات کا ظہور ✦

اسی قوت نفسی کے آثار جب انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتے ہیں تو اُس کو معجزہ سے

والفرق عندهم بين المعجزة والسحر ان المعجزة قوة الهية تبعث في النفس ذلك التاثير فهو مؤيد بروحه على فعله ذلك والساحر انما يفعل ذلك من عند نفسه وبقوته النفسانية وبامداد الشياطين في بعض الاحوال فبينهما الفرق في المعقولية والحقيقة والذات في نفس الامر وانما نستدل نحن على التفرقة بالعلامات الظاهرة وهي وجود المعجزة لصاحب الخير وفي مقاصد الخير وللنفوس المتمحضة للخير والتحدي بها على دعوى النبوة والسحر انما يوجد لصاحب الشر وفي افعال الشر في الغالب من التفريق بين الزوجين وضرر الاعداء وامثال ذلك وللنفوس

تعبیر کیا جاتا ہے ابن خلدون نے معجزہ اور سحر میں یہ فرق بتلایا ہے کہ ۔ اُن کے نزدیک (یعنی حکمائے الٰہیین کے نزدیک) معجزہ و سحر میں یہ فرق ہے کہ معجزہ ایک قوت الٰہی ہے جو نفس میں اس تاثیر کو برانگیختہ کرتی ہے پس وہ شخص (صاحب معجزہ) اس کام کے کرنے میں خدا کی روح سے تائید یافتہ ہوتا ہے اور ساحر اُسی کام کو اپنی طرف سے اور قوت نفسانیہ کے ذریعہ سے اور بعض حالتوں میں شیاطین کی مدد سے کرتا ہے ۔ پس اُن دونوں میں معقولیت ۔ حقیقت ۔ ذات ۔ کی رو سے ایک واقعی فرق ہے ۔ اور ہم اس تفرقہ پر ظاہری علامتوں سے استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ کہ معجزہ اچھے شخص سے ۔ اچھے مقصدوں کے لئے ہوتا ہے اور نفوس متخصہ سے اچھے کام کے لئے دعوئے نبوت پر تحدی کے لئے ہوتا ہے ۔ اور

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۹۸﴾	کیا ہدایت نہیں ہوئی اُن لوگوں کو جو وارث ہوئے زمین کے اُس کے بسنے والوں کے بعد کہ اگر ہم چاہیں پہنچاویں ہم اُن کو اُن کے گناہوں کے ساتھ۔ اور مہر لگادیں اُن کے دلوں پر پھر وہ نہیں سنتے ﴿۹۸﴾

المتمحضة للشر هذا هو الفرق بينهما عند الحكماء الالهيين وقد يوجد لبعض المتصوفة واصحاب الكرامات تاثير ايضا في احوال العالم وليس معدودا من جنس السحر وانما هو بالامداد الالهي لان طريقتهم ونحلتهم من آثار النبوة وتوابعها ولهم في المدد الالهي حظ على قدر حالهم وايمانهم وتمسكهم بكلمة الله واذا اقتدر احد منهم على افعال الشر فلا ياتيها لانه متقيد فيما ياتيه ويذره للامر الالهي فما لا يقع لهم فيه الاذن لا ياتونه بوجه ومن اتاه منهم فقد عدل عن طريق الحق وربما سلب حاله ولما كانت المعجزة بامداد روح الله والقوى الالهية فلذلك لا يعارضها شيء من السحر۔ مقدمہ ابن خلدون۔ صفحہ ۱۹۳۔

واما الفرق عندهم بين المعجزة والسحر فالذي ذكره المتكلمون انه راجع الى التحدي وهو دعوى وقوعها على وفق ما ادعاه قالوا والساحر مصروف عن مثل هذا التحدي فلا يقع منه وقوع المعجزة على وفق دعوى الكاذب غير مقدور لان دلالة المعجزة على الصدق عقلية لان صفة نفسها التصديق فلو وقعت مع الكذب لاستحال الصادق كاذبا وهو محال فاذا لا تقع المعجزة مع الكاذب بالاطلاق واما الحكماء فالفرق بينهما عندهم كما ذكرناه فرق بين الخير والشر في نهاية الطرفين فالساحر لا يصدر منه الخير ولا يستعمل في اسباب الخير

سحر بُرے آدمی سے بُرے کام کے لئے۔ اکثر مرد و عورت میں جدائی ڈالنے کے لئے دشمنوں کو ضرر پہنچانے کے لئے اور اسی قسم کے کاموں کے لئے ہوتا ہے۔ اور نفوس متمحضہ سے شر کے لئے ہوتا ہے حکمائے الٰہیین کے نزدیک تو معجزہ و سحر میں یہ فرق ہے۔ اور کبھی بعض صوفیوں سے اور کرامت والوں سے عالم کے حالات میں تاثیر پائی جاتی ہے مگر اس کا شمار سحر کی جنس میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ تائید الٰہی سے ہوتا ہے کیونکہ اُن کا طور و طریق نبوت کے آثارات اور توابع میں سے ہے۔ اور تائید الٰہی میں بلحاظ قدر مراتب اور خدا سے تقرب کے لحاظ سے اُن کو بھی حصہ ملا ہوا ہے اور جب اُن میں کا کوئی شخص افعال شر پر قادر ہوتا ہے تو اس کو کر نہیں سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے کام میں پابند ہے اور اس کو خدا کے حکم پر چھوڑ رکھا ہے اور جس میں خدا کا حکم نہیں ہوتا ہے اُس کو وہ کسی طرح نہیں کرتا۔ اور اگر کسی نے کیا تو وہ راہ حق سے منحرف ہوگیا اور اکثر اُس کی کرامت مسلوب ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ معجزہ خدا کی مدد اور خدائی قوتوں کی وجہ سے ہوتا ہے تو سحر اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتا لیکن اُن لوگوں کے نزدیک معجزہ و سحر میں فرق یہ ہے کہ متکلمین تو کہتے ہیں کہ اس کا رجوع تحدی کی طرف ہے اور تحدی کے معنی ہیں معجزہ کے وقوع کا دعویٰ کرنا اپنے دعوے کے موافق۔ اور متکلمین کہتے ہیں کہ ساحر اس قسم کی تحدی سے معذور رہے۔ اس لئے اُس سے تحدی ہو نہیں سکتی۔ اور جھوٹے شخص کے دعوے کے موافق

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (۹۹)

یہ بستیاں ہیں ہم سناتے ہیں تجھ کو اُن کی بعضی خبریں۔ اور بیشک آئے تھے وہاں ہمارے پیغمبر دلیلوں کے ساتھ پھر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاویں اس پر جس کو جھٹلایا اُس سے پہلے۔ اس طرح مہر کر دیتا ہے اللہ کافروں کے دلوں پر (۹۹)

وصاحب المعجزة لا يصدر منه الشر ولا يستعمل في اسباب الشر فكانهما على طرفي النقيض في اصل فطرتهما ۔ مقدمہ ابن خلدون ۔ صفحہ ۲۲۰ +

معجزہ کا واقع ہونا ممکن ہے کیونکہ معجزہ کی دلالت سچائی پر عقلی ہے اس لئے کہ معجزہ تصدیق کی خاص صفت ہے تو وہ اگر جھوٹ کے ساتھ واقع ہو تو سچی چیز جھوٹی ٹھہر جائے پس معجزہ مطلقاً جھوٹے سے نہیں سرزد ہو سکتا ۔ لیکن حکما کے نزدیک تو جیسا ہم نے ذکر کیا معجزہ و سحر میں خیر و شر کا فرق ہے اور وہ بھی انتہا کے کنارہ کا تو ساحر سے اچھا کام نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کو اچھے کام کے اسباب میں صرف کرتا ہے ۔ اور صاحب معجزہ سے شر نہیں صادر ہوتا نہ وہ اُس کو اسباب شر میں استعمال کر سکتا ہے ۔ گویا وہ دونوں خلقت ہی سے مخالفت کی اخیر سرحد پر ہیں +

بوعلی سینا نے معجزہ یا کرامات کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ۔ تم اس بات کو بعید نہ سمجھو کہ بعض نفسوں

لا تستبعدن ان يكون لبعض النفوس ملكة يتعدى تاثيرها بدنها او يكون لقوتها كانها نفس ما للعالم وكما تاثر بكيفية مزاجية يكون قد اثرت لسبب جميع ما عددته اذ مبادي هذه الكيفيات لا سيما في جرم صار اولى به لمناسبة تخصه مع بدنه لا سيما وقد علمت انه ليس كل مسخن بحار ولا كل مبرد ببارد ولا تستنكرن ان يكون لبعض النفوس هذه القوة حتى تفعل في اجرام تنفعل عنها انفعال بدنه ولا تستنكرن ان يتعدى من قواها الخاصة الى قوى نفوس اخرى تفعل فيها لا سيما اذا كانت شحذت ملكتها بقهر قواها البدنية التي لها فتقهر شهوة او غضبا او خوفا من غيرها ۔ هذه القوة ربما كانت للنفس بحسب المزاج الاصلي

کو ایسا ملکہ ہو جس سے اُس کی تاثیر اُس کے بدن تک پہنچے یا وہ اپنی قوت کی وجہ سے گویا کہ عالم کے لئے بمنزلہ نفس کے ہو ۔ اور جیسا کہ وہ کیفیت مزاجیہ کی وجہ سے اثر کرتی ہے تو وہ کسی مبدء کی وجہ سے وہ سب اثر کرے جن کو ہم نے گنایا ہے کیونکہ اُس کے مبادی بھی کیفیتیں ہیں خصوصاً اس جرم میں جس کے ساتھ وہ زیادہ مناسب ہے بوجہ اُس مناسبت کے جو کہ اُس کو اپنے بدن کے ساتھ ہے بالخصوص جب تم یہ بات معلوم کر چکے ہو کہ ہر مسخن گرم نہیں ہے نہ ہر مبرد سرد ہے ۔ اور اس بات کا انکار نہ کرو کہ بعض نفسوں کو قوت اس درجہ تک ہو کہ دوسرے اجسام میں اثر کرے ۔ اور وہ ایسا ہی منفعل ہو جیسا کہ اُس نفس کا بدن ۔ اور اس بات کا انکار نہ کرو کہ وہ اپنی خاص قوت سے تجاوز کر کے دوسرے نفسوں پر اثر کرے خصوصاً جب کہ اُس نے اپنے ملکہ کو قوائے بدنیہ

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَّاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ (۱۰۰)

اور ہم نے نہیں پایا اُن میں سے بہت سوں کو اقرار پہ قایم رہتے ۔ اور بلکہ پایا ہم نے اُن میں سے بہت سوں کو البتہ اقرار کو توڑنے والے (۱۰۰)

لما یفید ہ من ہیئۃ نفسانیۃ تصیر للنفس الشخصیۃ لتشخصہا وقد تحصل للمزاج یحصل وقد یحصل بضرب من الکسب یجعل النفس کالمجردۃ لشدۃ الذکاء کما یحصل للاولیاء وللابرار ۔ والذی یقع لہ ہذا فی جبلۃ النفس ثم یکون خیرا رشید مزکیا لنفسہ فہو ذو معجزۃ من الانبیاء اوکرامۃ من الاولیاء وتزیدہ تزکیۃ لنفسہ من ہذا المعنی زیادۃ علی مقتضی جبلۃ فیبلغ المبلغ الاقصی والذی یقع لہ ہذا ثم یکون شریرا ویستعملہ فی الشر فہو الساحر الخبیث وقد یکسر قدر نفسہ من غلوئہ فی ہذا المعنی فلا یلحق شیئا من الازکیاء فیہ ساشارات ابو علی سینا +

کے زیر کرلینے سے تیز کرلیا ہو ۔ پس وہ دبالیتا ہے شہوت کو یا غصہ کو یا دوسرے سے خوف کو ۔ یہ قوت اکثر نفس کو اصلی سرشت کے اعتبار سے ہوتی ہے جو کہ اُس کو ہیئت نفسانیہ سے پہنچتی ہے اور نفس شخصیہ کے لئے پیدا ہوتی ہے اور کبھی کسی مزاج کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی کسی قسم کی کوشش کی وجہ سے ہوتی ہے جو کہ نفس کو نہایت تیزی کی وجہ سے مجرد سا بنا دیتی ہے جیسا کہ اولیا اور نیک لوگوں کو حاصل ہوتا ہے ۔ اور جس شخص کی سرشت میں یہ قوت ہو پھر وہ شخص نیک ہدایت یافتہ ہو اور اس کا نفس پاک ہو تو وہ نبی اور صاحب معجزہ ہوتا ہے یا ولی صاحب کرامت ہوتا ہے اور جب وہ نفس کا تزکیہ کرتا ہے تو اصل خلقت سے اور زیادہ ترقی کرجاتا ہے اور نہایت اونچے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور جس کو یہ قوت ہے اور وہ شریر ہے اور اس قوت کو بُرے کام میں صرف کرتا ہے تو وہ خبیث ساحر ہے اور کبھی وہ اس کام میں زیادہ غلو کرنے کی وجہ سے اپنے نفس کی قدر کو اور بھی گھٹا دیتا ہے تو وہ اچھوں کی کسی بات کو نہیں پہنچتا +

ہم کو اس مقام پر اس بات سے بحث کرنی کہ معجزہ و سحر میں کیا فرق ہے اور انبیا علیہم السلام سے جو اثر نفسی ظاہر ہوتے ہیں وہ کس مبدء سے ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ سے کس کی تائید سے اور کفار و مشرکین یا خبیث انسانوں سے کس کی مدد سے کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اور جس سے ہوتا ہے وہ خود اُس کے اثر نفسی سے ہوتا ہے جو حسب فطرت انسانی خدا نے اُس میں اور کسی نہ کسی قدر تمام انسانوں میں رکھا ہے ۔ پس اگر یہ سچ ہے تو ہم اُس کو نہ معجزہ قرار دیسکتے ہیں نہ سحر نہ کرامت اور نہ استدراج ۔ جیسے کہ ہم انسان کے دوسرے قوٰی کے اثروں کو بھی معجزہ یا سحر یا کرامت یا استدراج قرار نہیں دیتے +

علاوہ اس کے جب کہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اکثر ان اثروں کا ظہور ایسا ہی خیالی و وہمی ہے جیسے کہ خواب میں اُن چیزوں کا ظہور جن کو دیکھنے والا صرف خواب ہی میں دیکھتا ہے اور اُن کا وجود در حقیقت و فی الواقع کچھ نہیں ہوتا تو ہم کو جرأت نہیں پڑتی کہ ایسی بے اصل چیزوں

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ	پھر بھیجا ہم نے اُن کے بعد موسے کو اپنی نشانیوں سمیت فرعون اور اُس کے درباریوں کے پاس

کو فخریہ طور پر انبیاء علیہم السلام کے معجزے اور اولیا ء اللہ کی کرامتیں اور بے اعتقادی سے کافروں کا سحر اور استدراج قرار دیں +

ہم کو اور اسلام کو تو فخر اس بات پر ہے کہ ہمارے رسول برحق پیغمبر خدا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف کہدیا کہ میرے پاس تو کوئی معجزہ و عجزہ نہیں ہے اگر ہوگا تو خدا کے پاس ہوگا میں تو مثل تمہارے ایک آدمی ہوں خدا نے مجھ کو وحی کی ہے میں تم کو بُری باتوں سے ڈراتا ہوں اور اچھی باتوں کی خوشخبری دیتا ہوں +

ہم کو اور اسلام کو تو اُس سچے ہادی پر فخر ہے جس نے نہ لکڑی کو سانپ کر دکھایا اور نہ اپنے دست مبارک کو چمکایا نہ سچی بات پر کچھ پردہ ڈالا ۔ نہ خدا کی قدرت کے قانون کو توڑنے کا دعوے کیا اور سیدھی طرح لوگوں کو سچا رستہ بتایا اور فخر اولین اور آخرین اور خاتم النبیین ہونے کا درجہ پایا ۔ یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما +

سوم ۔ بیان تخیل تحرک حبل و عصائے سحرۂ فرعون

چہارم ۔ بیان عصائے موسٰی علیہ السلام

پنجم ۔ بیان ید بیضا ،

یہ تینوں امر ایسے ہیں جن کا یک شامل بیان کرنا مناسب ہے ۔ اس مقام پر ہم ان تمام آیتوں سے بحث کرینگے جن میں ان امور سہ گانہ کا ذکر ہے +

ثعبان

اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ مصر میں جب تو ان لوگوں کی کثرت تھی جو ساحر کہلاتے تھے اور جو جو کرشمے وہ لوگوں کو دکھاتے تھے اُس سے حضرت موسے بخوبی واقف تھے جب حضرت موسے اپنی قوم کی ہمدردی اور اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے رہائی دینے پر مائل یا مامور ہوئے تو یہ ایک قدرتی بات ہے کہ اُن کو اس بات کا خیال ہوا ہوگا کہ وہاں تو بڑے بڑے کرشمے دکھانے والے ہیں تیں ؛ ماتلک بیمینک یا موسی قال ھی عصای اُن پر کیونکر غالب آونگا ۔ اُن کو خدا نے بتایا کہ تو بھی ویسے

فَظَلَمُوْا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۰۱)	پھر انہوں نے ظلم کیا اُن نشانیوں کے ساتھ پھر دیکھ کیا ہوا انجام مفسدوں کا (۱۰۱)

اتوکؤا علیہا واھش بہا علی غنمی ولی فیہا مآرب اخری قال القہا یا موسیٰ فالقٰہا فاذا ھی حیۃ تسعی۔ قال خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتہا الاولی۔ واضمم یدک الی جناحک تخرج بیضاء من غیر سوء اٰیۃ اخری (۲۰- سورۂ طٰہٰ آیت ۱۸ - ۲۳)

ہی کام کر سکتا ہے۔ خدا نے پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسے نے کہا میری لاٹھی ہے جس کو میں ٹیک لیتا ہوں اور اُس سے بھیڑوں کو ہنکاتا ہوں اور میرے اور کام میں بھی آتی ہے۔ خدا نے کہا اے موسے اس کو ڈال تو دے پھر جب موسے نے اُس لاٹھی کو ڈال دیا تو وہ یکایک اژدہا تھی چلتی ہوئی۔ خدا نے کہا اُس کو اُٹھا لے اور مت ڈر ہم اُس کو پہلی ہی سیرت پر پھیر کر دینگے اور اپنے ہاتھ کو بغل میں رکھ کر نکال چِٹّا بے عیب یہ دوسری نشانی ہے۔

یہی مضمون سورۂ نمل میں بھی آیا ہے خدا نے موسے سے کہا کہ اپنی لاٹھی ڈالدے جب

والق عصاک فلما راٰھا تھتز کانہا جانٌ ولّی مدبرا ولم یعقب یا موسیٰ لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون۔ وادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء فی تسع اٰیات الی فرعون وقومہ انہم کانوا قوما فاسقین (۲۷- سورۂ نمل - ۱۰ و ۱۲)

موسے نے دیکھا کہ وہ تو ہلتی ہے گویا وہ اژدہا ہے تو پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے اور پھر پلٹ کر رُخ نہ کیا خدا نے کہا اے موسے مت ڈر میرے پاس پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ اور اپنے ہاتھ کو اپنی جیب میں ڈال کر نکال چِٹّا بے عیب۔ (جا) نو نشانیاں لیکر فرعون اور اُس کی قوم کے پاس بیشک وہ قوم ہے نافرمان۔

وان الق عصاک فلما راٰھا تھتز کانہا جانٌ ولّی مدبرا ولم یعقب یا موسیٰ اقبل ولا تخف انک من الاٰمنین۔ اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء واضمم الیک جناحک من الرھب فذانک برھانان من ربک الی فرعون وملائہ انہم کانوا قوما فاسقین (۲۸- سورۂ قصص - ۳۱ و ۳۲)

سورۂ قصص میں یہ فرمایا ہے کہ اپنی لاٹھی ڈال پھر جب موسے نے دیکھا کہ وہ ہلتی ہے گویا کہ وہ اژدہا ہے پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے اور پھر پلٹ کر رُخ نہ کیا خدا نے کہا اے موسے آگے آ اور مت ڈر بیشک تو ہے امن والوں میں سے اپنے ہاتھ کو اپنی جیب میں ڈال کر چِٹّا بے عیب نکال اور اپنے دونوں بازوؤں کو خوف سے ملا پس یہ دونوں دو برہان ہیں تیرے رب کی طرف فرعون کے اور اُس کے سرداروں کے بیشک وہ لوگ نافرمان تھے۔

ان آیتوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کیفیت جو حضرت موسے پر طاری ہوئی تھی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا جس کا اثر خود اُن پر ہوا تھا۔ یہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت نہ تھا۔ اور نہ اُس پہاڑ کی تلی میں جہاں یہ امر واقع ہوا کسی معجزہ کے دکھانے کا موقع تھا۔ اور نہ یہ تصور ہو سکتا ہے کہ وہ پہاڑ کی تلی کوئی مکتب تھا جہاں پیغمبروں کو معجزے سکھائے جاتے ہوں اور معجزوں کی

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾	اور کہا موسےٰ نے ۔ اے فرعون بیشک میں رسول ہوں پروردگار عالموں کی طرف سے ﴿۱۰۲﴾

مشق کرائی جاتی ہو ۔ حضرت موسےٰ میں از روے فطرت و جبلت کے وہ قوت نہایت قوی تھی تھی جس سے اس قسم کے اثر ظاہر ہوتے ہیں ۔ اُنہوں نے اس خیال سے کہ وہ لکڑی سانپ ہے اپنی لاٹھی پھینکی اور وہ اُن کو سانپ یا اژدہا دکھائی دی ۔ یہ خود اُن کا تصرف اپنے خیال میں تھا وہ لکڑی لکڑی ہی تھی اُس میں فی الواقع کچھ تبدیل نہیں ہوئی تھی ۔ خدا تعالےٰ نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ فانقلبت العصا ثعبانا ۔ یعنی وہ لاٹھی بدلکر اژدہا ہوگئی بلکہ سورہ نمل میں فرمایا ۔ کانھا جان ۔ یعنی گویا وہ اژدہا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ درحقیقت وہ اژدہا نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ لاٹھی کی لاٹھی ہی تھی ✦

اس کے بعد جب حضرت موسےٰ فرعون کے پاس گئے تو فرعون نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی کرشمہ دکھاؤ حضرت موسےٰ نے اپنی لاٹھی کو اُس کے آگے ڈال دیا پھر وہ یکایک اژدہا ظاہر ہوئی ✦

فالقٰی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین ۔ (۷ ۔ سورۂ اعراف ۔ ۱۰۷) (۲۶ ۔ سورۂ شعرا ۔ ۳۱) ✦

صاحب تفسیر کبیر نے باوجودیکہ نہایت بے سروپا قصے ان واقعات کی نسبت لکھے ہیں مگر اُن کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ لاٹھی دیکھنے والوں کو اژدہا معلوم ہوئی نہ یہ کہ درحقیقت وہ اژدہا ہوگئی تھی چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ۔ خدا کا جو یہ قول ہے کہ حضرت موسےٰ نے فرعون سے کہا کہ اگر میں تجھ کو علانیہ کرشمہ دکھاؤں جب بھی تو مجھے قید کریگا ۔ تو یہ کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ لاٹھی کے ڈالنے سے پہلے خدا نے حضرت موسےٰ کو بتلا دیا تھا کہ وہ اژدہا ہو جاویگی ۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو جو بات حضرت موسےٰ نے کہی وہ نہ کہتے ۔ پھر جب حضرت موسےٰ نے لاٹھی پھینکی تو وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا پھر لاٹھی علانیہ اژدہا ہوگئی اور علانیہ اژدہا ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ لاٹھی دیکھنے والوں کو ہلنے سے اور اور تمام نشانیوں سے اژدہا معلوم ہوئی ✦

اعلم ان قولہ اولو جئتک بشیء مبین یدل علی ان اللہ تعالیٰ قبل ان القی العصا عرفہ بانہ یصیرھا ثعبانا ولولا ذلک لما قال ما قال فلما القی عصاہ ظھر ما وعد اللہ بہ فصار ثعبانا مبینا والمراد انہ تبین للناظرین انہ ثعبان بحرکاتہ وسائر العلامات (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۷۵) ✦

اس کے بعد وہ واقعہ ہے جو حضرت موسےٰ اور سحرۂ فرعون میں واقع ہوا اور جس کا ذکر مندرجہ حاشیہ آیتوں میں ہے ان آیتوں کا مضمون یہ ہے کہ جب

فلما جاء السحرۃ قال لھم موسٰی القوا ما انتم ملقون فلما القوا قال موسٰی ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین (سورۂ یونس آیت ۸۰ و ۸۱) ✦

حَقِيقٌ عَلَىٰ أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ	میرے پر فرض ہے کہ میں اللہ کی نسبت کوئی بات نہ کہوں بجز سچ کے

فرعون کے ساحر جمع ہو گئے تو انہوں نے کہا اے موسے یا تو تم ڈالو نہیں تو ہم پہلے ڈالتے ہیں موسے نے کہا کہ تم ہی ڈالو پھر جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو ڈرا دیا اور ایک بڑا جادو کیا اور فرعون کی جے پکاری کہ ہم بیشک موسے پر غالب ہونے ہیں پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسے کے خیال میں ان کے جادو کے سبب سے معلوم ہوئیں کہ وہ چلتی ہیں ۔ پھر موسے کے دل میں ڈر سا پیدا ہوا ۔ ہم نے کہا کہ تو مت ڈر تو ہی ان پر غالب ہے ۔ موسے نے فرعون کے ساحروں سے کہا کہ جو کرشمہ تم نے کیا وہ جادو ہے اللہ تعالے ابھی اس کو مٹا دیگا بیشک اللہ مفسدوں کے کام کو نہیں سنوارتا ۔ خدا نے موسے سے کہا کہ ڈال دے جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے نگل جاویگا جو کچھ انہوں نے کیا ہے جو کچھ انہوں نے کیا ہے جادوگروں کا مکر ہے اور جادوگر کو جہاں جاوے فلاح نہیں ہے پس موسے نے اپنی لاٹھی ڈال دی پھر یکایک وہ سب کو نگلنے لگی ✦

قال لهم موسى ألقوا ما أنتم ملقون فألقوا حبالهم وعصيهم وقالوا بعزة فرعون إنا لنحن الغالبون فألقى موسى عصاه فإذا هي تلقف ما يأفكون ۔
(سورۃ شعراء آیت ۴۳ و ۴۴) ✦

قالوا يا موسى إما أن تلقي وإما أن نكون نحن الملقين قال ألقوا فلما ألقوا سحروا أعين الناس واسترهبوهم وجاءوا بسحر عظيم وأوحينا إلى موسى أن ألق عصاك فإذا هي تلقف ما يأفكون ۔
(سورۃ اعراف آیت ۱۱۰ ۔ ۱۱۴) ✦

قالوا يا موسى إما أن تلقي وإما أن نكون أول من ألقى قال بل ألقوا فإذا حبالهم وعصيهم يخيل إليه من سحرهم أنها تسعى فأوجس في نفسه خيفة موسى قلنا لا تخف إنك أنت الأعلى وألق ما في يمينك تلقف ما صنعوا إنما صنعوا كيد ساحر ولا يفلح الساحر حيث أتى ۔
(سورۃ طٰہٰ آیت ۶۸ ۔ ۷۲) ✦

سورہ اعراف کی آیت میں جس پر باقی آیتیں محمول ہیں " لانہا يفسر بعضها بعضا " یہ جملہ آیا ہے کہ سحروا أعين الناس یعنی لوگوں کو نظر بندی کر دی پس یہ جملہ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ درحقیقت وہ لاٹھیاں یا رسیاں سانپ اور اژدہے نہیں ہو گئی تھیں بلکہ بسبب تاثیر قوت نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل کی تھیں رسیاں اور لاٹھیاں لوگوں کو سانپ اور اژدہے معلوم ہوتی تھیں حضرت موسے نے جو کچھ کیا وہ بمقتضائے قوت نفس انسانی تھا کوئی امر مافوق الفطرت نہ تھا مگر وہ قوت حضرت موسے میں فطری اور جبلی تھی ✦

اس امر کو علمائے متقدمین نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ خدا تعالے نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب سحرۂ فرعون نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں

ثم قال تعالى فلما ألقوا سحروا أعين الناس واحتج به القائلون بأن السحر محض التمويه قال القاضي لو كان السحر حقا لكانوا قد سحروا

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ	بیشک میں لایا ہوں تمہارے پاس دلیل لیکر تمہارے پروردگار کی طرف سے۔ پس بھیجدے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو

فلو جعلوا لا عینہم فثبت ان المراد: انہم تخیلوا احوالا عجیبۃ مع ان الامر فی الحقیقۃ ما کان علے وفق ما تخیلوا (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۴۴ - سورہ اعراف)

پھر جو کیا تو جادو کے لفظ پر لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ سحر صرف دھوکا ہے۔ قاضی کا قول ہے کہ اگر جادو برحق ہوتا تو وہ لوگوں کے دلوں پر جادو کرتے نہ کہ ان کی آنکھوں پر۔ پس ثابت ہوا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے لوگوں کے خیال میں عجیب باتیں ڈالی تھیں باینہمہ حقیقت میں وہ باتیں ایسی نہ تھیں جیسی کہ لوگوں کے خیال میں پڑی تھیں۔ یعنی وہ لاٹھیاں و رسیاں درحقیقت سانپ اور اژدہے نہیں بنی تھیں بلکہ صرف لوگوں کے خیال میں ایسی معلوم ہوتی تھیں اور یہ بات اسی تاثیر قوت نفس انسانی کے سبب تھی جو ساحروں میں بذریعہ کسب اور موسے میں بحسب فطرت تھی مگر حقیقت میں نہ ساحروں کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ اور اژدہا بنی تھیں اور نہ حضرت موسے کی +

ید بیضا

جب کہ یہ بات تسلیم کی گئی کہ انسان میں ایک ایسی قوت ہے کہ انسان اُس کے ذریعہ سے قوائے متخیلہ کی طرف توجہ کرتا ہے اور پھر اُس میں ایک خاص قسم کا تصرف کرتا ہے اور اُن میں طرح طرح کے خیالات اور گفتگو اور صورتیں جو کچھ اُس کو مقصود ہوتی ہیں ڈالتا ہے پھر اُن کو اپنے نفس مؤثرہ کی قوت سے دیکھنے والوں کی حس پر ڈالتا ہے۔ پھر دیکھنے والے ایسا ہی دیکھتے ہیں کہ گویا وہ خارج میں موجود ہے حالانکہ وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور قرآن مجید کے الفاظ سے جو آیات مذکورہ بالا میں گذرے ہیں اور جن سے پایا جاتا ہے کہ لاٹھیاں اور رسیاں اسی قوت متخیلہ کے سبب سانپ یا اژدہے دکھائی دیتی تھیں تو ید بیضا کا مسئلہ خود حل ہو جاتا ہے کیونکہ اُس کا بھی لوگوں کے اس طرح پر دکھائی دینا اُسی قوت نفس انسانی اور تصرف قوت متخیلہ کا سبب تھا نہ یہ کہ وہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت تھا۔ اور درحقیقت حضرت موسے کے ہاتھ کی ماہیت بدلجاتی تھی۔ جہاں قرآن مجید میں ید بیضا کا ذکر آیا ہے وہاں یہ مضمون بھی موجود ہے کہ جب حضرت موسے ونزع یدہ فاذا ھی بیضاء للنظرین - نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ یکایک چٹا تھا دیکھنے والوں کے سورۃ اعراف وسورۃ شعرا - ۳۲ - ۵۰ + لئے۔ اور یہ مضمون صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں وہ چٹا دکھائی دیتا تھا جو اثر قوت نفس انسانی کا تھا نہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت +

قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾	(فرعون نے) کہا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اُس کو لا اگر تو سچوں میں سے ہے ﴿۱۰۳﴾

اس مقام پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر عصاے موسے کا اژدہا بننا اور ہاتھ کا چٹا ہو جانا اُسی قسم کی قوت نفسی سے لوگوں کو دکھائی دیتا تھا جس طرح کی قوت نفسی سے سحرۂ فرعون کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ دکھلائی دیتی تھیں اور کوئی معجزہ مافوق الفطرت نہ تھا تو خدا نے عصا و ید بیضا کی نسبت یہ کیوں فرمایا کہ "فذانک برھانان من ربک" یعنی اُن کو خدا کی طرف سے برہان کیوں تعبیر کیا ہے۔ مگر برہان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عصاے موسے کا اژدہا نظر آنا یا ہاتھ کا چٹا دکھائی دینا فرعون اور اُس کے سرداروں پر بطور حجت الزامی کے تھا وہ اس قسم کے امور کو دلیل اس بات کی سمجھتے تھے کہ جس شخص سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں وہ کامل ہوتا ہے اور اسی لئے اُنھوں نے حضرت موسے سے بھی کرشمہ دکھلانے کی خواہش کی تھی۔ پس اُن دونو چیزوں پر بمقابلہ فرعون اور اُس کے سرداروں کے برہان سے تعبیر کرنا بالکل صحیح تھا اور اسی سبب سے اُنھوں نے کہا کہ اگر کوئی کرشمہ دکھلایا جاویگا تو وہ موسے کو سچا جانینگے۔ خود اسی آیت میں بمقابل فرعون اور اُس کے سرداروں کے اُن دونوں امر کو برہان قرار دینے کی وجہ بیان ہوئی ہے کہ "انھم کانوا قوما فاسقین"۔ فاسق کا لفظ نہایت وسیع معنی رکھتا ہے۔ فرعون اور اُس کے سرداروں کا ساحروں پر بسبب اُن کے کرشموں کے اعتقاد رکھنا بھی فسق میں داخل تھا پس خدا نے فرمایا کہ یہ دونوں امر ایسی قوم کے لئے جو ساحروں کے کرشموں پر یقین رکھتے ہیں خدا کی طرف سے برہان ہیں۔ پس برہان کا لفظ اُن بیانات کے منافی نہیں ہے جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں +

سورۂ نمل میں خدا تعالیٰ نے عصا کے ذکر کے بعد فرمایا کہ "وادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء فی تسع ایات الی فرعون وقومہ" لفظ تسع آیات پر مفسرین نے بحث کی ہے کہ نو نشانیوں سے کیا مراد ہے +

امام فخرالدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں عصا اور ید بیضا کے علاوہ یہ نو نشانیاں بیان کی ہیں۔ دریا کا پھٹ جانا۔ طوفان کا ہونا۔ ٹڈیوں کا آنا۔ پسوؤں کا۔ مینڈکوں کا پیدا ہونا۔ پانی کا خون ہو جانا۔ مال و دولت مویشی میں کمی کا ہونا۔ قحط پڑنا کھیتوں کی پیداوار کا گھٹ جانا +

لقائل ان یقول کانت الایات احدی عشر ثنتان منہا الید والعصا والتسع الفلق والطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم والطمسۃ والجدب فی بوادیھم والنقصان فی مزارعھم۔ تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۱۸۲۰

اور اسی مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ "فی تسع ایات" جملہ مستانفہ ہے یعنی منجملہ کلام ہے

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾	پھر ڈال دیا (موسٰے نے) اپنے عصا کو پھر وہ یکایک اژدھا ظاہر ہوا ﴿۱۰۷﴾

اور اُس کی تقریر یوں ہے کہ " اذهب فی تسع آیات الی فرعون " یعنی عصا اور ید بیضا کا ذکر علٰحدہ ہو چکا اُس کے سوا نو نشانیاں اور دیں کہ وہ لیکر فرعون کے پاس جا +

مگر یہ بیان صحیح نہیں اس لئے کہ وہ نو چیزیں جن کا ذکر کیا ہے بطور نشانی کے نہیں دی گئی تھیں بلکہ فرعون اور اُس کی قوم پر بہ سبب نافرمانی کے بطور عذاب کے نازل ہوئی تھیں جن کو قرآن مجید نے بھی " رجز " سے تعبیر کیا ہے پس اُن واقعات کو تسع آیات قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا +

سورہ بنی اسرائیل میں بھی تسع آیات کا ذکر ہے اور اُس کی نسبت مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ اُس آیت میں تسع آیات سے وہ نو احکام مراد ہیں جو حضرت موسٰے نے بنی اسرائیل سے کہے تھے۔ مفسرین کا ایسا خیال کرنا غالباً اس آیت کے ان الفاظ کی بنا پر ہے " فاسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم " یعنی خدا نے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے دریافت کر جب موسٰے اُن کے پاس آئے تو وہ نو احکام بتاتے تھے۔ اس خیال پر ہمارے راویوں نے ایک حدیث بھی بیان کر دی اور مفسرین نے قبول کر لی اور کہا کہ یہی قول سب سے اچھا ہے +

ولقد اتینا موسیٰ تسع آیات بینات فاسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم فقال لہ فرعون انی لاظنک یا موسیٰ مسحورا قال لقد علمت ما انزل ھولاء الا رب السموات والارض بصائر وانی لاظنک یا فرعون مثبورا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۰۳-۱۰۴) +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ تسع آیات کے بیان میں متعدد اقوال ہیں سب سے اچھا قول یہ ہے کہ جو صفوان ابن عسال نے کہا ہے کہ ایک یہودی نے اپنے دوست سے کہا کہ پیغمبر پاس چلو اُن سے پوچھیں کہ وہ نو احکام کیا تھے وہ آئے اور پوچھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہ تھے۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ قتل مت کرو۔ سحر مت کرو۔ سود نہ کھاؤ۔ عورتوں پر زنا کا اتہام مت کرو۔ لڑائی میں جاؤ نہیں۔ اور بالتخصیص یہودیوں کے لئے یہ حکم ہے کہ سبت کے دن زیادتی نہ کرو۔ پیغمبر

فی تفسیر قولہ تعالیٰ تسع آیات بینات اقوال اجودھا ما روی صفوان ابن عسال انہ قال ان یہودیا قال لصاحبہ اذھب بنا الی ھذا النبی نسألہ عن تسع آیات فذھبا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألاہ عنہا فقال ھن ان لا تشرکوا باللہ شیئا۔ ولا تسرقوا۔ ولا تزنوا۔ ولا تقتلوا ولا تسحروا۔ ولا تاکلوا الربا۔ ولا تقذفوا محصنۃ ولا تولوا الفرار یوم الزحف۔ علیکم خاصۃ الیہود ان لا تعتدوا فی السبت فقام الیہودیان فقبلا یدیہ ورجلیہ وقالوا نشھد انک نبی ولا نخاف القتل لاتبعناک (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۰۰) +

وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۵﴾	اور نکالا اپنا ہاتھ پھر یکایک وہ تھا سفید دیکھنے والوں کے لئے ﴿۱۰۵﴾

وہ دونوں یہودی اٹھے ہوئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ نبی ہیں اگر ہم کو مارے جانے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم آپ کی پیروی کرتے +

مفسرین کا یہ خیال کہ جن تسع آیات کا ذکر سورہ نمل کی آیت میں ہے وہ تو نشانیاں تھیں جو حضرت موسےٰ فرعون کے پاس لے گئے تھے اور جن تسع آیات کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں ہے وہ تو احکام بنی اسرائیل کے لئے تھے صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اسی آیت میں ذکر ہے کہ تسع آیات کے جواب میں فرعون نے کہا کہ اے موسےٰ میں تو تجھ کو سحرزدہ سمجھتا ہوں۔ اور اس سے ثابت ہے کہ وہ احکام فرعون اور اُس کی قوم کے لئے تھے نہ بنی اسرائیل کے لئے اور فاسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم بطور جملہ معترضہ کے آیا ہے اُس سے یہ استدلال کرنا کہ وہ احکام بنی اسرائیل کے لئے تھے صحیح نہیں ہے +

غرضکہ ہماری تحقیق میں دونوں آیتوں میں تسع آیات سے وہ احکام مراد ہیں جو حضرت موسےٰ فرعون اور اُس کی قوم کے پاس لے گئے تھے۔ یہ بات قابل تسلیم کے ہے کہ قرآن مجید میں اُن نو احکام کا ایک جگہ شمار نہیں کیا گیا ہے بلکہ جابجا متعدد احکام کا ذکر آیا ہے اگر ان سب پر غور کیا جاوے تو وہ احکام ہماری سمجھ میں مندرجہ ذیل معلوم ہوتے ہیں +

۱ ۔ توحید ۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنّی اَنَا اللہ لا اِلٰہ الا انا ۔ ۲ ۔ اقرار بالرسالۃ ۔ کما قال اِنّا رسولا ربک ۔ ۳ ۔ منع شرک سے ۔ کما قال فاعبدنی ۔ ۴ ۔ اقامت صلوٰۃ ۔ کما قال اقم الصلوٰۃ لذکری ۔ ۵ ۔ جزا و سزا ۔ کما قال تجزی کل نفس بما تسعیٰ ۔ ۶ ۔ اعتقاد آخرت ۔ کما قال ان الساعۃ اٰتیۃ ۔ ۷ ۔ نزول عذاب منکرین پر ۔ کما قال ان العذاب علی من کذب وتولی ۔ ۸ منع تعدی سے بنی اسرائیل پر ۔ کما قال لا تعذبھم ۔ ۹ ۔ رہا کرنا بنی اسرائیل کا ۔ کما قال ۔ ارسل معنا بنی اسرائیل +

یہ تمام آیتیں جن کا اشارہ ہم نے کیا عام آیتیں نہیں ہیں بلکہ خاص آیتیں ہیں جو حضرت موسےٰ اور بنی اسرائیل کے قصہ میں وارد ہوئی ہیں اور اسی سبب سے ہم نے خیال کیا ہے کہ یہ وہ احکام ہیں جو حضرت موسےٰ خدا کی طرف سے فرعون پاس لے گئے تھے +

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ (۱۰۹)	کہا فرعون کی قوم کے سرداروں نے بیشک یہ شخص جادوگر ہے بہت بڑا جاننے والا (۱۰۹)

ششم قتل اولاد

بنی اسرائیل کے لڑکوں یا مردوں کا قتل کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کو کسی کرشمہ کی بنا پر قرار دیا جاوے اگرچہ مفسرین نے اُس کی بنا بھی ایک کرشمہ پر قایم کی ہے یعنی بعضوں نے تو یہ کہا ہے کہ کاہنوں نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کو برباد کر دیگا۔ پس اُس تاریخ میں جو کاہنوں نے مقرر کی تھی جس قدر لڑکے پیدا ہوئے اُن کو فرعون نے مروا ڈالا۔ اور بعضوں نے یہ کہا کہ یہ قتل صرف اُس تاریخ پر منحصر نہیں رہا بلکہ یہ قتل برسوں تک جاری رہا اور لاکھوں ہزار لڑکے قتل ہوئے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ آئی اور اُس آگ نے مصر کو گھیر لیا اور تمام قبطیوں کو جلا دیا اور صرف بنی اسرائیل بچ رہے لوگوں نے اُس کی تعبیر دی کہ اُس شہر سے جہاں سے بنی اسرائیل آئے ہیں ایک شخص آویگا اُس کے ہاتھ سے مصر کی سلطنت برباد ہوگی اس پر فرعون نے بنی اسرائیل کے مردوں کے قتل کرنے کا حکم دیا۔

مگر قرآن مجید میں ان دونوں باتوں میں سے کسی کا کچھ اشارہ نہیں ہے اور نہ بنی اسرائیل کے قتل کی بنا کسی اور کرشمہ پر بیان ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں جو بات پائی جاتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ بنی اسرائیل کی کثرت سے فرعون اور اس کے سرداروں کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ فساد کر کے مصر کی سلطنت کو برباد کر دینگے اور اُس کے

واذ نجیناکم من ال فرعون یسومونکم سوء العذاب یذبحون ابناءکم ویستحیون نساءکم وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم۔

۲۔ سورۂ بقر۔ ۴۶

اذ انجیناکم من ال فرعون یسومونکم سوء العذاب یقتلون ابناءکم ویستحیون نساءکم وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم۔

۷۔ سورۂ اعراف۔ ۱۳۷

اذ قال موسیٰ لقومہ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ انجاکم من ال فرعون یسومونکم سوء العذاب ویذبحون ابناءکم ویستحیون نساءکم وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم۔

۱۴۔ سورۂ ابراہیم۔ ۶

ان فرعون علا فی الارض وجعل اہلہا شیعا یستضعف طائفۃ منہم یذبح ابناءہم ویستحیی نساءہم انہ کان من المفسدین۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمۃ ونجعلہم الوارثین۔ ونمکن لہم فی الارض ونری فرعون وہامان وجنودہما منہم ما کانوا یحذرون۔

۲۸۔ سورۂ قصص۔ ۳۔ ۵

فلما جاءہم بالحق من عندنا قالوا اقتلوا ابناء الذین امنوا معہ واستحیوا نساءہم وما کید الکافرین الا فی ضلال۔ وقال فرعون ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربہ انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظہر فی الارض الفساد۔

۴۰۔ سورۂ مومن۔ ۲۵، ۲۶

يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ (۱۰۷)	چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے ملک سے پھر کیا تم حکم دیتے ہو (۱۰۷)

اس ڈر کے لیے یہ تدبیر کی تھی کہ جو لڑکے پیدا ہوتے تھے اُن کو قتل کروا ڈالتا تھا کہ مرد جن سے لڑنے کا اور فساد ہونے کا اندیشہ تھا زیادہ نہ ہونے پاویں۔ چنانچہ سورہ قصص میں صاف لکھا ہے کہ فرعون کی سلطنت ملک میں بہت زبردست ہوگئی تھی اور اُس کے لوگوں کو گروہ گروہ کر دیا تھا اور ایک گروہ کو یعنی بنی اسرائیل کو اُن میں سے ضعیف کر دیا تھا اُن کے لڑکوں کو مار ڈالتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا خدا نے چاہا کہ اس ضعیف گروہ پر مہربانی کرے اور اُنہیں کو سردار بناوے اور اُنہیں کو وارث کرے اور ملک میں اُنہیں کو قدرت دے اور دکھلاوے فرعون اور اُس کے لشکر کو اس ضعیف گروہ سے وہ چیز جس سے وہ ڈرتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ یعنی قبل از ولادت حضرت موسےٰ جو فرعون نے قتل اولاد بنی اسرائیل کا حکم دیا تھا وہ صرف اس خوف سے تھا کہ وہ بسبب کثیر ہونے کے فساد کر کے ملک کو نہ چھین لیں۔ کچھ عجب نہیں کہ قتل کسی مدت تک رہا ہو اور پھر موقوف ہوگیا ہو +

یہ پہلا حکم قتل اولاد بنی اسرائیل کا تھا مگر جب حضرت موسےٰ فرعون کے پاس آئے اور خدا کے حکم پہنچائے اور کہا کہ بنی اسرائیل کو چھوڑ دو اُس وقت پر فرعون کو بنی اسرائیل کے فساد کرنے کا اور اپنی سلطنت کے زوال کا خوف ہوا اور دوبارہ اُس نے تدبیر کی کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو مار ڈالنا چاہیے۔ چنانچہ سورہ مومن میں خدا نے صاف بیان کیا ہے کہ جب ہمارے پاس سے سچی بات فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس پہنچی تو اُنھوں نے کہا کہ مار ڈالو اُن کے لڑکوں کو جو موسےٰ پر ایمان لائے ہیں اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھو اور فرعون نے کہا چھوڑو میں موسیٰ کو مار ڈالونگا مجھ کو خوف ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل دیگا اور ملک میں فساد پھیلاویگا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اسی خوف سے دونوں دفعہ فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں یا مردوں کے قتل کا حکم دیا تھا کوئی اور غیبی کرشمہ اُس کی بنیاد نہ تھا +

ہفتم قحط۔ ہشتم طوفان۔ و جراد۔ و قمل و ضفادع۔ و دم

یہ تمام امور ایسے ہیں جو ہمیشہ دنیا میں موافق قانون قدرت واقع ہوتے رہتے ہیں حضرت موسےٰ کے زمانہ میں بھی واقع ہوئے تھے۔ ایسے واقعات کو انسانوں کے گناہوں سے منسوب کرنا بھی قانون فطرت کے تابع ہے جس پر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے ہیں اس کی بحث قوم عاد کے تفسیر میں بالتفصیل لکھ چکے ہیں اس طرح ان واقعات ارضی و سماوی کو بھی

اُنہوں نے کہا کہ موسے اور اُسکے بھائی کو مہلت دے اور شہروں میں لوگوں کو جمع کرنے والے بھیج (۱۰۸)	قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ (۱۰۸)

خدا تعالےٰ نے فرعون اور اُس کی قوم کے گناہوں سے منسوب کیا ہے +

قحط کوئی نئی بات نہیں تھی حضرت یوسف کے زمانہ میں بھی سخت قحط پڑا تھا حضرت موسےٰ کے زمانہ میں بھی قحط ہوا جو حضرت موسےٰ کے قصہ میں مذکور ہے +

طوفان - دریائے نیل کی زیادہ طغیانی سے ہوجاتا ہے اور کبھی کبھی مینہ اور اولونکا طوفان بھی آجاتا ہے شام کے پہاڑوں سے اولے برستے ہوئے کبھی کبھی مصر تک پہنچ جاتے ہیں بجلی کی چمک اور گرج بھی ہوتی ہے (دیکھو کیٹو کی بیبلکل سیکلوپیڈیا صفحہ ۹۰۰) جن ملکوں میں بارش قلیل ہوتی ہے اور اولے اتفاقیہ پڑتے ہیں اُن ملکوں میں اس قدر بارش بھی جو اور ملکوں میں معمولی خیال کی جاتی ہے نہایت سخت طوفان کا اثر دکھاتی ہے خصوصاً اس حالت میں جب کہ دریا کی طغیانی بھی او رخصوصاً نیل کیسے دریا کی طغیانی اس کے ساتھ ہو تو پھر قیامت ہی ہوتی ہے - پس موسے کے عہد میں طوفان کا واقعہ ایک معمولی واقعہ سے زیادہ کچھ نہیں تھا - جو بزرگی اس میں تھی وہ صرف یہی تھی کہ اس زمانہ میں واقع ہوا جب کہ حضرت موسے وہاں تشریف لے گئے تھے +

جراد و قمل و ضفدع - یعنی ٹڈیوں پسوؤں یا اسی قسم کے کسی جانوروں اور مینڈکوں کا کثرت سے پیدا ہوجانا خصوصاً طوفان اور دریائے نیل کے چڑھاؤ کے اُترنے بعد ایک ایسی بات ہے جو قدرتی طور پر واقع ہوتی ہے حشرات الارض دفعتاً اس کثرت سے پیدا ہوجاتے ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے - پس حضرت موسے کے عہد میں اُن حشرات الارض کا پیدا ہوجانا جس قدر کثرت سے وہ پیدا ہو گئے ہوں اور کیسی ہی سخت مصیبت اُن کے سبب سے مصریوں پر پڑی ہو کوئی ایسی تعجب خیز بات نہیں ہے جس کو ایک لحہ کے لئے بھی واقعہ مافوق الفطرت تصور کیا جاوے +

دم کا لفظ البتہ لوگوں کو حیرت میں ڈالتا ہوگا - بعض مفسرین نے اس بات کو کہ تمام دریا اور حوض اور تمام پانی جو برتنوں میں تھا خون ہوگیا غیر قابل یقین خیال کرکے یہ لکھا کہ فرعون اور اُس کی تمام قوم کو نکسیر پھٹنے یعنی ناک سے خون جاری ہونے کی بیماری ہوگئی تھی - گو کہ کسی وبا کا پھیل جانا خصوصاً قحط و طوفان کے بعد کوئی امر بعید از عقل نہیں ہے - لیکن اصل بات معلوم ہوتی ہے کہ دریائے نیل کا پانی اگرچہ عموماً نیلے رنگ کا رہتا ہے مگر کبھی طغیانی کے زمانہ میں اُس کا رنگ سُرخ لال اینٹ کے گہرے رنگ کی مانند ہوجاتا ہے (دیکھو کیٹو بیبلکل سیکلوپیڈیا صفحہ ۴۸۵) اور (چیمبرز انسیکلوپیڈیا جلد سوم صفحہ ۷۸۹) اور جب کبھی نباتی مادہ کثرت سے آجاتا ہے تو سبز

تاکہ تیرے پاس ہر ایک بڑے جاننے والے جادوگر کو لے آویں (۱۰۹)	يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ (۱۰۹)

ہوجاتا ہے (دیکھو انسیکلوپیڈیا برٹینیکا صفحہ ۴۲۲) پس اسی قسم کے واقعات کے سبب اُس کا پانی سُرخ ہوگیا ہوگا جس کو دَم سے تعبیر کیا ہے +

بعض اوقات پانی میں نہایت باریک کیڑے سُرخ رنگ کے اس قدر کثرت سے پیدا ہوجاتے ہیں کہ تمام پانی کا رنگ سُرخ ہوجاتا ہے بحر احمر میں بھی اس قسم کی حالت پائی جاتی ہے۔ بحر حمر کے حال میں مالٹ نے لکھا ہے کہ فروری کے مہینہ میں ایک دفعہ جہاز کے گرد کچھ دُور تک سمندر نہایت سُرخ ہوگیا چونکہ اس عجیب تبدیلی کا باعث ہم دریافت کرنا چاہتے تھے ہم نے ایک برتن کو پانی میں ڈالا اور اس میں بہت سی وہ چیزیں نکالیں جو پانی پر تیر رہی تھیں وہ جیلی کے مشابہ ایک چیز تھی جس میں بے انتہا چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے اور ہر ایک کے اوپر ایک سُرخ دھبہ تھا یہ جانور ایک جگہ جمع ہونے سے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے پانی میں کوئی سرخ چیز گھولدی ہو۔ اسن برگ کو بھی جو ایک بہت بڑا نیچرل فلاسفی کا عالم تھا ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا اور اُس نے بھی بحر احمر کی ایسی حالت ہوجانے کی تصدیق کی ہے +

پس یہی حالت دریائے نیل کی بھی ہوگی اور جب کہ ثابت ہوا ہے کہ اس کا پانی بھی کبھی سُرخ ہوجاتا ہے تو اُس کی ایسی حالت ہوجانے پر زیادہ یقین ہوتا ہے۔ ان کیڑوں کا بہت کثرت سے پانی میں جمع ہوجانا بلا شبہ لوگوں کو استعمال سے باز رکھتا ہوگا اور وہ پانی ناقابل استعمال ہوجاتا ہوگا۔ فرعون کے زمانہ میں بھی دریائے نیل سے گھروں میں اور کنوؤں اور حوضوں میں نالوں کے ذریعہ سے پانی لے گئے تھے پس جہاں جہاں اُس کا پانی جاتا ہوگا سب جگہ یہی حال ہوگیا ہوگا۔ اُس پانی کو لوگوں نے بلا خیال برتنوں میں بھر لیا ہوگا اور تھوڑی دیر بعد دیکھا ہوگا کہ وہ سرخ مثل خون کے ہے۔ اونچے مقاموں میں جہاں دریائے نیل کا پانی نہ جاتا ہوگا وہاں یہ کیفیت نہ ہوئی ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ بنی اسرائیل اونچی زمین پر رہتے ہوں جہاں نیل کا پانی نہ جاتا ہو یا اُن کے گھروں میں پانی جانے کے نل نہ ہوں اور اُن کے گھروں میں یہ کیفیت نہ ہوئی ہو +

نہم ۔ غرق فی البحر

فرعون کا بنی اسرائیل کے تعاقب میں جانا اور بنی اسرائیل کا دریا کے پار اُتر جانا اور فرعون کا دریا میں ڈوب جانا ایک تاریخی واقعہ ہے اور ہم اُس کو نہایت تفصیل سے سورہ بقر کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں پس اس مقام پر زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں +

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۰﴾	اور آئے جادوگر فرعون کے پاس انہوں نے کہا کہ ضرور ہم کو انعام ملیگا اگر ہم غالب ہونگے ﴿۱۱۰﴾

دہم - اعتکاف حضرت موسےٰ کا پہاڑ میں

اعتکاف کا واقعہ اُس زمانہ کا ہے جب کہ حضرت موسےٰ بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے چھوڑا کر اور فرعون کو اور اُس کے لشکر کو دریا میں ڈبو کر اُس جنگل میں نکال لائے جو بحر احمر کی دونوں شاخوں کے درمیان میں ہے اور جس کا نقشہ سورہ بقر کی تفسیر میں بنایا ہے +

وواعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ واتممنٰھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ -
۷ - سورۂ اعرف - ۱۳۸ +

یہ کوئی امر زیادہ بحث کے قابل نہیں حضرت موسےٰ تیس دن کا اعتکاف کرنے لئے پہاڑ گئے تاکہ خدا کی عبادت میں مصروف ہوں مگر وہاں چالیس دن لگ گئے - توریت میں لکھا ہے کہ چالیس دن اور چالیس رات موسےٰ پہاڑ پر رہے اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا (سفر توریہ مثنی باب ۹ ورس ۹) زیادہ تر مقصود اس اعتکاف سے یہ تھا کہ خدا کی ہدایت اس بات میں چاہیں کہ اُس جم غفیر کی ہدایت و انتظام اور خدا کی عبادت کے لئے کیا قواعد یا احکام قرار دئے جاویں +

واذ واعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ ثم اتخذتم العجل من بعدہ وانتم ظلمون -
۲ - سورۂ بقر - ۴۸ +

بنی اسرائیل کو چار سو برس سے زیادہ ہو گئے تھے کہ مصر میں بستے تھے اور گو وہ خدا کو مانتے تھے مگر وہاں کی بت پرستی اور اُس کی شان و شوکت کے عادی ہو گئے تھے اور ظاہر میں بھی معبود کے وجود کے موجود ہونے کی خواہش مثل بت پرستوں کے اُن کے دل میں سما گئی تھی اس لئے نہایت مشکل بات تھی کہ اُن کو ایک ایسے خدائے واحد کی پرستش پر متوجہ کیا جاوے جس کا نہ ظاہر میں کوئی وجود ہے، نہ ظاہری وجود میں اور نہ کسی ظاہری شکل میں آسکتا ہے بلکہ محض بیچون و بیچگون و بےرنگ و نمون ہے - غالبًا یہی بات سب سے زیادہ حضرت موسےٰ کو بھی مشکل تھی - اور وہ ضرور اس خیال میں تھے کہ معبد کو ظاہری صورتوں سے اس طرح بنایا جاوے جن کی عبادت تو نہ کی جاوے مگر بنی اسرائیل کی دل بستگی کا ذریعہ ہوں - اور اسی وجہ سے اُنہوں نے معبد میں کروبین کی مجسم شکلیں چاندی و سونے کی بنائیں ہم قبول کرتے ہیں کہ اُنہوں نے خدا کے حکم سے بنائی ہونگی - مگر بنائیں جس کا سبب بجز مذکورہ بالا امر کے اور کچھ نہ تھا اور اسی لئے ہم کہ سکتے ہیں کہ جو بحث اور ٹھیٹ خدا پرستی اُسی طرح بیچون و بیچگوں و بے رنگ و نمون طریقہ پہ جیسا کہ وہ معبود حقیقی ہے

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (۱۱۱)	فرعون نے کہا ہاں اور بیشک تم مقربوں میں سے ہوگے (۱۱۱)

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قایم کی ہوئے ہے باوجود اس شان وشوکت کے قدیم نہیں ہوسکی، نہ ہم کو کرو بین کی حاجت ہے۔ نہ ہائی پریسٹ کی۔ نہ کسی معبد کی، نہ قربانی سوختنی کی، نہ بخور کی، اور نہ آتش دان کی، نہ خاص پوشاک او سینہ بند کی: ہم سچے خدا کی پرستش، جنگل میں دریا میں پہاڑ میں گھر میں بازار میں اندھیرے میں اُجالے میں کپڑا پہنے بن کپڑا پہنے کرسکتے ہیں ہمارا دل ہی خدا کا معبد ہے ہمارا خدا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے اور ہم خدا کے ساتھ اور یہ ایسا ساتھ ہے کہ نہ کبھی ہم اُس سے چھوٹ سکتے ہیں اور نہ وہ ہم کو چھوڑ سکتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ شانہ والحمد للہ رب العالمین ☩

یازدہم حقیقت کلام خدا با موسےٰ

کلام خدا کا جب تک نہ سُنیں یہ تو معلوم نہیں ہوسکتا کہ کیسا ہوتا ہے۔ مگر انسانوں کا کلام جو سُننے میں آتا ہے وہ تو یہ ہے کہ زبان اور ہونٹ ہلتے ہیں اُس سے بعد وہوائے محیط کے ایک آواز کان تک پہنچتی ہے ہر ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ بلکہ ہر لفظ کے پہلے حرف کے بعد دوسرا حرف نکلتا ہے اور حرفوں سے ملکر لفظ اور لفظوں سے ملکر جملہ ہو جاتا ہے۔ پھر کیا خدا کا کلام بھی ایسا ہی ہوتا ہے؟

علماے اسلام نے کہا ہے کہ تمام انبیاے علیہم السلام نے خدا کو متکلم کہا ہے اور اُس کے کلام کو ثابت کیا ہے پس اُس کا متکلم ہونا اور خدا کے لیے کلام کا ہونا تو ثابت ہوگیا۔ مگر اُنھوں نے یہ نہ بتایا کہ ایسا ہی کلام جیسا ہمارا تمہارا ہے یا کسی اَور طرح کا لیکن اُنھوں نے اُس پر دوسری بحث قدیم اور حادث ہونے کی چھیڑ دی یعنی اس بات کی کہ خدا کا کلام قدیم ہے یا حادث۔ ہم اُس بحث کو اس مقام پر لکھتے ہیں اور امید ہے کہ اُسی سے پتہ لگ جاویگا کہ اُس کا کلام کیسا ہوتا ہے ☩

قاضی عضد اور علامہ سید شریف شرح مواقف میں تحریر فرماتے ہیں کہ خدا کے کلام کے قدیم و حادث ہونے پر دو متناقض قیاس ہیں۔ ایک قیاس یہ ہے کہ۔ خدا تعالےٰ کا کلام خدا تعالےٰ کی ایک صفت ہے۔ اور جو صفت خدا کی ہے وہ قدیم ہے۔ پس خدا کا کلام قدیم ہے ☩

دوسرا قیاس جو اس کے برخلاف ہے وہ یہ ہے کہ۔ خدا کا کلام حرفوں ولفظوں کی ترتیب سے ملکر بنا ہے جو ایک بعد دوسرے کے وجود میں آتے ہیں اور جو چیز اس طرح پر بنتی ہے وہ

قَالُوْا يٰمُوْسٰىٓ اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ (۱۱۲)	فرعون کے جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ڈالنے والے ہوں (۱۱۲)

حادث ہوتی ہے۔ پس خدا کا کلام بھی حادث ہے ✦

حنبلی پہلے قیاس کو ٹھیک بتاتے ہیں اور اس بات کے قایل ہیں کہ خدا کے کلام میں حرف بھی ہیں اور آواز بھی ہے اور وہ دونوں اپنے آپ قایم ہیں اور قدیم ہیں پس کلام خدا کا بھی قدیم ہے۔ پس گویا حنبلی دوسرے قیاس کے دوسرے جملہ کو کہ " جو چیز اس طرح پر ہوتی ہے وہ حادث ہوتی ہے " نہیں مانتے ✦

قاضی عضد اور علامہ سید شریف دونوں بالاتفاق کہتے ہیں کہ حنبلیوں کا دوسرے قیاس کے دوسرے جملہ کو نہ ماننا قطعاً غلط ہے کیونکہ ہر ایک حرف اُن حرفوں میں سے جن سے اُن کے نزدیک کلام خدا کا مرکب ہے ایک حرف کے ختم ہونے پر دوسرے حرف کا شروع ہونا موقوف ہے تو وہ دوسرا حرف قدیم نہ ہوا اور جو کہ پہلے حرف کے لئے بھی ختم ہونا ہے تو وہ بھی قدیم نہ تھا اور جو کلام کہ ان سے مرکب ہو کر بنا ہے وہ بھی قدیم نہ رہا ✦

کرامیہ فرقہ اس بات میں کہ خدا کے کلام میں حرف اور آواز ہے حنبلیوں کے ساتھ متفق ہیں مگر وہ اس کو حادث مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خدا کی ذات میں قایم ہے کیونکہ اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ خدا کی ذات میں حوادث کا قایم ہونا جائز ہے پس گویا کرامیہ دوسرے قیاس کو تو صحیح مانتے ہیں اور پہلے قیاس کے دوسرے جملہ کو کہ " جو صفت خدا کی ہے وہ قدیم ہے " نہیں مانتے ✦

معتزلے خدا کے کلام میں آواز اور حرف کو اسی طرح پر مانتے ہیں جس طرح کہ حنبلی اور کرامیہ مانتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ آواز اور حرف خدا کی ذات میں قایم نہیں ہے بلکہ خدا اُس کو دوسری چیز میں پیدا کر دیتا ہے مثلاً لوح محفوظ میں یا جبرئیل میں یا نبی میں اس لئے خدا کا کلام حادث ہے پس معتزلے دوسرے قیاس کو صحیح سمجھتے ہیں اور پہلے قیاس کے پہلے جملہ کو کہ " خدا تعالیٰ کا کلام خدا تعالیٰ کی ایک صفت ہے " نہیں مانتے ✦

اس پر قاضی عضد اور علامہ سید شریف فرماتے ہیں کہ جو کچھ معتزلے کہتے ہیں ہم اُس سے انکار نہیں کرتے بلکہ ہم بھی وہی کہتے ہیں مگر اُس کا نام کلام لفظی رکھتے ہیں اور اُس کو حادث مانتے ہیں اور ذات خدا تعالیٰ میں قایم نہیں کہتے۔ اُس کے سوا ہم ایک اور امر ثابت کرتے ہیں اور وہ معنی ہیں قایم بالنفس جس کو کہ لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہی حقیقت میں کلام ہے اور وہی قدیم ہے اور وہی خدا تعالیٰ کی ذات میں قایم ہے۔ پس دوسرے قیاس کا جو دوسرا

قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (۱۱۳)	موسےٰ نے کہا تم ڈالو پھر جب اُنھوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اُن کو ڈرایا اور لائے بڑا جادو (۱۱۳)

جلا ہے کہ "خدا کا کلام حرفوں و لفظوں کی ترتیب سے ملکر بنا ہے" اس کو نہیں مانتے۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ معنی اور عبارت ایک نہیں ہیں کیونکہ عبارت تو زمانہ میں اور ملک میں اور قوموں میں مختلف ہو جاتی ہے اور معنی جو قایم بالنفس ہیں وہ مختلف نہیں ہوتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اُن معنوں پر دلالت کرنا بھی لفظوں ہی میں منحصر نہیں ہے کیونکہ اُن معنوں پر کبھی اشارہ سے اور کبھی کنایہ سے اسی طرح پر دلالت کی جاتی ہے جیسے کہ عبارت سے۔ اور مطلب جو کہ ایک معنی ہے قایم بالنفس وہ ایک ہی ہوتا ہے اور کچھ متغیر نہیں ہوتا باوجودیکہ عبارتیں بدل جاتی ہیں اور دلالتیں مختلف ہو جاتی ہیں اور جو چیز متغیر نہیں ہوتی وہ اُس چیز کے سوا ہے جو متغیر ہو جاتی ہے یعنی جو چیز کہ متغیر نہیں ہوتی وہ تو معنی قایم بالنفس ہیں اور وہ اُس چیز سے جو متغیر ہو جاتی ہے یعنی عبارت سے علحدہ ہیں۔ (انتہی ملخصًا) +

جو کچھ کہ قاضی عضد اور علامہ سید شریف نے فرمایا ہے مذہب اہلسنت وجماعت کا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اپنی تحقیق بیان کریں مناسب ہے کہ جو باتیں ان بزرگوں نے چھپا رکھی ہیں اُنکو کھول دیں تاکہ لوگوں کو صاف معلوم ہو جاوے کہ ان اصول کے ماننے سے جو اُن بزرگوں نے قرار دئے ہیں کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے +

معتزلیوں نے کہا تھا کہ آواز اور حرف دونوں خدا کی ذات میں قایم نہیں ہیں بلکہ وہ اُن کو دوسری چیزوں میں پیدا کر دیتا ہے، قاضی صاحب اور علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہاں یہ صحیح ہے مگر ہم اُس کا نام کلام لفظی رکھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں فرماتے کہ کس کا کلام لفظی خدا کا یا اُس کا جس میں خدا نے اُس کو پیدا کر دیا تھا +

پھر اُس پر زیادہ تحقیق یہ کرتے ہیں کہ صرف معانی قایم بالنفس اور غیر متغیر ہیں اور درحقیقت وہی کلام ہے اور وہی قدیم ہے اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ خدا کا کلام حرفوں و لفظوں کی ترکیب سے بنا ہے + (یہ بات زیادہ وزن رکھتی ہے۔ ابو الفضل)

اس بیان میں صریح نقص یہ ہے کہ اگر اُس کو تسلیم کر لیا جاوے تو جو الفاظ قرآن مجید کے ہیں وہ خدا کے لفظ نہیں رہتے بلکہ اُس کے لفظ ہوتے ہیں جس میں وہ پیدا کئے ہیں خواہ وہ جبرئیل ہوں یا نبی اور جو کہ وہ کلام اُنہی لفظوں سے مرکب ہوا ہے تو وہ کلام بھی اُسی شخص کا ہوا نہ خدا کا + (یہ نقص نہیں خدا کے کلام کو کسی کی ذات کے شایاں ہونا ضروری ہے)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ (١١٤)	اور وحی کی ہم نے موسےٰ کی طرف کہ ڈالدے اپنی لاٹھی پھر یکایک نگلجاویگی جو کچھ انہوں نے دکھلاوا کیا ہے (١١٤)

میری تحقیق میں پہلا قیاس صحیح ہے اور میں خدا کے کلام کو اُس کی صفت سمجھتا ہوں اور تمام صفات خدا کو قدیم مانتا ہوں اور اسی لئے خدا کے کلام کو بھی قدیم یقین کرتا ہوں۔ مگر حنبلیوں اور کرامیوں سے اس بات میں مختلف ہوں کہ خدا کے کلام میں آواز ہے اور اہل سنت جماعت کے اس مسئلہ سے مختلف ہوں کہ صرف معانی قایم بالنفس ہیں اور وہی درحقیقت کلام ہے اور وہی غیر متغیر ہے بلکہ میرے نزدیک معانی اور لفظ دونوں قایم بالنفس ہیں اور دونوں قدیم و غیر متغیر ہیں +

لفظ بھی حقیقت میں ایک مقید یا مختص معانی ہیں جن پر بولے جانے کے بعد ہم لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔ انسان جو گفتگو کرتا ہے اُس وقت بھی الفاظ اُس کے نفس میں اُن کے بولے جانے کے قبل موجود ہوتے ہیں۔ مگر صرف معانی کو قایم فی الذات ماننے اور معانی اور لفظ دونوں کو قایم فی الذات ماننے میں یہ فرق ہے کہ پہلی صورت میں اُن معانی کو الفاظ مختصہ میں تعبیر کرنا لازم نہیں آتا اور دوسری صورت میں بجز الفاظ معینہ مختصہ کے اور کسی الفاظ سے تعبیر نہیں ہوسکتے۔ مثلاً الحمد للہ کلام خدا ہے یہ ذات باری میں مع معانی و الفاظ کے اس طرح پر قایم ہے کہ جب تلفظ میں آویگا تو الحمد للہ ہی اُس کا تلفظ ہوگا للہ الحمد اُس کا تلفظ نہیں ہونے کا نہ ثناء اللہ اُس کا تلفظ ہوگا اور ہم قرآن مجید کو اسی معنی کر مع معانی و الفاظ کلام خدا کہتے ہیں اور قدیم تسلیم کرتے ہیں +

لفظوں کے قایم بالنفس ہونے میں تقدم و تاخر نہیں ہوتا۔ اس کو مثال دیکر سمجھانا بلا شبہ مشکل ہے مگر اس طرح پر سمجھ میں یا خیال میں آسکتا ہے کہ اگر جس طرح اُن الفاظ کے نقوش کو آئینہ کے سامنے رکھنے سے وہ سب معاً بلا تقدم و تاخر آئینہ میں منقش معلوم ہوتے ہیں اسی طرح الفاظ کے بھی بمعنی مذکورہ قایم فی الذات ہونے میں تقدم و تاخر لازم نہیں آتا۔ ذات باری کی نسبت ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ علۃ العلل تمام چیزوں کی ہے جو ہوچکیں اور ہوتی ہیں اور ہونے والی ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ وہ تمام چیزیں ذات باری میں قایم ہوں اُن کے ظہور کے زمانہ کے مختلف ہونے اور تبدیل کیفیت و کمیت سے اُس چیز میں جو قایم فی الذات ہے حدوث لازم نہیں آتا +

اس صورت میں قاضی عضد اور علامہ سید شریف کا یہ کہنا کہ ہر ایک حرف اُن حروف میں سے جن سے کلام خدا مرکب ہو ایک حرف کے ختم ہونے پر دوسرے حرف کا شروع ہونا موقوف ہے

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۵﴾	پھر ثابت ہوگیا سچ اور غلط ہوگیا جو کچھ کہ وہ کرتے تھے ﴿۱۱۵﴾

تو وہ دوسرا حرف قدیم نہ ہوا (الیٰ آخرہ) صحیح نہیں رہتا اس لئے کہ اس امر کا وقوع اُس وقت ہوتا جب کہ ہم کلام خدا میں حرف اور آواز دونوں مانتے مگر جب ہم کلام خدا میں آواز کو تسلیم نہیں کرتے تو نقص مذکورہ لازم نہیں آتا ۔

آواز کی کوئی دوسری حقیقت بجز اس کے کہ ہوا کی مدد اور زبان اور ہونٹوں کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے ہم نہیں جانتے پس اُس کو بجنسہ خدا کی صفت قرار دینا اور یہ خیال کرنا کہ خدا کے مُنہ سے بھی مثل ہمارے مُنہ کے ایک حرف دوسرے حرف کے بعد نکلتا ہے بنا فاسد علے الفاسد ہے ۔ پہلے ایک غلط امر کو تسلیم کیا ہے پھر اُس کی بنا پر دوسری غلطی قایم کی ہے ۔

جب کہ ہم کسی پر خواہ وہ جبرئیل ہو جو حسب اعتقاد جمہور مسلمین خدا اور انبیا میں مثل ایلچی کے واسطہ ہے اور خواہ وہ خود نبی مبعوث ہو جیسا کہ میرا خاص اعتقاد ہے خدا کے کلام کا نازل ہونا کہتے ہیں تو اُس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ خدا نے اُس کے دل میں بجنسہٖ الفاظ جن کو بعد اس کے وہ تلفظ کریگا مع اُن کے معنی کے جو مقصود ہیں پیدا کیا ہے یا القا کیا ہے اور وہی لفظ بجنسہ نبی نے تلفظ کئے ہیں پس گو اُس نبی کا اُن لفظوں کو تلفظ کرنا حادث ہو مگر وہ الفاظ مع اُن کے معنی کے یا وہ معنی مقید جن کا تلفظ بجز اُنہی الفاظ کے نہیں ہو سکتا تھا قدیم اور کلام خدا ہیں ۔ اور یہی میرا اعتقاد قرآن مجید کی نسبت ہے کہ وہ بلفظہ مع معانیہا قدیم و کلام خدا ہے اور خود خدا نے اپنا کلام پیغمبر خدا میں بلا واسطہ پیدا کیا ہے جیسا کہ مَیں نے کسی مقام پر کہا ہے ۔ ؎

ز جبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمے خواہم
ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

مگر پیغمبر خدا کا یا ہمارا اُن لفظوں کو تلفظ کرنا حادث ہے ۔

اس مضمون کو بذریعہ کسی مثال کے سمجھانا بلا شبہ نہایت مشکل ہے مگر ہم ایک قریب تر مثال سے اُس کو سمجھاتے ہیں ۔ فرض کرو کہ ایک شخص کسی سبب سے بول نہیں سکتا مگر ایک اپنی تحریر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں پس گو اُس تحریر میں آواز نہیں ہے مگر جو لفظ مطابق اُس تحریر کے ہماری زبان سے نکلتے ہیں وہ لفظ بلا شبہ اُسی کے ہیں جس نے اُس کو لکھا ہے اور ہم صرف اُن لفظوں کا تلفظ کرتے ہیں مگر در حقیقت وہ ہمارے لفظ نہیں ہیں اور یہ بھی نہیں کر سکتے کہ وہ لفظ بروقت ہمارے تلفظ کے پیدا ہوئے ہیں ۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ انبیا اور اولیا کوئی غیبی آواز نہیں سنتے ۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ (۱۱۹)	پھر اس جگہ وہ مغلوب ہو گئے اور الٹے پھرے ذلیل ہو کر (۱۱۹)

سنتے ہونگے مگر وہ خدا کی آواز نہیں ہے بلکہ وہ اُس القا کا اثر ہے جو اُن پر ہوا ہے اور وہ اُنہی کے نفس کی آواز ہے جو اُن کے کان میں آتی ہے ۔ وہ بیداری میں اُسی طرح آواز کو سنتے ہیں جیسے کہ سوتے میں خواب دیکھنے والا سنتا ہے ۔ یا جیسے کہ بعضی دفعہ لوگوں کو جو کسی خیال میں مستغرق ہیں بغیر کسی بولنے والے کے کان میں آواز آتی ہے ✦

کلام الٰہی کی نسبت جو کچھ خدا نے ہمارے دل میں ڈالا ہے بعینہٖ وہ وہی ہے جو حضرت مولانا و مرشدنا حضرت شیخ احمد سرہندی نقشبندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو القا ہوا تھا چنانچہ اس باب میں جو حضرت ممدوح نے لکھا ہے ذیل میں مندرج ہے ✦

حضرت ممدوح نے مکتوب نود و دوم جلد سوم میں جو بنام فقیر ہاشم کشمی تحریر فرمایا ہے اس طرح پر لکھا ہے "پرسیدہ بودند آنکہ بعض عرفا فرمودہ اند کہ ما کلام حق را مے شنویم و با او تعالیٰ مکالمہ مے شود چنانچہ از امام ہمام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول است کہ گفت ما زلت اردد الآیۃ حتی سمعتہا من المتکلم بہا ۔ و نیز از رسالہ غوثیہ کہ منسوب بحضرت شیخ عبد القادر جیلی است قدس سرہ مفہوم مے گردد چہ معنی است و تحقیق آں نزد تو چیست؟ بداں ارشدک اللہ تعالیٰ کہ کلام حق جل و علا در رنگ ذات حق و سائر صفات حق جل شانہ بیچون و بیچگون است و سماع آں کلام بیچون نیز بیچون است زیرا کہ چون را بہ بیچون راہ نیست پس ایں سماع مربوط بحاسہ سمع نباشد کہ سراسر چون است آنجا اگر از بندہ استماع است بتلقی روحانیت کہ نصیبے از بیچونی دارد و بے واسطہ حروف و کلمات است و نیز اگر از بندہ کلام است ہم بالقائے روحانی است بے حروف و کلمہ و ایں کلام نصیبے از بیچونی دارد کہ مسموع بیچون مے گردد یا آنکہ گوئیم کہ کلام لفظی کہ از بندہ صادر مے شود حضرت حق سبحانہ تعالیٰ آں را نیز بسماع بیچونی استماع مے فرماید و بے توسط حروف و کلمات و بے تقدیم و تاخیر آں را مے شنود اذ لا یجری علیہ تعالیٰ زمان یسع فیہ التقدیم و التاخیر و ہماں موطن کہ از بندہ سماع است بکلیت سامع و اگر کلام است ہم بکلیت متکلم تمام گوش و تمام زبان است روز میثاق ذرات مخرجہ قول الست بربکم را بے واسطہ بکلیت خود شنیدند و بکلیت خود جواب بلیٰ گفتند تمام گوش بودند و تمام زبان زیرا کہ اگر گوش از زبان متمیز بودے سماع کلام بیچون حاصل نیامدے و شایان ارتباط مرتبہ بیچون نہ گشتے لا یحمل عطایا الملک الا مطایاہ غایۃ ما فی الباب آں معنی متلقی از راہ روحانیت اخذ نمودہ بود ثانیاً در عالم خیال کہ آں در انسان نشأت

اور گرادئیے گئے ساحر سجدہ کرتے ہوئے (۱۱۷)	وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ (۱۱۷)

عالم مثال است بصورت حروف وکلمات مرتبہ متمثل مے گردد و آں تلقی الہا بصورت سماع وکلام لفظی مرتسم مے شود چہ ہر معنی را دراں عالم صورتے است اگرچہ آں معنی بیچوں بود اما ارتسام بیچون ہم آنجا بصورت چون است کہ فہم وافہام باں مربوط است کہ مقصود ازاں ارتسام است وچوں سالک متوسط درخود حروف وکلمات مرتبہ مے یابد وسماع وکلام لفظی احساس مے نماید خیال میکنند کہ ایں حروف وکلمات را از اصل شنیدہ است و بے تفاوت ازانجا اخذ کردہ نمے داند کہ ایں حروف وکلمات صور خیالیہ آں معنی متلقی است وایں سماع وکلام لفظی تمثال سماع وکلام بیچونی ۔ عارف تام المعرفت را باید کہ حکم ہر مرتبہ را جدا سازد و یکے را بدیگرے ملتبس نگرداند پس سماع وکلام ایں اکابر کہ بمرتبہ بیچونی مربوط است از قبیل تلقی والقاے روحانی است وایں کلمات وحروف کہ تعبیر ازاں معنی متلقی باں مے نمایند از عالم صور مثالیہ ۔ وگروہے کہ گمان بردہ اند کہ ما حروف وکلمات را ازاں حضرت جل سلطانہ استماع مے نمائیم دو فریق اند یکے ازاں دو فریق کہ احسن حال اند مے گویند کہ ایں حروف وکلمات حادثہ مسموعہ دال اند براں کلام نفسی قدیم و فریق دیگر اطلاق قول بسماع کلام حق جل شانہ مے نماید وہمیں حروف وکلمات مرتبہ را کلام حق میدانند جل وعلا وفرق نمے کنند درمیان آنکہ لائق بشان او تعالیٰ کدام است ۔ وکدام است کہ شایان جناب قدس اونیست سبحانہ وھؤلاء الجھال البطال لم یعرفوا ما یجوز علی اللہ سبحانہ عما لا یجوز علیہ تعالیٰ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت السمیع العلیم الحکیم والصلوٰۃ والسلام علی خیر البشر والہ واصحابہ الاطہر" +

حضرت موسے اپنے مقام سے مع اپنے گھر والوں کے مصر کو روانہ ہوئے تھے ۔ جو جو خیالات حضرت موسے کو نسبت اُن مشکلات کے ہونگے جو مصر میں پیش آنے والی تھیں ۔ اور اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات دینے کی مشکلات نے اُن کے دل کو کس قدر غمگین و متفکر کیا ہوگا اور ان تمام حالتوں کے سبب اُن کو ذات باری میں کس قدر استغراق رہا ہوگا ۔ کیونکہ ایسی مشکلات لاینحل کے حل کرنے میں بجز ذات باری پر بھروسہ کے دوسرا کوئی بھروسہ نہ تھا ۔ یہ تمام اسباب تھے حضرت موسے کو ذات باری میں دل طور پر مستغرق ہوجانے کے ۔ اور فطرت نبوت جو خدا نے اُن میں پیدا کی تھی سب سے زیادہ اس استغراق کا باعث تھی +

اتفاق سے وہ رستہ بھولے ہوئے تھے جب اُنھوں نے ایک طرف آگ دیکھی تو اُس طرف گئے ۔ جب اُس کے قریب پہنچے تو اُنہوں نے اُس جنگل کو پہچانا کہ وہ وادی ایمن یا طور ہے جو پہلے سے نہایت مقدس اور متبرک اور خدا کی جگہ سمجھا جاتا تھا ۔ دفعتہً اس بات کے

بولے کہ ہم ایمان لائے عالموں کے پروردگار پر (۱۱۸)	قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۱۸)

معلوم ہونے سے خدا کی طرف طبیعت کا ذوق اور خدا کا شوق بھڑک اُٹھا ـ اور اُن کے کان میں آواز آئی ـ یاموسیٰ انی انا ربك ـ انه انا الله العزیز الحکیم ـ انی انا الله رب العالمین ـ فاخلع نعلیك انك بالواد المقدس طوی ـ یہ آواز کسی بولنے والے کی نہ تھی نہ خدا کی آواز تھی کیونکہ جیسا ہم نے ابھی بیان کیا خدا کے کلام میں آواز نہیں ہوتی ـ بیشک خدا نے یہ الفاظ جو کلام خدا تھے موسےٰ کے دل میں ڈالے اور خود موسےٰ کے دل کی آواز اُس کے کان میں آئی جو خدا کے پکارنے سے تعبیر کی گئی ؞

اُسی جوش دلی اور استغراق قلبی کا سبب تھا جس سے حضرت موسےٰ کو اپنی حیثیت کا ذہول ہوا اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر کہنے لگے ـ رب ارنی انظر الیك ـ خدا نے جواب دیا نہ اپنی آواز سے اور نہ کسی فانی جسم میں آواز ڈالنے سے بلکہ خود موسےٰ کے دل میں اپنا کلام ڈالنے سے کہ ـ لن ترانی ـ جہاں جہاں خدا اور موسےٰ میں کلام ہونے کا ذکر ہے اُس کی یہی ماہیت ہے ـ اور وکلم الله موسیٰ تکلیما ـ کی یہی حقیقت ہے ھذا ما افھمنی الله حقیقة کلامه العظیم وھو الھادی الی الصراط المستقیم ؞

دوازدہم حقیقت تجلی بالجبل

پہاڑ پر خدا کی تجلی ہونے اور آگ کی صورت میں نزول ماننے کی نسبت تفسیروں میں بہت کچھ بھرا ہوا ہے مگر قرآن مجید میں یہ واقعہ نہایت صاف صاف اور سیدھے لفظوں میں بیان ہوا ہے جس میں کچھ بھی پیچیدہ بات نہیں ہے چنانچہ سورہ طٰہٰ میں خدا نے فرمایا کہ کیا تجھ تک موسےٰ کا قصہ پہنچا ہے ـ جب کہ اُس نے آگ کو دیکھا پھر اپنے گھر والوں سے کہا کہ ٹھیر جاؤ مجھ کو آگ دکھائی دی ہے شاید میں تمہارے لئے اُس میں سے جلتی ہوئی لکڑی لے آؤں یا اُس آگ پر کسی راہ بتانے والے کو پاؤں ـ پھر جب موسےٰ آگ کے پاس پہنچے اُس کو پکارا گیا یعنی آواز آئی کہ اے موسےٰ بیشک میں تیرا خدا ہوں اپنی جوتی پاؤں سے اُتار بیشک تو پاک میدان میں ہے ؞

وھل اتٰك حدیث موسیٰ ـ اذ رای نارا فقال لاھله امکثوا انی انست نارا لعلی اتیکم منھا بقبس او اجد علی النار ھدی ـ فلما اتاھا نودی یاموسیٰ ـ انی انا ربك فاخلع نعلیك انك بالواد المقدس طوی ـ

۲۰ ـ طٰہٰ ـ ۸ ـ ۱۲ ؞

یہی مضمون کسی قدر الفاظ کی تبدیل سے سورہ نمل میں آیا ہے کہ ـ جب موسےٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھ کو آگ دکھائی دی ہے میں

اذ قال موسیٰ لاھله انی انست نارا ساتیکم

رَبِّ مُوْسٰی وَھَارُوْنَ (۱۱۹)	موسے و ہارون کے پروردگار پر (۱۱۹)

منہا بخبر او اٰتیکم بشہاب قبس لعلکم تصطلون ۔ فلما جاءھا نودی ان بورک من فی النار ومن حولھا وسبحان اللہ رب العالمین ۔ یاموسیٰ انہ انا اللہ العزیز الحکیم ۔

۲۷ ۔ نمل ۔ ۷ ۔ ۹ ✦

وہاں سے تمہارے لئے کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے لئے جلتی لکڑی لاتا ہوں تاکہ تم تاپو ۔ پھر جب موسےٰ آگ کے پاس آیا تو آواز دی گئی کہ برکت دی گئی اُس کو جو آگ کے قریب ہے (یعنی موسے کو) اور اُس کو جو اُس کے گرد ہے (یعنی ہارون کو جو موسے کے گھر کے لوگوں کے ساتھ تھے) اور پاک ہے اللہ پروردگار عالموں کا اے موسےٰ ٹھیک بات یہ ہے کہ میں ہوں خدا زبردست حکمت والا ✦

اور سورۂ قصص میں اس طرح فرمایا ہے کہ ۔ جب موسےٰ مدین سے اپنے گھر والوں کو

فلما قضیٰ موسیٰ الاجل وسار باھلہ اٰنس من جانب الطور نارا قال لاھلہ امکثوا انی اٰنست نارا لعلی اٰتیکم منہا بخبر او جذوۃ من النار لعلکم تصطلون ۔ فلما اتاھا نودی من شاطی الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یاموسیٰ انی انا اللہ رب العالمین ۔

۲۸ ۔ قصص ۔ ۲۹ و ۳۰ ✦

لیکر غالباً مصر کے جانے کے قصد سے روانہ ہوا تو اُس نے طور کی جانب آگ دیکھی اُس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ٹھیرو میں نے آگ کو دیکھا ہے شاید میں وہاں سے تمہاری کوئی خبر یا کچھ تھوڑی سی آگ لاؤں تاکہ تم تاپو پھر جب موسےٰ آگ کے پاس آئے تو مبارک میدان کے کنارہ سے مبارک جگہ میں درخت کی طرف سے آواز دی گئی کہ اے موسےٰ بیشک میں اللہ ہوں پروردگار عالموں کا ✦

اور سورہ اعراف میں یوں آیا ہے کہ ۔ جب موسےٰ ہماری مقرر کی ہوئی جگہ میں آیا اور

ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا ۔ فلما افاق قال سبحانک تبت الیک وانا اول المؤمنین ۔

۷ ۔ سورۃ اعراف ۔ ۱۳۹ و ۱۴۰ ✦

اُس کے پروردگار نے اُس سے کلام کیا تو موسےٰ نے کہا اے پروردگار اپنے تئیں مجھے دکھلا دے خدا نے کہا کہ تو مجھے نہ دیکھیگا مگر اُس پہاڑ کی طرف دیکھ پھر اگر وہ اپنی جگہ پر قایم رہے تو تو مجھ کو بھی دیکھ لیگا ۔ پھر جب اُس کے پروردگار نے پہاڑ کے لئے تجلی کی تو اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گر پڑے موسےٰ بیہوش ہو کر ۔ پھر جب ہوش آیا تو کہا کہ پاک ہے تو معافی مانگتا ہوں تجھ سے اور میں پہلا ایمان والوں میں ہوں ✦

اگر اُن قصوں اور کہانیوں سے قطع نظر کی جاوے جو یہودیوں نے اُس کی نسبت بنائی ہیں اور اُن کی کتابوں میں مندرج ہیں اور جن کی پیروی کر کے ہمارے ہاں کے مفسروں نے

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ	فرعون نے کہا کہ تم ایمان لے آئے اُس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں

اُنہی قصوں کو مختلف طرح پر اپنی تفسیروں میں بھر دیا ہے اور صرف قرآن مجید کی آیتوں پر غور کیا جاوے تو ان آیتوں سے مندرجہ ذیل امور پائے جاتے ہیں ✦

۱- موسےٰ نے جو آگ دیکھی تھی حقیقت میں وہ آگ ہی تھی نہ خدا تھا اور نہ خدا کا نور اور نہ ہرے سبز درخت میں سے وہ آگ روشن ہوئی تھی اور درخت نہیں جلتا تھا جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ صرف بات اس قدر تھی کہ درحقیقت حضرت موسےٰ نے پہاڑ کی جانب آگ جلتی ہوئی دیکھی رستہ پر آگ جلانا پُرانی قوموں کا دستور تھا۔ رات کا وقت اور موسم سردی کا تھا اور جنگل میں حضرت موسےٰ رستہ بھی بھول گئے تھے اُنھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھیرو میں وہاں جاتا ہوں یا وہاں کوئی شخص رستہ بتانے والا مل جاویگا۔ یا میں تمہارے لئے وہاں سے کوئی جلتی ہوئی لکڑی لے آؤنگا جس سے تم تاپنا تاکہ سردی سے بچو ✦

یہ واقعہ کوہ سینا یا کوہ طور کے قریب موسےٰ پر گذرا تھا جب کہ وہ مدین سے اپنے گھر کے لوگوں کو لیکر مصر کو جاتے تھے۔ ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں اس بات کو کامل تحقیقات سے ثابت کردیا ہے کہ طور سینا آتشیں پہاڑ تھا اُس میں سے جو لَو نکلی ہوگی اُس کو حضرت موسےٰ نے دیکھ کر یہ بات کہی کہ میں نے آگ دیکھی ہے وہاں سے کوئی خبر یا تھوڑی سی آگ لیکر آتا ہوں ✦

۲- ان آیتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو آواز موسےٰ کو وہاں آئی یا جو کلام خدا نے موسےٰ سے کیا اُس کو اُس آگ سے کچھ تعلق نہ تھا۔ سورہ طٰہٰ اور سورہ نمل میں بیان ہوا ہے کہ جب حضرت موسےٰ آگ کے پاس آئے تو اُن کو آواز دی گئی۔ نہ وہاں یہ بیان ہوا ہے کہ آگ نے آواز دی نہ یہ بیان ہوا ہے کہ آگ میں سے آواز آئی بلکہ باوجودیکہ آگ کا ذکر وہاں موجود ہے اور پھر نودی صیغہ مجہول کا آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آواز یا کلام کو آگ سے کچھ تعلق نہیں تھا۔ مثلاً ایک شخص دریا میں سے پانی بھرنے جاوے اور وہ کہے کہ جب میں دریا کے قریب پہنچا تو میں نے کسی پکارنے کی آواز سُنی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خواہ دریا میں سے وہ آواز آئی۔ اسی طرح جب حضرت موسےٰ آگ کے قریب پہنچے تو اُن کے کان میں آواز آئی۔ پس اس بات کا قرار دینا کہ وہ آواز آگ میں سے آئی تھی کسی طرح قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا ✦

علاوہ اس کے سورہ قصص میں بیان ہوا ہے کہ مبارک جنگل کے کنارہ سے ایک درخت کی طرف سے وہ آواز آئی تھی اور یہ آیت نص صریح اس بات کی ہے کہ آگ میں سے آواز

بیشک یہ ایک مکر ہے کہ تم نے کیا ہے اس شہر میں	اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ

نہیں آئی تھی ✦

سورہ قصص کی آیت میں آواز کا آنا من الشجرۃ بیان ہوا ہے لفظ من سے خاص درخت میں سے آواز کا آنا نہیں ثابت ہوتا کیونکہ اس آیت میں خود خدا نے جانب کے معنی کی تصریح کردی ہے جہاں فرمایا ہے من جانب الطور - اور اسی تصریح پر من شاطی الواد الایمن - ای من جانب الشاطی الواد الایمن - من الشجرۃ ای من جانب الشجرۃ محمول کیا جاتا ہے - اور یہ خیال کرنا کہ یہ شجر وہ شجر تھا جس میں آگ روشن ہوئی تھی اور درخت سبز کا سبز تھا اور نہیں جلتا تھا اور حضرت موسٰے نے اسی سبز درخت میں آگ دیکھی تھی یہودیوں کی کتابوں کی کہانیاں اور بے ثبوت قصے ہیں قرآن مجید سے مطلق ثابت نہیں ہے - سورہ یٰسین میں جو آیا ہے کہ من الشجر الاخضر نارا - اُس کو حضرت موسٰے کے قصہ سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ✦

۳ - تجلی للجبل کی نسبت بہت تھوڑی گفتگو کرنی ہے حضرت موسٰے نے یہ کہا - رب ارنی انظر الیک - اس کی تفصیل سورہ بقر میں بیان ہو چکی ہے کہ کس حالت ذہول میں حضرت موسٰے نے یہ ناممکن خواہش خدا سے کی تھی اُس کا جواب خدا کی طرف سے بجز - لن ترانی - کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا - مگر چونکہ خدا کا وجود اُس کی تمام مخلوقات سے اور خصوصاً ایسی مخلوق سے جو لوگوں کی آنکھ میں زیادہ تر عجیب ہیں ثابت ہوتا ہے اس لئے خدا نے حضرت موسٰے کو اُس عجیب مخلوق کی طرف متوجہ کیا جو اُن کے قریب موجود تھی اور جس سے خدا کی شان و قدرت ظاہر ہوتی تھی - یعنی اُس آتشیں پہاڑ کی طرف جو روشن ہونا شروع ہوا تھا اور جس کی لو کو حضرت موسٰے دیکھ کر آگ لینے دوڑے تھے مگر جب وہ پہاڑ بھڑکا اور گرجا اور اس کے پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑے تو حضرت موسٰے غش کھا کر گر پڑے - پھر جب ہوش آیا تو اُس سوال سے توبہ کی اور کہا انا اول المومنین ✦

تجلی خدا کی اُس کی تمام مخلوق میں موجود ہے جیسا کہ ہم نے سورہ بقر میں بیان کیا ہے پس فلما تجلی ربه للجبل کے معنی یہ ہیں کہ - فلما ظهر شان ربه وکمال قدرته علی الجبل اشترف موسٰی وخر صعقا ✦

سیزدہم - بیان کتابت فی الالواح

یہ وہی پتھر کی تختیاں تھیں جن پر وہ احکام لکھے ہوئے تھے جو بنی اسرائیل کے لئے
قال یاموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس خدا نے دئے تھے توریت میں ایک جگہ لکھا ہے

لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۱۲۰)	تاکہ اس میں سے نکال دو اُس کے رہنے والوں کو پھر جلد تم جان لو گے (۱۲۰)

برسالاتی وبکلامی فخذ ما اتیتک وکن من الشاکرین۔ وکتبنا لہ فی الالواح من کل شئ موعظۃ وتفصیلا لکل شئ فخذھا بقوۃ وأمر قومک یاخذوا باحسنہا ساوریکم دار الفاسقین ۔
سورۂ اعراف ۔ ۱۴۱ و ۱۴۲ +

ولما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم و القی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ ۔ ولما سکت عن موسیٰ الغضب اخذ الالواح وفی نسختہا ھدی و رحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون ۔
۷ ۔ سورۂ اعراف ۔ ۱۴۹ ۔ ۱۵۳ +

کہ جب خدا نے موسٰے کو سب احکام بتا دئے تو موسٰے نے اُن تمام حکموں کو جو خدا نے دئے تھے لکھ دیا ۔ (سفر خروج باب ۲۴ ورس ۴) اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسٰے کو لکھنا آتا تھا ۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ ۔ خدا نے موسٰے سے کہا کہ میرے پاس پہاڑ پر آ تاکہ پتھر کی لوحیں لو ۔ توریت اور اور احکام جو میں نے لکھے ہیں تجھ کو دوں تاکہ بنی اسرائیل کو تعلیم کرے (سفر خروج باب ۲۴ ورس ۱۲) اور ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ ۔ جب خدا موسٰے سے بات چیت کر چکا تو لوحیں شہادت کی یعنی پتھر کی لوحیں جو خدا کی انگلی سے لکھی ہوئی تھیں موسٰے کو سپرد کیں ۔ (سفر خروج باب ۳۱ ورس ۱۸) ۔ اور ایک جگہ پھر لکھا ہے کہ ۔ چالیس دن رات پہاڑ پر رہنے کے بعد خدا نے دو پتھر کی لوحیں جو خدا کی انگلی سے لکھی گئی تھیں موسٰے کو دیں اور جو کچھ خدا نے پہاڑ میں بنی اسرائیل کے سرداروں سے آگ کے بیچ میں سے کہا تھا لکھا گیا تھا (سفر توریت مثنے باب نہم ورس ۱۰ و ۱۱) بعد اس کے جب حضرت موسٰے اُن لوحوں کو لیکر آئے اور ہارون پر خفگی ہونے کی حالت میں اُن کو پھینک دیا اور وہ ٹوٹ گئیں تو خدا نے موسٰے کو حکم دیا کہ ۔ اپنے لئے پتھر کی دو لوحیں پہلی لوحوں کے برابر بنا دے اور میرے پاس پہاڑ میں لے آ اور اُن کے لئے لکڑی کا ایک صندوق بنا ۔ جو کلمات کہ پہلی لوحوں پر لکھے ہوئے تھے ۔ وہ میں پھر اُن لوحوں پر لکھ دونگا ۔ موسٰے نے ایسا ہی کیا اور خدا نے پہلی تحریر کے موافق اُن دس کلموں کو جو خدا نے بنی اسرائیل پر پہاڑ پر آگ کے بیچ میں سے کہے تھے لکھ دئے اور لوحیں مجھے کو دیں میں موسٰے نے احتیاط سے اُن کو صندوق میں رکھ چھوڑا (سفر توریت مثنے باب ۲۰ ورس ۱ لغایت ۵) یہ بات ہر کوئی تسلیم کرسکتا ہے کہ خدا کی شان اور اُس کے تنزہ سے بعید ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ یا اپنی انگلی سے مثل ایک سنگتراش کے پتھر پر عبارت کندہ کرے ۔ یہودی اور عیسائی اور وہ تمام لوگ بھی جو ایسے واقعات کو ہمیشہ ایک عجیب پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں ان لفظوں کے جو توریت میں ہیں ظاہری معنی نہیں لیتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان لفظوں سے یہ مراد ہے کہ خدا کی قدرت سے وہ کلمات اُس پر کندہ کئے گئے تھے ۔ تمام نشانات سے

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (۱۲۳)

اور تو ہم کو سزا نہیں دیتا مگر اس پر کہ ہم ایمان لائے ہیں اپنے پروردگار کی نشانیوں پر جبکہ وہ ہمیں پہنچ چکا ہے ہمارے پروردگار ہم کو صبر بخش دے اور مار ہم کو مسلمانی میں (۱۲۳)

اور اُس طرز بیان سے جو توریت میں آیا ہے بخوبی پایا جاتا ہے کہ وہ لوحیں خود حضرت موسٰے نے بنائی تھیں اور جو احکام خدا نے اُن کو دئے تھے وہ خود حضرت موسٰے نے اُن پر کندہ کئے تھے +

ہمارے علمائے مفسرین نے اس بات پر بحث کی ہے کہ وہ لوحیں کس چیز کی تھیں اور کے تھیں بعضوں نے کہا دس تھیں بعضوں نے کہا سات تھیں کسی نے کہا زمرد کی تھیں کسی نے کہا سبز زبرجد کی تھیں اور سرخ یاقوت کی تھیں۔ حسن نے کہا کہ لکڑی کی تھیں جو آسمان سے اُتری تھیں اور وہب کا قول ہے کہ وہ سخت پتھر کی تھیں اُن کو خدا نے موسٰے کے لئے نرم کر دیا تھا +

وقال وهب كانت من صخرة صماء لينها الله لموسى عليه السلام (تفسیر کبیر) +

بہرحال وہ لوحیں کسی چیز کی ہوں وہ چنداں بحث کے قابل نہیں ہیں جو امر بحث طلب ہے وہ یہ ہے کہ اُن پر لکھا کس نے تھا ہمارے علما نے درحقیقت اس میں سکوت اختیار کیا ہے اگرچہ بعضوں کا قول ہے کہ جبرئیل نے لکھا تھا مگر تفسیر کبیر میں قول فیصل یہ لکھا ہے کہ آیت کے لفظوں سے کتابت فی الالواح کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی پس اگر اور کسی قوی دلیل سے اُس کی کیفیت معلوم نہ ہو تو سکوت کرنا چاہئے +

واما كيفية الكتابة فقال ابن جريج كتبها جبرئيل بالقلم الذي كتب به الذكر واستمد من نهر النور واعلم انه ليس في لفظ الآية ما يدل على كيفية تلك الالواح وعلى كيفية تلك الكتابة فان ثبت ذلك التفصيل بدليل منفصل قوي وجب القول به والا وجب السكوت عنه (تفسیر کبیر) +

مَیں یہ بات کہنی چاہتا ہوں کہ آیت کے لفظوں سے یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالے ان لوحوں کا کاتب نہ تھا کیونکہ تمام قرآن مجید میں لفظ "کتبنا" کا جہاں آیا ہے اُس سے خدا کی نسبت فعل کتابت کی مراد نہیں لی گئی بلکہ مقرر کرنے فرض کرنے کے معنی لئے گئے ہیں چنانچہ "کتبنا" کے ہر جگہ سب علما نے یہی معنی قرار دئے ہیں "علی" اور "ل" جو بہت کے صلہ میں آتا ہے اُس سے کچھ تغیر معنی میں نہیں ہوتا۔ بلکہ "فی" کے صلہ میں آنے سے بھی کچھ تغیر واقع نہیں ہوتا چنانچہ سورۂ انبیا کی ایک سو پانچویں آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں "ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" یہ بات ظاہر ہے کہ زبور کا لکھنا یعنی فعل کتابت کسی نے بھی خدا کی طرف منسوب نہیں کیا پس اُس کے معنی یہی ہیں کہ "فرضنا فی الزبور" پس قرآن مجید کی کوئی آیت اس بات پر اشارہ بھی نہیں کرتی کہ ان دونوں

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۱۲۱) قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (۱۲۲)

بیشک میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں برخلاف سے پھر اور تم کو سولی دیدونگا تم سب کو (۱۲۱) انہوں نے کہا بیشک ہم اپنے پروردگار کے پاس پھر جانے والے ہیں (۱۲۲)

کا کاتب خدا تھا۔ بلکہ جس طرح خدا تعالٰے کبھی بندوں کے اور اشیا کے بعض افعال کو اپنی طرف نسبت کرتا ہے اس طرح بھی فعل کتابت الواح کا خدا نے اپنی طرف منسوب نہیں کیا +

اب رہی یہ بات کہ پھر اُن پر کس نے لکھا تھا حضرت موسٰے کے سوا وہاں اور کوئی لکھنے والا نہ تھا۔ وہب نے جو یہ کہا ہے کہ وہ سخت پتھر کی لوحیں تھیں خدا نے موسٰے کے لئے اُن کو نرم کردیا تھا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہب کے نزدیک بھی حضرت موسٰے ہی اُن کے لکھنے والے تھے +

حضرت موسٰے ایک مہینہ میں واپس آنے کا اقرار کرکے پہاڑ پر گئے تھے اُن کو جو مہینہ بھر عبادت میں مشغول رہنے کا حکم ہوا وہ اُسی کو میعاد عطاے احکام سمجھے حالانکہ احکام اُس کے بعد ملنے کو تھے چنانچہ اس روز میں وہ احکام ملے یا اُن کے کھودنے میں دس دن لگ گئے۔ غرضکہ چالیس دن رات ہوگئے خدا نے جو احکام اُن کو وحی سے بتالے تھے اُنہوں نے چاہا کہ اُن کو پتھر کی لوحوں میں کندہ کریں اور بنی اسرائیل کو جا کر دکھائیں۔ وعدہ سے دس دن زیادہ لگ جانے سے بنی اسرائیل کو اُن کے واپس آنے کی توقع جاتی رہی اور انہوں نے اپنے لئے بطور دیوتا کے بچھڑا بنا لیا اور اُس کی پوجا کرنے لگے +

چہاردہم۔ اتخاذ عجل

بچھڑا بنانے کا کچھ مختصر سا ذکر ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں لکھا ہے مگر اس مقام پر اُس کے متعلق خاص باتوں سے بحث کرنی چاہتے ہیں اور اول اُن آیتوں کو لکھتے ہیں جن سے وہ بحث متعلق ہے +

واتخذ قوم موسٰی من بعدہ من حلیہم عجلا جسدا له خوار الم یروا انه لا یکلمہم ولا یہدیہم سبیلا۔

۷۔ سورۂ اعراف - ۱۴۶ +

وما اعجلك عن قومك یموسٰی قال هم اولاء علی اثری وعجلت الیك رب لترضٰی قال فانا قد فتنا قومك من بعدك واضلهم السامری فرجع موسٰی الی قومه غضبان اسفا قال یقوم الم یعدکم ربکم وعدا حسنا افطال علیکم العهد

خدا نے سورہ اعراف میں فرمایا ہے۔

اور بنایا موسٰے کی قوم نے موسٰے کے پہاڑ پر جانے کے بعد اُن کے گہنوں سے بچھڑا جسم کہ اُس کے لئے آواز تھی یعنی اُس میں سے آواز

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ
أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا
فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ
قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي
نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ
قَاهِرُونَ (۱۲۴)

اور کہا قوم فرعون سرداروں نے کیا تو چھوڑ دیگا
موسٰے کو اور اُس کی قوم کو تاکہ ملک میں فساد
کریں اور تجھ کو اور تیرے معبود دونوں کو چھوڑ دیں
(فرعون نے) کہا کہ ابھی ہم اُن کے بیٹوں کو یعنی
مردوں کو) مار ڈالینگے اور اُن کی عورتوں کو ہم زندہ
رکھینگے اور بیشک ہم اُن پر غالب ہیں (۱۲۴)

ام اردتم ان یحل علیکم غضب من ربکم
فاخلفتم موعدی قالوا ما اخلفنا موعدک
بملکنا ولکنا حملنا اوزارا من زینۃ القوم فقذفناها
فکذلک القی السامری فاخرج لہم عجلا جسدا لہ خوار
فقالوا ھذا الٰہکم والٰہ موسٰی فنسی افلا یرون
الا یرجع الیہم قولا ولا یملک لہم ضرا ولا نفعا
ولقد قال لہم ھارون من قبل یا قوم انما فتنتم
بہ وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی واطیعوا امری
قالوا لن نبرح علیہ عاکفین حتی یرجع الینا
موسٰی قال یا ھارون ما منعک اذ رایتہم ضلوا
الا تتبعن افعصیت امری قال یا ابن ام لا تاخذ
بلحیتی ولا براسی انی خشیت ان تقول فرقت
بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی قال فما خطبک
یا سامری قال بصرت بما لم یبصروا بہ
فقبضت قبضۃ من اثر الرسول فنبذتہا
وکذلک سولت لی نفسی -

۲۰ - سورۂ طٰہٰ ۸۵ لغایت ۹۶ +

بھی نکلتی تھی +

اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے کہ اے موسٰے
کیا چیز مجھ کو تیری قوم سے چھوڑا کر ایسی جلدی
لے آئی - موسٰے نے کہا کہ وہ لوگ میری پیروی پر
ہیں اور میں جلد جلد آیا تیرے پاس تاکہ تو راضی
ہو - خدا نے کہا کہ بیشک میں نے تیری قوم کو تیرے
پیچھے آفت میں ڈالا ہے اور سامری نے اُس کو
گمراہ کیا ہے - پھر لوٹ آیا موسٰے اپنی قوم کے
پاس غصہ میں بھرا ہوا غمگین - کہا اے میری قوم
کے لوگو کیا تمہارے پروردگار نے تم سے اچھا
وعدہ نہیں کیا تھا - کیا تم پر لمبی مدت گذر گئی یا تم
نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے
غضب نازل ہو پھر تم نے میرے وعدہ کے برخلاف
کیا - انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے
تیرے وعدہ کے برخلاف نہیں کیا و لیکن ہم سے فرعون کی قوم کے گہنوں کا بوجھ اُٹھوایا گیا پھر
ہم نے اُس کو پھینک دیا اور اسی طرح سامری نے ڈالدیا (آگ میں) پھر اُس نے اُن کے لئے
ایک بچھڑا نکالا مجسم کہ اُس کے لئے آواز تھی یعنی اُس میں سے آواز بھی نکلتی تھی - پھر ان لوگوں نے
کہا کہ یہ تمہارا پروردگار اور موسٰے کا پروردگار ہے پھر موسٰے بھول گیا ہے - کیا انہوں نے نہیں
دیکھا کہ وہ بچھڑا اُن کی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ اُس کے اختیار میں اُن کے لئے ضرر
پہنچانا ہے نہ فائدہ - بیشک اس سے پہلے ہارون نے اُن سے کہا تھا کہ اے میری قوم تم اُس
کے سبب سے آفت میں پڑے ہو اور بیشک تمہارا پروردگار خدائے مہربان ہے پھر تم میری

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۱۲۵)	موسٰے نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد چاہو اور صبر کرو بیشک تمام زمین اللہ کی ہے اُس کا وارث کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اور اخیر کو بھلائی پرہیزگاروں کے لئے ہے (۱۲۵)

پیروی کرو اور میرے حکم کو بجالاؤ اُنھوں نے کہا کہ ہم تو اسی کے گرد بیٹھے رہینگے جب تک پھر ہمارے پاس موسٰے آوے۔ جب موسٰے آئے تو اُنھوں نے کہا اے ہارون کس چیز نے تجھ کو اس بات سے روکا کہ جب تو نے اُن کو گمراہی میں دیکھا تو تو میری پیروی کرے کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی ۔ ہارون نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (بھائی) تم میری ڈاڑھی اور میرے سر کے بال مت پکڑو بیشک میں اس بات سے ڈرا کہ تم یہ نہ کہو تو نے تفرقہ ڈالدیا بنی اسرائیل میں اور میری بات کو نگاہ نہ رکھی۔ موسٰے نے کہا اے سامری تیرا کیا حال ہے اُس نے کہا مجھے ایسی بات سوجھی جو کسی کو وہ نہ سوجھی تھی پھر میں نے رسول کے نقش قدم سے (یعنی حضرت موسٰے کے نقش قدم سے جب کہ وہ پہاڑ کو جانے تھے) مٹی کی مٹھی بھرلی پھر اُس کو بچھڑے میں میں نے ڈالدیا اور اس طرح میرے نفس نے مجھ کو دھوکا دیا +

قرآن کے لفظ ہم نے اس مقام پر لکھے ہیں اور اُن کا مطلب بھی جو صاف صاف قرآن کے لفظوں سے نکلتا ہے لکھ دیا اب ہمارے عجائب پرست مفسروں نے اس پر لغو و بیہودہ قصوں پر قصے باندھے ہیں۔ پہلے تو یہ قرار دیا کہ اُس بچھڑے میں اسی طرح کی آواز تھی جس طرح کہ سچ مچ کی اور خدا کی پیدا کی ہوئی بچھڑے میں آواز ہوتی ہے پھر ضرور ہوا اُس کا کوئی سبب بھی قرار دیں اس لئے " الرسول " کے لفظ سے تو جبرئیل مراد لئے ۔ " بصرت " سے یہ معنی لئے کہ سامری نے جبرئیل کو دیکھا تھا اور کسی نے نہیں دیکھا تھا اور وہ کہاں عین اُس وقت جب کہ بحر احمر سے بنی اسرائیل گذر رہے تھے اور فرعون تعاقب میں تھا اور فرعون کے لشکر اور بنی اسرائیل کے بیچ کے میدان میں جبرئیل آ گئے تھے اُس وقت سامری نے اُن کو دیکھا اور پہچان لیا اور نہایت دور اندیشی سے اُن کی یا اُن کے گھوڑے کے (کیونکہ بعض مفسرین کے نزدیک اُس وقت گھوڑے پر چڑھے ہوئے تھے) پاؤں تلے کی مٹی اُٹھالی کہ کسی وقت کام آویگی اور یہاں اُس کو کام میں لایا اور بچھڑے کے منہ میں ڈالدی وہ سچ مچ کے خدا کے پیدا کئے ہوئے بچھڑے کی مانند بولنے لگا +

ان خرافات و لغویات کا کچھ ٹھکانا ہے کیسے جبرئیل وہ کہاں تھے کہاں سمندر کہاں کی بات کہاں لے دوڑے سمندر میں جبرئیل کا آنا کیسا اُن کا گھوڑے پر سوار ہونا کیسا اللہ

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۲۹) وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (۱۳۰)

اُنھوں نے کہا کہ ہم کو ایذا دی گئی اس سے پہلے کہ تو ہمارے پاس آوے اور اُس کے بعد بھی کہ تو ہمارے پاس آیا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور ملک میں تم کو جانشین کرے پھر دیکھے کہ کیسے تم عمل کرتے ہو (۱۲۹) اور بیشک ہم نے گرفتار کیا فرعون کے لوگوں کو قحط میں اور پھلوں کے نقصان ہونے میں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں (۱۳۰)

کے رسول یعنی موسیٰ وہاں موجود تھے جن کی طرف صاف اشارہ ہے ہمارے مفسرین خدا اُن کو بخشے اُن کو چھوڑ کر سمندر میں جا ڈوبے ❖

ایک لفظ بھی قرآن مجید کا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اُس کو بچھڑے میں سچ مچ کی اور خدا کے پیدا کئے ہوئے بچھڑے کی مانند آواز تھی بلکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سامری نے اُس بچھڑے کو اس طرح بنایا تھا کہ اُس میں سے آواز بھی نکلتی تھی ہزاروں جانور اب بھی کاریگر اس طرح سے بناتے ہیں کہ وہ اڑتے ہیں چلتے ہیں حرکت کرتے ہیں بولتے ہیں۔ سامری نے بھی اُس بچھڑے کو ایسی کاریگری سے بنایا تھا کہ اُس میں سے آواز بھی نکلتی تھی سیدھے مطلب کو ٹیڑھا کرنا ہمارے مفسروں کی عجائب پرستی اور یہودیوں کی تقلید کے سوا کچھ نہیں ہے مذہب اسلام اور خدا کا کلام یعنی قرآن مجید ان سب لغویات سے پاک ہے ❖

یہی قول معتزلے عالموں کا بھی ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ۔ اکثر معتزلے مفسروں کا

وقال اکثر المفسرین من المعتزلۃ انہ کان قد جعل ذلک العجل مجوفا ووضع فی جوفہ انابیب ویظہر منہ صوت مخصوص یشبہ خوار العجل وقال اٰخرون انہ جعل ذلک التمثال اجوف وجعل تحتہ فی الموضع الذی نصب فیہ العجل من ینفخ فیہ من حیث لا یشعر بہ الناس فسمعوا الصوت من جوفہ کالخوار۔ قال صاحب ہذا القول والناس قد یفعلون الآن فی ہذہ التصاویر التی یجرون فیہا الماء علی سبیل الفوارات وما یشبہ ذلک فبہذا الطریق وغیرہ اظہر الصوت من ذلک التمثال ثم القی الی الناس ان ہذا العجل الٰہہم واٰلہ موسیٰ۔

(تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۰۱) ❖

یہ قول ہے کہ سامری نے وہ بچھڑا اندر سے کھوکھلا بنایا تھا اور اُس کے اندر نلیاں لگائی تھیں اُن سے آواز بچھڑے کی آواز کے مشابہ نکلتی تھی اور اور مفسروں نے یہ کہا کہ وہ مورت کھوکھلی تھی اور جہاں بچھڑا کھڑا کیا گیا تھا اُس کے نیچے ایک ایسا مقام تھا جہاں ایک شخص تھا جو کہ اُس میں پھونکتا تھا اور لوگ اُس کو نہیں جانتے تھے اُس کے پیٹ میں سے بچھڑے کی آواز کی مانند آواز سنتے تھے اس قول کے قائل نے کہا کہ اب بھی لوگ ان مورتوں

فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٢٨﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٩﴾

پھر جب آئی اُن کے پاس نیکی کہنے لگے کہ ہمارے لئے یہ ہے۔ اور جب اُن کو بُرائی پہنچی تو بدشگنی ٹھیرائی موسےٰ اور اُسکے ساتھیوں کی۔ جان لے کہ اُسکے سوا اور کچھ نہیں کہ اُن کی بدشگنی اللہ کی طرف سے ہے لیکن اُن میں بہتیرے نہیں جانتے (۱۲۸) اور انہوں نے موسےٰ سے کہا کہ تو کتنی ہی نشانیاں ہمارے پاس لائے تاکہ اُن سے ہم پر جادو کرے پھر ہم تجھ پر ایمان نہیں لاوینگے (۱۲۹)

تأول الخبر على أن السامري صاغ عجلا وجعل فيه خروقا يدخلها الريح فيخرج منها صوت كالخوار ودعاهم إلى عبادته فأجابوه وعبدوه ۔ عن الجبائي ۔

وقيل إنه احتال بإدخال الريح كما يعمل هذه الآلات التي تصوت بالحيل عن الزجاج والجبائي والبلخي (تفسير مجمع البيان) ۔

میں جن میں پانی کے فوارے چھوٹتے معلوم ہوتے ہیں اور اسی قسم کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں ایسا ہی کرتے ہیں۔ پس اسی طرح اُس بچھڑے کی موت سے آواز نکالی تھی پھر لوگوں کو بتایا کہ یہ بچھڑا اُن کا خدا اور موسےٰ کا خدا ہے ۔

تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے کہ جبائی نے بچھڑے کی آواز کی نسبت بیان کیا ہے کہ سامری نے بچھڑا بنایا اُس کو اندر سے خالی رکھا اس میں ہوا جاتی تھی پھر اُس سے بچھڑے کی آواز کی مانند آواز نکلتی تھی اور اُس نے لوگوں سے اُس کی پوجا کرنے کو کہا اُن لوگوں نے مان لیا اور اُس کی پوجا کی ۔

اور اُسی تفسیر میں زجاج اور جبائی اور بلخی کا قول ہے کہ سامری نے بچھڑے میں ہوا کے بھر دینے سے فریب کیا تھا جس طرح اس قسم کی چیزیں دھوکا دینے کے لئے بنائی جاتی ہیں ۔

بات صرف اس قدر ہے کہ مصر میں رہنے سے بنی اسرائیل کے دل میں بت پرستی کا خیال جما ہوا تھا وہ چاہتے تھے کہ اُن کے لئے کوئی دیوتا بنایا جاوے حضرت موسےٰ سے بھی اُنہوں نے چاہا تھا کہ اُن کے لئے ایک دیوتا بنا دیں انہوں نے اُن کو دھمکا دیا جب وہ پہاڑ پر چلے گئے تو حضرت ہارون کا اتنا خوف اُن کو نہ تھا اُن کے منع کرنے سے اُنہوں نے نہ مانا۔ مصر میں ایک دیوتا تھا جس کا نام "ایپس" تھا اور اُس کی صورت بچھڑے کیسی تھی اُسی صورت کا اُنہوں نے بچھڑا بنایا اور بنانے والے نے اُس میں ایسی ترکیب رکھی تھی کہ اُس ترکیب سے بچھڑے میں آواز نکلتی تھی اور لوگوں کو دھوکا و فریب دینے کے لئے حضرت موسےٰ کے پاؤں تلے کی مٹی حقیقۃً یا صرف دھوکا دینے کو اُس نبی کو حضرت موسےٰ کے پاؤں تلے کی مٹی بیان کرکے بچھڑے

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (۱۳۰) وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (۱۳۱)

پھر ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور پسّو اور مینڈک اور خون کی نشانیاں جدا جدا بھیجیں پھر انھوں نے سرکشی کی اور وہ قوم تھی گنہگار (۱۳۰) اور جب پڑی آفت تو انھوں نے کہا اے موسے ہمارے لئے اپنے پروردگار سے جس طرح تم کو حکم دیا ہے دعا کر۔ اگر تو ہم پر سے اس آفت کو دور کر دیگا تو ہم تجھ پر ایمان لے آدینگے اور ہم تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدینگے ۔ پھر جب ہم نے ان پر سے آفت کو ایک معین وقت تک جس میں وہ پہنچنے والی تھی دور کر دیا تو پھر وہ اپنا اقرار توڑدیتے تھے (۱۳۱)

میں ڈالدی ۔ خود قرآن مجید میں سامری کا قول منقول ہے کہ ۔ کذلک سولت لی نفسی ۔ یعنی اس طرح اُس کے نفس نے دھوکا دیا ٭

اس مقام پر قابل غور یہ بحث ہے کہ بچھڑا بنانے والا کون تھا توریت میں لکھا ہے کہ خود حضرت ہارون بچھڑا بنانے والے تھے اور خود انھوں نے ہی بچھڑے کی پرستش کروائی ۔ مگر جب ہم خود توریت کے مضامین پر خیال کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے ہارون کو بھی برکت دی تھی اور تمام احکام جو خدا نے موسے کو دئے تھے اُن کی حضرت ہارون ہی تعمیل کرتے تھے بلکہ حضرت موسے تو صرف نام ہی کے تھے خدا کے تمام احکام بذریعہ حضرت ہارون پورے ہوتے تھے تو ہم اس بات کو کہ حضرت ہارون اُس بچھڑے کے بنانے والے اور بت پرستی کی اجازت دینے والے تھے جیسا کہ توریت میں لکھا ہے صحیح تسلیم نہیں کر سکتے ۔ یہ بات ممکن ہے کہ یہ بچھڑا اُس زمانہ میں بنایا گیا جبکہ حضرت موسے پہاڑ پر تھے اور حضرت ہارون کو تمام بنی اسرائیل پر سردار کر گئے تھے اور اُن کے عہد سرداری میں یہ بچھڑا بنا اس لئے حضرت ہارون کی طرف منسوب کیا گیا ۔ مگر یہ بات کہ خود حضرت ہارون اُس کے بنانے والے تھے کسی طرح صحیح متصور نہیں ہو سکتی ٭

قرآن مجید نے صاف صاف بتا دیا کہ حضرت ہارون نہیں بلکہ سامری اُس کا بنانے والا تھا ۔ ہمارے مفسرین کی جیسی عادت ہے کہ تفسیروں میں رطب و یابس صحیح و غلط روایتیں بھر دیتے ہیں اسی طرح سامری کی نسبت بھی روایتیں بھر دی ہیں جن میں سے بعض کی کچھ اصلیت بھی ہے تو ٹھیک طور پر بیان نہیں کیں ۔ اور بعضوں نے نہایت غلطی سے سامری خاص نام بنانے والے کا لکھا ہے جو نہایت غلط ہے ٭

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (۱۳۲) وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُوْنَ (۱۳۳)

پھر ہم نے اُن سے بدلا لیا پھر ہم نے اُن کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اس لئے کہ وہ جھٹلاتے تھے ہماری نشانیوں کو اور اُن سے غافل تھے (۱۳۲) اور ہم نے وارث کیا اُس قوم کو جو ضعیف گنی جاتی تھی زمین کی مشرقوں اور اُس کی مغربوں کا جس زمین میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ اور پورا ہوا اچھا وعدہ تیرے پروردگار کا بنی اسرائیل پر اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا اور ہم نے خراب کر دیا اُس کو جو کیا تھا فرعون اور اُس کی قوم نے اور اُس کو جسے انہوں نے چڑھایا تھا (۱۳۳)

عیسائی علما نے یہ بات چاہی ہے کہ قرآن مجید کی غلطی ثابت کریں مسٹر سلیڈن نے کہا کہ درحقیقت ہارون اور سامری ایک ہی شخص ہے نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غلطی سے اُن کو دو سمجھا ہے۔ شمر یا شامر عبری لفظ ہے اور اُس کے معنی محافظ کے ہیں اور جب کہ موسیٰ پہاڑ پر گئے تھے تو ہارون بنی اسرائیل کے محافظ ہوئے تھے اور اس لئے وہی شامر تھے ✦

مگر مسٹر سلیڈن کا یہ قیاس محض غلط ہے اس لئے کہ اگر یہ لفظ قرآن مجید میں اخذ کیا جاتا تو اُس کے ساتھ یائے نسبت کسی طرح نہیں آسکتی تھی۔ اور اگر وہ علم یعنی خاص شخص کا نام متصور ہوتا تو اُس پر الف لام لازم نہیں آسکتا تھا حالانکہ قرآن مجید میں یائے نسبت اور الف لام دونوں موجود ہیں یعنی "السامری" آیا ہے پس یہ دونوں خیال محض غلط ہیں ✦

صحیح امر جس کو ہمارے مفسرین نے بھی بیان کیا ہے یہ ہے کہ بچھڑے کا بنانے والا سامرتن والوں کا ایک شخص تھا جس کا نام بیان نہیں ہوا پس "السامری" کے معنی یہ ہیں کہ "رجل من البلد ھو السامرۃ" مسٹر سیل نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اُس زمانہ میں سامرتن قوم موجود نہ تھی بلکہ اُس کے بہت زمانہ بعد وہ قوم بنی تھی ✦

مگر اس اعتراض میں بھی غلطی ہے قرآن مجید کے الفاظ سے اُس وقت یہی نام ہونا لازم نہیں آتا۔ بنی اسرائیل کے بارہ سبط تھے اور سب ایک سلطنت کے ماتحت تھے مگر جب "رحبعام" حضرت سلیمان کا بادشاہ ہوا تو بنی اسرائیل کے دس سبط نے اُس سے بغاوت کی۔ "یربعام" پسر نباط کو اپنا بادشاہ بنایا اُس نے اپنے ملک میں بمقام بیت ایل اور دان کے سونے کے بچھڑے بنائے (دیکھو اول سلاطین باب ۱۲ ورس ۲۸ و ۲۹) اور اُن کی پرستش شروع کی۔ جب کہ "عمری" اُن لوگوں پر بادشاہ ہوا تو اُس نے کوہ شومرون کو اُس کے مالک سے جس کا نام "شمر" تھا خرید لیا اور

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

اور پار اُتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پھر وہ آپہنچے ایک قوم کے پاس جو اپنے بتوں کے گرد بیٹھی رہتی تھی (یعنی اُن کی پوجا کرنے کو) بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود بنا دے جیسے کہ اُن کے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ بیشک تم لوگ جہالت کرتے ہو ﴿۱۳۸﴾ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ لوگ ہلاک ہونیوالے ہیں جس میں کہ وہ ہیں اور باطل ہے جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں ﴿۱۳۹﴾ موسیٰ نے کہا کہ کیا میں چاہوں تمہارا خدا کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود۔ اور اُسی نے تم کو بزرگی دی ہے عالموں پر ﴿۱۴۰﴾

وہاں شہر بنایا جو دار الخلافت ہوگیا (دیکھو اول سلاطین باب ۱۶ درس ۲۳ لغایت ۲۵) اور اسی سبب سے وہ لوگ سمارتن یا شامری یا سامری مشہور ہوئے اور وہ قوم جس میں کے شخص نے بنی اسرائیل کے لئے بچھڑا بنایا تھا قرآن مجید کے بہت پہلے سے سامری کے نام سے کہلاتی تھی۔ قرآن مجید میں السامری کہنے سے صرف یہ اشارہ ہے کہ اُس کا بنانے والا اُس قوم میں سے تھا جنہوں نے آخرکار یاربعام کی اطاعت کرکے سونے کے بچھڑوں کی پرستش کی تھی اور جو لوگ سامری یعنی سمارتن کے لقب سے مشہور ہیں ✦

جو لوگ کہ توریت کے اُن مقامات کو جو قرآن مجید کے بیان کے مخالف ہیں قرآن مجید کی غلطی ثابت کرنے کو پیش کرتے ہیں اُن کو ایسی جرأت کرنے سے پہلے توریت کے تمام مضامین مندرجہ کی صحت ثابت کرنی چاہئے۔ اور اُن کو اس بات کا بھولنا نہیں چاہئے کہ اب تک یہ بھی تحقیق نہیں ہوا ہے کہ موجودہ توریت کس نے لکھی اور کب لکھی گئی خود توریت سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے مضامین یادسے اور کچھ تحریروں سے اخذ کئے گئے ہیں اور بہت سی باتیں جو اُس زمانہ میں جب کہ وہ لکھی گئی یہودیوں میں مشہور یا مروج تھیں وہ بھی اُس میں داخل کی گئی ہیں اور جو مضامین اس میں داخل ہیں وہ ایسے افسانہ آمیز ہیں کہ جب تک اُن افسانوں کو علیحدہ نہ کیا جاوے اصل واقعہ پر کسی طرح یقین نہیں ہوسکتا۔ بشپ نیتال نے جو کچھ اس کی نسبت لکھا ہے اُس کو بھی بھولنا نہیں چاہئے پس امر کہ کوئی واقعہ جو توریت کے برخلاف ہو وہ صحیح نہیں ہے اُس کو کوئی ذی عقل تسلیم نہیں کرسکتا۔ بلاشبہ توریت میں احکام الٰہی بھی مندرج ہیں اور وہ "فیہا ھدی ونور" کہنے کے مستحق ہیں اور تاریخی واقعات بھی ہیں جو غلطی سے پاک نہیں ✦

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (۱۴۱) وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۴۲)	اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم کو چھڑوایا فرعون کے لوگوں سے جو کہ پہنچاتے تھے بُرا عذاب مار ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو۔ اور اس میں تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی جانب سے بڑی آزمائش تھی (۱۴۱) اور وعدہ کیا ہم نے موسےٰ سے تیس رات کا کہ پہاڑ پر آ کر خدا کی عبادت کرے جب توریت دیجاویگی، اور تمہ دس راتوں میں اسکو پورا کیا پھر پورا ہوا مقرر کیا وقت اسکے پروردگار کا چالیس راتیں میں۔ اور پہاڑ پر جاتے وقت موسےٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میرا جانشین ہو اور اصلاح کے کام کرو اور مفسدوں کے طریقہ کی پیروی نہ کریو (۱۴۲)

پانزدہم - ستّر آدمیوں کا منتخب کرنا

قرآن مجید میں ایک جگہ یہ بیان ہوا ہے کہ لوگوں کی قوم نے حضرت موسےٰ سے کہا کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ ہم کھلم کھلا خدا کو نہ دیکھ لیں اور سورہ اعراف میں فرمایا ہے کہ موسےٰ نے ستّر آدمیوں کو خدا کے وعدہ کی جگہ لے جانے کے لئے منتخب کیا ؛

واذ قلتم یاموسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ فاخذتکم الصعقۃ وانتم تنظرون ۔
سورۃ بقر آیت ۵۲ ؛
واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا ۔
سورۃ اعراف آیت ۱۵۴ ؛

حضرت موسےٰ نے بھی بحالت ذہول خدا سے کہا تھا کہ " رب ارنی انظر الیک "
خدا نے جواب دیا تھا کہ " لن ترانی ولکن انظر الی الجبل " ۔ بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسےٰ سے کہا کہ ہمیں خدا دکھ۔ وہ حضرت موسےٰ پر یہ واقعہ خود گذر چکا تھا اور وہ جان چکے تھے کہ خدا کا دیکھنا محال ہے بلکہ صرف خدا کے وجود پر ایقان ہی خدا کا دیدار ہے۔ اور خدا کے وجود پر ایقان اُس کی عجائب مخلوقات پر غور و فکر کرنے اُس کے دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا نے حضرت موسےٰ کو بھی اُس عجیب ہیبت ناک آتشین پہاڑ کی طرف خدا پر ایقان لانے کے لئے متوجہ کیا تھا اسی طرح حضرت موسےٰ نے بنی اسرائیل میں سے ستّر آدمیوں کو خدا کی اُس قدرت کاملہ اور تجلی شان دکھانے کو منتخب کیا تھا کہ اُن کو بھی ایقان وجود باری عزاسمہ پر حاصل ہو ؛

ملہ ضمیر المؤنث فی کلمۃ اتممنا ھا عند نا راجع الی مصدر وعدنا وھو المواعدۃ کما فی قولہ تعالیٰ اعدلوا ھو اقرب للتقوی ؛ منہ

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا (١٣٩) فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (١٤٠) قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (١٤١)

اور جب موسےٰ آیا ہمارے مقرر کئے ہوئے مقام پر اور اُس سے کلام کیا اُس کے پروردگار نے۔ موسےٰ نے کہا اے میرے پروردگار اپنے تئیں مجھے دکھائیے تاکہ میں تجھ کو دیکھوں خدا نے کہا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکیگا ولیکن تو دیکھ اُس پہاڑ کی طرف پھر اگر پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھیرا رہے تو تو بھی مجھے دیکھ سکیگا۔ پھر جب تجلی کی اُس کے پروردگار نے پہاڑ پر اُس کو کر دیا ٹکڑے ٹکڑے اور گر پڑے موسےٰ بیہوش ہو کر (١٣٩) پھر جب ہوش آیا تو بولے پاک ہے تو میں تیرے آگے توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں (١٤٠) خدا نے کہا اے موسےٰ میں نے اپنے پیغام کے اور اپنی باتیں سُنا کر تجھ کو لوگوں پر برگزیدہ کیا ہے پھر پکڑ لے جو کچھ کہ میں نے تجھ کو دیا ہے اور ہو شکر کرنے والوں میں سے (١٤١)

خدا کا دیکھنا دنیا میں نہ ان آنکھوں سے ہو سکتا ہے اور نہ اُن آنکھوں سے جو دل کی آنکھیں کہلاتی ہیں اور نہ قیامت میں کوئی شخص خدا کو دیکھ سکتا ہے وہ بیچون و بیچگون ہے کسی چیز و صورت میں آنے کے قابل ہی نہیں ہے پھر وہ کیونکر دنیا میں یا عقبےٰ میں دکھائی دے سکتا ہے۔ بہت سے عابد و زاہد دعوے کرتے ہیں کہ ہم نے آنکھوں سے دنیا ہی میں خدا کو دیکھا ہے۔ بہت سے کہتے ہیں کہ ان آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اُنھوں نے دیکھا دکھایا کچھ نہیں بلکہ خود اُنہی کا خیال یا ایقان ہے جو اُنھوں نے دیکھا ہوگا عقبےٰ میں اگر خدا کا دیکھنا تسلیم کیا جاوے تو وہ بھی خدا کا دیکھنا نہ ہوگا بلکہ خود اُنہی کا ایقان اُن کو دکھائی دیگا نہ خداے بیچون و بیچگون و بےمثل و بےنمون[1]۔

علماے ظاہر جو اس مسئلہ کی حقیقت نہیں سمجھتے صرف لفظوں پر بحث کیا کرتے ہیں وہ اس مسئلہ کی حقیقت کے سمجھنے کے لائق ہی نہیں ہیں۔ ہاں علماے ربانی جنھوں نے اپنے نفس پر اور انسان کے نیچر پر غور کی ہے اُن کی سمجھ اس مسئلہ کی نسبت علماے ظاہری کی سمجھ سے زیادہ اعتبار کے قابل ہے اور اُن میں سے بھی بالتخصیص اُن کے جو باوجود علم باطنی کے علم ظاہری میں بھی بہت بڑا درجہ کمال کا رکھتے تھے۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں مرزا و مولانا

[1] لمولفہ
تاب یک جلوہ نیاورد نہ موسےٰ و نہ طور
این دل ماست کہ این گونہ ہزاران دیدہ است

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِينَ (۱۴۲) سَأَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا (۱۴۳)

اور ہم نے لکھی اُس کے لیے تختیوں میں ہر ایک چیز کی نصیحت اور ہر ایک چیز کی تفصیل، پھر پکڑ لے اُس کو زور سے اور اپنی قوم کو حکم کر کہ پکڑ لیں (اُن کو) مع اُن کی زیادہ اچھی نصیحتوں کے۔ (دور نہیں) میں تم کو جلدی دکھلاؤں گا گھر فاسقوں کا (۱۴۲) البتہ ہم پھیر دیں گے اپنی نشانیوں سے اُن کو جو ناحق تکبر کرتے ہیں زمین پر۔ اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو اُس پر ایمان نہ لاویں۔ اور اگر وہ دیکھیں بھلائی کا رستہ تو نہ پکڑیں اُس رستہ کو بطور بھلائی کے رستہ کے (۱۴۳)

عالم ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی نقشبندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے بجنسہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے ❖

حضرت ممدوح قدس سرہٗ نے جلد سوم مکتوب نوزدہم جو بنام فقیر ہاشم کشمی لکھا ہے اور جس میں درباب کیفیت مشاہدہ قلب عزّ حق جل و علا کو سوال کیا گیا تھا اس طرح ارقام فرمایا ہے "پرسیدہ بودند کہ بعضے از محققان صوفیہ اثبات رویۃ و مشاہدہ او تعالے بدیدہ دل در دنیا مے فرمایند کما قال الشیخ العارف فی کتاب العوارف ۔ موضع المشاہد بصر القلب الخ و شیخ ابو اسحٰق کلابادی قدس سرہٗ کہ از قدمائے ایں طائفہ علیہ است و از رؤسائے ایشاں در کتاب تعرف آوردہ اجمعوا علیٰ انہ تعالےٰ لا یریٰ فی الدنیا لا بالابصار ولا بالقلوب الا من جہۃ الایقان توفیق میان ایں دو تحقیق چیست و رائے تو برکدام و اجماع با وجود اختلاف بچہ معنی است ❖ بداں ارشدک اللہ تعالےٰ کہ مختار ایں فقیر دریں مسئلہ قول صاحب تعرف است قدس سرہ و سیدانند کہ قلوب را دریں نشاء از حضرت جل سلطانہ غیر از ایقان نصیبے نیست آں را رویۃ انگارند یا مشاہدہ و چوں تعب را رویۃ نبود الخ ۔ ما چہ بودکہ او دریں نشاء دریں معاملہ بیکار و معطل است نمایۃ ما فی الباب معنی ایقان کہ قلب را حاصل شدہ است در عالم مثال بصورت رویۃ ظاہر مے شود و موقن بصورت مرئی چہ در عالم مثال ہر معنی را صورتیست مناسب و چوں در عالم شہادت کمال یقین در رویۃ است آں ایقان نیز بصورت رویۃ در مثال ظاہر مے گردد و چوں ایقان بصورت رویۃ ظاہر شود متعلق آنکہ موقن با است ناچار بصورت مرئی آنجا ظاہر گردد و چوں سالک آں را در مرأت مثال مشاہدہ مے نماید بتوسط مرأت ذاہل گشتہ و صورت را حقیقت دانستہ مے انگارد و کہ حقیقت رویتے او را حاصل گشتہ است و مرئی پیدا آمدہ نمے داند کہ آں رویۃ

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (۱۴۴) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۤءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۵) وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا (۱۴۶)

اور اگر دیکھیں گمراہی کا رستہ تو اُس کو پکڑ لیں بطور بھلائی کے رستے کے۔ اسلئے کہ اُنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور وہ تھے اُن سے غافل (۱۴۴) اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور آخرت کے ملنے کو جھڑ گئے اُن کے کچھن یعنی ناپید ہو گئے کُل کیا وہ بھلائی پاوینگے۔ مگر اُسی کا بدلا جو کچھ کہ وہ کرتے تھے (۱۴۵) اور بنایا موسےٰ کی قوم نے موسیٰ کے (پہاڑ پر جانے کے) بعد اپنے گہنوں سے بچھڑا جسم کہ اُس میں بچھڑے کی سی آواز تھی۔ کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کرتا ہے اور نہ اُن کو کسی رستہ کی ہدایت کرتا ہے (۱۴۶)

صورت ایقان اوست و آں مرئی صورت موقن بہ او۔ ایں از اغلاط صوفیہ است و از تلبسات صور بحقایق۔ وہمیں دید چوں غالب می آید و از باطن بظاہر مے تراود سالک را در جمے اندازد کہ دیدہ بصری نیز حاصل گشت و مطلوب از گوش بہ آغوش آمد نمیداند کہ حصول ایں معنی چوں حاصل کہ بصیرت است نیز مبنی بر توہم و تلبس است بہ بصر کہ دریں نشا فرع او است چہ رسد و رویت او را از کجا حاصل شود در رویت تجلی جم غفیر از صوفیہ در توہم افتادہ اند و حکم بوقوع آں کردہ و در رویت بصری گمراہ قصے ازیں طائفہ در توہم وقوع آں افتادہ باشد کہ مخالف اجماع اہل سنت وجماعت است شکر اللہ سعیہم ۔

سوال موقن بہ را چوں صورت در مثال پیدا شد لازم آمد کہ حق را سبحانہ آنجا صورت بود ۔

جواب تجویز نمودہ اند کہ حق را سبحانہ ہر چند مثل نیست اما مثال است و روا داشتہ اند کہ در مثال بصورتے ظہور فرماید چنانچہ صاحب فصوص قدس سرہ رویت اخروی را نیز بصورت جامع لطیفہ مثالیہ مقرر ساختہ است و تحقیق ایں جواب آنست کہ آں صورت موقن بہ صورت حق نیست سبحانہ در مثال بلکہ صورت مکشوف صاحب ایقان است کہ ایقان او بآں تعلق گرفتہ است و آں مکشوف بعض وجوہ و اعتبارات ذات حق است سبحانہ نہ ذات حق جل و علا لہذا چوں معاملہ عارف بذات رسید جل سلطانہ ایں تمام تخیلات پیدا نمے شود و ہیچ رویت و مرئی متخیل نمے گردد چہ ذات اقدس سبحانہ را در مثال صورتے کائن نیست تا آنرا بصورت مرئی وا نماید و ایقان آنرا بصورت وا نماید یا آنکہ گوئیم

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾
وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا
اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ
يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا رَجَعَ
مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا
قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ
اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ وَاَلْقَى
الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ
اِلَيْهِ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ
فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ
مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

انہوں نے اس کو (معبود) کر لیا اور وہ ظالم تھے ﴿۱۴۷﴾
اور جب وہ اپنے ہاتھوں کے کئے سے پشیمان
ہوئے اور جانا کہ بیشک وہ گمراہ ہو گئے تو بولے اگر
ہمارا پروردگار ہم پر رحم اور ہم کو معاف نہ کرے تو بیشک
ہم ہوں گے نقصان پانے والوں میں ﴿۱۴۸﴾ اور جب پھرا موسےٰ
(پہاڑ پر سے) اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرا ہوا افسوس
کرتا ہوا (تو ہارون سے) کہا کہ میرے پیچھے تم نے بہت ہی
بُری میری جانشینی کی کیوں جلدی کی تم نے اپنے پروردگار
کے حکم کی اور ڈال دیا تختیوں کو اور اپنے بھائی کے سر کے
بال پکڑ کر اس کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ہارون نے کہا کہ اے
میرے ماں جائے بیشک قوم نے مجھ کو عاجز سمجھا اور قریب تھا کہ
مجھ کو مار ڈالیں پھر خوش مت کر میری اہانت سے میرے دشمنوں کو
اور شامل کر مجھ کو ظالموں کی قوم کے ساتھ ﴿۱۴۹﴾

در عالم مثال صور معانی است نہ صورت ذات وچوں عالم تماماً مظاہر اسماء وصفات است و از
ذاتیت بہرہ ندارد چنانچہ تحقیق آں را در مواضع متعدد نمودہ ایم پس ناچار تماماً از قسم معانی باشد
و در مثال آنرا صورتے کائن بود و در کمالات وجوبی ہر جا صفت و شان است کہ قیام بذات
دارد از قبیل معانی است کہ اگر آں را در مثال صورتے بود دا و بالتفصیل گنجائش دارد اما ذات
او را سبحانہ حاشا کہ در مرتبہ از مراتب صورت بود چہ صورت مستلزم تحدید و تقیید است در ہر مرتبہ
کہ باشد مجوز نیست مراتب ہمہ کہ مخلوق اویند سبحانہ کجا گنجایش دارند کہ خالق را محدود و مقید
سازند ہر کہ تجویز مثال در آنحضرت جل شانہ نمودہ است باعتبار وجود و اعتبارات است نہ
باعتبار عین ذات تعالیٰ و ہر چند تجویز مثال در وجود و اعتبارات حضرت ذات تعالیٰ ہم
بریں فقیر گراں است مگر آنکہ در ظلے از ظلال بعیدہ آں تجویز نمودہ آید ازیں بیان واضح گشت
کہ در عالم مثال ارتسام صور معانی وصفات ساکن است نہ ذات تعالیٰ را پس آنچہ صاحب
فصوص تجویز رویت اخروی بصورت مثالیہ نمودہ است چنانچہ گذشت آں رویت حق
نیست تعالیٰ بلکہ رویت صورت حق ہم نیست سبحانہ چہ او را سبحانہ صورتے نیست تا رویت
بآں تعلق پیدا کند و اگر در مثال صورتے ہست ظلے از ظلال بعیدہ و را کائن است پس
رویت آں رویت حق چرا باشد سبحانہ شیخ قدس سرہ در نفی رویت حق جل و علا از معتزلہ

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِأَخِيْ وَأَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ (۱۵۰) إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ (۱۵۱) وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۵۲)	موسےٰ نے کہا اے میرے پروردگار معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے (۱۵۰) بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود کر لیا اُن پر پڑیگا غضب اُن کے پروردگار کا اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں افترا کرنے والوں کو (۱۵۱) اور جن لوگوں نے بُرے عمل کئے ہیں پھر اُس کے بعد اس سے توبہ کی اور ایمان لے آئے بیشک تیرا پروردگار اُس کے بعد معاف کرنے والا ہے رحم کرنے والا (۱۵۲)

و فلاسفہ ہیچ کم پائی نے کند بلکہ اثبات رویت بر نہجے مے نماید کہ مستلزم نفی رویت است و آں ابلغ در نفی است از صریح نفی لان الکنایۃ ابلغ من التصریح تضیہ مقررہ است ایں قدر فرق است کہ مقتداے آنجماعت عقل شاں است و مقتداے شیخ کشف لعید از صحبت ماناکہ از غیر تامہ مخالفان کہ در تخیلہ شیخ نشستہ بود کشف او را نیز دریں مسئلہ از صواب منحرف گردانیدہ است و مائل بمذہب شاں ساختہ چوں از اہل سنت بود صورت اثبات نمودہ است و بآں اکتفا کردہ و آں را رویت انگاشتہ ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا و تحقیق ایں مسئلہ دقیقہ کہ در حل بعض از مواضع کتاب عوارف نوشتہ است نیز تحریر رفتہ است و آنچہ از اجماع رسیدہ بودند تواند بود کہ تا آں وقت خوفے کہ شایان اعتداد شد بظہور نیامدہ باشد یا اجماع مشائخ عصر خود خواستہ باشد واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال ۔ انتہیٰ ✦

یہی ایک بات تھی جس کا اس مقام پر لکھنا تھا باقی حالات اس واقعہ کے تفسیر سورۂ بقر میں بیان ہو چکے ہیں ✦

شانزدہم ۔ ذکر استسقاے قوم موسےٰ ✦ ہفدہم ۔ سایہ کرنا ابر کا ✦ ہیژدہم من و سلوے کا اُترنا

نوزدہم ۔ دخول باب

ان چاروں امور کی نسبت ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں بالاستیعاب بحث کی ہے اب ان پر دوبارہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ۔ من شاء فلینظر الیہ ✦

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ أَنتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵۶﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم

اور جب ٹھیر گیا موسٰے کا غصہ لے لیا تختیوں کو اور اُس کے لکھے ہوئے میں ہدایت تھی اور رحمت اُن لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ﴿۱۵۴﴾ اور چُن لیا موسٰے نے اپنی قوم سے ستر آدمیوں کو ہمارے وعدہ کی جگہ کے لئے پھر جب پکڑ لیا اُن کو کپکپاہٹ نے موسٰے نے کہا اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو اُس سے پہلے ہی اُن کو اور مجھ کو مار ڈالتا کیا تو ہم کو ۔ مار ڈالیگا اُس کے بدلے میں جو ہماری قوم کے بیوقوفوں نے کیا ہے ۔ نہیں ہے کچھ یہ بجز تیری آزمائش ۔ تو اُس (آزمائش) سے گمراہ کرتا ہے جسکو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جسکو چاہتا ہے ۔ تو ہی ہمارا ہے پھر بخش دے ہم کو اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے ﴿۱۵۵﴾ اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلی اور آخرت میں بیشک ہم نے رجوع کی ہے تیری طرف خدا نے کہا کہ میں اپنے عذاب کو پہنچاتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اور میری رحمت نے چھا لیا ہے ہر چیز کو ۔ پھر میں اُس کو لکھ دونگا اُن لوگوں کے لئے جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں ﴿۱۵۶﴾ جو کہ پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی اُس ان پڑھ نبی کی جس کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں ۔ اُن کو حکم کرتا ہے

﴿۱۵۶﴾ (یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰۃ والانجیل) یہ ایک آیت ہے جس میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہونے کی بشارت توریت و انجیل میں موجود ہے ۔ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارات پر ایک مفصل خطبہ خطبات احمدیہ میں لکھا ہے جس میں موافق اصول اہل مذہب کے متقدا : یعنی بعد تسلیم اُن امور کے جو عیسائی و مسلمان

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۵۶)

بھلائی کا اور ان کو منع کرتا ہے بُرائی سے اور حلال کرتا ہے اُن کے لئے اچھی چیزیں اور حرام کرتا ہے اُن پر بُری چیزیں اور اُتارتا ہے اُن پر سے اُن کا بوجھ اور (اُتارتا ہے) طوقوں کو جو اُن پر تھے پھر جو لوگ اُس پر ایمان لائے۔ اُس کی تعظیم کی اور اُس کی مدد کی اور تابعداری کی اُس نور کی جو اُس پر اُتارا گیا ہے وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے (۱۵۶)

نسبت بشارات کے تسلیم کرتے ہیں بحث کی ہے اور توریت و انجیل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارات کو ثابت کیا ہے۔ مگر میں اپنی اس تفسیر میں اُس سے زیادہ دقیق امور پر بحث کرنا اور بشارات کی حقیقت اور اُس کا قوانین قدرت کے مطابق ہونا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس بحث کے لئے بہ نسبت اس آیت کے سورۃ الصف کی آیت جہاں آیا ہے "مبشرا برسول یاتی من بعد اسمه احمد" زیادہ تر مناسب ہے اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ اُس آیت کی تفسیر میں یہ پوری بحث لکھی جاویگی۔ اور اس مقام پر بلا کسی بحث کے توریت و انجیل کی وہ آیتیں لکھ دی جاتی ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارات لکھی ہیں *

ابو الفرج مالطی یعنی مالٹا کا رہنے والا جو ایک عیسائی عالم ہے اُس نے ایک کتاب عربی زبان میں لکھی ہے جس کا نام "تاریخ مختصر الدول" ہے اور وہ کتاب ۱۶۶۳ء میں اکسفورڈ میں چھپی ہے اُس کے صفحہ ۱۰۵ میں یہ عبارت مندرج ہے :-

وقد ادعی علماء الاسلامیین ورود ذکرہ فی کتب اللہ المنزلۃ فما فی التوریۃ ففی ایۃ - جاء اللہ من سینا و اشرق من ساعیر و استعلن من جبل فاران - قالو ھذہ اشارۃ الی تنزل التوریۃ علی موسیٰ و الانجیل علی عیسیٰ و القران علی محمد - واما فی الزبور ففی ایۃ - یظھر اللہ من صیہون اکلیلا محمودا - قالوا الاکلیل مثل علی الملک و محمود علی محمد - واما فی الانجیل ففی ایۃ - ان انا لم اذھب - الفارقلیط لا یجیئکم *

توریت سفر پنجم باب ہژدہم آیت ۱۵ و ۱۸ میں یہ لکھا ہے - تیرا خدا تیرا معبود تیرے لئے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے مجھ سا اُس کو مانیو - اُن کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قایم کرونگا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں دونگا اور جو کچھ میں اُس سے کہونگا وہ اُن

نہایت افسوس ہے کہ اس سورۃ کی تفسیر لکھنے سے پہلے سر سید رحلت فرما کے ملک جاودانی ہوگئے * محمد یار احمد وغیرہ

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ﴿۱۵۷﴾ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ	کہدے (اے پیغمبر) کہ اے لوگو بیشک میں تم سب کے پاس اللہ کا پیغام لانے والا ہوں (یعنی اللہ کا رسول ہوں) ﴿۱۵۷﴾ جس کے لئے آسمانوں کی

سے کہدیگا ✦

بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں جس سے اشارہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا نبی موسےٰ کی مانند نہیں ہوا اور ان الفاظ سے کہ اپنا کلام اس کے منہ میں رکھونگا قرآن مجید کے نازل کرنے کی طرف اشارہ ہے ✦

توریت سفر پنجم باب سی و سوم آیت ۲ میں لکھا ہے ۔ اور کہا خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اس کے دہنے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا ✦

کتاب حبقوق باب سوم آیت ۳ ۔ آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے آسمانوں کو جلال سے چھپادیا اس کی ستایش سے زمین بھر گئی ۔ فاران خاص مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا قدیم نام ہے پس ان آیتوں میں نبی حجازی کا ذکر لکھا ہے ✦

سرود سلیمان باب پنجم کی دسویں آیت سے سولھویں آیت تک یہ لکھا ہے ۔ میرا دوست نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے اس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے اس کی زلفیں مسلسل مثل کوے کے کالی ہیں ۔ اس کی آنکھیں ایسی ہیں جیسے پانی کے کُنڈ پر کبوتر ۔ دودھ میں دھلی ہوئیں ۔ نگینہ کی مانند جڑی ہوئیں خانہ میں ۔ اس کے رخسارے ایسے ہیں جیسے ٹٹی پر خوشبودار بیل چھائی ہوئی ۔ اور چکلے پر خوشبو رگڑی ہوئی ۔ اس کے ہونٹ پھول کی پنکھڑیاں جن سے خوشبو ٹپکتی ہے اس کے ہاتھ ہیں سونے کے ڈھلے ہوئے ۔ جواہر سے جڑے ہوئے ۔ اس کا پیٹ جیسے ہاتھی دانت کی تختی ۔ جواہر سے لپی ہوئی ۔ اس کی پنڈلیاں ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستون ۔ سونے کی بیٹھکی پر جڑے ہوئے ۔ اس کا چہرہ مانند ماہتاب کے ۔ جوان مانند صنوبر کے ۔ اس کا گلا نہایت شیریں ۔ اور وہ بالکل محمدیم (محمد) یعنی بہت تعریف کیا گیا ہے ۔ یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب اے بیٹیو یروشلیم کے ✦

عبری زبان کے قاعدہ میں نام کو بھی بلحاظ تعظیم جمع بنا دیتے ہیں جیسے بعل کو بعالیم ۔ لیکن محمدیم کو اگر صفت ہی تسلیم کیا جاوے تو بھی اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے ✦

وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور زمین کی بادشاہت ہے کوئی معبود نہیں بجز اُس کے ۔ جِلاتا ہے اور مارتا ہے ۔ پھر ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ، اَن پڑھ نبی پر جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اُس کے کلام پر ۔ اور اُس کی تابعداری کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ ﴿۱۵۸﴾ اور موسٰے کی قوم میں سے ایک گروہ ہے کہ سچائی سے ہدایت کرتی ہے اور اُسکے ساتھ عدل کرتی ہے ﴿۱۵۹﴾

کتاب حجی باب یازدہم آیت ۷ میں لکھا ہے ۔ سب قوموں کو ہلا دونگا ۔ اور " حمدث " (احمد) سب قوموں کا آویگا اور اس گھر کو بزرگی سے بھردونگا ۔ کہا خداوند خلایق نے +

حمدث عبری لفظ میں حرف ث مبالغہ کے لئے ہے یعنی سب قوموں کا بہت بڑا محمود ۔ اور اس عبری لفظ کے مقابلہ میں احمد کا صیغہ جو حمد کے مادہ سے نکلا ہے بالکل درست آتا ہے پس خواہ اُس لفظ کو صرف نام قرار دو خواہ صفت اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر لکھا ہے +

کتاب اشعیاہ نبی باب بست ویکم آیت ۷ ۔ اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ کا اور خوب متوجہ ہوا +

حضرت اشعیاہ نبی نے اپنے مکاشفہ سے دو نبیوں کے پیدا ہونے کی خبر دی ایک کو گدھے کے سوار سے تعبیر کیا ہے جس سے حضرت عیسٰے مراد ہیں کیونکہ جب حضرت عیسٰے بیت المقدس میں داخل ہوئے تو وہ گدھے پر سوار تھے ۔ دوسرے کو اونٹ کے سوار سے تعبیر کیا ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ہیں تو اونٹ پر سوار تھے +

انجیل یوحنا باب شانزدہم آیت ۷ ۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ بھلا ہے تمہارے لئے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط (احمد) تمہارے پاس نہ آویگا +

فارقلیط اصل میں یونانی لفظ نہیں ہے بلکہ دراصل کالدی زبان کا لفظ ہے جو عبرانی کی مانند زبان ہے مسلمانوں میں اس کا املا اور تلفظ عربی زبان کے موافق ہے جو کالدی یا عبری زبان سے چنداں مبائن نہیں ہے مگر حضرت یوحنا نے جو انجیل یونانی میں لکھی تھی اُس میں اس لفظ کا تلفظ اور املا یونانی زبان کے موافق لکھا تھا جو کالدی

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۱۶۰)

اور ہم نے اُن میں علحدہ کردئے بارہ قبیلے گروہ گروہ۔ اور ہم نے وحی بھیجی موسے کو جب کہ اُس سے اُس کی قوم نے پانی پینے کو مانگا یہ کہ مار اپنے عصا سے پتھر کو (یعنی چل اپنے عصا کے سہارے سے اُس پہاڑی پر) پھر پھوٹ بہے ہیں اُس پہاڑی سے چشمے۔ البتہ جان لیا ہر شخص نے اپنے پانی پینے کی جگہ کو اور ہم نے اُن پر چھا دیا بادل کو اور اُتارا ہم نے اُن پر من وسلوا کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو کچھ کہ ہم نے تم کو کھانے کو دیا ہے ولیکن وہ اپنے پر آپ ظلم کرتے تھے (۱۶۰)

یا عبری زبان سے نہایت بعید ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یونانی زبان میں اس کا تلفظ مختلف طرح پر ہو اور اسی سبب سے قدیم و جدید یونانی نسخوں میں اس کا املا بھی مختلف طور پر لکھا گیا جس کے سبب تلفظ بھی اور معنی بھی کسی قدر بدل جاتے ہیں۔ مسلمان تو اس لفظ کا ترجمہ موافق قدیم یونانی تلفظ و املا کے احمد کرتے ہیں۔ مگر اس زمانہ کے عیسائی اُس قدیم املا کو تسلیم نہیں کرتے اور موافق جدید تلفظ و املا کے اُس کے متعدد ترجمے کرتے ہیں +

نہایت قدیم عربی ترجمہ جو روم کبیر میں سنہ ۱۶۷۱ء میں چھپا اُس میں تو اس لفظ کا ترجمہ "فارقلیط" ہی کیا ہے +

ایک عربی ترجمہ میں جو بطور خلاصہ چاروں انجیلوں کے فلارنس میں سنہ ۱۸۶۰ء میں چھپا ہے اُس میں بھی اس لفظ کا فارقلیط ہی ترجمہ کیا ہے +

ایک عربی ترجمہ میں جو سنہ ۱۸۱۱ء میں چھپا اُس کا ترجمہ "مسلی" کیا ہے یعنی تسلی دہندہ۔ اور رچرڈس اس آیت میں اُس کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ لفظ "المعزی" بطور اشارہ کے لکھا ہے +

اُس کے بعد جس قدر ترجمے فارسی اردو کے چھپے ہیں اُن سب میں اُس کا ترجمہ تسلی دینے والا کیا گیا ہے +

لیکن اس املا کے تغیر و تبدل اور ترجموں یا معنی کے اختلاف سے مسلمانوں کے اس دعوے میں کہ اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کچھ فرق نہیں آتا۔ کیونکہ کسی بشارت میں اُس کا جس کی بشارت ہے خاص نام بتایا نہیں جاتا بلکہ اُس کی صفت بیان کی جاتی ہے پس اُس لفظ کے کوئی صفتی معنی لو وہ سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں آتے

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۶۱)	اور جب اُن سے کہا گیا کہ اس گاؤں میں رہو اور اُس میں سے کھاؤ جہاں چاہو اور کہو گناہ جھاڑ دے اور دروازہ میں گھسو سجدہ کرتے ہوئے میں بخش دونگا تمہاری خطائیں۔ اور زیادہ دینگے اچھے کام کرنے والوں کو (۱۶۱)

کیونکہ حضرت عیسےٰ کے بعد کوئی اور نبی موسےٰ کی مانند سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوا۔ قرآن مجید میں بھی خاص نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بیان نہیں ہوا بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی صفت، احمد، بیان ہوئی ہے یعنی "یاتی من بعدی اسمہ احمد" ای اسمہ یحمد لان افعل یجئی لمبالغۃ الفاعل والمفعول۔ بالفرض اگر اُس سے نزول روح القدس مراد ہو تو بھی حضرت عیسےٰ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی پر نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ حواریوں پر جیسا کہ انجیلوں میں بیان ہے قبل اُس کے نازل ہوچکی تھی ✦

انجیل لوقا باب بست وچہارم آیت ۴۹۔ اور دیکھو میں بھیجتا ہوں وعدہ اپنے باپ کا تم پر لیکن تم ٹھہرو شہر یروشلیم میں جب تک کہ عطا ہو تم کو قوت اوپر سے ✦

روح القدس تو حواریوں پر آچکی تھی اور یروشلیم میں ٹھیرا رہنا یعنی اُس کو معبد سمجھنا موقت تھا اور وہ تبدیل ہوگیا اور اُس کے مبعوث ہونے پر جس نے کعبہ معبد قرار دیا ہیں جس کے بھیجنے کا اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ✦

انجیل یوحنا باب یکم آیت بیس سے پچیس تک یوں لکھا ہے۔ اُس نے یعنی حضرت یحییٰ نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا اور اقرار کیا کہ میں کرسٹاس یعنی عیسےٰ مسیح نہیں ہوں اور اُنھوں نے پوچھا اُس سے کہ پھر کون؟ کیا تو الیاس (یعنی خضر) ہے اور اُس نے کہا کہ میں نہیں ہوں۔ تو وہ نبی ہے؟ اور اُس نے جواب دیا نہیں۔ تب اُنھوں نے اُس سے کہا کہ کون ہے تو تاکہ ہم جواب دے سکیں اُن کو کہ جنھوں نے ہم کو بھیجا ہے۔ اپنے تئیں تو کیا کہتا ہے؟ اُس نے کہا میں ہوں آواز اُس کی جو کہ جنگل میں پکارتا ہے۔ سیدھا کرو رستہ خداوند کا جیسا کہ نبی اشعیاہ نے کہا۔ اور وہ جو بھیجے گئے تھے فروسی تھے اور اُنھوں نے اُس سے پوچھا اور اُس سے کہا کہ تو کیوں اصطباغ کرتا ہے؟ جب کہ تو نہ کرسٹاس یعنی عیسےٰ مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی ✦

حضرت یحییٰ سے یہودیوں نے الیاس کو اس لئے پوچھا کہ یہودی اُن کو زندہ مانتے تھے مسیح کے آنے کے متوقع تھے اور علاوہ حضرت مسیح کے ایک اور نبی کے آنے کے متوقع

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾

پھر بدل دی اُن میں سے اُن لوگوں نے جو ظالم تھے بات کو جو اُن سے کہی گئی تھی دوسری بات سے۔ پھر ہم نے بھیجی اُن پر آسمان سے بُرائی بدلے میں اُس کے کہ وہ ظلم کرتے تھے (۱۶۲) اور اُن سے پوچھ اُس بستی کے حال سے جو دریا کے کنارہ پر تھی جب کہ وہ زیادتی کرتے تھے سبت کے دن (یہودی شنبہ کو سبت کا دن خیال کرتے تھے) جبکہ آتی تھیں اُن کی مچھلیاں (یعنی اُن کے دریا کی مچھلیاں) اُن کے پاس اُن کے سبت کے دن جس کی تعظیم رکھتے تھے اور جس سبت کے دن کی وہ تعظیم نہیں رکھتے تھے تو اُن کے پاس نہیں آتی تھیںؔ اس طرح ہم نے اُن کی آزمایش کی اس لئے کہ وہ نافرمانبردار تھے (۱۶۳) اور جب کہا اُن میں سے ایک گروہ نے کیوں نصیحت کرتے ہو ایسے لوگوں کو کہ اُن کو اللہ ہلاک کرنے والا اور اُن کو سخت عذاب کرنیوالا ہے اُنہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہارے پروردگار پاس عذر کریں اور شاید کہ وہ پرہیزگاری کریں (۱۶۴) پھر جب بھول گئے جس کی اُن کو نصیحت کی گئی تھی ہم نے بچا دیا اُن لوگوں کو جو بُرائی سے منع کرتے تھے اور پکڑ لیا اُن کو جو ظلم کرتے تھے بُرے عذاب سے اس سبب کہ وہ نافرمانی کرتے تھے (۱۶۵)

تھے جن کو وہ نبی کرکے پوچھا پس تو وہ اسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کی طرف اشارہ نہیں ہوسکتا جس کی نسبت خدا نے موسٰے سے کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مثل موسٰے کے ایک نبی پیدا کرونگا ٭

له سبت کے دن یہودیوں کو شکار کھیلنا اور کوئی کام کرنا منع تھا جب سبت کی وہ تعظیم رکھتے تھے اور شکار نہ کرتے تھے مچھلیاں کنارہ پر کثرت سے آتی تھیں اور جس دن وہ سبت کی تعظیم توڑ دیتے تھے اور شکار کو جاتے تھے تو مچھلیاں نہ آتی تھیں اور کنارہ پر نہیں آتی تھیں ٭

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۶۷) وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۱۶۸) فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۶۹) وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ (۱۷۰)

پھر جب انہوں نے اُن چیزوں کے چھوڑنے سے جن کو منع کی گئی تھیں سرکشی کی تو ہم نے اُن کو کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل اور جب کہدیا تیرے پروردگار نے کہ ضرور اُن پر مسلط کریگا قیامت کے دن تک اُس کو جو اُن کو سخت عذاب پہنچاتا رہے۔ بیشک تیرا پروردگار جلد عذاب کرنے والا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان (۱۶۷) اور ہم نے جدا کر دیں اُن کی گروہیں زمین میں۔ اُن میں سے اچھے بھی ہیں اور اُن میں ایسے نہیں بھی ہیں اور ہم نے اُن کا امتحان کیا بھلائیوں سے اور برائیوں سے تاکہ وہ (بُری راہ سے) پھر آویں (۱۶۸) پھر جانشین ہوئے اُن کے بعد ایسے جانشین کہ وارث ہوئے کتاب (یعنی توریت) کے۔ لیتے ہیں اس چیز (دنیا) کی دولت (یعنی خدا کی نسبت جھوٹی باتیں کہکر) اور کہتے ہیں کہ ہم کو بخش دیا جاویگا۔ اور اگر اُن کے پاس دولت مثل اُس کے تو اُس کو لے لیتے ہیں۔ کیا اُن سے توریت میں جو وعدہ ہے نہیں لیا گیا۔ کہ نہ کہینگے اللہ کی نسبت بجز سچ کے جو انہوں نے پڑھا ہے جو کچھ اُس میں (یعنی توریت میں) ہے۔ اور آخرت کا گھر بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو پرہیزگاری کرتے ہیں۔ پھر کیا تم نہیں سمجھتے (۱۶۹) اور جن لوگوں نے مضبوطی سے پکڑ لیا ہے کتاب کو اور قائم رکھا ہے نماز کو۔ بیشک ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکی کرنیوالوں کا (۱۷۰)

(۱۷۲) (واذ اخذ ربك) اس آیت میں لفظ "آدم" سے حضرت آدم ابوالبشر کسی طرح مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ آیت میں صاف لفظ "بنی آدم" ہے اور پھر "من ظهورهم" اور "ذريتهم" میں ضمیر جمع کی بنی آدم کی طرف راجع ہے۔ پس یہ خیال مفسرین کا کہ بروز میثاق خدا تعالےٰ نے حضرت آدم کی پیٹھ میں سے تمام ذریات کو نکالا اور اُن سے

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۱۷۰) وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (۱۷۱) اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ

اور جب ہم نے ہلا دیا پہاڑ کو اُن کے اوپر گویا کہ وہ سائبان ہے اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ اُن پر گر پڑیگا ـ پکڑو جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے زور سے اور یاد رکھو جو کچھ کہ اُس میں ہے تاکہ تم پرہیزگاری کرو (۱۷۰) اور جب کہ لیا یعنی پیدا کیا تیرے پروردگار نے بنی آدم سے اُن کے پیٹھوں سے اُن کی ذریت کو اور خود اُن کو اُن کے اُوپر گواہ کیا ـ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں ـ بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں ـ تاکہ تم نہ کہو قیامت کے دن کہ بیشک ہم اس سے بے خبر تھے (۱۷۱) یا تم کہو کہ بات یہ ہے کہ شرک کیا تھا ہمارے باپوں نے پہلے سے

اپنے خدا ہونے کا اقرار لیا قرآن مجید کے الفاظ کے مطابق نہیں ہے ـ نہ اس آیت میں روز میثاق کا ذکر ہے نہ کسی روز میثاق کا وجود اس سے پایا جاتا ہے ـ

مفسرین نے بعض حدیثوں پر جن میں بروز میثاق حضرت آدم کی پیٹھ میں سے اُن کی ذریت کا نکالنا اور خدا ہونے کا اقرار لینا مذکور ہے استدلال کیا ہے مگر وہ حدیثیں صحیح نہیں ہیں نہ روایۃً اور نہ درایۃً ثابت ہوتی ہیں اس مقام پر خدا تعالےٰ نے نہایت لطیف اور دلچسپ طریقہ اور بے انتہا فصیح کلام میں انسان کی فطرت کو بتلایا ہے ـ وہ فرماتا ہے کہ بنی آدم کی اولاد کو پیدا کیا اور خود اُن کو ان پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں سب نے کہا کیوں نہیں ـ یہ اشارہ اس بات کا ہے کہ خدا تعالےٰ نے فطرت انسانی ایسی بنائی ہے کہ جب وہ خود اپنی فطرت پر غور کرے اور اُس کو سوچے سمجھے تو وہی اُس کی فطرت خدا کے خدا ہونے پر گواہی دیتی ہے ـ اور "اشہدھم علی انفسہم" کے صریح یہی معنی ہیں اور "قالوا بلیٰ" اُسی فطرت کی تصدیق ہے ـ اور یہ صاف اس بات کی ہدایت ہے کہ انسان خدا پر ایمان لانے کو اپنی فطرت کی رُو سے مکلف ہے ـ

عجب پسند مفسرین نے کچھ ہی کہا ہو مگر علمائے محققین یہی کہتے ہیں جو ہم نے کہا ہے ـ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ صاحب نظر اور معقولی ہیں اُن کا قول اس آیت کی تفسیر میں

والقول الثانی فی تفسیر ہذہ الآیۃ قول اصحاب النظر وارباب المعقولات انہ تعالیٰ اخرج الذریۃ وھم الاولاد من اصلاب آبائہم

وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ (۱۷۲) وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۱۷۳) وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ (۱۷۴) وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱۷۵) سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسَهُمْ كَانُوا يَظْلِمُونَ (۱۷۶) مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي وَمَنْ يُضْلِلْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (۱۷۷)

اور ہم ذرّیت تھے اُن کے بعد ۔ پھر کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اُس کے بدلے میں جو کیا ہے گمراہوں نے (۱۷۲) اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں نشانیوں کو تاکہ وہ (گمراہی سے) پھر آویں (۱۷۳) اور پڑھ اُن کے سامنے قصہ اُس شخص کا جس کے پاس ہم لائے اپنی نشانیاں پھر وہ نکل گیا اُن سے پھر پیچھا پکڑا اُس کا شیطان نے پھر ہوگیا گمراہوں میں سے (۱۷۴) اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم اُس کو اُن کے سبب بلند کرتے ولیکن وہ پڑا رہا پستی کی طرف اور تابعداری کی اپنی خواہش کی ۔ پھر اُس کی مثال اُس کتے کی مثال ہے کہ اگر تو اُس پر محنت ڈالے تو زبان نکال دے اور خالی چھوڑے تو زبان نکال دے ۔ یہ مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو پھر کہدے اُس قصہ کو شاید کہ وہ سوچیں (۱۷۵) بُری ہے مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور وہ اپنے پر آپ ظلم کرتے تھے (۱۷۶) جس کو خدا ہدایت کرے تو وہ ہدایت پانے والا ہے اور جس کو گمراہ کرے تو وہی لوگ ہیں نقصان پانے والے (۱۷۷)

وذلک بالاخراج انهم کانوا نطفة فاخرجها الله تعالیٰ فی ارحام الامهات وجعلها علقة ثم مضغة ثم جعلهم بشرا سویا وخلقا کاملا ثم اشهدهم علی انفسهم بما رکب فیهم من دلائل وحدانیته وعجائب خلقته وغرائب صنعته فبالاشهاد صاروا کانهم قالوا بلیٰ وان لم یکن هناک قول باللسان وکذلک نظائرها فی قوله تعالیٰ فقال لها وللارض ائتیا

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکالا ذرّیت کو اور وہ ذرّیت اولاد ہے جو اپنے باپوں کی پیٹھ سے اس طرح نکلتی ہے کہ وہ نطفہ تھے پھر اُن کو خدا نے اُن کی ماؤں کے پیٹ میں سے نکال کر ڈالا پھر اُن کو علقہ کیا پھر مضغہ پھر اُن کو ٹھیک انسان بنایا اور پوری خلقت دی پھر خود اُن کو اُن پر گواہ کیا اُن قوتوں سے

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (۱۷۸) وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۷۹) وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (۱۸۰) وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (۱۸۱) وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (۱۸۲) أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (۱۸۳)

اور بیشک ہم نے پیدا کیا بہتوں کو جن اور انس میں سے جہنم کے لئے۔ اُن کے لئے دل ہیں کہ اُن سے نہیں سمجھتے اور اُن کے لئے آنکھیں ہیں کہ اُن سے نہیں دیکھتے اور اُن کے لئے کان ہیں کہ اُن سے نہیں سُنتے۔ وہ ہیں چوپایہ جانوروں کی مانند بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ یعنی بدتر۔ وہی ہیں غفلت کرنیوالے (۱۷۸) اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں پھر وہی نام لیکر اُس کو پکارو۔ اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جو اُس کے ناموں میں گمراہی کرتے ہیں یعنی جو نام خدا کے لائق ہیں اُن سے دیوتا وغیرہ کو پکارتے ہیں قریب ہے کہ بدلا دیئے جاوینگے اُس کا جو وہ کرتے ہیں (۱۷۹) انسانوں میں سے جن کو ہم نے پیدا کیا ایک گروہ ہے جو ہدایت کرتے ہیں سچ کی اور اُسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں (۱۸۰) اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو قریب ہے کہ ہم اُن کو بتدریج لاوینگے (یعنی گمراہی میں) اس طرح سے کہ وہ نہیں جانتے (۱۸۱) اور میں اُن کو مہلت دونگا بیشک میرا مکر مضبوط ہے (۱۸۲) کیا وہ سوچتے نہیں کہ اُن کے ساتھی کو کچھ جنون نہیں ہے۔ وہ تو اور کچھ نہیں ہے مگر (بری باتوں سے) علانیہ ڈرانے والا (۱۸۳)

طوعًا او کرهًا قالتا اتینا طائعین ومنها قوله تعالیٰ انما امرنا لشیء اذا اردناه ان نقول له کن فیکون۔
وقول العرب۔
قال الجدار للوتد لم تشقنی قال سل من یدقنی
فان الذی ورائی ما خلانی ورائی۔
وقال الشاعر
امتلأ الحوض وقال قطنی
فهذا النوع من المجاز والاستعارات مشهور

جو اس نے اُن میں رکھی ہیں اپنی وحدانیت کی دلیلیں کی اور اپنی عجائب خلقت کی اور اپنی قدرت و صنعت کی پس اس گواہ کرنے سے اُن کی ایسی حالت ہوئی کہ گویا اُنہوں نے کہا کہ ہاں ہے۔ نہیں گو کہ وہاں زبان سے یہ بات کہی نہیں تھی۔ اور حال کو قال سے تعبیر کرنے کی بہت سی مثالیں ہیں اُنھی

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (۱۸۴) مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۱۸۵) يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘؔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ (۱۸۶) يَسْــَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۸۷)

کیا اُنھوں نے غور نہیں کی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور اُن چیزوں میں جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اور نہ اس پر کہ شاید نزدیک پہنچ گئی ہو اُن کی اجل (یعنی مرنے کا وقت) پھر کس بات سے اُس کے بعد ایمان لاوینگے (۱۸۴) جس کو اللہ گمراہ کرے پھر اُس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں اور وہ چھوڑتا ہے اُن کو اُن کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے (۱۸۵) تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کی نسبت کہ کب آویگی۔ کہدے کہ اُس کا علم میرے پروردگار کو ہے۔ نہیں ظاہر کرسکتا (یعنی کوئی نہیں بتا سکتا) اُس کو اُس کے وقت کو مگر وہی یعنی خدا۔ بھاری ہے[1] (یعنی چھپی ہوئی ہے) آسمانوں اور زمین میں تمھارے پاس نہیں آنے کی مگر یکایک (۱۸۶) تجھ سے پوچھتے ہیں گویا تو اُس سے بحث کرنے والا ہے۔ کہدے کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اُس کا علم اللہ کو ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۱۸۷)

فی الکلام موجب حمل الکلام علیہ ✦ تفسیر کبیر جلد - صفحہ ۳۲۴ ✦ شالوں میں سے خدا تعالےٰ کا قول ہے جب اُس نے آسمان اور زمین کو کہا کہ آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے دونوں نے کہا کہ ہم آئے خوشی سے اور یہ قول بھی اُسی کی مثال ہے کہ ہمارا حکم کسی چیز کے لئے جب کہ اُس کے ہونے کا ہم ارادہ کرتے ہیں اُس کو یہ کہنا ہے کہ ہو پھر وہ ہوجاتی ہے۔ اور عرب کا قول ہے کہ دیوار میخ سے کہتی ہے کہ کیوں مجھ کو پھاڑتی ہے۔ میخ کہتی ہے پوچھ اُس سے جو مجھے ٹھوکتا ہے بیشک جو میرے پیچھے ہے وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اور شاعر کا قول ہے کہ حوض بھر گیا اور حوض نے کہا کہ بس کافی ہے مجھ کو۔ اور اس قسم کے مجازات و استعارے کلام عرب میں مشہور ہیں پھر ضرور ہے اس کلام کو بھی اُسی پر حمل کرنا ✦

[1] قال السدی ثقلت ای خفیت فی السموٰت والارض لم یعلم احد من الملائکۃ المقربین والانبیاء المرسلین متی یکون حدوثہا ووقوعہا تفسیر کبیر جلد - صفحہ ۰۰ ✦

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (۱۸۸) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

کہدے (اے پیغمبر) کہ مجھکو اپنے نفس کے لئے بھی نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں ہے بجز اُس کے کہ جو خدا چاہے۔ اور اگر میں غیب کی بات جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا اور کبھی مجھ کو بُرائی نہ چھوتی۔ میں کچھ نہیں ہوں بجز ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے کے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں (۱۸۸) وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور پیدا کیا اُس سے اُس کا جوڑا

(۱۷۵) (واتل علیہم نبا الذی اتیناہ) اس آیت میں جو لفظ اتینا کا ہے وہ غور طلب ہے۔ صحاح جوہری میں لکھا ہے کہ، الاتیان المجئی، یعنی ایتان کے معنی آنے کے ہیں اور جب وہ متعدی کیا جاوے تو اُس کے معنی لانے کے ہو جاتے ہیں چنانچہ صحاح میں ہے کہ، اتاہ ای اتا بہ ومنہ قولہ تعالےٰ اتنا غداء نا ای ائتنا بہ، یعنی اتاہ کے معنی ہیں اتا بہ یعنی متعدی کے جس کے معنی ہوئے لایا اُس کے پاس یا اُس کے سامنے اور قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے، اتنا غداءنا، یہ متعدی ہے اور اُس کے معنی ہیں لا ہمارے صبح کے کھانے کو ہمارے پاس۔ اور اُس کے معنی دینے کے بھی آتے ہیں جس سے کسی شے کا جس کو دی گئی ہے اُس کے قبضہ میں ہو جاتا یا اُس کو اُس کا حاصل ہو جانا اور مستقر ہو جانا مفہوم ہوتا ہے مثلاً اگر ہم کہیں کہ ہم نے ایک اشرفی زید کو دی تو اُس سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ اشرفی اُس کے قبضہ اور ملکیت میں ہو گئی۔ اور جب یہ کہیں خدا نے فلاں شخص کو علم دیا تو اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ علم اُس کو حاصل ہو گیا اور اُس میں مستقر ہو گیا۔ پس اب بحث یہ ہے کہ ان دونوں معنوں سے یہاں کون سے معنی مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ پہلے معنی مراد ہیں اور دوسرے معنی مراد نہیں ہیں بلکہ نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اسی آیت میں آگے لکھا ہے، فانسلخ منہا، یعنی جس شخص کو خدا نے اپنی نشانیاں عطا کی تھیں لعنی اُس کو حاصل اور اُس میں مستقر ہو گئی تھیں وہ اُن سے نکل گیا۔ اور یہ بات کسی طرح تسلیم کے قابل نہیں ہے کہ جس کو خدا نے اپنی حکمت اور اپنی نشانیاں عطا کی ہوں جو درحقیقت نبوت کا درجہ ہے (یہاں تک کہ بعض مفسرین نے، اتیناہ ایاتنا، کے لفظ سے اُس شخص کو جس کا یہ قصہ ہے نبی قرار دیا ہے) پھر وہ کافر ہو جاوے۔ اس لئے میں نے، اتیناہ، کا ترجمہ، لائے ہم اُس کے پاس،

لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ (۱۸۹)	تاکہ رہے اُس کے پاس۔ پھر جب ڈھانک لیا اُس نے اُس کو تو وہ بوجھل ہوگئی تھوڑے سے بوجھ سے پھر اُسی کے ساتھ (یعنی اُسی بوجھ کے ساتھ) چلی گئی (یعنی وہ بوجھ اس میں رہتا رہا) پھر جب وہ بھاری ہوئی تو دونوں نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ جو تُو ہم کو (لڑکا) بھلا چنگا دے تا کہ ہم ہوں شکر کرنیوالوں میں سے (۱۸۹)

کیا ہے جو اصلی معنی اُس لفظ کے ہیں ◆

یہ ترجمہ اوروں نے بھی اختیار کیا ہے تفسیر کبیر میں ابومسلم کا یہ قول لکھا ہے اتیناہ آیاتنا ای بینا ھا فلم یقبل وعری منہا یعنی ہم نے اپنی نشانیاں اُس کے سامنے ظاہر کیں پھر اُس نے قبول نہ کیا اور اُن سے علحدہ ہوگیا۔ ظاہر کرنے اور پاس لانے کا ایک ہی مطلب ہے ◆

دوسری بحث اس میں یہ ہے کہ "الذی" سے کون شخص مراد ہے اور یہ قصہ کس کا ہے ۔ قرآن مجید میں اُس شخص کا نام نہیں بتایا گیا اس لئے مفسرین نے اپنے قیاس کے مطابق متعدد نام لکھے ہیں اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ الذی سے بلعم باعور مراد ہے جس کا بہت بڑا قصہ توریت سفر اعداد باب بست و دوم و بست و سوم و بست و چہارم میں مذکور ہے اُن بابوں سے پایا جاتا ہے کہ وہ نبی تھا اور خدا سے ہم کلام ہوتا تھا پھر بُت پرست ہوگیا اور بنی اسرائیل کو بھی بُت پرستی پر مائل کیا علاوہ اس کے بہت بڑا اُس کا قصہ ہے آخرکار بنی اسرائیل نے اُس کو مار ڈالا۔ ہمارے علمائے مفسرین نے اُسی قصہ کو اپنی تفسیروں میں لکھ دیا۔ مگر توریت میں اُس کا قصہ ایسے طور پر لکھا ہے کہ کسی طرح تسلیم کے قابل نہیں ہے ◆

بعض مفسروں کا قول ہے کہ "الذی" سے اُمیہ بن ابی صلت مشہور شاعر عرب مُراد ہے جو پہلے اس آیت کا قائل تھا کہ ایک نبی ہونے والا ہے مگر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ایمان نہ لایا اور کافر رہا۔ بعضوں کا قول ہے کہ ابی عامر الراہب مراد ہے جس نے منافقوں کو ورغلا کر مسجد ضرار بنوائی تھی۔ مگر اُن دونوں کا قصہ ایسا نہیں ہے کہ قرآن مجید میں بطور ایک قصہ عظیم قابل عبرت کے اس کا ذکر کیا جاوے۔ پس ہم کو خود قرآن مجید پر غور کرنا اور اُسی سے الذی کے مشارٌالیہ کو تلاش کرنا چاہیئے ◆

جہاں تک قرآن مجید سے مستنبط ہوسکتا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں الذی سے فرعون کی طرف اشارہ ہے ہم نے ابھی ثابت کیا ہے کہ اتیناہ کے معنی اُس کے پاس لانے کے ہیں جس کی تفسیر ابومسلم نے بینا ھا سے کی ہے۔ خدا تعالے نے بہت سی نشانیاں

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۱۹۰) اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ (۱۹۱)	پھر جب خدا نے اُن کو بھلا چنگا (لڑکا) دیا تو اُنھوں نے اُس میں جو اُن کو دیا گیا تھا خدا کے لئے شریک بنائے۔ پھر اللہ اعلیٰ تر ہے اُس سے جس کو شریک کرتے ہیں (۱۹۰) کیا وہ (خدا کے ساتھ) اس کو شریک کرتے ہیں جو کچھ نہیں پیدا کرسکتا اور خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اپنے پوجنے والوں کے لئے مدد نہیں کرسکتے اور نہ اپنی آپ مدد کرسکتے ہیں (۱۹۱)

فرعون کے پاس لایا مگر اُس نے کسی کو قبول کیا، فانسلخ منہا، جس کی طرف اشارہ ہے۔
اور ایک جگہ خدا تعالےٰ نے فرعون کی نسبت فرمایا ہے "ولقد ارینٰہ اٰیاتنا کلہا فکذب
وابٰی" یعنی ہم نے فرعون کو سب نشانیاں دکھلائیں پھر اُس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔ یہ دونوں
آیتیں ایک سی ہیں اور ان دونوں کے ملانے سے ثابت ہوتا ہے کہ الذی سے فرعون کی
طرف اشارہ ہے جس کا قصہ اس قابل تھا کہ لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے اُس کے بیان
کرنے کو کہا جاوے جیسا کہ متعدد جگہ قرآن مجید میں اُس کا بیان آیا ہے۔ تفسیر کبیر میں بھی لکھا
ہے کہ "وجاز ان یکون ھذا الموصوف فرعون فانہ تعالیٰ ارسل الیہ موسیٰ وھارون
فاعرض وابی وکان عادیا ضالا متبعا للشیطان" یعنی ہوسکتا ہے کہ الذی کا موصوف
فرعون ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اُس کے پاس موسےٰ و ہارون کو بھیجا اور اُس نے نہ مانا
اور وہ گمراہ تابع شیطان تھا ✦

(۱۸۹) (ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ) اکثر لوگ سمجھتے ہیں اور بعض مفسرین
کی بھی یہی رائے ہے کہ "نفس واحدۃ" سے حضرت آدم مراد ہیں اور "وجعل منہا
زوجہا" سے حضرت حوا جو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس امر کے قرار دینے
کے بعد تفسیروں میں حضرت حوا اور شیطان کا قصہ لکھا ہے جو قریب زمانہ وضع حمل کے واقع
ہوا اور اُس کے بہکانے سے حضرت حوا و حضرت آدم نے اپنے پہلوٹے بیٹے کا نام عبدالحرث
یعنی عبدالشیطان رکھا۔ یہ بیہودہ اور یہ قصہ بالکل لغو اور غلط ہے امام فخرالدین رازی نے بھی تفسیر کبیر میں
اس سے انکار کیا ہے اور اُس کے باطل ہونے پر چھ دلیلیں قایم کی ہیں اور اخیر کو لکھا ہے کہ
"فثبت بھذہ الوجوہ ان ھذا القول فاسد ویجب علی العاقل المسلم ان لا یلتفت الیہ"
یعنی یہ قصہ غلط ہے اور مسلمان کو اس پر التفات کرنی نہیں چاہئے ✦

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ (۱۹۳)	اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہاری تابعداری نہ کرینگے ۔ تمہارے لئے برابر ہے خواہ تم ان کو بلاؤ یا تم چپکے ہو رہو (۱۹۳)

اس آیت میں نہ حضرت آدم کا ذکر ہے نہ حضرت حوا نہ من نفس واحدۃ سے کوئی شخص یا کوئی خاص شخص مراد ہے ۔ اسی آیت کے بعد " عما یشرکون " کا لفظ بصیغہ جمع آیا ہے جس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ " نفس واحدۃ " سے شخص واحد مراد نہیں ہے ۔ آیت کے معنی بہت صاف ہیں خدا فرماتا ہے کہ میں نے تم کو اور تمہاری عورتوں کو جان واحد سے پیدا کیا ہے یعنی مرد و عورت سب میں ایک ہی جان ہے ۔ دونوں خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر مشرکوں کا یہ حال ہے کہ جب اُن کی عورتوں کو حمل رہتا ہے تو خدا سے دُعا مانگتے ہیں کہ نیک یا بےنقص لڑکا پیدا ہو پھر جب پیدا ہوتا ہے تو خدا کے ساتھ اَوروں کو شریک کرتے ہیں ۔ کسی کا نام ۔ عبدلات ۔ اور کسی کا عبدمنات ۔ اور کسی کا ۔ عبدالعزے وغیرہ رکھتے ہیں اور خدا کے سوا بتوں اور لوگوں کے بندہ ہونے کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ پس اس میں مشرکین کی عام حالت شرک کا بیان ہے ۔ آدم یا حوا کے پیدا ہونے اور پہلو سے بیتا بننے سے اور شیطان کے جھوٹے قصہ اور اُس کے حضرت حوا کو بہکانے سے کچھ تعلق نہیں ہے +

بعض مفسرین کی بھی یہی راے ہے جو میں نے بیان کی ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں قفال کا

قال القفال انه تعالٰى ذكر هذه القصة على تمثيل ضرب المثل وبيان ان هذه الحالة صورة حالة هؤلاء المشركين في جهلهم وقولهم بالشرك وتقرير هذا الكلام كانه تعالٰى يقول هو الذي خلق كل واحد منكم من نفس واحدة وجعل من جنسها زوجها انسانا يساويه في الانسانية فلما تغشى الزوج زوجته و ظهر الحمل دعا الزوج والزوجة ربهما لئن اتيتنا ولدا صالحا سويا لنكونن من الشاكرين لآلائك ونعمائك فلما اتاهما الله ولدا صالحا سويا جعل الزوج والزوجة لله شركاء فيما اتاهما لانهم تارة ينسبون ذلك الولد الى الطبائع كما هو قول الطبائعيين	یہ قول لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بطور ضرب المثل کے اس قصہ کی تمثیل دی ہے کہ یہ حالت مشرکین کی جہل اور کفر اور شرک کی حالت ہے گویا خدا یہ فرماتا ہے کہ وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیا ہر ایک شخص کو تم میں سے ایک جان سے اور اُسی کی جنس انسان سے اُس کا جوڑا بنایا جو انسانیت میں اُس کی برابر ہے پھر جب وہ دونوں آپس میں ملتے ہیں اور حمل ہو جاتا ہے تو خصم جورو اپنے پروردگار سے دعا مانگتے ہیں کہ دے ہم کو بیٹا اچھا صحیح سالم تاکہ ہم تیری عنایتوں اور نعمتوں کے شکر کرنے والوں میں سے ہوں ۔ جب اُن کو

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۱۹۳) أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ (۱۹۴) إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (۱۹۵)	جو لوگ کہ پکارتے ہیں اَوروں کو اللہ کے سوا (وہ بھی) مثل تمہارے خدا کے بندے ہیں پھر اُن کو پکارو پھر وہ تم کو جواب دینگے اگر تم سچے ہو (۱۹۳) کیا اُن کے لئے (یعنی بتوں کے لئے) پاؤں ہیں اُن سے وہ چلتے ہیں۔ کیا اُن کے لئے ہاتھ ہیں اُن سے وہ پکڑتے ہیں۔ کیا اُن کے لئے آنکھیں ہیں اُن سے وہ دیکھتے ہیں۔ کیا اُن کے لئے کان ہیں اُن سے وہ سنتے ہیں۔ کہدے لے پیغمبر بلاؤ اپنے شریکوں کو (یعنی جن کو خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو) پھر میرے ساتھ مکر کرو اور مجھ کو مہلت مت دو (۱۹۴) بیشک میرا دوست اللہ ہے جس نے اُتاری کتاب اور وہ دوستی کرتا ہے نیک کام کرنے والوں سے (۱۹۵)

وتارۃ الی الکواکب کے عوقول المنجمین وتارۃ الی الاصنام والاوثان کما ھو قول عبدۃ الاصنام ثم قال تعالی اللہ عما یشرکون ای تنزہ اللہ عن ذلک الشرک وھذا جواب فی غایۃ الصحۃ والسداد ۔
تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۔ ۔ ۔ ۔

اللہ نے اچھا صحیح سالم بیٹا دیا تو خصر جیو واس میں جو خدا نے اُن کو دیا خدا کا شریک کرنے لگے کیونکہ کبھی تو وہ اس لڑکے کے پیدا ہونے کو طبیعت کے سبب کہتے ہیں جیسے کہ قول اُن لوگوں کا ہے جو طبیعت کو خالق حقیقی مانتے ہیں۔ اور کبھی اس کے ہونے کو ستاروں کے اثر سے منسوب کرتے ہیں جیسے کہ نجومیوں کا قول ہے۔ اور کبھی دیوتاؤں اور بتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے کہ بتوں کے پوجنے والوں کا طریقہ ہے۔ اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ پاک ہے اللہ اس بات سے جس سے وہ شرک کرتے ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ قفال بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس آیت میں نفس واحدہ سے حضرت آدم مراد ہیں۔ انہی کو امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ یہی بات صحیح اور مضبوط ہے +

علمائے متقدمین نے جو محقق ہونے کا درجہ رکھتے تھے ہر ایک امر کو محقق طور پر بھی بیان کیا ہے مگر ان کے سبب لغو و بیہودہ قصے زیادہ تر مشہور ہو گئے ہیں اور محققین کی رائیں جو عام پسند نہیں ہوئیں مشہور نہیں ہوئیں ۔ فتدبر +

(۱۹۹) (وما ینزغنک) اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کو بڑی دقت پڑی ہے کیونکہ وہ شیطان کو ایک جداگانہ مخلوق خارج از انسان اور خدا تعالیٰ کا مخالف اور لوگوں کو بدی و نافرمانی پر رغبت دینے والا اور بہکانے والا کفر و شرک میں ڈالنے والا قرار دیتے ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو شیطان بہکا نہیں سکتا اور اُن کا باثر ذرا سا بھی نبیاء پر نہیں ہوتا۔ پھر کیونکر خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کہ واما ینزغنک

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

اور جن لوگوں کو پکارتے ہیں بتوں کو اللہ کے سوا وہ اُن کی مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی آپ مدد کرتے ہیں ﴿۱۹۶﴾ اور اگر تو اُن کو بلاوے ہدایت کی طرف تو وہ نہیں سُننے کے۔ تو اُن کو (یعنی بتوں کو) دیکھتا ہے کہ تیری طرف نظر کر رہے ہیں اور وہ دیکھتے نہیں ﴿۱۹۷﴾ درگذر کو اختیار کر اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم کر اور مُنہ پھیر جاہلوں سے ﴿۱۹۸﴾ اور اگر چھڑ کوئے تجھ کو شیطان کا بھڑکانا تو پناہ مانگ اللہ سے بیشک وہ سُننے والا ہے جاننے والا ﴿۱۹۹﴾

من الشیطان نزغ * پھر مفسرین نے اس کے جواب میں بہت سی تقریریں اور تاویلیں کی ہیں جو نہایت سرد و پژمردہ ہیں لیکن اگر ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھا جاوے تو آیت کی تفسیر میں کوئی مشکل و دقت نہیں ہے *

یہ بات مذہب اسلام کے ہر فرقہ میں مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی انسانوں کی مانند بشر ہیں جیسے کہ خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے فرمایا ہے کہ "انا بشر مثلکم یوحی الی" پس جو مقتضائے بشریت ہے اُس سے انبیاء علیہم السلام بھی خالی نہیں ہیں انبیاء میں اور عام انسانوں میں یہ فرق ہے کہ انبیاء اُس تقاضائے بشری کو روک لیتے ہیں اور اُس پر غالب آجاتے ہیں اور عام انسان اُس سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور وہ اُن پر غالب ہو جاتا ہے۔ اس آیت سے اوپر کی آیت میں خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا تھا کہ جاہلوں سے درگذر کر اور اُن سے اپنا مُنہ پھیر لے یعنی کافر جو نالایق باتیں کرتے ہیں اُن سے درگذر کرنا چاہئے۔ مگر ایسی باتوں سے رنج ہونا یا غصہ آنا ایک امر طبعی و مقتضائے بشری ہے اس لئے خدا نے فرمایا کہ اگر تجھ کو ایسا امر پیش آوے تو خدا کو یاد کر اور خدا کی طرف متوجہ ہو تاکہ وہ رنج یا غصہ جو بمقتضائے بشریت آیا مغلوب ہو جاوے اور غالب نہ ہونے پاوے۔ اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیت میں شیطان کے لفظ سے صاف اشارہ اُس قوت غضبیہ کی طرف ہے جو انسانوں میں اور انبیاء میں بھی بمقتضائے خلقت بشری موجود ہے۔ کون کہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کبھی رنج نہ ہوتا تھا یا کبھی غصہ نہ آتا تھا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے کمال نفس سے خدا کی طرف توجہ کرنے سے رنج دُور فرماتے تھے اور غصہ کو دبا دیتے تھے اور قوت غضبیہ کو اپنے پر غالب نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ آیت علانیہ ثابت کرتی ہے کہ قرآن مجید میں شیطان کا لفظ اُنہی قوا پر جو بمقابلہ قوائے ملکوتیہ کے انسانوں میں بمقتضائے فطرت و خلقت انسانی کے ہیں اطلاق ہوا ہے نہ کسی ایسے وجود خارجی پر جو خدا کے مقابل اور اُس کا مخالف ہو پس آیت میں کوئی ایسی مشکل نہیں ہے جس سے ذات پاک رسول مقبول پر کوئی منقصت آسکے *

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ (۲۰۰) وَاِخْوَانُھُمْ یَمُدُّوْنَھُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ (۲۰۱) وَاِذَا لَمْ تَاْتِھِمْ بِاٰیَۃٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَھَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (۲۰۲) وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (۲۰۳)

بیشک جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں جب کہ اُن کو چھوتا ہے وسوسہ شیطان کا تو (اللہ کو) یاد کرتے ہیں پھر وہ ہیں سوجھنے والے (۲۰۰) اور اُن کے بھائی اُن کو کھینچتے ہیں نافرمانی میں پھر کچھ کمی نہیں کرتے (۲۰۱) اور جب تو اُن کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتا تو کہتے ہیں کیوں نہیں تو اُس کو بنا لاتا۔ کہدے اے پیغمبر کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ میں تابعداری کرتا ہوں اُس کی جو وحی بھیجی گئی ہے میرے پاس میرے پروردگار سے۔ یہ دلیلیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (۲۰۲) اور جب قرآن پڑھا جاوے تو تم اُس کو سنو اور چپ رہو شاید کہ تم رحم کئے جاؤ (۲۰۳)

شکر ہے کہ بعض مفسرین نے بھی قریباً قریباً اسی مطلب کی طرف رجوع کی ہے امام فخر الدین رازی

وتقرير الكلام انه تعالى لما امره بالمعروف فعند ذلك ربما يهيج سفيه ويظهر السفاهة فعند ذلك امره تعالى بالسكوت عن مقابلته فقال واعرض عن الجاهلين ولما كان من المعلوم ان اقدام السفيه قد يهيج الغضب والغيظ ولا يبقى الانسان على حالة السلامة وعند تلك الحالة يجد الشيطان مجالا في حمل ذلك الانسان على ما لا ينبغي لاجرم بين تعالى ما يجري مجرى العلاج لهذا المرض فقال فاستعذ بالله ۔

تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۲۲۹ ۔

صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جب خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اچھے کاموں کا حکم دیا تو کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک بیوقوف اپنی بیوقوفی ظاہر کر کے طبیعت کو بھڑکا دیتا ہے ایسے وقت کے لئے خدا نے اُس کے مقابلہ کرنے کے عوض سکوت اختیار کرنا فرمایا اور کہا کہ مُنہ پھیر لے جاہلوں سے اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیوقوف کا اس طرح پیش آنا غصہ اور غضب کو بھڑکا دیتا ہے انسان درست حالت پر نہیں رہتا۔ ایسی حالت میں شیطان کو موقع ملتا ہے انسان کو نہ کرنے کی باتوں کے کر بیٹھنے پر برانگیختہ کرنے کا۔ اس لئے خدا تعالے نے ایسی بات بتا دی جو اس مرض کے علاج کی جگہ ہے اور کہا کہ پناہ مانگ اللہ سے۔ یہ تمام تقریر امام صاحب کی وہی ہے جو ہم نے لکھی ہے صرف وہ فقرہ اس تقریر کا جس پر ہم نے لکیر کر دی ہے مہمل ہے اگر وہ خارج کر دیا جاوے تو امام صاحب کی تحریر اور ہماری تقریر میں کچھ فرق نہیں ہے۔ تعجب یہ ہے کہ جب خود امام صاحب نے لکھا ہے کہ غصہ کی حالت میں انسان درست حالت پر نہیں رہتا تو پھر شیطان کو بلانے کی کیا حاجت رہی تھی ۔

(۲۰۱) (واخوانھم یمدونھم) اس آیت کی تفسیر میں صرف اس قدر بیان کرنا ہے کہ ھم کی ضمیر کس کی

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ (۲۰۴) إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ (۲۰۵)

اور یاد کر اپنے پروردگار کو جی میں عاجزی اور خوف سے پکار کر بات کرنے کی بنسبت دھیمی آواز سے صبح کو اور شام کو اور تو نہ ہو غفلت کرنے والوں میں سے (۲۰۴) بیشک جو لوگ تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں (۲۰۵)

طرف راجع ہے مفسرین "ھم" کی ضمیر کو جو "اخوانھم" میں ہے شیطان کی طرف راجع لیتے ہیں اور مفرد کی طرف ضمیر جمع کا راجع ہونا باعتبار جنس کے سمجھتے ہیں اور جو ضمیر "ھم" کی "یمدونھم" میں ہے اس کو "الذین اتقوا" کی طرف پھیرتے ہیں۔ اور "یمدونہم" کے معنی امداد کے لیتے ہیں ✦

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ "اخوانھم" کے معنی ہیں اخوان الشیاطین یعنی شیاطین مدد کرتے ہیں

ان المعنی واخوان الشیاطین یمدون الشیاطین فی الغی وذلک لان شیاطین الانس اخوان الشیاطین الجن فشیاطین الانس یغوون الناس فیکون ذلک امدادا منھم لشیاطین الجن علی الاغواء والاضلال۔ والقول الثانی ان اخوان الشیاطین ھم الناس الذین لیسوا بمتقین فان الشیاطین یکونون مددا لھم فیہ والقولان مبنیان علی ان لکل کافر اخا من الشیاطین۔

شیاطین کی گمراہی میں اور یہ بات اس طرح پر ہے کہ شیطان آدمی بھائی ہیں شیاطین جن کے پھر شیطان آدمی لوگوں کو بہکاتے ہیں اور اس سے مدد ملتی ہے شیاطین جن کو بہکانے پر اور گمراہ کرنے پر۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شیطانوں کے بھائی وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار نہیں ہیں پس شیاطین ان کے لیے بطور مدد کے ہیں اور یہ دونوں قول اس یقین پر مبنی ہیں کہ ہر ایک کافر کا ایک شیطان بھائی ہوتا ہے ✦

تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۵۱ ✦

مگر یہ تقریر وہمی اور خیالی ہے۔ یہ کہدینا تو آسان ہے کہ ہر ایک کافر کا ایک شیطان بھائی ہوتا ہے مگر جب اس کا ثبوت چاہو تو بجز خیال و وہم کے کچھ نہیں۔ میرے نزدیک آیت کے معنی بہت صاف ہیں اور نہ "یمدون" کے معنی اس مقام پر امداد کے ہیں۔ "اخوانھم" کی ضمیر اور "یمدونھم" کی ضمیر "الذین اتقوا" کی طرف راجع ہے آیت کے معنی نہایت صاف ہیں کہ پرہیزگار آدمیوں کے دل میں جب کوئی وغدغہ آتا ہے تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور ان کے بھائی بند ان کو گمراہی میں کھینچ لیجانے میں کچھ تقصیر نہیں کرتے ✦

تم الجلد الثالث من تفسیر القرآن

سُورَةُ الْأَنْفَالِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۖ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱)

تجھ سے پوچھتے ہیں لڑائی میں ہاتھ آئے ہوئے مال سے۔ کہہ کہ لڑائی میں ہاتھ آیا ہوا مال اللہ اور رسول کا ہے پھر ڈرو اللہ سے اور صلح رکھو آپس میں اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان والے ہو (۱)

(۱) (يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ) جو مال کہ لڑائی میں ہاتھ لگے اُس کو انفال کہتے ہیں اس سورہ میں جنگ بدر کا ذکر ہے۔ جنگ بدر کے واقعہ پر مخالفین اسلام نے بہت کچھ الزام لگائے ہیں جن کی نسبت بالتفصیل ہم بحث کرینگے لیکن اول مختصراً اُس واقعہ کو بلا کسی قابل بحث اشارہ کے لکھتے ہیں اور اس کے بعد اس کی بحث طلب جزئیات کو بیان کرینگے۔ بدر ایک چشمہ کا نام ہے جو وادی صفرا کے اخیر ینبوع کے قریب بحر احمر کے کنارہ کے پاس مدینہ سے تین منزل پر واقع ہے۔ اس چشمہ کے سبب وہ مقام مشہور ہو گیا ہے۔ عرب میں پانی کی نہایت قلت ہے اور جہاں کہیں چشمہ ہوتا ہے وہ جگہ مشہور اور نہایت عزیز ہو جاتی ہے۔ جس لڑائی کا اس سورہ میں ذکر ہے وہ اسی مقام پر ہوئی تھی اور اسی لئے جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے۔

بدر بالفتح ثم السکون ماء مشہور بین مکۃ والمدینۃ اسفل وادی الصفراء بینہ وبین الجار وھو ساحل البحر لیلۃ بہ کانت الواقعۃ المشہورۃ بین النبی صلعم واھل مکۃ۔ (مراصد الاطلاع)

شام کے ملک سے قریش کا ایک قافلہ جس میں تیس چالیس آدمی تھے ابی سفیان کے ساتھ بہت سامان و اسباب لئے ہوئے مکہ کو آتا تھا۔ انہی دنوں میں مکہ کے قریش نے بہت سے آدمی لڑائی کے لئے جمع کئے اور مکہ سے کوچ کیا۔ انہی دنوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو لڑنے والے لوگوں کے ساتھ مدینہ سے کوچ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقام بدر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مکہ کے قریش سے لڑائی ہوئی۔ یہ واقعہ سنہ ۲ ہجری میں واقع ہوا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾	اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اُن کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اُنکو اُس کی آیتیں پڑھ سُنائی جاویں تو زیادہ کردیتی ہیں اُنمیں ایمان کو اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں ﴿۲﴾

اب چند امور اس میں بحث طلب ہیں۔ اول یہ کہ۔ مکہ کے قریش نے کیوں لڑائی کے لئے لوگ جمع کئے تھے اور کیوں لڑنے کے ارادہ سے نکلے تھے۔ تمام مسلمان مورخ لکھتے ہیں کہ قریش مکہ کو یہ خبر پہنچی تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ابی سفیان والے قافلے کے لوٹنے کا ہے اس لئے اُنہوں نے اس قافلہ کے بچانے کو لوگ جمع کئے اور لڑائی کے ارادہ سے نکلے ◆

اگر یہ روایتیں صحیح مان لیجاویں تو بھی یہ بات لازم نہیں آتی کہ جو خبر اُن کو پہنچی تھی وہ صحیح تھی اور درحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اُس قافلہ کو لوٹنے کا تھا۔ علاوہ اس کے جب قریش مکہ نے بہت سے لڑنے والے آدمی جمع کرکے لڑائی کے ارادہ پر کوچ کیا تھا تو اس بات کا کسی طرح سے یقین نہیں ہوسکتا کہ اُن کا ارادہ صرف اُس قافلہ ہی کی حفاظت کا تھا اور خاص مدینہ پر چڑھائی کرنے کا نہ تھا۔ بلکہ وہ دلیلیں ایسی صاف ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ اُن کا ارادہ اس سے زیادہ تھا اس لیئے کہ اُنھوں نے اس قدر آدمی جمع کئے تھے اور لڑائی کا سامان اور نفیر عام اس طرح پر کی تھی جو قافلہ کی حفاظت کی ضرورت سے بہت زیادہ تھی۔ اور جب کہ وہ قافلہ خدشہ کے مقام سے بچکر نکل گیا اُس وقت بھی اُنھوں نے کوچ کو اور لڑائی کے ارادہ کو موقوف نہیں کیا۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ اُن کا ارادہ اُس قافلہ ہی کے بچانے کا تھا تب بھی اہل مدینہ کو کسی طرح اس بات پر طمانیت نہیں ہوسکتی تھی کہ اُن کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا نہیں ہے بلکہ جو عداوت اہل مکہ کو مہاجرین اور مدینہ کے انصار سے تھی اور جس پر حملہ کرنے اور غارت کرنے کی وہ ہمیشہ دھمکی دیتے تھے اور اُس کے خواہشمند بھی تھے وہ ایک قوی دلیل اس خیال بلکہ یقین کرنے کی تھی کہ وہ ضرور مدینہ پر بھی حملہ کرینگے ◆

دوسرے یہ کہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں مدینہ سے بقصد جنگ کوچ کیا تھا۔ تمام مسلمان مورخوں کا جن کی عادت میں داخل ہے کہ بلا سند روایتوں اور غلط و صحیح افواہوں کو بلا تصحیح و تنقید اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں اور انہی پر بناء واقعات قایم کرتے ہیں یہ قول ہے کہ آنحضرت اور اُن کے صحابہ نے یہ بات خیال کرکے کہ ابی سفیان کے ساتھ کے قافلہ میں لوگ بہت تھوڑے ہیں اور مال بہت زیادہ ہے لوٹ لینے کا ارادہ کیا تھا اور اسی وجہ سے کوچ کیا اُس کی خبر جب قریش مکہ کو پہنچی تو اُنھوں نے نفیر عام کی اور قافلہ کے بچانے کو نکلے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قریش کے

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾	وہ لوگ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾

ساتھ ہونے اور اُن کے قافلہ کے لوٹنے کا قصد اول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا اور اُس کے رفع کرنے کو قریش بقصد لڑائی نکلے *

ان مسلمان مورخوں کی نادانی اور غلطی سے مخالفین مذہب اسلام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی نسبت قافلوں کے لوٹنے کا جو پیغمبری کی شان کے شایاں نہیں ہے اور بلا سبب لڑائی کی ابتدا کرنے کے الزام لگانے کا موقع ہاتھ آیا ہے اور بہت زور شور سے اُن الزاموں کو قائم کیا ہے لیکن اُس زمانہ کی حالت پر اور جو طریقہ دشمنوں کے ساتھ پیش آنے کا اُس زمانہ میں بلا اعتراض کے مروج تھا اگر اُس پر لحاظ کیا جاوے تو ایسا کرنے میں بھی اگر کیا گیا ہو کوئی مقام اعتراض کا نہیں ہو سکتا اور اگر ہم اُس طریقہ تعجب انگیز کا جو حضرت موسے نے اپنے دشمنوں کے ساتھ اختیار کیا تھا اس کے ساتھ مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اگر ایسا کیا گیا بھی ہو تو حضرت موسے کے برتاؤ کی بہت ہی خفیف درجہ رکھتا ہے *

مگر درحقیقت یہ الزام محض غلط اور بے بنیاد ہیں اور وہ حدیثیں اور روایتیں جن کی بنا پر وہ الزام قائم کئے ہیں از سرتا پا غلط اور غیر مستند ہیں۔ قرآن مجید میں یہ واقعہ نہایت صفائی سے مندرج ہے اور اُس میں صاف بیان ہوا ہے کہ کس گروہ کے مقابلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کے قصد سے کوچ فرمایا تھا آیا قافلہ لوٹنے کے ارادہ سے یا اُس گروہ کے مقابلہ کے لئے جس کو قریش مکہ نے لڑنے کے ارادہ سے جمع کرکے کوچ کیا تھا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوچ فرمانا قریش مکہ کے کوچ کرنے کے بعد ہوا تھا یا اُس کے قبل ہوا تھا *

ہم قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت کرینگے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال بھی کسی قافلہ کے لوٹنے کا نہ تھا اور قریش مکہ کے بقصد جنگ فوج کثیر کے ساتھ کوچ کرنے کے بعد جس سے ہر طرح مدینہ پر اُن کا ارادہ حملہ کرنے کا پایا جاتا تھا اور ادنےٰ درجہ یہ کہ بوجہ قوی احتمال ہوتا تھا مدینہ کی حفاظت کی غرض سے کوچ کیا تھا۔ اور جب کہ خود قرآن مجید کی آیتوں سے یہ امر ثابت ہوتا ہے تو کوئی روایت یا کوئی حدیث جو اُس کے برخلاف ہو اور کسی کتاب میں مندرج ہو اور کسی نے روایت کی ہو عقلاً و نقلاً مردود ہے۔ عقلاً میں نے اس لئے کہا کہ جو لوگ مسلمان نہیں ہیں اگر صرف تاریخانہ اصول پر نظر رکھیں تو بھی وہ اس بات کو تسلیم کرینگے کہ زبانی روایتیں جو ایک زمانہ بعد تحریر میں آئیں قرآن مجید کے مقابلہ میں جب کہ اُن دونوں میں اختلاف ہو قابل قبول اور لائق وثوق نہیں ہو سکتیں *

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۴﴾	وہی لوگ ہیں ٹھیک ایمان والے اُن کے لئے مرتبے ہیں اُن کے پروردگار کے پاس اور بخشائش اور رزق برکت والا ﴿۴﴾

اِسی سورہ کی پانچویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گھر یعنی مدینہ ہی میں تھے اور وہاں سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ آپس میں صحابہ کے اختلاف تھا بعض تو لڑنے کے لئے نکلنا پسند کرتے تھے اور بعضے ناپسند کرتے تھے۔ جو لوگ لڑنے کے لئے نکلنا ناپسند کرتے تھے اُس کی وجہ چھٹی آیت میں بیان ہوئی ہے کہ ،، گویا وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اپنے مارے جانے کو دیکھتے ہیں ◆

اور نے تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی سفیان کا قافلہ جو شام سے آتا تھا اُس میں نہایت قلیل آدمی تھے اُن سے لڑنے کے لئے کوچ کرنے میں اور اُس کے لوٹنے میں ایسی کوئی خوف کی بات نہ تھی۔ بلکہ یہ خوف قریش مکہ کی اُس فوج سے تھا جو انہوں نے نفیر عام کے بعد جمع کی تھی پس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قبل اس کے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ سے کوچ فرماویں قریش مکہ لڑنے کو نکل چکے تھے یا آمادہ جنگ ہو چکے تھے ◆

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس آمادگئے جنگ کے بعد اور مدینہ سے کوچ کرنے کے قبل بعض صحابہ کی یہ رائے ہوئی کہ شام کے قافلہ کو لوٹ لیا جاوے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مؤرخوں اور راویوں نے اس رائے کو جو بعض صحابہ نے دی تھی غلطی سے اس طرح پر بیان کیا ہے کہ گویا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارادہ قافلہ کو لوٹنے ہی کا تھا اور جو آمادگی جنگ مدینہ میں ہوئی تھی وہ قافلہ کے لوٹنے کے لئے ہوئی تھی۔ زمانہ دراز کے بعد کسی واقعہ کے بیان میں جو افواہی چلا آتا ہو اس قسم کی غلطی کا واقعہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے مگر قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے کہ وہ باقی روایتیں غلط ہیں بلکہ جو آمادگی جنگ کی مدینہ میں ہوئی وہ بمقابلہ قریش مکہ کے ہوئی تھی نہ واسطے لوٹنے قافلہ کے ◆

اسی سورہ کی چھٹی آیت میں جو جملہ " بعد ما تبین " آیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ خدا تعالے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر منکشف کر دیا تھا کہ اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوگی اسکے بعد کی ساتویں آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ گروہ جس کے ساتھ کچھ شان و شوکت یعنی لڑائی کا سامان نہ تھا۔ اس گروہ سے وہ قافلہ مراد ہے جو شام سے آتا تھا اور جس کے ساتھ صرف تیس چالیس آدمی تھے۔ اور دوسرا گروہ قریش مکہ کا تھا جس کے ساتھ بہت سا لشکر اور بہت کچھ شان و شوکت تھی۔ خدا نے کہا کہ ان دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے لئے ہے تم اُس

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵	جس طرح تیرے پروردگار نے تجھ کو تیرے گھر سے حق پر نکالا اور بیشک ایک گروہ ایمان والوں میں سے ناپسند کرتا تھا (۵)

بے شان و شوکت گروہ کو لینا چاہتے ہو مگر خدا چاہتا ہے کہ جو حق بات ہے یعنی دین اسلام وہ ثابت ہو جاوے۔ اور کافروں کی جڑ کٹ جاوے۔ پس اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ لڑنے کا حکم قریش مکہ کے مقابلہ کے لئے تھا نہ اُس قافلہ کے لوٹنے کے لئے +

ساتویں آیت سے چھٹی آیت کے مضمون کی بھی زیادہ تشریح ہوتی ہے کہ بعض صحابہ جو لڑائی کے لئے نکلنے کو ناپسند کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ گویا اُن کو موت کی طرف ہانکا جاتا ہے اور وہ اپنے مارے جانے کو دیکھ رہے ہیں اُس خوف کا سبب یہی تھا کہ اُن کو قریش مکہ کے مقابلہ میں نکلنے کا حکم ہوا تھا جو لشکر کثیر کے ساتھ لڑائی کو نکلا تھا اور جس سے یقین یا احتمال قوی مدینہ پر اور مہاجرین اور انصار پر حملہ کرنے کا تھا نہ اُس قافلہ پر حملہ کرنے کا جس کے ساتھ کچھ شان و شوکت یعنی سامان جنگ نہ تھا +

بیان مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے مندرجہ ذیل امر ثابت ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ۔ مدینہ ہی میں اور مدینہ سے کوچ کرنے کے پہلے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ قریش مکہ لشکر کثیر کے ساتھ جنگ کے ارادہ سے نکلے ہیں۔ دوسرے یہ کہ۔ مدینہ ہی میں خدا نے حکم دیدیا تھا کہ قریش مکہ کے مقابلہ میں لڑنے کو جاؤ اور جن صحابہ نے اس درمیان میں قافلہ لوٹنے کی صلاح دی تھی خود خدا تعالےٰ نے مدینہ ہی میں اُس کو نامنظور کیا تھا +

اب ہم اگر اُن روایتوں پر جو قرآن مجید کے برخلاف نہیں اعتبار کریں تو معلوم ہوتا ہے اور جو واقعات پیش آئے اُن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ سے جو لوگ لڑنے کو نکلے وہ قریش مکہ کے مقابلہ میں اُن کے حملہ کے دفع کرنے کے لئے نکلے تھے نہ قافلہ لوٹنے کے لئے +

سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے مکہ کی طرف کوچ فرمایا اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کوچ قریش مکہ کے مقابلہ میں تھا نہ شام کے قافلہ پر کیونکہ وہ قافلہ شام سے آتا تھا جو مدینہ سے جانب شمال واقع ہے اور مکہ جانب جنوب اور شام سے قافلہ کے مکہ میں آنے کا رستہ مدینہ سے جانب غرب پڑتا ہے پس اگر قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے کوچ کیا جاتا تو مدینہ سے غرب کی جانب کا رستہ اختیار کیا جاتا نہ جنوب کا +

قال ابن اسحٰق فسلك طريقه من المدينة الى مكة (صفحہ ۴۳۳)

سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکلکر نقب المدینہ میں

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑨	تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات پر کھل جانے کے بعد بھی گویا کہ وہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف اور وہ اُس کو دیکھتے ہیں ⑨

تشریف لائے پھر وہاں سے عقیق میں وہاں سے ذوالحلیفہ میں وہاں سے اولات الجیش یا ذات الجیش میں وہاں سے تربان میں وہاں سے ملل میں وہاں سے غمیس الحمام میں وہاں سے صخیرات الیمام میں وہاں سے سیالہ میں وہاں سے فج الروحاء میں وہاں سے شنوکہ میں اور جب عرق الظبیہ میں پہنچے تو وہاں ایک عرب ملا (غالباً مکہ سے آنے والا تھا) اُس سے لوگوں کا حال پوچھا مگر اُس نے کچھ نہیں تبلایا پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلکر سجسج میں ٹھیرے پھر وہاں سے چلے اور جب منصرف میں پہنچے تو بائیں طرف مکہ کا رستہ چھوڑ دیا اور دائیں طرف پھرے اور نازیہ ہوکر بدر جانے کا ارادہ کیا اور رحقان اور وہاں سے مضیق الصفرا میں پہنچے اور بسبس بن عمرو الجہنی اور عدی بن ابی الزغباء الجہنی کو ابوسفیان کی اور اور لوگوں کی (یعنی قریش مکہ کی) خبر دریافت کرنے کو روانہ کیا۔ اور مضیق الصفرا کو بھی بائیں طرف چھوڑکر دائیں طرف چلے اور وادی ذفران میں پہنچے وہاں قریش کے آنے کی خبر ملی +

ذفران کے مقام میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں سے جن میں انصار بھی شامل تھے قریش کے بڑے چلے آنے کی خبر کی اور سب کو لڑنے مرنے پر مستعد پایا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ثنایا یعنی اصافر پر گئے اور وہاں سے دبہ میں اُترے اور وہاں سے قریب بدر پہنچ کر مقام کیا اور تحقیق خبر ملی کہ قریش مکہ کا لشکر یہاں سے بہت قریب پڑا ہوا ہے انجام کار دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی +

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے پہلے شام کا قافلہ جس کے ساتھ ابی سفیان ابن حرب تھے سمندر کے کنارہ کنارہ ہوکر نکل گیا تھا اور بدر میں نہیں آیا تھا چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جب ابوجہل مکہ سے لوگوں کو لے کر نکلا تو اُس سے کہا گیا کہ قافلہ نے سمندر کے کنارہ کا رستہ لیا اور بسلامت چلا گیا اب مکہ کو پھر چلو اُس نے کہا کہ خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا پس تمام

خرج ابوجهل بجميع اهل مكة وهم النفير وفي المثل السائر لا في العير ولا في النفير فقيل له العير اخذت طريق الساحل ونجت فارجع الى مكة بالناس فقال لا والله لا يكون ذلك ابدا (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۶۲)

واقعات ثابت کرتے ہیں کہ مدینہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لڑائی کے لئے نکلنا صرف قریش مکہ کے مقابلہ میں اور اُن کے حملہ کے دفع کرنے کی غرض سے اور مدینہ کو جہاں مہاجرین نے پناہ لی تھی اور مہاجرین اور انصار کو قریش کے حملہ سے بچانے کے لئے تھا۔ ہر ایک لائق شخص جو

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ﴿۷﴾	اور جب تم سے اللہ وعدہ کرتا تھا دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا کہ بیشک تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بغیر شوکت والا (گروہ) تمہارے لئے ہو اور اللہ چاہتا تھا کہ سچ کو سچ کر دے اپنے حکم سے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی ﴿۷﴾

خدا نے معاملات جنگ کے سمجھنے کی لیاقت دی ہو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر حملہ آور قریش مدینہ کی دیواروں تک پہنچ جاتے تو اُن کا روکنا اور اُن کے حملہ کو دفع کرنا ناممکن تھا مہاجرین کو وہاں گئے ہوئے پورے دو برس بھی نہیں ہوئے تھے۔ مدینہ میں جن لوگوں نے اُن کو پناہ دی تھی اور دل و جان سے مہاجرین کے مددگار تھے اور جو انصار کہلاتے تھے اُن کی تعداد بھی بمقابلہ آبادی مدینہ اور اُس کے گرد و نواح کے کچھ زیادہ نہ تھی پس جب کہ اہل مدینہ یہ حالت دیکھتے کہ اُن لوگوں کے سبب سے مدینہ پر کیا آفت آئی ہے اور غنیم نے اُن کو گھیر لیا ہے تو اُن سب کی حالت بالکل بدل جاتی اور حملہ آوروں کا حملہ دفع کرنا غیر ممکن ہو جاتا اور اس لئے ضرور تھا کہ مدینہ سے آگے بڑھ کر اُن کا مقابلہ کیا جاوے اور جو کچھ خدا کو کرنا منظور ہو وہ مدینہ سے باہر ہو جاوے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے باہر نکلنا اور آگے بڑھ کر اُن کو روکنا ضرور سمجھا تھا اب کون شخص ہے جو ان واقعات کو انصاف کی نظر سے دیکھ کر اُن کو کسی الزام کی بنیاد قرار دے سکتا ہے ✦

بدر کی لڑائی میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور دشمنوں کا مال و اسباب اُن کے ہاتھ آیا۔ زمانہ جاہلیت میں غنیمت کے مال کا جیسے کہ اشعار مندرجہ حاشیہ سے ظاہر ہوتا ہے یہ دستور تھا کہ تقسیم ہونے سے پہلے سردار لشکر جو چاہتا تھا پسند کر لیتا تھا اور بوقت تقسیم چوتھہ یعنی چہارم حصہ سردار لشکر کو دیا جاتا تھا اور باقی لڑنے والوں اور فتح کرنے والوں میں تقسیم ہوتا تھا اور خاص کسی شخص کے ہاتھ جو مال آتا تھا وہ اُس کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ غالباً فتح کرنے والوں میں نسبت کسی مال غنیمت کے اس قسم کا جھگڑا پیدا ہوا کہ کوئی اُس کو اپنی خاص ملکیت قرار دیتا تھا اور کوئی اپنی ملکیت اور کوئی مشترک ہونے کا دعوے کرتا تھا اور اُس وقت تک مسلمانوں کے لئے غنیمت کے مال کی نسبت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے

قال ابن الرابعين من آل عمرو وفرسانهم
المرباع مرباع الرئيس الذي كان
يأخذ ربع الغنيمة في الغزو (تبریزی)
لك المرباع منها والصفايا وحكمك
والنشيطة والفضول المرباع ما كان
يأخذه الرئيس وهو ربع الغنم —
النشيطة ما يغنمه الغزاة في الطريق
قبل بلوغ الموضع الذي قصدوه
والصفي ما يصطفيه الرئيس من الغنم
لنفسه قبل القسمة وهو الصفية أيضا
والجمع صفايا (صحاح جوہری)

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ⑧	تاکہ سچ کر دکھائے سچ کو اور باطل کر دکھائے باطل کو اور گو کہ برا جانیں گنہگار ⑧

لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے غنیمت کے مال کی نسبت پوچھا۔ اُس پر یہ حکم ملا کہ مال غنیمت کا کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ خدا اور خدا کے رسول کی ملکیت ہے رسول کا نام لینے سے یہ مُدعا نہیں ہے کہ رسول کی ذاتی ملکیت ہے بلکہ اس طرح کے کلام سے صرف خدا ہی کی ملکیت ہونا مراد ہے۔ خدا کی ملکیت قرار دینے سے یہ مراد ہے کہ کوئی خاص شخص اُس پر دعوے نہیں کر سکتا بلکہ خدا جس طرح پر حکم دیگا اُس طرح پر کیا جاویگا ◆

پھر اسی سورہ کی بیالیسویں آیت میں یہ حکم آیا کہ مال غنیمت میں سے خمس خدا و خدا کے رسول کے لئے ہے یعنی خدا کے لئے ہے جو قرابتمندوں اور غریبوں اور یتیموں اور مسافروں کے فائدہ کے لئے رہیگا اور چار خمس اُن لوگوں میں جو لڑتے تھے یا لڑائی کے متعلق کاموں میں مصروف تھے تقسیم کیا جاویگا۔ جو رسم کہ زمانۂ جاہلیت میں تھی اُس سے یہ حکم تین باتوں میں مختلف تھا۔ اول۔ سردار کی چوتھ موقوف کرنے اور خدا کے لئے خمس نکالنے میں۔ دوم۔ عام طور پر کسی خاص مال پر کسی کا حق نہ ہونے میں۔ سوم۔ جو لوگ عین لڑائی میں موجود تھے اور جو لوگ لڑائی کے متعلق کسی کام پر متعین تھے اُن کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملنے میں۔ یہ تمام احکام اور خصوصاً خمس کا نکالنا ایسے عمدہ احکام ہیں کہ اُن سے بہتر اور مفید تر کوئی حکم مال غنیمت کی نسبت نہیں ہو سکتا ◆

⑨ (اذ تستغیثون ربکم) - لڑائی میں فرشتوں سے مدد کرنے کا مضمون اس سورہ میں اور آل عمران میں اور سورہ توبہ میں آیا ہے۔ ان تینوں مقام کے طرز بیان میں کسی قدر تفاوت ہے سورۂ آل عمران میں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول استفہاماً ہے کہ کیا فرشتوں سے خدا کا مدد کرنا تم کو کافی نہیں ہے۔ اور سورہ انفال میں خدا نے کہا ہے کہ میں فرشتوں سے مدد کرونگا۔ یہ دونوں آیتیں تو بدر کی لڑائی سے علاقہ رکھتی ہیں۔ اور سورہ توبہ میں جو آیت ہے وہ حُنین کی لڑائی سے متعلق ہے اُس میں فرشتوں کا لفظ نہیں ہے بلکہ ایک ایسے لشکر کے بھیجنے کا ذکر ہے جو دکھائی نہیں دیتا تھا اب اس باب میں چند امور تحقیق طلب ہیں ◆

اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثة الاف من الملائکة منزلین - آیت (۱۲۰) سورۂ آل عمران

بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورهم هذا یمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة مسومین - آیت (۱۲۱) سورۂ آل عمران

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکة مردفین - آیت (۹) سورۂ انفال

اول۔ یہ کہ درحقیقت لڑنے کے لئے فرشتے آئے تھے یا نہیں نہ فرشتوں کے لڑائی

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾	جب تم فریاد کرتے تھے اپنے پروردگار سے تو اُس نے قبول کیا تمہارے لئے کہ میں تمہاری مدد کرونگا ہزار فرشتوں سے جنکی ساتھ مختلی ہے ﴿۹﴾

کے لئے آنے سے ابوبکر اصم نے انکار کیا ہے اور جو بحث کہ اُنہوں نے اس پر کی ہے وہ ہم نے سورہ آل عمران کی تفسیر میں لکھی ہے اب اس جگہ اس امر کی تحقیق کرنی چاہتے ہیں جس کا وعدہ سورہ آل عمران کی تفسیر میں کیا تھا +

ہمارے نزدیک اُن لڑائیوں میں ایسے فرشتے جن کو لوگ ایک مخلوق جداگانہ اور متحیز بالذات مانتے ہیں آئے تھے اور نہ خدا نے ایسے فرشتوں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور نہ قرآن مجید سے ایسے فرشتوں کا آنا یا خدا تعالیٰ کا ایسے فرشتوں کے بھیجنے کا وعدہ کرنا پایا جاتا ہے۔ اگر ہم حقیقت ملائکہ کی بحث کو الگ رکھیں اور فرشتوں کو ویسا ہی فرض کریں جیسا کہ لوگ مانتے ہیں تو بھی قرآن مجید سے اُن کا فی الواقع آنا یا لڑائی میں شریک ہونا ثابت نہیں ہے۔ سورۂ آل عمران کی پہلی آیت میں تو صرف استفہام ہے کہ اگر خدا تین ہزار فرشتوں سے مدد کرے تو کیا تم کو کافی نہ ہوگا۔ اور دوسری آیت میں ہے کہ اگر تم لڑائی میں صبر کرو گے تو خدا پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا۔ مگر ان دونوں آیتوں سے اس کا وقوع یعنی فرشتوں کا آنا کسی طرح ظاہر نہیں ہوتا۔ سورہ انفال کی آیت میں خدا نے کہا کہ میں تمہاری ہزار فرشتوں سے مدد کرونگا۔ مگر اُس سے بھی فرشتوں کا فی الواقع آنا نہیں پایا جاتا۔ اس پر یہ خیال کرنا کہ اگر مدد موعودہ وقوع میں نہ آئی ہو تو خدا کی نسبت خلف وعدہ کا الزام آتا ہے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مدد کی حاجت باقی نہ رہنے سے مدد کا وقوع میں نہ آنا خلف وعدہ نہیں ہے مسلمانوں کی خدا کی عنایت سے فتح ہوئی تھی اور فرشتوں کو تکلیف دینے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ یہ کہنا کہ وہ فتح فرشتوں کے آنے کے سبب ہوئی تھی اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس کے لئے اول قرآن مجید سے فرشتوں کا آنا ثابت کرنا چاہئے اُس کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ فرشتوں کے آنے سے فتح ہوئی تھی۔ روایتیں کو فرشتوں کے آنے پر سند لانا کافی نہیں ہے اول تو وہ روایتیں ہی معتبر و قابل استناد نہیں ہیں۔ دوسرے خود اُن کے مضمون ایسے بے سروپا و خیالی ہیں جن سے کسی امر کا ثبوت حاصل نہیں ہو سکتا خصوصاً اس وجہ سے کہ خود راوی فرشتوں کو دیکھتے نہیں تھے +

برخلاف اس کے قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی ایک فرشتہ بھی نہیں آیا تھا دونوں سورتوں میں اُس آیت کے بعد جس میں فرشتوں کے بھیجنے کو کہا ہے یہ آیت ہے " وما جعله الله الا بشرى لكم ولتطمئن قلوبكم وما النصر الا من عند الله العزيز الحكيم "

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۱۰)	اور نہیں کیا اُس کو (یعنی قبول کرنے کو) اللہ نے خوشخبری (فتح کی) تاکہ اُس سے تمہارے دلوں کو طمانیت ہو جاوے اور فتح نہیں ہے مگر اللہ کی طرف سے بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا (۱۰)

یعنی اور نہیں کیا اُس کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لئے تاکہ مطمئن ہو جاویں اس سے تمہارے دل اور فتح نہیں ہے مگر اللہ کے پاس سے بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ۔ یہ بات غور کے لائق ہے کہ " ماجعلہ " میں جو ضمیر ہے وہ کس کی طرف راجع ہے امام رازی صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ ضمیر راجع ہے طرف مصدر کے جو کہ گو صریحًا مذکور نہیں ہے مگر لفظ " یمدکم " میں ضمنًا داخل ہے یعنی ۔ ماجعل اللّٰہ المدد والامداد الا بشریٰ ۔ اور زجاج کا قول ہے کہ ۔ ماجعلہ اللہ ای ذکر المدد الا البشریٰ ۔ مگر امام رازی صاحب نے جو فرمایا وہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ خدا نے کہا تھا کہ میں تمہاری فرشتوں سے مدد کرونگا پھر فرمایا کہ وہ یعنی یہ کہنا کہ میں تمہاری فرشتوں سے مدد کرونگا صرف خوشخبری تھی پس علانیہ سیاق عبارت سے ظاہر ہے کہ " ماجعلہ " کی ضمیر قول امداد یا ذکر امداد کی طرف راجع ہے جیسا کہ زجاج کا قول ہے نہ بطرف مصدر کے جو مذکور بھی نہیں ہے ۔ البتہ اس صریح وصاف مرجع ضمیر کو چھوڑ کر مصدر کی طرف اُس صورت میں ضمیر راجع ہو سکتی ہے کہ اول وقوع اُس مدد کا یعنی فرشتوں کا آنا ثابت ہو جاوے اور وہ ابھی تک ثابت نہیں ہوا اور اس لئے مصدر کی طرف ضمیر کا راجع کرنا ٹھیک نہیں ہے ؛

" ماجعلہ " پر ما نافیہ ہے جو علم طور پر نفی کرتا ہے ۔ اور اس لئے سورہ آل عمران کی آیت کے صاف معنی یہ ہیں کہ نہیں کیا خدا نے پیغمبر کے اس قول کو ۔ کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے ۔ کوئی چیز ۔ مگر بشارت یعنی صرف بشارت تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جاویں ۔ اور سورہ انفال کی آیت کے صاف معنی یہ ہیں کہ جب تم نے خدا سے فریاد کی اور اُس نے تمہاری فریاد کو قبول کیا کہ میں فرشتوں سے تمہاری مدد کرونگا تو نہیں کیا خدا نے اس قبول کرنے کو جس کے ساتھ فرشتوں سے مدد دینے کو کہا تھا کوئی چیز مگر بشارت تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جاویں اور یہ طرز کلام قطعًا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی ایسا فرشتہ جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں لڑائی کے میدان میں نہیں آیا تھا ؛

یہ تمام تقریر اس صورت میں تھی جب کہ ملائکہ کو ایک ایسا وجود خارجی متحیز بالذات تسلیم کیا جاوے جیسے کہ عمومًا تسلیم کیا جاتا ہے ۔ اور جو مشکلیں ان آیتوں کے معنوں کے حل کرنے میں پیش آتی ہیں اور موضوع روایتوں اور جھوٹے اور بے معنی قصوں سے استدلال کرنے کی احتیاج پڑتی ہے

اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۱۱)	جبکہ چھا رہا تھا تم پر غنودگی اونگھ کو کہ وہ امن تھا اسکی طرف سے اور برساتا تھا تم پر پانی آسمان سے تاکہ اُس سے تم کو پاکیزہ کر دے اور دُور کر دے تم سے وسوسہ شیطان کا اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور ثابت رکھے اُس سے قدموں کو (۱۱)

وہ اسی صورت میں پڑتی ہے۔ لیکن اگر ٹھیک طور پر قرآن مجید کو سمجھا جاوے اور جو اُس کا طرز کلام ہے اُس کو بخوبی پیش نظر رکھا جاوے تو کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور خدا اور اُس کے کلام کی عظمت و شان اور خدا کی قدرت کاملہ کا سچا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے *

فتح کے اتفاقی اسباب سے جو بعض اوقات آفات ارضی و سماوی کے دفعۃً ظہور میں آنے سے ہوتے ہیں قطع نظر کر کے دیکھا جاوے کہ اُن لوگوں پر کیا کیفیت طاری ہوتی ہے جو فتح پاتے ہیں اُن کے قوائے اندرونی جوش میں آتے ہیں جرأت ہمت صبر شجاعت استقلال۔ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اور یہی قوائے خدا کے فرشتے ہیں جن سے خدا فتحمندوں کو فتح دیتا ہے اور اُس کے برخلاف حالت یعنی بزدلی اور رعب اُن لوگوں پر طاری ہوتا ہے جن کی شکست ہوتی ہے پس ان آیتوں میں خدا تعالےٰ نے وعدہ کیا کہ میں فرشتوں سے تمہاری مدد کرونگا مگر وہ بجز خوشخبری فتح کے اور کچھ نہیں ہے جس کے سبب تم میں ایسے قوائے برانگیختہ ہونگے جو فتح کے باعث ہونگے۔ تمہارے دل قوی ہو جاوینگے لڑائی میں تم ثابت قدم رہوگے۔ جرأت ہمت شجاعت کا جوش تم میں پیدا ہوگا اور دشمنوں پر فتح پاؤگے *

یہ معنی ان آیتوں کے ہم نے پیدا نہیں کئے ہیں بلکہ خود خدا نے یہی تفسیر اپنے کلام کی کی ہے جہاں اسی سورہ میں اور اسی واقعہ کی نسبت فرمایا ہے کہ "اذ یوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین امنوا سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب" یعنی جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا (یہ وہی فرشتے ہیں جن کے بھیجنے کا مدد کے لئے وعدہ کیا تھا) کہ میں تمہارے (یعنی مسلمانوں کے) ساتھ ہوں (تو ان فرشتوں سے کیا کام لینے چاہے تھے) کہ ثابت قدم رکھو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں میں بہت جلد اُن لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہیں رعب ڈالونگا *

لڑائی میں ثابت قدم رکھنے والی کون چیز تھی وہی اُن کی جرأت و ہمت تھی کوئی اور شخص اُن کے پاس کھڑے ہوئے اُن کو ثابت قدم نہیں کر رہے تھے پس صاف ظاہر ہے کہ فرشتوں

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾	جب وحی بھیجتا تھا تیرا پروردگار فرشتوں کے پاس کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس ثابت (قدم) رکھو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں۔ میں بہت جلد اُن لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہیں رُعب ڈالونگا پھر مارو گردنوں کے اوپر اور مارو اُن کو ہر طرف سے ﴿۱۲﴾

سے مراد وہی قوائے انسانی تھی جن کے پاس وحی بھیجی تھی اور جو لڑنے والوں میں موجود تھی اور فرشتوں سے اُن کی مدد کرنے سے اُن کو لڑائی میں ثابت قدم رکھنا شجاعت جرأت ہمت استقلال کو قائم رکھنا مراد تھا۔ نہ خیالی فرشتوں کو سپاہی بنا کر اور ڈھال تلوار تیر کمان دیکر اور سفید سفید گھوڑوں پر سوار کر کے بھیجنا ✦

قرآن مجید کا سیاق کلام ہی یہ ہے کہ اُس میں ایسے مواقع میں جو خوف و خطر کے ہوتے ہیں انسانوں کے دلوں میں طمانیت اور قوت بخشنے کو فرشتوں سے مدد کرنے اور اپنے غیبی لشکروں سے امداد کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اُس سے مقصود صرف دل میں طمانیت و سکینہ کا پیدا کرنا ہوتا ہے۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور پہاڑ کے ایک غار میں جا کر چھپے جہاں نہ لشکر تھا نہ لڑائی خدا نے فرمایا "الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ السکینۃ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم" ✦

وہاں غار میں کون سی فوج تھی اور کون سی لڑائی تھی جو خدا نے اپنا غیبی لشکر بھیجا تھا بلکہ لشکر سے صرف سکینہ مراد تھی۔ اس آیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور یہ کہنا کہ پہلا جملہ تو واقعہ غار سے متعلق ہے اور دوسرا ٹکڑا جہاں لشکر کے آنے کا ذکر ہے جنگ احد یا جنگ بدر یا جنگ احزاب سے متعلق ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے ایک ایسا لغو کلام ہے جو التفات کے قابل نہیں ہے۔ اور خدا کے کلام کے ساتھ ایک قسم کی بے ادبی ہے کہ اپنی مرضی کے موافق جہاں سے چاہا توڑا اور جہاں چاہا جا جوڑا ✦

اسی طرح خدا تعالےٰ نے سورہ توبہ میں فرمایا "ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین و انزل جنودا لم تروھا وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکافرین" سکینہ کی تفصیل "جنودا لم تروھا" واقع ہوئی ہے اور اُن دونوں سے مراد صرف سکینہ ہے

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۱۳)	یہ اس لئے کہ انہوں نے برخلافی کی اللہ اور اس کے رسول کی۔ اور جو کوئی برخلافی کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو بیشک اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے (۱۳)

نہ اور کچھ۔

اسی مضمون کی آیت سورہ احزاب میں ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے "یا ایہا الذین امنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیہم ریحا وجنودا لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیرا"۔

اس سے بھی عمدہ طریقہ پر اس مضمون کو سورہ فتح میں بیان کیا ہے جہاں فرمایا ہے "ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم و للہ جنود السموات والارض وکان اللہ عزیزا حکیما" اسی انزال سکینہ کو خدا نے اپنے لشکروں سے تعبیر کیا ہے۔ پس بدر کی لڑائی میں بھی نہ جنگجو مجسم و متحیز بالذات فرشتوں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا نہ ایسے فرشتے بھیجے تھے بلکہ صرف مسلمانوں کے دلوں کو اور ان کے قوائے جنگ کو صرف خوشخبری فتح سے تقویت دینے کا وعدہ تھا جس کو خدا نے پورا کیا اور قلیل جماعت کو کثیر جماعت پر فتح دی۔

اہل عرب زمانہ جاہلیت میں بہت سے قوائے غیر مرئیہ کو مربی انسان اور دنیا میں کارکن سمجھتے تھے ملائکہ کو بھی وہ ایک قوت غیر مرئیہ جانتے تھے اور گو وہ اس بات کے قائل تھے کہ ان میں مجسم مرئی ہو جانے کی بھی طاقت ہے مگر یہ نہیں تھا کہ ملائکہ کا مفہوم بغیر اس کے کہ وہ انکو مجسم و مرئی سمجھیں ان کے ذہن میں نہیں آتا تھا۔ انہی آیتوں میں جہاں خدا تعالیٰ نے لفظ "جنودا لم تروھا" کا استعمال کیا ہے اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اس زمانہ کے عرب قوائے غیر مرئیہ کو کارکن سمجھتے تھے پس یہ کہنا کہ جو معنی آیت کے ہم نے بیان کئے ہیں (اگرچہ ایسا کہنا ہم پر تہمت ہے کیونکہ ہم نے نہیں بنائے بلکہ خود خدا نے بیان کئے ہیں) وہ معنی نہ اس زمانہ کے عرب جاہلیت سمجھتے تھے نہ صحابہ کرام محض غلط ہے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ بغیر کسی فرضی شکل و صورت کے ان کے ذہن میں فرشتوں کا خیال ہی نہیں آسکتا۔ مگر عرب جاہلیت کا ایسا خیال نہ تھا۔ بیشک فرشتوں میں وہ مجسم ہونے و مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کی طاقت سمجھتے تھے مگر بلا خیال شکل و صورت و تحیز کے بھی ان کے ذہن میں فرشتوں کا خیال تھا جس کو ہم نے بلفظ قوائے تعبیر کیا ہے۔ گو اس زمانہ کے مسلمان آیت کے معنی سمجھنے

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾	یہ ہے تم کو۔ پھر چکھو اس کو اور بیشک کافروں کے لئے ہے عذاب آگ کا ﴿۱۴﴾

کے قابل نہ ہوں مگر اس زمانہ کے عرب بلاشبہ اس قابل تھے ✦

اب باقی رہی بحث نسبت عدد ملائکہ کے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے مقامات میں عدد کے ذکر کرنے سے خاص عدد معین مقصود نہیں رہتا بلکہ اس امر کا تحمل ہوتا جس کی نسبت عدد کا بیان ہوا ہے مقصود ہوتا ہے علاوہ اس کے عددوں کا بیان مختلف مواقع پر ہوا ہے جس کے سبب کچھ اختلاف آیتوں میں نہیں ہے۔ اسی سورہ کی چوتھی آیت کی تفسیر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے اور قریش مکہ کے مقابلہ میں نکلنے کا ارادہ تھا تو ایک گروہ مسلمانوں کا بسبب کثرت مخالفین کے خائف تھا اور وہ ان کے مقابلہ میں لڑنے کو جانا ناپسند کرتا تھا۔ اس وقت مسلمانوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ " الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثۃ الاف من الملائکۃ منزلین- بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ مسومین (سورۂ آیت ۱۲۰ و ۱۲۱) یعنی کیا تم کو قریش مکہ کے مقابلہ کے لئے یہ بھی کافی نہ ہوگا کہ خدا تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے بلکہ اگر تم لڑائی میں صبر کرو اور خدا سے ڈرو اور وہ ابھی تم پر آن پڑیں تو خدا پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا پس رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا صرف ان لوگوں کی طمانیت اور جرأت بڑھانے کے لئے تھا اور اس سے کسی عدد خاص کا تعین مقصود نہ تھا ✦

مگر جب مسلمان بمقابلہ قریش مکہ بدر میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش مکہ کے لشکر میں ہزار آدمی لڑنے والے ہیں جن کے مقابلہ کے لئے ہزار فرشتوں سے مدد دینے کی بشارت دینا کافی تھا اس لئے پروردگار نے فرمایا " انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین " اور اسی کے ساتھ بتلادیا کہ یہ کہنا یا وعدہ کرنا صرف فتح کی خوشخبری ہے تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوجاویں: یہ کہ ہزار فرشتے سپاہی بنکر تمہارے ساتھ لڑنے کو آوینگے نتیجہ اس سب کا یہ نکلا کہ میں تمہارے دلوں کو ہزار آدمی کے لشکر کے برابر تقویت اور جرأت دیدونگا جس کے سبب تم ان کا مقابلہ کرسکوگے ✦

(۱۱) اذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ ہم نے سورۂ آل عمران کی تفسیر میں نسبت نعاس کی کافی بحث کی ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اس مقام پر باقی آیت کی نسبت ہم کو تفسیر لکھنی ہے ✦

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو جس وقت کہ تم بھڑ جاؤ ان لوگوں سے جو کافر ہوئے اکٹھے ہو کر پھر ان سے پیٹھ مت پھیرو ﴿۱۵﴾

خدا نے فرمایا ہے " وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ ویذھب عنکم رجز الشیطان " ہمارے مفسروں نے ان سیدھے وصاف لفظوں کی ایسی ناپاک تفسیر کی ہے جس سے تعجب ہوتا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام لشکر سو گیا تھا اور شیطان سب کے پاس آیا اور سب کو احتلام ہو گیا ۔ اس لئے خدا نے مینہ برسایا تاکہ نہا دھو کر جنابت سے پاک ہو جاویں ✦

مگر یہ تمام باتیں محض لغو و خرافات ہیں اور قرآن مجید میں ایسا ناپاک مضمون نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاً مدینہ سے مکہ کی طرف کوچ کیا اور رستے راہ میں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں مکہ کے رستہ کو چھوڑ کر بدر کی جانب پھر ے ۔ اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا کہ اس قدر منزلیں طے کرنے میں تمام لوگ گرد آلود ہو تھے ان کے کپڑے میلے کچیلے ہو گئے تھے اور رستہ میں پانی کی بے انتہا تکلیف اٹھائی تھی ۔ بدر میں ان کو کافی پانی کے ملنے کی توقع تھی مگر جب وہ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ پانی کے چشمہ پر قریش نے قبضہ کر لیا ہے ۔ ایسی حالت میں جس قدر پریشانی اور نا امیدی مسلمانوں کو ہوئی ہو گی اس کا اندازہ ہر شخص جو کسی قدر سمجھ رکھتا ہے کر سکتا ہے ۔ بلا شبہ وہ نہایت مضطر ہوئے ہو نگے جیسے کہ " اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم " سے ظاہر ہوتا ہے اور اگرچہ ان کو مدینہ سے کوچ کرتے وقت فتح کی بشارت مل چکی تھی مگر ان کے دل میں شیطانی وسوسہ آیا کہ ایسی حالت میں کہ پانی پینے کو بھی میسر نہیں اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے فتح ہونا ناممکن ہے ۔ ایسی تنگ حالت میں خدا نے مینہ برسایا تاکہ وہ نہا دھو کر میل کچیل سے پاک صاف ہو جائیں اور جو وسوسہ فتح نہ ہونے کا پانی نہ ملنے کے سبب سے شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالا تھا وہ دور ہو جاوے پانی پی پی کر تر و تازہ ہوں ان کے دل مضبوط ہو جاویں اور لڑائی میں ثابت قدم رہیں ۔ ایسی سیدھی وصاف آیت کو جو بالکل واقعات کے مطابق ہے ہمارے مفسرین نے ایسے ناپاک طریقہ پر اُسے محمول کیا ہے کہ بجز اس کے کہ خدا ان کو معاف کرے اور کچھ نہیں کہا سکتا ۔ وہ بزرگ یہ بھی نہیں سمجھے کہ اگر طہارت سے طہارت شرعی مراد تھی تو اس کے لئے پانی ہی کی کیا ضرورت تھی اس کے لئے تو تیمم ہی کافی تھا اور یہ کہنا کہ گو تیمم شرعی طہارت ہے مگر بغیر نہائے انسان کے دل میں نجاست کا خیال رہتا ہے ان لوگوں کا کام ہے جن کو

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اور جس شخص نے کہ اُس دن اُن سے اپنی پیٹھ پھیری بجز اس کے کہ لڑائی کے لئے پیترا بدلنے والا ہو یا کسی گروہ کے پاس جگہ لینے والا۔ تو بیشک وہ پھر آیا غضب میں اللہ کے اور اسکی جگہ جہنم ہی اور بری جگہ جانے کی ہے ﴿۱۶﴾

احکام شرعی پر پورا ایمان نہیں ہے نہ صحابہ کا +

(۱۷) (فلم تقتلو هم) ۔ بدر کی لڑائی میں جب مسلمانوں کی باوجود جماعت قلیل ہونے کے فتح ہوئی اور دشمن مارے گئے تو اللہ تعالےٰ نے تمام مجاہدین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اُن کو قتل کیا۔ پھر خاص پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تو نے دشمنوں کو تیر نہیں مارے بلکہ خدا نے مارے ۔ جس طرح خدا تعالےٰ ہر ایک فعل کو جو کسی ظاہری سبب سے ہو بسبب علۃ العلل ہونے کے اپنی طرف منسوب کرتا ہے اسی طرح اس مقام پر بھی مجاہدین کے افعال اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔ جیسے کہ اس سے پہلے فرمایا تھا ” وما النصر الا من عند الله “ +

اس آیت میں تمام مفسرین نے ” رمی “ سے باوجودیکہ سیاق کلام اور مقتضائے مقام سے علانیہ تیر مارنا سمجھا جاتا ہے تیر مارنا مراد نہیں لیا ہے بلکہ ایک روایت کی بنیاد پر جس کو خود ذیل کر کے بیان کیا ہے جو خود دلیل اس کے غیر معتبر یا ضعیف وغیر ثابت ہونے کی ہے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک کی دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینکی اور خدا کی قدرت سے اُس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ دشمنوں کے لشکر کے ہر ایک شخص کی آنکھ میں جا پہنچی۔ وہ تو آنکھیں ملنے لگے اور مسلمانوں نے اُن کو مار کر قیمہ کر دیا اور مسلمانوں کی فتح ہوگئی +

یہ طریقہ تفسیر کا اُسی عجائب پسندی پر مبنی ہے جو ہمارے مفسرین نے بتقلید یہود مذہب اسلام میں جو نہایت سیدھا اور صاف ہے اختیار کیا ہے ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ لڑائی کے موقع کا بیان ہے اُس زمانہ کے عرب تلوار و تیر و کمان اور برچھی سے لڑتے تھے یہی ان کے ہتھیار تھے پھر ” رمی “ سے تیر اندازی کے معنی چھوڑ کر مٹھی بھر خاک پھینکنے کے معنی لینے کس طرح پر درست ہو سکتے ہیں۔ بعض مفسرین نے ” رمی “ سے مٹھی بھر خاک پھینکنا مراد نہیں لیا بلکہ تیر کا ہی مارنا مراد لیا ہے مگر کہتے ہیں کہ یہ آیت بدر کی لڑائی سے متعلق

پھر تم نے اُن کو نہیں مارا و لیکن اللہ نے اُن کو مارا۔ اور تو نے نہیں پھینک مارا جب کہ تو نے پھینک مارا و لیکن اللہ نے پھینک مارا تاکہ امتحان کرے اُس سے ایمان والوں کا اچھا امتحان بےشک اللہ سننے والا ہے جاننے والا (١٧)	فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (١٧)

قال بعضهم۔ انها نزلت یوم خیبر۔ روی انه علیه السلام اخذ قوسا وهو علی باب خیبر فرمی سهما فاقبل السهم حتی قتل ابن ابی الحقیق وهو علی فرسه فنزلت "وما رمیت اذ رمیت ولکن الله رمی" (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۷)۔

نہیں ہے بلکہ خیبر کی لڑائی سے متعلق ہے اُس لڑائی میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کمان میں تیر جوڑ کر مارا تھا جو ابن ابی الحقیق کو جا لگا اور وہ مر گیا اُس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" مگر اُن حضرات سے پوچھنا چاہئے کہ جو آیت خاص بدر کی لڑائی کے قصہ میں نازل ہوئی ہے اُس کو خیبر کی لڑائی کے قصہ میں لیجانے کی کیا ضرورت ہے اور بدر کی لڑائی میں "رمی" سے "رمی السهم" مراد لینے میں کیا قباحت ہے ✦

بعض مفسرین نے اس آیت کو بدر ہی کی لڑائی سے متعلق رکھا ہے اور "رمی" سے مٹھی بھر خاک پھینکنا مراد نہیں لیا بلکہ ہتھیار چلانا مراد لیا ہے اور ابی ابن خلف کے قتل سے متعلق کیا ہے اور کہا ہے کہ جب وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا تو "رماه بحربة فكسر ضلعا من اضلاعه فحمل فمات ببعض الطريق في ذلك نزلت الآية" (تفسیر کبیر) ✦

غرضکہ مٹھی بھر خاک پھینکنے کی روایت غیر صحیح و موضوع ہے اور بعض مفسرین بھی اس کو صحیح نہیں سمجھتے صاف صاف معنی آیت کے یہی ہیں کہ اُس لڑائی میں مسلمان کافروں سے لڑے تھے اُن کو قتل کیا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی بذات خاص لڑائی میں شریک تھے اور تیر و کمان سے کافروں کا مقابلہ فرماتے تھے جس کے سبب خدا نے فتح دی اور مسلمانوں سے فرمایا "فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم" اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا "وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى"

(١٩) (ان تستفتحوا) اس آیت میں جو کچھ بحث ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ کون لوگ اُس کے مخاطب ہیں۔ مفسرین نے اس کا مخاطب کافروں کو ٹھیرایا ہے اور سمجھا ہے باوجودیکہ فریق کی شکست ہونے کے "فقد جاءكم الفتح" کہنا تعریض ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تفسیر کلام سے خالی نہیں ہے جیسا اوپر کی آیتوں میں اور مابعد کی آیتوں میں مسلمان مخاطب ہیں اور اُن کی فتح

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾	یہ ہے تم کو اور بیشک اللہ بودا کر دینے والا ہے کافروں کے مکر کو ﴿۱۸﴾

ہوئی تھی ہیں " فقد جاء کم الفتح " سے کافروں کو مخاطب کرنا ٹھیک نہیں ہے +

بدر کی لڑائی میں کافروں کی شکست ہونے کے بعد اُن کا تعاقب نہیں کیا گیا تھا اور اُن کا تعاقب نہ کرنا خدا کو پسندیدہ تھا۔ پس خدا تعالیٰ مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ اگر تم فتح چاہتے تھے تو تمہارے پاس فتح آئی اور اگر تم اسی پر بس کرو یعنی کافروں کا تعاقب نہ کرو تو بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر دو بارہ تم کو لڑنا پڑے تو میں دوبارہ تمہاری مدد کرونگا اور بغیر خدا کی مدد کے تمہارا گروہ تم کو کچھ بھی کفایت نہ کریگا گو کہ زیادہ ہو " وان اللہ مع المومنین " یعنی اور بیشک اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے یعنی مسلمانوں کا مددگار ہے اور اسی کی مدد سے فتح ہوتی ہے +

﴿۲۹﴾ (یا ایھا الذین امنوا) بدر کی لڑائی کے بعد خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک اور بڑی فتح کی بشارت دی جو کافروں یعنی قریش مکہ اور مسلمانوں میں فیصلہ کر دینے والی ہو جس سے فتح مکہ کی مراد ہے اور اسی فتح کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو پرہیزگاری کرو اللہ کی وہ کریگا تمہارے لئے فیصلہ کر دینے والی فتح " اور اسی بشارت کے ساتھ قریش مکہ سے لڑنے کی اجازت دی جہاں فرمایا ہے .. و قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ " یعنی اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین بالکل اللہ کے لئے ہو " +

﴿۳۰﴾ (واذ یمکر بك) اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں خدا تعالیٰ قریش مکہ کے حالات اور اُن کے برتاؤ کو بیان کرتا ہے جو وہ قبل ہجرت کے مکہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ برتتے تھے۔ یہ سب آیتیں نہایت صاف ہیں صرف چند آیتیں تفسیر طلب ہیں جن کی تفسیر ذیل میں لکھی جاتی ہے +

﴿۳۲﴾ (واذ قالوا) اس آیت میں جو یہ الفاظ ہیں " فامطر علینا حجارۃ من السماء " ان سے تخصیص آسمان سے پتھر برسانا مراد نہیں ہے بلکہ عموماً عذاب آسمانی یا آفت و مصیبت مراد ہے۔ " امطر " کا استعمال عذاب کے معنوں میں ہوتا ہے قال صاحب الکشاف " وقد کثر الامطار فی معنی العذاب " اور امطار الحجارۃ اور رمی بالحجارۃ دونوں کا ایک مقصد ہے اور اس سے داہیۂ عظیمہ کا واقع ہونا مراد ہوتا ہے پس قریش مکہ کا جو قول اس آیت میں منقول ہے اُس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اے خدا اگر قرآن سچ ہے اور تیرے پاس سے آیا ہے تو ہم پر کوئی آسمانی عذاب نازل کر یا کوئی اور سخت عذاب بھیج اور ان الفاظ سے اُن کا

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ (۱۹) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ (۲۰) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (۲۱) إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (۲۲) وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ (۲۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (۲۴) وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۲۵)

اگر تم فتح چاہتے تھے تو بیشک تمہارے پاس فتح آ گئی اور اگر تم بس کرو تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم دوبارہ (لڑنے کو) آؤ گے ہم دوبارہ (مدد کرینگے) اور ہرگز نہ کفایت کریگا تم کو (یعنی بغیر ہماری مدد کے) تمہارا گروہ کچھ بھی گو کہ زیادہ ہو اور کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے (۱۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مت پھرو اس سے اور تم سنتے ہو (۲۰) اور مت ہو ان لوگوں کی مانند جنھوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے تھے (۲۱) بیشک زمین پر چلنے والوں میں سب سے زیادہ شریر اللہ کے نزدیک بہرے گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے (۲۲) اور اگر جانتا اللہ ان میں کچھ بھلائی تو سنوا دیتا ان کو تو البتہ پھر جاویں اور وہ (اس سے) منہ پھیرنے والے ہیں (۲۳) اے لوگو جو ایمان لائے ہو قبول کرو اللہ کو اور رسول کو جب کہ تم کو بلاتے اس لئے کہ زندہ کرے تم کو اور جان لو کہ اللہ حائل ہوتا ہے درمیان آدمی کے اور اس کے دل کے اور کہ وہ اس کے پاس اکٹھا کیے جاؤ گے (۲۴) اور ڈرو اس فتنہ سے کہ نہ پہنچے ان لوگوں کو جو ظلم کرتے ہیں تم میں سے صرف اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے (۲۵)

مطلب قرآن کے حق ہونے سے انکار کرنے کا تھا ۔

(۳۳) (وما کان اللہ) اس آیت میں جو یہ الفاظ ہیں "وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" اس میں عذاب کو کسی خاص قسم کے عذاب سے مقید و مخصوص نہیں کیا اس لئے اس بات پر غور کرنی ضرور ہے کہ اس عذاب سے کس قسم کا عذاب مراد ہے۔ اگلی اور پچھلی تمام آیتوں پر غور کرنے سے اور خصوصاً ستیسویں آیت پر لحاظ کرنے سے جس میں ایک فیصلہ کن یا الٰہی فتح کی

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۲۶) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۲۷) وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (۲۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (۲۹) وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (۳۰) وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (۳۱) وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۲)

اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے ضعیف گنے جاتے تھے زمین میں (یعنی مکہ میں) ڈرتے تھے کہ تم کو اُچک لیجاویں لوگ (دشمن) پھر (ہجرت کے بعد) جگہ دی تم کو (یعنی مدینہ میں) اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو پاکیزہ چیزوں سے تاکہ تم شکر کرو (۲۶) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خیانت مت کرو اللہ کی اور رسول کی اور (مت) خیانت کرو اپنی امانتوں کی اور تم جانتے ہو (۲۷) اور جان لو کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے اور کہ اللہ اس کے پاس ہے اجر عظیم (۲۸) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم پرہیزگاری کرو گے اللہ کی تو کر دیگا تمہارے لئے حق و باطل میں فرق کر دینے والی (یعنی فتح) اور مٹا دیگا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دیگا تم کو اور اللہ بڑے فضل والا ہے (۲۹) اور یاد کر جب کہ تیرے ساتھ مکر کرتے تھے وہ لوگ جو کافر ہوئے تاکہ تجھ کو قید کر رکھیں یا تجھ کو قتل کر دیں یا تجھ کو جلا وطن کر دیں۔ وہ (تیرے ساتھ) مکر کرتے تھے اور خدا (ان کے ساتھ) مکر کرتا تھا اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے (۳۰) اور جب ان کو پڑھ سنائی جاتی ہیں ہماری آیتیں کہتے ہیں ہم نے سنا۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس کے مانند کہیں۔ یہ کچھ نہیں مگر کہانیاں اگلوں کی (۳۱) اور جبکہ انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہی حق ہے تیرے پاس کا تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے یا ڈال ہم پر کوئی اور عذاب دکھ دینے والا (۳۲)

بشارت دیکھی ہے اور چالیسویں آیت پر لحاظ کرنے سے جس میں قریش مکہ سے لڑنے اور ان کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور چونتیسویں آیت پر غور کرنے سے جس میں قریش کو عذاب

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۷﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾

اور اللہ کے لئے نہیں ہے کہ اُن کو عذاب کرے اور تو اُن میں ہے ۔ اور اللہ کے لئے نہیں ہے کہ اُن کو عذاب کرے اور وہ استغفار کرتے ہوں (۳۳) اور کیا ہے اُن کے لئے کہ نہ عذاب کرے اُن کو اللہ اور وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام (یعنی کعبہ میں جانے) سے اور وہ اُس کے ولی ہونے کے لائق نہیں ہیں اُس کے ولی ہونے کے لائق کوئی نہیں ہے سوائے پرہیزگاروں کے لیکن اکثر اُن میں کے نہیں جانتے (۳۴) اور نہیں ہے اُنکی نماز کعبہ کے پاس بجز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے ۔ پھر چکھو عذاب کو بسبب اس کے کہ تم کفر کرتے تھے (۳۵) بیشک جو لوگ کافر ہوئے خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو تاکہ روکیں (مسلمانوں کو) خدا کی راہ سے ۔ پھر خرچ کرینگے اُس کو پھر وہ (خرچ کرنا) ہوگا اُن پر پچھتانا پھر مغلوب ہو جاوینگے (۳۶) اور جو لوگ کافر ہیں جہنم کی طرف اٹھا کر لے جاوینگے (۳۷) تاکہ جُدا کردے اللہ ناپاک کو پاک سے اور کردے ناپاک کو ایک کو اوپر دوسرے کے پھر ڈھیر لگادے اُس کا اکٹھا پھر ڈالدے اُس کو جہنم میں یہ لوگ وہی ہیں نقصان اُٹھانے والے (۳۸) کہدے اپنے پیغمبر اُن لوگوں سے جو کافر ہیں کہ اگر وہ بس کریں تو اُن کو بخشدیا جاویگا جو کچھ کہ گذرا اور اگر وہ پھر کرینگے تو بیشک گذرا ہے طریقہ پہلوں کا (یعنی اُسی طرح اُن کے ساتھ بھی کیا جاویگا) (۳۹)

دینے کی وجہ بیان کی ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت میں عذاب سے لڑائی میں شکست پانے اور مارے جانے کا عذاب مراد ہے اور اس مطلب کو الفاظ "وانت فیہم" زیادہ تر روشن کردیتے ہیں کیونکہ جب تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف رکھتے تھے تو قریش سے جو مکہ کے حاکم تھے لڑنا اور اُن کو قتل کرنا واجب تھا ۔ مگر جب وہاں سے آنحضرت صلعم

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۴۰) وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ (۴۱) وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۴۲) إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا (۴۳) لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (۴۴)

اور لڑو اُن سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (یعنی کافروں کا غلبہ) اور دین بالکل اللہ کے لئے ہو پھر اگر وہ بس کریں تو بیشک اللہ اُس کو جو وہ کرتے ہیں دیکھنے والا ہے (۴۰) اگر وہ پھر جاویں تو جان لو کہ بیشک اللہ تمہارا مددگار ہے اچھا مددگار اور اچھا مدد کرنیوالا (۴۱) جان لو کہ جو کچھ لڑائی میں تمہارے ہاتھ کوئی چیز آئی ہے تو بیشک اُس کا پانچواں حصہ اللہ کیلئے اور رسول کے لئے اور قرابتمندوں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اُس پر جو بھیجا ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ (یعنی فتح) کے دن جس دن کہ بھڑ گئی تھیں دو جماعتیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۴۲) جس وقت کہ تم تھے ورلے کنارہ پر اور وہ تھے پرلے کنارہ پر اور قافلہ تھا تم سے نیچے (یعنی سمندر کے کنارہ پر) اور اگر تم (اُس مقام پر لڑنے کا) وعدہ کر لیتے تو البتہ تم وعدہ خلافی کرتے ولیکن (یہ اس لئے ہوا) تاکہ پورا کردے اللہ اُس کام کو جو کرنے کو تھا (۴۳) تاکہ ہلاک ہووے وہ جو ہلاک ہوا حجت قائم ہونے کے بعد اور زندہ رہے وہ جو زندہ رہا حجت قائم ہونے کے بعد بیشک اللہ سننے والا ہے جاننے والا (۴۴)

نے اور مسلمانوں نے ہجرت کرلی تو اب اُن سے لڑنا اور اُن کو قتل کرنا واجب نہیں رہا۔

چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس آیت کے بعد کی آیت میں فرمایا کہ "وما لھم الا یعذبھم اللہ وھم یصدون عن المسجد الحرام" یعنی اب اُن کے لئے کیا ہے کہ اللہ اُن کو عذاب نہ دے اور وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ میں آنے سے +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ قریش مکہ کا مسجد حرام میں آنے سے روکنا اُن کے عذاب کا سبب تھا پس وہ عذاب بجز اس کے کہ لڑائی میں شکست پانے کا عذاب ہو اور کوئی نہیں ہو سکتا +

ثم بین تعالیٰ ما لاجلہ یعذبھم فقال وھم یصدون عن المسجد الحرام (تفسیر کبیر)

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۗ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

جب تجھے دکھلایا اُن کو اللہ نے تیرے خواب میں تھوڑے سے اگر تجھے دکھلاتا اُن کو بہت سے تو بیشک بزدلی کرتے اور بیشک کام میں جھگڑا کرتے ولیکن اللہ نے محفوظ رکھا بیشک وہ جاننے والا ہے دل کی بات کو (۴۳) اور جب تمہیں دکھا دیا اُن کو جب کہ تم جا بھڑے۔ تمہاری آنکھوں میں تھوڑے سے اور تم کو تھوڑے سے (دکھلایا) اُن کی آنکھوں میں تاکہ پورا کرے اللہ کام کو جو کرنا تھا (۴۴) اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم جا بھڑو ایک گروہ سے تو ثابت (قدم) رہو اور یاد کرو اللہ کو بہت سا تاکہ تم فلاح پاؤ (۴۵) اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور آپس میں مت جھگڑو کہ بزدل ہو جاؤ اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۴۶) اور مت ہو اُن لوگوں کی مانند جو نکلے اپنے گھروں سے اِترا کر اور لوگوں کے دکھلانے کو اور وہ روکتے ہیں اللہ کے رستہ سے اور اللہ اُس کو جو وہ کرتے ہیں گھیر لینے والا ہے (۴۷)

علاوہ اس کے قرآن مجید میں لڑائی میں قتل ہونے کو عذاب سے تعبیر کیا ہے

قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم ویخزھم وینصرکم علیھم ویشف صدور قوم مومنین۔ (سورۃ توبہ آیت ۱۴)

چنانچہ سورۃ توبہ میں فرمایا ہے۔ مارو اُن کو عذاب دیگا اُن کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے اور خوار کریگا اُن کو اور مدد کریگا تمہاری اور چین دیگا دلوں کو ایمان والوں کی ایک قوم کے ٭

مفسرین نے بھی اس عذاب سے لڑائی میں شکست پانے اور قید و قتل ہونے کا عذاب مراد لیا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالٰے نے بتلایا ہے کہ اُن کو عذاب

قال ابن عباس - وما ھم ان لا یعذبھم اللہ واعلم انہ تعالٰی بین فی الاٰیۃ الاولٰی ان لا یعذبھم ما دام رسول اللہ فیھم

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۰﴾ إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۵۱﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۵۲﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۵۳﴾

اور جب اچھا کر دکھایا اُن کے لئے شیطان نے اُن کے عملوں کو اور کہا نہیں ہے کوئی غالب تم پر لوگوں میں سے آج کے دن اور بیشک میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب آمنے سامنے ہوئے دونوں گروہ تو الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور کہا کہ بیشک میں الگ ہوں تم سے۔ بیشک میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے ﴿۵۰﴾ اور جب کہتے تھے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ دھوکا دیا ہے ان لوگوں کو اُن کے دین نے۔ اور جو شخص کہ توکل کرتا ہے اللہ پر تو بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ﴿۵۱﴾ سو اگر تو دیکھے جس وقت کہ روح قبض کرتے ہیں ان کی جو کافر ہیں فرشتے پیٹتے ہیں ان کے منہوں کو اور اُن کی پیٹھوں کو اور (کہتے ہیں) چکھو جلنے کا عذاب ﴿۵۲﴾ یہ اس کا بدلہ ہے جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور بیشک اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر ﴿۵۳﴾

ذکر فی ھذہ الآیۃ انہ لا یعذبھم اذا اخرج الرسول من بینھم ثم اختلفوا فی ھذا العذاب فقال بعضھم ھو العذاب المتوعد بہ یوم بدر وقیل بل یوم فتح مکۃ (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۸۰) +

نہ دیگا جب تک کہ خدا کا رسول اُن میں ہے اور اس آیت میں فرمایا کہ اُن کو عذاب دیگا کہ جب خدا کا رسول اُن میں سے نکل آیا ہے پھر علما نے اس عذاب میں اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا کہ بدر کی لڑائی میں وہ عذاب اُن کو ملا اور بعضوں نے کہا کہ مکہ کی فتح کے دن۔ غرضکہ ان علما نے عذاب سے لڑائی میں شکست پانے کا عذاب مراد لیا ہے +

...ب اس آیت کے ان لفظوں پر "وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون" غور باقی

وھم یستغفرون فی موضع الحال ومعناہ نفی الاستغفار عنھم ای لو کانوا ممن یؤمن ویستغفر من الکفر لما عذبھم کقولہ وما کان ربک لیھلک القری بظلم واھلھا مصلحون ولکنھم

رہگئی ہے تفسیر کشف میں لکھا ہے وھم یستغفرون سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ استغفار کرتے ہیں بلکہ اس سے نفی استغفار مراد ہے پس ان لفظوں کے معنی

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۵۴)	مانند کرتوت فرعون کی قوم کے اور اُن لوگوں کے جو اُن سے پہلے تھے کہ منکر ہوئے اللہ کی نشانیوں سے پھر پکڑ لیا اُن کو اللہ نے بسبب اُنکے گناہوں کے بیشک اللہ زبردست ہے سخت عذاب کرنیوالا (۵۴)

لا یؤمنون ولا یستغفرون ولا یتوقع ذلک منہم (تفسیر کشاف صفحہ ۵۱۲) یہ ہیں درحالیکہ وہ استغفار کرتے تو خدا اُن کو عذاب نہ کرتا مگر وہ استغفار نہیں کرتے اس لئے اُن کو خدا عذاب دیگا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تمام علما صاحب کشاف کو علم ادب کا بہت بڑا عالم سمجھتے اور جو معنے اُنہوں نے بیان کئے ہیں اُس کو سب تسلیم کرینگے +

(۴۳) (اذ انتم) اس آیت میں نہایت صفائی سے خدا تعالےٰ نے اُن مقامات کا بیان کیا ہے جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کا لشکر موجود تھا اور جس راستہ سے ابوسفیان والا قافلہ نکل گیا تھا۔ اس آیت سے ہشامی کی روایت جو ابھی ہم لکھ آئے ہیں بخوبی تصدیق ہوتی ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ سمندر کے کنارہ ہوکر نکل گیا تھا +

مگر یہ الفاظ جو اس آیت میں ہیں کہ " ولو تواعدتم لاختلفتم فی المیعاد " اسکی تفسیر میں مفسرین نے غلطی کی ہے اُس غلطی کا سبب یہ ہے کہ ابتدا ہی سے اُن کو یہ غلط خیال ہوگیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارادہ قافلہ کے لوٹنے کا تھا۔ اور ہم نے خود قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت کردیا ہے کہ یہ خیال محض غلط ہے۔ پس اسی غلط خیال کے سبب وہ یہ سمجھے جیسے کہ تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے کہ قریش مکہ سے اتفاقیہ اور ناد انستہ لڑائی ہوگئی اور اگر اُن سے لڑائی کا وعدہ کیا جاتا تو وعدہ خلافی کرتے اس لئے کہ مسلمان بہت تھوڑے تھے اور قریش بہت زیادہ +

لو تواعدتم انتم واهل مكة على القتال لخالف بعضكم بعضا لقلتكم وكثرتهم ولكن ليقضي الله امرا كان مفعولا (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۰۰) +

مگر یہ رائے بالکل غلط ہے خود قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم خاص قریش مکہ کے مقابلہ کے لئے نکلے تھے بلکہ خدا کا حکم تھا کہ قریش مکہ ہی سے لڑو پس مذکورہ بالا تفسیر کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی اس آیت میں خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لشکر کا اور قریش مکہ کے لشکر کا مقام بیان کیا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں جیسا کہ تمام مفسرین اور مورخین قبول کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا

لانك عن عسكر الرسول عليه السلام في اول الامر كانوا في غاية الخوف والضعف بسبب القلة وعدم الاهبة ونزلوا بعيدين عن الماء وكانت الارض التي نزلوا فيها ارضا رملية تغوص فيها ارجلهم واما الكفار فكانوا في غاية القوة بسبب الكثرة في العدد وبسبب حصول الالات والادوات لا تقسم

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۵۵)	یہ اس لئے کہ بیشک اللہ نہیں ہے بگاڑنے والا کسی نعمت کو جس کو اس نے بخشا ہے کسی قوم پر یہاں تک کہ وہ لوگ بگاڑ دیں اُس کو جو اُن کے دلوں میں ہے بیشک اللہ سننے والا ہے جاننے والا (۵۵)

لشکر پانی سے دور اور خراب جگہ پر تھا اور قریش مکہ کا لشکر بہت اچھے مقام پر تھا اور پانی اُن کے قبضہ میں تھا۔ ایسے خراب مقام پر لڑائی ہوگئی پس خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر پہلے سے اس مقام پر لڑنے کا وعدہ کیا جاتا تو تم وعدہ خلافی کرتے اور اُس مقام کی خرابی دیکھ کر اُس مقام پر لڑنا منظور نہ کرتے لیکن اُسی جگہ لڑائی ہوگئی اور جو خدا کو کرنا منظور تھا وہ خدا نے کر دیا۔

كانوا قريبين من الماء ولان الارض التي نزلوا فيها كانت صالحة للمشي ولا تغير تحت الخلف فهو هذه كانت تستوعن تحتي المدة من العير عليهم ساعة فساعة ثم انه تعالى قلب القصة وعكس القضية وجعل الغلبة للمسلمين والدامغين للكافرين فصار ذلك من اعظم المعجزات واقوى البينات على صدق محمد صلى الله عليه وسلم فيما اخبرهم به من وعد النصر والفتح والظفر (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۰۰)

(۴۵) (اذ یریکھم اللہ) اس آیت میں مفسرین کو یہ شک پیش آئی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت سے لوگوں کو تھوڑا سا دکھلایا تو پیغمبر کا خواب خلاف واقع اور غلط ہوا حالانکہ پیغمبر کا خواب خلاف واقع اور غلط نہیں ہوتا۔ مگر یہ شبہ آیت کے معنی اور طرز بیان پر غور نہ کرنے کے سبب سے واقع ہوا ہے حالانکہ آیت میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر کوئی شبہ ہوسکے۔

تمام سیاق قرآن مجید کا اس طرح پر واقع ہے کہ خدا تعالیٰ بندوں کے افعال کو بسبب علت العلل ہونے کے اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خواب دیکھنے کو اپنی طرف نسبت کیا ہے کہ خدا نے اُن کو خواب میں دکھلایا تھوڑا۔ اس طرح پر کہنا قرآن مجید کے سیاق کے مطابق ان معنوں میں ہے کہ جب تو نے اُن کو خواب میں دیکھا تھوڑے سے اور اگر تو اُن کو دیکھتا بہت سے تو بیشک بزدلی کرتے اور کام میں جھگڑا کرتے۔

اس آیت کے بعد کی آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق ہوتی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ جب قریش مکہ سے مقابلہ ہوا تو مسلمانوں کی آنکھوں میں وہ تھوڑے سے معلوم ہوئے۔ "قلیلا" کا لفظ دونوں آیتوں میں واقع ہوا ہے۔ اگر پہلی آیت میں "قلیلا" کے لفظ سے شوکت اور عظمت و درجات میں قلیل لئے جاویں تو دوسری آیت میں بھی جب کہ مقابلہ ہوا "قلیلا" کے یہی معنی لئے جاوینگے۔ اور اگر پہلی آیت میں "قلیلا" کے لفظ سے قلیل فی العدد مراد لیجاوے تو دوسری آیت میں بھی قلیل فی العدد مراد لیجاویگی جس سے ظاہر ہوگیا ہے کہ

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۶﴾	مانند کرتوت فرعون کی قوم کے اور اُن لوگوں کے جو اُن سے پہلے تھے جھٹلایا اپنے پروردگار کی نشانیوں کو پھر ہم نے اُن کو ہلاک کیا بسبب اُن کے گناہوں کے اور ہم نے ڈبو دیا فرعون کی قوم کو اور ہر ایک کو جو ظلم کرنے والے تھے ﴿۵۶﴾

مقابلہ کے وقت کل لشکر قریش کے مقابلہ میں نہیں آیا تھا بلکہ اُن میں سے تھوڑے سے آدمیوں سے مقابلہ ہوا تھا جس کا سبب خود اس دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کیونکہ قریش مکہ نے دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھوڑے سے آدمی ہیں اس لئے انہوں نے بھی تھوڑے سے آدمیوں سے مقابلہ کیا اور جو امر کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا وہ سچا ہوا +

﴿۵۰﴾ (واذ زین لهم الشیطن اعمالهم) ہمارے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت بنکر جو بکر بن کنانہ کے سرداروں میں سے تھا مع اپنے ساتھ کے لوگوں کے قریش مکہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم تمہارے مددگار رہیں اور کہا کہ اب کوئی تم پر غالب نہیں ہونے کا اور اُس وقت حرث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ دئے ہوئے کھڑا تھا مگر جب اُس نے مسلمانوں کے لشکر میں حضرت جبرئیل کو اور اور فرشتوں کو دیکھا تو ہاتھ چھڑا کر بھاگا اور کہا کہ جو میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے۔ شیطان کا سراقہ بن مالک کی صورت بنکر آنے کی یہ دلیل لکھی ہے کہ جب کفار قریش مکہ کو چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ سراقہ کے آدمی بھاگ گئے۔ جب یہ خبر سراقہ کو پہنچی تو اُس نے کہا کہ خدا کی قسم مجھ کو تمہارا جانا معلوم بھی نہیں ہوا ابھی تمہاری شکست کی خبر مجھ کو پہنچی ہے۔ اُس وقت لوگوں نے کہا کہ وہ شخص جو سراقہ کی صورت میں آدمی لئے ہوئے تھا سراقہ نہ تھا بلکہ شیطان تھا۔ نہایت افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین نے کیسی لغو و بیہودہ اور بے سمجھ اور بے ٹھکانے باتوں کو قرآن کی تفسیر میں داخل کیا ہے اور اُن کو تفسیر کی بنیاد قرار دیا ہے خدا اُن پر رحم کرے۔ مگر حسن اور اصم دو مفسر ہیں کہ تو اُسے شیطان کسی آدمی کی صورت نہیں بنا تھا بلکہ اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تھا۔ پہلا قول تو محض لغو ہے اور

وذلك لان كفار قريش لما رجعوا الى مكة قالوا هزم الناس سراقة فبلغ ذلك سراقة فقال والله ما شعرت بمسيركم حتى بلغني هزيمتكم فعند ذلك تبين للقوم ان ذلك الشخص ما كان سراقة بل كان شيطانا ۔

(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۰۰)

ان الشيطان ليس بمستطاع من غيران يحول في صورة الانسان هو قول الحسن والاصم +

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۵﴾	بیشک بدترین زمین پر چلنے والوں اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہوئے پھر وہ نہیں ایمان لانے کے ﴿۵۵﴾

حسن اور اسم کا قول ایسا ہے جو تسلیم ہونے کے قابل ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے قریش کی حالت کو اُن کی زبان حال سے بیان فرماتا ہے۔ پہلی آیت میں جس غرور اور نکبر سے وہ لڑائی کے لئے نکلے تھے اُس کا اشارہ کیا اور دوسری آیت میں فرمایا کہ "زین لھم الشیطن اعمالھم" یعنی اُن کے نفس شریر نے اُن کے اعمالوں کو اچھا کر دکھایا اور اُن کے شریر نفس نے کہا کہ میں تمہارا حامی ہوں مگر جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو اُن کی جرأت اور ہمت جو کچھ تھی وہ پست ہو گئی اور آثار فتح و نصرت لشکر اسلام کے ظاہر ہوئے اور اُن کا نفس شریر پسپا

ومعنی الجار ھھنا الدافع عن صاحبه انواع الضرر کما یدفع الجار عن جاره والعرب تقول انا جار لک من فلان ای حافظ لک من مضرته فلا یصل الیک مکروه منه (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۰۰)

ہوا جس کو خدا تعالےٰ نے نہایت فصیح طور پر بیان فرمایا "فلما تراءت الفئتان نکص علی عقبیه وقال انی بری منکم انی اری ما لا ترون"۔ اور جب انسان کی نخوت اور غرور کے برخلاف امر واقع ہوتا ہے تو اُس کے نفس امارہ کو قدرتی طور پر خوف لاحق ہوتا ہے خصوصاً مواقع جنگ میں جہاں ہر طرح پر فتح کی امید ہو اور شکست ہو جاوے پس خدا تعالےٰ نے مشرکین کے نفس شریر کی اُس حالت کو ان لفظوں سے بیان کیا کہ "انی اخاف الله والله شدید العقاب" +

﴿۵۸﴾ (الذین عاھدت منھم) ظاہرا اس آیت میں بنی قریظہ کی طرف اشارہ ہے۔ اُن سے عہد تھا کہ وہ مسلمانوں سے نہ لڑینگے نہ اُن کے دشمنوں کی مدد اور اعانت کرینگے۔ مگر اُنہوں نے بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے برخلاف قریش مکہ کو ہتھیار دینے سے مدد کی اور اپنا عہد توڑ دیا۔ مگر پھر معافی چاہی اور کہا کہ ہم سے خطا ہوئی اور پھر دوبارہ عہد کیا۔ مگر خندق کی لڑائی میں پھر مشرکین سے برخلاف مسلمانوں کے ملگئے اور دوسری دفعہ اپنا عہد توڑ دیا +

﴿۶۶﴾ (یا ایھا النبی) اس آیت میں جو مضمون تحریض علے القتال ہے اُس کی نسبت سورہ توبہ میں ہم ایک مفصل گفتگو کرینگے اس مقام پر صرف خاص اس آیت کی تفسیر پر اکتفا کرتے ہیں +

مفسرین کہتے ہیں کہ اگرچہ نظم اس آیت کا بطور خبر کے ہے مگر اُس سے مراد امر ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم میں بیس آدمی لڑنے والے ہوں تو اُن کو صبر کرنا اور لڑنے میں جد وجہد اور کوشش کرنی چاہئے تاکہ دوسو لڑنے والے مخالفوں پر غالب آویں اور اس کے بعد کی آیت کو جس میں سو لڑنے والوں کا دوسو پر اور ہزار کا دو ہزار پر غالب آنے کا ذکر ہے پہلی آیت کا ناسخ قرار دیتے ہیں۔ مگر سیاق کلام اُس کے برخلاف ہے ان آیتوں میں مسلمانوں

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۳﴾

وہ لوگ جن سے تو نے عہد کیا ہے پھر وہ توڑ ڈالتے ہیں اپنا عہد ہر مرتبہ اور وہ پرہیزگاری نہیں کرتے ﴿۵۶﴾ پھر اگر تو اُن کو (جنہوں نے عہد کیا تھا) پکڑے لڑائی میں تو اُن کے ساتھ اس طرح پیش آ کہ اُس کے سبب سے پریشان کر دے اُن لوگوں کو جو اُن کے پیچھے ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿۵۷﴾ اور اگر تجھ کو اندیشہ معلوم ہو کسی قوم سے خیانت (یعنی بدعہدی) کا تو پھینک دے (یعنی اُن کا عہد) اُن کی طرف (اس طرح پر کہ تو اور وہ) برابر (یعنی یکساں حالت) پر ہوں۔ بیشک اللہ نہیں دوست رکھتا خیانت کرنے والوں کو ﴿۵۸﴾ اور یہ گمان نہ کریں وہ لوگ جو کافر ہوئے کہ وہ بھاگ نکلے۔ بیشک وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں ﴿۵۹﴾ اور تیاری کرو اُن کے لئے جو کچھ کہ تم کر سکو قوت سے یعنی ہتھیاروں سے اور گھوڑوں کے باندھنے سے یعنی مہیا کرنے سے ڈراؤ اس سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسروں کو جو اُن کے سوا ہیں کہ اُن کو تم نہیں جانتے اللہ اُنکو جانتا ہے۔ اور جو کچھ کہ تم خرچ کرو گے کسی چیز سے اللہ کی راہ میں پورا دیا جاویگا تم کو اور تم ظلم نہ کئے جاؤ گے ﴿۶۰﴾ اور اگر وہ جھکیں صلح کے لئے تو تو بھی جھک جا اُسکی طرف اور توکل کر اللہ پر بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا ﴿۶۱﴾ اور اگر وہ ارادہ کریں کہ تجھ کو فریب دیں تو بیشک کافی ہے تجھ کو اللہ وہ وہی ہے جس نے تائید کی تیری اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے ﴿۶۲﴾ اور ہمدردی ڈالدی آپس میں اُنکے دلوں میں اگر تو خرچ کر ڈالتا جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا تو بھی ہمدردی نہ ڈال سکتا آپس میں اُن کے دلوں میں لیکن اللہ نے ہمدردی ڈالدی اُن میں بیشک وہ غالب ہے حکمت والا ﴿۶۳﴾

کو تحریض علی القتال کی گئی ہے اور لڑائی میں ثابت قدم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ تعداد بیان کرنے سے کسی حد خاص کا معین کرنا مقصود نہیں ہے۔ یعنی اگر تم میں سے آدمی لڑائی میں ثابت

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (٦٥) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (٦٦) اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (٦٧) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰي حَتّٰي يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (٦٨) لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (٦٩) فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (٧٠) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓي اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (٧١)

اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ اور وہ جتنے تیری پیروی کی ہے مسلمان ہیں (۶۵) اے نبی رغبت دلا مسلمانوں کو لڑائی پر۔ اگر ہوں گے تم میں سے بیس صبر کرنے والے غالب آویں گے دو سو پر، اور اگر ہوں گے تم میں سے سو (ایسے ہی) تو غالب آویں گے ہزار پر اُن لوگوں میں سے جو کافر ہیں بسبب اس کے کہ وہ ایک قوم ہیں کہ نہیں سمجھتے (۶۶) اب ہلکا کیا اللہ نے تم سے اور جانا کہ تم میں ضعف ہے پھر اگر ہوں گے تم میں سے سو صبر کرنے والے غالب آویں گے دو سو پر اور اگر ہوں گے تم میں سے ہزار غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۶۷) نہیں ہے نبی کے لئے کہ ہوں اُس کے لئے قیدی یہاں تک کہ گھمسان کر دے زمین میں یعنی ملک میں۔ تم چاہتے ہو مال دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو اور اللہ غالب ہے حکمت والا (۶۸) اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے پہلے سے بیشک تم کو پہنچتا اُس میں جو تم نے لیا عذاب بہت بڑا (۶۹) پھر کھاؤ اُس میں سے جو تم نے غنیمت میں لیا ہے حلال طیب اور ڈرو اللہ سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۷۰) اے نبی کہہ دے اُن لوگوں کو جو کہ تمہارے ہاتھوں میں ہیں قیدی۔ اگر جانے گا اللہ کہ تمہارے دلوں میں ہے بھلائی تو دے گا تم کو بھلائی اُس سے جو لیا گیا تم سے اور بخشے گا تم کو۔ اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان (۷۱)

قدم ہوئے تو دو سو آدمیوں پر اور اگر سو ہوں گے تو ہزار پر غالب آویں گے۔ اس کہنے کے سادے معنی یہ ہیں کہ لڑائی میں صبر کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے تھوڑے سے آدمی بہت سوں پر غالب ہو جاتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں تھی بلکہ وہ مشرکین کے مقابلہ میں ہر طرح سے کیا بلحاظ تعداد کے

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۵﴾

اور اگر وہ ارادہ کریں گے تجھ سے خیانت کا تو بیشک انھوں نے خیانت کی تھی اللہ سے اس سے پہلے پھر قابو میں کر دیا (خدا نے تجھ کو) ان پر اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۷۲﴾ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ ہیں کہ ان میں کا دوست ہے دوسرے کا اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تو تم کو نہیں ہے ان کی دوستی سے کچھ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ تم سے دین میں مدد چاہیں تو تم پر ہے مدد کرنی مگر اس قوم پر کہ تم میں اور ان میں عہد ہے اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے ﴿۷۳﴾ اور جو لوگ کافر ہوئے ایک ان میں کا دوست ہے دوسرے کا اگر تم اس کو نہ کرو گے (جس کا حکم ہوا ہے) تو ہوگا فتنہ زمین میں - یعنی ملک میں اور فساد بڑا ﴿۷۴﴾ اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور جنھوں نے جگہ دی اور مدد کی یہ لوگ وہی ہیں ایمان والے ٹھیک ٹھیک - ان کے لیے ہے مغفرت اور رزق برکت والا ﴿۷۵﴾

اور کیا بلحاظ سامان لڑائی کے اور کیا بلحاظ آسایش و خوراک و قوت جسمانی کے نہایت ضعیف تھے - اس لیے خدا نے فرمایا کہ اس قدر تفاوت میں تخفیف کی جاتی ہے - تب بھی اگر تم ثابت قدم رہو گے تو دوگنے پر غالب آؤ گے - پس ان آیتوں میں سے کسی آیت میں تعین عدد خاص مراد نہیں بلکہ صرف تحریص علی القتال و ثبات فی القتال مراد ہے ◆

(۶۸) : ماکان لنبی) بدر کی لڑائی میں قریش مکہ کے تمام لشکر سے جو ان کے ساتھ آیا تھا لڑائی نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک گروہ سے جو لڑنے کو نکلا تھا لڑائی ہوئی تھی جیسا کہ اسی سورۃ کے واذ یریکموھم اذ التقیتم فی مندرجہ حاشیہ آیت سے ثابت ہوتا ہے - اس گروہ کو جو بلا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۷۶)	اور جو لوگ ایمان لائے بعد کو اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ تو وہ لوگ بھی تم میں سے ہیں اور قرابت والے بعضا ان میں کا قریب تر ہے بعضے سے اللہ کی کتاب میں۔ بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۷۶)

میں آیا تھا شکست ہوئی تھی اور تمام لشکر قریش کم کا ایسا پریشان ہوگیا تھا کہ کسی کو پھر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اور مسلمانوں نے اُن کا تعاقب بھی نہیں کیا۔ جیسے کہ خدا نے اسی سورت میں فرمایا "ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح وان تنتھوا فھو خیر لکم"، مگر قریش مکہ کے لشکر میں ستر آدمی بطور قیدی کے گرفتار ہو گئے تھے۔ اُن قیدیوں کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جاوے حضرت عمرؓ اور سعد ابن معاذ نے رائے دی کہ سب کو قتل کرنا چاہئے۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے چنانچہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا۔ فدیہ لینے پر خدا نے اپنی ناراضی ظاہر کی کیونکہ وہ لوگ بغیر لڑنے کے پکڑے گئے تھے اور اس لئے لڑائی کے قیدی جن سے فدیہ لیا جا سکتا نہیں تھے۔ اسی پر خدا کی ناراضی ہوئی اور خدا نے فرمایا "ماکان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض" جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اُن کے قتل نہ کرنے پر خدا کی ناراضی ہوئی تھی کسی طرح پر صحیح نہیں ہو سکتی اس لئے کہ خدا تعالے نے جب اُن کا قیدئے جنگ ہونا ہی نہیں قرار دیا تو اُن کے نہ قتل کرنے پر کیونکر ناراضی ہو سکتی تھی۔

(حاشیہ) اعینکم قلیلا ویقللکم فی اعینھم لیقضی اللہ امرا کان مفعولا والی اللہ ترجع الامور ۴۴

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ

بَرَآءَۃٌ	نڈر ہونا عہد کا ہے

(۱) (براءۃ) سورہ انفال اور سورہ توبہ کا ایسا قریب قریب مضمون ہے کہ اگر دونوں سورتوں کو ایک ہی سورۃ خیال کی جاوے تو کچھ مستبعد نہیں ہے۔ اور جب ہمارا یہ خیال ہے تو اس بات پر بحث کرنی کہ سورۃ توبہ کے اول بسم اللہ کیوں نہیں ہے غیر ضروری ہے اور نہ جس منشا سے ہم نے تفسیر لکھی ہے اُس سے علاقہ رکھتا ہے اس لئے ہم اس بحث کو چھوڑ دیتے ہیں +

سورہ انفال اور سورہ توبہ دونوں میں کافروں سے لڑنے اور اُن کو قتل کرنے اور مغلوب کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہی امر بحث کے قابل ہے جس کی نسبت مخالفین اسلام نے اپنی غلطی اور ناسمجھی سے اسلام کی نسبت مختلف پیرایوں میں اعتراض قائم کئے ہیں۔ اگرچہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے کافروں کے ساتھ جو کچھ کیا اور جس قدر اور جس طرح اُنھوں نے خدا کے حکم سے کافروں کو قتل اور غارت کیا۔ اگر اُس کا مقابلہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی لڑائیوں سے کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ وہ لڑائیاں بمقابلہ حضرت موسےٰ کی لڑائیوں کے خدا کی رحمت تھیں۔ پس جو لوگ توریت کو اور حضرت موسےٰ کو مانتے ہیں اُن کے لئے تو حضرت مسیح کا یہ قول کافی ہے کہ ”تو اُس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے کیوں دیکھتا ہے اور جو شہتیر کہ تیری آنکھ میں ہے اُسے دریافت نہیں کرتا“ مگر ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم صرف حجت الزامی پر اکتفا کریں بلکہ ہمارا مقصود ہر امر کو تحقیق کرنا اور اُس کی اصلیت کو ظاہر کرنا ہے اس لئے ہم اس امر کو بخوبی تحقیق کرنا چاہتے ہیں +

اس امر پر جو اعتراض جامع جمیع اعتراضات ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک بانئ مذہب کو جس کا موضوع سچی اور سیدھی راہ کا بتانا اور اُس کے نتیجوں کی خوشخبری دینا اور بد راہ کی برائی کو جتلانا اور اُس کے بد نتیجوں سے ڈرانا اور اپنی نصیحت اور وعظ سے انسانوں میں نیکی اور نیک دلی رحم اور صلح آپس میں محبت و ہمدردی کا قائم کرنا اور تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو اس راہ میں پیش آویں صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے نہ زبردستی سے اور ہتیاروں کے زور سے اور قتل و خونریزی سے اُس کو منوانا لازم ہے۔ پس اب ہم کو اسی امر کا تحقیق کرنا مقصود

مِنَ اللّٰہِ	امثلہ

ہے کہ کیا قرآن مجید میں ہتھیار اٹھانے کا حکم زبردستی سے اسلام منوانے کے لئے تھا؟ ✦

ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآن مجید سے اور تمام لڑائیوں سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوئیں بخوبی ثابت ہے کہ وہ لڑائیاں صرف امن قائم رکھنے کے لئے ہوئیں تھیں نہ زبردستی سے اور ہتیاروں کے زور سے اسلام منوانے کے لئے ✦

مکہ میں اہل مکہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو اور اُن مرد اور عورتوں کو جو مسلمان ہوگئے تھے ایذا پہنچانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا تھا۔ آنحضرت نے خود اور اُن کے پیرو مسلمان مرد عورت نے اُن تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو نہایت صبر وتحمل سے برداشت کیا تھا جن کے خیال سے تعجب آتا ہے کہ کیونکر برداشت ہوئی تھیں ✦

خاص آنحضرت کی نسبت منہ در منہ دشنام دہی کرنا اور بُرا کہنا اور تذلیل کرنا یہ تو ایک عام بات تھی جو روزمرہ ہوتی تھی معززین قریش کمینہ لوگوں کو اور اپنے غلاموں کو اشارہ کرتے تھے اور وہ ہر طرح سے آنحضرت کو ایذا پہنچاتے تھے ایک دفعہ اسی طرح اُن کمینہ لوگوں اور قریش کے غلاموں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا اور گالیاں دینی اور سخت وسست الفاظ کہکر غل مچانی شروع کی بہت سے آدمی جمع ہوگئے اور ایسی دھکا پیل ہوئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک احاطہ میں پناہ لینی پڑی ✦

اغروا به (محمد صلعم) سفهاءهم وعبيدهم يصيحون به حتى اجتمع اليه الناس الجوء الى حائط -
ابن ہشام صفحہ ۲۸۰

ابولہب ہمیشہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر نجاست اور نجس و بدبودار چیزیں ڈلوادیتا تھا ✦

ابولهب كان يطرح العذرة والنتن على باب النبي صلى الله عليه وسلم
تاریخ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰ ✦

ام جمیل ابی لہب کی بیوی اُس رستہ پر جہاں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت تھی کانٹے ڈلوا دیتی تھی ✦

انها (ام جميل امراة ابي لهب) كانت فيما بلغني تحمل الشوك فتطرحه على طريق رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث يمر
ابن ہشام صفحہ ۲۳۳

راہ چلنے کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر لوگ مٹی کوڑا کرکٹ ڈالدیتے تھے ✦

اعترضه (محمد صلے الله عليه وسلم) سفيه من سفهاء قريش فنثر على راسه ترابا
ابن ہشام صفحہ ۲۷۷

قریش نے آپس میں نہایت سخت عہد کیا تھا کہ کوئی شخص آنحضرت پاس نہ جائے اُن کے پاس نہ بیٹھے اُن کی بات نہ سُنے ایک دفعہ عتبہ جاکر آنحضرت پاس بیٹھا اور کچھ کلام سُنا اس کی خبر ابو جہل کو

وكان عتبة قد جلس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وسمع منه فلم يزل ذلك بيا فاتى عتبة فقال له ابو جهل يا عتبة

ورسوله	اور اُس کے رسول کی طرف سے

جالست محمدا وسمعت منه ثم قال وجهي من وجهك حرام ان اكلمك واستغلظ من اليمين ان انت جلست اليه وسمعت منه اولم تاته فتتفل في وجهه ففعل ذلك عدو الله عقبة بن ابي معيط (ابن هشام صفحه ۲۳۸)

پہنچی جو اُس کا بڑا دوست تھا وہ اُس کے پاس آیا اور کہا کہ مَیں نے سُنا ہے کہ تو آنحضرت پاس جا کر بیٹھا تھا اور اُن کی باتیں سُنیں تجھ تیری صورت مجھ کو دیکھنی اور تجھ سے بات کرنی حرام ہے اور مَیں اپنی قسم کو زیادہ سخت کرونگا اگر تو اب گیا اور اُن پاس بیٹھا اور اُن کی بات سُنی کیا تجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ اُن کے منہ پر تھوک دیتا چنانچہ اُس خدا کے دشمن نے ایسا ہی کیا ✦

جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اُن پر بھی نہایت ظلم ہوتا تھا اور سخت ایذا پہنچائی

وثب كل قبيلة على من فيها من مستضعفي المسلمين فجعلوا يحبسونهم ويعذبونهم بالضرب والجوع والعطش ورمضاء مكة والنار ليفتنوهم عن دينهم۔ (تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶)

جاتی تھی جہاں بیکس مسلمانوں کو دیکھتے تھے پکڑ لیتے تھے قید کرتے تھے مارتے تھے بھوکا پیاسا رکھتے تھے جلتی ریت میں ڈالدیتے تھے آگ سے جلا کر ایذا پہنچاتے تھے ✦

حضرت بلال کو عین دوپہر میں سورج کی تپش کے وقت امیہ بن خلف کبھی مُنہ کے

فصار بلال لامية بن خلف الجمحي فكان اذا حميت الشمس وقت الظهيرة يلقيه في الرمضاء على وجهه وظهره ثم يامر بالصخرة العظيمة فتلقى على صدره و يقول لا تزال هكذا حتى تموت وتكفر بمحمد (تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۶)

بل اور کبھی پیٹھ کے بل جلتے ریت پر ڈالدیتا تھا اور چت کرکے اُن کی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ مَیں تیرے ساتھ اسی طرح کئے جاؤنگا جب تک کہ تو مرجاوے یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر کرے ✦

ایک دفعہ اُنہوں نے عمار بن یاسر کو اور اُس کے باپ اور ماں کو جو مسلمان ہو گئے تھے

كانوا يخرجون عمارا وأباه وأمه الى الابطح اذا حميت الرمضاء يعذبونهم بحر الرمضاء فمر بهم النبي صلى الله عليه وسلم فقال صبرا آل ياسر فان موعدكم الجنة فمات ياسر في العذاب واغلظت امراته سمية القول لابي جهل فطعنها في قبلها فماتت وهي اول شهيد في الاسلام وشدد العذاب على عمار بالحر تارة و بوضع الصخر احمر على صدره اخرى و

پکڑ لیا اور دھوپ میں جلتے ریت پر ڈال دیا۔ اتفاقاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُس طرف سے گذرے اور اُن سے کہا کہ اے یاسر کے خاندان کے لوگو صبر کرو تمہاری جگہ جنت میں ہے حضرت یاسر تو اُسی سختی کی حالت میں مر گئے اور اُن کی بیوی سمیّہ نے ابوجہل کے ساتھ سخت کلامی کی ابوجہل نے جو ہتیار جو اُس کے ہاتھ میں تھا حضرت سمیّہ مظلومہ کی شرمگاہ میں مارا کہ وہ مرگئیں اور اس طرح وہ سب سے اول شہید ہوئی ہیں

اِلَی الَّذِیْنَ	اُن لوگوں کی طرف جن سے

بالتعذیب لعمرو فقالوا لا نترکک حتی تسب محمداً وتقول فی اللات خیراً ففعل فترکوہ (ولکن قلبہ مطمئن بالایمان۔
(تاریخ ابن اثیر صفحہ ۲۰) ۞

اُس کے بعد ابوجہل نے حضرت عمار کو ایذا پہنچانے میں زیادہ سختی کی۔ کبھی دھوپ میں ڈالتا تھا کبھی آگ سے گرم کیا ہُوا پتھر اُن کے سینہ پر رکھواتا تھا کبھی اُن کو پانی میں ڈبوتا تھا۔ آخرکار اُن سے کہا کہ ہم تجھ کو کبھی نہیں چھوڑینگے جب تک کہ تو محمد کو دشنام نہ دے اور لات کی تعریف نہ کرے لاچار انہوں نے ایسا ہی کیا تب اُن کو چھوڑا۔ مگر اُن کے دل میں ایمان مستحکم تھا ۞

خباب ابن ارت کو کافروں نے پکڑ لیا اور نہایت سخت ایذا پہنچائی اُس کو ننگا کر کے منہ کے بل گرم جلتے ریت پر لٹاتے تھے اور پھر پتھر کی کنکروں کو آگ سے گرم کر کے اُس پر لٹاتے تھے اور اُس کا سر مروڑ کے اُلٹا پھیر دیتے تھے مگر وہ خاموش تھا اور جو کچھ وہ کہتے تھے مطلق اُس کا جواب نہیں دیتا تھا ۞

اخذہ الکفار (خباب بن الارت) وعذبوہ عذاباً شدیداً فکانوا یعرونہ و یلصقون ظہرہ بالرمضاء ثم بالرضیف وہی الحجارۃ المحماۃ بالنار ولووا راسہ فلم یجبہم الی شیء مما ارادوا منہ
(تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷)

اخذہ (ابو فکیہۃ) امیۃ بن خلف وربط فی رجلہ حبلاً وامر بہ فجر ثم القاہ فی الرمضاء ومر بہ جعل فقال لہ امیۃ الیس ہذا ربک فقال اللہ ربی وربک ورب ہذا فخنقہ خنقاً شدیداً ومعہ اخوہ ابی بن خلف یقول زدہ عذاباً حتی یاتی محمد فیخلصہ بسحرہ ولم یزل علی تلک الحال حتی ظنوا انہ قد مات۔
تاریخ ابن اثیر جلد ثانی صفحہ ۲۷ ۞

ابوفکیہ کو امیہ بن خلف نے پکڑا اور اُس کے پاؤں میں رسّی بندھوائی اور کھنچوایا اور جلتی ریت میں ڈال دیا اتفاقاً ایک بدصورت کالا پاؤں والا چھوٹا سا کیڑا اُس کے قریب نکلا تو اُمیہ نے طعنہ سے کہا کہ یہ تیرا خدا ہے اُس نے کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور تیرا رب اور اس کیڑے کا بھی یہ سنکر امیہ نے نہایت زور سے اُس کا گلا گھونٹنا شروع کیا اُس وقت اُس کا بھائی ابی ابن خلف بھی موجود تھا اور کہتا تھا زور سے تاکہ محمد آجاویں اور اپنے جادو سے اس کو چھڑا لیں۔ غرضکہ اُس کا گلا گھونٹتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے خیال کیا کہ وہ مرگیا۔ مگر وہ مرا نہیں تھا ۞

کان عمر (قبل اسلامہ) یعذبہا (لبینۃ) حتی تفتر ثم یدعہا ویقول انی لم ادعک الا سآمۃ فتقول کذلک یفعل اللہ بک ان لم تسلم۔
تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷ ۞

خود حضرت عمر نے اپنے مسلمان ہونے سے پہلے لبینہ ایک مسلمان عورت کو پکڑ لیا اور اُس کو ایذا پہنچائی اور مارنا شروع کیا جب تھک جاتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے مَیں نے تجھے چھوڑا نہیں ہے مَیں تھک گیا ہوں اس لئے

عَاهَدْتُمْ	تم نے عہد باندھا تھا

پھیر گیا ہوں اُس نے جواب دیا کہ اسی طرح خدا بھی تیرے ساتھ کریگا اگر تو مسلمان ہُوا +

بلغه (ای عمر) ان اخته فاطمة اسلمت مع زوجها سعید ابن عمه زید و ان خباب بن الارت عندهما یعلمها القرآن فجاء الیهما منکرا و ضرب اخته فشجها فلما رأت الدم قالت قد اسلمنا ـ
ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۹ +

حضرت عمر کو خود مسلمان ہونے سے پہلے معلوم ہُوا کہ فاطمہ اُن کی بہن معہ اپنے شوہر کے مسلمان ہوگئی ہے اور خباب بن الارت اُن کو قرآن سکھاتا ہے حضرت عمر اُن کے پاس آئے اور خوب مارا کہ اُن کا سر پھٹ گیا جب خون بہنے لگا تو اُن کی بہن نے کہا کہ ہاں ہم تو مسلمان ہوگئے ہیں +

کان ابوجهل یعذب (زنیرة) حتی عمیت فقال لها ان اللات والعزی فعلا بک فقالت وما یدری اللات والعزی من یعبدهما ولکن هذا امر من السماء وربی قادر علی رد بصری ـ
تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷ +

اسی طرح ابوجہل نے زنیرہ مسلمان عورت کو اس قدر ایذا دی کہ وہ اندھی ہوگئی اور جب اُس نے جانا کہ وہ اندھی ہوگئی تو کہا کہ لات اور عزےٰ نے تجھ کو اندھا کیا ہے اُس نے کہا کہ لات اور عزےٰ تو خود ہی نہیں جانتے کہ اُن کو کون پوجتا ہے مگر یہ ایک آسمانی امر ہے اور میرا خدا قادر ہے کہ پھر میری آنکھوں میں روشنی دیدے +

کانت (ای امرأة من بنی عبد الدار) تعذبها (النهدیة) وتقول والله لا اقلعت عنک او یبتاعک بعض اصحاب محمد
تاریخ ابن الاثیر جلد ثانی صفحہ ۲۷ +

کان الاسود بن عبد یغوث یعذبها (ای ام عبیس) تاریخ ابن الاثیر جلد ثانی صفحہ ۲۷ +

نہدیہ نے ایک مسلمان عورت بنی عبد الدار کو اور اسود بن عبد یغوث نے ایک مسلمان عورت ام عبیث کو سخت ایذائیں دی تھیں یہ طریقہ ایذا دینے کا برابر جاری تھا۔ ابوجہل جب کسی شریف آدمی کو دیکھتا کہ مسلمان ہوگیا ہے تو اُس سے کہتا کہ کیا تو اپنا مذہب اور اپنے باپ کا مذہب جو تجھ سے اچھا تھا چھوڑتا ہے اور اُسکی عقل پر نفرین کرتا اُس کو حماقت کا کام بتلاتا اور اُس کو بے عقل کہتا اور اُس کو ذلیل کرتا۔ اور اگر کوئی سوداگر ہوتا تو کہتا کہ تیری تجارت ڈوب جاویگی اور تیرا مال برباد ہوجاویگا۔ اور اگر وہ مسلمان کوئی کمزور قبیلہ کا آدمی ہوتا تو اُس کے پیچھے لوگوں کو لگا دیتا کہ اس کو ایذا دو +

کان ابوجهل یاتی الرجل الشریف ویقول له اتترک دینک ودین ابیک وهو خیر منک ویقبح رایه وفعله ویسفه حلمه ویضع شرفه وان کان تاجرا یقول ستکسد تجارتک ویهلک مالک وان کان ضعیفا اغری به حتی یعذب ـ
تاریخ ابن الاثیر جلد ثانی صفحہ ۲۷ +

وکانت قریش تسمی رسول الله صلعم مذمما ثم یسبونه ـ ابن هشام صفحہ ۲۳۴ +

کفار قریش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بجائے محمد کے مذمم بطور ہجو کے رکھ دیا تھا۔

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱)	مشرکوں سے (۱)
وامیہ ابن خلف اذا رای رسول اللہ صلعم همزہ ولمزہ - الهمزة الذی یشتم الرجل علانیة ویکسر عینیه علیه واللمزة الذی یعیب الناس سرًا ویوذیهم - ابن هشام صفحه ۲۳۳	اور امیہ ابن خلف علانیہ منہ در منہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم بدزبانی و دشنام دہی کرتا رہتا تھا۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تھے تو لوگ غل مچاتے تھے اور قرآن کے الفاظ کے ساتھ اپنے الفاظ ملا دیتے تھے ✦
فصلا ابن مسعود حتی اتی المقام فی الضحیٰ وقریش فی اندیتها حتی قام عند المقام ثم قرء بسم اللہ الرحمن الرحیم رافعا بها صوته الرحمن علم القرآن قال ثم استقبلها یقرءها قال فتاملوه فجعلوا یقولون ما قال ابن ام عبد قال ثم قالوا انه لیتلو بعض ما جاء به محمد فقاموا الیه فجعلوا یضربون فی وجهه وجعل یقرء حتی بلغ منها ما شاء اللہ ان یبلغ ثم انصرف الی اصحابه ابن هشام صفحه ۲۰۲ ✦	ایک دفعہ ابن مسعود کعبہ کے پاس گئے اور سورہ الرحمن پڑھنی شروع کی اور قریش جو کعبہ کے آس پاس بیٹھے تھے ہجوم کر آئے اور جب جانا کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں جو آنحضرت پر نازل ہوا ہے تو اُن کے منہ کو پیٹنا شروع کیا کہ اُن کا مُنہ نیلا ہو گیا اور مارنے کے نشان منہ پر پڑ گئے مگر جہاں تک اُن سے بن پڑا وہ بھی پڑھ گئے ✦

پانچ برس تک اسی قسم کی تکلیفیں اور ایذائیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اور اُن مرد اور عورتوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے پہنچتی رہیں اور خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اور تمام مسلمان مرد اور عورتوں نے نہایت صبر و تحمل سے اُن کو برداشت کیا۔ مگر کوئی ایسی صورت جس سے مسلمان امن میں رہیں پیدا نہ ہوئی۔ اُس وقت امن حاصل ہونے کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا عزیز وطن چھوڑ دیں اور حبشہ کو چلے جاویں جہاں کا بادشاہ نجاشی عیسائی مذہب کا تھا ✦

پہلی ہجرت مسلمانوں کی بہ جانب حبشہ ۵ نبوی میں

اس اجازت پر تھوڑے مسلمان مرد اور عورتوں نے رجب ۵ نبوی میں حبشہ کو ہجرت کی۔ گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں اس قافلہ میں تھیں۔ مردوں میں حضرت عثمان ابن عفان اور عورتوں میں حضرت رقیہ بیٹی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیوی حضرت عثمان کی شامل تھیں ✦

مشورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا

جب قریش مکہ نے یہ بات دیکھی کہ جو مسلمان حبشہ میں گئے وہ آرام سے رہتے ہیں اور

ودارت قریش مرة النبی صلی اللہ علیه وسلم — حضرت عمر بھی مسلمان ہو گئے ہیں اور اسلام عرب کے قبیلوں

فسیحوا	پھر پھرو

بريحه واسلام حمزة وعمر وعزة اصحابه بالحبشة وفشو الاسلام في القبائل اجمعوا على ان يقتلوا النبي صلى الله عليه وسلم فبلغ ذلك ابا طالب فجمع بني هاشم وبني المطلب فادخلوا رسول الله شعبهم ومنعوه ممن اراد قتله فاجابوه لذلك حتى كفارهم فعلوا ذلك حمية على عادة الجاهلية۔
مواہب لدنیہ صفحہ ۳۱۰ +

میں پہنچا جاتا ہے تو انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور سب لوگ اس بات پر متفق ہو گئے مگر اس زمانہ میں ابو طالب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت علی مرتضےٰ کے والد زندہ تھے اور ان کا رعب بھی عرب کے قبیلوں پر کچھ کم نہ تھا۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو جمع کیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے گروہ کی حفاظت میں لے لیا +

اجتمعوا وائتمروا بينهم ان يكتبوا كتابا يتعاقدون فيه على بني هاشم وبني المطلب على ان لا ينكحوا اليهم ولا ينكحوهم ولا يبيعوهم شيئا ولا يبتاعوا منهم فلما اجتمعوا لذلك كتبوه في صحيفة ثم تعاهدوا وتواثقوا على ذلك ثم علقوا الصحيفة في جوف الكعبة توكيدا على انفسهم + فاقاموا على ذلك سنتين او ثلاثا حتى جهدوا لا يصل اليهم شيء الا سرا مستخفيا به من اراد صلتهم من قريش وقد كان ابو جهل بن هشام فيما يذكرون لقي حكيم بن حزام بن خويلد بن اسد معه غلام يحمل قمحا يريد به عمته خديجة بنت خويلد وهي عند رسول الله صلعم ومعه في الشعب فتعلق به وقال اتذهب بالطعام الى بني هاشم والله لا تبرح انت وطعامك حتى افضحك بمكة۔
ابن ہشام ۲۳۲ +

جب کہ قریش اپنے ارادہ پر کامیاب نہ ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی ہے وہ پھر جمع ہوئے اور باہم مشورہ کر کے ایک عہد نامہ لکھا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب سے شادی اور بیاہ موقوف کیا جاوے نہ کوئی ان کی بیٹیاں لے اور نہ کوئی ان کو بیٹیاں دے اور نہ کوئی ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچے اور نہ ان سے کچھ خریدے اور اس پر سب نے اتفاق کر کے عہد نامہ لکھا اور اس کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ اس معاہدہ سے بے انتہا تکلیف پہنچی۔ قریش میں سے بعض لوگ بسبب قرابت کے چھپ چھپا کر کچھ پہنچا دیتے تھے لیکن اگر کھل جاتا تھا تو بہت فضیحت کئے جاتے تھے۔ ایک دفعہ حکیم بن حزام معہ اپنے غلام کے حضرت خدیجہ کے لئے جو اس کی پھپی اور آنحضرت کی بیوی تھیں کچھ گیہوں لئے جاتا تھا ابو جہل رستہ میں مل گیا اور اس سے الجھ پڑا اور کہا کہ تو بنی ہاشم کے لئے کھانا لئے جاتا ہے میں ہرگز تجھ کو اور تیرے کھانے کو نہ جانے دوں گا جب تک کہ تجھ کو مکہ میں فضیحت نہ کر لوں۔ یہ مصیبت کی حالت دو تین برس تک برابر جاری رہی +

دوسری ہجرت مسلمانوں کی بجانب حبشہ سنہ نبوی میں

اس قسم کی مصیبتیں مسلمانوں پر برابر جاری تھیں اور کسی طرح کا امن مسلمانوں کو مکہ میں

فِی الْاَرْضِ	زمین میں (یعنی ملک میں)

نہیں ہوتا تھا اور جو لوگ حبشہ میں ہجرت کر گئے تھے وہ وہاں امن میں تھے اس سے اور مسلمانوں کو بھی ہجرت کر جانے کی اجازت ہوئی چنانچہ بہت سے مرد اور عورت ہجرت کر گئے۔ مجموع دو دفعہ کے ہجرت کرنے والوں کی تعداد بیاسی یا تراسی تھی ❖

ہجرت مسلمانوں کی طرف مدینہ کے سنہ ۱۰ نبوی میں

حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد ابو طالب آنحضرت کے چچا کا بھی جن کے رعب داب سے کسی قدر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو امن تھا انتقال ہو گیا اور قریش کو بہت زیادہ تکلیف اور ایذا پہنچانے کا موقع ہاتھ آیا۔ یہاں تک کہ رسول خدا کے نماز پڑھنے کی حالت میں بکرے کی او جھڑی اُن پر ڈال دیتے تھے لاچار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چھپ کر نماز پڑھنی اختیار کی تھی اور کھانا پکاتے وقت کھانا پکنے کی ہنڈیا میں اوجھڑی کے ٹکڑے ڈال دیتے تھے۔ رستہ چلنے میں ان کے سر مبارک پر مٹی اور کوڑا پھینکتے تھے اور آنحضرت سب کو برداشت کرتے تھے اور اُن سے فرماتے تھے کہ تم کیا اچھے میرے ہمسایہ ہو۔ جب یہاں تک حالت پہنچ گئی تو آپ بنی ثقیف کے پاس گئے تاکہ وہ ان کی مدد کریں مگر اُن میں سے کوئی آمادہ نہ ہوا اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں واپس چلے آئے۔

> فكان احدهم فيما ذكر لي يطرح عليه رحم الشاة وهو يصلي وكان احدهم يطرحها في برمته اذا نصبت له حتى اتخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم حجرا يستتر به منهم اذا صلى فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا طرحوا عليه ذلك الاذى كما حدثني عمر بن عبد الله بن عروة بن الزبير يخرج به رسول الله صلى الله عليه وسلم على العود فيقف به على بابه ثم يقول يا بني عبد مناف اي جوار هذا ثم يلقيه في الطريق۔ ابن ہشام صفحہ

اسی طرح عرب کے اور قبیلوں نے بھی ایمان لانے سے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے سے انکار کیا ❖

اسی درمیان میں مدینہ سے چند لوگ حج کرنے آئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو قرآن سُنایا اور مسلمان ہونے کو کہا سات آدمی اُن میں سے مسلمان ہوئے جب وہ واپس گئے تو مدینہ کے لوگوں میں اسلام کا چرچا ہوا اور وہاں سے ستر آدمی خفیہ رات کو آنحضرت کے پاس آئے اور اسلام لائے اور جان و مال سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امداد کا معاہدہ کیا اور واپس چلے گئے ❖

جب قریش نے یہ خبر سنی تو مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذا دینی اور تنگ کرنا شروع کیا اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر مسلمانوں کو مدینہ میں ہجرت کرنے کی اجازت دی

اَرْبَعَةً	چار

اور بہت سے مسلمان مرد اور عورت جس طرح جس کو موقع ملا مدینہ چلا گیا انہی ہجرت کرنیوالوں میں حضرت عمر اور حضرت عثمان کہ حبشہ سے واپس آچکے تھے اور عیاش ابن ربیعہ بھی تھے مگر بااینہمہ کچھ مسلمان مرد اور عورت جن کو قریش کے خوف سے یا اَور کسی طرح پر جانے کا موقع نہیں ملا مکہ میں رہ گئے +

قریش کا دوبارہ آنحضرت کے قتل کا ارادہ کرنا اور آنحضرت کا مدینہ کو ہجرت فرمانا ۱۳ نبوی میں

جب کہ اس طرح پر مسلمان رفتہ رفتہ مکہ سے ہجرت کر گئے تو آنحضرت کی رفاقت میں بجز حضرت علی مرتضٰے اور حضرت ابوبکر کے کوئی نہیں رہا تھا۔ قریش مکہ کو مسلمانوں کے اس طرح نکلجانے سے تردد پیدا ہوا اور انہوں نے یقین کیا کہ وہ امن پاکر اور متفق ہو کر ان پر حملہ کرینگے۔ اس باب میں انہوں نے پھر مجلس جمع کی اس غرض سے کہ اب کیا کیا جاوے۔ بعضوں نے یہ صلاح دی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو ابھی تک مکہ ہی میں تشریف رکھتے تھے گرفتار کر کے طوق و زنجیر ڈال کر ایک مکان محفوظ میں قید کر دیا جاوے۔ بعضوں نے یہ رائے دی کہ آنحضرت کو مکہ سے نکالدیا جاوے۔ ابوجہل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کی رائے دی اور کہا کہ بہتر یہ ہے کہ عرب کے ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک جوان آدمی منتخب کیا جائے اور ہر ایک کو تلوار دیجائے اور سب ملکر ایک ساتھ تلواریں مار کر آنحضرت کو قتل کر ڈالیں۔ اور جب تمام قومیں اُس قتل میں شریک ہونگی تو قبیلہ بنو عبد مناف کو جس قبیلہ میں آنحضرت تھے جھگڑا کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اس امر پر سب نے اتفاق کیا اور سب اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ اس تجویز کو پورا کریں۔ اسی امر کا ذکر قرآن مجید میں ہے جہاں فرمایا ہے "اذیمکربك الذین کفروا لیثبتوك اویقتلوك او یخرجوك - الآیہ +

اسی دن کی رات کو جب قریش مکہ نے یہ تجویز ٹھیرائی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی حضرت علی مرتضٰے کو اپنا خلیفہ یا قائم مقام کر کے اپنے بچھونے پر سلا دیا تاکہ کافر جانیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سوتے ہیں اور حضرت ابوبکر کو اپنے ساتھ لیا اور مکہ سے نکلکر ثور پہاڑ کے ایک غار میں جا چھپے تین دن تک وہاں چھپے رہے اور پھر موقع پا کر مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے +

آشہر	مہینے

صبح کو کفار قریش کو معلوم ہوا کہ آنحضرت تشریف لے گئے اور اُن کی جگہ حضرت علی مرتضےٰ سوتے ہیں اُن کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ آنحضرت کہاں گئے اُنہوں نے کہا کہ مَیں نہیں جانتا اُن کو خوب مارا اور قید کر دیا مگر تھوڑی دیر کے بعد چھوڑ دیا اور اعلان کیا کہ جو کوئی آنحضرت صلعم کو پکڑ لاوے اُس کو سو اونٹ انعام دیا جاویگا۔ حضرت علی مرتضےٰ نے بھی مکہ سے ہجرت کی اور اُفتاں وخیزاں بڑی مشکل سے دن کو چھپے رہکر اور راتوں کو چلکر مدینہ میں پہنچے پیادہ چلنے سے پاؤں سوج گئے تھے جب مدینہ میں پہنچے تو اس قدر طاقت نہ تھی کہ آنحضرت پاس آویں اس لئے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے دیکھنے کو اُن کے پاس تشریف لیگئے ✤

کافروں سے لڑنے کا حکم اور لڑائیوں کے واقعات

ہجرت کرنے پر بھی قریش مکہ مہاجرین کو اور جو لوگ اُن کو پناہ دیتے تھے امن سے رہنے نہیں دیتے تھے۔ جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اُن کے گرفتار کرنے کو سمندر کے کنارہ تک اُن کا تعاقب کیا۔ مگر وہ اُن کے ہاتھ نہ آئے اور حبشہ میں پہنچ گئے۔ اس پر بھی اُنہوں نے بس نہ کیا اور عمرو بن العاص اور عبد اللہ ابن ابی امیہ کو بہت سے تحفے ہدیہ دیکر نجاشی کے پاس بھیجا اس غرض سے کہ مسلمان جو وہاں چلے گئے ہیں اُنہیں قریش کو دیدے مگر نجاشی نے اُن کے دینے سے انکار کیا ✤

وخرجت قریش فی اثارہا (ای الذین ہاجروا الی الحبشہ) الی البحر فلم یدرکوہم۔ وقدموا الی ارض الحبشۃ فکانوا بہا۔
ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۸ ✤

مدینہ کے لوگوں کے ساتھ بھی جو آنحضرت پاس آئے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے اور آنحضرت کی نصرت کا وعدہ کیا تھا قریش مکہ نے بُرائی کرنے میں کچھ کمی نہیں کی تھی جب اُن کو معلوم ہوا کہ درحقیقت مدینہ والے جو آئے تھے وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور اُنہوں نے آنحضرت کی نصرت کا وعدہ کیا ہے تو اُن لوگوں کا تعاقب کیا وہ تو ہاتھ نہ آئے مگر سعد ابن عبادہ اُن کے ہاتھ لگ گئے اُن کو مکہ میں پکڑ لائے اور اُن کو مارتے تھے اور اُن کے بال پکڑ کر گھسیٹتے پھرتے تھے ✤

وعلمت قریش صحۃ الخبر (ای خبر بیعۃ الانصار للنبی صلی اللہ علیہ وسلم) فخرجوا فی طلبہم فادرکوا سعد بن عبادۃ فجاؤا بہ الی مکہ یضربونہ ویجرونہ بشعرہ۔
ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۳ ✤

اسی عداوت کے سبب جو قریش مکہ کو مہاجرین سے ہوگئی تھی ابوجہل ابن ہشام مدینہ

وَاعْلَمُوْا	اور جان لو

وجاء ابو جھل بن ہشام فخادع عیاش بن ابی ربیعه ورده الی مکة فحبسوه - ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۴ +

میں آیا اور عیاش ابن ابی ربیعہ کو فریب دیا کہ تیری ماں تیرے لیئے روتی ہے اور کھانا پینا چھوڑ دیا ہے تو مکہ کو چل اور دھوکا دیکر مکے آیا اور جب مکہ میں پہنچا تو اُن کو قید کر دیا +

ان تمام حالات سے جو عداوت کہ قریش کو مسلمانوں سے ہو گئی تھی اور ہر طرح پر اُن کے معدوم کرنے اور ایذا پہنچانے کی تدبیریں کرتے تھے بخوبی ظاہر ہوتی ہے - قریش مکہ کو مدینہ

فقال بعضھم احبسوه فی الحدید واغلقوا علیه بابا ثم تربصوا به ما اصاب الشعراء قبله فقال النجدی ما هذا لکم برأی لو حبستموه یخرج امره من وراء الباب الی اصحابه فلاوشکوا ان یثبوا علیکم فینزعوه من ایدیکم فقال آخر نخرجه وننفیه من بلدنا ولا نبالی این وقع اذا غاب عنا فقال النجدی الم تروا حسن حدیثه وحلاوة منطقه لو فعلتم ذلک لحل علی حی من احیاء العرب فیغلب علیهم بحلاوة منطقه ثم یسیر بهم الیکم حتی یطاکم ویاخذ امرکم من ایدیکم - تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۲ +

ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا - (سورۂ بقر آیت ۲۱۴) +

کے لوگوں سے بھی جو مسلمان ہو گئے تھے اور آنحضرت کی نصرت کا وعدہ کیا تھا ویسی ہی عداوت تھی جیسی کہ مکے کے مہاجرین سے تھی - سب سے بڑا خوف قریش مکہ کو یہ تھا کہ اگر یہ لوگ زیادہ قوی ہو جاوینگے تو مکہ پر حملہ کرینگے چنانچہ جب دوبارہ آنحضرت کے قتل کا مشورہ کیا تھا تو اُس مشورہ میں جس شخص نے یہ رائے دی تھی کہ آنحضرت کو طوق اور زنجیر ڈالکر قید کر دیا جاے اُس کی رائے اسی دلیل پر مانی نہیں گئی تھی کہ آنحضرت کے اصحاب جو مکہ سے نکل گئے ہیں جمع ہو کر مکہ پر حملہ کرینگے اور اُن کو چھوڑا لیجاوینگے - اور جس شخص نے یہ رائے دی تھی کہ آنحضرت کو جلا وطن کر دیا جاوے اُسکی رائے بھی اسی وجہ پر رد کی گئی تھی کہ آنحضرت اپنی فصاحت سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لینگے اور قریش مکہ کو نکال ڈالینگے

یہی سبب تھا کہ قریش مکہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے - چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ اہل مکہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہینگے یہاں تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر وہ ایسا کر سکیں +

مدینہ والے بھی قریش کے حملہ سے مطمئن نہیں رہے تھے اس لئے کہ مدینہ کے اُن لوگوں میں سے جو ایمان نہیں لائے تھے اور آنحضرت کے مدینہ میں تشریف لانے کو پسند نہیں کرتے تھے اور مدینہ کے اُن لوگوں سے جنہوں نے آنحضرت کی نصرت کا وعدہ کیا تھا نہایت ناراض تھے چند معزز لوگ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ چلے گئے تھے اور قریش سے جا ملے تھے +

اب دیکھنا چاہئے کہ ایسی حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اور مہاجرین اور انصار کو اپنی اور مدینہ کی حفاظت اور امن و امان قایم رہنے کے لئے کیا کرنا لازم تھا - اس مقصد کے

کہ تم	اَنَّكُمْ

حصول کے لئے چار امر لازمی تھے کہ بغیر اُن کے کبھی باامن اور مطلوبہ حفاظت کسی طرح قایم نہیں رہ سکتی تھی ✦

اول - اس بات کی خبر رکھنی کہ قریش مکہ کیا کرتے ہیں اور کس منصوبے میں ہیں ✦

دوم - جو قومیں کہ مدینہ میں یا مدینہ کے گرد رہتی تھیں اُن سے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ کرنا۔ لیکن عہد شکنی کی حالت میں اُن سے مقابلہ کرنا اس منصوبے کے لئے ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ امن کا معاہدہ کرنا کیونکہ اگر عہد شکنی کی مکافات نہ قایم کی جاوے تو کوئی معاہدہ اپنے عہد پر قایم نہیں ہو سکتا ✦

سوم - جو مسلمان کہ مکہ میں مجبوری رہ گئے تھے اور موقع پا کر اُن سے بھاگ آنا چاہتے تھے اُن کے بھاگ آنے پر جس قدر ہو سکے اُن کی اعانت کرنا۔ جو قافلہ مکہ سے نکلتا تھا ہمیشہ احتمال ہوتا تھا کہ شاید اُس کے ساتھ بہانہ کر کے کوئی مسلمان مدینہ میں بھاگنے کے ارادہ سے نکلا ہو ✦

چہارم - جو گروہ قریش کا مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کو نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کہ وہ مدینہ پر آنے والا ہے ہتھیاروں سے اُس کا مقابلہ کرنا۔ کیونکہ ایسا کرنا اسی امن کے قایم رکھنے کے لئے لازمی و ضروری ہے ان چاروں باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کی نسبت کہا جا سکے کہ اُس سے زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام کا منوانا مقصود ہے ✦

ان کے سوا دو امر اور ہیں جو ہتھیاروں کے اُٹھانے کا باعث ہوتے ہیں ✦

ایک یہ کہ - کافر اُن مسلمانوں کو جو اُن کے قبضہ میں ہوں تکلیف اور ایذا دیتے ہوں اُن کی مخلصی کے لئے یا اُن کو اُن کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے لڑائی کی جاوے جس کی نسبت خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "کیا ہوا ہے تم کو کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانے کے لئے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنے والے ہیں اُس کے لوگ اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار" کون شخص ہے جو اس لڑائی کو انسانی اخلاق اور انسانی نیکی کے برخلاف کہہ سکتا ہے۔ اور کون شخص ہے جو اس لڑائی کی نسبت یہ اتہام کر سکتا ہے کہ وہ زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے مذہب قبلوانے کے لئے ہے ✦

وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا (سورۃ النساء آیت ۷۷) ✦

غَيْرُ مُعْجِزِي	عاجز کرنے والے نہیں ہو

دوسرے یہ کہ کافر مسلمانوں کو اُن کے مذہبی احکام ادا کرنے کے لئے مانع ہوں بشرطیکہ وہ اُن کی عملداری میں رہتے نہ ہوں کیونکہ اس صورت میں اُن کو وہاں سے ہجرت لازم ہے نہ لڑائی کرنی ٭

اگرچہ اس لڑائی کی بنیاد ایک مذہبی امر پر ہے لیکن اُس کا مقصد اپنی مذہبی آزادی حاصل کرنا ہے نہ کہ دوسروں کو جبر و زبردستی اور ہتیاروں کے زور سے مذہب کا منوانا۔ اگر ہندو کسی قوم سے اس بات پر لڑیں کہ وہ قوم اُن کو اُن کے احکام مذہبی ادا کرنے نہیں دیتی تو کیا یہ کہا جاویگا کہ ہندوؤں نے دوسری قوم کو بجبر اور ہتیاروں کے زور سے ہندو کرنا چاہا ہے ٭

ایک اور امر ہے جو انہی قسم کی لڑائیوں کا ضمیمہ ہے یعنی جس ملک یا قوم سے انہی امور کے سبب مخالفت ہے اور لڑائی انہی امور کے سبب مشتہر ہو چکی ہے اس ملک یا قوم پر چھاپہ مارنا یا اُن کا اسباب اور اُن کی رسد اور اُن کے ہتیاروں کو لوٹ لینا۔ اس زمانہ تہذیب میں بھی کون سی مہذب سے مہذب قوم ہے جو اس فعل کو نامہذب و ناجائز قرار دے سکتی ہے اور کون شخص ہے جو اس کو بجبر و زبردستی ہتیاروں کے زور سے مذہب کا قبلوانا قرار دیسکتا ہے ٭

تمام لڑائیاں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئیں وہ انہی امور پر مبنی تھیں۔ ایک لڑائی بھی اس غرض سے نہیں ہوئی کہ مخالفوں کو زبردستی اور ہتیاروں کے زور سے اسلام منوایا جاوے ٭

اس دعوے کا ثبوت دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ اول اُن احکام سے جو قرآن مجید میں لڑائی کی نسبت وارد ہیں اور جن سے ظاہر ہوگا کہ لڑائی کا حکم صرف امن قایم کرنے کے لئے تھا نہ زبردستی سے اسلام قبلوانے کے لئے۔ دوسرے اُن لڑائیوں کے واقعات پر غور کرنے سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہوئیں۔ چنانچہ ہم اب اُنہیں کے بیان پر متوجہ ہوتے ہیں اس کے بعد ایک امر اور بحث طلب باقی رہجاویگا کہ ایک پیغمبر کو کس قسم کی لڑائیاں لڑنا بھی زیبا ہے یا خاموشی سے گردن کٹوا کر اور اپنے سر کو طشت میں رکھوا کر دشمن کے سامنے جانے دینا۔ یا کافروں کے ہاتھوں میں اپنے تئیں دلوا کر صلیب پر چڑھنا اور جان دینا۔ چنانچہ ہم اس پر بھی اخیر کو بحث کرینگے ٭

اَللّٰہِ	اللہ کے

آیاتِ قرآنی کا بیان جن میں مذہب کی آزادی کا حکم ہے

قرآن مجید کی کسی آیت میں کسی شخص کو زبردستی سے یا ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے یا اسلام قبلوانے کا حکم نہیں ہے بلکہ مسلمان کرنے کے لئے صرف وعظ اور نصیحت کرنے کی ہدایت ہے۔ اور صاف صاف بتلایا ہے کہ اسلام میں جبر و زبردستی نہیں ہو سکتی۔ سورہ نحل میں خدا نے فرمایا" ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن" یعنی (اے پیغمبر) بلا اپنے رب کی راہ پر پکی بات سمجھا کر اور اچھی نصیحت کر کر اور اُن سے بحث کر ایسے طریقہ سے کہ وہ بہت اچھا ہے ✦

اور سورہ نور میں فرمایا ہے "قل اطیعوا الله واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیه ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تهتدوا وما علی الرسول الا البلاغ" یعنی کہدے (اے پیغمبر) کہ فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی پھر اگر وہ پھر جاویں تو اُس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پیغمبر پر وہی ہے جو اُس پر بوجھ ڈالا گیا ہے (یعنی ہدایت و نصیحت) اور تم پر وہی ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا ہے (یعنی بسبب نہ قبول کرنے ہدایت و نصیحت کے) اور اگر اس کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور پیغمبر کے ذمہ اور کچھ نہیں ہے مگر حکم کا صاف صاف پہنچا دینا ✦

اور سورہ تغابن میں فرمایا ہے " اطیعوا الله واطیعوا الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین" یعنی فرمانبرداری اللہ کی اور فرمانبرداری کرو پیغمبر کی پھر اگر تم پھر جاؤ تو اُس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے پیغمبر کے ذمہ حکموں کا پہنچا دینا ہے صاف صاف ✦

سورہ ق میں خدا نے فرمایا " وما انت علیهم بجبار فذکر بالقرآن من یخاف وعید " یعنی تو اُن پر زور کرنے والا نہیں ہے پھر نصیحت کر قرآن سے اُس کو جو ڈرتا ہے عذاب کے وعدہ سے ✦

اور سورہ غاشیہ میں فرمایا ہے " فذکر انما انت مذکر لست علیهم بمصیطر" یعنی پھر تو اُن کو نصیحت کر اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو نصیحت کرنیوالا ہے اور ان پر کڑوڑا نہیں ہے ✦

اور سورہ یونس میں فرمایا ہے "ولو شاء ربك لآمن من فی الارض کلهم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین " یعنی اگر تیرا پروردگار چاہے تو بیشبہ ایمان لے آویں جو زمین پر ہیں اکٹھے پھر کیا تو زبردستی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جاویں ✦

وَاَنَّ اللّٰہَ	اور بیشک اللہ

اس سے زیادہ وضاحت سے سورہ بقرہ میں اسلام میں زبردستی کے ہونے کی نفی فرمائی ہے جہاں فرمایا ہے "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم" یعنی کچھ زبردستی نہیں ہے دین میں بلاشبہ ظاہر ہوگئی ہے ہدایت گمراہی سے پھر جو کوئی منکر ہوا غیر خدا کی پرستش کا اور ایمان لائے اللہ پر تو بیشک اُس نے پکڑ لیا مضبوط ذریعہ جس کے لئے ٹوٹنا نہیں ہے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا ۔

مخالفین اسلام یہ حجت پکڑتے ہیں کہ اس قسم کی نصیحتیں آنحضرت صلعم کی اُسی وقت تک تھیں جب تک کہ آپ مکہ میں تشریف رکھتے تھے مگر جب مدینہ میں چلے آئے اور انصار اہل مدینہ مسلمان ہوگئے اور مہاجرین اور انصار ایک جگہ جمع ہوگئے اور آنحضرت کو بہت بڑی قوت ہوگئی اُس وقت اُن نصیحتوں کو بدل لیا اور لڑنے اور قتل کرنے کا اور طلب کرنے سے اسلام قبول نہ کرنے کا حکم دیا مگر یہ حجت محض غلط ہے اول تو اس لئے کہ انہیں سورتوں میں سے جنکی آیتوں کا نمونہ اوپر ذکر کیا ہے سورہ نور اور سورہ بقر ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جبکہ آنحضرت صلعم کو بخوبی قوت ہوگئی تھی اور انہیں سورتوں میں حکم ہے کہ رسول کا کام صرف حکموں کا پہنچا دینا ہے اور دین میں کچھ زبردستی نہیں ہے ۔ پھر یہ کہنا کہ آنحضرت نے مدینہ میں آنے کے بعد ان نصیحتوں کو بدل دیا تھا صریح جھوٹ ہے ۔ دوسرے یہ کہنا کہ خدا کے احکام جو بطور اصل اصول کے نازل ہوئے ہیں وہ جگہ کی تبدیل یا قوت اور ضعف کی تبدیل سے تبدیل نہیں ہوسکتے ۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ زبردستی سے کسی کو مسلمان نہیں کیا جا سکتا پس جب آنحضرت مکہ میں تھے اُس وقت بھی کوئی شخص زبردستی سے مسلمان نہیں ہو سکتا اور جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے اُس وقت بھی کوئی زبردستی سے مسلمان نہیں ہوسکتا تھا ۔ ہاں جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے تو لڑائی کا حکم ہوا مگر وہ لڑائیاں لوگوں کو جبر زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کے لئے نہ تھیں بلکہ امن قائم کرنے کے لئے تھیں جس کو ہم آئندہ بتفصیل بیان کرینگے ۔

آزادی مذہب کی صلح اور معاہدہ کی حالت میں

خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کافروں سے صلح اور معاہدہ کرنے کی اجازت دی جس کا ماحصل یہ ہے کہ کافروں کے مذہب میں کچھ دست درازی نہ کی جائے وہ اپنے مذہب پر رہیں صرف مسلمانوں کو ایذا نہ دیں ۔ اُن سے لڑیں نہیں اور اُنکے دشمنوں کی مدد نہ کریں اور اُن معاہدوں پر قائم رہنے کی نہایت تاکید کی اور معاہدہ کرنیوالوں سے جو معاہدہ پر قائم رہے ہوں لڑنے کی ممانعت فرمائی صلح اور معاہدہ کی اجازت ہی صاف دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب کی آزادی میں خلل ڈالنا مقصود نہ تھا اور لڑائی سے کچھ زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنا مقصود نہ تھا بلکہ صرف امن کا قائم رکھنا مقصود اصلی تھا ۔

سورہ نحل میں خدا نے فرمایا "واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلا ان اللہ یعلم ما تفعلون" یعنی اور پورا کرو تم عہد اللہ کا

مُخۡزِی الۡکٰفِرِیۡنَ ②	خوار کرنے والا ہے کافروں کو ②

(یعنی جو خدا کو درمیان میں دیکر عہد کیا ہے) جب تم نے عہد کیا اور نہ توڑو اپنی قسموں کو اُن کے مضبوط کرنے کے بعد اور بیشک تم نے اللہ کو کیا ہے اپنا ضامن بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو +

خود سورہ توبہ میں جس میں نہایت خفگی سے لڑائی کا حکم ہے خدا نے فرمایا ہے

"الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیہم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین" یعنی جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا ہے پھر اُنہوں نے اُس کے پورا کرنے میں کچھ کمی نہیں کی اور نہ تمہارے برخلاف کسی کی مدد کی تو پھر تم پورا کرو اُن کے ساتھ اُن کا عہد اُن کی میعاد تک بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو +

پھر اسی سورۃ میں فرمایا "الذین عاھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب المتقین" یعنی جن مشرکوں نے مسجد حرام کے پاس تم سے عہد کیا تھا پھر جب تک کہ وہ تمہارے لئے عہد پر قایم رہیں تو تم بھی اُن کے لئے عہد پر قایم رہو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو +

اس سے زیادہ معاہدہ کی رعایت کفار اور مشرکین کے ساتھ کیا ہوسکتی ہے جتنی کہ قرآن مجید میں کی گئی ہے۔ سورہ نساء مدینہ میں ہجرت کے بعد اُتری ہے اُس میں حکم ہے کہ اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کوئی مسلمان دھوکے سے مارا جائے تو قاتل کو ایک غلام آزاد کرنا چاہئے اور اگر مقدور نہ ہو تو ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں اور اُس کے سوا مقتول کی دیت اُس کے کنبے کو دیجاوے۔ پھر اگر وہ مقتول ایک ایسی قوم میں کا ہے جن سے اور مسلمانوں سے دشمنی ہے اور وہ مقتول مسلمان ہے تو قاتل کو صرف غلام ہی کا آزاد کرنا ہوگا۔ اور اگر مقتول ایسی قوم میں کا ہے کہ اُس قوم سے اور مسلمانوں سے معاہدہ ہے تو قاتل کو غلام بھی آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کی دیت اُس کے کنبہ کو بھی دینی ہوگی۔ اس سے زیادہ معاہدہ کی رعایت جس کا حکم خدا تعالے نے دیا ممکن نہیں کیونکہ جو حق خدا تعالے نے ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے مقرر کیا تھا وہی حق اُن کفار اور مشرکین کے لئے بھی قرار دیا ہے جن سے اور مسلمانوں سے

وماکان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا ومن قتل مومنا خطأ فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وھو مومن فتحریر رقبۃ مومنۃ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مومنۃ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین توبۃ من اللہ وکان اللہ علیما حکیما۔

(سورۃ نساء آیت ۹۴)

وَاَذَانٌ	اور خبر کر دیتا ہے

امن کا معاہدہ ہوگیا ہو +

جن لوگوں سے معاہدہ ہوا ہے اگر معلوم ہو کہ وہ دغا بازی کرنا چاہتے ہیں تو معاہدہ

ولما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیہم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین۔ (سورۂ انفال آیت ۶۰) +

توڑنے کی اجازت دی گئی ہے مگر ایسی احتیاط اور انصاف سے اُس کے توڑنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ اُن لوگوں کو کسی طرح نقصان نہ پہنچ سکے یعنی یہ حکم ہے کہ اس طرح پر معاہدہ توڑا جائے کہ دونوں فریق برابری کی حالت پر رہیں اُس میں کچھ دغا بازی نہ ہونے پاوے کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا +

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذلک بانہم قوم لا یعلمون۔ (سورۂ توبہ آیت ۶)

عین لڑائی کے زمانہ میں اگر کوئی مشرک کافر پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دینے کا حکم ہے اور صرف پناہ ہی دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ یہ حکم بھی ہے کہ اُس کو اُس کے امن کی جگہ میں پہنچا دیا جاوے۔ اس سے زیادہ مذہب کی آزادی اور معاہدہ کی احتیاط کیا ہو سکتی ہے +

اسی بنا پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب کے بہت سے قبیلوں سے اور قبائل یہود سے جو مدینہ میں رہتے تھے امن کے معاہدے کئے جو دلیل واضح اس بات کی ہے کہ مقصود یہ تھا کہ ملک میں لوگ امن سے رہیں مسلمانوں کو ایذا نہ دیں اور خدا کے کلام کو سنیں۔ کما قال "حتی یسمع کلام اللہ" پھر جس کا دل چاہے ایمان لاوے جس کا دل نہ چاہے نہ لاوے۔ کما قال اللہ تعالیٰ "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" وقال فی موضع اٰخر "فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر" +

لڑائی کے احکام اور اُس حالت میں بھی آزادئ مذہب

سب سے پہلے ہم کو یہ بیان کرنا چاہئے کہ کن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہوا ہے اور کس مقصد سے ہم اس سے پہلے بالتصریح بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ اپنے معاہدوں پر قایم ہیں اور مسلمانوں سے نہیں لڑتے اور نہ اُن کے دشمنوں کو لڑنے میں مدد دیتے ہیں اُن سے لڑنے کا حکم نہیں ہے۔ پس لڑائی کا حکم تین قسم کے لوگوں کے ساتھ ہوا ہے +

اول - اُن لوگوں سے جو مسلمانوں سے لڑائی شروع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقر میں فرمایا ہے کہ لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین

مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اللہ اور اُس کے رسول کی طرف

یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ (سورۂ بقر آیت ۱۸۶) ٭
جو تم سے لڑیں اور زیادتی مت کرو بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔ دوسری جگہ فرمایا کہ

فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظالمین (سورۂ بقر آیت ۱۸۹) ٭
"اگر وہ لڑنا موقوف کردیں تو دست درازی کرنی نہیں چاہئے کیونکہ دست درازی صرف ظالموں پر کرنی ہے"

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین ٭ (سورۂ بقر آیت ۱۹۰)
ایک اور جگہ فرمایا کہ "جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اُس پر زیادتی کرو جتنی کہ اُس نے تم پر زیادتی کی ہے اور خدا سے ڈرو اور جان لو اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ٭

قدیم زمانہ سے عرب میں یہ دستور چلا آتا تھا کہ حرم کعبہ میں جدال و قتال نہیں کرتے تھے

واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل۔ (سورۂ بقر آیت ۱۸۷) ٭
اُس کی نسبت خدا نے فرمایا کہ "لڑائی کی حالت میں اُن کو جہاں پاؤ (حرم کے اندر یا حرم کے باہر) قتل کرو کیونکہ فساد مچانا قتل سے بھی زیادہ ہے" مگر اس حکم میں بھی احتیاط

ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوھم کذٰلک جزاء الکافرین۔ (سورۂ بقر آیت ۱۸۷) ٭
کی اور فرمایا کہ "تم مسجد حرام کے پاس اُن کو مت مارو جب تک کہ وہ وہاں تم کو نہ ماریں پھر اگر وہ وہاں بھی تم کو ماریں تو تم بھی اُن کو مارو یہ ہے بدلا کافروں کا۔ اس کے بعد فرمایا

فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم (سورۂ بقر آیت ۱۸۸) ٭
کہ اگر وہ "باز رہیں" یعنی لڑنا موقوف کردیں" تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان" یعنی تم بھی اُن کو معاف کردو اور لڑنا موقوف کردو ٭

سورہ نحل میں خدا نے فرمایا کہ اگر تم کافروں کے ایذا پہنچانے کا بدلا لینا چاہتے ہو تو

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین (سورۂ نحل آیت ۱۲۷)
اُسی قدر ایذا کا بدلا لو جس قدر کہ انہوں نے تم کو ایذا پہنچائی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بیشک وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کو ٭

پھر سورہ حج میں اس سے بھی زیادہ تصریح فرمائی ہے کہ اُن لوگوں کو لڑنے کا حکم دیا

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔ (سورۂ حج ۳۸ و ۳۹) ٭
گیا ہے جن سے کفار مکہ لڑتے ہیں اس لئے کہ کفار مکہ کے ہاتھ سے مسلمان مظلوم ہوئے ہیں انہوں نے مسلمانوں کو بغیر کسی حق کے اُن کے گھروں سے نکال دیا ہے اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ٭

سورہ تسمیہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ کافروں سے لڑو اور اُن کو قتل کرو جہاں پاؤ۔ مگر

اِلَی النَّاسِ	لوگوں کو

الا الذین یصلون الیٰ قوم بینکم وبینھم میثاق اوجاؤکم حصرت صدورھم ان یقاتلوکم اویقاتلوا قومھم ولوشاء اللہ لسلطھم علیکم فلقاتلوکم فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا (سورۂ نساء آیت ۹۲)

اُن لوگوں سے نہ لڑو اور نہ اُن کو قتل کرو جو ایسے لوگوں سے جا ملیں جن سے اور تم سے اُن کا معاہدہ ہے۔ اور اُن سے بھی مت لڑو اور اُن کو بھی قتل مت کرو جن کا دل لڑنے سے تنگ ہو گیا ہے اور نہ وہ تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں پھر جب وہ لڑائی سے الگ ہو جاویں یعنی نہ تم سے لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ شامل ہو کر اپنی قوم سے لڑنا چاہیں اور تمہارے پاس صلح کا پیغام بھیجیں تو اُن سے مت لڑو کیونکہ اللہ نے اُن پر تم کو لڑنے کا کوئی قابو نہیں دیا ہے +

اس کے بعد اسی سورہ میں فرمایا ہے کہ بعض قومیں چاہتی ہیں کہ تم سے بھی امن میں

ستجدون آخرین یریدون ان یامنوکم ویامنوا قومھم کلما ردوا الی الفتنۃ ارکسوا فیھا فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا ایدیھم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم واولٰئکم جعلنا لکم علیھم سلطانا مبینا (سورۂ نساء آیت ۹۳)

رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں اور فتنہ و فساد میں نہ پڑیں پھر اگر تمہارے ساتھ لڑنے سے علحدہ نہ ہو جاویں اور پیغام صلح نہ بھیجیں اور اپنے ہاتھ لڑنے سے نہ روکیں تو اُن کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے تم کو غلبہ کرنے کا حق دیا ہے۔ پس لڑنا اسی پر موقوف ہے جب کہ کافر لڑائی شروع کریں +

سورہ ممتحنہ میں نہایت صفائی سے اور بطور قاعدہ کلیہ کے بیان فرمایا ہے کہ کافروں سے

لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین۔ انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظالمون۔ (سورۃ الممتحنہ آیت ۸ و ۹)

کس طرح پیش آنا چاہئے۔ اور یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ تم سے لڑے نہیں اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اُنکے ساتھ سلوک اور احسان کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا بلکہ اللہ سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے صرف اُن سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے لڑتے ہیں تمہارے دین کے سبب سے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا ہے اور جنھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکال دینے پر نکالنے والوں کی مدد کی ہے +

ان تمام آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑائی کا حکم کسی کو زبردستی سے اسلام قبول کروانے کے لئے نہیں ہے بلکہ جو لوگ مسلمانوں کو قتل کرتا اور ان سے لڑنا چاہتے تھے اُن

يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ	حج اکبر کے دن

سے محفوظ رہنے کے لئے لڑائی کا حکم ہوا ہے اور لڑائی میں یا لڑائی کے موقوف ہو جانے اور امن قایم ہو جانے پر کسی کے مذہب سے کسی قسم کا تعرض مقصود نہیں ہے ✦

مخالفین اسلام چند آیتیں اس امر کے ثابت کرنے کو پیش کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں عموماً کافروں کے قتل کرنے کا حکم ہے اور نیز بجبر ہتھیاروں کے زور سے اُن کو مسلمان کرنے کی ہدایت ہے۔ مگر ان کا یہ کہنا محض غلط اور صریح ہٹ دھرمی ہے جس کو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں ✦

وہ کہتے ہیں کہ سورۂ بقر اور سورۂ نساء میں آیا ہے کہ " واقتلوھم حیث ثقفتموھم " اس میں صاف حکم ہے کہ کافر جہاں ملیں وہاں اُن کو قتل کرو۔ مگر یہ صریح اُن کی غلطی ہے حرم کعبہ میں قتل وقتال زمانۂ جاہلیت سے منع تھا مگر جب قریش مکہ سے لڑائی ٹھنی تو خدا نے حکم دیا کہ اُن کو جہاں پاؤ یعنی حرم کعبہ میں یا اُس کے باہر اُن سے لڑو اور اُن کو قتل کرو پس اس آیت سے عموماً کافروں کا قتل کرنا کہاں سے نکلتا ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ قرآن مجید سے انہی سے لڑنے کا حکم ہے جو مسلمانوں سے لڑتے ہوں نہ اُن سے کہ جو لڑنا نہیں چاہتے ✦

وہ کہتے ہیں کہ سورۂ نساء میں صاف حکم ہے کہ جب تک کافر مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں نہ چلے آویں اُن کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو۔ کافروں کا مدینہ میں ہجرت کرکے آنا اور مسلمان ہو جانا برابر ہے۔ پس اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جب تک کافر مسلمان نہ ہو جاویں اُن کو جہاں پاؤ مار ڈالو ✦ مگر یہ دلیل محض غلط ہے یہ آیت مکہ کے منافقوں کے حق میں ہے جیسا کہ اس آیت کے اوپر بیان کیا ہے۔ " فما لکم فی المنافقین الخ " مکہ کے بہت سے لوگ

ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواءً فلا تتخذوا منھم اولیاء حتی یھاجروا فی سبیل اللہ فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا ۔
(سورۂ نساء آیت ۹۱)

نفاق سے اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کو تردد تھا کہ اُن کے ساتھ لڑائی میں کس طرح کا معاملہ کریں۔ اُن کی نسبت خدا نے فرمایا کہ اُن کا یہ کہنا کہ ہم مسلمان اور تمہارے طرفدار ہیں ہرگز نہ مانو اگر وہ سچے ہیں تو ہجرت کرکے چلے آویں پھر اگر وہ نہ آئیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ جھوٹے اور منافق تھے تو لڑائی میں ان کو بھی جہاں پاؤ حرم کے اندر یا حرم کے باہر مارو اور قتل کرو پس ہجرت کا حکم کسی ایسے شخص کی نسبت جو مسلمان ہونے کا دعوے نہیں کرتا تھا نہیں دیا گیا ہے ✦

آنَّ اللّٰہَ	بیشک اللہ

وہ دلیل لاتے ہیں کہ سورہ نساء کی بعض آیتوں میں مطلقاً کافروں سے لڑنے کا حکم ہے

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجرا عظیما۔
(سورۃ نساء آیت ۷۶)

فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المومنین عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا واللہ اشد باسا واشد تنکیلا۔
(سورۃ النساء آیت ۸۸)

مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اُن آیتوں سے اُن کا کیا مطلب ثابت ہوتا ہے بلاشبہ اُن آیتوں میں اور اور بہت سی آیتوں میں لڑنے کا حکم ہے مگر لڑائی اُنہی لوگوں سے جاویگا جن سے لڑنے کا حکم ہے اور وہ وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں سے بخصوصیت دین لڑتے ہیں۔ علاوہ اس کے ان آیتوں میں بھی کسی کو بجبر اور بتلوار کے زور سے مسلمان کرنے کا اشارہ تک نہیں ہے +

یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم وماوٰھم جھنم وبئس المصیر۔
(سورۃ تحریم آیت ۹)

فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جھادا کبیرا۔ (سورۃ فرقان آیت ۵۳) +

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون (سورۃ توبہ آیت ۲۹) +

وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (سورۃ توبہ آیت ۳۶) +

یا ایھا الذین امنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ (سورۃ توبہ آیت ۱۲۴) +

اسی قسم کی آیتیں سورہ تحریم اور سورہ فرقان اور سورہ توبہ میں بھی آئی ہیں جن میں کافروں سے لڑنے اور لڑائی میں اُنکے قتل کرنیکا حکم ہے مگر جن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے اُنہی سے لڑنے کا حکم ان آیتوں میں ہے نہ عموماً ہر ایک کافر یا عام کافروں سے لڑنے کا ۔ پس یہ کہنا کہ ان آیتوں میں لڑنے کا حکم ہے اور اس بات کو چھپا لینا اور نہ بیان کرنا کہ کن لوگوں سے منجملہ کفار کے لڑنے کا حکم ہے صریحاً ہٹ دھرمی ہے۔ قرآن مجید میں کسی کافر سے بحیثیت کفر اُس سے لڑنے کا حکم نہیں ہے صرف تین قسم کے کافروں سے لڑنے کا حکم ہے ایک وہ جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں ۔ دوسرے وہ جنہوں نے عہد شکنی کی ہو اور مسلمانوں سے لڑنے والوں کے ساتھ جا ملے ہوں ۔ تیسرے وہ جن کے ہاتھ میں مسلمان عورت و مرد و بچے بطور قیدی کے ہوں اور وہ اُن کو ایذا پہنچاتے ہوں ایک قسم کو تو ہم ابھی بیان کر رہے ہیں اور باقی قسموں کو بھی عنقریب بیان کرینگے پھر کون شخص یا کوئی قوم مہذب سے مہذب اس قسم کی لڑائی کو ناواجب یا ظلم کہ سکتا ہے اور کیونکر اس قسم کی لڑائیوں کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ بزور شمشیر اسلام قبول کروانے کے لئے کی گئی تھیں ❊

ہاں چند آیتیں ہیں جن پر بحث کرنا ہم کو ضرور ہے سورہ بقر اور سورہ انفال میں خدا نے فرمایا ہے کہ کافروں سے لڑو تا کہ فتنہ مٹ جائے

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون

برئ	بے ذمہ ہے
الدین للہ (سورہ بقر آیت ۱۸۹) ✦ قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی بأس شدید تقاتلونھم او یسلمون (سورہ فتح آیت ۱۶) ✦ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ بما یعملون بصیر (سورہ انفال آیت ۴۰)	اور دین بالکل اللہ کے لئے ہو جائے ✦ اور سورہ فتح میں فرمایا ہے کہ اے پیغمبر تو اُن گنواروں سے جو پیچھے رہ گئے تھے کہہ دے کہ تم ایک سخت لڑنے والی قوم سے لڑنے کو بلائے جاؤ گے پھر تم اُن سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جاوینگے۔ معترض کہہ سکتا ہے کہ ان آیتوں سے اس بات کا اشارہ نکلتا ہے کہ جب تک کافر مسلمان

نہ ہو جاویں اُن سے لڑے جانا چاہئے۔ اول تو یہ کہنا غلط اس لئے ہے کہ ان لفظوں سے کہ "ویکون الدین کلہ للہ" کسی طرح یہ مطلب نہیں نکلتا کہ جب تک کافر مسلمان نہ ہوں اُن سے لڑے ہی جاؤ کیونکہ ان لفظوں کے صرف یہ معنی ہیں کہ "دین خدا کے لئے ہو جائے" یعنی کافروں کی مزاحمت احکام مذہبی کے بجالانے میں جاتی رہے ✦

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم (سورہ توبہ آیت ۵)	سورہ توبہ میں بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور پکڑو اُن کو اور گھیرو اُن کو اور اُن کی گھات میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں تو اُن کا رستہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ✦

معترضین کو اس مقام پر نہایت موقع ہے اگر وہ کہیں نماز ادا کرنے اور زکوۃ دینے کو شرط کرنا صاف ایسا ہے جیسے کہ اسلام لانے کو شرط کرنا۔ مگر جب اُس کی تفریع پر خیال کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ اُس شرط کو لڑائی سے کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ اُن کی آمد و رفت کی روک ٹوک موقوف ہونے سے تعلق ہے جب تک کہ وہ کافر تھے بلاشبہ روک ٹوک خبرگیری کی ضرورت تھی کیونکہ اُن سے اندیشہ تھا مگر مسلمان ہونے کے بعد وہ اندیشہ نہیں رہا اس لئے فرمایا کہ "فخلوا سبیلھم"۔ ان سب باتوں سے قطع نظر کر کے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان آیتوں میں اُن الفاظ سے مسلمان ہو جانا ہی مقصود ہے تو بھی منجملہ اسباب موقوفی لڑائی کے اسلام بھی ایک سبب ہے مگر اس تسلیم کے بھی بجبر و بزور شمشیر کافروں کا مسلمان کرنا لازم نہیں آتا ✦

ہم نے بتفصیل اوپر بیان کیا ہے کہ کفار سے لڑائی کا حکم صرف مسلمانوں کے لئے امن قایم کرنے کا تھا اور وہ امن صرف تین طرح پر قایم ہو سکتا تھا:۔

اول۔ قبل جنگ یا بعد جنگ آپس میں صلح ہونے اور امن کا معاہدہ ہونے سے جس کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے جہاں فرمایا ہے "فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم

مشرکوں سے	مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

نما جعل الله لکم علیکم سبیلا " اور خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بہت سی کافر قوموں سے امن کے معاہدے کئے ہیں جن کا ذکر آویگا ؞

دوسرے۔ فتح پانے اور کافروں کا مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کرنے سے جس کے بعد وہ اپنے دین و مذہب پر بدستور قایم رہتے ہیں جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے "حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون" ؞

تیسرے۔ مسلمان ہو جانے سے پس یہ تینوں صورتیں امن قایم ہونے کی ہیں ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آوے تو لڑائی قایم نہیں رہتی تھی پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ لڑائی سے بزور شمشیر کافروں کو مسلمان کرنا مقصود نہ تھا بلکہ صرف امن کا قایم کرنا مقصود تھا ؞

دوم۔ اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جنھوں نے دغابازی کی ہو اور معاہدوں کو توڑ دیا ہو۔ خدا نے سورہ توبہ میں فرمایا ہے کہ "اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسم کو توڑدیں تو جو کفر کے سردار ہیں اُن سے لڑو کیونکہ اُن کی قسم کچھ نہیں ہے" ؞

وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون۔ (سورۂ توبہ آیت ۱۲) ؞

اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ "کیوں نہیں لڑتے ایسی قوم سے جس نے اپنی قسم توڑ دی اور رسول کو نکالنا چاہا اور اُن ہی نے پہل کی" ؞

الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرة (سورۂ توبہ آیت ۱۳) ؞

اور سورہ انفال میں فرمایا ہے کہ "جن لوگوں کے شامل تم نے عہد کیا ہے پھر اُنھوں نے ہر دفعہ اپنا عہد توڑ دیا ہے اور پرہیزگاری نہیں کرتے پھر اگر تو اُن کو لڑائی میں پاوے تو اُن کو ایسا مار کہ اُن کے پیچھے جو لوگ ہیں متفرق ہو جاویں ؞

الذین عاھدت منھم ثم ینقضون عھدھم فی کل مرة۔ وھم لا یتقون۔ فاما تثقفنھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذکرون۔ (سورۂ انفال آیت ۵۸ و ۵۹) ؞

پس معاہدہ توڑنے کے بعد اُن سے لڑنا امن قایم رکھنے کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ معاہدہ کرنا کیونکہ بغیر اس کے نہ امن قایم رہ سکتا ہے اور نہ معاہدہ مگر ایسی حالت میں لڑنا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اُس سے بزور شمشیر اُن کو مسلمان کرنا مقصود ہے اور نہ ایسی لڑائی مہذب سے مہذب قوم کے نزدیک بھی ناواجب ہے ؞

سوم۔ اُن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے جنھوں نے مسلمانوں کو اور اُن کے بچوں اور

اور اُس کا رسول	وَرَسُوْلُہٗ

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا (سورۂ نساء آیت ۷۷)

عورتوں کو عذاب میں اور ضعف میں ڈال رکھا ہے اس کا ذکر سورۂ نساء میں ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور ترتیب قایم رکھنے کے لئے اس آیت کو دوبارہ لکھتے ہیں خدا نے فرمایا کہ "کیا ہوا ہے تم کو کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانے کے لئے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنے والے ہیں اُس کے لوگ اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار۔" کیا یہ انسانیت اور رحم کی بات نہیں ہے کہ بیچارے بے بس مسلمانوں مرد اور عورتوں اور بچوں کو کافروں کے ظلم سے بچایا جاوے اور اُن کی فریادرسی کے لئے ہتھیار اُٹھایا جاوے کون شخص ہے جو اس لڑائی کو ناواجب کر سکتا ہے ٭

اب ہم اُن واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہوئے تھے اور غزوہ اور سریہ کے نام سے مشہور ہیں اور یہ بات دکھاتے ہیں کہ کوئی غزوہ یا سریہ اس مقصد سے نہیں ہوا تھا کہ بجبر بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان کیا جاوے بلکہ ہر ایک غزوہ یا سریہ کا کوئی سبب اُنہی اسباب میں سے تھا جن کی تفصیل ہم نے ابھی بیان کی ہے ٭

ہم نے ان غزووں اور سریوں اور اُن کے مقاموں کا حال اُن کتابوں سے جن کا نام اس مقام پر لکھتے ہیں اخذ کیا ہے - سیرت ہشامی - کامل ابن اثیر جزری - مواہب لدنیہ - علامہ قسطلانی - ابن خلدون مغربی - تاریخ اسمعیل ابوالفدا - مراصد الاطلاع - سیرت ابن اسحاق - مغازی واقدی - مشترک یاقوت حموی - فتوح البلدان - تاریخ یافعی - سیرۃ المحمدیہ مولوی کرامت علی - معجم البلدان - زاد المعاد ابن القیم - صحیح بخاری - صحیح مسلم ٭

ان کتابوں میں ان لڑائیوں کے زمانہ میں اختلاف ہے کوئی واقعہ کسی لڑائی کا کسی سنہ میں اور کوئی کسی سنہ میں بیان کرتا ہے اور ہم کو کچھ چارہ نہیں ہے بجز اس کے کہ اُن میں سے ایک سلسلہ اختیار کریں ٭

ان واقعات کے سنہ بیان کرنے میں محرم سے سال کی تبدیلی نہیں قرار دی گئی ہے بلکہ واقعی زمانہ ہجرت سے برس کا شمار کیا گیا ہے ٭

ان واقعات کا ہم نہایت مختصر طور پر بیان کرینگے اور صرف اس قدر واقعات کا ذکر

فَاِنْ تُبْتُمْ	پھر اگر توبہ کرو تم

کریں گے جس سے معلوم ہو کہ اُن لڑائیوں کا کیا سبب تھا آیا اُن سے بزور شمشیر اسلام قبلوانا مقصود تھا یا صرف امن کا قایم رہنا اور دشمنوں کے حملوں کو روکنا +

ہم نے تمام واقعات کو جن پر مورخین نے سریہ یا غزوہ کا اطلاق کیا ہے بلا استیعاب اس مقام پر ذکر کیا ہے حالانکہ اُن میں ایسے بھی واقعات ہیں جو نہ سریہ تھے نہ غزوہ مگر ہم نے اُن کو بھی اس لئے لکھ دیا تاکہ یہ خیال نہ کیا جاوے کہ ہم نے کسی واقعہ کو چھوڑ دیا ہے +

سریہ سیف البحر رمضان ۱ ہجری

سیف البحر - یعنی ساحل البحر - یہ ایک جگہ بحر فارس کے کنارہ پر بنی زہیر کے متعلق جو سامہ بن لوی بن غالب کے قبیلہ سے ہیں +

اس سریہ میں کل تیس سوار تھے اور حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم اس کے سردار تھے اور اُن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نشان بھی عنایت کیا تھا - جب یہ لوگ سیف البحر میں پہنچے تو ابوجہل بن ہشام مکہ والوں کے تین سو سوار لئے ہوئے ملا - مگر کوئی لڑائی نہیں ہوئی - مجدی بن عمرو الجہنی بیچ میں پڑا اور لڑائی نہ ہونے دی +

ظاہر ہے کہ تیس سواروں کا بھیجنا کسی سے لڑنے یا حملہ کے لئے نہیں ہو سکتا - مگر ایسی قلیل جماعت کا خبر رسانی کے لئے اور مکہ کے لوگوں کے ارادہ کی تفتیش کرنے کے لئے جو ایک ضروری امر تھا بھیجنا ممکن ہے چنانچہ وہ نتیجہ حاصل ہوا اور مکہ کے لوگوں کی آمادگی اور حملہ آوری کی نیت کی خبر ملی +

سریہ رابغ شوال سنہ ۱ ہجری - ۲

رابغ - ایک میدان ہے درمیان ابوا اور جحفہ کے +

اس سریہ میں سائھ یا اسی سوار تھے اور عبد اللہ بن الحارث اس کے سردار تھے اور اُن کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نشان عنایت کیا تھا - جب یہ لوگ ثنیۃ المرہ میں پہنچے تو وہاں قریش کا لشکر بسرداری عکرمہ بن ابی جہل یا مکرز بن حفص موجود تھا - اسی لشکر میں مقداد بن عمرو حلیف بن زہرہ اور عتبہ بن غزوان حلیف بن نوفل جو دل سے مسلمان تھے موجود تھے اور موقع پاکر مسلمانوں کے لشکر میں چلے آئے - غالباً اسی سبب سے لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ اگر ہوتی تو قبائل بنی زہرہ اور بنی نوفل جو مقداد اور عتبہ کے حلیف تھے قریش سے برگشتہ ہو جاتے +

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ	تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے

یہ سریہ خواہ بقصد دریافت حالات اہل مکہ بھیجا گیا ہو یا بارادہ مقابلہ لشکر قریش کے مگر حملہ آوری کے طور پر بھیجا کسی طرح قرار نہیں پا سکتا انتہا یہ ہے کہ قریش کے حملے کے روکنے کے لئے جو امن قایم رہنے کے لئے لازمی تھا بھیجا گیا تھا +

سریہ خرار ذیقعد سنہ ۱ ہجری ۳

خرار - جحفہ کے نزدیک ایک مقام ہے جس کا نام ہے +

اس سریہ میں اسی آدمی مہاجرین میں سے تھے اور سعد بن ابی وقاص اُن کے سردار تھے - اُن کو کہیں کسی دشمن کا پتا نہیں ملا اور خرار تک جا کر واپس آ گئے - اس سے ظاہر کہ یہ لوگ صرف خبر رسانی کی غرض سے روانہ ہوئے تھے +

غزوہ ودان یا غزوہ ابواء صفر سنہ ۱ ہجری ۴

ودان - فعلان کے وزن پر ایک بستی مکہ و مدینہ کے درمیان فرع کی طرف جحفہ کے پاس تھی ہرشی وہاں سے چھ میل اور ابواء آٹھ میل تھا +

ابواء - فرع کے متعلقات سے ہے اور وہاں حضرت آمنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر ہے +

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس سفر میں تشریف لے گئے اور بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ سے جن کا سردار مخشی بن عمرو الضمیری تھا اس بات پر معاہدہ کیا کہ وہ نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد کرینگے نہ قریش مکہ کی - یہ معاہدہ کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ والوں کو قریش مکہ کے حملہ کا کس قدر خوف تھا +

غزوہ بواط ربیع الاول سنہ ۲ ہجری ۵

بواط - ایک پہاڑ ہے جہینہ کے پہاڑوں میں سے رضوی کے پاس +

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر فرمایا اور رضوی کی طرف سے بواط میں ہو کر واپس تشریف لے آئے - یہ صرف ایک سفر تھا خواہ اس سے مقصد لوگوں میں وعظ کرنا ہو یا قریش مکہ کے ارادوں کا پتہ لگانا یا دونوں +

وَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ	اور اگر تم روگردانی کرو یعنی توبہ سے

غزوہ سفوان یا بدر اولےٰ ربیع الاول ۲ سنہ ہجری ۶

سفوان - بدر کے پاس جو ایک میدان ہے سفوان اُس کا نام ہے +

بدر - ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی صفراء کے اخیر واقع ہے اور وہاں سے سمندر کا کنارہ ایک رات بسے کا رستہ ہے +

کرز بن جابر الفہری نے مدینہ والوں کے مویشی لوٹ لئے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خاص اُن کا تعاقب کیا اور سفوان تک تشریف لیگئے مگر وہ ہاتھ نہ آیا +

غزوہ ذی العشیرہ جمادی الآخر ۲ سنہ ہجری + ۷

ذوالعشیرہ - ایک جگہ ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان ینبع کی طرف اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہاں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تھا +

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر کیا اور بنی مدلج اور اُن کے حلیف بنی ضمرہ سے ایک معاہدہ کرکے واپس تشریف لے آئے - اس سفر میں ایک رات حضرت علی مرتضےٰ زمین پر سوئے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جگایا - اور حضرت علی مرتضےٰ کو مٹی میں بھرا ہوا دیکھ کر فرمایا "مالک یا ابو تراب" اور جب سے حضرت علی مرتضےٰ کا لقب "ابو تراب" ہو گیا +

سریہ نخلہ رجب ۲ سنہ ہجری ۸

نخلہ - جس کو نخلہ محمود بھی کہتے ہیں ایک جگہ ہے مکہ کے پاس درمیان مکہ و طائف کے وہاں کھجور اور انگور بہت ہوتے تھے اور وہ پہلی منزل ہے مکہ سے +

اس سریہ میں مہاجرین میں سے اسی آدمی تھے اور ان کے سردار عبداللہ بن جحش تھے اور مکہ کے قریب بھیجے گئے تھے جہاں جان جانے کا نہایت اندیشہ تھا اور صرف قریش مکہ کے ارادوں کی خبر لینے کو بھیجے گئے تھے - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک پرچہ پر لکھ دیا تھا کہ "امض حتی تنزل نخلۃ فترصد بہا قریشا و تعلم لنا من اخبارھم" +

جب یہ لوگ نخلہ میں پہنچے اتفاقاً قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لیکر آ پہنچا عبداللہ بن جحش نے اُن پر حملہ کیا اور واقد بن عبداللہ کے تیر سے اُس قافلہ میں سے عمرو بن الحضرمی مارا گیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان قید ہو گئے +

فَاعْلَمُوْا	تو جان لو

جب عبداللہ بن جحش لوٹ کا مال اور قیدیوں کو لیکر مدینہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور قیدیوں کو سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کے واپس آنے پر جو پیچھے رہ گئے تھے چھوڑ دیا اور عمرو بن الحضرمی کی دیت یعنی خون بہا اپنے پاس سے ادا کیا ✦

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سریوں کے بھیجنے سے صرف قریش کے ارادوں کا حال دریافت کرنا مقصود تھا نہ لوٹنا اور کسی پر حملہ کرنا ✦

غزوہ بدر الکبریٰ رمضان ۲ سنہ ہجری ۹

اس غزوہ کا حال ہم سورہ انفال کی تفسیر میں مفصل لکھ چکے ہیں اور اُس میں بتایا ہے کہ یہ غزوہ قریش کے قافلہ کے لوٹنے کے لئے جو شام سے آتا تھا نہیں ہوا تھا بلکہ قریش مکہ جو لشکر جمع کرکے حملہ کے ارادہ سے نکلے تھے اُس کے دفع کرنے کے لئے ہوا تھا۔لیکن اگر اس مقام پر اسی بات کو تسلیم کرلیں کہ قافلہ ہی کے لوٹنے کو حملہ ہوا تھا تو بھی کچھ الزام نہیں ہوسکتا۔جس قدر کہ حالات اوپر لکھے گئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریش مکہ مدینہ والوں کے پورے دشمن تھے اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے موقع کو دیکھ رہے تھے۔اور حملہ کرکے مدینہ والوں کے مویشی لوٹ چکے تھے پس اگر مدینہ والوں نے اس خیال سے کہ مکہ کے دشمنوں کو زیادہ قوت نہ ہوجاوے اُن کے اسباب کو لوٹ لینا چاہا تو کیا الزام ہوسکتا ہے دو قوموں میں دشمنی جب علانیہ ہوجاوے جو بمنزلہ اشتہار جنگ کے ہے اور ہر ایک آمادہ جنگ ہو تو ایسے امور کا مرتکب ہونا کسی طرح خلاف اخلاق یا خلاف قدرتی قانون اقوام کے نہیں ہے۔مگر ہمارا یہ بیان بطریق تنزل کے ہے کیونکہ ہم ثابت کرچکے ہیں کہ یہ غزوہ قافلہ کو لوٹنے کے لئے نہ تھا ✦

سریہ عمرو بن عدی الخطمی رمضان ۲ سنہ ہجری ۱۰

سریہ سالم بن عمرو شوال ۲ سنہ ہجری ۱۱

تعجب ہے کہ علامہ قسطلانی نے ان دونوں قصوں کو سریہ کرکے لکھا ہے حالانکہ نہ وہ سریہ تھے نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن دونوں میں سے کسی کو کہیں بھیجا تھا۔عمر بن عدی نے از خود ایک عورت عصماء بنت مروان کو جو یزید بن الخطمی کی تھی اور اُس کی رشتہ دار تھی

کر تم	اَنتُم

رات کو مار ڈالا۔ اور سالم بن عمیر نے ایک بڈھے یہودی کو مار ڈالا۔ یہ ایک معمولی واقعات ہیں جو دنیا میں ہوتے رہتے ہیں اُن کو اس خیال سے کہ دو کافر مارے گئے سریہ میں داخل کرنا محض غلطی ہے بالفرض اگر ہیسے واقعہ کی خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئی اور اُس پر کچھ مواخذہ نہیں کیا جس کے کچھ اسباب ہونگے تو بھی اُس کو قرار نہیں دیا جا سکتا ✤

سریہ بنی قینقاع شوال سنہ ۲ ہجری ۱۴

بنی قینقاع۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ میں رہتے تھے اور ایک بازار اُن کے نام سے موسوم تھا اور سوق بنی قینقاع کہلاتا تھا ✤

ان سے بھی امن کا معاہدہ تھا مگر جب بدر کی لڑائی ہوئی تو انہوں نے اظہار بغاوت[۵] کیا۔ اسی درمیان میں ایک مسلمان عورت سے جو سوق بنی قینقاع میں ایک کام کو گئی تھی نالایق ہو پر ہنسی کی اور اُس کا کپڑا ایسا کہ اُس کا ستر عورت کھول ڈالا اُس پر ایک مسلمان غصہ میں آیا اور اُس یہودی کو جس نے عورت کو بے ستر کیا تھا مار ڈالا۔ یہودیوں نے اُس مسلمان کو گھیر کر مار ڈالا اس پر یہودیوں اور مسلمانوں میں نزاع قایم ہو گئی ✤

ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات اُس وقت ہوئے ہیں جب آنحضرت بدر کی لڑائی میں مصروف تھے۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو اُن یہودیوں نے علانیہ معاہدہ توڑ دیا اور عہدنامہ واپس بھیجدیا[۶] ✤

اس واقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی قینقاع کے محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ کیا عجب ہے کہ اس محاصرہ میں کسی سے کچھ لڑائی بھی ہوئی ہو۔ لیکن ضرور تھا کہ قبل شروع کرنے لڑائی کے بطور قطع حجت اُن کو دعوت اسلام کی جاوے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سب کو گھیر کر فرمایا کہ تم اسلام قبول کرو ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو بدر والوں کا ہوا۔ اس پر انہوں نے سخت کلامی سے جواب دیا۔ مگر عبداللہ ابن ابی ابن سلول درمیان میں پڑا اور یہ ٹھیرا کہ یہودی مدینہ سے چلے جاویں چنانچہ عبادہ بن صامت اُن کی حفاظت کو متعین ہوئے اور وہ لوگ بامن و امان معہ مال و اسباب مدینہ سے چلے گئے اُن کے ہتیار لے لئے گئے اور زمینیں ضبط کر لی گئیں اور وہ لوگ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے

[۵] دیکھو تاریخ کامل ابن الاثیر۔ جلد ثانی صفحہ ۵۸ مطبوعہ مصر ✤

[۶] دیکھو تاریخ کامل جلد ثانی صفحہ ۵۸ مطبوعہ مصر ✤

عاجز کرنے والے نہیں ہو اللہ کے	غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ

کہ یہ واقعہ آنحضرت کی طرف سے حملہ تھا یا بجبر مسلمان کرنا مقصود تھا یا صرف امن کا قایم رکھنا +

غزوۃ السویق ذوالحجہ ۲ سنہ ہجری [۱۳]

یعنی جس حملہ میں قریش کہ اپنی خوراک کے لئے ستو اپنے ساتھ لائے تھے +

ابو سفیان دفعۃً دو سو سوار لیکر رات کو خفیہ مدینہ میں آیا اور سلام بن مشکم یہودی قبیلہ بنی نضیر سے ملا اور مسلمانوں کے حالات کی جاسوسی کر کے چلا گیا۔ مکہ پہنچ کر قریش مکہ کی ایک جماعت مدینہ پر بھیجی اور مدینہ کے ایک محلہ پر جس کا نام عریض ہے آپڑی اور اُس نواح کے باغوں کو جلا دیا اور ایک مسلمان انصاری کو اور ایک مکہ کے رہنے والے اُس کے حلیف کو مار ڈالا [۱] +

اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمی لیکر اُن کا تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک تشریف لے گئے مگر کوئی ہاتھ نہیں آیا +

غزوہ قرقرۃ الکدر یا غزوہ بنی سلیم محرم ۲ سنہ ہجری [۱۴]

قرقرۃ الکدر۔ ایک چشمہ کا نام ہے جہاں یہود بنی سلیم رہتے تھے مدینہ سے آٹھ منزل ہے +

بعض اسباب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس طرف تشریف لیجانا مناسب سمجھا اور آپ قرقرۃ الکدر تک تشریف لے گئے اور تین دن وہاں مقام فرمایا مگر کسی سے مقابلہ یا لڑائی نہیں ہوئی +

سریہ محمد بن سلمہ ربیع الاول ۳ سنہ ہجری [۱۵]

کعب بن اشرف ایک یہودی تھا جو کفار قریش کا حامی تھا اور مسلمانوں کو اور آنحضرت کو ایذا پہنچاتا تھا اور قریش مکہ کو حملہ کرنے کی ترغیب دیتا تھا [۲]۔ اُس کو محمد بن سلمہ نے چند اپنے ساتھیوں کی مدد سے مار ڈالا +

---

[۱] کامل صفحہ ۵۰۔ زاد المعاد میں خود ابو سفیان کی نسبت درختوں کا جلانا اور انصاری کا قتل کرنا لکھا ہے +

[۲] واقعہ بدر کے بعد یہ خود مکہ گیا اور قریش کو جنگ پر آمادہ کیا +

مقتولین بدر کے مرثیے لکھے جن سے قریش کو نہایت جوش دلایا۔ کامل ۔ ۵۸ +

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ	اور مژدہ دے اُن لوگوں کو جو

واقعہ تو اس قدر ہے اب رہی یہ بات کہ اُن لوگوں نے خود مارا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک ایسا امر ہے جس کا قابل اطمینان تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت کے حکم سے مارا۔ اور اس بات کا تصفیہ کہ ایسی حالت میں کہ وہ دشمنوں سے سازش رکھتا تھا اور مدینہ پر حملہ کی ترغیب دیتا تھا اُس کا قتل کروا دینا بلحاظ اُن اصولوں کے جو انتظام جنگ اور دشمنوں کے جاسوسوں اور تھانگیوں سے علاقہ رکھتے ہیں واجب تھا یا نا واجب اُن لوگوں کے تصفیہ پر چھوڑتے ہیں جو اصول جنگ سے واقف ہیں ✦

غزوہ ذی امر ربیع الاول ۳ سنہ ہجری ۱۶

امر۔ راے مشدد مفتوحہ سے ایک موضع کا نام ہے جو نواح نجد میں واقع ہے ✦

یہ صرف ایک سفر تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نجد او غطفان کی طرف فرمایا تھا اس سفر میں نہ کسی سے مقابلہ ہوا نہ کسی سے لڑائی ہوئی ایک مہینہ تک اُس نواح میں آپ نے قیام کیا پھر واپس تشریف لے آئے ✦

غزوہ فرع من بحران جمادی الاول ۳ سنہ ہجری ۱۷

فرع۔ ایک گاؤں کا نام ہے ربذ پہاڑ کے پاس مدینہ سے آٹھ منزل مکہ کی طرف ✦

بحران۔ ایک میدان ہے اُسی کے پاس ✦

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنابتہ خاص قریش مکہ کا حال دریافت کرنے کو سفر کیا اور دو مہینہ تک اُس نواح میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ میں چلے آئے کوئی جھگڑا قضیہ کسی سے نہیں ہوا ✦

غزوہ قردہ جمادی الآخر ۳ سنہ ہجری ۱۸

قردہ۔ ایک چشمہ کا نام ہے جو نجد میں ہے ✦

قریش مکہ کی تجارت کا روکنا جن سے ہر وقت اندیشۂ جنگ تھا ایک ضروری امر تھا اُنہوں نے قدیم رستہ تجارت کا چھوڑ کر ایک نیا رستہ عراق میں ہو کر نکالنا چاہا اور ابو سفیان بن حرب قافلہ لیکر نکلا اور فرات بن حیان رستہ بتانے والا تھا۔ جب اُس کی خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو زید ابن حارثہ کو اُن پر بھیجا اُس نے قافلہ کو لوٹ لیا اور فرات بن

کَفَرُوْا	کافر ہیں

حیان کو پکڑ لیا جو بعد اس کے مسلمان ہو گیا +

یہ تمام واقعات ایسے ہیں جو ایک جنگجو دشمن کے مقابلہ میں ہر ایک قوم کو کرنے پڑتے ہیں ان واقعات سے اس بات پر استدلال نہیں ہو سکتا کہ یہ لڑائیاں بزور مسلمان کرنے کے لئے تھیں +

غزوۂ احد شوال ۳ سنہ ہجری ۱۹

احد - مدینہ سے کچھ فاصلہ پر جو سُرخ پہاڑ ہے اُس کا نام ہے +

ابو سفیان مکہ سے تین ہزار لڑنے والوں کے ساتھ لڑنے کو اور مدینہ پر حملہ کرنے کو روانہ ہوا جب کہ وہ لوگ عینین میں جو بطن سبخہ میں مدینہ کے مقابل ایک پہاڑ ہے پہنچے تو آنحضرت بھی مدینہ سے روانہ ہوئے اور احد کے پاس مقام کیا۔ نہایت سخت لڑائی ہوئی مسلمانوں کی فتح کامل ہونے کو تھی کہ لوگ لوٹنے میں مشغول ہوئے اور فتح کی شکست ہو گئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چار دانت پتھر کے صدمہ سے ٹوٹ گئے مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اس پر بہت لوگ بھاگ نکلے جب معلوم ہوا کہ آنحضرت صحیح و سالم ہیں تب سب لوگ ایک محفوظ جگہ میں اکٹھے ہو گئے۔ دوسرے دن قریش مکہ نے وہاں سے کوچ کیا اور مکہ کو چلے گئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شہدا کو دفن کیا اور مدینہ میں چلے آئے +

غزوۂ حمراء الاسد شوال ۳ سنہ ہجری ۲۰

حمراء الاسد - ایک جگہ ہے مدینہ سے آٹھ میل پر +

احد سے واپس آنے کے دوسرے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنہی لوگوں کو ساتھ لیکر جو احد کی لڑائی میں شریک تھے مدینہ سے کوچ کیا اور حمراء الاسد میں پہنچکر تین دن تک مقام کیا اور پھر واپس آ گئے۔ غالباً یہ اس لئے تھا کہ لوگ یہ نہ خیال کریں کہ احد کے واقعہ کے سبب سے مسلمانوں میں اب کچھ قوت باقی نہیں رہی +

سریہ عبداللہ ابن انیس محرم ۴ سنہ ہجری ۲۱

عبداللہ بن انیس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی کہ سفیان بن خالد ہذلی نے

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (۳)	دکھ دینے والے عذاب کا (۳)

عرنہ وادی عرفہ میں کچھ لوگ آنحضرت سے لڑنے کے لئے جمع کئے ہیں یہ سُنکر وہ مدینہ سے غائب ہوگیا اور سفیان کے پاس پہنچا اُس نے پوچھا کہ تو کون ہے اُس نے کہا کہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص ہوں میں نے سُنا ہے کہ تم نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے لڑنے کو لوگ جمع کئے ہیں میں بھی تمہارے ساتھ ہوا چاہتا ہوں اُس نے کہا اچھا آؤ۔ عبداللہ ابن انیس تھوڑی دُور اُس کے ساتھ چلے اور اُس کو دھوکا دیکر مار ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر آنحضرت پاس لے آئے مگر کسی کتاب میں یہ بات نہیں لکھی ہے کہ آنحضرت نے اُس کو ایسا کرنے کو کہا تھا ۔

سریہ قطن یا سریہ ابی سلمہ محرم ۴ سنہ ہجری ۲۴

قطن۔ ایک پہاڑ کا نام ہے جو فید کی طرف واقع ہے اور فید ایک پانی کا چشمہ ہے بنی عمرو بن کلاب کے متعلق ابی سلمہ ڈیڑھ سو آدمی لیکر جس میں مہاجرین اور انصار دونوں شامل تھے طلحہ اور سلمہ پسران خویلد کی تلاش میں نکلے اور قطن پہاڑ تک تلاش کی مگر ان میں سے کوئی دستیاب نہیں ہوا اور نہ کسی سے کچھ لڑائی ہوئی ۔

سریۃ الرجیع صفر ۴ سنہ ہجری ۲۴

رجیع ایک چشمہ کا نام ہے جو حجاز کے کنارہ پر قوم ہذیل سے متعلق ہے ۔

چند لوگ قوم عضل اور قوم قاری کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگوں میں اسلام پھیل گیا ہے آپ کچھ لوگ مذہب کے مسائل سکھانے کو ساتھ کر دیجئے آپ نے چھ آدمی ساتھ کر دئے جب رجیع میں پہنچے تو انہوں نے دغا بازی کی اور چھوں آدمیوں کو تلواروں سے گھیر لیا۔ اخیر کو یہ کہا کہ اگر تم قریش مکہ کے قبضہ میں جانا قبول کرو تو ہم تم کو مارنے کے نہیں قریش نے ہمارے آدمی قید کر لئے ہیں اُن کے بدلے تم کو دیکر اپنے آدمی چھوڑا لاویں گے۔ اُن چھ میں سے مرثد ابن مرثد اور خالد بن البکر و عاصم بن ثابت نے نہ مانا اور نہایت بہادری سے وہیں لڑکر شہید ہو گئے اخیر کو عاصم بھی لڑنے پر طیار ہوا اور لوگوں نے پتھروں سے مار کر اُن کو بھی شہید کیا باقی دو شخصوں کو مکہ میں لیجا کر قریش کے ہاتھ بیچڈالا قریش نے اُن کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اُن کو شہید کیا ۔

سریہ بیر معونہ صفر ۴ سنہ ہجری ۲۷

بیر معونہ۔ یہ ایک کنواں ہے درمیان بنی عامر اور حرہ بنی سلیم کے ۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴﴾

مگر وہ لوگ جن سے تم نے عہد باندھا ہے مشرکین سے پھر اُنہوں نے کمی نہیں کی تم سے (عہد کے پورا کرنے میں) کچھ بھی اور نہ مدد دی تمہارے برخلاف کسی کو پھر تم پورا کرو اُن سے اُن کا عہد اُن کی میعاد تک بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو ﴿۴﴾

ابو براء عامر بن مالک اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا مگر مذہب اسلام کو ناپسند بھی نہیں کرتا تھا اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ کچھ لوگ اسلام کا وعظ کرنے کو نجد کی طرف بھیجیں تو غالبًا اُس طرف کے لوگ اسلام قبول کر لینگے۔ حضرت نے فرمایا کہ اہل نجد سے اندیشہ ہے ابو براء نے کہا کہ وہ ہماری حمایت میں ہیں۔ آنحضرت نے چالیس شخص جو قرآن کے قاری تھے اور دن رات قرآن پڑھنا اُن کا کام تھا ساتھ کر دئے۔ بیرمعونہ پر یہ لوگ ٹھیرے اور حرام بن ملحان کے ہاتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خط جو عامر بن طفیل کے نام بھیجا تھا بھیجوا یا اُس نے عامر کو قتل کر ڈالا اور بہت بڑی جماعت سے بیرمعونہ پر چڑھ آیا اور سب مسلمانوں کو گھیر کر مار ڈالا صرف ایک شخص مردوں میں پڑا ہوا بچ گیا +

غزوہ بنی نضیر ربیع الاول سنہ ۳ ہجری ۲۵

بنی نضیر یہودیوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے +

عمرو بن اُمیۃ الضمیری مدینہ کو آتا تھا رستہ میں دو شخص قبیلہ بنی عامر سے ملے جس قبیلہ سے کہ آنحضرت سے عہد تھا عمرو بن امیہ نے اُن دونوں کو سوتے میں مار ڈالا۔ جب آنحضرت کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ میں اُن دونوں کی دیت دونگا۔ آنحضرت نے اُن دونوں کی دیت کے لئے بنی نضیر سے بھی مدد چاہی کیونکہ بنی نضیر اور آنحضرت کے درمیان میں بھی معاہدہ تھا اور بنی نضیر اور بنی عامر آپس میں حلیف تھے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نضیر میں دیت کے پورا کرنے میں مدد کے مانگنے کو گئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک دیوار کے تلے جا بیٹھے۔ بنی نضیر نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایسے وقت میں آنحضرت کو مار ڈالا جائے اور یہ تجویز کی کہ دیوار پر چڑھ کر ایک بڑا پتھر اُن پر ڈال دیا جائے اور عمرو بن حجاش اس کام کے لئے مقرر ہوا۔ اتنے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ میں چلے آئے۔ جب کہ یہ دغابازی بنی نضیر کی محقق ہو گئی تو آنحضرت نے اُن پر چڑھائی کی وہ قلعہ بند ہو گئے اور آنحضرت نے اُن کا محاصرہ کر لیا اور یہ بات ٹھیری کہ وہ لوگ

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ	پھر جب نکل جاویں امن کے مہینے تو مارو مشرکوں کو جہاں اُن کو پاؤ اور اُن کو پکڑو اور اُن کو گھیرو

مدینہ سے چلے جائیں اور اُن کے اونٹ سوائے ہتھیاروں کے جس قدر مال و اسباب اُٹھا سکیں لیجاویں۔ چنانچہ اُنہوں نے چھ سو اونٹوں پر اپنا اسباب لادا اور اپنے مکانوں کو خود توڑ دیا اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے ۔

غزوہ بدر موعودہ یا غزوہ بدر الاخریٰ فی ذیقعدہ سنہ ۴ ہجری ۲۶

ابوسفیان نے وعدہ کیا تھا کہ میں تم سے پھر لڑونگا اُس وعدہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے کوچ کیا اور بدر میں پہنچکر مقام فرمایا۔ ابوسفیان بھی مکہ سے نکلکر ظہران یا عسفان تک آیا مگر آگے نہیں بڑھا اور کہا کہ یہ سال قحط کا ہے اس میں لڑنا مناسب نہیں اور سب لوگوں کو لیکر مکہ کو واپس چلا گیا ۔

غزوہ ذات الرقاع محرم سنہ ۵ ہجری ۲۷

ذات الرقاع ۔ اس غزوہ کا یا تو اس لئے نام ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے جھنڈوں میں جو پھٹ گئے تھے پیوند لگائے تھے اور بعض کا قول ہے کہ جہاں مسلمانوں کا لشکر ٹھیرا تھا وہاں ایک درخت تھا جس کا نام ذات الرقاع تھا ۔

بنی محارب اور بنی ثعلبہ نے جو قبیلۂ غطفان سے تھے لڑائی کے لئے کچھ لوگ جمع کئے تھے اُن کے مقابلہ کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوچ کیا تھا۔ جب آپ غطفان میں پہنچے تو ایک بہت بڑا گروہ دشمنوں کا نظر آیا۔ دونوں طرف کے لوگ لڑنے کے ارادہ سے آگے بڑھے مگر لڑائی نہیں ہوئی اور ہر ایک گروہ واپس چلا گیا ۔

غزوہ دومۃ الجندل ربیع الاول سنہ ۵ھ ۲۸

دومۃ الجندل ۔ ایک قلعہ کا نام ہے جو مدینہ اور دمشق کے بیچ میں ہے اور اُس کے قریب ایک پانی کا چشمہ ہے ۔

اس بات کا خیال ہونے پر کہ یہاں کے لوگوں نے بھی لڑائی کے لئے کچھ لوگ جمع کئے ہیں اس طرف کوچ کیا مگر اثنائے راہ میں سے واپس تشریف لے آئے۔ غالباً اس لئے کہ اُس

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾	اور بیٹھو اُن کے لئے گھات کی جگہ میں۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور دیں زکوٰۃ کو تو چھوڑ دو اُن کا رستہ۔ بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۵﴾

خیال کی صحت نہ پائی گئی ہوگی ✦

غزوہ بنی المصطلق یا غزوہ مریسیع شعبان سنہ ۵ ہجری [۲۹]

بنی المصطلق۔ عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے ✦

مریسیع۔ ایک چشمہ کا نام ہے جو قدید کی طرف واقع ہے ✦

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار نے لڑائی کے ارادہ پر لوگوں کو جمع کیا ہے۔ آنحضرت نے اُن کے مقابلہ کے لئے کوچ کیا اور مریسیع کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور لڑائی ہوئی اور بنی المصطلق کو شکست ہوئی اور اُن کی عورتیں اور بچے سب قید ہو گئے۔ اُس وقت تک یہ آیت حریت "فاما منا بعد واما فداء" نازل نہیں ہوئی تھی ✦

غزوہ خندق ذیقعدہ سنہ ۵ ہجری [۳۰]

بنی نضیر کے یہودی جو جلاوطن کئے گئے تھے اُن میں کے چند سردار اور بنی وائل کے چند سردار مکہ میں قریش کے پاس گئے اُن کو مدینہ پر حملہ کرنے کو آمادہ کیا اور روپیہ اور سامان اور ہر طرح سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ قریش کہ اس پر راضی ہوئے اور ابوسفیان کو سردار قرار دیا اور لوگوں کو جمع کیا اور قبیلہ غطفان میں پہنچے اور اُس قبیلہ میں سے بھی لوگ ساتھ ہوئے اور دس ہزار آدمیوں کا لشکر لیکر مدینہ پر حملہ کرنے کو روانہ ہوئے ✦

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کو سُنکر مدینہ سے باہر جا کر لڑنا مناسب نہ سمجھا اور مدینہ کے گرد خندق کھود کر مورچہ بندی کی یہود بنی قریظہ جن سے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے امن کا معاہدہ تھا اُنہوں نے بھی اپنا معاہدہ توڑ دیا اور دشمنوں سے مل گئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے پاس لوگوں کو بھیجا اور معاہدہ یاد دلایا مگر علانیہ مخالفت کی ✦

اس واقعہ سے اور بنی قریظہ کے دشمنوں کے ملجانے سے مدینہ والوں پر نہایت سخت وقت تھا اور ایک شخص کے بچنے کی بھی توقع نہ تھی غرض کہ یہ تمام لشکر مدینہ پر آپہنچا اور مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک مہینہ تک محاصرہ رہا اور لڑائیاں ہوتی رہیں خصوصاً مسلمان بھی خوب دل توڑ کر دشمنوں کے حملہ کو دفع کرتے تھے آخر کار دشمن غالب نہ آسکا اور محاصرہ اُٹھا کر

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (۶)	اور اگر کوئی مشرکوں میں سے تجھ سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے تاکہ سُنے کلام اللہ کا اور اُس کو پہنچا دے اُس کی امن کی جگہ میں یہ اس لئے کہ وہ ایک قوم ہیں کہ نہیں جانتے (۶)

نہایت ناکامی کے ساتھ واپس چلا گیا ◆

غزوہ عبد اللہ ابن عتیک ذیقعدہ ۵ سنہ ہجری (۳۱)

جس زمانہ میں مدینہ پر چڑھائی کرنے کو تمام قومیں جمع ہو رہی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے گرد خندق کھودنے میں مصروف تھے اُسی زمانہ میں رافع بن عبد اللہ جس کو سلام ابن ابی الحقیق کہتے تھے ایک سردار یہودی تھا وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے قوموں کے جمع کرنے میں بہت کوشش کر رہا تھا۔ عبد اللہ ابن عتیک اور عبد اللہ ابن انیس اور ابو قتادہ اور اسود بن خزاعی اور مسعود بن سنان خیبر کو گئے جہاں وہ رہتا تھا اور کسی طرح رات کو اُس کی خوابگاہ میں چلے گئے اور اُس کو مار ڈالا ◆

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا نے اُن کو اُس یہودی سردار کے قتل کو بھیجا تھا شاید ایسا ہوا ہو مگر ہم اس لئے شبہ میں ہیں کہ ایشیائی مورخوں کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ ہر چیز کو پیغمبر سے منسوب کر دیتے ہیں علاوہ اس کے یہ قصہ ایسی عجیب باتوں کے ساتھ ملا کر لکھا ہے کہ وہی باتیں اُس کے سچ ہونے پر شبہ ڈالتی ہیں نہایت شبہ ہے کہ یہ واقعہ ہوا بھی یا نہیں مگر ہم کو مناسب ہے کہ جو طرف ضعیف ہے اُسی کو اختیار کریں پس تسلیم کرتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ گئے اور اُنہوں نے اُس یہودی کو جو قوموں کو مدینہ پر حملہ کرنے کو جمع کر رہا تھا مار ڈالا۔ مگر اس واقعہ سے ہمارے اس دعوے میں کہ تلوار کے زور سے اسلام قبلوانا ان لڑائیوں سے مقصود نہ تھا کچھ خلل واقع نہیں ہوتا ◆

غزوہ بنی قریظہ ذیحجہ ۵ سنہ ہجری (۳۲)

بنی قریظہ۔ ایک قبیلہ یہود کا تھا جو مدینہ میں رہتا تھا اُن سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا معاہدہ تھا مگر جنگ کی لڑائی ہوئی تو بنی قریظہ نے معاہدہ توڑا اور دشمنوں کو ہتیار دینے سے مدد کی۔ جب اُن سے مواخذہ ہوا تو کہا ہم بھول گئے اور ہم سے

وهم يهود بني قريظة عاهدهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لا يمالئوا عليه فلما نوا المشركين بالسلاح (يوم بدر) وقالوا نسينا ثم عاهدهم فنكثوا ومالئوا عليه

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۷﴾

کیونکر ہو مشرکوں کے لئے عہد اللہ کے نزدیک اور اُس کے رسول کے نزدیک بجز اُن کے جن سے تم نے عہد کیا تھا مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے پاس پھر جب تک وہ قایم رہیں (اپنے عہد پر) تمہارے لئے تو تم بھی قایم رہو (اپنے عہد پر) اُن کے لئے بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو ﴿۷﴾

یوم الخندق (بیضاوی دکبیر)

خطا ہوئی معاف کیجئے اُس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اُن سے معاہدہ کیا۔ اس کو بھی اُنہوں نے توڑ دیا اور خندق کی لڑائی میں دشمنوں سے جا ملے۔ دشمنوں نے مدینہ پر حملہ کیا تھا اور مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی اور بنی قریظہ مدینہ میں رہتے تھے پس خاص شہر کے رہنے والوں کا محاصرہ کی حالت میں ہونا سخت واقعہ تھا کہ ایک مسلمان کو بھی زندہ بچنے کی توقع نہ رہی ہوگی ✦

جب دشمنوں نے مدینہ کا محاصرہ اُٹھا لیا اور واپس چلے گئے اُس وقت آنحضرت صلعم نے بنی قریظہ کو اُن کی بغاوت اور عہد شکنی کی سزا دینی چاہی اور بنی قریظہ جہاں رہتے تھے اُن کا محاصرہ کر لیا ۲۵ پچیس دن تک محاصرہ رہا اسی درمیان میں اُنہوں نے کعب ابن اسد سے جو اُن کا سردار تھا صلاح کی کہ کیا کرنا چاہیے اُس نے صلاح دی کہ تین کاموں میں سے ایک اختیار کرو۔ یا ہم سب اسلام قبول کرلیں۔ یا خود اپنی آل اولاد اور عورتوں کو قتل کر کے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے لڑ کر مرجاویں۔ یا آج ہی کہ سبت کا دن ہے اُن پر حملہ کردیں کیونکہ وہ آج کے دن غافل ہونگے اور سمجھتے ہونگے کہ سبت کے دن یہودی نہیں لڑنے کے مگر وہ ان تینوں باتوں میں سے کسی پر راضی نہ ہوئے ✦

اب وہ صلح کی طرف متوجہ ہوئے اُس کا یہ جواب تھا کہ بلا کسی شرط کے وہ اپنے تئیں سپرد کریں اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم جو چاہینگے وہ اُن کی نسبت حکم دینگے۔ تب اُنہوں نے درخواست کی کہ تھوڑی دیر کے لئے ابو لبابہ کو جو اُس قوم سے تھا جو بنی قریظہ کے حلیف تھے ہمارے پاس بھیجدیا جاوے۔ وہ گئے اور تمام لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ ہم پیغمبر کے حکم پر اپنے تئیں سپرد کردینا قبول کرلیں یا نہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہاں مگر اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا جس سے یہ اشارہ تھا کہ سب قتل کئے جاوینگے۔ تب اُنہوں نے جیسا کہ تفسیر کشاف میں لکھا ہے اس بات پر اپنے تئیں سپرد کرنے سے کہ آنحضرت جو چاہینگے اُن کی نسبت حکم دینگے انکار کیا ✦

فحاصرهم خمسا وعشرين ليلة حتى جهدهم الحصار فقال لهم رسول الله تنزلون على حكمي فأبوا فقال على حكم سعد بن معاذ فرضوا به۔
(تفسیر کشاف صفحہ ۱۲۰) ✦

ابو لبابہ خوب جانتے تھے کہ بنی قریظہ دو دفعہ اپنا عہد توڑ چکے تھے اُن کا کوئی معاہدہ آیندہ کے لئے کریں قابل اعتبار نہ ہوگا اور اگر وہ اسلام قبول کرنے

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨﴾	کیونکر رہ سکتا ہے ایسے لوگوں سے عہد اور اگر وہ غالب ہوں تم پر تو نہ رعایت کریں تم میں قرابتمندی کی اور نہ عہد کی۔ تم کو خوش کرتے ہیں اپنے مُنہوں سے اور انکار کرتے ہیں اُن کے دل اور اُن میں اکثر فاسق ہیں ﴿٨﴾

پر راضی ہوں تو بھی اُس پر یقین نہیں ہوگا اور وہ منافق سمجھے جاوینگے جن کی نسبت جبتک علانیہ کوئی دشمنی کر چکے ہوں وہی حکم ہے جو اُن لوگوں کی نسبت ہے جو علانیہ کافر ہیں۔ علاوہ اس کے ابولبابہ کو معلوم تھا کہ وہ بغاوت کی سزا کے مستحق ہیں اگر اُن کی جگہ کوئی مسلمان قوم ہوتی تو وہ بھی بغاوت کی سزا سے بچ نہیں سکتی تھی۔ اسی سبب سے اُنہوں نے اشارہ کیا کہ سب قتل کئے جاوینگے +

اس پر بنی اوس جو بنی قریظہ کے حلیف تھے درمیان میں پڑے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جس طرح آپنے یہود بنی قینقاع سے جو بنی خزرج کے حلیف تھے معاملہ کیا وہی ان کے ساتھ بھی کیجئے اس پر آنحضرت نے کہا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری قوم میں کا ایک شخص یعنی سعد ابن معاذ جو حکم دیدے وہ منظور کیا جاوے۔ بنی اوس اور بنی قریظہ دونوں اس پر راضی ہوگئے اور بنو قریظہ نے اپنے تئیں سپرد کردیا +

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بنی قریظہ نے اول اپنے تئیں اسی بات پر سپرد کردیا تھا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اُن کی نسبت جو چاہیں حکم دیں اور بعد کو سعد ابن معاذ حکم قرار دئے گئے تھے مگر یہ قول صحیح نہیں ہے۔ بخاری میں جو سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے ابن سعید خدری سے دو روایتیں منقول ہیں اور اُن میں اور شامی میں صاف بیان ہوا ہے کہ بنی قریظہ نے اس بات پر اپنے تئیں سپرد کیا تھا کہ سعد ابن معاذ جو اُن کی نسبت حکم دیں وہ کیا جاوے +

غرضیکہ سعد ابن معاذ بلائے گئے اور اُنہوں نے یہ حکم دیا کہ لڑنے والوں کو قتل کردیا جاوے اور اُن کی عورتیں اور بچے قید کرلئے جاویں اور اُن کا مال تقسیم کردیا جاوے مگر بخاری کی حدیث میں عورتوں اور مال کی تقسیم کا کچھ ذکر نہیں ہے۔

بہرحال اس حکم کی تعمیل ہوئی تمام عورتیں اور بچے اور لڑکے

قال لما نزلت بنو قريظة على حكم سعد بن معاذ بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان قريبا منه فجاء على حمار فلما دنا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا الى سيدكم فجاء فجلس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له ان هؤلاء نزلوا على حكمك قال فانى احكم ان تقتل المقاتلة وان تسبى الذرية قال لقد حكمت فيهم بحكم الملك۔ (بخاری)

نزل اهل قريظة على حكم سعد بن معاذ فارسل النبى صلى الله عليه وسلم الى سعد فاتى على حمار فلما دنا من المسجد قال للانصار قوموا الى سيدكم او قال خيركم هؤلاء

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۹)	لیتے ہیں اللہ کی نشانیوں کے بدلے مول تھوڑا پھر روکتے ہیں اُس کے رستہ سے بیشک وہ بُرا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں (۹)

قريظة على حكمك فقال اقتل منهم مقاتلتهم وتسبي ذراريهم فقال قضيت بحكم الله او قال بحكم الملك (بخاري) ◆

قال ابن هشام حدثني من اثق به من اهل العلم ان علي ابن ابي طالب صاح وهم محاصرو بني قريظة يا كتيبة الايمان وتقدم هو والزبير وقال والله لاذوقن ما ذاق حمزة او لافتحن حصنهم فقالوا يا محمد ننزل على حكم سعد (ابن هشام صفحه ۶۸۹)

جن کی ڈاڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی قتل سے محفوظ رہے اور تمام مرد بجز تین شخصوں کے جن کی نسبت ثابت ہوا تھا کہ اس بغاوت میں شریک نہ تھے قتل کیے گئے - ایک عورت جس کا نام بنانہ تھا اور جس نے خلاد بن سوید بن صامت کو مار ڈالا تھا بطور قصاص کے ماری گئی[۱] جو عورتیں اور بچے قتل سے بچے تھے وہ لونڈی غلام بنا لئے گئے اور تمام جائداد بنی قریظہ کی ضبط ہو کر تقسیم کی گئی مگر یہ یاد رہے کہ اُس وقت تک آیت حریت جس میں اُن لوگوں کے قتل کو جو لڑائی میں قید ہو جاویں اور اُن کے لونڈی اور غلام بنانے کا امتناع ہے نازل نہیں ہوئی تھی - معہذا اُن لوگوں کو بطور قیدیان جنگ سزا نہیں دی گئی تھی بلکہ باغیوں کے لئے جو سزا ہونی چاہئے وہ دی گئی تھی ◆

مقتولین کی تعداد میں نہایت مبالغہ معلوم ہوتا ہے - بعضوں نے کہا ہے کہ چار سو تھے - اور بعضوں نے کہا چھ سو اور بعضوں نے کہا سات سو اور بعضوں نے کہا آٹھ سو اور بعضوں نے کہا نو سو - مگر بلحاظ اُس آبادی کے جو اُس زمانہ میں مدینہ میں تھی یقین نہیں ہو سکتا کہ چار سو آدمی بھی رہنے والے بنی قریظہ کے محلہ میں ہوں ◆

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ واقعہ نہایت خوفناک تھا - مگر کونسا زمانہ ہے اور کونسی قوم ہے جس کے ہاتھ سے باغیوں کی نسبت اس سے بھی سخت سزائیں نہ دی گئی ہوں - جن لوگوں نے بغاوت کی تاریخیں پڑھی ہیں یا اپنی آنکھوں سے اس انیسویں صدی عیسوی میں بھی جو سولیزیشن کا زمانہ کہلاتا ہے یا اس سے تھوڑے زمانہ پہلے بغاوت کے واقعات دیکھے ہیں اُن کی آنکھوں میں کئی سو آدمیوں کا بجرم بغاوت قتل ہونا کوئی نیا واقعہ معلوم نہ ہوگا - رہی یہ بات کہ اس قسم کی لڑائیوں اور ایسی خونریزی کو حضرت موسیٰ نے اپنے زمانہ میں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں کیوں جائز رکھا - اور مثل حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے کیوں نہ اپنی جان دی اس کی نسبت ہم اخیر کو بحث کرینگے - اس مقام پر ہم کو صرف یہ بات دکھانی ہے کہ جو لڑائیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئیں وہ اس بنا پر نہ تھیں کہ لوگوں کو

[۱] ابن خلدون صفحہ ۳۰ - مگر کوئی [illegible] اور عورت کا قتل ہونا لکھا ہے جس کا نام [illegible] بنت [illegible] تھا ◆

لَا يَرْقُبُوْنَ فِىْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾	نہ رعایت کرتے ہیں کسی مسلمان میں قرابتمندی کی اور عہد کی اور یہی لوگ ہیں حد سے زیادتی کرنیوالے ہیں ﴿۹﴾

بجبر اور ہتیار رکھے زور سے مسلمان بنایا جاوے سو اس عظیم واقعہ سے بھی جو بنی قریظہ کے قتل کا واقعہ ہے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف بزور شمشیر امن کا قایم رکھنا مقصود تھا نہ کسی کو بجبر مسلمان کرنا ◆

سریہ قرظاء یا محمد بن مسلمہ محرم سنہ ۶ ہجری ۴۴

قرظاء ۔ ایک قبیلہ ہے بنی بکر بن کلاب میں کا ◆

یہ لوگ ضریہ کی طرف رہتے تھے جو مدینہ سے سات منزل ہے اور عمرہ کے لئے مکہ جانے کو نکلے تھے جیسا کہ اُن کے سردار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا اُن کا ارادہ عمرہ ادا کرنے کا تھا ۔ غالباً اُن کے نکلنے سے شبہ ہوا ہوگا اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو تیس سوار دیکر اُس طرف روانہ کیا مگر وہ لوگ اُن سواروں کو دیکھ کر بھاگ گئے ۔ مگر اُن میں ثمامہ بن اثال پکڑا گیا ۔ جب محمد بن مسلمہ مدینہ میں آئے تو اُس کو بھی لائے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا مگر آنحضرت کے حکم سے اُس کو چھوڑ دیا گیا ۔ اور بعد کو وہ مسلمان بھی ہوگیا ◆

غزوہ بنی لحیان ربیع الاول سنہ ۶ ہجری ۴۵

غزوہ رجیع میں ذکر ہو چکا ہے کہ رجیع کے مقام پر لوگوں نے دغابازی سے مسلمانوں کو مار ڈالا تھا اُس کا بدلا لینے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوچ کیا اور مختلف رستہ اختیار کیا تاکہ بنی لحیان یہ نہ سمجھیں کہ اُن پر چڑھائی ہوتی ہے ۔ مگر جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اُن کو خبر پہنچ گئی تھی وہ سب پہاڑوں میں جا چھپے تھے دو سو سوار آپ کے ساتھ تھے آپ نے مع سواروں کے عسفان پر مقام کیا اور پھر واپس تشریف لے آئے ◆

غزوہ ذی قرد یا غزوہ غابہ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری ۴۶

غابہ ۔ ایک گانوں ہے مدینہ کے پاس شام کی طرف ◆

عیینہ بن حصن الفزاری نے بنی غطفان کے سوار لیکر مقام غابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو لوٹ لیا اور وہاں ایک آدمی بنی غفار میں کا معہ اپنی جورو کے تھا اُس کو مار ڈالا اور اُس کی جورو اور اونٹوں کو لے گئے ۔ سلمہ بن عمرو بن الاکوع نے اُن کا تعاقب کیا اور اونٹوں کو

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪	پھر اگر وہ توبہ کریں اور قایم رکھیں نماز کو اور دیں زکوۃ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں ۔ اور ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں نشانیوں کو واسطے ایسی قوم کے کہ جانتی ہے ⑪

چھین لیا۔ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو لوگ آنحضرت کے پاس جمع ہو گئے تاکہ اُن کو سزا دیں ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سعد بن زید کو سردار کر کے اُن لوگوں کے تعاقب میں بھیجا کچھ خفیف سی لڑائی ہوئی اور چند آدمی مارے گئے ۔ اُن لوگوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے سعد ابن زید کے روانہ ہونے کے بعد آنحضرت خود بھی روانہ ہوئے اور ذی قرد تک جو ایک چشمہ کا نام ہے پہنچے اور پھر سب لوگ واپس چلے آئے ۔

سریۂ عکاشہ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری ۳۶

غمر مرزوق ۔ ایک چشمہ پانی کا ہے بنی اسد میں فید سے دو منزل ۔

عکاشہ ابن محصن الاسدی چالیس آدمیوں کے ساتھ اس طرف روانہ ہوئے ۔ اس طرف اعراب یعنی گنوار عرب رہتے تھے غالباً اُنہی کی تنبیہ و تادیب کئے گئے ہونگے وہ لوگ بھاگ گئے اور عکاشہ اُن کے دو سو اونٹ پکڑ لائے ۔

سریۂ ذی القصہ یا سریۂ بنی ثعلبہ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری ۳۷

ذی القصہ ۔ ایک گاؤں ہے مدینہ سے چوبیس میل ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دس آدمی بنی ثعلبہ کے پاس روانہ کئے تھے اور محمد بن مسلمہ اُن کے سردار تھے یہ لوگ ذی القصہ میں رات کو رہے مگر رات کو وہاں کے سو آدمیوں نے اُن کو گھیر کے تیروں سے مار کر مار ڈالا صرف محمد بن مسلمہ بچے مگر زخمی ہوئے صبح کو ایک شخص اُنہیں اُٹھا کر مدینہ میں لے آیا ۔

سریۂ ذی القصہ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری ۳۸

اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن الجراح کو چالیس آدمی دیکر اُن لوگوں کو سزا دینے کے لئے بھیجا مگر وہ سب پہاڑوں میں بھاگ گئے اُن کا کاٹھ کباڑ اسباب جو رہ گیا تھا اُس کو ابو عبیدہ لوٹ لائے ۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (۱۲)	اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد اور طعنہ زنی کریں تمہارے دین میں تو مار و کفر کے پیشواؤں کو بیشک اُن کی قسمیں کچھ نہیں ہیں شاید کہ وہ بس کریں (۱۲)

سریہ جموم ربیع الآخر سال ششم ۶ھ

جموم ۔ ایک مقام ہے بطن نخل میں مدینہ سے چار میل +

زید ابن حارثہ بطور گشت کے اُس طرف گئے ۔ قوم مزینہ کی ایک عورت نے جس کا نام حلیمہ تھا بنو سلیم کی کچھ مخبری کی جس پر زید نے اُس محلہ کو گھیر لیا اُن کے اونٹ چھین لئے اور چند کو قید کر لیا جن میں حلیمہ کا شوہر بھی تھا ۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کے شوہر کو چھوڑ دیا +

سریہ عیص جمادی الاول سال ششم ۶ھ

عیص ۔ ایک موضع ہے مدینہ سے چار میل پر +

قریش مکہ کا ایک قافلہ جس میں تجارت وغیرہ کا سامان تھا شام سے آتا تھا آنحضرت صلعم نے زید ابن حارثہ کو بھیجا کہ قریش مکہ تک اُس سامان کو نہ جانے دے ۔ زید گئے اور اُنہوں نے قافلہ کا مال و اسباب چھین لیا اور چند آدمی قید کر لئے +

سریہ طرف جمادی الآخر سال ششم ۶ھ

طرف ۔ ایک چشمہ کا نام ہے مدینہ سے چھتیس میل +

زید بن حارثہ پندرہ آدمیوں کے ساتھ بطور گشت کے بنو ثعلبہ کی طرف گئے جو اعراب میں سے تھے مگر وہ لوگ بھاگ گئے اور اپنے اونٹ بھی چھوڑ گئے جن کو زید لیکر چلے آئے +

سریہ حسمی جمادی الآخر سال ششم ۶ھ

حسمی ۔ وادی القرٰے سے دو منزل ورے ہے اور وادی القرٰے مدینہ سے چھ منزل ہے +

دحیہ بن خلیفۃ الکلبی شام سے واپس آتے تھے ۔ جب ارض جذام میں پہنچے تو ہنید بن عوص اور اُس کے بیٹے نے اُن کو لوٹ لیا ۔ دحیہ نے مدینہ میں آکر یہ حال بیان کیا اس درمیان میں

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾	کیا تم نہ لڑو گے ایسی قوم سے کہ اُنہوں نے توڑ دیں اپنی قسمیں اور ٹھان لیا رسول کے نکالنے کو اور اُنہوں نے ابتدا کی تم سے (عہد توڑنے کی) پہل کیا تم اُن سے ڈرتے ہو پھر اللہ زیادہ احق ہے کہ اُس سے ڈرو اگر تم ایمان لائے ہو ﴿۱۳﴾

بنو نصیب نے جو رفاعہ کی قوم سے تھے اور مسلمان ہو چکے تھے ہنید پر حملہ کیا اور مال و اسباب واپس کر لیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زید ابن حارثہ کو اُن کی سزا دہی کو مقرر کیا۔ وہ گئے اور لڑائی میں ہنید اور اس کا بیٹا مارا گیا اُن کا اسباب لوٹ لیا گیا اور کچھ لوگ قید ہوئے +

معلوم ہوتا ہے کہ اس ہنگامہ میں بنی نصیب کا بھی کچھ اسباب لوٹا گیا اور اُن کے کچھ آدمی بھی قید ہو گئے ۔ جب اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس آکر یہ حال بیان کیا تو آپ نے حضرت علی مرتضٰے کو متعین کیا اُنہوں نے جا کر بنی نصیب کا سب مال و اسباب واپس دلا دیا اور قیدیوں کو چھڑوا دیا +

سریۂ وادی القرٰے رجب سال ششم ۶ ہ

وادی القرٰے ۔ ایک میدان ہے مدینہ اور شام کے درمیان میں وہاں بہت سی بستیاں ہیں +

زید ابن حارثہ کچھ آدمی لیکر بطور گشت کے اُس طرف گئے وہاں کے لوگوں سے لڑائی ہوئی زید کے ساتھ کے آدمی جو مسلمان تھے مارے گئے اور زید بھی سخت زخمی ہوئے +

سریۂ دومۃ الجندل شعبان سال ششم ۶ ہ

دومۃ الجندل کے لوگ ہمیشہ حملہ کا موقع تکتے تھے چنانچہ ہجرت کے چوتھے سال میں بھی اُن کے حملہ کا احتمال ہوا تھا اور خود آنحضرت نے کوچ فرمایا تھا ۔ انہی اسباب سے اس سال عبد الرحمٰن بن عوف کو سردار کر کے اُن لوگوں پر بھیجا اور کہا کہ کوئی دغا کی بات مت کرو اور خدا کی راہ میں لڑو اور کسی نابالغ بچے کو مت مارو ۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ تیری اطاعت کر لیں تو اُن کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لے (وہ لوگ عیسائی تھے اور اُن کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز تھا) +

عرب میں قوموں کو اپنا پورا پورا ساتھی یا حمایتی بنا لینے کے صرف دو طریق سب سے عمدہ تھے ایک حلیف ہو جانا ۔ دوسرا رشتہ مندی کر لینا ۔ اسی پولیٹکل مصلحت سے آنحضرت نے

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ (۱۴)	لڑو اُن سے عذاب دیگا اُن کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے اور خوار کریگا اُن کو اور مدد دیگا تمہاری اُن پر اور چین دیگا دلوں کو ایمان والوں کی ایک قوم کے (۱۴)

عبدالرحمٰن کو وہاں کے سردار کی بیٹی سے شادی کرلینے کی ہدایت کی تھی ۔ اور یہی ایک بڑا سبب تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخیر عمر میں متعدد قبیلہ کی عورتوں کو اپنے ازواج مطہرات میں داخل کیا تھا باوجودیکہ عالم شباب میں بجز ایک بیوی کے کوئی اور نہ تھی ۔

بہرحال عبدالرحمٰن بن عوف وہاں گئے تین دن قیام کیا اور اسلام کا وعظ کیا کئے و مسلمان ہوجانے کی اُن کو ہدایت کی اصبغ بن عمرو الکلبی جو وہاں کا سردار اور عیسائی تھا مسلمان ہوگیا اور اُس کے ساتھ اور بہت سے آدمی مسلمان ہوگئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے اُنہوں نے اطاعت اختیار کی اور جزیہ دینا قبول کرلیا ۔ عبدالرحمٰن نے وہاں کے سردار اصبغ کی بیٹی سے شادی کرلی اور اُسی سے ابوسلمہ پیدا ہوئے ۔

سریۂ فدک شعبان سال ششم ھ ۲۵

فدک ۔ ایک گاؤں ہے حجاز میں مدینہ سے دو منزل ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو سعد بن بکر لوگوں کو جمع کر رہے ہیں اور خیبر میں جو یہود جلاوطن کئے گئے تھے اُن کو مدد دینے کا ارادہ کر رہے ہیں آنحضرت نے علی مرتضےٰ کو سو آدمی دیکر اُن پر روانہ کیا ۔ علی مرتضےٰ نے اُن پر چھاپا مارا اور اُن کے سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لوٹ لائے اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی ۔

سریۂ زید ابن حارثہ یا سریۂ ام قرفہ رمضان سال ششم ۲۶

زید ابن حارثہ مسلمانوں کا بہت سا مال لئے ہوئے تجارت کے لئے شام کی طرف جاتے تھے جب وہ وادی القرےٰ میں پہنچے تو قوم فزارہ نے جو بنی بدر کی ایک شاخ ہے اور جن کی سردار ام قرفہ تھی اور جس کا نام فاطمہ بنت ربیعہ بن زید الفزاریہ تھا سب اسباب لوٹ لیا وہ مدینہ واپس چلے آئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر کی آپ نے زید ہی کو اُن کے سزا دینے کو متعین کیا زید نے دفعۃً اُن پر چھاپہ مارا اور ام قرفہ اور اُس کی بیٹی کو پکڑ لیا قیس بن محسر نے جو زید کے لشکر میں تھا اُس ضعیف عورت ام قرفہ کو نہایت بری طرح سے مار ڈالا ۔ اُس کا ایک پاؤں ایک اونٹ سے اور دوسرا پاؤں دوسرے اونٹ سے باندھ کر اونٹوں کو مختلف سمت میں ہنکا کر اُس کے

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾	اور دُور کریگا غصہ اُن کے دلوں کا اور معافی کرتا ہے اللہ جس پر چاہتا ہے اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۱۵﴾

دو ٹکڑے ہو گئے +

تاریخوں سے یہ بات قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتی کہ ام قرفہ کے مار ڈالنے کے بعد اُس کے پاؤں اونٹوں سے باندھے تھے یا وہ زندہ تھی اور اونٹوں کے پاؤں سے باندھ کر اُس کو مارا تھا +

مورخین نے اس کا ذکر بھی فرو گذاشت کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس بے رحم واقعہ کو اگر درحقیقت وہ ہوا تھا سُن کر کیا فرمایا ضرور قیس ابن محسر پر نہایت درجہ پر خفگی فرمائی ہو گی کیونکہ عموماً آپ کی یہ نصیحت تھی کہ عورتیں اور بچے نہ مارے جاویں +

معہذا اس سریہ کے متعلق ایسی مختلف روایتیں ہیں جس میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں ہو سکتا کامل ابن اثیر میں لکھا ہے کہ اس سریہ کے سردار حضرت ابوبکر تھے اور سلمہ بن الاکوع لڑے تھے اور اُس میں ایک ضعیف عورت معہ اُس کی بیٹی کے پکڑے جانیکا ذکر ہے مگر اُس کے مارے جانے کا ذکر نہیں۔ اُس کا نہ مارا جانا زیادہ تر یقین کے قابل ہے کیونکہ صحیح مسلم میں جو حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے اور بخاری کے برابر سمجھی جاتی ہے اُس عورت کا پکڑا جانا بیان ہوا ہے مگر مارے جانے کا ذکر نہیں ہے +

پھر ایک روایت میں ہے کہ اُس کی بیٹی حزن بن ابی وہب کو دیدی گئی اور اُس سے بن حزن پیدا ہوئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ لڑکی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لے لی اور اُس کو مکہ میں بھیجدیا اور اُس کے بدلے میں چند مسلمانوں کو جو قریش مکہ کے پاس قید تھے چھڑا لیا +

غزوہ ابن رواحہ شوال سال ششم ۶ ھ

بعد واقعہ سلام بن ابی الحقیق یہودی کے مرنے یا مارے جانے کے بعد جس کا ذکر ہم نے بتحت غزوہ عبداللہ ابن عتیک کیا ہے اُسیر ابن رزام یہودی یہودیوں کا سردار قرار پایا۔ اُس نے غطفان کے یہودیوں کو اپنے ساتھ ملایا اور لڑائی کی طیاری کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے عبداللہ ابن رواحہ کو معہ تین اور آدمیوں کے اس خبر کی تحقیق کرنے کو بھیجا۔ جب عبداللہ واپس آئے تو آپ نے تیس آدمی اُن کے ساتھ کئے اور اُسیر ابن رزام

ترجمہ	آیت
کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی نہیں ظاہر کیا اللہ نے اُن لوگوں کو جو جہاد کرتے ہیں تم میں سے اور نہیں پکڑتے سوائے اللہ کے اور نہ اُس کے رسول کے اور نہ ایمان والوں کو (اور کسی کو) دلی دوست اور اللہ جاننے والا ہے اُسکو جو تم کرتے ہو (١٦)	أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (١٦)

پاس روانہ کیا۔ ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا بھیجنا کسی معاہدہ یا صلح یا اور کسی قسم کی گفتگو کے لئے تھا نہ لڑائی کے لئے کیونکہ لڑائی کے لئے تیس آدمی نہیں بھیجے جا سکتے تھے ✦

عبد اللہ ابن رواحہ نے اُس سے گفتگو کی اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس آنے پاس لالچ میں راضی ہوا کہ خیبر کی سرداری اُس کو ملجائے وہ بھی تیس آدمی اپنے ساتھ لیکر چلا۔ یہ سب اونٹوں پر سوار ہو کر چلے یہودی آگے اور مسلمان اُن کے پیچھے بیٹھے جب قرقرہ میں پہنچے تو اُسیر کے دل میں کچھ شبہ ہوا جیسا کہ زاد المعاد میں لکھا ہے اور اُس نے عبد اللہ کی تلوار پر ہاتھ ڈالا عبد اللہ کو بھی شبہ ہوا اور وہ اونٹ پر سے کود پڑے اور اُس کے پاؤں پر تلوار ماری اُسیر بھی کود پڑا اور ہتھیار دار سونٹا عبد اللہ کے منہ پر مارا وہ زخمی ہوئے اس ہنگامہ کو دیکھ کر ہر ایک مسلمان نے اپنے ساتھی پر حملہ کیا اور مار ڈالا ✦

سریہ عرنیین شوال سال ششم ۶ھ

عرنہ۔ مدینہ کے میدانوں میں سے ایک میدان میں ایک باغ تھا جس کا یہ نام ہے ✦

چند کسان عکل اور عرینہ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس آئے نہایت مفلس و تباہ حال اور بیمار تھے شاید استسقا کی بیماری تھی جس کا علاج اونٹ کا دودھ اور پیشاب پینا اور جہاں اونٹ بندھتے ہوں وہیں پڑے رہنا تھا۔ اُنہوں نے جھوٹ بیان کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں ہماری مدد کرو۔ آنحضرت نے اپنی چند اونٹنیاں اور چرواہے اُن کے ساتھ کر دئے مگر جب وہ حرم کے مقام پر پہنچے اُن لوگوں نے جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان ہوا ہے اُن چرواہوں کی آنکھیں پھوڑ دیں اور اُن کو بُری طرح پر مار ڈالا اور اونٹنیاں لیکر چلدئے ✦

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی اُن کے تعاقب میں لوگ بھیجے گئے جن کا سردار کرز بن جابر تھا وہ پکڑے گئے اُن کی بھی آنکھیں پھوڑی گئیں اور ہاتھ پاؤں کاٹ کر ڈالدیئے گئے کہ وہ مر گئے۔ بخاری میں ہے کہ اُس کے بعد آپ نے مُثلہ کرنے سے منع کیا ✦

بعض سیر لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کا یہ فعل قرآن کی آیت سے منسوخ ہوا۔ مگر ابن شہاب کی ایک دوسری حدیث سے منسوخ ہونا ثابت کرتے ہیں جو تفسیر کبیر میں آیت کے متعلق "انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ" ✦

نہیں ہے مشرکوں کیلئے کہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو گواہی دیتے ہوئے آپ اپنے اوپر ساتھ کفر کے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ مٹ گئے اُن کے عمل اور آگ میں وہ ہمیشہ رہینگے (۱۷)	مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (۱۷)

یہ کہنا مشکل ہے کہ جس طرح اُن لوگوں نے چرواہوں کو مارا تھا اُسی طرح وہ کس کے حکم سے مارے گئے مگر اس بات کی بہت سی دلیلیں ہیں کہ ابتدائی زمانۂ اسلام میں جن امور کی نسبت کوئی خاص حکم نازل نہیں ہوتا تھا تو اکثر یہودی شریعت کے مطابق عمل کیا جاتا تھا اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ توریت میں لکھا ہے کہ "واگر اذیت دیگر رسیدہ باشد آنگاہ جان عوض جان باید دادہ شود چشم بعوض چشم دنداں بعوض دنداں دست بعوض دست پا بعوض پا سوختن بعوض سوختن زخم بعوض زخم لطمہ بعوض لطمہ" (سفر خروج باب ۲۱ آیت ۲۳ و ۲۴ و ۲۵) غالباً اسی خیال سے اُن لوگوں نے بطور قصاص کے اُن کو اسی طرح مارا جس طرح کہ اُن لوگوں نے چرواہوں کو مارا تھا +

سریہ عمرو بن امیہ شوال سال ششم ۶ھ

ابوسفیان ابن حرب نے مکہ سے ایک آدمی مدینہ میں بھیجا کہ کسی بہانہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے وہ معہ خنجر جو اُس کے پاس چھپا ہوا تھا پکڑا گیا۔ مگر آنحضرت نے اس شرط پر کہ سچ حال بتادے اُس کو امن دیا چنانچہ اس نے بتا دیا اور اُس کو چھوڑ دیا کہ وہ مکہ چلا گیا۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ اُس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابی سفیان کے قتل کے لئے عمرو بن امیہ اور سلمۃ بن اسلم کو متعین کر کے بھیجا وہ مکہ میں پہنچے لیکن اُن کا وہاں جانا کھل گیا لوگ اُن پر دوڑے مگر وہ وہاں سے بچ کر نکل آئے +

غزوہ حدیبیہ ذیقعدہ سال ششم ۶ھ

حدیبیہ۔ ایک گانوں ہے اور اُس گانوں میں اس نام کا ایک کنواں ہے اُسی کنوئیں کے نام سے وہ گانوں مشہور ہو گیا ہے یہاں سے مکہ ایک منزل ہے +

اس سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں جا کر حج و عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور کسی سے لڑنے کا مطلق ارادہ نہ تھا قربانی کے لئے اونٹ اپنے ہمراہ لئے تھے اور کل آدمی جو ساتھ تھے اُن کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام

اس کے سوا کچھ نہیں کہ آباد کرتے ہیں اللہ کی مسجدوں کو وہ جو ایمان لائے ہیں اللہ اور اخیر دن پر اور قایم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ کو اور نہیں ڈرتے مگر اللہ سے پھر امید ہے کہ یہ لوگ ہونگے راہ پانیوالوں میں سے (۱۸)	اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰۤىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (۱۸)

پر پہنچے تو قریش مکہ کو اندیشہ ہؤا اور مکہ میں آنے سے روکا دونوں طرف سے پیغام سلام ہوئے اور لوگ آئے گئے مگر قریش نے نہ مانا۔ آخر کار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو قریش مکہ کے پاس بھیجا قریش اُن کی فہمایش پر بھی راضی نہ ہوئے بلکہ اُن کو بھی قید کر رکھا ◆

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر پُہنچی کہ حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا اس پر آنحضرت نے لڑنے کا ارادہ کیا اور سب لوگوں سے لڑنے پر اور مارنے مرنے پر بیعت لی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی اور بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور رہے مگر بعد کو معلوم ہؤا کہ حضرت عثمان کے قتل ہونے کی جو خبر مشہور ہوئی تھی وہ غلط تھی ◆

اس کے بعد قریش مکہ نے سہیل ابن عمرو کو صلح کا پیغام دیکر بھیجا اور صلح اس بات پر منحصر تھی کہ اس سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں حج اور عمرہ کرنے کو نہ آویں اور واپس چلے جاویں۔ بعد لفظی گفتگو کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس پر راضی ہو گئے اور حضرت علی مرتضٰے کو عہدنامہ لکھنے کو بُلایا۔ جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا کہ لکھ " بسم اللہ الرحمن الرحیم " سہیل نے کہا کہ ہم تو اس کو نہیں جانتے صرف یہ لکھو " باسمك اللهم " آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی لکھو پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰے کو فرمایا کہ لکھ " هذا ما صالح عليه محمد رسول الله " سہیل نے کہا کہ اگر ہم اس بات کو قبول کرتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ سے لڑتے ہی کیوں آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیے آنحضرت نے فرمایا کہ لکھ " هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله " غرضکہ اس سال واپس چلے آنے کے علاوہ اس بات پر صلح ہوئی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے سب لوگ امن میں رہیں اور لڑائی نہ ہو۔ اور یہ بھی معاہدہ ہؤا کہ اگر کوئی شخص قریش مکہ میں کا بلا اجازت اپنے ولی کے آنحضرت پاس چلا آئے تو آپ اُس کو قریش مکہ کے پاس بھیج دینگے۔ اور اگر آنحضرت کے ساتھی قریشیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں قریشیوں کے پاس چلا جاوے تو اُس کو قریش مکہ واپس نہیں دینے کے۔ بہرحال دونوں طرف سے عہدنامہ کی تصدیق ہو گئی۔ آنحضرت نے اُسی مقام پر

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾	کیا تم نے کیا ہے پانی پلانا حاجیوں کا اور آباد رکھنا مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کا اُس شخص کی مانند کہ ایمان لایا ہے اللہ اور اخیر دن پر اور جہاد کیا ہے اللہ کی راہ میں نہیں برابر ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالموں کی قوم کو ﴿۱۹﴾

قربانی کے اونٹ ذبح کئے اور ارادہ حج و عمرہ کا موقوف کیا اور مدینہ کو واپس تشریف لائے ۔

غزوہ خیبر جمادی الآخر سال ہفتم

خیبر۔ ایک معروف و مشہور بہت بڑا شہر ہے اور اس میں متعدد قلعے نہایت مستحکم تھے۔ مدینہ سے آٹھ منزل شمال کی طرف ہے ۔

اہل خیبر جن میں وہ تمام یہودی بھی جا ملے تھے جو مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تھے ہمیشہ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور انہوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کو اپنا حلیف کر لیا تھا اور اپنے مضبوط قلعوں پر نازاں تھے۔ جب اُن لوگوں کی آمادگی جنگ نے زیادہ شہرت پائی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فساد کے مٹانے کا ارادہ کیا اور مدینہ سے مع لشکر کے خیبر کی طرف کوچ کیا۔ بنی اسد جن کا سردار طلیحہ بن خویلد اسدی تھا اور بنی غطفان جن کا سردار عیینہ بن حصن بن بدر فزاری تھا خیبر والوں کی مدد کو پہنچے خیبر والوں کے پاس دس[1] مستحکم قلعے تھے اور ان سب نے اپنے قلعوں کو بند کر لیا اور لڑائی پر مستعد ہو گئے۔ آنحضرت صلعم بھی مع لشکر کے وہاں پہنچے اور ایک مہینہ تک لڑائی جاری رہی۔ سب سے پہلے حصن ناعم فتح ہوا اور پھر بعض اور قلعے بھی فتح ہوئے اس درمیان میں بنی اسد اور بنی غطفان خیبر والوں سے علیحدہ ہو گئے اور صرف اہل خیبر باہم لڑتے رہے ۔ اور سخت لڑائیاں ہوتی رہیں حصن الوطیح اور حصن السلالم نہایت مضبوط قلعے تھے جن کو حضرت علی مرتضےٰ نے فتح کیا۔ اُس وقت یہودیوں نے امن چاہا اور تین امر پر صلح ہوئی کہ تمام اہل خیبر کو اور اُن کے اہل و عیال کو جان کی امان دیجاوے دوسرے یہ کہ تمام اہل خیبر اپنا مال و اسباب بطور معاوضہ جنگ کے دیدیں لیکن اگر کوئی شخص اپنا مال چھپا رکھے تو اس سے یہ معاہدہ یعنی جان کے اور اہل و عیال کے امن کا قایم نہ رہیگا تیسرے یہ کہ تمام زمینیں خیبر کی اُن کی ملکیت نہ رہینگی مگر وہ لوگ اپنے گھروں میں آباد رہینگے اور زمینوں

[1] حصن نطاۃ حصن الصعبہ حصن ناعم حصن قلعہ الزبیر حصن الشق حصن ابی حصن البراء ۔ حصن القموص حصن الوطیح حصن السلالم یا حصن ابی الحقیق ۔

جو لوگ کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا خدا کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بہت بڑے ہیں درجے میں اللہ کے نزدیک اور یہ لوگ وہی ہیں مراد پانے والے (۲۰)	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۲۰)

پر بھی قابض رہینگے اور اُن کی پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج کے دیا کرینگے۔ اور کسی بدعہدی پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہوگا کہ اُن کو جلاوطن فرما دیں۔ حرف کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے مال کے دینے میں دغابازی کی اور نہایت بیش قیمت مال چھپا رکھا جو کہ بعد تلاش کے دستیاب ہوا وہ مارا گیا اور اُس کے اہل وعیال قید ہوگئے +

غزوہ وادی القرے جمادی الآخر سال ہفتم ۷ھ

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر سے مراجعت کی تو وادی القرے میں پہنچے اور وہاں چار دن ٹھیرے اور اہل تیماء نے اسلام قبول نہیں کیا اور جزیہ دینے پر صلح کرلی +

سریہ تربہ شعبان سال ہفتم ۷ھ

تربہ۔ مکہ کے قریب دو منزل پر ایک جگہ ہے +

حضرت عمر تیس آدمی لیکر اس طرف کو گئے مگر وہاں کے لوگ بھاگ گئے کوئی نہیں ملا اور حضرت عمر واپس آگئے +

سریہ حضرت ابوبکر شعبان سال ہفتم ۷ھ

اس سریہ میں حضرت ابوبکر کچھ آدمی لیکر بنی کلاب کی طرف گئے کچھ خفیف سی لڑائی ہوئی کچھ آدمی مرے کچھ قید ہوگئے +

سریہ بشیر ابن سعد شعبان سال ہفتم ۷ھ

اس سریہ میں بشیر ابن سعد بنی مرہ پر جو فدک میں رہتے تھے تیس آدمی لیکر گئے اور خفیف لڑائی کے بعد واپس آگئے +

سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی رمضان سال ہفتم ۷ھ

یہ سریہ نجد کی طرف منفعہ پر جو مدینہ سے آٹھ منزل ہے بھیجا گیا تھا اور دو سو تیس آدمی لشکر

خوشخبری دیتا ہے اُن کو اُن کا پروردگار رحمت کی اپنی طرف سے اور رضامندی کی اور بہشتوں کی۔ اُن کے لئے ہے اُس میں نعمت ہمیشہ قایم رہنے والی (۲۱)	يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ (۲۱)

میں تھے مگر وہاں بہت ہی خفیف سی لڑائی ہوئی اور پھر لوگ واپس آگئے +

سریہ اسامۃ بن زید رمضان سال ہفتم ۵۷

یہ سریہ خربہ کی طرف بھیجا گیا تھا جو ضریہ کی طرف ہے۔ یہاں کسی سے لڑائی نہیں ہوئی مگر ایک شخص اُسامہ کو ملا جس پر اُنہوں نے تلوار کھینچی مگر اُس نے کلمہ پڑھا اور کہا لا الہ الا اللہ مگر اسامہ نے اُس کو مار ڈالا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس پر اس بات پر نہایت خفگی ظاہر فرمائی +

سریہ بشیر بن سعد الانصاری شوال سال ہفتم ۵۸

یہ سریہ یمن اور حیاب جس کو قرارہ اور عذرہ کہتے ہیں اور بنی غطفان سے علاقہ رکھتے ہیں جو خیبر والوں کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوئے تھے بھیجا گیا تھا مگر وہاں کے لوگ بھاگ گئے اور اُن کا مال و اسباب ہاتھ آیا اور صرف دو آدمی قید کئے گئے +

بعد اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لے گئے اور عمرۃ قضا ادا کیا +

سریہ ابن ابی العوجاء السلمی ذیحجہ سال ہفتم ۵۹

یہ سریہ بنی سلیم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ سخت لڑائی ہوئی اور دشمن چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور سب لوگ مارے گئے اور ابن ابی العوجاء بھی زخمی ہوئے اور مُردوں میں پڑے رہ گئے تھے اور پھر اُن میں سے اُٹھا لائے گئے +

سریہ غالب بن عبد اللہ اللیثی صفر سال ہشتم ۶۰

یہ سریہ بنی الملوح پر جو کدید میں بستے تھے کیا گیا تھا۔ وہاں کچھ لڑائی نہیں ہوئی مگر کچھ اسباب ہاتھ آیا +

اسی مہینے میں خالد بن الولید اور عثمان بن ابی طلحہ اور عمرو بن العاص مکہ سے مدینہ میں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾	ہمیشہ رہیں گے اُس میں ہمیش ہمیش - بیشک اللہ اُس کے پاس ہے اجر بڑا ﴿۲۲﴾

چلے آئے اور مسلمان ہو گئے ✦

سریہ غالب بن عبداللہ صفر سال ہشتم [۶۱]

یہ سریہ بھی فدک کی جانب بھیجا گیا تھا اُنہیں لوگوں پر جن پر بشیر بن سعد بھیجے گئے تھے اُن سے لڑائی ہوئی کچھ لوگ مارے گئے اور کچھ اسباب لوٹ لیا گیا ✦

سریہ شجاع بن وہب الاسدی ربیع الاول سال ہشتم [۶۲]

یہ سریہ ذات عرق کی طرف بھیجا گیا تھا جو مدینہ سے پانچ منزل ہے اور جہاں ہوازن نے لوگ جمع کئے تھے - وہاں کچھ لڑائی نہیں ہوئی مگر اُن کے اونٹ لوٹ لائے ✦

سریہ کعب ابن عمیر الغفاری ربیع الاول سال ہشتم [۶۳]

یہ سریہ ذات اطلع کی طرف بھیجا گیا تھا جو ذات القرے کے قریب ہے - ذات اطلع میں نہایت کثرت سے لوگ لڑنے کے لئے جمع تھے نہایت سخت لڑائی ہوئی اور جو لوگ بھیجے گئے تھے وہ سب مار ڈالے گئے - جب یہ خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو ایک بڑا لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا مگر معلوم ہوا کہ وہ لوگ اور سمت کو چلے گئے ✦

موتہ یا سریہ زید ابن حارثہ جمادی الاول سال ہشتم [۶۴]

موتہ - ایک قصبہ ہے شام کے علاقہ میں دمشق سے ورے ✦

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر الازدی کو ہرقل شہنشاہ روم کے نام ایک خط دیکر بصرے کو روانہ کیا تھا جب کہ وہ موتہ میں پہنچے تو شرحبیل بن عمرو الغسانی نے تعرض کیا اور اُن کو مار ڈالا - اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار آدمیوں کا لشکر جس کے سردار زید بن حارثہ تھے موتہ پر روانہ کیا وہاں نہایت سخت لڑائی ہوئی اور زید ابن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ جن کے ہاتھ میں فوج کا نشان تھا یکے بعد دیگرے لڑ کر مارے گئے اُس پر فوج کا نشان خالد بن ولید نے لیا اور نہایت سخت لڑائی کے بعد خالد نے فتح پائی - اس لڑائی میں تمام عیسائی قومیں جو اُس نواح میں رہتی تھیں شامل تھیں اور ہرقل کی فوج بھی جو

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۳)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت پکڑو اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست اگر وہ دوست رکھتے ہیں کفر کو ایمان پر۔ اور جو کوئی دوست رکھے اُن کو تم میں سے تو یہ لوگ وہی ہیں ظالم (۲۳)

اُس زمانہ میں روم یعنی قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا اور تمام صوبہ شام پر اس کی حکومت تھی اور اُسی زمانہ میں فارس کو بھی فتح کرچکا تھا اُن لوگوں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھی +

سریہ عمرو بن العاص جمادی الآخر سال ہشتم ۶۵

یہ سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے سلسل ایک چشمہ کا نام تھا ذات القرنے کے نزدیک مدینہ سے دس منزل پر +

بنی قضاعہ نے کچھ لوگ لڑنے کے لئے جمع کئے تھے۔ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے عمرو بن العاص کو تین سو آدمی دیکر اُس طرف روانہ کیا۔ جب وہ سلاسل کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمنوں نے بہت کثرت سے لوگ جمع کئے ہیں اس کی خبر آنحضرت کو بھیجی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو بھی روانہ کیا اور دو سو آدمی اور بھیجے مگر بنی قضاعہ آخرکار بھاگ نکلے اور جمعیت متفرق ہوگئی +

سریہ ابی عبیدہ ابن جراح رجب سال ہشتم ۶۶

اس سریہ کا نام سریہ خبط بھی ہے کیونکہ اُس میں بہ سبب نہ رہنے رسد کے خبط کو جو غالباً کسی درخت کا پھل ہے پانی میں بھگو کر کھایا تھا۔ اسی سریہ میں لوگوں کو دریا کے کنارہ سے ایک بڑی مچھلی ہاتھ آگئی تھی جس کو لوگوں نے کئی دن تک کھایا تھا۔ بخاری نے اس غزوہ کا نام سیف البحر بیان کیا ہے مگر تمام تاریخوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیف البحر جو سال اول میں ہوا تھا وہ علیحدہ سریہ ہے اور یہ علیحدہ سریہ ہے +

اس سریہ میں تین سو آدمی تھے اور دریا کے کنارہ پر چند روز ٹھیرے رہے کسی سے کچھ لڑائی نہیں ہوئی اور سب لوگ واپس آگئے +

سریہ ابی قتادہ الانصاری شعبان سال ہشتم ۶۷

اس سریہ میں صرف پندرہ آدمی تھے اور بمقام خضرہ جو نجد میں ہے بنی غطفان کے لوگوں

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۴﴾	کہدے اے پیغمبر اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری جوروئیں اور تمہارا کنبہ اور مال جو کمایا ہے تم نے اور سوداگری کہ ڈرتے ہو اُس کے مندے ہو جانے سے اور گھر جن کو پسند کرتے ہو زیادہ دوست تمہارے نزدیک اللہ اور اُس کے رسول سے اور جہاد سے اُس کی راہ میں تو انتظار کرو یہاں تک کہ لاوے اللہ اپنا حکم اور اللہ نہیں ہدایت کرتا فاسقوں کی قوم کو ﴿۲۴﴾

کی طرف بھیجا گیا تھا کچھ لڑائی ہوئی اور کچھ لوگ قید کر لئے گئے اور دو سو اونٹ اور ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں ✦

سریہ ابی قتادہ رمضان سال ہشتم ۶۸

اس سریہ میں صرف آٹھ آدمی تھے اور یہ اضم کی طرف بھیجا گیا تھا جو ایک چشمہ ہے درمیان مکہ اور یمامہ کے اور مدینہ سے تین منزل ہے ✦

یہ سریہ صرف اس لئے بھیجا گیا تھا کہ قریش مکہ کی کچھ خبر ملے اور نیز مکہ والے خیال کریں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُس طرف تشریف لیجاوینگے حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارادہ قریش پر حملہ کرنے کا تھا۔ اُن آٹھ آدمیوں میں محلم بن جثامہ بھی تھا اُس سے ایک شخص نے مسلمانوں کی طرح سلام علیک کی اُس نے اس کو مار ڈالا اس پر خدا تعالےٰ کی خفگی ہوئی اور حکم ہوا جو کوئی مسلمانوں کی طرح سلام علیک کرے اُس کو کافر نہ سمجھو۔ بعض کتابوں میں اس سریہ کو ابن ابی حدرد کی طرف منسوب کیا ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے ✦

غزوہ فتح مکہ رمضان سال ہشتم ۶۹

حدیبیہ میں جو قریش مکہ سے صلح ہوئی تھی اور یہ بات ٹھیری تھی کہ دس برس تک آپس میں لڑائی نہ ہو اور امن رہے اُس وقت یہ بھی معاہدہ ہوا تھا کہ جو قومیں چاہیں اس معاہدہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہو جائیں اور جو قومیں چاہیں قریش کے معاہدہ میں داخل ہو جائیں۔ بنو خزاعہ جو مسلمان ہو گئے تھے یا اسلام کی طرف راغب تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوئے اور بنو بکر قریش کے معاہدہ میں

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾	بیشک تم کو مدد دی اللہ نے بہت سی جگہوں میں اور حنین کے دن جبکہ تم کو گھمنڈ میں ڈالا تمہاری کثرت نے پھر بے پرواہ نہ رکھی تم کو کچھ بھی اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے پھر تم پھر گئے پیٹھ پھیر کر ﴿۲۵﴾

داخل ہوئے۔ اسلام سے پہلے ان دونوں قوموں میں نہایت عداوت اور جنگ و جدل تھی مگر شروع زمانہ اسلام میں وہ جنگ و جدل موقوف ہوچکی تھی ✦

اس معاہدہ کے بعد بنو بکر نے اور اُن کے ساتھ قریش نے اُس معاہدہ کو توڑ دیا اور نوفل بن معاویۃ الدیلمی ایک جماعت لیکر نکلا اور بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور کچھ آدمی مارے گئے اور باہم لڑائیاں ہوتی رہیں۔ قریش مکہ نے علانیہ بنو بکر کو ہتھیاروں کے بھیجنے سے مدد کی اور قریش کے لوگ بھی خفیہ جاکر لڑائی میں شریک ہوئے۔ منجملہ اُن کے صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبد العزےٰ اور مکرز بن حفص بھی تھا بنو خزاعہ نہایت عاجز ہوگئے اور اُنہوں نے حرم کعبہ میں پناہ لی اور نوفل نے وہاں بھی اُن کا تعاقب کرنا چاہا۔ بنو بکر کے قبیلہ کے لوگوں نے نوفل سے کہا کہ اللہ کے حرم کا پاس کرنا ضرور ہے۔ نوفل نے کہا کہ آج کے دن خدا کوئی چیز نہیں ہے ہم کو اپنا بدلہ لینا چاہیئے بنو خزاعہ نے لاچار بدیل بن ورقاء کی پناہ لی اور ایک شخص عمرو بن سالم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عہد کے توڑنے کے حالات بیان کئے اور بنی خزاعہ کی امداد کا خواہاں ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے جمع کرنے کا حکم دیا اور قریش سے لڑنے اور اُن کو اُن کی عہد شکنی کی سزا دینے کو آمادہ ہوئے۔ یہ خبر سُن کر ابو سفیان مدینہ میں آیا اور یہ بات چاہی کہ اُس عہد شکنی سے درگذر کی جائے اور پھر نیا عہد نامہ کیا جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش نے بنو خزاعہ کے بہت سے لوگوں کو قتل کردیا تھا اور اُن پر بے انتہا زیادتی کی تھی پس ممکن نہیں تھا کہ اُس ظلم سے درگذر کی جاتی اور اُس کی سزا نہ دیجاتی اور تمام خونریزی سے جو بنی خزاعہ نے کی تھی درگذر کرکے نیا عہد نامہ کیا جاتا ✦

تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب ابو سفیان کو معلوم ہوا کہ قریش مکہ پر ضرور لشکر کشی ہوگی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لشکر کو دیکھ کر وہ حیران ہوگیا تو اُس کو یقین ہوا کہ قریش مارے جاوینگے اور مکہ فتح ہوجاویگا غالباً اسی خوف سے اُس نے اپنا مسلمان ہوجانا بھی ظاہر کیا اور شاید دل میں بھی باتیں سُننے سے اور حضرت عباس کی نصیحت سے کچھ کچا پکا مسلمان

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾	پھر نازل کی اللہ نے اپنی سکینہ اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور نازل کئے لشکر کہ تم نے اُن کو نہیں دیکھا اور عذاب کیا اُن لوگوں کو جو کافر تھے اور یہی ہے سزا کافروں کی ﴿۲۶﴾

ہو بھی گیا ہو مگر جب وہ مکہ کو واپس جانے لگا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس سے کہدیا کہ لڑائی کے زمانہ میں جو شخص تیرے گھر میں پناہ لیگا اُس کو امن دیا جاویگا +

غرضکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا اور تمام لشکر روانہ ہؤا - جب لشکر قریب مکہ کے پہنچا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مشتہر کردیا اور مکہ میں بھی لوگوں نے مشتہر کیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیگا اور جو شخص حرم کعبہ میں پناہ لیگا اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اپنے گھر میں بیٹھا رہیگا اُن سب کو امن دیا جاویگا مگر نو آدمیوں کے نام بتائے کہ وہ قتل کئے جاوینگے اُن نو آدمیوں کے یہ نام ہیں (۱) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (۲) عکرمہ بن ابی جہل (۳) عبدالعزےٰ بن خطل (۴) الحارث بن نفیل بن وہب (۵) مقیس بن صبابہ (۶) ہبار ابن الاسود (۷ و ۸) دو گانے والی عورتیں ابن خطل کی (۹) سارہ مولاۃ بنی عبدالمطلب +

غرضکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے فتح عظیم عنایت کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بہ فتح و نصرت مکہ میں داخل ہوئے - جو تکلیفیں کہ لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دی تھیں اُن کے سبب لوگوں کو خیال تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے ساتھ کیا کرینگے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو امن دیا اور کسی سے بدلا نہیں لیا اور ایک ایسا فصیح اور بلیغ اور رحم کا بھرا ہوا خطبہ پڑھا جو زمانہ میں یادگار رہے +

جن نو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا اُن میں سے ابن ابی سرح کو حضرت عثمان لیکر آئے اور امن کی درخواست کی اُس کو امن دیا اور وہ مسلمان ہو گیا عکرمہ بن ابی جہل کو جو مفرور ہو گیا تھا امن دینے کے لئے اُس کی جورو نے عرض کیا آپ نے اُس کو بھی امن دیا وہ واپس آیا اور مسلمان ہو گیا - ہبار ابن الاسود بھی بھاگ گیا تھا اور یہ وہ شخص تھا جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب کو دھکا دیا تھا اور وہ ایک پتھر پر گر پڑی تھیں اور اسقاط حمل ہو گیا تھا اُس کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امن دیا ، اور سارہ اور اُن دو گانے والیوں میں سے ایک کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امن دیا اور وہ دونوں مسلمان ہو گئیں - اور اُن میں سے صرف چار شخص مارے گئے - ایک ابن خطل - ایک الحارث - ایک مقیس - اور ایک دونوں گانے والیوں میں سے - عبداللہ ابن خطل پہلے مسلمان ہو گیا تھا پھر مرتد ہو گیا اُس نے حالت اسلام میں ایک

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۤءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾	پھر معافی کریگا اللہ اس کے بعد جس پر چاہیگا اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۲۷﴾

مسلمان غلام کو مار ڈالا تھا اور اُس کا خون اُس پر تھا۔ اور مقیس بن صبابہ بھی پہلے مسلمان ہوگیا تھا پھر مرتد ہوگیا تھا اور کافروں سے جا ملا تھا اور اس نے ایک انصاری کو مار ڈالا تھا اور اُس کا خون اُس پر تھا۔ الحارث اور اُن دونوں گانے والیوں میں سے ایک گانے والی کے مارے جانے کی وجہ ہم کو معلوم نہیں ہوئی۔ بعض علما سے مَیں نے سُنا کہ اُن دونوں کو بھی بعوض کسی خون کے قصاصًا مار ڈالا گیا اِلّا ہم کو کہیں اس کی تصریح نہیں ملی۔ مگر یقین ہے کہ ان دونوں پر کوئی ایسا جرم تھا کہ جس کی سزا بجز قتل کے اَور کچھ نہ تھی خصوصًا اُن دونوں گانے والیوں میں سے ایک کے مارے جانے کی ضرور کوئی ایسی وجہ ہوگی جس سے اُس کا قتل کرنا لازمی ہوگا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ ہدایت تھی کہ کوئی عورت بجز قصاص کے اَور کسی طرح پر نہ ماری جائے۔

فتح مکہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ۔ فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا ۔ جس نے تمام انسانوں کو لونڈی اور غلام ہونے سے آزادی دی ہے اور لڑائی کے تمام قیدیوں کی جانوں کو بچایا ہے کہ اس کے بعد لڑائی کا کوئی قیدی قتل نہیں ہوسکتا اور کوئی قیدی زن و مرد لڑکا اور لڑکی لونڈی اور غلام نہیں بنائے جا سکتے اور لڑائی کے قیدیوں کے ساتھ بجز اس کے کہ اُن پر احسان کرکے یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کے لئے یہ ایک ایسا فخر ہے کہ کسی اَور مذہب کے لئے نہیں ہے ٭

سریہ خالد بن الولید رمضان سال ہشتم ۷۰

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو عزیٰ بت کے توڑنے کیلئے جو بنی کنانہ کا بُت تھا بھیجا اور وہ توڑ کر چلے آئے ٭

سریہ عمرو بن العاص رمضان سال ہشتم ۷۱

سواع جو ہذیل کی قوم کا ایک بت مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اُس کے توڑنے کو عمرو بن العاص مقرر ہوئے اور وہ توڑ کر چلے آئے ٭

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اس کے سوا کچھ نہیں کہ مشرک نجس ہیں پھر نزدیک نہ آویں مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کے اُن کا اس برس کے بعد ۔ اور اگر تم ڈرتے ہو مفلسی سے تو وہ تمہیں تونگر کریگا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہیگا ۔ بیشک اللہ جاننے والا ہے حکمت والا (۲۸)	یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ (۲۸)

سریہ سعد بن زید الاشہلی رمضان سال ہشتم ۴۷

منات جو ایک نہایت مشہور بت ہے بنی اوس اور خزرج کا مسلل میں تھا اُس کے توڑنے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سعد کو مقرر کیا اور وہ بیس سوار لیکر وہاں گئے اور اُس کو توڑ کر چلے آئے ۔

ان بتوں کے توڑنے کے وقت جو قصے کتابوں میں لکھے ہیں وہ محض کہانیاں ہیں اور نہ اُن کی کوئی معتبر سند ہے اور مطلق اعتبار کے لایق نہیں ہیں ۔

سریہ خالد بن ولید شوال سال ہشتم ۴۸

جب کہ خالد بن ولید عزیٰ بت کو توڑ کر مکہ میں واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو پچاس آدمیوں کے ساتھ اُن کو بنی جذیمہ کی طرف اسلام کی ہدایت کرنے کے لئے پکارنے کیلئے نہیں بھیجا تھا ۔ مگر بنی جذیمہ پہلے سے مسلمان ہو گئے تھے اور اُنہوں نے ایک آدھ مسجد بھی اپنے ہاں نماز پڑھنے کے لئے بنالی تھی مگر وہ ہتھیار بند ہو کر مقابلہ کو آئے ۔ جب اُن سے پوچھا کہ تم مسلح ہو کر کیوں آئے ہو تو اُنہوں نے کہا کہ عرب کی ایک قوم سے اور ہم سے دشمنی ہے ہم کو خوف ہوا کہ وہی قوم ہم پر چڑھ کر نہ آئی ہو اُن سے کہا گیا کہ ہتھیار رکھ دو اُنہوں نے ہتھیار رکھ دیئے ۔

جب اُن سے پوچھا گیا کہ تم مسلمان ہو گئے ہو تو اُنہوں نے بجاے اس کے کہ کہتے "اسلمنا" اُنہوں نے کہا "صبانا صبانا" ۔ اس کہنے سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے اپنا پہلا مذہب چھوڑ دیا ہے لیکن جب کوئی مسلمان اس لفظ کو کہے تو اُس کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم کافر ہو گئے ہیں ۔ چنانچہ مسلمانوں نے بھی اس کا مطلب سمجھا اور اُن کو قید کر لیا اور رات کے وقت مسلمانوں کے ہر گروہ نے معمولہ علیحدہ چند چند قیدی اپنی اپنی حفاظت میں کر لئے صبح کو

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

مارو اُن لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ اخیر دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اُس کو جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اُسکے رسول نے اور نہ دین میں آتے ہیں دین حق کے اُن لوگوں میں سے جن کو دی گئی ہے کتاب یہاں تک کہ دیویں جزیہ اپنے ہاتھ سے اور وہ چھوٹے ہو کر (یعنی دبے ہوئے) رہیں ﴿۲۹﴾

خالد ابن ولید نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو قیدی ہیں اُن کو مار ڈالے۔ بنو سلیم کے پاس جتنے قیدی تھے اُن کو اُنھوں نے مار ڈالا۔ مگر مہاجرین اور انصار کے پاس جس قدر قیدی تھے اُنہوں نے قتل نہیں کیا بلکہ اُن سب کو چھوڑ دیا جب یہ خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپ خالد بن ولید کے کام سے نہایت ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ اے خدا جو کچھ خالد نے کیا میں اس سے بری ہوں اور حضرت علی مرتضے کو مقرر فرمایا کہ جو لوگ مارے گئے ہیں اُن کی دیت ادا کریں۔

غزوہ حنین یا غزوہ اوطاس یا غزوہ ہوازن شوال سال ہشتم ۸ھ

حنین اور اوطاس دو مقاموں کا نام ہے جو مکہ اور طائف کے بیچ میں ہیں اور ہوازن کی قوم سے اس مقام پر لڑائی ہوئی تھی اسی سبب سے اس غزوہ کے یہ نام ہوئے ہیں۔

فتح مکہ کے بعد مالک ابن عوف نصری نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا اور ہوازن اور بنی ثقیف اور بنی مضر اور بنی جشم اور کچھ لوگ بنی ہلال کے اور اور بہت سے لوگ مختلف قبائل کے اُس کے پاس جمع ہو گئے۔ یہ خبر سنکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی لڑائی کی تیاری کی اور بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر لیکر کوچ فرمایا۔ مالک ابن عوف نصری بھی اپنا لشکر لیکر چل چکا تھا اور اوطاس کے میدان میں پہنچ گیا تھا۔ وہ ایک ایسی تنگ اور پتھریلی اور رتیلی زمین تھی کہ وہاں گھوڑوں کا جانا اور لڑنا نہایت مشکل تھا۔ اُنھوں نے وہیں اپنا لشکر ڈالا اور اُس کے گڑھوں میں اور اُن تنگ رستوں کے اِدھر اُدھر جن میں گذرنا نہایت مشکل تھا چھپ بیٹھے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا لشکر جب وہاں پہنچا تو بغیر ترتیب لڑائی کے اور بغیر کسی خیال کے اُس دشوار گذار رستہ میں سے گذرنا شروع کیا اور کچھ لوگ اُس سے آگے بڑھ گئے اور ہوازن والوں کی جہاں بھیڑ اور عورتیں اور مال و اسباب تھا اُس طرف جانے کا ارادہ کیا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾	اور کہا یہود نے کہ عزیر بیٹا اللہ کا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیح بیٹا اللہ کا ہے یہ ہے اُن کا کہنا اپنے مُنہوں سے مشابہ ہوگئے ہیں اُن لوگوں کی بات سے جو کافر ہوئے اس سے پہلے۔ مارے اُن کو اللہ کس طرح بھٹکائے جاتے ہیں ﴿۳۰﴾

اُس وقت دشمن اپنے کمینگاہوں میں سے جہاں وہ چھپے ہوئے تھے نکل پڑے اور دفعتہ سب نے ملکر حملہ کیا اور مارنا اور قتل کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں نہایت ابتری پڑی اور لوگ بھاگ نکلے یہاں تک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی بہت تھوڑے آدمی رہگئے۔ غالباً لوگوں کو یہ خیال ہوا ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی قتل ہوگئے۔ جب یہ حال دیکھا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک طرف اونچی جگہ پر جا کھڑے ہوئے اور لوگوں کو پکارا کہ میں موجود ہوں اور حضرت عباس نے بھی نہایت بلند آواز سے لوگوں کو ڈانٹا اور کہا کہ کہاں بھاگے جاتے ہو۔ حضرت عباس نے یہ بھی کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اُن کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل ہو جانیکا خیال کیا تھا۔ غرضکہ سب لوگ پھر پڑے اور اکٹھے ہوگئے اور نہایت سخت لڑائی کے بعد دشمنوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے ✦

سریہ ابی عامر الاشعری شوال سال ہشتم ۸ھ

اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر اشعری کو اُن لوگوں کے تعاقب میں بھیجا جو اوطاس کی جانب بھاگے تھے اُن لوگوں سے بھی کچھ لڑائی ہوئی اور ابو عامر ایک تیر کے زخم سے مر گئے۔ اور مالک بن عوف نے ثقیف کے ایک قلعہ میں جاکر پناہ لی اور بہت سے قیدی اور مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا قیدیوں کی تعداد چھ ہزار لکھی ہے اور اونٹوں اور بکریوں کی تعداد بہت زیادہ بیان کی گئی ہے ✦

قیدیان حنین کی رہائی ۸ھ

کئی دن بعد ہوازن کے لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور چاہا کہ اُن کے تمام قیدی ”منّ“ یعنی احسان رکھکر بغیر کسی معاوضہ لینے کے چھوڑ دئے جاویں یہ بات

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾	اُنہوں نے پکڑ لیا ہے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو پروردگار اللہ کے سوا اور مسیح بیٹے مریم کو۔ اور اُن کو نہیں حکم کیا گیا بجز اس کے کہ پوجیں اللہ کو نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ۔ پاک ہے وہ اس سے کہ اس کا شریک ٹھیراتے ہیں ﴿۳۱﴾

کسی قدر مشکل تھی کیونکہ تمام لڑنے والوں کا جیسا حق غنیمت کے مال میں حصہ لینے کا تھا ویسا ہی اُن قیدیوں کے معاوضہ میں فدیہ لینے کا حق تھا اور وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ فدیہ نہ دے سکتے ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قیدیوں کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دینے کی خواہش رکھتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل نماز کے وقت سب لوگ آؤ۔ غالباً اس لئے فرمایا کہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہونگے اور جب نماز ہو چکے تو تم قیدیوں کے چھوٹنے کی درخواست کرو۔ اُن لوگوں نے اسی طرح پر کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ کہ میرا اور بنی عبدالمطلب کا ہے یعنی اُن کا حصہ ہے وہ تمہارے لئے ہے۔ مہاجرین اور انصار نے کہا کہ جو ہمارا حصہ ہے وہ بھی رسول اللہ کے لئے ہے۔ بعض لوگوں نے اس طرح پر قیدیوں کے دیدینے سے انکار کیا مگر آخر کو سب لوگ راضی ہو گئے اور تمام قیدی بغیر معاوضہ لئے احساناً چھوڑ دئے گئے ✦

سریہ طفیل بن عمرو الدوسی شوال سال ہشتم ۷۷

ذوالکفین نام لکڑی کا ایک بت عمرو بن حممۃ کا تھا اُس کے توڑنے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے طفیل ابن عمرو کو روانہ کیا وہ وہاں گئے اور اُس بت کو توڑ دیا اور جلا دیا ✦

غزوہ طائف شوال سال ہشتم ۷۸

حنین سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف کوچ فرمایا کیونکہ بنی ثقیف نے طائف کے قلعوں میں جا کر پناہ لی تھی اور لڑائی کا سامان کیا تھا۔ ایک مہینہ تک یا کچھ زیادہ طائف کا محاصرہ رہا اور لڑائی بھی ہوتی رہی مگر ابھی فتح نہیں ہوئی تھی کہ ذیقعدہ کا مہینہ کا چاند دکھائی دیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عمرہ ادا کرنا منظور تھا اس لئے محاصرہ اُٹھالیا اور فرمایا کہ ماہ حرم گذر جانے کے بعد پھر آ جاوینگے اور مکہ کو واپس تشریف لائے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے ✦

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۳۲)	چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے منہوں سے اور انکار کرتا ہے اللہ مگر یہ کہ پورا کرے اپنے نور کو اگرچہ مکروہ جانیں کافر (۳۲)

کئی مہینوں کے بعد طائف کے لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم کو آنحضرت صلعم سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے بہتر ہے کہ ہم اطاعت قبول کریں۔ پھر انہوں نے چھ شخصوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں بھیجا اور چند باتوں پر صلح چاہی ایک یہ کہ "لات" جو ان کا بت ہے وہ تین برس تک نہ توڑا جاوے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا تو انہوں نے چاہا کہ ایک برس تک نہ توڑا جاوے جب اس کو بھی منظور نہ فرمایا تو انہوں نے چاہا کہ ایک مہینے تک جب سے کہ یہ لوگ واپس جاویں نہ توڑا جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی نامنظور فرمایا۔ دوسرے یہ کہ ان کیلئے نماز معاف کر دیجائے۔ حضرت نے فرمایا کہ جس دین میں نماز نہیں ہے اس میں کچھ بھلائی نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اپنے بت اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں۔ چوتھے یہ کہ جو عامل محصول وصول کرنے کے لئے مقرر ہو اس کے سامنے وہ نہ بلائے جائیں اور نہ ان کی زمینوں کا عشر لیا جاوے اور نہ کوئی جرمانہ۔ ان پچھلی دو شرطوں کو آپ نے منظور فرمایا اور اسی پر صلح ہوگئی ؞

بھیجا جانا ابوسفیان ابن حرب و مغیرہ بن شعبہ کا واسطے توڑنے لات کے طائف کو ۷۹

اس صلح کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو طائف میں لات بت کے توڑنے کے لئے بھیجا اور مغیرہ بن شعبہ نے اپنے ہاتھ سے اس کو توڑ دیا۔ جب وہ توڑا جاتا تھا تو بنی ثقیف کی عورتیں اس کے گرد جمع ہوگئی تھیں اور لات کی موت پر گریہ وزاری کرتی تھیں ؞

سریہ عیینہ بن حصن الفزاری محرم سال نہم ۸۰

اس سریہ میں پچاس سوار تھے اور بنی تمیم پر جنہوں نے ابھی تک اطاعت نہیں قبول کی تھی بھیجا گیا تھا وہ لوگ جنگل میں اپنے مویشی کو چرا رہے تھے کہ دفعۃً عیینہ معہ اپنے سواروں کے ان پر جا پڑے وہ لوگ بھاگ گئے اور گیارہ مرد اور اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار ہوئے ان کو مدینہ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾	وہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کرے اوپر ہر دین کے اور گو کہ مکروہ جانیں مشرک ﴿۳۳﴾

میں لے آئے ✦

اس کے بعد بنی تمیم کے چند سردار ملکر مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اطاعت قبول کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کو "منّاً" یعنی بغیر کسی معاوضہ کے اُن کو دیدیا ✦

سریہ قطبہ بن عامر بن حدیدہ صفر سال نہم ۸۱

یہ سریہ قبیلہ خثعم پر بھیجا گیا تھا اور مخبر لکھتے ہیں کہ اس سریہ کو حکم تھا کہ بنی خثعم کو لوٹ لیں مگر کسی نے نہیں لکھا کہ ایسا حکم دینے کی کیا وجہ تھی۔ وہ قبیلہ کچھ مالدار نہ تھا نہ اُن کے پاس بہت سا اسباب یا مویشی تھے کہ کوئی بدظنی سے کہ سکے کہ مال اور لوٹ کے لالچ سے ایسا حکم دیا تھا۔ بہرحال اگر درحقیقت ایسا حکم دیا گیا تھا تو ضرور اُس کے لئے کوئی جائز سبب ہوگا۔ اس سریہ میں کل بیس آدمی بھیجے گئے تھے اور جو واقعہ ہوا اُس کا بیان بھی مختلف ہے۔ زاد المعاد میں لکھا ہے کہ قبیلہ خثعم کے گاؤں کا ایک آدمی ملا اُس سے کچھ حال پوچھا وہ چلا یا تھا تاکہ اس غرض سے کہ گاؤں والوں کو خبر ہو جاوے اُس کو لوگوں نے مار ڈالا۔ مگر مواہب لدنیہ میں اُس کے قتل ہونے کا کچھ ذکر نہیں۔ پھر زاد المعاد میں لکھا ہے کہ رات کو سوتے میں گاؤں پر حملہ کیا مگر مواہب لدنیہ میں رات کو حملہ ہونا بیان نہیں ہوا ✦

بہرحال یہ لوگ اُس گاؤں پر جا پڑے گاؤں والے خوب لڑے اور طرفین کے آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے اور کچھ بھیڑ بکریاں جو ہاتھ لگیں اور کچھ عورتیں جو گرفتار ہوئیں تھیں اُن کو مدینہ میں لے آئے۔ کسی نے نہیں لکھا کہ اُن عورتوں کی نسبت کیا ہوا اور اُس کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چھوڑ دی گئیں کیونکہ اگر وہ بطور لونڈیوں کے تقسیم کی جاتیں تو اس کا ضرور ذکر ہوتا ✦

سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی ربیع الاول سال نہم ۸۲

یہ سریہ بنو کلاب پر بھیجا گیا تھا اُنھوں نے بھی اطاعت نہیں کی تھی۔ وہاں پہنچ کر اول اُن کو مسلمان ہو جانے کو سمجھایا گیا اُنھوں نے نہ مانا اور لڑے اور شکست کھا کر بھاگ گئے ✦

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلۡأَحۡبَارِ وَٱلرُّهۡبَانِ لَيَأۡكُلُونَ أَمۡوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلۡبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِۗ وَٱلَّذِينَ يَكۡنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلۡفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرۡهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٖ (۳۴) يَوۡمَ يُحۡمَىٰ عَلَيۡهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوبُهُمۡ وَظُهُورُهُمۡۖ هَٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِأَنفُسِكُمۡ فَذُوقُواْ مَا كُنتُمۡ تَكۡنِزُونَ (۳۵)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو بیشک بہت سے یہودی عالموں میں سے اور عیسائی درویشوں میں سے کھاتے ہیں لوگوں کے مال دغا سے اور روکتے ہیں اللہ کے رستہ سے۔ اور وہ لوگ جو خزانہ میں رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں تو مژدہ دے اُن کو دکھ دینے والے عذاب کا (۳۴) جس دن کہ گرم کیا جاویگا اُن پر دوزخ کی آگ میں تو اس سے داغی جاوینگی اُن کی پیشانیاں اور اُن کی پسلیاں اور اُن کی پیٹھیں۔ یہ ہے جو خزانہ میں رکھا تھا تم نے اپنے لئے پھر چکھو جو کچھ کہ تم خزانہ میں رکھتے تھے (۳۵)

سریہ عبداللہ ابن حذافہ یا سریہ علقمہ بن المحزز المدلجی ربیع الاول سال نہم ۸۴

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس سریہ کے سردار عبداللہ تھے یا علقمہ سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ علقمہ کے بھائی وقاص بن محزز المدلجی ذو قرد کی لڑائی میں مارے گئے تھے اس لئے علقمہ نے آنحضرت سے اجازت چاہی کہ وہ حبشہ کی قوم سے جنہوں نے اُن کو مارا تھا اُن کے خون کا بدلہ لے۔ اور کچھ عجب نہیں ہے کہ آنحضرت نے پہلے عبداللہ کو سردار قرار دیا ہو اور پھر علقمہ کو سردار کر دیا یہ سریہ قوم حبشہ کی طرف بھیجا گیا تھا جن کی بغرض فساد کے جمع ہونے کی خبر پہنچی تھی تین سو آدمی اس سریہ میں تھے۔ یہ لوگ دریا کی طرف جمع تھے اور جب علقمہ دریا کے ایک جزیرے میں جا کر اُترے تو وہ لوگ بھاگ گئے اور علقمہ معہ اپنے لوگوں کے بغیر کسی جنگ کے واپس آ گئے +

سریہ حضرت علی بن ابی طالب الی بنی طے سال نہم ۸۵

قبیلہ بنی طے کا سردار عدی بن حاتم تھا اور اُس قبیلہ میں بطور بادشاہ کے سمجھا جاتا تھا اور سب سے زیادہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ناپسند کرتا تھا اور کسی قسم کی اطاعت بھی نہیں کی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضے کو متعین کیا کہ اُس قبیلہ میں جاویں اور اُن کے پوجنے کا بت جس کا نام فلس تھا توڑ دیں یہ بت حاتم کے محلہ میں تھا۔ یہ لوگ دفعتہ

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾

بیشک گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جس دن پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اُن میں سے چار (مہینے) حرام ہیں یہ ہے دین درست۔ پھر نہ ظلم کرو اُن میں اپنے پر اور سارے مشرکوں کو اکٹھے ہو کر جس طرح کہ وہ تم کو لڑتے ہیں اکٹھے ہو کر اور جانو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ﴿۳۶﴾ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ نسی (یعنی آگے بڑھا دینا یا پیچھے ہٹا دینا اُن چار مہینوں میں سے کسی مہینے کا) زیادتی ہے کفر میں اُس سے گمراہ کئے جاتے ہیں لوگ جو کافر ہیں حلال کر لیتے ہیں اُس کو ایک برس حرام کر لیتے ہیں اُس کو کسی اور برس تاکہ برابر کر لیں گنتی اُسکی جو حرام کیا ہے اللہ نے پھر حلال کر لیتے ہیں اُسکو جو حرام کیا ہے اللہ نے اچھے دکھائے گئے ہیں اُنکے لئے اُنکے بُرے اعمال اور اللہ نہیں ہدایت کرتا قوم کافروں کو ﴿۳۷﴾

وہاں پہنچے عدی ابن حاتم بھاگ گیا اور اُن لوگوں نے اُس محلہ کو گھیر لیا اور لوٹ لیا اور بُت کو توڑ ڈالا اور کچھ قیدی پکڑ لئے اور مدینہ میں واپس چلے آئے۔ اُنہیں قیدیوں میں حاتم کی بیٹی بھی تھی جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُس طرف گذرے تو حاتم کی بیٹی نے اپنا حال عرض کیا آپ نے کہا کہ عدی تیرا بھائی ہے جو بھاگ گیا ہے اور کچھ جواب نہیں دیا۔ دوسرے دن پھر اُس نے کہا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس بات کا منتظر ہوں کہ کوئی شخص تیری قوم کا ملے تو میں اُس کو تیرے ساتھ کر کے آرام سے تیرے گھر تجھ کو بھیجدوں۔ عدی اس کا بھائی عیسائی تھا اور شام کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اُنہیں دنوں میں ایک قافلہ شام کو جاتا تھا۔ حاتم کی بیٹی نے درخواست کی کہ اُس کو اس قافلہ کے ساتھ شام میں اُس کے بھائی کے پاس بھیجدیا جاوے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منظور کیا اور اُس کو زادراہ اور کپڑے عطا کئے اور روانہ کر دیا وہ اپنے بھائی پاس پہنچ گئی۔ اُس کے چند روز بعد عدی ابن حاتم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ قبیلہ طے کے جس قدر قیدی تھے وہ سب چھوڑ دئے گئے ✦

غزوہ تبوک رجب سال نہم ۹ھ

تبوک۔ ایک قصبہ ہے شام اور وادی القرے کے درمیان ✦

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو کیا ہو گیا ہے تم کو جب تم کو کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تم بوجھل بنکر جھکے پڑتے ہو زمین کی طرف۔ کیا تم راضی ہو دنیا کی زندگی کے ساتھ آخرت (کی زندگی) سے۔ پھر نہیں ہے متاع دنیا کی زندگی کا آخرت میں مگر تھوڑا ﴿۳۸﴾ اگر تم نہ نکلو گے عذاب کریگا تم کو ایک عذاب بہت دکھ دینے والا اور بدل دیگا ایک قوم کو تمہارے سوا اور اس کو نہ ضرر پہنچاؤ گے کچھ بھی اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت رکھنے والا ہے ﴿۳۹﴾ اگر تم اس کی (یعنی پیغمبر کی) مدد نہ کرو گے (تو کیا پرواہ ہے) تو بیشک اس کی مدد کی ہے اللہ نے جب اس کو نکالا ان لوگوں نے جو کافر ہیں۔ دوسرا[1] دو میں سے جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب کہتا تھا اپنے ساتھی کو غمگین مت ہو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اتاری اللہ نے اپنی سکینہ اس پر اور اس کی تائید کی لشکروں سے کہ ان کو تم نے نہیں دیکھا اور کیا ان لوگوں کے بول کو نیچا اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ﴿۴۰﴾

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تھی کہ اہل روم نے شام میں بہت کثرت سے لوگ جمع کئے ہیں اور ہرقل نے ایک برس کے خرچ کے لائق رسد ان کو دیدی ہے اور بنی لخم اور بنی جذام اور بنی عاملہ اور بنی غسان سب ان کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں۔ اہل روم سے مراد ہرقل کے لشکر سے ہے جو قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا اور شام اسی کے تحت حکومت میں تھا اور اسی زمانہ کے قریب اس نے ایران کو بھی فتح کر لیا تھا۔ اس خبر پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کے جمع ہونے اور لڑائی کا سامان مہیا کرنے کا حکم دیا اور مدینہ سے معہ لشکر کے روانہ ہوئے مگر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تبوک میں پہنچے تو جس قدر مجمع کی خبر سنی تھی اس قدر کا

[1] جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو آنحضرت ابو بکر صدیق کو ساتھ لیکر جبل ثور کے غار میں چھپ رہے تھے اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے +

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَیْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ یُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۴۳﴾

نکلو جُرت پھرت کر کر اور کسما کر اور جہاد کرو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں یہ ہے بہتر تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو ﴿۴۱﴾ اگر ہوتا مال قریب اور سفر ہلکا تو البتہ تیری پیروی کرتے لیکن دور آن پڑی سطان پر رستہ کی مسافت اور وہ قسم کھاوینگے اللہ کی کہ اگر ہم کر سکتے تو ہم نکلتے تمہارے ساتھ۔ ہلاک کرتے ہیں اپنے آپ کو اور اللہ جانتا ہے کہ بیشک وہ جھوٹے ہیں ﴿۴۲﴾ معاف کرے اللہ تجھ کو کیوں اجازت دی تو نے اُن کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے تجھ کو وہ لوگ جو سچ کہتے ہیں اور تو جان لیتا جھوٹ بولنے والوں کو ﴿۴۳﴾

مجمع ہونا صحیح نہیں تھا۔ بہرحال آپ نے تبوک میں قیام فرمایا۔ یوحنا بن روبہ جو ایلہ کا سردار اور عیسائی تھا۔ اور اذرح اور جربا اور مقنا کے لوگ وقتاً فوقتاً آئے اور جزیہ دینے پر راضی ہوئے اور اُن کو عہد نامہ لکھ دیا گیا۔ یوحنا کے نام ایلہ والوں کے لئے جو فرمان لکھا گیا تھا اُس کا یہ مطلب تھا کہ "ایلہ والوں کو خدا اور رسول خدا نے پناہ دی ہے اُن کی کشتیوں کو اُن کے مسافروں کو خشکی و تری میں اُن کے لئے اللہ و رسول کی ذمہ داری ہے اور جو لوگ اہل شام و اہل یمن اور اہل بحرین اُن کے ساتھ ہوں وہ بھی اُن کے ساتھ امن میں ہیں اور اگر اُن سے کوئی نئی بات پیدا ہوگی (یعنی دشمنی و عداوت کی) تو اُن کا مال (یعنی جزیہ دینا) اُنکو بچا نہیں سکنے کا اور ہر ایک شخص کو اُن کا پکڑ لینا جائز ہوگا اور (اس حالت کے سوا) کسی کو جائز نہیں ہے کہ جہاں وہ جانا چاہیں اور جس رستہ سے جانا چاہیں تری کے یا خشکی کے اُن کو منع کرے" غالباً اسی قسم کا یا اُس کی مانند باقی لوگوں سے بھی جنہوں نے جزیہ قبول کیا تھا معاہدہ ہوا ہوگا +

دومۃ الجندل کا سردار جس کا نام اکیدر بن عبدالملک تھا اور اُس نواح کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا اور عیسائی مذہب رکھتا تھا اور کندی قوم کا تھا جو عرب کی ایک قوم ہے حاضر نہیں ہوا اُس کے پاس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو روانہ کیا۔ وہ اپنے محل سے مع اپنے

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۴۴﴾ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿۴۸﴾

تجھ سے اجازت نہیں چاہتے وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اخیر دن پر کہ جہاد کریں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اور اللہ جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو ﴿۴۴﴾ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اجازت چاہتے ہیں تجھ سے وہ لوگ جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور اخیر دن پر اور شک کرتے ہیں انکے دل سو وہ اپنے شک میں متردد ہو رہے ہیں ﴿۴۵﴾ اور اگر ارادہ کرتے ہیں نکلنے کا تو تیار کرتے اسکو (یعنی سفر کے لئے) سامان لیکن ناپسند کیا اللہ نے انکا اٹھنا پھر باندھ دیا اُنکو اور کہا گیا بیٹھ رہو بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ﴿۴۶﴾ اگر وہ نکلتے تم میں (ملکر) تو کچھ نہ زیادہ کرتے تم کو مگر فساد کو اور البتہ سواریاں انکو (یعنی اپنے گھوڑوں کو) دوڑاتے پھرتے درمیان تمہارے چاہتے تمہارے لئے فتنہ اٹھانے کو اور تم میں ہیں کنسوئیاں لینے والے انکے لئے اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کو ﴿۴۷﴾ بیشک انہوں نے چاہا تھا فتنہ اٹھانے کو اس سے پہلے اور الٹ پلٹ کیا تھا تیرے لئے کاموں کو یہانتک کہ آیا حق (یعنی جو حق بات تھی وہ واقع ہوئی) اور ظاہر ہوا خدا کا حکم اور وہ کراہیت کرنے والے تھے ﴿۴۸﴾

بھائی حسان کے گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلا اور اس کے ساتھ اُس کے سوار بھی تھے خالد کے سواروں سے مقابلہ ہوا حسان اُس کا بھائی مارا گیا اور اکیدر گرفتار ہو گیا جب اُس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس لائے تو اُس نے بھی جزیہ دینے پر صلح کر لی اور اُس کو چھوڑ دیا۔ اور غزوہ تبوک ختم ہو گیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینے کو واپس تشریف لے آئے ✦

تبوک ہی کے مقام سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شہنشاہ روم کے نام خط روانہ کیا اور اپنا ایلچی بھیجا جسکی نسبت مؤرخین نے اپنی معروف و مشہور تاریخ میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ "جب ہرقل جنگ فارس سے توزک احتشام کے ساتھ لوٹا تو اُس نے مقام حمص میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ایلچیوں میں سے ایک کی ضیافت کی جو روئے زمین کے شاہزادوں اور اقوام کو دین اسلام کی دعوت کرتے پھرتے تھے۔ اسی بنا پر عرب والوں نے تعصب سے

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور ان میں سے وہ ہے جو کہتا ہے کہ اجازت دے مجھ کو اور نہ فتنہ میں ڈال مجھ کو ۔ خبردار ہو کہ وہ فتنہ میں پڑے ہیں اور بیشک جہنم البتہ گھیر لینے والی ہے کافروں کو ﴿۴۹﴾ اگر پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی تو اُن کو بُری لگتی ہے اور اگر پہنچے تجھ کو کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بیشک لے لیا ہم نے اپنا کام اس سے پہلے اور پھر جاتے ہیں اور وہ خوش ہوتے ہیں ﴿۵۰﴾ کہدے اے پیغمبر کہ ہرگز نہیں پہنچنے کا ہم کو مگر وہ جو لکھ دیا ہے اللہ نے ہمارے لئے وہی ہمارا کام بنانے والا ہے اور اللہ پر پھر توکل کرنا چاہیے ایمان والوں کو ﴿۵۱﴾ کہدے اے پیغمبر (کافروں سے) کہ تم نہیں انتظار کرتے ہمارے لئے مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کے (یعنی فتح یا شہادت) اور ہم منتظر ہیں تمہارے لئے کہ تم پر ڈالیگا اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے پھر انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں ﴿۵۲﴾ کہدے اے پیغمبر (منافقوں سے) کہ تم خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز نہ قبول کیا جاویگا تم سے بیشک تم ہو ایک قوم فاسقوں کی ﴿۵۳﴾

یہ خیال کیا کہ اس عیسائی بادشاہ نے خفیہ اسلام قبول کر لیا ۔ اُدھر یونانی یہ شیخی بگھارتے ہیں کہ ہرقل سے خود بادشاہ مدینہ (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) نے آکر ملاقات کی اور روم کے بادشاہ یعنی ہرقل نے فیاضی سے سوریہ شام میں ایک عمدہ مقام آپ کو عطا کیا ۔ مسٹر گبن نے بھی یہ مضمون یونانیوں کی نسبت بطور طعن کے لکھا ہے اور ہر مورخ سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہرقل کے پاس تشریف لیجانا اور اُس کا کسی زمین کا دینا محض غلط ہے مگر یونانی مورخوں اور رومی مورخوں کے بیان سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کا ہرقل سے ملنا اور اُس کا ایلچی کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا ثابت ہوتا ہے ۔

بحث نسبت جزیہ کے

جو لوگ مسلمان نہیں ہوتے تھے اور اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے تھے اُن پر جو جزیہ مقرر

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿۵۹﴾

اور نہیں مانع ہوا اُن کو کہ قبول کئے جاویں اُن کے خرچ کئے ہوئے مگر یہ کہ اُنہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اُس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے نماز کو مگر ایسی حالت میں کہ وہ کاہلی کرتے ہوتے ہیں اور نہیں خرچ کرتے مگر ایسی حالت میں کہ وہ کراہت کرتے ہوتے ہیں (۵۴) پھر نہ تعجب میں ڈالے تجھ کو اُن کے مال اور نہ اُن کی اولاد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ ارادہ کرتا ہے کہ اُن کو عذاب دے اُنہیں دنیا کی زندگی میں اور نکل جاویں اُن کی جانیں اور وہ کافر ہوں (۵۵) اور وہ قسم کھاتے ہیں اللہ کی کہ بیشک وہ تم میں سے ہیں اور وہ نہیں ہیں تم میں سے ولیکن وہ ایک قوم ہیں کہ ڈرتے ہیں (۵۶) اگر وہ پاویں کوئی جائے پناہ یا پہاڑ کی کھوئیں یا اور کوئی جگہ گھس جانے کی تو البتہ پھٹ جاویں اُس کی طرف اور وہ ڈلیں بھرتے جاتے ہوں (۵۷) اور اُن میں وہ ہیں جو تجھ پر عیب پکڑتے ہیں خیرات بانٹنے میں پھر اگر اُن میں سے اُنکو دیا جاوے تو راضی ہوں اور اگر اُنکو نہ دیا جاوے تو یکایک وہ غصہ ہو جاتے ہیں (۵۸) اور اگر وہ راضی ہوتے اُس پر جو دیا ہے اُنکو اللہ نے اور اُسکے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ اور عنقریب دیگا ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور اُسکا رسول بیشک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (۵۹)

ہوتا تھا اُس کا مقصد سمجھنے میں لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے اور جو لوگ مخالف اسلام کے ہیں اُنہوں نے جزیہ مقرر کرنے پر بہت سا طعن کیا ہے۔ مسٹر لین نے اپنی کتاب مدالقاموس میں لکھا ہے کہ جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ تھا اور یہ اُن کی نہایت غلطی ہے کیونکہ امن کا ہو جانا یعنی لڑائی کا موقوف ہونا یا صلح کا ہو جانا یا کسی قسم کا معاہدہ ہونا گو کہ اُس میں جزیہ کا دینا نہ قرار پایا ہو قتل سے محفوظی کا سبب ہوتا تھا نہ کہ جزیہ دینا۔ جزیہ اُن لوگوں سے لیا جاتا تھا جو مسلمانوں کی زیر حکومت بطور رعیت کے رہنا قبول کرتے تھے۔ جو لوگ رعیت

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِىَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦١﴾ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٢﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٦٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّهُۥ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَأَنَّ لَهُۥ نَارَ جَهَنَّمَ خَٰلِدًا فِيهَا ذَٰلِكَ الْخِزْىُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾

سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ خیرات فقیروں کے اور مسکینوں کے اور اس پر کام کرنے والوں کے اور جن کے دلوں کو اُلفت دلائی گئی ہے اور جو غلامی میں ہیں اور مقروض کے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے اور مسافروں کے لئے ہے فرض کیا گیا اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا (٦٠) اور اُن میں سے وہ ہیں جو ایذا دیتے ہیں نبی کو اور کہتے ہیں کہ وہ تو کچے کان کا ہے - کہہ دے اے پیغمبر کہ بلکہ کان بھلائی کے سننے کے لئے ہے تمہارے لئے یقین کرتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے ایمان والوں کا (٦١) اور رحمت ہے اُن کے لئے جو ایمان لائے ہیں تم میں سے - اور جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کے رسول کو اُن کے لئے عذاب دکھ دینے والا (٦٢) قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے لئے تاکہ راضی کریں تم کو اور اللہ اور اُس کا رسول احق ہے کہ راضی کریں اُس کو اگر ہیں ایمان والے (٦٣) کیا وہ نہیں جانتے جو برخلافی کرے اللہ کی اور اُس کے رسول کی تو ضرور اُس کے لئے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ رہنے والا ہوگا اُس میں یہ ہے خواری بڑی (٦٤)

ہو کر رہتے تھے وہ ذمی کہلاتے تھے یعنی مسلمانوں کی حکومت میں اُن کے امن سے رہنے کے ذمہ دار ہیں - جیسے کہ اہل ایلہ کے نام فرمان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا کہ "ھم ذمة الله ومحمد النبی" پس جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ نہیں ہے

جزیہ دینے والے مسلمانوں کے ساتھ ہو کر مخالفوں سے لڑائی کرنے سے بالکل بری تھے لڑائی کی ضرورت سے جو خاص جہاد یعنی نقد و جنس مسلمانوں سے مانگا جاتا تھا اور دیا جاتا تھا اس سے وہ بری تھے مسلمانوں سے نہایت سخت سالانہ ٹیکس یعنی چالیسواں حصہ مال کا لے لیا جاتا تھا اس سے وہ لوگ بری تھے ان سب امور کے عوض ایک نہایت خفیف سالانہ ٹیکس جو فی کس تین روپیہ آتے

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۶﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۷﴾

ڈرتے ہیں منافق کہ نازل کیجائے اُن پر (یعنی مسلمانوں پر) کوئی سورۃ جو خبر دیوے اُن کو (یعنی مسلمانوں کو) اُس چیز سے جو اُن کے (یعنی منافقوں کے) دلوں میں ہے۔ کہدے کہ ٹھٹھا کرو بیشک اللہ ظاہر کرنے والا ہے اُس کا جس سے تم ڈرتے ہو ﴿۶۵﴾ اور اگر تو اُن سے پوچھے تو کہینگے کہ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم دل لگی کرتے تھے اور ٹھٹھا کرتے تھے۔ کہدے کہ کیا اللہ اور اُس کی نشانیوں اور اُس کے رسول کے ساتھ تم ٹھٹھا کرتے تھے ﴿۶۶﴾ مت عذر کرو بیشک تم کافر ہو گئے اپنے ایمان کے بعد۔ اگر ہم معاف کریں ایک گروہ کو تم میں سے تو ہم عذاب کرینگے ایک گروہ کو اِس لئے کہ وہ گنہگار تھے ﴿۶۷﴾

سال ہوتا ہے اُن سے لیا جاتا تھا۔ پس اُس تخفیف و رعایت کی جو ذمیوں کے ساتھ کی گئی تھی حد نہیں۔ فرض کرو کہ ایک ذمی کے پاس چالیس ہزار روپیہ نقد موجود ہے اور اُس کو اَور قسم کی آمدنیاں تجارت وغیرہ سے بھی ہیں اور ایک مسلمان پاس بھی چالیس ہزار روپیہ نقد موجود ہے اور اُس کے پاس اَور کوئی آمدنی تجارت وغیرہ سے نہیں ہے سال بھر کے بعد اُس ذمی کو تو صرف تین روپے کئی آنے اور اگر اُس کی جورو یا اور کنبہ ہے جس کی پرورش اُس کے ذمہ ہے تو ہر ایک کی طرف سے بھی اُسی قدر دینا ہوگا جس کی مقدار ایک عام طریقہ پر بیس چالیس روپیہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ مگر مسلمان کو بلا عذر اپنے صندوق خزانہ میں سے ایک ہزار روپیہ نقد نکال کر دینا ہوگا۔ جزیہ مسلمان ہونے پر کسی طرح رغبت دلا نہیں سکتا۔ بلکہ جس کسی کو ایمان سے زیادہ مال کی محبت ہو تو اُس کو مسلمان ہونے سے باز رہنے پر رغبت دلا سکتا ہے۔ باایں ہمہ جو ذمی غریب و مسکین تھے وہ جزیہ سے بھی معاف کر دئے جاتے تھے۔

جو خیال کہ مخالفین اسلام نے جزیہ کی نسبت کیا ہے اُس کے غلط ہونے کی شہادت ایک اور حال کے زمانہ کے بڑے عیسائی عالم کی کتاب سے ثابت ہوتی ہے وہ عالم عیسائی "معلم بطرس البستانی" ہے اور اُس کی کتاب کا نام محیط المحیط ہے جو عربی زبان کی لغت میں اُس نے

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۶۸) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (۶۹)

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک اُن میں کے دوسرے ہی سے ہیں حکم کرتے ہیں برائی کا اور منع کرتے ہیں نیکی سے اور بند کرتے ہیں اپنے ہاتھوں کو۔ بھول گئے خدا کو پھر بھول گیا خدا اُن کو بیشک منافق وہی ہیں فاسق (۶۸) وعدہ کیا ہے اللہ نے منافقین مردوں اور منافقین عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا ہمیشہ رہنے والے ہیں اُس میں بس کافی ہے اُن کو اور لعنت کی ہے اُن کو اللہ نے اور اُن کے لئے ہے عذاب قایم رہنے والا (۶۹)

لکھی ہے وہ کہتا ہے کہ "الجزیۃ خراج الارض ومنہ یخذ من اھل الذمۃ قیل لانھا تجزی عنہم ای تکفیہم معاملۃ الحربیین وقیل لانھا تکفیہم مؤنۃ الجہاد کالمسلمین"۔

بحث نسبت محاربات کے

ان تمام واقعات سے جو بیان ہوئے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لڑائیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئیں وہ چار طرح پر ہوئیں تھیں یا تو دشمنوں کے حملہ کے روکنے اور اُن کے حملوں کے دفعہ کرنے کے لئے تھیں۔ یا دشمنوں کا ارادہ لڑنے اور حملہ کرنے اور لڑائی کے لئے لوگوں کے جمع کرنے کی خبر پاکر اُس فساد کے مٹانے اور اُن لوگوں کے منتشر کرنے کے لئے ہوئی تھیں۔ یا اُن لوگوں پر حملہ کیا گیا تھا جنہوں نے عہد شکنی یا دغا بازی یا بغاوت کی تھی۔ یا خبر رسانی یا اور ملک کی اور قوموں کے حالات دریافت کرنے کو جو لوگ بھیجے جاتے تھے اُن سے لڑائی ہوگئی تھی۔ پس یہ تمام لڑائیاں ایسی تھیں جو معمولاً ملکی انتظام میں اور امن و امان کے قائم کرنے میں واقع ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جس نے ملکی انتظام تھامیں لیا ہو اور اُس کو اس قسم کی لڑائیاں نہ پیش آئی ہوں۔ ان لڑائیوں کی نسبت یہ کہنا کہ زبردستی سے ہتھیار کے زور سے مسلمان کرنے کے لئے تھیں ایک ایسا غلط قول ہے جس کو کوئی ذی عقل بجز اُس کے جس کے دل میں تعصب بھرا ہو سچ تسلیم نہیں کرسکتا۔

یہ سچ ہے کہ جس قوم کی کسی ملک میں سلطنت اور حکومت ہو جاتی ہے قدرتی طور پر اُس قوم کے مذہب کو اور نہ صرف مذہب کو بلکہ رسم و رواج و عادات و اطوار کو ترقی ہوتی ہے اور

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝	مانند اُن لوگوں کی جو تھے تم سے پہلے وہ تھے بہت زیادہ تم سے قوت میں اور بہت زیادہ مال میں اور اولاد میں پھر فائدہ اُٹھایا اُنہوں نے اپنے بخرے سے پھر تم نے بھی فائدہ اُٹھایا اپنے بخرے سے اور تم دل لگی کرنے لگے جیسے کہ اُن لوگوں نے دل لگی کی تھی - یہی لوگ ہیں کہ مٹ گئے اُن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اور وہی لوگ ہیں نقصان پانے والے ۝

لوگ اُس طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور یہ مقولہ کہ "الملک والدین توامان" ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب پر صادق آتا ہے اسی طرح اسلامی حکومت کے سبب اُسی قدرتی قاعدہ سے اسلام کی ترقی کو بھی مدد پہنچی - مگر اُن لڑائیوں کو جو ملکی ضرورت اور امن قایم کرنے کیلئے ہوئیں یہ کہنا کہ وہ اسلام پھیلانے کے لئے اور بجبر ہتیاروں کے زور سے اسلام قبلوانے کے لئے تھیں محض غلط ہے - بلکہ صرف اسلام ہی کی تاریخ میں ایک نہایت عجیب واقعہ پایا جاتا ہے جو اور کسی مذہب کی تاریخ میں نہیں ہے کہ فاتح قوم نے فتح کامل حاصل کرنے اور استقلال کامل پانے کے بعد اپنی مفتوح قوم کا دفعۃً مذہب اختیار کرلیا ہو - مذہب اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو مفتوح ملک کے باشندوں کی مذہبی آزادی کی مانع ہو - جزیہ جو ایک قسم کا ٹیکس ہے اُس کی نسبت ہم بیان کرچکے کہ مسلمان سے بہ نسبت اُس کے بہت زیادہ ٹیکس لیا جاتا تھا جو زکوٰۃ کے نام سے موسوم ہے - اور اس لئے مسلمانی سلطنت میں غیر مذہب والے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ آسودہ حال اور دولتمند رہتے تھے اور لڑائی میں شریک ہونے کی مصیبتوں سے بالکل محفوظ تھے - تسلیم کیا جاوے کہ بعض مسلمان بادشاہوں[1] نے غیر مذہب والوں پر ظلم کیا اور اُن کی مذہبی آزادی کو برباد کردیا مگر ایسا کرنا اُن کا ذاتی فعل تھا جس کے وہ خود ملزم ہیں نہ مذہب اسلام +

بلاشبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد قوم عرب کے بتوں کو توڑ دیا مگر اُس بت شکنی کی نظیر محمود غزنوی کی یا عالمگیر کی یا اور کسی بادشاہ کی بت شکنی کی نہیں ہوسکتی - کعبہ ایک مسجد تھی حضرت ابراہیم کی بنائی ہوئی خدائے واحد کی عبادت کے لئے اُس کے بعد جب عرب بت پرست ہوگئے تو اُس مسجد میں اُنہوں نے بت رکھ دیئے تھے جن کا

[1] یعنی ترکوں نے ہند (احمد خاں)

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (۷۱) وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۷۲)

کیا نہیں آئی اُن کے پاس خبر اُن لوگوں کی جو اُن سے پہلے تھے قوم نوح اور عاد اور ثمود کی اور قوم ابراہیم کی اور مدین کے لوگوں کی (یعنی قوم شعیب) اور دھس گئی ہوئی بستی والوں کی (یعنی قوم لوط) اُن کے پاس آئے اُن کے رسول دلیلوں کے ساتھ پھر نہیں تھا اللہ کہ ظلم کرے اُن پر ولیکن وہ آپ اپنے پر ظلم کرتے تھے (۷۱) اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک اُن میں کے دوست ہیں دوسرے کے حکم کرتے ہیں ساتھ نیکی کے اور منع کرتے ہیں برائی سے اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ کو اور فرمانبرداری کرتے ہیں اللہ کی اور اُس کے رسول کی رحمت کریگا اُن پر اللہ بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا (۷۲)

برباد کرنا اور دین ابراہیم کا اُس میں جاری کرنا ابراہیم کے پہلو نٹھے بیٹے کے بیٹے کو لازم تھا قوم عرب جس کا غالب حصہ ابراہیم کی نسل سے تھا اور جس قوم و نسل میں خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی تھے اُس قوم کو بتوں کی پرستش سے چھڑانا اور ابراہیم کے خدا کی پرستش سکھلانا ضرور تھا پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی قوم کے بت توڑے تھے اُس سے دیگر اقوام کے مذہب کی آزادی کو ضائع کرنا لازم نہیں آتا +

مسلمانوں کی تاریخ میں جہاں بت شکنی اور غیر مذہب کے معبدوں کے برباد کرنے کی مثالیں ملتی ہیں اُسی طرح ہزاروں مثالیں اُس کے برخلاف بھی موجود ہیں۔ مسلمانوں کی سلطنت دنیا کے ایک بہت بڑے وسیع حصے میں پھیلی ہوئی تھی اُس کی حکومت میں مختلف مذہب کی قومیں رہتی تھیں تمام سنیگاگ[۱] و تمام گرجے جو زیادہ تر رومن کیتھلک مذہب کے تھے بدستور قرنائے اور گھنٹے بجاتے تھے تمام ملک میں ناقوس کی آواز گونجتی تھی مندروں میں بت موجود تھے ہر ایک قوم اپنے مذہب میں آزاد تھی پس ان تمام حالات کو جو نہایت کثرت سے تھے بھول جانا اور چند واقعات کو جو اُس کے برخلاف شخصی طبیعت سے واقع ہوئے تھے نظر پیش کرکے یہ کہنا کہ اسلام نے مذہبی آزادی کو مٹایا تھا محض ناانصافی ہے اور اصول مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہے +

[۱] یہودیوں کے معابد + (۱ سمٰ ۱۱)

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۷۲) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۷۳) يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۷۴)

وعدہ کیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے بہشتوں کا بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہیں اُن میں۔ اور پاکیزہ رہنے کی جگہ کا ہمیشہ قایم رہنے والی بہشتوں میں اور خوشنودی خدا کی طرف سے سب سے بڑی یہ ہے وہی مراد پانی بڑی (۷۲) اے نبی جہاد کر کافروں سے اور منافقین سے اور درشتی کر اُن پر اور اُنکی جگہ ہے جہنم اور بُری ہے جگہ جانے کی (۷۳) قسم کھاتے ہیں اللہ کی کہ نہیں کہا اور بیشک اُنہوں نے کہا کلمہ کفر کا اور کافر ہوئے اپنے اسلام کے بعد اور قصد کیا اُس کا (یعنی رسول کی ایذا کا) جس کو نہ پایا۔ اور نہیں عیب لگایا یہ کہ دولتمند کیا اُن کو اللہ نے اور اُس کے رسول نے اپنے فضل سے۔ پھر اگر وہ توبہ کریں تو بہتر ہو اُن کے لئے اور اگر پھر جاویں عذاب کریگا اُن کو اللہ عذاب دُکھ دینے والا دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں اُن کے لئے زمین میں کوئی دوست اور نہ مددگار (۷۴)

رہی یہ بات کہ انبیا کو اس قسم کی لڑائیاں کرنی زیبا ہیں یا نہیں۔ اس سے انکار کرنا اور اُس کو نازیبا قرار دینا قانون قدرت کے برخلاف ہے۔ تمام انبیا جب کہ قوم کی اصلاح اور اُن کے مذہب کی درستی کو کھڑے ہوتے ہیں تو ابتدا میں عموماً اُن کے دشمن چاروں طرف ہوتے ہیں اگر وہ اپنی حفاظت اور مخالفوں سے محفوظ رہنے کی کوشش نہ کرتے تو دنیا میں نہ آج یہودی مذہب کا وجود ہوتا اور نہ اور کسی مذہب کا اور نہ عیسائی مذہب کا اگر بعد حضرت مسیح کے اُس کے لئے ایسا زمانہ نہ آتا جس میں اُس کے پیرووں کی مخالفوں سے حفاظت کیگئی اور بزور حکومت اُس کو ترقی دیگئی ✦

قرآن مجید میں نہایت عمدہ اور بالکل سچ بات خدا نے فرمائی ہے کہ "اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا آدمیوں کو ایک دوسرے سے تو ضرور ڈھادیجاتیں عیسائیوں اور یہودیوں کی خانقاہیں

ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا۔ (سورۂ حج ۲۲۔ آیت ۴۰) ✦

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٧﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٩﴾

اور اُن میں سے وہ بھی ہیں جس نے عہد کیا اللہ سے کہ اگر دیگا ہم کو اپنے فضل سے تو البتہ ہم خیرات دینگے اور ہونگے نیکوں میں سے ﴿٧٦﴾ پھر جب دیا انکو اپنے فضل سے تو اُس کے ساتھ بخل کیا اور پھر گئے اور وہ منہ پھیرنے والے ہیں ﴿٧٧﴾ پھر دوڑ پڑا اُن پر نفاق اُنکے دلوں میں اُس دن تک کہ ملینگے اُس سے بسبب اُسکے کہ بخلاف کیا اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اُس سے اور بسبب اسکے کہ جھوٹ بولتے تھے ﴿٧٨﴾ کیا نہیں جانتے اللہ جانتا ہے اُن کے بھید اور اُن کی صلاحیں اور اللہ جاننے والا ہے چھپی باتوں کا ﴿٧٩﴾

اور گرجے اور یہودیوں کے معبد اور تمام نمازگاہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں بہت زیادہ خدا کا ذکر کیا جاتا ہے پس یہ کہنا کہ انبیا کو ایسی لڑائیاں نازیبا ہیں ایک ایسا قول ہے جس کو قانون قدرت مردود کرتا ہے +

لوگ حضرت موسٰے کے کاموں کو تو بھول جاتے ہیں اور غریبی اور مسکینی اور مظلومی کی مثال میں حضرت مسیح کو پیش کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح نے جب اپنے تئیں خلقت کے سامنے پیش کیا اُس وقت سے حضرت مسیح کی وفات تک نہایت قلیل زمانہ قریب تین برس کے گذرا تھا اور صرف ستر آدمیوں کے قریب اُن پر ایمان لائے تھے اُن کو مطلق ایسی قوت جس سے وہ اپنے دشمنوں کو دفع کرسکیں حاصل نہیں ہوئی تھی اور اسی سبب سے گلگوری کی پہاڑی پر وہ افسوسناک واقع ہوا۔ اُس کے بعد اگر اُس کے ایسے حامی نہ پیدا ہو جاتے جو دشمنوں کو دفع کرسکے تو آج دنیا میں ایک بھی گرجا اور ایک بھی خانقاہ نہ دکھائی دیتی +

علاوہ اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو روحانی بادشاہی کے سوا سلیمان کیسی سلطنت کے انتظام میں داخل ہو جانے میں ایک بہت بڑی مجبوری تھی۔ عرب میں بادشاہت کا وجود نہ تھا ہر ایک قبیلہ کا سردار اُن کا حاکم ہوتا تھا اور جس کو سب لوگ بڑا سمجھتے تھے اُس کو مجبوری افسر بننا اور تمام ملکی انتظام کرنا لازم تھا جب کہ تمام قبائل رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے تو امکان سے خارج تھا کہ وہ لوگ سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو اپنا سردار تسلیم کرتے اور تمام معاملات ملکی بجز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے اور کسی کے حکم سے تعمیل پاتے۔ پس ہر بات پر انصاف سے غور کرنا چاہئے نہ تعصب سے +

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۸۰) اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (۸۱)

جو لوگ کہ عیب لگاتے ہیں رغبت کرنے والوں کو مسلمانوں میں سے خیرات دینے میں اور اُن لوگوں کو جو کچھ نہیں پاتے مگر اپنی محنت۔ پھر ٹھٹھا کرتے ہیں اُن سے ٹھٹھا کریگا اللہ اور اُن کے لئے عذاب ہے دکھ دینے والا (۸۰) معافی چاہ اُن کے لئے یا نہ معافی چاہ اُن کے لئے اگر تو معافی چاہے اُن کے لئے ستر دفعہ تو بھی ہرگز نہ معاف کریگا اللہ اُن کے لئے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور اللہ نہیں ہدایت کرتا فاسقوں کی قوم کو (۸۱)

(۳۰) (وقالت الیھود) ہمارے علمائے مفسرین اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے توریت مقدس کو ضائع کردیا تھا یعنی بخت نصر نے جب بیت المقدس کو ویران کیا ہے اور جلایا ہے اُس وقت ضائع ہوگئی تھی مگر حضرت عزیر کے دعا مانگنے پر اللہ تعالیٰ نے توریت اُن کو یاد کروادی اور اُنہوں نے اُس کو لکھ دیا اُس وقت یہودیوں نے کہا کہ یہ بات جو عزیر کو حاصل ہوئی تو بیشک وہ ابن اللہ ہے +

اس کے بعد علمائے مفسرین نے یہ بحث کی ہے کہ حضرت عزیر کو ابن اللہ کس نے کہا عبید ابن عمیر کا یہ قول ہے کہ صرف ایک یہودی نے یہ بات کہی تھی جس کا نام فنحاص بن عازورا تھا اور سعید بن جبیر اور عکرمہ کا یہ قول ہے کہ ایک گروہ یہودیوں کی تھی جنہوں نے یہ کہا تھا اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ یہ مذہب یہودیوں میں رائج تھا مگر پھر اُنہوں نے اُس کو چھوڑ دیا تھا تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ جو یہود کہ مدینہ میں رہتے تھے اُن میں سے چند آدمیوں کا یہ مذہب تھا۔ کل یہودیوں کا یہ مذہب نہیں تھا۔ یہ سب اقوال ہمارے علمائے مفسرین کے ہیں مگر یہودی اس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہودی عزیر کو کبھی ابن اللہ نہیں کہتے تھے +

علمائے مفسرین نے جو کچھ اس کی نسبت بیان کیا مورخانہ طریقہ پر اس کا ماخذ تلاش نہیں کیا ہے اور نہ یہودی مذہب کی کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ پس ہم کو علمائے مفسرین کے اقوال کا ماخذ تلاش کرنا ہے اور وہ صرف دو قول ہیں۔ اول یہ کہ بعد ضائع ہوجانے توریت کے حضرت عزیر پیغمبر نے از سر نو توریت کو لکھا۔ دوم یہ کہ یہودیوں کے کسی فرقہ نے حضرت عزیر کو ابن اللہ کہا +

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

خوش ہوئے جو پیچھے چھوڑ دئے گئے تھے اپنے بیٹھ رہنے سے پیچھے رسول اللہ کے اور کراہیت کی کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کے رستہ میں اور کہا کہ مت نکلو گرمی میں۔ کہدے اے پیغمبر کہ جہنم کی آگ بہت زیادہ ہی گرمی میں اگر وہ سمجھتے ہوتے ﴿۸۲﴾ پھر چاہئے کہ ہنسیں تھوڑا اور رو دیں بہت بدلے میں اسکی جو انہوں نے کمایا تھا ﴿۸۳﴾ پھر اگر تجھ کو پھیر کر لائے اللہ کسی گروہ کے پاس ان میں سے پھر وہ اجازت مانگیں تجھ سے نکلنے کے لئے تو کہدے تم ہرگز مت نکلو میرے ساتھ کبھی اور ہرگز نہ لڑو میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے بیشک تم راضی ہوئے بیٹھ رہنے پر پہلی دفعہ پھر بیٹھ رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ﴿۸۴﴾ اور نہ نماز پڑھ اوپر کسی ایک کے ان میں سے کہ جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اُس کی قبر پر بیشک اُنہوں نے کفر کیا اللہ اور اُس کے رسول سے اور مر گئے اور وہ فاسق تھے ﴿۸۵﴾

پہلے قول کی سند ہم یہودی کتابوں سے بیان کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ تین کتابیں ایسی جو حضرت عزیر کی طرف منسوب ہیں۔ ایک کتاب موسوم بہ کتاب "عزرا" ہے جو موجودہ عہد عتیق کی کتابوں میں شامل ہے اور سب لوگ اُس کو صحیح اور معتبر مانتے ہیں۔ علاوہ اس کے دو کتابیں اور ہیں جو کتاب اول "عیزڈراس" اور کتاب دوم "عیزڈرس" کے نام سے موسوم ہیں۔ عزرا کا نام یونانی زبان میں "عیزڈراس" کہا جاتا ہے اور چونکہ ان دونوں کتابوں کی نسبت خیال کیا گیا ہے کہ یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں اس لئے اُن دونوں کتابوں کو اسی نام سے موسوم کیا گیا ہے +

اُن کتابوں میں سے دوسری کتاب کے چودھویں باب میں یہ ورس ہیں۔ "دیکھ اے خدا میں جاؤنگا جیسا کہ تو نے مجھ کو حکم دیا ہے اور جو لوگ موجود ہیں میں اُن کو فہمایش کرونگا لیکن جو لوگ کہ بعد کو پیدا ہونگے اُن کو کون فہمایش کریگا۔ اس طرح دنیا تاریکی میں ہے اور جو لوگ اس میں رہتے ہیں بغیر روشنی کے ہیں" (ورس ۲۰) +

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ أَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور نہ تعجب میں ڈالیں تجھ کو اُن کے مال اور نہ اُن کی اولاد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ ارادہ کرتا ہے کہ اُن کو عذاب دے انہیں سے دنیا میں اور نکل جاویں اُن کی جانیں اور وہ کافر ہوں ﴿۸۶﴾ اور جب اُتاری جاتی ہے کوئی سورۃ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اُس کے رسول کے ساتھ اجازت مانگتے ہیں تجھ سے وسعت والے اُن میں سے اور کہتے ہیں کہ چھوڑ دے ہم کو تا کہ ہم رہیں بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ﴿۸۷﴾

"کیونکہ تیرا قانون جل گیا ہے پس کوئی نہیں جانتا اُن چیزوں کو جو تو کرتا ہے اور اُن کاموں کو جو شروع ہونے والے ہیں" (ورس ۲۱) ✦

"لیکن اگر مجھ پر تیری مہربانی ہے تو تو روح القدس کو مجھ میں بھیج اور میں لکھونگا تمام جو کچھ کہ دنیا میں ابتدا سے ہوا ہے اور جو کچھ تیرے قانون میں لکھا تھا تاکہ لوگ تیری راہ کو پاویں اور وہ لوگ جو آخیر زمانہ میں ہونگے زندہ رہیں" (ورس ۲۲) ✦

"اور اُس نے مجھ کو یہ جواب دیا کہ جا اپنے راستہ سے لوگوں کو اکٹھا جمع کر اور اُن سے کہہ کہ وہ چالیس دن تک تجھ کو نہ ڈھونڈیں" (ورس ۲۳) ✦

"لیکن دیکھ تو بہت سے صندوق کے تختے تیار کر اور اپنے ساتھ "ساریا" و "دبریا" "سیلیا" - "ایکینیین" اور "ایشیل" کو لے - ان پانچوں کو جو بہت تیزی سے لکھنے کو تیار ہیں" (ورس ۲۴) ✦

"اور یہاں آ اور مَیں تیرے دل میں سمجھ کی شمع روشن کرونگا جو کہ نہ بجھیگی تاوقتیکہ وہ چیزیں پوری نہ ہوں جو تو لکھنی شروع کریگا" (ورس ۲۵) ✦

"اور جب کہ تو پورا کر چکیگا تو بعض چیزوں کو تو مشتہر کریگا اور بعض چیزوں کو تو خفیہ عقلمندوں کو دکھا دیگا - کل اسی وقت تو لکھنا شروع کریگا" (ورس ۲۶) ✦

"پس مَیں نے اُن پانچ آدمیوں کو لیا جیسا کہ اُس نے حکم دیا تھا اور میدان میں گئے اور وہاں رہے" (ورس ۲۷) ✦

"اور دوسرے دن دیکھو ایک آواز نے مجھ کو پکارا اور کہا اے "عیزدراس" اپنا مُنہ کھول اور میں جو کچھ پینے کو دیتا ہوں اُس کو پی" (ورس ۳۰) ✦

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۸﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۹﴾

راضی ہوئے اس پر کہ رہ دیں پیچھے رہنے والوں کے ساتھ اور مہر کی گئی ہے اُن کے دلوں پر پھر وہ نہیں سمجھتے ﴿۸۸﴾ لیکن رسول نے اور اُن لوگوں نے جو ایمان لائے ہیں اُس کے ساتھ جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور یہ لوگ ہیں کہ اُنہیں کے لئے ہیں نیکیاں اور یہ لوگ وہی ہیں فلاح پانے والے ﴿۸۹﴾

"تب مَیں نے اپنا مُنہ کھولا اور دیکھو اُس نے ایک بھرا ہُوا پیالہ میرے مُنہ تک پہنچایا اور جو کہ مثل پانی کے ایک چیز سے بھرا ہُوا تھا لیکن اُس کا رنگ مثل آگ کے تھا" (ورس ۳۹) ✦

"اور مَیں نے اُس کو لیا اور پیا اور جب میں پی چکا میرے دل میں سمجھ آئی اور میرے سینہ میں عقل پیدا ہوئی کیونکہ میری روح نے میرے ذہن کو قوت بخشی" (ورس ۴۰) ✦

"اور میرا مُنہ کھلا اور پھر بند نہ ہُوا" (ورس ۴۱) ✦

"خدا نے اُن پانچ آدمیوں کو بھی سمجھ دی اور اُنہوں نے رات کے عجیب خوابوں کو جو بیان کئے گئے لکھا اور جو اُن کو معلوم نہ تھا اور وہ چالیس دن تک بیٹھے اور اُنہوں نے دن میں لکھا اور رات کو روٹی کھائی" (ورس ۴۲) ✦

"لیکن میں دن کو بولتا تھا اور رات کو اپنی زبان بند نہیں کرتا تھا" (ورس ۴۳) ✦

"چالیس دن میں اُنہوں نے دو سو جلد (یا نو سو چار) کتابیں لکھیں" (ورس ۴۴) ✦

"اور ایسا ہُوا کہ جب چالیس دن پورے ہو گئے تو خدا بولا اور اُس نے کہا کہ جو تو نے پہلے لکھا ہے اُس کو عام طور سے مشتہر کر تاکہ لائق اور نالائق سب پڑھیں" (ورس ۴۵) ✦

لیکن پچھلی ستر جو ہیں اُن کو پوشیدہ رکھ تاکہ تو صرف اُن کو دے سکے جو تیرے لوگوں میں عقلمند ہوں" (ورس ۴۶) ✦

"کیونکہ اُن میں سمجھ کا چشمہ ہے اور عقل کا ذخیرہ ہے اور علم کی روشنی ہے" (ورس ۴۷) ✦

"اور مَیں نے ایسا ہی کیا" (ورس ۴۸) ✦

کتاب عزرا جو عہد عتیق میں داخل ہے اور جس کو سب معتبر مانتے ہیں اُس میں لکھا ہے کہ "ایں عزرا از بابل برآمد کاو در شریعت موسٰے کہ خداوند کہ خدائے اسرائیل دادہ بود کاتب ماہر بود" (باب ۷ ورس ۶) ✦

اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹۰﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۱﴾	تیار کر رکھی ہیں اللہ نے اُن کے لئے جنتیں بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہینگے اُن میں یہ ہے بہت بڑی مراد پانی ﴿۹۰﴾ اور آئے عذر والے گنوار دہقانوں میں سے تاکہ اجازت دی جائے اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا اللہ اور اُس کے رسول سے۔ البتہ پہنچیگا اُن لوگوں کو جو کافر ہیں اُن میں سے عذاب دُکھ دینے والا ﴿۹۱﴾

"زاں رو کہ عزرا قلب خود را بخصوص طلبیدن و بجا آوردن شریعت خداوند و بخصوص تعلیم نمودن فرائض و احکام بہ اسرائیل حاضر کرد" (باب ۷ درس ۱۰)۔

جارج سیل صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ سلئے کہ عزرا نے نہ صرف کتب خمسہ موسے کو بلکہ عہد عتیق کی اور کتابوں کو بھی خدا کی وحی سے دوبارہ تیار کیا۔ متعدد عیسائی فادرز[۱] کی بھی یہی رائے ہے جن کا ذکر ڈاکٹر پریڈیوز نے کیا ہے اور اور مصنفوں کی بھی یہ رائے ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی اس رائے کی اصل بنا عیزڈراس کے باب دوسرے کے ایک حصہ پر ہے۔ ڈاکٹر پریڈیوز نے بیان کیا ہے کہ اس باب میں عیسائیوں نے عزرا کی طرف بہ نسبت یہودیوں کے بہت زیادہ باتیں منسوب کی ہیں کیونکہ یہودیوں کو یقین ہے کہ عزرا نے صرف موسے کی کتابوں کا ایک صحیح نسخہ تیار کیا تھا اور اُس پر بہت محنت کرکے اُس کو بہت مکمل کیا تھا۔ اس میں بہت کم شبہ ہے کہ یہ خیال ابتدا ً یہودیوں سے شروع ہوا ہو اب اُن کی رائے اور ہو"۔ ہمارے نزدیک یہ سندیں جو ہم نے بیان کیں اُن سے ہمارے مفسرین کے پہلے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

دوسرے قول کی تصدیق کے لئے ہم "عیزڈراس" کی اس دوسری کتاب سے استدلال کرتے ہیں۔ اُس کے چودھویں باب میں یہ درس ہیں:-

"اور اب میں (خدا) تجھ سے کہتا ہوں" (درس ۷)

"کہ تو اپنے دل میں وہ نشانیاں جمع رکھ جو میں نے دکھائی ہیں اور اُن خوابوں کو جو تو نے دیکھے ہیں اور اُن تعبیروں کو جو تو نے سُنی ہیں" (درس ۸)۔

"کیونکہ تو سب سے علحدہ کر دیا جاویگا اور اب سے تو میرے بیٹے کے ساتھ رہیگا اور ایسے لوگوں کے ساتھ جو تیری ہی مانند ہیں یہاں تک کہ زمانہ کا خاتمہ ہو جائے" (درس ۹)۔

[۱] پادری ہا (احمد ابا)

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۲﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۳﴾

نہیں ہے ناتوانوں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن لوگوں پر جو نہیں پاتے کوئی چیز کہ خرچ کریں کچھ حرج جب کہ خیر خواہی کریں اللہ کی اور اُس کے رسول کی نہیں ہے اچھوں پر کوئی راہ (یعنی کوئی وجہ گرفت کی) اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۹۲﴾ اور نہ اُن لوگوں پر جس وقت کہ آئے تیرے پاس تاکہ تو اُن کو سواری دے تو نے کہا کہ میں نہیں پاتا کچھ کہ میں تم کو اُس پر سوار کردوں وہ پھر جاتے ہیں اور آنکھیں اُنکی بہتی ہیں آنسوؤں سے غم کے مارے کہ نہیں پاتے کچھ کہ خرچ کریں ﴿۹۳﴾

یہ ترجمہ جو ہم نے لکھا ہے انگریزی زبان کے ترجمہ کا اردو ترجمہ ہے ۔ اصل کتاب "عیزڈراس" موجود نہیں ہے ۔ اگر بیٹے کے ساتھ بہنے سے حضرت عیسےٰ مراد ہوں تو یہ ورس محض مہمل و بے معنی ہوجاتا ہے بلکہ سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کلمہ کا اطلاق خود حضرت عزرا کی طرف ہے کہ اب سے تو میرا بیٹا رہیگا یعنی مقبول و مقرب +

اس کتاب کا عربی زبان میں بھی ترجمہ موجود تھا اور کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ وہی عربی ترجمہ عرب میں اور بالتخصیص مدینہ میں جہاں کثرت سے یہودی رہتے تھے مروج ہوگا اور نہایت قرین قیاس ہے کہ وہ ترجمہ ایسے لفظوں میں ہوگا جس سے لوگ حضرت عزرا کو ابن اللہ تعبیر کرتے ہونگے جس طرح کہ عیسائی اسی قسم کے لفظوں کے سبب سے حضرت مسیح کو ابن اللہ تعبیر کرتے ہیں ۔ پس یہ قول ہمارے علما کا کہ مدینہ کے یہودیوں کا یہ خیال تھا نہایت صحیح اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے +

اب ہم کو "عیزڈراس" کی دوسری کتاب پر جس کے حوالے ہم نے دئے ہیں بحث کرنی باقی ہے یہ کتاب مجموعہ کتب عہد عتیق میں شامل نہیں ہے اور اُس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ ایک جعلی یا نامعتبر کتاب ہے گو کہ اس میں بہت سی باتیں عمدہ اور صحیح بھی موجود ہیں +

اس کتاب کے نامعتبر ہونے کی دلیلیں پیش ہوتی ہیں اول ۔ یہ کہ اس کتاب کا کوئی عبری یا یونانی نسخہ نہیں پایا جاتا صرف لیٹن زبان کے چند نسخے اور ایک عبری زبان کا نسخہ ہے مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ عبری یا یونانی نسخہ کا نہ پایا جانا خصوصًا ایسی حالت میں کہ

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۹۳ يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۹۴

اس کے سوا کچھ نہیں کہ راہ (یعنی غصہ کی وجہ) اُن لوگوں پر ہے جو اجازت چاہتے ہیں تجھ سے اور وہ دولتمند ہیں راضی ہوئے اُس پر کہ رہویں پیچھے رہنے والوں کے ساتھ مہر کر دی اللہ نے اُن کے دلوں پر پھر وہ نہیں جانتے ۝۹۳ عذر کرینگے تمہارے آگے جب پھر آؤ گے اُن کی طرف کہہ کہ مت عذر کرو ہم ہرگز یقین نہیں کرتے تمہارا بیشک ہم کو بتا دی ہیں اللہ نے تمہاری خبریں اور دیکھیگا اللہ تمہارے عمل اور اُس کا رسول پھر لوٹائے جاؤ گے چھپی اور کھلی بات کے جاننے والے کے پاس پھر بتا دے گا تم کو جو کچھ کہ تم کرتے تھے ۝۹۴

سب لوگ اُس کا یونانی میں لکھا جانا تسلیم کرتے ہیں اُس کے نامعتبر ہونے کی کیونکر دلیل ہوسکتی ہے +

دوسری دلیل یہ پیش ہوتی ہے کہ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ ابتدا ہی میں یہ کتاب یونانی زبان میں لکھی گئی تھی جس کا یہ مفاد ہے کہ حضرت عزرا نے نہیں لکھی کیونکہ اگر وہ لکھتے تو عبری زبان میں لکھتے مگر اس کا یونانی زبان میں ابتداءً لکھا جانا صرف خیال کیا گیا ہے اور اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے ۔ علاوہ اس کے بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت متی کی انجیل دراصل عبری زبان میں لکھی گئی تھی جو اب دنیا میں موجود نہیں ہے اور موجودہ انجیل یونانی زبان کی اُس کا ترجمہ ہے ۔ پس کیا وجہ ہے کہ عیزڈراس کی کتاب کے اُس نسخہ کو جس کا یونانی میں لکھا جانا خیال کیا گیا ہے عبری کا ترجمہ نہ تصور کیا جاوے +

تیسری سب سے بڑی دلیل اس کتاب کی عزرا کی لکھی ہوئی نہ ہونے کی ڈاکٹر گوے کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ "اس کتاب کے مختلف مقامات کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن مسئلوں اور خیالات اور فقروں کی طرح ہے جو عہد جدید میں پائے جاتے ہیں اور یہ بات کہ ہمارے یشوع[1] یعنی حضرت مسیح کا ذکر اُن کا نام لے کر اس میں بہت صاف الفاظ میں کیا ہے ان سب باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کل نہیں تو اکثر حصہ اُس کا انجیل کے بعد لکھا ہوا ہے +

جن دو رسول میں ایسے الفاظ ہونے کا خیال کیا گیا ہے وہ ستہ رجہ ذیل درسوں میں

[1] لفظی معنی نجات دہندہ ۔ ۱ احمد

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۶﴾ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۹۷﴾	قریب ہے کہ قسمیں کھاوینگے اللہ کی تمہارے لئے جب کہ تم اُن کی طرف پھرو گے تاکہ تم منہ پھیرو اُن سے پھر تم منہ پھیرو اُن سے بیشک وہ ہیں نجس اور رجگہ ہے جہنم سزا میں اُس کی جو وہ کماتے تھے ﴿۹۶﴾ قسمیں کھاوینگے تمہارے لئے تاکہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ پھر اگر تم اُن سے راضی بھی ہو جاؤ تو بیشک اللہ راضی نہیں ہوتا فاسقوں کی قوم سے ﴿۹۷﴾

مذکور ہیں +

"اور اس لئے میں تم سے کہتا ہوں اے کفار تم میں سے جو سنتے اور سمجھتے ہیں کہ تم ڈھونڈو اپنے گڈریا کو کہ وہ تم کو ہمیشہ کا آرام دیگا کیونکہ اب وہ قریب ہے اور دنیا کے اخیر میں آنے والا ہے" (باب ۲ درس ۳۴) +

"بادشاہت کے انعام کے لئے تیار رہو کیونکہ ہمیشہ کی روشنی تم پر چمکنے والی ہے" (باب ۲ درس ۳۵) +

"اس دنیا کے سایہ سے بھاگو اور اپنے جلال کی خوشی کو حاصل کرو میں اپنے سیویر کی تصدیق صاف طور سے کرتا ہوں" (باب ۲ درس ۳۶) +

عیسائی حضرت عیسےٰ پر سیویر کا لفظ اطلاق کرتے ہیں اور اسی خیال سے ڈاکٹر گرے نے خیال کیا ہے کہ اس سے حضرت عیسےٰ مراد ہیں اور یہ کتاب انجیل کے بعد لکھی گئی ہے۔ مگر وہ عبری لفظ [illegible] جس کا ترجمہ سیویر یعنی نجات دہندہ کیا جاتا ہے وہ عہد عتیق میں اشعیاہ نبی کی کتاب باب ۴۳ درس ۳ و ۱۱ و باب ۴۵ درس ۲۱ و باب ۴۹ درس ۲۶ و باب ۶۰ درس ۱۶ میں آیا ہے اور خدا کی طرف اُس کا اطلاق کیا گیا ہے پھر یہاں بھی سیویر سے خدا کیوں سمجھا نہیں جاتا +

"تب میں نے فرشتہ سے پوچھا کہ یہ جوان شخص کون ہے جو اُن لوگوں کے سروں پر تاج رکھتا ہے اور اُن کے ہاتھ میں شاخیں دیتا ہے" (باب ۲ درس ۴۶) +

"پس اُس نے جواب دیا کہ یہ خدا کا بیٹا ہے جس کو اُنہوں نے دنیا میں قبول کیا ہے" (باب ۲ درس ۴۷) +

مگر بزرگ اور مقدس آدمی کو خدا کا بیٹا کہنا ایک عام محاورہ کتب عہد عتیق کا ہے حضرت موسیٰ نے

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۹﴾

گنوار د عرب نہایت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور اس کے لائق ہیں کہ نہ جانیں حدیں اس کی جو اُتارا ہے اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۹۸﴾ اور گنوار عربوں میں سے وہ ہیں جو سمجھتے ہیں اُس کو جس کو خرچ کرتے ہیں ایک ڈانڈ اور انتظار کرتے ہیں تم پر گردشوں کا انہیں پر ہے گردش بُرائی کی اور اللہ سُننے والا ہے جاننے والا ﴿۹۹﴾

کی دوسری کتاب یعنی سفر خروج کے چوتھے باب کی بائیسویں آیت میں خدا نے حضرت یعقوب کو اپنا پہلا بیٹا کہا ہے اور وہ آیت یہ ہے:- "و بہ فرعون بگو سے کہ خداوند چنیں می فرماید کہ اسرائیل پسر اول زادہ من است " زادہ کا لفظ اصل عبری میں نہیں ہے +

ہوشیع نبی کی کتاب کے پہلے باب کی دسویں آیت میں بنی اسرائیل پر خدا کے بیٹوں کا اطلاق ہوا ہے اور وہ آیت یہ ہے:- "معہذا تعداد بنی اسرائیل مثل ریگ دریا کہ پیمودنی و شمردنی نیست خواہد بود بلکہ واقع می شود در تمامی مقامے کہ بایشاں گفتہ شد کہ شما قوم من نیستید بایشاں گفتہ خواہد شد کہ پسران خدا می اید" +

" اور جو شخص کہ مندرجہ بالا برائیوں سے بچیگا وہ میرے عجائبات کو دیکھیگا" (باب ۷ درس ۲۷) +

" کیونکہ میرا بیٹا جیسس اُن لوگوں کے ساتھ ظاہر ہوگا جو اس کے ساتھ ہونگے اور جو لوگ باقی رہینگے وہ چار سو برس کے اندر خوش ہونگے " (باب درس ۲۸) +

بعد ان برسوں کے میرا بیٹا کرائسٹ مر جاویگا اور تمام لوگ جو جان رکھتے ہیں وہ بھی" (باب درس ۲۹) +

جیسس اور جیسو اور جوشیوع یہ تینوں صورتیں یونانی نام جوشوا اور جیشوا کی ہیں جو مخفف ہے جیہوشوا کا ۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مقام میں جو جیسس نام ہے ڈاکٹر گرے نے کس دلیل پر اُس کو حضرت مسیح کا نام سمجھا ہے ۔ کیونکہ اسی عیزدراس کی پہلی کتاب کے پانچویں باب درس ۵ میں یہی نام آیا ہے اور یہ وہ شخص ہے جو قید بابل سے چھوٹ کر بنی اسرائیل کے ساتھ بیت المقدس میں آیا تھا مذکورہ بالا درس میں اسی شخص کا نام معلوم ہوتا ہے کیونکہ لکھا ہے کہ جیسس اُن لوگوں کے ساتھ ظاہر ہوگا جو اس کے ساتھ ہونگے اور اس سے صاف اشارہ اُنہیں لوگوں کی طرف ہے جو قید بابل سے چھوٹ کر بیت المقدس

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۰﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۱﴾

اور عربوں میں سے وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور اخیر دن پر اور سمجھتے ہیں اُس کو جس کو خرچ کرتے ہیں قربت نزدیک اللہ کے اور رسول کی دعائے خیر۔ ہاں بیشک وہ قربت ہو اُن کیلئے داخل کریگا اللہ اُن کو اپنی رحمت میں بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۱۰۰﴾ اور سبقت کرنے والے پہل کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکی سے راضی ہوا اللہ اُن سے اور وہ راضی ہوئے اُس سے اور تیار کیں اُن کیلئے جنتیں بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہینگے اُن میں ہمیشہ ہمیشہ یہ ہے بڑی مراد پانی ﴿۱۰۱﴾

میں آئے تھے ✦

اس شخص نے بہت سی نیکی اور خدا پرستی کے کام کئے ہیں جن کا ذکر عیزرا کی پہلی کتاب کے باب ۵ ورس ۸ و ۲۲ و ۴۴ و ۶۵ و ۶۸ و ۷۰ و باب ۷ ورس ۲ و باب ۹ ورس ۱۹ میں مندرج ہے اور انہیں نیک کاموں کے سبب سے اُس کو خدا نے اپنا بیٹا کہا ہے ✦

مسیح اور کرائسٹ کے ایک ہی معنی ہیں۔ یہ لفظ ہر ایک کے لئے استعمال ہوتا تھا جس پر ایک خاص رسم میں تیل ملا جاتا تھا (دیکھو سفر لویان باب ۴ ورس ۳ و ۵ و ۱۶) ان ورسوں میں مسیح یا کرائسٹ کا لفظ ہائی پریسٹ کے لئے استعمال ہوا ہے اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں کو بھی تیل ملا جاتا تھا اور وہ بھی اس لقب سے بولے جاتے تھے (دیکھو پہلا سموئل باب ۲ ورس ۱۰ و ۳۵ و باب ۱۲ ورس ۳ و ۵ و باب ۱۶ ورس ۶ و باب ۲۴ ورس ۶ و ۱۰ و باب ۲۶ ورس ۹ و ۱۱ و ۲۳۔ دوسرا سموئل باب ۱ ورس ۱۴ و ۱۶ و باب ۱۹ ورس ۲۱ و باب ۲۳ ورس ۱) ✦

یہودیوں میں پریسٹ کو بھی تیل ملا جاتا تھا جس وقت کہ وہ اپنے کام پر مقرر ہوتے تھے (دیکھو پہلی کتاب تواریخ الایام باب ۱۶ ورس ۲۲ و زبور ۱۰۵ ورس ۱۵) پس اس مقام پر کرائسٹ سے وہی جیسس مراد ہے جو قید بابل سے چھوٹ کر بیت المقدس میں آیا تھا اور بطور پریسٹ کے اُس نے بہت سے کام کئے ہیں ✦

[1] اعلیٰ پادری ✦

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۲﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾	اور اُن لوگوں میں جو تمہارے گرد ہیں گنوار عربوں میں سے منافق ہیں اور مدینہ والوں میں سے بعضے جمے ہوئے ہیں نفاق پر تو اُنکو نہیں جانتا ہم اُن کو جانتے ہیں اب ہم اُن کو عذاب دینگے دوہرا پھر لوٹائے جاوینگے طرف عذاب عظیم کی ﴿۱۰۲﴾ اور اَور لوگ اقرار کرتے ہیں اپنے گناہوں کا اُنہوں نے ملا دیئے عمل نیک کو اور دوسرے عمل بد کو امید ہے کہ اللہ التفات کرے اُن پر بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۱۰۳﴾

مسٹر آرنلڈ ان اخیر دو ورسوں کی نسبت جن میں جیسس اور کرائسٹ کا لفظ آیا ہے یہ لکھتے ہیں کہ "اس ورس اور اس کتاب کے اور چند فقروں سے جیسس کرائسٹ کا نام اور اُن کے کام اور موت وغیرہ کا حال صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ کسی یہودی نے جس نے اس کتاب کو تسلیم کرلیا ہو وہ عیسائی نہ ہوگیا ہو" مگر میں کہتا ہوں کہ یہ بات ناممکن ہے کہ کسی یہودی نے جس نے اس کتاب کو تسلیم کرلیا ہو اُن لفظوں کے وہ معنی سمجھے ہوں جو مسٹر آرنلڈ نے سمجھے ہیں ۔

اس کے بعد مسٹر آرنلڈ لکھتے ہیں کہ "اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ کتاب ہمارے سیویر[1] یعنی حضرت مسیح کے تھوڑے زمانہ بعد لکھی گئی ہوگی اور جس کے حالات اور جس کے حواریوں کی تحریرات سے مصنف نے چند فقرے لکھے ہیں" اگرچہ ہم نے تشریح کردی ہے کہ اُن ورسوں کے وہ معنی نہیں ہو سکتے جو عیسائی مصنف سمجھتے ہیں لیکن اگر ہم اُن کے اس قول کو تسلیم کرلیں کہ یہ کتاب حضرت مسیح کے تھوڑے زمانہ بعد لکھی گئی تھی تو بھی یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ قبل نزول قرآن مجید کے یہ کتاب تحریر ہو چکی تھی اور چونکہ اُس میں متعدد جگہ انسانوں کو ابن اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس واسطے یہودیوں کا بعض فرقہ حضرت عزیر کو ابن اللہ کہتا ہوگا جیسا کہ ہمارے مفسروں نے لکھا ہے کہ مدینہ کے یہودیوں کا یہ اعتقاد تھا۔ چنانچہ سعید ابن جبیر اور عکرمہ نے روایت کی ہے کہ سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی اور مالک ابن صیف جو مدینہ کے یہودی تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس آئے کہ ہم کیونکر تمہاری تابعداری کریں تم نے تو ہمارا قبلہ چھوڑ دیا ہے اور عزیر کو ابن اللہ بھی نہیں سمجھتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ شام کے یہودیوں کا یہ اعتقاد نہیں تھا اور اسی وجہ سے وہ لوگ اس بات سے کہ وہ عزیر کو ابن اللہ سمجھتے تھے

[1] انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ نجات دہندہ (احمد خان) ۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۱۰۳) اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۱۰۴)

لے اُن کے مالوں میں سے خیرات پاک کرے تو اُن کو اور پاکیزہ کرے تو اُن کو بسبب اُس کے دُعائے خیر کر اُن پر بیشک تیری دعائے خیر تسکین ہے اُن کے لئے اور اللہ سُننے والا ہے جاننے والا (۱۰۳) کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ وہی قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے اور لیتا ہے خیراتیں اور یہ کہ اللہ وہی ہے توبہ قبول کرنے والا (۱۰۴)

ہمیشہ انکار کرتے رہے ہیں مگر اُن کے انکار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی فرقہ بھی اس اعتقاد کا نہ تھا۔ اگر اس وقت عیسائیوں سے پوچھو تو سب عیسائی اس بات سے کہ وہ حضرت مریم کو بھی خدا سمجھتے تھے انکار کرینگے حالانکہ چوتھی صدی کے اخیر میں عیسائیوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو کولی ری ڈینس پکارا جاتا تھا۔ موشیم اکلیزیاسٹکل ہسٹری صفحہ ۱۷۰ میں لکھا ہے کہ اُن لوگوں نے باپ اور بیٹے (یعنی خدا اور حضرت مسیح) کے سوا حضرت مریم کو بھی خدا مانا تھا یہ فرقہ چند روز رہا اور مدت سے معدوم ہو گیا۔ اسی طرح یہودیوں کا بھی ایک خاص فرقہ تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور اب وہ معدوم ہے ❊

مسلمان عالموں کی یہ دلیل کہ قرآن مجید علانیہ مدینہ میں پڑھا جاتا تھا اور آیت وقالت الیھود عزیر ابن اللہ سب یہودی سنتے تھے اگر اُن کا یہ اعتقاد نہ ہوتا تو ضرور الزام دیتے کچھ کم مضبوط نہیں ہے ❊

(۱۱۲) (ان اللہ اشتری) اس آیت میں خدا تعالےٰ نے دو چیزیں جنت کے بدلے میں مول لینی فرمائی ہیں۔ ایک مسلمانوں کی جان کو جب کہ خدا کی راہ میں کافروں سے لڑتے ہیں اور اُن کو مارتے ہیں اور خود بھی مارے جاتے ہیں۔ گویا اُنہوں نے اپنی جان خدا کے ہاتھ بیچ ڈالی۔ دوسرے مسلمانوں کے مال کو جب کہ وہ اپنا مال خدا کی راہ میں دیتے ہیں ❊

پھر فرمایا کہ یہی وعدہ توریت اور انجیل اور قرآن میں ہے اور سب سے اخیر قرآن کا نام لیا اس لئے کہ پہلے امر کی نسبت یعنی دشمنوں کے مقابلہ میں جان دینے کے عوض میں اس کی جزا ملنے کا وعدہ توریت میں ہے اور دوسرے امر یعنی خدا کی راہ میں مال دینے یا خیرات کرنے کے عوض میں اُس کی جزا ملنے کا وعدہ انجیل میں ہے۔ اور مجموعاً دونوں امر کی نسبت جزا ملنے کا وعدہ قرآن مجید میں ہے پس جس ترتیب سے وہ دونوں کام بیان کئے ہیں اُسی

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۰۶) وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۱۰۷)	کہدے اے پیغمبر عمل کرو پھر اللہ دیکھیگا تمہارے عملوں کو اور اس کا رسول اور ایمان والے۔ اور پھیرے جاؤ گے ڈھکے اور کھلے کاموں کے جاننے والے کے پاس۔ پھر تم کو خبردار کریگا اُس سے جو تم کرتے تھے (۱۰۶) اور اور لوگ ہیں جو چھوڑے گئے ہیں اللہ کے حکم کیلئے یا تو اُن کو عذاب کریگا اور یا اُن پر معافی کریگا اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا (۱۰۷)

ترتیب سے اُن کتابوں کو بھی بتایا جن میں اُن کاموں کی جزا بیان ہوئی ہے ۔

حضرت موسےٰ نے جب بحر احمر سے عبور کرکے اُس ملک کو چلے جس کے دینے کا خدا نے وعدہ کیا تھا تو تمام کفار سے خدا کے حکم کے مطابق لڑتے رہے اور خدا کے حکم کے مطابق لڑنے اور مرنے اور مارے جانے میں جو اجر تھا اور جن الفاظ میں خدا کے احکام بجالانے کے اجر کا توریت میں بیان ہوتا تھا اُنہی الفاظ میں اس طرح پر لڑنے اور مارنے اور مارے جانے کا اجر بیان ہوا ہے جس کو قرآن مجید میں مختصر الفاظ " بان لھم الجنۃ " سے تعبیر کیا ہے چنانچہ کافروں سے لڑنے کے جو احکام خدا نے دئیے تھے اور جس طرح حضرت موسےٰ کافروں سے لڑے اور اُن کو قتل کیا وہ بالتفصیل توریت کی کتاب خروج میں مندرج ہیں۔ قرآن مجید میں بھی خدا تعالیٰ نے کافروں سے لڑنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کی جانوں کے بدلے جنت یعنی آخرت میں جزا کا وعدہ کیا اور فرمایا " وعدا علیہ حقا فی التوریۃ " یعنی توریت میں بھی اس طرح جان دینے پر جزا کا وعدہ ہے ۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے خدا کے واسطے مال دینے پر زیادہ توجہ فرمائی اور بہت بڑا حصہ اُن کی نصیحت کا مال خیرات کردینا تھا چنانچہ اُنہوں نے اُس شخص سے جو ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہونا چاہتا تھا فرمایا کہ " جا اور جو کچھ تیرا ہو بیچ کر غریبوں کو دے تو آسمان پر دولت پاویگا " مگر جب اُس نے اُس کو قبول نہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ " خدا کی بادشاہت میں دولتمند کا داخل ہونا کیا ہی مشکل ہے " (مارک باب ۱۰ ورس ۱۷ لغایت ۲۳) قرآن مجید میں بھی خدا تعالیٰ نے خیرات کرنے میں جنت یعنی آخرت میں جزا کا وعدہ کیا اور فرمایا " وعدا علیہ حقا فی الانجیل " یعنی انجیل میں بھی خیرات کرنے پر جزا کا وعدہ ہے ۔

قرآن مجید میں ان دونوں کاموں پر جزا کا متعدد جگہ وعدہ ہے اس لئے اخیر کو فرمایا۔ " وعدا علیہ حقا فی القرآن " اور پھر فرمایا کہ خدا سے زیادہ کون اپنا وعدہ پورا کرنیوالا ہے پس تم

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (۱۰۷)	اور جن لوگوں نے کہ بنائی ہے مسجد ضرر پہنچانے کو اور کفر کرنے کو اور تفرقہ ڈالنے کو درمیان ایمان والوں کے اور ان لوگوں کی گھات لگانے کو جو لڑے اللہ سے اور اسکے رسول سے اس سے پہلے اور تاکہ قسم کھاویں کہ ہم نے نہیں ارادہ کیا بجز نیکی کے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں (۱۰۷)

خوش ہو اپنی چیز کو اس کے بدلے بیچنے سے جس کے بدلے تم نے بیچا +

توریت و انجیل و قرآن میں جزاے آخرت کے بیان میں الفاظ مصطلحہ جداجدا طرز پر بیان ہوئے ہیں مگر سب کا مقصد آخرت کی جزا سے ہے خواہ آسمان کی دولت سے اس کو تعبیر کیا جاوے خواہ لفظ جنت سے +

(۱۱۴) (ماکان للنبی) - (۱۱۵) - (وماکان استغفار ابراهیم لابیه) قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی دعاے مغفرت کا چار جگہ ذکر ہے ایک سورہ ابراہیم میں - جہاں حضرت ابراہیم نے مکہ کے لئے اور حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق کے لئے برکت کی دعا مانگی ہے اسی دعا کے ساتھ یہ بھی دعا کی ہے کہ " ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب" یعنی اے ہمارے پروردگار بخش دے مجھ کو اور میرے والد اور والدہ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن کہ قایم ہو حساب +

اس آیت کو ان دونوں آیتوں سے جن کی ہم تفسیر لکھ رہے ہیں کچھ تعلق نہیں ہے - کیونکہ اس امر کے لئے بہت سی دلیلیں ہیں کہ حضرت ابراہیم کے والد اور والدہ مشرک تھے چنانچہ اس آیت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے جہاں حضرت ابراہیم نے کہا ہے " ولوالدی وللمومنین " جس سے پایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم اپنے والدین کو بھی مومنین میں شمار فرماتے تھے پس اگر تسلیم کیا جاوے تو سورہ ابراہیم کی آیت میں مشرکین کے حق میں دعاے مغفرت نہ تھی +

دوسرا مقام سورہ مریم میں ہے جہاں حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آذر کو باپ کہکر بت پرستی چھوڑنے اور خدا پر ایمان لانے کی نصیحت کی ہے مگر اُن کے چچا نے نہ مانا اور خفا ہو کر کہا اگر تو بس نہیں کرتا تو میں تجھ کو سنگسار کرونگا اور تو میرے پاس سے چلا جا اُس وقت حضرت ابراہیم نے کہا " سلام علیک ساستغفرلک ربی " چنانچہ اُس کے بعد حضرت ابراہیم اُور کلدانیان سے جو اُن کا وطن تھا جلا وطن ہو گئے - یہ وہ آیت ہے جس میں حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آذر کے حق میں دعاے مغفرت کا وعدہ کیا تھا +

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾	مت کھڑا ہو اُس میں کبھی البتہ ایک مسجد جس کی بنیاد رکھی گئی ہے پرہیزگاری پر پہلے دن سے احق ہے کہ تو کھڑا ہو اُس میں۔ اس میں لوگ ہیں کہ دوست رکھتے ہیں کہ پاکیزگی کریں اور اللہ دوست رکھتا ہے پاکیزگی کرنے والوں کو ﴿۱۰۸﴾

تیسرا مقام سورہ شعراء میں ہے جہاں حضرت ابراہیم نے اپنے چچا کو باپ لکھا اور نیز اُس کو گمراہ قرار دیکر اُس کے لئے دعائے مغفرت کی اور کہا "واغفر لابی انہ کان من الضالین" +

چوتھا مقام سورہ ممتحنہ میں ہے جہاں خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم کی پیروی کی بت پرستی کے بُرا جاننے میں تاکید کر کے فرمایا کہ "الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک وما املک لک من اللہ من شئ" یعنی حضرت ابراہیم کے اس قول کی پیروی نہیں چاہیئے جو انھوں نے اپنے چچا سے اُن کی مغفرت کی دعا کی نسبت کہا تھا اور اسی وعدہ کے مطابق اُنھوں نے دعا بھی کی تھی +

اس اخیر آیت کا اور سورہ توبہ کی آیت کا ایک ہی مطلب ہے۔ سورہ ممتحنہ کی آیت سے بطور دلالت النص ظاہر ہوتا ہے کہ مشرک کے لئے دعاے مغفرت کرنی نہیں چاہیئے اور سورہ توبہ کی آیت میں بنص صریح بیان ہوا ہے کہ مشرکین کے لئے گو وہ کیسے ہی قریب کے قرابت مند ہوں دعاے مغفرت نہ کی جاوے +

حضرت ابراہیم نے اپنے چچا کے لئے اس لئے دعاے مغفرت کی تھی کہ اُن کو اپنے چچا کے ایمان لانے کی توقع تھی مگر جب اُن کو یقین ہوگیا کہ وہ ایمان نہیں لانے کا تو اُنھوں نے اُس سے اپنی بیزاری ظاہر کی جیسے کہ اسی آیت میں بیان ہوا ہے کہ "فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم" +

بعض مخالفین اسلام نے ان آیتوں سے اسلام پر بے رحمی کا الزام لگایا ہے کہ اسلام نے نہایت بے رحمی سے مشرک والدین کے لئے بھی دعاے مغفرت کی ممانعت کی ہے مگر یہ اُن کی غلطی ہے اس لئے کہ اسلام نے جس قدر والدین کے ادب کی گو وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں اور مشرکوں کے ساتھ بھی صلہ رحم کی تاکید فرمائی ہے جس کی بنا محض رحم اور انسانیت پر ہے شاید اور کسی مذہب میں نہیں ہے مگر مغفرت یا عدم مغفرت کو رحم یا عدم رحم سے کچھ تعلق نہیں ہے اس لئے کہ مغفرت کا مدار صرف ایمان پر ہے اگر کوئی بیٹا اپنے باپ پر جو ایمان نہیں لایا کیسا ہی رنج وغم و افسوس و رحم کیا کرے اور دعا مانگا کرے اُس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کی مغفرت

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾	بہلا یا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی ڈرنے پر اللہ سے اور رضامندی پر بہتر ہے یا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی تیز گرنے والے کنارے پر پھر لے گرا اُس کو جہنم کی آگ میں اور اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالموں کی قوم کو ﴿۱۱۰﴾

نہیں ہو سکتی اور جب کہ یہ بات محقق قرار پا چکی کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہونے کی تو انبیاء کو اور نیز تمام مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ مشرکین کے لئے وہ زندہ ہوں یا مردہ دعائے مغفرت کریں کیونکہ ایسا کرنے میں اس بات کا شبہ ہوتا ہے کہ اُن کو خدا کے اس وعدہ پر کہ مشرکین کو نجات نہیں دینے کا پورا پورا یقین نہیں ہے باقی رہی مشرکین کے لئے دعائے خیر کہ وہ ایمان لے آویں اور کفر و شرک سے نجات پاویں جو اُن کے ساتھ اصلی محبت و رحم ہے اُس کی ممانعت نہیں ہے خود انبیاء نے ایسا کیا ہے اور ہر ایک مسلمان کو ایسا کرنا چاہئے بلکہ مشرکین سے جو زیادہ تر قرابت قریبہ رکھتا ہو اُن کے لئے اور زیادہ اور دلی اضطرار اور رنج و غم سے ایسی دعا کرنی لازم ہے +

﴿۱۱۸﴾ (لقد تاب اللہ علی النبی) اس سورۃ میں خدا تعالیٰ نے اُن مشکلات کا بیان فرمایا ہے جو مسلمانوں کو غزوہ تبوک میں پیش آئی تھیں۔ اُسی کے ساتھ منافقین کے نفاق کو جتلایا تھا یہ آیتیں بھی اُسی سے متعلق ہیں +

ہم نے غزوات کے حالات میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تھی کہ اہل روم نے جو عیسائی تھے شام میں مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے بہت کثرت سے لوگ جمع کئے ہیں اور بنی لخم اور بنی جذام اور بنی عاملہ اور غسان تمام قبیلے ان سے مل گئے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کا حملہ کے روکنے کی غرض سے اُن پر حملہ کرنے کا حکم دیا +

اس حکم کی تعمیل سے منافق تو بالکل بچنا چاہتے تھے اور جو لوگ درحقیقت سچے مسلمان تھے اُن میں سے بھی بہت سوں کو نہایت شاق گذرا تھا +

شام جہاں جاکر لڑنے کا ارادہ تھا مدینہ سے بہت دور تھا اور سامان سفر کچھ نہ تھا۔ دس آدمیوں میں ایک اونٹ سواری کے لئے ملا تھا کہ باری باری سے چڑھتے اترتے چلیں۔ گرمی کا موسم تھا اور نہایت شدت سے گرمی پڑتی تھی۔ پانی بھی نایاب تھا اور پانی کے نہ ملنے سے لوگوں کو حد سے زیادہ تکلیف تھی۔ سامان رسد کچھ نہ تھا صرف تھوڑی تھوڑی کھجوریں کسی کسی کے

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۱۱۱)	ہمیشہ رہیگی اُن کی عمارت جس کو اُنھوں نے بنایا ہے شک ڈالنے والی اُن کے دلوں میں مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاویں اُن کے دل اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا (۱۱۱)

پاس تھیں اور جو کے آنے کی جو چینوں کی ہوئی تھی وہ گرمی کے سبب سے سڑ گئی تھی۔ اس غزوہ میں اس قدر تنگی تھی کہ یہ غزوہ غزوة العسرة اور جو لوگ اس غزوہ میں لڑائی کو گئے تھے جیش العسرة کے نام سے موسوم ہو گیا تھا ✦

مسلمان بھی اس غزوہ میں جانے سے کس ساتے تھے خدا نے فرمایا "یا ایھا الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض" یعنی اے ایمان والو تم کو کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم بوجھل بنکر زمین پر جھک پڑتے ہو ✦

خدا نے منافقوں کی نسبت فرمایا "لو کان عرضا قریبا وسفرا قاصدا لاتبعوک ولکن بعدت علیھم الشقة" یعنی "اگر نفع قریب الحصول ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ تیرے ساتھ چلتے لیکن مسافت اُن کو بعید معلوم ہوئی" ✦

بعضے منافق آنحضرت سے آکر عرض کرتے ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم یہیں بجاویں سفر میں نہ جاویں خدا نے فرمایا "انما یستاذنک الذین لا یؤمنون باللہ والیوم الاخر وارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یترددون" یعنی اے پیغمبر تجھ سے وہی لوگ اجازت چاہتے ہیں جو خدا پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور اُن کے دل میں تردد ہے اور اُسی تردد میں مبتلا ہیں ✦

منافقین یہ بھی سمجھتے تھے کہ جن لوگوں سے لڑنے کو جاتے ہیں وہ قوی اور زبردست ہیں اُن کے پاس کثرت سے جمعیت ہے اُن سے لڑکر مصیبت میں پڑ جاوینگے خدا نے فرمایا "ومنھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی" ۔ یعنی مجھ کو رہ جانے کی اجازت دو اور بلا میں مت ڈالو ✦

بعض منافقین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے رہ جانے کی اجازت چاہی ۔ آپ نے اجازت دیدی، خدا نے فرمایا کہ "عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتی یتبین لک الذین صدقوا وتعلم الکاذبین" یعنی خدا تجھ کو معاف کرے تو نے اُن کو کیوں اجازت دی تا کہ تو جان لیتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں ✦

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۱۲) اَلتَّائِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۱۳) مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (۱۱۴) وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (۱۱۵)

بیشک اللہ نے خرید لیا ہے ایمان والوں سے اُن کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس کے بدلہ میں کہ اُن کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں وعدہ ہے اُس پر ٹھیک توریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے زیادہ پورا کرنے والا اپنے عہد کا اللہ سے پس خوش ہو اپنے بیچنے سے جس کو بیچا ہے تم نے بدلے میں اُس کے اور یہ وہی ہے بڑی مراد پانی (۱۱۲) وہ توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں (خدا کی) حمد کرنے والے ہیں (خدا کی راہ میں) سفر کرنے والے ہیں رکوع کرنے والے ہیں سجدہ کرنے والے ہیں حکم کرنے والے ہیں نیکی کا اور منع کرنے والے ہیں بُرائی سے اور نگاہ رکھنے والے خدا کے حکموں کو اور خوشخبری دے مسلمانوں کو (۱۱۳) نہیں چاہئے نبی کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ بخشش مانگیں مشرکوں کے لئے اور گو کہ وہ ہوں قرابت والے بعد اس کے کہ ظاہر ہو گیا اُن کو کہ وہ دوزخ میں پڑنے والے ہیں (۱۱۴) اور نہیں تھا بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے مگر بسبب ایک وعدہ کے کہ اُس سے بتحقیق کیا تھا۔ پھر جب اُس کو کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس سے بیزار ہوا۔ بیشک ابراہیم درد مند تھا تحمل والا (۱۱۵)

غرضکہ یہ غزوہ نہایت سخت اور عسرت کا تھا آنحضرت کا بعضوں کو رہ جانے کی اجازت دینا خدا تعالے نے پسند نہیں فرمایا تھا گو کہ جن کو اجازت دی تھی اگر اُن کو اجازت نہ دیجاتی جب بھی جانے والے نہ تھے مگر اجازت دینے سے اُن کا نفاق پوشیدہ رہ گیا تھا اور اسی بات کو خدا نے ناپسند کیا تھا اور بہت سے مسلمانوں کا دل بھی دُکھ گیا تھا کہ مسلمانوں

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۱۱۶) إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (۱۱۷) لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ تَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (۱۱۸) وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۱۱۹) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (۱۲۰)

اور نہیں ہے کہ خدا گمراہ کرے کسی قوم کو بعد اس کے کہ ہدایت کیا ہو اُن کو یہاں تک کہ ظاہر کر دے اُن کے لئے وہ چیزیں جن سے کہ وہ پرہیز کریں بیشک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے (۱۱۶) بیشک اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارے لئے نہیں ہے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار (۱۱۷) بیشک مہربانی کی اللہ نے نبی پر اور مہاجرین و انصار پر جنہوں نے اُس کی پیروی کی مشکل کے وقت میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ڈگمگا جاویں اُن میں سے ایک فریق کے دل پھر التفات کی (اللہ نے) اُن پر بیشک وہ اُن پر شفقت کرنے والا ہے مہربان (۱۱۸) اور اُن تین شخصوں پر جو پیچھے چھوڑے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب تنگ ہوئی اُن پر زمین باوجود فراخی کے اور تنگ ہوئیں اُن پر اُن کی جانیں اور انہوں نے جانا کہ نہیں پناہ کی جگہ اللہ سے مگر اسی کے پاس۔ پھر التفات کی (اللہ نے) اُن پر تاکہ وہ توبہ کریں۔ بیشک اللہ وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان (۱۱۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور ہو سچوں کے ساتھی (۱۲۰)

کے دل کو خدا نے مضبوط کیا اور باوجود تمام دکھوں اور مصیبتوں کے خدا کی راہ میں جان دینے اور لڑنے اور مرنے کو چل نکلے اور جو وسوسے دل میں آئے تھے اور جس امر کی ناپسندیدگی خدا نے ظاہر کی تھی اُس سب کے مٹانے اور اُس سبب سے جو رنج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اور مسلمانوں کے دل میں تھا اُس کے دور کرنے اور اپنی رضامندی کی خوشخبری سُنانے کے لئے خدا تعالےٰ نے فرمایا «لقد تاب اللہ علی النبی و المہاجرین و الانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد تزیغ قلوب فریق منہم ثم تاب علیہم انہ رؤف رحیم»

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۳﴾

نہیں چاہئے مدینہ والوں کو اور اُن کو جو اُن کے آس پاس بستے ہیں گنوار دیہاتیوں سے کہ پیچھے رہجاویں اللہ کے رسول سے (یعنی لڑائی میں ان کے ساتھ لڑنے کو نہ جائیں) اور نہ یہ کہ رغبت کریں اپنی جانوں کے بچانے کا بدلہ اس کی (یعنی رسول کی) جان کے - یہ اس سبب اُن کے لئے ہے کہ نہیں لگتی اُن کو پیاس اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہیں چلتے کسی جگہ کہ کافروں کو غصہ میں لائے اور نہیں لیتے دشمن سے کوئی دست برد مگر لکھا جاتا ہے اُن کے لئے اُس کے بدلہ میں عمل نیک۔ بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا ثواب نیک کام کرنے والوں کا ﴿۱۲۱﴾ اور نہیں خرچ کرتے کچھ خرچ چھوٹا اور بڑا اور نہیں طے کرتے کسی جنگل کو مگر لکھا جاتا ہے اُن کے لئے (یعنی عمل صالح) تاکہ جزا دے اُن کو اللہ اُس اچھے کام کی جو وہ کرتے تھے ﴿۱۲۲﴾ اور ممکن نہیں ہے مسلمانوں کو کہ نکلیں (لڑنے کے لئے) سب کے سب پھر کیوں نہ نکلا ہر ایک فرقہ میں سے ایک گروہ تاکہ سمجھدار ہوتے دین میں اور تاکہ ڈراتے (بُری باتوں سے) اپنی قوم کو جب کہ پھر آتے اُن کے پاس شاید کہ وہ ڈرتے ﴿۱۲۳﴾

یعنی بیشک مہربان ہوا اللہ نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیغمبر کی پیروی کی مشکل کے وقت میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ڈگمگا جاویں اُن میں سے ایک فریق کے دل پھر مہربانی کی اللہ نے اُن پر بیشک وہ اُن پر شفقت کرنے والا ہے مہربان +

﴿۱۱۹﴾ (وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا) یعنی اللہ مہربان ہوا اُن تین شخصوں پر بھی جو پیچھے چھوڑ دئے گئے تھے - تمام مفسرین اور اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ وہ تین شخص کعب ابن مالک ہلال ابن امیہ - مرارۃ ابن الربیع تھے اُن کے پیچھے رہ جانے کی نسبت مختلف روایتیں

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا
الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ
وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۴﴾ وَإِذَا
مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ
يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ
إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا
فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ
يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۲۵﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ
فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ
رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ
كَافِرُونَ ﴿۱۲۶﴾ أَوَلَا يَرَوْنَ
أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً
أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ
وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۷﴾ وَإِذَا
مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَظَرَ بَعْضُهُمْ
إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ
ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۲۸﴾ لَقَدْ جَاءَكُمْ
رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ
مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ
رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۲۹﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو لڑو اُن لوگوں سے
جو تمہارے قریب ہیں کافروں سے اور چاہئے
کہ وہ پاویں تم میں مضبوطی اور جان لو کہ اللہ
پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ﴿۱۲۴﴾ اور جبکہ
اُتاری جاتی ہے کوئی سورۃ تو اُن میں سے
(یعنی منافقوں میں سے) کوئی کہتا ہے کہ تم میں
سے کس کا زیادہ کیا اس نے ایمان پھر جو لوگ
کہ ایمان لائے ہیں تو زیادہ کیا اُن کا ایمان
اور وہ خوش ہوتے ہیں ﴿۱۲۵﴾ اور وہ لوگ
کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو زیادہ کیا
اُن کی بُرائی کو اُن کی بُرائی کے ساتھ اور
وہ مر گئے اور وہ کافر تھے ﴿۱۲۶﴾ کیا نہیں
دیکھتے کہ وہ فتنہ میں ڈالے جاتے ہیں ہر
برس میں ایک بار یا دو بار پھر توبہ نہیں کرتے
اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں ﴿۱۲۷﴾ اور جب
اُتاری جاتی ہے کوئی سورۃ دیکھتا ہے اُن
میں کا دوسرے کی طرف۔ کیا دیکھتا ہے
تم کو کوئی پھر پھر جاتے ہیں۔ پھیر دیا اللہ
نے اُن کے دلوں کو اس سبب سے کہ وہ
ایک قوم ہے کہ نہیں سمجھتی ﴿۱۲۸﴾ بیشک آیا
ہے تمہارے پاس رسول تمہیں میں سے
اُس کو ناگوار ہے یہ کہ تم ایذا میں پڑو حرص
کرنے والا ہے تمہاری بھلائی پر مسلمانوں
کے ساتھ شفقت کرنے والا ہے مہربان ﴿۱۲۹﴾

ہیں مگر بلحاظ الفاظ قرآن مجید کے یہ قول درست معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں کی نیت یہ نہ تھی کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی میں نہ جائیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کوچ فرمانے
کے وقت اُن کا سامان سفر درست نہیں ہوا تھا اور کوچ ہو گیا اور یہ تینوں اس لئے پیچھے چھوٹے

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (۱۲۹)	پھر اگر پھر جاویں تو کہدے کافی ہے مجھکو اللہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اسکے اسی پر میں نے توکل کیا ہے وہ مالک ہے عرش یعنی بادشاہت بڑی کا (۱۲۹)

گئے کہ سامان سفر درست کر کے لشکر میں آملیں مگر بدبختی سے کچھ ایسے اسباب پیش آگئے کہ وہ نہ جاسکے۔ اس پر اُن کو نہایت رنج تھا دنیا اُن پر تنگ ہوگئی تھی جیسے کہ کمال رنج وغم کی حالت میں انسان کا ایسا ہی حال ہوجاتا ہے اور اُن کی زندگی بھی اُن پر دو بھر ہوگئی تھی اس رنج وغم میں وہ یقین کرتے تھے کہ پیغمبر خدا کے سوا اُن کے لئے کہیں پناہ نہیں ہے اُنکے اس سچے ایمان اور سچی ندامت کے سبب خدا تعالےٰ نے اُن کو بھی معاف کیا۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

خدا کا نام لیکر جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

الٓر ۔ یہ نشانیاں (یعنی احکام) ہیں حکمت والے کی کتاب کے ﴿۱﴾ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے وحی بھیجی ایک آدمی کے پاس اُن میں سے کہ ڈرائے لوگوں کو اور خوشخبری دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اس بات کی کہ اُن کا سچا قدم ہے اُن کے پروردگار کے نزدیک کافروں نے کہا کہ بیشک یہ جادوگر ہے علانیہ ﴿۲﴾ بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پھر ٹھیرا عرش پر سنوارتا ہے کاموں کو نہیں کوئی شفاعت کرنے والا مگر اُس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ پروردگار تمہارا پھر اُس کی عبادت کرو پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ﴿۳﴾ اُسی کے پاس تم کو پھر جانا ہے سب کو، خدا کا وعدہ سچا ہے بیشک وہ ابتدا کرتا ہے پیدائش کی پھر دوبارہ اُس کو کریگا تاکہ جزا دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کئے ہیں انصاف سے اور جو لوگ کافر ہوئے اُن کے پینے کے لئے ہے کھولتا ہوا پانی اور عذاب دکھ دینے والا اس لئے کہ وہ کافر تھے ﴿۴﴾ وہ وہ ہے جس نے بنایا سورج کو روشن اور چاند کو نور اور مقرر کیں اُس کے لئے منزلیں تاکہ تم جان لو برسوں کا شمار اور حساب اور نہیں پیدا کیا اُس کو اللہ نے مگر حق مفصل بیان کرتا ہے نشانیوں کو اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں ﴿۵﴾

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا
خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿٦﴾ إِنَّ
الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا
وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا
بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ
آيَاتِنَا غَافِلُونَ ﴿٧﴾ أُولَٰئِكَ
مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ
رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ
النَّعِيمِ ﴿٩﴾ دَعْوَاهُمْ فِيهَا
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ
فِيهَا سَلَامٌ ﴿١٠﴾ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ
أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ ﴿١١﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ
اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ
بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ
فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا
فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٢﴾
وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ
دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا
أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ
مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ
كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾

بیشک رات اور دن کے مختلف ہونے میں اور
اُن میں جن کو پیدا کیا ہے اللہ نے آسمانوں
میں اور زمین میں البتہ نشانیاں ہیں اُن
لوگوں کے لئے جو پرہیزگار ہیں ﴿۶﴾ بیشک
جو لوگ ہم سے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے اور دنیا
ہی کی زندگی سے خوش ہیں اور اُسی سے اُن کی
خاطر جمع ہے اور وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے
غافل ہیں ﴿۷﴾ یہی لوگ ہیں کہ اُن کے رہنے کی
جگہ آگ ہے بسبب اُس کے جو وہ کرتے تھے ﴿۸﴾
بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اُن کو
پہنچاویگا اُن کو پروردگار اُن کے ایمان کے سبب
بہتی ہونگی اُن کے نیچے نہریں نعمت والی جنتوں
میں ﴿۹﴾ اُن کی دعا اُس میں ہوگی اے بار خدایا
تو پاک ہے اور اُن کی دعا اس میں ایک دوسرے
سے ملنے کی بھلائی سلام ﴿۱۰﴾ اور اخیر اُن کی دعا
ہوگی کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو پروردگار
عالموں کا ﴿۱۱﴾ اور اگر اللہ جلد پہنچادے لوگوں کو برائی
جیسے کہ وہ جلد چاہتے ہیں بھلائی کو تو البتہ پورا کیا
جائے اُن کے حق میں اُن کا وقت پھر ہم چھوڑتے
ہیں اُن لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی اُمید نہیں
رکھتے اُن کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ﴿۱۲﴾ اور
جب پہنچتی ہے انسان کو برائی تو ہم کو پکارتا ہے
کروٹ پر پڑے یا بیٹھے یا کھڑے ہوئے پھر
جب ہم نے دور کر دی اُس سے اُس کی برائی تو
سٹک جاتا ہے گویا کہ ہم کو برائی پر جو اُسے پہنچی
تھی پکارا ہی نہ تھا اسی طرح آراستہ کر دیا گیا حد
سے گذرنے والوں کو جو کچھ وہ کرتے تھے ﴿۱۳﴾

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ (۱۴) ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۵) وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِىْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۱۶) قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۷) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ (۱۸) وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۱۹)

اور البتہ ہم نے ہلاک کیا تم سے پہلے زمانہ کے لوگوں کو جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور آئے تھے اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی ہوئی دلیلوں کے ساتھ اور وہ نہ تھے کہ ایمان لاویں اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں گنہگار لوگوں کو (۱۴) پھر ہم نے تم کو کیا خلیفہ زمین میں اُن کے بعد تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح پر کرتے ہو (۱۵) اور جب پڑھی جاتی ہیں اُن کے سامنے ہماری کھلی ہوئی نشانیاں (یعنی احکام) تو کہتے ہیں وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی لا ایک قرآن اس کے سوا یا اُس کو بدل ڈال کہہ دے (اے پیغمبر) کہ نہیں ہوگا مجھ سے کہ میں اس کو بدل دوں اپنی طرف سے میں پیروی نہیں کرتا مگر اس کی جو وحی کی گئی ہے مجھ پر بے شک میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے پروردگار کے عذاب سے بڑے دن کے (۱۶) کہہ دے (اے پیغمبر) اگر چاہتا اللہ تو نہ پڑھتا میں اس کو تمہارے سامنے اور (خدا) نہ خبردار کرتا تم کو اس سے۔ پھر بے شک میں رہا تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا تم نہیں سمجھتے (۱۷) پھر کون بڑا ظالم ہے اُس شخص سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلاوے اُسکی نشانیوں کو بے شک بات یہ ہے کہ نہیں فلاح پاویں گے گنہگار (۱۸) اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اُس کی جو نہ اُن کو نقصان پہنچاتی ہے اور نہ اُن کو نفع پہنچاتی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ہیں ہمارے شفیع اللہ کے پاس کہہ دے (اے پیغمبر) کیا تم خبردار کرتے ہو اللہ کو اس چیز سے جو وہ نہیں جانتا آسمانوں میں اور نہ زمین میں[1] پاک ہے وہ اور برتر ہے اُس سے کہ شریک کرتے ہیں (۱۹)

[1] یعنی تمہارا یہ کہنا کہ یہ بت ہمارے شفیع اللہ کے پاس ہیں غلط ہے کیونکہ اللہ اس کو نہیں جانتا اگر یہ امر ہوتا تو اللہ ضرور جانتا۔ یہ ایک محاورہ ہے جب کوئی آپ کسی بات سے انکار کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں ما علم اللہ هذا منی یعنی اللہ کو میری اس بات کی خبر نہیں مطلب یہ کہ میں اس بات کا منکر ہوں

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (٢٠) وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ (٢١) وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ (٢٢) هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ (٢٣) فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (٢٤)

اور نہ تھے سب لوگ مگر ایک گروہ پھر انہوں نے اختلاف کیا اور اگر نہ ہوتا ایک کلمہ جو پہلے کہا جا چکا تیرے پروردگار سے تو فیصلہ کر دیا جاتا اُن کے درمیان اس میں جس میں کہ وہ اختلاف کرتے تھے (٢٠) اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتاری گئی اس کے اوپر (یعنی پیغمبر) کوئی نشانی اس کے پروردگار سے کہدے (اے پیغمبر) کہ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ غیب کا علم خدا ہی کو ہے پھر انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (٢١) اور جب کہ ہم مزا چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت کا بعد اسکے کہ پہنچی تھی اُن کو برائی تو یکایک ان کے لئے ایک مکر ہوتا ہے ہماری نشانیوں میں کہدے (اے پیغمبر) کہ اللہ بہت تیز ہے مکر میں بیشک ہمارے رسول لکھ لیتے ہیں جو کچھ تم مکر کرتے ہو (٢٢) وہ وہ ہے جو تم کو چلاتا ہے میدان میں اور دریا میں یہاں تک کہ جب تم ہوتے ہو کشتی میں اور کشتیاں اُن سمیت چلتی ہیں اچھی ہوا سے اور وہ خوش ہوتے ہیں اس سے کہ آجاتی ہے کشتیوں پر ہوا جھکڑ کی اور ان پر آتی ہے موج ہر طرف سے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ گھیر لئے گئے پکارتے ہیں اللہ کو مخلص بنکر اُسی کی عبادت کو کہ اگر تو ہم کو نجات دیگا اس آفت سے تو ہم ضرور ہونگے شکر کرنے والوں میں سے (٢٣) پھر جب ان کو نجات دی تو اُس کے ساتھ ہی سرکشی کرتے ہیں زمین میں ناحق اے لوگو اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہاری سرکشی تمہاری ہی جانوں پر ہے لے لو فائدہ دنیا کی زندگی کا پھر ہمارے ہی پاس تمہارا پھر کر آنا ہے پھر ہم تم کو خبردار کر دینگے اس سے جو تم کرتے تھے (٢٤)

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ
اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ
نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ
وَالْاَنْعَامُ حَتّٰى اِذَآ اَخَذَتِ
الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ
اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ
اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا
فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ
بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَاللّٰهُ
يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۶﴾
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ
وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ
لَا ذِلَّةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَالَّذِيْنَ
كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ
بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَاَنَّمَآ
اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ
الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَوْمَ
نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ
لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ
وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ
وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ
اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۹﴾

اس کے سوا کچھ نہیں کہ مثال دنیا کی زندگی کی اُس
کی مانند ہے کہ ہم نے گرایا پانی آسمان سے پھر
ملیں اُس سے اُگی ہوئی چیزیں زمین کی اُس چیز
سے جس کو کھاتے ہیں آدمی اور مویشی یہاں تک
کہ جب لے لیا زمین نے اپنا سنگار اور بن سنور گئی
اور اُس کے لوگوں نے جانا کہ اب وہ اس پر قادر
ہیں آیا اُس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پھر کر دیا
ہم نے اُس کو جڑ سے کاٹ پھینکی ہوئی کھیتی گویا
کہ کل تھی ہی نہیں اس طرح ہم مفصل بیان کرتے
ہیں نشانیوں کو اُن کے لئے جو سوچتے ہیں ﴿۲۵﴾
اور اللہ بُلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت
کرتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے رستہ کی
طرف ﴿۲۶﴾ اُن لوگوں کے لئے جو نیکی کرتے
ہیں نیکی ہے اور اُس پر کچھ زیادہ اور نہ چڑھیگی
اُن کے مُنھوں پر کوئی سیاہی اور نہ کوئی خواری یہ
لوگ ہیں جنت والے وہ اُسی میں رہینگے ہمیشہ ﴿۲۷﴾
اور جن لوگوں نے کمائیں بُرائیاں بدلا بُرائی کا اُسی
کی مانند ہے اور چھا جائیگی اُن کو خواری نہیں
کوئی اُن کے لئے اللہ سے بچانے والا گویا کہ
ڈھانک گئے ہیں اُن کے مُنہ اندھیری رات
کے ٹکڑے سے وہ لوگ ہیں آگ میں پڑنے والے
وہ اُسی میں رہینگے ہمیشہ ﴿۲۸﴾ اور جس دن ہم اُن
سب کو اکٹھا کرینگے پھر ہم کہینگے اُن لوگوں کو جو
شریک کرتے تھے کھڑے رہو اپنی جگہ پر اور تمہارے
شریک پھر فرق کر دینگے ہم اُن کے درمیان اور
کہینگے اُن کے شریک کہ ہم تمہاری عبادت
نہیں کرتے تھے ﴿۲۹﴾

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ (٣٠) هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (٣١) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (٣٢) فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (٣٣) كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (٣٤) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (٣٥) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (٣٦) وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (٣٧)

پھر کافی ہے خدا گواہ ہم میں اور تم میں بیشک ہم تمہاری عبادت سے بےخبر تھے (٣٠) اُس جگہ آزمائیگا ہر شخص جو کچھ کہ پہلے کیا تھا اور لوٹائے جاوینگے اللہ کے پاس اُن کے مالک حقیقی کے اور کھویا جاویگا اُن سے جو کچھ کہ وہ افترا کرتے تھے (٣١) کہدے اے پیغمبر کون روزی دیتا ہے تم کو آسمانوں اور زمین سے یا کون ہے مالک کانوں سے سنائی دینے اور آنکھوں سے دکھائی دینے کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون درست رکھتا ہے کام کو پھر کہینگے کہ اللہ تب کہہ کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے (٣٠) پھر یہی ہے اللہ پروردگار تمہارا سچ پھر کیا ہے سچ کے بعد مگر گمراہی پھر کہاں سے پلٹائے جاتے ہو (٣٣) اسی طرح محقق ہو گیا حکم تیرے پروردگار کا اُن لوگوں پر جو نافرمان ہوئے کہ بیشک وہ ایمان نہیں لاتے کے (٣٤) کہدے اے پیغمبر کیا ہے کوئی تمہارے شریکوں میں سے جو ابتدا کرے پیدائش کی پھر دوبارہ اس کو کرے کہدے اللہ ابتدا کرتا ہے پیدائش کی پھر دوبارہ اس کو کریگا پھر کہاں ہی پلٹائے جاتے ہو (٣٥) کہدے اے پیغمبر کیا ہے کوئی تمہارے شریکوں میں سے جو ہدایت کرے سچ کی طرف کہدے کہ اللہ ہدایت کرتا ہے سچ کی پھر کیا وہ جو ہدایت کرتا ہے سچ کی طرف زیادہ مستحق ہے کہ پیروی کیا جاوے یا وہ جو خود ہدایت نہیں پاتا مگر اس وقت تک کہ ہدایت کیا جاوے پھر کیا ہوا تم کو کس طرح حکم کرتے ہو (٣٦) اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے مگر اکثر گمان کی بیشک گمان نہیں بے پروا کرتا سچ بات کے جاننے سے کچھ بھی بیشک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں (٣٧)

لے المراد منه انه يخرج المؤمن من الكافر والكافر من المؤمن (تفسیر کبیر)

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَـيْـــــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور نہیں ہے یہ قرآن کہ بنایا گیا ہو خدا کے سوا کسی اَور سے ولیکن تصدیق کرتا ہے اُس کی جو اُس کے آگے ہے اور تفصیل کرتا ہے کتاب کی اس میں شک نہیں کہ پروردگار عالموں کی طرف سے ہے ﴿۳۷﴾ کیا وہ کہتے ہیں کہ وہ بنایا ہُوا ہے کہدے (اے پیغمبر) تو لاؤ کوئی سورۃ اُس کی مانند اور بلاؤ جس کو تم بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو ﴿۳۸﴾ بلکہ اُنہوں نے جھٹلایا اُس چیز کو کہ اُس کے سمجھنے تک وہ نہ پہنچے تھے اور نہ اُن کے پاس پہونچی تھی اُس کی دلیل اسی طرح جھٹلایا تھا اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے پھر دیکھ کیا حال ہُوا آخر کو ظالموں کا ﴿۳۹﴾ اور اُن میں سے (یعنی یہودیوں میں سے) بعضے ہیں جو اس پر (یعنی قرآن پر) ایمان لاویںگے اور اُن میں سے بعضے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاویںگے اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے مفسدوں کو ﴿۴۰﴾ اور اگر وہ تجھ کو جھٹلاویں تو کہدے میرے لئے ہے میرا عمل اور تمہارے لئے ہے تمہارا عمل تم بری ہو اُس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بری ہوں اُس سے جو تم کرتے ہو ﴿۴۱﴾ اور اُن میں سے کون ہے جو کان لگاتا ہے تیری طرف پھر کیا تو سُنا دیگا بہروں کو اور گو کہ وہ نہ سمجھتے ہوں ﴿۴۲﴾ اور اُن میں سے کون ہے جو دیکھتا ہے تیری طرف پھر کیا تو راہ دکھلاویگا اندھوں کو گو کہ وہ نہیں دیکھتے ﴿۴۳﴾ بے شک اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ لیکن لوگ اپنے آپ پر آپ ظلم کرتے ہیں ﴿۴۴﴾

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۴۶﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۷﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۸﴾ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۵۰﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۱﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهِ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۲﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۳﴾ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَآ أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۴﴾

جس دن (خدا) اُن کو اکٹھا کریگا گویا کہ وہ نہیں رہے تھے مگر ایک ساعت دن کی پہچانینگے آپس میں ۔ بیشک نقصان اُٹھایا اُن لوگوں نے جنھوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو اور وہ نہ تھے ہدایت پانیوالے (۴۶) اگر ہم تجھ کو دکھلاویں بعضی چیز جس کا ہم اُن سے وعدہ کرتے ہیں یا اُس کے بغیر دکھائے ہم تجھ کو موت دیں آخر ہمارے پاس اُن کو پھر آنا ہے پھر اللہ گواہ ہے اُس پر جو وہ کرتے ہیں (۴۷) اور ہر گروہ کے لئے رسول ہے پھر جب آیا اُن کا رسول فیصلہ کیا گیا اُن میں ساتھ انصاف کے اور وہ نہیں ظلم کئے جاتے (۴۸) اور کہتے ہیں کہ کیا ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو (۴۹) کہدے (اے پیغمبر) کہ میں نہیں مالک ہوں اپنی جان کے لئے نقصان کا اور نہ نفع کا مگر جو چاہے اللہ ۔ ہر گروہ کے لئے وقت مقرر ہے جب آتا ہے اُنکا وقت تو پیچھے رہتے ہیں ایک ساعت اور نہ آگے بڑھتے ہیں (۵۰) کہدے (اے پیغمبر) کیا سوچا تم نے اگر آوے تم پر اُس کا عذاب رات کو یا دن کو کس کو اس میں سے جلد چاہتے ہیں گنہگار (۵۱) پھر کیا جس وقت وہ آپڑیگا تم اُس پر ایمان لاؤ گے ۔ کیا اُس آن (مانو گے) اور ہاں تم تو اُس کا آنا جلد چاہتے تھے (۵۲) پھر کہا جاویگا اُن لوگوں کو جو ظلم کرتے تھے چکھو ہمیشہ کا عذاب کیا تم کو بدلا دیا جاویگا (اور کچھ) بجز اُس کے جو تم کماتے تھے (۵۳) اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا یہ سچ ہے کہدے ہاں قسم میرے پروردگار کی بیشک وہ البتہ سچ ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو (۵۴)

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۶﴾ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۷﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۸﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۵۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿۶۰﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۶۱﴾ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۶۲﴾

اور اگر ہو ہر جان کے لئے جس نے ظلم (یعنی شرک) کیا ہے جو کچھ کہ زمین میں ہے تو ضرور وہ اُس کو بدلے میں دیدے اور پشیمانی کو چھپاویں جب کہ وہ دیکھیں عذاب کو اور فیصلہ کیا جاویگا اُن میں انصاف سے اور اُن پر ظلم نہ کیا جاویگا ﴿۵۵﴾ سن رکھو بیشک اللہ کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سن رکھو بیشک وعدہ اللہ کا برحق ہے ولیکن اُن میں کے بہت سے نہیں جانتے ﴿۵۶﴾ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اُسی کے پاس پھر جانا ہے ﴿۵۷﴾ اے لوگو بیشک آئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کے پاس سے اور شفا اُس بیماری کی جو دلوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کیلئے ﴿۵۸﴾ کہدے اے پیغمبر کہ اللہ کے فضل سے اور اُسکی رحمت سے اور اُسی کے ساتھ چاہیے کہ خوش ہوں، وہ بہتر ہے اُس سے جو وہ جمع کرتے ہیں ﴿۵۹﴾ کہدے اے پیغمبر کیا دیکھا تم نے جو کچھ اتارا اللہ نے رزق سے تمہارے لئے پھر تم نے اُس میں سے کر لیا حلال و حرام کہہ کیا خدا نے تم کو اجازت دی ہے یا خدا پر افترا کرتے ہو ﴿۶۰﴾ اور کیا گمان ہے اُن لوگوں کا جو اللہ پر جھوٹا افترا کرتے ہیں آخرت کے دن کا۔ بیشک اللہ ضرور لوگوں پر فضل کرنیوالا ہے ولیکن اُن میں کے اکثر شکر نہیں کرتے ﴿۶۱﴾ اور تو کسی حال میں کیوں نہ ہو اور تو اُس میں سے قرآن میں سے کچھ کیوں نہ پڑھے اور تم کاموں میں سے کوئی کام کیوں نہ کرتے ہو مگر ہم ہوتے ہیں تمہارے پاس موجود جب کہ تم اُس کو شروع کرتے ہو۔ اور نہیں چھپی رہتی تیرے پروردگار سے (کوئی چیز) ذرہ کی برابر زمین میں اور نہ آسمان میں اور اُس سے (یعنی ذرہ سے) چھوٹی اور نہ بڑی مگر (موجود ہے) بیان کرنے والی کتاب میں ﴿۶۲﴾

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۳﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟
وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿۶۴﴾ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ
فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ
لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَـٰتِ ٱللَّهِ ذَٰلِكَ
هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿۶۵﴾ وَلَا يَحْزُنكَ
قَوْلُهُمْ إِنَّ ٱلْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ
ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿۶۶﴾ أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَن
فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ
وَمَا يَتَّبِعُ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن
دُونِ ٱللَّهِ شُرَكَآءَ إِن يَتَّبِعُونَ
إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۶۷﴾
هُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ لِتَسْكُنُوا۟
فِيهِ وَٱلنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِى ذَٰلِكَ
لَءَايَـٰتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿۶۸﴾
قَالُوا۟ ٱتَّخَذَ ٱللَّهُ وَلَدًا سُبْحَـٰنَهُۥ
هُوَ ٱلْغَنِىُّ لَهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ
وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ إِنْ عِندَكُم
مِّن سُلْطَـٰنٍۭ بِهَـٰذَآ أَتَقُولُونَ
عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۹﴾ قُلْ
إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ
ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿۷۰﴾
مَتَـٰعٌ فِى ٱلدُّنْيَا
ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
ثُمَّ نُذِيقُهُمُ ٱلْعَذَابَ
ٱلشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا۟
يَكْفُرُونَ ﴿۷۱﴾

ہاں بیشک اللہ کے دوست اُن کو نہ کچھ خوف
ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۶۳) جو لوگ ایمان
لائے اور پرہیزگاری کرتے تھے (۶۴) اُن کے لئے
خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں ادل
بدل نہیں ہے اللہ کے کلام میں یہ (بشارت) وہی
بڑی مراد پانی (۶۵) اور تجھ کو غمگین نہ کرے اُن کا کہنا
بیشک عزت اللہ کے لئے ہے ساری وہ سننے والا ہے
جاننے والا (۶۶) ہاں بیشک اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں
میں ہے اور جو زمین میں ہے اور پیروی نہیں کرتے وہ
لوگ جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا شریکوں کو، نہیں
پیروی کرتے مگر گمان کی اور وہ نہیں ہیں مگر جھوٹی باتیں
بنانے والے (۶۷) وہ وہ ہے جس نے بنائی تمہارے
لئے رات تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن روشن (تاکہ
تم اس میں چلو پھرو کاروبار کرو) بیشک اس میں نشانیاں
ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں (۶۸) کہتے ہیں
(لوگ) کہ ٹھیرا لی ہے خدا نے اولاد، پاک ہے وہ -
وہ بے پرواہ ہے - اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں
میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے - تمہارے پاس دلیل
سے کوئی دلیل اس پر نہیں ہے - کیا تم کہتے ہو خدا پر
جو نہیں جانتے (۶۹) کہدے (اے پیغمبر) کہ بیشک
جو لوگ افترا کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ فلاح نہیں پانے
کے (۷۰) (اُن کو) فائدہ مندی دُنیا
میں ہے پھر ہمارے پاس اُن کو
آنا ہے پھر ہم اُن کو مزا چکھا دینگے
عذاب شدید کا سبب اس
کے کہ وہ کفر کرتے
تھے (۷۱)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ﴿۷۱﴾ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسَى وَهٰرُونَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوسَى أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُونَ ﴿۷۷﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ﴿۷۸﴾

اور پڑھ سنا اُن کو قصہ نوح کا۔ جب کہ اُس نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اگر تم پر گراں ہو گیا ہے میرا رہنا اور اللہ کی نشانیوں (یعنی حکم) سے نصیحت کرنا تو میں نے خدا پر توکل کیا ہے پھر اکٹھے ہو جاؤ اپنے کام پر مع اپنے شریکوں کے پھر نہ ہو تمہارا کام تم پر پوشیدہ پھر حوالہ کر دو میرے اور مجھ کو مہلت مت دو (۷۱) پھر اگر تم پھر جاؤ تو میں تم سے نہیں مانگتا کچھ بدلا میرا بدلا دینا نہیں ہے مگر اللہ پر اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں ہوں مسلمانوں (یعنی فرمانبرداروں) میں سے (۷۲) پھر اُنہوں نے اُس کو جھٹلایا پھر بچا لیا ہم نے اُس کو اور اُن کو جو اُس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ہم نے اُن کو جانشین کیا اور ہم نے اُن کو ڈبو دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا پھر دیکھ کیسا ہوا اخیر حال ڈرائے گیوں کا (۷۳) پھر بھیجے ہم نے اُس کے (یعنی نوح کے) بعد رسول اُن کی قوم کے پاس پھر وہ آئے اُن کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ پھر وہ نہ تھے کہ ایمان لاویں اُس پر جس کو اُنہوں نے اس سے پہلے جھٹلایا تھا۔ اس طرح پر ہم مہر کر دیتے ہیں دلوں پر زیادتی کرنے والوں کے (۷۴) پھر ہم نے بھیجا اُن کے بعد موسےٰ اور ہارون کو فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیوں کے ساتھ پھر اُنہوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ گنہگار تھے (۷۵) پھر جب اُن کے پاس سچی بات ہمارے پاس سے آئی اُنہوں نے کہا کہ بیشک یہ جادو ہے علانیہ (۷۶) موسےٰ نے کہا کیا تم کہتے ہو سچ بات کے لیے جب آئی تمہارے پاس کیا یہ جادو ہے اور فلاح نہیں پاتے جادوگر (۷۷) وہ بولے کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ پھیر دے ہم کو اُس چیز سے پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو اور ہو تم دونوں کی بڑائی ملک میں اور ہم نہیں ہیں تمہارے لئے ایمان لانے والے (۷۸)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۸۲﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿۸۳﴾ فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۸۴﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ ﴿۸۵﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۸۶﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۸۸﴾

فرعون نے کہا کہ لے آؤ میرے پاس تمام جادوگروں (جادو کو
بخوبی) جاننے والوں کو (۸۰) پھر جب آئے جادوگر ان سے
موسےٰ نے کہا ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو (۸۱) پھر
جب انہوں نے ڈالا موسےٰ نے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو
جادو ہے۔ بیشک اللہ جلد اُس کو جھوٹا کر دیگا بیشک
اللہ درست نہیں کرتا کام فساد کرنیوالوں کا (۸۲) اور ثابت
کر دیگا اللہ سچ کو اپنے کلاموں سے اور گو کہ ناخوش ہوں
گنہگار (۸۳) پھر کوئی ایمان نہ لایا موسےٰ پر بجز اُس
کی قوم کی اولاد کے باوجود فرعون کے اور اُس
کے سرداروں کے خوف کے کہ ایذا دیگا اُن کو۔ اور
بیشک فرعون البتہ غالب تھا ملک میں۔ اور بیشک وہ
البتہ تھا زیادتی کرنے والوں میں سے (۸۴) اور
موسےٰ نے کہا اے میری قوم اگر تم ایمان لائے ہو اللہ
پر تو اُسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو (۸۵) پھر
انہوں نے کہا کہ اللہ پر ہم نے توکل کیا۔ اے ہمارے
پروردگار نہ کر ہم کو ایذا میں ڈالنے کو ظالموں کی قوم
کے لئے۔ اور نجات دے ہم کو اپنی رحمت سے
کافروں کی قوم سے (۸۶) اور وحی بھیجی ہم نے
موسےٰ اور اُس کے بھائی کے پاس یہ کہ بنا دیں اپنی
قوم کے لئے مصر میں گھر اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رخ
اور قائم رکھو نماز کو اور خوشخبری دو ایمان والوں
کو (۸۷) اور موسےٰ نے کہا اے ہمارے پروردگار
بیشک تو نے دی ہے فرعون کو اور اُس کے سرداروں
کو شان اور دولت دنیا کی زندگی میں۔ اے ہمارے پروردگار
تا کہ گمراہ کریں تیرے رستے سے اے ہمارے پروردگار مٹا دے انکی
دولتوں کو اور سختی کر اُن کے دلوں پر پھر وہ ایمان نہیں لانے کے جب تک
کہ دیکھ لیں عذاب دکھ دینے والا (۸۸)

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ اٰۗلْــٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ

(خدا نے) کہا البتہ قبول کی گئی تم دونوں کی دعا پھر تم دونوں استقامت کرو اور پیروی نہ کرو اُن لوگوں کے رستہ کی جو نہیں جانتے (۸۹) اور پار اُتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پھر اُن کا پیچھا کیا فرعون نے اور اُس کے لشکر نے سرکشی اور تعدی سے ۔ یہاں تک کہ جب آ لگا اُس کو ڈوبنا (اُس وقت فرعون نے) کہا ایمان لایا میں کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ جس پر ایمان لائے ہیں بنی اسرائیل اور میں مسلمانوں میں سے ہوں (۹۰) (خدا نے کہا) اب (ایمان لاتا ہے) اور بیشک نافرمانی کر چکا تو پہلے اور تھا تو فساد کرنیوالوں میں سے (۹۱) پھر آج کے دن بچا دیوینگے ہم تجھ کو تیری لاش کو تاکہ تو ہو اُن لوگوں کیلئے جو کہ تیرے پیچھے ہیں نشانی ۔ اور بیشک لوگوں میں سے بہت ہیں ہماری نشانیوں سے غافل (۹۲) اور بیشک ٹھیک جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو جگہ دینی سچائی کی اور ہم نے اُن کو روزی دی پاک چیزوں سے ۔ پھر اُنھوں نے اختلاف نہیں کیا جب تک کہ آیا اُن کے پاس علم (یعنی قرآن) بیشک تیرا پروردگار فیصلہ کریگا اُن میں قیامت کے دن جس چیز میں کہ وہ اس میں اختلاف کرتے تھے (۹۳) پھر اگر تو کسی شک میں ہے اس سے جو بھیجا ہے ہم نے

(۹۴) (فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ) اس سورۃ میں خدا تعالےٰ نے فرمایا تھا کہ " جو لوگ افترا کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ فلاح نہیں پانے کے " اور اس کی تصدیق کے لئے خدا نے حضرت نوح اور اُن کی اُمت کا اور موسےٰ و ہارون و فرعون کا قصہ بیان فرمایا تھا کہ کس طرح اُن کی اُمت خدا کے رسولوں کی بات نہ ماننے سے عذاب میں مبتلا ہوئی ۔ اُن کا قصہ بیان کرنے کے بعد خدا نے فرمایا " فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ " یعنی اے خدا پر افترا کرنے والے اگر تجھ کو

اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

تیرے پاس تو پوچھ اُن لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے ۔بیشک آیا ہے سچ تیرے پاس تیرے پروردگار سے پھر نہ ہو تو شک کرنے والوں میں سے ﴿۹۴﴾ اور نہ ہو اُن لوگوں میں سے کہ جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو پھر تو ہو جائے نقصان پانے والوں میں ﴿۹۵﴾ بیشک وہ لوگ کہ اُن پر محقق ہو گیا حکم تیرے پروردگار کا وہ ایمان نہیں لانے کے ﴿۹۶﴾ اور گو کہ آوے اُن کے پاس ہر ایک نشانی یہاں تک کہ وہ دیکھیں عذاب دُکھ دینے والا ﴿۹۷﴾ پھر کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لائی ہو (یعنی عذاب نازل ہونے کے بعد) پھر اس کو فائدہ دیا ہو اُس کے ایمان نے بجز قوم یونس جب کہ وہ ایمان لائے دور کر دیا ہم نے اُن سے رسوا کرنے والے عذاب کو دنیا کی زندگی میں اور ہم نے اُن کو فائدہ مند کیا ایک مدت تک ﴿۹۸﴾ اور اگر چاہتا تیرا پروردگار تو ایمان لے آتے جو زمین میں ہیں سب کے سب اکٹھا پھر کیا تو جبر کر سکتا ہے لوگوں پر تاکہ وہ مسلمان ہو جاویں ﴿۹۹﴾ اور ممکن نہیں ہے کسی شخص کو کہ ایمان لاوے مگر اللہ کے حکم سے اور کر دیتا ہے نجس ہونا اُن لوگوں پر جو نہیں جانتے ﴿۱۰۰﴾

اس قصہ میں جو ہم نے بذریعہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے تجھ پر نازل کیا ہے تجھے شک ہو تو اُن لوگوں سے پوچھے جو تجھ سے بہت پہلے سے کتاب کو پڑھتے آئے ہیں ۔تقدیر کلام اس طرح پر ہے*

فان کنت ایہا المفتری فی شک مما انزلنا الیک بلسان محمد من قصص الانبیاء وامہم فسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک ای قبل زمانک وعہدک +

ثم خاطب اللہ ھذا المفتری وقال ۔ لقد جاءک الحق من ربک بالوحی

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ (۱۰۱) فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (۱۰۲) ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۱۰۳) قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۱۰۴)

کہدے (اے پیغمبر) دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور کچھ فائدہ نہیں کرتیں نشانیاں اور ڈرانے والے اُس قوم سے جو ایمان نہیں لاتی (۱۰۱) پس نہیں منتظر رہتے مگر انہی لوگوں کی مصیبت کے دنوں کے جو گذرے ہیں اُن سے پہلے کہدے (اے پیغمبر) پھر منتظر رہو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں (۱۰۲) پھر بچا لینگے ہم اپنے رسولوں کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اسی طرح ہم پر حق ہے بچا لینا ایمان لانے والوں کا (۱۰۳) کہدے (اے پیغمبر) کہ اے لوگو اگر تم ہو شک میں میرے دین سے پھر میں عبادت نہیں کرتا اُن کی جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا لیکن عبادت کرتا ہوں اُس خدا کی جو تم کو مارتا ہے اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں ہوں مسلمانوں میں سے (۱۰۴)

علی محمد فلا تکونن من الممترین ولا تکونن من الذین کذبوا بآیات اللہ فتکون من الخسرین کما خسرت امۃ الانبیاء السابقین بالتکذیب بآیات اللہ ✦

یعنی اس کے بعد خدا نے پھر اُسی کو جو خدا پر افترا کرتا ہے مخاطب کرکے فرمایا، "بیشک آیا ہے تیرے پاس سچ تیرے پروردگار کے پاس سے بذریعہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پھر تو نہ ہو شک کرنے والوں میں سے اور نہ ہو اُن لوگوں میں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو پھر تو ہو جاوے نقصان پانے والوں میں سے" جس طرح کہ نقصان پایا اگلے نبیوں کی اُمت نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلانے سے۔ غرضکہ ان دونوں آیتوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب نہیں ہے بلکہ اُس شخص کی طرف خطاب ہے جو خدا پر افترا کرتا ہے اور خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتا ہے ✦

اس آیت کی تفسیر جس طرح ہم نے بیان کی ہے اُس کی مثال سورہ انبیاء و سورہ نحل کی آیت میں موجود ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے۔ وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیہم

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۰۵) وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ (۱۰۶)	اور یہ کہ سیدھا کر اپنا منہ دین کے لئے خالص ہو کر اور مت ہو مشرکوں میں سے (۱۰۵) اور مت پکار اللہ کے سوا اُس کو کہ نہ نفع دے تجھ کو اور نہ ضرر پہنچا دے تجھ کو پھر اگر تو نے کیا تو بیشک تو اُس وقت ظالموں میں سے ہے (۱۰۶)

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (سورہ نحل آیت ۴۵ سورہ انبیا آیت ۷) +

یعنی ہم نے تجھ سے پہلے نہیں بھیجا مگر آدمیوں کو کہ وحی بھیجی ہم نے اُن کے پاس پھر (اے منکرو) پوچھ لو علم والو یعنی توریت کے جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے ہو +

پس جس طرح خدا نے اس آیت میں منکروں کو توریت جاننے والوں سے پوچھنے کا حکم دیا اسی طرح افترا کرنے والے اور جھٹلانے والے کو اس سورۃ کی آیت میں حکم دیا کہ جو لوگ توریت کو پڑھتے ہیں اُن سے پوچھ لے +

ہم نے ان آیتوں میں ضمیر مخاطب کا جو مما انزلنا الیک ۔ اور الکتاب من قبلک ۔ اور لقد جاءک الحق من ربک میں اُس شخص کو مخاطب قرار دیا ہے جو خدا پر افترا کرتا ہے اور خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتا ہے اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وحی یا کتاب یا خدا کی طرف سے امر حق کے پہنچنے میں پیغمبر مخاطب ہو سکتا ہے نہ شخص منکر و مکذب تو انہوں نے پر کیوں اُس کو مخاطب قرار دیا ہے +

مگر جو چیز کہ پیغمبروں کو خدا کی طرف سے دی گئی ہے وہ سب انبیا کے ذریعہ سے اُن کو بھی دی گئی ہیں جن کی ہدایت کے لئے وہ پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں مثلاً توریت حضرت موسے پر نازل ہوئی ہے اور حضرت موسے کو دی گئی ہے مگر جا بجا خدا تعالے توریت کا دیا جانا اُن لوگوں کی نسبت بیان کرتا ہے جن کی ہدایت کے لئے حضرت موسے یا اور پیغمبر مبعوث ہوئے تھے چنانچہ سورہ بقر میں فرمایا ہے ۔ ولما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون ۔ اس آیت میں توریت کا دیا جانا یہودیوں کی نسبت بیان ہوا ہے اس لئے کہ گو وہ حضرت موسے کو دی گئی تھی مگر بذریعہ حضرت موسے کے تمام یہودیوں کو دی گئی ہے اور اس لئے یہودیوں کو توریت کا دیا جانا فرمایا +

اسی طرح ایک جگہ فرمایا ۔ وان الذین اوتوا الکتاب لیعلمون انہ الحق من ربھم ۔ پھر فرمایا ۔ ولئن اتیت الذین اوتوا الکتاب بکل آیۃ ما تبعوا قبلتک ۔ پھر فرمایا ۔

وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ‌ ۚ وَاِنۡ يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ‌ ؕ يُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ ؕ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ‌ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۱۰۸﴾

اور اگر پہنچاوے تجھ کو کوئی برائی پھر اس کا دور کرنے والا کوئی نہیں مگر وہ اور اگر ارادہ کرے تیرے ساتھ بھلائی کا پھر کوئی ہٹانے والا نہیں اس کے فضل کو پہنچا دیتا ہے اس کو جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہ بخشنے والا ہے مہربان (۱۰۷) کہدے (اے پیغمبر) اے لوگو بیشک آیا ہے سچ تمہارے پاس تمہارے پروردگار سے پس جس شخص نے ہدایت پائی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہدایت پاتا ہے خود اپنے لئے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہدایت پاتا ہے خود اپنے لئے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ گمراہ ہوتا ہے اپنے نقصان کے لئے اور میں نہیں ہوں اوپر تمہارے نگہبان (۱۰۸)

الذین اتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ پھر فرمایا وما اختلف الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءھم العلم۔ پھر فرمایا مثل الذین اوتوا الکتاب۔ پھر فرمایا۔ فریقا من الذین اوتوا الکتاب۔ پھر فرمایا۔ من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم۔ پھر فرمایا۔ واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب پھر فرمایا۔ یایھا الذین اوتوا الکتاب امنوا۔ پھر فرمایا۔ ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم پھر فرمایا۔ الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔ پھر فرمایا۔ والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم۔ ان تمام آیتوں میں توریت کا دیا جانا یہودیوں کو اور انجیل کا دیا جانا عیسائیوں کو بیان ہوا ہے حالانکہ وہ موسےٰ یا انبیاء بنی اسرائیل یا حضرت عیسےٰ کو دی گئی تھی اور اس واسطے ان پیغمبروں کے یہودیوں اور عیسائیوں کو اس لئے ان کو دیا جانا یہودیوں اور عیسائیوں کو کہا گیا اسی طرح ان آیتوں میں قرآن مجید کا نازل ہونا یا امر حق کا آنا بذریعہ محمد رسول اللہ کے منکر یا مکذب کی نسبت بیان کیا گیا بعض مفسرین نے بھی فان کنت اور مما انزلنا الیک۔ کا خطاب منکر یا مکذب کی طرف قرار دیا ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے " ھذا الخطاب

وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰى إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِينَ ﴿۱۰۹﴾	اور پیروی کر اس چیز کی کہ وحی بھیجی جاتی ہے تیرے پاس اور صبر کر یہاں تک کہ حکم کرے اللہ وہ بہت اچھا ہے حکم کرنیوالوں میں کا ﴿۱۰۹﴾

لیس مع الرسول " اور انزلنا الیك کی تفسیر میں لکھا ہے " مما انزلنا الیك من الھدے علی لسان محمد " اور یہی وہ بات ہے جو ہم نے زیادہ تفصیل سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کی ہے +

جلد چوتھی تمام ہوئی

سُورَةُ هُودٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (۱) اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ (۲) وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ (۳) اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۴) اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ اَلَا حِيْنَ (۵) يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (۶) اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۷) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۸) وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (۹) وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۱۰) وَلَئِنْ اَخَّرْنَا

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

الر۔ یہ کتاب ہے کہ مستحکم کی گئی ہیں اُسکی آیتیں پھر مفصل کی گئی ہیں حکمت والے خبر رکھنے والے کے پاس سے (۱) کہ عبادت مت کرو کسی کی سوائے خدا کے بیشک میں ہوں تمہارے لئے اُس سے ڈرانیوالا اور خوشخبری دینے والا (۲) اور بخشش چاہو اپنے پروردگار سے پھر رجوع کرو اس کی طرف فائدہ مند کریگا تم کو اچھے فائدے وقت مقرر تک اور دیگا ہر بزرگی رکھنے والے کو بدلہ اس کی بزرگی کا اور اگر تم پھر جاؤ تو بیشک میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے (۳) اللہ کی طرف ہی تم کو پھر جانا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (۴) خبردار رہو بیشک وہ پھیر لیتے ہیں اپنے سینوں کو (یعنی جب پیغمبر صاحب کو آتا دیکھتے ہیں) تاکہ چھپ جاویں اُس سے (یعنی پیغمبر سے) خبردار رہو جس وقت (۵) کہ وہ اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑوں کو (خدا) جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (۶) بیشک وہ جاننے والا ہے دل کی چھپی باتوں کا (۷) اور نہیں کوئی چلنے والا زمین میں مگر اللہ پر ہے اس کی روزی اور وہ جانتا ہے اُسکے ٹھیرنے کی جگہ اور اُس کی ودیعت رہنے کی جگہ سب کچھ ہے بیان کرنے والی کتاب میں (۸) (یعنی موجود ہے اللہ کے علم میں اور تیار اپنے جانچ کا) اور وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں اور تھا اُس کا عرش پانی پر تاکہ آزماوے تم کو کہ کون تم میں سے اچھے عمل کرتا (۹) اور اگر تو کہے کہ بیشک تم اُٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد تو کہینگے وہ لوگ جو کافر ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو (۱۰) اور اگر ہم تاخیر کریں

عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّ
يَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ
لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ
مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنَا
الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ
اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۱۲﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ
نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ
ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ
فَخُوْرٌ ﴿۱۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۴﴾ فَلَعَلَّكَ
تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ
صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ
كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ
يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ
سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ
اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ
فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ
فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۸﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾
اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ
شَاهِدٌ مِّنْهُ

اُن سے عذاب کو ایک گنی ہوئی مدت تک تو کہینگے کہ کس
چیز نے اُس کو روک رکھا ہے خبردار ہو جس دن آئیگا اُن پر
نہ پھیرا جاویگا اُن سے اور گھیر لیگی اُن کو وہ چیز کہ جس کے
ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿۱۱﴾ اور اگر ہم چکھاویں انسان کو
اپنی طرف سے رحمت پھر ہم اُس کو اُس سے لے لیں بیشک وہ
ناامید اور ناشکر ہے ﴿۱۲﴾ اور اگر ہم چکھاویں اُس کو
خوشحالی بعد سختی کے جو اُس کو پہنچی ہے تو کہیگا کہ گئیں مجھ
سے برائیاں بیشک وہ ہے خوشی کرنے والا اور شیخی کرنے
والا ﴿۱۳﴾ مگر جنہوں نے صبر کیا اور اچھے کام کئے وہی
لوگ ہیں کہ اُن کے لئے بخشش اور اجر بڑا ﴿۱۴﴾ پھر شاید تو
چھوڑ دینے والا ہے بعض کو جو وحی بھیجی جاتی ہے تیری طرف
اور تنگ ہوجاتا ہے تیرا سینہ اُس سے کہ وہ کہتے ہیں کیوں
نہیں اتارا گیا اُس کے اوپر خزانہ یا آیا اُس کے ساتھ فرشتہ
اُس کے سوا کچھ نہیں کہ تو ڈرانیوالا ہے اور اللہ ہر چیز پر
نگہبان ہے ﴿۱۵﴾ کیا وہ کہتے ہیں (یعنی قرآن کو) کہ
وہ افترا کیا ہے تو کہہ کہ لاؤ اُس کی مانند دس سورتیں افترا
کی ہوئی اور بلاؤ جس کو تم بلاسکو اللہ کے سوا اگر تم سچے
ہو ﴿۱۶﴾ پھر اگر نہ قبول کریں تمہاری بات کو تو جان لو کہ بات
یوں ہی ہے کہ وہ اتارا گیا ہے اللہ کے علم سے اور یہ کہ
نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ پھر کیا تم مانتے ہو ﴿۱۷﴾ جو چاہتے
ہیں دنیا کی زندگی اور اُس کی زیبائش پورا کر دینگے ہم اُن کے
پاس اُن کے عملوں کو اُس میں اور وہ اُس میں نقصان نہ دئے
جاوینگے ﴿۱۸﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے کچھ نہیں ہے آخرت
میں مگر آگ اور گر گیا اُس میں (یعنی آخرت میں) جو کچھ
اُنہوں نے کیا تھا اور غلط ہوگیا جو کچھ وہ کرتے تھے ﴿۱۹﴾
پھر وہ شخص جو اپنے پروردگار کے پاس سے دلیل رکھتا ہے اور
اُس کے ساتھ ہی ساتھ اُس کے پاس ایک گواہ بھی ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۤىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۤىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ㉑ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ اُولٰۤىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ㉒ اُولٰۤىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ㉓ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ㉔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۤىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ㉕ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ㉖

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی راہ بتانے والی اور رحمت کی سو یہی لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر یعنی قرآن پر۔ اور جو کوئی کافر فرقوں میں سے اُس کا منکر ہو تو آگ اس کا ٹھکانا ہے۔ پھر اے مخاطب[1] تو مت ہو کسی شبہ میں اس سے بیشک وہ برحق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے لیکن بہت لوگ یقین نہیں کرتے ⑳ اور کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹ یہ لوگ سامنے لائے جاوینگے اپنے پروردگار کے اور گواہ کہینگے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے جھوٹ بولا اپنے پروردگار پر۔ ہاں لعنت خدا کی ظالموں پر ㉑ جو لوگ کہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور چاہتے ہیں اُس کو ٹیڑھا اور وہ آخرت کے منکر ہیں وہ لوگ نہیں ہونے کے عاجز کرنے والے (یعنی روکنے والے اللہ کو عذاب دینے سے یعنی بچ کر بھاگ جانے والے اللہ کے عذاب سے) زمین میں اور نہ ہوگا اُن کے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست دوگنا کیا جاویگا اُن کے لئے عذاب اور وہ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھتے تھے ㉒ یہی لوگ وہ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپکو اور کھو گیا اُن سے جو کچھ کہ وہ افترا کرتے تھے ㉓ اس لئے بیشک وہ آخرت میں بڑے ہی نقصان اٹھانے والے ㉔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اور نیازمندی بجا لائے اپنے پروردگار کی وہ لوگ ہیں بہشت میں جانے والے وہ اُس میں رہینگے ہمیشہ ㉕ دو فرقوں کی مثال اندھے اور بہرے اور دیکھنے والے اور سننے والے کی سی ہے کیا وہ دونوں مثال میں برابر ہیں پھر کیوں نہیں تم نصیحت پکڑتے ㉖

---

[1] فلا تک در من ربک کا خطاب گو فرمایا مگر قرآن کی نسبت ہے جیسے کہ سورۂ یونس کی آیت ۹۴ میں مخبری کی کتاب کی نسبت ہے اور اس بات کی بحث سورۂ یونس میں ہو چکی ہے ۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي
لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٢٧﴾ أَنْ
لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾
فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ
مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ
اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا
بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ
بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ يَا قَوْمِ
أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ
مِنْ رَبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ
فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا
وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ ﴿٣٠﴾
وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا
بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلَاقُو
رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا
تَجْهَلُونَ ﴿٣١﴾ وَيَا قَوْمِ مَنْ
يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتُهُمْ
أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٢﴾ وَلَا
أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ
اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ
إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ
تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ
اللَّهُ خَيْرًا اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا
فِي أَنْفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لَمِنَ
الظَّالِمِينَ ﴿٣٣﴾

بیشک ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کے پاس (نوح نے
کہا کہ بیشک میں تم کو علانیہ ڈرانے والا ہوں (۲۷) کہ مت
عبادت کرو (کسی کی) اللہ کے سوا بیشک مجھ کو تم پر ڈر
ہے ایک دکھ دینے والے دن کے عذاب کا (۲۸) پھر کہا اُن
لوگوں نے جو اُس کی قوم میں سے کافر تھے کہ ہم نہیں دیکھتے تجھ کو
مگر ایک انسان ہم سا اور نہیں دیکھتے ہم تجھ کو کہ تیری پیروی
کی ہو (کسی نے) بجز اُن لوگوں کے کہ وہ ہم میں کمینے لوگ
سپاٹ سمجھے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے تم کو اپنے پر کچھ فضیلت
بلکہ گمان کرتے ہیں ہم تم کو جھوٹے (۲۹) (نوح نے) کہا
کہ اے میری قوم کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ اگر میرے پاس
کوئی دلیل ہے میرے پروردگار سے اور اُس نے مجھ کو دی ہو رحمت
اپنے پاس سے اور پھر وہ پوشیدہ رکھی گئی ہو تم سے کیا ہم تم کو
تمہارے گلے میں منڈھ سکتے ہیں اور تم اُس سے کراہیت
کرنے والے ہو (۳۰) اے میری قوم میں نہیں مانگتا تم سے
اُس پر کچھ مال نہیں ہے میرا اجر دینا (کسی پر) مگر اللہ پر اور
نہیں میں اُن کو جو ایمان لائے ہیں دھکے دینے والا نہیں
ہوں بیشک وہ ملنے والے ہیں اپنے پروردگار سے لیکن
میں دیکھتا ہوں تم کو ایک قوم کہ جہالت کرتی ہے (۳۱)
اور اے میری قوم کون مجھ کو مدد دیگا اللہ کے (عذاب)
سے اگر میں اُن کو دھکے دے دوں پھر کیا تم نصیحت نہیں
پکڑتے (۳۲) اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ
کا خزانہ ہے اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ
ہوں نہ کہتا ہوں اُن لوگوں کے لئے جن کو تمہاری آنکھیں
حقارت سے دیکھتی ہیں کہ اللہ اُن کو کوئی بھلائی نہیں
دیگا خدا جانتا ہے جو کچھ کہ اُن کے دلوں میں ہے
بیشک میں اس وقت (یعنی جب میں اُن کو اپنے پاس سے
دھکے دے دوں) البتہ ظالموں میں سے ہونگا (۳۳)

قَالُوا يٰنُوحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ
جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿٣٤﴾ قَالَ إِنَّمَا
يَأْتِيكُمْ بِهِ اللّٰهُ إِنْ شَاءَ وَمَا
أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ
نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ
إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ
هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾
أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ قُلْ إِنِ
افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا
بَرِيءٌ مِمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٧﴾ وَ
أُوحِيَ إِلٰى نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ
مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ
فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٨﴾
وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا
وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا
إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٣٩﴾

اُن لوگوں نے کہا کہ اے نوح تو نے ہمارے سے جھگڑا کیا
پھر بہت جھگڑا تو ہم سے پھر ہمارے پاس اُس کو جس کا
تو وعدہ کرتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے (۳۴) (نوح نے)
کہا بات یہ ہے کہ اللہ اُس کو تمہارے پاس لاویگا اگر چاہے
اور تم اُس کو مجبور کرنے والے نہیں ہو (۳۵) اور نہیں فائدہ
دیگی تم کو میری نصیحت کتنا ہی میں ارادہ کروں کہ میں
تم کو نصیحت کروں اگر اللہ کا ارادہ ہو کہ گمراہ کرے تم کو
وہ پروردگار تمہارا ہے اور اُسی کے پاس پلٹ کر
جاؤ گے (۳۶) (اے پیغمبر) کیا وہ کہتے ہیں کہ افترا
کرلیا ہے اُس کو (یعنی قرآن کو) کہہ کہ اگر میں نے اُس کو
افترا کرلیا ہے تو مجھ پر میرا گناہ ہے اور میں بری ہوں
اُن گناہوں سے جو تم گناہ کرتے ہو (۳۷) اور وحی بھیجی گئی نوح
کے پاس بیشک نہیں ایمان لاوینگے تیری قوم میں سے مگر جو ایمان
لے آئے پھر غم مت کھا اُس سے جو وہ کرتے ہیں (۳۸) اور
بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے اور
نہ کہہ مجھ سے اُن لوگوں کے حق میں جنہوں نے ظلم کیا
بیشک وہ ڈبوئے جاوینگے (۳۹)

(۳۹ لغایت ۵۱) (واصنع الفلک) اس مقام سے طوفان آنے کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ مگر قبل اس کے کہ طوفان کی نسبت ذکر کیا جاوے یہ امر بتانا ضرور ہے کہ حضرت نوح اور اُن کی قوم کہاں رہتی تھی ٭

اس بات کے دریافت کرنے کے لئے بجز توریت کے اور قدیم جغرافیہ کی تحقیقات کے اور کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم یا یوں کہو کہ حضرت نوح کے اجداد اُس قطعہ زمین میں رہتے تھے جہاں چار دریا پیشون - جیحون - حدقل - فرات بہتے تھے۔ ان دریاؤں کے ناموں اور مخرجوں پر اس مقام پر بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہے صرف یہ بیان کرنا کافی ہے کہ جو ٹکڑا زمین کا بلیک سی یعنی بحر اسود اور بحر کاسپین اور پرشین گلف[1] اور مڈی ٹرینین سی یعنی بحیرہ روم میں واقع ہے اور آرمینیا کہلاتا ہے وہی قطعہ زمین کا حضرت نوح کے اجداد کا مسکن تھا ٭

[1] خلیج فارس - (احمد و ۱) ٭

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿۴۰﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۴۱﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

اور نوح کشتی بناتا تھا اور جب اُس کی قوم کے لوگ اُس کے پاس ہو کر جاتے تو اُس سے ٹھٹھا کرتے تھے نوح نے کہا کہ اگر تم ہم سے ٹھٹھا کرتے ہو تو بیشک ہم بھی تم سے ٹھٹھا کرینگے جس طرح کہ تم ٹھٹھا کرتے ہو پھر تم جان جاؤگے ﴿۴۰﴾ کہ وہ کون ہے جس کے پاس ایسا عذاب آویگا جو اُس کو برباد کردے اور لازم ہوئے اُس پر ہمیشہ کا عذاب ﴿۴۱﴾ یہاں تک کہ جب آیا ہمارا حکم اور زمین کے چشمے پھوٹ نکلے ہم نے کہا کہ چڑھالے کشتی میں ہر ایک جوڑے کے دو

کوئی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ نوح نے یا اجداد نوح نے اس ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار کی ہو اور اس لئے اس بات کے باور کرنے کو کوئی امر مانع نہیں ہے کہ حضرت نوح کا بھی یہ ملک مسکن تھا +

اسی قطعۂ زمین میں وہ ملک بھی واقع ہے جو ارارات کے نام سے مشہور تھا اور اسی ملک کے پہاڑ ارارات کے پہاڑ مشہور رہیں جن کو کالڈی زبان میں قردو اور عربی میں جُودی کہتے ہیں +

یہ ملک دریاؤں سے اور دریاؤں کی بہت سی شاخوں سے اور چھوٹی ندیوں سے ایسا پُر تھا کہ انسان کو اس بات کا خیال آنا قرین قیاس ہے کہ اُن کے عبور کرنے اور اُن کی طغیانی کی آفات میں بچاؤ کی کوئی تدبیر ہونی چاہیئے خدا تعالےٰ نے حضرت نوح کے دل میں وحی ڈالی کہ وہ اِن مصیبتوں سے محفوظ رہنے کے لئے کشتی بنائیں۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ کشتی سب سے پہلی کشتی ہوگی جو دنیا میں بنی اس وقت ایسی چیز جس سے پانی پر رہیں کچھ عجیب نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن اول اول جب اس کے بنانے کا خیال حضرت نوح کو ہوا ہوگا اور اُس کے ذریعے سے پانی پر چلنے اور دریاؤں کے وار پار جانے اور چلے آنے کا ارادہ معلوم ہوا ہوگا تو لوگوں نے اس کو اس قدر عجیب و ناممکن سمجھا ہوگا کہ اُن پر تمسخرا پن کرتے ہونگے اُن کو دیوانہ سمجھتے ہونگے جیسے کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے +

حضرت نوح لوگوں کو بت پرستی چھوڑنے اور خدائے واحد کی پرستش کرنے کی ہدایت کرتے تھے اور لوگ نہیں مانتے تھے حضرت نوح اُن پر خدا کا عذاب نازل ہونے کی پیشین گوئی کرتے تھے۔ تمام قوموں پر جو عذاب نازل ہوئے ہیں وہ عذاب اُنہی اسباب سے واقع ہوئے ہیں جن کا واقع ہونا امور طبعی سے متعلق ہے۔ پس ملکی حالات کے خیال سے ضرور حضرت نوح کے دل میں خدا نے ڈالا ہوگا کہ ان لوگوں کی نافرمانی بدکاری و گنہگاری سے ایک دن خدا اُن کو ڈبو دیگا +

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾	اور اپنے لوگوں کو بجز اُس کے جس پر پہلے سے حکم لگ گیا ہے اور اُن کو جو ایمان لے آئے ہیں اور نہیں ایمان لائے تھے نوح پر مگر تھوڑے لوگ ﴿۴۰﴾ نوح نے کہا کہ کشتی میں سوار ہو، خدا کے نام سے ہو اُس کا چلنا اور تھمنا بیشک میرا پروردگار بخشنے والا ہے مہربان ﴿۴۱﴾ اور وہ اُن کو لئے بہتی تھی پہاڑ کی مانند موجوں میں اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ دور تھا (یعنی کشتی کے پاس) تھم کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ چڑھ آ اور کافروں کے ساتھ مت ہو ﴿۴۲﴾

لوگوں نے حضرت نوح سے کہا کہ اے نوح تم ہم سے بہت کچھ جھگڑ چکے پھر اگر تم سچے ہو تو ایک کو لاؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو یعنی عذاب کا۔ حضرت نوح نے کہا کہ اگر خدا چاہیگا تو عذاب لاویگا تم اُس کو مجبور کرنے والے نہیں ہو +

کشتی کا بنانا اور خصوصاً پہلے پہل اور بالتخصیص اتنی بڑی کا جتنی کہ نوح کی کشتی تھی اور ایسی مضبوط کا جو طوفان کی موجوں کو سہار سکے کچھ آسان کام نہ تھا اور خدا ہی کی القائے وحی سے وہ بن سکتی تھی مگر لوگوں کی امداد اور سعی کی بھی ضرورت تھی جو لوگ حضرت نوح پر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ اُن کے اس کام پر تمسخر کرتے تھے یقیناً وہ لوگ اُس میں شریک تھے اُنہی کی نسبت خدا نے فرمایا کہ تو ہماری ہدایت سے کشتی بنائے جا ظالموں کی ہم سے ذکر مت کر وہ سب ڈوبنے والے ہیں +

غرضکہ حضرت نوح نے اُن لوگوں کی امداد سے جو اُن کو مانتے تھے اور اُن پر ایمان لائے تھے وہ کشتی طیار کرلی طوفان کا آنا بذریعہ اُن اسباب کے جو طوفان آنے سے متعلق ہیں خدا نے مقدر کیا تھا۔ چنانچہ بے انتہا مینہ کے برسنے اور زمین سے پانی کے چشمے کھل جانے اور دریاؤں و ندیوں کے اُبل پڑنے سے اُس ملک میں طوفان آیا حضرت نوح اور اُن کے ساتھی کشتی پر بیٹھکر بچ گئے اور تمام ملک کے لوگ جس میں طوفان آیا تھا ڈوب کر مر گئے اس قسم کے طبعی واقعوں کو خدا تعالے ہمیشہ بندوں کے گناہوں اور اُن کی نافرمانی سے منسوب کرتا ہے جس کی نسبت ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ حضرت نوح کے زمانہ کا بہت بڑا طوفان ہوگا مگر اس زمانہ میں بھی جن ملکوں میں طوفان آتا ہے وہاں بھی اسی طرح لوگ ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ البتہ حضرت نوح کے طوفان میں چند امور ایسے ہیں جن پر بالتخصیص بحث کرنی ضرور ہے +

اول یہ کہ طوفان خاص اُس ملک میں آیا تھا جہاں حضرت نوح کی قوم رہتی تھی یا تمام دنیا

ترجمہ	آیت
نوح کے بیٹے نے کہا کہ میں پہاڑ کی طرف چلا جاؤنگا بچا لیگا مجھ کو پانی سے۔ نوح نے کہا کہ آج کے دن کوئی بچانے والا خدا کے حکم سے نہیں ہے مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے اور اُن دونوں کے بیچ میں موج آگئی پھر ہوا ڈوبنے والوں میں (۴۵)	قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ (۴۵)

میں طوفان آیا تھا اور کل کرہ زمین کا پانی کے اندر ڈوب گیا تھا اور تمام دنیا میں کوئی انسان چرند پرند بجز اُن کے جو کشتی میں تھے زندہ باقی نہیں رہے تھے ✦

یہودی اور عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ طوفان تمام دنیا میں عام تھا۔ ہمارے علمائے مفسرین کی عادت ہے کہ بغیر اس بات کے کہ قرآن مجید کے الفاظ پر غور کریں ایسے امور میں یہودیوں کی روایتوں کی تقلید کرتے ہیں اور اس لئے وُہ بھی اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ طوفان تمام دنیا میں عام تھا۔ مگر طوفان کا عام ہونا محض غلط ہے اور قرآن مجید سے اُس کا تمام دنیا میں عام ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے ✦

ایک زمانہ تھا کہ پہاڑوں پر دریائی جانوروں کی ہڈیاں ملنے سے اور سرد ملکوں میں گرم ملکوں کے جانوروں کی ہڈیاں زمین میں دبی ہوئی نکلنے سے طوفان کے عام ہونے کا اور تمام دنیا کے پہاڑوں کا طوفان نوح میں ڈوب جانے کا یقین ہوتا تھا مگر علم جیالوجی[1] کی ترقی سے ثابت ہوگیا کہ وہ خیال غلط تھا اس کو مفصل طور پر میں نے اپنی کتاب تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ علے ملۃ الاسلام میں بیان کیا ہے اس مقام پر اُس کی بحث کچھ ضرور نہیں ہے کیونکہ اس وقت ہم قرآن مجید کی تفسیر لکھتے ہیں اور ہم کو صرف یہ بتلانا چاہئے کہ قرآن مجید سے طوفان کا تمام دنیا میں عام ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے ✦

گو ہم بالتخصیص یہ نہ بتا سکیں کہ آدم یا انسان کے پیدا ہونے کی کس قدر مدت کے بعد طوفان آیا تھا مگر توریت کے مطابق جو قلیل زمانہ تسلیم کیا گیا ہے ہم اُسی کو تسلیم کر کے کہتے ہیں کہ بموجب حساب توریت عبری کے طوفان آیا (۱۶۵۶) برس بعد پیدا ہونے حضرت آدم کے اور بموجب سپٹواجنٹ توریت کے جس پر ایشیا کے تمام مورخ اور یورپ کے اکثر قدیم مورخ اعتماد رکھتے ہیں طوفان آیا (۲۲۶۲) برس بعد پیدا ہونے حضرت آدم کے اور بلاشبہ اس عرصہ میں انسان کی نسل پھیل گئی ہوگی اور کل پرانی دنیا یا اس کا بہت بڑا حصہ آباد ہو گیا ہوگا۔ یہ بات ناممکن ہے اور قرآن مجید کے بھی برخلاف ہے کہ حضرت نوح تمام دنیا کے لوگوں کو وعظ سنانے اور ہدایت کرنے کو بھیجے گئے ہوں اور امکان سے باہر ہے کہ تمام دنیا میں جو اُس وقت تک آباد ہو چکی تھی حضرت

[1] علم جیالوجی یعنی طبقات الارض (احمد پاشا) ✦

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۶﴾ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿۴۷﴾ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۴۸﴾

اور حکم دیا گیا کہ اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور گھٹا یا گیا پانی اور پورا ہو گیا حکم اور ٹھہر گئی جودی پر اور حکم دیا گیا کہ دوری ہو (خدا کی رحمت سے) ظالموں کی قوم کو ﴿۴۶﴾ اور پکارا نوح نے اپنے پروردگار کو پھر کہا اے میرے پروردگار بیشک میرا بیٹا میرے لوگوں میں سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو حاکموں میں سے بڑا حاکم ہے ﴿۴۷﴾ خدا نے کہا اے نوح بیشک وہ نہیں ہے تیرے لوگوں میں سے ہاں اُس کے عمل اچھے نہیں ہیں پھر مت پوچھ ہم سے اُس چیز کی کہ نہیں ہے تجھ کو اُس کا علم اور بیشک میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو تو جاہلوں میں ہونے سے ﴿۴۸﴾

نوح نے وعظ کیا ہو اور تمام دنیا کے لوگوں نے اُن کا وعظ سن کر اُن کے ماننے سے انکار کیا ہو بلکہ بہت سے وسیع مُلک ایسے ہونگے جہاں کے باشندوں نے حضرت نوح کے نبی ہونے کی اور اُن کے وعظ کرنے کی اور خدا کی راہ کی ہدایت کرنے کی خبر بھی نہ سُنی ہو گی ✤

قرآن مجید سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے نوح کو تمام دنیا کے لوگوں کے پاس بھیجا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اُس کی قوم کے پاس بھیجا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت دنیا میں اور قومیں بھی موجود تھیں پس جس قوم کے پاس نوح بھیجے گئے تھے اُسی قوم پر طوفان کا عذاب بھی آیا تھا ۔ اور یہی امر قرآن مجید کی اِن آیتوں سے ثابت ہوتا ہے جن کو ہم ابھی بیان کرتے ہیں ✤

قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ ہم نے نوح کو بھیجا اُس کی قوم کی طرف نوح نے کہا اے

ولقد ارسلنا نوحًا الی قومه فقال یاقوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره افلا تتقون ۔
(سورۂ مومنین آیت ۲۳)

میری قوم بندگی کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود سوائے خدا کے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح ایک خاص قوم کے پاس بھیجے گئے تھے پس وہ عذاب بھی اُسی قوم کے لئے آیا تھا جس کے لئے حضرت نوح بھیجے گئے تھے ✤

ونوحا اذ نادی من قبل فاستجبنا له فنجینٰه واهله من الکرب العظیم ونصرنٰه من القوم الذین کذبوا بآیٰتنا انهم کانوا قوم سوء فاغرقنٰهم اجمعین (سورۂ انبیاء آیت ......)

پھر خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم نے مدد کی نوح کی اُس قوم پر جس نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو بیشک وہ قوم تھی بری پس ڈبو دیا ہم نے اُن سب کو اکٹھا اس سے صاف پایا جاتا

قَالَ رَبِّ إِنِّيْٓ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ أَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى أُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾

نوح نے کہا اے میرے پروردگار بیشک میں پناہ مانگتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں میں تجھ سے اس کو کہ نہیں ہے مجھ کو اس کا علم اور اگر تو نہ بخشیگا مجھ کو اور تو نہ رحم کریگا مجھ پر تو میں ہوں گا نقصان اٹھانے والوں میں سے (۴۹) حکم دیا گیا کہ اے نوح اتر ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور ساتھ ہماری برکتوں کے اوپر تیرے اور ان لوگوں پر جو تیرے ساتھ ہیں۔ اور لوگ ہونگے کہ فائدہ مند کرینگے ہم ان کو پھر ان کو چھوئیگا ہمارا عذاب دکھ دینے والا (۵۰)

ہے کہ وہ قوم ڈبوئی گئی تھی جس نے حضرت نوح کا انکار کیا تھا +

اور پھر اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح سے فرمایا کہ تو مت کہہ مجھ سے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے نافرمانی کی کیونکہ وہ ڈوبنے والے ہیں پس اس آیت سے بھی صرف انہیں لوگوں کا ڈوبنا معلوم ہوتا ہے جنہوں نے حضرت نوح کی ہدایت کو نہیں مانا +

ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون۔
(سورۃ ہود آیت ۳۹) +
(سورۃ مؤمنین آیت ۲۷) +

پھر خدا نے فرمایا کہ ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو پہلے اس سے کہ آوے ان پر عذاب دکھ دینا۔ اور جب حضرت نوح کی نصیحت انہوں نے نہ مانی تو حضرت نوح نے دعا مانگی کہ ان پر طوفان کا عذاب آوے اس سے بھی اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ صرف قوم نوح پر عذاب آیا تھا نہ تمام دنیا پر +

انا ارسلنا نوحا الی قومہ ان انذر قومک من قبل ان یاتیہم عذاب الیم۔
(سورۃ نوح آیت ۱) +

جو لوگ کہ قرآن مجید سے طوفان کا تمام دنیا میں آنا بیان کرتے ہیں وہ صرف دو آیتوں پر استدلال کرتے ہیں اول وہ آیت ہے کہ جب حضرت نوح نے خدا تعالےٰ سے دعا مانگی کہ اے پروردگار مت چھوڑ زمین پر کافروں کا ایک گھر بھی بسا ہوا۔ حالانکہ اس آیت سے کسی طرح عام ہونا طوفان کا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں جو ارض کا لفظ ہے اس پر بھی الف لام ہے اور کافرین کا جو لفظ ہے اس پر بھی الف لام ہے پس اس سے صاف ثابت ہے کہ زمین سے وہی زمین مراد ہے جہاں نوح کی قوم رہتی تھی اور کافروں سے وہی کافر مراد ہیں جنہوں نے حضرت نوح کا انکار کیا چنانچہ اسی امر کی تائید ان تمام آیتوں سے پائی جاتی ہے جو اوپر مذکور ہوئیں +

وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا (سورۃ نوح آیت ۲۷) +

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۲﴾	یہ ہے غیب کی خبروں میں سے وحی بھیجتے ہیں ہم اُن کی تجھ پر اور تو نہیں جانتا تھا اُن کو تو اور نہ تیری قوم اس سے پہلے پھر صبر کر بات یہ ہے کہ آخرت پرہیزگاروں کے لئے ہے ﴿۵۱﴾ اور (ہم نے بھیجی) عاد کی طرف اُن کے بھائی[1] ہود کو ہود نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود بجز اُس کے نہیں ہو تم مگر افترا کرنے والے ﴿۵۲﴾

دوسری آیت وہ ہے جہاں خدا نے فرمایا اور کیا ہم نے نوح ہی کی ذریت کو بچی ہوئی

وجعلنا ذریتہ ھم الباقین۔ (سورہ صافات آیت ۷۷) ✦ اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ کیا ہم نے اُن کو جانشین۔ مگر میں

وجعلنٰھم خلائف۔ (سورہ یونس آیت ۷۳) ✦ نہیں سمجھتا کہ ان آیتوں سے کس طرح تمام دنیا میں طوفان آنے کا استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ اس آیت کا مطلب

صرف اسی قدر ہے کہ جن لوگوں پر طوفان آیا تھا اُن میں سے بجز نوح کی ذریت کے اور کوئی نہیں بچا پھر اُس سے تمام دنیا پر طوفان کا آنا کیونکر ثابت ہو سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے علما نے صرف یہودیوں کی پیروی کرکے طوفان کا عام ہونا قرآن مجید سے نکالنا چاہا تھا ورنہ ہمارے قرآن مجید سے عام ہونا طوفان کا نہیں پایا جاتا۔ فتدبر ✦

قرآن مجید میں یہ بیان نہیں ہے کہ طوفان کا پانی اس قدر اونچا ہو گیا تھا کہ اونچے پہاڑ بھی چھپ گئے تھے بلکہ سورہ قمر میں صرف یہ آیا ہے کہ ہم نے موسلادھار مینہ پڑنے

ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر وفجرنا الارض عیونا فالتقی الماء علی امر قد قدر۔ (سورہ قمر آیت ۱۱ و ۱۲) ✦ سے آسمان کے دروازے کھول دئے اور ہم نے زمین کے چشموں کو پھاڑ دیا پھر ایک پانی دوسرے پانی سے مل گیا مقرر کئے ہوئے کام پر۔ سورہ مومنین میں۔ فجرنا الارض۔ کی

واذا جاء امرنا وفار التنور۔ (سورہ مومنین آیت ۲۷) ✦ جگہ۔ فار التنور۔ کا لفظ آیا ہے اُس کے معنی روٹی پکانے

کے تنور کے لینے صریح غلطی ہے کیونکہ خود قرآن مجید کی دوسری آیت سے اُس کی تفسیر ہوتی ہے یعنی جو معنی فجرنا الارض کے ہیں وہی معنی فار التنور کے ہیں۔ قاموس میں لکھا ہے التنور کل مفجر ماء۔ یعنی جہاں سے زمین میں پانی پھوٹ نکلے اور چشمہ جاری ہو جاوے اُس کو تنور کہتے ہیں۔ اور یہ معنی بالکل قرآن مجید کی پہلی آیت کے مطابق ہیں جس سے دوسری آیت کی تفسیر ہوتی ہے پس قرآن مجید سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مینہ نہایت زور سے برسا زمین میں سے چشمے جاری ہو گئے اور ایک پانی دوسرے پانی سے مل گیا اور

[1] حضرت ہود کا قصہ سورۂ اعراف میں مفصل مذکور ہو چکا ہے ✦

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۵۲﴾ وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۴﴾

اے میری قوم میں نہیں چاہتا تم سے اُس پر کچھ اجر نہیں ہے میرا اجر مگر اُس پر جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر کیا تم نہیں سمجھتے (۵۳) اور اے میری قوم تم بخشش چاہو اپنے پروردگار سے توبہ کرو اُس کی طرف بھیجیگا بادلوں کو تم پر زور سے برستے ہوئے (۵۴) اور زیادہ کریگا تم کو قوت میں تمہاری قوت پر اور مت پھر جاؤ گنہگار ہوکر (۵۵) اُن لوگوں نے کہا کہ اے ہود تو نہیں لایا ہمارے پاس کوئی دلیل اور ہم نہیں چھوڑنے والے ہیں اپنے معبودوں کو تیرے کہنے سے اور ہم نہیں ہیں تجھ پر ایمان لانیوالے (۵۶)

تمام ملک سطح آب ہوگیا اور اس قدر پانی چڑھا کہ کشتی تیرنے لگی اور جو لوگ کشتی میں نہ تھے وہ ڈوب گئے +

اس پر یہ شبہ وارد ہو سکتا ہے کہ اگر پانی اس قدر نہیں چڑھا تھا کہ پہاڑ بھی ڈوب گئے تھے تو لوگوں اور جانوروں نے پہاڑوں پر کیوں نہ پناہ لی جیسے کہ حضرت نوح کے بیٹے نے کہا تھا کہ میں پہاڑ پر پناہ لے لونگا - مگر غور کرنا چاہیے کہ ایسے شدید طوفان میں جس میں اس قدر زور سے مینہ برستا ہو - یا اُبل گئے ہوں زمین سے پانی پھوٹ نکلا ہو کسی جانور کو کسی امن تک پہنچنے کی فرصت نہیں مل سکتی اور یہ بات ہم اونے سے ادنے طغیانی پانی میں دیکھتے ہیں کہ ہزاروں آدمی ڈوب کر مر جاتے ہیں اور کسی طرح جان بچا نہیں سکتے - پھر ایسے بڑے طوفان میں جیسا کہ حضرت نوح کا تھا اور بہت دنوں تک برابر پانی برستا رہا لوگوں کا اور جانوروں کا اُس سے بچنا اور جان بچانا ناممکن تھا +

علاوہ اس کے میری رائے میں توریت مقدس سے بھی طوفان کا عام ہونا اور پانی کا اس قدر چڑھ جانا جس نے اونچے اونچے دنیا کے پہاڑوں کو بھی چھپا لیا ہو ہرگز ثابت نہیں ہے چنانچہ میں نے اپنی کتاب تبیین الکلام میں اس پر پوری بحث کی ہے مگر چونکہ اس تفسیر میں توریت کی آیتوں پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے اس لئے اُن پر بحث نہیں کی جاتی ہے البتہ اُن وقعات کی نسبت جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور توریت میں اُن کا ذکر نہیں ہے کچھ لکھنا مناسب ہے +

سورہ ہود میں اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ "اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو

ترجمہ	آیت
ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ تجھ کو پہنچائی ہے ہمارے بعض معبودوں نے برائی، ہود نے کہا کہ بیشک میں گواہ لاتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو کہ بیشک میں بری ہوں اُس سے جو تم شرک کرتے ہو (۵۷) اُس کے سوا، پھر تم میرے ساتھ مکر کرو اکٹھے ہو کر پھر مجھے مہلت نہ دو (۵۸) بیشک میں نے توکل کیا اللہ پر جو میرا پروردگار اور تمہارا پروردگار ہے اور نہیں ہے کوئی چلنے والا مگر وہ (یعنی خدا) پکڑے ہوئے ہے اُس کی پیشانی کے بالوں کو (یعنی سب اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے) بیشک میرا پروردگار سیدھے راستہ پر (چلانے والا) ہے (۵۹)	إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ (۵۷) مِنْ دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ (۵۸) إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۵۹)

ونادیٰ نوح ابنہ وکان فی معزل یٰبنی ارکب معنا ولا تکن مع الکٰفرین قال سآوی الیٰ جبل یعصمنی من الماء قال لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم وحال بینہما الموج فکان من المغرقین۔ (سورۂ ہود آیت ۴۲ و ۴۳)

اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ تھا کنارے پر اے بیٹے سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت ہو ساتھ کافروں کے۔ کہا اُس نے میں چڑھ جاؤں گا پہاڑ پر بچا دیگا مجھ کو پانی سے۔ نوح نے کہا کہ کوئی بچانے والا نہیں ہے آج کے دن اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے اور آگئی ان دونوں میں موج پھر ہو گیا ڈوبنے والوں میں ⁂

اور اسی سورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور پکارا نوح نے اپنے رب کو پھر کہا اے رب

ونادیٰ نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحٰکمین قال یٰنوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجٰھلین قال رب انی اعوذ بک ان اسئلک ما لیس لی بہ علم والا تغفر لی وترحمنی اکن من الخٰسرین۔
سورۂ ہود آیت ۴۷-۴۹ ⁂

میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں سے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو حاکموں کا حاکم ہے فرمایا اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں سے اُس کے کام ہیں ناکارہ تو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں، میں بچاتا ہوں تجھ کو جاہلوں میں ہونے سے کہا اے رب میرے میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے یہ کہ چاہوں میں تجھ سے جو معلوم نہیں مجھ کو اور اگر تو نہ بخشیگا مجھ کو اور نہ رحم کریگا تو ہونگا میں ٹوٹے والوں میں سے ⁂

ان آیتوں سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ سوائے اُن تین بیٹوں کے جن کا ذکر توریت مقدس میں ہے حضرت نوح کے ایک اور بیٹا تھا جو کافروں کے ساتھ ڈوب گیا ⁂

مگر یہ خیال غلط ہے۔ حضرت نوح کے کوئی اور بیٹا سوائے ان تین بیٹوں کے نہ تھا اور یہ بیٹا

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَـيْــــًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۹۰﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۹۱﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ڀ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۹۲﴾

پھر اگر تم پھر جاؤ تو بیشک میں نے پہنچا دیا تم کو وہ جس کے ساتھ میں تمہارے پاس بھیجا گیا تھا اور تمہاری جگہ لے آویگا میرا پروردگار اور لوگوں کو تمہارے سوا اور تم اُس کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے بیشک میرا پروردگار ہر ایک چیز پر نگہبان ہے ﴿۹۰﴾ اور جب آیا ہمارا حکم بچا لیا ہم نے ہود کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے اور ہم نے اُن کو نجات دی سخت عذاب سے ﴿۹۱﴾ اور یہ تھی قوم عاد کی نہ مانا انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو اور نافرمانی کی اُس کے رسول کی اور پیروی کی ہر سرکش عناد کرنے والے کے حکم کی ﴿۹۲﴾

جس کا یہاں ذکر ہے حضرت نوح کا بیٹا نہ تھا بلکہ حضرت نوح کی بیوی کا بیٹا پہلے خاوند سے تھا اور قاین کی نسل سے تھا اور غالباً یہ بیٹا تمہ کا تھا جس کا نام کتاب پیدائش باب ۴ ورس ۲۲ میں آیا ہے + یہ جو میں نے بیان کیا یہ میری رائے نہیں ہے بلکہ ہمارے اُن کے مفسر بھی یہی لکھتے ہیں

انہ کان ابن امرأتہ وھو قول محمد الباقر علیہ السلام وقول الحسن البصری ویروی ان علیا رضی اللہ عنہ قرأ ونادی نوح ابنھا والضمیر لامرأتہ وقرأ محمد بن علی الباقر وعروۃ ابن الزبیر ابنہ بفتح الھاء یرید ان ابنھا الا انھما اکتفیا بالفتحۃ عن الالف و قال قتادہ سألت الحسن عن ابنہ فقال واللہ ما کان ابنا لہ فقلت لہ ان اللہ حکی عنہ انہ قال ان ابنی من اھلی وانت تقول ما کان ابنا لہ فقال انہ لم یقل انہ ابنی ولکنہ قال من اھلی وھذا یدل علی قولی۔
(تفسیر کبیر) +

تفسیر کبیر میں ہے کہ وہ جس کو حضرت نوح نے بیٹا کہا حضرت نوح کا بیٹا نہ تھا بلکہ حضرت نوح کی بیوی کا بیٹا تھا اور یہ قول ہے جناب محمد باقر علیہ السلام کا اور حسن بصری کا اور یہ روایت ہے حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت محمد بن علی الباقر اور عروہ ابن زبیر اس آیت میں جو مذکر کی ضمیر ہے اُس کو حضرت نوح کی طرف پھرتی ہے مؤنث کی ضمیر پڑھتی تھی تاکہ حضرت نوح کی بیوی کی طرف پھرے اور قتادہ نے کہا کہ میں نے حسن بصری سے حضرت نوح کے بیٹے کا حال پوچھا اُنہوں نے کہا قسم بخدا کہ حضرت نوح کے کوئی بیٹا جو طوفان میں ڈوبا نہ تھا قتادہ نے کہا خدا نے تو قول نوح کا یوں بیان کیا ہے کہ نوح نے اُس بیٹے کو جو ڈوب گیا کہا کہ میرا بیٹا میرے خاندان میں سے ہے اور تم کہتے ہو کہ اُس کے کوئی بیٹا جو طوفان میں ڈوبا نہ تھا حسن بصری نے کہا کہ حضرت نوح نے یہ نہیں کہا کہ میرا سگا بیٹا بلکہ یہ کہا کہ میرے خاندان کا بیٹا اور یہ اُن کا کہنا اچھا

وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ (٩٣) وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ (٩٤) قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ (٩٥)

اور اُن کے پیچھے بھیجی گئی اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن میں ہاں بیشک عاد نے کفر کیا اپنے پروردگار کے ساتھ ہاں دوری ہو (خدا کی رحمت سے) عاد کو جو قوم ہود تھی (۹۳) اور بھیجا ہم نے ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو صالح نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود بجز اُس کے اُسی نے پیدا کیا تم کو مٹی سے اور آباد کیا تم کو اُس میں پھر بخشش چاہو اُس سے پھر توبہ کرو اُس کی طرف بیشک میرا پروردگار (ہر شخص کے) پاس ہے قبول کرنے والا (۹۴) اُن لوگوں نے کہا اے صالح بیشک ہم میں تو تھا اُس سے پہلے تجھ سے امید کیجاتی تھی کیا تو ہم کو منع کرتا ہے عبادت کرنے سے اُس کی جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا اور بیشک ہم شک میں ہیں اُس سے کہ تو بلاتا ہے ہم کو اُس کی طرف زیادہ شبہ کرنے والے (۹۵)

پر دلالت کرتا ہے جو میں کہتا ہوں، پس ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ یہ شخص حضرت نوح کا بیٹا نہ تھا اور اسی سبب سے توریت مقدس میں حضرت نوح کے بیٹوں کے ساتھ اس کا ذکر نہیں ہے ✦

جس آیت سے حضرت نوح کی بیوی کا طوفان میں ڈوبنا خیال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے

ضرب الله مثلا للذين كفروا امرأة نوح وامرأة لوط كانتا تحت عبدين من عبادنا صالحين فخانتاهما فلم يغنيا عنهما من الله شيئا وقيل ادخلا النار مع الداخلين۔

(سورۂ تحریم آیت ۱۰) ✦

اللہ نے بتائی ایک کہاوت منکروں کے واسطے عورت نوح کی اور عورت لوط کی گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے ہمارے بندوں میں سے پھر نافرمانی کی اُنہوں نے اُن کی پھر نہ دفع کیا اُنہوں نے اُن سے تھوڑا سا بھی عذاب اللہ کا اور حکم ہوا کہ جاؤ دوزخ میں ساتھ جانے والوں کے ✦

اس آیت سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی کافروں میں تھی اور وہ بھی غرق ہوئی اور توریت مقدس سے پایا جاتا ہے کہ حضرت نوح کی بیوی کشتی میں حضرت نوح کے ساتھ تھی اور اُنہوں نے ڈوبنے سے نجات پائی ✦

مگر سمجھنا چاہئے کہ باوجودیکہ اس آیت میں حضرت نوح کی بیوی کا ڈوبنا صاف صاف بیان نہیں ہوا لیکن اگر اس پر بھی اُن کا ڈوبنا ہی سمجھیں تو اُس کے ساتھ ہی ہم کو یہ بات بھی کہنی چاہئے کہ ہمارے ہاں

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾

صالح نے کہا اے میری قوم تم نے کیا سمجھ لیا ہے اگر میرے پاس کوئی دلیل ہے میرے پروردگار سے اور اس نے مجھ کو دی ہو اپنے پاس سے رحمت پھر کون میری مدد کریگا خدا (کے عذاب) سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں پھر تم مجھ کو زیادہ نہیں کرتے میرے لئے بجز نقصان دینے کے (٦٣) اور اے قوم یہ بجار اونٹنی اللہ کی نشانی تمہارے لئے پھر اس کو چھوڑ دو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور اس کو مت چھوؤ برائی سے تاکہ تم کو پکڑ لیوے کوئی عذاب تھوڑے دنوں میں (٦٤) پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر صالح نے کہا کہ چین کر لو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہیں (٦٥)

کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ حضرت نوح کی دو بیویاں تھیں اُن میں سے ایک بیوی ڈوبی اور ایک حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں گئی چنانچہ تفسیر کبیر میں ابن عباس سے روایت لکھی ہے کہ کشتی میں نوح اور اُن کی بیوی بھی تھی سوائے اُس بیوی کے جو ڈوب گئی بعض علما یہ کہتے ہیں کہ حضرت نوح کی ایک بیوی نعمہ نسل قاین سے تھی اور ایک بیوی اولاد حضرت ادریس سے پس کچھ عجب نہیں کہ نعمہ کافر ہو اور وہ ڈوب گئی ہو اور اسی سبب سے توریت مقدس میں اُس کا ذکر نہ کیا ہو مگر جب یہ بات ثابت ہے کہ حضرت نوح کی ایک بیوی بلاشبہ کشتی میں تھی تو اگر اس آیت سے ایک بیوی کا غرق ہونا ہی مراد لیا جاوے تو بھی کچھ اختلاف نہیں رہتا۔

سورۂ مومنین میں خدا نے یہ فرمایا ہے کہ جب ہمارا حکم آوے اور زمین کے چشمے پھوٹ نکلیں تو فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ بٹھا لے اس میں یعنی کشتی میں ہر جوڑے میں دو۔ توریت میں اس فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ مضمون کو بہت زیادہ وسیع کر دیا ہے جس سے لوگ یہ سمجھتے ہیں (آیت ۲۷ و ۲۸) کہ تمام دنیا کے جانوروں کے جوڑے کشتی میں بٹھائے گئے تھے۔

اور پھر اس کے غیر ممکن ہونے پر بہت سی دلیلیں لائی گئی ہیں۔ مگر قرآن مجید ان تمام مشکلات سے مبرا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید سے صرف یہ بات کہ جو جانور حضرت نوح کی دسترس میں موجود تھے اُن کے جوڑے کشتی میں بٹھائے گئے تھے کچھ تو اس خیال سے کہ کھانے کے کام آوینگے اور کچھ اس خیال سے کہ طوفان کے بعد اُن سے نسل چلے گی کیونکہ ملک کی بربادی کے بعد درست اُن جانوروں کا بہم پہنچنا اور دوسرے ملکوں سے لانا علی الخصوص اُس زمانہ میں کہ اس

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾	پھر جب آیا ہمارا حکم بچالیا ہم نے صالح کو اور ان کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت کے ساتھ اور اُس دن کی رسوائی سے بیشک تیرا پروردگار وہی ہے قوت والا اور غالب ﴿۶۶﴾ اور پکڑ لیا اُن لوگوں کو جو ظالم تھے سخت آواز نے پھر انہوں نے صبح کی اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے ﴿۶۷﴾

کام کے لئے وسائل ناپید تھے نہایت دقت طلب امر تھا ✦

تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے کہ خدا کے اس قول کے کہ فاسلک فیہا یہ معنی ہیں کہ داخل کر یعنی بٹھا لے اُس میں یعنی کشتی میں عرب کے محاورہ میں کہا جاتا ہے سلک فیہ یعنی داخل ہوا اُس میں اور اسلکہ من کل زوجین اثنین کا یہ مطلب ہے کہ جو جانور اُس وقت پر موجود ہوں اُن کے جوڑے نر و مادہ کشتی میں بٹھا لے تاکہ ان جانوروں کی نسل منقطع نہ ہو جاوے ✦

اما قولہ فاسلک فیہا ای ادخل فیہا یقال سلک فیہ ای دخل فیہ وسلک غیرہ واسلکہ من کل زوجین اثنین ای کل زوجین من الحیوان الذی یحضر فی الوقت اثنین الذکر والانثی لکی لا ینقطع نسل ذلک الحیوان تفسیر کبیر

باقی قصہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے بہت صاف ہے اخیر قصہ پر خدا نے فرمایا ہے کہ "یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے کہ ہم نے اُس کی تجھ پر وحی کی ہے نہ تو اُس کو جانتا تھا اور نہ تیری قوم اس سے پہلے پس صبر کر (اے محمد کافروں کے ایذا دینے اور جھٹلانے پر) بیشک آخر کو (کامیابی) پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ (ہود آیت ۵۱) ✦

اس آیت پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کیا اس سے پہلے طوفان نوح کا قصہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اور عرب کے لوگوں کو جن میں کثرت سے یہودی آباد ہو گئے تھے اور کچھ عیسائی بھی آباد تھے معلوم نہ تھا۔ مگر یہ بات نہیں ہے زیادہ تر قرین قیاس یہ ہے کہ یہ قصہ عام طور پر مشہور تھا مگر اُس کے ساتھ ہی بہت سی غلط باتیں بھی مشہور تھیں صحیح صحیح قصہ لوگوں کو معلوم نہ تھا جس کو خدا نے بذریعہ وحی کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے بتایا پس عدم علم کا جو ذکر اس آیت میں ہے وہ صحیح قصہ کے جاننے سے متعلق ہے نہ کہ عام طور پر اس قصہ سے۔ قرآن مجید میں جس قدر اگلے قصے بیان ہوئے ہیں اگرچہ در اصل اُن سے عبرت دلانی مقصود ہوتی ہے مگر اُسی کے ساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ قصہ کو صحیح صحیح بیان کیا جاتا ہے تاکہ جو غلطیاں مشہور ہو رہی ہیں اُن کی صحت ہو جاوے ✦

قریباً تمام دنیا کی قوموں میں طوفان کا قصہ بطور ایک مذہبی قصہ کے مشہور تھا اور اُس کے

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾	گویا کہ اُس میں بسے ہی نہ تھے ہاں بیشک ثمود نے کفر کیا اپنے پروردگار کے ساتھ ہاں دوری ہوا (خدا کی رحمت سے) ثمود کو ﴿۶۸﴾ اور بیشک گئے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس بشارت لیکر انہوں نے کہا سلام ابراہیم نے کہا سلام پھر ابراہیم نے دیر نہ کی کہ لایا بھنا ہوا بچھڑا ﴿۶۹﴾

بیانات اور واقعات اس قدر مختلف اور عجیب طور پر مشہور ہو رہے تھے کہ ایک میں بھی پوری پوری سچائی نہ تھی۔ چند یورپ کے لوگوں مثل مسٹر ٹرنیٹ اور ریورنڈ ایل ڈی ہار کورٹ وغیرہ نے کتابیں لکھی ہیں جن میں اُن قصوں کو جمع کیا ہے جو طوفان کی بابت بطور مذہبی قصہ کے تمام دنیا میں مشہور ہیں پس جی نے جو کچھ بتایا اور جو لوگوں کو معلوم نہ تھا وہ یہی ہے کہ صحیح قصہ طوفان کا کیا ہے ✣

یہودی اور عیسائیوں نے جو مذہبی طور پر سب سے بڑی غلطی اس قصہ میں ڈال رکھی تھی وہ یہ تھی کہ تمام دنیا میں طوفان آیا تھا اور کل کرہ زمین پانی میں ڈوب گیا تھا اور طوفان کا پانی دنیا کے بڑے سے بڑے پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اونچا ہو گیا تھا اور حضرت نوح نے تمام دنیا کے ہر قسم کے جانداروں کا جوڑہ جوڑہ کشتی میں بٹھا لیا تھا۔ اور تمام دنیا کے تمام جانور انسان اور چرند و پرند و حشرات الارض سب کے سب مر گئے تھے اور بجز اُن کے جو کشتی میں تھے کوئی جاندار تمام دنیا میں زندہ نہیں رہا تھا۔ یہ ایک بڑی غلطی تھی جس کو قرآن مجید نے صحیح کیا ہے مگر افسوس اور نہایت افسوس کہ ہمارے مفسروں نے قرآن مجید کی اس برکت کو حاصل نہیں کیا اور وہ خود یہودیوں اور عیسائیوں کی تقلید سے اُسی غلطی میں پڑ گئے جس غلطی سے قرآن مجید نے اُن کو نکالنا چاہا تھا ✣

ایک اور امر غور طلب ہے متعلق حضرت نوح کے یعنی تعداد اُن کی عمر کی خدا تعالیٰ نے سورہ عنکبوت میں فرمایا ہے کہ ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف پھر وہ رہا اُن میں پچاس برس کم ایک ہزار برس ✣

> ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ فلبث فیہم الف سنۃ الا خمسین عاما۔ (سورہ عنکبوت آیت ۱۴)

توریت میں لکھا ہے کہ نوح چھ سو برس کے تھے جب طوفان آیا (کتاب پیدائش باب ۷ ورس ۶) اور پھر لکھا ہے کہ بعد طوفان کے نوح تین سو پچاس برس زندہ رہا اور اُس کی عمر نو سو پچاس برس کی تھی (کتاب پیدائش باب ۹ ورس ۲۸ و ۲۹) لیکن جب کہ انسان کی نسل شروع ہوئی تھی اور ابھی طوفان بھی نہیں آیا تھا اُس وقت خدا نے کہا تھا کہ "بسبب بودن ایشان بشر فاما نہایت مدت ایام ایشان یکصد و بست سال خواہد شد" (توریت کتاب پیدائش باب ۶ ورس ۳) ✣

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (۷۰) وَ امْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ (۷۱)	پھر جب اُس نے دیکھا کہ اُن کے ہاتھ نہیں پُہنچتے اُس کی طرف اُن کو اجنبی سمجھا اور ابراہیم اپنے دل میں اُن سے خوف لائے اُنہوں نے کہا مت ڈر بیشک ہم بھیجے گئے ہیں قوم لوط کی طرف (۷۰) اور ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی تھی پھر وہ ہنسی پھر ہم نے اُس کو بشارت دی اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی (۷۱)

مگر یہ ایک بہت طولانی بحث ہے دن اور برس جو توریت میں مندرج ہیں وہ نہایت بحث طلب ہیں دنیا کے ظہور اور انسان کے وجود کی جو مدت توریت میں لکھی ہے وہ بھی بحث بڑی بحث کے قابل ہے ✦

اس میں بھی کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ برس کی مدت ہر ایک زمانہ میں مختلف رہی ہے اور جس زمانہ یا انسان کی عمر کی تعداد اُس زمانہ کے حساب سے کی گئی ہے وہی تعداد بیان ہوتی رہی ہے جیسے کہ قرآن مجید اور توریت میں حضرت نوح کی عمر ساڑھے نو سو برس کی بیان ہوئی ہے ✦

علاوہ اس کے قدیم زمانہ کا یہ رواج بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس خاندان کا کوئی پیٹریاٹک ہوا ہے جب تک کہ اُس خاندان میں دوسرا پیٹریاٹک نامور نہ ہوا ہو پہلے پیٹریاٹک ہی کا نام چلا جاتا ہے۔ پس جب تک کہ ان سب باتوں پر بحث نہ ہو اُس وقت تک "فلبث فیھم الف سنة الا خمسین عاما" کی حقیقت بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس تفسیر میں ان تمام امور پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے اگر خدا کی مرضی ہے تو ایک مستقل کتاب میں اس پر بالاستیعاب بحث کی جاویگی[1] اور تمام سلسلہ مدت پیدائش دنیا کا اور لوگوں کی عمروں کا جو توریت میں مذکور ہے اُلٹ پلٹ ہو جاویگا ✦

(۷۲) ولقد جاءت رسلنا ابراھیم - یعنی البتہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس ✦

سورہ عنکبوت میں یہ لفظ ہیں "ولما جاءت رسلنا ابراھیم" - یعنی جب کہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس ✦

سورہ حجر میں بجائے رسلنا کے ضیف کا لفظ ہے خدا نے فرمایا - "ونبئھم عن ضیف ابراھیم" - یعنی اُن کو خبر دے ابراہیم کے مہمانوں کی ✦

اور سورہ ذاریات میں ہے - "ھل اتاک حدیث ضیف ابراھیم المکرمین" کیا تیرے پاس ابراہیم کے مکرم مہمانوں کی خبر پہنچی ہے ✦

[1] اس پر بحث نہیں کرنے پائے کہ فوت ہو گئے - افسوس! افسوس! (احمد بابا محمودی) ✦

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾

ابراہیم کی بیوی نے کہا کہ افسوس مجھ پر کیا میں جنوں گی اور میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے بیشک یہ ایک چیز ہے عجیب ﴿۷۲﴾ اُن بھیجے ہوؤں نے کہا کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے رحمت اللہ کی اور اُس کی برکتیں تم پر اے گھر والوں بیشک وہ تعریف کیا گیا ہے بزرگ ﴿۷۳﴾ پھر جب ابراہیم سے خوف دور ہوا اور اس کے پاس خوشخبری آئی ہم سے جھگڑنے لگا لوط کی قوم کے حکم میں بیشک ابراہیم بردبار نرم دل (خدا کی طرف) رجوع کرنے والا ہے ﴿۷۵﴾

پس امر بحث طلب یہ ہے کہ یہ بھیجے ہوئے یا ضیف ابراہیم کون تھے؟ توریت باب ۱۸ ورس ۲ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ تین آدمی اُس کے برابر کھڑے ہیں عبری میں لفظ شلوشہ انشیم ہے یعنی ثلاثہ انسانین[1] اور پھر ورس ۱۶ و ۲۲ میں اور باب ۱۹ ورس ۵ و ۱۰ و ۱۲ میں بھی اُن کو انسان کہا ہے مگر باب ۱۹ کے پہلے ورس میں اُن کو ملاخیم یعنی ملائکین[2] کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس لئے یہودی اُن تینوں کو فرشتے اعتقاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل تھے ◆

عیسائی بھی اُن کو فرشتے مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلی ہی دفعہ تھی کہ فرشتے انسان کی صورت بنکر دنیا میں آئے تھے۔ تفسیر ڈائلی اینڈمانٹ میں لکھا ہے کہ اُن میں کا تیسرا نسبت باقی دو کے اعلیٰ درجہ کا تھا اور اس لئے ابراہیم نے اُس کو بطور ایک سردار کے خطاب کیا یعنی "ادنای" کہکر جس کو موسےٰ "جہوہ" کہتا ہے اور یہودی اور عیسائی اُس کو خدا کا نام سمجھتے ہیں اور اس لئے بہت سے عیسائی تصور کرتے ہیں کہ وہ خدا کا بیٹا تھا جو اُس صورت میں آیا تھا۔ متوسط زمانہ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کی شان میں ایک فرشتہ تھا جس نے گفتگو کی تھی اور بلحاظ اس کی مقتدرانہ گفتگو کے یہ غالب رائے ہے کہ وہ خود حضرت مسیح تھے جو انصاف کرنے کو آئے تھے ◆

قرآن مجید میں صرف لفظ "رسلنا" یعنی ہمارے بھیجے ہوئے کا ہے مسلمان مفسروں نے صرف یہودیوں کی روایتوں سے جن کی وہ ہمیشہ ایسے مقاموں میں پیروی کرتے ہیں اُن کو

[1] انسانین کا لفظ دانستہ خلاف قاعدہ عربی لکھا گیا ہے ◆

[2] ملائکین کا لفظ دانستہ خلاف قاعدہ زبان عربی لکھا گیا ہے ◆

يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿۷۸﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۷۹﴾	(خدا نے کہا) اے ابراہیم درگذر کر اس سے، بات یہ ہے کہ بیشک آگیا تیرے پروردگار کا حکم اور بیشک وہ لوگ ہیں اُن پر عذاب آنے والا ہے جو پھیرا نہ جاویگا ﴿۷۸﴾ اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس تو اُن کے سبب سے آزردہ خاطر ہوا اور اُن کے سبب سے تنگ دل ہوا اور کہنے لگا کہ یہ دن سخت ہے ﴿۷۹﴾

فرشتے تسلیم کیا ہے مگر قرآن مجید سے اُن کا فرشتہ ہونا ثابت نہیں ہوتا — یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اُن کے فرشتے ہونے پر تو کوئی نص صریح نہیں ہے باقی رہا طرز کلام یا الفاظ وارده سے استدلال قطع نظر اس کے کہ وہ مفید یقین نہیں ہوسکتا اُن سے بھی وہ استدلال پورا نہیں ہوتا علما سے مفسرین نے قبل اس کے کہ الفاظ قرآن مجید پر غور کریں یہودیوں کی روایتوں کے موافق اُن کا فرشتہ ہونا تسلیم کر لیا ہے حالانکہ وہ خاصے بھلے چنگے انسان تھے ❖

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابراہیم کے مہمانوں نے جو کھانا نہ کھایا اُس کا سبب یہ تھا کہ وہ فرشتے تھے اور فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں — وہ مہمانوں کی صورت بنکر اس لئے آئے تھے کہ حضرت ابراہیم مہمانوں کے آنے کو دوست رکھتے تھے اور وہ مہمانوں کی ضیافت میں مشغول رہتے تھے — مگر کھانے سے انکار کرنا اُن کے فرشتے ہونے کی جو علانیہ انسان تھے اور انسانوں کی طرح آئے تھے دلیل نہیں ہوسکتا ❖

واعلم ان الاضياف انما امتنعوا من الطعام لانهم ملائكة والملائكة لا يأكلون ولا يشربون وانما اتوه في صورة الاضياف ليكونوا على صفة يحبها وهو كان مشغولا بالضيافة (تفسیر کبیر) ❖

تفسیر کبیر میں سدی کا یہ قول لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اُن سے پوچھا کہ کھانا کھاؤ گے انھوں نے کہا کہ ہم بغیر قیمت دیئے کھانا نہیں کھاتے ابراہیم نے کہا کہ اُس کی قیمت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے خدا کا نام لو اور کھانے کے بعد خدا کا شکر کرو — اس پر جبرئیل نے میکائیل سے کہا کہ ایسے آدمی کا حق ہے کہ اُس کا پروردگار اُس کو اپنا خلیل یعنی دوست قبول کرے — مگر کلام سے بھی یہ بات غیر معلوم رہی کہ بعد اس کے انھوں نے کھانا کھایا یا نہیں ❖

قال السدی قال ابراهيم عليه السلام لهم تاكلون قالوا لا نأكل طعاما الا بالثمن فقال ثمنه ان تذكروا اسم الله تعالى على اوله وتحمدوه على آخره فقال جبرئيل لميكائيل عليهما السلام حق لمثل هذا الرجل ان يتخذه ربه خليلا (تفسیر کبیر) ❖

قرآن مجید میں آیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ اُن کے ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھتے تو نہ جانا کہ یہ کون ہیں (یعنی دوست مہمان ہیں یا دشمن) اور ابراہیم کے جی میں اُن سے خوف ہوا — یہ اُس مادہ

فلما رأى ايديهم لا تصل اليه نكرهم واوجس منهم خيفة — (سورۂ ہود)

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۚ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۚ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (۸۰) قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (۸۱)

اور اُس کے پاس اُس کی قوم دوڑتی ہوئی آئی اور پہلے سے وہ بُرے کام کرتی تھی۔ لوط نے کہا اے میری قوم یہ لڑکیاں تمہاری ہیں (اور) وہ اچھی ہیں پھر خدا سے ڈرو اور مجھ کو میرے مہمانوں کے (معاملہ) میں رسوا مت کرو کیا تم میں کوئی شخص سمجھدار نہیں ہے (۸۰) اُن لوگوں نے کہا کہ بیشک تو جانتا ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہم کو کچھ حق نہیں ہے اور بیشک تو جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں (۸۱)

کا طریقہ تھا کہ دشمن یا اُس کے، جس سے دشمنی ہو کھانا نہیں کھاتے تھے۔ مگر اس آیت سے بھی یہ نہیں پایا جاتا کہ اس کے بعد بھی اُنہوں نے کھانا نہیں کھایا ✦

توریت میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے حضرت ابراہیم کے پاس بھی کھانا کھایا اور جب وہ حضرت لوط کے پاس گئے تو وہاں بھی کھانا کھایا۔ توریت فارسی کے ترجمہ کی یہ عبارت ہے ✦

و خداوند وی را (یعنی ابراہیم را) در بلوطستان ممری ظاہر شد در حالیکہ بر در چادر بگرمی روز می نشست و چشمان خود را کشادہ نگریست کہ اینک سہ شخص در مقابلش ایستادہ اند و ہنگامیکہ ایشان را دید از برای استقبال ایشان از در چادر دوید و بسوی زمین خم شد و گفت ای آقایم حال اگر در نظرت التفات یافتم تمنا اینکہ از نزد بندہ خود نگذری و حال اندک آبی آوردہ شود تا آنکہ پاہای خود را شستہ و شو دادہ در زیر این درخت استراحت فرمائید و لقمہ نانی خواہم آورد تا دل خود را تقویت نمائید و بعد از آن بگذرید زیرا کہ از این سبب نزد بندہ خود عبور نمودید پس گفتند بنحوی کہ گفتی عمل نما پس ابراہیم بچادر نزد سارا شتافت و گفت تعجیل نمودہ سہ پیمانہ آرد رقیق خمیر کردہ گردہ ہا بر اجاق بپز پس ابراہیم بگلہ گاو شتافت و گوسالہ تر و تازہ و خوبی گرفتہ بجوانی داد کہ آن را بسرعت حاضر ساخت و کرہ و شیر با گوسالہ کہ حاضر کردہ بود گرفت و در حضور ایشان گذاشت و نزد ایشان بزیر آن درخت ایستاد تا خوردند کتاب پیدائش باب ۱۸ ورس ۱ لغایت ۸ ✦

پس آن دو ملک بوقت شام بسدوم در آمدند و لوط بدروازہ سدوم می نشست و ہنگامی کہ لوط ملاحظہ کرد از برای استقبال ایشان برخاست و بر زمین خم شد و گفت اینک حال ای آقایانم تمنا اینکہ بخانہ بندہ خودتان بیائید و بیتوتہ نمودہ پاہای خود را شستہ و شو نمائید و سحر خیزی نمودہ براہ خود روانہ شوید پس ایشان گفتند کہ نہ بلکہ در چہار سو بیتوتہ مینمائیم پس چونکہ ایشان را بسیار ابرام نمود با او آمدہ بخانہ اش داخل شدند و ضیافتی بجہت ایشان برپا نمودہ

قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ (۸۲) قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ (۸۳)	لوط نے کہا کہ اگر تمہارے مقابلہ کی مجھ میں قوت ہوتی تو میں جا ٹھیرتا نہایت سخت یعنی زور آور قوم کے پاس (۸۲) اُن بھیجے ہوؤں نے کہا کہ اے لوط ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں وہ لوگ تجھ تک نہیں پہنچنے کے پھر لے چل اپنے لوگوں کو تھوڑی رات رہے سے اور پلٹ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی۔ مگر تیری بیوی کہ بیشک وہ اُس کو پہنچنے والی ہے جو پہنچا ہے اُس قوم کو بیشک اُن کے وعدے کا وقت صبح ہے کیا صبح نزدیک نہیں ہے (۸۳)

گروہے فطیری بخت کر خوردند۔ کتاب پیدائش باب ۱۹ درس ۱ لغایت ۳ ◆

تفسیر کبیر میں ایک یہ بحث پیش کی ہے کہ حضرت ابراہیم نے اُن تینوں کو انسان جانا یا فرشتہ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اُن کو انسان جانا تھا اُن کی یہ دلیلیں ہیں کہ اگر وہ اُن کو فرشتہ جانتے تو کھانے کی طیاری نہ کرتے۔ اور جب اُنہوں نے کھانے پر ہاتھ نہ ڈالا تھا تو اُس سے خوف نہ کرتے۔ علاوہ اس کے جب کہ حضرت ابراہیم نے اُن کو انسان کی صورت میں دیکھا تھا تو اُن کو فرشتہ کیونکر سمجھ سکتے تھے ◆

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اُن کو فرشتہ جانا تھا اُن کا یہ دعوے ہے کہ اُن کے کہنے سے حضرت ابراہیم نے اُن کو فرشتہ جانا تھا مگر ایک لفظ قرآن میں ایسا نہیں ہے کہ اُن تین شخصوں میں سے کسی نے کہا ہو کہ ہم انسان نہیں ہیں بلکہ فرشتے ہیں اور انسان کی صورت بنکر آئے ہیں ◆

تفسیر کبیر میں ایک اور عجیب و غریب روایت لکھی ہے کہ جب اُن فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو بتلا دیا کہ وہ فرشتوں میں سے ہیں اور انسان نہیں ہیں اور وہ صرف قوم لوط کے ہلاک کرنے کو آئے ہیں تو حضرت ابراہیم نے اُن سے معجزہ طلب کیا کہ اُن کے فرشتے ہونے پر دلالت کرے۔ پھر اُنہوں نے اپنے پروردگار سے اُس بھنے ہوئے بچھڑے کے زندہ ہو جانے کی دعا مانگی۔ بچھڑا جہاں رکھا ہوا تھا وہاں سے کود اور

ان الملائکۃ لما اخبروا ابراھیم علیہ السلام انہم من الملائکۃ لا من البشر وانہم انما جاؤا لاھلاک قوم لوط طلب ابراھیم علیہ السلام منہم معجزۃ دالۃ علی انہم من الملائکۃ فدعوا ربہم باحیاء العجل المشوی فطفر ذلک العجل المشوی من الموضع الذی وضع فیہ الی مرعاہ (تفسیر کبیر) ◆

اپنے چراگاہ میں چلا گیا۔ ہم کو افسوس ہے کہ ہمارے علما نے ایسی بے سرو پا اور بے سند مہمل

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ (۸۳)	پھر جب ہمارا حکم آیا ہم نے کر دیا اُس کی بلندی کو اس کی نیچان اور ہم نے اُن پر پتھر برسائے جو اُن کے لئے لکھے ہوئے تھے اوپر تلے - نشان کئے ہوئے تیرے پروردگار کے پاس سے اور ظالموں سے کچھ دور نہیں (۸۳)

روایتیں اپنی تفسیروں میں لکھی ہیں خدا اُن پر رحم کرے ✦

اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ وہ جو حضرت ابراہیم کے پاس آئے انسان تھے اور قوم لوط کے پاس بھیجے گئے تھے جیسا کہ خود اُنہوں نے حضرت ابراہیم سے کہا - لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط - (سورۂ ہود) اور دوسری جگہ کہا - انا ارسلنا الی قوم مجرمین (سورۂ حجر) ایک اور جگہ کہا - انا ارسلنا الی قوم مجرمین لنرسل علیہم حجارۃ من طین مسومۃ عند ربک للمسرفین (سورۃ الذاریات) ✦

بالبشری - یعنی ساتھ خوشخبری کے - اور وہ خوشخبری حضرت ابراہیم کے حضرت سارا سے بیٹا اور پوتا یعنی اسحٰق اور اسحٰق سے یعقوب کے پیدا ہونے کی تھی جس کا بیان آگے آویگا ✦

یعنی جب حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ اُن کا ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھا تو نہ جانا کہ یہ کون ہیں اور ابراہیم کے دل میں اُن سے خوف پیدا ہوا ✦

فلما رایدیہم لا تصل الیہ نکرہم واوجس منہم خیفہ - (سورۂ ہود)

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جب اُنہوں نے کھانے سے اپنے تئیں روکا تو حضرت ابراہیم کو خوف ہوا کہ وہ کچھ مکر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جب کوئی انجان آدمی آوے اور اُس کے سامنے کھانا لایا جاوے پھر اگر وہ کھا لیوے تو اس سے اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر وہ نہ کھا وے تو اُس سے خوف پیدا ہوتا ہے ✦

فلما امتنعوا من الاکل خاف ان یریدوا بہ مکروھا ان لا یعرف ذا حضر وقدم الیہ طعام فان اکل حصل الامن وان لم یاکل حصل الخوف - (تفسیر کبیر)

یہی مضمون سورۃ الذاریات میں ان لفظوں سے آیا ہے کہ حضرت ابراہیم بھنا ہوا بچھڑا اُن کے پاس لائے کہا کیا تم نہیں کھاتے یعنی جب اُنہوں نے اُس پر ہاتھ نہ بڑھایا جیسا کہ سورہ ہود میں

فقربہ الیہم قال الا تاکلون فاوجس منہم خیفہ (سورۂ ذاریات) ✦

ك سجیل کے معنی کنکر کے بھی ہو سکتے ہیں یعنی مٹی کے جو آگ میں پک کر پتھر کی مانند ہو جاوے اور آتشیں پہاڑوں سے اس طرح اچھل کر اوپر سے گرنا ٹھیک مطابق ہوتا ہے مگر لفظ مسومۃ کے سبب سے وہی معنی مناسب ہیں جو ہم نے اختیار کئے ہیں ✦

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْ اَرٰىکُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۵﴾	اور (بھیجا ہم نے) مدین کے لوگوں کے پاس اُن کے بھائی شعیب کو شعیب نے کہا کہ اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی تمہارے لئے کوئی معبود اُس کے سوا نہیں ہے اور مت کم بھرو پیمانوں کو اور مت کم تولو ترازو سے بیشک میں تم کو دیکھتا ہوں آسودہ اور بیشک میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک دن گھیر لینے والے سے ﴿۸۵﴾

مذکور ہے تو حضرت ابراہیم نے کہا کہ کیا تم نہیں کھاتے۔ پھر حضرت ابراہیم کے دل میں اُن سے خوف پیدا ہوا۔ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم کے اس کہنے کے بعد لا تاکلون اُن لوگوں نے کھایا ہو اس لئے کہ کھانے کی نفی اس سے نہیں پائی جاتی +

سورۃ الحجر میں اس واقعہ کو زیادہ اختصار سے بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب وہ تینوں

اذ دخلوا علیہ فقالوا سلاما۔ قال انا منکم وجلون۔ (سورۃ الحجر) — شخص ابراہیم پاس آئے تو انہوں نے کہا سلام حضرت ابراہیم نے کہا کہ ہم تم سے خوف کرتے ہیں +

پورا واقعہ یوں ہے کہ جب وہ تینوں شخص حضرت ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے کہا سلام حضرت ابراہیم نے بھی کہا سلام پھر حضرت ابراہیم بھنا ہوا بچھڑا اُن کے لئے کھانے کو لائے جب اُنہوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم کے دل میں خوف پیدا ہوا اُس پر حضرت ابراہیم نے کہا کہ کیا تم نہیں کھاتے اور یہ بھی کہا کہ ہم تم سے (نہ کھانے کے سبب) خوف کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم سے خوف نہ کرو ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے ہوئے ہیں اور تم کو بھی بشارت دیتے ہیں۔ پس ان تمام حالات سے نہ تو اُن تینوں شخصوں کا فرشتہ ہونا پایا جاتا ہے اور نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُنہوں نے کھانا نہیں کھایا بلکہ اس طرف قرینہ قیاس زیادہ ہے کہ ان اصراروں کے بعد اُنہوں نے کھانا کھایا ہوا اور خدا تعالےٰ نے جو اُن کو دو جگہ حنیف ابراھیم کرکے بیان کیا ہے یہ قرینہ قوی ہے کہ اُنہوں نے کھانا بھی کھایا اور حضرت ابراہیم کی ضیافت قبول کی +

پھر خدا نے فرمایا کہ اُس کی بیوی کھڑی تھی پھر ہنس پڑی پھر ہم نے اُس کو خوشخبری دی

وامرأتہ قائمۃ فضحکت فبشرناھا باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب۔ (سورۂ ھود) — اسحٰق کے پیدا ہونے کی اور اُس کے پیچھے یعنی اسحٰق سے یعقوب کے پیدا ہونے کی +

حضرت ابراہیم کی بیوی کے ہنسنے کی علت بیٹا ہونے کی بشارت تھی مگر چونکہ اُن کا ہنس پڑنا ایک مقدم امر اور زیادہ تر توجہ کے قابل تھا اس لئے معلول کو علت پر مقدم کر دیا ہے +

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور اے میری قوم پورا بھرو پیمانوں کو پورا تو ترازو میں انصاف سے اور کم مت دو لوگوں کو اُن کی چیزیں اور مت کام کرو زمین یعنی ملک میں فساد کرنیوالوں کے ﴿۸۶﴾

تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام الٰہی کی یہ ہے کہ اُس کی بیوی کھڑی تھی پھر ہم نے اُس کو بشارت دی اسحٰق کے پیدا ہونے کی اُس کی بیوی خوشی سے ہنسی بسبب اس خوشخبری کے پس ہنسنے کو مقدم کر دیا ہے اور معناً وہ مؤخر ہے ✦

ان ھذا علی التقدیم والتاخیر والتقدیر وامرأته قائمة فبشرناھا باسحٰق فضحکت سرورا بسبب تلک البشارة فقدم الضحک ومعناہ التاخیر۔ (تفسیر کبیر) ✦

ایک امر غور طلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے پہلے فرمایا کہ لقد جاءت رسلنا ابراھیم بالبشریٰ یعنی وہ رسل بشارت لیکر آئے تھے اور پھر فرمایا فبشرناھا باسحٰق یعنی ہم نے بشارت دی ابراہیم کی بیوی کو اسحٰق کے پیدا ہونے کی اس جگہ بشارت کو خاص اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اور سورۃ الحجر میں ضیف ابراہیم کا قول بیان کیا ہے کہ "انا نبشرک بغلام علیم" یعنی ضیف ابراہیم نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ ہم تجھ کو بشارت دیتے ہیں دانا لڑکے کے پیدا ہونے کی اور سورۃ الذاریات میں ہے " وبشروہ بغلام علیم " یعنی ضیف ابراہیم نے حضرت ابراہیم کو دانا لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دی ✦

اور اسی طرح سورہ ہود میں ہے "قالت یٰویلتیٰ ءالد وانا عجوز وھذا بعلی شیخا" یعنی ابراہیم کی بیوی نے کہا کہ "افسوس مجھ کو کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا خصم بڈھا ہے" ✦

اور سورۃ الذاریات میں ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کی بیوی حیرت میں ہو کر آگے بڑھی اور منہ پیٹ لیا اور کہا کہ بانجھ بڑھیا۔ یعنی کیا بانجھ بڑھیا بیٹا جنیگی ✦

فاقبلت امرأته فی صرة فصکت وجھھا وقالت عجوز عقیم۔ (سورۃ الذاریات) ✦

اور سورۃ الحجر میں ہے۔ کہ حضرت ابراہیم نے کہا کہ "کیا تم مجھ کو بشارت دیتے ہو باوجودیکہ مجھ پر بڑھاپا آگیا ہے پھر کس طرح تم مجھکو بشارت دیتے ہو ✦

قال ابشرتمونی علیٰ ان مسنی الکبر فبم تبشرون۔ (سورۃ الحجر)

مگر وہ تینوں شخص خدا کے بھیجے ہوئے تھے انہوں نے بذریعہ الہام یا وحی کے جو اُن پر خدا نے بھیجی تھی یہ بشارت دی تھی۔ قرآن مجید کا طرز بیان بہت جگہ اس طرح پر ہے کہ خدا تعالیٰ علۃ العلل ہونے کی وجہ سے بندوں کے کاموں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اس لئے سورہ ہود میں اُس

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾	اللہ کا بچایا ہوا بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو ﴿۸۶﴾ اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان ﴿۸۶﴾

بشارت کو اپنی طرف نسبت کیا ہے کہ ہم نے بشارت دی اور اور مقاموں پر اپنے رُسل کی طرف منسوب کیا ہے جن کے ذریعہ سے وہ بشارت دی گئی تھی مگر درحقیقت بشارت دینے والا خدا ہے +

یہ بشارت جو حضرت ابراہیم کے حضرت سارا سے بیٹا پیدا ہونے کی تھی دونوں کو معاً بشارت تھی یعنی ایک بشارت دونوں کے لئے تھی اور دونوں نے اُس کو سُنا تھا اور اس لئے کبھی اُس بشارت کو حضرت ابراہیم سے اور کبھی اُن کی بیوی سے منسوب کیا ہے جو ضمناً اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں کے لئے یکساں بشارت ہے اور اسی سبب سے کہیں حضرت سارا کا قول نقل کیا ہے کہ "ءالد وانا عجوز وھذا بعلی شیخا" اور کہیں حضرت ابراہیم کا قول نقل کیا ہے کہ "ابشرتمونی علی ان مسنی الکبر" اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بشارت سُن کر دونوں نے یہ بات کہی تھی +

اُن تینوں رسولوں نے جب حضرت سارا کا اس بشارت پر تعجب سُنا تو اُنہوں نے کہا "اتعجبین من امر اللہ" یعنی کیا تو تعجب کرتی ہے خدا کے حکم سے اور حضرت ابراہیم کا تعجب سن کر انہوں نے کہا کہ ہم نے تجھ کو خوشخبری دی ہے ٹھیک بس تو ناامید دل میں سے مت ہو حضرت ابراہیم نے کہا کہ کون شخص خدا کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے بجز گمراہوں کے +

بشرناك بالحق فلا تكن من القانطين قال ومن يقنط من رحمة ربه الا الضالون۔ (سورة الحجر)

یہ خیال کرنا کہ حضرت ابراہیم و حضرت سارا کی اولاد مافوق الفطرت ہوئی تھی اس پر قرآن مجید سے کوئی دلیل نہیں ہے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی نسبت لفظ شیخ آیا ہے اور لفظ شیخ ایسا نہیں ہے کہ اُس سے یہ سمجھا جاوے کہ حضرت ابراہیم اُس حصے جس میں موافق قانون قدرت کے اولاد ہوسکتی ہے گذر چکے تھے +

حضرت سارا کی نسبت لفظ عجوز آیا ہے عجوز کا لفظ اور شیخۃ کا لفظ دونوں مرادف ہیں بلکہ کبھی جوان عورت پر بھی اطلاق ہوتا ہے قاموس میں لکھا ہے والعجوز + + + المراۃ شابۃ کانت او شیخۃ اور یہی عجوز کا لفظ سورہ شعرا میں حضرت لوط کی بیوی کی نسبت آیا ہے پس اس لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت سارا ایسی حد پر پہنچ گئی تھیں جو موافق قانون قدرت کے اُن سے اولاد ہونی ناممکن ہو +

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾	اُن لوگوں نے کہا کہ اے شعیب کیا تیری نماز یعنی عبادت تجھ کو حکم کرتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا ۔ یا یہ کہ ہم کریں (یعنی کرنا چھوڑ دیں) اپنے مالوں میں جو ہم چاہیں ۔ ہاں تو بیشک بڑا بُردبار ہے اور بہت بڑا دانا ﴿۸۷﴾

دوسرا لفظ حضرت سارا کی نسبت عقیم یعنی بانجھ کا آیا ہے ۔ جن عورتوں کے ہاں ایک زمانہ تک جو بہ نسبت عام عادت کے زیادہ ہو اولاد نہیں ہوتی اُن پر عادۃً عقیم کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے اُس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ وہ اولاد جننے کے ناقابل ہوتی ہیں کیونکہ بعض عورتیں اب بھی ایسی موجود ہیں جن کے مدت تک اولاد نہیں ہوئی اور وہ عقیم تصور ہونے لگیں لیکن بڑی عمر میں جب کہ وہ شیخنہ ہوگئیں اُن کے اولاد ہوئی ایک شوہردار عورت کو میں جانتا ہوں کہ قریب چالیس برس کی عمر تک اس کے اولاد نہیں ہوئی بعد اس کے وہ حاملہ ہوئی اور بیٹی جنی بلاشبہ لوگوں کو اُس کے حاملہ ہونے اور بیٹی جننے پر تعجب ہوا تھا ✦

مسلمان مفسر جو بغیر غور کے یہودیوں کی روایتوں کی پیروی کرنے کے عادی ہو گئے اس لئے اُنہوں نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارا کی عمر اس قدر بڑی ہوگئی تھی کہ اُن سے اولاد کا ہونا ناممکن تھا اور اس لئے اُنہوں نے اس واقعہ کو بطور ایک معجزہ کے مافوق الفطرت قرار دیا ہے ✦

توریت میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کی ننانوے برس کی عمر تھی جب اُن کا ختنہ ہوا (کتاب پیدائش باب ۱۷ ورس ۲۴) اور ایک برس بعد وہ تین شخص بشارت دینے کو آئے تھے ۔ پس اُس وقت اُن کی عمر سو برس کی تھی ✦

اور سارا کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سال خوردہ ہوگئی تھیں اور عورتوں کی عادت بند ہوگئی تھی (کتاب پیدائش باب ۱۸ ورس ۱۱) ✦

غرض کہ عبری توریت کے حساب سے بشارت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو برس کی تھی اور حضرت سارا کی نوّے برس کی تھی ۔ مسلمانوں نے ان روایتوں کی پیروی کی اور حضرت اسحٰق کا پیدا ہونا مافوق الفطرت بطور معجزہ کے قرار دیا باوجودیکہ توریت ہی سے پایا جاتا ہے کہ اُس عمر میں بھی لوگوں کے بغیر کسی معجزہ تسلیم کئے اولاد ہوئی ہے چنانچہ توریت کے حساب کے موافق جب حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی برس کی تھی اور جب حضرت یعقوب کے حضرت یوسف پیدا ہوئے ہیں تو مطابق حساب توریت عبری کے حضرت یعقوب کی

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ (۹۰)	شعیب نے کہا اے میری قوم کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ اگر میں اپنے پروردگار سے کوئی دلیل رکھتا ہوں اور اُس نے مجھ کو روزی دی ہو اپنے پاس سے اچھی روزی اور نہ چاہوں میں کہ میں تمہاری مخالفت کروں جہاں تک کہ میں منع کرتا ہوں تم کو اُس سے میں نہیں چاہتا بجز اصلاح کرنے کے جتنی کہ میں کرسکوں اور مجھ کو توفیق نہیں ہے مگر اللہ سے اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں (۹۰)

عمر نوّے برس کی تھی اور جب بنیامین یوسف کے بھائی پیدا ہوئے ہیں تو حضرت یعقوب کی عمر ایک سو ایک برس کی تھی +

مسلمان مفسروں نے جو اس باب میں یہودیوں کی روایتوں کی پیروی کی ہے صریح غلطی کی ہے کیونکہ اُن زمانوں کی صحت پر جو توریت سے نکلتے ہیں نہایت شبہ ہے +

مثلاً عبری توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم سنہ ۲۰۰۸ دنیوی میں یعنی سنہ ۱۹۹۶ قبل مسیح کے پیدا ہوئے تھے اور یونانی توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۳۳۹۴ دنیوی میں پیدا ہوئے تھے اور سامری کی توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۲۳۰۹ دنیوی میں پیدا ہوئے تھے +

سارا موافق توریت عبری کے سنہ ۲۰۱۸ دنیوی میں پیدا ہوئی تھیں یعنی دس برس حضرت ابراہیم سے چھوٹی تھیں اور سنہ ۲۱۰۷ دنیوی میں بشارت ہوئی تھی جب حضرت ابراہیم ننانوے برس کے تھے اور حضرت سارا نواسی برس کی +

مگر جب کہ توریت کے نسخوں میں اس قدر اختلاف ہے تو جو زمانہ اُن سے نکلتا ہے بطور تخمینہ و اندازہ کے تصور ہوسکتا ہے نہ بطور ایسے یقین کے جس پر کوئی امر مافوق الفطرت بطور یقین کے مبنی ہوسکے +

علاوہ اس کے جو زمانے توریت سے تسلیم کئے گئے ہیں اُن میں بھی بڑی بڑی غلطیاں ہیں جسکو مفصل بیان کرنے کی اس تفسیر میں گنجائش نہیں ہے علاوہ اس کے ایک نہایت بڑی بحث یہ ہے کہ برس جو توریت میں بیان ہوئے ہیں اور جن پر اُس زمانہ کے لوگوں کی عمر کا حساب بتلایا ہے اُن کی مقدار کیا تھی کچھ شبہ نہیں ہے کہ مختلف زمانوں میں برس کی مقدار نہایت ہی مختلف رہی ہے اور اُسی مقدار سے جس زمانہ میں جس کی عمر جتنے برسوں کی گنی جاتی تھی وہی تعداد توریت میں اور نیز بعض جگہ قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے اور یہ امر نہایت غور اور تحقیقات در بیان کا محتاج ہے

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ (۹۱)	اور اے میری قوم میری مخالفت تم کو اس بات کی باعث نہ ہو کہ تم کو پہنچے مثل اس کے جو پہنچا ہے نوح کی قوم کو یا ہود کی قوم کو یا صالح کی قوم کو اور قوم لوط کی تم سے کچھ دُور نہیں ہے (۹۱)

کیا عجب ہے کہ اگر خدا نے مدد کی اور توفیق دی تو اسی تفسیر کی کسی مناسب مقام میں یا ایک جداگانہ رسالہ میں ہم اُس کو بیان کرینگے اس مقام پر صرف اس قدر بیان کرنا کافی ہے کہ ہرگاہ قرآن مجید سے حضرت ابراہیم اور حضرت سارا کی وہ حالت جس میں مطابق قانون قدرت کے اولاد کا ہونا ناممکن ہو ثابت نہیں ہے تو صرف یہودیوں کی روایتوں یا توریت کی استدلال پر اس کو ایک واقعہ مافوق الفطرت یقین کرنا صحیح نہیں ہے +

(یجادلنا) یعنی جب حضرت ابراہیم کا ڈر جاتا رہا اور اُن کو خوشخبری مل گئی اور اُن کو حضرت لوط کی قوم پر عذاب نازل ہونے کا حال معلوم ہوا تو اُنہوں نے اُس میں جھگڑنا شروع کیا +

اول یہ بحث ہے کہ حضرت ابراہیم کو قوم لوط پر عذاب نازل ہونا کس طرح معلوم ہوا۔ توریت باب ۱۸ ورس ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ میں لکھا ہے کہ خداوند گفت چوں فریاد سدوم و عمورہ زیادہ و گناہان ایشان بسیار سنگین است پس نزول آمدہ خواہم دید کہ آیا بالکلیہ مثل فریادے کہ بمن رسیدہ است عمل نمودہ اند و اگر چنین نباشد خواہم دانست و آں اشخاص توجہ نمودہ بسوے سدوم روانہ شدند ۔جس لفظ کا ترجمہ خداوند کیا گیا ہے وہ لفظ یہود یا جہود ہے جو خدا کا نام ہے پس توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم کو اس سے خبر دی تھی ۔مگر قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہی تین شخصوں نے جو بھیجے گئے تھے خبر دی تھی +

قال فما خطبکم ایہا المرسلون قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین (سورۃ الحجر) + سورۃ حجر میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے کہا پھر کیا ہے تمہارا کام اے بھیجے ہوؤ اُنہوں نے کہا کہ ہم بھیجے گئے ہیں گنہگار قوم کی طرف +

اور سورۃ الذاریات میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کہا پھر تمہارا کیا کام ہے اے

قال فما خطبکم ایہا المرسلون قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین لنرسل علیہم حجارۃ من طین مسومۃ عند ربک للمسرفین۔ (سورۃ الذاریات) + بھیجے ہوؤ اُنہوں نے کہا کہ ہم بھیجے گئے ہیں گنہگار قوم کی طرف تاکہ ہم ڈالیں اُن پر پتھر مٹی سے نشان کئے گئے ہیں تیرے پروردگار کے نزدیک حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے +

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۲﴾	اور بخشش چاہو اپنے پروردگار سے پھر توبہ کرو اُس کی طرف بیشک میرا پروردگار مہربان ہے اور دوست ﴿۹۲﴾

دوسری اس پر یہ بحث ہے کہ حضرت ابراہیم نے کس سے بحث شروع کی اس آیت میں "نا" کی ضمیر خدا کی طرف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا سے بحث یعنے التجا شروع کی۔ توریت باب ۱۸ ورس ۲۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحث خدا ہی سے ہوئی تھی کیونکہ اُس میں لکھا ہے کہ اُن اشخاص کے سدوم کو چلے جانے کے بعد "درحالیکہ ابراہیم درحضور خداوند مے ایستاد پس ابراہیم تقرب جستہ گفت الخ"۔

مگر ہمارے علمائے مفسرین لکھتے ہیں کہ یجادلنا سے مراد ہے یجادل رسلنا سے لیکن قرآن مجید میں جو بحث لکھی ہے وہ نہایت مختصر اور ایک امر کی نسبت ہے اور توریت میں جو لکھی ہے وہ نہایت لمبی ہے ممکن ہے کہ جو بات قرآن مجید میں ہے وہ اُن تین شخصوں سے ہوئی ہو، اور جس مجادلہ کا ذکر سورۂ ہود میں ہے اور یجادلنا کے لفظ سے بیان ہوا ہے وہ التجا خدا ہی سے ہو۔

سورۂ ہود میں تو مجادلہ کا کچھ بیان نہیں ہے اور سورۂ الحجر میں صرف اس قدر ہے کہ اُن

قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین الا آل لوط انا لمنجوهم اجمعین الا امراته قدرنا انها لمن الغابرین (سورۂ ہود)	تین شخصوں نے کہا کہ ہم بھیجے گئے ہیں گنہگار قوم کی طرف۔ بجز آل لوط کے یعنی کہ وہ گنہگار قوم میں نہیں ہیں۔ ہم بیشک اُن سب کو بچانے والے ہیں بجز اُس کی جورو کے۔ ہم نے

ٹھہرا دیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہے۔

اور سورۂ عنکبوت میں ہے کہ اُن تین شخصوں نے جو حضرت ابراہیم کے پاس آئے تھے

قالوا انا مهلکوا اهل هذه القریة ان اهلها کانوا ظالمین قال ان فیها لوطا قالوا نحن اعلم بمن فیها لننجینه واهله الا امراته کانت من الغابرین۔ (سورۂ عنکبوت)	کہا کہ ہم بیشک اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اُس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ اُس میں تو لوط بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں اُس کو جو اُس میں ہے البتہ بچا دینگے

ہم اُس کو اور اُس کے لوگوں کو بجز اُس کی جورو کے کہ وہ ہے پیچھے رہنے والوں میں سے۔

اور سورۃ الذاریات میں ہے کہ اُن تین شخصوں نے کہا کہ ہم بھیجے گئے ہیں گنہگار قوم کی

قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین لنرسل علیهم حجارة من طین مسومة عند ربک للمسرفین فاخرجنا من کان فیها من المومنین فما وجدنا فیها غیر بیت من المسلمین وترکنا فیها آیة للذین	کی طرف تاکہ ہم ڈالیں اُن پر پتھر مٹی سے نشان کئے گئے تیرے پروردگار کے نزدیک حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے۔ پھر ہم نے اُس کو نکال لیا جو اس میں ایمان والوں میں سے

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۳﴾

انہوں نے کہا اے شعیب ہم نہیں سمجھتے بہت کچھ اس میں سے جو تو کہتا ہے اور بیشک ہم تجھ کو دیکھتے ہیں اپنے میں ضعیف اور اگر نہ ہوتا تیرا کنبہ تو بیشک ہم پتھر مار کر تجھ کو مار ڈالتے اور تو ہمارے نزدیک عزیز نہیں ہے ﴿۹۳﴾

یخافون العذاب الالیم - (سورۂ الذاریٰت) پھر ہم نے اس میں نہیں پایا سوائے ایک گھر کے مسلمانوں میں سے - اور ہم نے اس میں ایک نشانی چھوڑ دی ان لوگوں کے لئے جو دکھ دینے والے عذاب سے ڈرتے ہیں +

ان آیتوں میں تو حضرت ابراہیم کا صرف حضرت لوط کی نسبت سوال کرنا معلوم ہوتا ہے مگر ان آیتوں میں جو ایک مشکل ہے وہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں جو الفاظ - انا لمنجوھم - یعنی بیشک ہم ان سب کو بچانے والے ہیں - انا مھلکو اھل ھذہ القریۃ - یعنی ہم بیشک اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں - لنرسل علیھم حجارۃ - یعنی تاکہ ہم ڈالیں ان پر پتھر - فاخرجنا - پھر ہم نے لوط کو نکال لیا - فما وجدنا فیھا - یعنی ہم نے بجز ایک گھر مسلمان کے اور نہ پایا - وترکنا فیھا - اور چھوڑی ہم نے اس میں نشانی اور مثل اس کے اور چند الفاظ ہیں کہ اس پر مقتدرانہ کہنا نہ رسولوں کے اختیار میں ہے نہ فرشتوں کے بلکہ یہ مقتدرانہ کام صرف خدا کی قدرت میں ہیں نہ کسی بندے کے خواہ رسول ہوں یا انسان یا فرشتے +

اس کی نسبت تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ ان تمام مقتدرانہ کاموں کو جو ان تین شخصوں نے اپنی طرف نسبت کیا ہے جو خدا کے کام ہیں اس لئے کیا ہے کہ خدا سے ان کو تقرب و خصوصیت حاصل تھی + اسنادھما ایاہ الی انفسھم وھو فعل اللہ تعالیٰ لما لھم من القرب والاختصاص بہ - (تفسیر بیضاوی) +

مگر میں اس توجیہ کو تسلیم نہیں کرتا کوئی بندہ ایسے مقتدرانہ کام اپنی نسبت منسوب نہیں کر سکتا اس قصہ کو خدا نے حکایۃً بیان کیا ہے جس میں ان تین شخصوں کے اقوال اور خدا کے مقتدرانہ افعال دونوں شامل بیان ہوئے ہیں پس تمام وہ ضمیریں اور مقتدرانہ الفاظ خدا کی طرف منسوب ہیں نہ ان تین شخصوں کی طرف +

اس کا ثبوت خود قرآن مجید کی ایک آیت سے ہوتا ہے جس میں بلا ذکر ان تین شخصوں کے ان مقتدرانہ امور کو خدا نے خاص اپنی طرف منسوب کیا ہے - سورۂ قمر میں خدا نے فرمایا ہے - کذبت قوم لوط بالنذر انا ارسلنا علیھم حاصبا الا آل لوط نجیناھم بسحر نعمۃ من عندنا کذلک نجزی من شکر ولقد انذرھم بطشتنا فتماروا بالنذر ولقد راودوہ عن ضیفہ فطمسنا اعینھم فذوقوا عذابی ونذر ولقد صبحھم بکرۃ عذاب مستقر فذوقوا عذابی ونذر - (سورۂ قمر) یعنی جھٹلایا لوط کی قوم نے ڈرانے والوں کو بیشک ہم نے پہنچائی ان پر پتھروں کی بوچھاڑ بجز لوط کے لوگوں کے ہم نے

شعیب نے کہا کہ اے میری قوم کیا میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ عزیز ہے اور تم نے اُس کو ڈال رکھا ہے اپنی پیٹھ کے پیچھے۔ بیشک میرا پروردگار اُس کو جو تم کرتے ہو احاطہ کرنے والا ہے (۹۲)	قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (۹۲)

اُن کو بچایا صبح کے وقت اپنے پاس سے انعام کرکے اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں اُس کو جو شکر کرتا ہے اور بیشک اُن کو ڈرایا تھا ہمارے عذاب سے پھر اُنھوں نے تکرار کی ڈرانے والوں سے اور بیشک اُنھوں نے دند مچائی اُس کے یعنی لوط کے مہمانوں سے پھر بیکار کردیں ہم نے اُن کی آنکھیں پھر و چکھیں میرا عذاب اور میرے ڈرانے والوں کا اور بے شبہ گھیر لیا اُن کو بہت سویرے جگہ پر قایم رہنے والے عذاب نے پھر چکھیں میرا عذاب اور میرے ڈرانے والوں کا +

توریت میں ایک اور مجادلہ کا یعنی التجا کا ذکر لکھا ہے جو ابراہیم نے خدا سے کی تھی اور سورہ ہود میں جو مجادلنا فی قوم لوط آیا ہے اور وہ مجادلہ بیان نہیں کیا کیا عجب ہے کہ اُس سے وہی مجادلہ یا التجا مراد ہو جس کا ذکر توریت میں ہے مفسرین بھی اُس لفظ سے یہی مجادلہ یعنی التجا سمجھتے ہیں چنانچہ ہم فارسی ترجمہ توریت کا اس مقام پر نقل کرتے ہیں +

"داں اشخاص از انجا توجہ نمودہ بسوے سدوم رواں شدند درحالیکہ ابراہیم در حضور خداوند مے ایستاد پس ابراہیم تقرب جستہ گفت کہ آیا حقیقۃً صالح را با طالح ہلاک خواہی ساخت احتمال دارد کہ در اندرون شہر پنجاہ نفر صالح باشند آیا میشود کہ آں مکان را ہلاک سازی و بسبب آں پنجاہ نفر صالحے کہ در اندرونش مے باشند نجات ندہی حاشا از تو کہ مثل اینچنیں کارے کنی و صالحاں را با طالحاں ہلاک سازی و صالح با طالح مساوی باشد حاشا از تو آیا میشود کہ حاکم تمامی زمین عدالت نکند پس خداوند گفت اگر درمیان شہر سدوم پنجاہ نفر صالح پیدا کنم تمامی اہل آں مکان را بسبب ایشاں نجات خواہم داد و ابراہیم در جواب گفت اینک حال کہ خاک و خاکستر ہستم آغاز تکلم نمودن با آقایم مے نمایم بلکہ از پنجاہ نفر صالح پنج نفر کمی نمایند آیا میشود کہ تمامی اہل شہر را بسبب آں پنج نفر ہلاک سازی پس گفت اگر در انجا چہل و پنج نفر یابم ہلاک نخواہم کرد و بار دیگر با او متکلم شدہ گفت بلکہ در انجا چہل نفر یافتہ شود پس او گفت کہ بسبب چہل نفر آں عمل نخواہم نمود و او گفت تمنا اینکہ آقایم غضبناک نشود کہ تکلم نمایم بلکہ در انجا سی نفر یافتہ شوند او گفت اگر در انجا سی نفر پیدا کنم آں عمل نخواہم نمود دیگر گفت اینک حال آغاز تکلم با آقایم نمودہ ام بلکہ در انجا بست نفر یافتہ شود او گفت کہ بسبب بست نفر ہلاک آں نخواہم کرد و دیگر گفت تمنا اینکہ آقایم غضبناک نشود تا آنکہ یکبار دیگر تکلم نمایم بلکہ در انجا دہ نفر پیدا شود او گفت کہ بسبب دہ نفر ہلاک شاں نخواہم کرد و خداوند ہنگامے کہ کلام را با ابراہیم انجام رسانید

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾	اور اے میری قوم تم عمل کرو اپنی جگہ پر اور بیشک میں عمل کرنے والا ہوں بہت جلد تم جان جاؤ گے ﴿۹۵﴾

بود سوا نہ شدہ ابراہیم بمکانش رجعت نمود۔ کتاب پیدائش باب ۱۳ ورس ۲۲ لغایت ۳۴ ✦

(۷۹) ولما جاءت رسلنا لوطا۔ اب یہاں سے حضرت لوط کا قصہ شروع ہوا اگر یہاں اس قصے کے اخیر کا بیان ہے شروع قصہ اور سورتوں میں بیان ہوا ہے۔ توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط جب مصر سے واپس آئے تو علٰحدہ علٰحدہ ہو گئے حضرت ابراہیم کنعان میں رہے اور حضرت لوط اردن کے میدان میں جو نہایت سرسبز و شاداب و زرخیز خطہ تھا اور جہاں سدوم و عموراہ و ادماہ و زبوئیم کی بستیاں تھیں چلے گئے ✦

اُس زمانہ میں اُن تمام ملکوں میں طوائف الملوکی تھی اور آپس میں لڑائیاں ہوتی تھیں ایک لڑائی میں حضرت لوط قید ہو گئے حضرت ابراہیم نے فوج جمع کر کے پانچ بادشاہوں سے مقابلہ کیا اور حضرت لوط کو اور سدوم والوں کو چھڑایا یہ واقعہ عبری توریت کے حساب سے ۲۰۹۲ سنہ دنیوی میں یا ۱۹۱۲ سنہ قبل مسیح کے ہوا تھا ✦

غرض کہ حضرت لوط سدوم میں رہتے تھے جہاں کے لوگ نہایت بدکار تھے حضرت لوط نے اُن سے کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں میری اطاعت کرو اور جو بد باتیں اُن میں تھیں اُن کے چھوڑنے کی نصیحت کی ✦

سورہ شعرا میں خدا فرماتا ہے کہ۔ جھٹلایا لوط کی قوم نے رسولوں کو جب کہ اُن سے کہا

| كذبت قوم لوط المرسلين اذ قال لهم اخوهم لوط الا تتقون انی لکم رسول امین فاتقوا الله واطیعون وما اسئلکم علیه من اجران اجری الا علی رب العلمین۔ اتاتون الذکران من العلمین وتذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عادون قالوا لئن لم تنته یا لوط لتکونن من المخرجین قال انی لعملکم من القالین رب نجنی واهلی مما یعملون فنجینه واهله اجمعین الا عجوزا فی الغابرین ثم دمرنا الاخرین وامطرنا علیهم مطرا فساء مطر المنذرین۔ (۲۶۔ الشعرا۔ ۱۶۰ لغایت ۱۷۳) ✦ | اُن کے بھائی لوط نے کہ کیا تم نہیں ڈرتے بیشک میں تمہارے لئے رسول ہوں سالت مجھے سپرد ہے پھر ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اُس پر کچھ بدلا نہیں مانگتا میرا بدلا دینا کسی پر نہیں ہے بجز عالموں کے پروردگار پر کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو جو دنیا میں ہیں اور چھوڑتے ہو اُس کو جسے پیدا کیا ہے تمہارے لئے تمہارے پروردگار نے تمہاری جوروں میں سے بلکہ تم ایک قوم ہو حد سے بڑھ جانے والی اُنہوں نے کہا کہ اے لوط اگر تو بس نہ کریگا تو بیشک نکالے گیوں میں سے ہوگا۔ لوط نے کہا کہ بیشک میں تمہارے کام کے دشمنوں میں سے ہوں۔ اے پروردگار |

مجھ کو اور میرے لوگوں کو اُس کام سے جو وہ کرتے ہیں (یعنی اُس کے وبال سے) نجات دے۔

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ (۹۳)	کہ کس کے پاس عذاب آویگا کہ اُس کو رسوا کریگا اور وہ کون ہے جھوٹا - انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (۹۳)

پھر نجات دی ہم نے اُس کو اور اُس کے لوگوں کو بجز ایک ادھیڑ عورت یعنی لوط کی بیوی کے جو پیچھے رہجانے والوں میں سے تھی - پھر ہلاک کر دیا ہم نے اَوروں کو اور برسایا ہم نے اُن پر مینہ ایک قسم کا پھر ڈرائے گیوں پر مینہ بُرا ہے +

اسی طرح سورہ نمل میں خدا نے فرمایا ہے کہ ہم نے لوط کو بھیجا جب اُس نے اپنی قوم سے

ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة وانتم تبصرون ء انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم تجهلون فما كان جواب قومه الا ان قالوا اخرجوا ال لوط من قريتكم انهم اناس يتطهرون - فانجيناه واهله الا امراته قدرناها من الغابرين وامطرنا عليهم مطرا فساء مطر المنذرين -

(۲۷ - نمل - ۵۵ لغایت ۵۸) +

کہا کہ تم بیحیائی کا کام کرتے ہو اور تم دیکھتے ہو کیا تم بُری خواہش سے عورتوں کے سوا مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم جاہل قوم ہو پھر کچھ نہ تھا اُس کی قوم کا جواب بجز اس کے کہ انھوں نے کہا کہ لوط کے لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں پھر بچا دیا ہم نے اُس کو اور اُس کے لوگوں کو بجز اُس کی جورو کے ہم نے اُس کے لئے ٹھیرا دیا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے اور برسایا ہم نے اُن پر ایک قسم کا مینہ پھر ڈرائے گیوں پر کا مینہ بُرا ہے +

اور سورہ اعراف میں ہے - اور بھیجا ہم نے لوط کو جس وقت کہ اُس نے کہا اپنی قوم کو کیا

ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العالمين - انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون - وما كان جواب قومه الا ان قالوا اخرجوهم من قريتكم انهم اناس يتطهرون فانجيناه واهله الا امراته كانت من الغابرين وامطرنا عليهم مطرا فانظر كيف كان عاقبة المجرمين -

(۷ - الاعراف - ۷۸ - لغایت ۸۲) +

تم فحش کام کرتے ہو کہ اُس کو تم سے پہلے کسی ایک نے بھی جہان کے لوگوں سے نہیں کیا - بیشک تم مردوں کے پاس آتے ہو شہوت رانی کو عورتوں کے سوا اُن تم ایک قوم ہو حد سے گذری ہوئی اور نہ تھا اُن لوگوں کا جواب بجز اس کے کہ انھوں نے کہا نکال دو اُن کو اپنی بستی سے بیشک وہ آدمی ہیں اپنے تئیں پاک بنانے والے - پھر نجات دی ہم نے اُس کو اور اُس کے لوگوں کو بجز اُس کی عورت کے کہ وہ تھی پیچھے رہنے والوں میں - اور برسایا ہم نے اُن پر برسانا پھر دیکھ کیا ہوا انجام گنہگاروں کا +

اسی طرح سورہ عنکبوت میں خدا نے فرمایا ہے کہ بھیجا ہم نے لوط کو جب کہ اُس نے اپنی قوم

ولوطا اذ قال لقومه انكم لتاتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العالمين ء انكم لتاتون الرجال وتقطعون السبيل وتاتون في

سے کہا کہ البتہ تم بیحیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دنیا کے لوگوں میں سے نہیں کیا - کیا یہ ٹھیک بات ہے

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

اور جب آیا ہمارا حکم بچا لیا ہم نے شعیبؑ کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے اور پکڑ لیا اُن لوگوں کو جو ظلم کرتے تھے سبب آواز نے پھر انہوں نے صبح کی اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے ﴿۹۴﴾

ناديكم المنكر فما كان جواب قومه الا ان قالوا ائتنا بعذاب الله ان كنت من الصادقين قال رب انصرني على القوم المفسدين - (سورة عنكبوت) +

کہ تم مردوں کے پاس آتے ہو اور رستہ لوٹتے ہو اور اپنی مجلسوں میں بُرے کام کرتے ہو۔ پھر اُس کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے خدا کا عذاب لا اگر تو سچا ہے لوط نے کہا اے پروردگار میری مدد کر ظالم قوم پر +

غرض کہ حضرت لوط اُن کو بُری باتوں کے چھوڑنے کی نصیحت کرتے تھے اس عرصہ میں یہ تینوں رسول جو حضرت ابراہیم کے پاس آئے تھے وہاں پہنچے حضرت لوط اُن کے آنے سے کبیدہ خاطر اور اُن کے سبب سے دل تنگ ہوئے اور کہا کہ آج کا دن نہایت سخت ہے +

یہی مضمون سورہ عنکبوت میں ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ جب آئے ہمارے رسول لوط

ولما ان جاءت رسلنا لوطا سيء بهم وضاق بهم ذرعا وقالوا لا تخف ولا تحزن انا منجوك واهلك الا امرأتك كانت من الغابرين - انا منزلون على اهل هذه القرية رجزا من السماء بما كانوا يفسقون ولقد تركنا منها آية بينة لقوم يعقلون (عنكبوت) +

کے پاس تو اُن کے آنے سے کبیدہ خاطر اور اُن کے سبب دل تنگ ہوا انہوں نے کہا کہ مت ڈرو اور غمگین مت ہو بیشک ہم تجھ کو اور تیرے لوگوں کو بچا دینگے بجز تیری جورو کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے اور ہم اُتارنے والے ہیں اس بستی کے لوگوں پر عذاب آسمان سے اس لئے کہ وہ بدکاری کرتے ہیں اور بیشک ہم نے چھوڑا اُس بستی کا نشان ظاہر واسطے اُن لوگوں کے جو سمجھتے ہیں +

یہی مضمون سورہ حجر میں ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ جب لوط کے لوگوں کے پاس

فلما جاء ال لوط المرسلون قال انكم قوم منكرون قالوا بل جئناك بما كانوا فيه يمترون واتيناك بالحق وانا لصادقون - (سورة الحجر) +

وہ رسول آئے تو کہا تم انجان لوگ ہو انہوں نے کہا کہ ہاں ہم تیرے پاس وہ لائے ہیں جس میں وہ شبہ کرتے تھے اور ہم تیرے پاس سچائی سے آئے ہیں اور بیشک ہم سچے ہیں +

اُن تینوں شخصوں یا رسولوں کے آنے کی خبر پا کر حضرت لوط کی قوم کے لوگ دوڑتے یعنی حضرت لوط کا مکان گھیر لیا +

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (۹۵)	گویا کہ اُس میں بسے ہی نہ تھے۔ ان دُوری ہو (خدا کی رحمت سے) مدین کو جس طرح دوری ہوئی ثمود کو (۹۰)

یہی مضمون مگر اس سے کسی قدر زیادہ تفصیل کے ساتھ سورہ حجر میں آیا ہے جہاں خدا نے فرمایا

وجاء اهل المدينة يستبشرون قال ان هؤلاء ضيفي فلا تفضحون واتقوا الله ولا تخزون قالوا اولم ننهك عن العالمين ـ قال هؤلاء بناتي ان كنتم فاعلين ـ لعمرك انهم لفي سكرتهم يعمهون ـ فاخذتهم الصيحة مشرقين فجعلنا عاليها سافلها وامطرنا عليهم حجارة من سجيل ان في ذلك لايات للمتوسمين ـ (سورۃ الحجر) ✦

ہے کہ اُس شہر کے لوگ خوشی کرتے ہوئے آئے (یعنی لوط کے گھر پر اُس کا گھر گھیر کر جو لوگ اُس کے گھر میں آئے تھے اُن کے گرفتار کر لینے کے لئے) حضرت لوط نے کہا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں پھر اُن کو فضیحت مت کرو اور خدا سے ڈرو اور مجھ کو ذلیل مت کرو۔ اُن لوگوں نے کہا کہ کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا تھا دنیا کے لوگوں سے (یعنی دوسرے ملک کے لوگوں سے ملنے اور بلانے اور اپنے ہاں رکھنے سے) لوط نے کہا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (یعنی اگر تم میرے مہمانوں کو پکڑنا چاہتے ہو) قسم ہے تیری زندگی کی کہ بیشک وہ اپنی گمراہی میں اندھے ہو رہے تھے۔ پھر جا لیا اُن کو ہولناک آواز نے سورج نکلتے ہوئے۔ پھر ہم نے اُس شہر کی بلندی کو نیچا ن میں ڈال دیا اور ہم نے اُن پر آگ میں پکے ہوئے مقدر کئے ہوئے پتھر برسائے۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں عبرت پکڑنے والوں کو ✦

اور سورہ قمر میں فرمایا ہے کہ جھٹلایا لوط کی قوم نے ڈرانے والوں کو بیشک ہم نے

كذبت قوم لوط بالنذر انا ارسلنا عليهم حاصبا الا ال لوط نجيناهم بسحر نعمة من عندنا كذالك نجزي من شكر ولقد انذرهم بطشتنا فتماروا بالنذر ـ ولقد راودوه عن ضيفه فطمسنا اعينهم فذوقوا عذابي ونذر ـ (۵۴ ـ القمر ۳۳ لغایت ۳۹)

بھیجی اُن پر پتھروں کی بوچھاڑ بجز لوط کے لوگوں کے ہم نے اُن کو بچایا صبح کے وقت اپنے پاس سے انعام کر کے اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں اُس کو جو شکر کرتا ہے اور بیشک اُن کو ڈرایا تھا ہمارے عذاب سے پھر انہوں نے تکرار کی ڈرانے والوں سے اور بیشک انہوں نے دندمچائی اُس کے یعنی لوط کے مہمانوں سے پھر بیکار کر دیں ہم نے اُن کی آنکھیں پھر وہ چکھیں میرے عذاب اور میرے ڈرانے والوں کا اور بے شبہ گھیر لیا اُن کو بہت سویرے جگہ پر قائم رہنے والے عذاب نے پھر چکھیں میرا عذاب اور میرے ڈرانے والوں کا ✦

سورہ ہود کی اور اُن سورتوں کی جن کا ہم نے ذکر کیا تمام آیتوں پر غور کرنے کے بعد تین امور بحث طلب معلوم ہوتے ہیں ✦

اول سدوم والوں نے کیوں حضرت لوط کا گھر گھیرا اور مہمانوں کو پکڑنا چاہا ✦

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ (۹۹)	اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور کھلی ہوئی دلیلوں کے ساتھ فرعون کے اور اس کے درباریوں کے پاس پھر انہوں نے (یعنی درباریوں نے) فرعون کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا حکم اچھا نہ تھا (۹۹)

دوم - ھولاء بناتی ان کنتم فاعلین سے کیا مطلب ہے ◆

سوم - جو عذاب نازل ہوا وہ کیا تھا اور کیونکر تھا اور سورہ قمر میں جو فطمسنا اعینہم ہے اس کا کیا مطلب ہے ◆

امر اول کی نسبت علمائے مفسرین کا یہ خیال ہے کہ وہ رسول جن کو انہوں نے فرشتہ قرار دیا ہے نہایت خوبصورت امرد بنکر آئے تھے اور جب وہ حضرت لوط کے گھر میں آئے تو ان کی بیوی نے لوگوں سے جا کر کہدیا کہ ہمارے گھر میں ایسے خوبصورت لوگ آئے ہیں کہ ان سے زیادہ خوبصورت دیکھنے میں نہیں آئے ان سے زیادہ اچھے کپڑے پہنے کوئی نہیں ہے اور نہ زیادہ خوشبو والا ہے - یہ سن کر لوط کی قوم ان پر دوڑ پڑی اور خدا کے اس کلام سے کہ وہ بدکاری کیا کرتے تھے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا دوڑ پڑنا بدکاری کے لئے تھا ◆

انہم کانوا شبابا مردا حسان الوجوہ فخاف ان یقصدھم قومہ علیہ بسبب طلبہم (تفسیر کبیر سورۃ الحجر) ◆

فلما دخلت الملائکۃ دار لوط علیہ السلام مضت امرأتہ عجوز السوء فقالت لقومہ دخل دارنا قوم ما رایت احسن وجوھا ولا انظف ثیابا ولا اطیب رائحۃ منہم فجاء قومہ یہرعون الیہ ای یسرعون وبین تعالیٰ ان اسراعہم ربما کان بطلب الخبیث بقولہ ومن قبل کانوا یعملون السیئات۔
(تفسیر کبیر سورۃ ھود)

مگر میرے نزدیک یہ تفسیر صحیح نہیں ہے اور نہ اس تفسیر کی بنیاد کسی معتبر روایت پر ہے بلکہ صرف بیہودہ روایت پر مبنی ہے - خدا کے اس کلام پر کہ "ومن قبل یعملون السیئات" وہی ایک عمل خاص مراد لینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ بہت سے اور بھی گناہ کرتے تھے لوٹ مار کرتے تھے اپنی مجلسوں میں خراب کام کرتے تھے جیسا کہ سورہ عنکبوت میں بیان ہوا ہے پس "ومن قبل یعملون السیئات" کے عام معنی ہو سکتے ہیں کہ حضرت لوط کا گھر گھیر لینا اور شورہ پشتی کرنا ان سے کوئی عجیب بات نہیں تھی کیونکہ وہ پہلے ہی شریر و بدذات و برے کام کرنے والے تھے ◆

اس باب میں ہم کو قیاسات و ظنیات پر گھر گھیر لینے کا سبب بیان کرنا ضرور نہیں ہے کیونکہ خود قرآن مجید میں اس کی تصریح موجود ہے سورۃ الحجر میں خدا نے فرمایا ہے کہ جب اس شہر کے لوگ خوشی خوشی دوڑے آئے تو لوط نے

وجاء اھل المدینۃ یستبشرون قال ان ھؤلاء ضیفی فلا تفضحون واتقوا اللہ ولا تخزون قالوا اولم ننہک عن العالمین۔
(سورۃ الحجر) ◆

یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (۱۰۰)	آگے چلیگا فرعون اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر لاویگا اُن کو آگ میں۔ بُری جگہ اُن کو لاکر ڈالا گیا (۱۰۰)

کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں ان کو فضیحت مت کرو تو شہر کے لوگوں نے کہا کہ کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا تھا دنیا کے لوگوں سے ✦

جس زمانہ میں حضرت لوط سدوم میں جاکر رہے ہیں اُس زمانہ میں طوائف الملوکی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کا حاکم یا بادشاہ جدا جدا تھا سدوم کی بھی ایک چھوٹی سی سلطنت جدا تھی صاف صاف قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت لوط وہاں جاکر رہے تو وہاں کے لوگوں نے منع کر دیا تھا کہ تم اور لوگوں سے راہ ورسم و آمیزش نہ رکھنا پس جب کہ یہ اجنبی شخص حضرت لوط کے گھر میں آئے اُن لوگوں نے آکر گھر گھیر لیا کہ یہ اجنبی شخص کون ہیں اور اُن کا گرفتار کر لینا چاہا حضرت لوط نے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں ان کو مت پکڑو۔ مفسرین کی عادت یہودیوں کی تقلید کرنے کی ہو گئی ہے انہوں نے قرآن مجید کے الفاظ اولم ننہک عن العالمین پر خیال نہیں کیا اور جو کچھ یہودیوں کی روایتوں میں تھا اُسی کو قرآن مجید کی تفسیر میں لکھ دیا ✦

دوسرے امر کو بھی مفسرین نے اپنے خیال کے موید سمجھا ہے وہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت لوط نے کہا کہ جس بدخیال سے تم میرے مہمانوں کو لینا چاہتے ہو اُن کے بدلے میں میری بیٹیاں لے لو اور جو کرنا چاہتے ہو اُن کے ساتھ کرو۔ پھر مفسرین کو اس تفسیر کے قرار دینے کے بعد مشکل پیش آئی بعضوں نے کہا کہ بناتی سے مراد حضرت لوط کی اصلی بیٹیاں ہیں اُس پر یہ مشکل پیش ہوئی کہ وہ کیونکر اُن کو ایسا کام کرنے کے لئے دیتے تھے اُس پر یہ قرار دیا کہ مطلب یہ تھا کہ بعد نکاح کے اُن کے ساتھ جو چاہو کرو۔ بعضوں نے کہا کہ بناتی سے لوط کی امت کی بیٹیاں مراد ہیں کیونکہ پیغمبر بمنزلہ باپ کے ہے اور اُس کی امت کی عورتیں بمنزلہ اُس کی بیٹیوں کے ہیں ✦

مگر یہ تفسیر محض غلط ہے جس کی بنا توریت کی متزلزل روایتوں پر مبنی ہے حالانکہ خود توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں غلطی ہے۔ غالباً یہ بات صحیح ہے کہ حضرت لوط کی دو بیٹیاں تھیں توریت میں بھی مذکور ہے کہ حضرت لوط نے اُن لوگوں سے جنہوں نے گھر گھیر لیا تھا یہ کہا کہ۔ حال اینک مرا دو دختر ہست کہ مردے را ندانستہ اند تمنا اینکہ ایشاں را بشما بیروں آورم و با ایشاں آنچہ در نظر شما پسند است بکنید (کتاب پیدائش باب ۱۹ ورس ۸) ✦

حالانکہ توریت ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط کی بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی اور اُن کے شوہر موجود تھے چنانچہ توریت میں اسی قصہ کے بیان میں لکھا ہے کہ۔ پس لوط بیروں

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ (۱۰۱)	اُن کے پیچھے لگائی گئی لعنت اس دنیا میں اور قیامت کے دن ہیں بُرے عطیہ پر بُرا عطیہ دیا گیا یعنی لعنت پر لعنت (۱۰۱)

رفتہ و بے داماد نانش کہ دختران ش را بنکاح آوردہ بودند متکلم شدہ گفت (کتاب پیدائش باب ۱۹ ورس ۱۴) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن عورتوں کو حضرت لوط نے بیٹیاں کہا وہ اُن کی صلبی بیٹیاں نہ تھیں +

بنت اور بنوث کا لفظ عبری زبان میں عام عورتوں پر بولا جاتا ہے جیسا کہ کتاب امثال سلیمان باب ۳۱ ورس ۲۹ میں استعمال ہوا ہے۔ پس توریت میں جو لفظ بنوث اور قرآن مجید میں لفظ بناتی آیا ہے اُس سے ایسی عورتیں مراد ہیں جو حضرت لوط کے ہاں کسی تعلق سے موجود تھیں اور کیا عجب ہے کہ لونڈیاں ہوں کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط جب مصر سے واپس آئے ہیں تو متمول اور مالک مویشی و صاحب لونڈی و غلام کے تھے +

اس بات کی تردید کہ حضرت لوط نے اُن لوگوں سے جنہوں نے اُن کا گھر گھیر لیا تھا یہ کہا تھا کہ جس خیال سے تم میرے مہمانوں کو پکڑنا چاہتے ہو اُس کے بدلے میری بیٹیاں لیلو اور ان کے ساتھ جو چاہو سو کرو خود قرآن مجید سے ثابت ہوتی ہے +

اول یہ کہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ قوم لوط عورتوں کے ساتھ بھی اُسی قسم کی بدفعلی کرتی تھی جیسے کہ امردوں کے ساتھ کرتی تھی قرآن مجید میں آیا ہے کہ وہ لوگ مردوں کے پاس یعنی لونڈوں کے پاس جاتے تھے اور جوروؤں میں بھی جو طریقہ کہ اُن کے لئے خدا نے پیدا کیا ہے اُس کو بھی چھوڑ دیا تھا یعنی خلاف فطرت انسانی اپنی جوروؤں کے ساتھ بھی بدفعلی کرتے تھے۔ پس کیا حضرت لوط اُن عورتوں کو خواہ وہ اُن کی بیٹیاں ہوں یا اور کوئی اس لئے اُن کو حوالہ کرتے تھے کہ جس طرح وہ امردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہیں اُس کے بدلے اُن کے ساتھ بدفعلی کریں نعوذ باللہ حاشا و کلا +

اتاتون الذکران من العالمین و تذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم بل انتم قوم عادون۔ (سورۂ شعراء)

دوسری یہ کہ جب حضرت لوط نے کہا کہ یہ میری اچھی بیٹیاں تمہارے لئے ہیں اُن کو ماخوذ کرلو اور میرے مہمانوں کو ذلیل مت کرو تو اُن لوگوں نے کہا کہ تو واقف ہے کہ ہم کو تیری بیٹیوں میں یعنی اُن کے گرفتار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور تو جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں یعنی اُن اجنبی آدمیوں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ ہم کو تیری بیٹیوں میں حق نہیں ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ

لقد علمت ما لنا فی بناتك من حق وانك لتعلم ما نريد۔ (سورۂ ہود) +

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ (۱۰۳) وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (۱۰۴) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (۱۰۵)

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا ولیکن اُنھوں نے آپ پر ظلم کیا پھر اُن کے کچھ کام نہ آئے اُن کے معبود جن کو وہ پکارتے تھے اللہ کے سوا۔ کچھ بھی نہیں جبکہ آیا حکم تیرے پروردگار کا اور کچھ زیادہ نہ کیا اُنھوں نے بجز ہلاکت کے (۱۰۳) اور اسی طرح تیرے پروردگار کا پکڑنا ہے جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظالم ہوتی ہیں بیشک اُس کا پکڑنا سخت دکھ دینے والا ہے (۱۰۴) بیشک اس میں نشانی ہے اُس کے لئے جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے یہ ایک دن ہے کہ جمع کئے جاوینگے اُس میں آدمی اور یہ دن ہے سب کے حاضر کئے جانے کا (۱۰۵)

اُن لوگوں میں حق ہے یعنی اُن کے گرفتار کرنے کا حق ہے۔ پس اگر وہ حق اُن کے ساتھ بدکاری کا سمجھا جاوے تو کیسی غلطی ہے بلکہ وہ حق صرف یہ تھا کہ جو اجنبی لوگ اُن کے شہر میں آکر حضرت لوط کے گھر میں چھپے تھے اُن کو گرفتار کرلیں پس قرآن مجید سے جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت لوطؑ ان عورتوں کو بطور اول یا ضمانت کے اُن لوگوں کو حوالہ کرنا چاہتے تھے اور یہ درخواست کرتے تھے کہ اُن کے مہمانوں کو گرفتار کرکے ذلیل نہ کریں +

اس بیان پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر صرف بطور اول یعنی بطور ضمانت عورتوں کو سپرد کرنا منظور تھا تو "ھن اطھر لکم" یعنی وہ پاکیزہ تر ہیں تمہارے لئے کیوں فرمایا +

مگر یہ فرمانا اُس بدخیال کا جو مفسرین نے قرار دیا ہے ثبوت نہیں ہوسکتا اور نہ اُس مدعا کے برخلاف ہے جو ہم نے بیان کیا ہے +

اوّل سورۃ الحجر میں "ھن اطھر لکم" کے الفاظ نہیں ہیں۔ اُس میں صرف یہ لفظ ہیں کہ "ھؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین" +

دوسرے یہ کہ "ھن اطھر لکم" کے ہونے سے سورۃ الحجر کی آیت کے مطلب پر کچھ زیادتی اور سورۃ الحجر کی آیت میں اُن لفظوں کے نہ ہونے سے سورہ ہود کی آیت کے مطلب سے کچھ کمی لازم نہیں آتی "ھن اطھر" کی دو قرائتیں ہیں مشہور قرأت میں اطھر کی رے کا پیش ہے اور دوسری قرأت میں اطھر کی رے کا زبر ہے یعنی نصب ہے جن لوگوں نے رے کا زبر پڑھا ہے وہ اس کو حال قرار دیتے ہیں اور از روے قواعد نحوی کے اُس کی دو ترکیبیں قرار دیتے ہیں ایک صورت میں لفظ ھن حال اور ذوالحال میں فصل واقع ہوتا ہے اور

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم اُس کو ڈھیل میں نہیں ڈالتے مگر ایک وقت شمار کیے گئے یعنی وقت معین تک (۱۰۴) جس دن کہ آویگا کوئی شخص نہ بولیگا مگر خدا کے حکم سے پھر کچھ اُن میں بدبخت ہونگے اور کچھ نیک بخت (۱۰۵) پھر جو بدبخت ہوئے تو وہ آگ میں ہونگے اُن کے اُس میں ہیسنا ہے اور ڈیجنا ہے (۱۰۶) ہمیشہ رہینگے جب تک ہیں آسمان زمین (یعنی ہمیشہ ہمیش) مگر جب کہ چاہے تیرا پروردگار بیشک تیرا پروردگار کرتا ہے جو چاہتا ہے (۱۰۷)

اُس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں ھن فصل واقع نہیں ہوتا اور اس پر کوئی اعتراض نحوی بھی وارد نہیں ہوتا صرف اتنی بات ہے کہ اطھر کی راے کو منصوب پڑھنا مشہور قرات کے برخلاف ہے چنانچہ اس کی بحث تفسیر کبیر و تفسیر کشاف میں مندرج ہے ہم دونوں تفسیروں کی عبارت نقل کرتے ہیں جس دوسری ترکیب نحوی کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ تفسیر کشاف میں مذکور ہے +

تفسیر کبیر کی عبارت حاشیہ پر ثبت ہے اُس میں لکھا ہے کہ عبدالملک بن مروان اور

روی عن عبد الملک بن مروان والحسن وعیسی بن عمر انهم قرؤا هن اطهر لکم بالنصب علی الحال کما ذکرنا فی قوله تعالی وهذا بعلی شیخا اتفق اکثر النحویین انه خطأ قالوا لو قرئ هؤلاء بناتی هن اطهر (بالفتح) کان هذا نظیر قوله وهذا بعلی شیخا الا ان کلمة هن قد وقعت فی البین وذلک یمنع من جعل اطهر (بالفتح) حالا وصیرورته (تفسیر کبیر) +

حسن اور عیسٰے بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ اُن لوگوں نے ھن اطھر لکم فتح کے ساتھ پڑھا ہے حال کی بنا پر جیسا کہ ہم نے خدا کے اس قول میں ذکر کیا ہے وھذا بعلی شیخا مگر یہ کہ اکثر نحویوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ غلطی ہے اور کہا ہے کہ اگر ھولاء بناتی ھن اطھر فتح کے ساتھ پڑھا جاوے تو خدا کے اس قول کے مشابہ ہوگا وھذا بعلی شیخا مگر یہ کہ ھن کا لفظ بیچ میں آگیا ہے اور یہ امر اس بات کو روکتا ہے کہ اطھر کو فتح سے پڑھا جاوے اس بحث کو لوگوں نے بہت بڑھایا ہے +

تفسیر کشاف کی عبارت حاشیہ پر ثبت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن مروان

قرأ ابن مروان هن اطهر لکم بالنصب وضعفه سیبویه وقال احتبی ابن مروان فی لحنه وعن ابی عمرو بن العلاء من قرأ هن اطهر (بالفتح) فقد تربع فی لحنه وذلک لان انتصابه علی ان یجعل حالا قد عمل

نے ھن اطھر لکم کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے سیبویہ نے اس کو ضعیف لکھا ہے اور کہا ہے کہ ابن مروان اپنی غلطی میں بگڑ گیا۔ اور عمرو بن علاء

وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ (۱۱۰) فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِمَّا يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ (۱۱۱)

اور جو لوگ نیک بخت ہوئے تو وہ جنت میں ہونگے ہمیشہ رہینگے اُس میں جب تک ہیں آسمان و زمین (یعنی ہمیشہ ہمیش) مگر جب کہ چاہے تیرا پروردگار بطور بخشش کے جو منقطع نہیں (۱۱۰) پھر تو تردد میں مت ہو اُس سے کہ یہ لوگ پرستش کرتے ہیں۔ وہ پرستش نہیں کرتے مگر اُسی طرح جس طرح پرستش کرتے تھے اُن کے باپ دادا پہلے سے اور بیشک و شبہ ہم پورا دینگے اُن کو اُن کا حصہ بغیر گھٹائے ہوئے کے (۱۱۱)

فيها مافي هولاء من معنى الفعل كقوله هذا بعلي شيخا او ينصب هولاء بفعل مضمر كانه قيل خذوا هولاء و بناتي بدل ويعمل هذا المضمر في الحال وهن فصل وهذا لا يجوز لان الفصل مختص بالوقوع بين جزئي الجملة ولا يقع بين الحال وذي الحال وقد خرج له وجه لا يكون هن فيه فصلا وذالك ان يكون هولاء مبتداء وبناتي هن جملة في موضع خبر المبتدء كقولك هذا اخي هو ويكون اطهر حالا۔

(تفسیر کشاف)

ہے کہ جس شخص نے ھن اطھر کو فتحہ کے ساتھ پڑھا وہ بڑی غلطی میں چارزانو ہو کر بیٹھا۔ اور یہ اس لئے کہ اس کا فتحہ پڑھنا اس بنا پر ہوگا کہ حال قرار دیا جاوے اور اس کا عامل معنی فعلیہ ہو جو ھولاء میں موجود ہے جیسے کہ خدا کے اس قول میں ھذا بعلی شیخا یا یہ کہ ھولاء کو فتحہ دیا جاوے فعل مضمر سے گویا یوں کہا گیا ہے خذوا ھولاء اور بناتی بدل ہو۔ اور یہ مضمر حال میں عمل کرے ھن بیچ میں فصل واقع ہوا ہے لیکن یہ جائز نہیں کیونکہ فصل صرف جملہ کی دو خبروں میں واقع ہوتا ہے حال ذوالحال میں فصل نہیں واقع ہوتا ہے۔ مگر اس کی ایک اور وجہ نکالی گئی ہے جس میں ھن و فصل ماننا نہیں پڑتا وہ یہ کہ ھولاء مبتدا ہو اور بناتی ھن پورا جملہ موضع خبر میں ہے جیسے کہ تیرا قول ھذا اخی ھو۔ اور اطھر حال قرار دیا جاوے (تفسیر کشاف)

غرض کہ اس میں کچھ کلام نہیں ہے کہ چند علماے مفسرین و نحویین نے ھن اطھر کو حال قرار دیا ہے میں بھی اس کا حال ہونا تسلیم کرتا ہوں اور ہمیشہ قرات مشہورہ کا اختیار کرنا پسند کرتا ہوں اس لئے اطھر کو مضموم پڑھتا ہوں اور باایں ہمہ حال ذوالحال قرار دیتا ہوں۔

جملہ حالیہ پر سے واو حالیہ کا حذف کر دینا جائز ہے پس تقدیر کلام کی یہ ہے۔ کہ ھولاء بناتی وھن اطھر لکم۔ یعنی یہ میری بیٹیاں ہیں (اور) وہ پاکیزہ ہیں تمہارے لئے مبتدا و خبر کے درمیان میں جملہ معترضہ حالیہ واقع ہوا ہے اور یہ جائز ہے پوری ترتیب یوں ہے ھولاء بناتی لکم وھن اطھر۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۲﴾	اور بیشک ہم نے دی موسےٰ کو کتاب (یعنی توریت) پھر اختلاف کیا گیا اُس میں اور اگر نہ ہو چکا ہوتا حکم پہلے سے تیرے پروردگار کا تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا اُن میں اور بیشک وہ اُس سے بڑے شک میں ہیں شبہ کرنے والے ﴿۱۱۲﴾

الفیہ ابن مالک میں لکھا ہے کہ جملہ حالیہ جب کہ فعل مضارع مثبت نہ ہو تو آتا ہے صرف واو کے ساتھ یا صرف ضمیر کے ساتھ یا دونوں کے اور اُس کا شعر یہ ہے :-

وجملۃ الحال سوے ما قدما بواو او بمضمر او بہما

اور غایت التحقیق شرح کافیہ میں اُس کی یہ مثال دی ہے - کلمتہ فوہ الی فی تقدیر کلام کی یہ ہے کلمتہ وفوہ الی فی مگر واو کو محذوف کر دیا ہے +

پس جب کہ حضرت لوطؑ اُن عورتوں کو بطور اول یعنی ضمانت کے اُن لوگوں کو سپرد کرنا چاہتے تھے تو اُن کی عظمت ظاہر کرنے کو اُنہوں نے کہا کہ ھن اطھر - نہ اس مقصد سے جس کا خیال مفسروں نے یہودیوں کی روایتوں کی تقلید سے کیا ہے +

قرآن مجید میں متعدد ایسے قصے بیان ہوئے ہیں جو توریت میں بھی مذکور ہیں مگر اُن قصوں کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا ہے جس سے وہ غلطیاں جو توریت میں اُن قصوں کی نسبت ہیں دور ہو جاتی ہیں پس اُن قصوں کی تفسیر میں ہر جگہ توریت کی اور یہودیوں کی روایتوں کی تقلید کرنا صریح غلطی ہے بلکہ سب سے مقدم قرآن مجید کے لفظوں پر غور کرنا چاہئے کہ اُن سے کیا مطلب حاصل ہوتا ہے اگر وہی مطلب حاصل ہو جو توریت میں ہے تو توریت یا یہودیوں کی روایت کو اُس کی تفسیر میں بیان کرنا کچھ مضائقہ نہیں ہے مگر قرآن مجید کے الفاظ کو خواہ نخواہ توریت یا یہودیوں کی روایتوں کے مطابق پھیر پھار کر لانا صریح غلطی ہے +

تیسرا امر جو عذاب نازل ہونے سے متعلق ہے قدرتی قانون پر مبنی ہے - اور جس طرح خدا تعالےٰ اُن تمام واقعات کو جو قانون قدرت کے مطابق ہوتے ہیں انسانوں کے گناہوں کی طرف نسبت کیا کرتا ہے اور جس کی وجہ ہم اپنی تفسیر میں بتا چکے ہیں - اسی طرح اس قدرتی واقعہ کو بھی سدوم کے لوگوں کے گناہوں سے منسوب کیا ہے +

مفسرین نے جو لغو و بیہودہ باتیں اپنی تفسیروں میں لکھی ہیں کہ حضرت جبرئیل اُس تمام زمین کو اپنے پروں پر اُٹھا کر آسمان تک لے گئے اور پہلے آسمان کے اس قدر قریب پہنچے کہ آسمان کے فرشتوں نے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کے اذان دینے کی آواز سنی یہ سب محض غلط اور

وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١٣﴾	اور بیشک ہر ایک اُن دونوں میں کا جس وقت کہ (ہلاک ہوگا) پورا دیگا تیرا پروردگار اُن کے عملوں کا (بدلا) بیشک وہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ﴿١١٣﴾

موضوع کہانیاں ہیں جن کی مذہب اسلام میں کچھ بھی اصلیت نہیں ہے ✦

سدوم و عموراہ و ادما و زبوئیم یہ چار شہر اور بقول استرابو کے چار یا دو نو اور کل تیرہ شہر اُس مقام پر واقع تھے جہاں اب ڈڈ سی یعنی سمندر مردہ جس کو عربی جغرافیہ دان بحر لوط کہتے ہیں واقع ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ بحر لوط کے گرد جو ملک کی حالت ہے اُس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ آتش خیز پہاڑوں کے لاوہ کے نشان اب بھی پائے جاتے ہیں اور اب بھی زلزلے کثرت سے آتے ہیں ✦

علاوہ اس کے سدوم کی گھاٹی میں نفطہ کی کان تھی اور جا بجا نفطہ کے بہت بڑے بڑے غار تھے اور اسی وجہ سے اس شہر کا نام سدوم رکھا گیا تھا۔ توریت کتاب پیدائش باب ۱۴ ورس ۱۰ میں لکھا ہے کہ "سدوم از چاہ ہائے گل چرب پر بود" گل چرب جس کو لکھا ہے وہی نفطہ کا مادہ ہے جو پانی پر آ جاتا تھا اور مٹی میں بھی ملا ہوا ہوتا تھا۔ اور یہ آتش گیر مادہ ہے جس میں حرارت سے دھواں اُٹھتا ہے اور کبھی کبھی زیادہ حرارت سے بھڑک جاتا ہے ✦

جغرافیہ کے محققوں نے لکھا ہے کہ "اکثر اب بھی دیکھا جاتا ہے کہ ڈڈ سی یعنی بحر لوط سے دھوئیں کے بادل اُٹھتے ہیں اور اُس کے کنارہ پر نئے سوراخ پائے جاتے ہیں۔ آج تک بحر لوط میں ایک قسم کا مادہ جس کو انگریزی میں اسفالٹس کہتے ہیں اور نفطہ کی ایک قسم ہے پانی کے اوپر آ جاتا ہے ✦

غرضکہ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جہاں سدوم و عموراہ وغیرہ شہر آباد تھے وہاں آتشی پہاڑ تھے اور نفطہ یا گندھک کی کانیں کثرت سے تھیں۔ آتشیں پہاڑ کے پھٹنے اور نفطہ یا گندھک کے مادہ میں آگ لگ جانے سے وہ تمام شہر غارت ہوئے اور زمین کی وہ موٹی تہ جو نفطہ کے مادہ سے بنی ہوئی تھی پھٹ گئی اور جل گئی اور تمام قطعہ زمین کا دھنس گیا اور پانی جو اُس تہ کے نیچے تھا اوپر آ گیا اور ایک بہت بڑی جھیل پیدا ہو گئی جو اب ڈڈ سی یا بحر لوط کے نام سے مشہور ہے اور دنیا میں عجائبات سے ہے ✦

قرآن مجید سے اس حادثہ کا واقع ہونا اس طرح پر معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اُس شام کو جب کہ قوم لوط نے جا کر حضرت لوط کا گھر گھیرا وہ آتش خیز پہاڑ اور نفطہ یا گندھک کی کانیں جلنی شروع ہوئیں اور کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اُن کا دھواں تمام شہر میں گھٹ گیا ہوگا اور قوم لوط جو حضرت

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٤﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿١١٥﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٧﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿١١٩﴾

پھر تو مستقیم رہ جس طرح کہ تجھ کو حکم کیا گیا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی ہے تیرے ساتھ اور حد سے آگے مت بڑھو بیشک وہ اُس کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے (١١٤) اور مت جھکو اُن کی طرف جو ظلم کرتے ہیں کہ پھر چھوئے تم کو آگ اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست پھر تم کو مدد نہیں دیے جاؤ گے (١١٥) اور قایم کر نماز کو دن کے دونوں طرفوں میں یعنی نماز فجر و نماز مغرب اور کچھ رات گئے یعنی نماز عشا بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کو (١١٦) صبر کر بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیک کام کرنے والوں کا (١١٧) پھر کیوں نہ ہوئے ایسے گروہ قرنوں میں تجھ سے پہلے سمجھ والے کہ منع کرتے فساد کرنے سے زمین میں بجز تھوڑے لوگوں کے جن کو ہم نے اُن میں سے نجات دی اور جو لوگ ظالم تھے انہوں نے پیروی کی اُس کی جس میں اُن کو آسودگی تھی (دنیا میں) اور وہ تھے گنہگار (١١٨) اور نہیں ہے تیرا پروردگار کہ ہلاک کرے بستیوں کو ظلم سے اور اُس کے لوگ نیک کام کرنیوالے ہوں (١١٩)

لوط کا گھر گھیرے ہوئے تھی شہر میں دھواں گھٹ جانے کے سبب کامیاب نہ ہو سکی اندھیری کے سبب اُن کو کچھ نہ دکھائی دیتا ہوگا اور دھوئیں کے سبب اُن کی آنکھیں بیکار ہو گئی ہونگی

ولقد راودوہ عن ضیفہ فطمسنا اعینہم - (سورۂ قمر) جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے سورۂ قمر میں فرمایا ہے کہ بیشک اُنہوں نے دُھند مچائی لوط کے مہمانوں سے پھر بیکار کردیں ہم نے اُن کی آنکھیں ؏

مفسرین نے طمسنا اعینہم کے معنی سمجھے ہیں کہ اُن کو اندھا کر دیا اور یہ امر قرار دیا ہے کہ اُن فرشتوں نے جو حضرت لوط کے ہاں آئے ہوئے تھے بطور اعجاز کے اُن کو اندھا کر دیا اور اُن کو حضرت لوط کے مکان کا دروازہ جس کو وہ توڑ کر اندر جانا چاہتے تھے نہیں ملا ؏

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۙ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (۱۱۹) وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (۱۲۰) وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (۱۲۲)	اور اگر چاہے تیرا پروردگار تو کر دے تمام لوگوں کو ایک گروہ (یعنی ایک ملت پر) ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اختلاف کرنے والے مگر جس پر رحم کیا تیرے پروردگار نے اور اسی کے لئے ان کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا حکم تیرے پروردگار کا کہ البتہ میں بھر دونگا جہنم کو جنوں سے اور آدمیوں سے سب (۱۱۹) اور اس ہر ایک چیز کو ہم تجھ پر بیان کرتے ہیں پیغمبروں کی خبروں میں سے جس سے تسلی دیتے ہیں ہم تیرے دل کو اور آئی ہے تیرے پاس اس میں (یعنی اس سورۃ میں) سچی بات اور نصیحت اور نصیحت واسطے مسلمانوں کے (۱۲۰) اور کہدے اُن لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے عمل کرو اپنے طور پر اور بیشک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں اور انتظار کرو بیشک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں (۱۲۲)

لیکن جو روایت کہ انہوں نے بیان کی ہے اُس کی کوئی معتبر سند نہیں ہے اور نہ اعجاز کی کچھ حاجت ہے جب کہ آتش فشاں پہاڑوں کا اور زمین کی گندھک و نفط میں آتش پیدا ہوئی اُس کے دھوئیں کے گرد جانے سے اُن کی آنکھیں بیکار ہوگئیں اور دکھائی دینے سے رہگیا اُسی کی نسبت خدا نے فرمایا کہ ۔ فطمسنا اعینہم +

یہ حال دیکھ کر اُن تینوں شخصوں نے جو حضرت لوط کے ہاں آئے ہوئے تھے سمجھا کہ آتش فشانی زیادہ ہونے والی ہے اور حضرت لوط کو صلاح دی کہ یہاں سے بھاگ چلو چنانچہ سورۂ ہود میں آیا ہے کہ اُن لوگوں نے کہا اے لوط ہم تیرے خدا کے بھیجے ہیں سو تو اپنے اہل کو لیکر رات کے حصہ میں نکلجا اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی کہ اُس کو بھی وہی پہنچنے والا ہے جو اوروں کو پہنچا ہے ۔ بے شبہ اُن کا وعدہ صبح کا وقت ہے کیا صبح قریب نہیں +

قالوا یا لوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک فاسر باھلک بقطع من اللیل ولا یلتفت منکم احد الا امرأتک انہ مصیبہا ما اصابہم ان موعدہم الصبح الیس الصبح بقریب (سورۂ ھود) +

اور سورۂ حجر میں یوں ہے کہ اپنے اہل کو لیکر نکلجا اور اُن کے پیچھے چلا جا اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم دیا جاتا ہے

فاسر باھلک بقطع من اللیل واتبع

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾	اور اللہ ہی کے لئے ہیں تمام چھپی ہوئی باتیں آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی کی طرف پھیرا جاتا ہے کام سب کا سب پھر عبادت کرو اُس کی اور بھروسہ کرو اُس پر اور نہیں ہے تمہارا پروردگار بے خبر اُس چیز سے جو تم کرتے ہو ﴿۱۲۳﴾

ادبارھم ولا یلتفت منکم احد وامضوا حیث تؤمرون۔ وقضینا الیہ ذلک الامر ان دابر ھؤلاء مقطوع مصبحین۔ ہم نے اُس کی طرف یہ طے کر دیا کہ اُن کا پچھا صبح کے وقت کٹ جائیگا +

ولا یلتفت منکم احد۔ یعنی کوئی مڑ کر نہ دیکھے (سورۂ حجر) + اس سے غرض وہاں سے جلد چلے جانے کی تاکید ہے۔ جیسے کہ خدا نے حضرت آدم کی نسبت کہا تھا ولا تقربا ھذہ الشجرۃ یعنی پاس نہ جانا اس درخت کے۔ مگر حضرت لوط کی بیوی جو ایمان والوں میں نہ تھی اُس نے اس نصیحت کو نہیں مانا اور اُس عذاب میں مبتلا ہو کر مرنے والوں کے ساتھ مر گئی +

جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت لوط کی بیوی بھی ساتھ بھاگی تھی مگر اس نے بھاگتے میں جو مڑ کر دیکھا تو نمک کی ہو گئی یا مڑ کر دیکھنے کے سبب مر گئی اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور نہ قرآن مجید سے یہ بات پائی جاتی ہے +

سُوْرَةُ یُوْسُفَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ① اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ② نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ③ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ④

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

الر - یہ آیتیں ہیں بیان کرنے والی کتاب کی ① بیشک ہم نے اُس کو نازل کیا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو ② ہم قصہ سُناتے ہیں تجھ کو قصوں میں کا سب سے اچھا ساتھ اُس کے کہ ہم نے وحی کیا ہے تجھ کو یہ قرآن اور ہاں تو تھا اس سے پہلے غافلوں میں سے (یعنی تجھ کو اس بات سے کہ اس قصہ کی وحی ہوگی غفلت تھی) ③ جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ کو کہ اے میرے باپ بیشک میں نے دیکھا (یعنی خواب میں) گیارہ ستاروں کو اور چاند اور سورج کو - میں نے اُن کو دیکھا اپنے لئے سجدہ کرنے والے ④

④ (انی رایت) یہ حضرت یوسف کا خواب ہے - خواب کی نسبت بہت کچھ کہا گیا ہے اور لکھا گیا ہے مگر اس زمانہ میں علم فزیالوجی[1] اور سیکالوجی[2] نے بہت ترقی کی ہے اور اعضائے انسانی کے خواص و افعال کو بہت تحقیقات کے بعد منضبط کیا ہے اس لئے ہم کو دیکھنا چاہئے کہ خواب کی نسبت اُس تحقیقات سے کیا امور ثابت ہوتے ہیں اور ہمارے ہاں کے علما اور حکما نے اس کی نسبت کیا لکھا ہے اور درحقیقت خواب ہے کیا چیز چنانچہ ہم ان سب امور کو اس مقام پر مختصراً بیان کرتے ہیں ٭

یہ امر مسلم ہے اور ہر شخص یقین کرتا ہے کہ تمام اعضائے انسانی پر دماغ حکومت کرتا ہے انسان کا سر چند ہڈیوں سے جسے کھوپڑی کہتے ہیں جڑا ہوا ہے کھوپڑی کی بناوٹ اور اس کے جوڑوں اور جوڑوں کی درزوں کی ترکیب جو ہر انسان میں کسی نہ کسی قدر مختلف ہوتی ہیں جداگانہ خاصیتیں رکھتی ہیں پھر کھوپڑی کے اندر بھیجا ہوتا ہے جسے مغز کہتے ہیں جس میں بے انتہا باریک ریشے یا رگیں ہوتی ہیں اُسی میں ایک شاخ گردن سے ریڑھ کی ہڈی کے فقرات میں چلی گئی ہے اور دماغ ہی سے نکلے ہوئے پٹھے اور رگیں اور ریشے سینہ میں اور تمام اعضا میں پھیلے ہوئے ہیں تمام حس و حرکت جو انسان کرتا ہے وہ دماغ کے سبب سے کرتا ہے - اُن پٹھوں اور ریشوں اور

[1] علم افعال اعضاء ۔ [2] علم النفس ۔ علم قوائے ذہنیہ (احمد بابا) ٭

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝	یوسف کے باپ یعنی یعقوب نے کہا کہ اے میرے بچے نہ بیان کرنا قصہ اپنی خواب کا اپنے بھائیوں پر وہ مکر کرینگے تیرے لئے کسی طرح کا مکر بیشک شیطان انسان کے لئے ہے دشمن علانیہ (۵) اور جس طرح کہ تجھ کو خدا نے برگزیدہ خواب دکھایا ہے اُسی طرح تجھ کو برگزیدہ کریگا اور تجھ کو سکھاویگا علم حوادث عالم کے مآل کا اور پورا کریگا اپنی نعمت کو تجھ پر اور یعقوب کی اولاد پر جس طرح اُس کو پورا کیا ہے اس سے پہلے تیرے دادا پردادا ابراہیم و اسحٰق پر بیشک تیرا پروردگار جاننے والا ہے حکمت والا (۶)

رگوں میں بعض تو ایسے ہیں کہ شے محسوس کا اثر دماغ پر پہنچا دیتے ہیں جب انسان اُس کو حس کرتا ہے اور اگر اُن کے ذریعہ سے اثر نہ پہنچے تو انسان کسی شے کو حس نہ کرے نہ روشنی کو جان سکے نہ کسی شے کو دیکھ سکے نہ آواز کو سن سکے نہ ذائقہ کو پہچانے نہ کسی چیز کے چھونے کو جانے ✦

جب ان محسوسات کا اثر دماغ پر پہنچتا ہے تو دماغ میں اُن پٹھوں اور رگوں اور ریشوں کو تحریک ہوتی ہے جو محرک کہلاتے ہیں اور اُن سے ایک قسم کا تغیر دماغ میں پیدا ہوتا ہے اور جب تک وہ تغیر رہتا ہے وہ شے محسوس بھی سامنے رہتی ہے اور انہی محسوسات کے ذریعہ سے انسان کے اعضا حرکت کرتے ہیں ۔ جو حرکت قصد و ارادہ سے ہو وہ حرکت ارادی ہے مگر جب وہ حرکت دفعۃً بلا قصد و بلا سوچے سمجھے ہو تو وہ حرکت طبعی کہلاتی ہے جیسے خوف کی حالت میں ہو جاتی ہے ✦

علاوہ اس کے دماغ میں ایک قوت ہے جس میں تمام خارجی چیزوں کی جن کو ہم نے دیکھا ہے تصویریں بطور نقش کے محفوظ ہوتی ہیں اور اس لئے وہ سب ہم کو یاد رہتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ باوجود موجود نہ ہونے اُس شے کے اُس کی صورت کا بعینہٖ ہم تصور کر لیتے ہیں اور اگر اُن محفوظ نقشوں میں کچھ دھندلا پن آ جاتا ہے تو اُن چیزوں کو بھول جاتے ہیں یا یاد دلانے سے یاد آتی ہیں اور جب منقش نہیں رہتیں تو بالکل یاد نہیں آتیں ✦

علاوہ اس کے دماغ میں یہ قوت بھی ہے کہ جس شے کو ہم نے دیکھا ہے اُس کے اجزا کو علیحدہ کر کے اپنے خیال کے سامنے لے آویں مثلاً ہاتھی کی صرف سونڈ ہی کا یا صرف اُس کے کانوں ہی کا تصور خیال کے سامنے لے آویں ۔ اور یہ بھی قوت ہے کہ متعدد چیزیں جو ہم نے دیکھی ہیں اُن کے اجزا کا علیحدہ علیحدہ تصور کر کے ایک کے اجزا کو دوسرے میں یا چند کے اجزا کو

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ﴿٧﴾ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٨﴾ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿٩﴾

بیشک تھیں یوسف میں اور اُس کے بھائیوں میں کچھ نشانیاں جو پوچھا گچھی کرنے والے تھے ﴿٧﴾ جب کہ اُنہوں نے کہا کہ یوسف اور اُس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم ایک قوی گروہ ہیں بیشک ہمارا باپ صریح گمراہی میں ہے ﴿٨﴾ مار ڈالو یوسف کو یا اُس کو پھینک آؤ کسی زمین میں تا کہ صرف تمہارے باپ کی توجہ تمہارے لئے ہو جاوے اور اس کے بعد تم ہو جاؤ ایک اچھے گروہ ﴿٩﴾

ایک میں جوڑ دیں - مثلاً ہم نے بکری اور مور اور انسان کو دیکھا ہے تو وہ قوت بکری کے سر کو علیحدہ اور مور کے دھڑ کو علیحدہ تصور کر کے مور کے دھڑ پر بکری کا سر لگا ہوا تصور کر کے خیال کے روبرو لے آویگی - یا انسان میں مور کے بازو لگے ہوئے تصور کر کے پردار انسان یا پردار فرشتہ اپنے خیال میں بنالیگی - اسی طرح مختلف اور عجیب عجیب صورتیں جن کا کبھی وجود دنیا میں نہیں ہوا بنا کر خیال میں جلوہ نما کرتی ہے +

وہی قوت کبھی ایسا کرتی ہے کہ اجزائے مختلفہ کی ترکیب تو نہیں دیتی بلکہ چھوٹی چیز کو اس قدر بڑا بنا کر خیال میں لے آتی ہے کہ ایک نہایت مہیب صورت بن جاتی ہے مثلاً آدمی کے قد کو تاڑ سے بھی لمبا اُس کے سر کو گنبد سے بھی بڑا اُس کے ہاتھوں کو کھجور کے درخت سے بھی زیادہ اُس کے دانتوں کو عجیب بے ہنگم طور کی بنی ہوئی خیال کے سامنے حاضر کر دیتی ہے +

یہ تمام اعضا انسان کے اوقات معینہ تک کام کرتے رہتے ہیں اور زمانہ معینہ تک آرام کرتے ہیں یا کسی امر غیر طبعی سے معطل ہو جاتے ہیں اور انسان بیہوش ہو جاتا ہے - حالت مرض میں جب یہ حالت طاری ہوتی ہے تو بیہوشی اور غشی کہلاتی ہے اور حالت صحت میں اُس کو نیند کہتے ہیں +

مگر چونکہ دماغ میں تمام ادراکات کے لئے جداگانہ حصے معین ہیں اس لئے حالت غشی و نیز حالت نیند میں دماغ کے بعض حصے معطل یا آرام میں ہوتے یا سو جاتے ہیں اور بعض حصے کام کرتے یا جاگتے رہتے ہیں - اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ بعضی دفعہ بیہوشی طبعی و غیر طبعی میں بھی انسان ایسی باتیں یا کام کرتا ہے جو حالت ہوش یا بیداری میں کرتا مگر اُس کو کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس نے کیا کیا - لوگوں کی باتیں سُنتا ہے مگر جواب نہیں دیتا یا اور باتوں کا ادراک کرتا ہے مگر ظاہر نہیں کر سکتا اور وہ ادراکات مختلف پیرایہ میں اس کو محسوس ہوتے ہیں جن کا کچھ وجود نہیں ہے اور کبھی وہی خیالات اور صورتیں جو اُس کے دماغ میں منقش ہیں مختلف قسم سے اُس کو محسوس ہوتی

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾	ایک کہنے والے نے اُن میں سے کہا کہ یوسف کو مار مت ڈالو اُس کو ڈالدو کسی گہرے اندھے کوئیں میں اُٹھا لیگا اُس کو کوئی راہ چلنے والوں میں سے۔ اگر تم ہو کرنیوالے ﴿۱۰﴾

ہیں اور جب یہ امور نوم طبعی میں واقع ہوتے ہیں تو اُن کو خواب کہتے ہیں طبعی یا غیر طبعی بیہوشی میں بھی امورات خارجی دماغ کے اُس حصہ پر جو جاگ رہا ہے اثر کرتے ہیں اور وہ اُس کو عجیب پیرایہ سے خواب میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً آدمی سوتا ہو اور سامعت کا حصہ جاگتا ہو اور سونے والے کے قریب کوئی شخص کسی چیز کو کوٹتا ہو تو دماغی قوت جو چھوٹی چیز کو بڑھا کر پیش کرتی ہے اُس آواز کو نہایت مہیب آواز بنا دیتی ہے اور اُس آواز کے سلسلہ سے توپوں کا خیال پیدا کر دیتی ہے اور سونے والا خواب میں یہ سمجھتا ہے کہ توپیں چل رہی ہیں۔ یا مثلاً سونے والے کا بستر ٹھنڈا یا نم ہو گیا تو قوت حاسہ جو جاگتی تھی اُس نے اُس کا حس کیا اور بستر کی نمی سے پانی کے خیال کو اور اُس سے دریا کے یا تالاب کے یا حوض کے خیال کو پیدا کیا اور سونے والا خواب میں دیکھ سکتا ہے کہ وہ دریا میں یا تالاب میں پڑا تیر رہا ہے۔ اگر کوئی لمبی چیز اُس کے بستر پر پڑی ہو یا کوئی شخص رسی کو اس طرح پر ڈالے کہ سونے والا جاگ نہ اُٹھے اور قوت حاسہ جاگتی ہو تو خواب میں دیکھ سکتا ہے کہ سانپ اُس کو چمٹ گیا ہے۔ اسی قسم کے بہت سے اسباب خارجی سے عجیب عجیب خواب دیکھ سکتا ہے ✦

بعضے لوگ خواب دکھانے کی ایسی مشق کر لیتے ہیں کہ سونے والے کے پاس بیٹھ کر ایسی آسانی اور سہولیت سے کہ وہ جاگ نہ اُٹھے اُس کی قوت حاسہ یا سامعہ کو اس طرح پر اثر مطلوبہ پہنچاتے ہیں کہ وہ سونے والا وہی خواب دیکھ سکتا ہے جس کا دکھانا اُن کو مطلوب ہے ✦

جس طرح کہ یہ امور خارجیہ خواب دیکھنے پر مؤثر ہیں اُس سے بہت زیادہ خود سونے والے کے اُمور ذہنی جو اُس کے خیال میں بس گئے ہیں اور دماغ میں نقش پذیر ہو گئے ہیں خود اپنی طبیعت سے یا کسی واقعہ سے یا کسی کے اعتقاد کامل ہونے سے یا محبت عشقی و اعتقادی سے خواب دیکھنے پر مؤثر ہوتے ہیں اور وہ اُنہی امور ذہنی کو بعینہٖ یا کسی دوسرے پیرایہ میں جس کو قوت دماغی پیدا کر دیتی ہے عجیب عجیب طرح سے خواب میں دیکھ سکتا ہے ✦

بعض لوگوں کو ایسی مشق ہو جاتی ہے کہ جو خواب اُن کو دیکھنا منظور ہو سوتے وقت اُس کا ایسا قوی تصور کرتے ہیں اور دماغ میں اُس کا نقش جما لیتے ہیں کہ سوتے میں وہی خواب دیکھتے ہیں ✦

بعضے اُمور ایسے ہوتے ہیں جو بالکل بھول گئے ہیں اور کبھی اُن کا خیال بھی نہیں آتا مگر وہ دماغ

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾	یوسف کے بھائیوں نے کہا اے ہمارے باپ کیا ہے تجھ کو کہ تو ہم کو امین نہیں سمجھتا یوسف پر اور بیشک ہم اُس پر بھلائی چاہنے والے ہیں ﴿۱۱﴾

میں سے محو نہیں ہوئے اور سوتے وقت مطلق اُنکا خیال بھی نہیں ہوتا مگر دماغ میں ایک ایسا سلسلہ خیالات کا پیدا ہوتا ہے کہ اُن بھولے ہوئے امور کو پیدا کر دیتا ہے اور سونے والا اُسی کا خواب دیکھنے لگتا ہے - اس کی ایسی مثال ہے کہ جاگتے میں باتوں کا سلسلہ رفتہ رفتہ اس طرح پہنچ جاتا ہے کہ بھولی باتیں یا بھولے ہوئے کام یاد آجاتے ہیں +

بعضی دفعہ بسبب کسی مرض کے یا بسبب غلبہ کسی خلط کے دماغ پر ایسا اثر پیدا ہوتا ہے کہ سونے والا اُسی حالت کے مناسب اور عجیب عجیب پیرایہ میں مختلف قسم کے خواب دیکھتا ہے +

مگر جب تک کہ انسان کا نفس اُن ظاہری باتوں سے جن سے حالت بیداری میں مشغولی ہوتی ہے بسبب بیہوشی کے یا سو جانے کے یا استغراق کے بیخبر نہ ہو اُس وقت تک مذکورہ بالا حالت اُس پر طاری نہیں ہوتی دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایسا خواب کبھی نہیں دیکھ سکتا یعنی ایسی چیزیں اور ایسے اُمور اُس کو خواب میں نہیں دکھائی دیتے جو کبھی اس نے کبھی نہ دیکھا ہو نہ سنا ہو اور نہ کبھی اُس کا خیال اُس کو ہوا ہو - یہ باتیں جو بیان ہوئیں ایسی ہیں جن سے کوئی اختلاف نہیں کر سکتا اور ہر ایک شخص پر یہ حالتیں گذرتی ہیں اور جاہل اور عالم سب اُن کو جانتے ہیں +

شیخ بوعلی سینا نے اشارات میں لکھا ہے کہ حس مشترک میں جو انسان کے دماغ کے ایک حصہ کا نام ہے جب کسی چیز کا نقش جم جاتا ہے تو ایسا ہوتا ہے کہ گویا اُس چیز کو دیکھ رہا ہے گو کہ وہ چیز سامنے نہ رہی ہو مگر اُس کی صورت حس مشترک میں موجود رہتی ہے اور وہ توہم نہیں ہوتا بلکہ دیکھنے ہی کی مانند ہوتا ہے - بوندیں جو لگاتار برسے گرتی ہیں وہ بوندیں نہیں معلوم ہوتیں بلکہ پانی کی سیدھی دھار معلوم ہوتی ہے یا کسی چیز کے ایک سرے کو جلا کر زور زور سے پھراویں تو ایک گول روشن چکر معلوم ہونے لگیگا -

الحس المشترك هو لوح النقش الذى اذا تمكن منه صار النقش فى حكم المشاهدة وربما زال الناقش المحسوس عن الحس بقيت صورته وهيئته فى الحس المشترك نبقى فى حكم المشاهد دون المتوهم وليحضر ذكرك ما قيل لك فى امر القطر النازل خطا مستقيما والنقطة الجوالة تحيط دائرة فاذا تمثلت الصورة فى لوح الحس المشترك صارت مشاهدة سواء كان فى ابتداء حال ارتسامها فيه من المحسوس الخارج او بقائها مع بقاء المحسوس او ثباتها بعد زوال المحسوس او وقوعها فيه لا من قبيل المحسوس ان امكن -

(اشارات شیخ) +

اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡـتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾	کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج تاکہ خوب کھائے اور کھیلے اور بیشک ہم اُس کے لئے نگہبان ہیں ﴿۱۲﴾ یعقوب نے کہا بیشک مجھ کو غمگین کرتا ہے کہ تم اُس کو لیجاؤ اور اُس سے ڈرتا ہوں کہ اُس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اُس سے بے خبر ہو ﴿۱۳﴾

غرضکہ جب کسی چیز کی صورت اُس کے دیکھنے کے وقت حس مشترک میں جم جاتی ہے تو دیکھنے کی مانند ہو جاتی ہے خواہ وہ چیز سامنے موجود رہے یا نہ رہے یا یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز سامنے تو نہیں آئی کہ دکھائی دے مگر اُس کی صورت جس کا آنا ممکن ہو حس مشترک میں آجاتی ہے +

امام فخر الدین رازی شرح اشارات میں لکھتے ہیں کہ حس مشترک میں صورت جم جانے کی نسبت جو کچھ شیخ نے لکھا ہے اُس کی چار صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اُس چیز کو دیکھنے کے وقت اُسکی صورت حس مشترک میں جم گئی ہے دوسرے یہ کہ اُس کی صورت حس مشترک میں جمی ہوئی ہے اور وہ چیز بھی سامنے موجود ہے۔ تیسرے یہ کہ اُس کی صورت تو حس مشترک میں جمی ہوئی ہے مگر وہ چیز سامنے موجود نہیں رہی۔ چوتھے یہ کہ وہ چیز سامنے تو نہیں آئی مگر اُس کی صورت حس مشترک میں جم گئی۔ پھر امام صاحب لکھتے ہیں کہ پہلی تین صورتوں کی مثال تو بوندوں کے اوپر سے گرنے اور کسی چیز کے ایک سرے کو جلا کر چکر دینے سے ثابت ہوتی ہے۔ مگر چوتھی صورت کی مثال اُس سے ثابت نہیں ہوتی اس لئے شیخ نے اُس کی مثال اس طرح پر دی ہے +

بیمار آدمی اور جو بخار میں مبتلا ہوتے ہیں کبھی اُن کو ایسی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جن کو وہ سمجھتے ہیں کہ در حقیقت موجود ہیں حالانکہ وہ چیزیں موجود نہیں ہوتیں ان چیزوں کی صورتوں کی حس مشترک میں منتقش ہونے کا کوئی اندرونی سبب ہوتا ہے یا کوئی ایسا سبب جو اندرونی سبب میں اثر کرتا ہے۔ اور کبھی حس مشترک میں صورتیں جم جاتی ہیں جو خیال میں اور وہم میں ہوتی ہیں

اشارة قد يشاهد قوم من المرضى والمحرورين صورًا محسوسة ظاهرة حاضرة ولا نسبتها الى محسوس خارج فيكون انتقاشها اذن من سبب مؤثر في باطن والحس المشترك قد ينتقش ايضا من الصور الجائلة في معدن التخيل والتوهم كما كانت هي ايضا ينتقش في معدن التخيل والتوهم من لوح الحس المشترك وقريبا مما يجري بين المرايا المتقابلة (اشارات شیخ) +

اور کبھی حس مشترک کی موجودہ صورتیں خیال و وہم میں آجاتی ہیں۔ اس کی مثال دو آئینوں کی سی ہے جو ایک دوسرے کے مقابل رکھے ہوں اور ایک میں جو عکس ہے وہ دوسرے میں پڑے۔ غرضکہ سب لوگ متفق ہیں کہ خواب دیکھنا صرف انسان کے دماغی افعال سے متعلق ہے +

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

اُنہوں نے کہا کہ اگر اُس کو بھیڑیا کھا جاوے اور ہم ایک قوی گروہ ہیں تو اُس وقت بیشک ہم تقصیر وار ہیں ﴿۱۴﴾ پھر جب اُس کو لیگئے اور سب ٹھہر گئے کہ اُس کو ڈالدیں گہرے اندھے کوئیں میں اور ہم نے اُس کے پاس (یعنی یوسف کے پاس) وحی بھیجی کہ البتہ تو اُن کو متنبہ کرے گا اُن کے اس کام سے کہ وہ نہ جانتے ہونگے ﴿۱۵﴾

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب تفہیمات میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ نبوت فطرت کے تحت ہے جیسا کہ کبھی انسان کے دل میں بہت سے علوم اور باتیں جم کر بیٹھ جاتی ہیں اور اُنھی پر مبنی ہوتی ہیں وہ چیزیں جو اُس کو رویا میں فایض ہوتی ہیں پھر وہ اُن چیزوں کی صورتیں دیکھتا ہے جن کو اُس نے پیدا کیا ہے نہ اُس کے سوا اور کسی کو۔ اس سے بھی اس بات کی تشریح ہوتی ہے کہ جو انسان کے خیال اور دماغ میں ہے اُس کو خواب میں دیکھتا ہے +

ومن اسرار النبوۃ تحت الفطرۃ کما ان الانسان قد یمکن فی صمیم قلبہ وجذر نفسہ علم وادراکات علیہ تجلی ما یفاض علیہ من رؤیاہ فیری الامور متشبحۃ بما اخذتہ دون غیرھا۔
(تفہیمات الٰہیہ) +

مگر صوفیائے کرام اور علمائے اسلام یہی سمجھتے ہیں کہ دماغ میں سوائے اُن موثرات طبعی کے اور کوئی چیز ہے جو ملاء اعلیٰ سے تعلق رکھتی ہے اور موثر ہوتی ہے اور اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں خواب کی پانچ قسمیں قرار دی ہیں چنانچہ اُنہوں نے لکھا ہے کہ "رویا کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) بشارت خدا کی طرف سے اور نفس کی خوبیوں یا بُرائیوں کا نورانی تمثل کلی طور پر (۲) شیطان کا خوف دلانا۔ (۳) دل کی باتیں جس طرح کی عادت بیداری کی حالت میں پڑی ہوتی ہے اُس کو قوت متخیلہ یاد کرلیتی ہے اور وہ حس مشترک میں آکر ظاہر ہوتی ہیں (۴) اخلاط کے غلبہ کی وجہ سے طبعی طور پر خیالات کا آنا (۵) متنبہ ہونا نفس کا بدنی اذیتوں سے +

والرؤیا خمسۃ اقسام بشری من اللہ وتمثل نورانی للمحامد والرذائل المندمجۃ فی النفس علی وجہ کلی وتخویف من الشیطان وحدیث نفس من قبل العادۃ التی اعتادھا النفس فی الیقظۃ یحفظھا المتخیلۃ ویظھر فی الحس المشترک ما اختزن فیھا وخیال طبیعی لغلبۃ الاخلاط وتنبہ النفس باذاھا فی البدن اما البشری من اللہ فحقیقتھا ان النفس الناطقۃ اذا انتھزت فرصۃ عن غواشی البدن باسباب خفیۃ لا یکاد یتفطن لھا الا بعد تامل وافر استعدت لان ینفض علیھا من حضرۃ الخیر والجود کمال علمی فانیض علیھا شیء علی حسب استعدادھا مؤیدۃ بالعلوم المخزونۃ عندھا وھذہ الرؤیا تعلیم الٰھی کالمعراج المنامی الذی رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ ربہ فی احسن صورۃ فعلمہ الکفارات والدرجات وکالمعراج المنامی الذی انکشف فیہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم احوال الموتی بعد موتھم کما عن الحیوۃ الدنیا کما رأی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ وکعلم ما سیکون من الوقائع الآتیۃ فی الدنیا

وَجَآءُوٓ أَبَاهُمْ عِشَآءً يَبْكُونَ ﴿١٦﴾ قَالُوا يَٰٓأَبَانَآ إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَٰعِنَا فَأَكَلَهُ ٱلذِّئْبُ وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَٰدِقِينَ ﴿١٧﴾	اور وہ آئے اپنے باپ کے پاس شام کو روتے ہوئے (۱۶) اُنہوں نے کہا اے ہمارے باپ بیشک ہم کرنے لگے ایک دوسرے سے دوڑ میں بڑھ جانا اور ہم نے چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس پھر کھا لیا اُس کو بھیڑیے نے اور تو ہم پر یقین کرنے والا نہیں اور گو کہ ہم ہوں سچے (۱۷)

واما الرؤيا الملكية فحقيقتها ان في الانسان ملكات حسنة وملكات قبيحة ولكن لا يعرف حسنها و قبحها الا بتجرد الى الصورة الملكية فمن تجرد اليها ظهرت له حسناته وسيأته في صورة مثالية فصاحب هذا يرى الله تعالى واصله الانقياد للرب ويرى الرسول صلى الله عليه وسلم واصله الانقياد للرسول المركوز في صدره ويرى الانوار واصلها الطاعات المكتسبة في صدره وجوارحه تظهر في صورة الانوار والطيبات كالعسل والسمن واللبن فمن رأى الله ورسوله والملائكة في صورة قبيحة او في صورة الغضب فليعرف ان في اعتقاده خللا وضعفا وان نفسه لم تكمل وكذلك الانوار التي حصلت بسبب الطهارة يظهر في صورة الشمس والقمر واما التخويف من الشيطان فوحشة وخوف من الحيوانات الملعونة كالقرد والفيل والكلاب السود من النار فاذا رأى ذلك فليتعوذ بالله وليتفل ثلثا عن يساره وليتحول عن جنبه الذي كان عليه واما البشرى فلها تعبير والعمدة فيه معرفة الخيال اي شيء مظنة لاي معنى فقد ينتقل الذهن من المسمى الى الاسم كرؤية النبي صلى الله عليه وسلم انه كان في دار عقبة بن رافع فاتي برطب ابن طاب قال عليه الصلوة و السلام فاولت ان الرفعة لنا في الدنيا والعاقبة في الآخرة وان ديننا قد طاب وقد ينتقل الذهن من الملابس الى ما يلابسه كالسيف للقتال وقد ينتقل الذهن من الوصف الى جوهر مناسب له كمن غلب عليه ... رأى النبي صلى الله عليه وسلم في صورة سوداء ذهبت بالجحفة فللاشتقاق من شيء الى شيء شتى وهذه الرؤيا شعبة من النبوة لانها ضرب من افاضة غيبية وتميز بها الحق وهو اصل النبوة واما سائر انواع الرؤيا فلا تعبير لها (حجة الله البالغة) +

لیکن بشارت الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ کو جب بدنی حجابات سے فرصت ملتی ہے جس کے مخفی اسباب ہوتے ہیں اور بغیر پورے تأمل کے معلوم نہیں ہوتی تو اس وقت نفس اِس بات کے قابل ہوتا ہے کہ اُس پر جود اور خیر مخزن سے یعنی ملاء اعلےٰ سے کمال علمی کا فیضان ہو پس اُس پر اُس کی لیاقت کے موافق جو اس کے علوم مخزونہ کا مادہ ہے کچھ فیضان ہوتا ہے اور یہ خواب تعلیم الٰہی ہے جیسے کہ معراج کا خواب جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کو نہایت عمدہ صورت میں دیکھا تھا۔ اور خدا نے اُس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کفارات اور درجات بتلائے۔ یا وہ معراج کا خواب جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر مردوں کا حال منکشف ہوا تھا بعد اُن کے قطع تعلق کے دنیا سے جیسا کہ جابر بن سمرہ نے روایت کی ہے یا آیندہ واقعات دنیا کا علم۔ اور ملکی خواب کی یہ حقیقت ہے کہ انسان میں بُرے اور بھلے دونوں قسم کے ملکات ہیں لیکن اس حسن و قبح کو جب پہچان سکتا ہے کہ صورت ملکیہ کی طرف تجرد حاصل ہو۔ پس جس کو تجرد ہوتا ہے اُس کو بھلائیاں اور برائیاں صورت مثالیہ میں دکھائی دیتی ہیں پس ایسا شخص خدا کو دیکھتا ہے

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور وہ لائے اُس کے کُرتے پر جھوٹ موٹ خون۔ یعقوب نے کہا کہ (یوسف کا یہ خون نہیں ہے) بلکہ تمہارے دل نے تمہارے لئے ایک بات بنالی ہے۔ پھر صبر اچھا ہے اور اللہ سے مدد مانگی گئی ہے اُس پر جو تم بیان کرتے ہو (۱۸)

جس کی اصل خدا کی اطاعت ہوتی ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور اُس کی اصل پیغمبر کی اطاعت ہوتی ہے جو اُس کے دل میں مرکوز ہے اور انوار دیکھتا ہے اور اُس کی اصل وہ عبادتیں ہیں جو اُس کے دل اور اعضا نے حاصل کی ہیں۔ یہ سب چیزیں انوار اور پاک چیزوں مثلاً شہد۔ گھی۔ دودھ کی صورت میں متمثل ہوتی ہیں۔ پس جو شخص خدا یا رسول یا فرشتوں کو بُری صورت میں یا غصہ کی صورت میں دیکھتا ہے تو اُس کو جان لینا چاہئے کہ اُس کے اعتقاد میں ابھی خلل اور ضعف ہے اور یہ کہ اُس کا نفس ابھی کامل بھی نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح وہ انوار جو طہارت کی وجہ سے حاصل ہوئے ہیں آفتاب اور ماہتاب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور شیطان کا خوف دلانا تو یہ وحشت اور خوف ہے ملعون حیوانوں سے مثلاً بندر۔ ہاتھی کُتے سے اور سیاہ آدمیوں سے پس جب آدمی ایسا خواب دیکھے تو چاہئے کہ خدا سے پناہ مانگے اور بائیں جانب تین بار تھو تھو تھو کردے اور اُس کروٹ کو بدل دے جس پر لیٹا ہوا تھا۔ اور خوشخبری والی خواب کی تعبیر ہوتی ہے اور عمدہ طریقہ اُس کا خیال کا پہچانتا ہے یعنی کس چیز سے کیا چیز سمجھی جاسکتی ہے پس اکثر ملنے سے اسم کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عقبہ بن رافع کے گھر میں تھے اور خواب دیکھا کہ اُن کے پاس ابن طاب کی کھجوریں رکھی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اُس کی تاویل کی کہ ہم کو دنیا میں بلندی اور قیامت میں عافیت ہوگی اور یہ کہ ہمارا دین پاکیزہ ہے۔ اور کبھی ملبسات سے اُس کے متعلقات کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے جیسے تلوار سے لڑائی کی طرف۔ اور کبھی کسی صفت سے ایک جوہر کی طرف جو اُس کے مناسب ہے مثلاً ایک شخص جو مال کو بہت عزیز رکھتا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو سونے کے کنگن کی صورت میں دیکھا۔ غرض کہ ایک شے سے دوسری شے کی طرف خیال منتقل ہونے کی مختلف صورتیں ہیں اور یہ خواب نبوت کی ایک شاخ ہے کیونکہ جو فیض غیبی کی ایک قسم ہے اور حق کا خلق کی طرف قریب ہوتا ہے اور وہ نبوت کی مثل ہے۔ باقی خواب کی اور اقسام کی کچھ تعبیر نہیں ✦

ایک جگہ تفہیمات میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ رویا کی حقیقت ظاہر ہونا مناسبت کا

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۗ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۗ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور آیا ایک قافلہ پھر انہوں نے بھیجا اپنے اگلے کو (پانی کے لئے) پھر ڈالا اس نے اپنا ڈول۔ بولا آؤ مژدہ۔ یہ لڑکا ہے اور چھپا لیا اُس کو دولت سمجھ کر، واللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے (۱۹)

الحقیقۃ امر یحصل من سنۃ للنفس الناطقۃ الی مبدء علی علی جہۃ خاصۃ وھیئۃ المعلومۃ یقتضی فیضان علم خاص بعینہ فتعین العلم ویتمثل بصور واشباح مخزونۃ فی الخیال فیحضر تلک الصور علی النفس حضورا فینتقش ویقع عند ھذہ الحواس الظاھرۃ واقبال النفس علی الحواس الباطنۃ فلا یتعین علم باشباح الا لمناسبۃ بجہۃ بینہا وبینہ۔ (تعلیقات شیخ)

ہے نفس ناطقہ کو مبداء اعلیٰ سے خاص طرح پر اور صورت معلومہ میں کہ مقتضی ہو علم خاص کے فیضان کی پھر متعین ہو جاتا ہے علم اور متشکل ہو جاتا ہے صورتوں اور شکلوں میں جو جمع ہیں خیال میں پھر یہ صورتیں نفس کے سامنے آجاتی ہیں حاضر ہو کر اور پھر منتقش ہوتا ہے واقعہ ان حواس ظاہری میں اور متوجہ ہوتی ہے روح اندرونی حواس پر پھر علم شکلوں میں متعین نہیں ہوتا مگر بوجہ اس مناسبت کے جو اُس علم اور شکل میں ہے +

شیخ بوعلی سینا بھی اس بات کے قائل ہیں کہ بعض لوگوں کو خواب کی حالت میں

اذا قلت الشواغل الحسیۃ وبقیت شواغل اقل لم یبعد ان یکون للنفس فلتات تخلص عن شغل التخیل الی جانب القدس فانتقش فیہا نقش من الغیب فساح الی عالم التخیل وانتقش فی الحس المشترک وھذا فی حال النوم او فی حال مرض ما یشغل الحس ویوھن التخیل فان التخیل قد یوھنہ المرض وقد یوھنہ کثرۃ الحرکۃ لتحلل الروح الذی ھو آلتہ فیسرع الی السکون والفراغ فما ینجذب النفس الی الجانب الاعلیٰ بسہولۃ فاذا طرأ علی النفس نقش ازعج التخیل الیہ وتلقاہ ایضا وذلک اما لتنبہ من ھذا الطارئ وحرکۃ التخیل بعد استیحۃ وھو فاما سریع مثل ھذا التنبہ وکلا ستخدام النفس الناطقۃ لہ صارفۃ من معاونی النفس عند مثل ھذہ السوانح فاذا قبلہ التخیل حال تمرین النفس الشواغل منہ انتقش فی لوح الحس المشترک۔ (اشارات شیخ) +

عالم قدس سے فیضان ہوتا ہے اور وہ فیضان ایک صورت خاص میں متشکل ہو کر خواب میں دکھائی دیتا ہے چنانچہ شیخ نے اشارات میں لکھا ہے کہ پس جب حسی اشتغال کم ہو جاتے ہیں تو کچھ بعید نہیں کہ نفس کو تخیل کے شغل سے فرصت ملے اور وہ قدس کی جانب جائے۔ پس اُس میں غیب کا کوئی نقش منتقش ہو جائے پھر وہ تخیل کے عالم کی سیر کرے اور حس مشترک میں نقش منتقش ہو جائے۔ اور یہ خواب کی حالت میں ہوتا ہے یا مرض کی حالت میں جو حس کو غافل کر دے اور تخیل کو ضعیف کر دے کیونکہ تخیل کو کبھی مرض سست کر دیتا ہے اور کبھی زیادہ حرکت ہونی کیونکہ اُس سے وہ روح جو تخیل کا آلہ ہے تحلیل ہو جاتی ہے پس متخیلہ کسی قدر سکون اور آرام چاہتی ہے اس لئے روح کو جانب اعلیٰ کی طرف توجہ کرنے کا آسانی سے موقع ملتا ہے پس

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۰﴾	اور انہوں نے اُس کو بیچا بقیمت گنتی کے کھوٹے درموں کے اور وہ تھے اُس کی قدر نہ پہچاننے والوں سے ﴿۲۰﴾

جب نفس میں کوئی نقش آتا ہے تو تخیل دوڑ کر اُس کو لے لیتا ہے اور یہ یا تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس امر طاری کی وجہ سے اُس کو تنبہ ہوا ہے اور تخیل نے آرام حاصل کر کے حرکت کی ہے کیونکہ تخیل ایسے تنبہ کی طرف جلد مائل ہوتا ہے اور یا اس وجہ سے کہ نفس ناطقہ کی ہی قدرتی طور سے اُس کی خدمت کر رہا ہے کیونکہ نفس ناطقہ ایسے موقعوں پر نفس کے معاون ہوتا ہے پس جب اُس کو تخیل قبول کر لیتا ہے اُس وقت کہ نفس اُس کے شواغل کو ہٹا دیتا ہے تو حس مشترک کی لوح میں نقش اُتر آتا ہے ✦

غرضکہ صوفیہ کرام اور علمائے اسلام اور فلاسفہ مشائین میں سے شیخ بوعلی سینا اس بات کے قائل ہیں کہ بعض لوگوں کو جن کے نفس کامل ہیں یا زہد و مجاہدہ و ریاضات سے ان کے نفوس میں تجرد حاصل ہوا ہے اُن کو خواب میں ملاء اعلےٰ سے ایک قسم کے علم کا فیضان ہوتا ہے اور وہ فیضان اُن کے صور خیالیہ میں سے کسی صورت میں جو اُس فیضان علم کے مناسب ہے متمثل ہوتا ہے اور وہ تمثل حس مشترک میں منتقش ہو جاتا ہے اور اُس کے مطابق اُن کو خواب دکھائی دیتا ہے - شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں کہ یہی ایک خواب اس قابل ہوتا ہے کہ اس کی تعبیر دیجاوے اور اس کے سوا کوئی خواب تعبیر کے لائق نہیں ہوتا ✦

ملاء اعلےٰ کے مفہوم کو متعدد لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے - کبھی تو ایک عالم مثال قرار دیا جاتا ہے جس میں اس عالم کی تمام باتیں ما کان و ما یکون بطور مثال کے موجود ہیں اور اس کا عکس مجملاً یا تفصیلاً خواب میں انسان کے نفس پر پڑتا ہے - اور کبھی نفوس فلکی کو ما کان اور ما یکون کا عالم سمجھا جاتا ہے اور اُس سے نفس انسانی پر فیض پہنچنا مانا جاتا ہے اور کبھی عقول عشرہ مفروضہ حکما کو عالم ما کان و ما یکون قرار دیکر اس کے فیضان کو تسلیم کیا جاتا ہے اور کبھی اُس سے ملائکہ مقصود ہوتے ہیں ✦

صوفیہ کرام نے چند اصطلاحات قرار دی ہیں جن کے مجموعہ پر ملاء اعلےٰ یا منبع الخیر و الجود یا مبدء الاعلےٰ یا حضرت القدس طلاق ہوتا ہے اور اس کی یہ تفصیل ہے ✦

تدلیات - جن سے مطلب ہے اُن امور متعینہ کا جو تو اسے افلاک میں مکنون ہیں اور جن کو حکما نفوس فلکی سے تعبیر کرتے ہیں ✦

لاہوت - اصطلاح فلاسفہ میں اُس کو انانیۃ اولی سے تعبیر کیا جاتا ہے ✦

جبروت - فلاسفہ نے اُس کو عقل سے تعبیر کیا ہے اور علمائے شرع نے ملائکہ سے ✦

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾	اور کہا اُس شخص نے جس نے مصریوں میں سے اُس کو خریدا تھا اپنی بیوی سے کہ اُس کو عزت سے رکھ شاید کہ ہم کو نفع دے یا ہم اُس کو بنالیں بیٹا اور اس طرح ہم نے رکھا یوسف کو اُس ملک میں اور تاکہ ہم اُس کو سکھاویں حوادث عالم کے مآل کو اور خدا زبردست ہے اپنے کام پر ولیکن اکثر آدمی نہیں جانتے ﴿٢١﴾

رحموت ۔ جس کو حکما نفس کہتے ہیں ✦

ناسوت ۔ اس کو حکما ہیولیٰ قرار دیتے ہیں ✦

لاہوت تو بمنزلہ ماہیت کے ہے اور جبروت بمنزلہ اُس کے لوازم کے اور رحموت بمنزلہ ایک کلی کے جو فرد واحد میں منحصر ہو اور ناسوت کو ایسا قرار دیا ہے جیسے نفس بدن کے لئے یا صورت ہیولیٰ کے لئے ✦

اس امر کو تفسیر کبیر میں اور زیادہ صاف طرح پر بیان کیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے نفس ناطقہ کو اس طرح کا پیدا کیا ہے کہ اس کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ عالم افلاک تک پہنچ جاوے اور لوح محفوظ کو پڑھ لے اس بات سے جو اُس کو مانع ہے وہ اُس کا تدبیر بدن میں مشغول رہنا ہے اور سونے کے وقت میں اُس کی یہ مشغولی کم ہو جاتی ہے اور قوت لوح محفوظ کے پڑھ لینے کی قوی ہو جاتی ہے پس جب روح کا کوئی ایسا حال ہو جاتا ہے تو وہ انسان کے خیال میں خاص اثر جو اس ادراک روحانی کے مناسب ہوتا ہے ڈال دیتی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اثر اُن ادراکات کا خیال میں منتقل ہو کر بطور خواب کے دکھائی دیتا ہے ✦

قد ثبت انه تعالیٰ خلق جوهر النفس الناطقة بحيث يمكنها الصعود الی عالم الافلاك ومطالعة اللوح المحفوظ والمانع لها من ذلك اشتغالها بتدبير البدن وفي وقت النوم يقل هذا التشاغل فتقوى على هذه المطالعة فاذا وقعت الروح على حالة من الاحوال تركت آثاراً مخصوصة مناسبة لذلك الادراك الروحاني الى عالم الخيال ۔ (تفسیر کبیر) ✦

اب ہمارا سوال یہ ہے کہ بلاشبہ عقل انسانی بلکہ مشاہدہ اور تجربہ اس بات کو ضرور ثابت کرتا ہے کہ ایک واجب الوجود یا علة العلل خالق جمیع کائنات موجود ہے ۔ ولا نعلم ماهيته ولا حقيقة صفاته الا ان نقول انه حي قادر خالق لا تاخذه سنة ولا نوم له ما في السموات وما في الارض وهو على كل شيء قدير ۔ اور یہ تمام الفاظ صفاتی جو اس واجب الوجود کی نسبت منسوب کرتے ہیں صرف مجاز ہے لان حقيقة صفاته غير معلومة یہی مفہوم ہمارا علمائے کا جو صوفیہ کرام اور حکمائے اسلام

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْۤ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ

اور جب یوسف جوانی کو پہنچا ہم نے اُس کو دیا حکم اور علم اور اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو (۲۲) اور لگاوٹ کی اُس سے (یعنی یوسف سے) اُس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا اُس کو (یعنی یوسف کو) اپنے آپ کی حفاظت سے ڈگمگا دینے کو اور بند کر دیئے دروازے اور کہا (یوسف سے) آ تیرے لیے (ہوں) یوسف نے کہا کہ خدا کی پناہ بیشک وہ میرا مربی ہے (یعنی شوہر اُن میں سے وہ شخص جس نے یوسف کو خریدا تھا اور جس کا ذکر اکیسویں آیت میں ہے) اور عزت سے رکھا ہے بیشک اس میں کچھ شک نہیں کہ فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے (۲۳) اور اُس عورت نے اُس کے (یعنی یوسف کے) ساتھ قصد کیا اور یوسف نے اُس عورت کے ساتھ قصد کیا ہوتا اگر نہ

اور علمائے سلف عالی مقام نے قرار دیا ہے یہ صرف خیال ہی خیال ہے اُس کی صداقت اور واقعیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو کسی امر کو گو کہ وہ واقعات خواب ہی کیوں نہ ہوں اُس پر مبنی کرنا نقش بر آب ہے واما الاحادیث المرویة فی هذا الباب فکلها غیر ثابتة وانما هی مقالات الصوفیة من بینهم ولیس من کلام النبی محمد صلعم ◆

ہاں کہا جاتا ہے کہ بعد سلوک طریقت اور اختیار کرنے زہد و مجاہدہ و ریاضت کے یہ راز کھلتا ہے اور حجاب اُٹھ جاتے ہیں اور حقیقت نفس بہیئۃ ملاء اعلیٰ و مافیہا منکشف ہو جاتی ہے ہم قبول کرتے ہیں کہ کچھ منکشف ہوتا ہوگا مگر ہم کس طرح تمیز کریں کہ جو کچھ منکشف ہوا ہے وہ حقیقت ہے یا وہی خیالات ہیں جو متمثل ہو گئے ہیں جس طرح کہ اور خیالات متمثل ہو جاتے ہیں الا عندی کمال الانسان ان یکون متقلدا برهانه بیانه مکنونة و مخزونه و نقد شرحه فی کلامه علی لسان رسوله محمد صلی الله علیه وسلم وهی مکتوبة فی کتابه مجید لله و رسوله وکتابه الذی سماه بقرآن المجید والفرقان الحمید تبارك وتعالی شانه بما اعظم برهانه ◆

پس ہمارے نزدیک بجز اُن قویٰ کے جو نفس انسانی میں مخلوق ہیں اور کوئی قوت خوابوں کے دیکھنے میں مؤثر نہیں ہے اور یوسف علیہ السلام کی خواب جن کا نفس نہایت متبرک اور پاک تھا اور اُن دو نوجوانوں کے خواب جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں تھے اور کفر میں مبتلا تھے

اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾	یہ ہوتا کہ دیکھی یعنی سمجھی اُس نے دلیل اپنے رب یعنی ربی کی۔ ایسا ہوا تاکہ ہم پھیریں اُس سے یعنی یوسف سے برائی اور بےحیائی کو بیشک وہ ہے ہمارے مخلص بندوں میں سے (۲۴)

میں مبتلا تھے اور اُن کے نفوس بسبب آلایش کفر پاک نہ تھے اور اسی طرح فرعون کا خواب جو خود اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا اور اُس کا نفس مبدا رفیاض سے کچھ مناسبت نہ رکھتا تھا اور باقی سب کے خواب یکساں مطابق واقعہ کے اسی ایک قسم کے تھے اور اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بجز قواے نفس انسانی کے اور کوئی قوت خوابوں کے دیکھنے میں مؤثر نہیں ہے گو کہ وہ خواب کیسے ہی مطابق واقعہ کے ہوں +

اب حضرت یوسف علیہ السلام کے خوابوں کو دیکھو۔ پہلا خواب اُن کا یہ ہے کہ اُنھوں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو اپنے تئیں سجدہ کرتے دیکھا +

حضرت یوسف علیہ السلام کے اُن کے سوا گیارہ بھائی اور بھی تھے اور ماں اور باپ تھے باپ اور ماں کا تقدس اور عظم و شان اور قدر و منزلت اُنکے دل میں منقش تھی جب یوں کو بھی وہ اپنے باپ کی ذریات جانتے تھے مگر اس سبب سے کہ اُن کے باپ اُن کو سب سے زیادہ چاہتے تھے اور خود اُن کے باپ ماں اور اُن کے سبب سے اُن کے بھائی اُن کی تابعداری بسبب چاؤ و محبت کے کرتے تھے اور اس لئے اُن کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ ماں باپ اور بھائی سب میرے تابع و فرماں بردار اور میری منزلت و قدر کرنے والے ہیں +

یہ کیفیت جو اُن کے دماغ میں منقش تھی اُس کو متخیلہ نے سورج اور چاند اور ستاروں کی شکل میں جن کو وہ ہمیشہ دیکھتے تھے اور اُن کا تفاوت درجات بھی اُن کے خیال میں متمکن تھا متمثل کیا اور اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھ کو سجدہ کرتے ہیں پس اُن کی تعبیر حالت موجودہ میں یہ تھی کہ ماں باپ اور بھائی سب اُن کے فرمانبردار ہیں +

سجدہ کے لفظ سے بعض مفسرین نے واقعی سجدہ کرنا مراد لی ہے اور بعض نے اطاعت و تواضع جیسا کہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے المراد بالسجود نفس السجود او التواضع مگر میں قول ثانی کو ترجیح دیتا ہوں گو خواب میں یہ دیکھنا کہ سورج اور چاند اور ستارے زمین پر اتر آئے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مگر یہ روایت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں فلاں ستارے زمین پر اترے تھے محض بے اصل اور علط بلکہ مجہول ہے +

اس واقعہ کے ایک مدت بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے ماں باپ بھائیوں کا مصر میں جانا اور موافق آداب سلطنت کے آداب بجا لانا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمانا کہ

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور دونوں نے دوڑ کر ایک دوسرے سے پہلے پہنچنا چاہا دروازہ کو (یعنی یوسف نے اس لئے کہ دروازہ کی راہ بھاگ جاوے اور عورت نے اس لئے کہ اُسکو پکڑ لے اور بھاگنے نہ دے) اور عورت نے پھاڑ ڈالا اُس کا یعنی یوسف کا کرتا پیچھے سے (یعنی یوسف تو آگے تھا تھا اور عورت نے اُس کو پکڑنے کو اُس کا کرتا تھا جس کو پھاڑ لیا) اور پایا اُن دونوں نے عورت کے خاوند کو دروازہ کے پاس۔ عورت نے کہا کہ کیا سزا ہے اُس شخص کی جو ارادہ کرے تیری جورو کے ساتھ بُرے کام کا مگر یہ کہ قید کیا جاوے یا دکھ دینے والا عذاب دیا جاوے ﴿۲۵﴾

ھذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلھا ربی حقا ایک امر اتفاقی تھا کیونکہ یہ بات قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی جو نبی تھے اُس خواب سے یہ سمجھے تھے کہ حضرت یوسف ایسی منزلت میں پہنچینگے کہ ماں باپ اور بھائی جاکر اُن کو سجدہ کرینگے اگر قرآن مجید سے اس خواب کی کچھ تعبیر پائی جاتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف سے کہا کہ خدا تجھ کو حوادث عالم کا مآل تعلیم کریگا اور اپنی نعمت تجھ پر اور یعقوب کی اولاد پر اسی طرح پوری کریگا جس طرح کہ اُس نے ابراہیم اور اسحٰق پر پوری کی ہے۔ اور یہ تعبیر ایک عام تعبیر ہے جو ایک جوان صالح کے عمدہ خواب کی تعبیر میں بیان ہو سکتی ہے۔ چاند سورج ستاروں کے سجدہ کرنے سے حوادث عالم کے علم کو تعبیر کرنا نہایت پر لطف قیاس ہے +

دوسرا اور تیسرا خواب اُن دو جوانوں کا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قیدخانہ میں تھے اُن میں سے ایک نے دیکھا کہ میں شراب چھان رہا ہوں دوسرے نے دیکھا کہ اُس کے سر پر روٹی ہے اور پرند اُس کو کھا رہے ہیں یہ دونوں شخص کسی جرم کے متہم ہو کر قید ہوئے تھے پہلا شخص جو غالباً ساقی تھا درحقیقت بے گناہ تھا اور اُس کے دل کو یقین تھا کہ وہ بیگناہ قرار پاکر چھوٹ جاویگا وہی خیال اُس کا سوتے میں شراب طیار کرنے سے جو اُس کا کام تھا متمثل ہو کر خواب میں دکھلائی دیا +

دوسرا شخص جو غالباً باورچیخانہ سے متعلق تھا درحقیقت مجرم تھا اور اُس کے دل میں یقین تھا کہ وہ سولی پر چڑھایا جاویگا اور جانور اُس کا گوشت نوچ نوچ کر کھا وینگے وہی خیال اُس کا سوتے

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (۲۶) وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ (۲۷)

یوسف نے کہا اُس نے مجھ سے خواہش کی مجھ سے مجھ کو اپنی آپے کی حفاظت سے ڈگانے کی اور حاضر ہوا ایک علاقہ ہونیوالا اُس نے فیصلہ کیا کہ اگر ہے اس کا کرتا پھٹا ہوا آگے سے تو وہ ہے سچی اور وہ ہے جھوٹوں میں سے (۲۶) اور اگر ہے اُس کا کرتا پھٹا ہوا پیچھے سے تو وہ ہے جھوٹی اور وہ ہے سچوں میں سے (۲۷)

میں روٹی سر پر رکھ کر لیجانے سے جو اُس کا کام تھا اور پرندوں کا روٹی کو کھانے سے متشکل ہو کر خواب میں دکھائی دیا حضرت یوسف علیہ السلام اُس مناسبت طبعی کو جو اُن دونوں خوابوں میں تھی سمجھے اور اس کے مطابق دونوں کو تعبیر دی اور مطابق واقعہ کے ہوئی ✦

چوتھا خواب وہ ہے جو خود بادشاہ نے دیکھا کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیں ہیں اور اور سوکھی ✦

ملک مصر ایک ایسا ملک ہے جس میں مینہ بہت ہی کم برستا ہے دریائے نیل کے چڑھاؤ پر کھیتی ہونے یا قحط پڑنے کا مدار ہے۔ چڑھاؤ کے موسم میں اگر بائیس فیٹ چڑھ جاوے تو فصل اچھی ہوتی ہے اور چوبیس فیٹ چڑھاؤ میں غرق ہو جاتی ہے اور اگر صرف اٹھارہ یا ساڑھے اٹھارہ فیٹ چڑھاؤ ہو تو قحط ہو جاتا ہے ✦

قدیم مصریوں نے دریائے نیل کے چڑھاؤ کے جس پر اچھی فصل یا قحط کا ہونا منحصر تھا متعدد جگہ اور متعدد طرح سے پیمانے بنا رکھے تھے اور اُن کو بہت زیادہ اچھی فصل ہونے یا قحط ہونے کا خیال اور ہمیشہ اُسی پر چرچا رہتا تھا ✦

مصر میں قحط ہونے کا یہ سبب بھی ہوتا ہے کہ دریائے نیل کی طغیانی کے چڑھاؤ کی بہاؤ کا رُخ اس طرح پر پڑ جاوے کہ زراعت کی زمینیں پانی پھیلنے سے محروم رہ جاویں حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں اور اس سے پہلے بھی دریائے نیل بے اعتدالی کے طور پر بہتا تھا یعنی ملک مصر میں اُس کے مناسب اور یکساں بہنے کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا ✦

اس زمانہ میں بھی جب کسی ندی یا دریا کا رُخ بدلتا معلوم ہوتا ہے تو لوگ اندازہ کرتے ہیں اور آپس میں چرچا کرتے ہیں کہ اتنے دنوں میں دریا اُس طرف بہنے لگیگا اور فلاں طرف کی زمینیں چھوٹ جاوینگی اسی طرح غالباً اُس زمانہ میں مصر کی نسبت اور قحط پڑنے کی نسبت چرچے ہوتے ہونگے اور بادشاہ مصر کو اُس کا بہت خیال رہتا ہوگا وہی خیال

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾	پھر جب اُس کے خاوند نے دیکھا اُس کے کرتے کو پھٹا ہوا پیچھے سے اُس نے کہا بیشک یہ ہے تمہارے مکر سے بیشک تمہارا مکر بڑا ہے ﴿۲۸﴾

پیداوار کے زمانہ کا موٹی تازی گایوں اور ہری ہری بالوں سے اور قحط کے زمانہ کا دبلی گایوں اور سوکھی بالوں سے متمثل ہوکر فرعون کو خواب میں دکھائی دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اُسی حالت کے مناسب تعبیر دی جو مطابق واقع کے ہوئی کما قال الفارابی ان التعبیر هو حدس من المعبر یستخرج به الاصل من الفرع ✣

اگر عبری توریت کے حساب کو صحیح مانا جاوے تو یہ قحط سنہ ۲۲۹۶ دنیاوی یعنی سنہ ۱۷۰۸ قبل مسیح میں شروع ہوا تھا اور سنہ ۲۳۰۲ دنیاوی یعنی سنہ ۱۷۰۲ قبل مسیح میں ختم ہوا تھا ✣

مصر کا قحط افریقہ کے اکثر حصوں اور بالخصوص یمن میں اور تمام فلسطین میں نہایت شدید تھا مگر یہ سمجھنا کہ اُن برسوں میں اُن ملکوں میں مطلق کچھ پیدا نہیں ہوا تھا صحیح نہیں ہے بلکہ جو حال عموماً قحط زدہ ملکوں کا ہوتا ہے ویسا ہی اُن ملکوں کا تھا اور اسی لئے قرآن مجید میں سبع شداد کا لفظ آیا ہے اور شدید قحط میں یہی ہوتا ہے کہ پیداوار اُن ملکوں میں نہایت قلیل ہوتی ہے اور پھر متواتر قحط ہوتا ہے اور شدید ہو جاتا ہے کیونکہ غلہ کا ذخیرہ موجود نہیں رہتا ✣

خوابوں کی نسبت اب صرف ایک بحث باقی ہے کہ اگر وہی چیزیں خواب میں دکھائی دیتی ہیں جو دماغ میں اور خیال میں جمع ہیں تو یہ کیوں ہوتا ہے کہ بعضی دفعہ یا اکثر دفعہ وہی امر واقع ہوتا ہے جو خواب میں دیکھا گیا ہے ✣

گو اس باب میں خواب کی حالت اور بیداری کی حالت برابر ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں آدمی باتیں سوچتا ہے اور اپنے دل میں قرار دیتا ہے کہ یہ ہوگا اور وہی ہوتا ہے یا کسی شخص کو یاد کرتا ہے اور وہ شخص آ جاتا ہے اور بہت دفعہ اُس کے مطابق نہیں ہوتا پس اُس کی بیداری کے خیال کے مطابق واقعہ کا ہونا ایک امر اتفاقی ہوتا ہے۔ اسی طرح خواب میں بھی جو باتیں وہ دیکھتا ہے اور وہ وہی ہوتی ہیں جو اُس کے دماغ اور خیال میں جمع ہوئی ہوتی ہیں پس کبھی اُن کے مطابق بھی کوئی واقعہ اسی طرح واقع ہوتا ہے جس طرح کہ بیداری کی حالت میں خیالات کے مطابق واقع ہو جاتا ہے ✣

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ انبیاء اور صلحاء کے خواب بسبب اس کے کہ اُن کے نفس کو تجرد فطری و خلقی یا اکتسابی حاصل ہوتا ہے اُن کے خواب بالکل سچے اور اصلی اور مطابق اُن کی

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿۲۹﴾	اے یوسف درگذر کر اس سے اور اے عورت معافی مانگ اپنے گناہ کی بیشک تو تھی خطا کرنے والوں میں سے ﴿۲۹﴾

حالت نعش کے ہوتے ہیں اور اُن سے اُن کے نفس کا تقدس اور متبرک ہونا ثابت ہوتا ہے ✦

(۲۴) ولقد همت به وهم بها۔ کی نسبت مفسرین نے بہت لمبی لمبی دور دراز کار بحثیں کی ہیں ۔ کہیں اس پر بحث ہے کہ ، هم بها ، کے لفظ سے حضرت یوسف سے گناہ صادر ہوا یا نہیں ۔ کہیں اس پر بحث ہے کہ رؤیت برہان سے کیا مراد ، پھر ایک روایت کہی جاتی ہے کہ حضرت یعقوب کی صورت دانتوں میں انگلی کاٹتے ہوئے دکھائی دی ایک روایت بتائی جاتی ہے کہ مکان کی چھت پر کچھ الفاظ لکھے ہوئے دکھائی دئے ۔ اسی طرح کی بہت سی بیفائدہ اور بیہودہ باتیں تفسیروں میں لکھی ہیں اور اُن پر جرح وقدح وتعدیل وتصویب کی ہے ۔ مگر قرآن مجید کا مطلب بہت صاف ہے البتہ کسی قدر قواعد نحو کے مطابق اُس پر بحث ہوسکتی ہے اگرچہ ہمارے نزدیک اخفش و سیبویہ یا بصریین و کوفیین کے مستنبطہ قواعد نحو سے قرآن مجید کو جکڑنا اور اُس پر جرح محض غلط ونا واجب ہے کیونکہ کتنا ہی استقرا کیا جاوے کسی زبان کے تمام محاورات و طرز ادا اور ایڈیم[1] کا استقرا نہیں ہوسکتا لیکن ہم اول اصلی ہو صاف معنی قرآن مجید کے بیان کر کے بقدر ضرورت مسئلہ نحوی پر بھی بحث کرینگے ✦

پہلی آیت میں خدا نے فرمایا تھا کہ اس عورت نے مکان کے دروازے بند کر دیئے اور یوسف سے کہا کہ آ میں تیرے لئے ہوں یعنی حضرت یوسف سے فحش کی خواہش کی حضرت یوسف نے کہا خدا کی پناہ یعنی انکار کیا ۔ اور یہ دلیل پیش کی کہ جس نے مجھ کو گھر میں رکھا ہے یعنی اُس عورت کا شوہر وہ میرا رب یعنی مربی ہے اور مجھ کو عزت سے رکھا ہے اور ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے ✦

اب دوسری آیت میں جو لفظ ، وهم بها ، کا ہے اُس کے یہ معنی کہ حضرت یوسف نے اُس عورت سے فحش کا قصد کیا یا اُن کے دل میں اُس کا ارادہ آیا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ پہلی آیت میں صاف اس کام سے انکار بطور نص قطعی بیان ہوچکا ہے اور اس لئے ضرور ہے کہ ، هم بها ، کے معنی عدم وقوع ، هم ، کے ہوں پس ، هم بها ، لولا کی جزا ہے اور جزا بسبب اہم اور مقصود بالذات ہونے کے شرط پر مقدم ہو گئی ہے ۔ اس لئے دوسری آیت کے صاف معنی جو نص قرآنی سے پائے جاتے ہیں یہ ہیں کہ " اگر یوسف نے

[1] محاورہ ایڈیم ✦

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

اور کہا چند عورتوں نے شہر میں کہ عزیز کی عورت لگاوٹ کرتی ہے اپنے غلام سے اس کو اپنے آپ کی حفاظت سے ڈگمگا دینے کو بیشک اُس کا دل پھٹ گیا ہے محبت سے بیشک ہم دیکھتی ہیں اُس کو علانیہ گمراہی میں ﴿۳۰﴾

دلیل اپنے رب کی نہ دیکھی ہوتی یعنی نہ سمجھی ہوتی تو یوسف نے اُس کے ساتھ قصد کیا ہوتا پس قرآن مجید سے فحش کا قصد کرنا یا اُس کا ارادہ دل میں آنا حضرت یوسف کی نسبت بیان نہیں ہوا ہے +

رویت کا لفظ آنکھ سے ہی دیکھنے پر مخصوص نہیں ہے بلکہ دل میں جو بات یقین اور استحکام سے آجاتی ہے اُس پر بھی رویت کا اطلاق ہوتا ہے ۔ اس آیت میں جو لفظ رأٰ کا ہے اُس کی نسبت بھی تفسیر کبیر میں آنکھ سے دیکھنے کے معنی نہیں بیان ہوئے ہیں بلکہ اُس رویت قلبی کے معنی لئے ہیں جو انبیاء وصلحاء کو منکرات پر اقدام کرنے سے روکتی ہے +

فالمراد بالرؤية حصول تلك الاخلاق (یعنی تطہیر نفوس الانبیاء) وتذكير الاحوال الرادعة لهم عن الاقدام على المنكرات ۔ (تفسیر کبیر) +

فالمرعبارة عن جواذب الطبيعة والبرهان عبارة عن جواذب العبودية + (تفسیر کبیر) +

اب یہ بات غور طلب ہے کہ " برھان ربہ " سے کیا مراد ہے ۔ تعجب ہے کہ تمام مفسرین نے پہلی آیت میں جو لفظ " ربی " ہے اُس سے وہ شخص مراد لیا ہے جس نے حضرت یوسف کو خرید کر اپنے گھر میں رکھا تھا اور پرورش کیا تھا اور دوسری آیت میں جو لفظ " ربہ " ہے اُس سے خدا مراد لیا ہے جس کے لئے کوئی قرینہ نہیں ہے بلکہ بلحاظ سیاق پہلی آیت کے دوسری آیت میں بھی وہی شخص مراد ہے جو پہلی آیت میں تھا +

اب معنی آیت کے اور لفظ " برھان " کے بالکل صاف ہیں یعنی اگر یوسف نے دلیل نہ سمجھی ہوتی کہ جس نے مجھ کو اپنے گھر میں رکھا ہے اور میرا رب یعنی مربی یا پرورش کرنے والا ہے اُس کی عورت کے ساتھ خواہش ظلم ہے اور ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے تو یوسف نے اُس کے ساتھ قصد کیا ہوتا +

اب رہی یہ بحث کہ " لولا " جب بطور شرط کے واقع ہو تو جزا کا اس پر مقدم کرنا بموجب قواعد مستنبطہ نحو جائز ہے یا نہیں اُس کی نسبت تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ہم اس بات

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ (۳۱)	پھر جب عزیز مصر کی عورت نے سنیں اُن کی مکر کی باتیں اُن کے پاس بلاوا بھیجا اور تیار کی اُن کے لیے دعوت اور دی اُن میں سے ہر ایک کو چھری اور کہا (یوسف کو) نکل آ اُن کے سامنے پھر جب اُن عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو اُس کو بڑا جانا اور کاٹ لیے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں دوہائی خدا کی نہیں ہے یہ انسان نہیں ہے مگر بزرگ فرشتہ (۳۱)

لا نسلم ان یوسف علیہ السلام ھم بھا والدلیل علیہ انہ تعالیٰ قال وھم بھا لولا ان رای برھان ربہ وجواب لولا ھھنا مقدم وھو کما یقال قد کنت من الھالکین لولا ان فلانا خلصک۔ (تفسیر کبیر) +

کہ نہیں مانتے کہ حضرت یوسف نے اُس عورت کے ساتھ قصد کیا تھا کیونکہ خدا نے کہا ہے کہ اُس کے ساتھ قصد کیا ہوتا اگر نہ دیکھتا دلیل اپنے پروردگار کی۔ اس جگہ جواب لولا کا مقدم ہے اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے کہ تو ہوتا مرے ہوؤں میں سے اگر نہ فلاں شخص تجھ کو بچاتا +

اس پر زجاج کا اعتراض نقل کیا ہے اس کا اعتراض یہ ہے کہ 'لولا' کا جواب پہلے لانا شاذ ہے اور کلام فصیح میں موجود نہیں ہے +

اس کا جواب اُنہوں نے یہ دیا ہے کہ جواب 'لولا' کا موخر لانا بہتر ہے مگر مقدم لانا ناجائز نہیں ہے اور جواب 'لولا' کے مقدم آنے پر سورہ قصص کی اس آیت سے سند لی ہے۔ واصبح فؤاد ام موسیٰ فارغا ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علی قلبھا لتکون من المومنین (سورہ قصص) موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا قریب تھا کہ اُس کو ظاہر کر دیوے اگر ہم نے نہ بندش کی ہوتی اُس کے دل پر +

اس پر زجاج کا دوسرا اعتراض نقل کیا ہے کہ 'لولا' کا جواب بغیر لام کے نہیں آتا اگر 'ھم بھا' 'لولا' کا جواب ہوتا تو یوں کہا جاتا۔ ولقد ھمت بہ ولھم بھا لولا ان رای برھان ربہ +

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ 'لولا' کا جواب لام کے ساتھ آتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بغیر لام کے لانا جائز نہیں ہے +

اس کے بعد تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ 'لولا' جواب چاہتا ہے اور یعنی 'وھم بھا' اُس کا جواب ہو سکتا ہے پھر ضرور ہے کہ وہ اُس کا جواب ہے۔ یہ بات کہنی نہیں چاہیے کہ ہم اُس کے جواب کو مضمر مانیں گے اور بہت جگہ قرآن میں جواب کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اس بات میں

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ (۳۲)	عزیز مصر کی عورت نے کہا کہ یہ ہی ہے کہ جس کی بابت تم مجھ کو ملامت کرتی ہو اور بیشک میں نے اسکے نفس کی اس کو اپنے آپ کی حفاظت سے ڈگمگانے کو بہلایا، اور اگر وہ نہ کریگا جو میں اس کو کہتی ہوں تو وہ ضرور قید کیا جاویگا اور البتہ ہوگا چھوٹے بیبسوں میں سے (۳۲)

کہ قرآن میں جواب چھوڑ دینا کیسے کچھ جھگڑا نہیں ہے مگر اصلی بات یہ ہے کہ جواب کا محذوف ہونا نہیں چاہئے صرف اسی جگہ اس کا حذف کرنا یا چھوڑنا بہتر ہوتا ہے جب کہ لفظ میں ایسی بات پائی جاوے کہ اس سے وہ جواب محذوف متعیّن ہو جاوے اور اگر اس جگہ ہم جواب کو محذوف مانیں تو لفظ میں کوئی دلالت ایسی نہیں ہے جو جواب محذوف کو متعین کرے اور اس جگہ بہت جواب مضمر ہو سکتے ہیں اور ایک کو باقیوں سے بہتر سمجھنے کی دلیل نہیں ہے۔ انتہیٰ ◆

صاحب تفسیر کبیر نے اس بات کی کوئی مثال نہیں دی کہ "لولا" کا جواب بغیر لام کے بھی آیا ہے مگر قرآن مجید میں متعدد اس کی مثالیں ہیں سورہ نور میں ہے۔ ولولا فضل اللہ علیکم ورحمته مازکی منکم من احد ابدا (آیت ۲۱)۔ اور سورہ واقعہ میں ہے۔ فلولا ان کنتم غیر مدینین ترجعونها ان کنتم صدقین (آیت ۸۵ و ۸۶)۔ اور اس شعر زمانہ جاہلیت میں بھی جواب "لولا" کا بغیر لام کے آیا ہے اور وہ شعر یہ ہے:-

ولولا انّی رحیل حرام هصرت قرونها ونقمت ناها

اور فرزدق نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی شان میں کہا ہے:-

ماقال لا قط الا فی تشهده لولا التشهد کانت لاؤہ نعم

اگرچہ ان آیتوں اور شعروں میں "لولا" کا جواب موخر ہے مگر جب کہ ان کا جواب بحالت موخر ہونے کے بغیر لام کے آیا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بحالت مقدم ہونے کے بغیر لام کے نہ آوے چنانچہ ہم اس کی مثال بھی پیش کرینگے ◆

بلاشبہ صاحب تفسیر کبیر نے نہایت عمدہ طریق پر بیان کیا ہے کہ "وھم بھا" جواب مقدم ہے "لولا" کا لیکن ہم مختصر طور پر یہ بات کہتے ہیں کہ خود قرآن مجید سے ثابت ہے کہ "وھم بھا" جواب مقدم ہے "لولا" کا کیونکہ پہلی آیت سے کسی قسم کے "ھم" یعنی قصد سے انکا بیان ہو چکا ہے۔ تو دوسری آیت میں ہر قسم کے "ھم" یعنی قصد سے نفی ہونی چاہئے اور اُسکی نفی نہیں ہوتی جب تک کہ "وھم بھا" کو "لولا" کا جواب مقدم نہ قرار دیا جاوے پس نص قرآنی سے ثابت ہے کہ "ھم بھا" جواب مقدم "لولا" کا ہے ◆

یوسف نے کہا اے میری پروردگار قید خانہ مجھ کو زیادہ پیارا ہے اُن باتوں سے جو وہ مجھ سے چاہتی ہیں۔ اور اگر تو نہ پھیریگا مجھ سے اُن کا مکر (تو مجھے خوف ہے) میں جھک جاؤنگا اُن کی طرف اور رہو جاؤں جاہلوں میں سے (۳۳)	قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ (۳۳)

ہم اسی قدر پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے بلکہ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے اشعار میں بغیر لام کے بھی لولا کا جواب مقدم آیا ہے امرأ القیس کہتا ہے :-

یغالین فیہ الجزء لولا ہواجر جنادبہا صرعیٰ لہن فصیص

غلو کرتیں وہ اونٹنیاں قناعت کرنے میں پانی سے چارہ پر اگر ایسی دوپہر نہ ہوتی جس میں ٹڈیاں زمین پر گر پڑی ہیں اور وہ چرچر بول رہی ہیں گویا ہنسنے کی وہ چرچراہٹ ہے ✦

زہیر جو بہت مشہور اور قدیم شاعر زمانہ جاہلیت کا ہے کہتا ہے :-

المجد فی غیرهم لولا ماثرہ و صبر نفسہ والمحرمات تنعر

بزرگی اس کے سوا اوروں میں ہوتی ہے اگر نہ ہوتی اُس کی یعنی ممدوح کی خوبیاں اور استقلال نفس ایسی حالت میں کہ لڑائی بھڑک رہی ہے ✦

۲۶ (شہد شاہد)۔ شاہد کا لفظ زیادہ تر گواہ کے معنوں میں مستعمل ہے مگر ایسے گواہ پر جس نے اُس واقعہ کو جس کا وہ گواہ ہے بچشم خود دیکھا ہو اس لئے قرآن مجید کے ترجموں نے اس کا ترجمہ کیا ہے (گواہی داد گواہے) اور اردو میں ترجمہ کیا ہے (گواہی دی گواہ نے) مگر یہ ترجمہ صریح غلط ہے کیونکہ اگر، شاہد، کے معنی گواہ کے لئے جاویں تو اُس کی گواہی "ان کان قمیصہ قد من قبل الی آخرہ" ہوگی اور صاف ظاہر ہے کہ وہ گواہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک واقعہ کی نسبت حکم یا فیصلہ ہے پس خود سیاق قرآن ان معنوں سے جو مترجموں نے اختیار کئے ہیں انکار کرتا ہے اسی لئے اس تفسیر کے مصنف نے جو تفسیر ابن عباس کے نام سے مشہور ہے " شہد شاہد " کی تفسیر میں لکھا ہے حَکَمَ حَاکِمٌ شاہد سے حاکم مراد لینا گو سیاق قرآن کے مناسب ہو مگر لفظ کی دلالت سے بہت بعید ہے ✦

شہد اور شاہد کا لفظ جیسا کہ گواہ کے معنوں میں مستعمل ہے اُس سے زیادہ حاضر اور موجود ہونے کے معنوں میں مستعمل ہے پس صحیح ترجمہ ان لفظوں کا وہ ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے کہ (حاضر ہوا حاضر ہونے والا) یعنی اُس تنازع کے وقت جو اُس عورت اور حضرت یوسف میں ہوا ایک شخص آیا اور اُس نے فیصلہ کیا کہ " ان کان قمیصہ قد من قبل الخ ✦

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾	پھر قبول کی اس کی دعا اس کے پروردگار نے پھیر دیا اس سے ان کا مکر بیشک وہ سننے والا ہے جاننے والا ﴿۳۴﴾

اب اس بات پر بحث ہے کہ وہ شاہد کون تھا۔ تفسیر کبیر میں متعدد روایتیں اسکی نسبت لکھی ہیں جو اسی قسم کی ہیں جیسے کہ بے سر و پا روایتیں تفسیروں میں ہوتی ہیں۔ مگر وہ روایت جس پر ایک گروہ مفسرین کا اتفاق ہے اس قابل ہے کہ اس پر اعتماد کیا جاوے اور وہ یہ ہے کہ اس عورت کا ایک چچازاد بھائی تھا وہ ایک حلیم آدمی تھا اتفاق سے اس وقت وہ بادشاہ کے ساتھ تھا اور اس عورت کے

انه كان ابن عم لها وكان رجلا حكيما واتفق في ذلك الوقت انه كان مع الملك يريد ان يدخل عليها فقال قد سمعنا الجلبة من وراء الباب وشق القميص الا انا لا ندري ايكما قدام صاحبه فان كان شق القميص من قدامه فانت صادقة والرجل كاذب وان كان من خلفه فالرجل صادق وانت كاذبة فلما نظروا الى القميص ورأوا الشق من خلفه قال ابن عمها انه من كيدكن ان كيدكن عظيم اي من عملكن ثم قال ليوسف اعرض عن هذا واكتمه وقال لها استغفري لذنبك وهذا قول طائفة عظيمة من المفسرين - (تفسیر کبیر) ◆

پاس جانے والا تھا اُس نے کہا کہ میں نے دروازہ سے دھینگا تانی اور ساؤ از قمیص پھٹنے کی سنی مگر میں نہیں جانتا کہ تم دونوں میں سے کون آگے تھا۔ پس اگر کرتا آگے سے پھٹا ہو تو تو سچی ہے اور وہ شخص جھوٹا ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ شخص سچا ہے اور تو جھوٹی ہے۔ پھر جب قمیص کو دیکھا اور معلوم ہوا کہ وہ پیچھے سے پھٹا ہے تو اُس عورت کے چچازاد بھائی نے کہا کہ بیشک یہ تمہارا مکر ہے اور بیشک تمہارا مکر بڑا ہے۔ یعنی یہ تمہارا کام ہے۔ پھر اُس نے یوسف سے کہا کہ اس سے درگذر کرو اور اس کو پوشیدہ رکھو اور اُس عورت سے کہا کہ تو معافی مانگ اپنے گناہ سے۔ یہ قول ہے ایک گروہ عظیم کا مفسرین میں سے ◆ پس یہ روایت ایسی ہے کہ اُس کو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہد شاھد کا لفظ بمعنی گواہ کے نہیں آیا بلکہ ایسے شخص کی نسبت آیا ہے جو وہاں حاضر تھا ◆

انتیسویں اور تیسویں آیت کے اکثر الفاظ نہایت غور طلب ہیں اور مفسرین نے بلاشبہ اُن پر غور کی ہے اور اپنی سمجھ کے موافق اُن کی تفسیر بھی بیان کی ہے مگر تشفی کے قابل نہیں ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ تفسیر نامعتمد روایتوں پر مبنی ہے ہم چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے خود قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے اُن کی تفسیر سمجھیں ◆

اُن آیتوں میں ہے کہ جب شہر کی عورتوں نے حضرت یوسف کے ساتھ عزیز مصر کی عورت کے عشق کا چرچا کیا اور کہا کہ وہ علانیہ گمراہی میں ہے اور جب عزیز مصر کی عورت نے اُن کا چرچا کرنا سنا تو اُن کو دعوت میں بلایا جس میں حضرت یوسف بھی موجود ہوئے مفسرین لکھتے ہیں کہ وہ چار یا پانچ عورتیں تھیں ایک عزیز مصر کے شراب پلانے والے کی عورت۔ دوسری اُس کی مدفی

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾	اس کے بعد پیدا ہوئی اُن کے لئے بعد اُس کے کہ دیکھیں انہوں نے نشانیاں کہ قید کریں یوسف کو ایک وقت تک ﴿۳۵﴾

پکانے والے یعنی داروغہ باورچیخانہ کی عورت۔ تیسری افسر جیل خانہ کی عورت چوتھی داروغہ اصطبل کی عورت۔ پانچویں حاجب یعنی افسر منتظم دربار کی عورت ✣

آیتوں میں جو الفاظ خود قرآن مجید کے ایک لفظ "بمکرھن" ہے یعنی جب عزیز مصر کی عورت نے اُن عورتوں کا چرچا کرنا سُنا تو اُس کو بلفظ بمکرھن سے تعبیر کیا پس غور کرنے کی بات ہے کہ ان کے اس چرچے کو کیوں اس لفظ سے تعبیر کیا تفسیر کبیر میں اور اسی طرح اور تفسیروں میں لفظ "بمکرھن" کی تفسیر بقولھن کی ہے پھر اس پر بحث کی ہے کہ ان کے قول کو مکر کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا ہے۔ تفسیر کبیر میں اس کی تین وجہیں لکھی ہیں جو صحیح نہیں معلوم ہوتیں ✣

اول یہ کہ۔ اس چرچے سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ عزیز مصر کی عورت ہم کو بھی یوسف دکھا دے مگر کسی قدر بعید از عقل ہے کہ اُن عورتوں نے جو عزیز مصر کے محل میں آنے جانے والی اور اس کے افسروں کی عورتیں تھیں اور حضرت یوسف بھی وہیں رہتے تھے اور اُنھوں نے اُن کو کبھی نہ دیکھا ہو ✣

دوسرے یہ کہ عزیز مصر کی عورت کے عشق کا راز اُن کو معلوم تھا اگر اُس کے چھپانے کو کہا تھا جب انھوں نے اُس کا چرچا کیا تو یہ دغا بازی و مکر ہوا تسلیم کرو کہ دغا بازی اور خلاف وعدگی ہوئی رازداری نہ ہوئی مگر اُس میں مکر کیا ہوا ✣

تیسرے یہ کہ انھوں نے عزیز مصر کی عورت کی پوشیدہ غیبت کی جو مکر کے مشابہ تھی۔ اس توجیہ کا بودا پن خود اُس سے ظاہر ہے اب ہم قرآن مجید ہی سے تلاش کرتے ہیں کہ اُن عورتوں نے جو چرچا کیا اُس پر مکر کا کیوں اطلاق کیا۔ قرآن مجید کی اور آیتوں سے جن کا ہم ذکر کریں گے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورتیں خود حضرت یوسف کے عشق میں مبتلا تھیں اور حضرت یوسف کو اپنی طرف ملتفت کرنا چاہتی تھیں اور ظاہر میں عزیز مصر کی عورت کو یوسف کے عشق پر ملامت کرتی تھیں۔ اور اس لئے اُن کے اُس چرچے اور ملامت کرنے کو اُن کے مکر سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عورتیں مع عزیز مصر کی عورت کے اُس عشق بازی میں شریک تھیں اور ایک کو دوسری کا حال معلوم تھا اور اسی سبب سے عزیز مصر کی عورت نے اُن کی بات چیت کو مکر سے تعبیر کیا اور بسبب ازدار ہونے کے یوسف کی دعوت میں اُن کو بلایا اور سب نے ملکر حضرت یوسف کو فحش کے ارتکاب پر مجبور کرنا یا اُن کو کسی جرم کے حیلہ میں پھنسانا چاہا تھا کیونکہ حضرت یوسف پہلے جرم کے اتہام سے بری ہوچکے تھے۔ اور وہ مجلس جس میں حضرت یوسف اور وہ عورتیں بلائی

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ قَالَ اَحَدُ
هُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا
وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ
فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ
مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ
مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا
طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ
قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا
عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ اِنِّيْ تَرَكْتُ
مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ
مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ
بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ
عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ
مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

اور داخل ہوئے اُس کے ساتھ قیدخانہ میں دو جوان ایک نے
اُن دونوں میں سے کہا کہ بیشک میں دیکھتا ہوں اپنے کو
کہ نچوڑتا ہوں شراب کو (یعنی انگوروں کو) اور دوسرے
نے کہا کہ بیشک میں دیکھتا ہوں اپنے کو کہ اٹھائی ہیں میں نے
اپنے سر پر روٹیاں اُس میں سے پرند کھاتے ہیں بتا ہم کو اس کی
تعبیر بیشک ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیک لوگوں میں سے ﴿۳۶﴾
یوسف نے کہا کہ نہ آنے پاوے گا تمہارے پاس کھانا کہ وہ دیا جاتا
ہے مگر بتاؤں گا میں تم دونوں کو اُس کی تعبیر اس سے پہلے
کہ تعبیر کا مصداق تمہارے پاس آئے یہ تمہارے لئے اُس چیز سے
کہ سکھایا ہے مجھ کو میرے پروردگار نے بیشک میں نے چھوڑ رکھا
ہے (یعنی کبھی پیروی نہیں کی) اُن لوگوں کے دین کی جو
نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور وہ آخرت سے بھی منکر ہیں ﴿۳۷﴾
اور تابعداری کی میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق اور
یعقوب کے دین کی اور نہیں ہے ہمارے لئے کہ ہم شریک کریں
اللہ کے ساتھ کوئی چیز یہ ہے فضل اللہ کا ہم پر اور آدمیوں
پر ولیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے ﴿۳۸﴾ اے میرے
دونوں ساتھیو قیدخانہ کے کیا چند معبود جدا جدا کئے ہوئے
بہتر ہیں یا ایک خدائے واحد رب پر غالب ﴿۳۹﴾

گئی تھیں دعوت کی تھی جس میں متعدد قسم کے کھانے تھے اور اُن کے کاٹنے کے لئے ہر ایک کو چھری

حاصل الکلام: انہا دعت اولئک النسوۃ واعتدت لکل واحدۃ منھن سکینا اما لاجل اکل الفاکھۃ او لاجل قطع اللحم (تفسیر کبیر)۔

واتت (اعطت) کل واحدۃ منھن سکینا۔ تقطع بھا اللحم لانھم کانوا لا یاکلون الا ما یقطعون بسکاکینھم (تفسیر ابن عباس)۔

دی گئی تھی چنانچہ تفسیر کبیر اور نیز تفسیر موسوم بہ ابن عباس میں لکھا ہے کہ وہ عورتیں دعوت میں بلائی گئی تھیں اور پھل کاٹنے یا گوشت کاٹنے کو چھریاں اُن کو دی تھیں اور وہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھاتے تھے مگر اُن عورتوں نے صرف حضرت یوسف کو جرم میں
پھنسانے کے لئے خود دانستہ اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور اسی جرم کے اتہام میں اُن کو قیدخانہ میں بھیجا۔

اب اس مطلب کو ہم قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت کرتے ہیں جب بادشاہ نے خواب کی تعبیر دیا

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

نہیں عبادت کرتے تم اللہ کو سوا (کسی اور کی) مگر کہ نام ہیں کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے انکے نام رکھ لیئے ہیں نہیں بھیجی ہے اُن پر اللہ نے کوئی دلیل نہیں ہے حکم کرنا مگر خدا کو اُس نے حکم کیا ہے کہ نہ عبادت کرو مگر اُسی کی یہ ہے دین درست و لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے ﴿۴۰﴾ اے میرے دونوں ساتھیو قید خانہ کے لیکن تم دونوں میں کا ایک بس پلاویگا اپنے مالک یعنی بادشاہ کو شراب لیکن دوسرا بس سولی دیا جاویگا اور اُسکے سر میں سے پرندے کھاوینگے فیصل کر دیا گیا وہ امر جس میں تم دونوں نے پوچھا تھا ﴿۴۱﴾ اور یوسف نے اُن دونوں میں سے اُسے جسکی نسبت گمان کیا تھا کہ وہ چھوٹ جاویگا کہا کہ ذکر کیجیو میرا اپنے مالک سے۔ پھر بھلا دیا اُس کو شیطان نے ذکر کرنے کو اپنے مالک سے پھر یوسف رہا قید خانہ میں چند برس تک ﴿۴۲﴾ اور کہا بادشاہ نے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سات موٹی گائیں کھاتی ہیں سات دبلیوں کو۔ اور سات ہری بالیں ہیں اور سوکھی ہوئی اے دربار یو مجھ کو جواب دو میرے خواب کے بابت میں اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو ﴿۴۳﴾ اُنھوں نے کہا کہ یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں ہیں ﴿۴۴﴾

کو جو حضرت یوسف نے دی تھیں سُنکر کہا کہ حضرت یوسف کو قید خانہ سے لاؤ تو جو شخص لینے آیا تھا اُس سے حضرت یوسف نے کہا کہ تو پھر جا اپنے مالک کے پاس اور اُس سے پوچھ کہ کیا حال ہے

فارجع الی ربک فسئلہ ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن ان ربی بکیدھن علیم۔ (آیت ۵۰)　　اُن عورتوں کا جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے بیشک میرا رب یعنی وہ جس نے میری پرورش کی ہے اُن کے مکر کو جانتا ہے۔ اِس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے ہاتھ خود مکر کرنے کو لئے کھائے تھے

اس پر بادشاہ نے یا عزیز مصر نے اُن سے پوچھا کہ تمہاری کیا حالت تھی جب کہ تم نے لگاوٹ

قال ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسہ　　کی یوسف سے اُس کو اپنے آپے کی حفاظت سے

قلن حاش للہ ما علمنا علیہ من سوء (آیت ۵۱)　　ڈگا دینے کو اُن عورتوں نے کہا خدا کی

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿۴۵﴾ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿۵۰﴾

اور کہا اُن دونوں میں سے اُس نے جو چھوٹ گیا تھا اور ایک مدت بعد یاد کیا کہ میں بتا دوں گا تم کو اس کی تعبیر مجھ کو بھیجو (یعنی جانے دو قید خانہ میں) ﴿۴۵﴾ اے یوسف اے سچے ہم کو بتا سات موٹی گایوں کے سات دبلیوں کے کھالینے میں اور سات ہری بالوں اور اور سوکھی ہوئی میں تاکہ میں لوگوں کے پاس جاؤں تاکہ وہ جان لیں ﴿۴۶﴾ یوسف نے کہا تم کھیتی کرو گے سات برس لگاتار پھر جو کچھ تم کاٹو اس کو اس کی بالوں میں چھوڑ دو مگر تھوڑی سی کو جس میں سے تم کھاؤ ﴿۴۷﴾ پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس نہایت سخت (یعنی قحط کے) وہ کھا لیں گے جو کچھ پہلے سے اُن کے لئے تم نے جمع کیا تھا مگر اس میں سے تھوڑا سا جو تم بچا رکھو ﴿۴۸﴾ پھر اُس کے بعد ایک برس آوے گا اُس میں مینہ برسایا جاوے گا لوگوں پر اور اس میں (انگور) نچوڑیں گے ﴿۴۹﴾ اور بادشاہ نے کہا اس کو (یعنی یوسف کو) میرے پاس لاؤ پھر جب اُس کے (یعنی یوسف کے) پاس ایلچی آیا تو یوسف نے کہا کہ اپنے مالک کے پاس پھر جا اور اُس سے پوچھ کہ کیا حال ہے اُن عورتوں کا جنہوں نے کاٹ لئے تھے ہاتھ بیشک میرا مالک (فی تفسیر ابن عباس ربی سیدی) اُن کے مکر کو جانتا ہے ﴿۵۰﴾

ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں جانی - اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح عزیز مصر کی عورت نے حضرت یوسف سے لگاوٹ کی باتیں کی تھیں وہی حال اُن عورتوں کا تھا جنہوں نے دانستہ مکر کرنے کے لئے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے +

تفسیر کبیر میں بادشاہ کے اس قول کی نسبت "اذ راودتن یوسف عن نفسہ" دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ کہ اگرچہ راودتن صیغہ جمع کا ہے لیکن اس سے مراد واحد ہے یعنی وہی عورت عزیز مصر کی - مگر یہ احتمال محض غلط ہے اول تو اس لئے کہ صیغہ جمع سے واحد مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں دوسرے یہ کہ بادشاہ نے یوسف کے پیغام پر یہ سوال کئے

ان قوله اذ راودتن يوسف عن نفسه وان كانت صيغة الجمع فالمراد منها الواحد كقوله تعالى الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم (والثاني) ان المراد منه خطاب الجماعة ثم ههنا وجهان (الاول) ان كل واحدة منهن راودت يوسف عن نفسه (والثاني) ان كل واحدة منهن راودت يوسف لاجل امرأة العزيز + تفسير كبير

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۖ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۚ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

یوسف کے مالک نے کہا (یعنی اُن عورتوں سے پوچھا) کہ تمہارا کیا حال تھی جب کہ تم نے لگاوٹ کی باتیں کیں یوسف سے اُس کو اپنے آپ کی حفاظت سے ڈگمگا دینے کو، اُنہوں نے کہا کہ دہائی خدا کی ہم نے اُس پر کوئی بُرائی نہیں جانی۔ عزیز کی عورت نے کہا کہ اب کھل گئی سچی بات میں نے لگاوٹ کی باتیں کیں یوسف سے اس کو اپنے آپ کی حفاظت سے ڈگمگا دینے کو اور بے شک وہ بے شبہ سچوں میں سے ہے ﴿۵۱﴾ یہ اس لئے تھا تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے اُس کے پیچھے اُس کی خیانت نہیں کی اور یہ کہ اللہ نہیں چلنے دیتا خیانت کرنے والوں کے مکر کو ﴿۵۲﴾ اور میں اپنے آپ کو بری نہیں کرتا، بے شک نفس البتہ بہت برائی والا ہے برائی پر مگر اُس وقت کہ میرا پروردگار مہربانی کرے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربانی کرنے والا ﴿۵۳﴾ اور بادشاہ نے کہا کہ اُس کو میرے پاس لاؤ میں اُس کو خالص اپنے لئے (یعنی اپنی خدمت کیلئے) کروں گا۔ پھر جب بادشاہ نے اُس سے (یعنی یوسف سے) بات چیت کی تو کہا بے شک تو آج کے دن ہمارے رتبہ کا امانت دار ہے ﴿۵۴﴾ یوسف نے کہا کہ مجھ کو مقرر کرو زمین کے خزانوں پر، بے شک میں نگہبانی کرنے والا جاننے والا ہوں ﴿۵۵﴾ اور اسی طرح ہم نے منزلت دی یوسف کو اُس زمین (یعنی ملک مصر) میں، رہتا تھا اُس ملک میں جہاں چاہتا تھا۔ پہنچا دیتے ہیں ہم اپنی رحمت جس کو ہم چاہتے ہیں اور نہیں ضائع کرتے بدلا نیک کام کرنے والوں کا ﴿۵۶﴾ اور البتہ آخرت کا بدلا بہتر ہے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور پرہیزگار ہوتے ہیں ﴿۵۷﴾

تھا اور حضرت یوسف نے صاف کہا تھا کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے پس اُنہی عورتوں سے بادشاہ نے "اذ راودتن یوسف عن نفسہ" کہہ کر سوال کیا پس تحقیق معلوم ہوا کہ وہ صیغہ جمع کا اُن عورتوں کی نسبت بولا گیا ہے جو تعداد میں چار یا پانچ تھیں پھر اُس سے واحد مراد لینا خلاف واقع اور خلاف حقیقت ہے۔ دوسرا احتمال یہ لکھا ہے کہ اُس سے گروہ عورتوں کا مراد ہے خواہ اُن میں سے ہر ایک نے حضرت یوسف کو خود اپنے ساتھ خوش کرنے کی لگاوٹ کی ہو خواہ عزیز مصر کی عورت

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حِفْظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

اور آئے یوسف کے بھائی پھر اُس کے سامنے گئے یوسف نے اُن کو پہچانا اور وہ اُس کو نہیں پہچانتے تھے ﴿۵۸﴾ اور جب مہیا کر دیا اُن کو اُن کا سامان تو کہا کہ لاؤ میرے پاس بھائی اپنے کو جو کہ تمہارے باپ سے ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پیمانہ دیتا ہوں اور میں بہت اچھی مہمانی کرنیوالوں میں ہوں ﴿۵۹﴾ پھر اگر تم اُس کو نہ لاؤ گے تو تمہارے لئے میرے پاس پیمانہ نہیں ہے (یعنی تم کو اناج نہیں دینے کا) اور میرے پاس مت آؤ ﴿۶۰﴾ اُنہوں نے کہا کہ ہم اُس بھائی کی نسبت اُس کے باپ سے بات چیت کرینگے اور بیشک ہم (اس کام کو) کرنے والے ہیں ﴿۶۱﴾ یوسف نے اپنے خدمت گزاروں سے (فی تفسیر ابن عباس لفتیانہ لغلمانہ) کہا کہ رکھ دو اُن کی پونجی (یعنی روپیہ جو اُنہوں نے غلہ کے عوض میں دیا تھا) اُن کی خورجیوں میں شاید کہ وہ اُس کو جان لینگے جب کہ پھر جاوینگے اپنے لوگوں میں شاید کہ وہ پھر آویں ﴿۶۲﴾ پھر جب پھر گئے اپنے باپ کے پاس تو اُنہوں نے کہا اے ہمارے باپ منع کیا گیا ہے ہم سے پیمانہ (یعنی اناج دینا) پھر بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو تاکہ ہم پیمانہ لیں اور بیشک ہم اُس کے لئے البتہ نگہبان ہیں ﴿۶۳﴾ یعقوب نے کہا کہ میں تم کو اُس پر امانت دار بناؤں مگر جیسے کہ میں نے امانت دار کیا تھا تم کو اُس کے بھائی پر اس سے پہلے۔ پھر اللہ بہت بڑی حفاظت کرنیوالا اور وہ بہت بڑا مہربان ہے مہربانوں کا ﴿۶۴﴾

کے ساتھ مگر گو یہ احتمال اُس تفسیر کا موید ہے جو ہم نے بیان کی ہے مگر اس احتمال میں بھی جو دو شقیں بیان ہوئی ہیں اُن میں سے ہم پہلی شق کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ تر الفاظ قرآن کے مناسب ہے ✦

ان آیتوں کے بعد کی آیت میں جو عزیز مصر کی عورت کا یہ قول ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس کی قالت فذلکن الذی لمتننی فیہ (آیت --) بابت تم مجھ کو ملامت کرتی ہو۔ اس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اُن کی ملامت یوسف کے ساتھ عشق رکھنے کی تھی مفسرین نے اس واقعہ کی بھی اس طرح سمجھی ہے کہ اُن عورتوں نے حضرت یوسف کو کبھی نہیں دیکھا تھا اور عزیز مصر کی عورت نے اُن کو دعوت میں بلایا کہ جب وہ یوسف کے حسن و جمال کو دیکھینگی تو ملامت نہیں کرنے کی جب اُنہوں نے دفعۃً حضرت یوسف

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۹﴾

اور جب اُنہوں نے کھولا اپنا اسباب اُنہوں نے پایا کہ اُن کی پونجی پھیری گئی ہے اُن کو اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے باپ ہم کیا چاہیں اس سے زیادہ، یہ ہماری پونجی پھیری گئی ہے ہم کو۔ اور (وہاں جاکر) اناج لاویں اپنے لوگوں کے لئے اور حفاظت کریں اپنے بھائی کی اور زیادہ لاویں پیمانہ ایک اونٹ کا (یعنی اناج ایک اونٹ کی بوجھ لائق) یہ پیمانہ (یعنی اناج جو لائے ہیں) تھوڑا ہے (۶۵) یعقوب نے کہا کہ ہرگز نہیں بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ جب تک کہ تم دو مجھ کو قول خدا کی طرف سے کہ ضرور پھر لے آؤ گے اس کو میرے پاس مگر یہ کہ تم گھیر لئے جاؤ (یعنی گرفتار ہو جاؤ) پھر جب یعقوب کو اُنہوں نے پکا عہد دیا تو یعقوب نے کہا کہ خدا اس پر جو ہم کہتے ہیں ذمہ دار ہے (۶۶) اور یعقوب نے کہا کہ اے میرے بیٹو تم نہ داخل ہو ایک دروازہ سے اور داخل ہو جدا جدا دروازوں سے، میں بے پرواہ نہیں کرتا تم کو اللہ سے کسی چیز سے کسی کے لئے حکم نہیں ہے بجز خدا کے اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر چاہیے توکل کریں توکل کرنے والے (۶۷) اور جب وہ داخل ہوئے (یعنی مصر میں) جس طرح کہ ان کو حکم کیا تھا ان کے باپ نے نہ تھا کہ بے پرواہ کر ان کو اللہ سے کسی چیز سے لیکن ایک خواہش تھی یعقوب کے دل میں اس کو پورا کیا اور بیشک وہ (یعنی یعقوب) صاحب علم تھا اس چیز سے کہ ہم نے اس کو سکھلایا تھا ولیکن اکثر آدمی نہیں جانتے (۶۸) اور جب وہ داخل ہوئے یوسف کے پاس تو یوسف نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو، میں بیشک تیرا بھائی ہوں پھر تو غمگین ہو اس سے جو وہ کرتے تھے (۶۹)

کو دیکھا تو اُن کے حسن و جمال کے سبب اُن کو ہوش نہ رہا اُنہوں نے بجائے گوشت یا میوہ کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا کہ یہ تو انسان نہیں ہے بلکہ فرشتہ ہے۔ اُس وقت عزیز مصر کی عورت نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کے عشق کی بابت تم مجھ کو ملامت کرتی ہو +

مگر جس طرح کہ ہم نے قرآن مجید کی ایک آیت کی دوسری آیت سے تفسیر بیان کی ہے اس سے صورت واقعہ اس کے برخلاف ہے جو مفسرین نے نکالی ہے بلکہ صورت واقعہ یہ تھی کہ ان عورتوں کی ملاقات

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٤﴾ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾

پھر جب مہیا کر دیا اُن کا سامان رکھ دیا پانی پینے کا پیالہ (جو کہ مرصع بجواہرات اور بیش قیمت تھا) اپنے بھائی کی خورجی میں پھر پکارا پکارنے والا کہ اے قافلے والو بیشک تم البتہ چور ہو (۷۰) انہوں نے کہا اور اُن کے سامنے آئے کہ کیا چیز تمہاری جاتی رہی ہے (۷۱) اُن لوگوں نے کہا کہ جاتا رہا ہے پیالہ بادشاہ کا اور جو کوئی اُس کو لاوے اُس کے لئے ہے بوجھ ایک اونٹ کا اور ہم اُس عہد کے ضامن ہیں (۷۲) اُنہوں نے کہا خدا کی قسم بیشک تم جانتے ہو ہم نہیں آئے کہ فساد کریں زمین میں (یعنی ملک میں) اور ہم ہرگز چور نہیں ہیں (۷۳) اُن لوگوں نے کہا کہ پھر کیا بدلہ ہے اُس کا (یعنی چرانے کا) اگر تم جھوٹے ہو (۷۴) اُن لوگوں نے کہا اُس کا بدلہ وہی شخص ہے جس کی خورجی میں وہ پایا جائے پھر وہی اُس کا بدلہ ہے اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں (اپنے ملک میں) ظلم کرنے والوں کو (۷۵) پھر شروع کی یوسف نے اُن کی خورجیوں کی (تلاشی) پہلے اپنے بھائی کی خورجی کی پھر نکالا اُس کو (یعنی پیالہ کو) اپنے بھائی کی خورجی میں سے اس طرح ہم نے مکر کیا یوسف کے لئے نہیں تھا کہ لیوے اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ بلند کرتے ہیں ہم درجے جس کے چاہتے ہیں۔ اور برتر ہر جاننے کے جاننے والا ہے (۷۶) اُنہوں نے کہا کہ اگر یہ چرا لے تو بیشک چرایا تھا اس کے ایک بھائی نے اس سے پہلے۔ پھر پوشیدہ رکھا اُس کو یوسف نے اپنے دل میں اور نہیں ظاہر کیا اُس کو (یعنی اُس کے جواب کو) اُن پر اور کہا کہ تم شریر ہو اپنی جگہ میں اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم بیان کرتے ہو (۷۷)

اس بات پر تھی کہ عزیز کی عورت جو بہت اعلیٰ درجہ کی ہے ایک اپنے غلام پر اس طرح فریفتہ ہو جاوے اور وہ اُس پر ملتفت نہ ہو۔ پس اُس مجلس دعوت میں جب اُن عورتوں نے بھی ہر طرح سے حضرت یوسف کی خوشامد اور اُن سے لگاوٹ کی اور آخر کار اُن کو دھمکانے اور ڈرانے اور جبر و قہر کرانے کے لئے اپنے ہاتھ بھی کاٹ لئے اور جب بھی حضرت یوسف فحش کے مرتکب نہ ہوئے تو اُن عورتوں نے کہا کہ

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (۷۸) قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ (۷۹) فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُم مَّوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ وَمِن قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (۸۰) ارْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ (۸۱) وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ (۸۲) قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (۸۳) وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ (۸۴)

انہوں نے کہا کہ اے عزیز اس کا باپ ہے بہت بڈھا پھر لے تو ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ بیشک ہم دیکھتے ہیں تجھ کو احسان کرنے والوں میں سے (۷۸) یوسف نے کہا پناہ بخدا کہ ہم لیویں سوائے اُس شخص کے پایا ہے ہم نے اپنا مال اُس کے پاس بیشک اس وقت ہم ہونگے ظالم ہی (۷۹) پھر جب نا امید ہوئے اُس سے تو الگ ہو بیٹھے آپس میں مشورہ کرنے کو کہا ان کے سب سے بڑے نے کیا نہیں جانتے ہو تم یہ کہ تمہارے باپ نے تو لیا ہے تم سے پکا عہد خدا سے اور اس سے پہلے کیا تقصیر کی تھی تم نے یوسف کے حق میں سو میں نہ جاؤنگا اس سرزمین سے جب تک کہ اجازت دے مجھ کو میرا باپ یا حکم فرمائے اللہ میرے لئے اور وہ بہتر ہے حکم کرنے والوں کا (۸۰) پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے ہمارے باپ بیشک تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے نہیں گواہی دی مگر اُس کی جو ہم جانتے تھے (یعنی اپنے مسئلہ قانون کی کہ جو چوری کرے وہی اُس کے بدلے میں لیا جاوے) اور ہم نہیں تھے غیب کی باتوں کے نگہبان (یعنی اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ ہمارا بھائی چور نکلیگا) (۸۱) اور پوچھ لے اُس بستی سے جس میں ہم تھے اور قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں اور بیشک ہم سچے ہیں (۸۲) یعقوب نے کہا بلکہ بنا لی ہے تمہارے لئے تمہارے دل نے ایک بات پس صبر اچھا ہے امید ہے کہ اللہ میرے پاس لے آوے سب کو اکٹھا بیشک وہ جاننے والا ہے حکمت والا (۸۳) اور منہ پھیر لیا ان سے اور کہا ہائے میرا افسوس یوسف پر اور سفید ہو گئیں اُس کی (یعنی یعقوب کی) آنکھیں پھر وہ غم سے بھرا ہوا تھا (۸۴)

یہ تو انسان نہیں ہے بلکہ ایک بزرگ فرشتہ ہے کہ کسی طرح داؤ میں نہیں آیا۔ اُس پر عزیز مصر کی عورت نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کی بابت تم مجھ کو ملامت کرتی ہو کہ میں تو اس پر فریفتہ ہوں اور وہ مجھ پر ملتفت نہیں ہوتا اس کے بعد عزیز مصر کی عورت کا یہ کہنا کہ میں نے اس سے خلوت کی اُس کو اپنے آپے کی حفاظت سے ڈگمگانے کو مگر وہ نہیں ڈگمگایا اور بچا رہا اور اگر وہ نہ کریگا جو میں اُس کو کہتی ہوں تو وہ

ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم ولئن لم یفعل ما آمرہ لیسجنن ولیکونا من الصاغرین۔ (آیت ۳۲) +

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ ﴿۸۵﴾	اُنہوں نے کہا بخدا ہمیشہ تو رہیگا یاد کرتا یوسف کو یہاں تک کہ تو ہوجاوے مضمحل یا ہو جاوے تو مرنے والوں میں سے ﴿۸۵﴾

ضرور قید کیا جاویگا اور البتہ ہوگا چھٹ بھیوں میں سے اُس پر حضرت یوسف کا یہ کہنا کہ "اے میرے خدا قید خانہ مجھے زیادہ پیارا ہے اُس بات سے قال رب السجن احب الی مما تدعوننی الیہ (آیت ۳۳) جو وہ مجھ سے چاہتی ہیں" بالکل مؤید و مثبت اُس واقعہ کا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے پس ان تمام آیتوں کے ملانے سے اس واقعہ کی وہی تصویر سامنے آجاتی ہے جو ہم نے بیان کی ہے +

(ثم بدا لهم من بعد ما رأوا الآيات) اس میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت یوسف کے قید میں بھیجنے کا ارادہ مجلس دعوت کے بعد پیدا ہوا پس سوال یہ ہے کہ قید میں بھیجنے کی بنیاد وہی پہلا واقعہ تھا جس میں کرتا پھٹا تھا یا اور کوئی نیا امر پیدا ہوا ہمارے نزدیک دعوت کے جلسہ میں اُن عورتوں کا مکر سے ہاتھ کاٹ لینا ایک نیا واقعہ حضرت یوسف کو قید میں بھیجنے کا پیدا ہوا لیکن مفسرین اُس پہلے ہی واقعہ کو قید کا سبب قرار دیتے ہیں بہرحال یہ ایک ایسا خفیف امر ہے جس میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں مگر تفسیر کبیر میں جو کچھ اُس کی نسبت لکھا ہے اُس کو اس مقام پر نقل کر دینا

اعلم ان زوج المراة لما ظهر له براءة ساحة يوسف عليه السلام فلا جرم لم يتعرض له فاحتالت المراة بعد ذلك بجميع الحيل حتى تحمل يوسف عليه السلام على موافقتها على مرادها فلم يلتفت يوسف اليها فلما ايست منه احتالت في طريق اخر وقالت لزوجها ان هذا العبد العبراني فضحني في الناس يقول لهم اني راودته عن نفسه وانا لا اقدر على اظهار عذري فاما ان تاذن لي فاخرج واعتذر واما ان تحبسه كما حبستني فعند ذلك وقع في قلب العزيز ان الاصلح حبسه حتى يسقط عن السنة الناس ذكر هذا الحديث حتى تقل الفضيحة فهذا هو المراد من قوله ثم بدا لهم من بعد ما رأوا الآيات ليسجننه حتى حين لان البدؤ عبارة عن تغير الراي عما كان عليه في الاول والمراد من الآية براءته بقد القميص من دبر وخمش الوجه والزام الحكم اياها قولها انه من كيدكن ان كيدكن عظيم - (تفسیر کبیر) +

مناسب معلوم ہوتا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جب عورت کے شوہر کو حضرت یوسف کی پاکدامنی معلوم ہوئی تو اُس نے حضرت یوسف سے کچھ تعرض نہیں کیا پس عورت نے اس کے بعد ہر طرح کے حیلے کئے تاکہ یوسف اُس کے ڈھب پر چڑھ جائیں لیکن وہ بالکل ملتفت نہ ہوئے پس جب وہ مایوس ہوگئی تو ایک طریقہ نکالا اور اپنے شوہر سے کہا کہ اس عبرانی غلام نے مجھ کو لوگوں میں رسوا کیا لوگوں سے کہتا ہے کہ میں نے اُس کو پھسلایا اور میں اُس کی کوئی تاویل نہیں کرسکتی یا تو مجھ کو اجازت دو کہ میں گھر سے نکلکر اس کی تردید کروں یا اُس کو قید کر دو جیسا کہ تم نے مجھ کو قید کر دیا ہے - اس بات پر عزیز مصر کو خیال ہوا کہ یوسف کا قید کرنا مناسب ہے تاکہ لوگوں کی زبانوں پر یہ تذکرہ نہ رہے اور رسوائی کم ہوجائے اور خدا کے اس قول میں ثم بدا لهم من بعد ما رأوا الآيات کا یہی مطلب ہے کیونکہ بداء کے یہ معنی ہیں کہ پہلے جو

قَالَ اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾	اس نے کہا بات یہ ہے کہ میری شکایت کرنا اپنی بیقراری اور اپنے غم کی اللہ ہی سے ہے اور میں جانتا ہوں اللہ سے جو کچھ کہ تم نہیں جانتے ﴿۸۶﴾

بنائے تھی وہ بدل جائے - اور آیت سے مراد حضرت یوسف کی پاکدامنی ہے قمیص کے پیچھے کی جانب سے پھٹے ہونے سے اور فیصلہ کرنے والے کے اس الزام دینے سے کہ یہ تمہارا فریب ہے اور تمہارا فریب بہت بڑا ہے +

اس کے بعد جو آیتیں ہیں وہ حضرت یوسف کے قید میں جانے اور دو قیدیوں اور فرعون مصر کی خوابوں کے متعلق ہیں جن کی تفسیر بیان ہو چکی ہے +

اب تمام سورہ میں صرف دو تین مقام قابل غور باقی رہ گئے ہیں ایک یہ " وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم - دوسرے یہ کہ - اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا - فلما ان جاء البشیر القاہ علی وجھہ فارتد بصیرا - تیسرے یہ کہ - ولما فصلت العیر قال ابوھم انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون " پس اب ہم تینوں مقاموں کی تفسیر بیان کرنی چاہتے ہیں +

" ابیضت عیناہ " سے زوال بصارت یعنی اندھا ہو جانا مراد لینا صحیح نہیں ہے غم سے اور زیادہ رونے سے انسان کی آنکھوں میں اُس کی بینائی میں ضعف آجاتا ہے اور آنکھوں کے ڈھیلوں میں جو سفیدی ہے اُس کی رنگت اصلی سفید رنگ میں اور پُر رونق نہیں رہتیں بلکہ بے رونق اور اصلی رنگ سے زیادہ سفید ہو جاتی ہیں اور تراوت کی بجائے خشکی آجاتی ہے یہاں تک کہ آنسو نکلنے بھی موقوف ہو جاتے ہیں اور آنکھیں ڈگر ڈگر کرنے لگتی ہیں پس یہی حال حضرت یعقوب کی آنکھوں کا ہو گیا تھا قرآن مجید کے یہ الفاظ کہ " من الحزن فھو کظیم " صاف اسی مطلب کو ظاہر کرتے ہیں +

لیکن یہ حالت دفعۃً بدل جاتی ہے جب کہ وہ غم دور ہو جاوے دل میں بشاشت اور دماغ میں قوت آجاتی ہے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور ان سب باتوں سے آنکھیں پر رونق ہو جاتی ہے ضعف بصر جاتا رہتا ہے اور اصلی بصارت پھر آجاتی ہے اسی حالت کی نسبت یات بصیرا اور فارتد بصیرا کہا گیا ہے - یہ سب امور طبعی ہیں جو انسان پر ایسی حالت میں گذرتے ہیں پس کوئی ضرورت نہیں کہ ہم ان طبعی واقعات کو بیہودہ اور بے سرو پا روایتوں کی بنا پر دور از کار قصے بناویں اور جھوٹے قصوں کو قرآن مجید کی تفسیر میں داخل کر کے کلام الٰہی کے ساتھ بے ادبی کریں +

تفسیر کبیر میں بھی بعض اقوال ایسے لکھے ہیں جو بہت کچھ اُس تفسیر سے جو ہم نے بیان کی ہے مناسبت رکھتے ہیں اس مقام پر اُن کا نقل کرنا خالی از لطف نہ ہوگا +

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ	اے میرے بیٹو جاؤ اور خبر لگاؤ یوسف کی اور اس کے بھائی کی

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ "جب حضرت یعقوب نے کہا کہ ہائے افسوس یوسف پر۔ تو اُن پر رونے نے غلبہ کیا اور رونے کے وقت آنکھ میں پانی بہت ہوجاتا ہے اور آنکھ ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا سپید ہوگئی ہے اس پانی سے۔ اور خدا کا یہ قول کہ یعقوب کی آنکھیں غم سے سپید ہوگئیں رونے کے غلبہ سے کنایہ ہے اور اس قول کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ غم کا اثر رونے کا غلبہ ہے نہ اندھا ہوجانا پس اگر ہم سپیدی کو غلبۂ بکا پر محمول کریں تو یہ تعلیل معقول ہوگی اور اگر اندھے پن پر محمول کریں تو تعلیل موزوں نہ ہوگی۔ اس لئے ہم نے جو ذکر کیا وہی بہتر ہے۔ اور یہ تفسیر باوجود اس دلیل کے حضرت ابن عباس سے مروی بھی ہے جیسا کہ واحدی نے بسیط میں روایت کیا ہے پس اس روایت سے جو حضرت ابن عباس سے بیان ہوتی ہے صاف ظاہر ہے کہ ابیضت عیناہ سے حضرت یعقوب کا اندھا ہوجانا مراد نہیں ہے +

انه لما قال يا اسفى على يوسف غلبه البكاء وعند غلبة البكاء يكثر الماء في العين فتصير العين كانها ابيضت من بياض ذلك الماء وقوله ابيضت عيناه من الحزن كناية عن غلبة البكاء والدليل على صحة هذا القول ان تاثير الحزن في غلبة البكاء لا في حصول العمى فلو حملنا الابيضاض على غلبة البكاء كان هذا التعليل حسنا ولو حملناه على العمى لا يحسن هذا التعليل فكان ما ذكرناه اولى وهذا التفسير مع الدليل رواه الواحدي في البسيط عن ابن عباس رضي الله عنهما۔ (تفسیر کبیر) +

ایک اور قول اسی مقام پر تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ "بعضوں نے کہا ہے کہ وہ اندھے نہیں ہو گئے تھے بلکہ اُن کو نظر آتا تھا لیکن کم نظر آتا تھا +

ومنهم من قال ما عمي لكنه صار بحيث يدرك ادراكا ضعيفا - (تفسیر کبیر) +

اس کے بعد تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ "پھر وہ بصیر ہو گئے۔ اور ارتداد کے معنی کسی شے کا اُس حالت پر واپس آجانا ہے جو پہلی تھی۔ اور خدا کا یہ قول فارتد بصیرا اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اُن کو بصیر کردیا جیسا کہ محاورہ میں کہتے ہیں کہ کھجور لمبی ہوگئی اور خدا نے اُس کو لمبی کردیا۔ اور اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے سو بعضوں نے کہا کہ وہ بالکل اندھے ہوگئے تھے اور اللہ نے اُن کو اُس وقت بصیر کردیا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اُن کی نگاہ زیادہ رونے سے اور غم سے ضعیف ہوگئی تھی پس جب اُن پر کرتہ ڈالا اور یوسف کی زندگی کی خوشخبری دی تو اُن کو بہت خوشی حاصل ہوئی اور اُن کا سینہ کھل گیا اور غم جاتا رہا

فارتد بصيرا اي رجع بصيرا ومعنى الارتداد انقلاب الشيء الى حالة قد كان عليها وقوله فارتد بصيرا اي صيره الله بصيرا كما يقال طالت النخلة والله تعالى اطالها واختلفوا فيه فقال بعضهم انه كان قد عمي بالكلية فالله تعالى جعله بصيرا في هذا الوقت وقال آخرون بل كان قد ضعف بصره من كثرة البكاء وكثرة الاحزان فلما القوا القميص على وجهه وبشر بحياة يوسف عليه السلام عظم فرحه وانشرح صدره وزالت احزانه فعند ذلك قوي بصره وزال النقصان عنه - (تفسیر کبیر) +

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾	اور نا اُمید نہ ہو اللہ کی رحمت سے بیشک نہیں نا اُمید ہوتا کوئی اللہ کی رحمت سے بجز کافروں کی قوم کے ﴿۸۷﴾

پس اُن کی نگاہ ہو گئی اور جو نقصان تھا جاتا رہا +

اب "لاجد ریح یوسف" پر غور کرنی باقی ہے ۔ یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب کو اس بات پر کہ حضرت یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہرگز یقین نہیں تھا اور وہ بلاشبہ اُن کو زندہ سمجھتے تھے اور ایسے موقع پر یہی خیالات ہوتے ہیں کہ وہ کہیں چلا گیا ہوگا اور کسی نے اُس کو اپنے پاس رکھ لیا ہوگا یا بطور غلام کے بیچ ڈالا ہوگا اور اُس زمانہ کی حالت کے موافق یہ اخیر خیال زیادہ قوی ہوگا اُنہی وجوہات سے اُن کو ہمیشہ یوسف کی تلاش رہتی تھی اور ہمیشہ اُس کے ملنے کی توقع رکھتے تھے اور اُن کے تلاش کرنے کی تاکید کیا کرتے تھے ۔ یہ ایسا امر ہے جو ہمیشہ ہوتا ہے اس زمانہ میں بھی اگر کسی کا لڑکا گم ہو جاتا ہے یا کہیں نکل جاتا ہے تو ہمیشہ اُس کی تلاش میں رہتا ہے اور اس سے ملنے یا اُس کے مل جانے کی توقع رکھتا ہے +

اُس زمانہ میں مصر کی ایسی حالت تھی کہ لڑکے اور لڑکیوں کو پکڑ لیجا کر وہاں بیچ ڈالنا زیادہ قرین قیاس تھا اور کچھ تعجب نہیں ہے کہ حضرت یعقوب کو بھی یہ خیال ہو کہ کسی شخص نے یوسف کو پکڑ لیا ہو اور مصر میں لیجا کر بیچ ڈالا ہو ۔ تفسیر کبیر میں ایک روایت لکھی ہے گو اُس روایت کا طرز بیان کیسا ہی فضول ہو مگر اُس کی فضولیات چھوڑ کر دو نتیجے اُس سے نکالے جا سکتے ہیں ایک یہ کہ حضرت یعقوب کو یوسف کے زندہ ہونے کا یقین تھا دوسرے یہ کہ اُن کو یوسف کے مصر میں ہونے کا احتمال تھا اور وہ روایت یہ ہے کہ "حضرت یعقوب نے کہا کہ میں خدا کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی میں خدا کا وہ احسان اور رحمت جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور وہ یہ ہے کہ خدا میرے لئے خوشی لائیگا اور مجھے پہلے سے اُس کی کچھ خبر نہ ہوگی پس یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضرت یعقوب کو یوسف کے ملنے کی امید رکھتے تھے اور لوگوں نے اس امید کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں ایک یہ کہ ملک الموت اُن کے پاس آئے تو اُن سے یعقوب نے پوچھا کہ تم نے میرے بیٹے کی روح قبض کر لی اُنہوں نے کہا اے خدا کے پیغمبر نہیں ۔ پھر ملک الموت نے مصر کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اُدھر تلاش کیجئے +

قال یعقوب علیہ السلام واعلم من الله ما لا تعلمون ای اعلم من رحمته و احسانه ما لا تعلمون وهو انه تعالی یاتینی بالفرج من حیث لا احتسب فهو اشارة الی انه کان یتوقع وصوله الیه وذکروا لسبب هذا التوقع امورا احدها ان ملک الموت اتاه فقال له یا ملک الموت هل قبضت روح ابنی یوسف قال لا یا نبی الله ثم اشار الی جانب مصر وقال اطلبه ههنا تفسیر کبیر

بلاشبہ حضرت یعقوب نے مصر میں بھی تلاش کی ہوگی مگر وہ عزیز مصر کے ہاتھ بیچے گئے تھے

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ	پھر جب وہ داخل ہوئے یوسف پاس (یعنی تیسری دفعہ) تو انہوں نے کہا اے عزیز

اور محلوں میں داخل تھے اور ایک مدت تک قید رہے اُن کا پتا نہیں لگ سکتا ہوگا مگر جب حضرت یوسف کے بھائی مصر میں گئے اور حضرت یوسف بھی اُس زمانہ میں عروج کی حالت میں تھے اور رعایت اور سلوک کہ اُنھوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا اور پھر اپنے حقیقی بھائی کے لانے کی بھی تاکید کی تھی اور کچھ حالات بھی اُن کے سننے ہونگے تو اُن کے بھائیوں اور اُن کے باپ کے دل میں ضرور شبہ پیدا ہوا ہوگا کہ کہیں یہ یوسف ہی نہ ہو مگر جس درجہ شاہی پر اُس وقت حضرت یوسف تھے یہ شبہ پختہ نہ ہوتا ہوگا اور دل سے نکل جاتا ہوگا +

اس بات کا ثبوت کہ یوسف کے بھائیوں کے دل میں بھی شبہ تھا کہ وہ یوسف ہی ہو خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کیونکہ جب حضرت یوسف نے اُن سے کہا کہ "تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا۔ تو بغیر اس کے کہ حضرت یوسف کہیں کہ میں یوسف ہوں اُن کے بھائی بول اُٹھے کہ ءانک لانت یوسف یعنی کیا سچ مچ تم یوسف ہو۔ اسی طرح حضرت یعقوب کے بیٹوں کے مصر میں آنے جانے اور حالات سننے سے یوسف کی نسبت مصر میں ہونے بلکہ یوسف کے یوسف ہونے کا شبہ قوی ہو جاتا تھا اس امر کی تقویت کے علاوہ اُس پہلی روایت کی موید چند اور روایتیں تفسیر کبیر میں موجود ہیں +

ایک روایت یہ ہے کہ "سدی کا قول ہے کہ جب حضرت یعقوب کو اُن کے بیٹوں نے

قال السدی لما اخبرہ بنوہ بسیرۃ الملک وکمال حالہ فی اقوالہ وافعالہ طمع ان یکون ھو یوسف وقال یبعد ان یظھر فی الکفار مثلہ - (تفسیر کبیر) +	عزیز مصر کے صفات اور اُن کے اقوال و افعال کے کمال سے مطلع کیا تو اُن کو امید ہوئی کہ وہ یوسف ہی ہونگے اور یہ کہا کہ کافروں میں تو ایسا

شخص پیدا نہیں ہو سکتا +

ایک یہ کہ "اُنھوں نے قطعاً جان لیا کہ بنیامین چوری نہیں کر سکتا اور یہ سنا کہ بادشاہ نے

علم قطعاً ان بنیامین لا یسرق وسمعان الملک ما اذاہ وما ضربہ فغلب علی ظنہ ان ذلک الملک ھو یوسف تفسیر کبیر	اُس کو نہ ستایا نہ مارا ایس اُن کو گمان غالب ہوا کہ یہ بادشاہ یوسف ہی ہوگا +

ایک یہ کہ وہ اپنی اولاد کی طرف مخاطب ہوئے اور اُن کے ساتھ مہربانی سے باتیں کیں

انہ رجع الی اولادہ وتکلم معھم علی سبیل اللطف وھو قولہ یا بنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ - واعلم انہ علیہ السلام لما طمع فی وجدان یوسف بناء علی الامارات المذکورۃ قال لبنیہ تحسسوا من یوسف - (تفسیر کبیر) •	جیسا کہ خدا نے کہا یا بنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ - اور جان تو کہ حضرت یعقوب کو جب اُن نشانیوں کی اُمید بندھی تو اُنہوں نے بیٹوں سے

مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾	چھو گیا ہم کو اور ہمارے لوگوں کو سختی نے اور ہم لائے ہیں ایک حقیر (یعنی تھوڑی سی) پونجی پس پورے بھر دے ہم کو پیمانہ اور خیرات کر ہم پر بیشک اللہ جزا دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو ﴿۸۸﴾

کہا کہ یوسف کا پتہ لگاؤ +

پس جب کہ حضرت یعقوب کا شبہ اس قدر قوی ہوگیا اور جو مہربانی یوسف نے اپنے بھائی کے ساتھ کی تھی اس کو سن کر ان کو گمان غالب ہوگیا تھا کہ وہ بنیامین کا بھائی یوسف ہے تو ان کو یقین کامل تھا کہ اب کے جو قافلہ واپس آویگا تو ٹھیک خبر یوسف کی لاویگا جب کہ تیسری دفعہ یہ لوگ مصر میں گئے تو حضرت یوسف نے سب کے سامنے کہدیا تھا کہ میں یوسف ہوں اور حضرت یعقوب کو معہ تمام کنبہ کے بلانے کے لئے کہا تھا اور ان کے لئے بہت سا سامان مہیا کرنے کو حکم دیا تھا جس کے لئے کچھ عرصہ لگا ہوگا اس عرصہ میں حضرت یوسف کے مصر میں موجود ہونے کی خبر افواہ حضرت یعقوب کو پہنچ گئی ہوگی اس افواہ پر ان کو یقین ہوا اور انھوں نے فرمایا کہ ،، انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون " یعنی میں پاتا ہوں خبر یوسف کی اگر تم مجھ کو بہکا ہوا نہ کہنے لگو +

ہم کو نہیں معلوم ہے کہ قرآن مجید میں کہیں ۔ ریح : کا لفظ بمعنی بو کے آیا ہو اس مقام پر ریح کا لفظ یوسف کی طرف مضاف ہے تو اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں اور کہیں بھی ریح کا لفظ کسی شخص یا اشخاص کی نسبت مضاف ہوکر آیا ہے یا نہیں اگر آیا ہے تو اس کے کیا معنی ہیں تلاش کے بعد ہم کو یہ آیت ملی واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم (سورۃ انفال آیت ۴۸) یعنی جاتی رہیگی ہوا تمہاری یعنی قوت و اتفاق کی جو خبر مشہور رہے اس کی شہرت جاتی رہیگی +

علاوہ اس کے خود ریاح کو بشرا یعنی خبر دینے والی خدا نے کہا ہے " هو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته " (سورۂ اعراف آیت ۵۵) اور ریاح کو مبشرات بھی کہا ہے یعنی خبر دینے والیاں " ومن آیاته ان یرسل الریاح مبشرات " (سورۂ لقمان آیت ۴۵) پس ریح یوسف سے صاف مراد اس افواہی خبر سے ہے جس سے یوسف کا ہونا حضرت یعقوب نے سنا تھا +

مفسرین کے دل میں یہ کہانی بسی ہوئی تھی کہ جب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا ہے تو حضرت جبرئیل نے بہشت سے ایک قمیص لاکر حضرت ابراہیم کو پہنا دیا تھا جس کے سبب سے وہ آگ میں نہیں جلے ۔ وہ قمیص حضرت اسحق اور ان کے بعد حضرت یعقوب پاس آیا حضرت یعقوب نے اس کو بطور تعویذ کے چاندی میں منڈھ کر حضرت یوسف کے گلے میں لٹکا دیا ۔ جب ان کو اندھے کنوئیں میں ڈالا ہے تو وہ تعویذ ان کے گلے میں رہ گیا تھا ۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ
إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا أَإِنَّكَ
لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَ
هَٰذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا
إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ
لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا
تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ
كُنَّا لَخَاطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ
الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ
أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ اذْهَبُوا
بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ
أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ
أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ
قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ
لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾ قَالُوا
تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ
الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾
فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ
عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ﴿٩٦﴾
قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ
مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ قَالُوا
يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا
خَاطِئِينَ ﴿٩٨﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ
رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٩٩﴾

یوسف نے کہا کہ کیا جانتے ہو تم جو کچھ کہ تم نے کیا یوسف
اور اُسکے بھائی کے ساتھ جب تم جاہل تھے (۸۹) وہ بولے
اُٹھے کہ کیا بیشک تو البتہ تو ہی یوسف ہے یوسف نے کہا کہ میں
یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بیشک احسان کیا ہے اللہ نے
اوپر ہمارے بیشک جو کہ پرہیزگاری کرے اور صبر کرے پھر بیشک
اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیک کام کرنے والوں کا (۹۰) اُنہوں نے
کہا قسم بخدا بیشک بزرگی دی ہے تجھ کو اللہ نے ہم پر اور بیشک
ہم تھے خطا کرنے والے (۹۱) یوسف نے کہا کہ کوئی سرزنش
نہیں ہے تم پر آج کے دن بخشے اللہ تعالیٰ تم کو اور وہ بہت
بڑا رحم کرنے والا ہے رحم کرنے والوں کا (۹۲) لے جاؤ میرے
اس کرتے کو اور ڈالدو اوپر منہ میرے باپ کے (یعنی اُس کے
سامنے) آویگا بینا ہو کر اور لے آؤ میرے پاس اپنے کنبہ کو
سب کو (۹۳) اور جب کہ جدا ہوا قافلہ (یعنی جدا ہوا شہر مصر
یعنی واپس چلا) کہا اُن کے باپ نے کہ بیشک میں پاتا ہوں ہوا
یعنی خبر (عام ترجمہ بُو) یوسف کی اگر تم مجھکو بہکا ہوا نہ کہو (۹۴)
جن سے مخاطب ہو کر یعقوب نے کہا تھا اُن لوگوں نے کہا کہ بخدا بیشک
تو اپنی قدیم گمراہی (یعنی غلط خیال اور اُلٹی سمجھ) میں پڑا ہوا
ہے (۹۵) پھر جب آیا خوشخبری دینے والا ڈالدیا اُس کو یعنی کرتے
کو اُسکے منہ پر (یعنی یعقوب کے سامنے) پھر وہ ہو گیا بینا (۹۶)
یعقوب نے کہا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں جانتا ہوں اللہ
سے وہ جو تم نہیں جانتے (۹۷) اُنہوں نے کہا کہ اے ہمارے
باپ ہمارے لئے ہمارے گناہ بخشوا بیشک ہم تھے خطا
کرنے والے (۹۸) یعقوب نے کہا کہ میں تمہارے لئے معافی مانگونگا
اپنے پروردگار سے بیشک وہ بخشنے والا ہے مہربان (۹۹)

وہی قمیص اُنہوں نے بھیجا تھا جب وہ نکلا تو ہوا لگ کر تمام دنیا میں بہشت کے قمیص کی
خوشبو پھیل گئی اوروں نے تو نہ جانا کہ کاہے کی بُو ہے مگر حضرت یعقوب نے بو کو پہچان
لیا اور جان گئے کہ بہشت کی یا یوسف کے قمیص کی ہے پس اس خیال پر قرآن مجید میں

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۱﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔــلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

پھر جب (یعنی یعقوب معہ تمام خاندان کے) داخل ہوئے یوسف کے پاس تو اُس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا داخل ہو مصر میں اگر خدا کی مرضی ہوا امن امان سے ﴿۱۰۰﴾ اور اُس نے چڑھا لیا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور وہ سب جھک پڑے سجدہ کرتے ہوئے اور یوسف نے کہا اے میرے باپ یہ ہی تعبیر ہے میرے پہلے والے خواب کی بیشک اُس کو کیا میرے پروردگار نے سچ اور بیشک بہت احسان کیا مجھ پر جب کہ نکالا مجھ کو قید خانہ سے اور تم کو لے آیا جنگل بیابان سے بعد اس کے کہ جھگڑا ڈالا شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں بیشک میرا پروردگار جو چاہے باریک بین ہے بیشک وہی جاننے والا ہے حکمت والا ﴿۱۰۱﴾ اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو دیا ہے ملک اور تو نے مجھ کو سکھایا ہے علم حوادث عالم کے مآل کا[1] پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا تو ہی میرا مربی ہے دنیا و آخرت میں مجھ کو مسلمان مار اور ملا دے مجھ کو نیکوں کے ساتھ ﴿۱۰۲﴾ وہ ہے محمد یہ ہیں خبریں غیب کی ہم وحی بھیجتے ہیں اُس کی تیرے پاس اور تو نہ تھا اُن کے پاس جب اُن سبھوں نے ٹھان لیا اپنا کام مکر کا اور وہ مکر کرتے تھے اور نہیں ہیں اکثر آدمی گو کہ تو حرص کرے ایمان لانے والے ﴿۱۰۳﴾ اور تو اُن سے نہیں مانگتا اُس پر کچھ بدلا وہ نہیں ہے مگر نصیحت تمام لوگوں کے لئے ﴿۱۰۴﴾ اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں اُن پر گذرتے ہیں اور وہ اُن سے منہ پھیرنے والے ہیں ﴿۱۰۵﴾

بھی دینے کے معنی قرار دیدئے۔ یہ قصہ تفسیر کبیر میں بھی مندرج ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اُس پر یقین نہیں کر سکتے۔ جو اپنا کُرتا کہ اُنہوں نے بھیجا تھا بلاشبہ وہ ایک نشانہ کرتا ہوگا اور صرف بطور نشانی کے بھیجا تھا کوئی اور عجیب بات اُس کرتے میں نہ تھی بجز اس کے کہ اُس سے

[1] الحوادث جمع حدث والحديث هو الحادث وتأويلها مآلها ومآل الحوادث إلى قدرة الله تعالى وتكوينه وحكمته والمراد من تأويل الأحاديث كيفية الاستدلال بأصنافها الروحانية والجسمانية على قدرة الله تعالى وحكمته وجلاله (تفسير كبير تحت آيت ٧)

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (۱۰۶) أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (۱۰۷) قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۱۰۸) وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۱۰۹) حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ (۱۱۰)

اور ایمان نہیں لاتے اُن میں کے اکثر اللہ پر مگر اس حال میں کہ وہ شریک کرنے والے ہیں (۱۰۶) کیا وہ نڈر ہو گئے اس بات سے کہ اُن پر ڈھانپ لینے والا آوے عذاب اللہ کا یا آجاوے اُن پر قیامت ناگہاں اور وہ نہ جانتے ہوں (۱۰۷) کہدے (اے محمد) یہی میری راہ ہے میں تم کو بلاتا ہوں خدا کی طرف سمجھ کے ساتھ۔ میں اور جس نے میری تابعداری کی ہے (یعنی میں بھی سمجھ یا دلیل کے ساتھ خدا کی طرف بلاتا ہوں اور جنہوں نے میری تابعداری کی ہے وہ بھی سمجھ یا دلیل کے ساتھ خدا کی طرف بلاتے ہیں) اور پاک ہے اللہ اور ہم نہیں ہیں (خدا کے ساتھ کسی کو) شریک کرنے والوں میں سے (۱۰۸) اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر آدمیوں کو۔ ہم اُن کے پاس وحی بھیجتے تھے بستیوں کے رہنے والوں میں سے پھر کیا وہ نہیں پھرے زمین (یعنی ملک) میں تاکہ دیکھتے کہ کس طرح ہوا انجام اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے اور بیشک آخرت کا گھر بہتر ہے اُن کے لئے جو ڈرتے ہیں پھر کیا تم نہیں ڈرتے (۱۰۹) یہاں تک کہ جب نا اُمید ہو گئے رسول اور اُن لوگوں نے گمان کیا کہ اُن کے (یعنی رسولوں کی) طرف سے جھوٹ بولا گیا تو آئی اُن کے پاس ہماری مدد پھر بچائے گئے وہ جن کو ہم نے چاہا اور نہیں پھیرا جاتا ہمارا عذاب گنہگار قوم سے (۱۱۰)

حضرت یعقوب کو پورا یقین اور اُن کے دل کو تسلی ہو جاوے کہ یوسف زندہ ہے اور ایسے عالی درجہ پر خدا نے اُس کو پہنچا دیا ہے +

(لقد کان فی قصصھم عبرۃ) اب ہم کو غور کرنی چاہیے کہ اس قصہ میں عبرت پکڑنے کی کیا چیزیں ہیں۔ مفسرین نے جو کچھ لکھا ہو لکھا ہو مگر چند باتیں بلاشبہ اس میں نہایت عبرت پکڑنے کی ہیں +

سب سے اول حضرت یوسف کی پاکدامنی ہے۔ حضرت یوسف جوان تھے اور انسان

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ	بیشک تھی اُنکے قصہ میں نصیحت سمجھ والوں کے لئے

کا نفس امّارہ جوانی کے زمانہ میں ادنےٰ سی بات میں پاکدامنی سے ڈگمگا دیتا ہے۔ حضرت یوسف کو اُس ڈگمگا دینے کی اس قدر زیادہ ترغیبیں تھیں جو بہت کم کسی انسان کو ہو سکتی ہیں۔ عزیز مصر کی عورت جو ایک بادشاہ کی بیگم ہونے کا درجہ رکھتی تھی اُس کی خواستگار تھی۔ وہ خود بھی جوان اور خوبصورت تھی دنیا کی تمام نعمتیں یوسف کو دینے پر موجود تھی۔ وہ اور یوسف ایک محل میں بستے تھے جب چاہیں تنہائی میں مل سکتے تھے متعدد دفعہ وہ عورت اس طرح پیش آئی کہ اُس حالت میں ایک جوان مرد کا ایک جوان عورت کی خواہش کا نہ پورا کرنا اگر ناممکن نہیں تو حد سے زیادہ مشکل ہے اور باوجود ان باتوں کے حضرت یوسف کا صرف خدا کے ڈر سے اور اس احسانمندی کی وجہ سے کہ اُسکے شوہر نے مجھے خریدا ہے اور پرورش کی ہے اور اپنے گھر میں رکھا ہے میں کیونکر اُس کی خیانت کرسکتا ہوں پاکدامن رہنا بے انتہا غور کرنے اور نصیحت پکڑنے کے قابل ہے۔ اُدھر خدا کا خوف اور خدا کے احکام کی اطاعت نصیحت دیتی ہے۔ اور اُدھر محسن کے احسان کو کبھی نہ بھولنا اور قدرتی جذبات انسانی پر بھی احسانمندی کو غالب رکھنا انسانوں کے واسطے بہت بڑی نصیحت ہے +

جب عزیز مصر کی عورت نے کہا کہ اگر تو میری بات نہ مانے گا تو میں تجھ کو قید خانہ میں بھیجدونگی اور ذلیل کردونگی تو یوسف نے اُس مصیبت اور ذلت کو گوارا کرکے کس سچے دل اور خلوص نیت سے کہا کہ اے میرے پروردگار قید خانہ مجھ کو بہت پیارا ہے اُس بات سے جو وہ مجھ سے چاہتی ہے۔ یہ قول حضرت یوسف کا کس قدر دل میں اثر کرنے والا اور عبرت اور نصیحت دینے والا ہے +

باپ سے کم سنی میں مفارقت، بھائیوں کا ظلم، اندھے کنوئیں میں ڈالے جانے کی مصیبت بطور غلام کے پکڑے اور بیچے جانے کی ذلت اور پھر عیش و آرام میں آکر قید خانہ میں ڈالے جانے کی ذلت و مصیبت سب کو صبر سے سہنا اور ہر حالت میں خدا کی مرضی پر راضی رہنا کبھی اُس کی شکایت نہ کرنا کیا انسانوں کے لئے عمدہ سے عمدہ نصیحت نہیں ہے +

اُس کے بعد جب یوسف بادشاہت کے درجہ پر پہنچ گئے اور بھائیوں پر بخوبی قابو پایا تو اُن کے تمام ظلموں کو جو اُن کے ہاتھ سے سہے تھے اور اُن کی تمام بُرائیوں اور بدسلوکیوں کو یک لخت بھلا دینا اور نہایت اخلاق و محبت سے اُن کے ساتھ پیش آنا اور نہایت مصیبت کے وقت پے درپے اور طرح بطرح سے اُن کے ساتھ سلوک کرنا دنیا میں اُن کی خطاؤں سے درگذر کرنا اور عاقبت میں اُن کے گناہوں کی معافی چاہنا کیا انسانوں کے لئے اپنے اخلاق درست کرنے کے لئے کچھ کم نصیحت ہے +

ماں باپ کی خدمت اور تعظیم و ادب جو کہ بادشاہت کے درجہ پر پہنچ کر حضرت یوسف نے ادا کیا ہمارے لئے کیسی عمدہ نصیحت ہے +

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۱۱۱)	اور نہیں تھی بات جھوٹ بنائی ہوئی ولیکن سچا کرنے والی ہے اُس چیز کی جو پہلے ہے اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان لانے والی قوم کے لئے (۱۱۱)

حضرت یوسف کے بھائیوں نے جو بدسلوکی اپنے بھائی اور اپنے بڈھے باپ کے ساتھ کی اور آخر کار اُس سے نادم اور پشیمان ہوئے کیا بہتر لئے لیسے یا اُس کی مانند کاموں سے بچنے کے لئے عمدہ نصیحت نہیں ہے +

حضرت یعقوب کو اس واقعہ سے جو رنج پہنچا اور زمانہ دراز تک اُس رنج و مصیبت میں مبتلا رہے مگر ہر حال میں خدا ہی کو یاد رکھا اُسی سے کہا جو کچھ کہا اُسی سے توقع رکھی جو توقع رکھی اور اگر کوئی لفظ زبان سے نکلا تو یہی نکلا کہ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ - تو کیا اُن کی حالت ہم کو خدا کی مرضی پر راضی اور احسان کا شکر ادا کرنے اور اُس کے رحم کے حالت میں متوقع رہنے کے لئے کیسی کچھ نہایت مؤثر نصیحت نہیں ہے +

پھر اس چھوٹی سورۃ اور مختصر الفاظ میں ان واقعات کو ایسی عمدگی سے بیان کیا ہے کہ لفظوں پر غور کرنے سے ہر ایک بات کی تفصیل اور جزئیات اور انسانی جذبات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے بندھ جاتا ہے اور وہ واقعات دل میں اثر کرتے ہیں اور خدا کے اس فرمانے پر کہ - ماکان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شئ وھدی رحمۃ لقوم یؤمنون - دل سے ایمان آجاتا ہے +

سُورَةُ الرَّعْدِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑤ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑥

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

المر۔ یہ ہیں آیتیں کتاب (یعنی قرآن) کی اور وہ جو بھیجی گئی ہے تیرے پاس تیرے پروردگار سے ٹھیک ولیکن اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے (۱) اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے کہ تم اُن کو دیکھو (فی تفسیر ابن عباس یقال بعمد لا ترونہا) پھر قائم ہوا عرش پر اور حکم کے تابع کیا سورج کو اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے میعاد معین تک۔ تدبیر کرتا ہے کام کی اور تفصیل کرتا ہے نشانیوں کی تاکہ تم اپنے پروردگار کے ملنے پر یقین کرو (۲) اور وہ وہی ہے جس نے پھیلایا زمین کو اور پیدا کیا اُس میں پہاڑوں اور نہروں کو اور ہر قسم کے پھلوں کو۔ پیدا کیا اُس میں جوڑا جوڑا ڈھانک دیتا ہے رات سے دن کو اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں (۳) اور زمین میں ٹکڑے ایک دوسرے کے پاس پاس ہیں اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت ہیں ایک جڑ سے پھوٹے ہوئے اور الگ اُگے ہوئے سیراب کئے جاتے ہیں ایک ہی پانی سے اور فضیلت دیتے ہیں ہم اُن میں سے ایک کو دوسرے پر مزے میں بیشک اس میں ہیں البتہ نشانیاں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں (۴) اور اگر تو تعجب کرے (اُن کی باتوں میں) تو عجیب ہے اُن کا کہنا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جاوینگے تو کیا پھر ہم نئی پیدائش میں ہونگے (۵) یہی وہ لوگ ہیں جو منکر ہوئے اپنے پروردگار کے اور یہی لوگ ہیں کہ طوق ہونگے اُن کی گردنوں میں اور یہی لوگ ہیں آگ میں پڑنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہینگے (۶)

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۸﴾ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۹﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۱۰﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۱﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۳﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۴﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ

اور جلدی چاہتے ہیں تجھ سے برائی پہلے بھلائی کے اور بیشک ہو چکی ہیں اُن سے پہلے سزائیں اور بیشک تیرا پروردگار بخشش والا ہے انسان کے لئے باوجود اُن کے ظلم کے، اور بیشک تیرا پروردگار سخت عذاب دینے والا ہے ﴿۷﴾ اور کہتے ہیں وہ جو کافر ہوئے کیوں نہیں بھیجی گئی اُس پر کوئی نشانی اُس کے پروردگار سے بات یہ ہے کہ تو ڈرانے والا ہے (یعنی قیامت کے عذاب سے) اور ہر قوم کے لئے ہدایت کرنے والا ہے ﴿۸﴾ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ اُٹھاتی ہے (یعنی اپنے رحم میں) ہر ایک عورت اور جو کچھ کہ گھٹا دیتے ہیں رحم اور جو کچھ کہ بڑھا دیتے ہیں (یعنی مدت حمل میں) اور ہر ایک چیز اُس کے پاس اندازہ سے ہے ﴿۹﴾ جاننے والا ہے چھپی اور کھلی کا بڑا ہے بلند مرتبہ کا ﴿۱۰﴾ برابر ہے کہ تم میں سے جو کوئی چھپا کے بات کہے یا اُس کو پکار کر کہے اور جو شخص کہ وہ رات میں چھپنے والا ہے یا دن میں رستہ چلنے والا ہے ﴿۱۱﴾ پے درپے ہیں اُس کے لئے (یعنی محافظ) اُس کے آگے اور اُس کے پیچھے اُس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔ بیشک اللہ نہیں بدلتا اُس چیز کو جو اُن کے دلوں میں ہے اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا پھر اُس کے لئے کوئی پھیرنے والا نہیں ہے۔ اور کوئی اُن کے لئے نہیں ہے سوا اُس کے (یعنی خدا کے) حمایت کرنے والا ﴿۱۲﴾ وہ وہ ہے جو دکھاتا ہے تم کو بجلی ڈرانے کو اور امید کرنے کو اور اُٹھاتا ہے بھاری بادل ﴿۱۳﴾ اور تسبیح کرتی ہے گرج ساتھ اُس کی تعریف کے اور فرشتے اُس کے (یعنی خدا کے ڈر سے) اور بھیجتا ہے بجلی کے شعلے پھر اُن کو پہنچا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ جھگڑتے ہیں خدا کی قدرت میں اور وہ سخت عذاب والا ہے ﴿۱۴﴾ اسی کو پکارنا سچا ہے اور جو لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا کسی کو اُس کے سوا نہیں کچھ بھی وہ اُن کو جواب نہیں دیتے مگر اُن کی مثال مثل اس کے جیسے کہ پانی کی طرف ہاتھ پھیلانے والا کہ

فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ
اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿١٥﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ
وَالْاٰصَالِ ﴿١٦﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ
قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ
لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا
ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ
الْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ
النُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوْا
كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ
اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ ﴿١٧﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ
السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ
عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ
زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ
وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا
مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا
لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ
لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ
مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ
الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

کہ آپہنچے پانی اُس کے منہ میں اور وہ اُس میں پہنچنے والا نہیں
اور نہیں ہے پکارنا کافروں کا مگر گمراہی کے (۱۵) اور خدا ہی
کے واسطے سجدہ کرتے ہیں جو ہیں آسمانوں میں اور زمین میں
خوشی سے و ناخوشی سے اور اُن کی پرچھائیاں صبح کو اور
شام کو (۱۶) کہدے (اے پیغمبر) کون ہے پروردگار آسمانوں
کا اور زمین کا۔ کہدے کہ اللہ۔ کہدے پھر کیا تم پکڑتے ہو اُس کے
سوا حمایتی وہ اختیار نہیں رکھتے خود اپنے لئے نفع کا نہ برے کا۔
کہدے کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا یا کیا برابر ہے اندھیرا
اور اُجالا۔ کیا اُنھوں نے ٹھیرائے ہیں خدا کے لئے شریک کہ انہوں نے
پیدا کیا ہو مانند اُس کے (یعنی خدا کے پیدا کرنے کے) پھر شبہ
ہو گئی ہو اُن پر پیدائش۔ کہدے اللہ پیدا کرنے والا ہر چیز کا
ہے وہی یگانہ زبردست ہے (۱۷) برسایا آسمان سے پانی پھر بہ
نکلیں نالیاں اپنے اندازہ کے موافق پھر اُٹھا لایا وہ نالا جھاگ
اوپر ہی اوپر اور اس چیز میں جس کو ڈالتے ہیں آگ میں گہنا
یا اور اسباب بنانے کے لئے جھاگ (یعنی کیت) ہے مثل اُس کی
اسی طرح اللہ بیان کر دیتا ہے حق اور باطل کو۔ سو جو جھاگ
ہے وہ جاتا رہتا ہے کما ہو کر۔ اور جو کہ وہ چیز ہے جو نفع
دیتی ہے آدمیوں کو ٹھیرتی ہے زمین میں اسی طرح بیان
کرتا ہے اللہ مثالوں کو۔ اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے قبول کیا ہے
اپنے پروردگار کو (یعنی اُس کی توحید کو) اچھائی ہے اور جن لوگوں
نے نہیں قبول کیا اُس کو (یعنی توحید کو) اگر ہو ان کے لئے
جو کچھ کہ زمین میں ہے سب کا سب اور اسی کی مانند اُس کے
ساتھ البتہ بدلا دیں ساتھ اُس کے (یعنی ایسا
ہونا غیر ممکن تو بدلا دینا بھی غیر ممکن ہے)
وہی لوگ ہیں کہ اُن کے لئے ہے بُرائی
حساب کی۔ اور اُن کی جگہ جہنم ہے اور بُری جگہ
ہے (۱۸)

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمٰى ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ أُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾

کیا پھر وہ شخص جو جانتا ہو کہ یہ بھیجا گیا ہے تیری جانب تیرے پروردگار سے سچ ہے اُس شخص کی مانند ہو کہ وہ اندھا ہے۔ بات صرف اتنی ہی ہے کہ نصیحت پکڑتے ہیں عقل والے ﴿١٩﴾ وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے عہد کو ﴿٢٠﴾ اور وہ جو ملاتے ہیں اُس کو جس کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہ ملائے جاویں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور ڈرتے ہیں بُرے حساب سے ﴿٢١﴾ اور جن لوگوں نے صبر کیا اپنے پروردگار کی خوشی (یعنی خاص اُسی کی چاہت سے) اور قائم رکھا نماز کو اور خرچ کیا اُس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے چھپا کر یا ظاہر کر کر اور دور کر دیتے ہیں اچھی بات سے بُری بات کو وہی لوگ ہیں جن کے لئے ہے پچھلا گھر یعنی اُس کی بھلائیاں ﴿٢٢﴾ بہشتیں ہیں ہمیشہ رہنے کی اُس میں وہ جاوینگے اور وہ جو اچھے ہیں اُن کے باپ دادوں اور اُن کی جوروؤں اور اُن کی اولاد میں اور فرشتے آوینگے اُن کے پاس ہر دروازے سے ﴿٢٣﴾ (کہتے ہوئے کہ) سلامتی ہو تم پر اس لئے کہ تم نے صبر کیا اور پھر اچھا ہی پچھلا گھر ﴿٢٤﴾ اور وہ جو توڑتے ہیں اللہ کا عہد اُس کے مضبوط کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں اُس کو جس کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جاوے اور فساد کرتے ہیں زمین میں وہ لوگ ہیں کہ اُن کے لئے لعنت ہے اور اُن کے لئے بُرا گھر ہے ﴿٢٥﴾ اللہ فراخ کرتا ہے روزی کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔ اور وہ خوش ہیں دنیا کی زندگی سے اور نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلہ میں) مگر بہت تھوڑی چیز ﴿٢٦﴾ اور کہتے ہیں وہ جو کافر ہوئے کیوں نہیں بھیجی گئی اُس پر کوئی نشانی اُس کے پروردگار کے پاس سے کہدے کہ بیشک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اُس کو جو رجوع کرتا ہے ﴿٢٧﴾

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۸﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ﴿۳۰﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

جو ایمان لائے اور تسلی ہوتی ہے ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے سن رکھو اللہ کی یاد سے تسلی پاتے ہیں دل - جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے خوش حالی ہے اُن کے لئے اور اچھی ہی جگہ پھر جا بیٹھنے کی (۲۸) اسی طرح ہم نے تجھ کو بھیجا ہے ایک گروہ میں کہ گذر گئی ہیں اس سے پہلے بہت سی گروہیں تاکہ تو اُن کو پڑھ سنا دے جو کچھ وحی بھیجی ہے ہم نے تیرے پاس اور وہ کفر کرتے ہیں بڑے رحم کرنے والے (یعنی خدا) کے ساتھ کہہ دے وہی میرا پروردگار ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ اُسی پر میں نے توکل کیا اور اسی کی طرف ہے میرا رجوع (۲۹) اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس سے پہاڑ اڑائے جاتے یا اس سے زمین پھاڑی جاتی یا اس سے مُردے بلائے جاتے (تو بھی وہ ایمان نہ لاتے) بلکہ خدا کے لئے ہے تمام کام سب کیا پھر نہیں جانتے جو ایمان لائے ہیں کہ خدا چاہتا تو بے شک ہدایت کرتا لوگوں کو سب کو (۳۰) اور ہمیشہ ہوگا ان لوگوں کو جو کافر ہوئے پہنچیگا ان کو اس سبب سے جو انہوں نے کیا ہے کچھ کھٹکا دینے والا عذاب یا آجاویگا ان کے گھروں کے پاس جب تک کہ آوے وعدہ اللہ کا بے شک اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ کو (۳۱) اور ہاں بے شک ٹھٹھا کیا گیا ہے رسولوں سے تجھ سے پہلے پھر میں نے سست دی ان کو جو کافر ہوئے پھر میں نے اُن کو پکڑا پھر کیسا تھا ہمارا عذاب (۳۲) کیا پھر وہ جو کھڑا ہے ہر ایک کی جان پر (جانتے ہوئے) اس کو جو وہ کما رہی ہے وہ کرتے ہیں اللہ کے لئے شریک کہہ دے (اے پیغمبر) کہ نام لو ان کے (یعنی اس کی صفات جیسے زندگی، قدرت، علم، خالق وغیرہ) کیا اس کو بتاتے ہو جس کو وہ نہیں جانتا زمین میں یا ظاہری باتوں میں - بلکہ بنا دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو کافر ہوئے ان کا مکر اور روکے گئے ہیں رستہ سے اور جس کو گمراہ کرے اللہ پھر نہیں اس کے لئے راہ بتانے والا (۳۳)

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

اُن کے لئے ہی عذاب دُنیا کی زندگی میں اور بیشک عذاب آخرت کا زیادہ سخت ہے اور کوئی نہیں اُن کے لئے اللہ سے بچانے والا (۳۴) مثال بہشت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے پرہیزگاروں سے (یہ ہے کہ) بہتی ہیں اُسکے نیچے نہریں اُن کے میوے ہمیشہ ہیں اور اُن کی چھاویں۔ یہ ہے آخری چیز اُن کی جو پرہیزگار ہوئے اور آخری چیز اُن کی جو کافر ہیں آگ ہے (۳۵) اور وہ لوگ جن کو ہم نے دی ہے کتاب خوش ہوتے ہیں اُس سے جو اُتارا گیا ہے تیرے پاس اور اُن ہی میں سے بعضے لوگ ہیں جو انکار کرتے ہیں اس کتاب کی بعض آیتوں کا کہدے اے پیغمبر بات صرف اتنی ہے کہ مجھ کو حکم دیا گیا ہوں کہ عبادت کروں اللہ کی اور نہ شریک کروں اُس کے ساتھ اُسی کی طرف بلاتا ہوں اور اُسی کی طرف ہے میرا رجوع (۳۶) اور اسی طرح ہم نے اُتارا ہے ایک حکم عربی زبان کا اور اگر تو تابعداری کرے اُن کی خواہشوں کی بعد اس کے کہ آ گیا ہے تجھ کو علم تو نہیں ہے تیرے لئے اللہ سے کوئی حمایت کرنے والا اور نہ بچانے والا (۳۷) اور بیشک ہم نے بھیجے رسول تجھ سے پہلے اور کر دیں ہم نے اُن کے لئے جوروئیں اور بچے اور نہیں ہے رسول کے لئے کہ لاوے کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے ہر ایک کا وقت لکھا ہوا ہے (۳۸) مٹا دیتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور قایم رکھتا ہے اور اُسی کے پاس ہے اصل کتابوں کی (۳۹) اور اگر ہم تجھ کو دکھا دیں بعضی وہ چیزیں جن کا ہم اُن سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم تجھ کو موت دیں (یعنی بغیر اُنکے دکھائے) تو (ہر حال میں) بات صرف اتنی ہے کہ تجھ پر تو صرف پہنچا دینا ہے اور ہم پر حساب لینا ہے (۴۰) کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم گھٹاتے چلے آتے ہیں زمین کو (یعنی اُسکے کفر کو) اُس کے کناروں (میں) سے (یعنی ان قوموں کے جو اُس کے اطراف میں رہتی ہیں) اور اللہ حکم کرتا ہے نہیں کوئی پیچھا کرنیوالا اُسکے حکم کا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے (۴۱)

ف اس آیت کی تفسیر سورہ نحل میں بذیل آیت واذا بدلنا آیۃ میں کی گئی ہے (احمد یار مخدومی)

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

اور بیشک مکر کیا انہوں نے جو ان سے پہلے تھے پھر اللہ کے پاس ہے مکر سب کا۔ جانتا ہے جو کماتا ہے (بھلائی یا برائی) ہر ایک شخص اور جلد جان لینگے کافر کہ کس کے لئے ہے پچھلا گھر ﴿۴۲﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہوئے تو نہیں ہے بھیجا ہوا کہدے کہ کافی ہے اللہ گواہ مجھ میں اور تم میں اور وہ جس کے پاس ہے علم کتاب کا ﴿۴۳﴾

سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿١﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ﴿٢﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٥﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿٦﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿٧﴾

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

الر ۔ یہ کتاب ہے ہم نے اس کو اتارا ہے تیرے پاس تاکہ تو نکالے لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف اپنے پروردگار کے حکم سے رستہ پر بڑے عزت والے تعریف کئے گئے کے ﴿١﴾ اللہ وہ ہے جس کے لئے ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں چیخنا ہے کافروں کے لئے سخت عذاب سے ﴿٢﴾ جنہوں نے قبول کی ہے دنیا کی زندگی آخرت پر اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور چاہتے ہیں اس میں کجی وہ ہیں پرلے درجہ کی گمراہی میں ﴿٣﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسی کی قوم کی زبان میں تاکہ ان کو سمجھائے پھر گمراہ کرتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ بہت بڑی عزت والا حکمت والا ﴿٤﴾ اور ہاں بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ کہ نکال اپنی قوم کو اندھیرے سے روشنی کی طرف اور نصیحت کر خدا کے دنوں سے (یعنی ان دنوں سے جن میں خدا کی رحمت یا خدا کا غضب لوگوں پر نازل ہوا ہے) بیشک اس میں ہیں نشانیاں ہر صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے ﴿٥﴾ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو کہ یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے پر ۔ جب نجات دی تم کو فرعون کے لوگوں سے تم کو دیتے تھے برا عذاب ذبح کر ڈالتے تھے تمہارے بیٹے اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتیں اور اس میں آزمائش تھی تمہارے پروردگار سے بہت بڑی ﴿٦﴾ اور جب خبردار کر دیا تمہارے پروردگار نے کہ اگر تم شکر کرو گے تو البتہ زیادہ دوں گا تم کو اور اگر تم کفر کرو گے تو بیشک میرا عذاب البتہ سخت ہے ﴿٧﴾

وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۸﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ﴿۹﴾ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ﴿۱۱﴾ قَالُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۱۲﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ ﴿۱۳﴾ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۴﴾ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۵﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۶﴾

اور کہا موسیٰ نے اگر تم کافر ہو جاؤ تم اور جو زمین میں ہیں سب تو بیشک اللہ بے پروا ہے تعریف کیا گیا ﴿۸﴾ کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح کی اور عاد کی اور ثمود کی ﴿۹﴾ اور ان کی جو ان کے بعد تھے نہیں جانتا کوئی ان کو سوا اللہ کے۔ آئے ان کے پاس ان کے رسول دلیلیں لے کر پھر الٹے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہوں میں اور کہا بیشک ہم نہیں مانتے اس کو جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور بیشک ہم البتہ شک میں ہیں اس سے جس کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو زیادہ شک کرنے والی ﴿۱۰﴾ ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے۔ پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا۔ تم کو بلاتا ہے تاکہ بخشے تمہارے لئے تمہارے گناہ اور مہلت دے تم کو ایک مدت معین تک ﴿۱۱﴾ بولے کہ تم نہیں ہو مگر ایک آدمی ہم سے۔ چاہتے ہو کہ روکو ہم کو اس سے کہ جو عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا، پھر ہمارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل لاؤ ﴿۱۲﴾ ان کو رسولوں نے کہا کہ ہم نہیں ہیں مگر آدمی تم جیسے لیکن اللہ عنایت کرتا ہے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور ہمارے لئے نہیں ہے کہ ہم لائیں تمہارے پاس کوئی دلیل (یعنی معجزہ) ﴿۱۳﴾ مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر چاہئے بھروسا کریں ایمان والے ﴿۱۴﴾ اور کیا ہے ہمارے لئے کہ نہ توکل کریں اللہ پر اور بیشک اس نے ہم کو بتائے ہیں ہمارے رستے۔ اور البتہ ہم صبر کریں گے اس پر جو ایذا دو تم ہم کو اور اللہ پر چاہئے کہ بھروسا کریں بھروسا کرنے والے ﴿۱۵﴾ اور کہا انہوں نے جو کافر ہوئے اپنے رسولوں کو کہ البتہ ہم تم کو نکال دیں گے اپنے ملک سے یا یہ کہ تم پھر آؤ ہمارے دین میں پھر وحی بھیجی اللہ نے ان کے پاس کہ البتہ ہم ہلاک کریں گے ظالموں کو ﴿۱۶﴾

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ﴿۱۷﴾ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۱۸﴾ مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ ﴿۱۹﴾ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿۲۰﴾ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿۲۱﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۲۲﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿۲۳﴾ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ﴿۲۴﴾ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَحِيصٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ ﴿۲۶﴾ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ

اور البتہ تم کو ہم بسا دینگے ملک میں اُن کے بعد۔ یہ اُس کے لئے ہے جو ڈرتا ہے میرے سامنے حاضر ہونے سے اور ڈرتا ہے میرے عذاب سے ﴿۱۷﴾ اور انہوں نے فتح چاہی اور برباد ہو گئے تمام سرکش و عناد کرنیوالے ﴿۱۸﴾ اور اس کے بعد جہنم ہے اور پلایا جاویگا پانی پیپ لہو سا ﴿۱۹﴾ گھونٹ گھونٹ اُس کو لیگا اور نہ ہو سکیگا کہ اُس کو حلق سے اتار سکے اور اُس کے پاس آویگی موت ہر جگہ سے اور وہ مردہ نہ ہوگا اور اُس کے بعد عذاب ہے سخت ﴿۲۰﴾ مثال اُن لوگوں کی جو کافر ہوئے رب سے، اُن کے اعمال راکھ کی مانند ہیں جس پر شدت سے ہوا چلی جھکڑ کے دن میں۔ نہ قابو رکھیں گے اپنی کمائی ہوئی میں سے کسی چیز پر اور یہ بعد ہی پرلے درجے کی گمراہی ﴿۲۱﴾ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ٹھیک ٹھیک اگر چاہے اٹھا لے تم کو اور لاوے نئی خلقت ﴿۲۲﴾ اور یہ نہیں ہے اللہ پر کچھ مشکل ﴿۲۳﴾ اور حاضر ہونگے اللہ کے سامنے سب پھر کہینگے ضعیف لوگ اُن سے جو تکبر کرتے تھے کہ بیشک ہم تمہارے تابع تھے پھر کیا تم ہم سے ہٹا دینے والے ہو اللہ کے عذاب سے کچھ بھی ﴿۲۴﴾ کہینگے کہ اگر اللہ ہم کو ہدایت کرتا تو ہم تم کو ہدایت کرتے۔ برابر ہے ہم پر ہم تڑپا کریں یا ہم صبر کریں نہیں ہے ہمارے لئے کوئی مخلصی کی ﴿۲۵﴾ اور شیطان نے کہا جب فیصلہ ہو گیا کام بیشک اللہ نے تم کو وعدہ دیا سچا وعدہ اور میں نے تم کو وعدہ دیا پھر میں نے تم سے وعدہ خلاف کیا اور نہ تھا مجھ کو تم پر کچھ زور ﴿۲۶﴾ مگر یہ کہ میں نے تم کو بلایا (یعنی اپنی تابعداری کرنے کو) پھر تم نے مجھ کو مان لیا پھر مجھ کو ملامت مت کرو اور ملامت کرو اپنے آپ کو۔ اور میں نہیں تمہاری فریاد کو پہنچنے والا

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ۭ اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۷﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۹﴾ تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَمَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ کَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۳۱﴾ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴿۳۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۳۳﴾ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۳۴﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ ﴿۳۵﴾ قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے۔ بیشک میں نے کفر کیا اس سے کہ شریک کیا تم نے مجھ کو اس سے پہلے بیشک ظالم ان کے لئے ہے عذاب دکھ دینے والا (۲۷) اور داخل ہونگے وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے جنت میں بہتی ہیں اُنکے نیچے نہریں ہمیشہ رہینگے اُس میں اپنے پروردگار کے حکم سے اُن کی دُعا اُس جگہ آپس میں ملنے میں ہے سلام (۲۸) کیا تو نے نہیں دیکھا کیونکر بتائی اللہ نے مثال اچھی بات کی اچھے درخت کی مانند ہے اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اُس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں (۲۹) دیتا ہے اپنا میوہ ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے۔ اور بتاتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت پکڑیں (۳۰) اور مثال بُری بات کی بُرے درخت کی مانند ہے کہ اُکھڑ گیا ہو زمین کے اوپر سے اور اُس کو کچھ بھی ٹھہراؤ نہیں ہے (۳۱) مضبوط رکھتا ہے اللہ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے مضبوط بات پر دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ اور گمراہ کرتا ہے اللہ ظالموں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے (۳۲) کیا تو نے غور نہیں کی اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا ہے اللہ کی نعمت کو کفر سے اور اُتارا اپنی قوم کو ہلاکی کے گھر میں (۳۳) کہ جہنم ہے پہنچینگے وہاں اور بہت بُری ہے ٹھہرنے کی جگہ (۳۴) اور ٹھہرایا اُنہوں نے اللہ کے لئے شریک تاکہ گمراہ کریں اُس کے رستہ سے بہرہ فائدہ اُٹھالو پھر بیشک تمہارا جانا ہے آگ کی طرف (۳۵) کہہ دے (اے پیغمبر) اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور کہتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں اُس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے چھپا کر اور ظاہر کر کر اس سے پہلے کہ آئے وہ دن کہ نہ اُس میں بیچنا ہے اور نہ دوستی (۳۶) اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور برسایا آسمان سے پانی

فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ
وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ
بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ
وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ
وَالنَّهَارَ وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ
وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا
إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (۳۷)
وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا
الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن
نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ (۳۸) رَبِّ إِنَّهُنَّ
أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَن
تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي
فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۳۹) رَبَّنَا
إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ
غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ
الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ
فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي
إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ
لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (۴۰)
رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي
وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ
مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ
وَلَا فِي السَّمَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي
وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ
الدُّعَاءِ (۴۱)

پھر اُس سے نکالی میووں میں سے تمہارے لئے روزی اور تمہاری مرضی
کے مطابق کیا کشتی کو تاکہ چلے دریا میں اور تمہاری مرضی کے
موافق کیا نہروں کو۔ اور تمہاری مرضی کے موافق کیا
سورج اور چاند کو جو اپنا کام یکساں کرتے رہیں گے اور تمہاری
مرضی کے موافق کیا رات کو اور دن کو اور دیا تم کو اس ہر
چیز سے کہ تم نے اس کو مانگا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو
شمار کرو تو سب کو جمع نہ کر سکو گے بیشک انسان البتہ ظالم ہے ناشکری
کرنے والا (۳۷) اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب کر دے اس قصبہ (یعنی مکہ) کو امن والا اور بچا رکھ مجھ کو اور میرے
بیٹوں کو اس سے کہ ہم پوجیں بتوں کو (۳۸) اے میرے رب
بیشک انہوں نے گمراہ کیا بہتوں کو لوگوں میں سے پھر جس نے میری
پیروی کی تو بیشک وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی
تو پھر تو بخشنے والا ہے مہربان (یعنی ان کے گناہ کو بخش کر
سیدھے راہ پر لا) (۳۹) اے ہمارے پروردگار بیشک میں نے
بسایا ہے اپنی اولاد میں سے بن کھیتی کے میدان میں تیرے حرمت
والے گھر کے پاس اے ہمارے پروردگار اس لئے کہ وہ قائم
رکھیں نماز (معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی نماز صرف بیت اللہ کے گرد
پھرتے جا کر خدا کا ذکر کرنا تھی جس کو اس زمانہ میں طواف کہتے
ہیں) پھر کر دے لوگوں میں سے چند ایسے دل کہ جھکیں ان
کی طرف اور روزی دے ان کو پھلوں سے تاکہ شاید
وہ شکر کریں (۴۰) اے ہمارے پروردگار تو جانتا ہے جو
کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں اور نہیں
چھپی ہوئی ہے اللہ پر کوئی چیز بھی زمین میں کی اور
نہ آسمانوں میں کی۔ تمام شکر ہے اللہ
کے لئے جس نے بخشا مجھ کو بڑھاپے پر
اسمٰعیل کو اور اسحق کو بیشک میرا پروردگار
البتہ سننے والا ہے دعا کا (۴۱)

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (۴۱) وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ (۴۲) مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ (۴۴) فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ (۴۵) نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (۴۶) وَّسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ (۴۷) فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (۴۸) یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۴۹) وَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ (۵۰)

اے میرے پروردگار مجھ کو کر ہمیشہ ادا کرنے والا نماز کا اور میری اولاد میں بھی اے ہمارے پروردگار اور قبول کر میری دعا اے ہمارے پروردگار بخش دے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مسلمانوں کو جس دن قائم ہو حساب (۴۱) اور ہرگز مت خیال کر اللہ کو بے خبر اس چیز سے کہ کرتے ہیں ظالم - بات صرف یہ ہے کہ ان کو پیچھے رکھتا ہے اس دن کے لئے جس میں پتھرا جاوینگی آنکھیں (۴۲) دیکھتے ہونگے اپنے سر کو اونچا کئے ہوئے نہ جھپکیگی ان کی طرف ان کی پلک اور ان کے دل اُڑے جاتے ہیں اور ڈرا لوگوں کو اُس دن سے کہ آویگا ان کو عذاب (۴۴) پھر کہینگے وہ لوگ جو ظالم ہوئے اے پروردگار تاخیر کو رکھ ہم کو تھوڑی مدت تک (۴۵) ہم قبول کریں تیرے بلانے کو اور ہم پیروی کریں رسولوں کی (جواب ملیگا) کہ کیا تم قسم نہ کھاتے تھے اس سے پہلے کہ نہیں تمہارے لئے کچھ زوال (۴۶) اور رہتے تھے تم ان لوگوں کے بسنے کی جگہ میں جنہوں نے ظلم کیا اپنے پر آپ اور ظاہر ہوا تم پر کہ کس طرح کیا ہم نے اُن کے ساتھ اور بتائیں ہم نے مثالیں - اور بیشک انہوں نے مکر کیا تھا اپنا مکر اور اللہ کے پاس ہے اُن کا مکر - اور نہ تھا اُن کا مکر کہ ٹل جاوے اُس سے پہاڑ (یعنی ایسا نہ تھا کہ حق کو باطل کردے) (۴۷) پھر ہرگز خیال مت کر اللہ کو کہ خلاف کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اپنے رسولوں کے ساتھ - بیشک اللہ زبردست ہے بدلا لینے والا (۴۸) اُس دن کہ بدل جاویگی زمین اور طرح اس زمین کے اور (بدل جاوینگے) آسمان اور حاضر ہونگے سامنے اللہ واحد قہار کے (۴۹) اور تو دیکھیگا گنہگاروں کو اس دن جکڑی ہوئی زنجیروں میں (۵۰)

سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ۵۱ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۵۲

لباس اُن کے قطران کے ڈھانکے لیتی اُن کے مُنہوں کو آگ تاکہ بدلا دے اللہ ہر ایک شخص کو جو اُس نے کمایا ہے بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب کا (۵۱) یہ پہنچا دینا ہے لوگوں کو اور تاکہ وہ اُس سے ڈریں اور جان لیں کہ بات یہی ہے کہ وہی ہے معبود اکیلا اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقل والے (۵۲)

سُوْرَةُ الْحِجْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَاۤ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

الر - یہ ہیں آیتیں کتاب کی اور بیان کرنے والے قرآن کی (۱) کسی نہ کسی وقت چاہیں گے وہ جو کافر ہوئے - اگر ہم مسلمان ہوتے (تو کیا اچھا ہوتا) (۲) چھوڑ دے اُن کو کھاویں اور فائدہ اٹھاویں اور غفلت میں ڈالے اُن کو دور دراز امید پھر وہ جلد جان لینگے (۳) اور ہم نے ہلاک نہیں کیا کسی بستی کو مگر اُس کے لئے لکھا ہوا معلوم تھا (۴) نہیں آگے بڑھ جاتی کوئی گروہ اپنے وقت سے اور نہ پیچھے رہ جاتی ہے (۵) (کافروں نے) کہا اے وہ شخص جس پر اُتارا گیا ہے ذکر (یعنی قرآن) - بیشک تو دیوانہ ہے (۶) کیوں نہیں لاتا ہمارے پاس فرشتے اگر تو سچوں میں سے ہے (۷) ہم نہیں اُتارتے فرشتے مگر ٹھیک وقت پر اور وہ اُس وقت نہ ہونگے مہلت دئے گئے (۸) بیشک ہم نے اُتارا ہے ذکر (یعنی قرآن) کو اور بیشک ہم اُس کے لئے البتہ حفاظت کرنے والے ہیں (۹) اور البتہ ہم نے بھیجے تھے (پیغمبر) تجھ سے پہلے اگلے فرقوں میں (۱۰) اور نہیں آیا تھا اُن کے پاس کوئی پیغمبر مگر وہ اُس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے (۱۱) اسی طرح ہم راہ دیتے ہیں ٹھٹھے کو گنہگاروں کے دل میں (۱۲) وہ اُس پر ایمان نہیں لاتے اور اسی طرح ہو چکا ہے طریقہ پہلوں کا (۱۳) اور اگر ہم اُن پر کھولدیں ایک دروازہ آسمان سے پھر وہ ہوں کہ اُس میں چڑھ جاویں (۱۴) البتہ کہیں گے کہ اور کچھ نہیں بجز اس کے کہ ہماری آنکھوں پر نعشہ بندی کی ہے بلکہ ہم ایک گروہ ہیں جادو کئے ہوئے (۱۵) اور بیشک ہم نے پیدا کئے ہیں آسمان میں برج اُن کو خوشنما کیا ہے دیکھنے والوں کے لئے (۱۶)

(۱۶) فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا . بروج صیغہ جمع کا ہے اور برج اُس کا واحد ہے برج کے معنی اُس سے

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے اُن کو محفوظ رکھا ہے ہر ایک شیطان راندے گئے سے ﴿۱۷﴾ مگر جس نے چُرا لیا سننے کو یعنی کوئی بات معلوم کر لی تو پیچھے پڑتا ہے اُس کے شعلہ روشن ﴿۱۸﴾ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور ہم نے ڈالے اُس میں پہاڑ اور ہم نے اگائی اُس میں ہر ایک چیز موزوں ﴿۱۹﴾ اور ہم نے پیدا کی تمہارے لئے اُس میں معیشتیں اور اُن کے لئے کہ تم نہیں ہو اُس کو روزی دینے والے ﴿۲۰﴾ اور نہیں کوئی چیز مگر ہمارے پاس اُس کے خزانے ہیں اور ہم اُس کو نہیں اتارتے مگر ایک اندازہ معلوم سے ﴿۲۱﴾ اور ہم نے بھیجا ہوا کو بوجھل کرنے والی یعنی بادلوں کو پھر ہم نے برسایا آسمان سے مینہ پھر ہم نے اُسے تم کو پلایا اور تم نہ تھے اُس کو خزانہ میں رکھنے والے ﴿۲۲﴾

کے ہیں جو ظاہر اور اپنے ہم شکل چیزوں سے ممتاز ہو۔ عمارت کا وہ حصہ جو ایک خاص صورت پر بنایا جاتا ہے گو وہ جزو اُس عمارت کا ہوتا ہے مگر عمارت کے اور جزوں سے ممتاز اور نمایاں ہوتا ہے اُس کو بُرج کہتے ہیں +

اہل ہیئت نے جب ستاروں پر غور کی اور اُن کو دیکھا کہ کچھ ستارے ایسی طرح پر متصل واقع ہوئے ہیں کہ باوجودیکہ وہ اَوروں سے بڑے اور اَوروں سے کچھ زیادہ روشن نہیں ہیں مگر ایک خاص طرح پر واقع ہونے سے وہ اور سب سے علیحدہ دکھائی دیتے ہیں اور نمایاں ہیں۔ پھر اُن کے نمایاں ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اُنھوں نے دیکھا کہ سورج دولابی چال پر چلتا ہوا نہیں معلوم ہوتا بلکہ حمائلی طور پر چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور یہ اُس کا چلنا اُنہیں ستاروں کے نیچے نیچے معلوم ہوتا ہے اِس وجہ سے وہ ستارے اور ستاروں سے زیادہ ممتاز و نمایاں ہو گئے +

اس کے بعد اہل ہیئت نے دیکھا کہ اِس طرح پر اور ایسے موقع سے جو اوروں سے ممتاز ہوں متعدد مجمعے ستاروں کے واقع ہیں مگر اُن میں بارہ مجمعوں کو اس طرح پر پایا کہ وہ ایسی ترتیب سے واقع ہیں کہ اگر اُن سب پر ایک دائرہ فرض کیا جاوے تو کرہ پر دائرہ عظیمہ ہوگا۔ پھر اُن کو سورج بھی اس طرح پر چلتا ہوا دکھائی دیا اور اُسی طرح پر سورج کے چلنے سے اختلاف فصول اُن کو متحقق ہوا۔ پس اُنہوں نے اُن ستاروں کے بارہ مجمعوں کی تعداد کے موافق آسمان کے بارہ مساوی حصے فرض کئے اور ہر ایک حصہ اُن ستاروں کے ایک ایک مجمعے کے لئے قرار دیا اور ہر حصہ کا نام برج رکھ دیا کیونکہ اپنے ستاروں کے خاص مجمع سے وہ علیحدہ ممتاز و نمایاں تھا +

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور بیشک ہم جلاتے ہیں اور ہم مار ڈالتے ہیں اور ہم ہیں وارث ﴿۲۳﴾ اور بیشک البتہ ہم نے جانا ہے تم سے اگلوں کو اور بیشک ہم نے جانا ہے پچھلوں کو ﴿۲۴﴾ اور بیشک تیرا پروردگار وہ اکٹھا کرے گا اُن کو بیشک وہ حکمت والا جاننے والا ﴿۲۵﴾ اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی مٹی سڑی ہوئی کالی کیچڑ بنی ہوئی سے ﴿۲۶﴾ اور جان کو ہم نے اُس کو پیدا کیا اس سے پہلے آگ سی ہولے (یعنی لو کی گرمی سے) ﴿۲۷﴾ اور جب کہا تیرے پروردگار نے میں پیدا کرنے والا ہوں آدمی کو کھنکھناتی مٹی سڑی ہوئی کالی کیچڑ بنی ہوئی سے ﴿۲۸﴾ پھر جب میں اُس کو ٹھیک کرلوں اور پھونک دوں اس میں اپنی روح سے تو گر پڑو اُس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے ﴿۲۹﴾ پھر سجدہ کیا فرشتوں نے اُن ہر ایک نے سب نے ﴿۳۰﴾ مگر ابلیس نے۔ اُس کو ناما کروہ ہو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ﴿۳۱﴾

اس کے بعد اہل ہیئت نے چاہا کہ ہر ایک برج کے جدے جدے نام رکھے جاویں تاکہ اُس نام سے اُس حصہ اور ستاروں کے مجمع کو بتا سکیں اُنہوں نے خیال کیا کہ اگر ان ستاروں کے مجمع میں سے جو ستارے کناروں پر واقع ہیں اگر اُن کو خطوط سے ملا ہوا فرض کریں تو کیا صورت پیدا ہوتی ہے اس طرح خیال کرنے سے کسی کی صورت انسان کی بنگئی کسی کی کسی جانور کی وغیرہ وغیرہ اس لئے اُنہی ناموں سے اُنہوں نے اُس حصہ کو اور اُس مجمع ستاروں کو موسوم کیا اور اُس کے یہ نام قرار دیئے ٭

حمل۔ ثور۔ جوزا۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت ٭

غالباً یہ تقسیم اوّلاً مصریوں نے کی ہوگی جن کا آسمان ہمیشہ ابر وغیرہ سے صاف رہتا تھا اور ہمیشہ اُن کو ستاروں کے دیکھنے کا اور اُن کو پہچاننے کا بخوبی موقع ملتا تھا مگر یہ نام اور یہ تقسیم تمام قوموں میں اور بہت قدیم زمانہ کے عرب جاہلیت میں عام ہو گئے تھے اور آسمان کے اُس حصہ کو برج سے اور اُس کے کل حصوں کو جو تعداد میں بارہ تھے بروج سے نامزد کرتے تھے اُسی کی نسبت خدا نے فرمایا ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزینھا للناظرین۔ مفسرین نے بروجا کی تفسیر قصور سے کی ہے بلاشبہ یہ ان کا قصور ہے خدا نے تو اُسی چیز کو بروج کہا ہے جس کو اہل عرب بلکہ تمام قومیں بروج سمجھتی تھیں۔ اور نہایت نادانی ہے اگر ان بروج کی تفسیر میں سورہ نساء کی یہ آیت پیش کی جاوے

قَالَ يَآ إِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٣٤﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصُوْنَ ﴿٤٠﴾

خدا نے کہا اے ابلیس کیا تھا تجھ کو کہ نہ ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ (۳۲) بولا کہ میں نہیں ہوں کہ سجدہ کروں آدمی کو کہ تو نے اُس کو پیدا کیا ہے کھادر کی مٹی سڑی ہوئی کالی کیچ بنی ہوئی سے (۳۳) خدا نے کہا کہ نکل جا اُن میں سے پھر بیشک تو راندا گیا ہے (۳۴) اور بیشک تجھ پر پھٹکار ہے روز قیامت تک (۳۵) ابلیس نے کہا اے میرے پروردگار مجھ کو مہلت دے اُس دن تک کہ وہ اُٹھائے جاویں (۳۶) خدا نے کہا بیشک تو مہلت دئے گئیوں میں سے ہے (۳۷) وقت معلوم کے دن تک (۳۸) ابلیس نے کہا اے میرے پروردگار اس سبب سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں (بُرے کاموں کو) بنا سنوار کر دکھاؤنگا اُن کو زمین (یعنی دنیا) میں اور بیشک اُن کو بہکاؤنگا سب کو (۳۹) بجز تیرے بندوں کے اُس میں سے جو مخلص ہیں (۴۰)

کہ - این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ +

(۱۷) وحفظنٰھا من کل شیطٰن رجیم: اس آیت کے تو یہ معنی ہیں کہ ہم نے اُس کو یعنی آسمان کو یا اُن کو یعنی برجوں کو محفوظ رکھا شیطان پھٹکارے گئے سے۔ اور سورہ صافات میں اسی کی مانند ایک آیت ہے جس کے معنی یہ ہیں انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد - ۳۷ صافات - ۶ و ۷ کہ ہم نے خوشنما کیا دنیا کے آسمان کو ستاروں کی خوشنمائی سے اور محفوظ کیا ہر شیطان سرکش سے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے حفظا کو جو سورۂ صافات میں ہے مفعول لہ قرار دیا ہے زینا کا اور اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "واسطے حفاظت کے ہر شیطان سرکش سے"۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ ستاروں سے آسمان کو محفوظ کیا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اور ابن عباس کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے اُس میں حفظا کی تفسیر کی ہے کہ "حفظت بالنجوم" یعنی میں نے آسمان کی حفاظت کی ستاروں سے۔ اس تفسیر سے بھی حفظا مفعول لہ پایا جاتا ہے یہ تفسیر بھی صحیح نہیں ہے حفظا کے پہلے واو عاطفہ ہے اور عطف جملہ کا جملہ پر ہے مگر باوجود موجود ہونے واو کے حفظا کو مفعول لہ قرار دینا درحالیکہ اُس کے ماقبل کوئی مفعول لہ جس پر اس کا عطف ہو سکے نہیں ہے صحیح نہیں ہو سکتا۔ پس صاف بات ہے کہ یہ جملہ علیحدہ ہے اور بوجہ علیحدہ ہونے جملہ کے حفظا مفعول ہے فعل محذوف حفظنا کا۔ پس شاہ ولی اللہ صاحب نے جو فارسی ترجمہ

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾

خدا نے کہا یہ رستہ مجھ پر سیدھا ہے (۴۱) بیشک میرے بندے نہیں ہے تجھ کو اُن پر غلبہ مگر جس نے تیری پیروی کی گمراہوں میں سے (۴۲) اور بیشک جہنم اُن کی وعدہ کی گئی جگہ ہے سب کی (۴۳) اُس کے سات دروازے ہیں اور ہر ایک دروازے کو اُن میں سے حصہ بانٹا گیا ہے (۴۴) بیشک پرہیزگار بہشتوں اور پانی کے چشموں میں ہونگے (۴۵) (اُن کو کہا جاویگا) کہ جاؤ اُس میں سلامتی سے (۴۶) اور نکال لینگے ہم جو کچھ اُن کے دلوں میں ہوتا خوشی سے ایک دوسرے کی بطور بھائی کے ہونگے تختوں پر آمنے سامنے (۴۷) نہ چھوئیگا اُن کو اُس میں کوئی رنج اور نہ وہ ہونگے اُس میں سے نکلنے والے (۴۸) خبر دے میرے بندوں کو کہ بیشک میں میں ہی ہوں بخشنے والا رحم کرنے والا (۴۹) اور بیشک میرا عذاب وہی عذاب ہے دُکھ دینے والا (۵۰)

کیا ہے وہ صحیح ہے کہ ”ونگاہ داشتیم از ہر شیطان سرکش“ مگر انھوں نے اُس کے مفعول کو ظاہر نہیں کیا کہ ”کراُنگاہ داشتیم“۔ پس اگر اُس کا مفعول بتا دیا جاوے تو مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ یعنی ونگاہ داشتیم آسمان را یا کواکب را۔ مگر جب ہم قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کریں تو صاف تفسیر ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے سورہ حجر کی آیت میں صاف فرمایا ہے کہ ”وحفظناها“ پس سورہ صافات میں جو الفاظ حفظاً آئے ہیں اُن کی تفسیر اُسی کی مطابق یہ ہے کہ وحفظناها حفظا من کل شیطان مارد۔ یعنی ہم نے آسمان یا ستاروں کو ہر طرح کی حفاظت میں شیطان سرکش سے محفوظ رکھا ہے ÷

سورۂ ملک میں جو خدا نے یہ فرمایا ہے کہ ”وزینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناها رجوما للشیاطین۔ رجوما کے معنی مارنے یا پتھر مارنے کے اور شیاطین سے جن یا اور کوئی وجود غیر مرئی سمجھنا رجماً بالغیب بات کہنی ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ شیاطین سے شیاطین الانس مراد ہیں اور رجوما سے اُن شیاطین کا رجماً بالغیب یعنی اُن کی اٹکل پچو باتیں بتانا مراد ہے چنانچہ مفسرین نے بھی کہا ہے کہ شیاطین سے مراد شیاطین الانس ہیں جو کہتے تھے کہ ہم کو آسمانی چیزیں مل جاتی ہیں اور ستاروں کے حساب سے اُن کو سعد و نحس ٹھیرا کر پیشین گوئی کرتے تھے۔ تفسیر کبیر میں بھی اسی کے مطابق ایک

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ (۵۱) إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ (۵۲) قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (۵۳) قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ (۵۴) قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ (۵۵) قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ (۵۶) قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ (۵۷) قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ (۵۸) إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ (۵۹) إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ (۶۰)

اور خبر دے اُن کو ابراہیم کے مہمانوں سے (۵۱) جب کہ وہ اُسکے پاس آئے پھر اُنہوں نے کہا سلام ابراہیم نے کہا بیشک ہم تم سے ڈرتے ہیں (۵۲) اُنہوں نے کہا کہ مت ڈر بیشک ہم تجھ کو خوشخبری دینگے ایک دانا لڑکے کی (۵۳) ابراہیم نے کہا کہ کیا مجھ کو خوشخبری دو گے اس پر بھی کہ مجھ کو چھو لیا ہے بڑھاپے نے پھر کس چیز کی خوشخبری تم دو گے (۵۴) اُنہوں نے کہا کہ ہم تجھ کو خوشخبری دینگے ٹھیک پھر مت ہو نا اُمید والوں سے (۵۵) ابراہیم نے کہا اور کون ہے جو نا اُمید ہو رحمت اپنے پروردگار سے بجز گمراہوں کے (۵۶) ابراہیم نے کہا پھر تمہارا بڑا کام کیا ہے اے بھیجے ہوؤں (۵۷) اُنہوں نے کہا کہ بیشک ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم گنہگار کی طرف (۵۸) بجز لوط کے کنبے کے بیشک ہم اُن کو بچا دینگے سب کو (۵۹) مگر اُس کی عورت کو ہم نے مقرر کر دیا ہے کہ بیشک وہ البتہ ہے پیچھے رہنے والوں میں سے (۶۰)

رجوما للشياطين اي انا جعلناها ظنونا ورجوما للغيب لشياطين الانس وهم الاحكاميون من المنجمين۔ تفسیر کبیر متعلق سورۃ الملک صفحہ ۳۳۰ +

قول نقل کیا ہے کہ ہم نے آسمان کے ستاروں کو ایک ظن اور غیب کی اٹکل پچو بات کہنے کو آدمیوں کے شیطانوں کے لئے بنایا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو نجوم سے احکام بتلاتے ہیں +

پس خدا تعالے کے اس کلام۔ وحفظناها من كل شيطان رجيم وحفظا من كل شيطان مارد کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آسمان کے برجوں گویا آسمان کے ستاروں کو شیاطین الانس سے محفوظ کیا ہے اور اسی لئے وہ اُن سے کوئی سچی یا صحیح پیشین گوئی حاصل نہیں کر سکتے بجز ظن اور رجماً بالغیب کے +

یہ اعتقاد جو کفار عرب کا تھا کہ جن آسمانوں پر جا کر ملاء اعلےٰ کی باتیں سُن آتے ہیں اور کاہنوں کو خبر کر دیتے ہیں اُس کی نفی خدا تعالےٰ نے سورۂ صافات میں فرمائی ہے جہاں کہا ہے نہیں سُن سکتے ہیں ملاء اعلےٰ کو اور ڈالا جاتا ہے اُن پر شہاب ہر طرف سے مردود ہونے کو مگر جس نے اُچک لیا اُچک لینا اُس کے پیچھے پڑتا ہے شہاب روشن +

لا يسمعون الى الملاء الاعلى ويقذفون من كل جانب دحورا ولهم عذاب واصب الا من خطف الخطفة فاتبعه شهاب ثاقب۔ ۳۷ صافات ۸ و ۹ و ۱۰ +

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ۝۶۱ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝۶۲ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝۶۳ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۶۴ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝۶۵ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝۶۶ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۶۷ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝۶۸ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝۶۹ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۰ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۷۱ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۷۲ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝۷۳

پھر جب آئے لوط کے کنبے کے پاس بھیجے ہوئے (۶۱) لوط نے کہا بیشک تم یہ لوگ بے جانے پہچانے ہوئے (۶۲) اُن لوگوں نے کہا بلکہ ہم آئے ہیں تیرے پاس اُس چیز کے ساتھ کہ اُس میں (تیری قوم والے) شبہ کرتے تھے (۶۳) اور ہم لائے ہیں تیرے پاس ٹھیک بات اور بیشک ہم البتہ سچے ہیں (۶۴) پھر لے جا اپنے لوگوں کو تھوڑی رات رہے سے اور تو بھی چل اُن کے پیچھے اور نہ مڑ کر دیکھے اُن میں سے کوئی اور چلے جاؤ جہاں کو حکم دئے جاؤ (۶۵) اور ہم نے حکم پہنچا دیا اُن کے پاس اس بات کا کہ بیشک جڑ اُن لوگوں کی کاٹ دی جاوے گی صبح ہوتے ہی (۶۶) اور آئے شہر والے خوشیاں کرتے ہوئے (۶۷) لوط نے کہا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں پھر تم میری فضیحت مت کرو (۶۸) اور ڈرو اللہ سے اور مجھ کو خوار مت کرو (۶۹) اُن لوگوں نے کہا کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا تھا غیر لوگوں سے (۷۰) لوط نے کہا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں اگر ہو تم کرنے والے (۷۱) قسم تیری زندگی کی کہ بیشک وہ البتہ اپنے نشہ میں گھر رہے ہیں (۷۲) پھر پکڑ لیا اُن کو ہولناک آواز نے سورج نکلتے ہی (۷۳)

اور اس سورۃ میں فرمایا ہے الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبين یعنی ہم نے محفوظ کیا ہے آسمان کے برجوں کو ہر ایک شیطان رجیم سے مگر جو چرا لیوے سننے کو پھر پیچھے پڑتا ہے اُس کے شہاب روشن۔ اس آیت کے مطلب میں اور سورہ صافات کی آیت کے مطلب میں کچھ فرق نہیں ہے سورۂ صافات میں آیا ہے خطف الخطفة یعنی اُچک لیا اُچک لینا اور یہ نہیں بتایا کہ کیا اُچکا اس سے سمع کا اُچک لینا تو نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اُس کی نفی کی گئی ہے نہایت شدت سے سمع کا سین اور میم کو تشدید کر کے پس کسی اور امر کا اُچک لینا سوائے سمع کے مراد ہے ÷

مگر سورہ حجر میں استراق سمع بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ اُس جگہ لفظ سمع کا کفار کے خیال کی مناسبت سے بولا گیا ہے نہ حقیقی معنوں میں۔ اُس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ مثلاً لوگ کسی کی نسبت کہیں کہ فلاں شخص بادشاہ کے دربار کی باتیں سُن سُن کر لوگوں کو بتا دیا کرتا ہے اُس کے جواب میں کہا جاوے کہ نہیں وہ بادشاہ کے دربار تک کب پہنچ سکتا ہے یوں ہی ادھر اُدھر سے کوئی بات اُڑا لیتا

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ (۷۴)	پھر کر دیا ہم نے اُس شہر کی باونچان کو اُس کی نیچان اور برسائے ہم نے اُن پر پتھر (۷۴)

ہے یا سُن لیتا ہے تو اُس سے ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شخص درحقیقت دربار کی باتیں سُن لیتا ہے اسی طرح ان دونوں آیتوں میں الفاظ خطف الخطفۃ اور استرق السمع کے واقع ہوئے ہیں جو کسی طرح واقعی سننے پر دلالت نہیں کرتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ سمع سے بتاکید نفی آئی ہے ۔ بات یہ ہے کہ کفار پیشین گوئی کرنے کے دو حیلے کرتے تھے ایک یہ کہ جن ملاء اعلیٰ کی باتوں کو سُن کر اُن کی خبر کر دیتے ہیں دوسرے ستاروں کی حرکت اور ہبوط و عروج اور منازل بروج اور کواکب کے سعد و نحس ہونے سے احکام دیتے تھے وہ سب غلط اور جھوٹ تھے مگر بعض صحیح بھی ہوتے تھے مثلاً کسوف و خسوف کی پیشین گوئی یا کواکب کے اقتران اور ہبوط و عروج کی پیشین گوئی اسی امر کو جو درحقیقت ایک حسابی امر مطابق علم ہیئت کے ہے خدا تعالیٰ نے دو جگہ ایک جگہ بلفظ استرق السمع اور دوسری جگہ بلفظ خطف الخطفۃ سے تعبیر کیا ہے اور اُسی کے ساتھ فاتبعہ شہاب ثاقب سے ۔ اس سے زیادہ کی پیشین گوئی کو معدوم کر دیا ہے ✦

فاتبعہ شہاب مبین ۔ شہاب کے معنی ہیں شعلۂ آتش کے اور اُس انگارے کو جو بھڑکتا ہوا ہو اُس کو خدا نے شہاب مبین سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورہ نمل میں بیان ہوا ہے ✦ شہاب یا شہاب ثاقب یا شہاب مبین کا اُس آتشیں شعلہ پر اطلاق ہوتا ہے جو کائنات الجو میں باسباب طبعی سے پیدا ہوتا ہے اور جو کسی جہت میں دور تک چلا جاتا ہے اور جس کو اردو زبان میں تارہ ٹوٹنا بولتے ہیں ✦

فاتبعه شهاب ثاقب ۔ ۳۷ ۔ صافات ۔ ۱۰ ✦
اذ قال موسىٰ لاهله انى انست نارا سأتيكم منها بخبر او اتيكم بشهاب قبس لعلكم تصطلون ۔ ۲۷ ۔ نمل ۷ ✦
وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الان يجد له شهابا رصدا ۔ ۷۲ ۔ سورۃ جن ۹ ✦
وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهابا ۔ ۷۲ ۔ جن ۔ ۸ ✦

اب یہ بات دیکھنی چاہئے کہ عرب جاہلیت میں تاروں کے ٹوٹنے سے یعنی جب کائنات الجو میں کثرت سے شہاب ظاہر ہوتے تھے تو اُن سے کیا فال لیتے تھے یا کس بات کی پیشین گوئی کرتے تھے ۔ کچھ شبہ نہیں کہ وہ اُسے بدفالی اور کسی حادثۂ عظیم کے واقع ہونے کا یقین کرتے تھے جس طرح کہ تطیر سے بدفالی سمجھتے تھے ✦

تفسیر کبیر میں زہری سے روایت لکھی ہے کہ چند آدمی رسول خدا کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا آنحضرت نے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں اس میں کیا کہتے تھے انھوں نے کہا کہ ہم کہتے

روى الزهرى عن على بن الحسين عن ابن عباس رضى الله عنهما بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم جالس فى نفر من الانصار اذ رمى بنجم فاستنار فقال

بیشک ہیں اس میں نشانیاں پہچاننے والوں کو (۷۵)	اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (۷۵)

ماکنتم تقولون فی مثل ھذا فی الجاھلیۃ فقالوا کنا نقول یموت عظیم او یولد عظیم الحدیث الی اٰخرہٖ ۔
تفسیر کبیر صفحہ ۲۰۳ سورہ جن آیت ۹

ہیں کہ کوئی بڑا شخص مرجاویگا یا حادثہ عظیم پیدا ہوگا غرضکہ اُس کو زمانہ جاہلیت میں نحس اور بدشگون سمجھتے تھے ۔ اس زمانہ کے لوگ بھی کثرت سے تاروں کے ٹوٹنے کو شگون بد سمجھتے ہیں ۔ پس شیاطین الانس کے اعتقاد کی ناکامی کو اُن کے کسی شگون بد سے تعبیر کرنے کے لئے خدا نے فرمایا کہ فاتبعہ شہاب ثاقب جو نہایت ہی فصیح استعارہ منجمین کے وبال کے بیان کرنے کو اور جس کا مقصود یہ ہے کہ فاتبعھم الشوم والخسران و خرمان فیما املوا ✦

اللمس المس فاستعير للطلب لان الماس طالب متعرف يقال لمسه والتمسه وتلمسه

سورہ جن میں انا لمسنا السماء کا لفظ ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ مس سے استعارہ طلب کیا جاتا ہے اور یہ قول نجمین کا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ہم نے ڈھونڈھا آسمان کو اُس کو پایا بھرا ہوا حفاظ یعنی موانع شدید اور شہب یعنی وبال سے جن کے سبب ہم اپنے مقصد کو حاصل نہیں کرسکتے ۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم ملاء اعلےٰ کی باتوں کے سُننے یعنی دریافت کرنے کو بیٹھتے تھے مگر اب قرآن سننے کے بعد اُس کے لئے جو کوئی سُننے یعنی دریافت کرنا چاہے ہم اس کے لئے شہاب یعنی وبال معین پاتے ہیں ۔ پس ان تمام امور کو اجنہ ملفوظ اور مزعومہ سے منسوب کرنا جن کا وجود بھی قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے کس قدر رجم بالغیب اور رجما بالغیب بات ہے فتدبر ✦

(۲۷) والجان خلقناہ من قبل من نار السموم ۔ ہم سورہ انعام میں لفظ جن و جان و ابلیس پر بحث کرچکے ہیں اور بیان کیا ہے کہ جان اور جن سے ایک ہی چیز مراد ہے اور ابلیس یعنی شیطان مغوی للانسان کو بھی جن کہا ہے پس ان تینوں لفظوں کا مفہوم واحد ہے ✦

یہ بھی ہم نے تسلیم کیا ہے کہ مظنونات عرب سے یہ بات تھی کہ عرب جنوں کی ایک خلقت ہوائی کلی غیر مرئی مقابل انسان کے سمجھتے تھے اور اُس مخلوق موہوم کو صاحب قدرۃ متعددہ اور قادر بتشکل باشکال مختلفہ اور انسان کو نقصان اور نفع پہنچانے والا سمجھتے تھے اور اس موہوم مخلوق کی عبادت کرتے تھے ✦

یہ بھی بیان کیا ہے کہ قرآن مجید سے ایسی کسی مخلوق غیر مرئی کا پیدا ہونا جیسا کہ عرب جاہلیت کا اعتقاد تھا یا جیسا کہ اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کا خیال ہے ثابت نہیں ہے ✦

یہ بھی بیان کیا ہے کہ قرآن مجید میں ابلیس اور اُسی معنی میں شیطان کا لفظ آیا ہے اور جہاں لفظ جن یا لفظ جان جیسا کہ اس سورہ میں بمعنی ابلیس یا شیطان کے آیا ہے اُس سے اور

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ (۷۶) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۷۷)	اور بیشک وہ نشانیاں ہیں ہمیشہ آمد و رفت قایم رکھنے والے راستہ میں (۷۶) بیشک اس میں نشانی ہے ایمان والوں کے لئے (۷۷)

اُن لفظوں سے کوئی وجود خارج از انسان مراد نہیں ہے بلکہ بلحاظ انسان کے قواے بہیمیہ انسانیہ پر اُن کا اطلاق ہوا ہے اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حکما روفریا لجث نے خلق مخلوقات کی اصل تین چیزیں قرار دی ہیں۔ مادہ۔ حرارت۔ وحرکت۔ مادہ کی ماہیت وہ نہیں بیان کر سکتے مگر جہاں اُس کا وجود تسلیم کرتے ہیں اُس میں حرارت کا پیدا ہونا مانتے ہیں اور اُس کے سبب اجزاے مادہ کی حرکت تسلیم کرتے ہیں۔ بہرحال خدا تعالےٰ نے خلق مخلوقات کے لئے قبل اس کے کہ وہ کسی شکل میں متشکل ہو حرارت کو جس پر نار سموم کا اطلاق ہو سکتا ہے پیدا کیا اور وہی شے انسان میں بھی پائی جاتی ہے جو منشا قواے بہیمیہ ہے اُسی قوت کو کبھی شیطان سے اور کبھی جان سے تعبیر کیا ہے اور اُس کے وجود کو قبل تشکل انسان بتایا ہے جیسا کہ اس سورت میں فرمایا ہے والجان خلقناہ من قبل من نار السموم +

یہ بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ جہاں لفظ جن یا جان کا جب کسی پر اطلاق ہوا ہے اُس کا دو طرح پر اطلاق کیا گیا ہے۔ ایک مظنونات عرب جاہلیت کے مطابق اور اُن کو معبود یا ذی قدرت ہونے کی بطال کی غرض سے پس اس طرح کے اطلاق سے واقعی اُن کا مخلوق مستقل ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اُس مظنونات عرب جاہلیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے نہ واقعی مخلوق مستقل کا ہونا +

دوسرے یہ کہ جہاں جن کے لفظ کا فی الواقع ایک مخلوق مستقل پر اطلاق ہوا ہے اُس سے جنگلی اور وحشی انسان مراد ہیں جو پوری پوری تمدنی حالت میں نہیں ہیں اگلے زمانہ میں بہت سی قومیں ایسی حالت میں تھیں جو بدویین کہلاتی تھیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ وحشی اور غیر تمدنی حالت میں جیسے کہ اس زمانہ میں امریکہ کے اسٹریلیا کے اصلی باشندوں کی حالت ہے +

اور اَور ملکوں میں بھی اب تک اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں اور چونکہ یہ لوگ ہمیشہ پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپے رہتے تھے اس لئے اُن پر جن کا اطلاق ہوا جس کا اطلاق ہر پوشیدہ اور مخفی چیز پر ہوتا ہے +

اس کا ثبوت خود قرآن مجید کے اُس بیان سے جو سورہ جن میں ہوا ہے ایسی صاف طرح پر ہوتا ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا ہم اُس کو بالتفصیل اُسی مقام پر بیان کرینگے ان لغو اور بیہودہ گوئی کے طور پر بلا دلیل بلکہ بلا سمجھے عقل کوئی یہ کہدے کہ وہ سب حال جنوں ہی کا ہے مگر ایسی بیوقوفی کے کلام سے کوئی حقیقت باطل نہیں ہو جاتی +

وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُبِينٍ ﴿۷۹﴾	اور بے شک تھے ایکہ کے لوگ (یعنی قوم شعیب) البتہ ظالم ﴿۷۸﴾ پھر ہم نے بدلا لیا اُن سے اور وہ دونوں (یعنی قوم لوط اور شعیب کی بستیاں) کھلے ہوئے رستہ کے سامنے ہیں ﴿۷۹﴾

عرب جاہلیت کا کلام اس قدر قلیل دستیاب ہوتا ہے کہ وہ تمام محاورات اور استعارات اور کنایات و اشارات کے جو عرب جاہلیت میں تھے دریافت یا استنباط کرنے کو کافی نہیں ہے۔ اہل لغت جنہوں نے لغت عرب کی تدوین کی ایک زمانۂ کثیر کے بعد پیدا ہوئے۔ نہایت مشکل ہے اس بات پر یقین کرنا کہ اُس وقت تک اہل عرب کے اصلی محاورات اور استعارات اور کنایات اور اشارات میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اور اس سبب سے لغت کی کتابوں میں بہت سے معنی اور اصطلاحیں وغیرہ ایسی داخل ہیں جو اُس زمانہ میں مروج و مستعمل نہ تھیں۔ اور نیز اس پر بھی یقین نہیں ہو سکتا کہ موجودہ لغت کی کتابوں میں عرب جاہلیت کا کوئی بھی محاورہ اور کنایہ چھوٹا نہیں ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اگر قرآن مجید سے بطور قطعی کسی لفظ کے معنی یا مراد یا اُس کا استعمال کسی طرح پر ثابت ہو تو قرآن ہی اُس کے ثبوت کے لئے کافی ہے اور قرآن کسی لغت یا کسی دوسری سند کا محتاج نہیں۔ مگر علمائے امت نے ایسا نہیں کیا بلکہ حقیقت الامر مانی القرآن کے برخلاف اُس زمانہ کے مزعومات پر اُس کو محمول کیا ہے +

اس کی مثال سورہ جن کے بیانات سے بخوبی ثابت ہوتی ہے کیونکہ کوئی ذی عقل یہ بات نہیں کر سکتا کہ جو بیان مذاہب و عقاید اُن لوگوں کے جنہوں نے چھپ کر قرآن سنا تھا اُس میں مذکور ہیں وہ سوائے انسانوں کے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور مختلف ادیان رکھتے تھے اور کسی کے ہو سکتے ہیں مگر چونکہ اُس سورۃ میں لفظ جن کا آیا ہے بسبب اُن کے مخفی ہونے کے اس لئے اُن سب کو جن سمجھ لیا اور وہ جن جو مزعومات اور مظنونات باطلہ عرب جاہلیت کے تھے +

زیادہ تر لطف کی بات یہ ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے چھپ کر رسول خدا کو قرآن پڑھتے سنا تھا وہ زوبعہ کی قوم کے لوگ تھے۔ مگر چونکہ سورہ جن میں لفظ جن کا تھا اہل لغت نے زوبعہ کو بھی جن مظنونہ و مزعومہ کا نام ٹھیرا دیا ہے +

روی عاصم عن زر قال قدم رهط زوبعة و اصحابه مكة على النبي صلعم فسمعوا قراءة النبي عليه السلام ثم انصرفوا فذلك قوله واذ صرفنا اليك نفرا من الجن -
تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳۰۰ +

اسی طرح جب حضرت سلیمان کے قصہ کا جو توریت اور قرآن مجید میں ہے مقابلہ کیا جاوے

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۸۰ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۸۱	اور بیشک جھٹلایا حجر کے لوگوں نے (یعنی قوم ثمود نے جن میں صالح پیغمبر ہوئے تھے) رسولوں کو (۸۰) پھر دی ہم نے اُن کو اپنی نشانیاں پھر وہ ہوئے اُن سے مُنہ پھیرنے والے (۸۱)

تو معلوم ہوگا کہ اُن وحشی اور جنگلی اور پہاڑی آدمیوں پر جو حضرت سلیمان کی سرکار میں عمارت کے لئے پہاڑ سے پتھر توڑتے اور جنگلوں سے لکڑی کاٹنے کا کام کرتے تھے قرآن مجید میں جن کا اطلاق ہوا ہے مگر ہمارے علما اور اہل لغت اُس کے معنی بھی وہی جن مظنونہ و مزعومہ کے سوا نہ لینگے لیکن میرے نزدیک قرآن مجید سے جو ثابت ہوا ہے اُس کو تسلیم کرنا ضرور ہے نہ اُن مظنونات اور مزعومات کو جن کی پیروی علما نے یا اہل لغت نے کی ہے۔ لغت خود ہی تعفنی چیز ہے جیسا کہ قاضی ابن رشد نے بیان کیا ہے اور جس کا ذکر ہم اپنی تفسیر میں کر چکے ہیں +

ہمارے ایک اور دوست نے ان دنوں میں ہمارے پاس جذیع بن سنان الغسانی کے جو قدیم زمانہ جاہلیت کا شاعر ہے چند شعر کتاب خزانۃ الادب سے جو شیخ عبدالقادر بن عمر بغدادی کی تصنیف ہے اور جس کے مصنف کے پاس اس شاعر کا دیوان موجود تھا۔ نقل کر کے بھیجے ہیں جن سے صاف پایا جاتا ہے نص قاطع کے طور پر کہ اُن اشعار میں پہاڑی آدمیوں پر لفظ جن کا اطلاق کیا ہے مگر اس جہالت کا کیا علاج ہو سکتا ہے اگر کوئی کہے کہ وہ سب جن ہی تھے اور تاشر جو اس ایک نام ہے وہ جن ہی کا نام ہے اور بنو ابیہ سے اُس جن ہی کے بھائی بھتیجوں کی اولاد مراد ہے ایسا کلام بجز اس کے کہ اُس کے قائل کو مجنون کہا جاوے اور کسی وقعت کے قابل نہیں ہے غرضکہ مجھ کو ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ عرب جاہلیت جس طرح کہ جن کا اطلاق اپنے مظنونات اور مزعومات مخلوق موہوم پر کرتے تھے اسی طرح وحشی اور جنگلی آدمیوں پر بھی کرتے تھے اور کلام مجید میں اُس کا اطلاق بمعنی حقیقی صرف وحشی و جنگلی آدمیوں پر ہوا ہے +

اشعار جذیع بن سنان کے یہ ہیں :-

اتوا ناری فقلت منون انتم فقالوا الجن قلت عموا صباحا
نزلت بشعب وادی الجن لما رایت اللیل قد نشر الجناحا
اتیتہم غریبا مستضیفا راوا قتلی اذا فعلوا جناحا
اتونی سافرین فقلت اھلاً رایت وجوھھم وسما صباحا
نحرت لھم وقلت الا ھلموا کلوا مما طھیت لکم سماحا
اتانی تاشر وبنو ابیہ وقد جن الدجی والفیل لاحا

وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ (۸۲) فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ (۸۳) فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۸۴) وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ (۸۵) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (۸۶) وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (۸۷) لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (۸۸) وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ (۸۹) كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ (۹۰) الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ (۹۱) فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (۹۲) عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۹۳) فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (۹۴)

اور وہ کھود کر بناتے تھے پہاڑوں سے گھر امن میں رہتے ہوئے (۸۲) پھر پکڑ لیا اُن کو ہولناک آواز نے صبح ہوتے (۸۳) پھر نہ کام آیا اُن کے جو کچھ کہ اُنہوں نے کمایا تھا (۸۴) اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن دونوں میں ہے مگر ٹھیک ٹھیک اور بیشک قیامت کی گھڑی آنے والی ہے پھر درگذر کر درگذر کرنا اچھا (۸۵) بیشک تیرا پروردگار وہی ہے پیدا کرنے والا جاننے والا (۸۶) اور بیشک ہم نے تجھ کو دی ہیں سات دُہرائی جانے والی اور قرآن بزرگ (۸۷) اور نہ نگاہ کر اپنی آنکھوں کی اُس چیز کی طرف کہ ہم نے فائدہ دیا ہے اُس سے ایک گروہ کو اُن میں سے (کافروں میں سے) اور نہ رنج کر اُن پر اور جھکا دے اپنے بازو مسلمانوں کے لئے (۸۸) اور کہہ دے کہ بیشک میں صرف میں ڈرانیوالا ہوں کھلم کھلا (۸۹) جس طرح کہ ہم نے ڈالا [illegible] ٹکڑے بانٹنے والوں پر (۹۰) جنہوں نے کیا قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے (۹۱) پھر قسم ہے تیرے پروردگار کی البتہ ہم اُن سے پوچھیں گے سب (۹۲) اُس سے کہ جو وہ کرتے تھے (۹۳) پھر کھول کر بتا دے اُسے جس کا تو حکم دیا جاتا ہے اور منہ پھیر مشرکوں سے (۹۴)

فنازعني الزجاجة بعد وهن   مزجت لهم بها عسلاً وراحا

ان اشعار کے معنی یہ ہیں۔ میرے الاؤ کے پاس وہ آئے تو میں نے کہا کہ تم کون ہو تو اُنہوں نے کہا کہ جن (یعنی پہاڑی) میں نے کہا کہ تمہاری صبح اچھی ہو۔ یہ عرب کے محاورہ میں جملہ دعا اور سلام کے طور پر بولا جاتا تھا +

میں وادی الجن کی گھاٹی میں اترا تھا جب کہ رات نے اپنے پر پھیلا دئے تھے یعنی رات کا اندھیرا چھا گیا تھا اور اس لئے وہیں اتر پڑا تھا +

میں اُن کے پاس گیا بطور ایک مسافر کے مہمان کے اور اُنہوں نے میرا مار ڈالنا اگر وہ ایسا کرتے ایک گناہ خیال کیا +

پھر وہ میرے پاس چلکر آئے تو میں نے کہا مبارکباد مجھ کو اُن کے تیرے شباہت میں صبح سے

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٨﴾

بیشک ہم حامی ہیں تیرے ٹھٹھا کرنے والوں سے (۹۵) جنہوں نے بنایا ہے اللہ کے ساتھ ایک دوسرا معبود پھر جلد جان لینگے (۹۶) اور البتہ ہم خوب جانتے ہیں کہ بیشک تیرا دل تنگ ہوتا ہے اُس سے جو وہ کہتے ہیں (۹۷) پس تسبیح کر ساتھ اپنے پروردگار کی تعریف کے اور ہو سجدہ کرنے والوں میں سے اور عبادت کر اپنے پروردگار کی یہاں تک کہ آوے تجھ کو یقینی امر (یعنی موت) (۹۸)

روشن معلوم ہوئے ۔

مَیں نے اُن کے لئے اونٹ ذبح کیا اور کہا کہ ہاں آؤ اور جو کچھ مَیں نے تمہارے لئے فراخ حوصلگی سے پکایا ہے اُس کو کھاؤ ۔

میرے پاس قاشر اور اُس کے باپ کی اولاد آئی اور تاریکی چھاگئی تھی اور رات ظاہر ہوگئی تھی ۔

اُس نے ذرا ٹھہر کر شراب کے پیالے میں چھینا چھانی کی ۔ اور مَیں نے اُن کے لئے شراب میں شہد ملا دیا تھا ۔

اب یہ کہدینا کہ وہ سب جن ہی تھے اور جنوں ہی نے باتیں کی تھیں اور اونٹ کا گوشت کھایا تھا اور شراب پی تھی کسی ذی عقل کا تو کام نہیں ہے ۔

سُوْرَةُ النَّحْلِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾ يُنَزِّلُ الْمَلٰۤئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

آ گیا اللہ کا حکم۔ پھر اُس کو جلدی مت چاہو۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے اُس سے جس کو اُس کا شریک ٹھیراتے ہیں (۱) اُتارتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے کہ ڈراؤ اس بات سے کہ خدا کہتا ہے، بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر مجھ سے ڈرو (۲) پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو بالکل ٹھیک برتر ہے اُس سے جس کو اُس کا شریک ٹھیراتے ہیں (۳) پیدا کیا انسان کو نطفے سے پھر اب وہ جھگڑا ہے حجتیں کرنے والا (۴) اور روشنی۔ پیدا کیا اُن کو تمہارے لیے اُن میں ہے پوشاک اور منفعتیں اور اُن میں سے بعض کو تم کھاتے ہو (۵) اور تمہارے لیے اُن میں خوشنمائی ہے جب کہ تم شام کو جنگل سے لاتے ہو اور جب چرنے کو چھوڑتے ہو (۶) اور اُٹھا لیجاتے ہیں تمہارے بوجھ کسی شہر کو کہ تم جان پر مشقت اُٹھائے بغیر وہاں نہ پہنچ سکتے۔ بیشک تمہارا پروردگار البتہ مہربان ہے رحم والا (۷) اور (پیدا کیا) گھوڑوں کو اور خچروں کو اور گدھوں کو تا کہ تم اُن پر سوار ہو اور خوشنمائی کے لیے اور پیدا کرتا ہے وہ چیزیں جن کو تم نہیں جانتے (۸) اور اللہ تک ہے (رستوں میں سے) بیچ کا رستہ اور اُنہی میں سے ٹیڑھا اور اگر خدا چاہتا تو ہدایت کرتا تم سب کو (۹) وہ وہ ہے جس نے برسایا آسمان سے پانی تمہارے لیے اُس میں سے پینا ہے اور اُس سے اُگتے ہیں ایک قسم کے درخت جن میں تم چراتے ہو (۱۰) اُگاتا ہے تمہارے لیے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر طرح کے پھل بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو فکر کرتے ہیں (۱۱)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۱۲) وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ (۱۳) وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۱۴) وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۱۵) وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (۱۶) اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۱۷) وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۸) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (۱۹) وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (۲۰) اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (۲۱) اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (۲۲) اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ (۲۳) لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (۲۴) اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (۲۵)

اور تمہارے لئے کارآمد کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو اور ستارے کارآمد کئے گئے ہیں اُس کے حکم سے۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں (۱۲) اور وہ چیز کہ پھیلا دی ہے تمہارے لئے زمین میں طرح طرح کے ہیں اُس کے رنگ۔ بیشک اس میں البتہ نشانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں (۱۳) اور وہ وہی ہے جس نے کارآمد کیا سمندر کو تاکہ کھاؤ اُس میں سے تازہ گوشت اور نکالو اُس میں سے پہناوا جو تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو اُس میں آتی جاتی اور تاکہ تم تلاش کرو (اپنی روزی) اُس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر کرو (۱۴) اور ڈالا ہم نے زمین میں بوجھوں کو کہ تم سمیت جھک نہ جائے (یعنی تاکہ کشش کرات کی اعتدال پر رہے اور کسی طرف جھکنے نہ پائے) اور نہریں اور راہیں تاکہ تم ہدایت پاؤ (۱۵) اور اور نشانیاں۔ اور ستارے سے وہ راہ پاتے ہیں (۱۶) کیا جو پیدا کرتا ہے اُس کی برابر ہے جو پیدا نہیں کرتا۔ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے (۱۷) اور اگر تم گنو اللہ کی نعمتوں کو تو تم اُن کو گنتی میں نہ لا سکو گے۔ بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان (۱۸) اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو (۱۹) اور وہ جن کو اللہ کے سوا وہ پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور خود پیدا کئے جاتے ہیں (۲۰) مرے ہیں۔ زندہ نہیں۔ اور نہیں جانتے (۲۱) کہ کب اُٹھائے جاویں گے (۲۲) تمہارا خدا خدائے واحد ہے۔ پھر جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر اُن کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے (۲۳) کچھ شک نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں (۲۴) وہ ہرگز دوست نہیں رکھتا تکبر کرنے والوں کو (۲۵)

لہ اس آیت کی تفسیر تہذیب الاخلاق کے مضمون الارض لیست بساکنۃ میں کی گئی ہے (احمد یار)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (۲۶) لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ (۲۷) قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ (۲۸) ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ (۲۹) الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۳۰) فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ (۳۱) وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ (۳۲) جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ (۳۳) الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۳۴)

اور جب اُن کو کہا جاتا ہے کہ کیا ہے وہ جو تمہارے پروردگار نے اُتارا ہے تو کہتے ہیں کہ اگلوں کے قصے ہیں (۲۶) تاکہ وہ اُٹھا دیں بوجھ اپنے گناہوں کا پورے طور پر قیامت کے دن اور اُن لوگوں کے گناہوں سے بھی جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں بغیر علم کے۔ ہاں بُرا ہے جو وہ اُٹھاتے ہیں (۲۷) بیشک مکر کیا تھا اُن لوگوں نے بھی جو اُن سے پہلے تھے پھر آیا عذاب اللہ کا اُکھاڑ دیا اُن کے محلوں کو بنیادوں سے پھر گر پڑی اُن پر چھت اُن کے اُوپر سے اور آیا اُن کو عذاب ایسی طرح سے کہ وہ نہ سمجھتے تھے (۲۸) پھر قیامت کے دن اُن کو ذلیل کریگا اور کہیگا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن میں تم جھگڑتے تھے۔ کہینگے وہ جن کو علم دیا گیا تھا کہ ذلت اور خرابی ہے آج کے دن کافروں پر (۲۹) جن کی جان نکالتے تھے فرشتے ایسی حالت میں کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے پھر اُنہوں نے سلامتی رکھنے کی راہ ڈالی کہ ہم کچھ بُرائی نہیں کرتے تھے۔ کیوں نہیں اللہ جاننے والا ہے جو کچھ کہ تم کرتے تھے (۳۰) پھر داخل ہو جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ اُس میں بسنے والے۔ پھر بُری ہے جگہ تکبر کرنیوالوں کی (۳۱) اور کہا گیا اُن لوگوں کو جو پرہیزگاری کرتے ہیں کہ کیا اُتارا ہے تمہارے پروردگار نے۔ اُنہوں نے کہا بھلائی۔ جن لوگوں نے نیکی کی اُن کے لئے اس دُنیا میں بھلائی ہے اور بیشک آخرت کا گھر اچھا ہے۔ اور بیشک اچھا ہے گھر پرہیزگاروں کا (۳۲) بہشت جو ہمیشہ رہنے کیلئے ہے اُس میں داخل ہونگے۔ بہتی ہیں اُس کے نیچے نہریں۔ اُس میں ہے اُن کے لئے جو کچھ وہ چاہینگے۔ اسی طرح بدلا دیتا ہے اللہ پرہیزگاروں کو (۳۳) جن کی جان نکالتے تھے فرشتے ایسی حالت میں کہ وہ پاک عقیدے والے تھے کہینگے فرشتے کہ تم پر سلامتی ہو۔ داخل ہو بہشت میں بسبب اُس کے جو تم کرتے تھے (۳۴)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۸﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۲﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾

وہ کسی چیز کے منتظر نہیں ہیں بجز اس کے کہ آویں اُن کے پاس فرشتے یا آئے حکم تیرے پروردگار کا۔ اسی طرح اُن لوگوں نے کیا تھا جو اُن سے پہلے تھے۔ اور اُن پر اللہ نے ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے آپ پر آپ ظلم کرتے تھے (۳۵) پھر پہنچیں اُن کو برائیاں اُس کی جو وہ کرتے تھے اور گھیر لیا اُن کو اُس نے جس پر وہ ٹھٹھا کرتے تھے (۳۶) اور کہا اُن لوگوں نے جو خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے۔ نہ ہم اور نہ ہمارے باپ۔ اور نہ حرام ٹھیراتے بغیر اُس کے (حکم کے) کوئی شے اسی طرح اُن لوگوں نے کیا جو اُن سے پہلے تھے۔ پھر رسولوں پر کچھ ذمہ نہیں بجز صاف صاف (حکم) پہنچا دینے کے (۳۷) اور بیشک ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے الگ رہو پھر اُن میں سے بعضے وہ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی اور اُن میں سے بعضے وہ ہیں جن پر گمراہی مقرر ہوئی۔ پھر پھرو زمین میں۔ پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیونکر ہوا (۳۸) اگر تو حرص کرے اُن کی ہدایت کی پھر اللہ نہیں ہدایت کرتا اُس کو جس کو وہ گمراہ کرتا ہے اور اُن کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے (۳۹) اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنی سخت قسم کہ جو مر جاتا ہے اللہ اُس کو نہیں اُٹھاتا۔ کیوں نہیں وعدہ ہو چکا ہے اُس پر ٹھیک ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۴۰) تاکہ اُن پر کھولدے اُس چیز کو جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور تاکہ جان لیں جو لوگ کافر ہوئے کہ وہ جھوٹے تھے (۴۱) بات یہ ہے کہ ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اُس کا ارادہ کرتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ہم اُس کو کہتے ہیں کہ ہو۔ پھر وہ ہو جاتی ہے (۴۲) اور جن لوگوں نے گھر چھوڑا اللہ کے لئے بعد اس کے کہ اُن پر ظلم کیا گیا بیشک ہم اُن کو اچھی جگہ دینگے دنیا میں اور بیشک آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے اگر وہ جانتے ہوں (۴۳)

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (۴۴)
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ
اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ (۴۵) بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۴۶) اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ
مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ
اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۴۷)
اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ
بِمُعْجِزِيْنَ (۴۸) اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى
تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۴۹)
اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ
يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا
لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ (۵۰) وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ
وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (۵۱)
يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ
مَا يُؤْمَرُوْنَ (۵۲) وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا
اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ (۵۳) وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا اَفَغَيْرَ
اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ (۵۴) وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ
فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ
فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ (۵۵) ثُمَّ
اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
يُشْرِكُوْنَ (۵۶)

جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں (۴۴)
اور ہم نے نہیں بھیجے تجھ سے پہلے مگر آدمی کہ وحی بھیجتے تھے
ہم اُن پر پوچھو اہل کتاب سے اگر تم نہیں جانتے (۴۵) ساتھ
دلیلوں اور کتابوں کے ۔ اور ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری تاکہ
تو بیان کرے لوگوں کو جو اُن پر اُتارا گیا ہے اور تاکہ وہ
سوچیں (۴۶) پھر کیا بے خوف ہو گئے ہیں وہ لوگ جو مکر
کرتے ہیں بُرائیوں کا ۔ کہ دھنسا دیوے اللہ اُن سمیت زمین کو
یا اُن پر عذاب لے آوے ایسی جگہ سے کہ وہ نہ جانتے ہوں (۴۷)
یا اُن کو پکڑ لے اُن کے چلتے پھرتے میں ۔ پھر وہ نہیں ہیں
عاجز کرنے والے (۴۸) یا اُن کو پکڑ لے ڈرا کر پھر بے شک
تمہارا پروردگار بخشنے والا ہے ۔ مہربان (۴۹) کیا اُنہوں
نے نہیں دیکھا اُس کو جس کو پیدا کیا اللہ نے ہر ایک چیز سے
پھرتے ہیں اُن کا سایہ دائیں کو اور بائیں کو سجدہ کرتے کو اللہ کے
لئے ۔ اور وہ ہیں فرمانبردار (۵۰) اور اللہ کے لئے سجدہ
کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں چلنے والوں
میں سے اور فرشتے اور وہ نہیں تکبر کرتے (۵۱) ڈرتے ہیں
اپنے پروردگار سے جو اُن کے اُوپر ہے اور کرتے ہیں وہ
جس کا اُن کو حکم دیا جاتا ہے (۵۲) اور کہا اللہ نے کہ مت
پکڑو دو معبود ۔ اسکے سوا کوئی بات نہیں کہ وہ معبود ایک
ہے ۔ پھر مجھی سے ڈرو (۵۳) اور اُسی کے لئے ہے جو کچھ
آسمانوں میں ہے اور زمین میں ۔ اور اُسی کے لئے ہے بندگی
لازم ۔ پھر کیا اللہ کے سوا تم ڈرتے ہو (۵۴) اور جو کچھ
تمہارے پاس ہے نعمت سو اللہ کی طرف سے ہے ۔ پھر جب تم کو
چھوتی ہے بُرائی پھر اُس کی طرف فریاد کرتے ہو (۵۵) پھر
جب وہ دُور کر دیتا ہے بُرائی کو تم سے
یکایک ایک گروہ تم میں سے اپنے پروردگار کے
ساتھ شریک کرتا ہے (۵۶)

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ
تَعْلَمُونَ (۵۷) وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ
نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ
عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ (۵۸) وَيَجْعَلُونَ
لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ
وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ (۵۹) وَإِذَا
بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ
ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ
كَظِيمٌ (۶۰) يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ
مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ
هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ
مَا يَحْكُمُونَ (۶۱) لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ
الْأَعْلَىٰ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۶۲)
وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم
مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن
يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ
لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (۶۳)
وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ
الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ
النَّارَ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ (۶۴) تَاللَّهِ
لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ
لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ
الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۶۵)
وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ
لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۶۶)

تاکہ ناشکری کریں اُس چیز کی جو ہم نے دی ہے اُن کو پھر
فائدہ اٹھا لو پھر بہت جلد تم جانو گے (۵۷) اور ٹھیراتے
ہیں اُس کے لئے جس کو نہیں جانتے ایک حصہ اُس میں سے کہ روزی
دی ہے ہم نے اُن کو۔ قسم ہے اللہ کی کہ ضرور پوچھے جاؤ گے
اُس سے کہ جو بہتان باندھتے تھے (۵۸) اور ٹھیراتے ہیں
اللہ کے لئے بیٹیاں پاک ہے وہ اور اُن کے لئے ہے جو
کچھ کہ وہ چاہیں (۵۹) اور جب خوشخبری دی جاتی ہے اُن
میں کسی کو بیٹی ہونے کی ہو جاتا ہے اُس کا منہ کالا اور وہ
غم سے بھرا ہوتا ہے (۶۰) چھپا پھرتا ہے قوم سے اُس کی
بُرائی سے جس کی اس کو خوشخبری دی گئی ہے کیا اُس کو
رکھے ذلت پر یا اُس کو گاڑ دے مٹی میں جان لو کہ بُرا
ہے جو کچھ وہ فیصلہ کرتے ہیں (۶۱) اُن لوگوں کے لئے
جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے بُری مثل ہے اور اللہ کے لئے
بہت اعلیٰ مثل ہے اور وہ ہی ہے سب سے غالب حکمت والا (۶۲)
اور اگر پکڑے اللہ سبب اُن کے ظلم کے تو نہ چھوڑے زمین پر
کوئی چلنے والوں میں سے ولیکن ڈھیل دیتا ہے اُن کو ایک وقت
معین تک پھر جب آتا ہے اُن کا وقت تو نہ دیر کریں گے
ایک ساعت اور نہ آگے بڑھیں گے (۶۳) اور ٹھیراتے ہیں اللہ
کے لئے جو پسند نہیں کرتے اور بیان کرتی ہیں اُن کی زبانیں
جھوٹ کہ اُن کے لئے ہے اچھائی یہ اس میں کچھ شبہ نہیں
کہ اُن کے لئے ہے آگ اور بیشک وہ پہلے بھیجے ہوؤں میں ہیں (۶۴)
خدا کی قسم بالتحقیق ہم نے بھیجا لوگوں کی پاس جو تجھ سے پہلے
تھے پھر بنا دکھائے اُن کے لئے شیطان نے اُن کے عملوں کو پھر وہ
اُن کا دوست ہے آج تک اور اُن کے لئے ہے عذاب دکھ دینے
والا (۶۵) اور ہم نے نہیں بھیجی تجھ پر کتاب مگر اس لئے کہ تو بتلا دے اُن کو
وہ چیز کہ وہ اختلاف کرتے ہیں جس میں اور ہدایت اور رحمت اُن
لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں (۶۶)

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٧٠﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٧١﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٢﴾ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٥﴾

اور اللہ نے برسایا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اُس سے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُس قوم کے لئے جو سنتی ہیں ﴿٦٧﴾ اور بیشک تمہارے لئے مویشی میں البتہ ایک نصیحت ہے ہم تم کو پلاتے ہیں اُس چیز سے جو اُنکے پیٹ میں ہے گوبر اور لہو میں دودھ خالص خوشگوار پینے والوں کو ﴿٦٨﴾ اور کھجور کے پھلوں اور انگوروں سے بنالیتے ہو تم اُس سے نشہ کرنے والی چیزیں اور اچھی روزی۔ بیشک اس میں ہیں البتہ نشانیاں اُس قوم کے لئے جو سمجھتی ہیں ﴿٦٩﴾ اور وحی بھیجی تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی پاس کہ بنا لیوے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور اُس میں جو بلند بناتے ہیں ﴿٧٠﴾ پھر کھا ہر ایک پھل سے پھر چل اپنے پروردگار کی راہوں میں فرمانبردار ہو کر نکلتی ہے اُن کے پیٹوں میں سے وہ جو پی جاتی ہے مختلف ہیں اُس کے رنگ اُس میں شفا ہے لوگوں کے لئے بیشک اس میں ہیں نشانیاں اُس قوم کے لئے جو سوچتی ہیں ﴿٧١﴾ اور اللہ نے پیدا کیا تم کو پھر مار ڈالیگا تم کو تم میں سے وہ ہے جو دھکیلا جاتا ہے ذلیل ترین عمر تک تاکہ وہ نہ جانے بعد جاننے کے کسی چیز کو بیشک اللہ جاننے والا ہے قدرت والا ﴿٧٢﴾ اور اللہ نے بزرگی دی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں۔ پھر نہیں ہیں وہ جن کو بزرگی دیگئی ہے لوٹا دینے والے اپنے رزق کے اُن پر جن پر اُن کے ہاتھ مالک ہوئے۔ پھر وہ اُس میں برابر ہیں۔ کیا پھر وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ﴿٧٣﴾ اور اللہ نے پیدا کیا تمہارے لئے تمہاری قسم میں سے جوڑے اور پیدا کیا تمہارے لئے تمہاری جوروں میں سے بیٹے اور پوتے اور تم کو رزق دیا پاکیزہ چیزوں سے۔ کیا پھر جھوٹے معبودوں پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی وہ ناشکری کرتے ہیں ﴿٧٤﴾ اور عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اُس کی جو اختیار نہیں رکھتے اُن کے لئے رزق دینے کا آسمانوں اور زمین میں سے کچھ بھی۔ اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں ﴿٧٥﴾

فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۚ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۚ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۚ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٨﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٩﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٠﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٨٢﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿٨٣﴾

پھر مت بناؤ اللہ کے لئے مثلیں۔ بیشک اللہ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے (٧٦) اللہ نے مثال بیان کی ایک غلام کی کہ پڑا ہوا پرائے ہاتھ میں۔ طاقت نہیں رکھتا کسی چیز پر۔ اور وہ شخص جس کو ہم نے اپنے پاس سے اچھا رزق دیا ہے۔ پھر وہ اُس میں سے خرچ کرتا ہے چھپا کر اور ظاہر کر کے۔ کیا وہ برابر ہیں۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے بلکہ اُن میں سے اکثر نہیں جانتے (٧٧) اور اللہ نے ایک مثال بیان کی دو شخصوں کی کہ ایک اُن میں سے گونگا ہے۔ قدرت نہیں رکھتا کسی بات پر۔ اور وہ بوجھ ہے اپنے دوستوں پر۔ جدھر وہ اُس کو متوجہ کریں وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا۔ کیا برابر ہے وہ اور وہ شخص جو انصاف کا حکم کرتا ہے اور وہ سیدھی راہ پر ہے (٧٨) اور اللہ کے لئے ہے چھپا غیب آسمانوں اور زمین کا۔ اور نہیں قیامت بپا ہونا مگر پلک جھپکنے کی مانند یا اُس سے بھی زیادہ قریب۔ بیشک اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے (٧٩) اور اللہ نے تم کو پیدا کیا تمہاری ماؤں کے پیٹ سے۔ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور پیدا کئے تمہارے لئے کان۔ اور آنکھیں۔ اور دل۔ تاکہ تم شکر کرو (٨٠) کیا وہ نہیں دیکھتے پرندوں کی طرف کہ فرمانبردار کئے گئے ہیں آسمان (اور زمین) کے بیچ میں۔ کوئی نہیں تھام رکھتا اُن کو بجز اللہ کے۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (٨١) اور اللہ نے بنایا تمہارے لئے تمہارے گھروں کو آرام کی جگہ۔ اور بنایا تمہارے لئے چارپاؤں کی کھالوں سے گھر کو۔ ہلکا پاتے ہو تم اُن کو اپنے سفر کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن۔ اور اُن کی اُون اور اُن کے بالوں اور اُن کی پشم سے گھر کا اسباب اور فائدہ ایک وقت تک (٨٢) اور اللہ نے پیدا کیا تمہارے لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے سائے۔ اور بنایا تمہارے لئے پہاڑوں سے چھپنے کی جگہیں۔ اور بنایا تمہارے لئے پوشاک کہ بچاتی ہے تم کو گرمی سے اور پوشاک کہ بچاتی ہے تم کو تمہاری لڑائی میں۔ اسی طرح پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم تابعدار ہو (٨٣)

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۴﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

پھر اگر وہ پیٹھ پھیر لیں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ تجھ پر پہنچا دینا (حکم کا) صاف صاف (۸۴) پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور بہت سے اُن میں سے ناشکرگزار ہیں (۸۵) اور جس دن ہم اُٹھا دینگے ہر امت سے ایک گواہ۔ پھر اجازت نہ دیجائیگی اُن لوگوں کو جو کفر میں پڑے اور نہ اُن کے عذر قبول کئے جاوینگے (۸۶) اور جب دیکھینگے وہ لوگ جو ظلم کرتے تھے عذاب کو۔ پھر نہ اُن پر ہلکا کیا جائیگا اور نہ اُن کو مہلت دیجائیگی (۸۷) اور جب دیکھینگے وہ لوگ جو شریک ٹھیراتے تھے اپنے شریکوں کو تو کہینگے اے ہمارے پروردگار یہ ہیں ہمارے (مقرر کئے ہوئے) شریک یعنی معبود جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوا۔ پھر وہ (معبود) اُن کی بات میں بات ڈالینگے (یعنی اُن کی بات کاٹ کر کہینگے) کہ تم بیشک جھوٹے ہو (۸۸) اور وہ (یعنی معبود مقرر کرنیوالے اور اُن کے معبود) ڈالینگے اللہ کی طرف اُس دن سلامت بجنے کی اور کھوئی جائیگی اُن سے وہ جو افترا پردازی کرتے تھے (۸۹) جو لوگ کافر ہوئے اور اوروں کو اللہ کی راہ سے روکا ہم زیادہ کرینگے اُن کے عذاب پر عذاب اس بات پر کہ وہ فساد کرتے تھے (۹۰) اور جس دن ہم اُٹھاوینگے ہر امت میں ایک گواہ اُن پر انہی میں سے۔ اور لاوینگے تجھ کو گواہ اُن پر اور اُتاری ہے ہم نے تجھ پر کتاب بیان کرنیوالی ہر چیز کی اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری مسلمانوں کیلئے (۹۱) بیشک اللہ حکم کرتا ہے عدل اور نیکی کے اور قرابت مندوں کے ساتھ سلوک کا اور منع کرتا ہے بیحیائی اور برائی اور سرکشی سے تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم نصیحت پکڑو (۹۲) اور پورا کرو اللہ کا عہد جب تم نے عہد کیا اور مت توڑو قسموں کو اُن کو پکا کرنے کے بعد اور بیشک تم نے کیا ہے اللہ کو اپنے پر ضامن۔ بیشک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو (۹۳)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٤﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٥﴾ وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٩٦﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٨﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٩﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿١٠٠﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿١٠١﴾

اور مت ہو تم ایسی عورت کی مانند جس نے توڑ ڈالا اپنا کاتا مضبوطی کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے۔ (مت ہو تم) کہ بنا لیتے ہو تم اپنی قسموں کو ایک دھوکا درمیان اپنے کہ ہو جائے ایک گروہ وہی بڑھی ہوئی دوسرے گروہ سے۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مصیبت میں ڈالتا ہے تم کو خدا اس کے سبب اور ضرور بتا دیگا تم کو قیامت کے دن وہ جس میں تم تھے اختلاف کرتے (۹۴) اور اگر چاہتا اللہ تو ضرور تم کو کر دیتا ایک گروہ ولیکن گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ضرور پوچھے جاؤ گے اس سے جو تم کرتے تھے (۹۵) اور مت بناؤ اپنی قسموں کو دھوکا درمیان اپنے پھر ڈگمگا جاویگا قدم بعد اس کے قائم ہونے کے اور چکھو برائی کو بسبب اس کے کہ روکا تم نے اللہ کے رستے سے اور تمہارے لئے عذاب ہے بہت بڑا (۹۶) اور مت لو اللہ کے عہد کے بدلے مول تھوڑا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت اچھا ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو (۹۷) جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ چکے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور ہم بدلا دینگے اُن کو جنہوں نے صبر کیا اُن کا بدلا اس سے اچھا جو وہ کرتے تھے (۹۸) جس نے اچھے کام کئے مردوں میں سے یا عورتوں میں سے اور وہ ایمان والا ہو پھر البتہ ہم اس کو زندگی دینگے زندگی پاکیزہ اور البتہ ہم ان کو بدلا دینگے ان کا بدلا اس سے اچھا جو وہ کرتے تھے (۹۹) پھر جب تو قرآن پڑھے تو پناہ مانگ اللہ کی شیطان پھٹکارے ہوئے سے (۱۰۰) بیشک اس کو نہیں ہے حکومت اُن پر جو ایمان لائے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں (۱۰۱)

إِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَإِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا إِنَّمَآ أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۵﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کی حکومت اُن لوگوں پر ہے جو اُس کو دوست بناتے ہیں اور وہ وہی ہیں جو اُس کے یعنی خدا کے ساتھ شریک کرتے ہیں ﴿۱۰۲﴾ اور جب ہم بدل ڈالتے ہیں کوئی آیت (یعنی کوئی حکم اگلے نبیوں کا) بجائے کسی آیت (یعنی کسی حکم کے) اور اللہ جانتا ہے اُس کو جو اُتارتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو بہتان باندھنے والا ہے بلکہ اُن میں کے بہت سے نہیں جانتے ﴿۱۰۳﴾ کہہ دے اے پیغمبر کہ اُتارا ہے اُس کو روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سے بالکل ٹھیک تاکہ ثابت قدم رکھے اُن کو جو ایمان لائے ہیں اور ہدایت اور خوشخبری مسلمانوں کے لئے ﴿۱۰۴﴾ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ سکھاتا ہے اُس کو (یعنی آنحضرت صلعم کو) کوئی شخص - زبان اُس کی جس کی طرف غلط نسبت کرتے ہیں گونگی ہے یعنی غیر فصیح ہے اور یہ تو عربی زبان ہے نہایت واضح یعنی فصیح ﴿۱۰۵﴾ بیشک جو لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ کی نشانیوں یعنی احکام پر ہدایت نہیں کرنے کا اُن کو اللہ اور اُن کے لئے ہے عذاب دکھ دینے والا ﴿۱۰۶﴾

﴿۱۰۳﴾ ہم نے اپنی تفسیر کی پہلی جلد میں جہاں ناسخ و منسوخ کی بحث ہے امام فخر الدین رازی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ أَوْ مِثْلِهَا سے قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا - بلکہ اور دو آیتیں ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے پہلی آیت تو "یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت عندہ ام الکتاب" ہے - دوسری آیت "اذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ" ہے - اور ہم نے لکھا تھا - کہ ان دونوں آیتوں سے بھی قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور وعدہ کیا تھا کہ ہم ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں بیان کریں گے - اور اس لئے اب اُن پر بحث کرتے ہیں +

پہلی آیت سورہ رعد کی ہے اس میں خدا فرماتا ہے - کہ بیشک ہم نے تجھ سے پہلے رسول ولقد ارسلنا رسلا من قبلک وجعلنا لھم بھیجے ہیں اور اُن کو بیبیاں اور اولاد دی ہے

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۱﴾

اس کے سوا کچھ نہیں کہ جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے اللہ کی آیتوں یعنی حکموں پر اور وہی لوگ ہیں جھوٹے ﴿۱۰۷﴾ جس نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اپنے ایمان لانے کے بعد بجز اُس شخص کی جس کہ جبر کیا گیا اور اُس کے دل کو ایمان سے تسلی ہے ولیکن جس کا دل کھل گیا ہے کفر کرنے پر تو اُن پر ہے غضب اللہ کا اور اُن کے لئے ہے عذاب بہت بڑا ﴿۱۰۸﴾ یہ اس لئے کہ انھوں نے پیارا سمجھا دنیا کی زندگی کو آخرت پر اور بیشک اللہ نہیں ہدایت کرتا کافر لوگوں کو ﴿۱۰۹﴾ یہ لوگ وہ ہیں کہ مہر کر دی ہے اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر اور یہ لوگ وہی ہیں بے خبر لاچار وہ ہیں آخرت میں وہی نقصان اُٹھانے والے ﴿۱۱۰﴾ پھر بیشک تیرا پروردگار اُن لوگوں کے لئے جنھوں نے وطن چھوڑا بعد اس کے کہ ایذا دئے گئے۔ پھر جہاد کیا اور صبر کیا۔ بیشک تیرا پروردگار بعد اُس کے البتہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۱۱۱﴾

ازواجاً وذريةً وما كان لرسول ان ياتي باٰية الا باذن الله لكل اجل كتاب يمحو الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب +

اور کوئی رسول نہیں کرسکتا کہ بغیر حکم خدا کوئی حکم لے آئے اور ہر ایک چیز کا وقت لکھا ہوا یعنی مقرر ہے۔ خدا جو چاہے مٹاتے اور جو چاہے قایم رکھے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے +

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ اس آیت میں بیان ہوا ہے وہ انبیائے سابق کی شریعت سے متعلق ہے نہ قرآن مجید کی آیتوں سے۔ نتیجہ اس تمام آیت کا یہ ہے کہ انبیائے سابق کی شریعت میں سے جن احکام کو خدا چاہتا ہے۔ قایم رکھتا ہے اور جن احکام کو چاہتا ہے اُٹھا دیتا ہے۔ اور اُس آیت سے کسی طرح سے یہ بات نہیں نکلتی کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو جاتی ہے۔ پس یہ آیت قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ ہونے پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی۔ مگر یہ بحث باقی رہتی ہے کہ ام الکتاب کیا چیز ہے۔ اور اگر ام الکتاب سے لوح محفوظ مراد لی جائے تو لوح محفوظ کیا چیز ہے۔ یہ ایک بہت بڑی بحث ہے جس کو ہم اپنی تصنیفات میں متعدد جگہ لکھ چکے ہیں۔ مگر اس مقام میں اس کی بحث سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ صرف

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۱۱۲) وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۱۱۳) وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۱۱۴) فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۱۱۵) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۱۶)

اُس دن آویگا ہر کوئی جھگڑتا ہوا اپنے لئیے اور بدلا دیا جاویگا ہر شخص کو اُس چیز کا جو اُس نے کیا تھا اور اُن پر ظلم نہ کیا جاویگا (۱۱۲) اور بیان کی اللہ نے مثال ایک گانوں کی کہ تھا امن چین سے۔ آتا تھا وہاں اس کا رزق بافراغت ہر جگہ سے۔ پھر اُس نے ناشکری کی اللہ کی نعمتوں کی۔ پھر اللہ نے مزا چکھایا اُس کو بھوک کا اور خوف کا اوڑھنا بچھونا کر دینے کا بسبب اُس کے جو وہ کرتے تھے (۱۱۳) اور البتہ آیا اُن پاس ایک رسول اُن میں کا۔ پھر اُنھوں نے اُس کو جھٹلایا۔ پھر اُن کو پکڑا عذاب نے ایسے حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے (۱۱۴) پھر کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے حلال پاکیزہ اور شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو (۱۱۵) اس کے سوا کچھ نہیں کہ حرام کیا تم پر مردار سا اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جس پر پکارا جاوے اللہ کے سوا اور کسی کا نام اُس کے ذبح کرنے کے وقت پھر جو کوئی تڑپتا ہو مارے بھوک کے۔ نہ نافرمانی کرنے والا اور نہ حد سے گذرنے والا (اور بقدر سد رمق کھالے) تو اللہ بخشنے والا ہی مہربان (۱۱۶)

یہ بات ثابت کرنی تھی کہ " یمحو اللہ ما یشاء و یثبت " سے مقصود محو ہونا یا ثابت رہنا احکام شریعت انبیاے سابق کا ہے۔ نہ محو ہونا یا ثابت رہنا قرآن مجید کی آیتوں کا۔ اس لئے ہم اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہیں +

دوسری آیت سورہ نحل کی ہے جس میں خدا فرماتا ہے۔ کہ جب ہم ایک حکم کی جگہ دوسرا

واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون + حکم بدلتے ہیں اور خدا جو حکم نازل کرتا ہے اُس کو خوب جانتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو تو افترا ہی کرنے والا ہے۔ حالانکہ اُن میں کے بہت سے نہیں جانتے۔ اس آیت کی نسبت سوال یہ ہے کہ قالوا سے کون لوگ مراد ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قالوا کی ضمیر سے کفار مکہ مراد ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ کفار مکہ نہ اُس پہلی آیت کو جو بدلی گئی منزل من اللہ جانتے تھے اور نہ دوسری آیت کو جس نے پہلی آیت کو بدلا منزل من اللہ سمجھتے تھے +

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱۸﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۰﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۱﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۲﴾ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۲۳﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۴﴾

اور مت کہو اُس چیز کو جس کو بیان کرتی ہیں تمہاری زبانیں جھوٹ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ بہتان باندھو اللہ پر جھوٹ۔ بیشک جو لوگ بہتان باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ مراد کو نہیں پہنچنے کے (۱۱۷) فائدہ ہے تھوڑا سا اور اُن کیلئے عذاب ہے دکھ دینے والا (۱۱۸) اور اُن لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کیا اُن چیزوں کو جن کا ذکر کیا تجھ پر اس سے پہلے۔ اور نہیں ظلم کیا ہم نے اُن پر ولیکن وہ اپنا اوپر آپ ظلم کرتے تھے (۱۱۹) پھر بیشک تیرا پروردگار اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے کی بُرائی بے جانے پھر توبہ کی اُس کے بعد اور نیکی کی بیشک تیرا پروردگار اُس کے بعد البتہ بخشنے والا ہے مہربان (۱۲۰) بیشک ابراہیم پیشوا تھا اللہ کی فرمانبرداری کرنے والا حنیف مذہب کا (یعنی خالص خدا کی عبادت کرنے والا) اور وہ نہ تھا شرک کرنے والوں میں (۱۲۱) شکر کرنے والا اُس کی نعمتوں کا اُس کو برگزیدہ کیا اور اُس کو ہدایت کی سیدھی راہ کی طرف (۱۲۲) اور دی ہم نے اُس کو دنیا میں نیکی اور بیشک وہ آخرت میں البتہ نیکوکاروں میں ہے (۱۲۳) پھر ہم نے وحی بھیجی تجھ کو پیروی کر ابراہیم کے دین کی جس کا دین حنیف ہے (یعنی جس میں خالص خدائے احد کی عبادت ہے) اور وہ یعنی ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھا (۱۲۴)

بلکہ صرف یہود و نصاریٰ جو اُن احکام قرآن مجید کو جو برخلاف احکام سابق توریت و انجیل کے تھے پیغمبر کا افترا سمجھتے تھے۔ پس قالوا کی ضمیر انہیں یہود و نصاریٰ کی طرف پھرتی ہے نہ عام کفار کی طرف جو عموماً بت پرست تھے۔ اور وہ نہ احکام سابق کو مانتے تھے نہ احکام لاحق کو۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بدلنا آیۃ مکان آیۃ سے تبدیل شرائع انبیائے سابق مراد ہے نہ تبدیل آیۃ قرآنی کی دوسری آیت سے +

تفسیر کبیر میں بھی ابو مسلم اصفہانی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں شرائع سابق انبیا کا تبدیل ہونا مراد ہے۔ نہ قرآن مجید کے احکام میں ایک سے دوسرے کا منسوخ ہونا اور امام صاحب نے لکھا ہے کہ ابو مسلم اصفہانی برخلاف دیگر مفسرین کے مذہب اسلام میں ناسخ و منسوخ کا بالکل قائل نہیں ہے +

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۵﴾ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۶﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۷﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾

اس کے سوا کچھ نہیں مقرر کیا گیا تھا سبت کا دن اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے اختلاف کیا اُس میں (یعنی شریعت ابراہیم میں) اور بیشک تیرا پروردگار البتہ فیصلہ کریگا اُن میں قیامت کے دن اُس میں جس بات میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿۱۲۵﴾ بلا اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور نیک نصیحت کے ساتھ اور بحث کر اُن سے اُس بات سے جو سب سے اچھی ہے بیشک تیرا پروردگار وہ خوب جاننے والا ہے اُس کو جو گمراہ ہوا اُس کی راہ سے اور وہ خوب جاننے والا ہے راہ پانے والوں کو ﴿۱۲۶﴾ اور اگر تم بدلا لو تو بدلا لو برابر اُس کے جو تم کو ایذا دیگئی ہو اور البتہ اگر صبر کیا تم نے تو بیشک وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے ﴿۱۲۷﴾ اور صبر کر اور نہیں ہے تیرا صبر مگر اللہ کی مدد سے اور مت غم کھا اُن پر اور مت ہو تنگدل اُس سے جو وہ مکر کرتے ہیں۔ بیشک اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیزگار رہیں اور اُن لوگوں کے ساتھ جو نیکی کرنے والے ہیں ﴿۱۲۸﴾

اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اگر اُن تمام آیتوں کو جن سے مفسرین اور فقہا نے قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ ہونے کا دعوے پیش کیا ہے مجموعی طور پر سامنے رکھ لیا جاوے اور اُن پر غور و تعمق کی نظر ڈالی جاوے اور اُن کے سیاق و سباق کو مدنظر رکھا جاوے تو اُن سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آیتیں شرائع سابقہ انبیا کے بعض احکام کے تبدیل ہونے سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ قرآن مجید کی آیتوں کے باہم ناسخ و منسوخ ہونے سے +

سُورَۃ بنی اسرائیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان
سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ	پاک ہے وہ جو

(سبحان الذی) معراج کے متعلق حدیثوں اور روایتوں میں جس قدر اختلاف ہے غالباً اور کسی امر میں اس قدر اختلاف نہ ہوگا اُن اختلافات کا بیان کرنا اور اُن کی تنقیح کرنا سب سے مقدم امر ہے اور اس لئے ہم ہر ایک امر کو معہ اُن کے اختلافات کے جُدا جُدا بیان کرتے ہیں +

زمانۂ معراج

بخاری میں شریک کی روایت سے ایک حدیث ہے جس کے یہ الفاظ ہیں " قبل ان یوحیٰ الیہ " یعنی اسراء آنحضرت کو وحی آنے یعنی نبی ہونے سے پہلے ہوئی تھی مگر خود محدثین نے بیان کیا ہے کہ وہ الفاظ اسرا سے متعلق نہیں ہیں چنانچہ اُس حدیث کی اس بحث کو بھی بیان کرینگے اس وقت اُن اختلافات کو بیان کرتے ہیں جو اسرا یا معراج سے متعلق ہیں +

اس باب میں کہ معراج کب ہوئی مندرجہ ذیل مختلف اقوال ہیں +

۱ - ہجرت سے ایک برس پہلے ربیع الاول کے مہینہ میں +

۲ - ہجرت سے ایک برس پانچ مہینے پہلے شوال کے مہینہ میں - بعضوں نے کہا کہ رجب کے مہینہ میں +

۳ - ہجرت سے اٹھارہ مہینے پیشتر +

۴ - ہجرت سے ایک برس تین مہینے پہلے ذی الحجہ میں +

۵ - ہجرت سے تین برس پہلے +

۶ - نبوت سے پانچ برس بعد +

۷ - نبوت سے بارہ برس بعد بعضوں کے نزدیک قبل موت ابی طالب اور بعضوں کے نزدیک بعد موت ابی طالب +

۸ - نبوت سے تیرھویں برس ربیع الاول یا رجب میں +

۹ - ہجرت سے سولہ مہینے قبل ذیقعدہ کے مہینہ میں اور بعضوں کے نزدیک ربیع الاول میں +

۱۰ - ستائیسویں تاریخ رجب کے مہینہ میں +

اَسْریٰ	لے گیا

۱۱- رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو +

۱۲- ستائیسویں تاریخ رمضان کے مہینہ میں ہفتہ کی رات کو +

یہ تمام اختلافات جو ہم نے بیان کئے عینی شرح بخاری میں مندرج ہیں اور اُس کی عبارت بلفظہ ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں +

عینی میں لکھا ہے کہ معراج کے وقت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں نبوت سے پہلے ہوئی یہ قول شاذ ہے لیکن اگر اُس کا واقع ہونا خواب میں خیال کیا جائے تو بے وجہ نہیں ہے۔ بعض ہجرت سے ایک سال پہلے ربیع الاول میں مانتے ہیں۔ یہ قول اکثر لوگوں کا ہے یہاں تک کہ ابن حزم نے اس پر اجماع اُمت ہونا بیان کیا ہے۔ اور سدی کے نزدیک ہجرۃ سے ایک برس پانچ مہینے پہلے ہوئی اس قول کو طبری اور بیہقی نے بیان کیا ہے۔ اس قول کی بنا پر معراج ماہ شوال میں ہوئی۔ اور ابن عبد البر نے ماہ رجب میں بیان کیا ہے۔ نووی بھی اسی کو مانتا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ ہجرۃ سے اٹھارہ مہینے پہلے ہوئی۔ ابن البر نے اس قول کو بھی بیان کیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک ہجرۃ سے ایک برس تین مہینے پہلے ہوئی۔ اس کی بنا پر ذی الحجہ کا مہینہ تھا ابن فارس اسی قول کو مانتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک ہجرۃ سے تین برس پہلے ہوئی۔ اس کو ابن اثیر نے بیان کیا ہے۔ اور قاضی عیاض نے زہری سے حکایت کی ہے کہ معراج نبوت سے پانچ برس بعد ہوئی اور ابن ابی شیبہ نے عباس اور جابر سے روایت کی ہے کہ وہ دونوں کہتے تھے کہ پیغمبر خدا پیر کے دن پیدا ہوئے۔ اور اسی دن نبوت ملی اور اسی دن معراج اور اسی دن وفات ہوئی +

ويختلف في وقت المعراج فقيل انه كان قبل المبعث وهو شاذ الا اذا حمل على انه وقع في المنام كذا وجه وقيل كان قبل الهجرة بسنة في ربيع الاول وهو قول الاكثرين حتى بالغ ابن حزم فنقل الاجماع على ذلك وقال السدي قبل الهجرة بسنة وخمسة اشهر واخرجه من طريقه الطبري والبيهقي فعلى هذا كان في شوال وحكى ابن عبد البر انه كان في رجب وجزم به النووي وقيل بثمانية عشر شهرا حكاه ابن البر ايضا وقيل كان قبل الهجرة بسنة وثلاثة اشهر فعلى هذا يكون في ذي الحجة وبه جزم ابن فارس وقيل كان قبل الهجرة بثلاث سنين حكاه ابن الاثير وحكى عياض عن الزهري انه كان بعد المبعث بخمس سنين وروى ابن ابي شيبة من حديث جابر وابن عباس رضي الله تعالى عنهم قال ولد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوم الاثنين وفيه بعث وفيه عرج به الى السماء وفيه مات +

(صفحہ ۸۰ عینی شرح بخاری جلد ۸) +

عینی میں دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ معراج نبوت کے بارھویں سال ہوئی۔ بیہقی نے موسےٰ بن عقبہ سے اور اُس نے زہری سے روایت کی ہے کہ معراج مدینہ جانے سے ایک برس پہلے ہوئی۔

وكان الاسراء في السنة الثانية عشر من النبوة وفي رواية البيهقي من طريق موسى بن عقبة عن الزهري

بِعَبْدِهٖ	اپنے بندے کو

انه اسری به قبل خروجه الی المدینة بسنة وعن السدی قبل مهاجرته بستة عشر شهرا فعلی قوله یکون الاسراء فی شهر ذی قعدة وعلی قول الزهری یکون فی ربیع الاول وقیل کان الاسراء لیلة السابع والعشرین من رجب وقد اختاره الحافظ عبد الغنی بن سرور المقدسی فی سیرته ومنهم من یزعم انه کان فی اول لیلة جمعة من شهر رجب ثم قیل کان قبل موت ابی طالب وذکر ابن الجوزی انه کان بعد موته فی سنة اثنتی عشرة للنبوة ثم قیل کان فی لیلة السبت لسبع عشرة لیلة خلت من رمضان فی السنة الثالثة عشر للنبوة وقیل کان فی ربیع الاول وقیل کان فی رجب (صفحہ ۹۰ جلد ثانی عینی شرح بخاری) +

اور سدی کا قول ہے کہ ہجرت سے دو ماہ پہلے پس اسکے قول کے موافق ماہ ذیقعدہ میں اور زہری کے قول کے موافق ربیع الاول میں بعض کہتے ہیں ستائیسویں رجب کو ہوئی حافظ عبد الغنی بن سرور مقدسی نے اپنی سیرت میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور بعض کا گمان ہے ماہ رجب کو جمعہ کی اول شب میں ہوئی۔ پھر بعض کا قول ہے کہ ابو طالب کے مرنے سے پہلے ہوئی اور ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد نبوت کے بارھویں سال ہوئی۔ پھر کوئی کہتا ہے کہ نبوت کے تیرھویں سال رمضان کی سترہ تاریخ کو ہفتہ کی رات کو ہوئی۔ اور کوئی کہتا ہے کہ ربیع الاول میں کوئی کہتا ہے رجب میں +

یہ روایتیں اس قدر مختلف ہیں کہ کوئی علانیہ قرینہ یا دلیل بھی ان میں سے کسی روایت کو مرجح کرنے کی نہیں ہے۔ قرآن مجید سے اس بات پر یقین ہوسکتا ہے کہ اسراء جس کا دوسرا نام معراج ہے رات کو واقع ہوئی اور احادیث مختلفہ سے جو امر مشترک اور نیز قرآن مجید سے بطور دلالت النص پایا جاتا ہے وہ اس قدر ہے کہ زمانہ نبوت میں معراج ہوئی اور یہ بات کہ کب ہوئی بسبب اختلاف روایات و احادیث محقق ثابت نہیں ہوسکتا۔ پس ان تمام اختلافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض علما تعدد معراج اور اسرا کے قائل ہوئے اور معراج اور اسرا کو دو جداگانہ واقعے قرار دئے چنانچہ عینی شرح بخاری میں لکھا ہے +

واختلفوا فی المعراج والاسراء هل کانا فی لیلة واحدة او فی لیلتین وهل کانا جمیعا فی الیقظة او فی المنام او احدهما فی الیقظة والآخر فی المنام فقیل ان الاسراء کان مرتین مرة بروحه مناما ومرة بروحه وبدنه یقظة ومنهم من یدعی تعدد الاسراء فی الیقظة ایضا حتی قال انها اربع اسراءات وزعم بعضهم ان بعضها کان بالمدینة ووفق ابو شامة فی روایات حدیث الاسراء بالجمع بالتعدد فجعل ثلاث اسراءات مرة من مکة الی بیت المقدس فقط علی البراق ومرة من مکة الی السموات علی البراق ایضا ومرة من مکة الی بیت المقدس

کہ معراج اور اسرا میں اختلاف ہے کہ دونوں ایک رات میں ہوئے یا دو راتوں میں اور دونوں جاگتے میں ہوئیں یا خواب میں یا ایک خواب میں۔ اور ایک بیداری میں۔ بعض کا قول ہے اسرا دو مرتبہ ہوئی۔ ایک دفعہ خواب میں روح کے ساتھ۔ اور ایک دفعہ روح اور بدن کے ساتھ بیداری میں بعض کے نزدیک بیداری میں کئی دفعہ اسرا ہوئی۔ یہاں تک کہ بعض چار دفعہ اسرا کے قائل ہوئے ہیں۔ اور بعض نے گمان کیا ہے کہ ان میں سے بعض مدینہ میں ہوئیں۔ ابو شامہ کو حدیث

لَیْلاً	ایک رات
ثم الی السموات وجمہور السلف والخلف علی ان الاسرا کان بیدنہ وروحہ واما من مکۃ الی بیت المقدس فبنص القرآن ✤ (عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۹۶) ✤	اسرا کی مختلف روایتوں میں تین مرتبہ اسراء ان کر توفیق کی ہے ۔ ایک دفعہ مکہ سے بیت المقدس تک براق پر ۔ دوسری دفعہ مکہ سے آسمانوں تک

براق پر ۔ تیسری دفعہ مکہ سے بیت المقدس تک پھر آسمانوں تک ۔ متقدمین اور متاخرین سب متفق ہیں کہ اسرا بدن اور روح کے ساتھ واقع ہوئی ۔ اور مکہ سے بیت المقدس تک جانا تو نص قرآنی سے ثابت ہے ✤

ان تمام روایتوں پر لحاظ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ اُس اختلاف کے جو زمانہ معراج میں ہے نسبت نفس معراج یا اسراء کے حسب تفصیل ذیل علما میں اختلاف ہوگیا ہے ✤

۱ ۔ بعضوں کا قول ہے کہ اسرا اور معراج دو جداگانہ واقعات ہیں ✤

۲ ۔ بعضوں کا قول ہے کہ ایک دفعہ صرف اسرا ہوئی اور ایک دفعہ اسراء معہ معراج ✤

۳ ۔ بعضوں کا قول ہے کہ معراج دو دفعہ ہوئی ایک دفعہ بغیر اسرا کے اور ایک دفعہ معہ اسرا کے ✤

۴ ۔ بعض کا قول ہے کہ اسرا معہ معراج کے دو دفعہ ہوئی ✤

۵ ۔ اکثر علما کا یہ قول ہے جو قول مقبول بھی ہے کہ اسراء و معراج ایک دفعہ ایک ساتھ ایک ہی رات میں ہوئی ✤

یہی قول صحیح اور متفق علیہ ہے اور احادیث سے جو امر مشترک پایا جاتا ہے اور جو قرآن مجید کی دلالت النص سے ثابت ہوتا ہے ۔ وہی یہی ہے مگر ہم اس مقام پر اُن تمام اقوال کو جن سے یہ اختلاف ظاہر ہوتے ہیں ذیل میں لکھتے ہیں ✤

اقوال اُن علما کے جو اسرا اور معراج کو دو جداگانہ واقعے کہتے ہیں

جو لوگ کہ الاسرا اور معراج کو علٰحدہ علٰحدہ دو واقعے قرار دیتے ہیں اُن کا بیان یہ ہے ✤

ابن دحیہ کا یہ قول کہ خود بخاری کا میلان اس پر ہے کہ لیلۃ الاسراء الگ واقعہ ہے ۔ اور لیلۃ المعراج الگ واقعہ ۔ اور وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ بخاری نے ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے جداجدا ترجمۃ الباب قرار دیا ہے (اور واضح ہو کہ بخاری

جنح البخاری الی ان لیلۃ الاسراء کانت غیر لیلۃ المعراج لانہ افرد لکل منھما ترجمۃ ۔
(فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۰۰) ✤

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجد حرام سے

کا ترجمۃ الباب بطور استنباط مسائل کے سمجھا جاتا ہے +

ترجمۃ ابواب البخاری

باب حدیث الاسراء وقول اللہ تعالیٰ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ.

(بخاری صفحہ ۵۴۸) +

بخاری نے ایک علیحدہ باب میں لکھا ہے کہ یہ باب ہے حدیث اسراء کا اور خدا کے اس قول کا جہاں اس نے فرمایا ہے "پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک" +

کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء

(بخاری صفحہ ۵۰)

اور دوسرے علیحدہ باب میں لکھا ہے کہ یہ باب ہے اس بیان میں کہ اسرا میں نماز کیونکر فرض ہوئی +

مگر اس دلیل کو خود علامہ حجر عسقلانی نے رد کیا ہے ۔ اور کہا ہے کہ اس سے دونوں

ولا دلالۃ فی ذلک علی التغایر عندہ بل کلامہ فی اول الصلوٰۃ ظاہر فی اتحادہما وذلک انہ ترجم باب کیف فرضت الصلوٰۃ لیلۃ الاسراء والصلوٰۃ انما فرضت فی المعراج فدل علی اتحادہما عندہ وانما افرد کلا منہما بترجمۃ لان کلا منہما یشتمل علی قصۃ مفردۃ وان کانا وقعا معاً۔

(فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۵۰) +

کا جدا جدا ہونا بخاری کے نزدیک نہیں نکلتا بلکہ کتاب الصلوٰۃ کے عنوان سے دونوں کا ایک ہونا ظاہر ہے ۔ کیونکہ اس نے لکھا ہے ۔ کہ لیلۃ الاسراء میں نماز کیونکر فرض ہوئی اور حالانکہ یقیناً معراج میں فرض ہوئی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بخاری کے نزدیک دونوں واقعے ایک ہیں جدا جدا ترجمۃ الباب اس لئے قرار دیا ہے کہ ان میں الگ الگ قصے ہیں اگرچہ وہ ایک ہی ساتھ واقع ہوئے ہیں +

اور بعض علمائے متاخرین بھی قصہ اسرا اور معراج کو دو واقعے سمجھتے ہیں ۔ علامہ حجر عسقلانی نے

وقال بعض المتأخرین کانت قصۃ الاسراء فی لیلۃ والمعراج فی لیلۃ متمسکا بما ورد فی حدیث انس من روایۃ شریک من ترک ذکر الاسراء وکذا فی ظاہر حدیث مالک بن صعصعۃ۔

(فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۵۱) +

لکھا ہے ۔ بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اسرا ایک رات میں ہوئی اور معراج ایک رات میں ۔ ان کی حجت یہ ہے کہ انس کی حدیث میں جو شریک سے مروی ہے اسرا کا ذکر نہیں اور ایسا ہی مالک بن صعصعہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے +

مگر خود علامہ حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ متاخرین نے ان روایتوں کی بنا پر اسرا کا ایک رات میں اور معراج کا دوسری رات میں ہونا خیال کیا ہے مگر ان روایتوں سے اسرا اور معراج

مسجد اقصےٰ کو	اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا

ولا يلزم من ذلك أن يستنكر اللفظ بل هو محمول على أن بعض الرواة ذكر ما لم يذكره الآخر (فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ١٥١)

کا علحدہ علحدہ واقع ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اس سے تعدد واقع لازم نہیں آتا بلکہ یہ خیال کیا جاتا ہے بعض راویوں نے جو بیان کیا ہے اس کو دوسرے راویوں نے ترک کر دیا ہے ◆

جن کے گمان میں اسرا اکثر واقع ہے ان کی دلیل شداد ابن اوس کی حدیث ہے

واحتج من زعم أن الإسراء وقع مرارا بما أخرجه البزار والطبراني وصححه البيهقي في الدلائل من حديث شداد بن أوس قلنا يا رسول الله كيف أسري بك قال صليت صلاة العتمة بمكة فأتاني جبريل بدابة فذكر الحديث في مجيئه بيت المقدس وما وقع له فيه قال ثم انصرف بي فمررنا بعير لقريش بمكان كذا فذكره قال ثم أتيت أصحابي قبل الصبح بمكة۔

(فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ١٥١) ◆

جس کو بزار اور طبرانی نے بیان کیا اور بیہقی نے دلائل میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اُس نے کہا کہ ہم نے کہا یا رسول اللہ آپ کو کیونکر اسرا ہوئی فرمایا کہ میں نے عشا کی نماز مکہ میں پڑھی پھر جبرئیل میرے پاس سواری (براق) لایا۔ پھر بیت المقدس جانا اور وہاں جو کچھ گذرا سب بیان کیا۔ پھر فرمایا کہ واپسی میں ہمارا قریش کے اونٹوں پر فلاں جگہ گذر ہوا۔ پھر اس کا ذکر کیا پھر فرمایا کہ میں صبح سے پہلے مکہ میں اپنے اصحاب کے پاس آگیا ◆

اقوال اُن علما کے جو کہتے ہیں کہ ایک دفعہ صرف اسرا ہوئی اور ایک دفعہ اسرا مع معراج کے

بعض نے کہا ہے کہ اسرا بیداری میں دو دفعہ ہوئی۔ پہلی دفعہ پیغمبر خدا بیت المقدس سے

وقيل كان الإسراء مرتين في اليقظة فالأولى رجع من بيت المقدس وفي صبيحته أخبر قريشا بما وقع والثانية أسري به إلى بيت المقدس ثم عرج به من ليلته إلى السماء إلى آخره ولم يقع لقريش في ذلك اعتراض لأن ذلك عندهم من جنس قوله إن الملائكة تأتيه من السماء في أسرع من طرفة عين وكانوا يعتقدون استحالة ذلك مع قيام الحجة على صدقه بالمعجزات الباهرة لكنهم عاندوا في ذلك واستمروا على تكذيبه فيه بخلاف إخباره أنه جاء بيت المقدس في ليلة ورجع فإنهم صرحوا بتكذيبه فيه فطلبوا منه نعت بيت المقدس لمعرفتهم به وعلمهم بأنه ما كان رآه قبل ذلك فأمكنهم استعلام صدقه في ذلك

لوٹے اور اُس کی صبح کو جو کچھ دیکھا قریش سے بیان کیا۔ دوسری دفعہ بیت المقدس تک گئے پھر وہاں سے اُسی رات آسمانوں پر گئے۔ قریش نے اس دوسری پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ ایسا ہی تھا جیسے اُن کا یہ قول کہ فرشتہ آسمان سے پلک جھپکنے سے بھی پہلے آتا ہے اور اس کو محال سمجھتے تھے حالانکہ روشن معجزات کا واقع ہونا اُن کے سچے ہونے کی دلیل تھی لیکن اُنھوں نے اس میں مخالفت کی اور برابر پیغمبر خدا کو

الَّذِي بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ	جس کے گرداگرد ہم نے برکت دی تھی

بخلاف المعراج - (فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۵۱)+ کو اس میں جھٹلاتے رہے - برخلاف اس کے کہ آپ نے ایک رات میں بیت المقدس جانے اور وہاں سے پھر آنے کی خبر دی اس وقت میں انہوں نے کھلم کھلا پیغمبر خدا کی تکذیب کی اور بیت المقدس کا حال پوچھا کیونکہ وہ اس سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ پیغمبر خدا نے بیت المقدس کو نہیں دیکھا - پس معراج کے برخلاف اس میں اُن کو رسول اللہ کے سچے ہونے کی آزمایش کا موقع ملا +

وفی حدیث ام ھانی عند ابن اسحٰق وابی یعلی نحو ما فی حدیث ابی سعید ان ثبت ان المعراج کان مناما علی ظاھر روایۃ شریک عن انس فینتظم من ذلک ان الاسراء وقع مرتین - مرۃ علی انفرادہ ومرۃ مضموما الیہ المعراج وکلاھما فی الیقظۃ - (فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۰) +

اور ام ہانی کی حدیث میں ابن اسحٰق اور ابو یعلی کے نزدیک وہی مضمون ہے جو ابو سعید کی حدیث میں ہے - پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ معراج خواب میں ہوئی تھی جیسا کہ شریک کی روایت میں انس سے مروی ہے تو اس سے معلوم ہوگا کہ اسرا دو بار ہوئی - ایک بار تنہا اور ایک بار معراج کے ساتھ اور دونوں دفعہ حالت بیداری میں ہوئی +

اقوال اُن علما کے جو کہتے ہیں کہ معراج دو دفعہ ہوئی ایک دفعہ بغیر اسرا کے اور ایک دفعہ مع اسرا کے

والمعراج وقع مرتین - مرۃ فی المنام علی انفرادہ توطئۃ وتمہیدا - ومرۃ فی الیقظۃ مضموما الی الاسراء (فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۰) +

فتح الباری میں ہے کہ معراج دو بار ہوئی - ایک بار بطور تمہید کے تنہا خواب میں ہوئی اور ایک بار اسرا کے ساتھ جاگتے میں +

وجنح الامام ابو شامۃ الی وقوع المعراج مرارا واستند الی ما اخرجہ البزار وسعید بن منصور من طریق ابی عمران الجونی عن انس رفعہ قال بینا انا جالس فجاء جبریل فوکز بین کتفی فقمنا الی شجرۃ فیھا مثل وکری الطائر فقعدت فی احدھما وقعد جبریل فی الاخر فارتفعت حتی سدت الخافقین الحدیث - وفیہ ففتح لی باب من السماء ورایت النور الاعظم

امام ابو شامہ کا میلان معراج کے کئی بار واقع ہونے کی طرف ہے - اور سند میں اس حدیث کو بیان کرتے ہیں جو بزار اور سعید بن منصور نے ابو عمران جونی سے اور اس نے انس سے مرفوعًا روایت کی کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ میں بیٹھا تھا کہ جبریل آئے اور میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان ہاتھ مارا پھر ہم دونوں ایک درخت کے پاس گئے جس میں پرندوں کے گھونسلے سے تھے - ایک میں جبریل اور ایک

لِنُرِيَهٗ	تاکہ دکھاویں ہم اُس کو

وازداد وبه حجاب فرف الدر والياقوت۔ قال العلامة ابن الحجر ورجاله لا بأس بهم الا ان الدارقطني ذكر له علة تقتضي ارساله وعلى كل حال فهي قصة اخرى الظاهر انها وقعت بالمدينة ولا بعد في وقوع امثالها و انما المستبعد وقوع التعدد في قصة المعراج التي وقع فيها سواله عن كل نبي وسوال اهل كل باب هل بعث اليه وفرض الصلوات الخمس وغير ذلك فان تعدد ذلك في اليقظة لا يتجه فيتعين رد بعض الروايات المختلفة الى بعض او الترجيح الا انه لا بعد في جميع وقوع ذلك في المنام توطئة ثم وقوعه في اليقظة على وفقه كما قدمته۔

(فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۵۱) +

میں مَیں بیٹھ گیا۔ پھر مَیں بلند ہُوا یہاں تک کہ آسمان و زمین سے گذر گیا۔ اسی حدیث میں ہے کہ میرے لئے آسمان کا دروازہ کھولا گیا۔ اور مَیں نے نورِ اعظم کو دیکھا اور اُس سے ورے ایک پردہ تھا موتیوں اور یاقوت کا۔ علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں کوئی عیب نہیں ہے۔ مگر دارقطنی نے ایک ایسی علت بیان کی ہے جس سے اُس کا مرسل ہونا معلوم ہوتا ہے بہرحال یہ ایک اور قصہ ہے اور ظاہرا وہ مدینہ میں ہُوا۔ اور ایسے واقعوں کے ہونے میں کوئی تعجب نہیں ہے۔ اور اگر تعجب انگیز ہے تو معراج کے قصہ کا کئی بار ہونا ہے جس میں ہر نبی کا سوال اور ہر آسمان کے دربان کا سوال کہ کیا ادھر بھیجے گئے ہیں۔ اور پانچ نمازوں کا فرض ہونا ہے۔ کیونکہ حالت بیداری میں اس قصہ کے کئی بار واقع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے پس بعض مختلف روایتوں کو بعض کی طرف پھیرنا یا اُن میں سے ایک کو ترجیح دینی ضرور ہے۔ مگر اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ یہ سب خواب میں تمہید کے طور پر ہُوا ہو پھر اُس کے موافق بیداری میں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں +

ومن المستغرب قول ابن عبد السلام في تفسيره كان الاسراء في النوم واليقظة ووقع بمكة والمدينة فان كان يريد تخصيص المدينة بالنوم ويكون كلامه على طريق اللف والنشر غير المرتب فيحتمل ويكون الاسراء الذي اتصل به المعراج وفرضت فيه الصلوات في اليقظة بمكة والآخر في المنام بالمدينة وينبغي ان يزاد فيه ان الاسراء في المنام تكرر بالمدينة النبوية۔

(فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۵۲) +

اور ابن عبد السلام کا قول اس حدیث کی تفسیر میں اور بھی عجیب ہے کہ اسرار خواب و بیداری اور مکہ اور مدینہ میں ہوئی اگر اُس کی مراد یہ ہے کہ مدینہ میں خواب میں ہوئی اور اُس کا کلام بطور لف ونشر غیر مرتب کے ہو تو احتمال ہے کہ ایسا ہی ہو اور اسرار جس کے ساتھ معراج ہوئی جس میں نمازیں فرض ہوئیں حالت بیداری میں مکہ میں ہوئی ہو اور دوسری خواب میں مدینہ میں۔ اور اتنی بات اور بڑھانی چاہئے کہ اسرا خواب میں کئی بار مدینہ میں ہوئی +

کچھ اپنی نشانیاں	مِنْ اٰیٰتِنَا

اقوال اُن علما کے جو اسرا کا معراج کے دو دفعہ ہونا بیان کرتے ہیں

نعم جاء فی بعض الاخبار ما یخالف بعض ذلک فجنح لاجل ذلک بعض اھل العلم منھم الی ان ذلک کلہ وقع مرتین مرۃ فی المنام توطئۃ وتمھیدا ومرۃ ثانیۃ فی الیقظۃ کما وقع نظیر ذلک فی ابتداء مجئ الملک بالوحی فقد قدمت فی اول الکتاب ما ذکرہ ابن میسرۃ التابعی الکبیر وغیرہ ان ذلک وقع فی المنام (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ہفتم صفحہ ۱۰۱) +

ہاں بعض حدیثوں میں وہ باتیں ہیں جو بعض کی مخالف ہیں۔ اسی لئے بعض اہل علم کا میلان اس طرف ہے کہ یہ سب کچھ دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ نیند میں بطور تمہید و پیش بندی کے اور دوسری مرتبہ جاگتے میں۔ جیسا کہ فرشتہ کے اول اول وحی لانے میں ہوا۔ اور میں اس کتاب کے شروع میں ابن میسرہ تابعی کبیر وغیرہ کا یہ قول ذکر کرچکا ہوں کہ یہ نیند کی حالت میں ہوا +

وحکاہ (ای المھلب) عن طائفۃ وابونصر بن القشیری وابوسعید فی شرف المصطفےٰ قال کان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم معاریج منھا ما کان فی الیقظۃ ومنھا ما کان فی المنام۔ (فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۰۰) +

اور مہلب شارح بخاری نے اس قول کو ایک گروہ کی جانب سے بیان کیا ہے اور ابونصر قشیری نے اور ابوسعید نے شرف المصطفےٰ میں کہا ہے کہ پیغمبر کو کئی بار معراج ہوئی بعض دفعہ خواب میں اور بعض دفعہ بیداری میں +

اب ہم اُن حدیثوں اور روایتوں کو نقل کرتے ہیں جن میں بیان ہے کہ اسرا اور معراج ایک ہی دفعہ اور ایک رات میں ہوئی تھیں اور انہیں روایتوں کو ہم تسلیم کرتے ہیں +

اقوال اُن علما کے جو اسرا اور معراج دونوں کا ایک رات میں ہونا تسلیم کرتے ہیں

جمہور علما اور محدثین اور فقہا اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ اسرا اور معراج دونوں ایک رات میں واقع ہوئیں۔ غالباً وہ لوگ مکہ سے بیت المقدس تک جانے کا نام اسرا رکھتے ہیں اور بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک جانے کا معراج۔ جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے۔ اور اکثر علما اس پر متفق ہیں کہ بیت المقدس تک آنحضرت بجسدہ گئے پھر آسمانوں کی طرف بلند کئے گئے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے +

والاکثر علی انہ اسری بجسدہ الی بیت المقدس ثم عرج بہ الی السموات حتی انتھی الی سدرۃ المنتھی (تفسیر بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۵۰۰) +

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ①	بیشک وہ سُننے والا ہے اور دیکھنے والا ①

اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ علمائے متقدمین نے احادیث کی مختلف ہونے کے سبب سے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اسرا اور معراج دونوں ایک رات میں حالت بیداری میں جسم اور روح کے ساتھ بعثت کے بعد واقع ہوئیں۔ تمام علمائے محدثین۔ فقہا اور متکلمین اسی کے قائل ہیں۔ اور تمام احادیث صحیحہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور اس سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ عقل کے نزدیک محال نہیں ہے تاکہ تاویل کی ضرورت ہو +

وقد اختلف السلف بحسب اختلاف الاخبار الواردة فمنهم من ذهب الى ان الاسراء والمعراج وقعا فى ليلة واحدة فى اليقظة بجسد النبى صلى الله عليه وسلم وروحه بعد المبعث والى هذا ذهب الجمهور من علماء المحدثين والفقهاء والمتكلمين وتواردت عليه ظواهر الاخبار الصحيحة ولا ينبغى العدول عن ذلك اذ ليس فى العقل ما يحيله حتى يحتاج الى تاويله۔ (فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۵۰) +

علامہ حجر عسقلانی نے دوسرے مقام پر یہ لکھا ہے۔ کہ اسرا کے بعد معراج کے ایک ہی رات میں واقع ہونے کی تائید مسلم کی اُس روایت سے ہوتی ہے جو ثابت نے انس سے روایت کی ہے۔ اس کے اول میں ہے کہ براق لایا گیا۔ پھر میں اُس پر سوار ہوا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچا۔ پھر وہاں کا حال بیان کرکے کہا کہ پھر ہم آسمان دنیا کی طرف بلند ہوئے اور ابن اسحٰق نے ابوسعید خدری کی حدیث میں بیان کیا ہے کہ جب میں بیت المقدس کی سیر سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی لائی گئی۔ پھر پوری حدیث بیان کی اور مالک بن صعصعہ کی حدیث کے شروع میں ہے کہ پیغمبر خدا نے اُن سے لیلۃ الاسراء کا ذکر کیا۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ پھر اگرچہ اس نے اس حدیث میں بیت المقدس تک جانے کا ذکر نہیں کیا۔ مگر اشارہ کر گیا ہے اور اپنی روایت میں اس کی تصریح کر دی ہے۔ اور یہی معتبر ہے +

ويؤيد وقوع المعراج عقب الاسراء فى ليلة واحدة رواية ثابت عن انس عند مسلم ففى اوله اتيت بالبراق فركبت حتى اتيت بيت المقدس فذكر القصة الى ان قال ثم عرج بنا الى السماء الدنيا وفى حديث ابى سعيد الخدرى عند ابن اسحٰق فلما فرغت مما كان فى بيت المقدس اتى بالمعراج فذكر الحديث۔ ووقع فى اول حديث مالك بن صعصعة ان النبى صلى الله عليه وسلم حدثهم عن ليلة اسرى به فذكر الحديث فهو وان لم يذكر فيه الاسراء الى بيت المقدس فقد اشار اليه وصرح به فى روايته فهو المعتمد۔

(فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۵۱) +

جن روایتوں میں اسرا کو علٰحدہ اور معراج کو علٰحدہ دو چیزیں قرار دیا ہے۔ ان کو ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔ بلکہ اسرا اور معراج کو ایک دوسرے کا متحد المعنی یا مرادف تصور کرتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں صرف لفظ اسرٰی واقع ہوا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے "سُبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلًا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ" مگر اس کے بعد فرمایا ہے

اور ہم نے دی موسے کو کتاب	وَاٰتَیْنَا مُوْسَى الْکِتٰبَ

"لنریہ من ایتنا انہ ھو السمیع البصیر" یہ آخر فقرہ ایک قسم کے عروج پر دلالت کرتا ہے جس کے سبب لفظ معراج مستعمل ہو گیا ہے پس معراج اور اسرا کا مفہوم متحد ہے۔ اور یہ ایک ہی واقعہ ایک ہی رات میں اور ایک ہی دفعہ واقع ہوا تھا ✦

جن علما نے اسرا اور معراج کا ہونا متعدد دفعہ تسلیم کیا ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اسرا اور معراج کے متعلق جو حدیثیں اور روایتیں وارد ہیں وہ آپس میں بے انتہا مختلف ہیں علما نے ان تمام حدیثوں کی تطبیق کرنے کے خیال سے وہ تمام شقوق اختیار کرلی ہیں جو اُن حدیثوں اور روایتوں سے پیدا ہوتی تھیں ✦

ہم اس طریق کو صحیح نہیں سمجھتے۔ مختلف حدیثوں میں جو تطبیق پیدا کرنی نہایت عمدہ طریقہ ہے۔ بشرطیکہ اُن میں تطبیق ہو سکے۔ جو حدیثیں اس قسم کی ہیں کہ جن میں ایسے امور کا بیان ہے جو عادۃً یا امکاناً واقع ہوتے رہتے ہیں اور جن میں کوئی استبعاد عقلی نہیں ہے اگر ایسے امور میں مختلف حدیثیں ہوں تو کہا جا سکتا ہے۔ کبھی ایسا ہوگا اور کبھی ویسا مگر ایسی حدیثوں میں جن میں ایسے امور کا بیان ہو جن کا واقع ہونا عادۃً یا عقلاً ممکن نہ ہو تو صرف اُن حدیثوں کے اختلاف کے سبب اُن کے تعدد وقوع کا قایم کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک اور کسی طرح پر یہ امر ثابت نہ ہو گیا ہو کہ اُن حدیثوں میں جو واقعہ مذکور ہے۔ وہ متعدد دفعہ واقع ہوا ہے۔ اُس وقت تک صرف اختلاف احادیث سے جن کی صحت بسبب اختلاف کے خود معرض بحث میں ہے اُس کا تعدد وقوع تسلیم نہیں ہو سکتا۔ یہ تو مصادرہ علے المطلوب ہے ✦

شاہ ولی اللہ صاحب بھی حجۃ اللہ البالغہ میں باب التضاد فی الاحادیث المختلفہ میں لکھتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ ہر حدیث پر عمل کیا جائے جب تک کہ تناقض کے ہونے سے سب پر عمل کرنا ناممکن ہو۔ اور یہ حقیقت میں اختلاف نہیں ہے بلکہ فقط ہماری نظر میں اختلاف ہے۔ پس اگر دو مختلف حدیثیں ہوں۔ اور دونوں میں پیغمبر خدا کا کوئی فعل مذکور ہو۔ اس طرح کہ ایک صحابی بیان کرے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل کیا اور دوسرا صحابی کوئی اور فعل بیان کرے تو اُن میں کوئی تعارض نہ ہوگا اور دونوں مباح ہونگے اگر وہ عادت کے متعلق ہوں نہ عبادت کے ✦

الاصل ان یعمل بکل حدیث الا ان یمتنع العمل بالجمیع للتناقض وانہ لیس فی الحقیقۃ اختلاف ولاکن فی نظرنا فقط فاذا ظہر حدیثان مختلفان فان کانا من باب حکایۃ الفعل فحکی صحابی انہ صلے اللہ علیہ وسلم فعل شیئا وحکی اٰخر انہ فعل شیئا اٰخر فلا تعارض ویکونان مباحین ان کانا من باب العادۃ دون العبادۃ۔

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۴۳) ✦

جو لوگ اسرا اور معراج کو متحد مانتے ہیں اور ایک ہی ساتھ اُس کا واقع ہونا قبول کرتے ہیں

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى	اور ہم نے اُس کو کیا ہدایت

اُن کے بھی باہم دوسری طرح پر اختلاف ہے ایک گروہ اعظم کی یہ رائے ہے کہ معراج ابتدا سے اخیر تک بجسدہ اور جاگنے کی حالت میں ہوئی تھی - ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ معراج ابتدا سے آخر تک سونے کی حالت میں یعنی بالروح بطور خواب کے ہوئی تھی - ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک بجسدہ جاگنے کی حالت میں اور وہاں سے آسمانوں تک بالروح ہوئی تھی - شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک چوتھی رائے قائم کی ہے کہ معراج بجسدہ ہوئی تھی اور جاگتے میں مگر بجسد برزخی بین المثال والشہادۃ چنانچہ ان سب رایوں کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں +

قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفا میں لکھا ہے - پھر اگلے لوگوں اور عالموں کے اسرار کے روحانی یا جسمانی ہونے میں تین مختلف قول ہیں - ایک گروہ اسرا کی روح کے ساتھ اور خواب میں ہونے کا قائل ہے - اور اس پر بھی متفق ہیں کہ پیغمبروں کا خواب وحی اور حق ہوتا ہے - معاویہ کا مذہب بھی یہی ہے حسن بصری کو بھی اسی کا قائل بتاتے ہیں - لیکن اُن کا مشہور قول اس کے برخلاف ہے - اور محمد ابن اسحٰق نے اس طرف اشارہ کیا ہے - اُن کی دلیل ہے خدا کا یہ فرمانا کہ نہیں کیا ہم نے وہ خواب جو دکھایا تجھ کو مگر آزمائش واسطے لوگوں کے اور حضرت عائشہ کا یہ قول کہ نہیں کھویا میں نے رسول اللہ کے جسم کو یعنی آپ کا جسم مبارک معراج میں نہیں گیا تھا اور آنحضرت کا یہ فرمانا کہ اس حالت میں کہ میں سوتا تھا اور انس کا یہ قول کہ آنحضرت اُس وقت مسجد حرام میں سوتے تھے - پھر معراج کا قصہ بیان کر کے آخر میں کہا کہ میں جاگا اور اُس وقت مسجد حرام میں تھا بہت سے اگلے لوگ اور مسلمان اس بات کے قائل ہیں کہ اسرا جسم کے ساتھ اور

ثم اختلف السلف والعلماء هل كان اسراؤه بروحه او جسده على ثلاث مقالات فذهبت طائفة الى انه اسراء بالروح وانه رؤيا منام مع اتفاقهم ان رؤيا الانبياء وحي وحق والى هذا ذهب معاوية وحكي عن الحسن والمشهور عنه خلافه واليه اشار محمد بن اسحاق وحجتهم قوله تعالى وما جعلنا الرؤيا التي اريناك الا فتنة للناس وما حكوا عن عائشة ما فقدت جسد رسول الله صلى الله عليه وسلم وقوله بينا انا نائم وقول انس وهو نائم في المسجد الحرام وذكر القصة ثم قال في آخرها فاستيقظت وانا بالمسجد الحرام - وذهب معظم السلف والمسلمين الى انه اسراء بالجسد في اليقظة وهو الحق وهذا قول ابن عباس وجابر وانس وحذيفة وعمر وابي هريرة ومالك بن صعصعة وابي حبة البدري وابن مسعود والضحاك وسعيد بن جبير وقتادة وابن المسيب وابن شهاب وابن زيد والحسن وابراهيم ومسروق ومجاهد وعكرمة وابن جريج وهو دليل قول عائشة وهو قول الطبري وابن حنبل وجماعة عظيمة من المسلمين وهو قول اكثر المتأخرين من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين والمفسرين - وقالت طائفة كان الاسراء بالجسد يقظة الى بيت المقدس والى السماء بالروح واحتجوا بقوله سبحان الذي اسرى بعبده ليلا

لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	بنی اسرائیل کے لئے
من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی غایۃ الاسرا موقع التعجب بعظیم القدرۃ والتمدح بتشریف النبی محمد بہ واظہار الکرامۃ لہ بالاسراء الیہ ولو کان الاسراء بجسدہ الی زائد علی المسجد الاقصی لذکرہ فیکون ابلغ فی المدح۔ (قاضی عیاض شفا صفحہ ۸۰ و ۸۱) +	جاگتے کی حالت میں ہوئی اور یہی بات حق ہے ابن عباس - جابر - انس - حذیفہ عمر - ابی ہریرہ - مالک بن صعصعہ - ابوحبۃ البدری - ابن مسعود - ضحاک - سعید بن جبیر - قتادہ - ابن المسیب - ابن شہاب - ابن زید - حسن - ابراہیم - مسروق -

مجاہد - عکرمہ - اور ابن جریج سب کا یہی مذہب ہے - اور حضرت عایشہ کے قول کی یہی دلیل ہے اور طبری - ابن حنبل اور مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کا یہی قول ہے - متاخرین میں سے بہت سے فقیہ - محدث - متکلم اور مفسر اسی مذہب پر ہیں - ایک گروہ بیت المقدس تک جسم کے ساتھ بیداری میں جانے اور آسمانوں پر روح کے ساتھ جانے کا قائل ہے - اُن کی دلیل خدا کا یہ قول ہے جہاں فرمایا پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصے تک یہاں اسرا کی انتہا مسجد اقصے بیان کی ہے - پھر ایسی بڑی قدرت اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بزرگی دینے اور اپنے پاس بلانے سے اُن کی بزرگی ظاہر کرنے پر تعریف کی اور تعجب کیا ہے اور اگر مسجد اقصے سے اوپر بھی جسم کے ساتھ جاتے تو اس کا ذکر کرنا تعریف کے موقع پر زیادہ مناسب تھا +

اور یہی عبارت جو شفا قاضی عیاض میں ہے عینی شرح بخاری میں نقل کی گئی ہے - مگر شفا قاضی عیاض میں حضرت عایشہ کی روایت میں جہاں لفظ ما فقدت کا ہے - وہاں صرف لفظ ما فقد ہے بغیر (ت) کے (عینی شرح بخاری جلد ہفتم مطبوعہ مصر صفحہ ۲۲۹) +

اور مولوی احمد حسن مراد آبادی کی تصحیح و تحشی سے جو شفا قاضی عیاض چھاپی گئی ہے اُس میں لکھا ہے - وروی عنہا (عن عایشۃ) ما فقد بصیغۃ المجہول وھو اظہر فی الاحتجاج یعنی فقد مجہول کے صیغہ سے بغیر (ت) کے ہے اور صاحب معالم التنزیل نے بھی روایت عایشہ میں لفظ فقد بغیر تار کے بیان کیا ہے +

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ لکھا ہے - کہ پیغمبر خدا کو مسجد اقصے تک

واسری بہ الی المسجد الاقصی ثم الی سدرۃ المنتہی والی ما شاء اللہ وکل ذلک بجسدہ فی الیقظۃ ولکن ذلک فی موطن ھو برزخ بین المثال والشہاد جامع لاحکامہما فظہر علی الجسد احکام الروح وتمثل الروح والمعانی الروحیۃ اجسادا ولذلک بان لکل	پھر سدرۃ المنتہے تک اور جہاں تک خدا نے چاہا معراج ہوئی اور یہ سب واقعہ جسم کے ساتھ بیداری میں ہوا - لیکن ایسی حالت میں کہ وہ حالت عالم مثال اور عالم شہادت کے برزخ

لَا تَتَّخِذُوْا	کہ نہ پکڑو

واقعة من تلك الوقائع تعبير وقد ظهر لحزقيل وموسى وغيرهما نحو من تلك الوقائع وكذلك لاولياء الامة ليكون علو درجاتهم عند الله كما هو في الرؤيا والله اعلم -

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۰۷) ✦

اُن دونوں احکام کی جامع تھی - روح کے آثار جسم پر طاری ہوئے اور روح اور روح کی کیفیتیں جسم کی شکل میں آگئیں - اسی لئے ان میں سے ہر ایک واقعہ کی ایک جدا تعبیر ہے حزقیل اور موسٰے وغیرہ انبیا پر بھی ایسے ہی حالات گذر چکے ہیں - اسی طرح کے واقعات اولیاے اُمت کو پیش آتے ہیں تاکہ اُن کے مرتبے خدا کے نزدیک بلند ہوں جیسے کہ اُن کا حال خواب میں ہوتا ہے ✦

ان چار صورتوں کے سوا اور کوئی صورت معراج کی نہیں ہو سکتی - اور اس لئے ہم کو ضرور ہے کہ ان چاروں صورتوں میں سے کوئی صورت معراج کی اختیار کریں - اور جس صورت کو اختیار کریں اُس کی دلیلیں بیان کریں - اور جو اعتراض اُس پر وارد ہوتے ہوں اُن کے جواب دیں مگر قبل اس کے کہ اس امر کو اختیار کریں - مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول صحاح ستہ کی اُن حدیثوں کو نقل کریں جو معراج سے متعلق ہیں - اور اُن کے اختلافات کو بتائیں - اور تنقیح کریں کہ اُن مختلف حدیثوں سے کیا امر ظاہر ہوتا ہے اور اگر کسی حدیث کو ترجیح دیں - تو وجہ ترجیح کو بیان کریں - واضح ہو کہ مؤطا امام مالک اور ابو داؤد میں کوئی حدیث متعلق معراج کے نہیں ہے بخاری - مسلم - ترمذی - نسائی اور ابن ماجہ میں ہیں جن کو ہم بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں ✦

احادیث بخاری

حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن يونس عن ابن شهاب عن انس بن مالك قال كان ابو ذر يحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فرج عن سقف بيتي وانا بمكة فنزل جبريل ففرج صدري ثم غسله بماء زمزم ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة وايمانا فافرغه في صدري ثم اطبقه ثم اخذ بيدي فعرج بي الى السماء فلما جئت الى السماء الدنيا قال جبريل عليه السلام لخازن السماء افتح قال من هذا قال هذا جبريل قال هل معك احد قال نعم معي محمد فقال ارسل اليه قال نعم فلما فتح علونا السماء الدنيا فاذا رجل قاعد على يمينه اسودة وعلى يساره اسودة

حدیث کی ہم سے یحیٰی بن بکیر نے اُس نے کہا حدیث کی ہم سے لیث نے یونس سے اور اُس نے ابن شہاب سے اور اُس نے انس بن مالک سے اُنہوں نے کہا ابو ذر بیان کرتے تھے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت شق ہوئی اور میں اُس وقت مکہ میں تھا - پھر جبریل نازل ہوئے اور اُنہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور اُس کو آب زمزم سے دھویا پھر حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا ایک سونے

مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ﴿۲﴾

اذا نظر قبل یمینه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى فقال مرحبا بالنبى الصالح والابن الصالح قلت لجبريل من هذا قال هذا ادم وهذه الاسودة عن يمينه وشماله نسم بنيه فاهل اليمين منهم اهل الجنة والاسودة التى عن شماله اهل النار فاذا نظر عن يمينه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى حتى عرج بى الى السماء الثانية فقال لخازنها افتح فقال له خازنها مثل ما قال الاول ففتح قال انس فذكر انه وجد فى السموات ادم وادريس وموسى وعيسى وابراهيم ولم يثبت كيف منازلهم غير انه ذكر انه وجد ادم فى السماء الدنيا وابراهيم فى السماء السادسة ۔ قال انس فلما مر جبريل عليه السلام بالنبى صلى الله عليه وسلم بادريس قال مرحبا بالنبى الصالح والاخ الصالح فقلت من هذا قال هذا ادريس ثم مررت بموسى فقال مرحبا بالنبى الصالح والاخ الصالح قلت من هذا قال هذا موسى ثم مررت بعيسى فقال مرحبا بالنبى الصالح والاخ الصالح قلت من هذا قال هذا عيسى ثم مررت بابراهيم فقال مرحبا بالنبى الصالح والابن الصالح قلت من هذا قال هذا ابراهيم ۔ قال ابن شهاب فاخبرنى ابن حزم ان ابن عباس وابا حبة الانصارى كانا يقولان قال النبى صلى الله عليه وسلم ثم عرج بى حتى ظهرت لمستوى اسمع فيه صريف الاقلام ۔ قال ابن حزم وانس بن مالك قال النبى صلى الله عليه وسلم ففرض الله عز وجل على امتى خمسين صلوة فرجعت بذلك حتى مررت على موسى فقال ما فرض الله لك على امتك قلت فرض خمسين صلوة ۔ قال فارجع الى ربك فان امتك لا تطيق ۔ فراجعت فوضع شطرها ۔ فرجعت الى موسى قلت وضع شطرها ۔ فقال راجع ربك فان امتك لا تطيق ذلك فراجعت فوضع شطرها فرجعت اليه فقال ارجع الى ربك فان امتك لا تطيق ذلك فراجعته فقال هى خمس وهى خمسون لا يبدل القول لدى

میرے سوا کوئی کارساز ﴿۲﴾

کا لگن لائے اور اُس کو میرے سینہ میں انڈیل دیا ۔ پھر میرے سینہ کو برابر کر دیا پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان تک لے گئے ۔ جب میں آسمان دنیا تک پہنچا ۔ تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے محافظ سے کہا کہ دروازہ کھولیے ۔ اُس نے کہا کون ہے ؟ جبریل نے کہا میں ہوں اُس نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی ہے ؟ کہا ہاں میرے ساتھ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ کہا کیا بلائے گئے ہیں ۔ کہا ہاں ۔ جب دروازہ کھلا ہم آسمان اول پر چڑھے دیکھا تو ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جس کے دائیں طرف بہت سی دھندلی صورتیں ہیں ۔ دائیں طرف دیکھ کر ہنستا ہے اور بائیں طرف دیکھ کر روتا ہے ۔ اُس نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور فرزند صالح ۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہے ۔ جبریل نے کہا یہ آدم ہے اور یہ دھندلی صورتیں جو اس کے دائیں اور بائیں طرف ہیں ۔ اس کی اولاد کی روحیں ہیں ان میں سے دائیں طرف والی جنتی ہیں ۔ اور بائیں طرف کی دوزخی اسی لئے دائیں طرف دیکھ کر ہنستا ہے اور بائیں طرف دیکھ کر روتا ہے پھر مجھ کو دوسرے آسمان تک لے گئے ۔ اور اُس کے محافظ سے کہا کھول ۔ اس محافظ نے بھی وہی کہا جو پہلے محافظ نے کہا تھا ۔ پھر دروازہ کھل گیا ۔ انس کہتے ہیں کہ پھر ذکر کیا کہ آسمانوں میں آدم ۔ ادریس ۔ موسے ۔ عیسے اور ابراہیم سے ملے اور اُن کے مقامات

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ	(ملے) اولاد اُس قوم کی جس کو ہم نے چڑھایا تھا نوح کے ساتھ

ثم رجعت الی موسیٰ فقال ارجع الی ربک فقلت استحییت من ربی ثم انطلق بی حتی انتہی بی الی سدرة المنتہیٰ وغشیہا الوان لا ادری ما ہی ثم ادخلت الجنة فاذا ہی حبائل اجنابذ اللؤلؤ واذا ترابہا المسک ۔

(صحیح بخاری مطبوعہ دہلی صفحات ۵۰ و ۵۱)

کی تعیین نہیں کی سوائے اس کے کہ پہلے آسمان پر آدم اور چھٹے آسمان پر ابراہیم سے ملنے کا ذکر کیا ہے انس کہتے ہیں جب جبرائیل علیہ السلام پیغمبر خدا کے ساتھ ادریس علیہ السلام کے پاس پہنچے - اُنہوں نے کہا اے نبی صالح اور برادر صالح - میں نے پوچھا یہ کون ہیں جبرئیل نے کہا یہ ادریس ہیں - پھر موسےٰ پر گذر ہوُا اُنہوں نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح - میں نے پوچھا یہ کون ہیں جبرئیل نے کہا یہ موسےٰ ہیں پھر میں عیسےٰ کے پاس پہنچا - اُنہوں نے کہا اے نبی صالح اور برادر صالح - میں نے پوچھا یہ کون ہیں کہا یہ عیسےٰ ہیں - پھر میں ابراہیم کے پاس پہنچا - اُنہوں نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور فرزند صالح - میں نے پوچھا یہ کون ہیں کہا یہ ابراہیم ہیں - ابن شہاب کہتے ہیں مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابو حبہ انصاری دونوں کہتے تھے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ پھر مجھ کو چڑھا لے گیا یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پہنچا جہاں سے قلموں کے چلنے کی آواز سنتا تھا - ابن حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا کہ خدا نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں - جب میں واپس ہو کر موسےٰ کے پاس آیا تو اُنہوں نے پوچھا کہ خدا نے آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا میں نے کہا پچاس نمازیں کہا پھر خدا کے پاس جائیے - آپ کی اُمت سے یہ فرض ادا نہ ہو سکیگا - میں پھر گیا تو خدا نے ان میں سے ایک حصہ کم کر دیا پھر موسےٰ کے پاس آیا اور میں نے کہا ایک حصہ اُن میں سے خدا نے کم کر دیا - کہا پھر جائیے آپ کی امت اس کا بھی تحمل نہ کر سکیگی - میں پھر گیا - خدا نے ایک حصہ اور کم کر دیا - پھر جب موسےٰ کے پاس آیا تو کہا پھر جائیے آپ کی اُمت یہ بھی ادا نہ کر سکیگی - میں پھر خدا کے پاس گیا - کہا پانچ نمازیں ہیں اور وہی پچاس کی برابر ہیں - میرا یہ قول نہیں بدلتا - میں موسےٰ کے پاس آیا تو کہا پھر جائیے میں نے کہا اب تو مجھے خدا سے شرم آتی ہے - پھر جبرئیل مجھے لے چلا - یہاں تک کہ میں سدرہ کے پاس پہنچ گیا اور اُس پر رنگ چھائے ہوئے تھے جن کی حقیقت میں نہیں جانتا - پھر میں جنت میں داخل ہوُا اور دیکھا کہ موتی کے قبے ہیں اور اس کی مٹی مشک خالص ہے ۔

حدیث بیان کی ہم سے ہدبہ بن خالد نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے ہمام نے قتادہ سے اور کہا مجھ سے خلیفہ نے حدیث بیان کی ہم سے یزید بن زریع نے کہا اُس نے

اِنَّهٗ كَانَ

حدثنا هدبة بن خالد حدثنا همام عن قتادة وقال لي خليفة حدثنا يزيد بن زريع حدثنا سعيد وهشام حدثنا قتادة حدثنا انس بن مالك عن مالك بن صعصعة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم بينا انا عند البيت بين النائم واليقظان فذكر رجلا بين الرجلين فاتيت بطست من ذهب ملان حكمة وايمانا فشق من النحر الى مراق البطن ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملئ حكمة وايمانا واتيت بدابة ابيض دون البغل وفوق الحمار البراق فانطلقت مع جبريل حتى اتينا السماء الدنيا قيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال محمد قيل وقد ارسل اليه قال نعم مرحبا به ولنعم المجئ جاء فاتيت على آدم فسلمت عليه فقال مرحبا بك من ابن ونبي فاتينا السماء الثانية قيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال محمد قيل وارسل اليه قال نعم قيل مرحبا به ولنعم المجئ جاء فاتيت على عيسى ويحيى فقالا مرحبا بك من اخ ونبي فاتينا السماء الثالثة قيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال محمد قيل وقد ارسل اليه قال نعم قيل مرحبا به ولنعم المجئ جاء فاتيت على يوسف فسلمت عليه فقال مرحبا بك من اخ ونبي فاتيت السماء الرابعة قيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قيل محمد صلى الله عليه وسلم قيل وقد ارسل اليه قيل نعم قيل مرحبا به ولنعم المجئ جاء فاتيت على ادريس فسلمت عليه فقال مرحبا بك من اخ ونبي فاتيت السماء الخامسة قيل من هذا قيل جبريل قيل ومن معك قيل محمد قيل وقد ارسل اليه قيل نعم قيل مرحبا به ولنعم المجئ جاء فاتينا على هارون فسلمت عليه فقال مرحبا بك من اخ ونبي فاتينا السماء السادسة قيل من هذا قيل جبريل قيل ومن معك قيل محمد صلى الله عليه وسلم قيل وقد ارسل اليه قيل نعم قيل مرحبا به ولنعم المجئ جاء فاتيت على موسى فسلمت عليه فقال مرحبا بك من اخ ونبي فلما جاوزت بكى فقيل ما ابكاك قال يا رب هذا الغلام الذي بعث بعدي يدخل الجنة من

بیشک وہ تھا

حدیث بیان کی ہم سے سعید او ہشام نے، کہا انھوں نے حدیث بیان کی ہم سے قتادہ نے اس نے حدیث بیان کی ہم سے انس بن مالک نے مالک بن صعصعہ سے کہا اس نے فرمایا رسول خدا نے کہ میں کعبہ کے پاس کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا پھر ذکر کیا ایک شخص کا دو شخصوں کے درمیان پھر سونے کا لگن حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا لایا گیا۔ پھر میرا سینہ پیٹ کی نرم جگہ تک چیرا گیا۔ پھر اندر کی چیز (دل) آب زمزم سے دھو کر حکمت اور ایمان سے بھر دیا۔ اور ایک سفید رنگ کا جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ یعنی براق۔ پھر میں جبریل کے ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ ہم پہلے آسمان تک پہنچے۔ پوچھا گیا کہ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا گیا وہ بلائے گئے ہیں کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا۔ پھر میں آدم کے پاس آیا اور ان کو سلام کیا کہا مرحبا اے فرزند اور نبی پھر میں عیسٰے اور یحیٰے کے پاس آیا دونوں نے کہا مرحبا اے بھائی اور نبی پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے پوچھا یہ کون ہے۔ کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نے پوچھا کیا بلائے گئے ہیں کہا ہاں۔ کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا۔ پھر میں یوسف کے پاس آیا اور ان کو سلام کیا۔ کہا مرحبا تم پر اے بھائی اور نبی پھر ہم چوتھے آسمان پر پہنچے پوچھا کون ہے کہا جبریل پوچھا

عَبْدًا شَكُوْرًا ③	ایک بندہ شکر کرنیوالا ③

استا افضل مما يدخل من اُمتى فاتيت السماء السابعة قيل من هذا قيل جبريل قيل ومن معك قيل محمد قيل وقد ارسل اليه مرحبا به ولنعم المجئ جاء فاتيت على ابراهيم فسلمت عليه فقال مرحبا بك من ابن ونبي فرفع لى البيت المعمور فسالت جبريل فقال هذا البيت المعمور يصلى فيه كل يوم سبعون الف ملك اذا خرجوا لم يعودوا اخر ما عليهم ورفعت لى سدرة المنتهى فاذا نبقها كانه قلال هجر وورقها كانه اذان الفيول فى اصلها اربعة انهار نهران باطنان ونهران ظاهران فسالت جبريل فقال اما الباطنان ففى الجنة واما الظاهران فالفرات والنيل - ثم فرضت على خمسون صلوة فاقبلت حتى جئت موسى فقال ما صنعت قلت فرضت على خمسون صلوة قال انا اعلم بالناس منك عالجت بنى اسرائيل اشد المعالجة وان امتك لا تطيق فارجع الى ربك فسله فرجعت فسألته فجعلها اربعين ثم مثله ثم ثلثين ثم مثله فجعل عشرين ثم مثله فجعل عشرا فاتيت موسى فقال مثله فجعلها خمسا فاتيت موسى فقال ما صنعت قلت جعلها خمسا فقال مثله قلت سلمت فنودى انى قد امضيت فريضتى وخففت عن عبادى واجزى الحسنة عشرا وقال همام عن قتادة عن الحسن عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم فى البيت المعمور +

(صحیح بخاری مطبوعہ دہلی صفحات ۴۵۵ و ۴۵۶) +

تیرے ساتھ اور کون ہے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں - کہا کیا بلائے گئے ہیں کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا پھر میں ادریس کے پاس آیا اور اُن کو سلام کیا کہا مرحبا تم پر اے بھائی اور نبی پھر میں پانچویں آسمان پر پہنچا - پوچھا کون ہے کہا جبریل کہا تیرے ساتھ اور کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں - کہا کیا بلائے گئے ہیں کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا - پھر ہم ہارون کے پاس پہنچے میں نے اُن کو سلام کیا - کہا مرحبا تم پر اے نبی اور برادر پھر ہم چھٹے آسمان پر پہنچے پوچھا کون ہے کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا کہ بلائے گئے ہیں - کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا - پھر میں موسےٰ کے پاس پہنچا - اُن کو میں نے سلام کیا - کہا مرحبا اے برادر اور نبی - جب میں وہاں سے بڑھا تو وہ روئے پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو - کہا اے خدا یہ لڑکا جو میرے بعد مبعوث ہوا ہے - اس کی اُمت کے لوگ میری اُمت والوں سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے - پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے کہا کون ہے - کہا جبریل کہا تیرے ساتھ کون ہے - کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں - پوچھا کہ بلائے گئے ہیں کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا - پھر میں ابراہیم کے پاس پہنچا - میں نے اُن کو سلام کیا کہا مرحبا تم پر اے فرزند اور نبی پھر بیت المعمور میرے قریب لایا گیا میں نے جبریل سے پوچھا تو کہا یہ بیت المعمور ہے - اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں - اور جب یہاں سے نکلتے ہیں تو پھر کبھی نہیں آتے - پھر سدرۃ المنتہےٰ مجھ سے نزدیک ہوا - جس کے بیر ہجر کے مٹکوں کے برابر بڑے تھے اور پتے ہاتھیوں کے کان کی برابر تھے - چار نہریں اس کی جڑ میں سے نکلتی تھیں میں نے

وَقَضَيْنَآ	اور ہم نے حکم بھیجدیا

جبرئیل سے پوچھا تو کہا دو پوشیدہ نہریں تو جنت میں ہیں ۔ اور دو ظاہر فرات اور نیل ہیں پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں پھر میں موسٰے کے پاس آیا ۔ پوچھا آپ نے کیا کیا ۔ میں نے کہا مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئی ہیں ۔ کہا میں لوگوں کے حال سے آپ سے زیادہ واقف ہوں ۔ میں نے بنی اسرائیل کی سوج میں سخت تکلیف اُٹھائی ہے ۔ آپ کی اُمت اُس کا تحمل نہ کر سکیگی آپ خدا کے پاس پھر جائے ۔ اور درخواست کیجئے میں پھر گیا اور خدا سے سوال کیا تو چالیس نمازوں کا حکم دیا ۔ پھر ایسا ہی ہوا پھر تیس کا حکم دیا پھر ایسا ہی ہوا پھر بیس کا حکم دیا ۔ پھر ایسا ہی ہوا پھر دس کا حکم دیا پھر میں موسٰے کے پاس آیا پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا ۔ پھر خدا نے پانچ نمازوں کا حکم دیا میں پھر موسٰے کے پاس آیا ۔ کہا آپ نے کیا کیا میں نے کہا اب پانچ کا حکم دیا ہے موسٰے نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا ۔ میں نے کہا اب تو میں قبول کر چکا ۔ پھر آواز آئی کہ ہم نے اپنا فرض جاری کیا ۔ اور اپنے بندوں کو آسانی دی ۔ اور ہم ایک نیکی کے بدلے دس کا ثواب دینگے ۔ ہمام نے قتادہ سے اُس نے حسن سے اور اُس نے ابوہریرہ سے اور انہوں نے پیغمبر خدا صلعم سے روایت کی ہے کہ یہ واقعہ بیت المعمور میں ہوا ÷

قال حدثنا هدبه بن خالد قال حدثنا همام بن يحيى حدثنا قتادة عن انس بن مالك عن مالك بن صعصعه ان النبى صلى الله عليه وسلم حدثهم عن ليلة اسرى به بينما انا فى الحطيم وربما قال فى الحجر مضطجعا اذا اتانى آت فقد قال وسمعته يقول فشق ما بين هذه الى هذه يعنى من ثغرة نحره الى شعرته وسمعته يقول من قصته الى شعرته فاستخرج قلبى ثم اتيت بطست من ذهب مملوة ايمانا فغسل قلبى ثم حشى ثم اعيد ثم اتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار ابيض وهو البراق يضع خطوه عند اقصى طرفه فحملت عليه فانطلق بى جبريل حتى اتى السماء الدنيا فاستفتح فقيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال محمد قيل وقد ارسل اليه قال نعم قيل مرحبا به فنعم المجيء جاء ففتح فلما خلصت فاذا فيها آدم فقال هذا ابوك آدم فسلم عليه فسلمت عليه فرد السلام ثم قال مرحبا بالابن الصالح

حدیث بیان کی ہم سے ہدبہ بن خالد نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے ہمام بن یحیٰے نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے قتادہ نے انس بن مالک سے اُس نے مالک بن صعصعہ سے کہ پیغمبر خدا نے ذکر کیا اُن سے معراج کی رات کا کہ اُس حالت میں کہ میں حطیم میں تھا اور کبھی کہا میں حجر میں کروٹ پر سوتا تھا ۔ کہ ایک آنے والا آیا پھر اُس نے چیرا اور میں نے سُنا کہ فرمایا یہاں سے یہاں تک کیا یعنی گلے کے گڑھے سے بالوں کی جگہ تک اور میں نے سُنا کہ فرمایا سینہ کے سرے سے بالوں کی جگہ تک پھر میرا دل نکالا پھر ایمان سے بھرا ہوا سونے کا لگن لایا گیا اور میرا دل دھویا گیا پھر بھرا گیا پھر وہیں رکھ دیا گیا جہاں پہلے تھا ۔ پھر ایک جانور سواری کا لایا گیا خچر سے

الی بنی اسرائیل

والنبی الصالح ثم صعد حتی اتی السماء الثانیة فاستفتح قیل من هذا قال جبریل قیل ومن معك قال محمد قیل وقد ارسل الیه قال نعم قیل مرحبا به فنعم المجئ جاء ففتح فلما خلصت اذا یحیی وعیسی وهما ابنا الخالة قال هذا یحیی وعیسی فسلم علیهما فسلمت فردا ثم قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح ثم صعد بی الی السماء الثالثة فاستفتح قیل من هذا قال جبریل قیل ومن معك قال محمد قیل وقد ارسل الیه قال نعم قیل مرحبا به فنعم المجئ جاء ففتح فلما خلصت اذا یوسف قال هذا یوسف فسلم علیه فسلمت علیه فرد ثم قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح ثم صعد بی حتی اتی السماء الرابعة فاستفتح قیل من هذا قال جبریل قیل ومن معك قال محمد قیل وقد ارسل الیه قال نعم قیل مرحبا به فنعم المجئ جاء ففتح فلما خلصت اذا ادریس قال هذا ادریس فسلم علیه فسلمت علیه فرد ثم قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح ثم صعد بی حتی اتی السماء الخامسة فاستفتح قیل من هذا قال جبریل قیل ومن معك قال محمد قیل وقد ارسل الیه قال نعم قیل مرحبا به فنعم المجئ جاء فلما خلصت فاذا هارون قال هذا هارون فسلم علیه فسلمت علیه فرد ثم قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح ثم صعد بی حتی اتی السماء السادسة فاستفتح قیل من هذا قال جبریل قیل ومن معك قال محمد قیل وقد ارسل الیه قال نعم قال مرحبا به فنعم المجئ جاء فلما خلصت فاذا موسی قال هذا موسی فسلم علیه فسلمت علیه فرد ثم قال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح فلما تجاوزت بکی فقیل له ما یبکیك قال ابکی لان غلاما بعث بعدی یدخل الجنة من امته اکثر ممن یدخلها من امتی ثم صعد بی الی السماء السابعة فاستفتح جبریل قیل من هذا قال جبریل قیل ومن معك

بنی اسرائیل کے پاس

چھوٹا گدھے سے بڑا سفید رنگ کا اور وہ براق تھا جو منتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا میں اس پر سوار ہوا اور جبریل میرے ساتھ چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان پہنچا اور اس نے دروازہ کھلوانا چاہا - پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل پوچھا گیا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کہا کیا بلائے گئے ہیں کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا پھر دروازہ کھل گیا جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں آدم ہیں - جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے باپ آدم ہیں ان کو سلام کیجئے میں نے سلام کیا - آدم نے سلام کا جواب دیا پھر کہا اے فرزند صالح اور نبی صالح مرحبا! پھر چڑھا یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچا - اور دروازہ کھلوانا چاہا! کہا گیا کون ہے کہا جبریل کہا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلعم ہیں کہا بلائے گئے ہیں کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا پھر دروازہ کھل گیا - جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ یحیٰے و عیسےٰ ہیں - اور وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں - جبریل نے کہا یہ عیسےٰ اور یحیٰے ہیں ان کو سلام کیجئے - میں نے سلام کیا - دونوں نے جواب دیا - پھر کہا مرحبا اے برادر صالح اور نبی صالح - پھر مجھ کو تیسرے آسمان پر چڑھا لے گیا - پھر اس نے دروازہ کھلوانا چاہا - پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل - کہا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں - کہا بلائے گئے ہیں -

فی الکتب

قال محمد قيل وقد بعث اليه قال نعم قال مرحبا به
فنعم المجيء جاء فلما خلصت فاذا ابراهيم قال هذا
ابوك فسلم عليه قال فسلمت عليه فرد السلام فقال مرحبا
بالابن الصالح والنبي الصالح ثم رفعت الى سدرة المنتهى
فاذا نبقها مثل قلال هجر واذا ورقها مثل آذان الفيلة
قال هذا سدرة المنتهى واذا اربعة انهار نهران باطنان
ونهران ظاهران فقلت ما هذان يا جبريل قال اما الباطنان
فنهران في الجنة واما الظاهران فالنيل والفرات ثم
رفع لي البيت المعمور ثم اتيت باناء من خمر واناء من
لبن واناء من عسل فاخذت اللبن فقال هي الفطرة انت
عليها وامتك ثم فرضت على الصلوات خمسين صلوات
كل يوم فرجعت فمررت على موسى فقال بم امرت بخمسين صلوات كل يوم
قال ان امتك لا تستطيع خمسين صلوة كل يوم و
اني والله قد جربت الناس قبلك وعالجت بني اسرائيل
اشد المعالجة فارجع الى ربك فسله التخفيف لامتك فرجعت
فوضع عني عشرا فرجعت الى موسى فقال مثله فرجعت
فوضع عني عشرا فرجعت الى موسى فقال مثله فرجعت
فوضع عني عشرا فرجعت الى موسى فقال مثله فرجعت
فامرت بعشر صلوات كل يوم فرجعت فقال مثله فرجعت
فامرت بخمس صلوات كل يوم فرجعت الى موسى فقال بم
امرت قلت امرت بخمس صلوات كل يوم قال ان امتك
لا تستطيع خمس صلوات كل يوم واني قد جربت الناس
قبلك وعالجت بني اسرائيل اشد المعالجة فارجع الى
ربك فسله التخفيف لامتك قال سالت ربي حتى
استحييت ولكني ارضى واسلم قال فلما جاوزت
نادى مناد امضيت فريضتي وخففت عن عبادي

(صفحات ۵۴۸ و ۵۴۹ و ۵۵۰ صحیح بخاری
مطبوعہ دہلی)۔

کتاب میں

کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا۔ پھر دروازہ
کھل گیا اور میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں یوسف
ہیں۔ جبریل نے کہا کہ یہ یوسف ہیں۔ ان کو
سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ یوسف نے
جواب دیا اور کہا مرحبا اے برادر صالح اور نبی
صالح پھر مجھ کو چوتھے آسمان پر چڑھا لے گیا
وہاں بھی دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کون
ہے کہا جبریل کہا تیرے ساتھ کون ہے۔
کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیا بلائے گئے
ہیں۔ کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا پھر دروازہ
کھل گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا وہاں ادریس
ہیں۔ جبریل نے کہا یہ ادریس ہیں ان کو سلام
کیجئے۔ میں نے سلام کیا ادریس نے جواب دیا
اور کہا مرحبا اے برادر صالح اور نبی صالح۔ پھر
مجھ کو پانچویں آسمان پر چڑھا لے گیا اور وہاں
بھی دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے
کہا جبریل کہا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد
صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کہا کیا بلائے گئے ہیں
کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا جب میں
پہنچا تو دیکھا وہاں ہارون ہیں۔ جبریل نے
کہا یہ ہارون ہیں ان کو سلام کیجئے میں نے
سلام کیا ہارون نے سلام کا جواب دیا اور کہا
مرحبا اے برادر صالح اور نبی صالح پھر مجھ کو چھٹے
آسمان پر لے گیا اور دروازہ کھلوانا چاہا پوچھا
گیا کہ کون ہے کہا جبریل کہا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہا کیا وہ
بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا پھر میں پہنچا تو دیکھا وہاں موسے ہیں

لَتُفْسِدُنَّ	کہ البتہ تم فساد کرو گے

جبرئیل نے کہا یہ موسٰے ہیں ان کو سلام کیجئے۔ مَیں نے سلام کیا۔ موسٰے نے جواب دیا پھر کہا مرحبا اے برادر صالح اور نبی صالح۔ جب میں وہاں سے آگے بڑھا موسٰے رو دئے۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں کہا میں اس لئے روتا ہوں کہ اس لڑکے کی امت کے لوگ جو میرے بعد مبعوث ہوا ہے۔ میری امت والوں سے زیادہ جنت میں جائیں گے پھر مجھ کو ساتویں آسمان پر لے گیا اور دروازہ کھلوانا چاہا پوچھا گیا کون ہے کہا جبرئیل کہا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہا کیا طلب کئے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا پھر جب میں پہنچ گیا تو دیکھا وہاں ابراہیم ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ آپ کے دادا ابراہیم ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ مَیں نے سلام کیا سلام کا جواب دیا اور کہا مرحبا اے فرزند صالح اور نبی صالح پھر سدرۃ المنتہٰے مجھ سے نزدیک ہوا مَیں نے دیکھا کہ اس کے پھل ہجر مشکوں کے برابر اور پتے ہاتھیوں کے کان کی برابر ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ سدرۃ المنتہٰی ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ اس کی جڑ سے چار نہریں نکلتی ہیں دو پوشیدہ اور دو ظاہر۔ مَیں نے کہا اے جبرئیل یہ کیا ہیں۔ کہا دو پوشیدہ نہریں تو جنت میں جاتی ہیں اور دو ظاہر نیل اور فرات ہیں۔ پھر بیت المعمور مجھ سے نزدیک ہوا۔ پھر ایک ظرف شراب سے دوسرا دودھ سے اور تیسرا شہد سے بھرا ہوا پیش کیا گیا مَیں نے دودھ کو پسند کیا جبرئیل نے کہا یہی آپ کی فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی اُمت پیدا ہوئی ہے۔ پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر میں اُن پھرا اور موسٰے کے پاس آیا پوچھا کیا حکم ہوا۔ مَیں نے کہا ہر روز پچاس نمازوں کا حکم ہوا ہے کہا آپ کی اُمت پچاس نمازیں ہر روز ادا نہیں کر سکیگی۔ اور خدا کی قسم میں آپ سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کی اصلاح میں سخت تکلیف اُٹھا چکا ہوں۔ خدا کے پاس پھر جائیے۔ اور اپنی اُمت کے لئے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ میں پھر گیا اور خدا نے دس نمازیں کم کر دیں۔ اور مَیں پھر موسٰے کے پاس آیا۔ موسٰے نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ مَیں پھر گیا اور خدا نے دس اور کم کر دیں پھر موسٰے کے پاس آیا موسٰے نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا مَیں پھر گیا اور خدا نے دس نمازیں اور کم کر دیں۔ پھر موسٰے کے پاس آیا پھر بھی وہی کہا جو پہلے کہا تھا مَیں پھر گیا تو ہر روز دس نمازوں کا حکم ہوا۔ جب میں موسٰے کے پاس آیا تو پھر بھی کہا جو پہلے کہا تھا۔ مَیں پھر گیا اب کی دفعہ ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا۔ لوٹ کر موسٰے کے پاس آیا تو پوچھا کیا ہوا مَیں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ کہا آپ کی امت

زمین میں	فِی الْاَرْضِ

ہر روز پانچ نمازیں ادا نہیں کرسکیگی۔ میں آپ سے پہلے لوگوں کو آزما چکا ہوں اور بنی اسرائیل کی اصلاح میں تکلیف اُٹھا چکا ہوں۔ آپ پھر جائیے اور اپنی امت کے لئے کمی کی درخواست کیجئے۔ کہا میں نے اپنے رب سے سوال کیا یہاں تک کہ مجھے شرم آئی اب تو میں راضی ہوں اور اسی کو قبول کرتا ہوں۔ کہا جب میں اُس مقام سے چلا تو ایک پکارنے والے نے پکارا میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں پر آسانی کی +

حدثنا محمد بن بشار حدثنا غندر حدثنا شعبة عن قتادة وقال لی خلیفة حدثنا یزید بن زریع حدثنا سعید عن قتادة عن ابی العالیة حدثنا ابن عم نبیکم صلی اللہ علیه وسلم یعنی ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال رایت لیلة اسری بی موسی رجلا آدم طوالا جعدا کانه من رجال شنوءة ورایت عیسی رجلا مربوعا مربوع الخلق الی الحمرة والبیاض سبط الراس ورایت مالکا خازن النار والدجال فی آیات اراهن اللہ ایاه فلا تکن فی مریة من لقائه قال انس وابو بکرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم تحرس الملائکة المدینة من الدجال (صحیح بخاری صفحہ ۳۰۹) +

حدیث بیان کی ہم سے محمد بن بشار نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے غندر نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے شعبہ نے قتادہ سے اور کہا مجھ سے خلیفہ نے حدیث بیان کی ہم سے یزید بن زریع نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے سعید نے قتادہ سے اُس نے ابو العالیہ سے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے تمہارے نبی کے چچا کے بیٹے نے یعنی ابن عباس نے پیغمبر خدا سے فرمایا میں نے دیکھا معراج کی شب موسےٰ کو لمبے قد کا اور گھونگر یالے بالوں والا گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ کے مردوں میں سے ہیں۔ اور میں نے عیسےٰ کو دیکھا میانہ قد میانہ بدن رنگت مائل بسرخی وسفیدی بال چھوٹے ہوئے۔ اور میں نے دیکھا مالک محافظ دوزخ کو اور دجال کو اُن نشانیوں میں جو خدا نے دکھائیں۔ پس نہ شک کر تو اس کے دیکھنے میں۔ روایت کی انس نے اور ابو بکرہ نے پیغمبر خدا سے کہ فرشتے مدینہ کو دجال سے بچاتے اور اُس کی نگہبانی کرتے ہیں +

حدثنا عبدان حدثنا عبد اللہ حدثنا یونس عن الزهری ح وحدثنا احمد بن صالح حدثنا عنبسة حدثنا یونس عن ابن شهاب قال قال انس بن مالک کان ابو ذر یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال فرج سقف بیتی وانا بمکة فنزل جبریل ففرج صدری ثم غسله بماء زمزم ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حکمة وایمانا فافرغها فی صدری ثم اطبقه ثم اخذ بیدی فعرج بی الی السماء فلما جاء الی السماء الدنیا

حدیث بیان کی ہم سے عبدان نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے عبداللہ نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے یونس نے زہری سے اور ہم سے حدیث بیان کی احمد بن صالح نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے عنبسہ نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے یونس نے ابن شہاب سے کہا اُس نے کہا انس بن مالک نے ابوذر حدیث بیان کرتے تھے کہ پیغمبر خدا

متن

قال جبریل لخازن السماء افتح قال من هذا قال هذا
جبریل قال هل معك احد قال معي محمد قال ارسل اليه
قال نعم ففتح فلما علونا السماء الدنيا فاذا رجل عن
يمينه اسودة وعن يساره اسودة فاذا نظر قبل يمينه
ضحك واذا نظر قبل شماله بكى فقال مرحبا بالنبي الصالح
والابن الصالح قلت من هذا يا جبريل قال هذا آدم
وهذه الاسودة عن يمينه وعن شماله نسم بنيه فاهل
اليمين منهم اهل الجنة والاسودة التي عن شماله اهل النار
فاذا نظر قبل يمينه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى ثم
عرج بي جبريل حتى اتى السماء الثانية فقال لخازنها
افتح فقال له خازنها مثل ما قال الاول ففتح قال انس
فذكر انه وجد في السموات ادريس وموسى وعيسى
وابراهيم ولم يثبت لي كيف منازلهم غير انه قد ذكر
انه قد وجد آدم في السماء الدنيا وابراهيم في السادسة
وقال انس فلما مر جبريل بادريس قال مرحبا بالنبي الصالح
والاخ الصالح فقلت من هذا قال هذا ادريس ثم مررت
بموسى فقال مرحبا بالنبي الصالح والاخ الصالح قلت
من هذا قال هذا موسى ثم مررت بعيسى فقال مرحبا
بالنبي الصالح والاخ الصالح قلت من هذا قال هذا
عيسى ثم مررت بابراهيم فقال مرحبا بالنبي الصالح
والابن الصالح قلت من هذا قال هذا ابراهيم قال
ابن شهاب فاخبرني ابن حزم ان ابن عباس وابا حبة
الانصاري كانا يقولان قال النبي صلى الله عليه وسلم
ثم عرج بي جبريل حتى ظهرت لمستوى اسمع صريف
الاقلام قال ابن حزم وانس بن مالك قال النبي صلى الله
عليه وسلم ففرض الله على خمسين صلوة فرجعت
بذلك حتى امر بموسى فقال موسى ما الذي فرض ربك
على امتك قلت فرض عليهم خمسين صلوة قال فرجع
ربك فان امتك لا تطيق ذلك فرجعت فراجعت
ربي فوضع شطرها فرجعت الى موسى فقال راجع
ربك فذكر مثله فوضع شطرها فرجعت الى موسى
فاخبرته فقال ذلك فعلت فوضع شطرها فرجعت
الى موسى فاخبرته فقال ارجع ربك فان امتك

ترجمہ

نے فرمایا۔ میرے گھر کی چھت شق کی گئی اور
میں اس وقت مکہ میں تھا۔ پھر جبریل نازل ہوا اور
میرا سینہ چیر کر آب زمزم سے دھویا پھر حکمت
و ایمان سے بھرا ہوا سونے کا لگن لایا اور اس کو
میرے سینہ میں الٹ دیا۔ پھر اُس کو برابر کر دیا
اور میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے چلا جب پہلے
آسمان پر پہنچا جبریل نے آسمان کے محافظ سے
کہا کھول کہا کون ہے کہا جبریل کہا تیرے ساتھ
کوئی ہے کہا میرے ساتھ محمد صلے اللہ علیہ وسلم
ہیں۔ کہا بلائے گئے ہیں کہا ہاں پھر دروازہ
کھل گیا۔ اور ہم آسمان اول پر جا پہنچے میں نے
دیکھا ایک مرد ہے جس کے دائیں بائیں بہت
سی صورتیں ہیں۔ دائیں طرف دیکھ کر ہنستا ہے
اور بائیں طرف دیکھ کر روتا ہے۔ اُس نے کہا
مرحبا اے نبی صالح اور فرزند صالح میں نے کہا
اے جبریل یہ کون ہے کہا یہ آدم ہیں اور یہ صورتیں
جو ان کے دائیں بائیں ہیں۔ اُن کی اولاد کی
روحیں ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے
جنتی اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لئے
دائیں طرف دیکھ کر ہنستے اور بائیں طرف دیکھ کر
روتے ہیں۔ پھر جبریل مجھ کو دوسرے آسمان
پر چڑھا لے گیا۔ اور محافظ سے کہا کھول اس محافظ
نے بھی وہی کہا جو پہلے محافظ نے کہا تھا۔ پھر
کھل گیا انس کہتے ہیں کہ ابو ذر نے آسمانوں پر
ادریس۔ موسے۔ عیسے اور ابراہیم کا ملنا تو بیان
کیا مگر اُن کے مقامات کی تعیین نہیں کی سوا

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿۴﴾	اور البتہ تم بڑھ جاؤگے بڑھ جانا بہت بڑا ﴿۴﴾

لا تطیق ذلک فرجعت فراجعت ربی فقال ھی خمس وھی خمسون لا یبدل القول لدی فرجعت الی موسیٰ فقال راجع ربک فقلت قد استحییت من ربی ثم انطلق حتی اتی بی السدرۃ المنتہی فغشیھا الوان لا ادری ما ھی ثم ادخلت الجنۃ فاذا فیھا جنابذ اللؤلؤ واذا ترابھا المسک ۔

(صحیح بخاری صفحات ۵۰ و ۴۷۱ و ۴۷۲) +

اس کے کہ آسمان اول پر آدم اور چھٹے آسمان پر ابراہیم کے ملنے کا ذکر کیا۔ انس کہتے ہیں جب جبریل کا گذر ادریس کے پاس ہوا۔ ادریس نے کہا مرحبا لے نبی صالح اور برادر صالح میں نے کہا یہ کون ہیں کہا یہ ادریس ہیں پھر میں موسیٰ کے پاس پہنچا موسے نے کہا مرحبا لے نبی صالح اور برادر صالح۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ کہا موسے ہیں۔ پھر میں عیسے کے پاس پہنچا عیسے نے کہا مرحبا لے نبی صالح اور برادر صالح میں نے پوچھا یہ کون ہیں کہا یہ عیسے ہیں۔ پھر میں ابراہیم کے پاس پہنچا۔ ابراہیم نے کہا مرحبا لے فرزند صالح اور نبی صالح میں نے پوچھا یہ کون ہیں کہا یہ ابراہیم ہیں۔ کہا ابن شہاب نے اور خبر دی مجھ کو ابن حزم نے کہ ابن عباس اور ابو حبۃ الانصاری دونوں کہتے تھے کہ رسول خدا نے فرمایا پھر مجھ کو جبریل ایسے مقام پر چڑھا لے گیا جہاں سے قلموں[1] کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ کہا ابن حزم اور انس بن مالک نے فرمایا رسول خدا نے کہ فرض کیں خدا نے مجھ پر پچاس نمازیں۔ پھر میں لوٹ کر موسے کے پاس آیا موسے نے پوچھا کہ خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا۔ میں نے کہا ان پر پچاس نمازیں فرض ہوئی ہیں کہا خدا کے پاس پھر جائیے آپ کی امت اس کا تحمل نہیں کرسکیگی۔ میں پھر خدا کے پاس گیا خدا نے ان میں سے ایک حصہ کم کر دیا۔ پھر میں موسے کے پاس آیا کہا پھر جائیے اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ پھر خدا نے ان میں سے ایک حصہ اور کم کر دیا۔ میں پھر موسے کے پاس آیا اور ان کو خبر دی موسے نے پھر کہا خدا کے پاس پھر جائیے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک حصہ خدا نے اور کم کر دیا۔ میں پھر موسے کے پاس آیا اور ان کو خبر دی۔ کہا خدا کے پاس پھر جائیے آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں پھر گیا۔ اور پھر سوال کیا کہا پانچ اور یہی پچاس ہیں۔ اب میرا قول نہیں بدلتا پھر میں موسے کے پاس آیا کہا خدا کے پاس پھر جائیے میں نے کہا مجھ کو خدا سے شرم آتی ہے پھر جبریل مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ پر لے گیا۔ کچھ رنگ اس پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کی حقیقت سے میں خبردار نہیں ہوں۔ پھر میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں موتی کے قبے اور مشک کی مٹی تھی +

حدیث کی ہم سے عبد العزیز بن عبد اللہ نے کہا اس نے حدیث کی مجھ سے سلیمان نے

[1] ای صوت الاقلام حال الکتابۃ کانت الملائکۃ تکتب الاقضیۃ +

فاذا جاء

حدثنا عبد العزیز بن عبد الله قال حدثني سليمان
عن شريك بن عبد الله انه قال سمعت انس بن مالك
يقول ليلة اسري برسول الله صلى الله عليه وسلم
من مسجد الكعبة انه جاءه ثلثة نفر قبل ان يوحى اليه
وهو نائم في المسجد الحرام فقال اولهم ايهم هو
فقال اوسطهم هو خيرهم فقال آخرهم خذوا خيرهم
فكانت تلك الليلة فلم يرهم حتى اتوه ليلة اخرى فيما يرى
قلبه وتنام عينه ولا ينام قلبه وكذلك الانبياء تنام
اعينهم ولا تنام قلوبهم فلم يكلموه حتى احتملوه
فوضعوه عند بئر زمزم فتولاه منهم جبريل فشق
جبريل ما بين نحره الى لبته حتى فرغ من صدره و
جوفه فغسله من ماء زمزم بيده حتى انقى جوفه ثم
اتى بطست من ذهب فيه تور من ذهب محشوا ايمانا
وحكمة فحشا به صدره ولغاديده يعني عروق حلقه
ثم اطبقه ثم عرج به الى السماء الدنيا فضرب بابا
من ابوابها فناداه اهل السماء من هذا فقال جبريل
قالوا ومن معك قال معي محمد قال وقد بعث قال نعم
قالوا فمرحبا به واهلا يستبشر به اهل السماء لا يعلم اهل السماء بما يريد
الله به في الارض حتى يعلمهم فوجد في السماء الدنيا
آدم فقال له جبريل هذا ابوك فسلم عليه فسلم عليه
ورد عليه آدم وقال مرحبا واهلا يا بني نعم الابن
انت فاذا هو في السماء الدنيا بنهرين يطردان فقال ما هذان
النهران يا جبريل قال هذا النيل والفرات عنصرهما ثم
مضى به في السماء فاذا هو بنهر آخر عليه قصر من لؤلؤ
وزبرجد فضرب يده فاذا هو مسك اذفر فقال ما هذا
يا جبريل قال هو هذا الكوثر الذي قد خبأ لك ربك
ثم عرج به الى السماء الثانية فقالت الملائكة له مثل
ما قالت له الاولى من هذا قال جبريل قالوا ومن معك
قال محمد قال وقد بعث اليه قال نعم قالوا مرحبا به واهلا
ثم عرج به الى السماء الثالثة وقالوا له مثل ما قالت
الاولى والثانية ثم عرج به الى السماء الرابعة فقالوا
له مثل ذلك ثم عرج به الى السماء الخامسة فقالوا له
مثل ذلك ثم عرج به الى السماء السادسة فقالوا له مثل
ذلك ثم عرج به الى السماء السابعة فقالوا له مثل ذلك
كل سماء فيها انبياء قد سماهم فاوعيت منهم ادريس

پھر جب آویگا

شریک بن عبد اللہ سے کہا اُس نے سُنا میں نے
انس بن مالک سے کہ ذکر کرتے تھے وہ اُس رات
کا جب کہ رسول خدا کو مسجد کعبہ سے معراج ہوئی۔
کہ تین شخص (فرشتے) وحی آنے سے پہلے
رسول خدا کے پاس آئے اور وہ مسجد حرام میں سوتے
تھے۔ ان میں سے اول نے کہا ان میں سے
کون ہے بیچ والے نے کہا جو ان میں بہتر ہے
ان میں سے اخیر شخص نے کہا لو ان میں سے
بہتر کو وہ رات تو گذر گئی پھر کسی نے اُن کو نہیں
دیکھا۔ یہاں تک کہ ایک دوسری رات کو آئے
ایسی حالت میں جب کہ رسول خدا کا دل دیکھتا
تھا۔ اور آنکھیں سوتی اور دل جاگتا تھا اور
اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی اور اُن کے
دل نہیں سوتے ہیں۔ پھر انہوں نے رسول خدا
سے بات نہیں کی اور اُن کو اُٹھا کر چاہ زمزم
کے پاس لے گئے۔ پھر ان میں سے جبریل نے
کام کا ذمہ لیا۔ پھر جبریل نے اُن کے سینہ کو
ایک سرے سے دوسرے سرے تک چیر
ڈالا۔ یہاں تک کہ سینہ اور جوف کو بالکل خالی
کر دیا۔ پھر آب زمزم سے اُس کو دھویا۔
یہاں تک کہ جوف کو صاف کر ڈالا۔ پھر سونے
کا لگن لایا گیا جس میں سونے کا لوٹا ایمان اور
حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ جبریل نے اُس سے
آنحضرت کے سینہ اور حلق کی رگوں کو پر کر دیا
پھر برابر کر دیا۔ پھر اُن کو آسمان دنیا پر لے گیا
اور اُس کا ایک دروازہ کھٹکھٹایا۔ آسمان والوں نے

ان دونوں میں کا پہلا وعدہ	وَعْدُ اُوْلٰهُمَا

فی الثانیة وهارون فی الرابعة وآخر فی الخامسة
لم احفظ اسمه وابراهیم فی السادسة وموسیٰ فی
السابعة بتفضیل کلام الله فقال موسیٰ رب لم اظن
ان یرفع علی احد ثم علا به فوق ذلك بما لا یعلمه
الا الله حتی جاوز سدرة المنتهیٰ ودنا الجبار رب العزة
فتدلی حتی کان قاب قوسین او ادنی فاوحی الله الیه
فیما یوحی الیه خمسین صلوة علی امتك کل یوم ولیلة
ثم هبط حتی بلغ موسیٰ فاحتبسه موسیٰ فقال یا محمد
ماذا عهد الیك ربك قال عهد الی خمسین صلوة کل یوم
ولیلة قال ان امتك لا تستطیع ذلك فارجع فلیخفف
عنك ربك وعنهم فالتفت النبی صلی الله علیه وسلم
الی جبریل کانه یستشیره فی ذلك فاشار الیه جبریل
نعم ان شئت فعلا به الی الجبار فقال وهو مکانه یا رب
خفف عنا فان امتی لا تستطیع هذا فوضع عنه عشر
صلوات ثم رجع الی موسیٰ فاحتبسه فلم یزل یردده
موسیٰ الی ربه حتی صارت الی خمس صلوات ثم احتبسه
موسیٰ عند خمس فقال یا محمد والله لقد راودت
بنی اسرائیل قومی علی ادنی من هذا فضعفوا وترکوه
فامتك اضعف اجسادا وقلوبا وابدانا وابصارا واسماعا فارجع
فلیخفف عنك ربك کل ذلك یلتفت النبی صلی الله علیه
وسلم الی جبریل لیشیر علیه ولا یکره ذلك جبریل
فرفعه عند الخامسة فقال یا رب ان امتی ضعفاء اجسامهم
وقلوبهم واسماعهم وابصارهم وابدانهم فخفف عنا فقال
الجبار یا محمد قال لبیك وسعدیك قال انه لا یبدل القول
لدی کما فرضت علیك فی ام الکتاب فکل حسنة بعشر
امثالها فهی خمسون فی ام الکتاب وهی خمس علیك فرجع
الی موسیٰ فقال کیف فعلت قال خفف عنا اعطانا بکل
حسنة عشر امثالها قال موسیٰ قد والله راودت بنی اسرائیل
علی ادنی من ذلك فترکوه فارجع الی ربك فلیخفف عنك
ایضا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا موسیٰ قد والله
استحییت من ربی مما اختلف الیه قال فاهبط بسم الله

پکار کر کون ہے۔ کہا جبریل کہا اور تیرے ساتھ
کون ہے کہا میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں۔ پوچھا بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں کہا مرحبا
آئے اہل آسمان اسی بشارت کو طلب کرتے
ہیں۔ کوئی آسمان کا فرشتہ نہیں جانتا کہ ان
سے خدا زمین پر کیا چاہتا ہے جب تک کہ ان کو
معلوم نہ ہو۔ پھر آسمان اول پر آدم کو دیکھا جبریل
نے کہا یہ آپ کے باپ ہیں۔ ان کو سلام کیجئے
رسول خدا نے آدم کو سلام کیا اور آدم نے جواب
دیا۔ اور کہا مرحبا اے بہترین فرزند پھر کا ایک
آسمان اول پر دو نہریں بہتی دیکھیں کہا اے جبریل
یہ کیسی نہریں ہیں۔ کہا یہ نیل و فرات کی اصل ہیں
پھر اُن کو آسمان میں لے گیا۔ ایک اور نہر دیکھی
جس پر موتی اور زبرجد کے محل بنے تھے۔ پھر
اُس میں ہاتھ ڈالا تو اس کی مٹی بالکل مشک خالص
کی مانند تھی کہا اے جبریل یہ کیا ہے اُس نے
کہا یہ کوثر ہے جو خدا نے آپ کے لئے تیار کی
ہے۔ پھر دوسرے آسمان پر لے گیا یہاں بھی
فرشتوں نے وہی کہا جو پہلوں نے کہا تھا۔ کہ
کون ہے کہا جبریل کہا تیرے ساتھ کون ہے
کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کہا طلب کئے گئے
ہیں۔ کہا ہاں کہا مرحبا پھر تیسرے آسمان پر
لے گیا وہاں بھی فرشتوں نے وہی کہا جو
پہلے اور دوسرے آسمان پر کہا تھا۔ پھر چوتھے
آسمان پر لے گیا۔ پھر وہی انہوں نے کہا جو پہلے
کہہ چکے تھے۔ پھر پانچویں آسمان پر لے گیا اور

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ	بھیجینگے ہم تم پر

فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام۔
(صحیح بخاری صفحات ۱۱۲۰ و ۱۱۲۱) +

یہاں بھی مثل اول کے فرشتوں نے کلام کیا۔ پھر چھٹے آسمان پر لے گیا اور فرشتوں نے
مثل اول کے کلام کیا۔ پھر ساتویں آسمان پر لے گیا وہاں کے فرشتوں نے بھی یہی کہا جو پہلوں
کہا تھا۔ ہرایک آسمان میں پیغمبروں کے جدا جدا نام بتائے۔ جن میں سے میں نے یاد رکھا
ادریس دوسرے آسمان میں۔ ہارون چوتھے میں اور کوئی دوسرے نبی پانچویں میں جن کا نام
یاد نہیں رہا۔ ابراہیم چھٹے میں اور موسٰے ساتویں میں اس لئے کہ اُن کو خدا کے ساتھ کلام کرنے
کی فضیلت ہے۔ پھر موسٰے نے کہا اے خدا میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کسی کو مجھ پر فضیلت
دیجائیگی۔ پھر خدا اُن کو اس سے بھی اوپر لے گیا جس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے یہاں
تک کہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ پھر خدا نزدیک ہوا پھر اور بھی نزدیک ہوا۔ یہاں تک کہ دو
کمانوں کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہگیا۔ پھر خدا نے اُن کو وحی بھیجی کہ تیری امت پر پچاس نمازیں
ہر روز و شب میں فرض ہوئیں۔ پھر اترے یہاں تک کہ موسٰے کے پاس پہنچے۔ پھر موسٰے نے
اُن کو روک لیا۔ اور کہا اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا نے آپ کو کیا حکم دیا۔ کہا مجھ کو ہر رات
دن میں پچاس نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ موسٰے نے کہا آپ کی امت اس کی طاقت نہیں
رکھتی پھر جائیے تا کہ خدا اس میں تخفیف کرے۔ رسول خدا نے جبریل کی طرف دیکھا گویا کہ اس بارہ
میں اس سے صلاح پوچھتے ہیں۔ جبریل نے کہا ہاں اگر آپ چاہیں۔ پھر خدا کے پاس گئے اور
کہا جب کہ وہ اپنے پہلے مقام پر تھے۔ اے خدا کمی کر کیونکہ میری امت اس کی طاقت نہیں
رکھتی خدا نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر موسٰے کے پاس آئے اور موسٰے نے اُن کو روک لیا
موسٰے بار بار اُن کو خدا کی طرف بھیجتے تھے یہاں تک کہ پانچ نمازیں فرض رہگئیں۔ موسٰے
نے پھر روکا اور کہا اے محمد قسم خدا کی میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے اس سے بھی کم محنت
چاہی تھی۔ انہوں نے کمزوری دکھائی اور اس کو چھوڑ دیا۔ آپ کی امت کا جسم قلب بصارت
اور سماعت اور بھی زیادہ ضعیف ہے۔ پھر جائیے تا کہ خدا اس کو بھی معاف کر دے۔ رسول خدا
نے جبریل کی طرف دیکھا تا کہ اس میں مشورہ دے جبریل اس کو برا نہیں جانتا تھا پھر پانچویں
دفعہ رسول خدا کو لے گیا۔ پھر رسول خدا نے کہا اے رب میری امت کے جسم۔ قلب۔ بصارت۔
سماعت اور بدن ضعیف ہیں۔ پس ہمارے حق میں کمی کر خدا نے کہا اے محمد۔ کہا لبیک
(حاضر ہوں) کہا میرا قول نہیں بدلتا جس طرح ام الکتاب میں تجھ پر فرض کر چکا ہوں۔ اور ہر نیکی
کا بدلہ دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔ اس لئے اب یہ نمازیں ام الکتاب میں پچاس کی برابر در

عِبَادًا لَّكَ	اپنے بندوں

تیرے نزدیک وہی پانچ ہیں - پھر موسٰے کے پاس آئے کہا آپ نے کیا کیا کہا خدا نے تخفیف کی اس طرح پر کہ ہر نیکی کے بدلے ہم کو دس نیکیوں کا ثواب عنایت کیا - موسٰے نے کہا واللہ میں نے تو بنی اسرائیل سے اس سے بھی کم محنت چاہی تھی - اُنہوں نے اس کو بھی چھوڑ دیا - خدا کے پاس پھر جائیے - تاکہ خدا ان کو بھی معاف کر دے - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے موسٰے قسم ہے خدا کی کہ مجھ کو اپنے رب سے شرم آتی ہے کہ بار بار اُس کے پاس جاؤں کہا - تو بسم اللہ اترئیے - پھر جاگے اور اُس وقت مسجد حرام میں تھے +

حدیث بیان کی ہم سے ابراہیم بن موسٰے نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے

حدثنا ابراهيم بن موسى حدثنا هشام بن يوسف حدثنا معمر عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن ابي هريرة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ليلة اسري بي رأيت موسى واذا هو رجل ضرب رجل كانه من رجال شنوءة ورأيت عيسى فاذا هو رجل ربعة احمر كانما خرج من ديماس وانا اشبه ولد ابراهيم صلى الله عليه وسلم به ثم اتيت باناءين في احدهما لبن وفي الآخر خمر فقال اشرب ايهما شئت فاخذت اللبن فشربته فقيل اخذت الفطرة اما انك لو اخذت الخمر غوت امتك -

(صحیح بخاری صفحہ ۱۸۴) +

ہشام بن یوسف نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے معمر نے زہری سے اُس نے سعید بن مسیب سے اُس نے ابو ہریرہ سے کہا اُنہوں نے فرمایا رسول خدا نے معراج کی رات میں نے موسٰے علیہ السلام کو دیکھا اور وہ بدن کے ڈبلے تھے اور بال چھوٹے ہوئے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے ایک آدمی ہیں - اور میں نے عیسٰے علیہ السلام کو دیکھا اور وہ میانہ قد سُرخ رنگ تھے گویا ابھی حمام سے نہا دھوکر نکلے ہیں اور میں ابراہیم علیہ السلام کا فرزند ہمشکل ہوں پھر دو برتن پیش کئے گئے - ایک میں دودھ اور ایک میں شراب تھی - پھر کہا پی جس کو چاہے - میں نے دودھ لیکر پی لیا مجھ سے کہا گیا کہ تو نے فطرت کو پسند کیا - اگر تو شراب کو پسند کرتا تو تیری اُمت گمراہ ہوجاتی +

حدیث بیان کی ہم سے محمد بن بشار نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے غندر نے

حدثنا محمد بن بشار حدثنا غندر حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت ابا العالية حدثنا ابن عم نبيكم يعني ابن عباس عن النبي صلعم قال لا ينبغي لعبد ان يقول انا خير من يونس بن متى ونسبه الى ابيه وذكر النبي صلى الله عليه وسلم ليلة اسري به فقال موسى آدم طوال كانه من رجال شنوءة وقال عيسى جعد مربوع وذكر مالكا خازن النار وذكر الدجال +

(صحیح بخاری صفحہ ۱۸۴) +

کہا اُس نے شعبہ سے اُس نے قتادہ سے کہا اُس نے سنا میں نے ابو العالیہ سے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے تمہارے پیغمبر کے چچا کے بیٹے یعنی ابن عباس نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کسی بندہ خدا کو نہیں کہنا چاہئے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں - اور یونس کو

أُولِيْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ	سخت لڑنے والوں کو

اُن کے باپ کی طرف منسوب کیا اور رسول خدا نے معراج کی رات کا ذکر کیا او رکہا موسےٰ لمبے قد کے تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ میں سے ہیں۔ اور عیسےٰ گھونگریالے بالوں والے اور میانہ قد تھے اور دوزخ کے محافظ مالک اور دجال کا بھی ذکر کیا +

حدثنا هدبة بن خالد حدثنا همام بن يحيى عن قتادة عن انس بن مالك عن مالك بن صعصعة ان نبي الله صلى الله عليه وسلم حدثهم عن ليلة اسري به ثم صعد حتى اتى السماء الثانية فاستفتح قيل من هذا قال جبرئيل قيل ومن معك قال محمد قيل وقد ارسل اليه قال نعم فلما خلصت فاذا يحيى وعيسى وهما ابنا خالة قال هذا يحيى وعيسى فسلم عليهما فسلمت فردا ثم قالا مرحبا بالاخ الصالح والنبي الصالح +

(صحیح بخاری صفحہ ت ۴۸۷ و ۴۸۸) +

حدیث بیان کی ہم سے ہدبہ بن خالد نے اُس نے حدیث بیان کی ہم سے ہمام بن یحیےٰ نے قتادہ سے اُس نے انس بن مالک سے اُس نے مالک بن صعصعہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شب معراج کا ذکر کیا پھر چڑھا یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچا۔ اور دروازہ کھلوانا چاہا پوچھا کون ہے کہا جبرئیل کہا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا کیا طلب کئے گئے ہیں کہا ہاں جب میں پہنچ گیا تو میں یحیےٰ اور عیسےٰ کو دیکھا اور وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ یحیےٰ اور عیسےٰ ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا دونوں نے جواب دیا اور کہا مرحبا اے برادر صالح اور نبی صالح +

حدثنا ابراهيم بن موسى حدثنا هشام عن معمر ح وحدثني محمود حدثنا عبد الرزاق حدثنا معمر عن الزهري اخبرني سعيد بن المسيب عن ابي هريرة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم ليلة اسري بي لقيت موسى قال فنعته فاذا رجل حسبته قال مضطرب رجل الراس كانه من رجال شنوءة قال ولقيت عيسى فنعته النبي صلى الله عليه وسلم فقال ربعة احمر كانما خرج من ديماس يعني الحمام ورايت ابراهيم وانا اشبه ولده به قال واتيت باناءين احدهما لبن والاخر فيه خمر فقيل لي خذ ايهما شئت فاخذت اللبن فشربته فقيل لي هديت الفطرة او اصبت الفطرة اما انك لو اخذت الخمر غوت امتك -

(صحیح بخاری صفحہ ۴۸۹) +

حدیث بیان کی ہم سے ابراہیم بن موسےٰ نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے ہشام نے معمر سے اور حدیث بیان کی مجھ سے محمود نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے عبد الرزاق نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے معمر نے زہری سے کہا اُس نے خبر دی مجھ کو سعید بن مسیب نے ابوہریرہ سے کہا اُنہوں نے فرمایا رسول خدا نے کہ معراج کی رات میں موسےٰ سے ملا کہا پھر آنحضرت نے موسےٰ کی صفت بیان کی۔ کہ میں نے دیکھا وہ ایک مرد ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ فرمایا بدن کے دبلے سر کے بال چھٹے ہوئے گویا کہ وہ

پھر وہ گھس پڑے اندر گھروں کے	فجاسوخلل الدیار

قبیلہ شنوہ میں سے ہیں۔ کہا اور میں عیسے علیہ السلام سے ملا پھر رسول خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کی صفت بیان کی اور فرمایا کہ وہ میانہ قد سُرخ رنگ ہیں گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں اُن کا ہم شکل فرزند ہوں کہا دو پیالے لائے گئے ایک میں دودھ تھا ایک میں شراب مجھ کو کہا گیا کہ جس کو چاہو پی لو۔ میں نے دودھ لیکر پی لیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ آپ فطرت پر ہدایت کئے گئے یا فطرت کو حاصل کر لیا اگر شراب پی لیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہوجاتی +

حدیث بیان کی ہم سے محمد بن کثیر نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے اسرائیل

حدثنا محمد بن کثیر حدثنا اسرائیل حدثنا عثمان بن المغیرۃ عن مجاھد عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رایت عیسٰی وموسٰی وابراھیم فاما عیسٰی فاحمر جعد عریض الصدر واما موسٰی فادم جسیم سبط کانہ من رجال الزط۔

(صحیح بخاری صفحہ ۴۸۹) +

نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے عثمان بن مغیرہ نے مجاہد سے اُس نے عمر سے کہا اُس نے فرمایا رسول خدا نے دیکھا میں نے عیسیٰ۔ موسٰے اور ابراہیم کو۔ عیسے علیہ السلام تو سُرخ رنگ گھونگریالے بالوں والے اور چوڑے سینہ والے تھے اور موسٰے علیہ السلام بدن کے فربہ اور سر کے بال چھوٹے ہوئے تھے۔ گویا کہ وہ قوم زط میں سے ہیں +

حدیث بیان کی ہم سے عبدان نے کہا اس نے حدیث بیان کی ہم سے عبداللہ

حدثنا عبدان قال حدثنا عبداللہ قال اخبرنا یونس ح حدثنا احمد بن صالح قال حدثنا عنبسۃ قال حدثنا یونس عن ابن شہاب قال ابن المسیب قال ابو ھریرۃ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ بایلیاء بقدحین من خمر ولبن فنظر الیھما فاخذ اللبن قال جبریل الحمد للہ الذی ھداک للفطرۃ ولو اخذت الخمر غوت امتک

(صحیح بخاری صفحہ ۶۰۴) +

نے کہا اُس نے خبر دی ہم کو یونس نے اور حدیث بیان کی ہم سے احمد بن صالح نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے عنبسہ نے کہا اس نے حدیث بیان کی ہم سے یونس نے ابن شہاب سے کہا ابن مسیب نے کہا ابوہریرہ نے کہ جس رات رسول اللہ بیت المقدس گئے۔ دو پیالے دودھ اور شراب کے پیش کئے گئے۔ رسول اللہ نے اُن کی طرف دیکھا اور دودھ کو لے لیا جبریل نے کہا خدا کی تعریف ہے جس نے آپ کو فطرۃ پر ہدایت کی۔ اگر شراب لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی +

حدیث بیان کی ہم سے احمد بن صالح نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے ابن وہب نے

حدثنا احمد بن صالح قال حدثنا ابن وھب قال اخبرنی

کہا اُس نے خبر دی مجھ کو یونس نے ابن شہاب سے

وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۵	اور ہے وعدہ خدا کا مقدر کیا گیا ۵

یونس عن ابن شہاب قال ابو سلمۃ سمعت جابر بن عبد اللّٰہ قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللّٰہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن آیاتہ وانا انظر الیہ ✦
(صحیح بخاری سعبنہ دھولتہ ۱۲۵۶ھجری صفحہ ۶۸۴) ✦

کہا ابو سلمہ نے سنا میں نے جابر بن عبد اللہ سے کہا اس نے سنا میں نے رسول اللہ سے کہ فرماتے تھے جب مجھ کو قریش نے جھٹلایا ۔ میں حجر میں کھڑا ہوا اور خدا نے بیت المقدس کو میری نظر کے سامنے کر دیا ۔ میں اُس کی نشانیاں اُن کو بتاتا تھا اور اُس کی طرف دیکھتا تھا ✦

حدیث بیان کی ہم سے یحییٰ بن بکیر نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے لیث

حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب حدثنی ابو سلمۃ بن عبد الرحمن سمعت جابر بن عبد اللّٰہ انہ سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللّٰہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن آیاتہ وانا انظر الیہ ۔
(صحیح بخاری صفحہ ۵۴۸) ✦

نے عقیل سے اس نے ابن شہاب سے کہا اُس نے حدیث بیان کی مجھ سے ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے کہا اس نے سنا میں نے جابر بن عبد اللہ سے سنا اُس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جب مجھ کو قریش نے جھٹلایا میں حجر میں کھڑا ہوا ۔ خدا نے بیت المقدس کو میری نظروں میں جلوہ گر کر دیا ۔ میں اُس کی نشانیاں اُن کو بتاتا تھا اور اُس کو دیکھتا جاتا تھا ✦

کہا عبدان نے خبر دی ہم کو عبد اللہ نے کہا اُس نے خبر دی ہم کو یونس نے زہری سے کہا انس بن مالک نے کہ ابوذر

وقال عبدان اخبرنا عبد اللّٰہ قال اخبرنا یونس عن الزھری قال انس بن مالک کان ابو ذر یحدث ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فرج سقفی وانا بمکۃ فنزل جبریل ففرج صدری ثم غسلہ بماء زمزم ثم جاء بطست من ذھب ممتلئ حکمۃ وایمانا فافرغہا فی صدری ثم اطبقہ ثم اخذ بیدی فعرج بی الی السماء الدنیا فقال جبریل لخازن السماء الدنیا افتح قال من ھذا قال جبریل ۔
(صفحہ ۲۲۱ صحیح بخاری) ✦

حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت شق ہوئی اور میں اُس وقت مکہ میں تھا ۔ پھر جبریل نازل ہوا اور اُس نے میرے سینہ کو چاک کیا پھر آب زمزم سے اس کو دھویا پھر سونے کا لگن حکمت ایمان سے بھرا ہوا لایا ۔ اور اُس کو میرے سینہ میں ڈال کر سینہ کو برابر کر دیا ۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان اول پر چڑھ جانے گیا ۔ جبریل نے آسمان کے محافظ سے کہا کھول کہا کون ہے کہا جبریل ✦

حدیث بیان کی ہم سے اسمٰعیل نے کہا اُس نے حدیث بیان کی مجھ سے میرے بھائی

حدثنا اسمٰعیل حدثنی اخی عن سلیمان عن شریک بن عبد اللّٰہ

نے سلیمان سے اُس نے شریک بن عبد اللہ

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ	پھر ہم پھیر دینگے غلبہ کو تمہارے لئے اُن پر

بن ابی نمر قال سمعت انس بن مالك يحدثنا عن ليلة اُسری بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم من مسجد الكعبة جاءه ثلاثة نفر قبل ان یوحی الیه وهو نائم فی المسجد الحرام فقال اولهم ایهم هو فقال اوسطهم هو خیرهم ثم قال آخرهم خذوا خیرهم فكانت تلك فلم یرهم حتی جاؤا لیلة اُخری فیما یری قلبه والنبی صلی اللہ علیہ وسلم نائمة عیناه ولا ینام قلبه وكذلك الانبیاء تنام اعینهم ولا تنام قلوبهم فتولاه جبریل ثم عرج به الی السماء۔ (صحیح بخاری صفحہ ۵۰۴) ٭

بن ابو نمر سے کہا اُس نے سُنا میں نے انس بن مالک بیان کرتے تھے ہم سے اُس رات کا جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد کعبہ سے معراج ہوئی۔ کہ وحی آنے سے پہلے تین شخص آنحضرت کے پاس آئے اور وہ مسجد حرام میں سوتے تھے۔ ان میں سے پہلے نے کہا کہ وہ ان میں سے کون ہے۔ درمیانی شخص نے کہا کہ وہ ان سب میں سے بہتر ہے۔ اخیر شخص نے کہا کہ ان میں سے بہتر کو لے چلو پھر وہ رات تو گذر گئی۔ اور اُن کو کسی نے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ایک اور شب کو آنحضرت کے پاس ایسی حالت میں آئے کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور حضرت کی آنکھیں سوتی اور دل جاگتا تھا۔ اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی اور دل جاگتا ہے پھر جبریل نے اُن کا کام اپنے ذمّہ لیا۔ پھر اُن کو آسمان پر چڑھا لے گیا ٭

احادیث مسلم

حدثنا شیبان بن فروخ قال حدثنا حماد بن سلمة قال حدثنا ثابت البنانی عن انس بن مالك ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اُتیت بالبراق وهو دابة ابیض طویل فوق الحمار ودون البغل یضع حافره عند منتهی طرفه قال فركبته حتی اتیت بیت المقدس قال فربطته بالحلقة التی یربط بها الانبیاء قال ثم دخلت المسجد فصلیت فیه ركعتین ثم خرجت فجاءنی جبریل باناء من خمر واناء من لبن فاخترت اللبن فقال جبریل علیه السلام اخترت الفطرة ثم عرج بنا الی السماء فاستفتح جبریل فقیل من انت قال جبریل قیل ومن معك قال محمد قیل وقد بعث الیه قال قد بعث الیه ففتح لنا فاذا انا بآدم صلی اللہ علیہ وسلم فرحب بی ودعا لی بخیر ثم عرج بنا الی السماء

حدیث بیان کی ہم سے شیبان بن فروخ نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے حماد بن سلمہ نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے ثابت بنانی نے انس بن مالک سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ براق لایا گیا اور وہ ایک سفید رنگ کا جانور تھا گدھے سے بڑا خچر سے چھوٹا اپنی نظر کی انتہا پر قدم رکھتا تھا۔ میں اُس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچا۔ اور براق کو حلقہ سے باندھ دیا جس سے اور نبی باندھتے تھے۔ پھر مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد سے نکلا۔ جبریل ایک پیالہ شراب کا اور ایک دودھ کا لایا۔

وَأَمْدَدْنٰكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ	اور ہم تمہاری مدد کرینگے مال سے اور بیٹوں سے

الثانية فاستفتح جبريل عليه السلام فقيل من انت
قال جبريل قيل ومن معك قال محمد قيل وقد بعث اليه
قال قد بعث اليه ففتح لنا فاذا انا بابني الخالة عيسى
بن مريم ويحيى بن زكريا صلى الله عليهما وسلم فرحبا
بي ودعوا لي بخير ثم عرج بنا الى السماء الثالثة
فاستفتح جبريل فقيل من انت قال جبريل قيل و
من معك قال محمد قيل وقد بعث اليه قال قد بعث
اليه ففتح لنا فاذا انا بيوسف صلى الله عليه وسلم
واذا هو قد اعطي شطر الحسن قال فرحب ودعا لي بخير
ثم عرج بنا الى السماء الرابعة فاستفتح جبريل عليه
السلام قيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال
محمد قيل وقد بعث اليه قال قد بعث اليه ففتح لنا
فاذا انا بادريس صلى الله عليه وسلم فرحب بي و
دعا لي بخير قال الله عز وجل ورفعناه مكانا عليا
ثم عرج بنا الى السماء الخامسة فاستفتح جبريل
فقيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال محمد
قيل وقد بعث اليه قال قد بعث اليه ففتح لنا فاذا
انا بهارون صلى الله عليه وسلم فرحب بي ودعا لي
بخير ثم عرج بنا الى السماء السادسة فاستفتح
جبريل قيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال
محمد قيل وقد بعث اليه قال قد بعث اليه ففتح لنا
فاذا انا بموسى صلى الله عليه وسلم فرحب بي ودعا لي
بخير ثم عرج بنا الى السماء السابعة فاستفتح جبريل
قيل من هذا قال جبريل قيل ومن معك قال محمد
قيل وقد بعث اليه قال قد بعث اليه ففتح لنا فاذا
انا بابراهيم صلى الله عليه وسلم مسندا ظهره
الى البيت المعمور واذا هو يدخله كل يوم سبعون
الف ملك لا يعودون اليه ثم ذهب بي الى السدرة
المنتهى فاذا ورقها كآذان الفيلة واذا ثمرها
كالقلال قال فلما غشيها من امر الله ما غشي تغيرت
فما احد من خلق الله يستطيع ان ينعتها من حسنها
فاوحى الي ما اوحى ففرض علي خمسين صلوة في كل
يوم وليلة فنزلت الى موسى عليه السلام فقال ما فرض

میں نے دودھ کو پسند کیا۔ جبریل علیہ السلام
نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا۔ پھر
مجھ کو آسمان پر لے گیا جبریل نے آسمان کا
دروازہ کھلوانا چاہا کہا گیا کون ہے کہا جبریل
پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ
علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا کیا طلب کئے گئے ہیں
کہا ہاں طلب کئے گئے ہیں پھر ہمارے لئے
دروازہ کھل گیا۔ ناگاہ مجھ کو آدم نظر پڑے۔
آدم نے مجھ کو مرحبا کہکر میرے لئے نیک دعا
کی پھر جبریل ہم کو دوسرے آسمان پر لے گیا
اور دروازہ کھلوانا چاہا پوچھا گیا کون ہے
کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا
محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا کیا طلب کئے
گئے ہیں کہا ہاں طلب کئے گئے ہیں۔ پھر
دروازہ کھل گیا ناگاہ مجھ کو خالہ زاد بھائی عیسیٰ
بن مریم اور یحیٰی بن زکریا نظر آئے دونوں نے
مرحبا کہکر میرے لئے نیک دعا کی پھر جبریل
ہم کو تیسرے آسمان پر لے گیا اور دروازہ
کھلوانا چاہا پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل
پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ
علیہ وسلم ہیں پوچھا کیا طلب کئے گئے ہیں
کہا ہاں طلب کئے گئے ہیں پھر دروازہ کھل
گیا اور میں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور
ان کو حسن کا ایک حصہ عطا ہوا تھا۔ یوسف
علیہ السلام نے مرحبا کہکر میرے لئے نیک دعا
کی۔ پھر جبریل ہم کو چوتھے آسمان پر لے گیا

وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿٦﴾	اور ہم تم کو کرینگے بڑا گروہ ﴿٦﴾

ربك على امتك قلت خمسين صلوة قال ارجع الى ربك فاسأله التخفيف فان امتك لا يطيقون ذلك فاني قد بلوت بني اسرائيل وخبرتهم قال فرجعت الى ربي فقلت يا رب خفف على امتي فحط عني خمسا فرجعت الى موسى فقلت حط عني خمسا قال ان امتك لا يطيقون ذلك فارجع الى ربك فسله التخفيف قال فلم ازل ارجع بين ربي تبارك وتعالى وبين موسى عليه السلام حتى قال يا محمد انهن خمس صلوة كل يوم وليلة لكل صلوة عشر فذلك خمسين صلوة ومن هم بحسنة فلم يعملها كتبت حسنة فان عملها كتبت له عشرا ومن هم بسيئة فلم يعملها لم تكتب شيئا فان عملها كتبت سيئة واحدة قال فنزلت حتى انتهيت الى موسى عليه السلام فاخبرته فقال ارجع الى ربك فسله التخفيف فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت قد رجعت الى ربي حتى استحييت منه۔

(صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۰)

اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے۔ کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا کیا بلائے گئے ہیں کہا ہاں بلائے گئے ہیں دروازہ کھل گیا اور میں نے ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ ادریس نے بھی مرحبا کہکر میرے لئے نیک دعا کی۔ خدا نے فرمایا ہے کہ ہم نے اُس کو اونچی جگہ اُٹھا لیا۔ پھر جبریل ہم کو پانچویں آسمان پر لے گیا اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا کیا بلائے گئے ہیں کہا ہاں بلائے گئے ہیں پھر دروازہ کھل گیا۔ اور میں نے ہارون کو دیکھا ہارون نے بھی میرے لئے مرحبا کہکر نیک دعا کی پھر جبریل ہم کو چھٹے آسمان پر لے گیا اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا کیا بلائے گئے ہیں کہا ہاں بلائے گئے ہیں کہا ہاں بلائے گئے ہیں دروازہ کھل گیا اور میں نے موسٰے علیہ السلام کو دیکھا موسٰے نے بھی مرحبا کہکر میرے لئے نیک دعا کی پھر جبریل ہم کو ساتویں آسمان لے گیا اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا کیا بلائے گئے ہیں کہا ہاں بلائے گئے ہیں دروازہ کھل گیا اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا بیت المعمور کی طرف پشت کا سہارا لئے بیٹھے ہیں اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور پھر دوبارہ نہیں آتے پھر جبریل مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گیا اُس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر اور پھل مٹکوں کے برابر تھے۔ جب حکم الٰہی سے اس پر جو چھانا تھا چھا گیا تو اس کی حالت بدل گئی پھر کسی انسان کی طاقت نہیں ہے کہ اس کے حسن کی تعریف کر سکے پھر خدا نے مجھ پر جو وحی بھیجنی تھی بھیجی۔ اور مجھ پر پچاس نمازیں ہر روز فرض کیں پھر میں نیچے اتر کر موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا موسٰے علیہ السلام نے کہا خدا نے

اگر تم بھلائی کروگے تو بھلائی کروگے تم اپنی جان کی	اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ

آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا میں نے کہا پچاس نمازیں موسےٰ علیہ السلام نے کہا خدا کے پاس پھر جائیے اور کمی کی درخواست کیجئے آپ کی امت میں اس فرض کے ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے میں بنی اسرائیل کو خوب آزما چکا ہوں میں دوبارہ خدا کے پاس گیا اور کہا اے خدا میری اُمت کے لئے تخفیف کر خدا نے پانچ نمازیں کم کردیں پھر میں موسےٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ خدا نے پانچ کم کردیں - کہا آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی خدا کے پاس پھر جائیے اور کمی کی درخواست کیجئے رسول اللہ فرماتے ہیں کہ میں بار بار خدا اور موسےٰ علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا تھا یہاں تک کہ خدا نے فرمایا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم رات دن میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز پر دس کا ثواب اس طرح پر پچاس نمازیں ہوئیں - اور جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اُس کو عمل میں نہ لائے میں اُس کی ایک نیکی لکھونگا اور جو عمل میں لائے اُس کی دس نیکیاں لکھونگا - اور جو بدی کا ارادہ کرے اور اُس کو عمل میں نہ لائے اُس کی بدی نہیں لکھی جائیگی اور اگر عمل میں لائے تو صرف ایک بدی لکھونگا - پھر میں نیچے اتر کر موسےٰ علیہ السلام کے پاس آیا - اور اُن کو خبر دی کہ خدا کے پاس پھر جائیے اور اس میں کمی کی درخواست کیجئے - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں خدا کے پاس اتنی دفعہ جاچکا ہوں کہ اب مجھے اُس سے شرم آتی ہے +

حدثنا هارون بن سعيد الايلى قال حدثنا ابن وهب قال اخبرنى سليمان وهو ابن بلال قال حدثنى شريك بن عبد الله بن ابى نمر قال سمعت انس بن مالك يحدثنا عن ليلة اسرى برسول الله صلى الله عليه وسلم من مسجد الكعبة انه جاءه ثلاثة نفر قبل ان يوحى اليه وهو نائم فى المسجد الحرام وساق الحديث بقصته نحو حديث ثابت البنانى وقدم فيه شيئا واخر وزاد ونقص -

(صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۲) +

حدیث بیان کی ہم سے ہارون بن سعید ایلی نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے ابن وہب نے کہا اُس نے خبر دی مجھ کو سلیمان نے اور وہ بلال کے بیٹے ہیں کہا اُس نے حدیث بیان کی مجھ سے شریک بن عبداللہ بن ابونمر نے کہا اُس نے سُنا میں نے انس بن مالک سے کہ ذکر کرتے تھے ہم سے اُس رات کا جب کہ رسول خدا کو مسجد حرام سے معراج ہوئی - کہ آنحضرت کے پاس وحی آنے سے پہلے تین شخص آئے - اور آنحضرت مسجد حرام سوتے تھے راوی نے ثابت بنانی کی حدیث کی مانند تمام قصہ کو بیان کیا اور اس میں کچھ تقدیم و تاخیر کی - کچھ کمی اور زیادتی +

حدیث بیان کی ہم سے حرملہ بن یحیےٰ تجیبی نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے

وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا	اور اگر تم بُرائی کروگے تو اُسی کے لئے

حدثني حرملة بن يحيى التجيبي قال حدثنا ابن وهب قال اخبرني يونس عن ابن شهاب عن انس بن مالك قال كان ابو ذر يحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فرج سقف بيتي وانا بمكة فنزل جبريل عليه السلام ففرج صدري ثم غسله من ماء زمزم ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة وايمانا فافرغها في صدري ثم اطبقه ثم اخذ بيدي فعرج بي الى السماء فلما جئنا السماء الدنيا قال جبريل لخازن السماء الدنيا افتح قال من هذا قال هذا جبريل قال هل معك احد قال نعم معي محمد قال فارسل اليه قال نعم ففتح قال فلما علونا السماء الدنيا فاذا رجل عن يمينه اسودة وعن يساره اسودة قال فاذا نظر قبل يمينه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى قال فقال مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح قال قلت يا جبريل من هذا قال هذا آدم صلى الله عليه وسلم وهذه الاسودة عن يمينه وعن شماله نسم بنيه فاهل اليمين اهل الجنة والاسودة التي عن شماله اهل النار فاذا نظر قبل يمينه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى قال ثم عرج بي جبريل حتى اتى السماء الثانية فقال لخازنها افتح قال فقال له خازنها مثل ما قال خازن السماء الدنيا ففتح فقال انس بن مالك فذكر انه وجد في السموات آدم وادريس وعيسى وموسى وابراهيم عليهم السلام ولم يثبت كيف منازلهم غير انه ذكر انه قد وجد آدم عليه السلام في السماء الدنيا وابراهيم في السماء السادسة قال فلما مر جبريل ورسول الله صلى الله عليه وسلم بادريس قال مرحبا بالنبي الصالح والاخ الصالح فقلت من هذا قال هذا ادريس قال ثم مررت بموسى عليه السلام فقال مرحبا بالنبي الصالح والاخ الصالح قلت من هذا قال هذا موسى قال ثم مررت بعيسى فقال مرحبا بالنبي الصالح والاخ الصالح قلت من هذا قال هذا عيسى بن مريم قال ثم مررت بابراهيم عليه السلام فقال مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح قلت من هذا

ابن وہب نے کہا اُس نے خبر دی مجھ کو یونس نے ابن شہاب سے اُس نے انس بن مالک سے کہا اُس نے کہ ابو ذر بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت شق ہوئی اور میں اُس وقت مکہ میں تھا - پھر جبریل نازل ہوا اور اُس نے میرے سینہ کو چیرا اور اُس کو آبِ زمزم سے دھویا پھر سونے کا لگن لایا جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا پھر اُس کو میرے سینہ میں اونڈیل دیا اور پھر میرے سینہ کو برابر کردیا - پھر میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گیا جب ہم پہلے آسمان پر پہنچے جبریل نے محافظ سے کہا کھول پوچھا کون ہے کہا جبریل پوچھا کہ تیرے ساتھ کوئی ہے کہا ہاں میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا بلائے گئے ہیں کہا ہاں پھر دروازہ کھل گیا جب ہم آسمان اول پر گئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک شخص کی دائیں اور بائیں طرف کچھ دھندلی سی صورتیں ہیں دائیں طرف دیکھ کر ہنستا ہے اور بائیں طرف دیکھ کر روتا ہے اُس نے کہا اے نبی صالح اور فرزند صالح میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون ہے کہا یہ آدم ہیں اور صورتیں جو اُن کے دائیں اور بائیں طرف ہیں اُن کی اولاد کی روحیں ہیں سو دائیں طرف والی جنتی اور بائیں طرف والی دوزخی ہیں - اس لئے دائیں طرف دیکھ کر ہنستے اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں - پھر جبریل مجھ کو

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ	پھر جب آویگا دوسرا وعدہ

قال حدثنا ابراهيم - قال ابن شهاب اخبرني ابن حزم ان ابن عباس وابا حبة الانصاري يقولان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوى اسمع فيه صريف الاقلام - قال ابن حزم وانس بن مالك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ففرض الله على امتي خمسين صلوة قال فرجعت بذلك حتى امر بموسى عليه السلام فقال موسى ماذا فرض ربك على امتك قلت فرض عليهم خمسين صلوة قال لي موسى فراجع ربك فان امتك لا تطيق ذلك قال فراجعت ربي فوضع شطرها قال فرجعت الى موسى عليه السلام فاخبرته قال راجع ربك فان امتك لا تطيق ذلك قال فراجعت ربي فقال هي خمس وهي خمسون لا يبدل القول لدي قال فرجعت الى موسى فقال راجع ربك فقلت قد استحييت من ربي قال ثم انطلق بي جبريل حتى نأتي سدرة المنتهى فغشيها الوان لا ادري ما هي قال ثم ادخلت الجنة فاذا فيها جنابذ اللؤلؤ واذا ترابها المسك -

(صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۲) ✦

دوسرے آسمان پر لے گیا۔ اور محافظ سے کہا کھول اس محافظ نے بھی وہی کہا جو آسمان اول کے محافظ نے کہا تھا پھر دروازہ کھل گیا۔
انس بن مالک کہتے ہیں کہ ابو ذر نے یہ تو بیان کیا کہ رسول خدا نے آسمانوں میں آدم۔ ادریس عیسیٰ۔ موسے اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا مگر ان کے مقامات کی تعیین نہیں کی۔ سوائے اس کے کہ آدم کو پہلے آسمان پر اور ابراہیم کو چھٹے آسمان پر پایا۔ راوی کہتا ہے کہ جب رسول خدا اور جبرئیل ادریس کے پاس پہنچے ادریس نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح میں نے پوچھا یہ کون ہے کہا یہ ادریس ہیں۔ پھر میں موسے کے پاس پہنچا۔ موسے نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح میں نے پوچھا یہ کون ہے کہا یہ موسیٰ ہیں پھر میں عیسے علیہ السلام کے پاس پہنچا عیسے علیہ السلام نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح میں نے پوچھا یہ کون ہے کہا یہ مریم کے بیٹے عیسے ہیں۔ پھر میں ابراہیم کے پاس پہنچا ابراہیم علیہ السلام نے کہا مرحبا اے نبی صالح اور فرزند صالح میں نے پوچھا یہ کون ہے کہا یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں کہا ابن شہاب نے اور خبر دی مجھ کو ابن حزم نے کہ ابن عباس اور ابو حبۃ الانصاری کہتے تھے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ پھر جبرئیل مجھ کو ایسی جگہ لے گیا جہاں میں قلموں کے چلنے کی آواز سنتا تھا۔ کہا ابن حزم اور انس بن مالک نے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ پھر میں اُلٹا پھرا اور موسے کے پاس آیا۔ موسے نے پوچھا کہ خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا میں نے کہا اُن پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں موسے نے مجھ سے کہا پھر خدا سے کہئے کیونکہ آپ کی امت ہرگز اس کا تحمل نہیں کر سکیگی میں نے پھر کہا خدا نے ایک حصہ اس میں سے معاف کر دیا۔ پھر میں موسے کے پاس آیا اور اُن کو خبر دی کہا خدا سے پھر کہئے آپ کی اُمت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے پھر کہا۔ خدا نے

لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ	تاکہ بگاڑ دے تمہارے مُنہ

فرمایا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں اور یہی پچاس کے برابر ہیں میرا قول نہیں بدلتا میں پھر موسےٰ کے پاس آیا کہا خدا سے پھر کہئے میں نے کہا مجھ کو خدا سے شرم آتی ہے پھر جبریل مجھ کو لیچلا تاکہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جائیں۔ سدرہ پر کچھ رنگ چھائے ہوئے تھے جن کی حقیقت میں نہیں جانتا۔ پھر میں جنت میں گیا اس میں موتی کے قبے تھے اور اُس کی مٹی مشک تھی ؛

حدیث بیان کی ہم سے محمد بن مثنےٰ نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے محمد

حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا محمد بن ابی عدی عن سعید عن قتادة عن انس بن مالك لعله قال عن مالك بن صعصعة رجل من قومه قال قال نبی الله صلی الله علیه وسلم بینا انا عند البیت بین النائم و الیقظان اذ سمعت قائلا یقول احد الثلاثة بین الرجلین فاتیت فانطلق بی فاتیت بطست من ذهب فیها من ماء زمزم فشرح صدری الی كذا وكذا قال قتادة فقلت للذی معی ما یعنی قال الی اسفل بطنه فاستخرج قلبی فغسل بماء زمزم ثم اعید مكانه ثم حشی ایمانا وحكمة ثم اتیت بدابة ابیض یقال له البراق فوق الحمار ودون البغل یقع خطوه عند اقصی طرفه فحملت علیه ثم انطلقنا حتی اتینا السماء الدنیا فاستفتح جبریل علیه السلام فقیل من هذا قال جبریل قیل ومن معك قال محمد صلی الله علیه وسلم قیل وقد بعث الیه قال نعم قال ففتح لنا وقال مرحبا به ولنعم المجیء جاء قال فاتینا علی آدم علیه السلام وساق الحدیث بقصته وذكر انه لقی فی السماء الثانیة عیسی ویحیی علیهما السلام وفی الثالثة یوسف علیه السلام وفی الرابعة ادریس علیه السلام وفی الخامسة هارون علیه السلام قال ثم انطلقنا حتی انتهینا الی السماء السادسة فاتیت علی موسی صلی الله علیه وسلم فسلمت علیه فقال مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح فلما جاوزته بكی فنودی ما یبكیك قال رب هذا غلام بعثته بعدی یدخل من امته الجنة اكثر مما یدخل من امتی قال ثم انطلقنا حتی انتهینا الی السماء السابعة فاتیت علی ابراهیم علیه السلام وقال فی الحدیث وحدث نبی الله صلی الله علیه وسلم

بن ابو عدی نے سعید سے اُس نے قتادہ سے اُس نے انس بن مالک سے شاید راوی نے کہا اُس نے مالک بن صعصعہ سے جو اسی کی قوم کا ایک شخص ہے کہا اُس نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کعبہ کے قریب کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا کہ میں نے سُنا کوئی کہتا ہے تین میں کا ایک جو دو کے درمیان ہے پھر میرے پاس آیا اور مجھے لے چلا پھر سونے کا لگن جس میں آب زمزم بھرا تھا لایا گیا اور میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا اس سے کیا مراد ہے کہا شکم کے زیر تک پھر میرا دل نکالا گیا آب زمزم سے دھویا گیا اور اسی جگہ رکھ دیا گیا پھر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا پھر ایک سفید رنگ کا جانور لایا گیا جس کو براق کہتے ہیں گدھے سے بڑا خچر سے چھوٹا انتہائے نظر تک قدم مارتا تھا میں اس پر سوار کیا گیا پھر ہم چلے اور آسمان دنیا پر پہنچے جبریل نے دروازہ کھلوانا چاہا اُس سے پوچھا گیا کہ کون ہے کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا کیا بلائے

وَلَيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ	اور تاکہ گھس پڑیں مسجد میں

انہ رای اربعۃ انہار یخرج من اصلہا نہران ظاہران ونہران باطنان فقلت یا جبریل ما ھذہ الانہار قال اما النہران الباطنان فنہران فی الجنۃ واما الظاہران فالنیل والفرات ثم رفع لی البیت المعمور فقلت یا جبریل ما ھذا قال ھذا البیت المعمور یدخلہ کل یوم سبعون الف ملک اذا خرجوا منہ لم یعودوا الیہ آخر ما علیہم ثم اتیت باناءین احدھما خمر والآخر لبن فعرضا علی فاخترت اللبن فقیل اصبت اصاب اللہ بک امتک علی الفطرۃ ثم فرضت علی کل یوم خمسون صلوۃ ثم ذکر قصتہا الی آخر الحدیث

(صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۴) +

گئے ہیں۔ کہا ہاں پھر ہمارے لئے دروازہ کھل گیا اور کہا مرحبا کیا خوب آنا ہوا۔ پھر ہم آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے پھر راوی نے تمام قصہ بیان کیا اور یہ ذکر کیا کہ دوسرے آسمان پر عیسٰے اور یحییٰ علیہم السلام سے اور تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام سے اور پانچویں پر ہارون علیہ السلام سے ملے پھر فرمایا کہ ہم چلے اور چھٹے آسمان پر پہنچے۔ پھر میں موسٰے علیہ السلام سے ملا اور اُن کو سلام کیا کہا مرحبا لئے برادر صالح اور نبی صالح جب میں آگے بڑھا تو موسٰے علیہ السلام روئے آواز آئی کہ کیوں روتے ہو کہا لئے خدا یہ لڑکا جس کو تو نے میرے بعد نبوت دی ہے۔ اس کی امت کے لوگ میری امت والوں سے زیادہ جنت میں جائینگے۔ پھر ہم چلے اور ساتویں آسمان پر پہنچے اور میں ابراہیم علیہ السلام سے ملا۔ پھر راوی نے حدیث میں بیان کیاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کہ چار نہریں دیکھیں جو اس کی جڑ سے نکلتی ہیں دو نہریں ظاہر اور دو پوشیدہ۔ میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا نہریں ہیں۔ کہا پوشیدہ نہریں تو جنت میں جاتی ہیں اور دو ظاہر نیل اور فرات ہیں۔ پھر بیت المعمور مجھ سے نزدیک ہوا میں نے پوچھا کہ اے جبریل یہ کیا ہے۔ کہا یہ بیت المعمور ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے آتے ہیں اور جب جاتے ہیں تو دوبارہ کبھی نہیں آتے پھر دو پیالے پیش کئے گئے ایک شراب کا اور ایک دودھ کا۔ میں نے دودھ کو پسند کیا مجھ سے کہا گیا تو آپ نے فطرۃ کو حاصل کیا خدا آپ کی اُمت کو بھی یہی نصیب کرے۔ پھر مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر راوی نے تمام قصہ آخر حدیث تک بیان کیا +

حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا معاذ بن ھشام قال حدثنی ابی عن قتادۃ قال حدثنا انس بن مالک عن مالک بن صعصعۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فذکر نحوہ وزاد فیہ فاتیت بطست من ذھب ممتلئ حکمۃ وایمانا فشق من النحر الی مراق البطن

حدیث بیان کی ہم سے محمد بن مثنے نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے معاذ بن ہشام نے کہا اُس نے حدیث بیان کی مجھ سے میرے باپ نے قتادہ سے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے انس بن مالک نے مالک بن صعصعہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ	جیسے کہ گھس گئے تھے اُس میں پہلی دفعہ

فغسل بماء زمزم ثم ملئ حكمة وايمانا۔ (صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۴) +

فرمایا پھر راوی نے اسی کی مانند بیان کیا اور زیادہ کیا اس میں یہ بیان کہ سونے کا لگن حکمت و ایمان سے بھرا ہوا لایا گیا۔ پھر گلے سے پیٹ کی نرم جگہ تک چیرا گیا پھر آب زمزم سے دھویا گیا پھر ایک حکمت و ایمان سے بھر دیا گیا +

حدیث کی مجھ سے محمد بن مثنیٰ اور ابن بشار نے کہا ابن مثنیٰ نے حدیث بیان

حدثني محمد بن المثنى وابن بشار قال ابن المثنى حدثنا محمد بن جعفر قال حدثنا شعبة عن قتادة قال سمعت ابا العالية يقول حدثني ابن عم نبيكم صلى الله عليه وسلم يعني ابن عباس قال ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم حين اسري به فقال موسى آدم طوال كانه من رجال شنوءة وقال عيسى جعد مربوع وذكر مالكا خازن جهنم وذكر الدجال ۔ (صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۴) +

کی ہم سے محمد بن جعفر نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے شعبہ نے قتادہ سے کہا اُس نے سُنا میں نے ابوالعالیہ سے کہتے ہیں وہ کہ حدیث بیان کی مجھ سے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے یعنی ابن عباس نے کہا اُنہوں نے ذکر کیا رسول اللہ نے وقت معراج کا اور کہا کہ موسےٰ علیہ السلام لمبے قد کے ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ میں سے ہیں اور کہا کہ عیسےٰ علیہ السلام گھونگریالے بال والے اور میانہ قد کے ہیں۔ اور دوزخ کے محافظ مالک اور دجال کا بھی ذکر کیا (مگر واضح ہو کہ دجال کے قصہ کی اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں ہے) +

حدیث بیان کی ہم سے عبد بن حمید نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے یونس

حدثنا عبد بن حميد قال حدثنا يونس بن محمد قال حدثنا شيبان بن عبد الرحمن عن قتادة عن ابي العالية قال حدثنا ابن عم نبيكم صلى الله عليه وسلم ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مررت ليلة اسري بي على موسى بن عمران رجل آدم طوال جعد كانه من رجال شنوءة ورايت عيسى بن مريم مربوع الخلق الى الحمرة والبياض سبط الراس ورايت مالكا خازن النار والدجال في آيات اراهن الله اياه فلا تكن في مرية من لقائه قال كان قتادة يفسرها ان النبي صلى الله عليه وسلم قد لقي موسى عليه السلام (صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۴) +

بن محمد نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے شیبان بن عبدالرحمٰن نے قتادہ سے اُس نے ابوالعالیہ سے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ابن عباس نے کہا انہوں نے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں معراج کی رات موسےٰ بن عمران کے پاس پہنچا۔ وہ دراز قامت گھونگریالے بالوں والے ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ میں سے ہیں اور میں نے مریم کے بیٹے عیسےٰ علیہ السلام کو میانہ بدن مائل بسرخی و سپیدی لمبے بالوں والا دیکھا اور رسول خدا نے دوزخ کے مالک اور دجال کو بھی دیکھا اُن نشانیوں میں جو خدا نے دکھائیں۔ تم اس کے دیکھنے میں کچھ

وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦	اور برباد کر دیں جس پر غالب ہوں ہر طرح کا برباد کر دینا ⑦

شک نہ لاؤ ۔قتادہ اس کی تفسیر میں کہتے تھے کہ رسول اللہ نے موسٰے علیہ السلام کو دیکھا ✦

حدیث بیان کی ہم سے محمد بن رمح نے کہا اس نے حدیث بیان کی ہم سے لیث

حدثنا محمد بن رمح قال حدثنا الليث عن ابي الزبير عن جابر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عرض علي الانبياء فاذا موسى ضرب من الرجال كانه من رجال شنوءة ورايت عيسى بن مريم فاذا اقرب من رايت به شبها عروة بن مسعود ورايت ابراهيم فاذا اقرب من رايت به شبها صاحبكم يعني نفسه ورايت جبريل عليه السلام فاذا اقرب من رايت به شبها دحية وفي رواية ابن رمح دحية بن خليفة

(صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۵) ✦

نے ابو زبیر سے اس نے جابر سے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ انبیا میرے سامنے لائے گئے میں نے دیکھا کہ موسٰے علیہ السلام بدن کے دُبلے ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ میں سے ہیں اور میں نے مریم کے بیٹے عیسٰے علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ ان میں سے جن کو میں نے دیکھا عروہ بن مسعود سے مشابہ ہیں اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اُن میں سے ہیں جن کو میں نے دیکھا تمہارے آقا سے ملتے جلتے ہیں ۔اور اس سے خود اپنی ذات مراد لی ۔اور میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ ان میں سے جن کو میں نے دیکھا دحیہ کے مشابہ ہیں اور ابن رمح کی روایت میں ہے دحیہ بن خلیفہ ✦

حدیث بیان کی مجھ سے محمد بن رافع اور عبد بن حمید نے اور دونوں کے لفظ قریب

حدثني محمد بن رافع وعبد بن حميد وتقاربا في اللفظ قال ابن رافع حدثنا وقال عبد اخبرنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الزهري قال اخبرني سعيد بن المسيب عن ابي هريرة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم حين اسري بي لقيت موسى عليه السلام فنعته النبي صلى الله عليه وسلم فاذا رجل حسبته قال مضطرب رجل الراس كانه من رجال شنوءة قال ولقيت عيسى فنعته النبي صلى الله عليه وسلم فاذا ربعة احمر كانما خرج من ديماس يعني حماما قال ورايت ابراهيم صلوات الله عليه وانا اشبه ولده به قال فاتيت باناءين في احدهما لبن وفي الاخر خمر فقيل لي خذ ايهما شئت فاخذت اللبن فشربته فقال هديت الفطرة او اصبت الفطرة اما انك لو اخذت الخمر غوت امتك ـ

(صحیح مسلم جلد صفحہ ۹۵) ✦

قریب ہیں کہا ابن رافع نے کہ حدیث بیان کی ہم سے اور کہا عبد نے حدیث بیان کی ہم سے عبد الرزاق نے کہا اس نے حدیث بیان کی ہم سے معمر نے زہری سے کہا اس نے خبر دی مجھ کو سعید بن مسیب نے ابو ہریرہ سے کہا انہوں نے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات موسٰے علیہ السلام کو دیکھا پھر آنحضرت نے اُن کا حلیہ بیان کیا کہ وہ " میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے فرمایا " بدن سے دُبلے ہیں اور بال چھپٹے ہوئے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ میں سے ہیں اور فرمایا میں نے عیسٰے علیہ السلام کو دیکھا پھر آنحضرت نے اُن کا حلیہ بیان کیا کہ وہ میانہ قد سرخ رنگ ہیں

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ	قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے

گویا ابھی حمام سے نہا کر نکلے ہیں اور فرمایا کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں اُن کا ہمشکل فرزند ہوں پھر فرمایا کہ میرے آگے دو پیالے پیش کئے گئے ایک میں دودھ اور ایک میں شراب تھی اور مجھ سے کہا گیا کہ ان میں سے جس کو چاہئے لیجئے میں نے دودھ کو لیکر پی لیا کہا کہ آپ فطرت پر ہدایت کئے گئے یا آپ نے فطرت کو پسند کیا اگر آپ شراب کو لیتے تو آپ کی اُمت بھٹک جاتی (لبن جو ایک قدرتی چیز ہے اُس سے مراد فطرت لی ہے اور خمر جو مصنوعی چیز ہے دُنیا کی اُس سے غوایت مراد لی ہے) +

حدیث بیان کی ہم سے ابو بکر بن شیبہ نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے ابو اسامہ نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے مالک بن مغول نے اور حدیث بیان کی ہم سے ابن نمیر اور زہیر بن حرب دونوں نے عبد اللہ بن نمیر سے اور اُن کے الفاظ ملتے جلتے ہیں کہا ابن نمیر نے حدیث بیان کی میرے باپ نے کہا اس نے حدیث بیان کی ہم سے مالک بن مغول نے زبیر بن عدی سے اُس نے طلحہ بن مصرف سے اُس نے مرہ سے اُس نے عبد اللہ سے کہا اُنہوں نے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی سدرۃ المنتہے تک گئے اور وہ چھٹے آسمان میں ہے جو چیز زمین سے اوپر جاتی ہے یہیں تک جا کر رُک جاتی ہے۔ اور جو چیز اس کے اوپر سے آتی ہے وہ بھی یہیں آ کر رُک جاتی ہے۔ خدا فرماتا ہے جب چھا جائے سدرہ پر جو چھا جائے۔ راوی کہتا ہے کہ اس سے مراد سونے کے پروانے ہیں۔ پھر کہا کہ رسول اللہ کو تین چیزیں عطا ہوئیں۔ پانچ نمازیں اور سورہ بقر کی اخیر آیتیں اور اُن کی امت میں سے جس نے خدا کے ساتھ شرک نہیں کیا اُس کے گناہ کبیرہ معاف کر دئے +

حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة قال حدثنا ابو اسامة قال حدثنا مالک بن مغول وحدثنا ابن نمیر و زھیر بن حرب جمیعا عن عبد اللہ بن نمیر والفاظھم متقاربة قال ابن نمیر حدثنا ابی قال حدثنا مالک بن مغول عن الزبیر بن عدی عن طلحة بن مصرف عن مرة عن عبد اللہ قال لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہی بہ الی سدرة المنتہی وھی فی السماء السادسة الیھا ینتہی ما یعرج بہ من الارض فیقبض منھا والیھا ینتہی ما یھبط بہ من فوقھا فیقبض منھا قال اذ یغشی السدرة ما یغشی قال فراش من ذھب قال فاعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا اعطی الصلوات الخمس واعطی خواتیم سورة البقرة وغفر لمن لا یشرک باللہ من امتہ شیئا المقحمات

(صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۰) +

حدیث بیان کی ہم سے قتیبہ بن سعید نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے لیث نے عقیل سے اُس نے زہری سے اُس نے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے اُس نے جابر بن

حدثنا قتیبة بن سعید قال حدثنا لیث عن عقیل عن الزھری عن ابی سلمة بن عبد الرحمن عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لما

اور اگر تم پھر کرو گے تو ہم بھی پھر کرینگے	وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا

كذبني قريش قمت في الحجر فجلا الله لي بيت المقدس فطفقت اخبرهم عن آياته وانا انظر اليه -

(صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۲) +

عبد اللہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھ کو قریش نے جھٹلایا میں حجر میں کھڑا ہوا خدا نے بیت المقدس کو میرے سامنے جلوہ گر کر دیا میں اُس کی نشانیاں اُن کو بتاتا تھا اور اُس کی طرف دیکھتا جاتا تھا +

حدیث بیان کی مجھ سے زہیر بن حرب نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے

حدثني زهير بن حرب قال حدثنا حجين بن المثنى قال حدثنا عبد العزيز وهو ابن ابي سلمة عن عبد الله بن الفضل عن ابي سلمة بن عبد الرحمن عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد رايتني في الحجر وقريش تسالني عن مسراي فسالتني عن اشياء من بيت المقدس لم اثبتها فكربت كربة ما كربت مثله قط قال فرفعه الله لي انظر اليه ما يسالوني عن شيء الا انباتهم به وقد رايتني في جماعة من الانبياء فاذا موسى عليه السلام قائم يصلي فاذا رجل ضرب جعد كانه من رجال شنوءة واذا عيسى بن مريم عليه السلام قائم يصلي اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفي واذا ابراهيم عليه السلام قائم يصلي اشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه صلى الله عليه وسلم فحانت الصلوة فاممتهم فلما فرغت من الصلوة قال قائل يا محمد هذا مالك صاحب النار فسلم عليه فالتفت اليه فبداني بالسلام -

(صفحہ ۹۶ صحیح مسلم جلد اول) +

حجین بن مثنے نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے عبد العزیز نے اور وہ ابو سلمہ کے بیٹے ہیں عبد اللہ بن فضل سے اُس نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن سے اُس نے ابو ہریرہ سے کہا انہوں نے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے تئیں حجر میں دیکھا اور قریش مجھ سے بیت المقدس تک میرے جانے کا حال پوچھتے تھے - اُنہوں نے بیت المقدس کی ایسی باتیں مجھ سے پوچھیں جو مجھ کو یاد نہیں تھیں - میں اس قدر گھبرایا کہ کبھی ایسا نہیں گھبرایا تھا - آنحضرت فرماتے ہیں کہ خدا نے بیت المقدس کو مجھ سے قریب کر دیا میں اُس کی طرف دیکھتا تھا اور قریش مجھ سے جو پوچھتے تھے میں اُن کو بتاتا تھا - اور میں نے انبیاء کی جماعت میں اپنے آپ کو دیکھا میں نے دیکھا کہ موسے علیہ السلام کھڑے نماز پڑھتے ہیں اور اُن کا بدن دُبلا اور بال گھونگریالے تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ میں سے ہیں اور میں نے دیکھا کہ عیسے بن مریم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھتے ہیں اور وہ سب آدمیوں میں عروہ بن مسعود ثقفی سے زیادہ مشابہ ہیں - اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ کھڑے نماز پڑھتے ہیں اور وہ سب آدمیوں سے تمہارے آقا سے زیادہ مشابہ ہیں - اس سے حضرت نے اپنی ذات مبارک مراد لی پھر نماز کا وقت آیا اور میں نے امامت کی جب نماز سے فارغ ہوا ایک نے کہا اے محمد یہ مالک ہے دوزخ کا محافظ اس کو سلام کیجئے - میں اُس کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے پہلے سلام کیا +

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ	اور ہم نے کیا ہے دوزخ کو

احادیث ترمذی

حدیث بیان کی ہم سے یعقوب بن ابراہیم دورقی نے کہا اُس نے حدیث بیان کی

حدثنا یعقوب بن ابراھیم الدورقی حدثنا ابوتمیلۃ عن الزبیر بن جنادۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما انتھینا الی بیت المقدس قال جبریل باصبعہ فخرق بہ الحجر وشد بہ البراق۔

(ترمذی صفحہ ۵۱۴) +

ہم سے ابوتمیلہ نے زبیر بن جنادہ سے اُس نے ابن بریدہ سے اُس نے اپنے باپ سے کہا اُس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم بیت المقدس پہنچے جبرئیل نے اپنی اُنگلی سے اشارہ کیا اور اُس سے پتھر کو شق کیا اور براق کو اس سے باندھ دیا +

حدیث بیان کی ہم سے اسحاق بن منصور نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے

حدثنا اسحاق بن منصور حدثنا عبد الرزاق حدثنا معمر عن قتادۃ عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بالبراق لیلۃ اسری بہ ملجما مسرجا فاستصعب علیہ فقال لہ جبریل ابمحمد تفعل ھذا فما رکبک احد اکرم علی اللہ منہ قال فارفض عرقا۔

(ترمذی صفحہ ۵۱۰) +

عبدالرزاق نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے معمر نے قتادہ سے اُس نے انس سے کہ رسول خدا کے پاس معراج کی شب براق زین اور لگام سے آراستہ آیا اور اُس نے حضرت کو دیکھ کر شوخی کی۔ جبرئیل نے اُس سے کہا تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا کرتا ہے کوئی شخص جو خدا کے نزدیک اُن سے زیادہ مقبول ہو تجھ پر سوار نہیں ہوا یہ سُن کر براق ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا +

حدیث بیان کی ہم سے محمود بن غیلان نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا عبد الرزاق حدثنا معمر عن الزھری قال اخبرنی سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اسری بی لقیت موسی قال فنعتہ فاذا رجل قال حسبتہ قال مضطرب الرجل الراس کانہ من رجال شنوءۃ قال ولقیت عیسی قال فنعتہ قال ربعۃ احمر کانہ خرج من دیماس یعنی الحمام ورأیت ابراھیم قال وانا اشبہ ولدہ بہ قال واتیت باناءین احدھما لبن والآخر فیہ خمر فقیل لی خذ ایھما شئت فاخذت اللبن فشربتہ

عبدالرزاق نے حدیث بیان کی ہم سے معمر نے زہری سے کہا اُس نے خبر دی مجھ کو سعید بن مسیب نے ابوہریرہ سے کہا اُنہوں نے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے معراج کی شب موسے علیہ السلام کو دیکھا پھر اُن کی تعریف کی کہ وہ ۔۔ دی کہتا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ دبلا پتلا ہران سے دُبلے تھے اور اُن کے سر کے بال

کافروں کے لئے قید خانہ ⑧	لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ⑧

قیل لی ھدیت للفطرۃ او اصبت الفطرۃ اما انک لو اخذت الخمر غوت امتک - (ترمذی صفحہ ۵۱۲)

چھوٹے ہوئے تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ میں سے ہیں۔ اور فرمایا کہ میں نے عیسے علیہ السلام کو دیکھا کہا راوی نے کہ پھر آنحضرت نے اُن کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا کہ وہ میانہ قد سُرخ رنگ تھے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں اور مَیں نے ابراہیم کو دیکھا اور فرمایا کہ مَیں اُن کا فرزند ہم شکل ہوں - پھر فرمایا کہ میرے سامنے دو پیالے پیش ہوئے ایک میں دودھ تھا اور ایک میں شراب - مجھ سے کہا گیا کہ آپ ان میں سے جس کو چاہیں لے لیں - مَیں نے دودھ لیکر پی لیا مجھ سے کہا گیا کہ آپ فطرۃ پر ہدایت کئے گئے یا فطرت پر کامیاب ہوئے اگر شراب لیتے تو آپ کی اُمت بہک جاتی +

حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان عن مالک بن مغول عن طلحۃ بن مصرف عن مرۃ عن ابن مسعود قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی قال انتہی الیہا ما یعرج من الارض وما ینزل من فوق فاعطاہ اللہ عندھا ثلاثا لم یعطہن نبیا کان قبلہ فرضت علیہ الصلوۃ خمسا واعطی خواتیم سورۃ البقرۃ وغفر لامتہ المقحمات ما لم یشرکوا باللہ شیئا قال ابن مسعود اذ یغشی السدرۃ ما یغشی قال السدرۃ فی السماء السادسۃ قال سفیان فراش من ذھب واشار سفیان بیدہ فارعدھا وقال غیر مالک بن مغول الیہا ینتہی علم الخلق لا علم لہم بما فوق ذلک +

(ترمذی صفحہ ۵۴۲) -

حدیث بیان کی ہم سے ابن ابی عمر نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے مالک بن مغول سے اُس نے طلحہ بن مصرف سے اُس نے مرہ سے اُس نے ابن مسعود سے کہا انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰے پر پہنچے - کہا راوی نے جو چیز زمین سے اوپر جاتی ہے اور جو چیز اُوپر سے آتی ہے سدرہ پر رُک جاتی ہے - خدا نے اُن کو تین چیزیں عطا کیں جو اُن سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیں اول پانچ نمازیں اُن پر فرض ہوئیں دوم سورہ بقر کی آخر آیتیں اُن کو عطا ہوئیں سوم جس نے اُن کی اُمت میں سے خدا کے ساتھ شرک نہیں کیا اس کے گناہ کبیرہ معاف کر دئے - ابن مسعود اس آیت کی تفسیر میں کہ جب چھا جانے سدرہ پر جو چھا جائے - کہتے ہیں کہ سدرہ چھٹے آسمان پر ہے سفیان کہتے ہیں سونے کے پتنگے تھے جو سدرہ پر چھائے ہوئے تھے - اور سفیان نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اُس کو ہلایا اور مالک بن مغول کے سوا اور راوی کہتا ہے کہ سدرہ پر تمام دنیا کا علم منتہی ہوتا ہے - اُس سے اوپر کا کسی کو علم نہیں +

حدثنا قتیبۃ حدثنا اللیث عن عقیل عن الزہری

حدیث بیان کی ہم سے قتیبہ نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے لیث نے عقیل سے اُس نے زہری سے اُس نے

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ	بیشک یہ قرآن

عن ابی سلمۃ عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن آیاتہ وانا انظر الیہ -

(ترمذی صفحہ ۵۱۴) ◆

ابوسلمہ سے اُس نے جابر بن عبداللہ سے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ جب قریش نے مجھ کو جھٹلایا میں حجر میں کھڑا ہوا اور خدا نے بیت المقدس کو میری نظر میں جلوہ گر کر دیا میں اُس کی نشانیاں اُن کو بتاتا تھا اور اُس کی طرف دیکھتا جاتا تھا ◆

احادیث نسائی

اخبرنا یعقوب بن ابراھیم حدثنا یحیی بن سعید حدثنا ھشام الدستوائی حدثنا قتادۃ عن انس بن مالک عن مالک بن صعصعۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بینا انا عند البیت بین النائم والیقظان اذ اقبل احد الثلاثۃ بین الرجلین فاتیت بطست من ذھب ملآن حکمۃ وایمانا فشق من النحر الی مراق البطن فغسل القلب بماء زمزم ثم ملئ حکمۃ وایمانا ثم اتیت بدابۃ دون البغل وفوق الحمار ثم انطلقت مع جبریل علیہ السلام فاتینا السماء الدنیا فقیل من ھذا قال جبریل قیل ومن معک قال محمد قیل وقد ارسل الیہ مرحبا بہ ونعم المجیء جاء فاتیت علی آدم علیہ السلام فسلمت علیہ قال مرحبا بک من ابن ونبی ثم اتینا الی السماء الثانیۃ قیل من ھذا قال جبریل قیل ومن معک قال محمد فمثل ذلک فاتیت علی یحیی وعیسی فسلمت علیھما فقال مرحبا بک من اخ ونبی ثم اتینا الی السماء الثالثۃ قیل من ھذا قال جبریل قیل ومن معک قال محمد فمثل ذلک فاتیت علی یوسف علیہ السلام فسلمت علیہ قال مرحبا بک من اخ ونبی ثم اتینا الی السماء الرابعۃ فمثل ذلک فاتیت علی ادریس علیہ السلام فسلمت علیہ قال مرحبا بک من اخ ونبی ثم اتینا الی السماء الخامسۃ فمثل ذلک فاتیت علی ھارون علیہ السلام فسلمت علیہ قال مرحبا بک من اخ ونبی ثم اتیت

خبر دی ہم کو یعقوب بن ابراہیم نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے یحییٰ بن سعید نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے ہشام دستوائی نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے قتادہ نے انس بن مالک سے انہوں نے مالک بن صعصعہ سے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ میں کعبہ کے قریب کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا کہ ایک فرشتہ آیا جو تین میں کا ایک اور دو کے درمیان تھا۔ پھر سونے کا لگن لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اور میرا سینہ پیٹ کی نرم جگہ تک چیرا گیا پھر میرا دل آب زمزم سے دھویا گیا اور حکمت و ایمان سے بھرا گیا پھر ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا گدھے سے بڑا تھا۔ پھر میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ چلا اور پہلے آسمان پر پہنچے۔ پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا کیا بلائے گئے ہیں۔ مرحبا کیا خوب آنا ہوا پھر میں آدم کے پاس پہنچا میں نے اُن کو سلام کیا کہا مرحبا اے فرزند اور نبی پھر ہم دوسرے

يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

الى السماء السادسة فمثل ذلك ثم اتيت على موسى عليه السلام فسلمت عليه فقال مرحبا بك من اخ ونبي فلما جاوزته بكى قيل ما يبكيك قال يا رب هذا الغلام الذي بعثته بعدي يدخل من امته الجنة اكثر وافضل مما يدخل من امتي ثم اتينا السماء السابعة فمثل ذلك فاتيت على ابراهيم عليه السلام فسلمت عليه فقال مرحبا بك من ابن ونبي ثم رفع لي البيت المعمور فسالت جبريل فقال هذا البيت المعمور يصلي فيه كل يوم سبعون الف ملك فاذا خرجوا منه لم يعودوا فيه آخر ما عليهم ثم رفعت الى سدرة المنتهى فاذا نبقها مثل قلال هجر واذا ورقها مثل آذان الفيلة واذا في اصلها اربعة انهار نهران باطنان ونهران ظاهران فسالت جبريل فقال اما الباطنان ففي الجنة واما الظاهران فالفرات والنيل ثم فرضت علي خمسون صلوة فاتيت على موسى فقال ما صنعت قلت فرضت علي خمسون صلوة قال اني اعلم بالناس منك اني عالجت بني اسرائيل اشد المعالجة وان امتك لن يطيقوا ذلك فارجع الى ربك فاسأله ان يخفف عنك فرجعت الى ربي فسألته ان يخفف عني فجعلها اربعين ثم رجعت الى موسى عليه السلام فقال ما صنعت قلت جعلها اربعين فقال لي مثل مقالته الاولى فرجعت الى ربي عز وجل فجعلها ثلثين فاتيت على موسى عليه السلام فاخبرته فقال لي مثل مقالته الاولى فرجعت الى ربي فجعلها عشرين ثم عشرة ثم خمسة فاتيت على موسى عليه السلام فقال لي مثل مقالته الاولى فقلت اني استحيي من ربي عز وجل ان ارجع اليه فنودي ان قد امضيت فريضتي وخففت عن عبادي واجزي بالحسنة عشر امثالها ۔

(نسائی صفحہ ۵۲ و ۵۳) ۔

ہدایت کرتا ہے اُس راہ کی کہ وہی سیدھی ہے

آسمان پر پہنچے پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل کہا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں یہاں بھی ویسی ہی باتیں ہوئیں ۔ پھر مَیں یحیٰے اور عیسےٰ کے پاس پہنچا۔ اور مَیں نے اُن کو سلام کیا ۔ دونوں نے کہا مرحبا اے بھائی اور نبی پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے ۔ پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل پوچھا تیرے ساتھ کون ہے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہاں بھی ویسے ہی باتیں ہوئیں پھر مَیں یوسف کے پاس پہنچا ۔ مَیں نے اُن کو سلام کیا ۔ کہا مرحبا اے بھائی اور نبی پھر ہم چوتھے آسمان پر پہنچے اور وہاں بھی ویسی ہی باتیں ہوئیں ۔ پھر مَیں ادریس کے پاس پہنچا مَیں نے اُن کو سلام کیا کہا مرحبا اے بھائی اور نبی ۔ پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے وہاں بھی ویسی ہی باتیں ہوئیں پھر مَیں ہارون کے پاس پہنچا ۔ مَیں نے اُن کو سلام کیا کہا مرحبا اے بھائی اور نبی پھر ہم چھٹے آسمان پر پہنچے اور ویسی ہی باتیں ہوئیں ۔ پھر مَیں موسےٰ کے پاس پہنچا ۔ مَیں نے اُن کو سلام کیا کہا مرحبا اے بھائی اور نبی جب مَیں وہاں سے آگے بڑھا تو موسےٰ رونے پوچھا گیا کیوں روتے ہو ۔ کہا اے خدا یہ لڑکا جس کو تو نے میرے بعد نبی کیا ہے اس کی اُمّت کے لوگ میری اُمّت والوں سے زیادہ جنت میں جائیں گے ۔ پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے اور ویسی ہی باتیں ہوئیں پھر مَیں ابراہیم کے پاس پہنچا ۔ مَیں نے اُن کو سلام کیا کہا مرحبا اے فرزند اور نبی پھر بیت المعمور مجھ سے نزدیک ہوا ۔

اور خوشخبری دیتا ہے ایمان والوں کو ۹	وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ ۹

میں نے جبریل سے پوچھا تو کہا یہ بیت المعمور ہے ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جب جاتے ہیں پھر کر دوبارہ نہیں آتے - پھر سدرہ مجھ سے قریب آگیا اُس کے بیر ہجر کے منکوں کی برابر اور پتے ہاتھی کے کانوں کی برابر تھے اُس کی جڑ سے چار نہریں نکلتی تھیں دو ظاہر اور دو باطن میں نے جبریل سے پوچھا تو کہا یہ دو پوشیدہ نہریں تو جنت میں جاتی ہیں اور یہ دو ظاہر نیل اور فرات ہیں - پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں - پھر میں موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا - موسٰے نے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا میں نے کہا مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئی ہیں - کہا آپ سے زیادہ میں لوگوں کی حالت سے واقف ہوں - میں نے بنی اسرائیل کو آزمایا اور سخت تکلیف اُٹھائی - آپ کی اُمت اس فرض کا تحمل نہ کرسکیگی - آپ خدا کے پاس پھر جائیے - اور کمی کی درخواست کیجئے - میں پھر خدا کے پاس گیا اور کمی کے لئے التجا کی - خدا نے چالیس کا حکم دیا - پھر میں موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا پوچھا کیا کر آئے میں نے کہا چالیس نماز کا حکم دیا ہے - موسٰے علیہ السلام نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا - میں پھر خدا کے پاس گیا - تو تیس نماز کا حکم دیا - پھر موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا اور اُن کو خبر دی موسٰے نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا - میں پھر خدا کے پاس گیا - اب کی دفعہ بیس نمازوں کا حکم دیا پھر دس کا پھر پانچ کا میں پھر موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا موسٰے علیہ السلام نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا - میں نے کہا مجھ کو خدا سے شرم آتی ہے کہ میں پھر اُس کے پاس جاؤں - آواز آئی کہ میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں کو آسانی دی اور میں ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کا ثواب دونگا ◆

خبر دی ہم کو یونس بن عبد الاعلےٰ نے کہا اس نے حدیث بیان کی ہم سے ابن وہب نے کہا اس نے خبر دی مجھ کو یونس نے ابن شہاب سے کہا انس بن مالک اور ابن حزم نے کہ رسول خدا نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں - میں اُلٹا پھرا اور موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا موسٰے علیہ السلام نے کہا خدا نے آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا - میں نے کہا اُن پر پچاس نمازیں

أخبرنا يونس بن عبد الأعلى حدثنا ابن وهب قال أخبرني يونس عن ابن شهاب قال أنس بن مالك وابن حزم قال النبي صلى الله عليه وسلم فرض الله عز وجل على أمتي خمسين صلاة فرجعت بذلك حتى أمر على موسى عليه السلام فقال ما فرض ربك على أمتك قلت فرض عليهم خمسين صلاة قال لي موسى فراجع ربك عز وجل فإن أمتك لا تطيق ذلك فراجعت ربي عز وجل فوضع شطرها فرجعت إلى موسى فأخبرته فقال راجع ربك فإن أمتك لا تطيق ذلك فراجعت ربي عز وجل فقال هي خمس وهي خمسون لا يبدل القول لدي فرجعت إلى موسى فقال راجع

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ	جو کام کرتے ہیں اچھے

ربك فقلت انی استحییت من ربی عز و جل -
(نسائی صفحہ ۵۳) ٭

فرض کی ہیں - موسٰے علیہ السلام نے مجھ سے کہا دوبارہ خدا سے کہئے آپ کی امت اس کا تحمل نہ کرسکیگی - مَیں نے دوبارہ خدا سے کہا اور خدا نے ان میں سے ایک حصہ کم کردیا - پھر موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا اور اُن کو خبر دی کہا پھر خدا سے کہئے آپ کی اُمت میں اس کی طاقت نہیں ہے - مَیں نے خدا سے پھر کہا خدا نے فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں اور وہی پچاس کی برابر ہیں - میرا قول نہیں بدلتا - مَیں پھر موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا - کہا پھر خدا سے کہئے - مَیں نے کہا اب تو مجھے خدا سے شرم آتی ہے ٭

خبر دی ہم کو عمر بن ہشام نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے مخلد نے سعید بن

اخبرنا عمرو بن ھشام قال حدثنا مخلد عن سعید بن عبد العزیز حدثنا یزید بن ابی مالک حدثنا انس بن مالک ان رسول الله صلعم قال اتیت بدابۃ فوق الحمار ودون البغل خطوھا عند منتھی طرفھا فرکبت ومعی جبریل علیہ السلام فسرت فقال انزل فصل ففعلت فقال اتدری این صلیت صلیت بطیبۃ والیھا المھاجر ثم قال انزل فصل فصلیت فقال اتدری این صلیت صلیت بطور سینا حیث کلم الله موسی علیہ السلام ثم قال انزل فصل فنزلت فصلیت فقال اتدری این صلیت صلیت ببیت لحم حیث ولد عیسی علیہ السلام ثم دخلت الی بیت المقدس فجمع لی الانبیاء علیھم السلام فقدمنی جبریل حتی اممتھم ثم صعد بی الی السماء الدنیا فاذا فیھا آدم علیہ السلام ثم صعد بی الی السماء الثانیۃ فاذا فیھا ابنا الخالۃ عیسی و یحیی علیھما السلام ثم صعد بی الی السماء الثالثۃ فاذا فیھا یوسف علیہ السلام ثم صعد بی الی السماء الرابعۃ فاذا فیھا ھرون علیہ السلام ثم صعد بی الی السماء الخامسۃ فاذا فیھا ادریس علیہ السلام ثم صعد بی الی السماء السادسۃ فاذا فیھا موسی علیہ السلام ثم صعد بی الی السماء السابعۃ فاذا فیھا ابراھیم علیہ السلام ثم صعد بی فوق سبع سموت فاتینا سدرۃ المنتھی فغشیتنی ضبابۃ فخررت ساجدا فقیل لی انی یوم خلقت السموات والارض فرضت علیک وعلی امتک خمسین صلوۃ فقم بھا

عبد العزیز سے کہا اُس نے حدیث بیان کی یزید بن ابی ملک نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے انس بن مالک نے کہ رسول خدا نے فرمایا میرے لئے ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا - اور اس کا قدم منتہائے نظر تک پڑتا تھا - مَیں اس پر سوار ہوا اور میرے ساتھ جبریل تھے - پھر مَیں چلا - جبریل نے کہا اُترئیے اور نماز پڑھئے مَیں نے نماز پڑھی کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی آپ نے طیبہ (مدینہ) میں نماز پڑھی - اور آپ اسی طرف ہجرت کرینگے - پھر کہا اُترئیے اور نماز پڑھئے - مَیں نے نماز پڑھی کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی آپ نے طور سینا جہاں خدا نے موسٰے سے کلام کیا پھر کہا اُترئیے اور نماز پڑھئے مَیں نے نماز پڑھی کہا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی آپ نے بیت اللحم میں نماز پڑھی جہاں عیسٰے علیہ السلام پیدا ہوئے تھے مَیں

اِنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ⑩	اور بیشک اُن کے لئے ہے ثوابِ بڑا ⑩

انت وامتك فرجعت الى ابراهيم فلم يسألني عن شئ ثم اتيت على موسى فقال كم فرض عليك وعلى امتك قلت خمسين صلوة قال فانك لا تستطيع ان تقوم بها انت ولا امتك فارجع الى ربك فاسأله التخفيف فرجعت الى ربي فخفف عني عشرا ثم اتيت الى موسى فامرني بالرجوع فرجعت فخفف عني عشرا ثم ردت الى خمس صلوة قال فارجع الى ربك فاسأله التخفيف فانه فرض على بني اسرائيل صلوتين فما قاموا بها فرجعت الى ربي عز وجل فسألته التخفيف فقال اني يوم خلقت السموت والارض فرضت عليك و على امتك خمسين صلوة فخمس بخمسين فقم بها انت وامتك فعرفت انها من الله عز وجل صرى فرجعت الى موسى عليه السلام فقال ارجع فعرفت انها من الله صرى يقول حتم فما ارجع - (نسائی مجتبائی ص ۵۰ و ۵۱)

بیت المقدس میں داخل ہوا انبیاء علیہ السلام میرے لئے جمع تھے - جبریل نے مجھ کو آگے بڑھا دیا میں نے امامت کی پھر مجھ کو آسمان اول پر لے گیا میں نے اُس میں آدم علیہ السلام کو پایا - پھر دوسرے آسمان پر لے گیا - میں نے اس میں خالہ زاد بھائی عیسٰے اور یحیٰے علیہما السلام دیکھے - پھر تیسرے آسمان پر لے گیا - وہاں یوسف علیہ السلام نظر آئے - پھر چوتھے آسمان پر لے گیا - اس میں ہارون علیہ السلام تھے - پھر پانچویں آسمان پر لے گیا - اس میں ادریس علیہ السلام تھے - پھر چھٹے آسمان پر لے گیا - اس میں موسٰے علیہ السلام دکھائی دیئے - پھر ساتویں آسمان پر لے گیا میں نے اس میں ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا - پھر مجھ کو ساتوں آسمانوں سے اُدھر لے گیا پھر ہم سدرۃ المنتہٰے پر پہنچے - مجھ پر ایک کہر سی چھا گئی میں سجدے میں گرا آواز آئی کہ میں نے جس روز آسمان زمین کو پیدا کیا تجھ پر اور تیری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں - اب تو اور تیری امت اس کو قائم کریں - میں وہاں سے ابراہیم علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا - اُنھوں نے کوئی سوال مجھ سے نہیں کیا - پھر میں موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا پوچھا کتنی نمازیں آپ پر اور آپ کی اُمت پر فرض ہوئیں - میں نے کہا پچاس نمازیں آپ اس کو ادا نہ کر سکینگے نہ آپ کی اُمت - خدا کے پاس پھر جائیے اور کمی کی درخواست کیجئے - میں پھر خدا کے پاس گیا - تو دس نمازیں معاف کر دیں پھر میں موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا تو مجھ کو پھر جانے کو کہا - میں پھر گیا تو خدا نے دس اور معاف کر دیں - پھر پانچ نماز کا حکم لے کر آیا تو موسٰے علیہ السلام نے پھر کہا کہ خدا کے پاس پھر جائیے - اور کمی کی درخواست کیجئے - خدا نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی تھیں ان کو بھی ادا نہ کر سکے - میں پھر خدا کے پاس گیا اور کمی کی درخواست کی - خدا نے فرمایا کہ میں نے جس روز زمین و آسمان پیدا کئے تھے اسی روز تجھ پر اور تیری اُمت پر پچاس نماز فرض کر دی تھیں - اور یہ پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں - تو اور تیری اُمت ان کو ادا کریں

وَاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ	اور بیشک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر

اب مَیں نے جان لیا کہ یہ خدا کی طرف سے قطعی حکم ہے۔ پھر مَیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا پھر جائیے۔ مَیں نے سمجھا کہ یہ خدا کا حکم قطعی ہو چکا اس لئے میں پھر نہیں گیا +

خبر دی ہم کو احمد بن سلیمان نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے یحییٰ بن آدم نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے مالک بن مغول نے اُس نے زبیر بن عدی بن طلحہ بن مصرف سے اُس نے مرہ سے اُس نے عبداللہ سے کہا اُنہوں نے کہ جب رسول خدا معراج کو گئے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور وہ چھٹے آسمان پر ہے۔ اور جو کچھ اُس کے نیچے سے اوپر کو جاتا ہے اور جو کچھ اُس کے اوپر سے نیچے کو آتا ہے وہیں آکر رکتا ہے اس آیت کی تفسیر میں کہ جب چھا جائے اُس پر جو چھا جائے۔

اخبرنا احمد بن سلیمان حدثنا یحیی بن آدم حدثنا مالك بن مغول عن الزبیر بن عدی بن طلحة بن مصرف عن مرة عن عبد الله قال لما اسری برسول الله صلی الله علیه وسلم انتهی به الی سدرة المنتهی وهی فی السماء السادسة والیها ینتهی ما عرج به من تحتها والیها ینتهی ما اهبط به من فوقها حتی یقبض منها قال اذ یغشی السدرة ما یغشی قال فراش من ذهب فاعطی ثلثا الصلوة الخمس وخواتم سورة البقرة ویغفر لمن مات من امته لا یشرك بالله شیئا المقحمات۔

(نسائی صفحہ ۵۴) +

راوی نے کہا کہ اس سے مراد ہیں سونے کے پتنگے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں دی گئیں۔ پانچ نمازیں اور سورہ بقر کی آخیر آیتیں اور اُن کی امت میں سے جو شخص خدا کے ساتھ شرک نہ کرے اُس کے کبیرہ گناہ معاف کریگا +

خبر دی ہم کو سلیمان بن داؤد نے ابن وہب سے کہا اُس نے خبر دی مجھ کو عمرو بن حارث نے کہ عبد ربہ بن سعید نے خبر دی اُس کو کہ بنانی نے حدیث بیان کی اُس نے انس بن مالک سے کہ نماز مکہ میں فرض ہوئی اور دو فرشتے رسول اللہ کے پاس آئے اور اُن کو زمزم کے پاس لے گئے۔ دونوں نے ان کا پیٹ چیرا اور اندر کی چیز دل ہ سونے کے لگن میں نکالی اور آب زمزم سے اُس کو دھویا پھر علم و حکمت اُس کے اندر بھر دیا +

اخبرنا سلیمان بن داؤد عن ابن وهب قال اخبرنی عمرو بن الحارث ان عبد ربه بن سعید اخبره ان البنانی حدثه عن انس بن مالك ان الصلوات فرضت بمکة وان ملکین اتیا رسول الله صلی الله علیه وسلم فذهبا به الی زمزم فشقا بطنه واخرجا حشوه فی طست من ذهب فغسلاه بماء زمزم ثم کبسا جوفه حکمة وعلما۔ (نسائی صفحہ ۵۴) +

أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۱﴾	ہم نے طیار کیا ہے اُن کے لئے عذاب دکھ دینے والا ﴿۱۱﴾

حدیث ابن ماجہ

حدثنا حرملۃ بن یحییٰ المصری حدثنا عبد اللہ بن وھب اخبرنی یونس بن یزید عن ابن شہاب عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض اللہ علیٰ اُمتی خمسین صلوٰۃ فرجعت بذلک حتیٰ اتی علیٰ موسیٰ فقال موسیٰ ماذا افترض ربک علیٰ امتک قلت فرض علیّ خمسین صلوٰۃ قال فارجع الی ربک فان امتک لا تطیق ذلک فراجعت ربی فوضع عنی شطرھا فرجعت الی موسیٰ فاخبرتہ فقال ارجع الی ربک فان امتک لا تطیق ذلک فراجعت ربی فقال ھی خمس وھی خمسون لا یبدل القول لدی فرجعت الی موسیٰ فقال ارجع الی ربک فقلت قد استحییت من ربی۔

(ابن ماجہ صفحہ ۲۳۲)

حدیث بیان کی ہم سے حرملہ بن یحییٰ معری نے کہا اُس نے حدیث بیان کی ہم سے عبد اللہ بن وہب نے کہا اُس نے خبر دی مجھ کو یونس بن یزید نے ابن شہاب سے اُس نے انس بن مالک سے کہا اُنہوں نے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے میری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کیں میں اُٹھا پھر کر موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا تو موسٰے علیہ السلام نے پوچھا خدا نے آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا میں نے کہا پچاس نمازیں کہا خدا کے پاس پھر جائیے آپ کی اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی میں نے دوبارہ خدا سے کہا اور خدا نے ان میں سے ایک حصہ معاف کر دیا۔ پھر میں موسٰے کے پاس آیا اور اُن کو خبر دی کہا پھر خدا کے پاس جائیے۔ آپ کی اُمت میں اس کے ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ میں نے پھر خدا سے کہا خدا نے فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں اور وہی پچاس ہیں۔ میرا قول نہیں بدلتا۔ پھر میں موسٰے علیہ السلام کے پاس آیا۔ موسٰے علیہ السلام نے کہا پھر خدا کے پاس جائیے۔ میں نے کہا مجھ کو خدا سے شرم آتی ہے۔

اختلافات جو ان حدیثوں میں ہیں

ان حدیثوں کے طرز بیان میں اور واقعات جو اُن میں بیان ہوئے ہیں اور اُن کے الفاظ و عبارات میں ایسا اختلاف ہے جو اس بات کے یقین کرنے کے لئے کافی دلیل ہے کہ وہ الفاظ وہ نہیں ہیں جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے فرمائے ہونگے یہ بات مسلم ہے کہ حدیثیں بلفظہٖ یعنی انہی الفاظ سے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے بیان نہیں ہوتی تھیں بلکہ روایت بالمعنی کا عام رواج تھا یعنی راوی

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ	اور دعا مانگتا ہے انسان برائی کی جیسے کہ وہ دعا مانگتا ہے بھلائی کی

حدیث کے مطلب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایک مطلب کی حدیثوں کو متعدد راویوں نے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے اور اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ ان حدیثوں کے جو الفاظ ہیں وہ اخیر راوی کے الفاظ ہیں جس کی روایت حدیثوں کی کتابوں میں لکھی گئی ہے ٭

علاوہ اس کے ان حدیثوں کے مضامین بھی نہایت مختلف ہیں اور راویوں نے اپنی یاد اور اپنی سمجھ کے موافق اُن کو بیان کیا ہے اُن سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا بیان کیا تھا اور زبانی نقل درنقل ہوتے ہوتے اخیر راوی تک کس قدر پہنچی اور کیا کمی یا زیادتی اُن میں ہوگئی اور مطلب بھی اُن میں وہی باقی رہا جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا یا اُس میں بھی کچھ تغیر تبدیل ہوگئی ہے ٭

اب ہم الفاظ کے اختلافات سے قطع نظر کرتے ہیں اس خیال سے کہ راویوں کے سبب وہ مختلف ہو گئے ہیں اور صرف اختلافات مضامین کو دکھلاتے ہیں جو مذکورہ بالا حدیثوں میں پائے جاتے ہیں ٭

۱۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ جب معراج شروع ہوئی تو آپ کہاں تھے

بخاری اور مسلم میں ابوذر کی حدیثوں میں ہے کہ آپ مکہ میں اپنے گھر میں تھے کہ آپ کے گھر کی چھت پھٹ گئی ٭

بخاری اور مسلم اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث میں ہے کہ آپ خانہ کعبہ کے پاس تھے ٭

بخاری میں انہی کی دوسری حدیث میں ہے کہ آپ حطیم میں تھے یا حجر میں تھے ٭

بخاری اور مسلم میں انس ابن مالک کی حدیث میں ہے کہ مسجد کعبہ میں سے آپ کو معراج ہوئی ٭

جس قدر حدیثیں ان کے سوا ہیں اُن میں سے کسی میں اس بات کا ذکر نہیں کہ جب

وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا ﴿۱۲﴾	اور ہے انسان جلد باز ﴿۱۲﴾

معراج شروع ہوئی تو آپ کہاں تھے +

۲- جبریل تنہا آئے تھے یا اور بھی اُن کے ساتھ تھے

بخاری میں مالک ابن صعصعہ اور بخاری و مسلم میں ابوذر کی حدیث ہے کہ تنہا جبریل آنحضرت کے پاس آئے تھے +

نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ دو فرشتے آنحضرت پاس آئے تھے +

بخاری میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے جس کے یہ لفظ ہیں "فذکر رجلا بین الرجلین" +

اور مسلم اور نسائی میں ہے "احد الثلثة بین الرجلین" یعنی تین کا ایک جو دو کے درمیان میں ہے +

فتح الباری اس سے مراد لیتا ہے کہ آنحضرت حمزہ وجعفر کے بیچ میں سوتے تھے جس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں دو آدمیوں یعنی حمزہ وجعفر کے بیچ میں سوتا تھا +

مگر کواکب الدراری اور خیر الجاری میں جو بخاری کی شرحیں ہیں لکھا ہے "ای ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث رجال وھم الملائکۃ تصوروا بصورۃ الانس" یعنی آنحضرت نے تین آدمیوں کا ذکر کیا جو فرشتے تھے کہ آدمیوں کی شکل بنکر آئے تھے پس اس روایت سے تین فرشتوں کا آنا معلوم ہوتا ہے +

بخاری اور مسلم میں انس ابن مالک کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت پاس تین فرشتے آئے +

۳- اُس وقت آپ سوتے تھے اور اخیر تک سوتے رہے یا جاگتے تھے

بخاری اور مسلم اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث میں ہے۔ بین النائم والیقظان یعنی آنحضرت نے فرمایا کہ میں کچھ سوتا اور کچھ جاگتا تھا +

بخاری کی انہی کی دوسری حدیث میں ہے "مضطجعا" یعنی آنحضرت نے فرمایا کہ میں کروٹ پر لیٹا یا سوتا تھا +

بخاری میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ "وھو نائم" یعنی آنحضرت سوتے

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ	اور ہم نے کیا رات کو اور دن کو دو نشانیاں

تھے اور اس کے بعد ہے "فیما یری قلبہ وتنام عینہ ولا ینام قلبہ" یعنی فرشتے آپ کے پاس آئے ایسی حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا۔ اُس حدیث کے اخیر میں ہے "فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام" یعنی تمام قصہ معراج بیان کر کے انس بن مالک نے کہا کہ پھر آنحضرت جاگے اور وہ مسجد حرام میں تھے ✦

اور مسلم میں انس بن مالک کی حدیث میں ہے وھو نائم فی المسجد الحرام یعنی آنحضرت سوتے تھے مسجد حرام میں ✦

ان حدیثوں کے سوا کسی حدیث میں اس بات کا بیان ہی نہیں ہے کہ اُس وقت آنحضرت جاگتے تھے یا سوتے تھے ✦

۴۔ شق صدر اور اُس کے اختلافات

بخاری اور مسلم میں ابوذر کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جبریل نے میرا سینہ چیرا اور زمزم کے پانی سے دھویا ✦

بخاری میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ حلقوم سے پیٹ کی پنیٹ کی نرم جگہ تک چیرا گیا۔ اور پیٹ کے زمزم کے پانی سے دھویا گیا ✦

اور بخاری اور مسلم اور نسائی میں انہیں کی حدیث ہے کہ گلے کے گڑھے سے پیڑو تک چیرا گیا۔ پھر میرا دل نکالا اور زمزم کے پانی سے دھویا ✦

بخاری میں انس بن مالک کی حدیث ہے کہ تین فرشتے جو آئے تھے اُن میں سے جبریل نے سینہ کو ایک سرے سے دوسرے تک چیر ڈالا اور جبریل نے اپنے ہاتھ سے زمزم کے پانی سے دھویا۔ نسائی میں انس بن مالک کی حدیث ہے کہ دو فرشتے آئے اور آنحضرت کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے اور دونوں نے آنحضرت کے پیٹ کو چیرا اور دونوں نے ملکر زمزم کے پانی سے دھویا ✦

ان حدیثوں کے سوا جو اور حدیثیں ہیں اُن میں شق صدر کا کچھ ذکر نہیں ✦

۵۔ براق کا ذکر کن حدیثوں میں ہے اور کن میں نہیں

بخاری اور مسلم میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے کہ ایک چوپایہ میرے پاس لایا گیا سفید رنگ کا گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا جس کو براق کہتے ہیں ✦

مسلم میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ میرے پاس براق لایا گیا اور وہ ایک

فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ	پھر ہم نے دھندلا کردیا رات کی نشانی کو

چوپایہ ہے سفید رنگ کا گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ✦

ترمذی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ رسول خدا کے پاس معراج کی شب براق زین اور لگام سے آراستہ لایا گیا ✦

نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے اُس میں براق کا نام نہیں ہے صرف یہ ہے کہ ایک چوپایہ میرے پاس لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا ✦

نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے اُس میں بھی براق کا نام نہیں ہے صرف یہ ہے کہ ایک چوپایہ میرے پاس لایا گیا ✦

ان حدیثوں کے سوا اور کسی حدیث میں براق کے لائے جانے کا ذکر نہیں ہے ✦

۶- آپ براق پر سوار ہو کر گئے یا کس طرح

بخاری اور مسلم میں ابوذر اور انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جبرئیل میرا ہاتھ پکڑ کر آسمانوں پر لے گئے۔ اور انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ مجھ کو آسمانوں پر لے گئے (واضح ہو کہ ان حدیثوں میں براق کا کچھ ذکر نہیں ہے) ✦

بخاری اور مسلم اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ براق پر سوار ہو کر جبرئیل کے ساتھ گئے ✦

مسلم اور نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں براق پر سوار ہوا اور بیت المقدس تک پہنچا ✦

ترمذی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ سوار ہوتے وقت براق نے شوخی کی اور جبرئیل نے اُس سے کہا کہ تو محمد کے ساتھ اس طرح شوخی کرتا ہے۔ کوئی تجھ پر سوار نہیں ہوا جو مقبول ہو خدا کے نزدیک ان سے زیادہ۔ راوی نے کہا کہ براق ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا ✦

اور سب سے زیادہ عجیب روایت وہ ہے کہ جو بزار نے اور سعید ابن منصور نے ابو عمران جونی سے اور اس نے انس سے مرفوعاً بیان کی ہے۔ کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ میں بیٹھا تھا کہ جبرئیل آئے اور میرے دونوں کندھوں کے بیچ میں ہاتھ مارا۔ پھر ہم دونوں ایک درخت کے پاس گئے جس میں پرندوں کے گھونسلے رکھے تھے۔ ایک میں جبرئیل اور ایک میں میں بیٹھ گیا۔ پھر وہ گھونسلے بلند ہوئے۔ یہاں تک کہ زمین و آسمان کو گھیر لیا ✦

وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً	اور ہم نے کیا دن کی نشانی کو دکھلانے والی

۷۔ بیت المقدس میں براق کے باندھنے کا اختلاف

مسلم میں انس بن مالک کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے براق کو اُس کنڈے سے باندھ دیا جس سے سب پیغمبر باندھتے تھے۔

ترمذی میں بریدہ کی حدیث ہے کہ جبریل نے انگلی کے اشارہ سے ایک پتھر کو شق کیا اور اُس سے براق کو باندھ دیا۔

۸۔ بیت المقدس پہنچنے سے پہلے کہاں کہاں تشریف لیگئے اور کیا کیا کیا

نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں سوار ہو کر جبریل کے ساتھ چلا اور طیبہ میں اُترا اور نماز پڑھی جہاں کہ ہجرت ہوگی پھر طور سینا پر اُترا اور نماز پڑھی جہاں اللہ نے موسٰے سے کلام کیا تھا۔ پھر بیت لحم میں اُترا اور نماز پڑھی جہاں حضرت عیسٰے علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر میں بیت المقدس میں پہنچا جہاں تمام انبیا جمع تھے اور میں نے امام بنکر سب کو نماز پڑھائی۔

اس واقعہ کا سوائے اس حدیث کے کسی اور حدیث میں ذکر نہیں ہے۔

۹۔ اختلافات مقامات انبیا آسمانوں پر جن سے ملاقات ہوئی

ادریس

بخاری میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ ادریس دوسرے آسمان پر ملے۔

بخاری اور مسلم اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے کہ ادریس چوتھے آسمان پر ملے۔

مسلم میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ ادریس چوتھے آسمان پر ملے۔

نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ ادریس پانچویں آسمان پر ملے۔

لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ	تاکہ تم تلاش کرو فضل (یعنی روزی) اپنے پروردگار سے

ہارون

بخاری اور نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ ہارون چوتھے آسمان پر ملے ٭
بخاری اور مسلم اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے کہ ہارون پانچویں آسمان پر ملے ٭
مسلم میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ ہارون پانچویں آسمان پر ملے ٭

موسےٰ

بخاری اور مسلم اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے کہ موسےٰ چھٹے آسمان پر ملے ٭
مسلم اور نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ موسےٰ چھٹے آسمان پر ملے ٭
بخاری میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ موسےٰ ساتویں آسمان پر ملے ٭

ابراہیم

بخاری اور مسلم میں ابو ذر کی حدیث ہے کہ ابراہیم چھٹے آسمان پر ملے ٭
بخاری میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ ابراہیم چھٹے آسمان پر ملے ٭
بخاری اور مسلم اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے کہ ابراہیم ساتویں آسمان پر ملے ٭
مسلم اور نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ ابراہیم ساتویں آسمان پر ملے ٭

حلیہ موسےٰ

بخاری میں ابوہریرہ کی اور مسلم میں جابر کی اور ابوہریرہ کی ترمذی میں حدیث ہے جن میں حضرت موسےٰ کا دبلا یا چھریرہ ہونا بیان ہوا ہے ٭
بخاری میں عبداللہ ابن عمر کی حدیث ہے جس میں موسےٰ کا موٹا ہونا بیان ہوا ہے ٭
بخاری اور مسلم میں عبداللہ ابن عباس کی حدیث ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ حضرت

وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ	اور تاکہ تم جانو برسوں کی گنتی کو اور حساب کو

موسٰے کے گھونگریالے بال تھے +

بخاری میں ابو ہریرہ کی اور عبد اللہ ابن عمر کی اور مسلم اور ترمذی میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے جس میں حضرت موسٰے کے سیدھے لمبے بال بیان ہوئے ہیں +

حلیہ عیسٰے

بخاری اور مسلم میں عبد اللہ ابن عباس کی حدیث ہے جس میں حضرت عیسٰے کے لمبے بال ہونے معلوم ہوتے ہیں +

بخاری میں عبد اللہ ابن عمر کی اور بخاری اور مسلم میں عبد اللہ ابن عباس کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰے کے گھونگریلے بال تھے +

ذریات آدم و بکاء آدم

بخاری اور مسلم میں ابو ذر کی حدیث ہے کہ پہلے آسمان پر آدم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ملے۔ اور آدم کے دائیں اور بائیں اُن کی ذریات تھی۔ دائیں طرف والوں کو دیکھ کر ہنستے تھے کہ وہ جنتی ہیں اور بائیں طرف والوں کو دیکھ کر روتے تھے کہ وہ دوزخی ہیں +

باقی حدیثوں میں سے کسی حدیث میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے +

بکاء موسٰے

بخاری اور مسلم اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے کہ جب آنحضرت حضرت موسٰے سے ملکر آگے بڑھے تو حضرت موسٰے روئے کہ لے خدا یہ لڑکا جو میرے بعد مبعوث ہوا اس کی اُمت کے لوگ میری اُمت کے لوگوں سے زیادہ جنت میں جائینگے +

باقی حدیثوں میں سے کسی حدیث میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے +

۱۰- تخفیف نمازوں میں

بخاری اور مسلم میں ابو ذر کی حدیث ہے اور نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ آنحضرت موسٰے اور خدا کے پاس تخفیف نماز کے لئے کئی دفعہ آتے گئے ہر مرتبہ ایک حصہ

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَٰهُ تَفْصِيلًا ﴿۱۲﴾	اور ہر چیز ہم نے اُس کو مفصل بیان کیا ہے تفصیل کر کے ﴿۱۲﴾

نمازوں کا معاف ہوا۔ تعداد کچھ نہیں بیان کی +

بخاری اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ اور انس ابن مالک کی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دفعہ کے جانے میں دس دس نمازیں معاف ہوئیں اور آخر کو پانچ رہ گئیں +

مسلم میں انس ابن مالک کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دفعہ میں پانچ پانچ نمازیں معاف ہوئیں +

بخاری اور نسائی میں ابن مالک کی حدیث ہے کہ پانچ نمازیں مقرر ہونے کے بعد بھی موسےٰ علیہ السلام کے کہنے سے آنحضرت خدا کے پاس معافی کے لئے گئے مگر قبول نہ ہوئی۔ اور اَور حدیثوں میں ہے کہ پانچ نمازوں کے مقرر ہونے کے بعد آنحضرت نے موسےٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب تو مجھ کو خدا کے پاس جانے میں شرم آتی ہے +

متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہےٰ پر پہنچنے سے پہلے نماز فرض ہوئی تھی۔ اور بعض میں مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہےٰ پر پہنچنے کے بعد نماز فرض ہوئی +

۱۱- اختلافات نسبت سدرۃ المنتہےٰ و بیت المعمور

مسلم اور ترمذی اور نسائی میں عبداللہ ابن مسعود سے حدیث ہے کہ سدرۃ المنتہےٰ چھٹے آسمان پر ہے +

بخاری اور مسلم میں ابوذر کی حدیث ہے کہ سدرۃ المنتہےٰ سب آسمانوں کے بعد ہے اور سدرۃ المنتہےٰ پر پہنچنے سے پہلے نماز فرض ہوئی +

بخاری اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی اور مسلم میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ بیت المعمور سب آسمانوں کے بعد ہے اور اُس کے بعد سدرۃ المنتہےٰ ہے اور نماز سدرۃ المنتہےٰ پر پہنچنے کے بعد فرض ہوئی +

بخاری اور مسلم میں مالک ابن صعصعہ کی دوسری حدیث ہے کہ ساتوں آسمانوں سے گذر کر سدرۃ المنتہےٰ پر پہنچے اور اُس کے بعد بیت المعمور میں اور اس کے بعد نماز فرض ہوئی +

بخاری اور نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ ساتوں آسمانوں کے بعد سدرۃ المنتہےٰ پر پہنچے اور اُس کے بعد نماز فرض ہوئی +

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ	اور ہر انسان کے ساتھ لگا دیا ہے ہم نے اُس کی شامت اعمال کو اُس کی گردن میں

۱۲- الوان سدرة المنتہیٰ اور آنحضرت صلعم کا سجدہ کرنا

بخاری اور مسلم میں ابو ذر کی حدیث ہے جس میں بیان ہے کہ میں سدرۃ المنتہٰے کے پاس پہنچا اور اُس پر ایسے رنگ چھائے ہوئے تھے جن کی حقیقت کو میں نہیں جانتا +

بخاری میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ پھر وہ یعنی آنحضرت ساتویں آسمان سے اوپر گئے جس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں یہاں تک کہ سدرۃ المنتہٰے کے پاس پہنچے اور خدا تعالےٰ اُن سے نزدیک ہوا پھر اور بھی نزدیک ہوا یہاں تک کہ دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پھر خدا نے اُن کو وحی بھیجی اور پچاس نمازیں مقرر کیں +

مسلم میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا سدرۃ المنتہٰے کی نسبت کہ جب اُس پر حکم الٰہی سے چھا گیا جو چھاتا تھا تو اُس کی حالت بدل گئی کسی انسان کی طاقت نہیں ہے کہ اُس کے حسن کی تعریف کر سکے +

مسلم اور ترمذی اور نسائی میں عبد اللہ ابن مسعود کی حدیث ہے اُس میں قرآن مجید کی اس آیت کی (اذ یغشی السدرۃ ما یغشی) تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ اس سے مطلب ہے سونے کے پروانوں سے یعنی سونے کے پروانے (یعنی پتنگے) درخت پر چھائے ہوئے تھے +

نسائی میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ پھر ہم ساتوں آسمانوں بعد سدرۃ المنتہٰے کے پاس پہنچے پھر مجھ پر کہر سی چھا گئی پھر میں سجدہ کے لئے جھکا یعنی سجدہ کیا +

۱۳- سدرۃ المنتہٰے کی نہریں

بخاری اور مسلم اور نسائی میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے جس میں لکھا ہے کہ سدرۃ المنتہٰے کی جڑ میں سے چار نہریں نکلتی ہیں دو پوشیدہ اور دو ظاہر۔ دونوں پوشیدہ نہریں جنت میں بہتی ہیں اور دو ظاہر نہریں نیل اور فرات ہیں +

بخاری میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ آسمان دنیا یعنی آسمان اول پر دو نہریں

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾	اور ہم نکالینگے اُس کے لئے قیامت کے دن ایک کتاب پاویگا اُس کو کھلا ہوا ﴿۱۳﴾

بہتی ہوئی دیکھیں - آنحضرت نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ کیا نہریں ہیں جبریل نے کہا یہ نیل و فرات کی اصل ہیں +

اور کسی حدیث میں سوائے ان حدیثوں کے نہروں کا ذکر نہیں ہے +

۱۴ - شراب و دودھ

مسلم میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جب میں بیت المقدس کی مسجد سے نماز پڑھکر نکلا تو جبریل نے دو پیالے پیش کئے ایک شراب اور ایک دودھ کا +

مسلم میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے کہ بیت المعمور میں شراب اور دودھ کے دو پیالے پیش کئے گئے +

بخاری میں مالک ابن صعصعہ کی حدیث ہے کہ بیت المعمور میں تین پیالے پیش کئے گئے ایک دودھ کا ایک شراب کا اور ایک شہد کا +

۱۵ - جنت میں داخل ہونا

بخاری اور مسلم میں ابو ذر کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہے کے بعد جنت میں داخل ہوئے +

اور کسی حدیث میں جنت میں جانے کا ذکر نہیں ہے +

۱۶ - کوثر

بخاری میں انس ابن مالک کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے آسمان اول پر ایک اور نہر دیکھی جس پر موتی اور زبرجد کے محل تھے جبریل نے بتایا کہ یہ نہر کوثر ہے +

اور کسی حدیث میں کوثر کا ذکر نہیں ہے +

۱۷ - سماعت صریف الاقلام

بخاری اور مسلم میں ابو ذر کی حدیث ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں ایسے مقام پر پہنچا جہاں سے قلموں کے چلنے کی آواز آتی تھی +

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ	پڑھ اپنی کتاب کو

اور کسی حدیث میں یہ مضمون نہیں ہے +

۱۸۔آسمانوں پر جانا بذریعہ معراج کے

اختلاف اقوال علما نسبت اسراے اور معراج کے جہاں ہم نے بیان کئے ہیں اس میں ابو سعید خدری کی حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں +

وفی حدیث ابی سعید الخدری عند ابن اسحاق فلما فرغت مما کان فی بیت المقدس اتی بالمعراج - یعنی جو کچھ کہ بیت المقدس میں ہونا تھا جب وہ ہو چکا تو لائی گئی معراج - معراج کا ترجمہ ہم نے سیڑھی کیا ہے جس کے ذریعہ سے بلندی پر چڑھتے ہیں +

معراج کے معنی سیڑھی کے لینے میں یہ سند ہے کہ فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۶۰ میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے یعنی اس روایت کے سوا اور روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا آسمانوں پر جانا براق پر نہ تھا بلکہ معراج پر گئے تھے جس سے مراد سیڑھی ہے ۔ چنانچہ ابن اسحٰق کے نزدیک ابو سعید کی حدیث میں اور بیہقی کی کتاب الدلائل میں صاف طور پر اس کی تصریح ہے ۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ یکایک ایک چوپایہ خچر کی مانند پتلے کانوں والا لایا گیا جس کو براق کہتے ہیں ۔ مجھ سے پہلے پیغمبر اُس پر سوار ہوتے تھے ۔ میں اس پر سوار ہوا ۔ پھر حدیث میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جب میں اور جبریل دونوں بیت المقدس میں داخل ہوئے ۔ میں نے نماز پڑھی ۔ پھر میرے پاس معراج یعنی ایک سیڑھی لائی گئی اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ فرماتے تھے کہ بیت المقدس میں جو کچھ ہونا تھا میں اُس سے جب فارغ ہوا تو معراج یعنی سیڑھی لائی گئی جس سے زیادہ خوبصورت چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی اور وہ ایسی

فاما العروج ففی غیر هذه الروایة من الاخبار انه لم یکن علی البراق بل رقی بالمعراج وهو السلم کما وقع مصرحا به فی حدیث ابی سعید عند ابن اسحٰق والبیهقی فی الدلائل ولفظه فاذا انا بدابة کالبغل مضطرب الاذنین یقال له البراق وکانت الانبیاء ترکبه قبلی فرکبته فذکر الحدیث قال ثم دخلت انا وجبریل بیت المقدس فصلیت ثم اتیت بالمعراج وفی روایة ابن اسحٰق سمعت رسول الله صلے الله علیه وسلم یقول لما فرغت مما کان فی بیت المقدس اتی بالمعراج فلم ار قط شیئا کان احسن منه وهو الذی یمد الیه المیت عینیه اذا حضر فاصعدنی صاحبی فیه حتی انتهی بی الی باب من ابواب السماء الحدیث وفی روایة کعب فوضعت له مرقاة من فضة ومرقاة من ذهب حتی عرج هو وجبریل وفی روایة لابی سعید فی شرف المصطفیٰ انه اتی بالمعراج من جنة الفردوس وانه منضد باللؤلؤ وعن یمینه ملائکة وعن یساره ملائکة

(فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۶۰) +

کافی ہے تو آپ آج کے دن اپنے پر حساب لینے والا (۱۵)	كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (۱۵)

خوشنما تھی کہ مرنے والا عین جانکنی کے وقت اُس کے دیکھنے کے لئے آنکھیں کھول دے پھر میرے ساتھی یعنی جبریل نے مجھ کو سیڑھی پر چڑھایا یہاں تک کہ آسمان کے ایک دروازہ کے پاس لے پہنچا اور کعب کی روایت میں ہے کہ ایک سیڑھی چاندی کی اور ایک سونے کی رکھی گئی یہاں تک کہ آنحضرت اور جبریل اُس پر چڑھے اور شرف المصطفےٰ میں ابوسعید کی روایت میں ہے کہ بہشت سے ایک سیڑھی لائی گئی جس میں موتی جڑے ہوئے تھے اُن کے دائیں طرف بھی فرشتے اور بائیں طرف بھی فرشتے تھے ❖

اگر ان روایتوں پر کچھ اعتبار ہو سکے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج مثل حضرت یعقوب کی معراج کے ہو جاتی ہے جس کا ذکر توریت میں ہے ❖

توریت میں لکھا ہے کہ " پس یعقوب از بیرشبع بیرون آمدہ بجاران روانہ شد - و بجائے رسید کہ درانجا بیتوتت نمود زیراکہ آفتاب فرو میرفت و از سنگ ہائے آں مکان گرفتہ بجہت بالیں گذاشتہ درہماں جا خوابید - پس بخواب دید کہ اینک نردبانے بزمیں برپا گشتہ سرش بآسماں میخورد و اینک فرشتگان خدا ازاں بیالا و زیر میرفتند - و اینک خداوند براں ایستادہ گفت من خداوند خدائے پدرت ابراہیم و ہم خدائے اسحاقم ایں زمینے کہ براں میخوابی بتو و بذریت تو میدہم - و ذریت تو مانند خاک زمین گردیدہ بمغرب و مشرق و شمال و جنوب منتشر خواہند شد و ہم از تو و از ذریات تمامی قبائل زمین متبرک خواہند شد - و اینک من باتوام و در ہر جائے کہ میروی ترا نگاہ داشتہ بایں زمین بازیس خواہم آورد و تا بوقتیکہ آنچہ بتو گفتہ ام بجائے آورم ترا وانخواہم گذاشت - و یعقوب از خواب خود بیدار شدہ گفت بدرستی کہ خداوند دریں مکان ست و من ندانستم - پس ترسیدہ گفت کہ ایں مکان چہ سناک است ایں نیست مگر خانہ خدا و ایں است دروازہ آسمان - (کتاب پیدایش باب ۲۸ درس ۱۰ لغایت ۱۷) ❖

اختلافات احادیث کا نتیجہ

ان واقعات کا جن کا حدیثوں میں بیان ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ ترعجیب باتوں کا خواب میں دیکھنا ناممکن نہیں ہے مگر ہم نے اُن کے اختلافات اس لئے دکھلائے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ بسبب اُن اختلافات کے یقین نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت کیا حالات آنحضرت نے دیکھے تھے - اور کیا واقعات خواب میں گذرے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا

جس شخص نے ہدایت پائی پھر اس کے سوا کچھ نہیں کہ اُس نے ہدایت پائی اپنے بھلے کے لئے	مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ

اور راوی کیا سمجھا اور کس قدر تغیر الفاظ میں - طرز بیان میں - واقعات میں اور معانی بالفاظ میں ہوگیا - اور کس راوی نے اپنی سمجھ کے مطابق کون کون سی باتیں اُن میں زیادہ کردیں اور کون کی کم - کیونکہ اُن حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جگہ راویوں کے قول اُن حدیثوں میں شامل ہیں - پس جس قدر قرآن مجید میں مذکور ہے کہ " لنریہ من اٰیاتنا انہ ھو السمیع البصیر " اس قدر تو تسلیم ہے کہ خدا نے اُس خواب میں کچھ اپنی نشانیاں آنحضرت کو دکھلائیں مگر ثابت نہیں ہوتا کہ کیا نشانیاں دکھلائیں اور اگر ہم آیات سے احکام مراد لیں جیسا کہ قرآن مجید کے بہت سے مقاموں میں آیات سے احکام مراد ہیں اور " لنریہ " سے ارادت قلبی یعنی کسی بات پر دلی اور کامل یقین ہوجانا سمجھیں تو آیت کے یہ معنی ہوتے ہیں - تاکہ ہم اُس کو یقین کرادیں اپنے بعض حکموں پر - اور یہ الفاظ جو حدیثوں میں آئے ہیں " فاوحی الی ما اوحی " اور " فرضت علی اُمتی خمسون صلوٰۃ " اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ آیات سے احکام مراد ہیں +

ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ اس باب میں کہ معراج جاگتے میں اور بجسدہ ہوئی تھی یا سوتے میں بروحہ بطور خواب کے - علمائے متقدمین کے تین مذہب ہیں مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک چوتھا مذہب اختیار کیا تھا کہ جاگتے میں اور بجسدہ ہوئی مگر بجسد برزخی مین اخال والشہادۃ - چوتھے مذہب کو ہم چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ تو اُنہی کی رائے یا مکاشفہ ہے جس کا پتہ نہ کسی روایت میں ہے نہ اقوال علما میں سے کسی قول میں - بلکہ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی معراج بالجسد ہونے پر یقین نہیں ہے - صاف صاف نہیں کہتے اور بجسد برزخی معراج کا بیان کرتے ہیں - جس کا صریح مطلب یہ ہے کہ جسد اصلی موجودہ کے ساتھ معراج نہیں ہوئی - اور اس لئے اُن کا مذہب بھی انہی لوگوں کے ساتھ شامل ہوجاتا ہے جو کہتے ہیں کہ بجسدہ معراج نہیں ہوئی +

شاہ ولی اللہ صاحب کے مذہب کو چھوڑ کر تین مذہب باقی رہجاتے ہیں - یعنی معراج کا ابتدا سے انتہا تک بجسدہ اور حالت بیداری میں ہونا - یا مکہ سے بیت المقدس تک بجسدہ اور حالت بیداری میں ہونا اور اُس کے بعد بیت المقدس سے آسمانوں اور سدرۃ المنتہےٰ تک ہونا بروحہ یا معراج کا جس میں اسرٰی بھی داخل ہے ابتدا سے انتہا تک بروحہ اور سونے کی حالت میں یعنی خواب میں ہونا - ہم پہلی دونوں صورتوں کو تسلیم نہیں کرتے لیکن ہر ایک

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا	اور جو گمراہ ہوا اس کے سوا کچھ نہیں کہ گمراہ ہوا اپنے نقصان کے لئے

صورت کو معہ اس کے دلائل کے بیان کرتے ہیں +

صورت اول یعنی معراج بجبدہ ابتدا سے انتہا تک بحالت بیداری

اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت بڑا گروہ علما کا اس بات کا قائل ہے کہ معراج ابتدا سے انتہا تک حالت بیداری میں اور بجبدہ ہوئی تھی - مگر اس کے ثبوت کے لئے اُن کے پاس ایسی ضعیف دلیلیں ہیں جن سے امر مذکور ثابت نہیں ہو سکتا +

پہلی دلیل اُن کی یہ ہے - خدا نے فرمایا ہے "اسریٰ بعبدہ" اور عبد جسم اور روح دونوں کو شامل ہے - اس لئے متعین ہوا کہ معراج میں آنحضرت کا جسم اور روح دونوں گئے تھے +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے - کہ عبد نام ہے جسم اور روح دونوں کا - پس ضرور ہوا کہ اسرا میں جسم اور روح دونوں گئے ہوں مگر اس پر بحث ہے کہ انسان جسم کا یا روح کا یا مجموع کا نام ہے +

ان العبد اسم لمجموع الجسد والروح - فوجب ان یکون الاسراء حاصلا لمجموع الجسد والروح - (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۱) +

اور شفاے قاضی عیاض میں ہے کہ معراج کا واقعہ اگر خواب ہوتا تو خدا فرماتا بروح عبدہ اور بعبدہ نہ کہتا مگر وہ اس طرح پر کلام عرب کی کوئی مثال نہیں بتاتے +

لوکان منا ما لقال بروح عبدہ ولم یقل بعبدہ (شفاء قاضی عیاض صفحہ ۲۰۶) +

دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ سب پر خدا نے فرمایا ہے "سبحان الذی" اور سبحان کا لفظ تعجب کے موقعہ پر بولا جاتا ہے اگر اسرا اور معراج خواب میں ہوتی تو کچھ تعجب کی بات نہ تھی - اس سے ظاہر ہے کہ معراج حالت بیداری میں اور بجبدہ ہوئی اور یہ عجیب واقعہ تھا اس لئے خدا نے شروع میں فرمایا "سبحان الذی" +

تیسری دلیل اُن کی یہ ہے - کہ انہوں نے سورہ والنجم کو بھی معراج سے متعلق سمجھا ہے - سورہ نجم میں آیا ہے نہیں ادھر اُدھر پھری اُس کی نگاہ اور نہ مقصد سے آگے بڑھی - اور اگر معراج ہوتی سوتے میں تو اس میں نہ کوئی نشانی ہوتی نہ معجزہ - اور جب اس واقع کو بصر کی طرف منسوب کیا ہے تو اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ معراج رویت عینی تھی نہ رویت قلبی +

ما زاغ البصر وما طغی ولو کان مناما لما کانت فیہ ایۃ ولا معجزۃ - (شفاء قاضی عیاض صفحہ ۲۰۰) +

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی	اور نہیں بوجھ اُٹھاتا کوئی بوجھ اُٹھانے والا بوجھ دوسرے کا

چوتھی دلیل اُن کی یہ ہے کہ حضرت عایشہ نے سورہ والنجم کی ایک آیت کی تفسیر میں اس بات سے انکار کیا ہے کہ آنحضرت نے خدا کو آنکھوں سے دیکھا ہے اور اگر معراج خواب میں ہوئی ہوتی تو حضرت عایشہ اس سے انکار نہ کرتیں شفاے قاضی عیاض میں لکھا ہے ۔

الذی یدل علیہ صحیح قولہا انہ بجسدہ لانکارہا ان یکون رؤیاہ لربہ رؤیا عین ولو کانت عندہا مناما لم تنکرہ۔ (شفاے قاضی عیاض صفحہ ۸۹) ✦

ہماری مراد اُس حدیث سے ہے جس سے حضرت عایشہ کا یہ صحیح قول معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کا معراج جسمانی تھا ۔ کیونکہ اُنہوں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ آنحضرت نے خدا کو آنکھوں سے دیکھا ۔ اگر واقعہ معراج اُن کے نزدیک خواب ہوتا تو ہرگز اس بات کا انکار نہ کرتیں ✦

مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عایشہ کے پاس تکیہ لگائے بیٹھا تھا ۔ اُنہوں نے کہا

عن مسروق قال کنت متکئا عند عائشۃ ۔ فقالت یا ابا عائشۃ ثلاث من تکلم بواحدۃ منہن فقد اعظم علی اللہ الفریۃ قلت ما ہن قالت من زعم ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رای ربہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ قال وکنت متکئا فجلست فقلت یا ام المؤمنین انظرینی ولا تعجلینی الم یقل اللہ تعالی ۔ ولقد راٰہ بالافق المبین ولقد راٰہ نزلۃ اخری ۔ فقالت انا اول ہذہ الامۃ سال عن ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انما ہو جبریل علیہ السلام لم ارہ علی صورتہ التی خلق علیہا غیر ہاتین المرتین رایتہ منہبطا من السماء سادا عظم خلقہ ما بین السماء الی الارض فقالت اولم تسمع ان اللہ عز وجل یقول ۔ لا تدرکہ الابصار وہو یدرک الابصار وہو اللطیف الخبیر ۔ اولم تسمع ان اللہ عز وجل یقول ۔ وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا ۔ الی قولہ ۔ علی حکیم ۔

(صحیح مسلم صفحہ ۹۸) ✦

اے ابو عایشہ تین باتیں ہیں جو شخص اُن میں سے ایک بھی زبان پر لاتا ہے خدا پر بہت بڑا بہتان باندھتا ہے ۔ میں نے کہا وہ باتیں کیا ہیں کہا جو شخص گمان کرے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا وہ خدا پر بہت بڑا بہتان باندھتا ہے ۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں تکیہ لگائے بیٹھا تھا ۔ یکایک سیدھا ہو بیٹھا اور میں نے کہا اے ام المومنین مجھ کو دم لینے دو اور جلدی نہ کرو کیا اللہ تعالےٰ نے نہیں فرمایا ہے کہ بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو یعنی خدا کو افق مبین پر دیکھا اور اُس نے دوبارہ اس کو یعنی خدا کو دیکھا ۔ حضرت عایشہ نے فرمایا کہ میں اس امت میں سب سے پہلی ہوں جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا ۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں میں نے اُس صورت میں جس پر وہ پیدا ہوئے ہیں اُن کو دو دفعہ کے سوا نہیں دیکھا ۔ میں نے اُن کو آسمان سے اُترتے دیکھا کہ اُنہوں نے اپنے جثہ کی بڑائی سے زمین اور آسمان کی درمیانی فضا کو بھر دیا تھا ۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۶﴾

اور ہم نہیں عذاب دینے والے جب تک کہ ہم بھیجیں کوئی پیغمبر ﴿۱۶﴾

حضرت عایشہ نے فرمایا کیا تو نے نہیں سُنا خدا فرماتا ہے کہ نہیں پاتیں اُس کو نظریں اور وہ پاتا ہے سب نظروں کو اور وہی ہے باریک دیکھنے والا خبردار۔ اور کیا تو نے نہیں سُنا خدا فرماتا ہے نہیں ممکن ہے کسی انسان کے لئے یہ کہ خدا اُس سے باتیں کرے مگر بطور وحی کے یا پردے کی اوٹ سے یا کوئی رسول بھیجتا ہے آخر آیت تک +

پانچویں دلیل اُن کی یہ ہے کہ قریش نے آنحضرت کے بیت المقدس جانے اور اُن کے دیکھنے سے انکار کیا۔ اگر وہاں تک جانا بطور خواب دیکھنے کے ہوتا تو قریش کو اُس سے انکار اور تنازع کرنے کا کوئی مقام نہ تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معراج حالت بیداری میں اور بجسدہ تھی جس کے سبب سے قریش نے جھگڑا کیا۔ فتح الباری شرح بخاری اور نیز بخاری میں جو کچھ اس کی نسبت لکھا ہے اُس کو ہم اس مقام پر لکھتے ہیں +

فتح الباری میں لکھا ہے۔ کہ بعض لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ اسرا حالت بیداری میں اور معراج سونے کی حالت میں ہوئی تھی یا اس بات میں اختلاف کہ جاگتے میں ہوئی یا سوتے میں خاص معراج سے متعلق ہے نہ اسرا سے۔ اسی سبب سے جب رسول خدا نے قریش کو اس واقعہ کی خبر دی تو انہوں نے بیت المقدس جانے کی تکذیب کی اور اس وقوع کو ناممکن خیال کیا اور معراج سے کچھ تعرض نہیں کیا نیز خدا تعالے فرماتا ہے "پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصے تک" اگر معراج جاگتے میں ہوئی ہوتی تو اس کا ذکر کرنا

وذهب بعضهم الى ان الاسراء كان في اليقظة والمعراج كان في المنام او ان الاختلاف في كونه يقظة او مناما خاص بالمعراج لا بالاسراء ولذلك لما اخبر به قريشا كذبوه في الاسراء واستبعدوا وقوعه ولم يتعرضوا للمعراج وايضا فان الله سبحانه وتعالى قال "سبحان الذي اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى" فلو وقع المعراج في اليقظة كان ذلك ابلغ في الذكر فلما لم يقع ذكره في هذا الموضع مع كون شانه اعجب وامره اغرب من الاسراء بكثير دل انه كان مناما واما الاسراء لو كان مناما لما كذبوه ولا استنكروه لجواز وقوع مثل ذلك وابعد منه لاحاد الناس۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۵۱) +

اور بھی زیادہ بلیغ ہوتا۔ مگر جب خدا نے اس کا ذکر بیان نہیں کیا حالانکہ اس کی کیفیت اسرا سے بہت عجیب اور اس کا قصہ اس سے زیادہ نادر تھا تو معلوم ہوا کہ معراج خواب میں ہوئی تھی۔ لیکن اسرا اگر خواب میں ہوتی تو قریش اس کی تکذیب نہ کرتے اور نہ انکار کرتے کیونکہ ایسی اور اس سے زیادہ دور از قیاس باتیں لوگوں کو خواب میں دکھائی دے سکتی ہیں +

اور بخاری کی ایک حدیث میں ہے جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا (۱۶)	اور جب کہ ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کریں کسی بستی کو حکم کرتے ہیں ہم اُس کے سرکشوں کو (رسول کی اطاعت کا) پھر نافرمانی کی انہوں نے اُس میں تو محقق ہوگیا اُس پر وعدہ عذاب کا پھر تب ہم نے اُس کو برباد کردیا ہر طرح سے برباد کرنا (۱۶)

قال جابر بن عبد الله انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لما كذبني قريش قمت في الحجر فجلى الله لي بيت المقدس وطفقت اخبرهم عن آياته وانا انظر اليه۔
(صحیح بخاری صفحہ ۵۴۸)

سے سُنا کہ آپ فرماتے تھے کہ جب قریش نے میری تکذیب کی میں مقام حجر میں کھڑا ہوا۔ خدا نے بیت المقدس کو میری نظروں میں جلوہ گر کردیا میں اُس کی نشانیاں قریش کو بتاتا تھا اور اُس کو دیکھتا جاتا تھا صحیح مسلم میں بھی مثل صحیح بخاری کے حدیث ہے جس کے الفاظ اور مضمون میں بخاری کی حدیث سے اختلاف ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد رايتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراي فسألتني عن اشياء من بيت المقدس لم اثبتها فكربت كربة ما كربت مثله قط قال فرفعه الله لي انظر اليه ما يسألوني عن شيء الا انبأتهم به۔
(صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۹۶)

اپنے آپ کو مقام حجر میں دیکھا اس حال میں کہ قریش مجھ سے بیت المقدس تک جانے کا حال پوچھتے تھے۔ انہوں نے بیت المقدس کی ایسی باتیں مجھ سے دریافت کیں جو مجھ کو یاد نہ تھیں میں ایسا گھبرایا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ گھبرایا تھا۔ رسول خدا فرماتے ہیں کہ خدا نے بیت المقدس مجھ سے نزدیک کردیا میں اُس کی طرف دیکھتا تھا اور وہ جو کچھ مجھ سے پوچھتے تھے میں اُن کو بتاتا تھا۔

چھٹی دلیل اُن کی یہ ہے کہ ام ہانی کی حدیث سے جو طبرانی نے نقل کی ہے اور شداد ابن اوس کی حدیث سے جو بیہقی نے ذکر کی ہے۔ صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت کا معراج کو جانا جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں تھا چنانچہ ان دونوں حدیثوں کو قاضی عیاض نے کتاب شفا میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی۔

وعن ام هانی ما اسری برسول الله صلى الله عليه وسلم الا وهو في بيتي تلك الليلة صلى العشاء الاخرة ونام بيننا فلما كان قبيل الفجر اهبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما صلى الصبح وصلينا قال يا ام هانی لقد صليت

اُس رات میرے گھر میں تھے عشا کی نماز پڑھ کر ہمارے درمیان سو رہے صبح سے کچھ پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو جگایا

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۸﴾

اور بہتوں کو ہم نے ہلاک کیا اگلے زمانہ کے لوگوں میں سے نوح کے بعد اور کافی ہے تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں پر خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ﴿۱۸﴾

صلوٰۃ العشاء الآخرۃ کما رایت بھذا الوادی ثم جئت بیت المقدس فصلیت فیہ ثم صلیت الغداۃ معکم الا یکما تردن وھذا بین فی انہ بجسمہ +

جب آنحضرت اور ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا اے اُمِّ ہانی میں نے عشا کی نماز تمہارے ساتھ اس وادی میں یعنی مکہ میں پڑھی جیسا کہ تو نے دیکھا۔ پھر میں بیت المقدس گیا۔ اور اس میں نماز پڑھی پھر اس وقت صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی جیسا کہ تم دیکھتے ہو اور یہ حدیث معراج کے جسمانی ہونے پر صریح دلیل ہے +

شداد بن اوس نے ابوبکر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے معراج کی رات کے متعلق رسول اللہ

وعن ابی بکر من روایۃ شداد بن اوس عنہ انہ قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ طلبتک یا رسول اللہ البارحۃ فی مکانک فلما جدک فجاء بہ انہ جبریل حملنی الی المسجد الاقصیٰ -
(شفاء قاضی عیاض صفحہ ۰۰) +

صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں نے کل رات آپ کو مکان میں ڈھونڈھا آپ کو نہیں پایا۔ آنحضرت نے جواب دیا کہ جبریل مجھ کو بیت المقدس لے گئے تھے۔ یہ چھ دلیلیں ہیں جو حامیان معراج بالجسد نے بیان کی ہیں +

ان تمام دلیلوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ اسرا و معراج بجسدہ اور حالت بیداری میں ہوئی تھی اُن کے پاس قرآن مجید سے یا حدیث سے کوئی سند موجود نہیں ہے قرآن مجید میں کہیں بیان نہیں ہوا ہے کہ اسرا یا معراج بجسدہٖ حالت بیداری میں ہوئی تھی صحاح کی کسی حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے بلکہ اگر کچھ ہے تو اس کے برخلاف ہے اور جو دلیلیں بیان کی ہیں وہ نہایت ہی ضعیف اور غیر مثبت مدعا ہیں جیسا کہ ہم بیان کرتے ہیں +

پہلی دلیل کہ لفظ عبد میں جسم و روح دونوں شامل ہیں اور اس لئے اسرا و معراج بجسدہٖ ہوئی تھی ایسی بے معنی ہے کہ اس پر نہایت تعجب ہوتا ہے اگر خدا یوں فرماتا کہ "اسریت بعبدی فی المنام من الکعبۃ الی المدینۃ یا اریت عبدی فی المنام کذا وکذا" تو کیا اُس وقت بھی یہ لوگ کہتے کہ عبد میں جسم و روح دونوں شامل ہیں اور اس لئے خواب میں مع جسم جانا ثابت ہوتا ہے +

جو شخص خواب دیکھتا ہے وہ ہمیشہ متکلم کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور اگر کوئی شخص اس بات پر قادر ہو کہ دوسرے کو بھی خواب دکھائے تو وہ ہمیشہ اس کو مخاطب کریگا خواہ نام لے کر یا اُس

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿۱۹﴾	جو کوئی چاہتا ہے جلدی جانے والی (یعنی آسودگی دنیا) کو جلدی دیتے ہیں ہم اُس کو اُسی میں جو ہم چاہتے ہیں جس کے لئے چاہتے ہیں پھر ہم کیتے ہیں اُس کے لئے جہنم بنا دیگا اُس میں بدحال ہوا راندہ ہوا ﴿۱۹﴾

کی کسی صفت کو بجائے نا قرار دیکر اور اُس پر اس بات سے استدلال نہیں ہو سکتا جیسا کہ ان صاحبوں نے عبد کے لفظ سے استدلال چاہا ہے ÷

قرآن مجید میں حضرت یوسف نے اپنے خواب کی نسبت کہا "یا ابت انی رایت احد عشر کوکبا" اور قیدیوں نے اپنا خواب اس طرح بیان کیا۔ ایک نے کہا "انی ارانی اعصر خمرا" دوسرے نے کہا "انی ارانی احمل فوق راسی خبزا" حالانکہ یہ سب خواب تھے پھر لفظ "انی" پر یہ بحث کہ اس میں جسم و روح دونوں داخل ہیں اور خواب میں جو فعل کیا فی الواقع وہ جسمانی فعل ہی تھا کیسی لغو و بیہودہ بات ہے ÷

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب بیان کئے ہیں اور دوسروں نے بھی اپنے خواب آنحضرت کے سامنے بیان کئے ہیں جن میں متکلم کے صیغے "رایت" استعمال ہوئے ہیں اور اُن اشیا اور اشخاص کا ذکر آیا ہے جن کو خواب میں دیکھا پس کیا اس پر خواب میں اُن اشیا اور اشخاص کے فی الواقع بجسدہا موجود ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے ÷

اور یہ قول کہ اگر معراج کا واقعہ خواب ہوتا تو خدا فرماتا "اسری بروح عبدہ" ایسا ہی بیہودہ ہے جیسا کہ عبد کے لفظ سے جسمانی معراج پر استدلال کرنا۔ اس قول کے لئے ضرور تھا کہ کوئی سند کلام عرب کی پیش کی جاتی کہ خواب کے واقعہ پر "فعل بروحہ کذا وکذا" بولنا عرب کا محاورہ ہے پس صاف ظاہر ہے کہ جو دلیل پیش کی ہے وہ محض لغو و بیہودہ ہے اور اس سے مطلب ثابت نہیں ہوتا ÷

دوسری دلیل کی نسبت ہم خوشی سے اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ سبحان کا لفظ تعجب کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ مگر اس کو اسرا سے خواہ وہ خواب میں ہوئی ہو یا حالت بیداری میں اور بجسدہ ہوئی ہو یا بروحہ کچھ تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو اُس سے تعلق ہے جو مقصد اعظم اس اسرا سے تھا اور وہ مقصد اعظم خود خدا نے فرمایا ہے "لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر" اور اسی کے لئے خدا نے ابتدا میں فرمایا "سبحان الذی" ÷

تیسری اور چوتھی دلیل مبنی ہے سورہ والنجم کی چند آیتوں اور سورہ تکویر کی ایک آیت پر

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۞	اور جو کوئی چاہتا ہے اور کوشش کرتا ہے اُس کے لئے پوری کوشش اُس کی اور وہ ایمان والا ہو پھر یہ لوگ ہیں کہ ہوگی اُن کی سعی قبول کی گئی ۞

کہ اُنھوں نے اُن آیتوں کو معراج سے متعلق سمجھا ہے حالانکہ قرآن مجید سے کسی طرح نصاً یا اشارتاً نہیں پایا جاتا کہ وہ آیتیں معراج سے متعلق ہیں۔ علاوہ اس کے کس قدر بعید معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل میں جس میں معراج کا ذکر ہے وہاں تو معراج کے حالات نہ بیان کئے جاویں اور ایک زمانہ کے بعد یا قبل جب سورہ والنجم نازل ہوئی ہو اس میں معراج کا حال بیان ہو۔ سورہ والنجم سے ظاہر ہے کہ جو وحی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی اور جس کو کفار تسلیم نہیں کرتے تھے اور آنحضرت کو نعوذ باللہ جھٹلاتے تھے اُس کی تردید اور وحی کے من اللہ ہونے کی تصدیق میں وہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اُن کو معراج سے کچھ تعلق نہیں ۔

علما و محدثین کو سورۂ و نجم کی آیتوں کے معراج سے متعلق ہونے کا اس وجہ سے شبہ پڑا ہے کہ بعض راویوں نے معراج کا حال بیان کرنے میں سورہ والنجم کی آیتوں کو بیان کر دیا ہے مثلاً بخاری میں انس ابن مالک سے جو روایت ہے اس کے راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ لکھے ہیں " ودنا الجبار رب العزۃ فتدلّٰی حتی کان قاب قوسین او ادنی فاوحی اللہ الیہ " اور یہ الفاظ قریب قریب اُنہی الفاظ کے ہیں جو سورہ والنجم میں آئے ہیں ۔

اسی طرح مسلم میں عبداللہ ابن مسعود سے جو روایت ہے اُس کے راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ کہے ہیں " اذ یغشی السدرۃ ما یغشی " اور یہ الفاظ بعینہ وہی ہیں جو سورہ والنجم میں آئے ہیں۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سورہ والنجم کی آیتیں معراج سے متعلق ہیں کیونکہ حدیثوں کے راوی اپنے لفظوں میں حدیثوں کا مطلب بیان کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اسی مطلب کو مختلف راویوں نے مختلف لفظوں میں بیان کیا ہے کسی نے " فلما غشیہا (ای السدرۃ) من امر اللہ ما غشی " کسی نے بیان کیا ہے " فغشیہا (ای السدرۃ) الوان لا ادری ما ھی " غرضکہ کسی راوی کا حدیث کے مطلب کو قرآن مجید کے الفاظ سے تعبیر کرنا اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ الفاظ اُس واقعہ سے متعلق ہیں ۔

علاوہ اس کے سورہ والنجم میں یہ آیت ہے " ولقد راٰہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتہٰی " یعنی آنحضرت نے اُس کو اور ایک دفعہ سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا۔ یہ حالت ایک دفعہ معراج میں آنحضرت پر طاری ہوئی تھی سورہ والنجم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت جو وحی آئی تھی اُس وقت بھی وہی حالت طاری ہوئی تھی اور لفظ اخری صاف دلالت کرتا ہے کہ جو واقعہ سورہ والنجم میں

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾	ہرایک کو مدد دیتے ہیں ہم اُس گروہ کو تیرے پروردگار کی بخشش سے اور نہیں ہے بخشش تیرے پروردگار کی روکی گئی ﴿۲۱﴾

مذکور ہے وہ واقعہ معراج سے علحدہ ہے ۔

سورہ والنجم سے جس امر میں وحی آنا معلوم ہوتا ہے وہ متعلق اصنام عرب تھا اور اس لئے ان آیتوں کے بعد خدا نے فرمایا "افرءیتم اللات والعزی ومنات الثالثة الاخری" اور آخر کو فرمایا "ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدی" ۔

سورہ والنجم کی آیتیں جن کو مفسرین نے معراج سے متعلق سمجھا ہے اور ہم نے اُن آیتوں کو معراج کے متعلق قرار نہیں دیا وہ بلاشبہ تفسیر کے لائق ہیں تاکہ ہمارے نزدیک جو اُن کی صحیح تفسیر ہے معلوم ہو جاوے اور پھر اُس میں کچھ شبہ نہ رہے اور اگر اُن آیتوں کی تفسیر عربی زبان میں ہو تو اُن کی ضمیروں کا مرجع زیادہ وضاحت سے معلوم ہوگا اس لئے ہم اُن کی تفسیر عربی زبان میں معہ اردو ترجمہ کے اس مقام پر لکھتے ہیں ۔

تفسیر آیات سورۂ والنجم

والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم یعنی محمد صلعم وما غوی ۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی علمہ یعنی محمد صلعم فی التفسیر الکبیر والاولی ان یقال الضمیر عائد الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تقدیرہ علمہ محمدا ۔ شدید القوی ذو مرۃ وھو اللہ العلی الکبیر کما قال لنفسہ ان اللہ قوی شدید العقاب ۔ وھو شدید المحال ۔ وقال اکثر المفسرین وھو جبریل ولا نسلمہ فاستوی ای محمد صلعم وھو ای محمد صلعم بالافق الاعلی ۔ قال صاحب التفسیر الکبیر وظاھر ان المراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم معناہ استوی بمکان ھو بالمکان العالی رتبۃ ومنزلۃ فی رفعۃ القدر لا حقیقۃ فی الحصول فی المکان فان قیل کیف یجوز ھذا وان اللہ تعالی یقول ولقد راہ

ستارہ کی قسم جب کہ وہ ڈھلتا ہے ۔ نہیں بھٹکا تمہارا صاحب یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور نہ بہکا ۔ اور وہ نہیں بولتا اپنی خواہش سے ۔ نہیں ہے وہ بولنا مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے سکھایا ہے اُس کو یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ۔ علمہ میں جو ضمیر ہے اُس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرا جاوے ۔ تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے کہ بہتر ہے کہ یہ کہا جاوے کہ ضمیر پھرتی ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ۔ اور اُس کی مراد یہ ہے کہ سکھایا محمد کو بہت بڑی قوتوں والے صاحب قوت نے اور اس سے مراد خدا ہے یعنی خدا نے محمد کو سکھایا ۔ جو لفظ شدید کا اس آیت میں ہے اُس کو خدا تعالے نے بہت جگہ

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۲﴾

دیکھ کس طرح ہم نے بزرگی دی اُن میں سے بعضوں کو بعضوں پر اور بے شبہ آخرت بہت بڑی ہے درجوں میں اور بہت بڑی بزرگی دینے میں ﴿۲۲﴾

بالافق المبين" اشارة الى انه راى جبريل بالافق
المبين نقول وفى ذلك الموضع ايضا نقول كما قلنا
ههنا انه صلى الله عليه وسلم راى جبريل وهو
بالافق المبين يقول القائل رايت الهلال فيقال له اين رايته
فيقول فوق السطح اى الرائى فوق السطح للمرئى والمبين
هو الفارق من ابان اى فرق اى هو بالافق الفارق
بين درجة الانسان ومنزلة الملك فانه صلى الله
عليه وسلم انتهى وبلغ الغاية وصار نبيا كما صار
بعض الانبياء نبيا ياتيه الوحى فى نومه وعلى
هيئته وهو واصل الى الافق الاعلى والافق
الفارق بين المنزلتين - وايضا فى التفسير
المذكور فان قيل الاحاديث تدل على خلاف
ما ذكرته حيث ورد فى الاخبار ان جبريل صلى الله
عليه وسلم ارى النبى صلى الله عليه وسلم نفسه
على صورته فسد المشرق نقول نحن ما قلنا انه
لم يكن وليس فى الحديث ان الله تعالى اراد بهذه
الاية تلك الحكاية حتى يلزم مخالفة الحديث
وانما نقول ان جبريلا ارى النبى صلى الله عليه وسلم
نفسه مرتين بسط جناحيه وقد ستر الجانب
الشرقى وسده لكن الاية لم ترد لبيان ذلك +
ثم قال تعالى ثم دنا فتدلى - قال فى التفسير
الكبير انه دنا والتدلى بمعنى واحد كانه قال
دنى فقرب انتهى - والمعنى عندنا فقرب محمد
صلى الله عليه وسلم الى ربه او ربه اليه تقربا

اپنی ذات کے لئے بولا ہے - جیسے کہ ان اللہ
قوی شدید العقاب - وھو شدید المحال -
اکثر مفسروں نے شدید القوی ذو مرۃ یعنی
بہت بڑی قوت والے صاحب قوت سے جبریل
مراد لی ہے - مگر ہم اس کو نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے
ہیں کہ اس سے مراد خدا ہے - پھر وہ یعنی محمد
صلے اللہ علیہ وسلم کامل ہوا - اور وہ یعنی محمد صلی اللہ
علیہ وسلم ایک بلند مکان یعنی اعلے درجہ پر تھا
ہم نے "استوی" اور "ھو" کی ضمیر دونوں سے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مراد لی ہے - تفسیر کبیر میں
لکھا ہے یہ بات ظاہر ہے کہ اس سے مراد محمد
صلے اللہ علیہ وسلم ہیں - اور معنی یہ ہیں کہ وہ
باعتبار رتبہ اور منزلت اور بلند قدر کے ایک عالی
مکان میں یعنی درجہ میں تھے نہ یہ کہ وہ درحقیقت
کسی مکان میں پہنچ گئے تھے - اگر یہ کہا جائے
کہ کس طرح یہ بات درست ہوگی ایسی حالت میں
کہ خدا نے ایک اور جگہ فرمایا ہے "ولقد راٰہ
بالافق المبین" جس میں اشارہ اس بات کا ہے
کہ آنحضرت نے جبریل کو افق مبین پر دیکھا تھا -
تو ہم اس مقام پر بھی وہی کہینگے جو اس مقام پر
کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جبریل
کو دیکھا اور وہ یعنی آنحضرت افق مبین یعنی مکان
روشن میں باعتبار رتبہ ومنزلت کے تھے جیسے
کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں نے چاند دیکھا اور

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾	مت ٹھیرا اللہ کے سوا دوسرے کو معبود پھر تو بیٹھ رہیگا بدحال ہوا تباہی میں پڑا ہوا ﴿۲۲﴾

فی المنزلۃ والدرجۃ لا تقربا حسیا قال فی التفسیر الکبیر ان محمدا صلے اللہ علیہ وسلم دنا من الخلق والامۃ ولان لھم وصار کواحد منھم فتدلی ای فتدلی الیھم بالقول اللین والدعاء الرفیق فقال "انا بشر مثلکم یوحی الی" وعلی ھذا فی الکلام کما لان کانہ تعالی قال الوحی یوحیہ جبریل علی محمد فاستوی محمد وکمل فدنا من الخلق بعد علوہ وتدلی الیھم بلغ الرسالۃ ٭

وفی التفسیر المذکور والمراد منہ ھو ربہ تعالی وھو مذھب القائلین بالجھۃ والمکان اللھم الا ان یرید القرب بالمنزلۃ وعلی ھذا یکون فیما فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم حکایۃ عن ربہ تعالی من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا ومن مشی الی اتیتہ ھرولۃ اشارۃ الی المعنی المجازی و ھذا ما اخترناہ وھھنا لما بین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استوی وعلا فی المنزلۃ العقلیۃ لا فی المکان الحسی قال و قرب اللہ منہ تحقیقا لما فی قولہ من تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا۔

فکان قاب قوسین او ادنی ای بین محمد علیہ السلام وبین ربہ مقدار قوسین او اقل وردھذا علی استعمال العرب قال فی التفسیر الکبیر یکون قوس عبارۃ عن بعد من قاس یقوس فاوحی ای اوحی اللہ الی عبدہ ما اوحی ما کذب الفواد ما رای قال فی التفسیر الکبیر المشہور انہ فواد

وہ پوچھے کہ کہاں دیکھا اور وہ جواب دے کہ چھت پر ۔ اس سے مراد یہ ہوگی کہ دیکھنے والا چھت پر تھا نہ یہ کہ چاند چھت پر تھا۔ اور مبین کے معنی ہیں جدا کرنے والے لے اور یہ بنا ہے لفظ ابان سے جس کے معنی جدا کرنے کے ہیں پس مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انسان اور فرشتہ کے درجہ اور منزلت کے جدا کرنے والے اُفق پر تھے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اخیر درجہ پر پہنچ گئے تھے اور نبی ہوگئے تھے جس طرح اور بعضے نبی نبی ہوئے ہیں۔ آنحضرت کو وحی ہوتی تھی سوتے میں اور اصلی حالت میں۔ اور آنحضرت پہنچ گئے تھے افق اعلےٰ کو یعنی اُس افق کو جو جدا کرنے والا ہے دونوں درجوں کو یعنی ملکیت اور بشریت کو ٭

اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے اگر یہ کہا جاوے کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا۔ حدیثیں اُس کے برخلاف دلالت کرتی ہیں۔ جہاں کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ جبرئیل نے اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت میں آنحضرت کو دکھایا اور مشرق کو گھیر لیا۔ تو ہم کہینگے کہ ہم نے ایسا نہیں کہا کہ یہ نہیں ہوا۔ اور حدیث میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ارادہ کیا ہے اُس بات کے کہنے کا یعنی جو حدیثوں میں ہے تا کہ حدیثوں کی مخالفت لازم آوے۔ بیشک

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

اور حکم کیا تیرے پروردگار نے کہ نہ عبادت کرو کسی کی، مگر اُسی کی اور (حکم کیا) ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کو اگر پہنچے تیرے ساتھ بڑھاپے کو اُن دونوں میں کا ایک یا دونوں تو مت کہہ اُن کو اُف تک اور مت جھڑک اُن کو اور کہہ اُن سے بات تعظیم کی ﴿۲۳﴾

محمد صلی اللہ علیہ وسلم معناہ انہ ما کذب فوادہ واللام لتعریف ما علم لما سبق ذکر محمد علیہ الصلوۃ والسلام فی قولہ "الی عبدہ" وفی قولہ "وھو بالافق الاعلی" وقولہ تعالٰی "ما ضل صاحبکم" والرای ھو فواد محمد علیہ السلام والمرئی الآیات العجیبۃ الالھیۃ ◆

افتمارونہ علی ما یری ای علی ما قد رای محمد علیہ السلام ولقد راہ ای محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربہ بروئیۃ الفواد نزلۃ وفی التفسیر الکبیر النزول بالقرب المعنوی لا الحسی فان اللہ تعالٰی قد یقرب بالرحمۃ والفضل من عبدہ ولا یراہ العبد لھذا قال موسی علیہ السلام "رب ارنی" ای ازل بعض حجب العظمۃ والجلال وادن من العبد بالرحمۃ والافضال لاراک اخری فی تفسیر ابن عباس مرۃ اخری غیر الذی اخبرکم بھا عند سدرۃ المنتھی عند ھا جنۃ الماوی وھذا دلیل علی ان الواقعۃ التی ذکرھا فی ھذہ السورۃ ماعدا واقعۃ المعراج فانقطعہ بواقعۃ المعراج لیس بصحیح ولہ دلیل آخر فی الآیۃ الآتیۃ اذ یغشی السدرۃ ما یغشی وھذا خبار عما وقع فی المعراج ۔ فی البخاری عن ابن شہاب عن انس ابن مالک

ہم کہتے ہیں کہ جبریل نے اپنے تئیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ دکھایا اور اپنے بازو پھیلا دیے اور مشرق کی طرف کو گھیر لیا۔ لیکن یہ آیت اس بیان میں نازل نہیں ہوئی۔ واضح ہو کہ اس مقام پر ہم کو اس بات سے بحث کرنی کہ جبریل نے آنحضرت کو کس طرح پر دکھلایا اور آنحضرت نے اُن کو کس طرح پر دیکھا ضرور نہیں ہے کیونکہ اس بحث کا نتیجہ تو فقط بحث ہوتا ہے ◆

اس کے بعد خدا تعالےٰ نے فرمایا پھر وہ قریب ہوا پھر قریب ہو گیا۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ دنو اور تدلی کے لفظ جو اس آیت میں آئے ہیں اُن کے ایک ہی معنی ہیں اُن کے ایک ہی معنی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قریب ہوا پھر قریب ہو گیا۔ ہمارے نزدیک ان دونوں لفظوں دنی۔ فتدلی میں جن کے معنی ہیں قریب ہوا پھر قریب ہو گیا۔ جو ضمیریں ہیں وہ خدا اور پیغمبر خدا کی طرف پھرتی ہیں۔ اور معنی یہ ہیں۔ کہ قریب ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے یا اُن کا رب اُن سے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اس قرب سے قریب ہونا اترنے اور درجے میں مراد ہے نظاہر میں دو چیزوں کے

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۵﴾	اور جھکا اُن کے لئے بازو تواضع کے مہربانی سے اور کہہ اے پروردگار رحم کر ان پر جس طرح پر کہ انہوں نے پالا مجھ کو چھوٹے پنے میں ﴿۲۵﴾

عن ابی ذر۔ ثم انطلق بی حتی انتہی بی الی السدرۃ المنتہی وغشیہا الوان لا ادری ماھی۔ وفی النسائی عن سعید ابن عبد العزیز عن یزید ابن ابی مالک عن انس ابن مالک۔ ثم صعد بی فوق سبع سموات فاتینا سدرۃ المنتہی فغشیتی ضبابۃ فخررت ساجدا۔ وشریک ابن عبد اللہ فی حدیثہ عن انس ابن مالک فی بعدۃ الفاظ من سوۃ النجم قال حتی جاء سدرۃ المنتہی ودنی الجبار رب العزۃ فتدلی حتی کان قاب قوسین او ادنی فاوحی اللہ الیہ فیما یوحی اللہ۔ مازاغ البصر وما طغی فی التفسیر الکبیر وما علی قولنا غشیہا نور فقولہ "مازاغ" ای ما مال عن الا نوار "وما طغی" ای ما طلب شیئا وراءھا ...... وفیہ وجہ اخر وھو ان یکون ذلک بیان لوصول محمد صلی اللہ وسلم الی سدرۃ الیقین الذی لا یقین فوقہ ولقد رای من ایات ربہ الکبری وھذا کقولہ تعالیٰ فی سورۃ الاسراء "لنریہ من ایاتنا"۔

پاس پاس ہوجانے سے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم دنیا کے لوگوں سے اور اپنی امت سے قریب ہوئے۔ اور اُن کے لئے نرم ہوگئے۔ اور انہی میں سے ایک کی مانند ہوگئے پھر قریب ہوگئے اُن سے نرم باتوں اور نرم کلام سے پھر کہا میں انسان ہوں تم جیسا۔ وحی آتی ہے مجھ پر۔ اور اس بنا پر کلام میں دو خوبیاں ہیں گویا اللہ تعالےٰ نے فرمایا مگر وحی کہ لاتے ہیں جبرئیل محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر پھر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کامل اور پورے ہوئے۔ پھر اپنے اونچے ہونے بعد دنیا کے لوگوں سے قریب ہوئے اور اُن سے نزدیک ہوئے اور خدا کا پیغام پہنچا دیا۔

اسی تفسیر میں ہے کہ تدلی کی ضمیر خدا کی طرف پھرتی ہے اور یہ اُن کا مذہب ہے جو خدا کے لئے جہت اور مکان کے قائل ہیں۔ مگر جاننا چاہئے کہ قرب سے سوائے قرب منزلت کے اور کچھ مراد نہیں ہے۔ اور بلحاظ اس مطلب کے یہی مطابق ہے اس قول کا جس میں آنحضرت نے خدا کی طرف سے کہا ہے کہ جو مجھ سے ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے میں اس سے ہاتھ بھر نزدیک ہوتا ہوں اور جو مجھ سے ہاتھ بھر قریب ہوتا ہے میں اُس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اور جو میری طرف چلتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ یہاں قرب سے معنی مجازی مراد ہیں نہ حقیقی۔ اور یہی ہم نے اختیار کیا ہے۔ اور یہاں جب بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کامل ہوئے اور عقلی مرتبہ میں اونچے ہوئے نہ کہ حسی مرتبہ میں۔ تو پھر فرمایا کہ خدا اُن سے قریب ہوا تحقیقاً جیسا کہ اس نے فرمایا کہ جو میری طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہے میں اُس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔ پھر رہ گیا فاصلہ

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ (۲۹)	تمہارا پروردگار جانتا ہے جو کچھ کہ تمہارے جی میں ہے اگر تم ہو گے نیک (۲۹)

دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم یعنی حضرت محمد علیہ السلام اور خدا کے درمیان دو کمانوں کا فاصلہ یا اس سے بھی کم رہ گیا - یہ الفاظ عرب کے محاورہ کے موافق آئے ہیں +

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ قوس سے دوری مراد ہو سکتی ہے کیونکہ قاس یقوس کے معنی ہیں دُور ہوا اور دُور ہوگا - پھر وحی بھیجی یعنی اللہ نے اپنے بندہ کی طرف جو بھیجی - نہیں جھٹلایا دل نے اس چیز کو کہ دیکھا تھا - تفسیر کبیر میں لکھا ہے - کہ مشہور یہ ہے کہ یہاں دل سے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دل مراد ہے - معنی یہ کہ اُن کے دل نے نہیں جھٹلایا - اور لام تعریف کا اس لئے آیا کہ حضرت محمد علیہ الصلوۃ و السلام کا پہلے ذکر ہو چکا ہے خدا کے اس قول میں کہ اپنے بندہ کی طرف اور اس قول میں کہ وہ اونچی اُفق پر تھا اور اس قول میں کہ تمہارا صاحب نہیں بھٹکا - اور دیکھنے والا محمد علیہ السلام کا دل ہے اور جو دیکھا وہ خدا کی عجیب نشانیاں ہیں +

کیا تم جھگڑتے ہو اس سے اُس چیز پر کہ اُس نے دیکھی یعنی اس پر جو محمد علیہ السلام نے دیکھا اور بیشک دیکھا اس کو یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دل کی بینائی سے دیکھا - اترتا تفسیر کبیر میں ہے کہ یہاں قرب سے نزول معنوی مراد ہے نہ حسی کیونکہ خدا کبھی رحمت اور مہربانی کے ساتھ اپنے بندہ سے قریب ہوتا ہے - اور بندہ کہا کو نہیں دیکھتا اسی لئے موسےٰ علیہ السلام نے کہا اے خدا مجھ کو دکھا اپنی عظمت و جلال کا ایک پردہ ہٹائے اور رحمت اور مہربانی کے ساتھ اپنے بندے سے قریب ہو - تا کہ تجھ کو دیکھوں - دوسری بار تفسیر ابن عباس میں ہے کہ دوسری بار نہ وہ کہ جس کی تم کو خبر دی - سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے پاس جنت الماویٰ ہے یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ جو واقعہ اس سورہ میں بیان ہوا وہ معراج کے سوا ایک اور واقعہ ہے - اس کا ملانا واقعہ معراج کے ساتھ صحیح نہیں ہے - اور اگلی آیت میں دوسری دلیل ہے - جب چھا گیا سدرہ پر جو چھا گیا یعنی ڈھانپ لیا سدرہ کو جس نے ڈھانپ لیا یہ واقعہ معراج کی خبر ہے - بخاری میں ابن شہاب سے پھر انس بن مالک سے پھر ابو ذر سے روایت ہے کہ پھر مجھ کو لے گیا یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا - اور اس پر ایسے رنگ چھائے تھے کہ میں نہیں سمجھا وہ کیا چیز تھے اور نسائی میں سعید بن عبد العزیز سے پھر یزید بن ابو مالک سے پھر انس بن مالک سے روایت ہے کہ پھر مجھ کو سات آسمانوں سے اوپر لے گیا - پھر ہم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور مجھ پر ایک کہر سی چھا گئی اور میں

فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا (۲۵)	پھر بیشک وہ ہے (گناہوں سے) پھرنیوالوں کو بخشنے والا (۲۵)

سجدہ میں گرا۔ اور شریک بن عبداللہ نے اپنی حدیث میں جو انس بن مالک سے روایت کی ہے چند الفاظ سورۂ نجم کے بیان کردئے ہیں۔ اور کہا کہ یہاں تک کہ سدرۃ المنتہی تک آیا۔ اور خدا سے رب العزت قریب ہوا پھر قریب ہوگیا۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کا فاصلہ یا اس سے بھی کم رہ گیا۔ پھر خدا نے اس کی طرف وحی بھیجی جو کچھ بھیجی۔ نہیں بہکی نظر نہ حد سے بڑھی تفسیر کبیر میں ہے کہ ہمارے اس قول کے موافق کہ اس پر دو چھایا ہوا تھا۔ خدا کے اس قول کے معنی یہ ہونگے کہ نہ وہ انوار سے دور ہوا۔ نہ سوائے اُن کے اور چیز اُس نے طلب کی۔ اور ایک معنی اس کے اور بھی ہیں۔ وہ یہ کہ شاید یہ بیان ہو حضرت رسول اللہ کو سدرۃ الیقین تک پہنچنے کا جس سے بالاتر کوئی یقین نہیں ہے۔ اور بیشک دیکھی اس نے اپنے خدا کی بڑی نشانیاں۔ یہ قول خدا کا ایسا ہے جیسا سورۂ اسرا میں ہے تاکہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں انتہے +

اس تفسیر میں ہم نے " شدید القوی ذو مرۃ " سے خدا مراد لی ہے اور اکثر مفسرین نے جبریل مراد لی ہے حالانکہ جبریل کے مراد لینے کے لئے کوئی اشارہ اس مقام میں نہیں ہے بلکہ جب خدا نے سورہ قیامہ میں فرمایا ہے " ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ " تو نہایت مناسب ہے کہ " علمہ شدید القوی ذو مرۃ " سے خدا مراد لی جاوے لیکن اگر جبریل مراد لیجائے تو اس وقت یہ بحث پیش ہوگی کہ حقیقت جبریل کیا ہے اور نتیجہ بحث کا یہ ہوگا کہ ھو قوت اللہ وقدرتہ اور اُس وقت شدید القوی ذو مرۃ سے خدا مراد لینا یا جبریل مراد لینا دونوں کا نتیجہ متحد ہو جاویگا +

سورہ والنجم میں یہ آیت ہے " فاستوی وھو بالافق الاعلی " اسی کی مانند ایک آیت سورہ تکویر میں ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے " لقد راٰہ بالافق المبین " صاحب تفسیر کبیر نے جس طرح کہ وھو بالافق الاعلی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق کیا ہے اسی طرح بالافق المبین کو بھی آنحضرت سے متعلق کیا ہے مگر راٰہ میں جو ضمیر غائب کی ہے اس کو جبریل کی طرف راجع کیا ہے مگر جب ہم ان دونوں آیتوں میں سے ایک کی تفسیر دوسری آیت سے کریں تو سورہ تکویر کی آیت کی تفسیر اس طرح پر ہوتی ہے لقد راٰہ ای راٰی ربہ محمد بالافق المبین ای علی مرتبۃ ومنزلۃ فی رفعۃ لقد رکما فسر صاحب التفسیر الکبیر قولہ تعالے بالافق الاعلی +

اور (حکم کیا) دے قرابت والے کو اس کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو اور مت خرچ کر بے جا خرچ کرنا (۲۸)	وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (۲۸)

پس اس تیسری دلیل میں جو سورۂ نجم کی آیت کو معراج سے متعلق کیا ہے اور شفاء میں قاضی عیاض نے جو یہ حجت پکڑی ہے کہ اگر معراج سوتے میں ہوتی تو اس میں نہ کوئی نشانی ہوتی نہ معجزہ درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر معراج رات کو بجسدہ اور جاگنے کی حالت میں ہوئی ہوتی تو بھی اُس پر معجزہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ معجزہ کے لئے تحدی اور اُس کا وقوع سب کے سامنے اور کم سے کم منکرین کے سامنے ہونا لازم ہے معراج اگر رات کو چپکے چپکے ہوگئی تو وہ معجزہ کیونکر قرار پا سکتی ہے +

مگر یہ کہنا قاضی صاحب کا کہ نہ کوئی نشانی ہوتی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ انہوں نے آیت کو معجزہ سے علیحدہ بیان کیا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب جن میں وحی کا ہونا بھی ممکن ہے ایت من ایات اللہ ہوتے ہیں بخاری میں حضرت عایشہ کی حدیث میں ہے "اول ما بدء به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحي الرويا الصالحة في النوم" یعنی حضرت عایشہ نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اول اول جب وحی آنی شروع ہوئی تو اچھی اور سچی خوابوں کا دیکھنا تھا اور بلا شبہ وہ ایک آیت ہوتی ہیں آیات اللہ میں سے +

چوتھی دلیل تو اس سے زیادہ بودی ہے۔ حضرت عایشہ کا مذہب یہ ہے کہ معراج بجسدہ نہیں ہوئی۔ مگر قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ مشہور مذہب حضرت عایشہ کا نہیں ہے۔ بلکہ صحیح مذہب اُن کا اس کے برخلاف ہے کیونکہ انہوں نے خدا کی رویت سے واقعہ معراج میں انکار کیا ہے اور اگر معراج صرف خواب ہوتی تو وہ رویت کا انکار نہ کرتیں +

اول تو یہ پوچھنا ہے کہ خواب میں خدا کے دیکھنے کی حضرت عایشہ قائل ہیں۔ اس کا کیا ثبوت ہے؟ کیونکہ خدا کو نہ کوئی جاگتے میں دیکھ سکتا ہے نہ خواب میں +

حضرت عایشہ کے انکار رویت پر جو دلیل قاضی عیاض نے بیان کی ہے وہ صحیح بخاری کی اُس حدیث سے استنباط کی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ اُس حدیث سے کسی طرح یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ حضرت عایشہ خواب میں رویت باری کی قائل تھیں۔ اُس حدیث میں صرف اتنا بیان ہے کہ حضرت عایشہ نے فرمایا کہ جو شخص یہ بات کہے کہ آنحضرت نے

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾	بیشک بیجا خرچ کرنے والے ہیں بھائی شیطانوں کے اور ہے شیطان اپنے پروردگار کیلئے ناشکری کرنے والا ﴿۲۹﴾

خدا کو دیکھا تھا۔ تو وہ خدا پر بہتان باندھتا ہے +

مسروق وہاں موجود تھے انہوں نے حضرت عایشہ سے کہا کہ قرآن میں تو ہے۔ "ولقد راٰہ بالافق المبین" یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کو افق مبین پر دیکھا حضرت عایشہ نے کہا کہ میں آنحضرت سے پوچھ چکی ہوں۔ اس سے مراد جبرئیل کا دیکھنا ہے۔ اور یہ بھی حضرت عایشہ نے کہا کہ خدا نے فرمایا ہے "لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار" اتنے کلام میں کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عایشہ خواب میں خدا کے دیکھنے کی قائل تھیں +

اگر کوئی یہ استدلال کرے کہ حضرت عایشہ کا مذہب یہ تھا کہ معراج بجسدہ نہیں ہوئی اور اس لئے انہوں نے اس حدیث میں خدا کے دیکھنے سے انکار کیا تو اس سے لازم آتا ہے کہ قاضی عیاض نے جو یہ بات لکھی ہے "الذی یدل علیہ صحیح قولھا انہ بجسدہ" غلط اور باطل ہے +

علاوہ اس کے حدیث مذکور میں عام طور پر بلا ذکر معراج کے حضرت عایشہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے خیال کیا کہ آنحضرت نے خدا کو دیکھا ہے تو اس نے خدا پر بہتان کیا اور اس میں کچھ ذکر نہیں ہے آنکھ سے دیکھنے یا خواب میں دیکھنے کا۔ تو کسی طرح اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عایشہ کا یہ مذہب تھا کہ خواب کی حالت میں انسان خدا کو دیکھ سکتا ہے +

پانچویں دلیل بھی نہایت بودی ہے۔ وہ دلیل اس امر پر مبنی ہے کہ اگر آنحضرت بیت المقدس میں جانا خواب کی حالت میں بیان کرتے تو قریش اس سے انکار نہ کرتے اور جھگڑے کے لئے مستعد نہ ہوتے۔ اُن کا جھگڑا صرف اسی لئے تھا کہ آنحضرت کا بیت المقدس بجسدہ جانا خیال کیا گیا تھا۔ اس دلیل کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قریش کی مخالفت رسول خدا صلے اللہ سے اس وجہ سے تھی کہ آنحضرت نے دعوے نبوت و رسالت کیا تھا۔ اور واقعات معراج جو کچھ ہوئے ہوں وہ نبوت اور رسالت کے شعبوں میں سے تھے اور اس لئے ضرور تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن واقعات کا سوتے میں دیکھنا فرمایا ہو یا جاگنے کی حالت میں۔ قریش اُس سے انکار کرتے اور نعوذ باللہ آنحضرت کو جھٹلاتے

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۳۰﴾

اور اگر تو منہ پھیرے اُن سے خواہش میں کسی رحمت کی اپنے پروردگار سے جس کی تو امید رکھتا ہے (یعنی بالفعل تیرے پاس اُن کے ساتھ سلوک کرنے کو کچھ نہ ہو اور تجھ کو خدا کی رحمت سے کشایش کی امید ہو) تو کہہ اُن کو بات نرمی سے ﴿۳۰﴾

کیونکہ وہ اصل نبوت و رسالت سے منکر تھے پھر جو امور کہ شعبہ نبوت تھے اُن سے بھی انکار کرنا اُن کو لازم تھا +

قریش خواب کو بھی شعبۂ نبوت سمجھتے تھے اور جو خواب کہ اُن کے مقصد کے برخلاف ہوتا تھا۔ اُس سے گھبراہٹ اور ناراضی اُن میں پیدا ہوتی تھی۔ اِس کی مثال میں عاتکہ بنت عبد المطلب کا ایک لمبا چوڑا خواب ہے +

عاتکہ نے جو عبد المطلب کی بیٹی تھیں ضمضم کے مکہ میں آنے سے تین دن پہلے ایک ہولناک خواب دیکھا تھا۔ اور اُس کو اپنے بھائی عباس سے بیان کیا اور چاہا کہ وہ اِس خواب کو پوشیدہ رکھیں۔ عاتکہ نے بیان کیا کہ میں نے ایک شتر سوار دیکھا جو وادی بطحا میں کھڑا ہے۔ اُس نے بلند آواز سے کہا کہ اے مکارو اپنے مقتل کی طرف تین دن میں بھاگو۔ عاتکہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا لوگ اس کے پاس جمع ہوئے اور وہ مسجد میں داخل ہوا اور کعبہ کے سامنے اپنا اونٹ کھڑا کیا پھر اسی طرح چلایا پھر کوہ ابو قبیس کی چوٹی پر اپنا اونٹ کو کھڑا کیا پھر اسی طرح چلایا پھر پتھر کی ایک بڑی چٹان لیکر ہاتھ سے چھوڑی چونکہ مکہ وادی کے نشیب میں بسا ہوا تھا چٹان کے ٹکڑے بکھر گئے اور کوئی مکان مکہ کا نہیں بچا جس میں پتھر کا ٹکڑا نہ گرا ہو۔ اس خواب کو سنکر عباس نکلے اور ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے جو اُن کا دوست تھا ملے اور اُس خواب کا اُس سے ذکر کیا۔ اور

وكانت عاتكة بنت عبد المطلب رأت قبل قدوم ضمضم مكة بثلاث ليال رؤيا افزعتها فقصتها على اخيها العباس واستكتمته خبرها۔ قالت رايت راكبا على بعير له وقف بالابطح ثم صرخ باعلى صوته ان انفروا يا آل غدر لمصارعكم في ثلاث قالت فارى الناس قد اجتمعوا اليه ثم دخل المسجد فمثل بعيره على الكعبة ثم صرخ مثلها ثم مثل بعيره على راس ابي قبيس فصرخ مثلها ثم اخذ صخرة عظيمة و ارسلها فلما كانت باسفل الوادي ارفضت فما بقيت من مكة دار الا دخلها فلقة منها فخرج العباس فلقي الوليد بن عتبة بن ربيعة وكان صديقه فذكرها له واستكتمه ذلك فذكرها الوليد لابيه عتبة ففشا الخبر فلقي ابو جهل العباس فقال له يا ابا الفضل اقبل الينا قال فلما فرغت من طوافي اقبلت اليه فقال لي متى حدثت فيكم هذه النبية وذكر رؤيا عاتكة ثم قال ما رضيتم ان تتنبا رجالكم حتى تتنبا نساؤكم۔

(صفحہ ۵ جلد دوم تاریخ کامل ابن اثیر) +

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۳۱﴾	اور مت کر اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا ساتھ اپنی گردن کے اور مت کھول اُس کو بالکل کھول دینا پھر بیٹھ رہیگا تو ملامت کیا گیا اور پچھتاتا ہوا ﴿۳۱﴾

اُس سے اس خواب کے چھپانے کی خواہش کی ولید نے اپنے باپ عتبہ سے اُس خواب کو بیان کیا اور چرچا پھیل گیا - پھر ابوجہل کی ملاقات عباس سے ہوئی - اس نے اُن سے کہا اے ابوالفضل میرے پاس آؤ - عباس کہتے ہیں کہ کعبہ کے طواف سے فارغ ہو کر میں اس کے پاس گیا - اُس نے کہا کہ تم میں یہ پیغمبرنی کب سے پیدا ہو گئی اور اُس نے عاتکہ کے خواب کا ذکر کیا - پھر کہا اس سے تمہاری تسلی نہیں ہوئی کہ تمہارے مردوں نے نبوت کا دعوے کیا یہاں تک کہ تمہاری عورتیں بھی پیغمبری دعوے کرنے لگیں +

اصل یہ ہے کہ آنحضرت نے معراج کی بہت سی باتیں جو خواب میں دیکھی ہونگی لوگوں سے بیان کی ہونگی منجملہ اُن کے بیت المقدس میں جانا اور اُس کو دیکھنا بھی بیان فرمایا ہوگا - قریش سوائے بیت المقدس کے اور کسی حال سے واقف نہیں تھے - اس لئے اُنھوں نے امتحاناً آنحضرت سے بیت المقدس کے حالات دریافت کئے - چونکہ انبیا کے خواب صحیح اور سچے ہوتے ہیں - آنحضرت نے جو کچھ بیت المقدس کا حال خواب میں دیکھا تھا بیان کیا جس کو راویوں نے "فجلی اللہ لی بیت المقدس" "فرفعہ اللہ لی انظر الیہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے پس اُس مخاصمت سے جو قریش نے کی آنحضرت کا بجسدہ اور بیداری کی حالت میں بیت المقدس جانا ثابت نہیں ہو سکتا +

چھٹی دلیل طبرانی اور بیہقی کی احادیث پر مبنی ہے - ان دونوں کتابوں کا ایسا درجہ نہیں ہے جن کی حدیثوں سے رداً و قبولاً بحث ہو سکتی ہے - اُس کا کچھ ذکر نہ ہو - با ایں ہمہ اُمہانی کی حدیث سے تو کوئی امر ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اُس حدیث میں ہے - کہ آنحضرت نے نماز عشا یہاں پڑھی اور ہمارے پاس سو رہے - پھر صبح کو ہم کو جگایا اور صبح کی نماز ہمارے ساتھ پڑھی - پھر آنحضرت نے فرمایا کہ عشا کی نماز تو میں نے تمہارے ساتھ پڑھی اور پھر میں بیت المقدس میں گیا اور وہاں نماز پڑھی پھر صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی +

اس حدیث میں یہ لفظ ہیں "ثم جئت بیت المقدس" اور اسی پر قاضی عیاض نے استدلال کیا ہے کہ اسرا بجسدہ تھی حالانکہ صرف "جئت" کے لفظ سے جس کے ساتھ کچھ بیان نہیں ہے کہ آنحضرت کا جانا یہ روحانی طور پر تھا یا جسمانی طور پر - بجسدہ جانے پر استدلال نہیں ہو سکتا خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اس کی تشریح اس مقام پر ہونی ضرور تھی +

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۲﴾	بیشک تیرا پروردگار فراخ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے بیشک وہ ہے اپنے بندوں پر خبر رکھنے والا دیکھنے والا ﴿۳۲﴾

دوسری حدیث - شداد بن اوس کی ایسی رکاکت لفظ و معنی پر مشتمل ہے اور جو طرز کہ بید علیٰ بیان کرنے کا ہے - اس سے اس قدر بعید ہے کہ کسی طرح قابل اعتماد نہیں ✤

صورت دوم یعنی اسراء کا مکہ سے بیت المقدس تک بجسدہ و بحالت بیداری ہونا اور معراج کا اُس کے بعد بیت المقدس سے آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک بروحہ ہونا

ایک قلیل گروہ علما اور محدثین کا یہ مذہب ہے کہ اسرا مکہ سے بیت المقدس تک بجسدہ و بحالت بیداری ہوئی اور اُس کے بعد بروحہ - جن لوگوں کا یہ مذہب ہے وہ مکہ سے بیت المقدس تک جانے کا نام اسرا رکھتے ہیں اور بیت المقدس سے آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک جانے کا معراج ✤

اُن کی اس رائے کی تائید میں نہ قرآن مجید میں کچھ تصریح ہے اور نہ احادیث سے اُس کی تصریح معلوم ہوتی ہے مگر فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ اسرا بیداری کی حالت میں ہوئی اور معراج سونے کی حالت میں اور اُن کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ "پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک" اور اگر معراج جاگنے میں ہوتی تو اُس کا ذکر کرنا زیادہ بلیغ ہوتا ✤

وذھب بعضھم الی ان الاسراء کان فی الیقظۃ والمعراج کان فی النوم ۔۔ ۔ فان اللہ سبحانہ وتعالیٰ قال "سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ" فلو وقع المعراج فی الیقظۃ کان ذلک ابلغ فی الذکر الی آخرہ۔
(فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۰۱) ✤

اگرچہ اس بیان میں اسرا کے بجسدہ ہونے کا کچھ ذکر نہیں مگر لفظ فی الیقظۃ اسرا ہونے سے سمجھا جاسکتا ہے کہ بجسدہ فی الیقظۃ ہوئی تھی ✤

مگر اس دلیل کے ناکافی ہونے کے لئے اسی بات کا کہنا کافی ہے کہ بلا شبہ خدا نے

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (۳۲)	اور مت مار ڈالو اپنی اولاد کو ڈر سے افلاس کے ہم اُن کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بیشک اُن کا مار ڈالنا ہے خطا بہت بڑی (یعنی بہت بڑا گناہ) (۳۲)

فرمایا ہے کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ مگر اس میں کچھ ذکر یا اشارہ اس بات کا کہ اسرا بحالت بیداری اور بجسدہ ہوئی تھی نہیں ہے پس اُس آیت سے اس بات پر کہ معراج بحالت بیداری ہوئی تھی استدلال نہیں ہو سکتا +

اس بیان سے جو فتح الباری میں ہے لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بیت المقدس میں پہنچنے کے بعد سو رہے تھے اور اُس کے بعد معراج یعنی عروج الی السموات سونے کی حالت میں ہوا تھا حالانکہ کسی حدیث سے نہیں پایا جاتا کہ آنحضرت بیت المقدس میں پہنچ کر سو رہے ہوں +

علاوہ اس کے ہم نے صورت اول کی بحث میں ظاہر کیا ہے کہ کوئی دلیل اس بات پر نہیں ہے کہ اسرا یا معراج بحالت بیداری و بجسدہ ہوئی تھی اور چونکہ اسرا بھی اُسی کا ایک جزو ہے اس لئے اسرا کا بھی بحالت بیداری اور بجسدہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اس کے لئے جداگانہ دلیلوں کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے +

تیسری صورت یعنی معراج کا جس میں اسرا بھی داخل ہے ابتدا سے انتہا تک بروحہ اور سونے کی حالت میں یعنی خواب میں ہونا

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک قلیل گروہ علما و محدثین کا یہ مذہب ہے کہ معراج ابتدا سے انتہا تک سونے کی حالت میں ہوئی تھی یعنی وہ ایک خواب تھا جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا مگر اُس کی دلیلیں ایسی قوی ہیں کہ جو شخص اُن پر غور کریگا وہ یقین کریگا کہ تمام واقعات معراج سونے کی حالت یعنی خواب میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھے تھے اور اُس کے لئے یہ دلیلیں ہیں +

اول ۔ دلالت النص یعنی خدا کا یہ فرمانا کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا یعنی رات کو خدا اپنے بندہ کو لے گیا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خواب میں یہ امر واقع ہوئے تھے جو وقت عام طور پر انسانوں کے سونے کا ہے ورنہ "لیلا" کی قید لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ اور ہم اس کی مثالیں بیان کرینگے کہ خواب کے واقعات بلا بیان اس بات کے کہ وہ خواب ہی

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾	اور نہ پاس پھٹکو زنا کے بیشک وہ ہے بےحیائی اور بُری راہ ﴿۳۲﴾

بیان ہوئے ہیں کیونکہ خود وہ واقعات دلیل اس بات کی ہوتے ہیں کہ خواب کا وہ بیان ہے +

دوم - خود اسی سورۃ میں خدا نے معراج کی نسبت فرمایا ہے " وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس " یعنی ہم نے نہیں کیا اُس خواب کو جو تجھے دکھایا مگر آزمائش واسطے لوگوں کے - بخاری میں عبداللہ ابن عباس سے دو حدیثیں ہیں کہ اس آیت میں جس میں رویا کا ذکر ہے اُس سے معراج میں آنحضرت نے جو دیکھا وہ مراد ہے مگر اس مقام پر لفظ رویا کی نسبت جو قرآن مجید میں ہے اور لفظ عین کی نسبت جو عبداللہ ابن عباس کی روایت میں ہے بحث ہے جس کو ہم آیندہ بیان کرینگے اور ثابت کرینگے کہ رویا سے خواب ہی مُراد ہے اور لفظ عین سے جو عبداللہ ابن عباس کی حدیث میں آیا ہے اُن معنوں میں کچھ تغیر نہیں ہوتا +

پہلی حدیث بخاری کی یہ ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے علی بن عبداللہ نے اُس نے

حدثنا علی بن عبد اللہ قال حدثنا سفیان عن عمرو عن عکرمۃ عن ابن عباس وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس قال ھی رؤیا عین اُریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ الخ (بخاری صفحہ ۶۸۶) +	کہا حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے عمر سے اُس نے عکرمہ سے اس نے ابن عباس سے کہ آیت " وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس " میں لفظ رویا سے آنکھ کا دیکھنا

مراد ہے جو رسول اللہ کو اسراء کی رات دکھایا گیا +

دوسری حدیث بخاری کی یہ ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے حمیدی نے اُس نے کہا

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا عمر عن عکرمۃ عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس قال ھی رؤیا عین اُریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ الی بیت المقدس - (بخاری صفحہ ۵۵۰) +	حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے اُس نے کہا حدیث بیان کی ہم سے عمر نے عکرمہ سے اُس نے ابن عباس سے کہ آیت " وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس " میں لفظ رویا سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے جو رسول اللہ

کو دکھایا گیا اُس رات جب کہ بیت المقدس لیجائے گئے +

سوم - مالک بن صعصعہ اور انس بن مالک کی حدیثیں جو بخاری اور مسلم میں مذکور ہیں اُن سے پایا جاتا ہے کہ معراج کے وقت آپ سوتے تھے اور اُن حدیثوں کے

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ﴿٣٥﴾

اور مت مار ڈالو اس جان کو جس کو (مارڈالنا) حرام کیا ہے اللہ نے مگر ساتھ حق کے (یعنی بحق قصاص) اور جو کوئی مارا جاوے مظلوم ہو کر تو بیشک ہم نے کیا ہے اُس کے ولی کے لئے غلبہ پھر نہ زیادتی کرے (کوئی) مار ڈالنے میں بیشک وہ (یعنی اُس کا ولی) ہے مدد دیا گیا ﴿٣٥﴾

مندرجہ ذیل الفاظ ہیں ٭

مالک بن صعصعہ کی حدیثوں میں ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بینا انا عند البیت بین النائم والیقظان" ٭

انہی مالک بن صعصعہ کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ "بینما انا فی الحطیم وربما قال فی الحجر مضطجعا" ٭

انس بن مالک کی حدیثوں میں ہے "فیما یری قلبہ وتنام عینہ ولا ینام قلبہ" اور اسی حدیث کے آخر میں ہے "فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام" ٭

صحاح کی اور کسی حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ کسی وقت معراج کے اوقات میں آپ جاگتے تھے ٭

چہارم - معاویہ حسن - حذیفہ بن الیمان اور حضرت عائشہ کا مذہب تھا کہ اسرا یا معراج خواب میں ہوئی ہے ٭

مگر قاضی عیاض نے جو قول نقل کئے ہیں ان کے اوپر کچھ اعتراض بھی وارد کئے ہیں - خصوصاً حضرت عائشہ کے قول پر - مگر جب ہم اس حدیث کی تشریح کرینگے تو بیان کرینگے کہ وہ اعتراض صحیح نہیں ہے اور اس قدر ہم اب بھی یاد دلا دیتے ہیں کہ شفا قاضی عیاض میں حضرت عائشہ کا قول مذکور ہے اور جس میں "ما فقدت" کا لفظ بصیغہ متکلم آیا ہے وہ صحیح نہیں بلکہ صحیح لفظ ہے "ما فقد" بصیغہ مجہول - چنانچہ ہم اس کا اشارہ اوپر بھی کر چکے ہیں - اور بیان کر چکے ہیں کہ عینی شرح بخاری میں بجائے لفظ "ما فقدت" کے لفظ "ما فقد" چھاپا ہوا ہے اور مصحح شفا نے "ما فقد" کے لفظ کو اختیار کیا ہے - دیکھو ہماری تفسیر کا صفحہ ١٢) ٭

بہرحال جن روایتوں سے معاویہ اور حسن اور حذیفہ بن الیمان اور حضرت عائشہ کا مذہب پایا جاتا ہے ان کو ہم بعینہ نقل کرتے ہیں ٭

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٤﴾

اور نہ پاس جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریق سے کہ وہی زیادہ اچھا ہے (یعنی اُس کی حفاظت کے لئے) یہاں تک کہ وہ پہنچے اپنی جوانی کو اور پورا کرو عہد کو بیشک عہد پوچھا جاوے گا ﴿۳۶﴾

کشاف میں ہے کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ معراج جاگتے میں ہوئی یا سوتے

واختلف فی انہ کان فی الیقظۃ ام فی المنام فعن عائشۃ رضی انہا قالت واللہ ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولٰکن عرج بروحہ وعن معاویۃ انما عرج بروحہ وعن الحسن کان فی المنام رؤیا رآھا واکثر الاقاویل بخلاف ذٰلک۔
(کشاف صفحہ ۷۰۰) ✦

میں حضرت عایشہ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے کہا خدا کی قسم آنحضرت کا جسم غائب نہیں ہوا بلکہ اُن کو روح کو معراج ہوئی اور معاویہ کا قول ہے کہ معراج بروحہ ہوئی - اور حسن سے منقول ہے کہ معراج ایک واقعہ تھا جو رسول خدا نے خواب میں دیکھا۔ اور اکثر قول اس کے برخلاف ہیں ✦

اور تفسیر کبیر میں ہے کہ محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں حذیفہ بن الیمان کا یہ قول

وفی التفسیر الکبیر حکی عن محمد بن جریر الطبری فی تفسیر عن حذیفۃ انہ قال ذٰلک رؤیا وانہ ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما اسری بروحہ وحکی ھذا القول عن عائشۃ وعن معاویہ۔
(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۱۹۹) ✦

لکھا ہے کہ واقعہ معراج ایک خواب تھا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم غائب نہیں ہوا - بلکہ اُن کی روح کو معراج ہوئی اور یہی قول حضرت عایشہ اور معاویہ سے منقول ہے ✦

اور سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے آل ابوبکر میں سے ایک

قال ابن اسحاق وحدثنی بعض آل ابی بکر ان عائشۃ کانت تقول ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولٰکن اللہ اسری بروحہ قال ابن اسحاق وحدثنی یعقوب بن عتبۃ بن المغیرۃ بن الاخنس ان معاویۃ بن سفیان کان اذا سئل عن مسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت رؤیا من اللہ صادقۃ فلم ینکر ذٰلک من قولہما لقول الحسن ان ھذہ الآیۃ نزلت فی ذٰلک قول اللہ عز وجل ۔ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس ۔ ولقول اللہ عز وجل فی الخبر عن ابراہیم علیہ السلام اذ قال لابنہ یا بنی انی

شخص نے بیان کیا ہے کہ حضرت عایشہ فرماتی تھیں کہ رسول خدا کا جسم مبارک غائب نہیں ہوا بلکہ خدا اُن کی روح مبارک کو معراج میں لے گیا تھا - ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس نے بیان کیا ہے کہ معاویہ بن سفیان سے رسول خدا کی معراج کا حال پوچھا گیا - اُنہوں نے کہا کہ یہ تمام واقعہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا - دونوں کے اس قول کا کسی نے انکار نہیں کیا ہے -

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۷﴾

اور پورا کرو پیمانہ کو جس وقت کہ تم ناپو اور تولو ترازو سیدھی سے یہ بہتر ہے اور زیادہ اچھا ہے بلحاظ عاقبت کے ﴿۳۷﴾

اری فی المنام انی اذبحك " ثم مضی علی ذلك فعرفت ان الوحی من الله یاتی الانبیاء ایقاظا ونیاما قال ابن اسحٰق وکان رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما بلغنی یقول تنام عینی وقلبی یقظان فالله اعلم ای ذلك کان قد جاءه عاین فیه ما عاین من امر الله علی ای حالیه کان نائما او یقظان کل ذلك حق وصدق۔

(سیرۃ ابن ھشام جلد اول صفحات ۲۶۵ و ۲۶۶ مطبوعہ لنڈن) +

کیونکہ حسن کا قول ہے کہ اسی معراج کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی " وماجعلنا الرویا التی اریناك الا فتنة للناس" اور خدا نے ابراہیم علیہ السلام کا خواب بھی حکایتاً بیان کیا ہے " اذ قال لابنه یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحك " پھر اس پر عمل کیا اس لئے میں نے جان لیا کہ خدا کی طرف سے انبیاء پر خواب و بیداری دونوں میں وحی آتی ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول خدا فرماتے تھے کہ میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا ہے۔ پس خدا ہی جانتا ہے کہ کس حالت میں وحی آنحضرت کے پاس آئی اور کس حالت میں دونوں حالتوں میں سے جو کچھ خدا کے حکم سے دیکھنا تھا دیکھا جاگتے میں یا سوتے میں اور یہ سب کچھ حق اور سچ ہے +

شفا قاضی عیاض میں ہے کہ اگلے لوگوں اور عالموں کے اسرا کے روحانی یا جسمانی ہونے میں تین مختلف قول ہیں۔ ایک گروہ اسرا کے روح کے ساتھ خواب میں ہونے کا قائل ہے اور وہ اس پر بھی متفق ہیں کہ پیغمبروں کا خواب وحی اور حق ہوتا ہے معاویہ کا مذہب بھی یہی ہے حسن بصری کو بھی اسی کا قائل بتاتے ہیں لیکن ان کا مشہور قول اس کے برخلاف ہے اور محمد ابن اسحاق نے اس طرف اشارہ کیا ہے اُن کی دلیل ہے خدا کا یہ فرمانا کہ " نہیں کیا ہم نے وہ خواب جو دکھایا تجھ کو مگر آزمائش واسطے لوگوں کے " اور حضرت عایشہ کا یہ قول کہ نہیں کھویا میں نے رسول اللہ کے جسم کو یعنی آپ کا جسم مبارک معراج میں نہیں گیا

ثم اختلف السلف والعلماء هل کان الاسراء بروحه او جسده علی ثلاث مقالات فذهبت طائفة الی انه اسراء بروحه وانه رویا منام مع اتفاقهم ان رویا الانبیاء وحی وحق والی هذا ذهب معاویه وحکی عن الحسن والمشهور عنه خلافه والیه اشار محمد بن اسحاق وحجتهم قوله تعالی " وما جعلنا الرویا التی اریناك الا فتنة للناس" وما حکوا عن عائشة ما فقدت جسد رسول الله صلی الله علیه وسلم وقوله بینا انا نائم وقول انس وهو نائم فی المسجد الحرام وذکر القصة ثم قال فی اخره فاستیقظت وانا بالمسجد الحرام الخ۔

(شفا قاضی عیاض صفحہ ۰) +

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔــوْلًا (۳۶)	اور نہ پیروی کرو اُس چیز کی کہ نہیں ہے تجھ کو اُس کا علم بیشک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک اُن میں کا ہے کہ اُس سے پوچھا جاویگا (۳۶)

تھا اور آنحضرت کا یہ فرمانا کہ اس حالت میں کہ مَیں سوتا تھا اور انس کا یہ قول کہ آنحضرت اُس وقت مسجد حرام میں سوتے تھے پھر معراج کا قصہ بیان کر کے آخر میں کہا کہ مَیں جاگا اور اُس وقت مسجد حرام میں تھا الخ ✦

پنجم۔ اگر کسی حدیث میں ایسے امور بیان ہوں جو ایک طرح پر بداہت عقل کے برخلاف ہوں اور ایک طرح پر نہیں اور اگلے علما اور صحابہ کی رائیں مختلف ہوں کہ کوئی اس طرف گیا ہو اور کوئی اُس طرف تو بموجب اصول علم حدیث کے لازم ہے کہ اُس صورت کو اختیار کیا جاوے جو بداہت عقل کے مخالف نہیں ہے ✦

تصریح پہلی دلیل کی

اب ہم پہلی دلیل کی تصریح کرتے ہیں یہ جان لینا چاہئے کہ قرآن مجید اور نیز احادیث میں جب کوئی امر خواب کا بیان کیا جاتا ہے تو یہ لازم نہیں ہے کہ اُس سے پہلے یہ بھی بیان کیا جاوے کہ یہ خواب ہے کیونکہ قرینہ اور سیاق کلام اور نیز وہ بیان خود اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ بیان خواب کا تھا مثلاً حضرت یوسف نے اپنے باپ سے اپنا خواب بیان کرتے وقت بغیر اس بات کے کہنے کے کہ مَیں نے خواب دیکھا ہے یوں کہا " یا ابت انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتھم لی سجدین " لیکن قرینہ اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ وہ خواب ہے اس لئے اُن کے باپ نے کہا " یا بنی لا تقصص رؤیاک علی اخوتک فیکیدوا لک کیدا "۔ پس معراج کے واقعات خود اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ وہ ایک خواب ہے اس لئے اس بات کا کہنا کہ وہ خواب ہے ضرور نہیں تھا بلکہ صرف یہ کہنا کہ رات کو اپنے بندہ کو لے گیا صاف قرینہ ہے کہ وہ سب کچھ خواب میں ہوا تھا ✦

اِسی طرح چار حدیثیں عبد اللہ ابن عمر کی روایت سے مسلم میں موجود ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کعبہ کے پاس حضرت مسیح علیہ السلام اور مسیح دجال کے دیکھنے کا ذکر ہے اُن حدیثوں کے لفظ جیسا کہ روایت بالمعنی میں راویوں کے بیان میں ہوتا ہے کسی قدر مختلف ہیں مگر سب میں مسیح علیہ السلام اور مسیح دجال کے دیکھنے کا ایک ہی قصہ بیان ہوا ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت نے اس کو خواب میں دیکھا تھا

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿۳۹﴾	اور مت چل زمین میں اکڑتا ہوا بیشک تو ہرگز نہ پھاڑیگا زمین کو اور ہرگز نہ پہنچیگا پہاڑ کے لمبا ؤ کو ﴿۳۹﴾

اُن حدیثوں میں سے ایک حدیث کے ابتدا میں یہ لفظ ہیں "رایت عندالکعبة رجلا" یعنی مَیں نے دیکھا کعبہ کے پاس ایک شخص کو۔ پس اس میں سے کوئی اشارہ لفظی اس بات کا نہیں ہے کہ خواب میں دیکھا تھا مگر خود مضمون اس قصہ کا دلالت کرتا ہے کہ خواب میں دیکھا تھا اس لئے کسی ایسے لفظ کے لانے کی جس سے خواب کا اظہار ہو ضرورت نہ تھی ✦

دوسری حدیث کے شروع میں ہے "اراني ليلة عندالكعبة" اس میں صرف لیلة کا لفظ اس بات کا مطلب ادا کرنے کو کافی سمجھا گیا ہے کہ آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا اسی طرح معراج کے قصہ میں خدا کا یہ فرمانا "اسری بعبدہ لیلا" اس بات کے اشارہ کے لئے کہ وہ خواب ہی کافی ہے اور بطور دلالت النص کے معراج کا روحانی یعنی خواب میں ہونا پایا جاتا ہے ✦

تیسری حدیث کے شروع میں یہ الفاظ ہیں "بينما انا نائم رايتني اطوف بالكعبة" یعنی جب کہ مَیں سوتا تھا مَیں نے دیکھا کہ مَیں کعبہ کا طواف کرتا ہوں۔ انھی الفاظ کے مثل وہ الفاظ ہیں جو بعض حدیثوں میں جن کو ہم لکھ چکے ہیں معراج کی نسبت آئے ہیں اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو خواب نہ سمجھیں ✦

چوتھی حدیث کے شروع میں یہ الفاظ ہیں "اراني ليلة في المنام عندالكعبة" یعنی ایک رات مجھ کو کعبہ کے پاس خواب میں دکھائی دیا۔ اس حدیث میں بالکل تصریح خواب کی اُس واقعہ کی نسبت موجود ہے جس سے کسی کو اس میں کلام نہیں رہتا کہ وہ قصہ خواب میں دیکھا تھا پس ہم کو اس باب میں شک کرنے کی کہ معراج کا واقعہ خواب میں ہوا تھا کوئی وجہ نہیں ہے ✦

تصحیح دوسری دلیل کی

اس دلیل میں جو ہم نے لکھا ہے "وما جعلنا الرويا التي اريناك الا فتنة للناس" یہ آیت متعلق ہے معراج سے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معراج سے متعلق نہیں ہے۔ مگر ادنےٰ تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت خاص اسی سورۃ میں ہے جس میں معراج کا ذکر ہے تو اس کو معراج سے متعلق نہ سمجھنے کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ خود ابن عباس نے

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا (۴۰)	یہ سب باتیں ہیں بُری تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسند (۴۰)

اس آیت کو اسرا سے متعلق سمجھا ہے ✦

سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت بطور اظہار شکریہ اُس نعمت کے ہے جو خدا تعالےٰ نے معراج کے سبب قلب مبارک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر انکشاف فرمائی تھی۔ اس بعد بنی اسرائیل کا اور اُن قوموں کا ذکر کیا ہے جن کے لئے بطور امتحان و اطاعت فرمان باری تعالےٰ کچھ نشانیاں مقرر کی گئیں تھیں اور باوصف اس کے انھوں نے رسولوں سے انکار کیا۔ اور خدا کی نافرمانی کی۔ اسی موقع پر خدا نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ ہم نے جو خواب تجھ کو دکھلایا ہے وہ بھی لوگوں کے امتحان کے لئے ہے کیونکہ وہ بھی نبوت کے شعبہ میں سے ہے۔ تاکہ امتحان ہو کہ کون اُس سے انکار کرتا ہے اور کون اس کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ اُس سے انکار کرنا بمنزلہ انکار رسالت اور تسلیم کرنا بمنزلہ تسلیم رسالت کے ہے ✦

پس سیاق قرآن مجید پر نظر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی آیت اور وہ دوسری

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس ✦

آیت متصل اور پیوستہ ہیں یعنی خدا نے یوں فرمایا ہے۔ پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندہ کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک تاکہ دکھائیں ہم اُس کو کچھ اپنی نشانیاں بیشک وہ سننے والا ہے اور دیکھنے والا۔ اور نہیں کیا ہم نے وہ خواب جو دکھایا تجھ کو مگر آزمائش واسطے لوگوں کے ✦

اور جن لوگوں نے اس آیت کو اُس رؤیا سے متعلق کیا تھا جس کا اشارہ سورہ فتح کی اس آیت میں ہے " لقد صدق الله رسوله الرؤیا بالحق " اس کی تردید فتح الباری میں

وفی ذلک رد علی من قال المراد بالرؤیا فی ھذہ الآیۃ رؤیاہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ دخل المسجد الحرام المشار الیہا بقولہ تعالےٰ " لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام " قال ھذا القائل والمراد بقولہ " فتنۃ للناس " ما وقع من صد المشرکین لہ فی الحدیبیۃ عن دخول المسجد الحرام انتہی وھذا وان کان یمکن ان یکون مراد الآیۃ لکن الاعتماد فی تفسیرھا علی ترجمان القرآن اولی واللہ اعلم۔

(فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۱۰۲) ✦

خود علامہ ابن حجر نے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابن عباس کی اس حدیث میں اُس شخص کا رد ہے جو اس آیت کے خواب سے رسول خدا کا مسجد حرام میں داخل ہونے کا خواب مراد لیتا ہے جس کا اشارہ آیت " لقد صدق الله رسوله الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام " میں ہے۔ اور کہتا ہے کہ فتنۃ للناس سے حدیبیہ میں رسول خدا کو مسجد حرام میں

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾	یہ (نصیحتیں) اُن میں سے ہیں جو وحی بھیجی ہے تیرے پاس تیرے پروردگار نے حکمت (کی باتوں) سے اور مت ٹھیرا اللہ کے ساتھ دوسرے کو معبود تو ڈالا جاویگا جہنم میں ملامت کیا گیا راندہ ہوا ﴿۳۹﴾

داخل ہونے سے مشرکین کا روکنا مراد ہے اگرچہ ممکن ہے کہ اس آیت سے یہی مراد ہو مگر قرآن کی تفسیر میں ترجمان القرآن (حدیث) پر اعتماد کرنا اولے ہے ×

مگر ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کو سورہ فتح کی آیت مذکورہ سے کسی طرح کا بھی تعلق نہیں ہے۔ مگر ہم کو اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اکثر مفسرین نے بھی اس آیت کو معراج سے متعلق سمجھا ہے۔ جو کچھ اختلاف کیا ہے وہ رویا کے معنوں میں کیا ہے۔ جس پر ہم بحث کرینگے ×

چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ چوتھا قول جو صحیح تر اور اکثر مفسرین اس کے قائل ہیں

والقول الرابع وھو الاصح وھو قول اکثر المفسرین ان المراد بھا ما اراہ اللہ لیلۃ الاسراء واختلفوا فی معنی ھذہ الرویا۔ (تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۳۳۶) ×	یہ ہے کہ رویا سے مراد وہ رویا ہے جو معراج کی رات خدا نے آنحضرت کو دکھایا۔ اور اس رویا کے معنی میں اُنہوں نے اختلاف کیا ہے ×

رویا کے اصلی لغوی معنی کسی چیز کو خواب میں دیکھنے کے ہیں۔ لسان العرب میں ہے "الرویا ما رایتہ فی منامك" مگر کہا جاتا ہے کہ رویا کا اطلاق رویت یعنی جاگنے میں دیکھنے پر بھی آتا ہے چنانچہ لسان العرب میں ہے "وقد جاء رویا فی الیقظۃ" اور اس پر راعی شاعر جاہلی کا یہ شعر سند میں پیش کیا ہے ×

فکبر للرویا وھش فوادہ

اس نظارہ کو دیکھ کر اُس نے (تعجب سے) اللہ اکبر کہا اور اس کا دل خوش ہوا ×

وبشر نفسا کان قبل یلومھا

اور اس نے اپنے نفس کو خوشخبری دی جس کو پہلے ملامت کرتا تھا ×

اور متنبی کے شعر کے اس مصرعہ کو بھی سند میں پیش کیا ہے ×

ورویاك احلی فی العیون من الغمض

تیرا دیدار آنکھوں میں نیند میں اونگھنے سے زیادہ لذیذ ہے ×

کیا پسند کیا ہے تم کو تمہارے پروردگار نے بیٹوں کے ساتھ اور اپنے لئے لیں ہیں فرشتوں میں سے بیٹیاں بیشک تم کہتے ہو بات بڑی (۴۲)	اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا (۴۲)

حریری نے رویا کو بمعنی "رویت فی الیقظۃ" استعمال کرنا غلط بتایا ہے اور متنبی کے شعر پر اعتراض کیا ہے۔ اور درحقیقت متنبی کا ایسا درجہ نہیں ہے کہ اُس کے کلام کو کلام حجت کی طرح مستند مانا جائے ✦

حریری نے لکھا ہے۔ کہ لوگ کہتے ہیں میں فلاں کے رویا سے خوش ہوا اور اس سے اُس کا دیکھنا مراد لیتے ہیں۔ وہ اس محاورہ میں غلطی کرتے ہیں جیسے کہ ابو الطیب متنبی شاعر نے اپنے اس قول میں غلطی کی ہے جو بدر بن عمار سے کہا تھا اور اُس نے ایک رات کچھ دیر تک اُس سے باتیں کی تھیں اور اس شعر کا یہ ترجمہ ہے :-

ویقولون " سررت برویا فلان " اشارۃ الی مرآہ فیوھمون فیہ کما وھم ابو الطیب فی قولہ لبدر بن عمار وقد سامرہ ذات لیلۃ الی قطع من اللیل ✦

مضی اللیل والفضل الذی لک لا یمضی

رات تمام ہو چکی ہے اور تیرے علم و فضل (کی داستان) تمام نہیں ہوتی ہے۔ اور تیرا دیدار آنکھوں میں اونگھنے سے زیادہ لذیذ ہے۔

ورؤیاک احلی فی العیون من الغمض

صحیح یہ ہے کہ اس محاورہ میں رویا کی جگہ رویت کا لفظ بولا جائے کیونکہ اہل عرب رویت کو جاگنے کی حالت میں دیکھنے پر اور رویا کو خواب دیکھنے کے موقع پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ خدا نے حکایۃً یوسف علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا ہے " ھذا تاویل رویای من قبل " ✦

والصحیح ان یقال سررت برویتک لان العرب تجعل الرویۃ لما یری فی الیقظۃ والرویا لما یری فی المنام کما قال سبحانہ اخبارا عن یوسف علیہ السلام "ھذا تاویل رویای من قبل" -

(درۃ الغواص صفحہ ۵۹ و ۶۰) ✦

علامہ خفاجی درۃ الغواص کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رویا کے معنی میں اہل لغت کے تین قول ہیں۔ ایک تو وہ جس کا ذکر مصنف نے کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ دونوں لفظوں (رویت اور رویا) کے ایک ہی معنی ہیں۔ جاگنے کی حالت پر بولے جائیں یا سونے پر۔ تیسرا

وفیہ ثلاثۃ اقوال لاھل اللغۃ احدھا ما ذکرہ المصنف والثانی انھا بمعنی یکونان یقظۃ ومناما والثالث ان الرویۃ عامۃ والرویا مختص لما یکون فی النوم او یقظۃ فقول المتنبی ...... محتاج الی التاویل۔

(شرح درۃ الغواص صفحہ ۱۳۲) ✦

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۳﴾	اور ہاں بیشک ہم نے ہر طرح سے بیان کیا اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور نہیں زیادہ کرتا ان کے لئے (کچھ) بجز نفرت کے ﴿۴۳﴾

قول یہ ہے کہ رؤیت عام ہے اور رؤیا رات کے دیکھنے سے اگرچہ حالت بیداری میں مخصوص ہے پس متنبی شاعر کا قول ...... تاویل کا محتاج ہے ✦

علامہ خفاجی نے راعی کے تین شعر نقل کئے ہیں کہ جن سے پورا مطلب معلوم ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن بری نے کہا ہے کہ رویا اگرچہ خواب کے معنوں میں ہے مگر اہل عرب اکثر جاگنے کی حالت میں دیکھنے پر بھی بولتے ہیں۔ اور یہ استعمال بطور مجاز کے مشہور ہے جیسا کہ

وقال ابن البری الرویا وان کانت فی المنام فالعرب استعملتها فی الیقظة کثیرا فهو مجاز مشهور کقول الراعی۔

ومستنبح تهوی مساقط راسه
علی الرحل فی طخیاء طمس نجومها
رفعت له مشبوبة عصفت لها
صبا تزدهیها مرة وتقیمها
فکبر للرویا وهش فواده
وبشر نفسا کان قبل یلومها

وعلیه اکثر المفسرین فی قوله تعالیٰ «وما جعلنا الرویا التی اریناك الا فتنة للناس» یعنی ما رای لیلة المعراج یقظة علی الصحیح۔ (شرح درة الغواص خفاجی صفحہ ۱۴۲) ✦

راعی کا قول ہے۔ کتے کی آواز پر کان لگانے والا مسافر جس کا سر (نیند کی حالت میں) اونٹ کجاوہ پر گرتا ہے اندھیری رات میں جس کے تارے دھندلے ہیں۔ میں نے اس کے لئے آگ جلائی جس پر مشرق کی ہوا چلی جو کبھی اس کو ہلاتی ہے اور کبھی اس کو بھڑکاتی ہے۔ اس نے اس نظارہ کو دیکھ کر (تعجب سے) اللہ اکبر کہا اور اس کا دل خوش ہوا۔ اور اس نے اپنے نفس کو خوشخبری دی جس کو پہلے ملامت کرتا تھا۔ اور اسی پر اکثر مفسرین نے آیت «وما جعلنا الرویا التی اریناك الا فتنة للناس» میں رویا کی تفسیر کی ہے یعنی جو کچھ رسول خدا نے معراج کی رات جاگتے میں دیکھا۔ اور یہی معنی صحیح ہیں ✦

اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ لفظ رؤیا کے اُس چیز پر جو جاگنے کی حالت میں آنکھ سے دیکھی جائے۔ بولنے پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ حریری نے

واستدل به علی اطلاق لفظ الرویا علی ما یری بالعین فی الیقظة وقد انکرها الحریری تبعا للغیره و قالوا انما یقال رویا فی المنام واما التی فی الیقظة

اس استعمال کا اوروں کی طرح انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رویا سوتے میں اور رویت جاگتے

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾	(کہدے) اے پیغبر اگر ہوتے اُس کے ساتھ (یعنی خدا کے ساتھ) بہت سے معبود جیسا کہ وہ کہتے ہیں تو اُس وقت البتہ ڈھونڈ نکالتے عرش والے کی طرف کوئی رستہ (یعنی جھگڑا کرنے کا) ﴿۴۲﴾

فیقال رؤیۃ ومن استعمل الرؤیا فی الیقظۃ المتنبی فی قولہ

ورؤیاك احلی فی العیون من الغمض

وھذا التفسیر یرد علی من خطاہ ۔

(فتح الباری جلد ہشتم صفحہ ۳۰۲) +

میں کچھ دیکھنے پر بولا جاتا ہے ۔ متنبی شاعر اُن میں سے ہے جو رؤیا کو جاگتے میں دیکھنے پر استعمال کرتے ہیں ۔ اس کا قول ہے کہ تیرا رؤیا (دیدار) آنکھوں میں نیند کے اونگھنے سے زیادہ لذیذ ہے اور اس تفسیر سے اُن پر اعتراض آتا ہے جو اس کی خطا پکڑتے ہیں +

اس تمام بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی معنی رؤیا کے خواب میں دیکھنے کے ہیں اور رویت فی الیقظۃ پر مجازاً بولا جاتا ہے ۔ جس کے لئے کوئی قرینہ لفظی یا عقلی یا حالی ایسا موجو ہو جس کے سبب مجازاً رؤیا کا استعمال رویت پر پایا جاتا ہو جیسا کہ راعی کے اول اشعار سے پایا جاتا ہے اور جو کہ مستنبح نیند میں غرق تھا اور اُسی حالت میں اُس نے آگ کا شعلہ دیکھا تھا تو لفظ رؤیا کا استعمال مجازاً رویت کے معنوں میں نہایت عمدہ تھا ۔ مگر قرآن مجید میں جو لفظ رؤیا کا آیت " وماجعلنا الرؤیا التی اریناك الا فتنۃ للناس " میں آیا ہے اُس کا یہ حال نہیں ہے ۔ پس اگر ہم تسلیم کریں کہ رؤیا کا اطلاق رویت فی الیقظۃ پر بھی ہوتا ہے تو یہ بھی کافی نہیں ہے بلکہ اس بات کا ثبوت بھی درکار ہے کہ اس آیت میں جو لفظ رؤیا آیا ہے ۔ اُس سے بھی رویت فی الیقظۃ مراد ہے ۔ آیت مذکورہ میں کوئی اشارہ یا کوئی قرینہ اس بات کا نہیں ہے کہ رؤیا سے رویت فی الیقظۃ مراد لیجائے بلکہ جب اس آیت کو پہلی آیت سے ملایا جاتا ہے جس میں " اسری بعبدہ لیلا " یعنی رات کا لفظ ہے تو قرینہ اس بات کا ہوتا ہے کہ رؤیا سے خواب ہی مراد ہے نہ رویت فی الیقظۃ ۔ خصوصاً اس صورت میں کہ قرآن مجید میں کسی جگہ رؤیا کا اطلاق رویت فی الیقظۃ پر نہیں آیا +

علما نے ابن عباس کی حدیث میں جو " رؤیا عین " کا لفظ آیا ہے تو لفظ عین پر بحث کی ہے اور اس کے سبب رؤیا کو رویت فی الیقظۃ قرار دیا ہے چنانچہ کرمانی شارح بخاری

رؤیا عین قید بہ للاشعار بان الرؤیا بمعنی الرؤیۃ فی الیقظۃ لا رؤیا النائم ۔

(حاشیہ بخاری صفحہ ۵۵۰) +

نے ابن عباس کی حدیث کی نسبت لکھا ہے کہ رؤیا کے ساتھ لفظ عین کی قید اس لئے لگائی ہے تا کہ معلوم ہو کہ رؤیا سے رویت

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾	پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں برتر ہونا بہت بڑا ﴿۴۳﴾

فی الیقظۃ مراد ہے۔ نہ رویا یعنی خواب ۔

اور پھر کرمانی نے لکھا ہے کہ عین کی قید سے جو رویا کے ساتھ ہے اس بات کا

انما قید الرویا بعین اشارۃ الی انہا فی الیقظۃ والی انہا لیست بمعنی العلم۔ (حاشیہ بخاری صفحہ ۶۸۶) ۔	اشارہ ہے کہ اس سے جاگتے میں دیکھنا مراد ہے۔ اور وہ علم کے معنی میں نہیں ہے ۔

اور شفا قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ رویا سے آنکھ کا دیکھنا

قال ابن عباس ہے رویا عین رآہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا رویا منام (شفا صفحہ ۷۰) ۔	مراد ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا نہ خواب کا دیکھنا ۔

واضح ہو کہ ابن عباس کی حدیث میں الفاظ " لا رویا منام " کے نہیں ہیں۔ جن کے معنی یہ ہیں کہ " وہ دیکھنا سونے کی حالت میں نہیں ہے " ۔

اگر اس امر کے ثبوت کا مدار کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک معراج " فی الیقظۃ " ہوئی صرف اسی حدیث پر ہے تو ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ان کا مذہب یہ تھا کہ معراج " فی الیقظۃ " ہوئی کیونکہ اگر حضرت ابن عباس کا یہ مذہب تھا جیسا کہ قاضی عیاض نے قرار دیا ہے کہ اصل یا معراج بحالت یقظہ ہوئی تھی تو صاف فرماتے " ھی رویا فی الیقظۃ " یا " رویۃ فی الیقظۃ اریہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ الی بیت المقدس " اس صاف لفظ کو چھوڑ کر ایک ایسے لفظ کو اختیار کرنے کی جس کے معنی یقظۃ کے نہیں ہیں اور اگر بہت کوشش کی جائے تو اس سے بطور دلالت التزامی کے یہ معنی کے یہ معنی سمجھ میں آتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ سلف سے علما اور صحابہ کو اس میں اختلاف ہے کہ واقعات معراج بحالت بیداری ہوئے تھے یا خواب میں۔ لیکن اگر قید لفظ " عین " کی جو ابن عباس کی حدیث میں ہے۔ ایسی صاف ہوتی جس سے " رویت فی الیقظۃ " سمجھی جاتی تو علما میں اختلاف نہ ہوتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قید لفظ " عین " سے " رویت فی الیقظۃ " کا سمجھنا ایسا صاف نہیں ہے جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے ۔

عین کے معنی لغت میں " حقیقۃ الشی " کے ہیں۔ لسان العرب میں لکھا ہے اہل عرب کے

العین عند العرب حقیقۃ الشی یقال جاء بالامر	نزدیک عین کسی چیز کی حقیقت پر بولا جاتا ہے

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۴﴾	تسبیح کرتے ہیں اُس کے لئے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن میں ہے اور نہیں کوئی چیز مگر تسبیح کرتی ہے ساتھ اُس کی تعریف کے لیکن تم نہیں سمجھتے اُن کی تسبیح کو بیشک وہ ہے بردبار بخشنے والا (۴۴)

من عن صافیہ ای من فصہ وحقیقتہ وجاء بالحق بعینہ ای خالصا واضحا (لسان العرب جلد ۱۷ صفحہ ۱۸۰) ✦

کہتے ہیں کہ وہ اس کام کو عین صافی سے لایا یعنی اس کام کی اصلیت اور حقیقت سے اور حق کو بعینہ لایا یعنی خالص اور روشن حق کو لایا ✦

پس حضرت ابن عباس کا یہ فرمانا کہ رؤیا عین - اس کے معنی ہیں "رؤیا حقیقۃ لان رؤیا الانبیاء حق و وحی" اور اس لئے ہمارے نزدیک ابن عباس کی حدیث میں رویا کے ساتھ جو عین کے لفظ کی قید لگائی ہے اُس سے رویا کے معنوں کو تبدیل کرنا اور لفظ رؤیا کو جو قرآن مجید میں آیا ہے بلاکسی قرینہ کے جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے - مجازی معنوں میں لینا مقصود نہیں ہے بلکہ اُس سے رؤیا کے صحیح اور واقعی اور حق ہونے کی تاکید مراد ہے یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ خواب وہم وخیال یا اضغاث احلام میں سے نہیں ہے - بلکہ درحقیقت خواب میں جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا وہ سچ اور حق ہے - کیونکہ انبیا کے تمام خواب حق اور سچ ہوتے ہیں پس لفظ عین کی قید سے لازم نہیں آتا کہ حالت بیداری میں دیکھا ہو ✦

ہمارے اس قول کی تائید میں ابن قیم کا یہ قول زاد المعاد میں ہے کہ صحابہ میں اختلاف

واختلف الصحابۃ ھل رای ربہ تلک اللیلۃ ام لا فصح عن ابن عباس انہ رای ربہ وصح عنہ انہ قال راہ بفؤادہ ✦ (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۳۰۱) ✦

ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں خدا کو دیکھا تھا یا نہیں ابن عباس کی روایت ہے کہ دیکھا تھا مگر صحیح یہ ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ آنحضرت نے خدا کو اپنے دل سے دیکھا تھا یعنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور یہ پوری دلیل ہے کہ اُن کی روایت میں لفظ عین سے آنکھ کا دیکھنا مراد نہیں ہے ✦

اگر ہماری یہ رائے صحیح نہ ہو اور ابن عباس نے عین کا لفظ رویا کے ساتھ اسی مقصد سے بولا ہو کہ رؤیا سے رؤیت بالعین فی الیقظۃ مراد ہے - تو وہ بھی منجملہ اس گروہ کے ہونگے جو معراج فی الیقظۃ کے قائل ہوئے ہیں - مگر ہم اُس گروہ میں ہیں جو واقعہ معراج کو حالت خواب میں تسلیم کرتے ہیں - اور ہمارے نزدیک خواب ہی میں ماننا لازم ہے - جس کی وجہ ہم پانچویں دلیل کی تصریح میں بیان کرینگے ✦

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴿۴۷﴾	اور جس وقت تو قرآن کو پڑھتا ہے تو کر دیتے ہیں ہم تیرے درمیان میں اور اُن لوگوں کے درمیان میں جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر ایک پردہ چھپا ہوا ﴿۴۷﴾

شاہ ولی اللہ صاحب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معراج میں جانا "بجسد برزخی بین المثال والشہادۃ" بیان کیا تھا۔ اور ہم نے کہا تھا کہ ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ اسی طرح ابن قیم نے زاد المعاد میں بیان کیا ہے کہ صرف روح رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج میں گئی تھی۔ اور جسد نہیں گیا۔ اور اسی طرح پر روح گئی تھی جس طرح پر انسان کی روح مرنے کے بعد جاتی ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ انسان کی روح نکلنے کے بعد انسان مرجاتا ہے مگر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی روح جانے کے بعد آنحضرت فوت نہیں ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ رمز بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی لیکن اس کا نتیجہ بھی یہ ہے کہ ابن قیم بھی بجسدہ معراج کا قائل نہیں ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے کا ماخذ بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال جو کچھ ابن قیم کی رائے ہے۔ ہم اس کو اس مقام پر بجنسہ نقل کرتے ہیں +

وقد نقل ابن اسحاق عن عائشة ومعاوية انهما قالا انما كان الاسراء بروحه ولم يفقد جسده ونقل عن الحسن البصري نحو ذلك ولكن ينبغي ان يعلم الفرق بين ان يقال كان الاسراء مناما وبين ان يقال كان بروحه دون جسده وبينهما فرق عظيم وعائشة ومعاوية لم يقولا كان مناما وانما قالا اسري بروحه ولم يفقد جسده وفرق بين الامرين فان ما يراه النائم قد يكون امثالا مضروبة للمعلوم في الصور المحسوسة فيرى كانه قد عرج به الى السماء او ذهب به الى مكة واقطار الارض وروحه لم تصعد ولم تذهب انما ملك الرؤيا ضرب له المثال والذين قالوا عرج برسول الله صلى الله عليه وسلم طائفتان طائفة قالت عرج بروحه وبدنه وطائفة قالت عرج بروحه ولم يفقد بدنه وهؤلاء لم يريدوا ان المعراج كان مناما وانما ارادوا ان الروح ذاتها اسري بها وعرج بها حقيقة وباشرت من جنس ما تباشر بعد المفارقة وكان حالها في ذلك كحالها بعد المفارقة في صعودها

ابن اسحاق نے حضرت عائشہ اور معاویہ کا مذہب یہ بتایا ہے کہ معراج میں آنحضرت کی روح گئی تھی اور جسم غائب نہیں ہوا اور حسن بصری کا مذہب بھی یہی بتایا ہے لیکن اس قول میں کہ اسراء خواب میں ہوئی تھی اور اس قول میں کہ اسراء روح کے ساتھ ہوئی تھی نہ جسم کے ساتھ فرق جاننا چاہیئے اور دونوں میں بڑا فرق ہے حضرت عائشہ اور معاویہ نے یہ نہیں کہا کہ اسراء خواب میں ہوئی تھی بلکہ انہوں نے کہا کہ اسراء روح کے ساتھ ہوئی تھی اور رسول خدا کا جسم اسراء میں نہیں گیا اور دونوں میں فرق ہے کیونکہ سونے والا جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے وہ حقیقت میں ایک معلوم چیز کی مثالیں ہیں جو محسوس شکلوں میں اس کو دکھائی دیتی ہیں وہ دیکھتا ہے کہ گویا آسمان پر چڑھ گیا

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴿۴۸﴾

اور کر دیتے ہیں ہم اُن کے دلوں پر ڈھکن ایسا نہ ہو کہ اُن کو سمجھ سکیں اور اُن کے کانوں میں ٹھینٹے ﴿۴۸﴾

الى السماء السابعة سماء سماء حتى ينتهى بها الى السماء السابعة فتقف بين يدي الله عز وجل فيامر فيها بما يشاء ثم تنزل الى الارض فالذي كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الاسراء اكمل مما يحصل للروح عند المفارقة ومعلوم ان هذا امر فوق ما يراه النائم لكن لما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في مقام خرق العوائد حتى شق بطنه وهو حي لا يتألم بذلك عرج بذات روحه المقدسة حقيقة من غير اماتة ومن سواه لا ينال بذات روحه الصعود الى السماء الا بعد الموت والمفارقة فالانبياء انما استقرت ارواحهم هناك بعد مفارقة الابدان وروح رسول الله صلى الله عليه وسلم صعدت الى هناك في حال الحيوة ثم عادت وبعد وفاته استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق راى موسى قائما يصلي في قبره وراه في السماء السادسة ومعلوم انه لم يعرج بموسى من قبره ثم رد اليه وانما ذلك مقام روحه واستقرارها وقبره مقام بدنه واستقراره الى يوم معاد الارواح الى اجسادها فراه يصلي في قبره وراه في السماء السادسة كما انه صلى الله عليه وسلم في ارفع مكان في الرفيق الاعلى مستقر هناك : بدنه في ضريحه غير مفقود ... سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام ولم يفارق الملأ الاعلى ومن كثف ادراكه وغلظت طباعه عن ادراك هذا فلينظر الى الشمس في علو محلها وتعلقها وتاثيرها في الارض وحيوة النبات والحيوان بها هذا وشان الروح فوق هذا فلها شان وللابدان شان وهذه النار تكون في محلها وحرارتها تؤثر في الجسم البعيد عنها مع ان الارتباط والتعلق الذي بين الروح والبدن اقوى واكمل من ذلك واتم

اور مکہ اور دنیا کے اور اطراف میں چلا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی نہ کہیں گئی۔ بلکہ خواب کے غلبہ نے اُس کی نظر میں ایک صورت بنا دی۔ جو لوگ رسول خدا کے معراج کے قائل ہیں۔ ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ رسول خدا کی روح اور بدن دونوں کو معراج ہوئی۔ دوسرا کہتا ہے کہ معراج میں اُن کی روح گئی تھی بدن نہیں گیا۔ اور اس سے اُن کی یہ مراد نہیں ہے کہ معراج خواب میں ہوئی بلکہ اُن کی مراد یہ ہے کہ خود آنحضرت کی روح اسرا میں گئی اور حقیقت میں اُسی کو معراج ہوئی۔ اور اُس نے وہی کام کیا جو بدن سے جدا ہونے کے بعد روح کرتی ہے اور اس واقعہ میں اس کا حال ایسا ہوا جیسا کہ بدن سے جدا ہونے کے بعد روح ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر جاتی ہے یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچتی اور خدا کے سامنے ٹھہر جاتی ہے۔ پھر خدا جو چاہتا ہے اس کو حکم کرتا ہے پھر زمین پر اترتی ہے پس جو حال رسول خدا کا معراج میں ہوا وہ اُس سے زیادہ کامل تھا جو روح کو بدن چھوڑنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حال اس کیفیت سے جو سونے والا خواب میں دیکھتا ہے بالاتر ہے لیکن چونکہ رسول خدا نے اپنے (بلند) مرتبہ کے سبب بہت سے نظرت کے

وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ﴿۴۶﴾

اور جس وقت تو یاد کرتا ہے اپنے رب کو قرآن میں اکیلا تو وہ پیٹھ کے بل پھر جاتے ہیں بھاگتے ہوئے ﴿۴۶﴾

فشان الروح اعلیٰ من خلائق والطف

فغض العیون الرمد ایاك ان تری

سنا الشمس استغشی ظلام اللیالیا

(زاد المعاد ابن قیم جلد اول صفحہ ۳۰۱ و ۳۰۲) +

قاعدوں کو توڑا یہاں تک کہ زندگی میں اُن کا پیٹ چاک کیا گیا اور اُن کو تکلیف نہ ہوئی اس لئے حقیقت میں بدون مرنے کے خود اُن کی روح مقدس کو معراج ہوئی - اور جو اُن کے سوا ہیں اُن میں سے کسی کی روح بدون مرنے اور بدن چھوڑنے کے آسمان پر صعود نہیں کرتی - انبیا کی روحیں اس مقام پر بدن سے جدا ہونے کے بعد پہنچتی ہیں - اور رسول خدا کی روح زندگی ہی میں اس مقام تک گئی اور واپس آگئی - اور بعد وفات کے دیگر انبیا کی روحوں کے ساتھ مقام "رفیق اعلیٰ" میں ہے اور باوجود اس کے بدن پر اس کا پرتو اور اس کی اطلاع اور اُس کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ رسول خدا ہر ایک کے سلام کا جواب دیتے ہیں - اور اسی تعلق کے سبب سے رسول خدا نے موسٰے کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور پھر اُن کو چھٹے آسمان پر بھی دیکھا - اور یہ سب کو معلوم ہے کہ نہ موسٰے نے قبر سے صعود کیا نہ واپس آئے - بلکہ وہ اُن کی روح کا مقام اور اُس کے ٹھیرنے کی جگہ ہے اور قبر اُن کے بدن کا مقام اور اُس کے ٹھیرنے کی جگہ ہے جب تک کہ روحیں دوبارہ بدنوں میں آئینگی - اسی لئے رسول خدا نے اُن کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور پھر چھٹے آسمان پر دیکھا - جیسا کہ خود رسول خدا (کی روح) "رفیق اعلیٰ" میں ایک بلند مقام پر ہے - اور اُن کا بدن قبر میں موجود ہے اور جب کوئی مسلمان اُن پر درود و سلام بھیجتا ہے خدا اُن کی روح کو بدن میں واپس بھیجتا ہے تاکہ اُس کے سلام کا جواب دیں حالانکہ پھر بھی رسول خدا کی روح) ملاء اعلےٰ سے جدا نہیں ہوتی - اور جس شخص کی عقل تاریک اور طبیعت اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہے - وہ دیکھے کہ آفتاب بہت بلندی پر ہے اور اُس کا تعلق اور تاثیر زمین میں اور نباتات اور حیوان کی زندگی میں ہے - تو روح کا حال تو اس سے بالاتر ہے - کیونکہ روح کا مدل اور ہے اور اجسام کا حال اور - یہی آگ اپنی جگہ میں ہوتی ہے اور اس کی گرمی اُس جسم میں سرایت کرتی ہے جو اس سے دُور ہے حالانکہ جو ربط اور تعلق روح اور بدن کے درمیان ہے وہ اس سے زیادہ لطیف اور بالاتر ہے - درد بھری آنکھوں سے کہدے کہ آفتاب کی روشنی کو دیکھنے سے بچو - ورنہ راتوں کا اندھیرا چھا جائیگا +

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۵۰﴾

ہم خوب جانتے ہیں اُس چیز کو جسے وہ سنتے ہیں جس وقت کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف اور جس وقت کہ وہ بھید کی باتیں کرتے ہیں جس وقت کہ کہتے ہیں ظالم کہ تم نہیں پیروی کرتے مگر ایک آدمی جادو کئے گئے کی ﴿۵۰﴾

تصریح تیسری دلیل کی

جو الفاظ کہ مالک بن صعصعہ کی حدیثوں میں ہیں " انا عند البیت بین النائم والیقظان " اور ایک حدیث میں ہے " فی الحجر مضطجعا " اور انس بن مالک کی حدیث میں ہے " تنام عینہ ولا ینام قلبہ " اور اس حدیث کے آخر میں ہے " فاستیقظ وهو فی المسجد الحرام " یہ صاف دلیلیں اس بات کی ہیں کہ اسرا اور معراج سونے کی حالت میں ہوئی تھیں ✦

مالک بن صعصعہ کی حدیثوں پر تو کسی شخص نے اعتراض نہیں کیا مگر انس بن مالک کی حدیث پر جس کے راویوں میں سے ایک راوی شریک بھی ہے اعتراض کیا ہے اور اعتراض یہ ہے کہ اُس حدیث میں ہے کہ تین فرشتے وحی آنے سے پہلے رسول خدا کے پاس آئے اور وہ مسجد حرام میں سوتے تھے ۔ اُس کے بعد بیان کیا ہے کہ ایک دوسری رات کو فرشتے آئے ایسی حالت میں جب کہ رسول خدا کا دل دیکھتا تھا اور آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگتا تھا ۔ پس اس حدیث میں دو نقص ہیں اول تو تزلزل ہے بیان میں ۔ دوسرے یہ کہ وحی آنے سے پہلے فرشتوں کا آنا بیان ہوا ہے ۔ مگر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ پہلا جملہ ایک الگ واقعہ کا بیان ہے اور دوسرا جملہ جس میں " فیما یری قلبہ وتنام عینہ " آیا ہے وہ بیان ہی اسرا اور معراج کا ۔ چنانچہ عینی شرح بخاری میں لکھا ہے ۔ امام نووی کہتے ہیں کہ شریک کی روایت میں چند غلطیاں ہیں جن کا علما نے انکار کیا ہے

قال النووی جاء فی روایۃ شریک اوهام انکرها العلماء من جملتها انہ قال ذلک قبل ان یوحی الیہ وهو غلط لم یوافق علیہ وایضا العلماء اجمعوا علی ان فرض الصلوۃ کان لیلۃ الاسراء فکیف یکون قبل الوحی ...... وانکرها الخطابی وابن حزم وعبد الحق والقاضی عیاض والنووی ... وقد صرح هؤلاء المذکورون بان شریکا تفرد بذلک ...... قولہ فلم یرهم بعد ذلک حتی اتوہ لیلۃ اخری لم یعین المدۃ التی بین المجیئین فیحمل علی ان المجیء الثانی کان بعد

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اُس نے کہا ہے کہ معراج وحی آنے سے پہلے ہوئی اور یہ غلط ہے کسی نے اس پر اتفاق نہیں کیا ۔ اور علما باہم اس پر بھی متفق ہیں کہ نماز کا فرض ہونا معراج کی رات میں ہوا ۔ پس معراج کیونکر وحی آنے سے پہلے ہو سکتی ہے ✦ ✦✦ ✦ ✦ خطابی ۔ ابن حزم ۔ عبد الحق

دیکھ کس طرح وہ گھڑتے ہیں تیرے لئے مثالیں پھر وہ گمراہ ہوئے پھر نہیں پا سکتے رستہ (۵۱)	اُنظُر كَيفَ ضَرَبُوا لَكَ الأَمثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَستَطِيعُونَ سَبِيلًا (۵۱)

الوحی الیہ وحینئذ وقع الاسراء والمعراج واذا کان بین المجیئین مدۃ فلا فرق بین ان تکون تلک المدۃ لیلۃ واحدۃ اولیالی کثیرۃ او عدۃ سنین وبھذا ینتفع الاشکال عن روایۃ شریک ویحصل الوفاق ان الاسراء کان فی الیقظۃ بعد البعثۃ وقبل الھجرۃ فیسقط تشنیع الخطابی وابن حزم وغیرھما بان شریکا خالف الاجماع فی دعواہ ان المعراج کان قبل البعثۃ۔

(عینی جلد ۱۱ صفحہ ۶۰۲ و ۶۰۳)

قاضی عیاض اور امام نووی نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور انہوں نے صاف کہدیا ہے کہ شریک اس بات میں اکیلا ہے * * * * * * * * * رلوی کا یہ قول کہ اس کے بعد اُن کو کسی نے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ رسول خدا کے پاس دوسری رات آئے۔ اس میں اُس دونوں دفعہ آنے میں جو مدت گذری اُس کو بیان نہیں کیا ہے۔ پس خیال کیا جائیگا کہ دوسری دفعہ کا آنا وحی آنے کے بعد ہوا۔ اور اُس وقت اسرا اور معراج واقع ہوئی۔ اور اگر دونوں دفعہ کے آنے میں کوئی مدت ہے تو کوئی فرق نہیں ہے اس میں کہ وہ مدت ایک رات ہو یا بہت سی راتیں ہوں یا چند سال ہوں۔ اور اس سے شریک کی روایت میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے۔ وہ اُٹھ جاتا ہے۔ اور اس بات پر اتفاق کا ہونا نکلتا ہے کہ اسرا جاگتے میں بعد نبوت کے اور قبل ہجرت کے ہوئی۔ پس خطابی۔ ابن حزم اور دیگر معترضین کی یہ ملامت دور رہو جاتی ہے کہ شریک نے اجماع اُمت کو اپنے اس دعوے سے توڑا ہے کہ معراج نبوت سے پہلے ہوئی *

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ پہلا واقعہ ایک رات کا ہے جس میں نہ معراج ہوئی ہے نہ کچھ اور واقعہ ہوا ہے۔ اور اُس رات فرشتے آئے اور صرف دیکھ کر چلے گئے اور اُسی کی نسبت شریک نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ قبل وحی کا ہے۔ دوسرا جملہ متعلق ہے اسرا و معراج سے جیسا کہ عینی نے بیان کیا ہے اس صورت میں شریک کی حدیث میں اور اور قولوں میں کہ اسرا بعد نبوت ہوئی تھی کچھ اختلاف باقی نہیں رہتا لیکن عینی نے جو یہ بیان کیا ہے کہ "ویحصل الوفاق ان الاسراء کان فی الیقظۃ بعد البعثۃ" اس جملہ کا پہلا حصہ غلط ہے اس لئے کہ اس بات میں اتفاق نہیں ہوا کہ اسرا فی الیقظۃ تھی بلکہ اس دوسرے جملہ بھی صاف بیان کیا گیا ہے۔ "فیما یری قلبہ ولا تنام عینہ ولا ینام قلبہ" اور تمام قصہ معراج کا بیان کرنے کے بعد حدیث کے اخیر میں بیان کیا ہے "فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام" یعنی ان تمام واقعات کے بعد آنحضرت جاگے اور وہ مسجد حرام میں تھے۔ پس کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ ان حدیثوں سے صاف ثابت ہو سکتا ہے کہ اسرا اور معراج ابتدا سے انتہا تک سونے کی حالت

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۵۲﴾	اور اُنہوں نے کہا کیا جب ہو جائینگے ہڈیاں اور گلی ہوئی کیا ہم پھر اُٹھائے جاوینگے نئی پیدائش میں ﴿۵۲﴾

میں ہوئی تھی اور وہ ایک خواب تھا جو رسول خدا نے دیکھا ◆

اور عینی میں جو یہ بات لکھی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کہا جاسے کہ آنحضرت شروع معراج

فیمکن ان یقال کان فی اول الامر واخرہ فی النوم ولیس فیہ ما یدل علی کونہ نائما فی القصۃ کلھا ◆ (عینی جلد ۱۱ صفحہ ۶۰۳) ◆

اور آخر معراج میں سوتے تھے اور اس حدیث میں کوئی دلیل اس بات پر نہیں ہے کہ رسول خدا کل قصہ میں سوتے رہے ◆

ایسی بودی اور ضعیف ہے کہ کوئی شخص بھی اس پر کان نہیں کھ سکتا۔ کیونکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ درمیان معراج کے کسی وقت آنحضرت جاگ اُٹھے تھے بلکہ کسی حدیث میں آنحضرت کے جاگتے ہونے کا اشارہ بھی نہیں ہے ◆

مالک بن صعصعہ کی حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں "بین النائم والیقظان" اس کی نہایت عمدہ تشریح انس بن مالک کی حدیث سے ہوتی ہے جس میں بیان ہے "فیما یری قلبہ وتنام عینہ ولا ینام قلبہ" اور تمام انبیا کا سونے میں یہی حال ہوتا ہے۔ ظاہر میں آنکھیں سو جاتی ہیں اور دل جاگتا رہتا ہے ◆

تصریح چوتھی دلیل کی

ہم سمجھتے ہیں کہ اس دلیل کی زیادہ تصریح کرنے کی ہم کو چنداں ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ جن صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ جسم مبارک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معراج میں نہیں گیا تھا بلکہ معراج سونے کی حالت میں بالروح ہوئی تھی اُن کے نام مع اُن کی اقوال کی سند کے ہم نے لکھ دئیے ہیں اور اس لئے زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے مگر شفا قاضی عیاض نے مندرجہ حاشیہ نام اُن لوگوں کے لکھے ہیں جن کا مذہب یہ ہے کہ معراج بجسدہ فی الیقظۃ

عبداللہ ابن عباس - جابر بن عبداللہ - انس بن مالک - حذیفہ بن الیمان - عمر بن الخطاب - ابوہریرہ - مالک بن صعصعہ - ابوحبۃ البدری - عبداللہ بن مسعود - ضحاک - سعید ابن جبیر - قتادہ - ابن المسیب - ابن شہاب - ابن زید - حسن - ابراہیم - مسروق - مجاہد - عکرمہ - ابن جریج - (شفا قاضی عیاض صفحہ ۹۰) ◆

ہوتی تھی - ان میں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسامہ بن زید - انس بن مالک - جابر بن عبداللہ - حذیفہ بن الیمان - عبداللہ بن عباس - عبداللہ بن مسعود - عمر بن الخطاب - مالک بن صعصعہ اور ابوہریرہ تو صحابی ہیں اور باقی تابعی وغیرہ -

قُلْ كُونُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا	کہدے (اے پیغمبر) کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا

مگر ہم کو نہیں معلوم کہ قاضی عیاض نے جو اُن کا مذہب قرار دیا ہے۔ اُس کی کیا سند ہے اور کہاں سے اُس نے استنباط کیا ہے ✦

انس بن مالک اور مالک بن صعصعہ دو صحابیوں کی حدیثیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں۔ جن کی حدیثوں میں خود الفاظ "انا نائم" اور "بین النائم والیقظان" اور "فی الحجر مضطجعا" اور "فیما یری قلبه وتنام عینه ولاینام قلبه" اور "ثم استیقظ وھو فی المسجد الحرام" موجود ہیں۔ جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُن کے نزدیک معراج بحالت نوم ہوئی تھی پس معلوم نہیں ہوتا کہ اُن دونوں صحابیوں کے نام قاضی عیاض نے اُن لوگوں کی فہرست میں کیوں داخل کئے ہیں جن کا مذہب بجسدہٖ اور فی الیقظة ہونے کا ہے ✦

مالک بن صعصعہ اور انس بن مالک کی حدیثوں میں قتادہ بھی ایک راوی ہیں۔ پھر وہ کسی طرح اُن لوگوں کی فہرست میں داخل نہیں ہو سکتے۔ جو معراج کے بجسدہٖ اور فی الیقظة ہونے کے قائل ہیں ✦

سوا ے صحاح کے اور کتب حدیث میں جو حدیثیں ہیں اُن پر بھی ہم نے سرسری طور سے نظر ڈالی ہے سوا ے ایک حدیث کے جو بیہقی میں ہے اور جس میں یہ الفاظ ہیں۔ "بینما انا نائم عشاءً فی المسجد الحرام اذ اتانی اٰتٍ فایقظنی فاستیقظت" یعنی میں عشا کے وقت مسجد الحرام میں سوتا تھا کہ ایک آنے والا آیا اُس نے مجھ کو جگایا اور میں جاگا۔ اور کسی حدیث میں جاگتے یا سوتے ہونے کا کچھ ذکر نہیں۔ پس ایسی حدیثوں سے اس بات پر استدلال کرنا کہ اُن کے راویوں کا مذہب یہ ہے کہ معراج بجسدہٖ اور فی الیقظة ہوئی تھی۔ کسی طرح پر صحیح نہیں ہے۔ علاوہ اس کے بیہقی اور دیگر کتب کی حدیثیں جو صحاح میں داخل نہیں ہیں لائق وثوق اور قابل احتجاج نہیں ہیں۔ پس قاضی عیاض نے جو فہرست لکھی ہے اُس کا ماخذ ایسا نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے ✦

تصریح پانچویں دلیل کی

یہ دلیل اس امر سے علاقہ رکھتی ہے کہ اگر عقل اور نقل میں بظاہر اختلاف پایا جاتا ہو تو نقل کے معنی اس طرح پر بیان کرنے چاہئیں جو عقل کے مطابق ہوں۔ مگر اس کی تصریح بیان کرنے سے پہلے ہم کو یہ بات بیان کرنی چاہئے کہ حدیثیں جو کتابوں میں جمع ہوئی ہیں اُن کے الفاظ وہ نہیں ہیں جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے تھے۔ بلکہ راویوں کے لفظ

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ	یا اور کوئی پیدائش اس طرح کی کہ بڑی معلوم ہو تمہارے دلوں میں

ہیں جو اُنہوں نے اپنی سمجھ کے موافق بیان کئے ہیں ✦

اس باب میں کہ حدیث بلفظہ روایت کرنی لازم ہے یا بالمعنی بھی روایت کرنا جائز ہے محدثین میں اختلاف ہے ایک گروہ محدثین کا حدیث کو بالمعنی روایت کرنا جائز نہیں سمجھتا بلکہ بلفظہ روایت کرنا ضروری سمجھتا تھا چنانچہ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں جو حافظ زین الدین عراقی کی تصنیف ہے لکھا ہے ✦

محدثین۔ فقہا اور اصولیین شافعیہ وغیرہ کا ایک گروہ روایت بالمعنی کو مطلقاً روا نہیں رکھتا۔ قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا اصلی مذہب بھی یہی ہے۔ یہاں تک کہ جو اس طرف گئے ہیں اُن میں سے بعض نے اس باب میں بہت سختی کی ہے۔ پس اُن کے نزدیک ایک کلمہ کا دوسرے کلمہ پر یا ایک حرف کا دوسرے حرف پر مقدم لانا جائز نہیں ہے نہ ایک حرف کا دوسرے حرف کی جگہ بدلنا۔ نہ ایک حرف کو زیادہ و یا کم کرنا چہ جائیکہ بہت سے حرفوں کو۔ نہ ثقیل کو خفیف کرنا اور نہ خفیف کو ثقیل کرنا۔ نہ منصوب کو رفع دینا۔ نہ مجرور یا مرفوع کو نصب دینا اگرچہ ان تمام صورتوں میں معنی نہ بدلتے ہوں۔ بلکہ اُنہوں نے لفظ ہی پر بس کی ہے چاہے لغت فصیح کے برخلاف ہی ہو۔ اور ایسا ہی چاہے غلط ہو۔ خطیب نے کفایہ میں اس کو مفصل بیان کیا ہے ✦

قیل لا یجوز لہ الروایۃ بالمعنی مطلقا قالہ طائفۃ من المحدثین والفقہاء والاصولیین من الشافعیۃ وغیرھم قال القرطبی وھو الصحیح من مذھب مالک حتی ان بعض من ذھب لھذا شدد فیہ اکثر التشدید فلم یجوز تقدیم کلمۃ علی کلمۃ ولا حرف علی اٰخر ولا ابدال حرف باٰخر ولا زیادۃ حرف ولا حذفہ فضلا عن اکثر ولا تخفیف ثقیل ولا تثقیل خفیف ولا رفع منصوب ولا نصب مجرور او مرفوع ولو لم یتغیر المعنی فی ذلک کلہ بل اقتصر بعضھم علی اللفظ ولو خالف اللغۃ الفصیحۃ وکذا لو کان لحنا کما بین تفصیل ھذا کلہ الخطیب فی الکفایۃ۔
(فتح المغیث صفحہ ۲۰۶) ✦

اس تشدد میں جو بلفظہ حدیث کے بیان کرنے کی نسبت تھا بعض بزرگوں نے نرمی کی اور کہا کہ صرف صحابہ کو یا صحابہ اور تابعین کو بالمعنی روایت کرنی جائز ہے اَور کو نہیں چنانچہ فتح المغیث میں لکھا ہے کہ۔ اور کہا گیا ہے کہ صحابہ کے سوا اور دوسروں کو [illegible] روایت بالمعنی کرنا روا نہیں ہے۔ کیونکہ زبان میں

وقیل لا یجوز لغیر الصحابۃ خاصۃ لظھور الخلل فی اللسان بالنسبۃ لمن قبلھم بخلاف الصحابۃ فھم ارباب اللسان واعلم الخلق بالکلام حکاہ الماوردی والرویانی فی باب القضاء بل جزما بانہ

فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا	پھر بھی کہینگے کہ کون پیدا کریگا ہم کو

لا یجوز لغیر الصحابی وجعلا الخلاف فی الصحابی دون غیرہ وقیل لا یجوز لغیر الصحابۃ والتابعین بخلاف من کان منہم وبہ جزم بعض معاصر الخطیب وھو حفید القاضی ابی بکر فی ادب الروایۃ قال لان الحدیث اذا قیدہ بالاسناد وجب ان لا یختلف لفظہ فیدخلہ الکذب -

(فتح المغیث صفحہ ۵۰۲ و ۵۰۰) +

بہ نسبت اُن کے جو پہلے تھے نقل کیا ہے۔ برخلاف صحابہ کے اس لئے کہ وہ اہل زبان اور کلام کو خوب سمجھنے والے تھے۔ اور رویانی نے باب القضا میں اس کا ذکر کیا ہے بلکہ اس بات کو زور کے ساتھ بیان کیا ہے کہ صحابی کے سوا دوسرے کو روایت بالمعنی جائز نہیں۔ مگر یہ اُن کا اختلاف صرف صحابی میں ہے نہ اوروں میں اور بعض کہتے کہ صحابہ اور تابعین کے سوا دوسروں کو روایت بالمعنی جائز نہیں ہے۔ اور خطیب کے ایک معاصر یعنی قاضی ابوبکر کے پوتے نے ادب الروایۃ میں اس کو زور کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ جب حدیث میں اسناد کی قید لگائی تو یہ واجب ہے کہ لفظ نہ بدلیں تاکہ جھوٹ داخل نہ ہو جائے باوجود اس قید کے بھی یہ بات کہی گئی کہ روایت کرنے کے بعد راوی کو ایسے الفاظ کا کہدینا ضرور ہے جن سے معلوم ہووے کہ حدیث کے بعینہ وہی لفظ نہیں ہیں جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے چنانچہ فتح المغیث میں لکھا ہے کہ راوی کو حدیث بالمعنی بیان کرنے کے بعد کہنا چاہئے" او کما قال " خطیب نے ایک باب میں جس میں اُن کا بیان ہے جن کو روایت بالمعنی کی اجازت ہے۔ کہا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ حدیث کے بعد کہتے تھے اُس کے قول کی مانند یا ایسا یا اس جیسا یا اس کے مشابہ۔ خطیب نے ابن مسعود سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے پیغمبر خدا سے سنا ہے پھر کانپنے لگے اور اُن کا کپڑا ہلنے لگا اور کہا اسکی مانند یا اس کی شکل۔ اور ابو درداسے روایت ہے کہ جب حدیث بیان کر چکتے تو کہتے کہ یہ کہا تھا یا اُس کی مثل یا اس جیسا۔ دارمی نے اپنی مسند میں یہ سب الفاظ بیان کئے ہیں ابن مسعود کے الفاظ اُس میں یہ ہیں اس کی مثل یا اس کی مانند یا اس کے مشابہ اور

ولیقل الراوی عقب ایرادہ للحدیث - یعنی ای بالمعنی بلفظہ او کما قال فقد کان انس رضی اللہ عنہ کما عند الخطیب فی باب المعقود لمن اجاز الروایۃ بالمعنی یقولہا عقب الحدیث ونحوہ من الالفاظ کقولہا ونحو ھذا او شبہہ او شکلہ فقد روی الخطیب ایضاً عن ابن مسعود انہ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم ارعد وارعدت ثیابہ وقال او شبہ ذا او نحو ذا وعن ابی الدرداء انہ کان اذا فرغ من الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھذا او نحو ھذا او شکلہ وساقہا کلہا الدارمی فی مسندہ بنحوہا ولفظہ فی ابن مسعود وقال او مثلہ او نحوہ او شبیہ بہ وفی لفظ آخر لغیرہ ان عمرو بن میمون سمع یوماً ابن مسعود یحدث عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقد علاہ کرب وجعل العرق یتحدر منہ عن جبینہ وھو یقول اما فوق ذلک واما دون ذلک واما قریب من ذلک وھکذا کذلک

قُلِ الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ	کہدے وہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی دفعہ

من المحدث والقاری ابھما علیہا الامر بہ فانہ
یحسن ای یقول اوکما قال -
(فتح المغیث صفحہ ۲۷۹) +

دوسرے راوی نے اور الفاظ بیان کئے ہیں
چنانچہ عمر بن میمون نے کہا کہ میں نے ایک روز
ابن مسعود کو حدیث بیان کرتے سنا اور اُن
کو تکلیف ہونے لگی اور پسینہ اُن کی پیشانی سے ٹپکتا تھا۔ اور وہ کہتے تھے کہ اس سے
زیادہ یا اس سے کم یا اس کے قریب ۔ غرضکہ ایسا لفظ کہے جس سے قاری اور محدث
کا شک ظاہر ہو +

باوجود اس کے صحابہ اور تابعین بار بار حدیث کو بالمعنی روایت کرتے تھے ۔ جیسا کہ
فتح المغیث کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے +

ایک تابعی کہتے ہیں کہ میں بہت سے صحابیوں سے ملا ہوں ۔ جو معنی میں متفق اور

وعن بعض التابعین قال لقیت اناسا من الصحابۃ
فاجتمعوا فی المعنی واختلفوا علی فی اللفظ فقلت
ذلک لبعضھم فقال لا باس بہ ما لم یحل معناہ حکاہ
الشافعی وقال حذیفۃ انا قوم عرب نورد الاحادیث
فنقدم ونؤخر وقال ابن سیرین کنت اسمع الحدیث
من عشرۃ المعنی واحد واللفظ مختلف وممن کان
یروی بالمعنی من التابعین الحسن والشعبی والنخعی
بل قال ابن الصلاح انہ الذی تشھد بہ احوال الصحابۃ
والسلف الاولین فکثیرا ما کانوا ینقلون معنی واحدا
فی امر واحد بالفاظ مختلفۃ وما ذاک الا ان معولھم
کان علی المعنی دون اللفظ ۔
(فتح المغیث صفحہ ۲۷۰) +

الفاظ میں مختلف تھے میں نے ایک صحابی سے
کہا تو کہنے لگے کیا مضائقہ ہے اگر معنی نہ
بدلیں یہ شافعی کا بیان ہے ۔ اور حذیفہ
کہتے تھے ہم قوم عرب ہیں جب حدیث بیان
کرتے ہیں الفاظ آگے پیچھے کر دیتے ہیں ابن
سیرین کہتے ہیں کہ میں دس آدمیوں سے
حدیث سنتا تھا ۔ معنی یکساں اور الفاظ جدا
جدا ہوتے تھے ۔ تابعین میں سے حسن
شعبی اور نخعی روایت بالمعنی کرتے تھے ۔
ابن صلاح کہتے ہیں کہ صحابہ اور سلف اولین کے
حالات اس پر شاہد ہیں کہ وہ اکثر ایک مطلب کو مختلف الفاظ میں بیان کرتے تھے کیونکہ
اُن کا زیادہ تر خیال مضمون پر ہوتا تھا نہ الفاظ پر +

حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر روایت بالمعنی کی اجازت نہ ہوتی تو ہم حدیث

قال الحسن لولا المعنی ما حدثنا وقال الثوری
لو اردنا ان نحدثکم بالحدیث کما سمعنا ما حدثنا
کم بحرف واحد - (فتح المغیث صفحہ ۲۷۰) +

نہ بیان کر سکتے ۔ اور ثوری کہتے ہیں کہ اگر
ہم حدیث اُسی طرح تم سے بیان کرنا چاہیں
جس طرح سنی ہے تو ایک حرف بھی نہیں
بیان کر سکتے +

فَسَيُنْغِضُونَ اِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُوْنَ مَتٰى هُوَ	پھر ہلا وینگے تیری طرف اپنے سروں کو اور کہینگے کہ کب وہ ہوگا

بالآخر حدیثوں کا بعض شرطوں سے بالمعنی روایت کرنا محدثین کے نزدیک جائز قرار پایا۔ چنانچہ امام سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ اس باب میں سب کا اتفاق ہے کہ جو شخص عربی زبان کے الفاظ کے مدلول اور اُن کے مقاصد اور معنی کے متغیر ہونے اور محتمل اور غیر محتمل معنی اور مرادف کو نہیں جانتا اُس کے لئے ضرور ہے کہ اُنہی الفاظ سے رعایت کرے جو اس نے سُنے ہیں بغیر تقدیم و تاخیر کے اور بغیر ایک حرف کی بھی زیادتی یا کمی کے۔ اور بغیر ایک حرف کے بھی بدلنے کے اور شدد کی جگہ ثقیل اور ثقیل کی جگہ شدد لانے کے +

ولیرو بالالفاظ التی سمع بہا مقتصرا علیہا بدون تقدیم ولا تاخیر ولا زیادۃ ولا نقص حرف فاکثر ولا ابدال حرف واکثر بغیر ولا مشدد بمثقل وعکسہ من لا یعلم مدلولہا ای الفاظ فی اللسان ومقاصدہا وما یحل معناہا و المحتمل من غیرہ والمرادف منہا وذلک علےٰ وجہ الوجوب بلاخلاف بین العلماء۔

(فتح المغیث صفحہ ۲۰۰) +

اور کچھ لوگ ان لوگوں کے سوا ہیں جو ان سب باتوں کو جانتے ہیں اُن کے روایت بالمعنی کرنے میں اہل حدیث - اہل فقہ اور اہل اصول میں اختلاف ہے - بہت سے لوگوں نے اُن کو بالمعنی روایت کرنے کی اجازت دی ہے - اگر روایت کرنے والا قطعاً سمجھتا ہو کہ جو لفظ اُس نے سُنا اُس کے معنی پورے پورے ادا کر دئے ہیں اور روایت مرفوع ہو یا غیر مرفوع علم پر دلالت کرتی ہو یا عمل پر صحابی سے ہو یا تابعی سے یا اُن کے سوا کسی اور سے منقول ہو - راوی نے الفاظ یاد رکھے ہوں یا نہیں افتا اور مناظرہ میں ہو یا روایت میں اس کا مرادف لفظ بیان کیا ہو یا نہیں - اس کے معنی مبہم ہوں یا ایسے ظاہر کہ اُس لفظ سے دوسرے معنی کا احتمال نہ نکلے - اور اس لفظ سے جو کچھ شارع نے مراد لی ہے راوی کا ظن غالب بھی اسی طرف گیا ہو - اور اس معنی مراد لینے میں نہ مجاز ہو نہ استعارہ +

واما غیرہ ممن یعلم ذلک ویحققہ فاختلف فیہ السلف واصحاب الحدیث وارباب الفقہ والاصول فالمعظم منہا اجازلہ الروایۃ بالمعنی اذا کان قاطعا بانہ ادی معنی اللفظ الذی بلغہ سواء فی ذلک المرفوع او غیرہ کان موجبہ العلم او العمل وقع من الصحابی او التابعی او غیرہما حفظ اللفظ ام لا صدر فی الافتاء والمناظرۃ او الروایۃ اتی بلفظ مرادف لہا ام لا کان معناہ غامضا او ظاہرا حیث لم یحتمل اللفظ غیرہ ذلک المعنی وغلب علی ظنہ ارادۃ الشارع بہذا اللفظ ما ہو موضوع لہ دون التجوز فیہ والاستعارۃ۔

(فتح المغیث صفحہ ۲۰۰) +

ان روایتوں سے بخوبی ظاہر ہے کہ ابتداءً یعنی صحابہؓ و تابعین کے زمانہ سے حدیث

کہدے کہ شاید یہ ہووے نزدیک (۵۳)	قُلْ عَسٰٓى اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا (۵۳)

کی روایت بالمعنی کرنے کا دستور تھا اور جو حدیثیں صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں لکھی ہیں سوائے شاذ و نادر چھوٹی حدیثوں کے وہ سب بالمعنی روایت کی گئی ہیں یعنی آنحضرت نے جو بات جن لفظوں سے فرمائی تھی وہ لفظ بعینہ و بجنسہ نہیں ہیں بلکہ راویوں نے جو مطلب سمجھا اس کو اُن لفظوں میں جن میں وہ بیان کر سکتے تھے بیان کیا۔ پھر اسی طرح دوسرے راوی نے پہلے راوی کے اور تیسرے راوی نے دوسرے راوی کے اور چوتھے راوی نے تیسرے راوی کے بیان کو اپنے لفظوں میں بیان کیا اور علیٰ ہذا القیاس پس حدیث کی کتابوں میں جو حدیثیں لکھی گئی ہیں وہ اخیر راوی کے لفظ ہیں اور معلوم نہیں ہوتا کہ اس درمیان میں اصلی الفاظ سے کس قدر لفظ بدل بدل اور اُلٹ پلٹ ہو گئے اور کچھ عجب نہیں کہ کسی نے حدیث کے اصل مطلب سمجھنے میں بھی غلطی کی ہو اور اصلی حدیث کا مطلب بھی بدل گیا ہو اور اُس کے یعنی غلط مطلب سمجھنے کی مثال میں متعدد حدیثیں بھی موجود ہیں۔ خود صحابہ نے حدیث سماع موتےٰ اور حدیث تعذیب المیت ببکاء اهله کا مطلب غلط سمجھا تھا ؞

اسی باعث سے کہ حدیثوں کی روایت کے جو الفاظ ہیں وہ اخیر راویوں کے ہیں جب کہ اصلی زبان عرب میں کسی قدر تبدیلی ہو گئی تھی علمائے علم ادب نے حدیثوں کو بلحاظ علم ادب کے قابل سند نہیں سمجھا۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب الاقتراح میں لکھا ہے پیغمبر خدا کی اُس کلام سے استدلال کیا جاتا ہے جس کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ یہی الفاظ جو روایت کئے گئے ہیں۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہیں۔ اور یہ بہت ہی کم ہے۔ صرف چھوٹی چھوٹی حدیثوں میں ہے ورنہ اکثر حدیثیں بالمعنی روایت ہوئی ہیں اور عجمیوں اور مولدین نے حدیثوں کو اُن کے جمع ہونے سے پہلے استعمال کیا ہے۔ پھر خود ان کی عبارت حدیثوں کے مطلب کو جہاں کھینچ لے گئے وہیں پہنچا دیا۔ بڑھایا۔ گھٹایا۔ تقدیم و تاخیر کی

واما كلامه صلى الله عليه وسلم فيستدل منه بما ثبت انه قاله على اللفظ المروي وذلك نادر جدا انما يوجد في الاحاديث القصار على قلة ايضا فان غالب الاحاديث مروي بالمعنى وقد تداولتها الاعاجم والمولدون قبل تدوينها فرووها بما ادت اليه عبارتهم فزادوا ونقصوا وقدموا واخروا وابدلوا الفاظا بالفاظ ولهذا ترى الحديث الواحد في القصة الواحدة مرويا على اوجه شتى بعبارات مختلفة ومن ثم انكر على ابن مالك اثباته القواعد النحوية بالالفاظ الواردة في الحديث قال ابو حيان في شرح التسهيل قد اكثر هذا المصنف من الاستدلال بما وقع في الاحاديث على اثبات القواعد الكلية في لسان العرب وما رأيت احدا من المتقدمين والمتأخرين سلك هذه الطريقة غيره على ان الواضعين الاولين لعلم النحو المستقرئين للاحكام من لسان العرب

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾	جس دن کہ خدا تم کو بلا ویگا تو جواب دو گے اُس کی تعریف کر کے اور گمان کرو گے کہ تم نہیں ٹھیرے مگر تھوڑا سا ﴿۵۲﴾

کابی عمرو بن العلا وعیسی بن عمر والخلیل وسیبویہ من ائمۃ البصریین والکسائی والفراء وعلی بن مبارک الاحمر وھشام الضریر من ائمۃ الکوفیین لم یفعلوا ذلک وتبعھم علی ھذا المسلک المتاخرون من الفریقین وغیرھم من نحاۃ الاقالیم کنحاۃ بغداد واھل الاندلس وقد جری الکلام فی ذلک مع بعض المتاخرین الاذکیاء فقال انما ترکت العلماء ذلک لعدم وثوقھم ان ذلک لفظ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اذ لو وثقوا بذلک لجری مجری القرآن فی اثبات القواعد الکلیۃ وانما کان ذلک لامرین احدھما ان الرواۃ جوزوا النقل بالمعنی فتجد قصۃ واحدۃ قد جرت فی زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم تنقل بتلک الالفاظ جمیعا نحو ما روی من قولہ زوجتکھا بما معک من القرآن ملکتکھا بما معک خذھا بما معک وغیر ذلک من الالفاظ الواردۃ فی ھذہ القصۃ فنعلم یقینا انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یلفظ بجمیع ھذہ الالفاظ بل لا نجزم بانہ قال بعضھا اذ یحتمل انہ قال لفظا مرادفا لھذہ الالفاظ غیرھا فاتت الرواۃ بالمرادف ولم تات بلفظہ اذ المعنی ھو المطلوب لا سیما مع تقادم السماع وعدم ضبطہ بالکتابۃ والاتکال علی الحفظ والضابط منھم من ضبط المعنی واما ضبط اللفظ فبعید جدا لا سیما فی الاحادیث الطوال وقد قال سفیان الثوری ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی انما ھو المعنی ومن نظر فی الحدیث ادنی نظر علم العلم الیقین انھم انما یروون بالمعنی ...... وقال ابوحیان انما امعنت الکلام فی ھذہ المسئلۃ لئلا یقول المبتدی ما بال النحویین یستدلون بقول العرب وفیھم المسلم والکافر ولا یستدلون بما روی فی الحدیث بنقل العدول کالبخاری ومسلم واضرابھما فمن طالع ما ذکرناہ

اور الفاظ بدل دیئے۔ اسی لئے ایک حدیث ایک ہی مضمون کی مختلف طور پر جدا جدا عبارتوں میں بیان ہوئی ہے۔ اور اسی لئے ابن مالک پر اعتراض کیا گیاہے کہ اُس نے الفاظ حدیث سے قواعد نحویہ کو ثابت کیاہے۔ ابو حیان شرح تسہیل میں لکھتاہے کہ اس مصنف نے عربی زبان کے قواعد کلیہ کو اکثر الفاظ حدیث سے ثابت کیاہے اور اس کے سوا متقدمین اور متاخرین میں سے کوئی اس طریقہ پر نہیں چلا۔ علم نحو کے اول بانیوں اور زبان عربی کے قواعد کے محققوں جیسے ابو عمر ابن علا۔ عیسے بن عمر اور سیبویہ نے بصری نحویوں میں سے اور کسائی۔ فرا۔ علی بن مبارک احمر اور ہشام ضریر نے کوفی نحویوں میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اور دونوں قسم کے نحوی متاخرین میں سے اور بغداد اور اندلس وغیرہ مختلف ملکوں کے نحوی بھی اسی طریق پر چلے ہیں۔ متاخرین میں سے ایک عالم کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو اُس نے کہا کہ علما نے اس طریقہ کو اس لئے ترک کیا ہے کہ اُن کو ہرگز اعتماد نہیں ہے کہ یہ الفاظ بعینہ پیغمبر خدا کے ہیں۔ اگر وہ اعتماد کرتے تو قواعد کلیہ کے ثبوت میں حدیث بھی بمنزلہ قرآن کے ہوتی۔ اور یہ دو باعث سے ہوا ایک تو یہ کہ راویوں نے روایت بالمعنی کو

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ	اور کہدے میرے بندوں کو کہ کہیں وہ بات جو وہی اچھی ہے

اذ ذلک السبب الذی لاجلہ لم یستدل النحاۃ بالحدیث انتہی کلام ابن حیان بلفظہ... و قال ابو الحسن ابن الصائغ فی شرح الجمل تجویز الروایۃ بالمعنی ھو السبب عندی فی ترک الائمۃ کسیبویہ وغیرہ الاستشہاد علی اثبات اللغۃ بالحدیث واعتمد وافی ذلک علی القرآن وصریح النقل عن العرب ولولا تصریح العلماء بجواز النقل بالمعنی فی الحدیث لکان الاولی فی اثبات فصیح اللغۃ کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہ افصح العرب۔

(الاقتراح للسیوطی ص ۱۹ و ۲۰ و ۱۲) ❖

وھکذا فی خزانۃ الادب للعلامۃ عبدالقادر البغدادی ناقلا عن السیوطی دمضمحالہ ❖

جائز سمجھا اور تم دیکھو گے کہ ایک واقعہ جو پیغمبر خدا کے زمانہ میں ہوا تھا۔ انہی تمام الفاظ میں منقول نہیں ہوا ہے۔ جیسے ایک قصہ میں کہیں تو "زوجتکہا بما معک" اور کہیں "ملکتکہا بما معک" اور کہیں "خذھا بما معک" الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے یہ تمام الفاظ نہیں کہے بلکہ ہمیں اس کا بھی یقین نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی لفظ کہا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ پیغمبر خدا نے ان الفاظ کا کوئی اور مرادف لفظ فرمایا ہو۔ پھر راویوں نے وہ لفظ نہ بیان کیا ہو اور اس کا مرادف لفظ کہدیا ہو اس لئے کہ مطلب تو معنی سے ہے۔ اور خاصکر جب بار بار سنا گیا اور لکھا نہ گیا اور حافظہ پر بھروسا کیا گیا۔ پس ضابطہ وہی ہے جس نے مضمون یاد رکھا اور لفظ یاد رکھنا تو مشکل ہے خاصکر لمبی حدیثوں میں۔ اور سفیان ثوری نے کہا ہے کہ اگر میں تم سے کہوں کہ میں نے جس طرح یہ حدیث سُنی ہے اُسی طرح تم سے بیان کرتا ہوں تو ہرگز یقین نہ کرنا بلکہ وہ صرف حدیث کا مضمون ہے۔ اور جو شخص ذرا بھی حدیث پر غور کریگا اُس کو یقین ہو جائیگا کہ سب بالمعنی روایت کرتے ہیں۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ میں زیادہ گفتگو اس لئے کی کہ مبتدی یہ نہ کہدے کہ نحوی عرب کے قول سے جن میں مسلم اور کافر دونوں ہیں استدلال کرتے ہیں۔ اور الفاظ حدیث سے جو بخاری اور مسلم وغیرہ ثقہ اور معتمد لوگوں سے روایت ہوئی ہیں۔ استدلال نہیں کرتے۔ پس جو شخص ہمارے پچھلے بیان کو غور سے پڑھیگا اُسے معلوم ہو جائیگا کہ نحویوں نے حدیث سے کیوں استدلال نہیں کیا .... اور ابو الحسن ابن صائغ شرح جمل میں کہتے ہیں کہ روایت بالمعنی کا جائز رکھنا ہی میرے نزدیک اس بات کا سبب ہے کہ سیبویہ جیسے نحویوں نے زبان کے کلیہ قواعد ثابت کرنے میں حدیث سے سند نہیں لی۔ اور اس باب میں قرآن اور عرب کے کلام پر اعتماد کیا ہے۔ اور اگر علما حدیث میں روایت بالمعنی کو جائز نہ رکھتے تو پیغمبر خدا کا کلام زبان فصیح کے ثابت کرنے میں

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ	بیشک شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اُن میں

زیادہ قابل اعتماد تھا کیونکہ پیغمبر خدا تمام عرب سے زیادہ فصیح تھے +

علامہ عبد القادر بغدادی نے خزانۃ الادب میں سیوطی کے قول کو نقل کرکے اس کی تصدیق کی ہے +

علمائے علم حدیث نے جس قدر حدیثوں پر کوشش کی "شکراللہ سعیہم" اُن کی کوشش صرف راویوں کے ثقہ اور معتمد ہونے کے دریافت کرنے میں ہوئی - مگر ہم کو نہیں معلوم ہوتا کہ جو حدیثیں معتبر سمجھی گئی ہیں اُن کے مضمون کی صحت اور عدم صحت دریافت کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا گیا تھا - حدیثوں کی تقسیم مرفوع - متصل - مسند وغیرہ کی گئی ہے - مگر وہ تقسیم بھی بلحاظ اسناد راویوں کے ہے - نہ بلحاظ درایت یعنی بلحاظ صحت یا عدم صحت یا مشتبہ ہونے مضمون حدیث کے +

ہاں بلاشبہ موضوع حدیثوں کے پہچاننے کے لئے محدثین نے چند قواعد بنائے ہیں جن کے مطابق مضمون حدیث پر لحاظ کرکے اُس حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں - ہم یہ نہیں کہتے کہ صحاح ستہ یا حدیث کی اور معتبر کتابوں میں کوئی موضوع حدیث ہے - مگر جب یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ روایت حدیثوں کی باللفظ نہیں ہے بلکہ بالمعنی ہے اور الفاظ حدیث کے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اُن حدیثوں کے مضامین کی صحت نہ جانچی جاوے - تاکہ ظاہر ہو کہ جو مضمون اُس حدیث میں بیان ہوا ہے اُس کے بیان کرنے میں راوی سے تو کوئی غلطی نہیں ہوئی - اور ہمارے نزدیک یہ بات کسی کافی نہیں ہے کہ جب وہ حدیثیں معتبر کتابوں میں لکھی گئی ہیں تو یہ تصور کرلینا چاہیئے، کہ اُن کے مضمونوں کی صحت بھی جانچ لی گئی ہے - خصوصاً اس صورت میں کہ خود علمائے اسلام اُن حدیثوں میں سے جو حدیث کی معتبر کتابوں میں لکھی گئی ہیں متعدد حدیثوں کو صحیح نہیں قرار دیتے +

تمام علما اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی حدیث میں مندرجہ ذیل نقصوں میں سے کوئی نقص پایا جاوے تو وہ حدیث معتبر نہیں ہے بلکہ موضوع ہے - چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب عجالۂ نافعہ میں لکھتے ہیں کہ "علامات وضع حدیث وکذب راوی چند چیز است" +

اول آنکہ خلاف تاریخ مشہور روایت کند +

دوم آنکہ راوی رافضی باشد وحدیث درطعن صحابہ روایت کند ویا ناصبی باشد وحدیث درمطاعن اہلبیت باشد وعلے ہذا القیاس +

اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۵﴾	بیشک شیطان ہے واسطے انسان کے دشمن کھلا ہُوا ﴿۵۵﴾

سوم آنکہ چیزے روایت کند کہ بر جمیع مکلفین معرفت آں و عمل براں فرض باشد و او منفرد بود بروایت +

چہارم آنکہ وقت و حال قرینہ باشد بر کذب او +

پنجم آنکہ مخالف مقتضائے عقل و شرع باشد و قواعد شرعیہ آنرا تکذیب نمایند +

ششم آنکہ در حدیث قصہ باشد از امر حسی واقعی کہ اگر بالحقیقت متحقق می شد ہزاراں کس آنرا نقل می کردند +

ہفتم رکاکت لفظ و معنی۔ مثلاً لفظے روایت کند کہ بر قواعد عربیہ درست نشود یا معنی کہ مناسب شان نبوت و وقار نباشد +

ہشتم افراط در وعید شدید بر گناہ صغیرہ یا افراط در وعدہ عظیم بر فعل قلیل +

نہم آنکہ بر عمل قلیل ثواب حج و عمرہ ذکر نماید +

دہم آنکہ کسی را از عاملان خیر ثواب انبیا موعود کند +

یازدہم خود اقرار کردہ باشد بوضع احادیث +

امام سخاوی نے فتح المغیث میں ابن جوزی سے حدیث کے موضوع ہونے کی یہ نشانیاں لکھی ہیں +

اول ۔ جو حدیث کہ عقل اُس کے مخالف ہو اور اصول کے متناقض ہو +

دوم ۔ ایسی حدیث کہ حس اور مشاہدہ اُس کو غلط قرار دیتا ہو +

سوم ۔ وہ حدیث جو کہ مخالف ہو قرآن یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے +

چہارم ۔ جس میں تھوڑے کام پر وعید شدید یا اجر عظیم کا وعدہ ہو +

پنجم ۔ رکت معنی اس روایت کی جو بیان کی گئی ہے +

ششم ۔ رکت یعنی سخافت راوی کی +

ہفتم ۔ منفرد ہونا راوی کا +

ہشتم ۔ منفرد ہونا ایسی روایت میں جو تمام مکلفین سے متعلق ہو +

نہم ۔ یا ایسی بڑی بات ہو جس کے نقل کرنے کی بہت سی ضرورتیں ہوں +

دہم ۔ جس کے جھوٹ ہونے پر ایک گروہ کثیر متفق ہو +

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ خلاصہ ہے اُس کا جو ابن جوزی نے بیان کیا ہے ۔ لیکن

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ	تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے تم کو اگر چاہیے تم پر رحم کرے

ہم اس مقام پر ابن جوزی کی عبارت بعینہ جو فتح المغیث میں نقل کی گئی ہے نقل کرتے ہیں +

ابن جوزی نے کہا ہے کہ جو حدیث عقل کے مخالف ہے یا اصول کے برخلاف ہے اس کو موضوع جانو اس کے راویوں کی جرح وتعدیل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے - یا حدیث میں ایسا بیان ہو جو حس و مشاہدہ کے برخلاف ہے - یا قرآن یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے برخلاف ہے - جن میں سے ایک کی بھی تاویل نہیں ہوسکتی - یا تھوڑے سے کام پر بہت سے عذاب یا ثواب کا ذکر ہو - اور یہ اخیر مضمون قصہ گویوں اور بازاریوں کی حدیثوں میں بہت کثرت سے پایا جاتا ہے یا معنی رکیک و سخیف ہوں جیسے اس حدیث میں کہ کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ - اسی لئے اس رکت معنی کو بعض نے راوی کے کذب پر دلیل گردانا ہے - اور یہ سب قرینے تو روایات میں ہوتے ہیں اور کبھی راوی میں ایسا قرینہ ہوتا ہے جیسے غیاث کا قصہ مہدی کے ساتھ اور سعد بن طریف کی حکایت جن کا ذکر ہوچکا ہے اور ابن احمد ہروی کا وہ بیہودہ کلام (نسبت امام شافعی کے) گھڑ لینا جب اس سے کہا گیا کہ کیا تو شافعی کو نہیں دیکھتا اور ان کو جو اس کے تابع ہیں خراسان میں - حاکم نے اس کو مدخل میں بیان کیا ہے - اور متاخرین میں سے ایک نے کہا ہے کہ میں نے ایک مرد کو دیکھا کہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے کھڑا ہوا اور چاہا کہ اس کو

قال ابن الجوزی وکل حدیث رایته یخالفه العقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا یتکلف اعتباره ای لا تعتبر رواته ولا تنظر فی جرحهم - او یکون ما یدفعه الحس والمشاهدة - او مباینا لنص الکتاب او السنة المتواترة او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شیء من ذلک التاویل - او یتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وهذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیة - ومن رکة المعنی لا تاکلوا القرعة حتی تذبحوها ولذا جعل بعض ذلک دلیلا علی کذب راویه وکل هذا من القرائن فی المروی - وقد تکون فی الراوی کقصة غیاث مع المهدی وحکایة سعد بن طریف الماضی ذکرهما واختلاق المامون بن احمد الهروی حین قیل له الا تری الشافعی ومن تبعه بخراسان ذلک الکلام القبیح حکاه الحاکم فی المدخل قال بعض المتاخرین وقد رایت رجلا قام یوم جمعة قبل الصلوة فابتدا یورده فسقط من قامته مغشیا علیه - وانفراده عمن لم یدرکه بما لم یوجد عند غیرهما وانفراده بشیء مع کونه فیما یلزم المکلفین علمه وقطع العذر فیه کما قرره الخطیب فی اول الکفایة - او بامر جسیم یتوفر الدواعی علی نقله بحضرة العدد للحاج عن البیت او بما صرح بتکذیبه فیه جمع کثیر یمتنع فی العادة تواطئهم علی الکذب فی تقلید بعضهم بعضا - (فتح المغیث صفحہ ۱۱۴) +

أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ	اور اگر چاہے تم کو عذاب دے

بیان کرے پھر بیہوش ہو کر گر پڑا۔ یا راوی کا منفرد ہوتا ایسی حدیث میں جو اوروں کے پاس نہیں ہے۔ اُن لوگوں سے جنہوں نے اُس حدیث کو نہیں سنا۔ یا اس کا منفرد ہوتا ایسی حدیث میں جس کے مضمون کا جاننا تمام مکلفین کو نہایت ضروری ہے۔ یا ایسے عظیم الشان واقعہ کا بیان جس کے نقل کرنے کی بہت سے لوگوں کو ضرورت ہے جیسے کعبہ سے حاجیوں کے ایک گروہ کا روکا جانا یا ایسا بیان جس کو اتنی بڑی جماعت نے جھٹلا دیا ہے جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا اور ایک دوسرے کی تقلید کرنا عادۃً ناممکن ہے +

اور جو قبیح الفاظ حضرت امام شافعی کی نسبت کیے گئے تھے وہ یہ ہیں۔ کہ مامون بن احمد ہروی سے کہا گیا کہ کیا تو نے شافعی کو نہیں دیکھا اور اُن کو جو خراسان میں اُس کے تابع ہیں تو اُس نے کہا ہم سے احمد بن عبد البر نے اور اُس سے عبد اللہ بن معدان ازدی نے انس سے مرفوعاً حدیث بیان کی ہے کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کو محمد بن ادریس (امام شافعی) کہینگے۔ وہ میری اُمت کو شیطان سے زیادہ نقصان پہنچائیگا +

وقیل لمامون بن احمد الهروی الا تری الی الشافعی ومن تبعه بخراسان فقال حدثنا احمد بن عبد البر حدثنا عبد الله بن معدان الازدی عن انس مرفوعاً یکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس اضر علی امتی من ابلیس۔
(تدریب الراوی صفحہ ۱۰۰) +

اور تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ موضوع ہونے کے اُن قرینوں میں سے جو خود روایت کے دیکھنے سے معلوم ہوتے ہیں وہ قول ہے جو خطیب سے منقول ہے اور اُس نے ابو بکر بن الطیب سے نقل کیا ہے۔ کہ موضوع ہونے کے تمام دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ حدیث اس طرح عقل کے مخالف ہو کہ اُس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو اور اسی ذیل میں وہ حدیث ہے جس کا مضمون حس و مشاہدہ کے برخلاف ہو۔ یا کتاب اللہ یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو +

ومما یدخل فی قرینة حال المروی ما نقل عن الخطیب عن ابی بکر بن الطیب ان من جملة دلائل الوضع ان یکون مخالفا للعقل بحیث لا یقبل التاویل ویلتحق به ما یدفعه الحس والمشاهدة او یکون منافیا لدلالة الکتاب القطعیة او السنة المتواترة او الاجماع القطعی۔
(تدریب الراوی صفحہ ۹۹) +

اور اسی کتاب میں در باب مخالفت عقل و نقل یہ لکھا ہے کہ اُن حدیثوں میں سے جو عقل کے مخالف ہیں۔ ایک وہ ہے۔ جو ابن جوزی نے عبد الرحمن سے اور اُس نے

ومن المخالف للعقل ما رواه ابن الجوزی من طریق عبد الرحمن بن زید بن سالم عن ابیه عن جده مرفوعاً ان سفینة نوح طافت بالبیت سبعاً

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ | اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو اُن پر ذمہ دار ﴿۵۴﴾

وصلت عند المقام رکعتین۔

(تدریب الراوی صفحہ ۱۰۰)

اپنے باپ زید سے اور اُس نے اپنے باپ سالم سے مرفوعًا بیان کی ہے کہ نوح کی کشتی نے کعبہ کے گرد سات دفعہ طواف کیا اور مقام ابراہیم کے نزدیک دو رکعت نماز پڑھی۔

اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ ابن جوزی کہتے ہیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے کہ

وقال ابن الجوزی ما احسن قول القائل اذا رایت الحدیث یباین المعقول او یخالف المنقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع ومعنی مناقضۃ للاصول ان یکون خارجا عن دواوین الاسلام من المسانید والکتب المشہورۃ۔

(تدریب الراوی صفحہ ۱۰۰)

جب تو حدیث کو عقل یا نقل کے خلاف پائے سمجھ لے کہ وہ موضوع ہے۔ اور اصول سے مخالف ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ حدیث دواوین اسلام سے یعنی مسانید اور حدیث کی مشہور کتابوں سے خارج ہو۔

ابن جوزی نے جو مناقضۃ للاصول کے معنی میں لکھا ہے کہ وہ حدیث دواوین اسلام یعنی کتب حدیث اور کتب مشہورہ میں نہ ہو اس قید کو ہم صحیح نہیں قرار دیتے۔ کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین یا اُن کے بعد جو حدیث کے راوی ہیں معصوم نہ تھے۔ اور یہ بھی تسلیم ہے کہ احادیث کی روایت بالمعنی ہے بلفظہٖ نہیں ہے۔ پس اگر ان حدیثوں میں جو حدیث کی مروجہ کتابوں میں مندرج ہیں منجملہ مذکورہ بالا نقصوں کے کوئی نقص پایا جاوے تو کیا وجہ ہے کہ ہم اُس حدیث کی نسبت یہ خیال کریں کہ راوی سے بیان کرنے میں یا مضمون کے سمجھنے میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔ اور اس بات کو فرض کر لینا کہ جب وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہوگئی ہے تو اُس میں کچھ غلطی نہیں ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اور راویوں کو معصومیت کا درجہ دینا ہے۔

نقل اور عقل میں مخالفت

جب کہ نقل اور عقل میں مخالفت ہو تو ابن تیمیہ کی یہ رائے ہے کہ نقل کو عقل پر مقدم کیا جاوے۔ کیونکہ وہ دلیل عقلی کا نقل کے خلاف ہونا محال سمجھتا ہے اور ابن رشد کا یہ خیال ہے کہ اگر نقل پر بخوبی غور کی جاوے اور اُس کے ماسبق اور مالحق پر لحاظ کیا جائے تو خود نقل سے ظاہر ہوگا کہ وہ مُأوّل ہے اور اُس کے بعد عقل اور نقل میں مخالفت نہیں رہیگی اور وہ اقوال یہ ہیں۔

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اُن کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں

قول ابن تمیمہ

پس اگر کوئی کہے کہ جب یقینی دلیل عقلی سمعی دلیل کے خلاف ہو تو دونوں میں سے

فلو قال قائل اذا قام الدليل العقلي القطعي على مناقضة هذا (السمعي) فلا بد من تقديم احدهما فلو قدم هذا السمعي قدح في اصله وان قدم العقلي لزم تكذيب الرسول فيما علم بالاضطرار انه جاء به وهذا هو الكفر الصريح فلا بد لهم من جواب عن هذا والجواب عنه انه يمتنع ان يقوم عقلي قطعي يناقض هذا فتبين ان كلما قام عليه دليل قطعي سمعي يمتنع ان يعارضه قطعي عقلي (کتاب العقل والنقل لابن تیمیہ صفحہ ۱۹ نسخہ قلمی)

ایک کو مقدم کرنا ناگزیر ہوگا پس اگر سمعی دلیل مقدم کی جاوے تو اصل کے خلاف ہوگا اور عقلی دلیل مقدم کی جاوے تو رسول کو جھٹلانا لازم آویگا ایسی بات میں جس کی نسبت اضطراری علم ہے کہ رسول نے فرمایا ہے اور یہ کھلا ہوا کفر ہے پس اس بات کا اُن کو جواب دینا چاہئے اور جواب یہ ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی یقینی عقلی دلیل سمعی دلیل کے خلاف ہو پس ظاہر ہو گیا کہ جس بات پر یقینی سمعی دلیل قائم ہو محال ہے کہ یقینی عقلی دلیل اُس کے خلاف ہو ٭

قول ابن رشد

اور ہم کو پورا یقین ہے کہ جس بات پر دلیل ہو اور ظاہر شرع اُس کے خلاف ہو تو ظاہر

ونحن نقطع قطعا ان كل ما ادى اليه البرهان وخالفه ظاهر الشرع ان ذلك الظاهر يقبل التاويل على قانون التاويل العربي وهذه القضية لا يشك فيها مسلم ولا يرتاب بها مؤمن وما اعظم ازدياد اليقين بها عند من زاول هذا المعنى وجربه وقصد هذا المقصد من الجمع بين المعقول والمنقول بل نقول انه ما من منطوق به في الشرع مخالف بظاهره لما ادى اليه البرهان الا اذا اعتبر الشرع وتصفحت سائر اجزائه وجد في الفاظ الشرع ما يشهد بظاهره لذلك التاويل او يقارب ان يشهد -
(كتاب فصل المقال وتقرير ما بين الشريعة والحكمة من الاتصال لابن الرشد) ٭

عربی کے قانون تاویل کے موافق قابل تاویل ہوگا اور یہ قضیہ ہے جس میں کسی مسلم اور مومن کو شک نہیں ہو سکتا اور اُس شخص کو اُس قضیہ کا یقین کتنا بڑھ جاتا ہے جس نے اُس کی مشق اور تجربہ کیا ہو اور معقول اور منقول میں جمع کرنا چاہا ہو۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ جب کوئی ظاہر شرع اُس بات کے خلاف ہو جس پر دلیل قائم ہو چکی ہے تو ایسا نہیں ہے کہ جب شرع کا لحاظ کیا جاوے اور اُس کے تمام حصوں میں تلاش ہو تو شرع کے لفظوں میں ایسا ظاہر نہ ملے کہ

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ	اور بیشک ہم نے بزرگی دی بعض نبیوں کو بعض پر

اُس تاویل کے موافق ہو جو ظاہر شرع کی تاویل کے ہو اگر بعینہ ایسا نہ ہوگا تو اُس کے قریب ہوگا +

اور شریف مرتضےٰ علم الہدے کا جو شیعوں کا ایک بہت بڑا عالم ہے اس باب میں یہ قول ہے کہ اعتقادات میں بس انہی باتوں پر اعتماد کرنا چاہئے جو دلیلیں اثباتاً یا نفیاً ثابت ہوں پس جب دلیلیں کسی بات پر دلالت کریں پس واجب ہے کہ جو خبریں ظاہر میں اُس بات کے خلاف ہوں اُن خبروں کو ہم اس بات کی طرف کھینچ لاویں اور اُس سے مطابق کر دیں اور اُن خبروں کے ظاہر کو چھوڑ دیں اور مطلق ہو تو شرط لگا دیں اور عام ہوں تو خاص کر دیں اور مجمل ہوں تو تفصیل کر دیں اور جس راہ سے ہو اُن خبروں میں اور دلیلوں میں مطابقت کر دیں +

اور جب ہم قرآن کے ظواہر کی نسبت جن کی صحت یقینی ہے اور جن کا نازل ہونا قطعی ہے ایسا کرتے ہیں تو اخبار احاد کی بابت جو علم اور یقین کا موجب نہیں ہوتیں ایسا کرنے میں کیوں رکینگے پس جب تجھ پر خبریں وارد ہوں تو اُن کو دلیلوں سے مقابلہ کر اور جو مقتضا دلیلوں کا ہو اُن خبروں کی نسبت وہی برتاؤ کر اور اگر اُن کی تاویل اور بنانا اور اُتارنا نہ ہو سکے تو سوائے گرا دینے خبروں اور اُن کی تصریح چھوڑ دینے کے کیا چارہ ہے اور اگر ہم ان باتوں پر اقتصار کریں تو اُن لوگوں کے لئے جو تامل اور فکر کرتے ہیں کافی ہوگا +

اعلم ان المعول فیما یعتقد علی ما تدل الادلة علیه من نفی واثبات فاذا دلت الادلة علی امر من الامور وجب ان نبنی کل وارد من الاخبار اذا کان ظاهره بخلافه علیه ونسوقه الیه ونطابق بینه وبینه ونخلی ظاهرا ان کان له ونشرط ان کان مطلقا ونخصه ان کان عاما ونفصله ان کان مجملا ونوفق بینه وبین الادلة من کل طریق اقتضی الموافقة وآل الی المطابقة واذا کنا نفعل ذلك ولا نحتشم فی ظواهر القرآن المقطوع علی صحته المعلوم وروده فکیف نتوقف عن ذلك فی اخبار آحاد لا توجب علما ولا تثمر یقینا فمتی وردت علیك اخبار فاعرضها علی هذه الجملة وابنها علیها وافعل فیها ما حکمت به الادلة واوجبته الحجج العقلیة وان تعذر فیها بناء وتاویل وتخریج وتنزیل فلیس غیر الاطراح لها وترك التعریج علیها ولو اقتصرنا علی هذه الجملة لاکتفینا فیمن یتدبر ویتفکر۔

(درر غرر شریف مرتضی علم الهدی) +

اس بیان سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں اول یہ کہ الفاظ احادیث کے اور خصوصاً احادیث طوال کے جیسے کہ معراج کی حدیثیں ہیں راویوں کے الفاظ ہیں اور وہ لفظ بعینہ نہیں ہیں۔ جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے +

وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾	اور ہم نے دی ہے داؤد کو زبور ﴿۵۵﴾

دوم یہ کہ جب نقل صحیح اور عقل قطعی میں مخالفت ہو (ابن تیمیہ کے نزدیک تو مخالفت ہو ہی نہیں سکتی اور ابن رشد کے نزدیک نقل پر غور کرنے سے ضرور ایسی بات نکلیگی جس سے مخالفت دور ہوجاویگی) اور نہ ابن تیمیہ کے یقین کے مطابق اور نہ ابن رشد کے قول کے موافق اُن میں تطبیق ہوسکے تو اس کے راوی اگر نامعتمد ہیں تو وہ حدیث موضوع سمجھی جاویگی اور اگر معتمد ہیں تو یقین اس بات کا ہوگا کہ وہ قول رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے اور اُس کے بیان میں راویوں سے کچھ سہو و غلطی ہوئی ہے اور اگر وہ قول پیغمبر مانا جاوے تو ضرور اس کے معنی اور مقصد سمجھنے میں کچھ غلطی ہے ✦

مگر ہم کو یہ بیان کرنا چاہئے کہ کن امور کو ہم عقل قطعی کے مخالف قرار دیتے ہیں اُن میں سے ایک تو ممتنعات عقلی ہیں اور دوسرے ممتنعات استقرائی جو کلیہ کی حد تک پہنچ گئے ہوں اور جو قانون فطرت سے موسوم ہوتے ہیں ✦

مثلاً جز کا کل کے برابر ہونا یا مساوی کے مساوی کا مساوی نہ ہونا یا موجود بالذات غیر مخلوق کا کسی کو اپنے مثل پیدا کرنا ممتنعات عقلی سے ہیں ✦

استقرا جس میں تجربہ اور امور بھی داخل ہیں جو تحقیقات علمی سے ثابت ہوئے ہیں جب کلی ہونے کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور جس سے قانون فطرت ثابت ہوتا ہے اُس کی مخالفت ہونا ممتنعات استقرائی سے ہے اور اُس کو بھی طرداللباب ممتنعات عقلی سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً انسان کا مستقیم القامت بادی البشرہ عریض الاظفار ہونا استقرا کلی سے ثابت ہوتا ہے ✦

اسی استقرا سے جو امور ثابت ہوئے ہیں وہی قانون فطرت کہلاتے ہیں اور اُن میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا اور جیسا کہ اُن میں تغیر و تبدیل ہونا ممتنعات عقلی سے ہے اسی طرح مذہب اسلام میں از روے نقل کے بھی اُن میں تغیر و تبدیل ہونا ممتنعات سے ہے قرآن مجید میں جا بجا فرمایا ہے "لا تبدیل لخلق اللہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا" پس قانون فطرت کے برخلاف ہونا ممتنعات عقلی میں سے ہے ✦

اسی بنا پر حدیث صلوٰۃ سفینہ نوح عند المقام اور حدیث رد شمس اگر ان سے مراد حقیقۃً رد ہو اور حدیث شق القمر تسلیم نہیں کی جاتی خواہ اُن کو موضوع کہا جاوے اگر اُن کے راوی کاذب البیان ہوں یا ناسمجھی اور غلط فہمی راویوں سے تعبیر کیا جاوے اگر اُن کے

کہدے اے پیغمبر کہ بلاؤ اُن لوگوں کو	قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ

راوی عادل ہوں +

معراج کے متعلق جس قدر حدیثیں ہیں اُن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بجسدہ جبریل کا ہاتھ پکڑ کر خواہ براق پر سوار ہو کر یا پرند جانور کے گھونسلے میں بیٹھ کر جو درخت میں لٹکا ہوا تھا بیت المقدس تک جانا اور وہاں سے بجسدہ آسمانوں پر تشریف لے جانا یا بذریعہ ایک سیڑھی کے جو آسمانوں تک لگی ہوئی تھی چڑھ جانا خلاف قانون فطرت ہے۔ اور اس لئے ممتنعات عقلی میں داخل ہے اگر ہم اُن کے راویوں کو ثقہ اور معتبر تصور کریں تو بھی یہ قرار پائیگا کہ اُن کو اصل مطلب کے سمجھنے اور بیان کرنے میں غلطی ہوئی مگر اُس واقعہ کی صحت تسلیم نہیں ہوسکتی کیونکہ اس سلئے کہ ایسا ہونا ممتنعات عقلی میں سے ہے۔ اور یہ کہدینا کہ خدا میں سب قدرت ہے اُس نے ایسا ہی کردیا ہوگا جاہل اور ناسمجھ بلکہ رفوع القلم لوگونکا کام ہے نہ ان کا جو دل سے اسلام پر یقین کرتے ہیں اور دوسروں کو اُس مقام پر یقین دلانا اور اعلاے کلمۃ اللہ چاہتے ہیں +

واقعات خلاف قانون فطرت کے وقوع کا ثبوت اگر گواہان رویت بھی گواہی دیں تو محالات سے ہے اس لئے کہ وہ اُس وقت دو دلیلیں جو ایک ہی حیثیت پر مبنی ہیں سامنے ہوتی ہیں ایک قانون فطرت جو ہزاروں لاکھوں تجربوں سے جیلاً بعد جیل وزماناً بعد زمان ثابت ہے۔ اور ایک گواہان رویت جن کا عادل ہونا بھی تجربہ سے ثابت ہوا ہے پس اُس کا تصفیہ کرنا ہوتا ہے کہ دونوں تجربوں میں کونسا تجربہ ترجیح کے قابل ہے قانون فطرت کو غلط سمجھنا یا راوی کی سمجھ اور بیان میں سہو وغلطی کا ہونا۔ کوئی ذی عقل تو قانون فطرت پر راوی کے بیان کو ترجیح نہیں دیسکتا۔ قول پیغمبر بلاحجت قابل تسلیم ہے مگر کلام تو اسی میں ہے کہ قول پیغمبر ہے یا نہیں +

اب ہم غور کرتے ہیں احادیث معراج پر جن میں صاف پایا جاتا ہے کہ وہ ایک واقعہ ہے جو سوتے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا اور دلالت النص سے بھی پایا جاتا ہے اور معراج کی کسی حدیث سے نہیں پایا جاتا کہ حالت بیداری میں آپنے دیکھا اور بجسدہ آپ بیت المقدس اور آسمانوں پر تشریف لے گئے بلکہ برخلاف اس کے چند حدیثوں میں سونے کی حالت پائی جاتی ہے تو ہمارا اور ہر ذی عقل کا بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اُس کو ایک واقعہ خواب کا تسلیم کرے اور ابن رشد کے قول کو صحیح سمجھے کہ اگر نقل میں کوئی بات خلاف عقل معلوم ہوتی ہے تو خود نقل اور اُس کے سابق ولاحق پر غور کرنے سے وہ مخالفت دور ہوجاتی

زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ	جن پر تم گھمنڈ رکھتے اُس کے (یعنی خدا کے) سوا

ہے نہ یہ کہ تاویل بعیدہ اور رکیکہ اور دلائل فرضی دور از کار سے اُس کو ایسا واقعہ بنا دے جو حقیقت کے بھی ایسا ہی مخالف ہو جیسا کہ عقل کے اور مذہب اسلام کی بنیاد مستحکم کو توڑ کر ریت پر بلکہ پانی پر اُسکی بنیاد رکھے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

شق صدر

منجملہ واقعات معراج کے شق صدر کا بھی واقعہ ہے جس کو ہم بالتخصیص بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اُس کی نسبت ایسی بھی حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ معراج کے اور دفعہ بھی شق صدر ہوا تھا ۔

بخاری میں تین حدیثیں ابوذر سے اور دو حدیثیں مالک ابن صعصعہ سے اور ایک حدیث مسلم میں اور ایک نسائی میں مالک ابن صعصعہ سے اور بخاری میں ایک حدیث انس ابن مالک سے اور مسلم میں دو حدیثیں انس ابن مالک سے مروی ہیں جن میں شق صدر کا واقعہ معراج کے واقعات کے ساتھ بیان ہوا ہے ۔

علاوہ اس کے اور روایتوں سے جن میں مسلم کی بھی ایک حدیث ہے جو انس ابن مالک سے مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ معراج کے چار دفعہ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا ہے اور یہ اختلاف روایات اس امر کا باعث ہوا ہے کہ اُن کی تطبیق کے خیال سے لوگوں نے متعدد دفعہ شق صدر کا ہونا قرار دیا ہے مگر یہ محض غلطی ہے۔ ابن قیم نے معراج کی مختلف روایات کے سبب جن لوگوں نے تعدد معراج کو مانا ہے اُن کی نسبت لکھا ہے کہ مختلف روایات سے تعدد واقعہ کا ماننا بالکل خبط ہے اور یہ طریقہ ظاہری المذہب ضعیف

وکل ھذا خبط وھذہ طریقۃ ضعفاء الظاھریۃ من ارباب النقل الذین اذا راوا فی القصۃ لفظۃ تخالف سیاق بعض الروایات جعلوہ مرۃ اخری فکلما اختلف علیھم الروایات عددوا الوقایع ۔
(زاد المعاد ابن قیم صفحہ ۲۰۳) ۔

راویوں کا ہے جو سارے قصہ میں روایت کے ایک لفظ کو دوسری روایت کے مخالف پاکر ایک جدا واقعہ ٹھیراتے ہیں اور جتنی مختلف روایتیں ملتی جاتی ہیں اُتنے ہی جدا واقعات خیال کرتے ہیں پس مناسب ہے کہ اول ہم اُن حدیثوں اور روایتوں کو اس مقام پر نقل کردیں ۔

شق صدر عند حلیمۃ فی بنی اللیث

انس ابن مالک کہتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے

فَلَا يَمْلِكُونَ	پھر وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے

عن انس بن مالك رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتاه جبريل وهو يلعب مع الغلمان فاخذه فصرعه فشق عنه قلبه فاستخرج القلب فاستخرج منه علقة فقال هذا حظ الشيطان منك ثم غسله في طست من ذهب بماء زمزم ثم لأمه ثم اعاده في مكانه وجاء الغلمان يسعون الى امه يعني ظئره فقالوا ان محمدا قد قتل فاستقبلوه وهو منتقع اللون قال انس فكنت ارى اثر المخيط في صدره -
(صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۹۲) +

جبریل آئے اور آپ کو پکڑ کر زمین پر پچھاڑا اور آپ کے دل کو چیر کر نکالا اور اُس میں سے ایک پھٹکی نکالی اور کہا کہ یہ تجھ میں شیطان کا حصہ تھا پھر دل کو سونے کے لگن میں آب زمزم سے دھویا اور زخم اچھا کر کے وہیں رکھ دیا جہاں تھا۔ لڑکے دوڑتے ہوئے آپ کی ماں یعنی دودھ پلائی کے پاس آئے اور کہا کہ محمد مارے گئے لوگ آنحضرت کی طرف دوڑے دیکھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہے۔ انس کہتے ہیں کہ میں حضرت کے سینہ پر ٹانکوں کے نشان دیکھتا تھا +

بیہقی اور ابن عساکر وغیرہ نے حلیمہ کے قصہ میں ابن عباس کی یہ روایت بیان کی

واخرج البيهقي وابن عساكر وغيرهم عن ابن عباس (في قصة حليمة) فوالله انه لبعد مقدمنا بشهرين او ثلاثة مع اخيه من الرضاعة لفي بهم لنا خلف بيوتنا جاء اخوه يشتد فقال ذاك اخي القرشي قد جاءه رجلان عليهما ثياب بيض فاضجعاه وشقا بطنه فخرجت انا وابوه نشتد نحوه فنجده قائما منتقعا لونه فاعتنقه ابوه وقال اي بني ما شانك قال جاءني رجلان عليهما ثياب بيض فاضجعاني فشقا بطني ثم استخرجا منه شيئا فطرحاه ثم رداه كما كان -
(مواهب اللدنيه نسخہ قلمی صفحہ ۳۰) +

ہے کہ خدا کی قسم ہمارے آنے کے دو تین مہینے بعد آنحضرت ہمارے گھر کے پیچھے جہاں ہمارے جانور چرتے تھے اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا آیا اور اُس نے کہا کہ دو شخص سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور اُنہوں نے میرے قریشی بھائی کو زمین پر لٹا کر اُس کا پیٹ چیر ڈالا۔ میں اور اُس کا باپ دونوں اُن کے ڈھونڈنے کو دوڑے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ متغیر ہے۔ باپ نے اُن کو گلے سے لگا لیا اور پوچھا بیٹا! تمہارا کیا حال ہے۔ کہا دو سفید پوش آدمی آئے اور اُنہوں نے مجھ کو زمین پر لٹایا اور میرا پیٹ چیر ڈالا پھر پیٹ میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی اور اس کو ویسا ہی کر دیا جیسا تھا +

ابو یعلی۔ ابو نعیم اور ابن عساکر نے شداد بن اوس کی حدیث میں جو بنی عامر کے ایک

وفي حديث شداد بن اوس عن رجل من بني عامر عند ابي يعلى وابي نعيم وابن عساكر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كنت مسترضعا في بني ليث

شخص سے مروی ہے بیان کیا ہے کہ رسول خدا نے فرمایا جب میں قبیلہ بنی لیث میں دودھ

كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا (۵۶)

دور کرنے برائی کا تم سے اور نہ بدلدینے کا (۵۶)

بن بکر فبینما انا ذات یوم ببطن واد مع اتراب من الصبیان اذا انا برھط ثلاثة معھم طست من ذھب ملئ ثلجا فاخذونی من بین اصحابی وانطلق الصبیان ھرابا مسرعین الی الحی فعمد احدھم فاضجعنی الی الارض اضجاعا لطیفا ثم شق ما بین مفرق صدری الی منتھی عانتی وانا انظر الیه لم اجد لذلك مسا ثم اخرج حشاء بطنی ثم غسلھا بذلك الثلج فانعم غسلھا ثم اعادھا مکانھا ثم قام الثانی فقال لصاحبه تنح ثم ادخل یدہ فی جوفی فاخرج قلبی وانا انظر الیه فصدعه ثم اخرج منه مضغة سوداء فرمی بھا ثم قال بیدہ یمنة ویسرة کانه یتناول شیئا فاذا بخاتم من نور یحار الناظر دونه فختم به قلبی فامتلأ نورا وذلك نور النبوة والحکمة ثم اعادہ مکانه فوجدت برد ذلك الخاتم فی قلبی دھرا ثم قال الثالث لصاحبه تنح فامر یدہ بین مفرق صدری الی منتھی عانتی فالتأم ذلك الشق باذن الله تعالی ثم اخذ بیدی فانھضنی من مکانی انھاضا لطیفا ثم قال للاول زنه بعشرة من امته فوزنونی بھم فرجحتھم ثم قال زنه بمائة من امته فرجحتھم ثم ضموا الی صدورھم وقبلوا راسی وما بین عینی ثم قالوا یا حبیب لم ترع انك لو تدری ما یراد بك من الخیر لقرت عیناك۔

(مواھب لدنیہ تحفہ قلمی صفحہ ۳۵ و ۳۶) +

چیا تھا ایک دن لڑکوں کے ساتھ میدان میں کھیل رہا تھا کہ تین شخص آئے جن کے پاس سونے کا لگن برف سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے لڑکوں کے درمیان سے مجھ کو اُٹھا لیا اور سب لڑکے بھاگ کر قبیلہ کی طرف چلے گئے۔ اُن شخصوں میں سے ایک نے مجھ کو آہستہ زمین پر لٹا دیا۔ اور میرے پیٹ کو سینہ کے سرے سے پیڑو تک چیر ڈالا۔ میں دیکھتا تھا اور مجھ کو کوئی تکلیف معلوم نہیں ہوتی تھی۔ پھر اُس نے میرے پیٹ کی آنتوں کو نکال کر برف میں اچھی طرح دھویا۔ اور ان کو اسی جگہ رکھ دیا۔ پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور اُس نے اپنے ساتھی سے کہا تو ہٹ جا پھر اُس نے میرے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر میرا دل نکالا اور میں دیکھتا تھا پھر اُس کو چیر کر ایک کالی پھٹکی اُس میں سے نکال کر پھینکدی۔ پھر اُس نے ہاتھ سے دائیں بائیں اشارہ کیا گویا کسی چیز کو لینا چاہتا ہے۔ پھر ایک نور کی مُہر سے جس کو دیکھ کر آنکھیں چندھیائیں میرے دل پر مہر کی اور اُس کو نور سے بھر دیا وہ نور نبوت اور حکمت کا تھا پھر دل کو اسی جگہ رکھ دیا۔ اُس مہر کی ٹھنڈ ایک مدت تک میرے دل میں محسوس ہوتی رہی پھر تیسرے شخص نے اپنے رفیق سے کہا تو ہٹ جا پھر اُس نے میرے سینہ کے سرے سے پیڑو تک ہاتھ پھیرا خدا کے حکم سے زخم بھر آیا۔ پھر آہستہ پکڑ کر مجھ کو اُٹھایا۔ پہلے شخص نے کہا کہ اس کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ اس کو تولو۔ انہوں نے مجھ کو تولا تو میں وزن میں اُن سے زیادہ نکلا پھر اس نے کہا اب سو آدمیوں کے ساتھ تولو۔ میں وزن میں اُن سے بھی زیادہ نکلا۔ اس نے کہا ان کو چھوڑ دو اگر ساری امت کے ساتھ ان کو تولو گے تو پھر بھی یہ وزن میں زیادہ نکلینگے پھر

يہ لوگ	اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اُنھوں نے مجھ کو چھاتی سے لگایا اور میرے سر اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیکر کہا اے عزیز اندیشہ نہ کرو اگر تم کو معلوم ہوتا کہ خدا تم سے کیا بھلائی کرنی چاہتا ہے تو تم مزید خوش ہوتے +

بیہقی میں ابن عباس کی روایت میں ہے کہ حلیمہ کہتی ہیں ناگاہ میرا بیٹا ضمرہ دوڑتا ہوا خوف زدہ اور روتا ہوا آیا اس کے ماتھے سے پسینہ ٹپکتا تھا۔ اور پکارتا تھا اے باپ اے ماں جاؤ محمد سے ملو تم ان کو مردہ پاؤ گے خدا اُن کو پناہ میں رکھے ایک شخص اُن کے پاس آیا اور ہمارے درمیان سے اُن کو اُٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا اور اُن کے سینہ کو پیڑو تک چیر ڈالا اور اسی روایت میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا تین شخص آئے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا اور دوسرے کے زمرد سبز کا لگن تھا +

فی روایۃ ابن عباس عند البیہقی قالت حلیمۃ اذا نا بابنی ضمرۃ یعدو فزعا وجبینہ یرشح باکیا ینادی یا ابت یا اماہ الحقا محمدًا فما تلحقاہ الا میتا اعاذہ اللہ من ذلک اتاہ رجل فاختطفہ من وسطنا وعلا بہ ذروۃ الجبل حتی شق صدرہ الی عانتہ وفیہ انہ علیہ السلام قال اتانی رھط ثلاثۃ بید احدھم ابریق من فضۃ وفی ید الثانی طست من زمرد اخضر۔ (مواھب اللدنیہ نسخہ قلمی صفحہ ۳۶) +

شق صدرہ فی غار حرا

ابو النعیم نے بیان کیا ہے کہ جبرئیل اور میکائیل دونوں نے آنحضرت کے سینہ مبارک کو چیرا اور دھویا پھر کہا پڑھ خدا کے نام سے۔ اور ایسا ہی طیالسی اور حارث نے اپنی سند میں (غار حرا میں آنحضرت کے شق صدر کا) ذکر کیا ہے +

روی ابو النعیم ان جبرئیل ومیکائیل شقا صدرہ وغسلاہ ثم قالا اقرا باسم ربک۔ وکذا روی شق صدرہ الشریف ھھنا الطیالسی والحارث فی مسندیھما۔ (مواھب اللدنیہ نسخہ قلمی صفحہ ۴۹ و ۵۰) +

شق صدرہ وھو ابن عشر

اور ابونعیم نے دلائل النبوت میں ایک اور شق صدر کا بیان کیا ہے جب کہ آنحضرت کچھ دس برس کی عمر تھی اور عبد المطلب کے ساتھ ان کا ایک قصہ بیان کیا ہے +

وروی شق ایضا وھو ابن عشر نحوھا مع قصۃ لہ مع عبد المطلب ابو نعیم فی الدلائل۔ (مواھب اللدنیہ نسخہ قلمی صفحہ ۳۰) +

يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ	یہ لوگ جو پکارتے ہیں (یعنی اللہ کے سوا اور کو) ڈھونڈھتے ہیں اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ

شق صدرہ مرۃ خامسۃ

ورویٰ خامسۃ (ای مع شق صدرہ فی المعراج) و لا یثبت۔ (مواہب اللدنیہ نسخہ قلمی صفحہ ۳۰) ✦

پانچویں دفعہ بھی شق صدر بیان کیا گیا ہے مگر ثابت نہیں ہے ✦

جو اختلافات کہ ان روایتوں میں ہیں وہ خود ان سے ظاہر ہیں۔ مگر منجملہ ان روایتوں کے ابن عساکر۔ شداد ابن اوس۔ ابن عباس۔ انس کی روایتیں ایسی ہیں جن میں خاص ایک وقت اور ایک مقام اور ایک زمانہ کا قصہ شق صدر مذکور ہے۔ یعنی جب کہ آنحضرت بنی لیث میں حلیمہ کے گھر تشریف رکھتے تھے۔ یہ چاروں روایتیں باوجودیکہ ایک وقت اور ایک زمانہ اور ایک مقام کی ہیں ایسی مختلف ہیں کہ کسی طرح ان میں تطبیق نہیں ہو سکتی۔ اور اس لئے ان میں سے کوئی روایت بھی قابل احتجاج کے نہیں ✦

۱۔ اختلاف اس باب میں کہ کتنے شخص یا فرشتے شق صدر کے لئے آئے

ابن عساکر کی حدیث میں ہے۔ کہ دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے آنحضرت کے پاس آئے ✦

شداد ابن اوس کی حدیث میں ہے۔ کہ ایک شخص آنحضرت کے پاس آیا ✦

ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی آیا اور آنحضرت کو اٹھا لے گیا۔ اور یہ بھی ہے کہ تین شخص آئے ✦

انس کی حدیث میں ہے کہ جبرئیل آنحضرت کے پاس آئے ✦

۲۔ جو چیزیں کہ ان شخصوں کے پاس تھیں ان میں اختلاف

شداد ابن اوس کی حدیث میں ہے کہ ان کے پاس ایک طشت تھا سونے کا برف سے بھرا ہوا ✦

ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ ایک کے ہاتھ میں چاندی کی چھاگل تھی اور دوسرے

اَیُّہُمْ اَقْرَبُ	کہ کونسا اُن میں سے زیادہ نزدیک ہے

کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ۔

ابن عساکر اور انس کی حدیث میں ان چیزوں میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے ۔

۳- اختلاف آنحضرت کے زمین پر لٹانے کی نسبت

ابن عساکر اور شداد ابن اوس کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت کو زمین پر لٹایا (یعنی بیچ کے گھر کے پیچھے جو میدان تھا اُس میں) ۔

ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت کو اُٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے اور وہاں لٹایا ۔

انس کی حدیث میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے ۔

۴- اختلاف نسبت شق صدر و غسل قلب وغیرہ

ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت کا پیٹ چیرا اور اُس میں سے کچھ نکال کر پھینکدیا۔ اور پھر ویسا ہی کر دیا اور اُس میں کسی چیز کا کسی چیز سے دھونے کا ذکر نہیں ہے ۔

ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت کا سینہ پیڑو تک چیرا اور کسی چیز کے نکال کر پھینکنے کا ذکر نہیں ہے ۔

انس کی حدیث میں ہے کہ اُن کا دل چیرا اور اُس میں سے کوئی کالی چیز نکال کر پھینکدی اور کہا کہ یہ حصہ ہے شیطان کا ۔ اور اُن کے دل کو زمزم کے پانی سے دھویا۔ اور جہاں تھا وہیں رکھ دیا ۔

شداد ابن اوس کی حدیث میں ہے کہ حلقوم سے پیڑو تک آنحضرت کا سینہ چیرا ۔

مندرجۂ ذیل امور صرف شداد ابن اوس کی حدیث میں ہیں اور کسی حدیث میں نہیں

۱- آنحضرت کے پیٹ کی انتڑیاں نکالیں ۔

۲- اُن کو برف سے دھویا اور جہاں تھیں وہیں رکھ دیں ۔

۳- پھر دوسرے شخص نے آنحضرت کے پیٹ میں ہاتھ ڈالا ۔

۴- اور ایک کالا لاتھڑا نکال کر پھینکدیا ۔

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۹﴾	اور امید رکھتے ہیں اُس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اُس کے عذاب سے بیشک عذاب تیرے پروردگار کا ہے خوف کیا گیا ﴿۵۹﴾

۵۔ پھر ایک نور کی مہر سے آنحضرت کے دل پر مہر کی۔ اور جہاں تھا وہاں رکھ دیا +

۶۔ پھر پہلے شخص نے آنحضرت کو اُن کی اُمت سے تولا +

۷۔ پھر اُن تینوں شخصوں نے آنحضرت کو چھاتی سے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا +

۵۔ اختلاف در باب اطلاع واقعات بحلیمہ

ابن عساکر کی حدیث میں اس کا کچھ ذکر نہیں +

شداد ابن اوس کی حدیث میں ہے کہ قبل شق صدر جو لڑکے وہاں تھے وہ بھاگ گئے +

انس کی حدیث میں ہے کہ بعد شق صدر لڑکے دوڑتے ہوئے حلیمہ کے پاس آئے اور کہا کہ محمد مارے گئے +

ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ میرا بیٹا ضمرہ میرے پاس دوڑتا ہوا آیا +

۶۔ اختلاف نسبت صحت پانے شق صدر کے

شداد ابن اوس کی حدیث میں ہے کہ تین شخص جو آئے تھے اُن میں سے ایک نے حلقوم سے پیڑو تک ہاتھ پھیرا اور زخم اچھا ہو گیا +

انس کہتے ہیں کہ میں ٹانکے لگنے کا نشان آنحضرت کے سینہ پر دیکھتا ہوں (یعنی بعد شق صدر ٹانکے لگائے گئے) +

باقی دو حدیثوں میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے +

غرضکہ یہ روایتیں ایسی مختلف ہیں کہ اُن میں تطبیق غیر ممکن ہے۔ جو کہ شق صدر کا ہونا نہ امر عادی ہے نہ امر عقلی اس لئے بسبب اختلاف روایات کے اُس کا متعدد دفعہ واقعہ ہونا تسلیم نہیں ہو سکتا بلکہ اُس کے اختلاف کے سبب سے یہ حدیثیں قابل احتجاج نہیں +

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے "الم نشرح لك صدرك" اُس کے ٹھیک معنی یہ ہیں "شرح الله صدره للاسلام" جیسا کہ بخاری کی حدیث میں ابن عباس سے مروی ہے (بخاری صفحہ ۷۳۹) لیکن مسلم میں جو حدیث مالک بن صعصعہ کی معراج کے متعلق

وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِکُوۡهَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ	اور نہیں کوئی بستی مگر ہم اُس کو ہلاک کرنے والے ہیں قبل دن قیامت کے

آئی ہے اُس میں بجائے شق صدر کے لفظ شرح صدر کا آیا ہے اس لئے مفسرین نے سورۂ الم نشرح میں جو لفظ شرح صدر کا ہے۔اُس کو شق صدر سے تعبیر کیا ہے حالانکہ وہاں شق صدر سے تعبیر کرنا محض غلط ہے۔اور ترمذی نے بھی غلطی سے حدیث معراج کے اُس ٹکڑے کو جس میں لفظ شرح صدر آیا ہے سورہ الم نشرح کی تفسیر میں لکھ دیا ہے اسی بنا پر راویوں نے شق صدر کی مختلف حدیثیں پیدا کر لی ہیں۔جن میں اختلاف کثیر واقع ہو گیا ہے۔مگر ہم اُن روایتوں میں سے کسی روایت کو بھی قابل احتجاج نہیں سمجھتے +

علاوہ معراج کے صحاح کی کسی حدیث میں بجز مسلم کے شق صدر کا ذکر نہیں ہے اور اس حدیث کو جو انس بن مالک سے مروی ہے ہم ابھی لکھ آئے ہیں لیکن وہ حدیث بھی قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ خود اُس حدیث سے تعارض ظاہر ہوتا ہے۔حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضرت کے سینہ مبارک پر ٹانکے لگانے کا نشان میں دیکھتا ہوں یعنی شق صدر کے بعد جبریل نے آپ کے سینہ پر جیسے جراح زخم پر ٹانکے لگاتا ہے ٹانکے لگائے تھے۔اور آنحضرت کے سینہ مبارک پر اُس زمانہ تک کہ انس مسلمان ہوئے ہوں ٹانکوں کے نشان موجود تھے اور حضرت انس اُن کو دیکھتے تھے۔العجب ثم العجب !! +

ایسی حدیثوں پر احتجاج نہیں ہوسکتا۔مولانا شاہ عبدالعزیز نے عجالہ نافعہ میں علامات وضع حدیث میں لکھا ہے کہ "مخالف مقتضائے عقل و شرع باشد و قواعد شرعیہ آنرا تکذیب نماید" اس حدیث کا خلاف عقل ہونا تو ظاہر ہے اور مخالف شرع اس لئے ہے کہ اگر شق صدر رسول خدا کا ہوا ہو تو وہ بطور معجزہ کے ہوا ہوگا اور پھر اُس کا اندمال بھی بطور معجزہ کے ہوا ہوگا۔اُس پر مثل جراحوں کے ٹانکے لگنے لگانے اور اُن کے نشانوں کو حضرت انس کا دیکھنا خود اعجاز کے مخالف ہے جس پر اس واقعہ کی بنا ہے اور اس لئے اُس حدیث پر احتجاج نہیں ہوسکتا +

چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں شق صدر کا ہونا معراج کے ساتھ بیان ہوا ہے ایسا ہونا البتہ تسلیم ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ ہماری تحقیق میں واقعہ معراج کا ایک خواب تھا جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا اُسی خواب میں یہ بھی دیکھا کہ جبرئیل نے آپ کا سینہ چیرا اور اُس کو آب زمزم سے دھویا قابل انکار نہیں ہے۔اور نہ کوئی اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہے +

اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۹۰﴾	یا اُس کو عذاب کرنے والے ہیں عذاب بہت سخت کتاب میں ہے یہ لکھا ہوا ﴿۹۰﴾

بعض کتابیں حدیث کی جیسے کہ بیہقی اور دارقطنی اور مثل اُن کے ہیں اور کتب سیرو تواریخ جیسے کہ مواہب لدنیہ اور سیرۃ ابن ہشام وغیرہ ہیں وہ جب تک اُن کے صحیح ہونے یا غلط نہ ہونے کی کوئی وجہ نہ ہو مطلقاً قابل التفات نہیں ہیں اور اُن کی اکثر حدیثیں اور روایتیں نامعتبر اور موضوع ہیں اُن پر استدلال کرنے سے زیادہ کوئی کام نادانی وسفاہت وبلادت کا نہیں ہے کیا یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ابونعیم کی روایت میں ہے کہ جبرئیل ومیکائیل شق صدر کرنے کو آئے تھے ایک راوی نے اُس پر یہ طرہ اضافہ کیا کہ

وفی روایتہ ناقبل الی طیران ابیضان کانھما نسران وفی روایۃ غریبۃ نزل علیہ کرکیان و قد یقال ان الطیرین تارۃ شبھا بالنسرین وتارۃ بالکرکیین فی کون مجئی جبریل ومیکائیل علیہما السلام علی صورۃ النسر لطیفۃ لان النسر سید الطیور ۔ (صفحہ ۴۴ سیرۃ محمدیہ) +

آنحضرت نے فرمایا کہ میرے پاس دو سفید پرند آئے گویا کہ وہ نسران یعنی دو گدھ تھے اور ایک شاذ روایت میں ہے کہ دو کرکی یعنی دو کلنگ جانور آئے تھے کہا جاتا ہے کہ وہ دونو جانور کبھی تو گدھ کے مشابہ ہو جاتے تھے اور کبھی کلنگ کے (اور وہ جبرئیل ومیکائیل فرشتے تھے) اور جبرئیل ومیکائیل کے گدھوں کی صورت بنکر آنے میں یہ حکمت تھی کہ گدھ پرندوں میں سردار ہے ۔ کیا کوئی باایمان مسلمان جس کو اپنے ایمان کی کچھ بھی قدر ہوگی ایسی لغو اور بیہودہ روایتوں پر جن کے راوی " علیتبوء مقعدہ من النار " کے مصداق ہیں ۔ التفات کر سکتا ہے حاشا وکلا +

(۹۰ —— ۹۱) اس سے پہلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے کافروں کے عقیدوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ اور خدا ابھی ٹھہراتے تھے اور حشر کو اور قیامت کو نہیں مانتے تھے ۔ پھر ان کے اس عقیدہ کا ذکر کیا ہے کہ سختی اور مصیبت دور ہونے کے لئے خدا کے سوا اوروں کو وسیلہ ٹھہراتے تھے اور اُن کے وسیلہ سے خدا کی مہربانی چاہتے تھے ۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ہر شہر وقریہ کی حفاظت خدا کے سوا کسی دوسرے کے سپرد ہوتی ہے ۔ اور اس شہر اور قریہ کے لوگ اُس کو پوجتے تھے جیسے کہ اس زمانہ کے مشرکین بھی کسی دیوی یا دیوتا کو اس کا محافظ سمجھتے ہیں یا جیسے جاہل مسلمان کسی ولی یا شہید کو اُس جگہ کا صاحب ولایت قرار دیکر افعال شرکیہ اُس کی قبر کے ساتھ کرتے ہیں ۔ اس عقیدہ کی تردید میں خدا نے فرمایا کہ جن قریوں کو ہم ہلاک کرتے ہیں یا کوئی عذاب اُن پر نازل کرتے ہیں وہ پہلے سے مقدر ہو چکا ہے ۔ اور مشرکین جن کو اُن قریوں کا محافظ سمجھ کر اُن کی پرستش کرتے ہیں ۔ بیفائدہ ہے +

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا (۹۱)	اور ہم کو نہیں روکا کہ ہم بھیجیں نشانیوں کو مگر یہ کہ جھٹلایا اُن کو پہلوں نے اور دی ہم نے ثمود کو اونٹنی دکھائی دیتی ہوئی پھر اُنہوں نے ظلم کیا اُس پر نہیں بھیجتے ہم مگر نشانیوں کو واسطے ڈرانے کے (۹۱)

ثمود ایک قوم جو الحجر میں بستی تھی اور جس کی ہدایت کے لئے حضرت صالح پیغمبر مبعوث ہوئے تھے۔ بت پرست تھی اور اُن کے بھی اسی قسم کے اعتقادات تھے۔ جب اُنہوں نے حضرت صالح سے نشانی چاہی اور حضرت صالح نے خدا کے حکم سے ایک اونٹنی خدا کے نام پر چھوڑ دی جس طرح کہ اس ملک میں دیوتاؤں کے نام پر سانڈ چھوڑا جاتا ہے اور عرب والے اونٹنی چھوڑتے تھے مگر انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اُس کے بعد سخت بھونچال آنے سے وہ قوم تباہ ہوگئی +

عرب کے لوگ جو نشانیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چاہتے تھے اُس کی نسبت خدا نے ثمود کے قصہ پر اشارہ کر کے بتلایا کہ اُنھوں نے نشانی مانگی اور پھر جھٹلایا۔ اس لئے اُن کی خواہش سے کوئی نشان مقرر کرنا بیفائدہ ہے پس یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ ہم کو کسی نشانی یا احکام خاص کے بھیجنے سے بجز اس کے اور کسی چیز نے منع نہیں کیا کہ باوجود یکہ اگلوں کے مانگنے پر جو نشان دئے گئے تھے اُس کو بھی اُنھوں نے نہیں مانا۔ پس ایسی خواہشیں لغو اور بیفائدہ ہیں۔ اور نشانیوں یا احکام خاص کا بھیجنا صرف ڈرانے کے لئے ہے وہ کوئی ایسا امر نہیں ہے جو ذریعہ ایمان لانے کا ہو +

آیت اور آیات کا لفظ جو اس آیت میں ہے اُس کے معنی احکام کے بھی ہو سکتے ہیں جو اُس اونٹنی کے متعلق حضرت صالح نے بتائے تھے اور نشانی کے معنی بھی ہو سکتے ہیں مگر معجزہ یا معجزات کے معنی نہیں ہو سکتے اور اس پر بحث ہم پہلے کر آئے ہیں +

(۹۲) مفسرین نے اور نیز تفسیر ابن عباس میں لکھا ہے کہ اس آیت میں تقدیم تاخیر ہے۔ تفسیر ابن عباس میں تقدیم و تاخیر کو اس طرح بیان کیا ہے۔ اذ قلنا لک ان ربک احاط بالناس وما جعلنا الرؤیا التی اریناک والشجرۃ الملعونۃ فی القران الا فتنۃ للناس ـ ونخوفھم فلا یزیدھم الا طغیانا کبیرا +

اس آیت سے پہلے خدا نے فرمایا تھا کہ نشانیوں کا بھیجنا صرف ڈرانے کے لئے ہے۔ اُسی کے ساتھ خدا نے فرما دیا کہ ہم نے تجھ سے کہہ دیا ہے کہ بیشک تیرے پروردگار نے سب

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۲﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۳﴾	اور جس وقت ہم نے کہا تجھ کو کہ بیشک تیرے پروردگار نے گھیر لیا ہے آدمیوں کو اور ہم نے نہیں کیا خواب کو جو دکھایا تجھ کو مگر آزمائش لوگوں کے لئے اور درخت لعنت کیا گیا (یعنی اس کا ذکر) ہے قرآن میں اور ہم اُن کو ڈراتے ہیں تو نہیں زیادہ کرتا اُن کو (ڈرانا) مگر سرکشی بہت بڑی ﴿۶۲﴾ اور جس وقت ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو پھر اُنہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہا کیا میں اُسے سجدہ کروں جسے تو نے پیدا کیا ہے مٹی سے ﴿۶۳﴾

سب آدمیوں کو گھیر لیا ہے ۔پس نشانیوں کا بھیجنا ۔بھیجنا بار ہے ۔ اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ جو خواب ہم نے تجھ کو معراج میں دکھایا تھا اور شجرہ ملعونہ یعنی زقوم کا جو ذکر قرآن میں ہے وہ لوگوں کی آزمائش کے لئے ہے کہ کون معراج کی تصدیق کرتا ہے اور کون زقوم سے خوف کھاتا ہے مگر ابوجہل اور اُس کے ساتھیوں نے اُس کے دوسرے معنی لیکر زقوم کی ہنسی اُڑائی اور کہا وہ تو کھجور کو مکھن سے ملا کر کھانا ہے جو نہایت مزیدار ہے ۔پیغمبر ہم کو اُس سے کیا ڈراتا ہے ۔ اس پر خدا نے فرمایا کہ ہم تو اُن کو زقوم سے ڈراتے ہیں ۔ اُن کو ڈر تو نہیں ہوتا بلکہ سرکشی بڑھ جاتی ہے ✦

لسان العرب میں لکھا ہے کہ جب زقوم کی آیت نازل ہوئی کہ زقوم گنہگاروں کا کھانا ہے ۔قریش نے زقوم کے معنی نہیں سمجھے اور ابوجہل نے کہا یہ درخت تو ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتا ۔کیا تم میں سے کوئی زقوم کو جانتا ہے ۔ ایک شخص نے جو افریقیہ سے قریش کے ہاں آیا ہوا تھا ۔کہا کہ افریقہ کی زبان میں زقوم کھجور کے ساتھ مکھن ملا کر کھانے کو کہتے ہیں ۔ابوجہل نے اپنی کنیز سے کہا کہ مکھن اور

لما نزلت اٰية الزقوم ان شجرة الزقوم طعام الاثيم لم يعرفه قريش فقال ابوجهل ان هذا الشجر ماينبت في بلادنا فمن منكم من يعرف الزقوم فقال رجل قدم عليهم من افريقية الزقوم بلغة افريقية الزبد بالتمر فقال ابوجهل ياجارية هاتي لنا تمرا وزبدا نزدقمه فجعلوا ياكلون منه ويقولون افبهذا يخوفنا محمد في الاٰخرة۔
(لسان العرب مادہ زقم) ✦

کھجور لے آ تا کہ ہم کھائیں ۔اور وہ سب ملکر کھاتے تھے اور کہتے تھے کیا آخرت میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو اسی چیز سے ڈراتا ہے ۔ اسی ہنسی اُڑانے پر جو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے زقوم کی نسبت اُڑائی خدا تعالےٰ نے سورہ صافات میں زقوم کا پھر ذکر کیا اور فرمایا کہ

قُلْ اَرَاَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِکَ وَرَجِلِکَ وَشَارِکْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّکُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَکُمُ الْفُلْکَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾

کہا کیا تو نے دیکھا یہ اُس شخص کو جسے بزرگی دی تو نے اوپر میرے اگر تو مجھ کو مہلت دے قیامت کے دن تک البتہ ستیاناس کردونگا میں اُس کی اولاد کو مگر تھوڑے سوں کو ﴿۶۲﴾ کہا خدا نے دور ہو پھر جو کوئی تیری پیروی کریگا اُن میں سے پھر بیشک جہنم ہے سزا تم سب کی سزا پوری ﴿۶۳﴾ اور بہکا جس کو بہکا سکے اُن میں سے اپنی آواز سے اور چڑھائی کر اُن پر اپنے سواروں اور پیادوں سے اور اُن کا شریک ہو مال میں اولاد میں اور وعدہ دے اُن کو (یعنی خدا سے بیخوف ہونیکا) اور نہیں وعدہ دیتا اُن کو شیطان بجز فریب کے ﴿۶۴﴾ بیشک میرے بندے نہیں ہے تجھ کو اُن پر کچھ حکومت اور کافی ہے تیرا پروردگار کام سنوارنے والا ﴿۶۵﴾ تمہارا پروردگار وہ ہے جو رواں کرتا ہے تمہارے لئے کشتی کو دریا میں تاکہ تم تلاش کرو اُس کے فضل (یعنی اُس کے رزق) سے بیشک وہ تم پر مہربان ﴿۶۶﴾

انا جعلناها فتنة للظالمین انها شجرة تخرج فی اصل الجحیم طلعها کانه رؤس الشیاطین فانهم لاکلون منها فمالئون منها البطون ثم ان لهم علیها لشوبا من حمیم +

ہم نے اُس کو (یعنی زقوم کو) ظالموں کے واسطے فتنہ بنایا ہے - وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ سے پیدا ہوگا اُس کے خوشے شیطانوں کے سروں کے مانند ہیں وہ اس میں سے کھائینگے - اور اس سے اپنا پیٹ بھرینگے - پھر اس کے اوپر گرم پانی ملا کر اُن کو دیا جائیگا +

اور اس آیت سے خدا نے بتایا کہ زقوم کا وہ مطلب نہیں ہے جو کفار عرب نے بتایا ہے بلکہ وہ منجملہ عذابہائے آخرت کے ایک قسم کا عذاب ہے - اور چونکہ تمام عذاب دوزخ کے اُن چیزوں کی تمثیل میں بیان کئے جاتے ہیں جو دنیا میں تکلیف دہ پائی جاتی ہیں اس لئے اُس عذاب کو بھی زقوم سے استعارہ میں بیان کیا ہے +

زقوم حقیقت میں ایک درخت ہے جس کی نسبت حاشیہ تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ تہامہ میں ہوتا ہے اور لسان العرب میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ (دینوری) کہتے ہیں کہ قبیلہ ازد کے ایک اعرابی نے مجھ سے بیان کیا کہ

قال ابو حنیفة اخبرنی اعرابی من ازد السراة

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٩﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿٧٠﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿٧١﴾

اور جب تم کو پہنچے سختی دریا میں تو کھوئے جاتے ہیں جنکو پکارتے ہو مگر وہی (یعنی خدا) پھر جب تم کو بچا لیجاتا ہے خشکی کی طرف تو مُنہ پھیر لیتے ہو اور ہے انسان ناشکر گذار ﴿٦٩﴾ پھر کیا تم نڈر ہو اُس سے کہ دھنسا دیوے تم کو خشکی کے ہی کسی کونے میں یا بھیجے تم پر کنکر برسانے والی سخت آندھی پھر نہ پاؤ گے اپنے لئے بچانیوالا ﴿٧٠﴾ کیا تم نڈر ہو گئے ہو اُس سے کہ پھر لیجاوے تم کو اُس میں (دریا میں) دوسری دفعہ پھر بھیجے تم پر کشتی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی ہوا کہ پھر ڈبو دیوے تم کو اُس سبب سے کہ تم نے کفر کیا پھر تم نہ پاؤ اپنے لئے ہم پر اُس کے بدلے کوئی پیچھا کرنے والا (یعنی مواخذہ کرنے والا) ﴿٧١﴾

قال الزقوم شجرة غبراء صغيرة الورق مدورتها لاشوك لها ذفرة مرة لها كعابر في سوقها كثيرة ولها ورىد ضعيف جدا يجرسها النحل ونورتها بيضاء ورأس ورقها قبيح جدا۔

(لسان العرب مادہ زقم) ✦

زقوم ایک خاکی درخت ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے گول اور بے خار پتے ہوتے ہیں۔ بو تیز۔ مزہ کڑوا۔ اور اس کی ٹہنیوں میں بہت سی گرہیں ہوتی ہیں اور پھول بہت نازک اور نرم ہوتا ہے جس کو شہد کی مکھی چاٹتی ہے۔ اُس کا شگوفہ سفید ہوتا ہے اور پتوں کے کنارے بہت بدصورت ہوتے ہیں پس عذاب دوزخ کو اسی خبیث ترین درخت کے ساتھ جو دنیا میں پایا جاتا ہے تشبیہ دیکر بیان کیا ہے ✦

﴿٨٦﴾ خدا نے اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ جب ہم انسان پر نعمت بھیجتے ہیں تو وہ مُنہ پھیر لیتا ہے اور جب اُس کو بُرائی پہنچتی ہے تو نااُمید ہوتا ہے۔ اس کے بعد خدا نے فرمایا ہے کہ اے پیغمبر تو کہدے کہ ہر ایک اپنی جبلت یا خلقت پر کام کرتا ہے ✦

جس لفظ کا ہم نے "جبلت یا خلقت" ترجمہ کیا ہے وہ لفظ "شاکلہ" ہے۔

الشاكلة۔ الناحية والطريقة والجديلة و شاكلة الانسان شكله وناحيته وطريقته و في التنزيل العزيز "قل كل يعمل على شاكلته" اي على طريقته وجديلته ومذهبه وقال الاخفش "على شاكلته" اي على ناحيته وجبلته وخليقته ۔

(لسان العرب مادہ شکل) ✦

لسان العرب میں لکھا ہے کہ شاکلہ کے معنی ہیں طرف۔ طور و طریقہ اور انسان کے شاکلہ سے اُس کی شکل۔ اس کی طبیعت کا میلان جس طرف ہو اور اس کا طریقہ مراد ہے۔ قرآن میں ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

اور بیشک ہم نے بزرگی دی بنی آدم کو اور ہم نے اُن کو چڑھایا سواریوں پر خشکی میں اور دریا میں اور ہم نے اُن کو روزی دی پاکیزہ چیزوں سے اور ہم نے اُن کو بزرگی دی بہتوں پر اُن میں سے جن کو ہم نے پیدا کیا ہر طرح سے بزرگی دینی ﴿۷۰﴾ جس دن ہم بلاویں گے ہر فرقے کے لوگوں کو اُن کے پیشواؤں سمیت پھر جو کوئی کہ دیگئی اُس کی کتاب اُس کے داہنے ہاتھ میں پھر وہ لوگ پڑھینگے اپنی کتاب کو اور نہ ظلم کئے جاوینگے ایک تاگے کی برابر ﴿۷۱﴾ اور جو ہے اس دنیا میں اندھا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور رستے بھٹکا ہوا ﴿۷۲﴾ اور بیشک قریب تھا کہ فریب دیکر پھیر دیں تجھ کو اُس چیز سے کہ وحی بھیجی ہے ہم نے تیرے پاس تاکہ تو افترا کر لیوے ہم پر اُس کے سوا۔ اور اُس وقت وہ تجھ کو کر لیتے گہرا دوست ﴿۷۳﴾ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے ثابت رکھا تجھ کو تو البتہ قریب تھا کہ تو جھک جاوے اُن کی طرف کچھ تھوڑا سا ﴿۷۴﴾ اور اُس وقت البتہ ہم چکھاتے تجھ کو دوگنا عذاب زندگی کا اور دوگنا عذاب موت کا پھر نہ پاتا تو اپنے لئے ہم پر کوئی مدد دینے والا ﴿۷۵﴾

کہ اے پیغمبر کہدے ہر شخص اپنی "شاکلہ" پر کام کرتا ہے یعنی اپنے طور و طریقہ پر اور اپنے مذہب پر اور اخفش نے یہ معنی لئے ہیں کہ اپنی طبیعت کے میلان پر جس طرف ہو اور اپنی خلقت پر ؛

تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے کہ شاکلہ کے معنی شکل و صورت کے ہیں

الشاکلۃ۔ الشکل یقال ھذا علی شاکلۃ ابیہ ای شبھہ والشاکلۃ الناحیۃ والجھۃ وبہ فسرت الآیۃ۔ "قل کل یعمل علی شاکلتہ" عن الاخفش وایضا النیۃ قال قتادۃ فی تفسیر الآیۃ ای علی جانبہ وعلی ما ینوی وایضاً الطریقۃ والجد یلتعبہ فسرت

جیسے کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے باپ کی شاکلہ پر ہے یعنی اُس کا ہم شکل ہے اور شاکلہ میلان کی سمت اور جہت کو بھی کہتے ہیں۔ اخفش نے آیت قل کل یعمل الخ کی تفسیر میں شاکلہ کے

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا (۷۸) سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا (۷۹) أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (۸۰) وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا (۸۱) وَقُلْ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا (۸۲) وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (۸۳) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا (۸۴) وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا (۸۵) قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا (۸۶)

اور بیشک قریب تھا کہ ہلا دیں تجھ کو زمین (یعنی مدینہ سے) تاکہ نکالدیں تجھ کو اُس سے اور اُس وقت نہ ٹھہریں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا سا (۷۸) طریقہ پر اُن کے جن کو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے اور نہیں پائے گا تو ہمارے طریقہ میں تبدیلی (۷۹) قائم کر نماز سورج کے ڈھلنے سے رات کی اندھیرے ہو جانے تک اور (قائم کر) قرآن پڑھنا فجر کا بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہے گواہی دیا گیا (۸۰) اور تھوڑی سی رات کو پھر کوشش کر اُس کے ساتھ (یعنی قرآن پڑھنے کے ساتھ) زیادہ ہوا ہے تیرے لئے قریب ہے کہ کھڑا کرے تجھ کو تیرا پروردگار مقام محمود میں (۸۱) اور کہہ اے پروردگار داخل کر مجھ کو داخل کرنا سچا اور نکال مجھ کو نکالنا سچا اور کر میرے لئے اپنے پاس سے غلبہ دینے والا (۸۲) اور کہہ آیا حق (یعنی قرآن) اور مٹ گیا باطل (یعنی شرک) بیشک باطل تھا مٹ جانیوالا (۸۳) اور ہم اُتارتے ہیں قرآن میں سے وہ چیز کہ وہ شفا ہے اور رحمت ہے واسطے ایمان والوں کے اور نہیں زیادہ کرتا ظالموں کو مگر خسارہ (۸۴) اور جب ہم نعمت بھیجتے ہیں انسان پر مُنہ پھیر لیتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب پہنچتی ہے اُس کو بُرائی تو ہوتا ہے نا اُمید (۸۵) کہہ دے ہر ایک کام کرتا ہے اپنی جبلت پر پھر تمہارا پروردگار جانتا ہے اُس شخص کو کہ وہ بہت ٹھیک چلنے والا ہے رستہ کو (۸۶)

الآية وايضا المذهب والخليقة وبه فسر الآية عن ابن عرفة وقال الراغب في تفسير الآية اى على سجيته التي قيدته وذلك ان سلطان السجية على الانسان قاهر حسبما بينت في الذريعة الى مكارم الشريعة وهذا كما قال عليه السلام "كل ميسر لما خلق له"۔

یہی معنی لئے ہیں۔ شاکلہ کے معنی نیت کے بھی ہیں قتادہ نے آیت مذکورہ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہر شخص اپنی طبیعت کی رُخ اور نیت پر عمل کرتا ہے شاکلہ کے ایک معنی طور و طریقہ کے بھی ہیں ۔

(تاج العروس مادہ شکل)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (۸۷)	اور پوچھتے ہیں[1] تجھ کو روح کیدے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے تم نہیں دئے گئے ہو علم سے مگر تھوڑا سا (۸۷)

آیت مذکورہ بالا کی تفسیر ان معنوں پر بھی کی گئی ہے - ایک معنی شاکلہ کے مذہب اور خلقت کے ہیں ابن عرفہ نے اسی معنی پر آیت کی تفسیر کی ہے - اور راغب نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہر شخص اپنی سجیہ یعنی طبیعت پر عمل کرتا ہے جس کا وہ مقید ہے - سجیہ ہی انسان پر ایسا حاکم غالب ہے جو مکارم شریعت تک لیجانے میں وسیلہ ہو جاتا ہے - اور آنحضرت کے اس قول کے مطابق ہے کہ ہر شخص آسانی دیا گیا ہے اس کام کے لئے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے +

محیط المحیط میں ہے کہ شاکلہ کے معنی ہیں شکل - طرف - گوشہ زن - نیت - طریقہ

الشاکلۃ - الشکل والناحیۃ والخاصرۃ والنیۃ والطریقۃ والمذهب فی سورۃ بنی اسرائیل " قل کل یعمل علی شاکلتہ " ای علی سجیتہ وخلقتہ -
(محیط المحیط مادہ شکل) +

اور مذہب اور سورہ بنی اسرائیل میں آیت قل کل یعمل الخ کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص اپنی سجیہ یعنی طبیعت اور خلقت پر عمل کرتا ہے +

لغات القرآن مصنفہ علامہ محمد بن ابی بکر رازی میں ہے کہ " علی شاکلتہ " کے

قولہ علی شاکلتہ ای علی طریقتہ وجھتہ وقیل علی خلیقتہ وطبیعتہ وتمام الایۃ یفید القول الاول وفی حاشیۃ الکتاب مختار ای " علی جبلتہ " +

معنی ہیں اپنے طریقہ اور میلان طبعی کے رخ پر - اور بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں اپنی خلقت اور طبیعت پر - اور پوری آیت سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے +

اور امام محی الدین ابن العربی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر شخص اپنی شاکلہ پر عمل کرتا ہے

- قل کل یعمل علی شاکلتہ " ای خلیقتہ وملکتہ الغالبۃ علیہ من مقامہ فمن کان مقامہ النفس وشاکلتہ مقتضی طباعہا عمل ما ذکرنا من الاعراض والیاس ومن کان مقامہ القلب فی شاکلتہ السجیۃ الفاضلۃ عمل بمقتضاها الشکر والصبر -
(تفسیر ابن العربی جلد اول صفحہ ۳۸۴) +

یعنی اپنی خلقت اور ملکہ پر جو اس کے مقام اور مرتبہ کے موافق اس پر غالب ہوتا ہے پس جس کا مقام نفس ہے اور مکروہ ہے جو نفس کے اقتضا کے موافق ہے - وہ خدا سے منہ پھیرتا ہے اور ناامید ہوتا ہے اور جس کا مقام قلب ہے اور ملکہ نیک عادت ہے وہ اس کے مقتضا کے موافق شکر و صبر کرتا ہے +

معالم التنزیل میں علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ آیت قل کل یعمل الخ کی تفسیر میں

[1] روح کی نسبت ہم نے پوری بحث اپنی تفسیر کی تیسری جلد میں کی ہے +

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۸﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۹﴾

اور اگر ہم چاہیں تو البتہ لیجاویں چیز جو وحی بھیجی ہے ہم نے تیرے پاس پھر نہ پاویگا تو اپنے لئے اُس کے بدلے ہم پر کارساز ﴿۸۸﴾ مگر (اُس کا نہ لیجانا) بسبب رحمت کے ہے تیرے پروردگار سے بیشک اُس کا فضل ہے اوپر تیرے بہت بڑا ﴿۸۹﴾

"قل کل یعمل علی شاکلتہ" قال ابن عباس علی ناحیتہ قال الحسن و قتادہ علی نیتہ قال المقاتل علی جدیلتہ قال الفراء علی طریقتہ التی جبل علیہا وقال القتیبی علی طبیعتہ وخلیقتہ۔
(معالم التنزیل جلد ثانی صفحہ ۲۰۳) +

ابن عباس نے شاکلہ کے معنی لئے ہیں طبیعت کا میلان جس طرف ہو اور حسن بصری اور قتادہ نے نیت کے معنی لئے ہیں۔ اور مقاتل نے طور وطریقہ کے معنی قرار دیئے ہیں اور فرا نحوی نے وہ طریقہ مراد لیا ہے جس پر انسان مجبول ہے اور قتیبی نے طبیعت اور خلقت کے معنی بیان کئے ہیں +

تفسیر بیضاوی میں آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اے پیغمبر کہدے کہ ہر شخص

"قل کل یعمل علی شاکلتہ" قل کل احد یعمل علی طریقتہ التی تشاکل حالہ فی الہدی والضلالۃ او جوہر روحہ واحوالہ التابعۃ لمزاج بدنہ .... و قد فسرت الشاکلۃ بالطبیعۃ والعادۃ والدین۔
(بیضاوی جلد اول صفحہ ۴۰۰) +

ایسے طریقہ پر عمل کرتا ہے جو ہدایت اور گمراہی میں اُس کے حال کے مشابہ ہو یا اُس کے جوہر روح اور اُن حالات کے موافق ہو جو اس کے مزاج بدنی کے تابع ہیں۔ اور شاکلہ کی تفسیر میں طبیعت۔ عادت اور مذہب کے معنی بھی لئے گئے ہیں +

مذکورہ بالا اقوال سے ظاہر ہے کہ علما نے "شاکلہ" کے متعدد معنی اختیار کئے ہیں اگرچہ ہر ایک معنی کا ماحصل قریب قریب ہے۔ لیکن ہم "شاکلہ" کے معنی خلقت اور جبلت کے اختیار کرتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلی آیت میں خدا تعالے نے انسان کی ایک فطرت کا بیان کیا ہے جس پر تمام انسان مجبول ہیں اور اس آیت کو اُسی آیت پر متفرع کیا ہے۔ اور اس لئے اس آیت میں "شاکلہ" کے وہی معنی لینے ضرور ہیں جو انسان کی فطرت اور جبلت پر دلالت کرتے ہوں۔ پس الفاظ جبلت یا خلقت سے "شاکلہ" کو تعبیر کرنا نہایت صحیح اور موافق سیاق قرآن کے ہے۔ چنانچہ ابن عرفہ نے شاکلہ کے معنی خلقت کے لئے ہیں۔ راغب نے سجیہ کے معنی لئے ہیں۔ اُس کا قول ہے کہ سجیہ ہی انسان پر حاکم غالب ہے اور مکارم شریعت تک لیجانے کا وہی وسیلہ ہوتی ہے اور اُسی کی نسبت آنحضرت کا فرمانا ہے کہ ہر شخص آسانی دیا گیا ہے اُس چیز کیلئے جس کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ محیط المحیط میں بھی شاکلہ کے معنی سجیہ اور خلقت کے لکھے ہیں۔ اور محمد بن ابی بکر

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۹۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۱﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۲﴾

کہہ دے (اے پیغمبر) کہ اگر اکٹھے ہوں انس اور جن اس بات پر کہ لاویں مثل اس قرآن کے نہ لاسکینگے مثل اس کے اگرچہ ہو ویں اُن میں سے بعضے بعضوں کے مددگار ﴿۹۰﴾ اور بیشک ہم نے طرح طرح سے بیان کیا لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر ایک مثل سے پھر انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر ناشکری سے ﴿۹۱﴾ اور انہوں نے کہا ہرگز ہم نہ مانینگے تجھ کو جب تک تو پھاڑ کر نکالدے ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ ﴿۹۲﴾

رازی نے بھی لغات قرآن میں شاکلہ کے ایک معنی طبیعت خلقت اور جبلت کے ایک بیان کئے ہیں اور امام محی الدین ابن العربی نے اس کے معنی لئے ہیں خلقت اور ملکہ جو انسان پر غالب ہے اور فراء نحوی نے جبلت خلقت اور طبیعت کے معنی لئے ہیں - اور صاحب بیضاوی نے نفس کے معنی عادت اور طبیعت کے بیان کئے ہیں - پس ہم نے جو شاکلہ کے معنی خلقت اور جبلت یعنی فطرت کے قرار دئے ہیں - اُس کی تائید میں علماء مذکورہ بالا کے اقوال ہیں +

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک انسان ایک فطرت یا جبلت پر پیدا ہوا ہے جس کو انگریزی زبان میں نیچر کہتے ہیں اور ان الفاظ سے جو قرآن مجید میں ہیں " قل کل یعمل علی شاکلتہ " صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو جبلت یا فطرت یا خلقت خدا نے جس انسان کی پیدا کی ہے - اُسی کے مطابق عمل کرتا ہے - اور دوسری بات ان الفاظ سے " فربکم اعلم بمن ھو اھدی سبیلا " یہ ثابت ہوتی ہے کہ جو کچھ انسان کرتا ہے یا کریگا اچھا یا بُرا قبل اس کے کہ وہ کرے خدا کو اُس کا علم ہے - اور خدا جانتا ہے کہ یہ کریگا +

اب ہم کو یہ دیکھنا باقی ہے کہ خدا نے انسان کو کس خلقت یا جبلت یا فطرت پر پیدا کیا ہے +

یعنی اُس کے نیچر میں کیا باتیں پیدا کی گئی ہیں - کیونکہ برخلاف اُس فطرت کے اُس سے کوئی امر ظہور میں نہیں آسکتا ہے قرآن مجید میں بھی خدا نے یہی فرمایا ہے " فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ " اور یہ بات ظاہر ہے کہ خدا نے ایک حد معین تک انسان کو قدرت عطا کی ہے جس سے وہ اس حد تک اپنے افعال کا مختار ہے اور یہ سمجھنا کہ ایسا اختیار دینے سے خدا کی قدرت میں اختیار لازم آتا ہے محض غلط ہے کیونکہ اس نے وہ قوت کسی اضطرار یا مجبور ہونے کے سبب سے نہیں دی تھی بلکہ اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے دی تھی اور

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿۹۳﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿۹۴﴾ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴿۹۵﴾

یا ہووے تیرے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر تو پھاڑ کر نکالے نہریں اُس کے بیچ میں اچھی طرح بہا کر (۹۳) یا تو گرا دے آسمان کو جیسا کہ تو نے گمان کیا ہے (کہ خدا چاہے تو اُس کو گرا دے) ہم پر ٹکڑے ٹکڑے یا لے آوے تو اللہ کو اور فرشتوں کو آمنے سامنے (۹۴) یا ہووے تیرے لئے ایک گھر سنہری یا تو چڑھ جاوے آسمان میں اور ہرگز ہم نہ مانیں گے تیرے (آسمان پر) چڑھ جانے کو بھی یہاں تک کہ تا اُتارے تو ہم پر ایک کتاب کہ پڑھ لیں ہم اُس کو کہدے (اے پیغمبر) پاک ہے میرا پروردگار نہیں ہوں میں مگر ایک آدمی بھیجا ہوا (یعنی رسول) (۹۵)

وہ مختار تھا چاہے دیتا چاہے نہ دیتا اور اس قدرت کا دینا نہایت حکمت پر مبنی ہے جس کی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرشتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ہے " انی اعلم مالا تعلمون " ؂

یہ کہنا کہ خدا نے جس فطرت پر جس کو بنایا ہے اُس کے تبدیل نہ کرنے سے خدا کا عجز ثابت ہوتا ہے جہلا کا کلام ہے کیونکہ کسی صاحب قدرت و اختیار کا اپنی بنائی ہوئی فطرت یا قانون فطرت کو قائم رکھنا اُس کی قدرت کی دلیل ہے نہ اُس کے عجز کی ؂

خدا نے اپنی تمام مخلوقات کے پیدا کرنے میں اور اُن کو ایک فطرت عطا کرنے میں ہر ایک کے ساتھ نہایت عدل کیا ہے اُس کا ثبوت اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر ایک مخلوق کو ایک بھنگے سے لیکر انسان تک جس کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے جو چیزیں کہ بلحاظ اُس کی خلقت کے اُس کے لئے ضروری تھیں سب عطا فرمائی ہیں کوئی مخلوق ایسا نہیں ہے جس کی نسبت کہا جا سکے کہ بلحاظ اُس کی خلقت کے اُس کو فلاں چیز ضرور تھی اور اُس کو عطا نہیں ہوئی - پس یہ ایسا بے نظیر عدل ہے جو خدا کے سوا اور کسی سے ہو ہی نہیں سکتا اور جو فطرت جس میں پیدا کی ہے بلحاظ اُس کی خلقت کے اُس فطرت کا اُس میں ہونا بھی مقتضائے عدل تھا - انسان کو جب اُس نے مکلف بنایا تو اُس فطرت کا بھی جس سے وہ مکلف ہو سکے عطا کرنا عین انصاف تھا اور وہ فطرت اُس کا ایک حد مناسب تک مختار ہونا ہے اور اُس فطرت کا بدلنا اور اُس کو بدستور مکلف رکھنا عدل و حکمت دونوں کے برخلاف تھا اسی لئے خدا نے فرمایا کہ " لا تبدیل لخلق اللہ " پس اُس فطرت کو قائم رکھنا عین دلیل

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۶﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۷﴾

اور نہیں منع کیا آدمیوں کو اس بات سے کہ ایمان لائیں جب کہ آئی اُن کے پاس ہدایت مگر یہ کہ اُنہوں نے کہا کہ کیا بھیجا اللہ نے ایک آدمی کو رسول کر کے ﴿۹۶﴾ کہہ دے اے پیغمبر، اگر ہوتے زمین میں فرشتے (اُس پر) چلتے (اُس میں) رہتے تو البتہ ہم بھیجتے اُن پر آسمان سے فرشتہ رسول کر کے ﴿۹۷﴾

اُس کے کمال قدرت اور عدل کی ہے نہ عجز و ظلم کی +

اب ہم کو فطرت انسانی کا دریافت کرنا ہے۔ اس بات کو تو کوئی تسلیم نہیں کرنے کا کہ انسان حی کو مثل جماد بیجان کے پیدا کیا ہے اور وہ بذاتہ لایعقل اور غیر متحرک بالارادہ ہے کیونکہ ہم اُس کو دیکھتے ہیں کہ وہ ذی عقل اور متحرک بالارادہ ہے۔ جس کام کو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے نہیں کرتا۔ بعض کاموں کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اُن کے کرنے سے رُک جاتا ہے اور نہیں کرتا +

اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان میں دو قوتیں موجود ہیں ایک کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور دوسری اُسی کام کے کرنے سے اُس کو روکتی ہے اور اُنہی قوتوں کے مطابق وہ عمل کرتا ہے اور اُسی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے "کل یعمل علی شاکلتہ" اور اُنہی قوتوں کے سبب جو خدا نے عطا کی ہیں خدا نے فرمایا ہے "فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر" +

اس غرض سے کہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجاوے ہم ان دونوں قوتوں میں سے ایک کو بنام قوت تقوے اور ایک کو بنام قوت فجور تعبیر کرتے ہیں یہ دونوں قوتیں ہر ذی عقل انسان میں موجود ہیں اور پہلی سے دوسری کو مغلوب کرنا انسان کی سعادت ہے اور دوسری سے پہلی کو مغلوب کرنا انسان کی شقاوت ہے +

بعض انسان ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ اُن میں قوت تقوے قوت فجور پر فطرتاً غالب ہے جس سے وہ از روئے فطرت کے قوت فجور کو مغلوب کرتے ہیں جیسے کہ انبیائے معصومین اور آئمہ اہل بیت معصومین علیہم السلام اور دیگر بزرگان دین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں +

اور بعضے ایسے ہیں جن میں قوت فجور ہے مگر جس وقت جب تک قوت تقوے اُن میں ہے اُس کا جس لانا اُن کا فرض ہے خواہ قوت فجور مغلوب ہو سکی یا نہیں اور اس کا مرتکب ہونا معصیت ہے اور اسی مرتکب ہو کر شرمندہ ہو کر "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" توبہ کیا ہے اپنے فعل پر نادم اور شرمندہ ہوتا اور خدا سے اُس کی معافی چاہتا

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۸﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۹﴾

کہدے (اے پیغمبر) کافی ہے اللہ گواہ درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا دیکھنے والا (۹۸) اور جس کو ہدایت کرے اللہ پھر وہی ہے ہدایت پانیوالا اور جس کو گمراہ کرے پھر نہیں پانے کا تو اُن کیلئے دوست اُس کے (یعنی خدا کے) سوا اور اُٹھا دینگے ہم اُن کو اپنے مُنہوں پر پڑے ہوئے اندھے اور گونگے اور بہرے۔ ان کی جگہ ہے جہنم جب بجھنے لگیگی زیادہ کرینگے ہم اُن پر بھڑکنے کو (۹۹)

اور مصمم ارادہ آیندہ اُس کے مرتکب نہ ہونے کا کرنا ہے اور یہ گیا ہے اُسی قوت تقوے کو کام میں لاتا ہے +

جس طرح کہ انسان کے اور قوے ضعیف اور قوی ہو جاتے ہیں اسی طرح قوت تقوے بزرگوں کی صحبت اور اعمال نیک اور توجہ الی اللہ اور خوف ورجا سے قوی ہو جاتی ہے اور قوت فجور نہایت ضعیف اور مضمحل کالمعدوم ہو جاتی ہے کما قیل ؎

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

اسی طرح افعال شنیعہ کے اشتغال سے قوت فجور قوی اور قوت تقوے ضعیف و مضمحل اور بعضی دفعہ کالمعدوم ہو جاتی ہے نعوذ باللہ منہا +

تقوے اور فجور ایسے امر ہیں جو مختلف قوموں اور مختلف مذہبوں میں مختلف طرح پر قرار دیے جا سکتے ہیں مگر ایک امر یعنی خدا کے خالق واحد ہونے کا یقین ایک ایسا امر ہے کہ ادنے تامل میں ہر ذی عقل اُس پر یقین کر سکتا ہے +

دلائل اور مباحث فلسفی کو علحدہ رکھو کیونکہ عام لوگوں کی سمجھ کے قابل نہیں بلکہ ایک سیدھے اور عام امر پر خیال کرو کہ جب کوئی شخص ایک مٹی کے برتن یا ایک مٹی کے کھلونے کو یا ایک پتھر کو کسی جگہ پڑا ہوا یا پتھروں کو بترتیب چنا ہوا دیکھتا ہے تو فی الفور اُس کے دل میں خیال آتا ہے کہ کوئی ان برتنوں اور کھلونوں کا بنانے والا اور اُس پتھر کو ڈالنے والا یا پتھروں کو بترتیب چننے والا ہے ۔ پس جب کہ ہم اس کائنات کو عجیب خوبی اور عمدگی اور عجیب انتظام سے بنایا ہوا دیکھتے ہیں تو ممکن نہیں ہے کہ ہمارے دل میں یہ خیال نہ آوے کہ اُن کا کوئی بنانیوالا ہے پس احمق سے احمق ازروے فطرت کے وجود ذات باری پر یقین لا سکتا ہے اور اس کی وحدت پر بھی اُس انتظام سے جو کائنات کا ہے ہر شخص یقین کر سکتا ہے ۔ اسی عام سمجھ کے

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۱۰۰﴾	یہ ہے سزا ان کی بسبب اس کے کہ انہوں نے کفر کیا ہماری نشانیوں سے اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہوجاوینگے ہڈیاں اور گلی ہوئی کیا ہم البتہ اٹھائے جاوینگے ایک نئی پیدائش میں ﴿۱۰۰﴾

لائق دلیل کو خدا نے فرمایا، لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا، یعنی اگر آسمان و زمین میں کئی خدا ہوتے تو تمام انتظام بگڑ جاتا پس تمام انسان کسی فطرت پر پیدا ہوئے ہوں خدا کے وجود اور اس کے وحدہٗ لاشریک لہٗ ماننے پر مکلف ہیں۔ غرضکہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ایک فطرت پر پیدا ہوا ہے اور اسی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے +

جب ہم یہاں تک پہنچتے ہیں تو ایک اور امر خدا کی ذات میں ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جس کو ہم اس کی صفت علم سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ کسی صانع نے جو کسی چیز کو بنایا ہو اس کی نسبت یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ اس صنعت کی حقیقت کو اور اس بات کو کہ اس سے کیا کیا امر ظہور میں آوینگے نہ جانتا ہو۔ کیونکہ اگر وہ نہ جانتا ہو تو اس سے اس کا بنانا غیر ممکن ہے مثلاً ایک گھڑی ساز قبل بنانے اس گھڑی کے جانتا ہے کہ اس قدر پرزے اس میں ہونگے اور وہ پرزے فلاں فلاں کام دینگے۔ اور اس قدر عرصہ تک وہ گھڑی چلیگی اور اس قدر عرصہ کے بعد بند ہوجائیگی۔ پس وہ علۃ العلل جس نے انسان کو مع اس کے قوٰے اور اس کی فطرت کے پیدا کیا ہے۔ بخوبی جانتا ہے کہ یہ پتلا کیا کیا کریگا اور اسی جاننے کو ہم اس علۃ العلل کی صفت علم سے تعبیر کرتے ہیں اور جو کچھ اس کے علم میں ہے۔ ممکن نہیں کہ اس کے برخلاف وہ پتلا کر سکے +

اس بیان سے یہ سمجھنا نہ چاہئے کہ ایسی حالت میں وہ پتلا اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خواہ مخواہ وہی کرے یا وہی کریگا جو اس علۃ العلل کے علم میں ہے اور اس کے برخلاف کرنا ناممکن ہے کیونکہ یہ بات کہ وہ پتلا کیا کیا کریگا ایک جدا امر ہے اور اس بات کا علم کہ وہ پتلا یہ یہ کریگا ایک جدا امر ہے اور اس کے علم سے اس پتلے کی مجبوری اس کے افعال میں لازم نہیں آتی۔ اس کی مثال اس طرح بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ فرض کرو۔ ایک نجومی ایسا کامل ہے کہ جو کچھ آیندہ کے احکام بتاتا ہے اس میں سرمو فرق نہیں ہوتا اب اس نے ایک شخص کی نسبت بتایا کہ وہ ڈوب کر مریگا۔ اس کا ڈوب کر مرنا تو ضرور ہے اس لئے کہ نجومی کا علم واقعی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نجومی نے اس شخص کو ڈوبنے پر مجبور کر دیا تھا پس جو علم الٰہی میں ہے یا یوں کہو کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا تو ضرور مگر اس کے کرنے پر

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۳﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۴﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۵﴾

کیا اُنھوں نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو قدرت رکھتا ہے اس بات پر کہ پیدا کرے مثل اُن کے اور کی ہے اُس نے اُن کے لئے ایک میعاد نہیں شک اُس میں پھر انکار کیا ظالموں نے مگر ناشکری سے ﴿۱۰۱﴾ کہدے (اے پیغمبر) کہ اگر تم مالک ہوتے میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے اُس وقت البتہ تم کنجوسی کرتے خوف خرچ ہو جانے کے سے اور ہے انسان تنگی کرنیوالا ﴿۱۰۲﴾ اور بیشک ہم نے دیں موسےٰ کو نو نشانیاں ظاہر پھر پوچھ بنی اسرائیل سے جب کہ وہ آیا اُن کے پاس تو اُس سے کہا فرعون نے کہ بیشک میں گمان کرتا ہوں تجھ کو اے موسےٰ جادو کیا ہوا ﴿۱۰۳﴾ موسےٰ نے کہا کہ بیشک تو نے جان لیا کہ نہیں بھیجا ہے اِن نشانیوں کو مگر آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے دکھلائی دینے والی اور بیشک میں گمان کرتا ہوں اے فرعون تجھ کو بھلائی سے پھرا ہوا ﴿۱۰۴﴾ پھر ارادہ کیا فرعون نے کہ نکالدے اُن کو زمین سے پھر ڈبو دیا ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھ تھے سب کو ﴿۱۰۵﴾

خدا کی طرف سے مجبوری نہیں ہے بلکہ خدا کے علم کو اُس کے جاننے میں یا تقدیر کو اُس کے ہونے میں مجبوری ہے ٭

امام احمد بن یحییٰ المرتضیٰ زیدی نے اپنی کتاب ملل و نحل میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن بعض قوموں کے لوگ زنا کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں اور لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ خدا کے علم میں تھا۔ ہم کو اُس سے کوئی چارہ نہیں ہے عبداللہ

وقال لعبد الله بن عمر بعض الناس یا ابا عبد الرحمن ان قوما یزنون ویشربون الخمر ویسرقون ویقتلون النفس ویقولون کان فی علم الله فلا نجد بدا منه فغضب ثم قال سبحان الله العظیم قد کان ذلك فی علمه انهم یفعلونها ولم یحملهم علمه علی فعلها حدثنی ابن عمر بن الخطاب انه سمع

وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

اور ہم نے کہا اس کے بعد بنی اسرائیل کو کہ آباد ہو اُس زمین پر پھر جب آویگا وعدہ آخرت کا تو لے آوینگے ہم تم کو اکٹھا کر کر اور ہم نے اُس کو (یعنی قرآن کو) اُتارا ہے برحق اور اترا ہے برحق اور ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا ﴿۱۰۶﴾ اور قرآن ہم نے اُس کو ٹکڑے ٹکڑے بھیجا ہے تو کہ پڑھے تو اُس کو لوگوں پر ٹھیر ٹھیر کر (یعنی وقتاً فوقتاً) اور ہم نے اُس کو اتارا ہے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اُتارنا ﴿۱۰۷﴾ کہہ (اے پیغمبر) ایمان لاؤ اُس پر یا تم نہ ایمان لاؤ بیشک وہ لوگ جن کو دیا گیا ہے علم اُس کے پہلے سے جس وقت کہ پڑھا جاویگا اُن پر گر پڑینگے اپنی ٹھوڑیوں (یعنی مُنہ) کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور کہینگے کہ پاک ہے ہمارا پروردگار بیشک ہے وعدہ ہمارے پروردگار کا البتہ مقدر کیا گیا ﴿۱۰۸﴾ اور گر پڑینگے ٹھوڑیوں (یعنی مُنہ) کے بل روتے ہوئے اور زیادہ کریگا عاجزی کرنا ﴿۱۰۹﴾ کہہ دے (اے پیغمبر) کہ پکارو اللہ کو یا پکارو رحمٰن کو جس نام سے کہ تم پکارو پھر اُس کے لئے ہیں نام بہت اچھے اور نہ پکار کر پڑھا اپنی نماز کو اور نہ آہستہ پڑھ اُس کو اور ڈھونڈ اُس کے درمیان میں طریقہ ﴿۱۱۰﴾

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول مثل علم اللہ فیکم کمثل السماء اللتی اظلتکم والارض التی اقلتکم فکما لا تستطیعون الخروج من السماء والارض کذلک لا تستطیعون الخروج من علم اللہ و کما لا تحملکم الارض والسماء علی الذنوب کذلک لا یحملکم علم اللہ علیہا ۔

بن عمر غصہ ہوئے پھر کہا سُبحان اللہ! بیشک اُس کے علم میں تھا کہ وہ ایسے کام کرینگے مگر خدا کے علم نے اُن کو اُن کاموں کے کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ مجھ سے میرے باپ عمر بن خطاب نے ذکر کیا کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ علم الٰہی کی مثال تم میں مانند آسمان کے ہے جس نے تم پر

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾

اور کہ سب تعریف ہے اللہ کے لئے جس نے نہیں پکڑا کسی کو بیٹا اور نہیں ہے اُس کے لئے کوئی شریک بادشاہت میں اور نہیں ہے اُس کے لئے کوئی مددگار بسبب عاجزی کے اور بڑائی کر اُس کی بڑائی کرنا ﴿۱۱۱﴾

سایہ کر رکھا ہے اور مانند زمین کے ہے جس نے تم کو اُٹھا رکھا ہے پس جس طرح تم آسمان و زمین سے باہر نہیں جا سکتے اُسی طرح تم خدا کے علم سے باہر نہیں ہو سکتے اور جس طرح آسمان وزمین تم کو گناہوں پر مائل نہیں کرتے اسی طرح خدا کا علم بھی تم کو اُن گناہوں پر مجبور نہیں کرتا ❊

جلد ششم تمام ہوئی

سرسیّد احمد خاں

دوست ایسوسی ایٹس

پرنٹرز۔ پبلشرز۔ سپلائرز

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

تعارف

سر سید احمد خان صاحب ہندوستان کے مسلمانوں کے عظیم لیڈر تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک زندہ قوم بنانے کے لئے ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ اپنے اس پروگرام کے ایک حصے کے طور پر انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی۔ اگرچہ اس وقت کے علماء نے آپ کے خیالات کی سخت مخالفت کی لیکن رفتہ رفتہ ان کی تفسیر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ اسے انہی تحقیق کے طور پر پیش کرنے لگے۔ اس کی کچھ جھلکیاں ہم ان کی تفسیر کے پہلے چھ حصوں کے تعارف میں سامنے لا چکے تھے۔

عام طور پر ان کی تفسیر کے چھ حصے ہی بیان کئے جاتے تھے۔ جو تقریباً" ایک صدی پہلے لاہور سے شائع ہوئے تھے دوست ایسوسی ایٹس نے جب ان حصوں کو دوبارہ شائع کیا تو معلوم ہوا کہ بعد میں تفسیر کا ساتواں حصہ بھی علی گڑھ سے شائع ہوا تھا لیکن ہماری نظر سے نہیں گزرا تھا۔

میرے محترم دوست ملتان کے علامہ رحمت اللہ طارق صاحب نے مجھے یہ حصہ عنایت فرمایا جسے اب قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس طرح سے اب قارئین کے ہاتھوں میں سر سید احمد خان صاحب کی تفسیر کے سات حصے دوبارہ پہنچ چکے ہیں۔ ان سات حصوں میں قرآن مجید کے تقریباً اہم مباحث آ گئے ہیں۔ اس لئے اگر ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو قرآن مجید کی تعلیمات کو ان کی روشنی میں اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

رفیع اللہ شہاب

14 ستمبر 1995

اچھرہ لاہور

فہرست مضامین تفسیر القرآن جلد ہفتم

سورہ الکہف

سورہ الکہف

سورہ الکہف

سورہ مریم

تمت بالخیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝۱
قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳
وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ
وَّلَا لِاٰبَاۗىِٕهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ
اِلَّا كَذِبًا ۝۵ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا
بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَي الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا
لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا
صَعِيْدًا جُرُزًا ۝۸ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ
كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ

(۷) لوگون نے اصحاب کہف کے قصہ کو ایک عجیب قصہ خدا کی نشانیون کا بنا رکھا تھا حالانکہ وہ کوئی عجیب قصہ نہیں تھا بلکہ ایسا قصہ تھا جو دنیا میں واقع ہوا کرتے ہیں۔ اسلئے خدا نے پیغمبر سے فرمایا کہ کیا تو نے بھی اسکو ایک عجیب قصہ سمجھا ہے" ام حسبت" کا لفظ بطور استفہام انکاری کے ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ قصہ کوئی عجیب قصہ نہیں ہے۔

ان آیتون میں خدا نے اُن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اصحٰب کہف کے قصہ کی نسبت لوگون

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

(۱) تمام تعریفیں اُس خدا کے لئے ہیں جسنے بھیجی اپنے بندہ پر کتاب اور نہ رکھی اُس میں کچھ نادرستی (بلکہ کیا اُسکو) بالکل درست تاکہ ڈراوے اُسکے (یعنی اللہ کے) پاس کی سخت عذاب سے اور خوشخبری دیوے ایمان والوں کو جو کام کرتے ہیں اچھے کہ اُنکے لئے ہے جزا اچھی جسمیں رہیں گے (۳) ہمیشہ ۞ اور ڈراوے اون لوگون کو جو کہتے ہیں کہ بنالیا ہے خدا نے ایک بیٹا نہیں انکو اُسکی کچھ خبر اور نہ اُنکے باپ دادون کو سخت ہے یہ بات کہ نکلتی ہے اُنکی موںہون سے نہیں کہتے مگر جہوٹ (۴) پہر شاید کہ تو کہو دینے والا ہے اپنی جان کو اُنکے پیچھے غم سے اگر وہ نہ ایمان لاوی اِس بات پر (۵) بیشک ہم نے بنایا ہے جو کچھ کہ زمین پر ہے سنگار اوسکے لیئے تاکہ ہم امتحان کرین اُنکا کہ کون اُنمین زیادہ نیک کام کرتا ہے (۶) اور بیشک ہم کرنے والے ہیں ہر چیز کو جو اُس پر ہے تہس نہس (۷) (اے محمد) کیا گمان کیا ہے تو نے کہ اصحاب کہف اور رقیم تھے ہماری نشانیوں میں سے عجیب (۸) جب کہ وہ جوان پہاڑ کی کہوہ میں آکر ٹہیرے

میں مشہور تھیں۔ اور اُن میں کچھ سچ اور کچھ غلط باتیں مل گئیں تھیں اور اُسکے بعد صحیح قصہ بیان کیا ہے جو بارہوین آیت سے شروع ہوتا ہے۔

ان آیتون میں اُن باتون کی طرف اشارہ ہے جو اصحاب کہف کے قصہ کی نسبت لوگون میں مشہور تھیں وہ باتیں مختلف تھیں اسلئے ضرور تھا کہ ان آیتون میں ایسے لفظ لائے جائیں جو اُن تمام باتون پر حاوی ہون

---

(۸) اذ اوی الفتیۃ الی الکہف) دخل فلمۃ فی غار الکہف (تفسیر ابن عباس)

فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ⑨
فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ⑩ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ

مثلاً بعض لوگ کہتے تھے کہ جب وہ لوگ کہف (یعنی کھوہ میں) گئے سو رہے تھے اور بعض کہتے تھے کہ انپر غشی چھا گئی تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ وہ مر گئے تھے اسلئے خدا تعالیٰ کو ایسا لفظ لانا تھا جو ان تمام مشہور قولوں پر حاوی ہو۔ اور اسلیئے فرمایا "فضربنا علیٰ اذانھم" یعنی اُنکے کانوں کو ایسا کر دیا جس سے وہ سُن نہ سکیں اور کانوں کی ایسی حالت سوجانے میں، غش آنے میں، مرجانے میں ہر حالت میں ہوتی ہے۔ پس اُن لوگوں کے خیالات پر جامع ہونے کو اس سے بہتر کوئی لفظ نہ تھا اور یہ بہت بڑی بلاغت قرآن مجید کی ہے۔

یا مثلاً لوگوں میں اختلاف تھا بعض لوگ کہتے تھے کہ انکی یہ حالت تین سو برس تک رہی اور بعض کہتے تھے تین سو نو برس تک اور بعض تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ دو سو یا دو سو چالیس برس تک ایسا لفظ جو ان تمام اختلافات پر حاوی ہو، "سنین عددا" سے بہتر کوئی نہیں تھا اور یہی لفظ قرآن مجید میں لایا گیا جو نہایت بلیغ ہے۔

یا مثلاً جو لوگ اُنکو سوتا سمجھتے تھے یا غش آجانا سمجھتے تھے یا مرا ہوا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس حالت کے بعد وہ اُٹھے تو ان تمام خیالات پر جامع "بعثنا" کے لفظ سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ سونے کے بعد اُٹھنے پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے اور غش کے بعد افاقہ ہونے پر بھی اور مر کر زندہ ہونے پر بھی۔

اسپر ایک شبہہ ہو سکتا ہے کہ ضرب علی الآذان اور بعث کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے "فضربنا علیٰ اذانھم" "ثم بعثنٰھم" اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اس قصہ کو عجیب بنایا تھا اور وہی روایتیں اُنھیں چلی آتی تھیں وہ بھی اُن کا سُلانا یا غش میں ڈالنا یا مردہ کر دینا اور پھر اُٹھانا خدا ہی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس لئے اُنھی کے خیال کے موافق اس مقام پر بھی خدا نے ان سب باتوں کو نقلاً اپنی طرف منسوب کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ ان تمام باتوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے۔

پس جو عجیب چیز اس قصہ میں بنائی گئی تھی وہ اصحاب کہف کا اسقدر مدت دراز تک سوتے رہنا یا غش

تو اُنھون نے کہا اے ہمارے پروردگار ہمکو اپنے پاس سے رحمت دے اور تیار کر ہمارے لئے ہمارے کام میں کامیابی ⑨ پھر تھپکا ہمنے اُنکے کانون کو اُس پہاڑ کی کھوہ میں گنے ہوے برسون تک ⑩ پھر ہمنے اُنکو اُٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ

میں پڑا رہنا یا مردہ ہو کر زندہ ہونا تھا جبکہ خدا تعالی نے پہلی آیت میں اس قصہ کے عجیب ہونے کی نفی کی تو اُنکی اسقدر مدت تک سوتے رہنے یا غش میں پڑے رہنے یا مُردہ رہکر پھر زندہ ہونے کی نفی لازم آتی ہے۔

اِسکی تائید خود قرآن مجید کی اگلی آیتون سے ہوتی ہے جہان سے خدا تعالی نے خود اُن کا واقعی اور سچا قصہ بیان کرنا شروع کیا ہے اور جس میں اُنکے اسقدر زمانہ دراز تک سوتے رہنے یا غش میں پڑے رہنے یا مردہ رہنے کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ نتیجہ اس بحث کا صرف اسقدر ہے کہ جو قصہ لوگوں میں مشہور تھا کہ اصحاب کہف اسقدر مدت دراز تک سو کر یا غش میں پڑے رہکر اُٹھے یا مُردہ رہکر پھر زندہ ہوئے صحیح نہیں تھا۔

اِس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم نے کافرون سے یہ قصہ جسطرح کہ اُنمیں مشہور تھا سُنا اور اُسپر نہایت متعجب ہوئے تھے خدا تعالی نے اُس تعجب کے دور کرنیکو فرمایا کہ اے محمد کیا تو نے سمجھا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم میری عجیب نشانیوں میں تھے یعنی وہ کچھ عجیب نہ تھے۔

علماے مفسرین نے بھی یہ معنی اختیار کئے ہیں۔ مگر باوجود عجیب ہونے کے نفی کرنیکے اُسکا عجیب ہونا قایم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلئے عجیب نہیں ہے کہ خدا کی تمام نشانیان عجیب ہیں یا یہ کہ خدا کی مخلوقات مثلاً آسمان اور زمین وغیرہ اس قصہ سے بھی عجب یعنی عجیب تر ہیں۔

مگر ان دونون دلیلون میں غلطی ہے بیشک خدا کی تمام مخلوقات اور اُسکے تمام کام فی نفسہ عجیب ہیں مگر جو روزمرہ دیکھنے وبرتنے میں آتے ہیں اُنکا عجیب ہونا نہیں سمجھا جاتا بلکہ اُسی کا عجیب ہونا سمجھا جاتا ہے جو معمولی باتون سے بڑھکر ہو پس یہ کہنا کہ قصہ اصحاب کہف عجیب تو ہے مگر چونکہ تمام کام خدا کے عجیب ہی ہیں اسلئے اِس قصہ کو بالتخصیص عجیب مت سمجھو بالکل غلط اور خلاف مقصود آیت کے ہے کیونکہ آیت میں اُسکے عجیب ہونیکی نفی سے یہ مراد ہے کہ وہ ایک معمولی واقعہ ہے جو انسانو نپر گذرا ہے اُس میں تعجب کرنیکی کوئی بات نہیں۔

أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ⑪ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ⑫ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

دوسرا استدلال کہ اور کام خدا کے اُس سے بھی زیادہ تر عجیب ہیں اس لئے گو کہ وہ قصہ عجیب ہے مگر اُسکو عجیب نہ سمجھو اور بھی زیادہ مہمل اور بے معنی ہے آیت میں اُسکے عجیب ہونے کی نفی کیگئی ہے اُس میں لفظ "عجباً" ہے اگر "اعجب" کا لفظ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ نفی زیادہ تر عجیب ہونے سے متعلق ہوتی اور قصہ کا فی نفسہ عجیب ہونا باقی رہتا مگر جبکہ عجیب ہونیکی ہی نفی ہے تو بجز اسکے کہ وہ ایک عام واقعہ ہو جو دنیا میں ہوتے ہیں اور کوئی صفت تعجب اُس میں باقی نہیں رہتی۔ بلاشبہ خدا تعالیٰ کی تمام نشانیاں اور اُسکی تمام مخلوقات آسمان و زمین انسان و حیوان چیونٹیاں اور جھینگے سب عجیب ہیں لیکن باعتبار نفس خلقت کے فی نفسہ عجیب ہونا دوسری چیز ہے جو امور کہ موافق عادت کے ہوتے ہیں گو وہ فی نفسہ عجیب ہوں مگر عادت کے موافق ہونے سے اُن پر کوئی متعجب نہیں ہوتا تعجب جب ہی ہوتا ہے جب کوئی چیز خلاف عادت وقوع میں آوے۔ پس یہ آیت جو تعجب کی نفی پر دلالت کرتی ہے وہ اُسی تعجب کی نفی کرتی ہے جو کسی امر کے خلاف عادت ظہور میں آنیسے ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اصحاب کہف میں کوئی بات تعجب کرنیکے لایق نہیں ہے اون پر کوئی واقعہ خلاف عادت جس سے تعجب ہو جیسا کہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے نہیں گذرا۔ وہ مثل اور انسانوں کے انسان تھے اور جیسے واقعات انسانوں پر گذرتے ہیں ویسے ہی اُنپر بھی گذرے تھے کوئی امر خلاف عادت جو تعجب انگیز ہو نہیں ہوا۔

⑫ بارہویں آیت سے صحیح اور واقعی قصہ اصحاب کہف کا شروع ہوتا ہے۔ تفسیر کبیر میں یہ لکھا ہے کہ پہلی آیتوں میں اس قصہ کا ایک ٹکڑا بیان کیا ہے اور اُسکی بعد کی آیتوں میں پورا قصہ ہے مگر کوئی وجہ نہیں بیان کی ہے کہ کیوں ان دونوں مقاموں میں اسطرح پر تفریق کی ہے کہ پہلے تو اُسکی وحی ہونے کی بابت کچھ ذکر نہیں کیا اور پھر جہاں سے وہ قصہ شروع ہوا ہے وہاں فرمایا ہے

کہ کونسا گروہ دو گروہوں میں سے (جو اُنکے رہنے کی مدت میں مختلف ہیں) یاد رکھنے والا ہے
اُنکے رہنے کی مدت کو (۱۱) ہم بیان کرتے ہیں تجھپر اُنکا قصہ بالکل ٹھیک بیشک وہ چند جوان
تھے کہ ایمان لائے تھے اپنے پروردگار پر اور زیادہ کی تھی ہمنے انکو ہدایت (یعنی استقلال مذہب
حق پر) (۱۲) اور باندھ دیا ہمنے اُنکے دلوں پر (یعنی اُنکے دلوں کو مضبوط کر دیا۔)

"نحن نقص علیک نبأھم بالحق" یعنی ہم اُنکا سچا قصہ تجھپر بیان کرتے ہیں۔ اور کوئی وجہ بیان نہیں
کی گئی کہ اس اخیر جملہ میں "بالحق" کے لفظ سے کیوں تاکید کی گئی پس صاف ظاہر ہے کہ پہلی آیتوں میں
وہ بیان ہے جو لوگوں نے اس قصہ میں عجائبات ملا دئے تھے اور اُسکی نفی کی "ام حسبت" سے
اور پھر کہا کہ صحیح اور سچا قصہ ہم بیان کرتے ہیں۔ جو صاف دلیل اس بات کی ہے کہ سچا اور صحیح قصہ
اس آیت سے شروع ہوا ہے نہ پہلی آیتوں سے۔

قبل اسکے کہ ہم اصحاب کہف کی قصہ کی آیتوں کی تفسیر شروع کریں ہمکو ضرور ہے کہ اصحاب
کہف کے کچھ حالات بیان کریں اور اُنکے مذہب کا بھی کچھ ذکر کریں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے "انھم
فتیۃ امنوا بربھم وزدناھم ھدی" یعنی وہ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہمنے
انکو زیادہ ہدایت کی تھی زیادہ ہدایت کرنے سے یہ اشارہ ہے کہ جب وہ بادشاہ ظالم کے سامنے پکڑے
گئے تو وہ اپنے سچے مذہب پر قایم رہے جیسا کہ اُنکے قصہ میں بیان ہوا پس اس استقامت کو زیادتی
ہدایت سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان خدا پرست تھے اور اسلئے اُنکے
مذہب کی تحقیق کرنی بہت ضروری ہے۔

اصحاب الکہف والرقیم

سب سے اول اس امر کا تصفیہ کرنا چاہیئے کہ اصحاب کہف و رقیم کا ایک ہی گروہ پر اطلاق ہوا ہے
یا دو مختلف گروہوں پر یعنی جن لوگوں پر اصحاب کہف کا اطلاق ہوا ہے اُنہیں پر رقیم یعنی اصحاب
رقیم کا اطلاق ہوا ہے یا اصحاب کہف ایک جُدا گروہ تھا اور اصحاب رقیم جدا گروہ۔

جو کچھ بحث ہوسکتی ہے وہ رقیم کے لفظ پر ہوسکتی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے جیساکہ تفسیر
بیضاوی اور اور کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ اصحاب الرقیم ایک جدا گروہ تھے اور وہ تین شخص تھے کہیں

اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا

جاتے تھے رستہ میں مینہ آیا ایک پہاڑ کے غار میں ہو بیٹھے اوپر سے پہاڑ گرا اور غار کا منہہ بند ہو گیا ان لوگون نے خدا کے سامنے عاجزی کی اور اس مصیبت سے نکلنے کی دعا مانگی کچھ عرصہ کے بعد جو پتھر پہاڑ کا اوپر سے پھسل گرا تھا اور جس نے غار کا منہہ بند کر دیا تھا وہ اور نیچے کو پھسل گیا اور غار کا منہ کھل گیا۔

یہ قصہ امام محمد اسمٰعیل بخاری نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں بیان کیا ہے۔ مگر کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس مقام پر لفظ رقیم سے اُن لوگون کے قصہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔

اول تو اس لئے کہ اُس گروہ پر اصحاب الرقیم کا اطلاق نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس مقام پر دو گروہ کے قصے نہیں بیان کئے بلکہ صرف ایک گروہ کا قصہ بیان کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ایک ہی گروہ کا لقب تھا۔

ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ جہان خدا نے اصحاب کہف کی تعداد میں لوگون کا اختلاف بیان کیا ہے کہ کوئی تو کہتا ہے کہ وہ تین شخص تھے کوئی کہتا ہے کہ پانچ تھے کوئی کہتا ہے سات تھے پس بعض لوگون نے تین کی تعداد پر خیال کر کے رقیم کے لفظ سے اُس گروہ کا اشارہ سمجھا جنکی تعداد تین تھی اور وہ بھی پہاڑ کے غار میں اوپر سے پتھر گرنیکے سبب بند ہو گئے تھے۔ مگر جیسا کہ ہمنے بیان کیا نہ کوئی وجہ پائی جاتی ہے اور نہ اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ ان لوگون پر اصحاب الرقیم کا اطلاق ہوا ہو البتہ قسطلانی شرح صحیح بخاری میں شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب نے اصحاب الغار کا اونپر اطلاق کیا ہے مگر اصحاب الرقیم کا کسی نے اطلاق نہیں کیا۔

پس اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی گروہ کا لقب ہے۔ اصحاب کہف تو اُنکو اسلئے کہتے ہیں کہ وہ ایک ظالم بت پرست پادشاہ کے ظلم سے ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے تھے عربی زبان میں پہاڑ کی کھوہ کو کہف کہتے ہیں اسلئے اُنکا لقب اصحاب کہف ہو گیا ہے۔

بیضاوی اور نیز اور مورخون اور مفسرون نے رقیم کے معنون میں اختلاف کیا ہے۔ بعض

جسوقت کہ وہ کھڑی ہوئی (ایک جابر بت پرست پادشاہ کے سامنے) پھر انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار

لوگون کا خیال ہے کہ رقیم اُس شہر کا نام ہے جس مین اصحاب کہف رہتے تھے بعضون کا قول ہے کہ پہاڑ کی کھوہ کا نام ہے جس مین اصحاب کہف چھپے تھے۔ بعضون نے کہا کہ جس جنگل مین وہ پہاڑ تھا اُس جنگل کا نام ہے بعضے کہتے ہیں کہ اُنکے کُتّے کا نام ہے جو اُنکے ساتھ تھا اسلیئے اُنکو اصحاب الرقیم کہنے لگے اور اُسکی سند میں امیہ بن ابی الصلت شاعر جاہلی کا شعر لایا جاتا ہے جس میں اُس نے کہا ہے "ولیس بہا الا الرقیم مجاورا" مگر اُن میں سے کوئی بات اعتبار کے قابل نہیں ہے' عربی کتابون مین اُنکے کُتّے کا نام قطمیر لکھا ہے اور انگریزی کتابوں میں کراٹیم یا کراٹیمار اور یہ نام ملتے جلتے ہیں صرف ایک زبان سے دوسری زبان مین منتقل ہونے میں جو فرق لہجہ اور تلفظ میں ہوجاتا ہے وہی کراٹیم اور قطمیر میں ہوگیا ہے۔

رقیم کے معنی از روے لغت کے لکھے ہوئے کے ہیں محمد اسمٰعیل بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں رقیم کی تفسیر میں لکھا ہے الرقیم الکتاب مرقوم مکتوب من الرقم اور اُسمین سعید ابن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ اُنھون نے ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اصحاب کہف کا حال اور نام ایک زمانہ میں جست کے پترے پر کندہ کر کر اور بعض روایتون کے مطابق پتھر پر کھود کر رکھا گیا تھا اور اِس سبب سے اُنھی لوگون کا لقب اصحاب الرقیم ہی ہوگیا ہے۔ پانچوین صدی کے اخیر میں یا چھٹی صدی عیسوی کے شروع میں یعنی آنحضرت صلعم سے پیشتر ایشیا مائنر کے لشپ نے اس قصہ کو بطور عیسائی مذہب کے متبرک قصے کے تحریر کیا تھا پس ہر صورت سے اصحاب کہف پر اصحاب الرقیم کا اطلاق صحیح اور درست ہوتا ہو اور رقیم عطف تفسیری ہے اصحاب کہف کی وہو الصحیح عندنا۔

اس بات میں نہایت اختلاف ہے اور آج تک تحقیق نہیں ہوا کہ یہ لوگ تعداد میں کے تھے غالب راے یہ ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھوان اونکا کُتّا تھا جو اُنکے ساتھ تھا۔

اُنکے نامون میں بھی بہت اختلاف ہے مگر وہ اختلاف زیادہ تر ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہونے اور الفاظ کے تلفظ کے اختلاف سے علاقہ رکھتا ہے اور کاتبون نے زیادہ تر تحریف کر دیا ہے بہرحال ہم اس مقام پر اُنکے نامون کو جسطرح کہ مختلف کتابوں میں لکھے ہیں لکھتے ہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تفسیر معالم التنزیل اور اس میں انکی تعداد ۹ لکھی ہے

مَکْسَلْمِیْنَا مُحَسَّلْمِیْنَا یَمْلِیْخَا مَرْطُوْنُسْ کَشْطُوْنُسْ دِیْرُوْنُسْ بَطِیُوْسْ۔ دَیُمُوْسْ قَالُوْسْ کَلْبُھُمْ قِطْمِیْرُ۔

تفسیر بیضاوی وکشاف وتفسیر کبیر وتفسیر مدارک

یَمْلِیْخَا مَکْشَلِیْنِیَا مَشْلِیْنِیَا مَرْنُوْشْ دَبَرْنُوْشْ شَاذُنُوْشْ وَالراعے کَلْبُھُمْ قِطْمِیْرُ۔

تاریخ کامل لابن اثیر

مَکْسَلْمِیْنَا تَمْلِیْخَا مَرْطُوْسْ نَیْرُوْنُسْ کَسْطُوْمُسْ دَیْنَمُوْسْ رَیْطُوْنَسْ قَالُوْسْ مُحَسَّلْمِیْنَا کلبھم قطمیر۔

معجم البلدان یاقوت حموی

یَمْلِیْخَا مَکْسَمْلِیْنَا مَشْلِیْنِیَا مَرْطُوْنُسْ دَبَرْیُوْسْ سَرَابِیُوْنْ اِفْسَتَیْطِیُوْسْ کَلْبُھُمْ قِطْمِیْرُ۔

تاریخ طبری

مَکْسَمْلِیْنَا مُحَسَّلْمِیْنَا یَمْنِیْخُ یَایَمْلِیْخَا مَرْطُوْسْ کُسُوْطُوْنُسْ بَیْرُوْنُسْ دِیْمُوْسْ بَطُوْنُسْ قَالُوْسْ۔

تاریخ احمد بن ابی یعقوب المعروف بالیعقوبی

مَکْسَلْمِیْنَا مَرَاطُوْسْ شَاہ نُوْنِیُوْشْ بَطَرْنُوْمُشْ ذُوْلَسْ یُوَانُسْ کَیْنُفَرْطُوْنِیُوْطُوْ مَلِیْخَا الراعی کَلْبُھُمْ قِطْمِیْرُ۔

کیورس متھس مؤلفہ بارنگ گولڈ

مَیکْسِی مِیْنْ مَالْکَسْ مَارْشِیْنْ ڈَائِیُوْنِی سَسْ جَان سِیْرَا پِیْنْ کَانِسْٹینْ ٹَائِنْ کلبھم کراٹیم یا کراٹیم +

پروردگار ہے آسمانون کا اور زمین کا

شہر جسمین اصحاب کہف رہتے تھے

اکثر مورخین و مفسرین کا قول ہے جو ہر طرح پر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جس شہر میں اصحاب کہف رہتے تھے اُسکا نام اُفسوس تھا یاقوت حموی نے اپنی کتاب معجم البلدان میں اُسکے اعراب کو بھی ضبط کیا ہے۔ مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی کتاب کیوریس متھیس میں اُس شہر کا نام ایفی سس لکھا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ عربی تاریخون میں یہی نام متغیر ہو کر اُفسوس ہو گیا ہے۔

لانگ مین گرین کمپنی نے ۱۸۷۰ء میں بمقام لندن قدیم رومیون کے زمانہ کا نقشہ جغرافیہ چھاپا ہے جس میں شہرون کے وہی قدیم نام ہیں جو اُس زمانہ میں تھے اُسمیں جو نقشہ ایشیا مینیر کا ہے اُسمیں ایفی سس شہر کا نام ہے ۲ درجہ ۵ دقیقہ عرض شمالی اور ۲۷ درجہ ۱۲ دقیقہ طول شرقی پر عین دریاے ایجین کے کنارہ پر ثبت ہے اُسکے قریب پہاڑ بھی واقع ہیں اور کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اُسی جگہ ایفی سس شہر تھا جس میں اصحاب کہف رہتے تھے۔

بعضون نے کہا ہے کہ اصحاب کہف کے شہر کا نام رقیم تھا اور بعضون نے کہا کہ اُس پہاڑ کی کھوہ کا نام تھا جس میں اصحاب کہف جا کر رہے تھے مگر یہ صحیح نہیں یاقوت حموی نے بھی لکھا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اہل روم کی سلطنت میں جو شہر اُفسوس تھا وہی شہر اصحاب کہف کا تھا محمد بن محمود القزوینی نے اپنی کتاب آثار البلاد و اخبار العباد میں اُفسوس ہی کو اصحاب کہف کا شہر قرار دیا ہے۔ شاید لوگون نے اس خیال سے کہ اصحاب کہف کے نام جست کی تختی پر کھود کر شہر میں رکھے گئے تھے اُس شہر کو اور بعضون نے اس خیال سے کہ اُس پہاڑ پر جسمیں وہ کھوہ تھی اُنکے نام کندہ ہوئے تھے اُس پہاڑ کو یا اُس کھوہ کو رقیم کے نام سے موسوم کر دیا ہو۔

اصحاب کہف کس زمانہ اور کس بادشاہ کی عہد میں تھے

ابو الفرج مالطیا ـ عیسائی مورخ نے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ آخر کو مسلمان ہو گیا تھا اپنی کتاب مختصر الدول میں لکھا ہے کہ اصحاب کہف ذوقیوس قیصر کے عہد میں تھے جو عیسائیون کا نہایت دشمن تھا اور اُنکو قتل کرتا تھا۔ تاریخ طبری میں اُس بادشاہ کا نام دقینوس لکھا ہے۔

لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا

تاریخ کامل ابن اثیر میں اُسکا نام دقیوس لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض آدمی اُسکا نام دقیانوس کہتے ہیں۔

ابوالفدا اسمٰعیل نے اپنی تاریخ میں بھی یہی نام بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ ۵۳۹ سنہ اسکندری میں بادشاہ ہوا تھا اور ۵۴۲ھ میں مرگیا ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ میں اُس بادشاہ کا نام داقیادس لکھا ہے اور مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی کتاب کیورس متھس میں اُس بادشاہ کا نام دی سس لکھا ہے۔

اسی مصنف نے لکھا ہے کہ روم میں وکٹورم کے عجائب خانہ میں گچ سے اصحاب کہف کی تصویریں بنی ہوئی ہیں اُن تصویروں سے بعضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ ۲۵۰ء میں دی سس بادشاہ کے عہد میں مارے گئے تھے۔

عموماً مسلمان مورخ اور مفسرین اُس بادشاہ کا نام جسکے عہد میں اصحاب کہف تھے دقیانوس لکھتے ہیں اور ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختلافات ایک زبان کے ناموں کو دوسری زبان میں تلفظ کرنے سے پیدا ہوئے ہیں اور سب کے ملانے سے یقین ہوتا ہے کہ وہ رومی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔

جو زمانہ کہ اصحاب کہف کا ابوالفدا نے بیان کیا ہے وہ قریباً صحیح و درست معلوم ہوتا ہے اسکندر تین سو چھتیس برس قبل حضرت مسیح کے تخت پر بیٹھا تھا اور اصحاب کہف پانسو چالیس سنہ سکندری میں تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۲۰۴ء میں تھے مسٹر بارنگ گولڈ نے انکا تخمینہ اندازے سے ۲۵۰ء قرار دیا ہے مگر جو بادشاہ کہ زمانہ سکندر سے دقیوس تک گذرے اُنکے زمانہ سلطنت میں بھی کسی قدر اختلاف ہے اور یہی ایک سبب ہے کہ اصحاب کہف کے زمانہ میں کسی قدر اختلاف پیدا ہوتا ہے مگر عام طور پر خیال کرنے سے جو زمانہ قرار دیا گیا ہے قریباً صحیح معلوم ہوتا ہے۔

بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ اصحاب کہف حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے بہت پیشتر تھے اور حضرت عیسیٰ نے انکی خبر دی تھی اور بعد حضرت عیسیٰ کے زمانہ فترت میں یعنی جبکہ

ہم نہیں پکارینگے اُسکے سوا کسی کو معبود

کوئی پیغمبر نہ تہا وہ زندہ ہوئے تھے یا اپنی نیند سے جو اخ الموت تہی اُٹھے تھے مگر اُسکی صحت کا انجیلوں یا حواریوں کے ناموں یا کسی معتبر یا مظنون طریقے سے کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا۔

اصحاب کہف کا مذہب

کچھ شبہہ نہیں ہو سکتا کہ اصحاب کہف عیسائی اور حضرت عیسیٰ کی اُمت میں سے تھے تمام کتابوں اور مختلف روایتوں سے یہی امر ثابت ہوتا ہے اور خود اُنکا واقعہ کہ ایک ظالم اور بت پرست بادشاہ کے خوف سے جو عیسائیوں کو قتل کرتا تھا جان اور ایمان بچا کر بھاگ گئے تھے اُنکے عیسائی ہونیکا کافی ثبوت ہے۔

البتہ جیسا اُنکا تقدس اور خدا پرستی تاریخوں اور تفسیروں میں لکھی ہے اور جسکی نسبت قرآن مجید سے بھی اشارہ پایا جاتا ہے اُسکی نسبت شبہہ ہو سکتا ہے کہ اگر وہ صلیب کو اور حضرت عیسیٰ کی تصویر کو پوجتے تھے اور کم سے کم یہ کہ تثلیث کے قائل تھے تو کیونکر اُنکو خدا پرست اور موحد مسلمان یا مومن خیال کیا جاسکتا ہے مگر انمیں سے کسی بات کا ثبوت نہیں ہے اُس زمانہ کے عیسائیوں میں عقائد مذہبی بہت کم قرار پائے تھے اور مجھکو عیسائی مذہب کی اکلزیاسٹیکل ہسٹری پر غور کرنے سے نہایت شبہہ ہے کہ جو عقائد بعد عیسائی ہو جانے قسطنطین کے رومی اور یونانی چرچ میں قایم ہو گئے وہی عقائد عام طور پر اُس زمانہ کے تمام عیسائیوں کے تھے۔

دقیوس ہی کے زمانہ کے قریب جس زمانہ میں اصحاب کہف کا ہونا تسلیم کیا گیا ہے ایک فرقہ تھا جسکا ابو الفرج عیسائی ملطیائی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ وہ اقانیم ثلاثہ باپ اور بیٹے اور روح القدس کو نہیں تسلیم کرتا تھا بلکہ وجود اور کلمہ اور حیات کو اقانیم ثلاثہ جانتا تھا اور کہتا تھا کہ ان اقانیم سے کوئی زیادتی ذات باری پر نہیں ہوتی بلکہ یہ صفات اعتباری ہیں کوئی شے اُنکا مسمی موجود فی الخارج نہیں ہے اور کہتا تھا کہ ذات باری موجود ہے لا بوجود و حکیم ہے لا بحکمۃ اور حی ہے لا بحیوۃ اور بنید دقلس کا بھی یہی مذہب تھا اسکے بعد مصنف مذکور لکہتا ہے کہ اسی مذہب کو ایک گروہ مسلمانوں نے جو صفات کے نفی کرنیوالے ہیں (یعنی صفات باری سے کچھ زیادتی ذات باری پر نہیں سمجھتے) اختیار کیا ہے۔

لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ⑭

اسی زمانہ کے قریب ایک فرقہ قولی الشیشاطی کا پیرو تھا جو کہتا تھا کہ تمام معلولات باری تعالیٰ کے ارادے ہیں اور اُسکا کوئی معلول ذاتی نہیں ہے اور اسی لئے وہ لم یلد ولم یولد ہے اور اس لئے مسیح نہ کلمۃ اللہ ہے اور نہ جسطرح کہ ظاہر مذہب عیسائی میں ہے وہ کواری سے پیدا ہوا ہے۔

پس جبکہ اُس زمانہ کے عقائد و مذہب کا یہ حال تھا تو ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اصحاب کہف تثلیث کے قائل تھے بلکہ مسلمانوں کو جو قرآن مجید کو برحق سمجھتے ہیں اس بات کے یقین کرنیکے لئے کہ اصحاب کہف عیسائی اور موحد خدا کو واحد اور حضرت عیسیٰ کو پیغمبر برحق مانتے تھے ثبوت کافی ہے۔ فھم کانوا مومنین مسلمین موحدین قائلین بان لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ۔

اسقدر بیان کرنے کے بعد ہمکو ضرور ہے کہ قرآن مجید کی اُن آیتوں کی جو اصحاب کہف کے قصہ سے متعلق ہیں تفسیر لکھیں مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم اصحاب کہف کا قصہ صحیح صحیح بلا تعرض آیات کے لکھدیں اور پھر آیات کی تفسیر بیان کریں۔ اس طریقہ کے اختیار کرنے سے اُمید ہے کہ آیات کی تفسیر بخوبی لوگوں کی سمجھ میں آئیگی۔

اصحاب کہف کا قصہ یعنی وہ واقعات جو اُن پر گزرے۔

مذکورہ بالا حالات سے ظاہر ہے کہ اصحاب کہف تاریخی اشخاص ہیں فرضی قرار دئے ہوئے نہیں ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ جو سیدھے سادے واقعی حالات اُنپر گذرے تھے اُنمیں بہت لغو اور بیہودہ اور خلاف قیاس باتیں اور عجائبات شامل کر لئے گئے ہیں اور یہ ایک معمولی بات ہے کہ نیک اور بزرگ لوگوں پر جو ظلم اور سختی ظالموں کے ہاتھ سے گزر جاتی ہے بعد کو اُنکی نسبت بہت سی زائد اور عجیب باتیں بڑھا دیجاتی ہیں اسی طرح اصحاب کہف پر جو حالات اور واقعات گذرے اُنکو بطور تعجب انگیز کہانی کے بنالیا ہے اور بے سروپا اور محض بیہودہ روایتیں مشہور ہوگئی ہیں ہمارا کام یہ ہے کہ اُن روایتوں میں سے جو قابل طمانیت ہیں اُنپر لحاظ کرکے صحیح قصہ اصحاب کہف کا اول بیان کریں اور پھر قرآن مجید کی آیتوں سے تطبیق دیکر دکھلائیں کہ کس قدر قصہ اُس میں کا قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اور مفسرین کو جو اُس قصہ کے بیان میں اور آیتوں کی تفسیر میں دھوکا ہوا ہے حتی المقدور اُسکو ظاہر کریں۔

اگر ہم ایسا کہیں تو بیشک اُسوقت جھوٹ کہیں گے (۱۳)

ابو الفرج مسیحی نے اپنی تاریخ مختصر دول میں اور اسمٰعیل ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ تھوڑے دنوں رومی قیصر عیسائی ہو گیا تھا اور عیسائیوں پر مہربانی کرتا تھا اُسپر دقیوس نے جسکو دقیانوس بھی کہتے ہیں اور جو بت پرست اور عیسائیون کا دشمن تھا چڑھائی کی اور ۵۳۹ سنہ سکندری میں اُسکو مار ڈالا اور خود بادشاہ ہوا اور عیسائیون کو قتل کرنا یا بت پرستی پر مجبور کرنا شروع کیا۔

اُسی کے عہد میں اصحاب کہف عیسوی مذہب پر تھے اُنکے عیسائی ہو جانیکی مختلف کہانیاں مشہور ہیں جنکی نسبت ہمکو بحث کرنا محض فضول معلوم ہوتا ہے وہ کسی طرح عیسائی ہوئے ہوں اس امر کا مسلم ہونا کہ وہ عیسائی تھے اُنکے اصلی واقعات کے بتانیکو کافی ہے۔

تمام روایتیں اور تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ اُس ظالم بادشاہ نے اُن لوگوں کو جو تعداد میں اُسوقت چھہ تھے بلایا اور مذہب عیسوی چھوڑنے اور بت پرستی کرنیکو کہا مگر اُن سب نے انکار کیا اُسپر بادشاہ نے اُنکو مہلت دی اور اُس مہلت میں وہ شہر سے بھاگے اور ایک چرواہا معہ کُتے کے اُنکے ساتھ ہو لیا اور وہ سب ایک پہاڑ کی کھوہ میں جو شہر افسوس سے کچھ فاصلہ پر تھے جا کر چھپ رہے۔

یہانتک روایتوں میں چنداں اختلاف نہیں ہے لیکن اِسکے بعد کے واقعات میں اختلاف شروع ہوتا ہے یعنی پہاڑ کی کھوہ میں چھپنے کے بعد اُنہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو شہر بھیجا کہ چپکے سے کھانا خرید لاوے اکثر مورخین اور اہل تفاسیر نے لکھا ہے کہ وہ لوگ پہاڑ کی کھوہ میں جا کر سو رہے اور زمانہ دراز تین سو یا تین سو نو برس سونے کے بعد جب اُٹھے تو اُنہوں نے ایک شخص کو کھانا خریدنے کو شہر میں بھیجا بعض مورخین نے پہلی دفعہ اُسی دن جب وہ کھوہ میں گئے ایک شخص کو کھانا خریدنیکو بھیجنا اور پھر دوسری دفعہ کئی سو برس سو کر اُٹھنے کے بعد ایک شخص کا بھیجنا لکھا ہے جو محض غلط ہے اور صرف بنایا ہوا قصہ ہے اُنکے پہاڑ کی کھوہ میں سوتے ہونیکے خیال سے یہ قصہ گڑھ لیا گیا ہے مگر اصلیت اِسکی جیسے کہ محققانہ نظر سے پائی جاتی ہے صرف اسقدر ہے۔

کہ وہ لوگ رات کے وقت شہر سے بھاگے تھے جیسے کہ قزوینی نے لکھا ہے کہ "اُنہوں نے رات کو بھاگنے کا قصد کیا جب رات کا اندھیرا ہو گیا تو ہر ایک شخص اپنے گھر سے کچھ مال لیکر چل کھڑا ہوا"

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً

صبح ہوتے وقت وہ لوگ پہاڑ کی کھوہ پر پہونچے جیساکہ قزوینی نے بھی لکھا ہے پس وہ کھوہ میں گئے رات کے جاگے رستہ چلے تھکے ہوئے تھے کھوہ میں جہان بالکل اندھیرا تھا سو رہے کچھ شبہہ نہین ہوسکتا کہ دو تین پہر سونیکے بعد وہ اٹھے اور آپس میں پوچھنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے کسی نے کہا دن بھر کسی نے کہا کچھ کم کیونکہ کھوہ کی اندھیری میں وہ دن کا اندازہ ٹھیک نہین کرسکتے تھے۔

جب وہ اُٹھے تو اُنھون نے اپنے ساتھیون میں سے ایک شخص کو کھانا لانے کو بھیجا قزوینی نے صاف لکھا ہے کہ جسدن وہ کھوہ میں گئے اُسی دن اُنھون نے کھانا لینے کو بھیجا تھا تفسیر معالم التنزیل مین بھی محمد بن اسحاق کی روایت سے لکھا ہے کہ جب وہ کھوہ میں گئے تو تملیخا اُنکے لئے شہر سے کھانا خرید لایا کرتا تھا اور چند روز تک جسکی تعداد نہیں بیان کی مگر معلوم ہوتا ہے کہ دو تین روز تک یعنی دقیانوس کے دوبارہ شہر میں آنے تک اسی طرح خرید کر لاتا رہا۔

جب وہ بادشاہ جو انکو مہلت دیکر شہر سے باہر چلا گیا تھا پھر شہر میں آیا جیساکہ قزوینی نے بالتصریح بیان کیا ہے تو اُسکو معلوم ہوا کہ وہ لوگ شہر سے بھاگ گئے ہیں اُسنے انکی تلاش شروع کی اور پہاڑ کھوہ میں اُنکا پتا لگا اور اُس نے پہاڑ کی کھوہ کا مُنہہ بند کروا دیا تاکہ اُسی میں بھوکے پیاسے مر رہیں تفسیر معالم التنزیل میں محمد بن اسحاق کی روایت میں بھی بالتصریح یہ امر مذکور ہے۔

اس میں کچھ شک نہین ہے کہ پہاڑ کی کھوہ کا مونہہ بند ہونیکے بعد وہ وہیں بند ہوگئے اور وہیں مر کر رہ گئے اگرچہ بعض مورخون اور مفسرون نے لکھا ہے کہ کھوہ میں پڑے سوتے ہیں یعنی مرے نہیں ہیں اور معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ خدا نے انکی روحون کو وفات دی جسطرح سونے میں روحوں کو وفات دیتا ہے مگر اگلے بیان سے اور ان روایتون سے جو بیان ہونگی صاف ثابت ہوگا کہ درحقیقت وہ مر گئے تھے۔

اکثر مورخین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس واقعہ پر ایک زمانہ گذرنیکے بعد اُس کھوہ کا مُنہہ کھولا گیا اور اصحاب کہف کا اُس کھوہ میں ہونا معلوم ہوا اور شہر میں اُسکا چرچا ہوگیا اور بادشاہ اور شہر کے تمام لوگ اُس کھوہ میں اُنکے دیکھنے کو گئے۔

ہماری اِس قوم نے اختیار کیے ہیں اُسکے (یعنی خدا کے) سوا اور معبود

ابوالفرج مسیحی کی تاریخ کے بموجب یہ زمانہ سادوزدسیوس قیصر الصغیر کی سلطنت کا تھا اور اصحاب کہف کے کھوہ میں جا چھپنے کے دو سو چالیس برس بعد وہ ظاہر ہوئے تھے۔

ابوالفدا اسمٰعیل بھی اسی بادشاہ کے زمانہ میں اصحاب کہف کا متنبہ ہونا لکھتا ہے۔ یہ بادشاہ ۳۲۵ء سکندری میں بادشاہ ہوا تھا اور ۵۵۰ء سکندری میں فوت ہوا۔ اِس سبب سے کہ بموجب ابوالفدا کے دقیوس جسکے زمانہ میں اصحاب کہف تھے ۵۴۰ء سکندری میں تھے زمانہ ظاہر ہونے اصحاب کہف کا دو سو برس کے قریب ہوتا ہے نہ دو سو پچاس برس جیسا کہ ابوالفرج نے بیان کیا ہے۔

تاریخ یعقوبی میں اُس بادشاہ کا نام دسیوس لکھا ہے اور صاف لکھا ہے کہ اُسکے زمانہ میں اصحاب کہف جو مر گئے تھے زمانہ طویل کے بعد ظاہر ہوئے۔ اُس میں مطلق اس بات کا اشارہ نہیں ہے کہ وہ سوتے تھے اور اُسکے زمانہ میں جاگے یا مرے ہوئے تھے اور زندہ ہوئے بلکہ صاف لکھا ہے کہ ظاہر ہوئے یعنی اُس کھوہ میں اُنکا ہونا معلوم ہوا۔

علاوہ اِسکے جتنی روایتیں ہیں سب سے یہی امر ماخوذ ہوتا ہے کہ درحقیقت اصحاب کہف جب معلوم ہوئے تو وہ مرے ہوئے تھے اور مرے ہوئے رہے۔

بعض تفسیر کی کتابوں میں جیسے تفسیر کبیر و مدارک و بیضاوی میں یہہ لکھا ہے کہ جب بادشاہ اور لوگ اُنکو دیکھنے اور اُن سے ملنے کو گئے تو وہ زندہ ملے بادشاہ کو دعا بھی دی اور پھر فی الفور مر گئے۔

اِس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکا زندہ ملنا اور بادشاہ کو دعا دینا سب ایک کہانی ہے ورنہ درحقیقت وہ مرے ہوئے تھے اور طبری اور کامل ابن اثیر اگرچہ اِس بات کے قائل ہیں کہ وہ زندہ ہوئے مگر جو روایتیں بیان کی ہیں اُن سے صاف پایا جاتا ہے کہ کسی شخص نے جو اُنکے دیکھنے کو گئے تھے اُنکو زندہ نہیں دیکھا۔

طبری کی ایک روایت میں ہے کہ وہ زندہ ہو گئے تھے مگر جب لوگ اُنکے دیکھنے کو کہف کے قریب پہونچے تو خدا نے اُنکو پھر مردہ کر دیا یا پھر سلا دیا اور لوگ اندر جانے سے ڈر گئے اور اندر نہ جا سکے دوسری روایت میں طبری نے لکھا ہے کہ بادشاہ اور لوگ کھوہ میں گئے تو دیکھا کہ صرف اُنکے جسم ہیں

لَوۡلَا یَاۡتُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ

جو کسی طرح بگڑے نہ تھے مگر اُنمیں ارواح نہ تھی۔
کامل ابن اثیر مین ایک اور بات زیادہ لکھی ہے کہ وہ زندہ تو ہوگئے تھے مگر انہون نے دعا مانگی کہ خدا اُنکو مار ڈالے اور جو لوگ اُنکو دیکھنے آئے ہیں اُنمیں سے کوئی اُنکو نہ دیکھے پس وہ فی الفور مر گئے اور یہ تمام روایتین اس بات کی مثبت ہیں کہ وہ زندہ نہ تھے اور نہ کسی نے اُنکو زندہ دیکھا اصل یہ ہے کہ جب لاشین ایسے مقام پر ہوتی ہیں جہان ہوا کا صدمہ نہیں پہونچتا اور لاشین اُسی طرح رکھے رکھے راکھ ہو جاتی ہیں تو وہ سوراخ میں سے ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا پورے مجسم اجسام بلا کسی نقص کے رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح لوگون نے اُنکو دیکھا اور جانا کہ پوری مجسم بلا کسی نقصان کے لاشین رکھی ہیں یا وہ لوگ سو رہے ہیں۔

۱۸۴۲ء یا ۱۸۴۳ء میں دہلی میں اسی قسم کا ایک واقعہ گذرا تھا جہان حضرت نظام الدین کی درگاہ ہے وہان بہت پرانا قبرستان ہی۔ ایک اونچی جگہہ پر ایک چبوترہ تہا اور اُسکے اوپر تین قبرون کے نشان تھے۔ اتفاق سے اُس چبوترہ کی ایک طرف کی دیوار میں سے کچھ پتھر گر پڑے اور چھید ہو گیا کہ اندر سے قبر دکھائی دینے لگی لوگون نے اُس چھید میں سے جہانکا تو اُنکو معلوم ہوا کہ قبر بہت بڑی مثل ایک مربع کوٹھری کے ہے اور تین لاشین بالکل سفید کفن پہنے ہوئے مجسم بلا کسی نقصان کے اُسمیں رکھی ہوئی ہیں۔ اسکا چرچا ہوا اور بہت آدمی اُنکے دیکھنے کو گئے اور سب نے یہی بات بیان کی۔ میرے مخدوم دوست مولوی امام بخش صاحب صہبائی مرحوم کو اس قسم کی باتون کے دریافت کا بہت شوق تہا وہ خود اُن لاشون کے دیکھنے کو گئے۔ اول انہون نے جہانک کر دیکھا تو اُنکو بھی اسی طرح مجسم اور مسلم لاشیں معلوم ہوئیں۔ اُنکو تعجب ہوا۔ اُنہون نے دیوار کے دو ایک پتھر اور نکال ڈالے اور اندر گھسے۔ ایک عجیب بات تو یہ دیکھی کہ قبر ایک مربع کوٹھری کے برابر بنی ہوئی تھی اور تین لاشین اُس میں رکھی ہوئی تہیں۔ مگر سب بوسیدہ اور راکھ کے طور پر ہو گئی تہیں۔ لیکن چونکہ ہوا کا صدمہ کچھ نہ تھا تو جہان اُنکے ہاتھ رکھے ہوئے تھے وہیں اُنکے ہاتھ کی راکھ تھی اور جہان سر رکھا تہا وہیں سر کی راکھ تھی۔ جہان پاؤن رکھا ہوا تھا وہیں پاؤن کی راکھ تھی۔ اور سب کے نشان معلوم ہوتے تھے

کیوں نہیں لاتے اُسپر کوئی دلیل کھلی ہوئی

وہ لاشیں کاٹھ کے تخت پر رکھی گئی تھیں وہ تخت بھی بوسیدہ ہوکر اور گل کر زمین کے برابر ہوگیا تھا مگر اُسکے نشان بھی راکھ میں جدا محسوس ہوتے تھے۔ اُنھوں نے اُنگلی سے چھوا تو معلوم ہوا کہ بالکل راکھ ہے اور ہڈیوں اور راکھ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مگر جب سوراخ میں سے دیکھا جاتا تھا تو وہ تمام نقش جو راکھ میں قایم تھے بالکل مجسم اور مسلم لاشیں معلوم ہوتی تہیں۔ تم خیال کرو کہ اگر ہم ایک تصویر کو ایک صندوق میں رکھدیں اور ایسی حکمت کریں کہ کسی قدر شعاع آفتاب کی اُسمیں پہونچے اور اُسکے پہلو میں ایک چھید کرکے اُسکو دیکھیں تو وہ تصویر بالکل مجسم معلوم ہوگی۔ پس اس طرح سے اس قسم کی پرانی لاشیں جو کسی پہاڑ کے نل میں سے دیکھی جاتی ہیں تو وہ مسلم معلوم ہوتی ہیں اسی طرح اصحاب کہف کی لاشوں کے دیکھنے والوں کو وہ لاشیں مجسم معلوم ہوئی ہونگی کیورس متھس کے مصنف نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ایک بڑے پتھر کے بکس میں بند کرکے مارسلیس کو بھیجی گئیں جو اب بھی سائنٹ وکٹر کے گرجا میں دکھائی جاتی ہیں۔ اسکی تصدیق تاریخ طبری سے بھی ہوتی ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ قتادہ نے روایت کی ہے کہ جب ابن عباس حبیب بن مسلمہ کے ساتھ جہاد پر گئے تو وہ کہف پر گذرے اور اُس میں کچھ ہڈیاں تھیں۔ ایک شخص نے کہا کہ یہہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ انکی ہڈیاں تو تین سو برس سے زیادہ ہوا کہ یہاں نہیں رہیں۔

بہر حال جب اُس ظالم بادشاہ نے اُس کہوہ کا مُنہہ بند کرا دیا تو یہہ بیچارے اُس میں بند ہوگئے اور مر گئے ایک زمانۂ دراز کے بعد خواہ وہ زمانہ دو سو برس کا ہو یا ڈہائی سو برس کا یا تین سو برس کا یا تین سو نو برس کا کسی شخص نے اُس کہوہ کے مُنہہ کو کھولا جیسا کہ اکثر روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس میں بھی کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ اُن لوگوں کے پاس جو کہوہ میں گئے تھے اُس زمانہ کے سکہ کے روپے موجود تھے اور جس شخص نے اُس کا مونہہ کھولا تھا اُس نے وہ روپے پائے ہونگے اور جب بازار میں لیکیا لوگوں نے چرچا کیا ہوگا کہ اُسنے خزانہ پایا ہے حاکم تک اُسکو پکڑ کر لے گئے ہونگے اور اُسنے تمام قصہ پہاڑ کی کہوہ میں لاشوں کے ہونیکا اور وہاں سے روپیہ ملنے کا بیان کیا ہوگا اور پھر وہاں کے حاکم

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۴﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۵﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا

اور شہر کے لوگ اُنکے دیکھنے کو آئے اور جاناکہ یہ اُن لوگون کی لاشین ہیں جو دقیوس قیصر کے ظلم سے بھاگ گئے تھے
راویون اور لوگون نے اِس اصلی واقعہ کو اسطرح پر بنالیا کہ اصحاب کہف کئی سو برس بعد سوتے سے
اُٹھے یا مردہ سے زندہ ہو گئے اور انہیں میں کا ایک شخص روپیہ لیکر بازار میں آیا اور چرچا ہوا اور سب لوگ
پہاڑ کی کھوہ پر گئے۔ پھر کسی نے کہا وہ زندہ تھے ایک آدہ بات کہہ کر مر گئے کسی نے کہا کہ مسلم بغیر کسی
نقصان کے لاشین تھین مگر اُس میں ارواح نہ تھی۔ ایسے واقعات میں اِس قسم کی افواہیں اُڑا کرتی ہیں
اور رفتہ رفتہ روایتیں بنجاتی ہیں اور کتابوں میں لکھی جاتی ہیں اور مذہبی لگاؤ سے لوگ اُسکو مقدس سمجھتے
ہیں اور معجزہ اور کرامات قرار دیتے ہیں۔

قرآن مجید میں جسقدر اِس قصہ کا بیان آیا ہے وہ بالکل سیدہا اور صاف ہے بلکہ خدا نے اُس
قصہ کو اسی مقصد سے بیان کیا ہے کہ جو غلط باتین اور عجائبات اُس قصہ کے ساتھ مشہور تھے اُنکی غلطی
ظاہر ہو یا اُنکی تکذیب کیجاوے اور بتادیا جاوے کہ اصل واقعہ کیا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ مفسرین نے جنکے کان انہی پرانی افواہی روایتون سے بھرے ہوئے تھے اور عیسائی
بھی اور اُنکے سوا عرب اور ایشیا کے لوگ بھی اُس قصہ کو عجائبات یا کرامت اور معجزات کے طور پر بیان کرتے تھے
قرآن مجید کی آیتون کی بھی وہی تفسیر کی جس سے خود خدا انکار کرتا تھا۔ فمثلھم کمثل الذی فسّر

پھر کون ہے زیادہ ظالم اُس شخص سے کہ بہتان باندہ لے اللہ پر جھوٹا ⑭ اور جب تم اُنسے الگ ہو جاؤ اور اُس سے جسکی سوای خدا کو وہ عبادت کرتے ہیں تو چل رہو پہاڑ کی کھوہ میں تاکہ پھیلا وے تمہارے لئے تمہارا پروردگار اپنی رحمت کو اور مہیا کرے تمہارے لئے تمہارے کاموں میں آسانی کو ⑮ اور تو دیکھے آفتاب کو جبکہ وہ طلوع کرے جھکتا ہے اُنکے کہف سے داہنی طرف اور جب غروب کرے تو اُن سے کترا جاتا ہی بائیں طرف اور وہ کشادہ جگہہ میں ہیں کہف کی یہ ہی اللہ کی نشانیوں میں سی جسکو ہدایت کرے اللہ پھر وہی ہی ہدایت پانیوالا اور جسکو گمراہ کرے اللہ پھر ہرگز نہ پاویگا تو اُسکے لئے دوست

القول بما لا یرضی قائلہ۔

تمام مفسرین کی سواے معتزلہ کے یہ عادت ہے کہ اپنی تفسیروں میں محض بے سند اور واہی روایتوں کو بلا تحقیق لکھتے چلے جاتے ہیں اور ذرا بھی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ علاوہ اس کے اونہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہر ایک سیدہی سادی بات کو بھی ایک حیرت انگیز طریقہ پر اور عجائبات و کرامات کے نمونہ پر بیان کریں۔ اُسی عادت کے موافق اصحاب کہف کے قصہ میں بھی عجیب و غریب باتیں ملا دی ہیں مگر قرآن مجید اُن سب کو غلط بتاتا ہے۔

اب ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی اُن آیتوں کی جو اصحاب کہف کے قصہ سے متعلق ہیں تفسیر لکھیں اور دکھلائیں کہ قرآن مجید میں اُنکا قصہ کسقدر اور کسطرح بیان ہوا ہے اور مفسرین اُن آیتوں کی تفسیر میں کیسے دہوکے میں پڑ گئے ہیں واللہ المستعان۔

یہ آیتیں جنکی ہم تفسیر لکھنی چاہتے ہیں نہایت صاف ہیں اول تو خداے تعالی نے اصحاب کہف کے با ایمان ہونیکا ذکر کیا ہے اور ان لفظوں سے کہ ہم نے اُنکو زیادہ ہدایت کی تہی اور مضبوط کر دیا تھا اُنکے دلوں کو اُنمیں اس واقعہ کا بیان ہے جبکہ ایک جابر اور بت پرست بادشاہ نے اُنکو بلایا اور وہ اُسکے سامنے کہڑے ہوے اور اُس نے بت پرستی پر مجبور کیا اور وہ اپنے مذہب پر مستقل رہے اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ہم نہیں پکارنے اُسکے سوا کسی کو معبود۔ اسکے بعد

مُّرْشِدًا ﴿۱۶﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۷﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ

اس بات کا ذکر ہے کہ وہ اُن مشرکین سے الگ ہوکر ایک پہاڑ کی کھو میں جا چھپے۔

(۱۶) اس آیت میں خدا ے تعالی نے اُس کھوہ یعنی کہف کا حال بتایا ہے جس میں اصحاب کہف جاکر چھپے تھے کہ جب آفتاب طلوع کرتا ہے تو کھوہ کی واہین طرف مائل ہوتا ہے اور جب غروب کرتا ہے تو اُسکو کاٹتا ہوا بائین طرف جاتا ہے اور اُس کھوہ یعنی کہف کی چوڑی جگہہ میں اصحاب کہف جا کر رہے۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کہف یعنی پہاڑ کی کھو میں بالکل اندھیرا رہتا تھا اور اُس کہف کا مونھہ شمال کی جانب تھا۔ اور لوگون نے بھی اُسکے مونھہ کو جانب بنات النعش کہا ہے جو آسمان پر جانب شمال چند کواکب ہیں پس اگر کوئی شخص اپنا منھہ شمال کی جانب کرکے کھڑا ہو تو مشرق واہین ہاتھ کی طرف ہوگی اور مغرب بائین ہاتھ کی طرف اور سورج جو مشرق سے نکلے گا اُسکو کاٹتا ہوا بائین ہاتھ کی طرف غروب ہو جاویگا۔

پہاڑمیں جو اِس قسم کی کھوہ ہوتی ہے وہ دور تک لمبی اور تنگ چلی جاتی ہے اور کسی مقام پر چوڑی ہو جاتی ہے اُسی چوڑی جگہہ پر خدا نے فرمایا ہے کہ "وھم فی فجوۃ منه یعنی اصحاب کہف اُس کھوہ کی چوڑی جگہہ میں تھے۔

اُسکے بعد خدا فرماتا ہو کہ یہ ہو اللہ کی نشانیوں میں سے جسکو خدا ہدایت کرے وہی ہدایت پانیوالا ہو اور جسکو گمراہ کرے پھر تو اُسکا کوئی دوست راہ بتانیوالا نہیں پاویگا۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ خدا تعالی نے اصحاب کہف کو یا اُس پہاڑ کی کھوہ کو یا اصحاب کہف کے وہان جاکر رہنے کو اللہ کی نشانیون میں سے قرار دیا ہے تو یہ محض غلطی ہوگی کیونکہ اُسکے آگے جو الفاظ ہیں کہ من یھد اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجد له ولیا مرشدا۔ وہ صاف بتلاتے ہیں کہ اصحاب کہف جو اپنے ایمان پر اور خدا

راہ بتانیوالا (۱۶) اور تو گمان کرے انکو جاگتا ہوا اور وہ سوتے ہیں اور ہم انکو بدلدیتے ہیں داہنی کروٹ اور بائیں کروٹ پر اور انکا کتا اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے کھوہ کے دہانہ پر اگر تو جھانک کر انکو دیکھتا تو الٹا پھر کر انسے بھاگتا البتہ چھا جاتا تجھپر انسے رعب (۱۷) اور اسی طرح ہمنے انکو اٹھایا (یعنی جگایا)

پرستی پر مستحکم رہے اور خدا نے نہایت سختی اور جبر میں بھی جو بت پرست بادشاہ کی طرف سے بتوں کے پوجنے پر ہوتے تھے انکے دلونکو مضبوط رکھا اسکی نسبت خدا نے فرمایا ذٰلک من ایات اللہ۔

(۱۷) اس آیت میں خدا تعالیٰ اصحاب کہف کی حالت بیان کرتا ہے کہ تو انکو (یعنی اگر دیکھے تو) گمان کرے کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں اور ہم انکو داہنی کروٹ اور بائیں کروٹ پر بدل دیتے ہیں اور انکا کتا کھوہ کے دہانہ پر ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اس سے پہلے اصحاب کہف کا پہاڑ کی کھوہ میں جانا بیان کیا ہے اسکے بعد اس کھوہ کی حالت بیان کی ہے اور اب اصحاب کہف کی حالت بیان فرمائی ہے۔ پس یہ حالت اسی وقت کی ہو جبکہ اصحاب کہف کھوہ میں گئے تھے نہ زمانہ موجودہ کی یا اسکے کسی زمانہ ممتد کے بعد کی تحسبھم ایقاظا کی نسبت مفسروں نے بہت سی بے اصل باتیں لکھی ہیں الا قرآن مجید سے جو اسکی وجہ پائی جاتی ہے وہ صرف خدا کا یہ فرمانا ہے کہ نقلبھم ذات الیمین وذات الشمال اور یہی بات سچ ہے وہ پتھریلی کھوہ میں جاکر سوئے تھے اور اس کے سبب سے گھڑی گھڑی کروٹیں بدلتے ہونگے اور انکی اس تکلیف کو خدا نے اسطرح پر ظاہر فرمایا ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ اس وحشت اور خوفناک حالت کو جس میں اصحاب کہف پہاڑ کی کھوہ میں جاکر چھپنے سے مبتلا ہوئے تھے بتاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر تو انکو دیکھتا تو انسے الٹا بھاگتا اور تجھپر انسے رعب چھا جاتا۔ مفسرین نے اس آیت کی نسبت بھی بہت سی افواہی اور بے سند روایتیں لکھی ہیں اور انکی اس حالت کو زمانہ ممتد ما بعد کی حالت قرار دیا ہے حالانکہ جسطرح خدا تعالیٰ نے اصحاب کہف کی اسوقت کی حالت کو جب وہ پہاڑ کی کھوہ میں گئے تھے بیان کیا ہے اسی طرح اسی وقت کی انکی

لِيَتَسَآءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوٓا أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِۦٓ إِلَى ٱلْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَآ أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٨﴾ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِى مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوٓا إِذًا أَبَدًا ﴿١٩﴾ وَكَذَٰلِكَ

وحشت انگیز حالت کو ظاہر فرمایا ہے۔

قرآن مجید کا سیاق کلام یہی ہے کہ جب کسی گذشتہ واقعہ پر متنبہ کرنا یا توجہ دلانا چاہتا ہے تو گذشتہ واقعہ کو موجود قرار دیکر خطاب کے لفظوں سے مخاطب کرتا ہے جیسے "الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل"۔

پہاڑ کی کھوہ فی نفسہ ایک وحشت ناک جگہ ہوتی ہے ۱۸۷۰ء میں جبکہ میں لندن میں تھا تو ایک دوست سے ملنے برسٹل میں گیا جو ایک خوبصورت شہر ہے اُسکے قریب سمندر کی کھاڑی کے کنارے پر ایک چھوٹا سا پہاڑ کا ٹیلہ ہے اسمیں ایک کھوہ ہے جس میں کسی اگلے زمانہ میں کوئی ہرمٹ یعنی عیسائی درویش رہتا تھا میں اُس کھوہ کو دیکھنے گیا غالباً وہ کچھ بہت بڑی نہتی کئی سو فٹ کی لمبی ہوگی مگر ایسی تنگ و تاریک تھی کہ کوئی چیز یہانتک کہ پاس کا آدمی بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جو شخص اُسکے دکھانیکو ہمارے ساتھ تھا مہربانی سے روشنی لایا کہ ہم روشنی کے ذریعہ سے اسمیں جاویں۔ قریباً نصف راستہ ہمنے طے کیا ہوگا کہ اِس زور سے اور عجیب نفرت انگیز آواز سے ہوا آنی شروع ہوئی جسنے ہمکو پریشان کردیا اور جو روشنی ہمارے ساتھ تھی وہ گل ہوگئی ہم آگے نہ گئے اور واپس چلے آئے معلوم ہوا کہ اُس کھوہ میں سمندر کی جانب کوئی سوراخ یا موکھا ہے اسمیں سے یہ شدید ہوا آتی تہی جو شخص ہمارے ساتھ تہا اُسنے بیان کیا کہ تہوڑی دور آگے قریباً دو ڈہائی گز چوڑی ایک جگہ ہو اسمیں ہرمٹ رہتا تہا میں سمجھتا ہوں کہ اسی قسم کی جگہ پر سورہ کہف میں خدا تعالیٰ نے "وھم فی فجوۃ منہ" کا اطلاق کیا ہے

تاکہ وہ آپس میں پوچھیں اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی دیر تک رہے
(یعنی سوتے ہوئے) اُنہوں نے کہا کہ ہم رہے (یعنی سوتے ہوئے) ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم اُنہوں نے
کہا کہ تمہارا خدا خوب جانتا ہے جتنی دیر تم رہے (یعنی سوتے ہوئے) پہر بہیجو اپنے میں سے ایک کو اپنے
پاس سے چاندی کا یہ سکہ دیکر شہر کو تاکہ دیکہے کونسا اچہا کہانا ملتا ہے پہر تمکو لا دے کہانا اُسمیں سے
اور جلد چلا آوے اور نہ خبر کرے تمہاری کسیکو (۱۸) بیشک وہ اگر چڑہ آوینگے تم پر تو پتہر مار کر
مار ڈالیں گے تمکو یا پہیر لیں گے تمکو اپنے مذہب میں اور پہر ہرگز نہ فلاح پاؤ گے تم اُسوقت کبہی (۱۹) اور اسیطرح

(۱۸) و (۱۹) یہانتک صرف اسقدر بات قرآن مجید سے پائی گئی کہ اصحاب کہف اُس بت پرست
بادشاہ کے خوف سے بہاگے اور پریشانی کی حالت میں ایک وحشت انگیز جگہہ میں جو پہاڑ کی تنگ و تاریک
کہوہ تہی جا کر چہپے اور وہاں سو رہے پہر خدا نے اُنکو جگایا یعنی وہ جاگے چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہے ""اور
اسی طرح ہمنے اُنکو اُٹہایا تاکہ وہ آپس میں پوچہیں۔ اُنمیں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنا سوئے اُنہوں
نے کہا ایک دن سوئے یا ایک دن سے کچھ کم وہ بولے کہ تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم کتنا سوئے""
پہاڑ کی کہوہ جس میں وہ جا کر چہپے تہے نہایت اندہیری تہی سورج کی روشنی اُس میں نہیں پہونچتی تہی یہ
ایک معمولی بات تہی کہ جب وہ سو کر اُٹہے تو پوچہا کہ کسقدر سوئے اُس اندہیری کہوہ میں کسی نے کہا دن بہر
یا کچھ کم سوئے چونکہ وہ لوگ بسبب اندہیری کے ٹہیک انداز نہیں کر سکتے تہے اُنہوں نے کہا خدا معلوم کتنا
سوئے۔

یہ اُنکا سونا اور جاگنا پہاڑ کی کہوہ میں چہپنے کے بعد ایک معمولی زمانہ تک سو کر جاگنا تہا اور کوئی عجیب بات
اسمیں نہ تہی اور نہ قرآن میں اس مقام پر یعنی اس قصہ میں جسکی نسبت خدا نے کہا "نحن نقص علیک نباءھم
بالحق" کوئی اشارہ اس بات کا ہے کہ اُنکا سوتے رہنا زمانہ طویل غیر عادی اور غیر قیاسی اور غیر طبعی تک ہوتا
بلکہ تمام سیاق سے پایا جاتا ہے کہ وہ کہوہ میں چہپے وہاں سو رہے اور معمولی قاعدہ پر اُٹہے آپس میں پوچہنے لگے

اعثرنا عليهم ليعلموا ان وعد الله حق وان الساعة لا ريب فيها اذ يتنازعون بينهم امرهم فقالوا ابنوا عليهم بنيانا ربهم اعلم بهم قال الذين غلبوا على امرهم لنتخذن عليهم مسجدا ﴿۲۰﴾ سيقولون

کہ کتنا سوئے۔

بعض مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ جبکہ اُنکے اوٹھنے کی علت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آپس میں سوال کریں کہ کتنا سوئے تو زمانہ نوم میں ضرور کوئی ندرت ہوگی اور اُس ندرت کو نوم زمانہ طویل قرار دیا ہے مگر یہ اُنکی محض غلطی ہے ایک امر کے بعد دوسرے امر کو جو اُسکے متصل واقع ہوا ہو۔ لام کے ساتھ بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا امر اُسکی علت ہو قرآن مجید کا سیاق کلام ایسا ہی ہے کہ ایک واقعہ کے بعد جو دوسرا واقعہ ہوتا ہے اُسکو لام کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جس سے محض تعقیب مراد ہے نہ علت چنانچہ قرآن مجید میں بہت جگہہ جہاں لام آیا ہے وہ ہرگز اپنے ماقبل کی علت نہیں ہے اسی سورہ میں خدا نے فرمایا ہے "ثم بعثناهم لنعلم اي الحزبين احصى لما لبثوا" پس خدا کا علم اُنکے زمانہ نوم کی نسبت اُنکے اُٹھنے کا معلول نہ تھا۔ اِسکے سوا اور بہت سے مقام قرآن مجید میں اس سے زیادہ صاف طور پر آئے ہیں جہاں خدا نے فرمایا ہے "وما جعلنا القبلة التي كنت عليها الا لنعلم من يتبع الرسول" اور جہاں فرمایا ہے "وما كان له عليهم من سلطان الا لنعلم من يؤمن بالاخرة" اور جہاں فرمایا ہے "فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوا وحزنا" پس جبکہ اُنکے جگانے کی علت اُنکا باہم سوال کرنا نہ تھا جو دلیل ندرت زمانہ نوم کی اُن مفسرین نے سمجھی تھی گو وہ کیسی ہی لغو اور مہمل تھی مگر وہ باطل ہو جاتی ہے۔ یہ امر بھی انسانوں میں بہت واقع ہوتا ہے کہ سو کر اُٹھنے کے بعد پوچھتے ہیں کہ کتنا سوئے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ اُنکے جاگنے کی علت سونے کی مدت کا سوال کرنا تھی۔

اصل یہ ہے کہ مفسرین اور روایت گھڑنے والوں کو اس وجہ سے غلطی پڑی ہے کہ ابتدا میں یعنی جس مقام پر خدا نے لوگوں کی غلط افواہ اور غلط تعجب کا ذکر کرتے وقت انکا قول نقل کیا تھا کہ "فضربنا على اذانهم في الكهف سنين عددا ثم بعثناهم" اور سنین عددا سے زمانہ ممتد مقصود تھا اُسی پر انھوں نے سمجھ لیا کہ کئی سو برس سونیکے بعد اُٹھے ہونگے حالانکہ اِس واقعی اور صحیح قصہ میں خداتعالیٰ نے اونکا سونا اور پھر جاگنا سلسل

خبردار کر دیا ہمنے اُن پر لوگونکو تاکہ وہ (یعنی اصحاب کہف) جانیں کہ بیشک وعدہ اللہ کا حق
ہے اور قیامت آنیوالی ہے نہیں کچھ شک اُسمیں جبکہ وہ لوگ جھگڑتے تھے آپس میں اپنے کام میں تو انہوں نے
کہا کہ بنا دیں ہم اُنپر کوئی مکان (یعنی مقبرہ) اُنکا خدا اُنکے حال کو بخوبی جانتا ہے کہا اُن
لوگوں نے جو غالب تھے اپنے کام پر البتہ بنا دینگے ہم اُنپر ایک مسجد (۲۰) ایک گروہ کہیگا کہ (اصحاب کہف)

طور پر کھوہ میں جانیکے بعد بیان کیا ہے۔

شروع قصہ میں خود خدا تعالیٰ نے قصہ کے عجیب ہونیکی نفی کر دی تھی اور اُسکا عجیب ہونا صرف مدت دراز تک سوئے رہنے سے تھا اِس صحیح اور واقعی قصہ میں خدا تعالیٰ نے انکا زمانہ دراز تک سوئے رہنے کا ذکر نہیں فرمایا پس اس مقام پر بھی اُس غلط شہرت کو داخل کرنا صریح غلطی ہے۔

جب وہ اُٹھے تو اُنھوں نے کہا کہ بھیجو اپنے میں سے ایک کو اپنے پاس سے چاندی کا یہ سکہ دیکر شہر کو تاکہ دیکھے کہ کونسا اچھا کھانا ملتا ہے اور اُسمیں سے تمہارے لئے کھانا لاوے اور جلدی آوے اور کسی کو تمہاری خبر نہ کرے بیشک اگر وہ تمپر چڑھ آوینگے تو پتھر مار کر مار ڈالیں گے یا تمکو اپنے مذہب میں پھیر لیں گے اور اُسوقت تم کبھی فلاح نہیں پانے کے۔

اسکی تصریح قرآن مجید میں نہیں کہ وہ صرف ایک ہی دفعہ کھانا لینے گیا یا اسی طرح متعدد دنوں تک کھانا لایا کرتا تھا مگر تفسیر معالم التنزیل میں محمد بن اسحق کی روایت لکھی ہے کہ "فلبثوا بذلك ما لبثوا" یعنی وہ اسی طرح کرتے تھے جب تک کہ وہ کرتے رہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک وہ اسیطرح اپنا کھانا شہر سے منگاتے رہے۔

(۲۰) اسکے بعد خدا فرماتا ہے کہ اسطرح ہمنے لوگوں کو انکی خبر کر دی۔ مگر اسکے بعد خدا نے یہ نہ بتایا کہ اِن لوگوں نے انکی خبر پاکر اُنکے ساتھ کیا کیا مگر یہ فرمایا تاکہ وہ جان لیں کہ بیشک وعدہ اللہ کا سچا ہے اور بیشک قیامت آنیوالی ہے اس میں کچھ شک نہیں۔

اِس مقام پر جو بحث ہے وہ یہ ہے کہ "لیعلموا" میں جو ضمیر ہے اُسکا مرجع کون ہیں عموماً مفسرین عام لوگوں کی طرف جنکو انکی خبر ہو گئی تھی اُسکا مرجع بیان کرتے ہیں مگر لوگوں کو انکی خبر ہو جانے سے کہ وہ پہاڑ کی کھوہ میں چھپے ہوئے ہیں اور "ان وعد اللہ حق وان الساعة لاریب فیها" سے کیا تعلق ہے۔

ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۳﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ

اگر کہا جاوے کہ انکی خبر ملنے کا واقعہ اُسوقت کا ہے جبکہ وہ ایک مدت دراز تک سوکر اُٹھے تھے تو اول تو انکا مدت دراز تک سوتے رہنے کی نفی ہو چکی اور اگر بالفرض تسلیم کیا جاوے تو بھی ایک مدت تک گو کہ وہ کتنی ہی دراز ہو سوکر اٹھنے سے اس بات کا کہ "وعد اللہ حق وان الساعۃ لاریب فیہا" کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اور اگر بالفرض وہ اُس کہوہ میں مر گئے ہوں جیسے کہ بعض مورخین کا قول ہے اور تین سو برس بعد پھر زندہ ہوئے ہوں اور اُنکے دوبارہ زندہ ہونیکے بعد لوگوں کو خبر ہوئی ہو تو بھی انکا دوبارہ زندہ ہونا کسی نے نہیں دیکھا تو پھر کیونکر اُن لوگوں کو جنہوں نے انکی خبر سنی تھی قیامت اپنی حشر اجساد پر یقین ہو سکتا تھا۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ ضمیر لیعلموا کی خود اصحاب کہف کی طرف راجع ہے کہ جب انکو معلوم ہوا کہ لوگوں کو انکی خبر ہو گئی تو انکو یقین ہوا کہ اب وہ مارے جاوینگے پس خدا کا یہ فرمانا کہ لیعلموا ان وعد اللہ حق وان الساعۃ لاریب فیہا اشارہ اس بات کا ہے کہ وہ مارے گئے کیونکہ اس بات کا جاننا کہ وعد اللہ حق جیسا کہ موت سے ہوتا ہے اور طرح نہیں ہو سکتا۔ قال اللہ تعالیٰ "والذین اٰمنوا وعملوا الصلحت سند خلہم جنات تجری من تحتہا الانہر خالدین فیہا ابدا وعد اللہ حقا ومن اصدق من اللہ قیلا"

پس ان مورخین کا یہ قول ہے کہ جب اُس بت پرست بادشاہ کو اُنکے پہاڑ کی کہوہ میں چھپے ہونیکی خبر ہوئی تو اُسنے اُس کہوہ کا مونہہ بند کرا دیا تاکہ وہ بھوکے اور پیاسے اُسمیں مرجاویں اور وہ کہوہ اُنکے لئے بمنزلہ قبر کے ہو جاوے چنانچہ وہیں مر گئے بہت صحیح و درست معلوم ہوتا ہے اور قرآن مجید سے اُسکی تائید ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ کئی سو برس بعد پہاڑ کی کہوہ کا مونہہ جو بند کر دیا گیا تھا کھل گیا اور اُس کہوہ میں انکی لاشیں جو صرف ہڈیاں باقی تھیں معلوم ہوئیں اور ضرور کہوہ کے اندر بموجب قاعدہ علم مناظر کے پوری لاشیں دکھائی دیتی ہونگی اُنہیں

تین شخص ہیں اور انمیں چوتھا اُنکا کتا ہی اور ایک گروہ کہیگا کہ وہ پانچ ہیں اور انمیں چھٹا اُنکا کتا ہی تیر
مارنا بن دیکھی یعنی بغیر جانے اٹکل پچو بات کہنا اور ایک گروہ کہیگا کہ سات ہیں اور انمیں آٹھواں اُنکا کتا ہی
کہدے اے پیغمبر کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہی اُنکی تعداد کو نہیں جانتے اُنکو مگر تھوڑے سے (۲۱) پھر تو جھگڑا مت کر
اُنکے باب میں سوای ظاہری بات چیت کے اور نہ پوچھ اُنکے باب میں اُنمیں سے کسی ایک سے کچھ (۲۲) اور تو ہرگز
مت کہہ کسی چیز کیلئے کہ البتہ میں اُسکو کرونگا کل بغیر ان شاء اللہ کہے اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو بھول جاوے
کہہ توقع ہی کہ ہدایت کرے مجھکو میرا پروردگار اِس سے بھی قریب ٹھیک بات کی (۲۳) اور کہیں گے وہ لوگ کہ وہ
رہے اپنے کہف میں

وقت لوگوں نے اُنکی زیارت کی اور جیسے کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ "اُسوقت آپس میں اُنکے باب میں جھگڑا
کرنے لگے۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ اُنکے اوپر کوئی مکان یعنی مقبرہ بنا دو کہ خدا اُنکے حال کو بخوبی جانتا ہے"۔
اُن لوگوں نے جو اُن کہنے والوں کے کام پر غالب رہتے تھے یعنی حاکم یا پادری اُنہوں نے کہا کہ اُنکو قرار دینگے
مسجد یعنی عبادت گاہ۔ چنانچہ بعض انگریزی کتابوں میں جنمیں یہ قصہ بیان ہوا ہے لکھا ہے کہ اُنکی ہڈیاں ایک
بڑے پتھر کے صندوق میں بند کر کے مارسیلیس کو بھیجوا دی گئی تھیں اور سینٹ وکٹر کے گرجا میں موجود ہیں۔

(۲۱) اس بات میں کہ اصحاب کہف کے کے آدمی تھے لوگ مختلف تھے چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ
کہیں گے (یعنی جب اُنسے پوچھو) کہ تین تھے اُنمیں چوتھا اُنکا کتا تھا اور کہیں گے پانچ تھے اور انمیں چھٹا
اُنکا کتا تھا بن نشانہ دیکھے تیر مارتے ہیں اور کہیں گے سات تھے اور انمیں آٹھواں اُنکا کتا تھا تو کہدے اے پیغمبر
میرا پروردگار خوب جانتا ہے اُنکی تعداد کو اُنکو نہیں جانتے مگر تھوڑے۔ پھر تو اُنسے اُنکے باب میں جھگڑا
مت کر سوائے ظاہری بات چیت کے اور نہ اُنکے باب میں اُنمیں سے کسی ایک سے کچھ پوچھ۔

(۲۳) اس آیت میں خدا نے اپنے پیغمبر سے کہا ہے کہ تو کبھی نہ کہنا کسی چیز کے لئے کہ میں اُسکو کل
کرونگا بغیر خدا چاہے کہے اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو بھول جاوے اور کہدے کہ شاید ہدایت کرے
مجھکو میرا پروردگار اِس سے بھی قریب زیادہ ٹھیک بات کی۔

تمام مفسرین نے اس آیت کے معنی بیان کرنے میں غلطی کی ہے اور اُسکا سبب یہ ہے کہ جو غلط

ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ

شان نزول قصہ اصحاب کہف کی بیان کی ہے اسکے سبب سے اِس آیت کی تفسیر میں بھی غلطی واقع ہوئی ہے۔

تمام مفسرین قصہ اصحاب کہف کی شان نزول میں لکھتے ہیں کہ نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط مدینہ کے یہودیوں کے احبار یعنی علماء کے پاس گئے اور آنحضرتؐ کے حالات اُنسے کہے اُن لوگوں نے کہا کہ تم اُنسے تین سوال کرو اگر وہ جواب دیں تو نبی ہیں اور نہیں تو نہیں۔

ایک یہ کہ چند جوان جو اگلے زمانہ میں گذرے اُنکا کیا حال ہے۔

ایک یہ کہ اُس شخص کی جو بڑا پھرنے والا تھا اور زمین کے مشرق اور مغرب تک پہونچا تھا اُسکے حالات کیا ہیں۔

ایک یہ کہ روح کیا ہے۔

پہلے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کا قصہؐ نازل ہوا۔ مگر ہمارے نزدیک نہ اِس تمہید کی جو سوالات کرنیکے باب میں بیان ہوئی ہے کوئی سند ہے اور نہ اِس بات کی طرف کہ اصحاب کہف کے قصہ کی نسبت کسی نے سوال کیا تھا کوئی اشارہ ہے۔ ذوالقرنین کا حال اور روح کی ماہیت بلاشبہ لوگون نے آنحضرت صلعم سے پوچھی تھی۔ اور قرآن مجید میں اُسکی طرف اشارہ ہے جہان فرمایا ہے" یسئلونک عن ذی القرنین یسئلونک عن الروح "مگر اصحاب کہف کے قصہ میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے پایا جاوے کہ وہ قصہ آنحضرت صلعم سے کسی نے پوچھا تھا۔ علاوہ نبی ہونے کی شناخت اِن سوالون کے جواب پر منحصر کرنا کیسی ایک لغو اور بیہودہ بات ہے۔

اس روایت میں ایک صریح غلطی یہ ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ یہودیوں کا یا یہودی مذہب کا قصہ نہیں ہے بلکہ عیسائی مذہب کے لوگون کا قصہ ہے پس اُسکی نسبت علماے یہود سے پوچھنا یا علماے یہود کا اُسکی نسبت سوال بتانا اور اُسکے جواب پر آنحضرت صلعم کا نبی ہونا منحصر کرنا کیسا غلط ہے۔

علاوہ اِسکے یہ قصہ کچھ بہت پرانا قصہ نہیں آنحضرت صلعم کے زمانہ سے تھوڑے زمانہ پہلے کا ہے جیسے کہ آیندہ معلوم ہوگا۔ معہذا یہ قصہ عرب جاہلیت کو بھی معلوم تھا جیسے کہ امیہ بن ابی الصلت جاہلی کے

تین سو برس

شعر سے پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے ؎

ولیس بہا الا الرقیم مجاورا	وصیدھم والقوم فی الکہف ہمدٌ

پس ایسے قصہ کو پوچھنا اور اُسپر تین ہونیکو منحصر کرنا کسی طرح سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔

علاوہ اِسکے خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ قبل اِسکے کہ خدا تعالیٰ اِس قصہ کی حقیقت بتلاوے آنحضرت صلعم اِس قصہ کو مع اُن عجائبات کے جو لوگون نے اُسمیں شامل کردئے تھے سُن چکے تھے اور متعجب ہوئے تھے خدا نے کہا اے محمدؐ کیا تو نے سمجھا ہے کہ اصحاب کہف ورقیم میری عجیب نشانیون میں سے تھے اور جب تک کہ آنحضرت نے وہ قصہ مع اُن عجائبات کے جو لوگون نے اُسمیں شامل کرلئے تھے۔ نہ سُن لیا ہو تو خدا کا یہ فرمانا کہ کیا تو نے اُسکو عجیب سمجھا ہے صحیح نہیں ہوسکتا بے جانی ہوئی چیز پر نہیں کہا جاسکتا کہ کیا تو نے اُسکو عجیب جانا ہے۔

یہ کہانی کہ قریش نے احبار یہود کے کہنے سے آنحضرت صلعم سے تین سوال کیے تھے اور آپ نے فرمایا کہ میں کل اِسکا جواب دونگا مگر انشاء اللہ تعالیٰ نہ کہا اور پندرہ روز تک نہ جبرئیل آئے نہ وحی لائے اور قریش ایسی ویسی باتین بنانے لگے اور آنحضرت ملول و متفکر ہوئے محض غلط اور ساختہ کہانی ہے اور حدیث کی کسی معتبر کتاب میں یہ روایت نہیں ہے۔

لوگون کی عادت ہے کہ جہان قرآن مجید کی کسی آیت میں اِس قسم کا کوئی لفظ دیکھا جسپر کوئی قصہ مبنی ہوسکتا ہے اُسکی مناسبت سے ایک قصہ روایت کرنے لگے اور ہمارے مفسرین نے اُن روایتون کو اپنی تفسیروں میں نقل کرنا شروع کیا۔ اِسی سورۃ میں جو یہ آیت ہے کہ "اور تو کبھی نہ کہنا کسی چیز کے لئے کہ میں اُسکو کل کرونگا بغیر انشاء اللہ کہے اور یاد کر اپنے پروردگار کو جب تو بھول جاوے" اِس آیت سے لوگوں نے یہ قصہ بنایا کہ قریش نے یہ قصہ پوچھا تھا اور آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں کل جواب دونگا مگر انشاء اللہ نہیں کہا تھا اُسپر خدا اور دق ہو گیا اور دو ہفتہ تک وحی نہیں بھیجی نعوذ باللہ من ہذہ الشطحیات۔

اول تو غداً کے معنی کل کے یعنی دوسرے دن کے قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ غداً اور غدا کا استعمال

وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿۲۴﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۵﴾ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ

زمانہ مستقبل غیر معین وغیر محدود پر ہوتا ہے خدا نے سورہ لقمان میں فرمایا ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کریگا اس غد کے لفظ سے جسکا ترجمہ کل (اور فردا) ہے دوسرا دن مراد نہیں ہے بلکہ اُس سے زمانہ مستقبل یعنی آنیوالا زمانہ مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ آیندہ وہ کیا کریگا۔

زمانہ جاہلیت میں بھی غد کے لفظ کا اس معنی میں استعمال ہوتا تھا جیسے کہ زیاد ابن معاویہ المعروف بالنابغۃ الذبیانی جاہلی شاعر نے کہا ہے ؎

لا مرحبا بغد ولا اھلا بہ	ان کان تفریق الاحبۃ فی غد

پس اس آیت میں جو لفظ "غدا" کا ہے اُسکے معنی دوسرے دن کے نہیں ہیں خدا نے فرمایا کہ جب تم آیندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنیکو ہو تو اُسکے ساتھ انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔ لوگوں نے اس خیال سے کہ یہ آیت سورۂ کہف کی آیتوں میں شامل ہے اور غدا کا لفظ اُسمیں آیا ہے اور لوگوں کا ذو القرنین کی نسبت اور روح کی نسبت بھی سوال کرنا قرآن میں مذکور ہے ایک روایت جسکی کوئی سند نہیں ہے بنا کھڑی کی اور ہمارے مفسروں نے اپنی تفسیروں میں نقل کرنا شروع کر دیا۔

خدا تعالی نے اس مقام پر اصحاب کہف کے قصہ کو اخیر تک بیان نہیں کیا بلکہ صرف اُسی قدر بیان کیا ہے جہانتک اُس بات سے علاقہ رکھتا ہے جس سے اس قصہ کا عجیب و غریب اور مافوق الطبیعت ہونا لوگوں نے بیان کیا ہے باقی قصہ کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ اُسکے بیان کی ضرورت نہ تھی اس لئے جس مقام پر اُس قصہ کو چھوڑا اپنے پیغمبر کو نصیحت کی ہے کہ جو کام آیندہ کو کرنا ہو بغیر انشاء اللہ کہے مت کہو کہ میں کرونگا اور اگر انشاء اللہ کہنا بھول جاوے تو اُسکو یاد کرلے یعنی یاد آنے پر کہہ لے۔ یہ جملہ اس مقام پر اسلئے فرمایا کہ خدا نے قصہ کو ناتمام چھوڑ کر اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ یہ کہدے کہ ہدایت کرے مجکو میرا پروردگار اس سے بھی قریب زیادہ ٹھیک بات کی یعنی جو قصہ باقی رہ گیا ہے اُسکو بھی تحقیق طور پر بتا دینے کی اور اسی کے بعد فرما دیا کہ

اور اُنھوں نے زیادہ کئے نو برس ﴿۲۴﴾ کہدے کہ اللہ خوب جانتا ہی کہ کتنی مدت رہے، اُسی کیلئے ہے علم غیب آسمانونکا اور زمین کا۔ خوب دیکھنے والا ہی اُنکو اور سننے والا نہیں ہی اُنکے لئے اُسکے سوا کوئی دوست اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسیکو ﴿۲۵﴾ اور پڑھ سُنا جو کچھ کہ ہمنے وحی بھیجی ہے

خدا کو معلوم ہے کہ وہ کہف میں کتنی مدت رہے۔ غرضکہ جو شان نزول مفسرین نے بتائی ہے وہ صحیح نہیں ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ قاضی عبد الجبار معتزلی نے بھی اس شان نزول پر اعتراض کیا ہے کہ یہہ شان نزول صحیح نہیں ہے۔

﴿۲۴﴾ چوبیسویں آیت میں جو لفظ "ولبثوا" کا ہے اُسکا عطف "یقولون" پر ہے جو اِسکی پہلی آیت میں ہے یعنی کہیں گے کہ وہ رہے پہاڑ کی کھوہ میں تین سو برس اور اُنھوں نے زیادہ کئے (یعنی اُس پر) نو برس تو کہدے کہ خدا خوب جانتا ہے کہ کتنی مدت وہ رہے اُسی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننا خوب دیکھنے والا ہے اُسکا یعنی غیب کا اور خوب سننے والا اُسکے سوا اُنکے لئے کوئی دوست نہیں ہے اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے حکم میں کسی کو۔

اِس آیت سے ظاہر ہے کہ اصحاب کہف کسی مدت تک پہاڑ کی کھوہ میں رہے اور اِس کہنے سے لازم آتا ہے کہ وہ کسی مدت کے بعد پہاڑ کی کھوہ میں سے نکلے مگر کوئی مورخ اس بات کو نہیں کہتا کہ وہ کسی زمانہ میں پہاڑ کی کھوہ میں سے زندہ نکل کر کہیں رہے ہوں اور نہ کسی روایت میں ایسا بیان ہوا ہے پس جس مدت کا اِس آیت میں ذکر ہے اُس سے وہی مدت مراد ہے جو اُنکے پہاڑ کی کھوہ میں جانے اور اُنکی ہڈیوں کو اُس میں سے نکالنے میں گذرا بیشک اِس زمانہ کی مدت ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے لیکن جہانتک کہ تاریخ سے معلوم ہو سکتا تھا اُسکو ہم بیان کر چکے ہیں۔

یہ ہے صحیح قصہ اصحاب کہف کا بعض لوگوں کو جہاں کہیں پرانی لاشیں برآمد ہوئی ہیں شبہ پڑا ہے کہ یہ لاشیں اصحاب کہف کی ہیں معجم البلدان میں یاقوت حموی نے ایک قصہ لکھا ہے کہ واثق باللہ نے محمد بن موسیٰ نجومی کو روم میں بھیجا کہ وہ اصحاب کہف کو دیکھے اور وہ روم کے ایک شہر میں گیا وہاں ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا کہ اُسکا گھیر نیچے سے ہزار گز سے کچھ کم تھا اور زمین سے ملی ہوئی اُس میں ایک سرنگ

اِلَیۡکَ مِنۡ کِتَابِ رَبِّکَ

تھی وہ اُسمیں گیا اور وہ تین سو قدم نیچے چلے گئے وہاں پہونچکر اُسکو ایک مکان ملا جو ستونوں پر بنایا ہوا تھا اور ستون بھی پہاڑ ہی میں سے کھودے ہوئے تھے اور اُسمیں کئی کوٹھریاں تھیں ایک کوٹھری کی کرسی آدمی کے قد کے برابر اونچی تھی اور اُسپر ایک پتھر کا دروازہ تھا وہاں ایک آدمی متعین تھا وہ ان لاشوں کے دیکھنے اور تلاش کرنیکو منع کرتا تھا اور ڈرتا تھا کہ کچھ آفت لگ جائیگی منجم نے اُسکے منع کرنیکو نہ مانا اور نہایت مشکل اور دقت سے اُسکے اوپر چڑھا وہاں اُسنے لاشیں دیکھیں جو صبر اور مُر اور کافور سے لیپ کئے ہوئے رکھی تھیں۔

ایک اور قصہ ہے کہ بلقا رمیں بطراف دمشق ایک جگہہ عمان کے قریب ہے لوگ کہتے ہیں کہ وہ جگہہ اصحاب کہف والرقیم کی ہے۔

اور ایک یہ قصہ ہے کہ اندلس کے جنگل میں ایک جگہہ ہے جسکو جنان الورد کہتے ہیں اور اُسی کو اصحاب الکہف والرقیم کی جگہہ بتاتے ہیں اور وہاں لاشیں ہیں کہ وہ بگڑتی نہیں۔

ایک اور قصہ ہے کہ علی بن یحیٰی اُس ملک میں ایک جگہہ گیا اُسنے غار دیکھا اور اُسکے اندر تیرہ لاشیں تھیں اور یہ خیال کیا کہ سات لاشیں تو اصحاب کہف کی ہیں اور باقی لاشیں اہل روم نے اپنے بزرگونکی صبر اور اُدُردوا میں مل کر رکھدین ہیں۔

عبادہ بن صامت سے ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے پہلے سال خلافت میں اُسکو روم میں بھیجا قریب قسطنطنیہ کے اُسنے ایک سرخ رنگ کا پہاڑ دیکھا اور لوگوں نے کہا کہ اُس میں اصحاب الکہف ہیں وہاں ایک گرجا تھا گرجا کے لوگوں نے ایک سرنگ بتائی جو پہاڑ میں تھی وہ مجھکو وہاں لے گئے اور وہاں ایک لوہے کا دروازہ لگا ہوا تھا وہ کھولا تو ہم ایک بڑے مکان میں پہونچے اسمیں تیرہ لاشیں چت رکھی ہوئی تھیں گویا کہ وہ سوتے ہیں ہمنے انکا مونہہ کھول کر دیکھا تو وہ بالکل تر و تازہ تھا جیسا کہ زندہ آدمیوں کا۔ ایک شخص کے مونہہ پر تلوار کا زخم تھا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی زخم لگا ہے۔ مینے اُن لوگوں سے اُنکا حال پوچھا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں کہ یہہ لاشیں حضرت عیسیٰ کے مبعوث ہونے سے چارسو برس پہلے سے ہیں اور یہ سب ایک وقت میں انبیا

تیرے پاس تیرے پروردگار کی کتاب

مبعوث ہوئے تھے اسکے سوا اور کچھ ہم نہیں جانتے۔

سنہ ۱۸۸۶ء میں جب ایک انگریزی کمیشن افغانی اور روسی حد مقرر کرنیکو ترکمانون کے ملک میں گیا تو اُسوقت ایک شخص نے ایک پہاڑ کا جسکا نام اُسنے کوہ رقیم لیا ہے اس طرح پر حال لکھا ہے۔

کوہ رقیم جس میں سات شخص خوابیدہ ہیں یہ زیارت مسلمانون کی ہے اور ہمارے کیمپ سے چار میل جنوب و غرب کو وادی حراق میں ہے کیمپ کے مسلمان اُسکی طرف چلے اور میں بھی گھوڑے پر سوار معہ صوبیدار محمد حسین خان صاحب دوسری پلٹن سکھ کے گیا۔ اہل اسلام اس مقام کو اس لئے متبرک مانتے ہیں کہ اصحاب کہف کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اس پہاڑ کو جس میں یہ زیارت واقع ہے یہان کے باشندے چہارشنبہ بھی بولتے ہیں اور اُسکے نواح میں پہلے کسی زمانہ میں ایک آبادی قشلان نام کی تھی جس میں ۹ ہزار باشندے بستے تھے شاید کسی مقام پر شہر فسوس بھی ہوگا جسکا ذکر قصۂ اصحاب کہف میں کیا جاتا ہے کہ ایک شخص منجملہ ان سات شخصون کے شہر فسوس میں گیا تاکہ روٹی خرید لاوے لیکن اسکا صحیح پتہ مشکل ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ مقام (التیمور) میں تھا جو جنوبی جانب پہاڑ وتیس ہے اور جہان ابتک ایک قطعہ موجود ہے فی الحال اس قطعہ کی سیر ممکن نہیں کیونکہ برف بہت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقام مچکو میں تھا جو چہارشنبہ سے مشرق کیطرف سات میل کے فاصلہ پر ہے واقعی مچکو ایک آباد جگہہ تھی اور بڑا موضع تھا جسکو ترکمانون نے غارت کرکے اُجاڑ دیا ہے۔ یہ مقام درمیان مرو چک اور اندخوی کے ہے۔ کوہ رقیم پر اسوقت بیس خاندان سیدون کے آباد ہیں اور ایک موضع خاص سادات کا غار کے موہنہ پر واقع ہے آگے بڑھکر ایک اور موضع ڈہائی سو خاندان کی آبادی کا ہے۔ یہ پہاڑ ایک تنگ وادی میں ہے اور جس میں مجاورین تردد کرتے ہیں وہ اُنکو معاف ہے۔ علاوہ اسکے جو لوگ زائرین یہان آتے ہیں وہ مجاورین کی خدمت کرتے ہیں یہان ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور غار کے موہنہ پر ایک محراب دار دروازہ بیس فٹ بلند بنا ہوا ہے اور اُسپر ایک چوب بطور نشان استادہ ہوکر ایک کپڑا اُسمین لگا ہوا اُڑتا ہے۔ اس غار کے چارونطرف ایک وسیع قبرستان ہے جو شخص مرتا ہے یہیں لاکر دفن ہوتا ہے اسی وجہ سے کہ یہ پہاڑ متبرک ہے۔ غار کے موہنہ سے دس بارہ گز کے فاصلہ پر ایک طرف

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ
مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ
وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ
اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۷﴾
وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ

تہ خانہ ہے تہ خانہ میں دو رچلکر ایک دروازہ مٹی سے چھپا ہوا ہے سیدون نے کہا کہ یہ سیدھا راستہ مکہ کا ہے مگر قدرت اُسکو کھولنے نہیں دیتی جب مٹی ہٹاتے ہیں اور مٹی یہان گرجاتی ہے دہنی طرف ایک تاریک حجرہ میں ایک زینہ لگا ہے اور اُسمیں تختے بچھے ہیں اور یہان سے راستہ خفتگان کا بند کردیا ہے۔ سیدون نے بہت کچھ کرامات اصحاب کہف کی بیان کی اور کہا اصحاب موصوفین اب بھی غار کے اندر سوتے ہیں۔ اور کچھ تبرکات بھی دکھلائے اور سب سے بڑا مشاہدہ یہ ہوا کہ اُنھوں نے شمع اندر بڑھا کر کہا دیکھو یہ سوتے ہیں لیک چادر سفید گوٹ کی نظر آئی۔

نامہ نگار کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ ہمکو یہ بھی دکھلادو کہ اس چادر کے نیچے کیا ہے اُنہوں نے کہا یہ نہ ہوگا کیونکہ ہم خود واقف نہیں کہ اِسکے نیچے کیا ہے اور کہنے لگے کہ بزمانہ ماسبق ایک شخص نے کپڑا اُٹھا کر دیکھنا چاہا تھا فوراً اندھا ہوگیا تھا۔ اور کہا کہ اگر تمہیں شک ہے تو ادھر دیکھو اور یہ کہکر شمع ایک طرف پھیر دی دیوار کے ساتھ کُتے کی ٹانگیں نظر آئیں گمان تھا کہ کُتا سوتا ہے۔ واللہ اعلم کیا اسرار ہے۔

اِس قسم کی لاشونکا برآمد ہونا اگر وہ درحقیقت اور فی الواقع برآمد ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے مصر میں ہزاروں برس کا دستور تھا کہ لاشوں کو ممی بناکر رکھتے تھے چنانچہ بہت سی میوزیم میں وہ لاشین جو برآمد ہوئی ہیں موجود ہیں۔

ایشیا میں بھی قدیم زمانہ میں ممی بنانیکا کسی قدر رواج ہوا تھا اور اِس سبب سے بعض ایشیا کے مقاموں سے ایسی لاشین برآمد ہوئی ہیں۔ علاوہ اسکے بعض ملکوں اور پہاڑوں میں بسبب

سے کوئی بدلنے والا نہیں ہے اُسکے حکموں کو اور ہرگز نپاویگا تو اُسکے سوا کوئی جگہ پناہ کی (۲۶) اور صبر سے رکھا اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو صبح کو اور شام کو اور چاہتے ہیں اُسکے موتھہ (یعنی اُسکی رضامندی) کو اور نہ پہرجاوین تیری آنکھین اُنسے کیا چاہتا ہے تو بناؤ زندگانی دنیا کا۔ اور نہ اطاعت کر اُسکی جسکے دل کو ہمنے غافل کردیا ہلی اپنے ذکر سے اور اُسنے پیروی کی اپنی خواہش کی اور تہا اُسکا کام حد سے بڑہا ہوا (۲۷) اور کہد کہ یہ سچ بات ہی تمہارے پروردگار کیطرف سے جو کوئی چاہے تو ایمان لاوے۔ اور جو کوئی چاہے تو کافر ہووے

تاثیرات ملکی اور برف کے اِسی طرح کی افتادہ لاشین بہی نکل آتی ہیں اور لوگ اُنکو اصحاب کہف کی لاشین سمجھ جاتے ہیں۔

علاوہ اِسکے اُن مقامون کے خادم روپیہ کمانیکے لئے بہت کچھ فریب کیا کرتے ہیں اور جہوٹی روایتین بیان کرتے ہیں جس زمانہ میں کہ سید احمد صاحب سکھون سے لڑکر شہید ہوئے اُنکی لاشں میدان جنگ میں دستیاب نہیں ہوئی غالباً اس وجہ سے کہ مغلوبین تو کافی طرح پر تلاش نہ کرسکے اور جو غالب ہوئے تھے وہ یقیناً پہچان نہیں سکتے تھے پس اُنکے مریدوں کو موقع ملا اور اُنہوں نے کہا کہ وہ زندہ ہیں اور پہاڑ کی کہوہ میں خدا کی عبادت اور نماز میں مشغول ہیں اور اُنہوں نے کہوہ میں ایک لکڑی پر عمامہ رکھکر اور جبہ کرتا پہنا دیا تھا اور دور سے لوگون کو دکھا دیتے تھے کہ وہ بیٹھے نماز میں مشغول ہیں۔

ہزارون لوگ اب بہی بعض بزرگون کی نسبت یقین رکہتے ہیں کہ وہ سیکڑون برس سے پوشیدہ زندہ ہیں اور وقت مقرر پر تشریف لاوینگے بہیودی چند بزرگون کو زندہ جانتے ہیں۔ مسلمان و عیسائی حضرت عیسٰی کے زندہ ہونے کے اور پہر دنیا میں آنے کا یقین کرتے ہیں شیعہ حضرت امام مہدیؑ کے پوشیدہ ہوجانے اور اب تک بلکہ وقت ظہور تک جو قیامت کے قریب ہوگا زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اِس قسم کے خیالات و اعتقادات ایسی باتون پر جو لوگ بنا لیتے ہیں زیادہ تر یقین کرلینے کے باعث ہوتے ہیں۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِن يَسْتَغِيثُوا
يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا (٢٨)
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ
عَمَلًا (٢٩) أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ
يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّن
سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ
وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا (٣٠) وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِ
هِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا
كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِم مِّنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا (٣١)
وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا
وَأَعَزُّ نَفَرًا (٣٢) وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ
أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا (٣٣) وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن
رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا (٣٤) قَالَ لَهُ
صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ
ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا (٣٥)

بیشک ہمنے تیار کر رکھا ہی ظالموں کیلئے آگ کو کہ گھیرلین گی اُنکو اُسکے پردی اور اگر وہ فریاد کرین پانی کیلیے) تو اُنکی فریاد کو پہونچ جاویگا پانی پگھلے ہوے تانبے کی مانند کہ بھون دیگا اُنکے مونہونکو بُری ہی پینے کی چیز اور بُری ہی رہنے کی جگہہ ۲۸ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کئے ہیں بیشک ہم نہ ضایع کرینگے اجر اُسکا جسنے اچھے کام کئی ۲۹ یہ لوگ ہیں کہ اُنکے لئے ہے جنت ہمیشہ رہنے کو بہتی ہیں اُنکے نیچے نہرین گہنا پہنا یجاوینگے اُنمیں سونیکے کنگنون سے اور پہنینگے کپڑے سبز حریر کے اور ریشم کے بنے ہوے تکیہ لگا ہووی اُنمیں بیٹھے ہونگے تختونپر یہ اچھی جزا ہے اور اچھی ہے رہنے کی جگہہ ۳۰ اور بیان کر اُنکے لیے ایک مثال دو شخصونکی ہمنے دیئے اُن دونوں میں سے ایک کو دو باغ انگور کے گھیر دیا ہمنے اُن دونون باغون کو کھجور کے درختون سے اور ہمنے پیدا کی اُن دونون باغون میں کھیتی دونون باغ لائے اپنا پہل اور نہ گھٹی اُس سے کوئی چیز ۳۱ اور بہادی ہمنے اُن دونومیں نہر اور تہی اُس شخص کیلیے بہت سے پہل پہر اُسنے کہا اپنے ساتھی سے اُس حالت میں کہ وہ اُس سے گفتگو کرتا تہا کہ میں بہت زیادہ رکھتا ہون تجہسے مال اور زیادہ عزت والا ہون تجہسے بلحاظ نوکرونکے ۳۲ اور وہ آیا اپنے باغ میں اور وہ ظلم کرنیوالا تہا اپنے آپ پر کہا اُسنے کہ میں نہیں گمان کرتا کہ برباد ہوگا یہ کبھی ۳۳ اور میں نہیں گمان کرتا کہ قیامت قایم ہونیوالی ہے اور اگر (بالفرض) میں لوٹایا جاؤن اپنے پروردگار کے پاس تو ضرور پاؤنگا میں اِس سے بہی اچھی جگہہ لوٹ کر جانیکی ۳۴ کہا اُس سے اُس کے ساتھی نے اُس حالت میں کہ وہ اُس سے گفتگو کرتا تھا کہ کیا تو کافر (یعنی منکر) ہے اُسکا جسنے تجہکو پیدا کیا مٹی سے پہر نطفہ سے پہر تجہکو ٹھیک کیا ایک آدمی ۳۵

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۶﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۷﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۳۸﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۳۹﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۰﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۱﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۲﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۳﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۵﴾

لیکن میں یقین کرتا ہون کہ وہی ہے اللہ میرا پروردگار اور نہیں شریک کرتا میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسیکو ۳۶ اور کیون نہیں جب داخل ہوا تو اپنے باغ میں تو نے کہا ماشاء اللہ یعنی جو چاہا خدا نے نہیں ہے قوت مگر اللہ کو اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہیں کم ہون تجھسے مال میں اور اولاد میں ۳۷ پھر شاید میرا پروردگار کہ دیوے مجکو بہتر تیرے باغ سے اور بھیجے تیرے باغ پر کوئی آفت آسمان سے پھر ہو جاوے مٹی شور لگی ہوئی پاؤن پھسلا دینے والی ۳۸ یا ہووے کہ اُسکا پانی نیچے بیٹھ جاوے پھر نہ طاقت ہو تجھکو ڈھونڈ ہ لانیکی ۳۹ پھر اُس آفت نے گھیر لیا اُسکے پھلونکو پھر صبح کو اُٹھا دونون ہاتھ ملتے ہوئے اُسپر جو خرچ کیا تھا اُس نے اُنمیں اور وہ گری ہوئی تھین زمین پر اپنی گری ہوئی ٹٹیون پر اور کہے اے کاش میں نہ شریک کرتا اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو ۴۰ اور نہ تھا اُسکے لئے کوئی گروہ کہ مدد دے اُسکو سوائے اللہ کے اور نہ تھا کوئی بدلا لینے والا ۴۱ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر طرح کی کارسازی اللہ ہی کے لئے برحق ہے۔ وہ اچھا ہے ثواب دینے کو اور اچھا ہے انجام کرنیکو ۴۲ اور بیان کر اُنکے لئے مثال دنیا کی زندگی کی کہ وہ پانی کی مانند ہے کہ اُتارا ہمنے اُسکو آسمان سے پھر مل گیا اُسمیں گھاس پھوس زمین کا پھر ہو گیا چورا چورا اڑاتی ہیں اُسکو ہوائیں اور ہے اللہ ہر چیز پر قدرت والا ۴۳ مال اور بیٹے سنگار ہیں دنیا کی زندگی کے اور باقی رہنے والی نیکیان بہتر ہیں نزدیک تیرے پروردگار کے ثواب میں اور بہتر ہیں اُمید رکھنے میں ۴۴ اور جسدن چلتا کرین پہاڑونکو اور تو دیکھے زمین کو چٹیل اور اکٹھا کرین ہم اُنکو یعنی لوگونکو پھر نہ چھوڑینگے اُنمیں سے ایککو ۴۵

وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّن نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَإِذْ قُلْنَا

(۴۹) یہ آیت اور اس سے پہلے کی آیتیں قیامت کے حال سے متعلق ہیں۔ اور اس آیت میں جو لفظ ہے "ووضع الکتٰب" اس سے مفسرین نے اعمالنامے مراد لئے ہیں۔ مگر سب سے پہلے ہم کو یہ بیان کرنا چاہئے کہ اعمالناموں کا ہونا اور انکا لکھا جانا جو تسلیم کیا گیا ہے اُسکی بنا کن آیتوں پر ہے اور کون اُنکے لکھنے والے قرار دئے گئے ہیں اور اعمالناموں کے لکھے جانے کی حقیقت کیا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اُنکی بنیاد مفصلہ ذیل آیتوں پر ہے۔

سورۃ انفطار میں خدا نے قیامت کا حال بیان کرکے فرمایا ہے کہ ہر شخص جان لیگا کہ اُسنے کیا آگے بھیجا ہے اور کیا پیچھے چھوڑا ہے۔ اور اُسکے بعد فرمایا ہے کہ نہیں نہیں! اے کافرو تم اسی بات سے

> کلا بل تکذبون بالدین وان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ماتفعلون (انفطار ۔ ۱۰ - ۱۲)

منکر نہیں ہو بلکہ تم جھوٹ سمجھتے ہو قیامت کو اور حال یہ ہے کہ بیشک تم پر نگہبان ہیں بڑے قدر والے لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ تمام مفسروں نے "حافظین" سے فرشتے مراد لیے ہیں یعنی تم پر فرشتے نگہبان ہیں۔ اور "کراما کاتبین" "حافظین" سے بدل واقع ہوا ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ جو فرشتے محافظ ہیں وہی لکھنے والے ہیں۔

اور سورۂ زخرف میں خدا نے فرمایا ہے کہ کیا وہ یعنی کافر گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ہیں اُنکی پوشیدہ

> ام یحسبون انا لانسمع سرھم ونجواھم بلی ورسلنا لدیھم یکتبون (زخرف ۔ ۸۰)

باتوں اور اُنکی سرگوشیوں کو یوں نہیں ہے حال یہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے اُنکے پاس لکھتے ہیں تفسیر کبیر میں لکھا ہے

اور روبرو لائے جاوینگے اپنے پروردگار کے سامنے صف باندھکر (تو ہم کہینگے) کہ البتہ تم آئے ہو ہمارے سامنے جسطرح کہ ہمنے پیدا کیا تھا تمکو پہلی دفعہ بلکہ تم نے گمان کیا تھا کہ نہ کرینگے ہم تمہارے لئے کوئی جگہہ وعدہ کیگئی (۴۸) اور رکھی جاویگی کتاب پھر دیکھے گا تو گنہگاروںکو ڈرتے ہوئے اُس چیز سے جو اُسمیں ہے اور کہیں گے ہائے افسوس ہم پر کیا ہے اِس کتاب کیلئے نہیں چھوڑتی چھوٹی بات کو اور نہ بڑی بات کو مگر گھیر لیا ہے اُسکو اور وہ پاوینگے جو کچھ کہ اُنہوں نے کیا ہے موجود اور ظلم نہیں کرتا تمہارا پروردگار کسی پر (۴۹) اور جب ہمنے کہا

کہ ،، رسلنا ،، سے مراد ملائکہ حفظہ ہیں جو انسانوں کے حالات لکھتے رہتے ہیں۔

اور سورہ یونس میں خدانے فرمایا ہے کہ جب لوگوں کو بھلائی کی بعد کچھ بُرائی پہونچتی ہے تو وہ ہماری نشانیوں میں مکر کرتے ہیں اے پیغمبر ان سے کہدے کہ اللہ بہت تیز ہے مکر میں بیشک ہمارے بھیجے ہوئے لکھ لیتے ہیں جو کچھ تم مکر کرتے ہو۔ اِس آیت میں بھی مفسرین نے ” رسلنا ،، کے لفظ سے ملائکہ حفظہ مراد لی ہے۔

> قل اللہ اسرع مکرا ان رسلنا یکتبون ما تمکرون (یونس، ۲۲)

اور سورۂ طارق میں خدانے فرمایا ہے کہ کوئی شخص نہیں کہ اُسپر ایک نگہبان نہ ہو اِس آیت میں بھی ،، حافظ “ کے لفظ سے مفسرین نے حفاظت کرنیوالا فرشتہ مراد لیا ہے۔

> ان کل نفس لما علیھا حافظ (طارق ۴)

اور سورۂ رعد میں خدانے فرمایا ہے کہ ہر انسان کے لئے باری باری سے آنیوالی ہیں فرشتے اُسکے سامنے اور اُسکے پیچھے نگہبانی کرتے ہیں اُسکی خدا کے حکم سے۔ اِس آیت میں بھی ،، معقبات “ کے لفظ سے تمام مفسرین نے ملائکہ حفظہ مراد لی ہے۔

> لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ (رعد-۱۱)

اور سورہ ق میں خدانے فرمایا ہے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه ونحن اقرب الیه من حبل الورید اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین وعن الشمال قعید ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (ق - ۱۵-۱۷)

اُسکے دل میں آتا ہے اور ہم اُسکے گردن کی رگ سے بھی زیادہ اُسکے پاس ہیں۔ اِسکے بعد فرمایا ہے کہ جب یاد کر لیتے ہیں دو یاد کرنیوالے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے وہ کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا مگر اُسکے پاس مستعد نگہبان ہے اس آیت میں اکثر مفسرین نے ”متلقیان“ کے لفظ سے وہ دونوں فرشتے مراد لئے ہیں جو انسان کا اعمال نامہ لکھتے ہیں۔

ان تمام آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جن کو ملائکہ حفظہ کہا گیا ہے وہی کراماً کاتبین ہیں اور ظاہرا اسمیں تمام مفسرین متفق معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اگرچہ ہم اپنی تفسیر میں بوضاحت اس بات پر بحث کر چکے ہیں کہ ملائکہ کا اطلاق کسی وجود خارج از موجودات عالم پر نہیں ہوا بلکہ جو قوی خدا تعالیٰ نے انسان میں اور تمام موجودات عالم میں رکھے ہیں اُنہی پر ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے مگر ہم اب اس بات کو خود قرآن مجید سے ثابت کرتے ہیں کہ حفظہ سے مراد کوئی وجود خارج از انسان مراد نہیں ہے بلکہ حفظہ کا اور کراماً کاتبین کا جنکو مفسرین متحد مانتے ہیں صرف قوی انسانی پر اطلاق ہوا ہے اور جس آیت سے ہم اس بات پر استدلال کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

خدا تعالیٰ سورۂ انعام میں فرماتا ہے کہ وہی یعنی خدا زبردست ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے

وھو القاھر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفظة حتی اذا جاء احدکم الموت توفته رسلنا وھم لا یفرطون (انعام - ۶۱)

یہانتک کہ جب تم میں سے ایک کو موت آتی ہے تو اُسکو ہمارے بھیجے ہوئے مار ڈالتے ہیں اور وہ تقصیر نہیں کرتے۔

اگر لفظ ”حفظہ“ سے سوائے قوای انسانی کے فرشتے خارج از انسان مراد لئے جائیں تو پھر اُنہی فرشتوں کو انسان کی روح کا قبض کرنیوالا کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے اور آیت میں کوئی اشارہ اس بات کا نہیں پایا جاتا کہ ”رسلنا“ سے سوائے ”حفظہ“ کے اور دوسرے فرشتے مراد ہیں پس لازم آتا ہے کہ دونوں لفظوں سے ایسی قوی مراد ہوں جو انسان میں موجود ہیں اور جن پر حیات و ممات انسانی منحصر ہے - جو قوی کہ انسان میں خدا تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں

فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پھر سجدہ کیا اُنہوں نے مگر ابلیس نے تھا جن میں سے

ہیں اور جو باعث حیات انسان ہیں وہی ملائکہ حفظہ ہیں اور وہی کراماً کاتبین ہیں اور جب موت آتی ہے تو وہی قوی ایسے مختل ہوجاتے ہیں کہ انسان مرجاتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے اور یہی فطرت ان آیتوں سے نکلتی ہے۔

یہانتک ہم نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ جن ملائکہ کو حفظہ اور کراماً کاتبین کر کے تعبیر کیا ہے درحقیقت وہ قوی ہیں جو خدا نے انسان کی فطرت میں ودیعت کئے ہیں۔ اب ہمکو اس بات پر بحث کرنی ہے کہ کتابت اعمال سے کیا مراد ہے؟

ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ انسان کے اعمال کسی چیز پر لکھے جاتے ہیں اور وہی چیز قیامت کے دن ترازو میں رکھکر تولی جاویگی بلکہ ہم اُسکو بطور مثال کے سمجھتے ہیں جسکا مقصود اس بات کا بتانا ہے کہ جو کچھ انسان نے اپنی زندگی میں اچھا یا بُرا کیا ہے اُسمیں سے کچھ بھی کھویا نہیں جاتا بلکہ قیامت کے دن سب کم وکاست سب موجود ہوگا اور اُسپر سزا اور جزا مرتب ہوگی جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے'' فلا تظلم نفس شیئاً وان کان مثقال حبة من خردل اتینا بھا وکفی بنا حاسبین'' کسی شخص پر ذرہ بھی ظلم نہیں ہوگا۔ اور اگر عمل رائی کے دانہ کی برابر ہے تو ہم اُسکا بدلا بھی دینگے اور ہم کافی ہیں حساب کرنیوالے۔

حالات معاد یا واقعات مابعد الموت اس قسم کے ہیں جن سے انسان بالکل ناواقف ہے اور انکی حقیقت واقعی کا عموماً انسان کو سمجھانا نہایت دشوار بلکہ قریب ناممکن کے ہے اور اس لئے بجز اسکے اور کچھ چارہ نہیں ہے کہ ایسی تمثیلوں سے اُن کا بیان کیا جاوے کہ انسان کے دل پر اُسکا کچھ خیال پیدا ہو جیسا خود فرماتا ہے'' ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون'' یعنی خدا انسانوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے شاید وہ جیتیں اور ہوشیار ہوں۔

جو کہ انسان کی عادت ہے کہ جو حالات واقع ہوں اُنکی یادداشت ایک کاغذ پر لکھ لے اور ایک چیز کا دوسری چیز سے کم وبیش ہونا دریافت کرنے کو اُنکو وزن کرلیں اور ایسا کرنے سے اُنکو لکھی ہوئی یادداشت پر یقین ہوتا ہے اور دونوں چیزوں کے کم وبیش ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا اس لئے بطور تمثیل کے خدا نے فرمایا'' کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون۔ ونضع الموازین القسط لیوم القیامة فلا تظلم

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ

نفس شیئاً" یعنی بڑی قیدوالے لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو ہم قیامت کے دن عدل کی ترازو کھڑی کرینگے اور کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

یہ مقصود جو قرآن مجید کا تھا اُسکو بلا خیال اسکے کہ یہ بیان حقیقت ہے یا تمثیلی تمام بدوان عرب اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین بخوبی جانتے تھے اور سمجھتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ اس سے زیادہ جاننے کی اور بیان کی اور حجت کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر جب علوم نے ترقی کی اور متعدد قسم کے علوم شائع ہوئے اور یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا تو خود عالم ہے" وھو یعلم سرکم و جھرکم و یعلم ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" وان تبدوا فی انفسکم یعنی خدا تمہاری کھلی اور چھپی باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے دل کی باتیں جانتا ہے۔ تم اپنے دل کی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ خدا اُس بات پر تمہیں ضرور پکڑیگا۔ اور نسیان کا اُسپر احتمال نہیں تو اُسکے لئے یادداشت لکھنے کے کیا معنی ہیں پھر فرشتوں کے لکھنے سے کیا مراد ہے اور اعمال تو اعراض ہیں وہ ترازو سے کیونکر تولے جاسکتے ہیں اُنکی شدت اور خفت کا کیونکر اندازہ ہوسکتا ہے تو ان آیات کی حقیقت پر زیادہ غور کرنی واجب ہوئی اور بمطابق سیاق قرآن مجید کے اور دیگر آیات کے اشارات سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ان آیتوں میں بیان ہوا ہے وہ تمثیلی ہے۔

ہم نے قرآن مجید کی تفسیر میں روح کے وجود پر مستوعب دلیلیں بیان کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہی قائم بالذات اور وہ ایسے مادے میں جو اُسکی قابلیت رکھتا ہو داخل ہوجاتی ہے اور تمام حیوانوں اور انسانوں میں وہی باعث تعقل و ارادہ ہے۔

اِس بات کو بھی ہم نے ثابت کیا ہے کہ روح کاسب اور مکتسب ہے اور بذریعہ جسم انسانی کے جب وہ اُسمیں شامل ہوتی ہے سعادت اور شقاوت کا اکتساب کرتی ہے۔

اسوقت دنیا میں بہت لوگ ہیں جو نہایت نیک ہیں اور اخلاق حمیدہ اور صفات پسندیدہ اپنے میں رکھتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو نہایت بد ہیں اور اخلاق و خصائل ذمیمہ اپنے میں رکھتے ہیں اور ان اخلاق حمیدہ اور خصائل رذیلہ کا اثر اُنکے اعضا میں سے کسی عضو میں نہیں ہوتا بلکہ اُس چیز میں ہوتا ہے جسکو روح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر وہ اثر اعضا میں ہوتا تو کسی عضو کے ضائع ہونے سے

پھر نافرمانی کی اُسنے اپنے پروردگار کے حکم سے کیا پھر تم پکڑتے ہو اُسکو اور اُسکی ذریت کو دوست میرے سوا

اخلاق میں کچھ کمی ہو جاتی حالانکہ کچھ کمی نہیں ہوتی اور اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ گوشت پوست اعضا کے سوا جو اور کوئی چیز انسان میں ہے اِس میں اخلاق اور رذائل مستقر ہوتے ہیں۔

علاوہ اِسکے انسان کے اعضا اُسکی ہڈیاں اُسکا گوشت پوست تبدیل ہوتا رہتا ہے اگر انسان کا جسم اخلاق حمیدہ یا خصائل رذیلہ کا محل ہوتا تو وہ بھی تبدیل ہوتے رہتے پس کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ روح جو انسان میں ہے وہی کاسب اور مکتسب اور محل علم و اخلاق ہے نہ انسان کا جسم اور نہ کوئی عضو اعضائے انسان میں سے۔

کسب و اکتساب کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی ذریعہ سے حاصل کر لینا۔ قرآن مجید میں بھی یہ الفاظ یا اُنکے مشتقات بہت جگہ آئے ہیں اور اُسی بھلائی یا بُرائی کی نسبت بولے گئے ہیں جسکو انسان نے حاصل کر لیا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے،، تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت،، یعنی وہ قوم چل بسی جو اُنھوں نے کیا تھا اُنکے لئے ہے اور جو تم کرتے ہو تمہارے لئے ہے اُسی کو ملتا ہے جو کیا اور اُسی پر پڑتا ہے جو کمایا۔ غرضکہ اعمال و افعال کا اثر فی الفور انسان کی روح پر پڑتا ہے اور وہی کتابت اعمال ہے۔

جب تک روح بدن انسانی میں شامل ہے اُسوقت تک اُسکو اُن اثرات کے جو اُس نے کمائے ہیں نتیجے محسوس نہیں ہوتے۔ مگر جب وہ بدن سے الگ اور مجرد عن العلائق ہو جاتی ہے اُسوقت اُسکو اپنے کمائے ہوئے اثرات کے نتائج اچھے یا بُرے محسوس ہوتے ہیں جنکو اعمال کی سزا اور جزا سے تعبیر کیا ہے۔

پس اعمال نیک یا افعال بد کے جو اثرات روح انسانی میں مستقر ہوتے ہیں اُنکو خدا تعالیٰ نے کتابت کراماً کاتبین کی مثال میں بیان کیا ہے اور وہی ذریعہ ہیں نیکی اور بدی کی مقدار ظاہر ہونیکا جو نتیجہ ہے میزان اور موازنہ کا۔ اسلئے وزن اعمال کی مثال سے تعبیر کیا ہے اور اِس بات کو جتلایا ہے کہ قیامت میں کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا جاویگا لہذا قال فی موضع ونضع الموازين القسط فالقسط هو العدل وموازين القسط هو العدل كما يقال الموازين هو العدل والميزان

وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۴۸ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ

ھو العدل۔

یہ راے صرف میری ہی نہیں ہے بلکہ حکماے اسلام کی بھی یہی راے ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ

وقول حکماء الاسلام ان الکتابة عبارة عن نقوش مخصوصة وضعت بالاصطلاح لتعریف المعانی المخصوصة فلو قدرنا کون تلک النقوش دالة علی تلک المعانی لاعیانها وذواتها کانت تلک الکتبة اقوی واکمل اذا ثبت ھذا فنقول ان الانسان اذا اتی بعمل من الاعمال مرات وکرات کثیرة متوالیة حصل فی نفسه بسبب تکررها ملکة قویة راسخة فان کانت تلک الملکة ملکة سارة بالاعمال النافعة فی السعادات الروحانیة عظم ابتهاجه بها بعد الموت وان کانت تلک الملکة ضارة فی الاحوال الروحانیة عظم ضررہ بها بعد الموت اذا ثبت ھذا فنقول ان التکریر الکثیر لما کان سببا لحصول تلک الملکة الراسخة کان لکل واحد من الاعمال المتکررة اثر فی حصول تلک الملکة الراسخة وذالک الاثر وان کان غیر محسوس الا انه حاصل فی الحقیقة واذا عرفت ھذا ظهر انه لا یحصل للانسان لمحة ولا حرکة ولا سکون الا ویحصل فی جوھر نفسه اثر من اثار السعادة او اثار الشقاوة قل او کثر فھذا ھو المراد من کتبة الاعمال عند ھولاء واللہ اعلم

حکماے اسلام کا قول یہ ہے کہ کتابت اُن خاص نقوش سے مراد ہے جو خاص معانی کے بتانیکے لئے اصطلاحاً بنائے گئے ہیں اگر ہم اس بات کا اندازہ کریں کہ وہ نقوش معانی کی حقیقت اور ذات پر دلالت کرتی ہیں تو وہ کتابت (کتابت اعمال) نہایت کامل اور نہایت قوی ہوگی جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب ہم کہتے ہیں کہ انسان جب کسی کام کو بہت دفعہ بار بار اور پے در پے کرتا ہے تو اُس کام کے بار بار کرنے سے اُسکے نفس میں ایک قوی اور مضبوط ملکہ پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ ملکہ اگر ایسے اعمال کے سبب سے جن سے روحانی سعادت حاصل ہوتی ہے خوشی پیدا کرنیوالا ہے تو مرنے کے بعد اسکے سبب بے انتہا خوشی حاصل ہوگی اور اگر وہ ملکہ روحانی حالات میں تکلیف دینے والا ہے تو مرنے کے بعد اُسکے سبب سے بے انتہا رنج ہوگا۔ جب یہ بات معلوم ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ چونکہ عملوں کا بہت دفعہ بار بار اور پے در پے کرنا اُس ملکہ راسخہ کے پیدا ہونے کا سبب تھا اس لئے اُس ملکہ راسخہ کے پیدا ہونے میں ہر ایک عمل نے

اور وہ تمہارے لئے دشمن ہے برا ہے ظالموں کے لئے بدلا (۴۸) میں نے انکو موجود نہیں کیا تہا وقت

بحقائق الامور (تفسیر کبیر جلد رابع صفحہ ۱۵)

اثر کیا تھا اور یہ اثر اگرچہ غیر محسوس تھا مگر فی الحقیقت موجود تھا۔ جب یہ بات بھی معلوم ہو چکی تو صاف ظاہر ہو گیا کہ انسان کا کوئی اشارہ کوئی حرکت اور کوئی سکون ایسا نہیں ہے جس سے سعادت یا شقاوت کا کم و بیش اثر انسان کے نفس پر نہ ہوتا ہو۔ حکماے اسلام کے نزدیک کتابتِ اعمال سے یہی مراد ہے۔ وھو الحق عندنا فجزاھم اللہ خیر الجزا۔

اب ہمکو یہ بتانا ہے کہ اگر کتابت اعمال سے وہ اثر مراد ہیں جو اعمال نیک اور بد سے نفس انسانی پر منقش ہوتے ہیں تو قرآن مجید میں جو یہ بات آئی ہے کہ اعمال نامے لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور بائیں ہاتھ میں اور پیٹھ کے پیچھے دئے جاوینگے اُس سے کیا مراد ہے۔ یہ مضمون مندرجہ ذیل آیتوں میں بیان ہوا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں خدا نے فرمایا ہے کہ جس دن ہم بلاوینگے ہر فرقے کے لوگوں کو اُنکے پیشواؤں سمیت

یوم ندعوا کل اناس باماھم فمن اوتی کتابہ فاولئک یقرؤن کتابھم ولا یظلمون فتیلا۔ (بنی اسرائیل ۷۳)

پھر جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اُسکی کتاب یعنی اعمالنامہ دیا جاویگا تو وہ لوگ پڑھ لیں گے اپنی کتاب یعنی اعمالنامہ۔ اور نہ ظلم کئے جاوینگے تاگے کے برابر۔

اور سورہ انشقاق میں خدا نے فرمایا ہے کہ تمام انسان خدا سے ملنے والے ہیں پھر جس شخص کے

فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا و ینقلب الی اھلہ مسرورا و اما من اوتی کتابہ وراء ظھرہ فسوف یدعوا ثبورا و یصلی سعیرا انہ کان فی اھلہ مسرورا۔ انہ ظن ان لن یحور بلی ان ربہ کان بہ بصیرا (انشقاق ۷-۱۵)

دائیں ہاتھ میں اُسکی کتاب یعنی اعمال نامہ دیا جاویگا تو اُس سے بہت تھوڑا سا حساب کیا جاویگا اور وہ پھرے گا اپنے لوگوں میں خوش مگر جس شخص کو اُسکی پیٹھ پیچھے اُسکی کتاب یعنی اعمال نامہ دیا گیا تو وہ پہونچے گا ہلاکت کو اور دوزخ میں جاویگا اور بیشک

خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۴۹﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۰﴾

وہ اپنے لوگوں میں خوش تھا اور اسکو گمان نہ تھا کہ وہ خدا کے پاس جاویگا۔ یوں نہ تھا جو وہ سمجھا تھا۔ بیشک اسکا پروردگار اسکے کاموں کو دیکھنے والا تھا۔

سورۃ الحاقہ میں خدا نے انسانوں کو مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ جبدن تم خدا کے سامنے کئے جاؤ گے تو تمہاری کوئی بات چھپی نہیں رہیگی پس جس شخص کے دائیں ہاتھ میں اسکی کتاب یعنی اعمالنامہ دیا جاویگا تو کہے گا کہ لو پڑھو میرے اعمالنامہ کو بیشک میں جانتا تھا کہ مجھسے حساب ہوگا۔

يومئذ تعرضون لا تخفى منكم خافية فاما من اوتي كتابه بيمينه فيقول هاؤم اقرؤا كتابيه انى ظننت انى ملاق حسابيه (الحاقه ۱۸-۱۹)

پس جس شخص کے بائیں ہاتھ میں اسکی کتاب یعنی اعمال نامہ دیا جاویگا تو کہے گا کہ کاش یہ اعمال نامہ مجھکو نہ دیا جاتا اور اپنے حساب کو نہ جانتا۔ کاش میری موت ہی فیصلہ کردیتی۔

واما من اوتي كتابه بشماله فيقول يا ليتنى لم اوت كتابيه ولم ادر ما حسابيه يا ليتها كانت القاضية (الحاقه ۲۵-۲۷)

تفسیر کبیر میں اس آیت کے متعلق ایک عجیب روایت لکھی ہے اگرچہ ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے مگر اس مقام پر اسکا لکھدینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے۔

ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کےدن آدمی لایا جائیگا اور اسکا نامۂ اعمال بھی لایا جائیگا پھر اسکی نیکیاں اسکے ہاتھ کی پشت پر لکھی جائینگی۔ اور اسکی بدیاں اسکی ہتیلی پر

روى ابو هريرة انه عليه السلام قال ان الرجل يؤتى به يوم القيامة ويؤتى كتابه فتكتب حسناته

پیدا کرنے آسمانوں اور زمین کے اور نہ بروقت اُنکے خود پیدا کرنے کے اور میں نہیں ہوں لینے والا گمراہ کرنیوالوں کو بطور بازو کے (یعنی مددگار) (۴۹) اور جسدن کہے گا پکارو میرے شریکوں کو جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے تو وہ پکارینگے پھر وہ اُنکو کچھ جواب نہ دینگے اور ہم کر دینگے اُنمیں اور اُنکے درمیان میں ایک مہلک خندق (۵۰)

فی ظهر کفه وتکتب سیئاته فی بطن کفه فینظر الی سیئاته فیحزن فیقال له اقلب کفك فینظر فیه فیری حسناته فیفرح ثم یقول هاؤم اقرأوا کتابیه انی ظننت عند النظرة الاولی انی ملاقٍ حسابیه علی سبیل الشدة واما الآن فقد فرّج الله عنی ذلك الغم (تفسیر کبیر جلد سادس صفحہ ۳۴۹)

لکھی جائینگی وہ اپنی بدیوں کو دیکھکر غمگین ہوگا اس سے کہا جائے گا کہ اپنا ہاتھ اولٹا کرو۔ اور وہ ہاتھ کی دوسری طرف اپنی نیکیاں دیکھکر خوش ہوگا پھر کہے گا لو پڑھو میرے اعمال نامے کو میں پہلی دفعہ دیکھکر سمجھا تھا کہ مجھسے نہایت سختی کے ساتھ حساب ہوگا مگر اب خدا نے میرا سارا غم دور کر دیا۔

جسطرح اعمال ناموں کا لکھا جانا تمثیلاً بیان کیا ہے اسی طرح اُنکا دائیں اور بائیں ہاتھ میں دیا جانا تمثیلاً بیان ہوا ہے۔ دایاں ہاتھ جو کہ اشرف گنا جاتا ہے اُسمیں اچھے اعمال ناموں کا دیا جانا تمثیلاً بیان کیا ہے اور بایاں ہاتھ جو اشرف نہیں سمجھا جاتا اُس میں بُرے اعمال ناموں کا دیا جانا تمثیلاً بیان کیا ہے۔ اب ہم اُن آیتوں کو بیان کرتے ہیں جن میں اعمال نامے کے لفظ کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اُنمیں صرف اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کے الفاظ ہیں۔

خداتعالیٰ نے سورہ واقعہ میں کئی جگہہ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کا ذکر کیا ہے۔

ایک جگہہ فرمایا ہے کہ "واصحاب الیمین ما اصحاب الیمین" یعنی داہنے ہاتھ والے کون ہیں وہ داہنے ہاتھ والے ہیں وہ جنت میں ہیں۔

اور دوسری جگہہ فرمایا ہے "واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال" یعنی بائیں ہاتھ والے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۲﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ

کون ہیں وہ بائیں ہاتھ والے؟ وہ جو دوزخ میں ہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ اگر وہ ہی داہنے ہاتھ والوں میں سے تو داہنے ہاتھ والوں کیطرف سے تجھکو سلام اور اگر وہ ہے جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے تو اسکی دعوت ہے گرم پانی سے اور اسکو جلنا ہے دوزخ میں۔

واما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لك من اصحاب الیمین واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم وتصلیة جحیم (سورہ الواقعہ ۸۹-۹۴)

اس آیت میں اصحاب الشمال کی جگہہ "المکذبین الضالین" کا لفظ آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحاب الشمال صرف ایک تمثیل ہی کافروں کے لئے۔

اور سورہ بلد میں خدا تعالی نے فرمایا ہے۔ پھر وہ ہوگیا ایمان والوں میں سے جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو خلق اللہ پر شفقت کرنے کی نصیحت کی وہی اصحاب میمنہ ہیں اور جن لوگوں نے انکار کیا ہماری نشانیوں سے وہ ہیں اصحاب مشأمہ انکو آگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

ثم کان من الذین امنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة۔ اولئك اصحاب المیمنه والذین کفروا بایاتنا هم اصحاب المشأمه علیهم نار موصدة (البلد ۱۷-۲۰)

اس آیت میں بجائے الفاظ "اصحاب الیمین" کے "اصحاب المیمنہ" فرمایا ہے جسکے معنی ہیں نیکبختی والے اور بجائے الفاظ "اصحاب الشمال" کے "اصحاب المشئمہ" فرمایا ہے جسکے معنی ہیں بدبختی والے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی نسبت کہا گیا تھا کہ اُنکے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ

اور دیکھیں گے گنہگار آگ کو اور گمان کرینگے کہ وہ اُسمین گرنیوالی ہیں اور نہ پاوینگے اُس سے کوئی جگہہ بچنے کی (۵۱) اور بیشک ہمنے طرح طرح سے بیان کی اس قرآن میں لوگون کیلئے طرح سے مثال اور ہے انسان زیادہ سب چیز سے جھگڑالو نہیں (۵۲) اور نہیں منع کیا لوگون کو اس سے کہ ایمان لاویں جبکہ آئی اُنکے پاس ہدایت اور بخشش مانگیں اپنے پروردگار سے مگر یہ کہ

ہوگا اور جن کی نسبت کہا گیا تھا کہ اُنکی بائین ہاتھ میں اعمال نامہ ہوگا وہی اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال تھے اور جو اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال تھے وہی اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ پہلی آیتون میں بیان ہوا تھا وہ صرف تمثیل تھی۔

جس طرح اعمال نامون کا دائین ہاتھ میں اور بائین ہاتھ میں دیا جانا تمثیلاً بیان کیا ہے اسیطرح اُن اعمال نامونکا کہولا جانا بھی تمثیلاً بیان ہوا ہے جہان خدا نے سورۂ التکویر کی دسوین آیت میں فرمایا ہے۔ "واذا الصحف نشرت" یعنی جسوقت کہ اعمال نامے کہولے جاوینگے۔ اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے کہ ہمنے ہر انسان کی گردن سے اُسکی شامت عمل کو وابستہ کر دیا ہے اور ہم قیامت کے دن اُسکے اعمال نامہ کو ظاہر کرینگے وہ اُسکو کہلا ہوا پاویگا پڑھ اپنے اعمال نامے کو آج تو خود ہی اپنا حساب لینے والا ہے۔

> یوم القیمۃ کتابا یلقاہ منشورا وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ ونخرج لہ اقرا کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا (بنی اسرائیل ۱۴-۱۵-)

جو کہ کہلے ہوئے کاغذ کو دیکہنے سے جو کچھ اُس میں لکھا ہوا ہے انسان کو اسپر یقین آجاتا ہے اسی یقین کے ظاہر کرنے کو خدا تعالیٰ نے تمثیلاً اعمال نامہ کا کہولا جانا بیان کیا ہے۔

اب ہم ایک اور آیت کا ذکر کرتے ہیں جس میں اصحاب الیمین کا لفظ ہے مگر کسیطرح وہ الفاظ اُن پر صادق نہیں آسکتے جنکے دائین ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا ہو اور وہ آیت سورہ مدثر کی ہے جہان خدا نے فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے کرنے کی

> کل نفس بما کسبت رہینۃ الا اصحاب الیمین (مدثر ۴۱)

تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۳﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا ﴿۵۴﴾

کے ساتھ گروہ ہے مگر اصحاب یمین۔ اصحاب یمین سے مراد بعض لوگوں نے مسلمان لئے ہیں اور بعض نے اُن سے مراد لی ہے جو حضرت آدم کے دائیں ہاتھ پر تھے اور بعض نے اُن سے مراد لی ہے جنکے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ مگر ان میں سے کوئی مراد بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ "بما کسبت رہینۃ" میں تمام انسان داخل ہیں خواہ اُنہوں نے اچھے کام کئے ہوں یا بُرے کام کئے ہیں پس کسی کا استثنا اُن میں نہیں ہوسکتا اگر ہوسکتا ہے تو صرف اُنھی کا ہوسکتا ہے جو اپنے اعمال کے ساتھ مرہون نہ ہوں اور بجز نابالغ بچوں کے اور کوئی نہیں ہوسکتے اور جو کہ اُنکی اعمال پر بُرے کام اور اچھے کام کا اطلاق نہیں ہوسکتا اسلئے کوئی اعمال نامہ اُنکے ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا پس صاف ظاہر ہے کہ یہاں اصحاب الیمین سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جنکے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔

تفسیر کبیر میں حضرت علی مرتضیٰ اور عبداللہ بن عمر کا یہی قول لکھا ہے اور فرّا نے جو بہت بڑا نحوی ہے اس قول کی تصدیق کی ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ابن عمر اس آیت اصحاب الیمین کے لفظ سے مسلمان بچے مراد لیتے ہیں۔ فرّا نے کہا ہے کہ یہ قول نہایت صحیح ہے۔

> قال علی بن ابی طالب علیہ السلام وابن عمر ھم اطفال المسلمین قال الفراء وھو اشبہ بالصواب
> (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۳۰۲)

اب ہم دو آیتیں قرآن مجید کی اور نقل کرتے ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ خدا نے جو کچھ تمثیلاً بیان کیا تھا اُسکی حقیقت کیا ہے۔

خدا تعالیٰ سورۂ حدید میں فرماتا ہے۔ کہ جسدن تو دیکھے گا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو

آوے اُنکے پاس طریقہ اگلے لوگون کا یا آوے اُنکے پاس عذاب سامنے سی (۵۳)

اور نہیں بھیجا ہمنے رسولونکو مگر خوشخبری دینے والے اور ڈرانیوالے۔ اور جھگڑتے ہیں

وہ لوگ جو کافر ہوے جھوٹی باتون سے تاکہ ڈگڑا دین اُس سے حق بات کو اور اُنھون

نے پکڑا ہماری نشانیون کو اور اُس چیز کو جس سے ڈرائی گئی تھے ٹھٹھا (۵۴)

یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم بشریٰکم الیوم جنٰت تجری من تحتہا الانھٰر خلدین فیھا ذالک ھو الفوز العظیم (حدید ۱۲)	کہ اُنکی روشنی اُنکے آگے اور اُنکے واہنے ہاتھ چلتی ہے۔ خوشخبری ہو تمکو۔ آج تمہارے لئے باغ ہیں جنکے نیچے نہرین بہتی ہیں جن میں سدا

رہیں گے۔ یہی بڑی مراد ملنی تھی۔

دوسری جگہہ خداتعالی سورہ تحریم میں فرماتا ہے کہ جسدن خدا اپنے نبی کو ذلیل کریگا تو اُنکو جو

یوم لایخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا (تحریم ۸)	اُسکے ساتھ ایمان لائے اُنکی روشنی اُنکے آگے اور اُنکے واہنے ہاتھ دوڑتی ہوگی اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہمکو ہماری

کامل روشنی عطا فرما۔

اِسکی مثل ایک آیت سورہ ہود میں ہے جہان خدا نے فرمایا ہے کہ انسانون میں کوئی بدبخت

فمنھم شقی وسعید فاما الذین شقوا ففی النار لھم فیھا زفیر وشھیق خالدین فیھا واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیھا (ھود ۱۰۹-۱۱۰)	ہے اور کوئی نیک بخت جو لوگ بدبخت ہیں وہ دوزخ میں چیخیتے چلاتے ہونگے اور اُسمیں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِس سے زیادہ اور کیا اِس بات کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اعمال نامون کا لکھا جانا اور اُنکا تولا جانا اور نیک بندون کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ کا دیا جانا اور بدلوگون کے بائیں ہاتھ میں

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ﴿۵۵﴾ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿۵۶﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿۵۷﴾ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ﴿۵۸﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۵۹﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا

اعمال نامہ کا دیا جانا یا پیٹھ کے پیچھے سے دیا جانا اور اعمال ناموں کا کُھلنا یا منتشر ہونا یہ سب تمثیلیں ہیں اور حقیقت صرف اسقدر ہے کہ نور ایمان قیامت کے دن ایمان والوں کے ساتھ ہوگا اور اُنکی پاک روحیں علانیہ اُن نیک افعال کے نتیجوں کو ظاہر کرینگی جو کہ اُنھوں نے دنیا میں کئے تھے اور بدکاروں کی روحیں اُن بداعمالیوں کے نتیجوں کو ظاہر کرینگی جو دنیا میں اُن سے ظاہر ہوئی تھیں۔ فمن شاء فلیومن علی ظواہر آیات القرآن ومن شاء فلیومن علی بواطنہا وحقائقہا ولا ریب فی انہا ھی حقیقۃ الاسلام وقد نفثہا اللہ فی روعی فللہ الحمد۔

(۵۹) اِس آیت کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے ہمکو کچھ حال حضرت موسیٰ کا بیان کرنا چاہیئے واضح ہو کہ جب موسیٰ فرعون کے محل میں پرورش پاکر تعلیم کے قابل ہوئے تو اُنہوں نے نہت اعلیٰ درجہ کی تعلیم پائی تھی۔ اصل شہر جس میں فرعون کا پایۂ تخت تھا اُسکا نام عمسیس تھا اور اُس سے تھوڑی

اور کون ہے زیادہ ظالم اُس شخص سے جو نصیحت دیا گیا تھا اپنے پروردگار کی نشانیوں سی پھر مونہہ پھیر لیا اُس سے اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیجا ہے اُسکے ہاتھوں نے بیشک ہمنے ڈالدیا ہے اُنکے دلوں پر ڈھکنا کہ اُسکو سمجھ سکیں اور اُنکے کانوں میں ڈھینٹی ۵۵ اگر تو اُنکو بلاوے ہدایت کیطرف تو پھر ہرگز نہ ہدایت پاوینگے اُسوقت کبھی ۵۶ اور تیرا پروردگار بخشنے والا ہے رحمت والا اگر اُنکو پکڑے بسبب اُسکے جو اُنھوں نے کمایا ہے تو البتہ جلد بھیجے اُنکے لئے عذاب بلکہ اُنکے لئے وعدہ ہے کہ نپاوینگے اُسکے سوا پناہ ۵۷ اور یہ بستیاں کہ ہمنے اُنکو ہلاک کیا جب اُنھوں نے ظلم کیا اور ہمنے مقرر کی اُنکی ہلاک کرنیکو ایک میعاد ۵۸ اور جسوقت کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو کہ میں برابر چلا جاؤنگا یہانتک کہ میں پہونچوں مجمع البحرین کو یا چلا چلوں میں مدت دراز تک ۵۹ پھر جب دونوں پہونچے۔

دور ایک اور شہر تھا اُس کا نام تھا ہیلیو پولس (یعنی مدینۃ الشمس) اُس شہر میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی تھی اور تمام علوم کی اُس میں تعلیم ہوتی تھی اور حضرت موسیٰ نے نہایت اعلیٰ درجہ کے علوم تک اُس یونیورسٹی میں تعلیم پائی تھی۔ اِس کا مختصر ذکر اعمال حواریین میں بھی ہے جسکو ہم نے ابھی نقل کیا ہے علاوہ اِسکے ڈاکٹر ولیم اسمتھ نے قدیم کتابوں سے ڈکشنری آف بائبل میں اُسکا مفصل حال لکھا ہے جسکا بعینہٖ ترجمہ ہم لکھتے ہیں۔

اُس میں لکھا ہے کہ "اُسوقت سے بہت برسوں تک موسیٰ کو باشندہ مصر خیال کرنا ضرور ہے۔ توریت میں اس زمانہ کا کچھ ذکر نہیں ہے مگر عہد جدید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ تعلیم یافتہ تھے اور اُنھوں نے مصریوں کی ساری حکمت میں تربیت پائی اور قول اور فعل میں بڑے لایق تھے (اعمال باب ۷ آیت ۲۲) مفصلہ ذیل مختصر احوال یہودی اور مصری روایات کا ہے جس سے کہ اس مقدس مصنف کے (اُس زمانہ کے) جو حالات معلوم نہیں ہیں معلوم ہوتے ہیں اُنکی تعلیم ہیلیو پولس میں ہوئی تھی * تصنیفات اسٹربو سے مقابلہ کرو باب ۱۷ فقرہ اول اور وہاں بطور مقدس قوہن کے جہاں کہ اُنکا

نَسِيَا حُوْتَهُمَا

مصری نام اوسارسف یا ٹسی تہن تہا پرورش پائی حسب راے منیتھو (جو قدیم مورخ ہے) لفظ اوسارسف مشتق ہے اوسائی رس سے جو ایک مصری معبود کا نام تہا اور اوسارسف کے معنی یہ ہین جس کو اوسائی رس نے بچایا ہو۔ حضرت موسیٰ کو کل سلسلہ یونانی کالڈی اور اسیرین لٹریچر کا پڑہایا گیا تھا۔ مصریون سے اُنہون نے میتھی میٹکس سیکہا تاکہ اُنکا ذہن بلا تعصب صدق کے قبول کرنے کے قابل ہو۔ اُنہون نے کشتیان اور تعمیر کے اوزار اور نیز آلات حرب اور پانی کی کلین اور حرف جو تصویرون کی صورت میں لکھے جاتے تھے اور زمین کی قسمون کو ایجاد کیا اُنہون نے ارفیوس کو تعلیم دی اور اسوجہ سے یونانی حضرت موسیٰ کو موسیس کہنے لگے اور مصری ہرمنیز (ہرمس) کہنے لگے اُنہون نے علم صرف ونحو یہودیوں کو سکہایا اور وہان سے وہ علم فنیشیا اور یونان میں پہونچا حضرت موسیٰ کو ایک مہم پر جو بخلاف حبشیون کے تہی بہیجا گیا تھا اور اُنہوں نے اُس ملک کے سانپون کو اسطرح پر معدوم کیا کہ ملک بہر میں کہانچے بہر بہر کر پرندمار خور جانور چہوڑدیئے اور شہر ہرموپولیس بطور یادگار اپنی فتح کے آباد کیا پہر وہ شہر سبا کی طرف جو اتہوپیا کا دارالخلافت تہا روانہ ہوئے اور اُس شہر کا نام اپنی متبنّی کرنیوالی مان مسمّی مرمس کے نام پر مہرو رکہا اور اُسی جگہہ حضرت موسیٰ نے اُنکو دفن کیا۔ بادشاہ اتہوپیا کی بیٹی مسمّی تھاربس کو اُن سے تعشق ہو گیا تھا اور حضرت موسیٰ معہ اُس لڑکی کے بطور اپنی بی بی کے خوش وخرم مصر کو واپس آئے۔"

(ڈکشنری آف دی بائبل مصنفہ ڈاکٹر ولیم اسمتھ۔ جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ - ۴۲۶)

حال میں جو احمد آفندی نجیب نے قدیم مصر کی تاریخ لکہی ہے اُس میں بہی اِس شہر کا ذکر کیا ہے۔

"وہ لکہتا ہے کہ عین الشمس کا قدیم نام "ان" ہے اور یہ مصریون کا قدیم مقدس شہر تھا اور وہان اُنکے دیوتا "رع" (آفتاب) کا مندر تھا اور اِس شہر میں ایک یونیورسٹی تہی جسکی شہرت کے سبب سے سولون جو یونان کا مقنن تھا اور افلاطون اور فیثاغورس علم کی تحصیل کے لئے اِس یونیورسٹی مین داخل ہوئے تھے اور رعمسیس ثالث کے زمانہ میں جو بیسوین شاہی خاندان کا بادشاہ تھا ایک مندر میں بارہ ہزار طالب علم تعلیم پاتے تہے"

(الاثر الجلیل لقدماء وادی النیل صفحہ ۳۴)

جگہہ جمع ہونی اُن دونوں (یعنی بحرین) کی بھول گئے اپنی مچھلی کو

اِس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ شہر مدینۃ الشمس یا مین الشمس میں رہتے تھے اور وہان سے شہر رعمسیس میں آئے اور اُسی شہر میں اُس شخص کو گھونسا مار کر مار ڈالا جس کا ذکر قرآن مجید کے سورہ قصص میں ہے۔

سورہ قصص میں یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ کو ایک شخص نے خبر دی کہ وہان کے سرداروں کا اُنکو مار ڈالنے کا ارادہ ہے اسلئے وہ وہان سے بھاگ گئے۔ اور خروج باب ۲ ورس ۱۵ اسے معلوم ہوتا ہے کہ مدین میں جانیکا اُنھون نے ارادہ کیا۔ جبکہ وہ وہان سے بھاگے ہیں اسوقت کا ذکر اِس آیت میں ہے اور بھاگنے کے وقت ایک شخص اُنکے ساتھ ہولیا۔ قرآن مجید سے تو معلوم نہیں ہوسکتا کہ یہ کون شخص تھا صرف اتنا قیاس ہوسکتا ہے کہ جس شخص نے آنکر حضرت موسیٰ کو خبر دی تھی کہ تمہارے مار ڈالنے پر مشورہ ہوا ہے وہی حضرت موسیٰ کے ساتھ ہولیا جبکہ وہ رعمسیس سے نکل گئے۔ مگر تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ وہ شخص یوشع تھے یا یوشع کے بھائی اور یہ بات ممکن ہے کیونکہ جب حضرت موسیٰ رعمسیس سے نکلے ہیں تو یوشع کی عمر بموجب توریت کے بائیس برس کی تھی اور قفال اور عمرو بن عبید کا قول ہے کہ وہ شخص حضرت موسیٰ کا غلام تھا۔

قرآن مجید میں جو یہ لفظ ہیں "لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین" یعنی جب تک دو سمندروں کے ملنے کی جگہہ تک پہونچون پس یہ بات دریافت کرنی ہے کہ مجمع البحرین سے کونسی جگہہ مراد ہے تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ بحر فارس اور بحر روم جس مقام پر آپس میں ملے ہیں وہ مقام مجمع البحرین ہے مگر یہ صریح غلطی ہے اِس واسطے کہ بحر فارس اور بحر روم نہ کسی جگہہ آپس میں ملے ہیں اور نہ مل سکتے تھے ریڈسی یعنی بحر قلزم کی دو شاخیں نکلی ہیں ایک شرقی ہے اور ایک غربی۔ پھر وہ دونوں شاخیں آپس میں ملی ہیں۔ اِس زمانہ میں شرقی شاخ کو گلف آف اکابہ یعنی خلیج عقبہ اور غربی شاخ کو گلف آف سوئز یا خلیج سوئس کہتے ہیں۔ جہان یہ دونوں شاخیں باہم ملی ہیں اُس مقام کو مجمع البحرین کہا گیا ہے۔ اِن دونوں شاخوں کے بیچ میں بہت سے پہاڑ ہیں اور اُس زمانہ میں جنگل ہوگا اور عام طور پر وہ رستہ چلتا نہ ہوگا۔ اُسکا ثبوت قرآن کے ان لفظون سے نکلتا ہے "فارتدا علی آثارهما قصصا" یعنی جب حضرت موسیٰ اور اُنکا ساتھی جوان مجمع البحرین

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦١﴾

سے چلے اور معلوم ہوا کہ مچھلی نہیں ہے تو پھر وہ اپنے پاؤن کے نشانات ڈھونڈھتے ہوئے واپس آئے اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ عام رستہ نہیں تھا بلکہ جنگل تھا جس کے سبب اُنکو اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس آنا پڑا۔

حضرت موسیٰ جب رعمسیس سے بھاگے ہین تو اِس خیال سے کہ تعاقب کر کے لوگ پکڑ نہ لیں وہ عام رستہ اختیار کر نہیں سکتے تھے اِس لئے اُنہون نے جنگل کا اجنبی رستہ اختیار کیا اور وہ اِس بات کو جانتے تھے کہ جب مجمع البحرین پہونچ جائینگے تو وہان سے مدین کا رستہ جہان اُنکو جانا منظور تھا آسانی سے مل جائیگا۔ اِسی لئے اُنہون نے کہا "لا ابرح حتے ابلغ مجمع البحرین۔"

صوبہ مدین رڈسی یعنی بحر قلزم کی مشرقی شاخ (خلیج عقبہ) کے دونون طرف واقع ہے جہان کہ مدیانی قوم رہتی تھی اور خاص شہر مدین خلیج عقبہ کے مشرقی کنارہ پر واقع تھا۔ ان تمام حالات سے جو جغرافیہ سے معلوم ہوتے ہیں بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ رڈسی کی ایک شاخ کے جنگل کے کنارے ہو کر وہان پہونچے جہان دونون شاخیں رڈسی کی ملتی ہین اور جسکو مجمع البحرین کہا ہے اور وہان سے مدین کو چلے گئے۔

(۶۰) مچھلی کی نسبت بہت سی دور از کار روایتیں کتب تفاسیر وغیرہ میں لکھی ہیں اصلی حقیقت صرف اتنی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ کے پاس کوئی کھانے کا سامان موجود نہیں تھا وہ سراسیمگی کی حالت میں شہر سے بھاگے تھے جب وہ مجمع البحرین پر پہونچے تو اُنھوں نے ایک مچھلی پکڑی اور اُسکو ایک چٹان پر رکھدیا کیونکہ قرآن مجید میں اس بات کا کہ موسیٰ اپنے ساتھ مچھلی لے کر چلے تھے اور وہ مری ہوئی یا بھنی ہوئی تھی کچھ اشارہ نہیں ہے مگر تھوڑی دیر میں وہ مچھلی تڑپ کر پھر دریا میں جا پڑی جب موسیٰ

پھر پکڑی اُس نے (یعنی مچھلی نے) اپنی راہ دریا میں خشکی سی ⑥⓪ پھر جب وہ آگے بڑھے تو کہا (یعنی موسیٰ نے) اپنے جوان سے کہ دے ہمکو ہمارے صبح کا کھانا بیشک ہمنے پائی ہے اپنے سفر سے تکلیف ⑥①

وہاں سے چلے تو اُنکو خیال تھا کہ وہ مچھلی ہوگی اُنہوں نے اپنے ساتھی جوان سے کہا کہ ہمارا کھانا لاؤ اُس جوان نے کہا کہ وہ مچھلی تو پھر دریا میں چلی گئی اور اُس کا ذکر کرنا میں تم سے بھول گیا جو کہ جنگل میں اور کچھ کھانیکا سامان نہیں تھا اسلئے حضرت موسیٰ مجمع البحرین کو واپس پھرے تاکہ پھر کوئی مچھلی کھانیکے لئے وہاں سے پکڑیں۔

مچھلی کے دریا میں چلے جانے کی نسبت قرآن مجید میں یہ لفظ ہیں "اتخذ سبیلہ فی البحر سربا" سرب کے معنی چلنے کے ہیں مفسرین نے جو اس کے معنی مطابق اُن حدیثوں کے جن میں یہ قصہ بیان ہوا ہے اور جن کو ہم بیان کرینگے اسطرح بیان کئے ہیں کہ مچھلی جب پانی میں گئی تو پانی دونوں طرف ہٹ گیا اور پانی میں طاق یا سرنگ کی صورت بن گئی سو بیان روایات یہودیہ مبنی ہے جنکا کوئی اشارہ قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا۔ تفسیر کبیر میں اس آیت کو "اتخذ سبیلہ فی البحر سربا" یعنی لکھے ہیں سرب فی البحر سربا یعنی وہ مچھلی سمندر میں چلی گئی اور الفاظ "اتخذ سبیلہ" کو "سبیل" کے قائم مقام بیان کیا ہے جسکا نتیجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

اسکے بعد حضرت موسیٰ کے ساتھی جوان نے جب مچھلی کے سمندر میں چلے جانیکا ذکر کیا تو یوں کہا "واتخذ سبیلہ فی البحر عجبا" یعنی مچھلی سمندر میں عجیب طرح سے چلی گئی "عجبا" کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ اُس مچھلی نے کوئی عجیب طرح سے سمندر میں رستہ بنایا تھا کسی طرح پر درست نہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ مچھلی کو سمندر میں سے نکال کر کنارے پر ڈال دیا تھا اور یہ سمجھے تھے کہ وہ مر گئی مگر اُس میں جان باقی تھی اور وہ تڑپ کر سمندر میں جا پڑی۔ اسی بات کو موسیٰ کے ساتھی جوان نے عجیب بات سمجھکر کہا کہ "واتخذ سبیلہ فی البحر عجبا"

اسی قسم کا واقعہ خود مجھ پر گذرا ہے۔ میں نہر سویز کی سیر کرنے کو کشتی پر بیٹھ کر گیا۔ ایک ملاح نے نہر میں سے مچھلی پکڑی اور اُسکو کشتی میں ڈال دیا دو ایک دفعہ تڑپ کر وہ سست ہوگئی ہم سب نے جانا کہ وہ مر گئی ہم سب نہر کی سیر دیکھتے جاتے تھے اور اُس مچھلی کا کچھ خیال نہ تھا تھوڑی دیر بعد وہ مچھلی زور سے تڑپی اور پھر نہر میں جا پڑی اور ہم سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ ایسے واقعات عام طور پر واقع

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ

ہوتے ہیں اور اسی طرح حضرت موسیٰ کو بھی بطور ایک عام واقعہ کے پیش آیا۔

(۶۱) تا (۶۳) جب حضرت موسیٰ مجمع البحرین سے آگے چلے تو حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے مچھلی کا پھر دریا میں چلا جانا سُنا تو کہا "ذٰلك ما كنا نبغ" جو کہ مفسرین نے اُن روایات بیہودہ سے جو بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہیں یہ سمجھا تھا کہ موسیٰ کو خبر دی گئی تھی کہ جہاں تم مچھلی بھول جاؤ گے وہاں تمکو خضر ملیں گے، اس لئے اُنہوں نے ذٰلک کا مشار الیہ مچھلی کا چلا جانا قرار دیا اور اُسکے معنی یہ سمجھے کہ مچھلی کا چلا جانا وہ امر ہے جسکو ہم چاہتے تھے۔ مگر "ذٰلك ما كنا نبغ" کے معنی صاف ہیں۔ حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے کہا کہ "اٰتنا غداءنا" یعنی ہمارا صبح کا کھانا لا اُس نے کہا مچھلی تو دریا میں چلی گئی یعنی صبح کا کھانا جو تم مانگتے ہو نہیں رہا موسیٰ نے کہا کہ "ذٰلك" ای غداءنا الی ما کنا نبغ من غداءنا یعنی صبح کا کھانا یہ ہے جسکو ہم چاہتے تھے ذٰلک کا اشارہ صاف غداءنا کی طرف ہے اُسکا مشارٌ الیہ ایک امر ذہنی بلکہ خیالی کو قرار دینا جسکا ذکر نہ صراحتًا نہ کنایتًا قرآن مجید میں موجود ہے صحیح نہیں ہو سکتا۔

(۶۴) اِس آیت میں جو یہ لفظ ہیں "فوجدا عبدا من عبادنا اٰتیناہ رحمة من عندنا وعلمناہ من لدنا علما" یعنی جب حضرت موسیٰ اور اُنکا ساتھی جوان پھر کر مجمع البحرین پر پہونچے تو اُنہوں نے ایک بندہ کو خدا کے بندوں میں سے پایا جسکو ہم نے اپنی رحمت دی تھی اور ہم نے

(جوان نے) کہا کیا نہیں دیکھا تو نے کہ جب ہم تکیہ لگائے آرام سے بیٹھے تھے پتھر سے
پھر بیشک میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں بھولایا مجکو اُس سے مگر شیطان نے کہ ذکر کرون
اُسکا اور پکڑی اُسنے اپنی راہ دریا میں عجب طرح سے (۶۲) (موسیٰ نے) کہا یہ ہے
جو کچھ کہ ہم چاہتے تھے پھر دونون پھرے اپنے پاؤنکے نشانون پر ڈھونڈھتے
ہوئے (۶۳) پھر اُنھوں نے پایا ایک بندہ کو ہمارے بندون میں سے کہ دی
تھی ہمنے اُسکو رحمت اپنے پاس سے اور ہمنے اُسکو سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک طرح علم (۶۴) کہا

اُس کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا مفسرین اور محدثین کہتے ہیں کہ عبد سے
خضر مراد ہیں۔

حضرت موسیٰ کو خضر کے ملنے کی یہہ وجہ بیان ہوئی ہے کہ حضرت موسیٰ سے اُنکی قوم نے
پوچھا کہ سب سے زیادہ کون اعلم ہے موسیٰ نے کہا کہ میں سب سے زیادہ اعلم ہون اسپر خدا خفا ہوا
اور خدا نے وحی بھیجی کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں تجھ سے زیادہ اعلم ہے مگر اسکا قرآن مجید میں
کہیں ذکر نہیں اور کسقدر عجیب بات ہے کہ اس واقعہ کا نہ قرآن مجید میں ذکر ہے اور نہ کہین خضر کا
نام آیا ہے البتہ یہودیوں میں خضر کا نام اور اُنکے قصے تھے۔

قرآن مجید سے صرف اسقدر پایا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ لوٹ کر پھر مجمع البحرین پر آئے
تو وہان ایک اور شخص اُنکو ملا۔ ظاہر ہے کہ جس رستہ سے حضرت موسیٰ نے مدین جانیکا ارادہ کیا تھا
وہ نہایت اجنبی پہاڑون اور جنگل کا رستہ تھا جسکو طے کرنا بغیر کسی ایسے شخص کے جو رستہ سے
واقف نہو نہایت دشوار تھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جو ملا وہ رستہ کا اور اُس نواح کے حالات
کا واقف کار تھا اِس لئے حضرت موسیٰ نے اُس سے کہا کہ کیا میں تیری پیروی کرون بشرطیکہ
جو بھلائی تجھکو سکھائی گئی ہے مجھکو بھی سکھا دے یعنی رستہ بتاتا ہوا لے چلے۔

واضح ہو کہ اب اِس مقام سے قرآن مجید میں صرف انہی دو شخصوں کا ذکر ہے اُس جوان کا جو پہلے

کہ موسٰی

سے حضرت موسٰی کے ساتھ تھا کچھ ذکر نہیں آیا یا تو وہ ساتھ نہیں رہا یا آیندہ کے حالات میں اُسکے ذکر کرنیکی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوئی۔

یہہ شخص جو ملا صاحب موسٰی کہلاتا ہے اِسکی نسبت علماے متقدمین نے بہت اختلاف کیا ہے۔ اکثر تو کہتے ہیں کہ یہ خضر پیغمبر تھے جو اب تک جیتے ہیں اور جیتے رہینگے اور قیامت کے بورے نے ہیٹنگے مگر لوگون کو دکھائی نہیں دیتے کبھی کسی بھولے لبسرے کو راہ بتادیتے ہیں اور کبھی کسیکو علم لدنی سکھادیتے ہیں۔

جو لوگ صاحب موسٰی کو نبی بتاتے ہیں وہ اِس آیت پر استدلال کرتے ہیں " اٰتینٰاہ رحمۃ من عندنا و علمناہ من لدنا علما " یعنی جس پر ہمنے اپنی رحمت کی تھی اور ہم ہی نے اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔ مگر تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ نبوت بلاشک رحمت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر رحمت نبوت ہو۔

اور تفسیر کبیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ " علمناہ من لدنا " کے الفاظ سے بھی نبوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ علوم ضروریہ ابتدا میں خدا ہی سے ملتے ہیں۔ پس یہ دلیل نبوت کی نہیں ہے۔

اور تفسیر کبیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ الفاظ جو قرآن میں ہیں " وما فعلتہ عن امری " ان الفاظ سے نبوت پر استدلال کرنا نہایت ضعیف ہے۔ اسکا نہایت ضعیف ہونا ظاہر ہے اسلئے کہ یہہ کہنا کہ میں نے خدا کی مرضی سے یہ کام کیا ہے یا اپنی مرضی و خواہش سے نہیں کیا عام محاورہ بول چال کا ہے اس سے اُس شخص کا نبی اور پیغمبر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

بخاری کی تین حدیثوں میں جن میں سے ایک عبد اللہ بن محمد المسندی سے اور ایک ابراہیم بن موسٰی سے اور ایک قتیبہ بن سعید سے مروی ہے ان حدیثوں میں اُس شخص کا نام جو حضرت موسٰی سے مجمع البحرین پر ملا خضر لکھا ہے مگر وہ اُن وجوہ سے جو آگے بیان ہونگے قابل تسلیم نہیں ہے۔

بخاری میں متعدد جگہہ حضرت موسٰی کے قصہ کا ذکر ہو مگر چار حدیثیں بہت بڑی ہیں جن میں قریباً

اُس سے موسیٰ نے کہ

یہ تمام قصہ مذکور ہے۔

پہلی حدیث میں عبداللہ بن محمد المسندی۔ سفیان۔ عمرو۔ سعید ابن جبیر۔ ابن عباس۔ ابی ابن کعب راوی ہیں۔

دوسری حدیث میں علی ابن عبداللہ۔ سفیان۔ عمرو بن دینار۔ سعید ابن جبیر۔ ابن عباس۔ ابی ابن کعب راوی ہیں۔

تیسری حدیث میں ابراہیم بن موسیٰ۔ ہشام ابن یوسف۔ ابن جریج۔ یعلی بن مسلم۔ عمرو بن دینار۔ سعید بن جبیر۔ ابن عباس۔ ابی ابن کعب راوی ہیں۔

چوتھی حدیث میں قتیبہ بن سعید۔ سفیان۔ ابن عیینہ۔ عمرو ابن دینار۔ سعید بن جبیر۔ ابن عباس۔ ابی ابن کعب راوی ہیں۔

ان چاروں حدیثوں میں ابی ابن کعب اخیر راوی ہیں اور عمرو بن دینار۔ سعید ابن جبیر۔ ابن عباس چاروں حدیثوں میں راوی ہیں اور سفیان صرف پہلی اور دوسری اور چوتھی حدیث میں اور چاروں حدیثوں میں ابن عباس نے ابی ابن کعب سے روایت کی ہے۔

مگر ان حدیثوں میں جو تفاوت الفاظ اور طرز بیان اور بعض جگہ مضمون میں ہے اسکو بیان کرنا مناسب ہے۔

پہلی حدیث میں ہے "موسیٰ نبی" دوسری میں ہے صرف "موسیٰ" تیسری میں ہے "موسیٰ رسول اللہ" چوتھی میں ہے صرف "موسیٰ"

پہلی اور دوسری حدیث میں ہے "قام موسی النبی خطیبا فی بنی اسرائیل فسئل ای الناس اعلم فقال انا"

اور چوتھی حدیث میں بجائے "فسئل" کے "فقیل لہ" ہے

اور تیسری حدیث میں ہے "ذکر الناس یوما حتی اذا فاضت العیون ورقت القلوب ولی فادرکہ رجل فقال ای رسول اللہ ھل فی الارض احد اعلم منک قال لا"

هَل اَتَّبِعُكَ

یعنی پہلی اور دوسری حدیث میں ہے کہ "حضرت موسٰی وعظ کرنیکو بنی اسرائیل میں کھڑے ہوکے پوچھا گیا کہ کون شخص سب سے زیادہ عالم ہے حضرت موسٰی نے کہا کہ میں ہوں"

اور چوتھی میں بجائے "فسئل" کے "فقیل لهٗ" ہے یعنی موسٰی سے کہا گیا۔

اور تیسری حدیث میں ہے کہ "ایک دن حضرت موسٰی نے لوگوں کو نصیحت کی یہاں تک کہ لوگ روئے اور اُنکے دل نرما گئے۔ جب وعظ کہکر چلے تو ایک شخص ملا اور اُسنے کہا کہ اے رسول خدا دنیا میں تم سے زیادہ کوئی عالم ہے؟ حضرت موسٰی نے کہا نہیں"۔

پہلی حدیث میں ہے "فاوحی الله الیه ان عبدا من عبادی بمجمع البحرین اعلم منك"

اور دوسری حدیث میں ہے "قال له بل لی عبد بمجمع البحرین هو اعلم منك"

اور تیسری حدیث میں ہے "قیل بلی قال ای رب واین قال بمجمع البحرین"

چوتھی حدیث میں ہے "واوحی الیه بلی عبد من عبادی بمجمع البحرین هو اعلم منك"

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ "خدا نے موسٰی کے پاس وحی بھیجی کہ مجمع البحرین میں ایک میرا بندہ تجھ سے زیادہ عالم ہے"۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ "خدا نے موسٰی سے کہا کہ نہیں بلکہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے تجھ سے زیادہ عالم ہے"۔

اور تیسری حدیث میں ہے کہ "کہا گیا ہاں موسٰی نے کہا اے خدا کہاں؟ خدا نے کہا مجمع البحرین میں"

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ "خدا نے موسٰی کو وحی بھیجی کہ ہاں میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں تجھسے

کیا میں تیری پیروی کروں

زیادہ عالم ہے"۔

پہلی حدیث میں ہے" قال یا رب وکیف بہ"

دوسری حدیث میں ہے" قال ای رب من لی بہ وربما قال سفیان ای رب فکیف لی بہ"

تیسری حدیث میں ہے" قال ای رب اجعل لی علما اعلم ذلک منہ"

چوتھی حدیث میں ہے" قال ای رب کیف السبیل الیہ"

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ" موسیٰ نے کہا اے خدا میں کیونکر اُس تک پہونچونگا"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ" موسیٰ نے کہا اے خدا کون مجھے اُس تک پہونچائے گا اور کبھی سفیان نے کہا اے خدا میں کیونکر اُس تک پہونچونگا"

اور تیسری حدیث میں ہے کہ" موسیٰ نے کہا اے خدا مجھے کوئی نشانی بتا جس سے میں اُسکو پہچانوں"

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ" موسیٰ نے کہا اے خدا میں کیونکر اُس تک رستہ پاؤں"

پہلی حدیث میں ہے" فقیل لہ احمل حوتا فی مکتل فاذا فقدتہ فھو ثم"

دوسری حدیث میں ہے" قال تاخذ حوتا فتجعلہ فی مکتل حیث مافقدت الحوت فھو ثم وربما قال فھو ثمہ"

تیسری حدیث میں ہے" فقال لی عمرو قال حیث یفارقک الحوت وقال لی یعلی قال خذ نونا میتا حیث ینفخ فیہ الروح"

چوتھی حدیث میں ہے" قال تاخذ حوتا فی مکتل فحیث ما فقدت الحوت فاتبعہ"

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ" موسیٰ سے کہا گیا کہ زنبیل میں ایک مچھلی اُٹھا لے جہاں وہ

علیٰ اَنْ

وہ گم ہو وہ اُسی جگہہ ہوگا"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ "خدا نے کہا ایک مچھلی لے اور زنبیل میں رکھہ جہاں مچھلی گم ہوجائے وہ اُسی جگہہ ہوگا"

اور تیسری حدیث میں ہے کہ "عمرو بن دینار نے مجھ سے کہا کہ خدا نے کہا جہاں مچھلی تجھ سے جدا ہو اور یعلی نے مجھ سے کہا کہ خدا نے کہا ایک مردہ مچھلی لے جہاں اُس میں جان پڑ جائے"

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ "خدا نے کہا زنبیل میں ایک مچھلی رکھہ لے جہاں مچھلی گم ہوجاے اُس کے پیچھے پیچھے چلا جائیو"

پہلی حدیث میں ہے "وحمل حوتا فی مکتل حتی کانا عند الصخرۃ وضعا رؤسہما فناما فانسل الحوت من المکتل فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا"

دوسری حدیث میں ہے "فاخذ حوتا فی مکتل ثم انطلق ھو وفتاہ یوشع بن نون حتے اذا اتیا الصخرۃ وضعا رؤسہما فرقد موسیٰ واضطرب الحوت فخرج فسقط فی البحر فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا"

تیسری حدیث میں ہے "فاخذ حوتا فجعلہ فی مکتل فقال لفتاہ لا اکلفک الا ان تخبرنی بحیث یفارقک الحوت۔ * * فبینما ھو فی ظل صخرۃ فی مکان ثریان اذ تضرب الحوت * * حتی دخل البحر"

چوتھی حدیث میں ہے "قال فخرج موسی ومعہ فتاہ یوشع بن نون ومعہما الحوت حتی انتہیا الی الصخرۃ فنزلا عندھا قال فوضع موسیٰ راسہ فنام قال سفیان وفی حدیث غیر عمرو قال وفی اصل الصخرۃ عین یقال لہ الحیاۃ لا یصیب من مائہا شئ الا حیی فاصاب الحوت من ماء تلک العین قال فتحرک وانسل من المکتل فدخل البحر"

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ "موسیٰ نے زنبیل میں مچھلی رکھہ لی یہاں تک کہ دونوں ایک چٹان کے

اِس بات پر کہ تو

پاس پہونچے اور دونوں اُسپر سر رکھکر سو گئے - مچھلی زنبیل سے نکل پڑی اور اُس نے سمندر میں رستہ لیا"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ "موسیٰ نے زنبیل میں مچھلی لی پھر وہ اور اُنکا جوان ساتھی یوشع بن نون دونوں چلے اور ایک چٹان کے پاس پہونچے دونوں نے اُسپر اپنا سر رکھا اور موسیٰ سو گئے اور مچھلی تڑپ کر نکل پڑی اور سمندر میں جا پڑی اور اُسنے سمندر میں اپنا رستہ لیا"

اور تیسری حدیث میں ہے کہ "موسیٰ نے مچھلی لی اور اُسکو زنبیل میں رکھا پھر اپنے جوان ساتھی سے کہا میں تمکو اِسکے سوا اور تکلیف نہیں دیتا کہ جہاں مچھلی تم سے جدا ہو مجھے خبر کر دینا + + + اِسی اثنا میں کہ موسیٰ ایک چٹان کی پناہ میں تر زمین پر تھے کہ مچھلی تڑپی + + + یہاں تک کہ وہ سمندر میں چلی گئی"

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ "راوی نے کہا کہ موسیٰ چلے اور اُنکے ساتھ یوشع بن نون تھے اور دونوں کے ساتھ مچھلی تھی یہاں تک کہ ایک چٹان کے پاس پہونچے اور اُسکے قریب اُتر پڑے راوی نے کہا ہے کہ موسیٰ نے اپنا سر اُسپر رکھا اور سو گئے - سفیان کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار کی روایت کے سوا اور روایت میں ہے کہ چٹان کی جڑ میں ایک چشمہ تھا جسکو چشمہ آب حیات کہتے ہیں - اُسکا پانی جسکو لگتا تھا وہ زندہ ہو جاتا تھا اُس مچھلی کو بھی وہ پانی لگا اور اُس میں جنبش پیدا ہوئی اور زنبیل سے نکل کر سمندر میں چلی گئی"

پہلی حدیث میں ہے "فلما انتہیا الی الصخرۃ اذا رجل مسجی بثوب او قال تسجی بثوبہ"

دوسری حدیث میں ہے "حتے انتہیا الی الصخرۃ فاذا رجل مسجی بثوب"

تیسری حدیث میں ہے "فرجعا فوجدا خضرا قال لی عثمان بن ابی سلیمان علی طنفسۃ خضراء علے کبد البحر قال سعید ابن جبیر مسجی بثوبہ"

چوتھی حدیث میں ہے "قال فلما انتہیا الی الصخرۃ اذا ھما برجل مسجی بثوب"

تعلیمن

یعنی پہلی حدیث میں ہے کہ "جب دونوں چٹان کے پاس پہونچے تو یکایک ایک شخص نظر پڑا جو ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھا"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ "جب دونوں چٹان کے پاس پہونچے تو ناگاہ ایک شخص ملا جو کپڑا اوڑھے ہوئے تھا"

اور تیسری حدیث میں ہے کہ "جب دونوں الٹے پھرے تو انہوں نے خضر کو پایا عثمان بن ابی سلیمان نے مجھ سے کہا سمندر کے بیچ میں ایک سبز مصلیٰ پر۔ سعید بن جبیر نے کہا کپڑا اوڑھے ہوئے"

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ "راوی نے کہا جب دونوں چٹان کے پاس پہونچے تو یکایک دونوں نے ایک شخص کو دیکھا کپڑا اوڑھے ہوئے"

پہلی اور تیسری اور چوتھی حدیث میں اس شخص کا نام جو حضرت موسیٰ سے مجمع البحرین پر ملا خضر لکھا ہے۔ اور دوسری حدیث میں نام نہیں ہے بلکہ "رجل مسجیٰ بثوب" لکھا ہے یعنی ایک شخص ملا جو چادر اوڑھے ہوئے تھا۔

یہ تفاوت الفاظ اور طرز بیان اور زیادتی و کمی مضامین کو بطور نمونہ کے ہم نے دکھایا ہے اور اسیطرح کا ان حدیثوں میں جو موسیٰ کے قصہ سے متعلق ہیں بہت جگہہ تفاوت الفاظ اور طرز بیان اور مضامین کا ہے۔ اس سے ہمکو یہ ثابت کرنا ہے کہ ان حدیثوں کے جو الفاظ ہیں وہ وہ نہیں ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں بلکہ یہ الفاظ اخیر راویوں کے ہیں جنہوں نے ان حدیثوں کو مثل دیگر احادیث طوال کے بالمعنی روایت کیا ہے اور اسلئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ تصور نہیں ہوسکتے۔

دوسرے یہ امر قابل غور ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا کہ "حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج"

(بخاری کتاب الانبیاء)

سکھلادے مجکو اُس میں سے

یعنی بنی اسرائیل جو روایتیں بیان کرتے ہیں اُنکے بیان کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اس بنا پر صحابہ
اور تابعین یہودیوں کی روایت کو بیان کرتے تھے۔

اخیر کے راویوں نے یہ خیال کر کے کہ پہلے راوی نے آنحضرت سے سنا ہوگا اُنکو آنحضرت کیطرف مستند کر دیا پس جسقدر
یہودیوں کے قصے حدیثوں میں پائے جاتے ہیں اُنکی نسبت یقین نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت
وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مستند ہیں گو کہ وہ حدیثوں میں مستند کئے گئے ہوں اسلئے
ضرور ہے کہ اُن قصوں کا جس قدر ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اُنہیں پر ہم منحصر رہیں اور حدیثوں میں
جو قصے ہیں اُنکو بنظر درایت دیکھیں اور جانچیں اور جہاں تک اُن میں کوئی نقص نہ پایا جاوے
اور قرآن مجید سے اُسکی تائید ہوتی ہو اُنکو تسلیم کریں اور جن میں از روے درایت کے کچھ نقص
پاویں اُنکو متروک کریں۔

قرآن مجید میں یہ قصہ دو سورتوں میں آیا ہے سورہ قصص میں صرف وہاں تک بیان ہوا ہے
جہاں تک کہ حضرت موسیٰ ایک شخص کو قتل کر کے شہر سے بھاگے اُسکے بعد بھاگنے کی حالت میں
جو واقعات پیش آئے انکا بیان سورہ کہف میں آیا ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ
ایک ہی قصہ اور حضرت موسیٰ ہی کا قصہ ہے جو آدھا ایک سورۃ میں اور آدھا دوسری سورت میں
آیا ہے۔

جسوقت تک کہ حضرت موسیٰ اُس شہر سے بھاگے ہیں جس میں اُنہوں نے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا
اُسوقت تک وہ نبی یا پیغمبر یا رسول نہیں ہوئے تھے کیونکہ اُنکو رسالت اُسکے بہت بعد ہوئی ہے جبکہ
وہ فرعون کی ہدایت اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے پر مامور ہوئے اور یہ ایک تاریخی واقعہ ہے مگر بخاری
کی مذکورہ بالا حدیثوں میں اُنکو نبی اور رسول اللہ کر کے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ خدا نے اُنپر وحی بھیجی
تھی کہ مجمع البحرین میں جو میرا بندہ ہے وہ تجھ سے زیادہ عالم ہے اور اُن تمام حدیثوں میں پایا جاتا
ہے کہ اس واقعہ کی بابت خدا برابر اُن پر ہدایتیں بھیجتا رہتا تھا پس یہ امر جو خلاف تاریخ محققہ و مثبتہ
ہے مطابق اصول حدیث کے تسلیم نہیں ہو سکتا۔

ضمیمۂ علمت

بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ اُس چٹان کے نیچے جسپر مچھلی رکھی تھی آب حیات کا چشمہ تھا اُسکا پانی جسکو لگتا تھا وہ زندہ ہوجاتا تھا اُس مری مچھلی کو بھی وہ پانی لگا اور وہ زندہ ہوکر سمندر میں چلی گئی۔ یہ بیان نہ قرآن مجید میں سے مطابقت رکھتا ہے نہ عقل سے اور اسلیئے مطابق اصول حدیث تسلیم نہیں ہوسکتا اور نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ قرار پاسکتا ہے۔ اسیطرح خضر کا سمندر کے بیچ میں ایک سبز مصلیٰ بچھائے بیٹھا ہونا جو بخاری کی حدیث میں ہے قابل تسلیم نہیں ہے اور نہ یہ بات تسلیم ہوسکتی ہے کہ جس سوکھی گھانس پر وہ بیٹھتے تھے وہ ہری ہوجاتی تھی۔ انھی قصوں کی مناسبت سے اُس شخص کا نام خضر رکھدیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ قدیم زمانہ کے مقدس لوگوں میں ایک عام رواج تھا کہ لوگوں کو نصیحت کرنے اور اُنکے دل میں خدا کا ڈر بٹھانے اور اُسکی قدرت کی شان جتانے کے لئے اس قسم کے قصے بنالیتے تھے اور بزرگوں کے واقعی اور سچے حالات میں ایسی باتیں ملادیتے تھے جن سے خدا کی قدرت عظیم ظاہر ہوتی تھی اور وہ لوگوں کے دلوں پر زیادہ موثر ہوتے تھے اسی قسم کے بہت سے قصے نہایت قدیم زمانہ کے لیٹن زبان میں موجود ہیں۔ حکایات لقمان بھی اسی قسم کی کتاب ہے حضرت مولانا روم کی مثنوی بھی اسی قسم کے قصوں سے مملو ہے۔ اسیطرح یہودیوں کے عالموں اور واعظوں نے حضرت موسیٰ کے شہر سے نکلنے اور مدین تک پہونچنے کے سفر میں جو واقعات پیش آئے اُس میں بھی اعجوبہ باتیں ملادیں اور اُس سفر میں ایک فرضی شخص خضر کا ملنا شامل کیا جسکو ایک نہایت ہی بزرگ شخص اور مقدس خدا رسیدہ صاحب کشف وکرامات قرار دیا۔ وہ قصہ یہودیوں میں مشہور تھا اُسی قصہ کو بطور قصہ بابسے یہود صحابہ وتابعین نے بیان کیا ہوگا اور اخیر راویوں نے اِس خیال سے کہ اُن لوگوں نے آنحضرت صلعم سے سُنا ہوگا اُن قصوں کو حدیثوں میں شامل کردیا اور مفسرین نے اپنی تفسیروں میں داخل کیا، مگر قرآن مجید میں جہانتک اِس قصہ کا بیان ہے وہ سیدھا اور صاف ہے اور ان باتوں میں سے جو اُن روایتوں اور تفسیروں میں بیان ہوئی ہیں ایک حرف بھی قرآن میں شامل نہیں ہے۔

جو سکھایا گیا ہے تجکو

آج تک علما یہ بھی نہیں بتا سکے کہ خضر کون تھے اور کس کے بیٹے تھے دارقطنی کی روایت یہ ہے کہ وہ حضرت آدم کے بیٹے ہیں یہ روایت ابن عباس سے ہے اور اس روایت میں مقاتل اور ضحاک بھی راوی ہیں۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ مقاتل کی روایت تو لینے کے قابل نہیں ہے اور ضحاک نے ابن عباس سے کوئی روایت نہیں سنی۔

ابو حاتم سجستانی اُنکو قابیل کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اُن کا نام خضرون ہے، اور بعضوں نے کہا عامر، اور بعضوں نے کہا کہ انکا نام بلیا ہے اور وہ بیٹے ہیں ملکان کے جو نوح کی اولاد میں سے تھے، اور بعضوں نے کہا اُن کا نام معمر ہے اور وہ بیٹے ہیں مالک بن عبداللہ بن نصر بن ازد کے، اور بعضوں نے کہا کہ وہ عمائیل بن نور بن عیص بن اسحاق کے بیٹے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ موسیٰ کے بھائی ہارون کے نواسے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ انکا نام ارمیا بن خلقیا ہے، اور بعضوں نے کہا کہ وہ فرعون کے نواسے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ فرعون کے بیٹے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ الیسع ہیں اور اُنہی کو خضر کہتے ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ فارسی النسل ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ وہ اُن میں سے کسی شخص کی اولاد میں ہیں جو حضرت ابراہیم پر ایمان لائے تھے، اور بعضوں نے کہا کہ اُن کا باپ تو ایک فارسی شخص تھا اور اُن کی ماں رومی تھی، اور بعضوں نے کہا کہ انکا باپ رومی تھا اور ماں فارسی تھی، اور بعضوں نے کہا وہ فرشتے تھے جو آدمی کی صورت بنجاتے تھے یہ تمام اختلاف جو نسب سے علاقہ رکھتے ہیں علامہ ابن حجر نے اصابہ میں بیان کئے ہیں۔

اور اصابہ میں سہیلی کی کتاب التعریف والاعلام سے لکھا ہے کہ خضر کا نام عامیل بن سماطین بن اربان بن خلقا بن عیصو بن اسحاق ہے اور اُنکے باپ بادشاہ تھے اور ماں فارسی تھی جسکا نام الہا تھا وہ ایک جنگل میں پیدا ہوئے اور ایک شخص کی بکری تھی جو انکو آکر دودھ پلا جاتی تھی پھر اُس شخص نے انکو اٹھا لیا اور پرورش کی۔ ایسی حالت میں اور خصوصاً جبکہ بعضوں نے انکو فرشتہ قرار دیا ہو جو آدمی کی صورت بن جاتے تھے کیونکر ایک واقعی شخص اور نہ صرف شخص بلکہ نبی و رسول

رشدا ﴿۶۵﴾ قال انک لن تستطیع معی صبرا ﴿۶۶﴾ و
کیف تصبر علی ما لم تحط بہ خبرا ﴿۶۷﴾ قال ستجدنی
ان شاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا ﴿۶۸﴾ قال فان
اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منہ ذکرا ﴿۶۹﴾
فانطلقا حتی اذا رکبا فی السفینۃ خرقہا قال اخرقتہا
لتغرق اہلہا لقد جئت شیئا امرا ﴿۷۰﴾ قال الم اقل
انک لن تستطیع معی صبرا ﴿۷۱﴾ قال لا تؤاخذنی بما نسیت
ولا ترہقنی من امری عسرا ﴿۷۲﴾ فانطلقا حتی اذا
لقیا غلما فقتلہ قال اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس
لقد جئت شیئا نکرا ﴿۷۳﴾ قال الم اقل لک انک لن تستطیع
معی صبرا ﴿۷۴﴾ قال ان سالتک عن شیء بعدہا فلا
تصحبنی قد بلغت من لدنی عذرا ﴿۷۵﴾ فانطلقا حتی
اذا اتیا اہل قریۃ استطعما اہلہا فابوا ان یضیفوہما

قرار دیا جا سکتا ہے اور کچھ شبہ نہیں رہتا کہ یہ پرانے قصوں میں کا ایک فرضی نام ہے اور اس کو حضرت موسیٰ کے اصلی واقعات کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

کامیابی کو ﴿۶۵﴾ اُسنے کہا کہ بیشک تو نہیں کر سکیگا میرے ساتھ صبر ﴿۶۶﴾ اور کسطرح تو صبر کریگا اُس چیز پر جسکو تو نے نہیں گھیر لیا ہے سمجھ سے ﴿۶۷﴾ موسیٰ نے کہا کہ تو مجکو پاویگا اگر اللہ نے چاہا صبر کرنیوالا اور میں نافرمانی نہیں کرونگا تیرے لئے کسی حکم کی ﴿۶۸﴾ اُسنے کہا پھر اگر تو میری پیروی کرتا ہے تو نہ پوچھنا مجھ سے کسی بات کو یہانتک کہ میں خود کہوں تجھ سے اُسکا کوئی ذکر ﴿۶۹﴾ پھر وہ دونوں چلے یہانتک کہ جب دونوں سوار ہوے کشتی میں تو اُس شخص نے چھید کردیا اُسمیں (یعنی کشتی میں) موسیٰ نے کہا کہ کیا تو نے اُس میں چھید کیا ہے اسلئے کہ ڈبودے تو اُسکے لوگوں کو بیشک تو نے کیا ہے بہت بُرا کام ﴿۷۰﴾ اُسنے کہا کہ کیا میں نے نہ کہا تھا کہ تو نہیں کر سکیگا میرے ساتھ صبر ﴿۷۱﴾ موسیٰ نے کہا کہ نہ پکڑ تو مجکو اُس بات پر جو میں بھول گیا اور مت ڈال مجھپر میرے کام میں تنگی ﴿۷۲﴾ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ ملے ایک جوان[۱] سے تو اُس شخص نے اُسکو مارڈالا موسیٰ نے کہا کیا مارڈالا تو نے ایک پاک (یعنی بیگناہ) جان کو بغیر بدلے جان کے بیشک تو نے کیا ہے بہت ہی ناپسندیدہ کام ﴿۷۳﴾ اُسنے کہا کیا میں نے نہیں تجھکو کہا تھا کہ بیشک تو نہیں کر سکیگا میرے ساتھ صبر ﴿۷۴﴾ موسیٰ نے کہا کہ اگر میں تجھسے پوچھوں کسی چیز سے بعد اُسکے تو نہ مجھکو اپنے ساتھ رکھیو بیشک پہونچ گیا ہے تجھکو میری طرف سے عذر ﴿۷۵﴾ پھر دونوں چلے یہانتک کہ جب پہونچے ایک گاؤں والوں پاس تو دونوں نے کھانا مانگا گاؤں کے لوگوں سے پھر اُنہوں نے انکار کیا کہ ضیافت کریں اُنکی

(۶۵-۸۱) اِن آیتوں میں جو واقعات مذکور ہیں اُنکی تفسیر خود آیتوں سے ظاہر ہے مگر ہم کو تین واقعات

[۱] ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب - و قتیکہ برخوردند با نوجوانے -

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٧٦﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٧﴾ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٨﴾ وَأَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٧٩﴾

کی نسبت جن کا ذکر ان آیتوں میں ہے بیان کرنا باقی ہے ایک کشتی کا چیرنا، ایک دیوار کا درست کرنا اور ایک غلام کا قتل کرنا۔ یہ شخص جو حضرت موسیٰ سے ملا کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اُس نواح کے حالات سے واقف تھا اور اسی سبب سے یعنی رستہ بتانے کی غرض سے حضرت موسیٰ نے اُس سے کہا تھا کہ کیا میں تمہاری پیروی کروں۔ اُسنے کہا تھا کہ جو کچھ میں کروں جبتک کہ میں ہی تم سے نہ کہوں مجھ سے نہ پوچھنا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا وہ شخص جانتا تھا کہ موسیٰ اس نواح کے حال سے واقف نہیں ہیں میں جو کچھ کرونگا وہ پوچھینگے کہ یہ کیوں کیا اور شاید اُسکا بتلانا مجھکو منظور نہ ہو۔

کشتی کے ناقص کر دینے کی جو وجہ اس شخص نے بتلائی وہ نہایت صاف ہے وہ جانتا تھا کہ وہاں کا بادشاہ ظالم ہے لوگوں کی کشتیاں چھین لیتا ہے یا بیگار میں پکڑ لیتا ہے اُس نے اُس کشتی کو اس لیئے ناقص کر دیا کہ وہ چھینی یا پکڑی نہ جاوے۔

دیوار کو اُس نے اس لیئے درست کر دیا کہ اُسکو پہلے سے معلوم ہوگا کہ اُسکے نیچے

پھر اُنھون نے پائی اُس گاؤن میں ایک دیوار جو چاہتی تھی کہ گر پڑے پھر اُسکو سیدھا بنادیا موسیٰ نے کہا کہ اگر تو چاہتا تو البتہ تو لیتا اسپر مزدوری (۷۶) اُسنے کہا کہ یہ ہی جدائی مجھمیں اور تجھمیں اب میں تجھکو خبر کرتا ہون بیان کرنے سے اُس چیز کے کہ نہین کر سکا تو اُسپر صبر (۷۷) لیکن کشتی تو تھی غریب لوگون کی چلاتے تھے دریا میں پھر مینے چاہا کہ اُسکو عیب وار کردون اور تھا اُنکے آگے ایک بادشاہ پکڑ لیتا تھا ہر کشتی کو زبردستی (۷۸) لیکن وہ نوجوان تو تھے اُسکے مان باپ مسلمان پھر ہمکو خوف ہوا کہ اذیت پہونچاویگا اونکو سرکشی اور کفر کرکے (۷۹)

یتیمون کے باپ کا رکھا ہوا مال ہے اور اُسکو اُن یتیمون کے مال کا محفوظ رہنا منظور ہوگا۔

تفسیر کبیر میں بعض کا قول لکھا ہے کہ اُس دیوار کے نیچے خزانہ نہ تھا بلکہ ایک تختی تھی جسپر چند عمدہ باتین لکھی ہوئی تھیں۔ یہ قول صحیح ہو یا غلط مگر جن عمدہ باتون کا اُسپر لکھا ہوا ہونا بیان کیا ہے وہ دلچسپ ہیں اسلئے ہم اُنکو لکھتے ہیں۔

اُس تختی پر لکھا ہوا تھا "تعجب ہے کہ جو شخص مقدر پر یقین رکھتا ہو اور پھر غمگین رہے"۔

"تعجب ہے کہ جو شخص رزق مقدر پر یقین رکھتا ہو اور پھر رنج میں پڑے"۔

"تعجب ہے کہ جو شخص موت پر یقین رکھتا ہو اور پھر خوش رہے"۔

"تعجب ہے کہ جو شخص حساب اعمال پر یقین رکھتا ہو اور پھر غفلت میں پڑا رہے"۔

"تعجب ہے کہ جو شخص دنیا کے انقلاب پر یقین رکھتا ہو اور پھر اُس پر مطمئن رہے"۔

اخیر کو اُس میں لکھا تھا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔

غلام کا مار ڈالنا البتہ زیادہ غور کے لایق ہے مگر تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ غلام کا اطلاق بچہ پر بھی

فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۰﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ أَمْرِيْ ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۱﴾ وَيَسْأَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۲﴾ إِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْأَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۳﴾

نہیں ہوتا بلکہ جوان پر بھی ہوتا ہے اور اُس میں یہ قول بھی لکھا ہے کہ جسکو غلام کہا ہے وہ بالغ یعنی جوان تھا اور ڈاکہ ڈالا کرتا تھا اور بُرے بُرے کام کرتا تھا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ وہ شخص اُس کے افعال سے واقف تھا اور وہ واجب القتل تھا اتفاقاً اُسکو مل گیا اور اُسنے مار ڈالا اور موسیٰ سے کہا کہ اُس کے ماں باپ نیک ہیں خدا اُنکو نعم البدل دیگا۔ مفسرین نے تو یہاں تک سلسلہ پہونچا دیا ہے کہ پھر اُسکے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اور ایک بیٹے سے بیاہی گئی اُس سے بیٹی ہی پیدا ہوئی پس ان تمام واقعات میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عجیب ہو اور عام حالات انسانی کے مطابق واقع نہ ہوتی ہو۔

﴿۸۳﴾ تا ﴿۹۹﴾ ان آیتوں میں یاجوج ماجوج کا اور اُس سد کا ذکر ہے جو اُنکے روکنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ لیکن اگر ہم ہر ایک مطلب کو علٰحدہ علٰحدہ ہر ایک آیت کے ساتھ بیان کریں تو پورا قصہ اور وہ دلیلیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سد کہاں ہے بخوبی سمجھ میں نہیں آنیکی اسلئے

پھر ہم نے چاہا کہ بدلا دیوے اُنکو اُنکا پروردگار بہتر اُس سے نیکی میں اور نزدیک زیادہ مہربانی میں ⑧⓪ اور لیکن دیوار تو تھی دو نوجوان یتیمون کی اُس شہر میں اور اُسکے نیچے تھا خزانہ اُنکے لئے تھا اُنکا باپ نیک پھر چاہا تیرے پروردگار نے کہ وہ پہونچین اپنی نہایت قوت میں اور نکالین اپنا خزانہ اپنے پروردگار کی رحمت سے اور نہیں کیا میں نے اُسکو مگر اپنی خواہش سے[۱] یہ ہے بیان اُس چیز کا کہ نہیں کر سکا تو اُسپر صبر ⑧① اور پوچھتے ہیں تجھکو ذی القرنین سے کہدے جلد پڑھونگا میں تم پر اُسمیں سے کچھ ذکر ⑧② بیشک ہمنے قوت دی تھی اُسکو زمین میں اور ہمنے دیا تھا اوس کو ہر ایک چیز کا سامان پھر پیرو دی کی اُس نے سامان کی ⑧③

اِن آیتون کی تفسیر ایک ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ

خدا نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ "تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کا حال"، اب مسلمان مورخون اور مفسرون نے اِس بات پر غور کرنی شروع کی کہ ذوالقرنین کون تھا۔

قرآن مجید میں یہ لفظ آیا تھا "انا مکنا لہ فی الارض" یعنی ہمنے اُسکو قدرت دی تھی زمین میں اسلئے اکثر مفسرین نے تسلیم کیا کہ وہ کوئی بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اب یہ سوچ ہوئی کہ ایسا بڑا بادشاہ جسنے تمام دنیا کو مشرق سے مغرب تک لے لیا ہو کون تھا۔ غالبًا ایسا بادشاہ تو اُنکو کوئی نہیں ملا اسلئے اُنھون نے تلاش کیا کہ سب سے بڑا بادشاہ کون ہوا ہے۔ تاریخ کی کتابون کو ٹٹولا اور یہ قرار دیا کہ سکندر اعظم بن فیلقوس یونانی سب بادشاہوں میں بڑا بادشاہ تھا۔ کیونکہ جب اُسکا باپ فیلقوس مرا تو

[۱] وما فعلتہ عن امری الا من قبل نفسی (تفسیر ابن عباس)

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ﴿۸۴﴾ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۵﴾

مملکت روم میں جو طوائف الملوکی تھی اُن سب کو مغلوب کر کے ایک سلطنت بنالی پھر مغرب کے بادشاہوں کو مغلوب کیا اور بحر اخضر تک جا پہونچا پھر وہاں سے پھر اور مصر میں پہونچا اور وہاں اپنے نام پر اسکندریہ بنایا پھر شام میں پہونچا اور بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور بیت المقدس میں پہونچکر قربانی کی پھر ارمینیہ اور باب الابواب میں آیا اور اہل عراق اور قبطی اور اہل بربر تک پہونچا پھر دارا پر حملہ کیا اور اُسکو شکست دی اور فارس کے ملک پر قبضہ کر لیا پھر ہندوستان اور چین پر چڑہائی کی اور دور دور کے ملکوں کو فتح کرتا ہوا خراسان میں آیا اور بہت سے شہر آباد کئے اور پھر عراق میں آیا اور شہر زور میں بیمار ہو کر مر گیا۔

اب امام رازی صاحب فرماتے ہیں کہ جب قرآن سے ثابت ہوا کہ ذوالقرنین ایک ایسا شخص تھا کہ جسنے تمام زمین پر یا قریبًا کل پر بادشاہت کی تھی اور علم تواریخ سے ثابت ہوا کہ ایسا بادشاہ سوائے سکندر کے اور کوئی نہیں ہوا تو اب بالیقین قرار پایا کہ ذوالقرنین سے مراد سکندر بن فیلقوس یونانی ہے۔ ھکذا فی تفسیر الکبیر

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جب قرآن مجید میں اُس بادشاہ کا نام نہیں بتایا بلکہ صرف اُسکے چند پتے بتائے ہیں تو ہر شخص کو اِس پہیلی کے بوجھنے کا خیال پیدا ہوگا مگر ہمکو افسوس ہے کہ امام صاحب نے اُسکو ٹھیک ٹھیک نہیں بوجھا نہ سکندر کے زمانہ کی تاریخ اِس بات کی شہادت دیتی ہے کہ وہ تمام دنیا پر مشرق سے مغرب تک بادشاہ ہوگیا تھا اور نہ وہ وہاں تک جہاں آفتاب طلوع اور غروب ہوتا ہے پہونچا تھا اور نہ دنیا کا جغرافیہ اُن باتوں کی جنکا ذکر امام صاحب نے اپنی تفسیر میں کیا ہے تصدیق کرتا ہے اسلئے ہمکو جرأت ہوئی ہے کہ اپنے یقین سے یہ بات

یہانتک کہ جسوقت پہونچا آفتاب کے ڈوبنے کی جگہہ کے قریب تو پایا اسکو کہ ڈوبتا ہی گدلے چشمہ میں اور پایا اُسکے پاس ایک قوم کو (۸۴) ہمنے کہا کہ اے ذوالقرنین یا یہ کہ تو عذاب دے اور یا یہ کہ تو اختیار کرے اُنمیں نیکی کو (۸۵)

کیس کہ امام صاحب نے جو ذوالقرنین سے اسکندر یونانی مراد لیا ہے محض غلط ہے۔ اب امام صاحب اس بات پر متوجہ ہوئی ہیں کہ سکندر کو ذوالقرنین کیوں کہا ہے اور اُسکی کئی وجہیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ وہ قرنی الشمس تک یعنی مشرق و مغرب تک پہونچا تھا اور ایک جھوٹی حدیث کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بنائی ہے کہ سُمّی بذی القرنین لانہ طاف قرنی الدنیا یعنی شرقہا وغربہا غالباً اس وجہ کے بیان کرتے وقت امام صاحب کا خیال ہے کہ زمین مربع ہے اور اُسکا ایک کنارہ مشرق ہو اور ایک کنارہ مغرب اور اُن کناروں سے آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہی لیکن اگر درحقیقت زمین گول ہے تو انسان مشرق و مغرب تک کیونکر پہونچ سکتا ہے کیونکہ آفتاب کا طلوع و غروب باعتبار اُفق کے کہا جاتا ہے پس انسان جہانتک چلا جاوے اُفق بدلتا جاویگا اور مشرق و مغرب کی یکسان حالت رہیگی اور کبھی بھی مشرق و مغرب تک نہ پہونچ سکیگا اور اگر ہم بالفرض باعتبار کسی ملک کی اُفق کے یا بالتخصیص ملک روم کی اُفق کے جہان سکندر کا دارالسلطنت تھا زمین کے نصف کرہ فوقانی کے ایک نقطہ کو مشرق اور ایک کو مغرب قرار دین تو بھی سکندر وہانتک نہیں پہونچا تھا پس یہ دلیل جو وجہ تسمیہ کی بیان کی ہے سرتا پا غلط ہے۔

ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ سکندر دارا کا بیٹا ہے نہ فیلقوس کا۔ فیلقوس نے اپنی بیٹی کی شادی دارا سے کردی تھی مگر دارا نے اُسکو نکال دیا اور اُسکے باپ کے گھر بھیجدیا لیکن وہ حاملہ ہو چکی تھی اسپنے باپ کے گھر بیٹا جنی فیلقوس نے اُسکو اپنا بیٹا بنا لیا اسکے ثبوت میں یہ دلیل بیان کی ہے کہ جب دارا زخمی ہوا اور سکندر اُسکا سر گود میں لیکر بیٹھا تو سکندر نے دارا سے کہا کہ اے اباجان تم کو کسنے زخمی کیا پس سکندر اگر دارا کا بیٹا نہ ہوتا تو اُسکو اباجان کیوں کہتا پس سکندر کا باپ تو دارا تھا

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۶﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ الْحُسْنٰى وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۷﴾

اور اُسکی ماں رومی تھی دو نسلیں مل گئیں اس لئے اُسکو ذوالقرنین کہا گیا۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اُسکے وقت میں انسانوں کے دو قرن گذرے تھے مگر نہیں بتایا کہ انسانوں کے دو قرن گذرنے سے کیا مراد ہے۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اُسکے سر کی دو طرفین تانبے کی تہیں کان صفحتا راسہ من النحاس مگر اُسکی کچھ تشریح نہیں کی کہ کان صفحتا راسہ من النحاس سے کیا مراد ہے۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اُسکے سر پر پیدایشی کوئی ایسی چیز تھی جو دو سینگوں کے مشابہ تھی غالباً اسی خیال سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ سکندر کے سر پر دو سینگ تھے۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اُسکے تاج میں دو سینگ بنے ہوئے تھے۔

ایک یہ لکھی ہے کہ اُسکی دو زلفیں تھیں اُن ہی کو دو سینگ کہا ہے۔

سب سے بڑی دلچسپ یہ وجہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور و ظلمت دونوں کو اُسکا مسخر کیا تھا اسلئے اُسکو ذوالقرنین کہتے تھے۔

ایک یہ وجہ لکھی ہے کہ بسبب شجاعت کے اُسکو ذوالقرنین کہتے تھے جیسے کہ شجاع آدمی کو مینڈھے سے تشبیہہ دیتے ہیں جسکے دو سینگ ہوتے ہیں۔

ایک اور دلچسپ وجہ لکھی ہے کہ سکندر نے خواب میں دیکھا کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا ہے اور آفتاب کے دونوں کنارے یا دونوں سینگ (بہتر یہ کہنا ہے کہ دونوں کان) پکڑ کر لٹک گیا تھا اسلئے ذوالقرنین کہتے ہیں۔

ذوالقرنین نے کہا کہ لیکن جسنے ظلم کیا ہے پہر جلد عذاب دونگا میں اُسکو پہر پہیرا جاویگا طرف اپنے پروردگار کے پہر عذاب کرے اُسکو عذاب سخت (۸۶) لیکن جو ایمان لایا اور کام کئے نیک تو اُسکے لئے ہے بدلا اچہا اور کہونگا میں اُسکے لئے اپنے کامون میں سے آسانی (۸۷)

ایک یہ وجہ لکہی ہے کہ اُسنے نور میں اور ظلمات میں دونوں میں سفر کیا تہا پس ذُوالقرنین ہوگیا۔

ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب اَثَارُ الْبَاقِیَۃُ عَنْ قُرُوْنِ الْخَالِیَۃُ میں حمیری خاندان کے بادشاہون میں سے ابوکرب شمس بن عبیر بن افریقس کو ذوالقرنین قرار دیا ہے اور کہتا ہے کہ اُسکا ملک مشرق و مغرب تک پہونچ گیا تہا اور اُس پر بڑا قرینہ یہ قایم کیا ہے کہ ذو کا لفظ حمیری خاندان کے بادشاہون کے نام کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے جیسے ذی نواس وغیرہ۔

مگر یہ دلیل بہی ٹہیک نہیں ہے اسلیئے کہ اول یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ ذوالقرنین اُسی ملک کی زبان کا لفظ ہے جس ملک کا وہ بادشاہ تہا حالانکہ یہ امر تحقیق طلب ہے علاوہ اسکے جس قدر اعتراضات سکندر کی سلطنت اور قرآن مجید کی آیات کو اُسکی مملکت کی حالت کے مطابق ہونے پر ہیں وہی سب اعتراضات ابوکرب کی سلطنت و مملکت پر بہی وارد ہوتے ہیں۔

بعض مورخون کا قول ہے کہ ذوالقرنین ایک نیک بندہ تہا خدا کی عبادت میں اُسی کے داہنی قرن میں مارا گیا وہ مر گیا خدا نے اُسکو پہر زندہ کیا پہر بائین قرن پر مارا گیا پہر مر گیا پہر خدا نے اُسکو زندہ کیا اور ذوالقرنین اُسکا نام ہوا اور بادشاہ ہوگیا ہے۔ کیا یہ کچہہ کم افسوس کی بات ہے جب کہ ایسی بیسروپا باتین قرآن مجید کی تفسیرون میں لکہی ہوئی دیکہتے ہیں۔

بعض مورخون نے کہا ہے کہ ذوالقرنین فرشتون میں سے ایک فرشتہ تہا۔ یہ تمام اقوال جو ہمنے بیان کئے ہیں تفسیر کبیر میں منقول ہیں۔

اب ہمارے مفسرون نے اس بات کی تحقیق شروع کی کہ ذوالقرنین نبی یعنی پیغمبر تہا

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۸۹﴾ كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۰﴾

یا نہیں بعضوں نے کہا ہے کہ نبی تھا بعضوں نے کہا کہ نبی نہیں تھا۔ جو لوگ اُسکے نبی ہونے کے قائل ہوئے اُنھوں نے یہ دلیل پکڑی کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انا مکنا لہ فی الارض یعنی ہمنے اُسکو قدرت دی زمین میں تو قدرت کے لفظ سے قدرت فی الدین قرار دینا اولیٰ ہے اور پوری قدرت دین میں نبوت ہے اسلئے ذوالقرنین نبی تھا۔

دوسری جگہہ خدا نے فرمایا ہے واٰتینٰہ من کل شیٔ سببا یعنی ہمنے دیا اُسکو ہر ایک چیز کا سامان اور ہر چیز کے لفظ میں نبوت بھی داخل ہے اور اس لئے ذوالقرنین کو نبوت بھی دی گئی تھی۔

تیسری جگہہ خدا نے کہا قلنا یا ذا القرنین یعنی ہمنے کہا اے ذوالقرنین اور خدا جس سے بات کرتا ہے وہی ہوتا ہے پس ذوالقرنین بھی نبی تھا۔

بعضوں نے کہا کہ ذوالقرنین نبی نہیں تھا مرد صالح تھا اور مکنا لہ فی الارض سے اُسکی قوت سلطنت اور من کل شیٔ سببا سے ذریعہ حصول تسلط ملک پر مراد لینی چاہیئے مگر امام رازی صاحب ان الفاظ سے ذوالقرنین کے نبی ہونے کو تقویت دیتے ہیں۔

مفسرین کو جو اسقدر غلطیاں یا مشکلیں ان آیتوں کی تفسیر میں پڑیں اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ انھوں نے واقعات کی تحقیق میں اُلٹی راہ اختیار کی ہے یعنی اول اس بات کی تحقیق شروع کی ہے کہ ذوالقرنین کون تھا حالانکہ اول اس بات کو دریافت کرنا تھا کہ وہ سد جسکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور ایسی مستحکم و مضبوط بتائی گئی ہے کہ مفسرین اور مورخین کے زمانہ تک اُسکا معدوم ہو جانا غیر ممکن ہے۔ فی الحقیقت کس جگہہ واقعہ ہے صرف قیاساً یہ کہدینا کہ شمال میں بنی ہو گی کافی نہیں

پھر پیروی کی اُسنے سامان کی (۸۸) یہان تک کہ جب پہونچا آفتاب کے نکلنے کی

جگھہ کے قریب تو پایا اُسکو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں کیا ہمنے اُنکے لئی اُس سی

ورے کوئی اوٹ (۸۹) یہ حال تھا اور بیشک ہمنے احاطہ کرلیا ہی اُس چیز کو جو اُسکے پاس تھی خبرداری کرکے (۹۰)

صاف طور پر اور بالتحقیق بتانا چاہیے کہ وہ سد فلان مقام پر موجود ہے۔

اِسکے بعد تحقیق کرنا چاہیئے کہ اُسکو کس بادشاہ نے بنایا تھا جس بادشاہ نے بنایا ہو اُسی پر قرآن مجید مین **ذوالقرنین** کا اطلاق ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ اُس بادشاہ کو ذوالقرنین کہنے کی وجہ نہ معلوم ہو یا مشتبہ رہے مگر اُسکے نہ معلوم ہونے یا مشتبہ رہنے سے کوئی ہرج اصل واقعہ کی ثابت ہونے مین نہیں ہوتا کیونکہ واقعہ جسکا ثبوت درکار ہے وہ صرف اِسقدر ہے کہ وہ سد بنی اور فلان مقام پر موجود ہے اور فلان بادشاہ نے اُسکو بنایا۔

اُسکے بعد اُس بادشاہ کی مملکت اور اُسکی سلطنت پر غور کرنا ہے کہ وہ حالات اُن باتون کے مطابق ہین جو قرآن مجید میں اُس بادشاہ کی سلطنت یا مملکت کی نسبت بیان ہوئے ہین یا نہیں کیونکہ اگر وہ مطابق ہون تو کافی یقین ہوگا کہ اُسی بادشاہ کا ذکر قرآن مجید مین ہے اور اسی پر ذوالقرنین کا اطلاق ہوا ہے۔

اِسی کے ساتھ **یاجوج** اور **ماجوج** کا تاریخانہ طور سے حال بیان کرنا چاہیئے نہ قصہ اور کہانی کے طریقہ پر اور قرآن مجید کے الفاظ کے سیدھے اور صاف معنی لینے چاہئین نہ پیچیدہ اور دور از کار چنانچہ اب ہم اِس واقعہ کے بیان کرنے میں اسی طریقہ کی پیروی کرینگے۔

یاجوج وماجوج

ہمارے بعض علما نے یاجوج و ماجوج کو عربی زبان کا لفظ بنانا چاہا ہے۔

کسائی کا قول ہے کہ یاجوج ۔ تاجج النار سے نکلا ہے جسکے معنی شعلہ کے بھڑکنے کے ہیں

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۱﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۲﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ

اور ماجوج موج البحر سے نکلا ہے جو کہ وہ قوم چلنے اور دوڑ بار نے میں بہت تیز اور سریع الحرکت تھی اسلیے اِس نام سے موسوم ہوئی بعضوں نے کہا ماجح الملح سے نکلے ہیں جسکے معنی نمک کی نمکینی کی شدید تیزی کے ہیں۔

قُتَیبی کا قول ہے کہ اَجَّ الظلیم سے نکلا ہے جسکے معنی دوڑ کر چلنے کے ہیں۔

خلیل کا قول ہے کہ اج مسور کی مانند دانہ ہوتا ہے اور مج الریق بھی عرب میں بولا جاتا ہے پس یاجوج وماجوج اُن لفظوں سے مشتق ہوئے ہیں۔

مگر یہ سب قول غلط ہیں صحیح قول یہ ہے جسکو تفسیر کبیر میں بھی نقل کیا ہے کہ اِنَّهُمَا اِسْمَانِ اَعْجَمِيَّانِ مَوْضُوْعَانِ بِدَلِيْلِ مَنْعِ الصَّرْفِ۔

اِسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ دونوں لفظ عجمی زبان کے ہیں توریت کتاب پیدایش باب دہم آیت دوم میں یافث کے ایک بیٹے کا نام آیا ہے ماغوغ عبری زبان میں غین کا تلفظ گاف کی آواز سے ہوتا ہے پس ماغوغ بولا جاتا ہے ماگوگ عربی میں گاف کو جیم سے بدل لیتے ہیں اسلیے ماگوگ کا ماجوج ہوگیا بَیبل کا عربی ترجمہ جو پوپ کے حکم سے ہوا اور ۱۶۷۱ء میں چھپا اُسمیں بھی ماغوغ کو ماجوج عربی میں لکھا ہے۔

یورپ کی زبانوں میں واو کا تلفظ ایسی آواز سے ہوتا ہے جو آواز بابین آواز حرف الف اور حرف واو یا واو منقلب بالف ہو اس وجہ سے جب توریت کا ترجمہ یونانی زبان میں ہوا تو ماغوغ کا تلفظ ماگوگ یا میگاگ لکھا گیا اور میگاگ کی نسل یعنی اُس قوم کا جو میگاگ سے نکلی گوگ یا گاگ نام ہوا اور پھر اُس ملک پر بھی جہان وہ آباد تھی گاگ کا استعمال ہونے لگا۔ مگر استعمال میں یہ دونوں لفظ

پھر پیروی کی اُسنے سامان کی (۹۱) یہانتک کہ جب پہونچا درمیان دو پہاڑوں کے[۹۲] پایا ورے اُن دونوں کے ایک قوم کو کہ قریب (یعنی آسان) نہ تھا کہ سمجھیں بات کو (۹۲) اُنہوں نے کہا کہ اے ذو القرنین یاجوج اور ماجوج فساد کرنیوالے ہیں زمین میں پھر کیا مقرر کریں ہم تیرے لئے کچھ

ساتھ ساتھ بولے جاتے تھے جیسے گاگ میگاگ اور ایک کا دوسرے پر بھی اطلاق ہوتا تھا عربی زبان میں بجاے گاگ میگاگ کے یاجوج ماجوج کا استعمال ہوا یس یہ دونوں لفظ عجمیہ ہیں اور بطور علم کے مستعمل ہوتے ہیں اور اسی لئے عربی زبان میں غیر منصرف مستعمل ہوتے ہیں۔ کتاب خرقیل نبی باب ۳۸ درس ۲ میں گوگ کا لفظ قوم پر اور ماگوگ کا لفظ ملک پر بولا گیا ہے۔

بعض مسلمان مورخوں نے لکھا ہے کہ یاجوج و ماجوج نہایت قلیل الجثہ اور صغیر القامۃ ہیں یعنی صرف بالشت بھر کا انکا قد ہے یعنی بالشتئے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ نہایت قوی الجثہ اور طویل القامت ہیں اُنکے ناخن اور دانت داڑہ درندہ جانوروں کے مانند ہیں وہ آدمیوں کو مار کر انکا کچا گوشت کہا جاتے تھے اور کھیتی پکنے کے موسم میں نکلکر تمام کھیتوں کو چٹ کر جاتے تھے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اُنکے کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک کو بچھا کر اور ایک کو اوڑھکر سو رہتے ہیں۔

مگر یہ سب کہانیاں جھوٹ اور محض بے اصل ہیں وہ لوگ تاتاری ترک ہیں ہمارے علما نے بھی لکھا ہے اور تفسیر کبیر میں اُس قول کو نقل کیا ہے کہ قیل انہما من الترک یہ قوم اب تک موجود ہے اور تمام ملک تاتار اور چینی تاتار میں آباد ہے۔

مگر جب ہمنے یہ بیان کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج۔ گاگ میگاگ سے معرب ہو گیا ہے اور انمیں سے ایک کو قوم کا اور ایک کو ملک کا نام بتایا ہے تو یاجوج و ماجوج کو دو شخص سمجھنا جیسے کہ ہمارے مورخوں اور مفسروں نے سمجھا ہے صحیح نہیں ہوگا بلکہ اُنسے وہی مطلب سمجھا جاویگا جو

[۹۲] (بین السدین) بین الجبلین (تفسیر ابن عباس)

خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۳﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِيْهِ رَبِّیْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۴﴾

گوگ اور ماگوگ سے سمجھا جاتا ہے۔ جو ملک کہ اب بھی تبت کے شمال میں واقع ہے اور جو قدیم زمانہ میں ستھیا اور تاتار کہلاتا تھا اور حال کے نقشوں میں چینی ترکستان کے نام سے لکھا جاتا ہے اس قوم کے رہنے کی جگہ تھی اور تاتاری اُن ہی کی نسل سے ہیں بہت سے لوگوں نے تاتاریوں کو دیکھا ہوگا وہ مثل عام انسانوں کے ہیں اُنکیں کوئی بھی عجیب بات نہیں ہے البتہ کھوسی ہوتے ہیں۔

سدّ یا گریٹ وال

کچھ شبہ نہیں ہے کہ جس سدّ کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہی دیوار ہے جو چین اور تاتار یا ستھیا کی سرحد پر بنائی گئی ہے اور جسکو چی وانگ ٹی فغفور چین نے درمیان ۲۴۰ و ۲۳۵ سنہ قبل مسیح میں بنایا تھا۔

یہ دیوار ھانگ ھو دریا کی غربی موڑ سے جو ایک پہاڑ کے قریب ۳۷ درجہ ۱۵ دقیقہ عرض بلد اور ۱۰۷ درجہ طول بلد پر واقع ہے بنائی شروع ہوئی اور پھر اُس دریا کے دوسرے موڑ کو قریباً ۳۹ درجہ عرض بلد اور ۱۱۱ درجہ طول بلد پر کاٹ کر اور خنجان پہاڑوں کے جنوبی سلسلہ کے نیچے ہوکر خلیج لیو ٹونگ کے کنارہ پر ٹھیک چالیس درجہ عرض بلد اور ایک سو بیس درجہ طول بلد پر ختم ہوئی ہے طول اس دیوار کا بارہ سو سے پندرہ سو میل کا بیان ہوا ہے۔

حال سلطنت چی وانگ ٹی

چین کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فغفور رای چن کے مرنے کے بعد تیرہ برس کی عمر میں

خراج اس بات پر کہ بنادے تو ہم میں اور اُن میں ایک سد (یعنی آڑ) (۹۳) ذوالقرنین نے کہا کہ جتنی قوت مجھکو دی ہے اُس میں میرے پروردگار نے بہتر ہے پر میری مدد کرو ساتھ قوت کے بنادوں میں تم میں اور اُنمیں ایک مضبوط دیوار (۹۴)

چی وانگ تی ۲۴۲ قبل مسیح میں تخت پر بیٹھا اور لی زہی نامی ایک عاقل شخص کو اپنا وزیر مقرر کیا اسکی سلطنت دو زمانوں پر منقسم ہوتی ہے پہلا زمانہ وہ ہے جبکہ اس بادشاہ نے اپنی تمام ہمت روپیہ جمع کرنے اور ہر قسم کا سامان اکٹھا کرنے میں صرف کی اور دوسرا زمانہ وہ ہے جبکہ اُسنے ہر قسم کا سامان جمع کرنے کے بعد ملک گیری اور فتوحات نمایاں حاصل کیں۔ اُسکی اس حالت کا صاف استارہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے انا مکنالہ فی الارض و اٰتینٰہ من کل شئ سببا فاتبع سببا۔

یعنی ہمنے دی اُسکو قدرت زمین میں اور ہمنے دیا اُسکو ہر چیز کا سامان پھر وہ درپے ہوا سامان کے یعنی سامان جمع کرنے کے۔ یہ فقرہ قرآن مجید کا اور خصوصاً الفاظ فاتبع سببا بالکل اُس بادشاہ کے پہلے قرن یا زمانہ کی ہسٹری بتاتے ہیں۔

مکنا کو لفظ سے اور من کل شئ کے لفظ سے قدرت فی الدین سمجھنا اور پھر قدرت فی الدین کو نبوت قرار دینا اور اس بادشاہ کی نسبت یہ بحث کرنا کہ وہ نبی تھا اور پھر اُسکے نبی ہونیکو ترجیح دینا ایسے دور از کار خیالات ہیں جنکا ذرا بھی اشارہ قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا اور جو شاعرانہ خیالات سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔

انا مکنالہ فی الارض میں جو لفظ فی الارض کا آیا ہے اُس سے تمام دنیا یا از شرق تا غرب افق مراد لینا جبکہ وہ لفظ ایک بادشاہ کی بادشاہت کے حال میں آیا ہے اُس شاعرانہ خیال سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہہ لفظ الارض کا خاص ملک پر بلکہ خاص زمین پر اطلاق ہوا ہے جن لوگوں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور وہیں کافر مرے اُنسے فرشتے پوچھیں گے فیم کنتم یعنی تم کس حال میں تھے وہ کہیں گے مستضعفین فی الارض یعنی ہم لاچار تھے زمین میں یعنی مکہ میں لاچار و مغلوب تھے فرشتے کہیں گے الم تکن ارض اللہ واسعۃ

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ حَتّٰٓی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا (۹۵)

فتہاجروا فیہا یعنی کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی تاکہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے۔

یہ تو ایک مثال ہے بیسیوں جگہ قرآن مجید میں الارض کا لفظ خاص ملک پر اطلاق ہوا ہے پس مکنا لہ فی الارض سے صاف مراد یہ ہے کہ ہمنے اُسکو ایک ملک پر بادشاہت دی تھی۔

سلطنت چین کی ایک بہت وسیع سلطنت تھی تبت اور تمام ملک جو اُسکے قریب واقع تھے جیسے برہما آنام تسیام ملایا سب اُس میں شامل اور فغفور چین کے باجگذار تھے۔ چین کی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چوسی انگ فغفور کے وقت میں اکثر صوبے اور باجگذار ملک باغی ہو گئے تھے ای چن جب اُسکا بیٹا تخت نشین ہوا تو اُسنے بعض کو شکست دی مگر کل ملک پر تسلط نہ کر سکا۔

چی وانگ ٹی جو کہ بانی سد کا ہے جب بادشاہ ہوا اور اُسکا پہلا قرن یا پہلا زمانہ سازو سامان اور اسباب قوت اور سطوت سلطنت کے جمع کرنیکا ختم ہو گیا اور اُسکی سلطنت کا دوسرا قرن یا دوسرا زمانہ شروع ہوا تو اُسنے ملک میں فتوحات شروع کیں۔

خدا نے فرمایا حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب فی عین حمئۃ ووجد عندھا قوما یعنی جب وہ وہانتک پہونچا جہاں آفتاب ڈوبتا ہے تو اُسکو پایا کہ وہ ایک گدلے پانی کے چشمہ میں ڈوبتا ہے اور وہاں اُسنے ایک قوم کو پایا۔

مغرب الشمس کے یہ معنی لینے کہ جس جگہہ آفتاب ڈوبتا ہے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ آفتاب کہیں نہیں ڈوبتا مگر آدمی ایسی جگہہ پہونچ جاتا ہے جہاں اسکو آفتاب غروب ہوتا معلوم ہوتا ہے۔

امام رازی صاحب نے بھی اس امر پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ زمین گول ہے اور آسمان اُس پر محیط ہے اور کچھ شک نہیں کہ آفتاب آسمان میں ہے

لاؤ میرے پاس ٹکڑے لوہے کے۔ یہانتک کہ جب برابر کردیا درمیان دونوں پہاڑوں کے تو ذوالقرنین نے کہا دہکاؤ (یعنی لوہے کی ٹکڑوںکو) یہانتک کہ جب اُسکو کردیا آگ (یعنی سرخ آگ کی مانند) تو ذوالقرنین نے کہا میرے پاس لاؤ میں ڈالدوں اُسپر پگھلی ہوئی دھات کو (۹۵)

اور یہ بھی خدا نے کہا ہے کہ اُسکے پاس اُسنے قوم کو پایا اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی قوم آفتاب کے پاس موجود نہیں ہے اور یہ بات بھی ہے کہ آفتاب کئی مرتبہ زمین سے بڑا ہے پھر کسطرح اُسکا زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں ڈوبنا عقل میں آسکتا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو تو ہم خدا کے اس قول کی کہ **تغرب فی عین حمئة** کی کئی وجہ سے تاویل کرینگے۔

اول یہ کہ جب ذوالقرنین مغرب میں ایک جگہہ پہونچا اور اُسکے بعد کوئی معمورہ باقی نرہا تو اُسنے آفتاب کو پایا کہ گویا وہ پانی کے چشمہ میں ڈوبتا ہے گوکہ درحقیقت ایسا نہو جسطرح کہ سمندر میں سفر کرنیوالا جبکہ اُسکو کنارہ نہ دکھائی دیتا ہو آفتاب کو دیکھتا ہے کہ سمندر میں ڈوبتا ہے حالانکہ وہ سمندر سے بہت دور ڈوبتا ہے یہ وہ تاویل ہے جسکو **ابو علی الجبائی** نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ زمین کی جانب غرب آبادی ہے جو سمندر سے گھری ہوئی ہے تو دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ آفتاب اُس سمندر میں ڈوبتا ہے۔

تیسرے یہ کہ اہل اخبار یعنی روایتوں کو تسلیم کرنیوالے کہتے ہیں کہ آفتاب گرم پانی کے چشمہ میں جس میں نہایت گرم اور بہت زیادہ پانی ہے ڈوبتا ہے یہ قول نہایت بعید ہے اسلئے کہ جب ہم کسوف قمری کو رصد کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کے رہنے والے کہتے ہیں کہ کسوف شام کے وقت ہوا ہے اور مشرق کے رہنے والے کہتے ہیں کہ صبح کے وقت ہوا ہے پس ہمنے جانا کہ مغرب کے رہنے والوں کی جو شام ہے مشرق کے رہنے والوں کے لئے وہ دوسرے دن کی صبح ہے بلکہ جو شام کا وقت ہمارے لئے ہے وہ کسی دوسرے شہر میں عصر کا وقت ہے اور ظہر کا وقت ہے دوسرے شہر میں اور چاشت کا وقت ہے کسی تیسرے شہر میں اور صبح کا وقت ہے کسی چوتھے شہر میں اور آدھی رات ہے کسی پانچویں

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ

شہر میں اور جبکہ بعد تجربہ اور استقرا کے یہ حال معلوم ہے اور اُسپر اعتبار ہے اور ہمنے جان لیا کہ آفتاب ان تمام وقتوں میں نکلا ہوا رہتا ہے تو یہ کہنا کہ وہ دلدل میں ڈوب جاتا ہے ایسا کلام ہے جو خلاف یقین کے ہے اور خدا کا کلام اس تہمت سے پاک ہے بس اب کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم وہ تاویل کریں جو ہمنے بیان کی۔

اب امام صاحب کی اس تقریر پر غور کرو تو نتیجہ اُسکا وہی ہے جو مختصر لفظوں میں ہم نے بیان کیا ہے کہ مغرب الشمس سے ایسی جگہہ مراد ہے جہان سے آدمی کو آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہو جیسے سمندر میں سفر کرنیوالے کو یا سمندر کے مشرقی کنارہ پر کھڑے رہنے والے کو سمندر میں آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

اب ملک کے جغرافیہ پر نظر کرو جب یہ بادشاہ فتوحات کرتا ہوا برہما اور ملایا کے کنارہ پر پہونچا تو اُسکے جانب غرب خلیج آف بنگالہ تہا تو اُسنے یہان ملایا قوم کو پایا اور آفتاب کو فی عین حمئۃ یعنی خلیج بنگالہ میں ڈوبتا ہوا دیکہا سمندر کا پانی خود میلا اور کیچڑ سا دکہائی دیتا ہے اور سورج کے غروب ہوتے وقت اُسکی شعاعون سے اُسپر سُرخی جہلکتی ہے اور اسی واسطے اُسکو عین حمئۃ سے تشبیہ دی ہے۔

پہر خدا نے کہا کہ "قلنا یا ذا القرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیہم حسنا قال اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا و اما من امن وعمل صالحا فلہ جزاء الحسنیٰ وسنقول لہ من امرنا یسرا"

یعنی ہمنے کہا اے ذوالقرنین اُس قوم کو جو یہان ملی ہے غالبًا ملایا کے لوگون کو یا تو عذاب دے (یعنی سزا دے) یا اُنپر احسان رکہہ (یعنی معاف کر) اُسنے کہا جس کسی نے

پھر نہ کر سکے یاجوج وماجوج کہ اُسپر چڑھ آویں اور نکر سکے کہ اُسمیں سوراخ کریں (۹۶) ذوالقرنین نے کہا کہ یہہ رحمت ہی میری پروردگار کیطرف سی (۹۷) پھر جسوقت آویگا وعدہ میری پروردگار کا کردے گا اُس کو زمین کے برابر

زیادتی کی ہے اُسکو ہم عذاب یعنی سزا دینگے پھر لٹا دیا جاویگا اپنے پروردگار کے پاس (یعنی مار ڈالا جاویگا) پھر وہ اُسکو عذاب دیگا عذاب سخت اور جو کوئی ایمان لایا (یعنی فرمانبرداری کی) اور اچھا کام کیا تو اُسکے لئے اچھا بدلہ ہے اور میں کہونگا (یعنی حکم دونگا) اسکے لئے اپنے معاملات میں سہولیت کا۔

یہ بیان اس بادشاہ کے سلوک کا ہے جو اُس نے اپنی مفتوحہ قوم کے ساتھ کیا قلنا یاذاالقرنین سے یہ سمجھنا کہ خدا نے اُس بادشاہ سے کلام کیا تھا صحیح نہیں ہے قرآن مجید میں ایسے مقاموں پر قلنا کا لفظ بمعنی شئنا کے آتا ہے جیسے کہ خدا نے اُن یہودیوں کی نسبت جنہوں نے سبت کے دن زیادتی کی تھی فرمایا ہے قلنا لھم کونوا قردۃ خٰسئین اسی طرح اُسکے جواب میں قال کا لفظ آیا ہے پس اس طرح کا استعمال نہ نبوت کی نشانی ہے اور نہ خدا کے ساتھ سوال وجواب ہونیکی دلیل ہے بلکہ جو سلوک کہ اُس فتحمند بادشاہ نے اُس مفتوح قوم کے ساتھ کیا اُسکا بیان ہے۔

مذکورۂ بالا بیان سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس بادشاہ پر دو زمانے ایسے گزرے جنکا اشارہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے اور یہ نہایت قوی قرینہ ہے کہ ان ہی مختلف دو زمانوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اُسکی نسبت ذوالقرنین کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اِس فتح کے بعد اُس نے مشرق کیطرف حملہ شروع کیا اور اُس ملک کے مشرقی کنارہ پر پہنچا چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ثم اتبع سببا حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لھم من دونھا سترا کذالک وقد احطنا بما لدیہ خبرا۔

یعنی پھر اُسنے سفر کا سامان کیا یہانتک کہ جب وہ پہونچا جہاں آفتاب نکلتا ہے تو اُسنے ایسی

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾

قوم پر اُسکو نکلتا ہوا پایا کہ ہمنے اُنکے لئے آفتاب کے ورے کوئی اَوٹ نہیں رکھی یہ حال اُس جگہہ کا تھا اور بیشک ہمنے جان لیا تھا جو کچھ اُسکے پاس وہان کی خبر پہونچی تھی۔

وقد احطنا بما لدیہ خبرا کی نسبت ابن عباس کی تفسیر میں لکھا ہے قد علمنا بما کان عندہ من الخبر والبیان اسی کے مطابق ہمنے بھی ترجمہ کیا ہے جو معنی ہمنے ابھی مغرب الشمس کے بیان کئے ہیں وہی معنی مطلع الشمس کے ہیں یعنی وہ ایسی جگہہ پہونچا جہان اُسکو آفتاب نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

یہ حال مملکت چین کے شرقی کنارہ کا ہے جو بہت بڑے سمندر سے گھرا ہوا ہے جب آفتاب نکلتا ہے اُس کنارہ کے رہنے والوں ہیں اور آفتاب کو نکلتا ہوا دکھائی دینے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی سمندر کے پانی کی صاف سطح ہوتی ہے اور آفتاب کا نکلنا بغیر کسی حجاب کے اُن ہی لوگوں پر ہوتا ہے۔

اِس طرف کے ملک کے لوگوں کو زیر کرنیکے بعد اُس بادشاہ نے پھر سامان درست کیا چنانچہ خدا فرماتا ہے ثم اتبع سببا حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونہما قوما لا یکادون یفقہون قولا۔

یعنی پھر اُسنے سامان سفر کیا یہانتک کہ جب وہ پہونچا دو سدون یعنی دو پہاڑون میں تو اُسنے اُنکے ورے ایک قوم کو پایا کہ مشکل اُنکی بات سمجھتے تھے۔

یہ مقام مملکت چین کے شمالی حد پر ہے اور جس قوم کا ذکر ہے وہ تاتاری اور قدیم سیتھیا کی رہنے والی تھی جو غارتگری اور لوٹیرے پن پر مشاق اور لوٹ مار کی عادی تھی اُنکی زبان چین کے رہنے والوں سے مختلف تھی۔

اور ہے وعدہ میرے پروردگار کا سچ (۹۸) اور چھوڑ دیا ہمنے اُنکے (یعنی مخلوقات[1] کے) بعضوں کو آج کے دن جو گڈمڈ ہو رہے بعضوں میں اور پھونکا جاویگا صور پہر انکو اکٹھا کرینگے سب کو (۹۹) اور سامنے لاوینگے ہم جہنم کو اُسدن کافروں کیلئیو سامنے لانا (۱۰۰)

جب وہ بادشاہ اس مقام پر پہونچا تو لوگوں نے کہا جو قرآن مجید میں مذکور ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے

قالوا یا ذا القرنین ان یاجوج وماجوج مفسدون فی الارض فهل نجعل لك خرجا علی ان تجعل بیننا وبینهم سدا قال ما مكنی فیه ربی خیر فاعینونی بقوة اجعل بینكم وبینهم ردما۔

یعنی اُن لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین بیشک یاجوج و ماجوج فساد کرنیوالے ہیں زمین یعنی ملک میں پہر کیا ہم تیرے لئے کوئی محصول (یعنی ٹیکس یا باج) مقرر کریں اس بات پر کہ تو بنادے ہم میں اور اُنمیں سد (یعنی فصیل یا دیوار یعنی ایسی روک کہ وہ ہمارے ملک میں نہ آسکیں) اُس بادشاہ نے کہا کہ خدا نے جو مقدور مجھکو دیا ہے وہ بہت اچھا ہے (یعنی کافی ہے محصول لگا کر روپیہ لینے کی ضرورت نہیں) پہر تم میری مدد کرو محنت کرنے سے میں بنادونگا تمہارے اور اُنکے بیچ میں مضبوط دیوار۔

پہلی بات اس آیت میں جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ قالوا یا ذا القرنین کسکا قول ہے مفسروں کا یہ خیال ہے کہ یہ اُسی قوم کا قول ہے جو اُس جگہہ ملی تھی اور جسکی نسبت کہا گیا ہے لایكادون یفقهون قولا مگر یہ خیال ہرگز صحیح نہیں یہ قول اُن لوگوں کا ہے جو سرحد چین کے اندر اور فغفور کے ملک میں رہتے تھے اور اُسی قوم کی لوٹ مار کے بچنے سے جسکی نسبت کہا گیا ہے لایكادون یفقهون قولا دیوار بنوانا چاہتے تھے۔

دوسری چیز جو اُس بادشاہ نے علاوہ محنت کے اُنسے چاہی وہ لوہا تھا چنانچہ خدا تعالی نے فرمایا ہے اتونی زبر الحدید۔ حتی اذا ساوی بین الصدفین قال انفخوا حتی اذا جعله نارا قال اتونی افرغ علیه قطرا۔

[1] بعضهم بعض الخلق (کشاف)

الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا (١٠١) أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا (١٠٢)

یعنی لادو مجھکو لوہے کے ٹکڑے۔ یہانتک کہ جب وہ دونوں پہاڑوں میں برابر کر چکا تو کہا دہنکو
یہانتک کہ جب اُس لوہے کو آگ یعنی لال کر دیا تو اُسنے کہا مجھکو لادو میں اُسپر ڈال دوں پگہلی ہوئی دہات
یعنی تانبا یا پیتل یا سیسہ۔

یہ آیتیں نہایت صاف ہیں مگر مفسرین نے اِنکو عجیب طرح پر بیان کیا ہے۔ قرآن مجید میں جو لفظ زبر الحدید آیا ہے اُسکے معنی لوہے کی تختی یا لوہے کی اینٹیں قرار دئے ہیں اور پھر یہ قرار دیا ہے کہ اُن لوہے کی اینٹوں کو اوپر تلے رکھکر بطور دیوار کے چنا اور اُسکو پہاڑ کی چوٹی تک اونچا کر دیا اور جب وہ پوری ہوگئی جسکی لنبائی پندرہ سو میل کے قریب تھی تو آگ جلا کر اُس دیوار کو آگ کے مانند کر دیا یعنی جیسے لوہا آگ میں جلانے سے لال مثل آگ کے ہوجاتا ہے اسطرح ساری دیوار مثل آگ کے ہوگئی۔ پھر اُس دیوار پر پگہلا ہوا تانبا ڈالا اور وہ درزوں میں بیٹھکر جم گیا اور سب ملکر لوہے کی ایک ڈال دیوار یا ایک ڈال مثل لوہے کے پہاڑ کے ہوگئی۔

یہ تفسیر ایسی ہے جو نہ عقل میں آسکتی ہے اور نہ قرآن مجید کی آیتوں میں اس خارج از عقل کارستانی کا اشارہ پایا جاتا ہے کیسی طرح قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا ہے کہ وہ دیوار لوہے کی اینٹوں سے چُنی گئی تھی لوہا بلاشبہ دیوار کے بنانے میں کام میں لانے کو منگوایا گیا تھا مگر یہ بات کہ اُس لوہے سے دیوار چُنی گئی تھی ہرگز قرآن مجید میں نہ مذکور ہے نہ اُس کی طرف اشارہ ہے۔

یہ دیوار جو سد کے نام سے مشہور ہے پہاڑی ملک میں بنائی گئی تھی اور کچھ شبہ نہیں کہ پتھروں کی چٹانوں سے بنائی تھی مگر پتھروں کی چٹانوں کے مضبوط کرنے اور ایک کو دوسرے سے

جن لوگوں کی کہ تھیں آنکھیں اُنکی پردہ میں میری یاد سے اور وہ نہیں سُن سکتے تھے (۱۰۱) کیا پھر گمان کیا ہے اُن لوگوں نے جو کافر ہوئے کہ پکڑیں میرے بندوں کو میرے سوا دوست بیشک ہمنے تیار کی ہے جہنم کافروں کے لیے اوتر نیکو (۱۰۲)

جوڑنے کو لوہا درکار تھا اُسکی نسبت اُس بادشاہ نے کہا کہ لوہے کے ٹکڑے مجکو لا کردو۔

اِس دیوار کو بنے اکیس سو بائیس سو برس گزرے ہونگے اُس زمانہ کی بہت سی عمارتوں کے نشان اور کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔ پتھر کی چٹانوں کی دیوار بنانے کا اور اُسکو مضبوط کرنیکا کہ کوئی پتھر دیوار میں سے نکال لینے سے نہ نکل سکے یہ دستور ہے کہ دو چٹانوں کو برابر رکھکر دونوں کے سروں کے پاس سوراخ کرتے ہیں اور اُن میں لوہے کے پاؤں لگاتے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے جڑ جاوے اور نکال لینے سے نکل نہ سکے اور اُس لوہے کے پاؤں کو جسکا ایک سرا ایک چٹان کے چھید میں اور دوسرا سرا دوسری چٹان کے چھید میں رہتا ہے آگ سے لال کرکے اُن چھیدوں میں لگاتے ہیں اور کوئی پگھلی ہوئی دھات اُن چھیدوں میں ڈال دیتے ہیں تاکہ پاؤں کے سر چھیدوں میں جم جاویں اور پھر نکلنے نہ پاویں اور کسی طرح بغیر دیوار کے منہدم کئے نہ دیوار میں چھید ہوسکے اور نہ کوئی پتھر ٹل سکے۔

قرآن مجید کے اِن لفظوں کا کہ حتی اذا ساوی بین الصدفین یہ معنی سمجھنے کہ جب وہ دیوار دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر اونچی ہوگئی تھی صحیح نہیں ہے بلکہ ساوی بین الصدفین کا اطلاق دونوں پہاڑوں میں دیوار کی بنیاد کے برابر کرنے پر صادق آتا ہے اور بنیاد کو برابر کرکے اُسپر ردہ لگایا جاتا ہے۔ پس قرآن مجید کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اُسنے دونوں پہاڑوں کے بیچ میں دیوار کو برابر یعنی موافق محاورہ عمارت لیول میں یعنی تنسال میں کیا اور اُسپر جو ردہ لگایا تھا اُس میں لوہے کے پاؤں لگانے کی غرض سے کہا کہ لوہے کو پھونکو اور جب وہ مثل آگ کے لال ہوجاوے اُسکو لگاؤ اور اُسپر پگھلی ہوئی دھات ڈال دو پس یہ دیوار اسی طرح بنی ہے جس طرح عموماً اس قسم کی دیواریں بنتی ہیں۔ عجیب بات اس میں جو کچھ وہ یہی ہے کہ

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

چار سو میل کے قریب لمبی ہے اور پہاڑوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور میدانوں میں اور دریاؤں پر برابر بنتی چلی گئی ہے۔

اس دیوار کی مضبوطی ظاہر کرنیکو خدا نے فرمایا فما اسطاعوا ان یظھروہ وما استطاعوا لہ نقبا قال ھذا رحمۃ من ربی فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکاء وکان وعد ربی حقا۔
یعنی پھر قوم یاجوج وماجوج اوس پر چڑھ نہ سکی اور نہ اوس میں نقب لگا سکی اُس بادشاہ نے کہا کہ یہ دیوار ایک رحمت ہے میرے پروردگار کی پھر جب میرے پروردگار کا وعدہ آویگا تو اُسکو ریزے ریزے کر دیگا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔

ان آیتوں کی نسبت مفسرین نے محض بے سند اور افواہی کہانی آمیز روایتوں سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یاجوج وماجوج اس دیوار کے توڑنے کے درپے ہیں آنحضرت صلعم کے زمانہ میں روپیہ برابر سوراخ کر چکے تھے جب حضرت عیسیٰ آسمان پر سے اوترینگے اُسوقت وہ اُسکو توڑ کر نکلیں گے گویا یہ وعدہ ہے خدا کا جو اس آیت میں مذکور ہے اور جب وہ نکلیں گے تو تمام دنیا کو لڑائی سے عاجز کر دیں گے آسمان پر تیر چلاوینگے وہ لہو بھرے آوینگے آخر کو حضرت عیسیٰ کی بددعا سے سب مر جاوینگے۔

یہ محض بے اصل کہانیاں ہیں اب اس زمانہ میں تمام تاتار جو یاجوج وماجوج کی قوم ہے چینیوں کی عملداری ہے جو چینی ترکستان کے نام سے موسوم ہے۔ یاجوج وماجوج یعنی تاتاری تمام دنیا میں پڑے پھرتے ہیں نہ کسی کے کان بڑے ہیں اور نہ کسی کا گوشت کھاتے ہیں خاصے بھلے چنگے آدمی ہیں۔

جسطرح کہ خدا تعالیٰ جا بجا فرماتا ہے کہ اخیر کو تمام چیزیں فنا ہو جاوینگی اسی طرح اس دیوار کی نسبت بھی فرمایا ہے جیسے کہ زمین کی نسبت فرمایا کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک

کہدے کیا خبر دوں میں تم کو بہت زیادہ ٹوٹے والوں کے اعمال میں (۱۰۳) وہ لوگ
ہیں کہ کھوئی گئی کوشش اُنکی دنیا کی زندگی میں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھا کرتے ہیں کام (۱۰۴)

صفا صفا۔

مسٹر جمس کارکرن نے ایک چینی تاریخ کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے اُس تاریخ میں اِس بادشاہ اور اِس دیوار کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اِس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

تاریخ چین جمس کارکرن

اِی چن کے بعد چی وانگ ٹی فغفور ہوا اور اکثر ختائی مورخوں کی روایت ہے کہ وہ اِی چن کے نطفے سے نہ تھا کیونکہ اُسکی ماں جب ایک مرد سوداگر سے حاملہ ہوچکی تھی تب اُسنے فغفور کے ہاتھ اُس عورت کو بیچا تھا اور اُس شخص نے یہ حرکت اِس اُمید سے کی تا کہ تمنا دل کی پوری ہووے اور اپنی اولاد کو تخت پر دیکھے اگرچہ یہ امر بعید القیاس نہیں ہے لیکن شبہ اس نقل کی راستی پر اسی جہت سے ہوتا ہے کہ علمائے ختا بسبب ایک سانحے کے جو ذیل میں مذکور ہے اِسکے نام پر ہزار ہا لعنتیں کرتے ہیں اور یہ فقرہ اُسکے حرامزادے ہونیکا توہین کے قصد سے اُنہوں نے طیار کیا ہے غرض یہ تحقیق ہے کہ سوداگر نے فغفور سے چن سے یہ دوستی بڑہائی اور اپنی لیاقت اِسطرح اُسکے نزدیک ظاہر کی کہ اِی چن نے خدمت وزیر اعظم کی اُسے دی خیر جب فغفور نے انتقال کیا وہی لڑکا تیرہ برس کی عمر میں گدی پر جلوہ بخش ہوا اور ایسے بہادر اور مدبر فغفور گنتی کے دو تین ہی ہوئے ہیں اور ایسا ایسا کام اُسنے کیا کہ نام اُسکا قیامت تک رہ جائیگا۔

اعیان دولت ایک شخص بنام لی نزہی غیر ملکی تھا یعنی وطن اُسکا ریاست فغفور سے باہر دوسرے ایک سلطان کی خدمیں واقع تھا جب فرمان اِس مضمون کا نکلا کہ جتنے غیر ملکی اِس سرکار کی ریاست میں آئے ہیں سب اپنے اپنے وطن کو چلے جاویں تب اِس لی نزہی نے ایسی ایک عرضی حضور میں گزرانی اور ریاست میں اغیار کے رہنے سے جو فائدے متصور تھے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ

سب کو اس خوبی اور فصاحت کے ساتھ اُسنے بیان کیے کہ فغفور نے اپنے حکم کو دوسرے ہی روز منسوخ کیا اور لی تزہی کو وزیر اعظم بنایا اور اسی کی صلاح سے بادشاہ نے تمام سلاطین کو سر کیا اور شہنشاہ ختا اصل حقیقت میں ہوا۔ اسکی صورت اس طور سے ہوئی کہ پہلے کئی برس تک فغفور نے اپنے اخراجات کو حد اعتدال پر رکھا لڑائی بھڑائی سے دہ باز رہا اور خزانہ کو خوب ہی معمور کیا جب دولت بافراد حاصل ہوئی فغفور نے زرپاشی شروع کی اور سلاطین میں زر کے وسیلہ سے بگاڑ ڈلوا دیا اور جب ایک دوسرے سے لڑکر قریب تباہی کے پہونچا اور اُسکا حریف بھی علی ہذا القیاس ضعیف ہوا تب فغفور نے کوئی بہانہ کر کے دونوں سے یا ایک سے بگاڑ کیا اور آنًا فانًا میں اُسکا ملک چھین لیا اور اسی تدبیر سے تمام سلاطین کو اسنے بے تخت و تاج کیا اور ساری مملکت ختا کا مالک ہوا اور شہنشاہ اُسی وقت سے کہلایا اور حالانکہ دولت و ملکیت خواہش سے زیادہ ہاتھ آئی تھی اور تبت بزرگ کی حد سے مشرقی سمندر تک اور ملک تاتار سے بحر جنوب تک کی حکمرانی ہوئی لیکن آرام و عیش طلبی مطلق مزاج میں نہ سمائی باوجودیکہ مکانات عالیشان اُسنے بہت بنائے اور بغایت تکلفات سے آراستہ کیا اور باغات میں بھی علی ہذا القیاس سامان بے پایان عیش و نشاط کا مہیا کر دیا اُس پر بھی یہ قاعدہ تھا کہ چند آدمی کو سے لئے پوشیدہ جاتا تھا اور احوال وہاں کے حکام عدالت اور تحصیل اور محاصل زراعت کا خود دریافت کرتا تھا اور شوق اُسکے دل میں یہی تھا کہ مملکت ختا کا سر نو بندوبست کرے اور قدیم فغفوروں کی روئیے پر نہ چلے اور اس ارادے سے جب دستورات قدیم سے اندک فرق کرتا تھا علما کا شور اُٹھتا تھا کہ فلانی بات یا و اور مئن اور یو کی خلاف حکم کے ہے اُسکو کرنا امتناع ہے اور یہ روک ٹوک جب فغفور کو ناگوار گزری لی تزہی سے اُسنے مشورت کی اور وزیر نے تمام کتب قدیم کو جمع کر کے آگ لگا دینے کی صلاح دی اور یہی بات وقوع میں آئی اس سبب سے تاریخ ختا کے اکثر مقامات میں اغلاق واقع ہوا ہے اور بہت سے

یہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے پروردگار کی نشانیوں سے اور اُسکے ملنے سے پس نابود ہو گئے اُنکے عمل پہر نہ ٹہیراوینگے ہم اُنکے لیے قیامت کے دن کچھ وزن (۱۰۵) یہہ سزا اُنکی جہنم

احوال کو مورخون نے وقتاً فوقتاً یاد سے لکہا ہے اور یہ حرکت خشائی کی علما اور شعرا کو ایسی بُری معلوم ہوئی کہ
چی وانگ ٹی اور شیطان میں اُنہوں نے فرق نہیں کیا اور ولدالزنا ٹہیرانیکے علاوہ ابلیس مجسم کا
لقب اوسکو دیا ہے حقیقت میں اونکی ہجو بے سبب نہین تہی کیونکہ ایک تو کتب قدیم کے نقصان
کرنے اور سب فاضلون کے گہر سے کتاب جبراً منگوا کے جلا دینے کی حرکت اُسنے کی ہی تہی
علاوہ اِسکے چارسو ساٹھ علماے کو اسی قصور پر اُسنے جیتا گڑوا دیا کہ اسپنے اپنے کتب خانے کو
بادشاہ کے پیادوں کے حوالہ اُنہوں نے نہیں کیا تہا سواے اِسکے اُسکے خوف
فغفور کو یہ تہا کہ اگر زندہ رہینگے تو حافظے سے اُن کتابوں کو پہر لکہیں گے اور ہمکو عاجز کرینگے
غرض طیش میں اگرچہ چی وانگ ٹی نے یہ خون ناحق کیا اور بے رحم اور سنگدل اور خونخوار بیجا کہلایا
لیکن ان عیبوں کے ساتھ اتنا تہا کہ خطا میں اگر پانچ چار فغفور متواتر اسی طرح کے ہوتے تو واللہ
اعلم کیا کیا وہ نہ کرتے اور کس کس ملک کو عمل میں نہ لاتے القصہ جب گشت و خون اور لڑائی
بہڑائی سے فارغ ہوا اور انتظام ملک کا تردد کر چکا ہمیشہ جینے اور باقی رہنے کی ہوس اُسکے
دل میں از بس پیدا ہوئی اور اِس خیال باطل کو خوشامدیون نے ترقی دی آخر الامر چند نوجوان
مرد اور عورتون کو اُس مشرقی سمندر کی طرف روانہ کیا اسلیے کہ سن چکا تہا کہ اودہر کے
جزیرون میں ایک جزیرہ ایسا تہا کہ وہان کے چشمے کا پانی جسنے پیا مرگ اُسکے نزدیک نہیں
آئی غرض وہ لوگ گئے اور پہر آئے اور اُنکا بیان یہ تہا کہ مشرقی سمندر میں طوفان نے آگے بڑہنے
نہ دیا لیکن ایک مردک کا جہاز چونکہ طوفان میں بحر سے الگ ہو گیا تہا اُسنے چندے بعد آنکر یہ فقرہ
سُنایا کہ منزل مقصود تک پہونچا تہا لیکن چشمہ اُس ایام میں جاری نہ تھا غرض اسکے ہاتھ ایک
کتاب آئی تہی جس میں یہ بات اُسنے لکہی پائی کہ چین کا گہرانا اُس خاندان کے ہاتھ سے
تباہ ہوویگا جسکا نام ھو کے لفظ سے شروع ہو اس واہیات بات کے اعتبار پر فغفور نے

بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ

فوراً جنگ کا سامان تیار کیا اور چونکہ ایک قوم تاتار کا نام ھوانگ نو تھا اور پہلے حروف تہو تھے دفعتاً
اُنکے ملک پر چڑھ گیا اور چونکہ اچانک جا پہونچا اور سب کو بے فکر پایا اس سبب سے اونکو پائمال کیا
والا اگر پیشتر سے خبر اونکو ملتی تو شاید شکست نہ ہوتی بلکہ غالب ہے کہ وہ تاتار خونخوار سب فغفور کو نہایت
تنگ کرتے کیونکہ وے بڑے جنگی او صحرا کے رہنے والے تھے اور لوٹ تاراج سے اُنکی
اوقات اور شکار پر اُنکی گزران تھی اور ہر وقت گھوڑون پر سوار ہاتھ میں تیر کمان تلوار لئے خونخوار بنے
رہتے تھے اگرچہ وہ بھی قوم خطا سے تھے چنانچہ بعض مورخ کہتے ہیں کہ شہزادہ چینکو لی خاندان
ھیا کے تباہ ہونے سے صحرائے تاتار میں جا چھپا تھا اور بعض کا بیان ہے کہ اُسی ھیا یعنی یو
کے گھرانے کا وہ شہزادہ باپ سے روٹھ کر صحرا میں چند آدمیوں کو لے چلا گیا تھا وہی جد اُن
لوگون کا تھا لیکن صحرا کی آب و ہوا کی خاصیت اور قنات کے نیچے بود و باش کرنے اور کچے گوشت
کھانے اور رات دن کمربستہ رہنے کی عادتوں نے اُنکو ایسا مضبوط بنایا تھا کہ شہری خطائیوں
سے اور اُنسے کچھ نسبت باقی نہ رہی اور اُنکی گروہ ایک دوسری قوم ہو گئی اور یہی لوگ تھے کہ کسریٰ
اور سکندر بھی اُنکے بہادری اور مضبوطی اور سپہ گری کے قائل ہوئے اور اُنسے باج نہ لے سکے
اور اسی قوم کے پہلوانون سے رستم اور اسفندیار کا مقابلہ ہوا اور افراسیاب بھی تاتاری ہی تھا یہ
لوگ تیراندازی اور تلوار کے دھنی تھے اور اُنکے گھوڑے بجلی تھے اور اُنسے جب کسی سے
بگڑتی تھی دشمنون کو لاکھوں گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالتے تھے اور غنیم پر دفعتاً ایسے
جا پڑتے تھے کہ اُن لوگون کو حربہ کرنیکی فرصت نہیں ملتی تھی گویا اجل سامنے موجود ہو جاتی تھی اور اُنکی
رکاوٹ نہ دریا نہ جنگل نہ کوہستان کسی سے ممکن تھی حاصل کلام تاتاری رسالون میں ہر شخص
ایک شہسوار خونخوار تھا اور ان لوگوں نے سیکڑون تختون کو اُلٹ دیا اور جو سامنے پڑا خواہ دشمنی کی
راہ سے خواہ لوٹ تاراج سے وہ بچکے نہیں گیا الغرض چونکہ اُنکا حال اسی جلد کی تیسرے دفتر

(۱۰۶) بسبب اسکے کہ اُنھوں نے کفر کیا اور انہوں نے پکڑا ہماری نشانیوں کو اور رسولوں کو ٹھٹّا

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہے اُنکے لئے جنت

میں طوالت کے ساتھ ہے یہان پر اتنا ہی بیان کا موقع تہا کہ نتیجہ غفلت کا معلوم ہووے کہ غافل رہنے سے ایسے تاتار خونخوار بہی مارے پڑے القصہ چی وانگسائی باوجود اس شکست دینے کے خوب جانتا تہا کہ یہ قوم موقع پاکر انتقام ضرور لیگی اور تاوقتیکہ بدلہ اور عوض معقول نہ ہووے اس شکست کی یاد ہمیشہ دل کو صدمہ پہونچائیگی اس سبب سے اُسنے دیوار خطا کی بنا کی جسکا تمام احوال عاصی نے جلد اول کے دوسرے دفتر کے چودہوین باب کے چار صفحے میں بیان کیا ہے۔

سینتیس برس اُسنے سلطنت کی اور اُسکے ایام انتقال کو مورخون نے سنہ ۲۱۲ قبل مسیح قرار دیا ہے۔

ذکر بناے دیوار

یہ دیوار قریب آٹھ سو کوس کے لمبی ہے اور سرحد خطا اور تاتار پر واقع ہے اور وجہ اسکی تیاری کی یہ ہوئی کہ جب قوم تاتار نے اُس طرف سے بار بار یورش کرکے خطائیون کو سخت عاجز کیا اور کوئی تدبیر انکو ضبط کرنے کی نہیں سوجہی تب اُس دیوار کی بنا کی گئی اور فغفور چینگ والی ٹے نے دو سو چالیس برس قبل حضرت عیسیٰ کے اسے شروع کیا اور عرصہ قلیل یعنی صرف پانچ برس میں یہ تمام ہوئی اور حال اُس کا یہ ہے کہ نہ پہاڑ نہ دریا کوئی مانع اسکی ساخت کا ہوا اور آٹھ سو کوس تک جو موانع سامنے آئے سب کو دفع کرتی ہوئی یہ دیوار اپنی منزل مقصود تک پہونچی ہے اور کئی مقام پر آدہ آدہ کوس کے اونچے پہاڑونکی چوٹی پر سے یہ دیوار کہنچی ہوئی ہے اور بعض جگہہ بڑے بڑے دریا پر پلونکے اوپر سے بہہ گئی ہے اور زیادہ تکلف یہ ہے کہ سمندر کے بیچ سے شروع اسطرح پر ہوئی ہے کہ صدہا جہاز پتہرون سے لدے ہوئے ڈبا دئے گئے

الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾
قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ
اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾
قُلْ اِنَّمَآ

اور اوسپر اوسکی بنیاد قایم ہوئی ہے اور آٹھ سو کوس تک تیس گز اونچی اور اسقدر چوڑی ہے کہ چھہ سوار پہلو بہ پہلو فراغت سے اوسپر گھوڑا دوڑا سکتے ہیں اور سو سو قدم پر دو منزلہ اور سہ منزلہ برج بنے ہوئے ہیں اور جب تک کہ تاتاریون نے اپنی دولت کی بنا خطا میں نہیں ڈالی تھی تب تک ہزار ہا توپین اونپر چڑہی رہتی تہیں اور دس لاکھہ فوجون کی تقسیم تمام برجون میں تھی غرض جب سے قضائے فلکی سے وہی لوگ جنکی یورش کے سبب سے یہ دیوار بنی تھی خطا کے مالک ہوئے تب سے وہان کی فوج موقوف ہوئی اور برج اور دیوار سب بے مرمت رہنے لگی مگر کئی باتین عجیب وغریب اس دیوار کی ساخت مین ہوئین کہ خطائیون کی حکمت اور قدرت اور مستقل مزاجی کی دلیلین ہین چنانچہ اول یہ کہ معماری کے سرانجام اور بڑے بڑے تختے پتھرون کے ان لوگون نے آدہ آدہ کوس کے بلند پہاڑون پر پہونچائے جہان چڑہنے کا کوئی سہارا نہین معلوم ہوتا اور کڑاڑون کی بلندی ایسی ہے کہ آدمی کی چڑہائی ناممکن نظر آتی ہے اور دوسری بات تعجب انگیز ہے کہ سمندر میں جہان بتھاہ گہرا اور جوش وخروش بحر زخار کا زیادہ ہے وہان کس طرح سے نیو ڈالی گئی کہ دو ہزار برس سے ہلی نہین باوجودیکہ خطا کے سمندر میں ایسا طوفان دس بیس دفعہ ہر سال مین آتا ہے کہ صدہا جہاز اور تخمیناً بارہ چودہ ہزار آدمی سالانہ ان ہی طوفانون میں ہلاک ہوتے ہیں اور زور وشور ہوا کا ایسا ہوتا ہے کہ ایک انگریز نا خدا بہت تجربہ کار اور عقلمند کا بیان اس طور پر ہے کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ایک ہی جہاز کی گلی پر دس ہزار گرنا اور دس ہزار نقارے دفعتاً بجائے جاتے تو اوسی جہاز کی تباہی پر ہوا طوفان کے غل اور شور کے آگے

فردوس کی ٹھہرنے کو (۱۰۷) ہمیشہ رہین گے اوس مین نہ چاہین گے

اوس سے نکلنا (۱۰۸) کہدے (اے پیغمبر) اگر ہووے دریا سیاہی

میرے پروردگار کے کلمون کے لئے (یعنی لکہنی کیلئے) تو ہو چکے گا دریا پہلے

اس سے کہ ہو چکین میرے پروردگار کے کلمے اور گو کہ ہم لادین اوسی کی مانند

مدد کے لئے (۱۰۹) کہدے (اے پیغمبر) کہ

قرناؤن کی آواز کوئی شخص نہین سن سکتا الغرض جب سمندر مین ہر سال دس بیس مرتبہ یہہ قیامت برپا ہو اُس مین اُس دیوار کا قیام عجائبات سے ہے تیسری بات یہ ہے کہ باوصفیکہ آدہی خلقت سے زیادہ اُس کی طیاری مین مطابق فرمان کے ہر وقت حاضر رہتی تہی لیکن پانچ برس کے قلیل عرصہ میں اس دیوار کا تمام ہونا تعجبات سے ہے کیونکہ جب ایک انگریز سیاح نے حساب کیا تو دیکھا کہ اس دیوار کی فقط برجون کی ساخت میں اسقدر اسباب معماری کا صرف ہوا ہے کہ تمام انگلستان کی ہر طرح کی عمارتوں میں جو خرچ ہوا ہے شاید اوسکے مقابلہ میں بہت کم نکلے گا او منصفی شرط ہے کہ تمام دیوار میں کسقدر اسباب صرف ہوا ہوگا اور چوتھی بات حیرت افزا یہ ہے کہ جس نا کے پر یہ کھینچی ہے وہان سے منزلون تک نہ بستی نہ انسان کی نشانی تہی اور آٹھ سو کوس تک فقط صحرا اور کوہستان اور جنگل تہا اور وہان پر اس کارخانہ کے لئے لازم ہوا ہوگا کہ سیکڑون کوس سے مزدورون اور کاریگرون کے لئے رسد اور دیوار کے واسطے سرانجام آوی اور اس وجہ سے مشکلین دہ گنی ہوئی ہونگی لیکن خطائیون کی حکمت اور استقلال اور ثابت قدمی سب موانع پر غالب ہوئی اور ایک نشانی ایسی رہ گئی ہے کہ روے زمین پر کوئی یادگار انسان کی اُولوالعزمی کا اسکے مقابلہ میں نہیں ہے بجز اُس نہر بزرگ کے جو خطا میں تین سو بیس کوس تک بنائی گئی ہے اور جس کے لئے قبلا خان چنگیز کے پوتے کی عقل اور خطائیون کے علم اور ثابت قدمی پر لاکہ لاکہ درود بہیجنا مقتضاے انصاف ہے۔ انتہیٰ۔

أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

یہ بات کچھ کم تعجب کی نہین ہے کہ سکندر کی نسبت بھی کہا گیا ہے کہ جو اوسکا باپ مشہور تھا وہ اوسکا بٹیا نہ تہا اسی طرح چی وانگ ٹی کی نسبت بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے مشہور باپ کا بٹیا نہ تہا۔

سکندر کی نسبت بھی کہا گیا۔ ہے کہ اوسنے آب حیات کی تلاش کی تھی اور چی وانگ ٹی کی نسبت بھی آب حیات کا ڈہونڈہنا مذکور ہوا ہے۔

اور اسی لئے شبہہ ہوتا ہے کہ چی وانگ ٹی کے حالات کو سکندر کے حالات میں ملا دیا ہے چین ایسا ملک تہا کہ اگلے زمانہ میں بہت کم اُسکی تاریخ معلوم تہی اور ظاہرا یہی سبب ہوا ہے کہ مورخون اور مفسرون کو سد کا مقام بتانے اور اوسکے بنانے کے حالات بیان کرنے میں دہوکا پڑا ہے۔
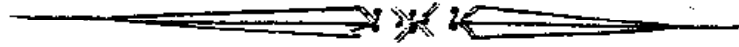
اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ میں ایک آدمی ہوں تمہاری مانند وحی بھیجی گئی ہے
میرے پاس کہ نہیں اسکے سوا اور کچھ کہ تمہارا خدا خدائے واحد ہے پھر جو کوئی
اُمید رکھی اپنے پروردگار کے ملنے کی تو چاہیئے کہ کام کرے کام اچھے اور نہ شریک کرے
اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو (۱۱۰)
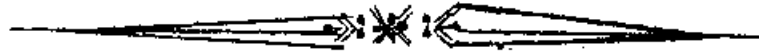
در مطبع عام مفید آگره باهتمام محمد قادر علی خان صوفی طبع نمود

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّىۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّىۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِىَ مِنۡ وَّرَآءِىۡ وَكَانَتِ امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾ يَّرِثُنِىۡ وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ‌ۖ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾ يٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اۨسۡمُهٗ يَحۡيٰى ۙ لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا وَّ ﴿۸﴾

﴿۷﴾ ﴿۸﴾ ساتویں آیت میں ہے "یازکریا انا نبشرك بغلم" اس آیت میں بشارت دینے والا کون ہے۔ سورۂ آل عمران میں صاف بیان ہوا ہے کہ بشارت دینے والا فرشتہ تھا چنانچہ اُس میں ہے فنادته الملائكة وهو قائم يصلي في المحراب ان الله يبشرك بيحيٰى ۔ آل عمران ۳۹-۴۰ حضرت زکریا جب کہ دعا میں مصروف تھے تو ہاتف غیبی نے آواز دی یعنی حضرت زکریا نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی کہ وہ بیٹا ہونے کی بشارت دیتا ہے۔ ایسے امور کا واقع ہونا فطرت انسانی سے خارج نہیں ہے مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ اسکے بعد کی آیتوں میں جو لفظ "قال" ہے۔ اُس میں کہنے والا کون ہے۔ خدا یا فرشتہ مگر اُسکا کہنے والا خدا ہو یا فرشتہ یہ کچھ بحث کے لائق نہیں ہے۔

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

کہیٰعص یہ بیان ہے تیرے پروردگار کی رحمت کا اُسکے بندے زکریا پر (۱) جس وقت
کہ پکارا اُس نے اپنے پروردگار کو چپکے دعا کر کے (۲) اُس نے کہا ای میرے پروردگار بیشک
میری ہڈیاں سُست ہو گئیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک گیا (۳) اور ای پروردگار میں تجھسے
مانگ کر محروم نہیں رہا (۴) اور بیشک میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے بعد اور ہے میری
بی بی بانجھ پس عنایت کر تو مجھکو اپنے پاس سے ایک وارث (۵) جو میرا وارث ہو اور
یعقوب کے خاندان کا وارث ہو اور ای پروردگار اُسکو ہر دلعزیز بنا (۶) (خدا نے کہا) اے
زکریا بیشک ہم تجھکو خوشخبری دیتے ہیں ایک لڑکے کی کہ اُسکا نام یحییٰ ہوگا (۷) اور ہم نے
تیرے لئے (یعنی تیرے خاندان میں) اس سے پہلے کسیکو اُسکا ہمنام نہیں کیا (۸) زکریا نے
کہا اے پروردگار کیونکر میرے بیٹا ہوگا اور میری بی بی تو بانجھ ہے اور

آٹھویں آیت میں "لہ" کی ضمیر حضرت زکریا کی طرف راجع ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ زکریا کے خاندان
میں اس سے پہلے کوئی اس نام کا نہیں ہوا۔ تفسیر ابن عباس میں ہے "لم نجعل لہ من قبل
سمیا ای لم نجعل لزکریا من قبل یحییٰ سمیا ولد اسمی یحییٰ" بعض روایتوں میں جو یہ
لکھا ہے کہ اس سے پہلے کسی شخص کا نام یحییٰ نہ تھا یہ صحیح نہیں ہے۔
تفسیر کبیر میں یحییٰ نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت یحییٰ کی ماں (الیشبع) حاملہ
تھیں حضرت مریم جن کو حضرت عیسیٰ کا حمل تھا اُن سے ملنے کو آئیں۔ الیشبع نے حضرت مریم
سے کہا کیا تم حاملہ ہو حضرت مریم نے کہا تم کو کسطرح معلوم ہوا کہ میں حاملہ ہوں الیشبع

قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٩﴾ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿١٠﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١١﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ

نے کہا کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ اُس بچہ کو جو تمہارے پیٹ میں ہے سجدہ کرتا ہے۔ اس روایت کے موافق حضرت یحییٰ پہلے شخص ہیں جو حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے اور اس ایمان سے اِنکا دل زندہ ہوا۔ اس لئے اُنکو یحییٰ کہنے لگے۔

اِسی کے قریب قریب سینٹ لوک کی انجیل میں قصہ بیان ہوا ہے اول تو سینٹ لوک نے اپنی انجیل کے شروع میں لکھدیا کہ جو باتیں کہ لوگ کہتے تھے اُنکو میں اپنی انجیل میں لکھتا ہوں پس نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ قصہ جو سینٹ لوک کی انجیل میں ہے کہاں تک صحیح ہے۔ بہرحال انجیل کے اُس قصہ پر ہمکو بحث ضرور نہیں۔ مگر عیسائیوں کی روایتیں ہیں جنکو تفسیر کبیر میں لکھدیا ہے اسلام کی روایتیں نہیں ہیں اور نہ توجہ کے قابل ہیں۔

ہمارے نزدیک یحییٰ کی وجہ تسمیہ تلاش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے جب حضرت زکریا کو بیٹا ہونیکا یقین ہوا تو بطور تفاؤل کے یحییٰ اُسکا نام رکھنا اُنکے دل میں آیا جیسا کہ اس زمانہ میں بہت لوگ نیک تفاؤل سمجھکر "جینا" "حیاتی" "حیاتن" اپنی اولاد کا نام رکھہ دیتے ہیں۔

(١١) ہم نے اپنی تفسیر میں مفصل طرح سے یہ بات ثابت کی ہے کہ آیت اور آیات کے لفظ سے حکم اور احکام جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں مراد ہوتے ہیں۔ پس اِس آیت میں اور سورہ آل عمران کی آیت میں جو لفظ آیت کا آیا ہے اُس سے حکم مراد ہے۔ جب حضرت زکریا کو بیٹا ہونیکا یقین ہو گیا تو اُنہوں نے کہا کہ مجکو کوئی حکم ہی دے جسکی میں تعمیل کروں۔ خدا نے کہا کہ تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تین رات تک جس میں دن بھی شامل ہے کسی آدمی سے

بیشک میں پہونچ گیا ہوں بڑھاپے سے نہایت ضعیفی کو ⑨ (خدا نے) کہا بات تو یہی ہے تیرے پروردگار نے کہا کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور بیشک میں نے تجکو پیدا کیا اس سے پہلے اور تو نہیں تھا کوئی چیز ⑩ (زکریا نے) کہا اے میرے پروردگار میرے لیئے کوئی یعنی حکم مقرر کر (خدا نے) کہا کہ تیری نشانی یہ ہے یعنی حکم کہ تو بات نہ کرے آدمیوں سے تین رات پوری بات ⑪ پھر (زکریا) اپنی قوم کے

پورے طور پر کلام مت کر یعنی مُنہہ سے کچھ مت بول اور اشاروں سے جو کچھ کہنا ہو کہہ دے۔ لفظ سویا سے ہم نے کلاماً سویا کے معنی لئے ہیں ان معنوں کے اختیار کرنے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ سورہ آل عمران میں خدا نے فرمایا ہے " الا تکلم الناس ثلاثۃ ایام الا رمزا " یعنی تین دن تک تو آدمیوں سے بات نہ کر مگر اشاروں سے۔ آل عمران کی آیت میں سویا کے بجائے رمزا آیا ہے اور دونوں کا مطلب واحد ہے اور ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے ہوتی ہے۔

اس مقام پر خدا نے یہ بات نہیں بیان کی کہ کلام نہ کرے تو پھر کیا کرے مگر سورہ آل عمران میں فرمایا ہے " واذکر ربك کثیرا وسبح بالعشی والابکار " یعنی اپنے پروردگار کو بہت سا یاد کر اور اپنے پروردگار کے تقدس کا صبح و شام یعنی دن رات ذکر کر۔

پس یہ آیت نہایت صاف ہے اور کوئی مشکل اس میں نہیں ہے مگر مفسرین نے آیت کے معنی معجزہ کے قرار دیکر یہ شبہ کیا ہے کہ بشارت صریح کے بعد کوئی اور معجزہ اُس کی تصدیق کے لئے طلب کرنا صحیح نہیں ہے اور پھر یہ کہا ہے کہ چونکہ بشارت غیر متعین تھی کہ کب لڑکا ہوگا اس لئے معجزہ طلب کیا کہ ولادت کا زمانہ معلوم ہو جاوے اور اس آیت سے یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہے کہ وہ تین دن تک گونگے ہو گئے تھے اور بول نہیں سکتے تھے اور گویا یہ نشانی حضرت یحیٰی کی پیدا ہونے کے زمانہ کی تھی کیونکہ اس روایت کی بنیاد سینٹ لوک کی انجیل پر ہے اور اسلامی روایت نہیں ہے۔ یا یہ سمجھنا کہ وہ صرف آدمیوں سے

الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّىْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ

کلام نہیں کر سکتے تھے ایک توجیہ لاطائل اور غیر ضروری ہے۔

(۱۳) یہ خطاب جو خدا کی طرف سے حضرت یحییٰ کو ہوا یہ اُس زمانہ کا معلوم ہوتا ہے جبکہ وہ بڑے ہو گئے تھے اور وعظ کہنا شروع کیا تھا اور اِس زمانہ میں اُنکی عمر ۳۳ برس کی تھی۔ اس بات کی تو کوئی دلیل نہیں ہے کہ نبوت چالیس برس کی عمر سے پہلے نہیں ہوتی اور حضرت یحییٰ کے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۳ سال کی عمر میں مبعوث ہوئے تھے۔

اب باقی رہتا ہے ان لفظوں پر بحث کرنا کہ خدا نے جو فرمایا ہے "واتیناہ الحکم صبیا" اسکے کیا معنی ہیں جو کچھ بحث ہے وہ حکم کے لفظ پر ہے۔ مفسرین نے حکم کے معنی مختلف بیان کئے ہیں ایک معنی تو حکمت کے بتائے ہیں جس سے مراد ہے توریت کا سمجھنا اور مسائل فقہی کا اخذ کرنا۔ دوسرے معنی عقل کے بیان کئے ہیں تیسرے معنی نبوت کے بتائے ہیں مگر ہم دوسرے معنی کو تسلیم کرتے ہیں جو معمر ابن عباد سلمی معتزلی نے بیان کئے ہیں کیونکہ جو شخص نبی ہوتا ہے وہ ماں کے پیٹ ہی سے عقل وذکا لیکر پیدا ہوتا ہے اور اسی سبب سے حضرت یحییٰ کی نسبت کہا گیا "واتیناہ الحکم صبیا"

کے پاس عبادت گاہ سے نکلا پھر اُنکو اشارہ کیا کہ خدا کی تسبیح صبح اور شام کیا کرو ⑫ (خدا نے کہا) اے یحیی پکڑ اس کتاب کو زور سے اور ہم نے اُسکو حکم دیا لڑکپن میں ⑬ اور ہمنے اُسکو شفقت دی اپنے پاس سے اور پاکیزگی اور وہ تہا پرہیزگار اور نیکی کرنیوالا اپنے ماں باپ سے اور نہیں تہا سرکش اور نافرمان ⑭ اور سلام ہوا اُسپر جسدن پیدا ہوا اور جسدن مرے اور جسدن زندہ ہوکر اُٹھے ⑮ اور ذکر کر کتاب میں مریم کا جبکہ وہ علٰحدہ ہوئی اپنے لوگوں سے ایک مشرقی مکان میں ⑯ پھر کرلیا اُس نے اُنکی طرف سے پردہ پھر ہم نے بھیجی اُسکے پاس اپنی روح پھر بنگئی وہ روح اُس کے سامنے پورا آدمی ⑰ (مریم نے) کہا میں خدا کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے اگرچہ تو

(۱۶-۱۷) ان آیتوں میں جو یہ لکھا ہے کہ مریم علٰحدہ ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان میں اور انکی طرف سے پردہ کرلیا اسکی وجہ کچھ بیان ہونی چاہیے کہ کیوں ایسا کیا۔ مفسرین نے تو یہ لکھا ہے کہ انکو غسل کی ضرورت ہوئی تہی اور اُنھوں نے غسل کرنے کے لیئے ایسا کیا تھا اور اسی قسم کی اور وجہیں لکھی ہیں مگر خود امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھدیا ہے کہ یہ تمام وجوہ قابل اعتبار نہیں ہیں اور آیت کی الفاظ سے کوئی ایسا اشارہ نہیں پایا جاتا جس سے ہم کسی وجہ کو بھی ترجیح دیسکیں۔ اس کے بعد ذکر آتا ہے فرشتے کے آنیکا جو آدمی کی صورت بنگیا تھا۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ فرشتہ کا آنا بطور نفث فی الروع اور الہام اور القاء فی القلب کی طور پر تھا تو وہ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مریم کا علٰحدہ ہوکر ایک مکان میں جانا عبادت کی غرض سے تھا اور ہماری جو یہ راے ہے کہ فرشتے کا آنا

ومن الناس من قال ان ذلك كان على سبيل النفث في الروع والالهام والالقاء في القلب كما كان في حق ام موسى عليه السلام في قوله واوحينا الى ام موسى۔ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۰

اور انسان بنکر دکہائی دینا خواب میں واقع ہوا تھا جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر کی دوسری جلد صفحہ ۳۲ میں

تَقِيًّا ⑱ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ⑲
قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ⑳ قَالَ
كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ
أَمْرًا مَّقْضِيًّا ㉑ فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ㉒ فَأَجَاءَهَا
الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ
نَسْيًا مَّنسِيًّا ㉓ فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ
تَحْتَكِ سَرِيًّا ㉔ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا
جَنِيًّا ㉕ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ㉖
فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ㉗ فَأَتَتْ بِهِ

لکھا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ ایک علیحدہ مکان میں حسب عادت عامّہ سونے کی غرض سے گئی تھیں اور جب سو گئیں تو خواب ہی کی حالت میں فرشتہ کا انسان بنکر آنا دیکھا اور خواب ہی میں حضرت مریم اُس سے ہمکلام ہوئیں اور فرشتہ نے اُن سے باتیں کیں۔ اِسکے بعد کی جو آیتیں ہیں اُنکی نسبت مفصل بحث ہم اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں لکھ چکے ہیں۔

آیت (۲۲) (۲۳) ’’مکانا قصیا‘‘ سے ظاہرا شہر بیت اللحم سمجھا جاتا ہے جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے مگر لوک کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے ٹھیرنے کو کوئی مکان نہیں ملا اور اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی جنگل یا میدان میں ٹھیرے اور کسی درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے جسکی نسبت خدا نے فرمایا ہے ’’فاجاءہا المخاض الی جذع النخلۃ‘‘ اور دردِ زہ کی شدت میں حضرت مریم نے کہا ای کاش

پرہیزگار ہو ﴿۱۸﴾ (اُس نے کہا میں تو تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجکو دون ایک
پاکیزہ بیٹا ﴿۱۹﴾ (مریم نے) کہا کیونکر ہوگا میرے بیٹا حالانکہ مجکو نہیں چھوا ہے کسی آدمی نے
اور نہ میں بدکار تھی ﴿۲۰﴾ (اُس نے) کہا بات تو یہی ہے تیرے پروردگار نے کہا ہے کہ وہ
مجھ پر آسان ہے اور ہم اوسکو کرینگے ایک نشانی لوگون کے لیئے اور رحمت اپنی طرف سے
اور تھی یہ بات مقرر کی ہوئی ﴿۲۱﴾ پھر مریم کو اُس لڑکے کا حمل ہوا اور حاملہ ہوکر ایک دور
جگہہ میں چلی گئی ﴿۲۲﴾ پھر اُسکو دردزہ ایک کھجور کی جڑ میں لے گیا (مریم نے) کہا ای کاش
میں مرچکی ہوتی اس سے پہلے اور ہین ملیامیٹ ہوگئی ہوتی ﴿۲۳﴾ پھر اُسکو پکارا اُسکے نیچے
سے کہ تو غمگین نہ ہو بیشک جاری کیا ہے تیرے پروردگا نے تیرے نیچے ایک چشمہ ﴿۲۴﴾
اور ہلا تو اپنی طرف اس کھجور کے تنہ کو۔ گرائے گی وہ تجھ پر کھجورین تروتازہ ﴿۲۵﴾ اب کھا اور پی
اور ٹھنڈی کر آنکھ اور اگر دیکھے تو آدمیوں میں سے کسیکو ﴿۲۶﴾ تو کہیو کہ میں نے نذر کیا ہے
اللہ کیلیئے روزہ پس نہیں بات کرونگی میں آجکے دن کسی انسان سے ﴿۲۷﴾ پھر مریم اُس لڑکے کو اُٹھا کر

میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور ہیں ملیامیٹ ہوگئی ہوتی۔

(۲۴-۲۶) "فناداھا" قرآن مجید سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت مریم کو کس نے پکارا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ "من تحتھا" کی میم کو اگر زیر سے پڑہا جائے جیسے کہ عام قرارت ہے تو پکارنیوالا فرشتہ تھا اور اگر میم کا زبر پڑہا جاے جیساکہ بعض قراتوں میں ہے تو اُس سے خود حضرت عیسی مراد ہیں جو اوسی وقت پیدا ہوئے تھے۔ مگر دونوں باتوں میں سے کسی بات کی طرف قرآن مجید میں اشارہ نہیں ہے۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے جیساکہ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت مریم نے ایک اونچی جگہہ پر یعنی ٹیلہ پر وضع حمل کیا تھا اور اُس ٹیلہ کے نیچے سے آواز آئی۔ ہمارے نزدیک آواز دینے والا نہ فرشتہ تھا نہ حضرت عیسی بلکہ کوئی انسان تھا جسنے حضرت مریم کی حالت اضطرار کو معلوم کرکے کہا کہ گھبراو مت تمہارے

قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝۲۸ يٰٓاُخْتَ
هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝۲۹ فَاَشَارَتْ
اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝۳۰ قَالَ اِنِّىْ
عَبْدُ اللّٰهِ ۭ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝۳۱ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا
اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝۳۲
وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝۳۳ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ
وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝۳۴ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ
مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝۳۵ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ
مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۳۶
وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۳۷
فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۳۸ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ
الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۹ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ

نیچے یعنی اُس ٹیلہ کے نیچے چشمہ جاری ہے اور کھجور پکی ہوئی ہے اُسکو ہلاؤ اور کھجوریں کھا کر پانی پیو۔ اور اُٹھی

اپنی قوم کے پاس لائی۔ اُن لوگوں نے کہا۔ اے مریم بیشک تو عجیب چیز لائی ہی (۲۸)
ای ہارون کی بہن! تیرا باپ بُرا آدمی نہ تھا۔ اور تیری ماں بدکار نہ تھی (۲۹) پھر اشارہ کیا مریم
نے اُس لڑکے کی طرف اُن لوگوں نے کہا ہم کیونکر بات کریں اُس سے جو تھا ایک لڑکا
گہوارہ میں (۳۰) (عیسیٰ نے) کہا کہ میں ہوں خدا کا بندہ مجکو دی ہے خدا نے کتاب اور
کیا ہے مجکو نبی (۳۱) اور مجکو کیا ہے برکت والا جہاں میں ہوں اور حکم کیا ہی مجکو نماز کا اور
زکوٰۃ کا جب تک کہ میں رہوں زندہ (۳۲) اور نیکی کرنیوالا اپنی ماں کے ساتھ اور نہیں کیا
ہے مجکو (خدا نے) سرکش بدبخت (۳۳) اور سلام ہو مجھ پر جسدن کہ میں پیدا ہوا اور جسدن کہ
میں مروں اور جسدن کہ میں زندہ ہو کر اُٹھوں (۳۴) یہ قصہ ہی عیسیٰ ابن مریم کا سچی بات ہے
جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں (۳۵) خدا کے لئے نہیں ہی کہ وہ لیوے کوئی بیٹا وہ پاک ہے
(یعنی اس بات سے کہ اُسکا کوئی بیٹا ہو) جسوقت وہ کوئی کام کرتا ہے تو صرف اُسکے
لئے یہ کہتا ہے کہ ہو پھر وہ ہو جاتا ہے (۳۶) اور بیشک اللہ میرا پروردگار ہے اور تمہارا
پروردگار پھر اُس کی عبادت کرو یہ ہے سیدہی راہ (۳۷) پھر اختلاف کیا لوگوں نے آپس
میں پھر خرابی ہے اُن لوگوں کے لئے جو کافر ہوئے موجود ہونے سی یوم عظیم (یعنی
قیامت کے دن) اُکے (۳۸) کیا کچھ سننے والے ہونگے اور کیا کچھ دیکھنے والے
ہونگے جسدن کہ آوینگے ہمارے پاس لیکن ظالم آج کے دن علانیہ گمراہی میں
ہیں (۳۹) ڈرا اُنکو پچھتانے والے دن سے جب

شخص نے جس نے آواز دی تھی یہ بھی سمجھایا کہ اگر کوئی آدمی تم سے ملے تو اُس سے کلام نہ کرنا اور کہدینا

الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ
وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ
مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ
جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾
يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ
اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ
وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ
تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ
سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ
رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ

حسد اسکے نام کا روزہ رکھا اور میں آج کسی آدمی سے کلام نہیں کرنیکی۔ اسکے بعد کی آیتوں میں

کام ہوچکے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور ایمان لانیوالے نہیں (۴۰) بیشک ہم وارث
ہونگے زمین کے اور ہر ایک کے جو اُس پر ہے اور ہمارے پاس پھر لائے جاوینگے (۴۱)
اور ذکر کر کتاب میں ابراہیم کا بیشک وہ تھا سچا نبی (۴۲) جسوقت کہ اُسنے کہا اپنے
باپ سے اے میرے باپ کیوں تو عبادت کرتا ہے اُسکی جو نہیں سنتا اور نہیں دیکھتا
اور نہ دور کرتا ہے تجھ سے کوئی چیز (۴۳) اے میرے باپ بیشک میں کہ البتہ مجکو ایک سمجھ
آئی ہے جو تجھکو نہیں آئی پھر میری پیروی کر کہ میں تجھ کو ہدایت کروں سیدھی رستہ کی (۴۴)
اے میرے باپ عبادت مت کر شیطان کی بیشک شیطان ہے خدا کا نافرمان (۴۵)
اے میرے باپ بیشک مجکو خوف ہے کہ تجکو پہونچے خدا کی طرف سے کوئی
عذاب پھر تو ہوگا شیطان کا ساتھی (۴۶) ابراہیم کے باپ نے کہا کہ کیا تو مونہہ
پھیرتا ہے ہمارے خداؤں سے اے ابراہیم اگر تو بس نہ کریگا تو البتہ ہم تجھکو سنگسار کرینگے
اور مجھ سے دور ہوجا ایک مدت تک (۴۷) ابراہیم نے کہا کہ سلام تمپر میں بخشش مانگونگا
تمہارے لئے اپنے پروردگار سے بیشک وہ مجھ پر مہربان ہے (۴۸) اور میں چھوڑ دونگا
تم کو اور اوسکو جسکی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اور عبادت کرونگا اپنے پروردگار کی اور
امید ہے کہ میں اپنی پروردگار کی عبادت کرنے سے بدبخت نہیں ہونیکا (۴۹) پس جب ابراہیم
نے انکو چھوڑ دیا اور اوسکو جسکی وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا ہم نے دیا اُسکو یعنی ابراہیم کو اسحق اور
یعقوب (یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا) اور ہر ایک کو ہم نے نبی کیا (۵۰) اور ہمنے دیا اُنکو

جو قصہ حضرت عیسیٰ کا ہے اُسپر ہم مفصل بحث اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں کر چکے ہیں۔

مِنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

(۵۷-۵۸) حضرت ادریس کا نام توریت میں اخنوخ لکھا ہے جنکی پیدائش یہودیوں کی روایت سے ۳۳۷۸ سنہ قبل مسیح میں ہوئی اور انھی کی روایت کے موافق وہ ۳۰۱۳ سنہ قبل مسیح میں آسمان پر زندہ چلے گئے۔ یہ حضرت نوح کے پردادا ہیں اور آدم کی چھٹی پشت میں ہیں۔ یہودی خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں سب سے اول سینا پرونا لکھنا پڑھنا انھوں نے ایجاد کیا تھا۔ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یہی علم حساب اور علم ہیئت کے موجد ہیں۔ اور اسی لئے انکو اخنوخ کہتے تھے جسکے معنی معلم کے ہیں اور اسیکا ترجمہ عربی میں کرکے انکو ادریس کہا جاتا ہے۔

انکی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے "ورفعناہ مکانا علیا" اور توریت کی کتاب پیدائش باب ۵ آیت ۲۴ میں لکھا ہے کہ اخنوخ خدا کے مقرب تھے اور پھر غائب ہو گئے خدا نے انکو اٹھا لیا۔ اسکے سبب سے مفسرین قرآن مجید نے "ورفعناہ مکانا

اپنی رحمت میں سے اور ہم نے کیا اُنکے لئے سچا بول بالا (۵۱) اور ذکر کر کتاب میں
موسیٰ کا بیشک وہ تھا چنا ہوا اور تھا پیغمبر نبی (۵۲) اور ہم نے اوسکو پکارا طور کے داہنی
طرف سے اور ہم نے اُسکو نزدیک کیا بھید کی بات کہنے کو (۵۳) اور ہم نے دیا اُسکو
اپنی رحمت سے اُسکا بھائی ہارون نبی (۵۴) اور ذکر کر کتاب میں اسمٰعیل کا بیشک وہ
تھا سچا وعدہ کا اور تھا پیغمبر نبی (۵۵) اور حکم دیتا تھا اپنے لوگونکو نماز کا اور زکوٰۃ کا اور اپنے پروردگار
کے نزدیک پسندیدہ تھا (۵۶) اور ذکر کر کتاب میں ادریس کا بیشک
وہ تھا سچا نبی (۵۷) اور بلند کر دیا ہم نے اوسکا مرتبہ بہت بلند (۵۸) یہ وہ
لوگ ہیں جن پر اللہ نے

علیًّا" کے یہ معنی قرار دئے کہ خدا نے اُنکو زندہ آسمان پر اوٹھا لیا مگر قرآن مجید سے یہ مطلب
کسیطرح پایا نہیں جاتا مفسرین نے صرف عیسائی روایتوں کی پیروی کر کے یہ معنی قرار دئے
ہیں۔ قرآن مجید میں اس سے پہلے صاف بیان کیا ہے کہ حضرت ادریس سچا خلوص خدا
کے ساتھہ رکھتے تھے اور اُسی کے ساتھہ بیان کیا "ورفعناہ مکانا علیًّا" یعنی خدا نے اُنکا
مرتبہ بلند کیا کسیطرح اس آیت سے حضرت ادریس کو زندہ آسمان پر اُٹھا لینے کا مطلب
نہیں نکلتا۔

سورہ انبیا میں خدا نے حضرت ادریس کی نسبت فرمایا ہے کہ ہم نے اُسکو اپنی رحمت میں داخل
کیا کیونکہ وہ نیک بندوں میں سے تھا اس آیت سے بھی اُنکا درجہ بلند ہونا پایا جاتا ہے نہ زندہ آسمان
پر چڑھ جانا۔

حضرت عیسیٰ کی نسبت بھی اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں بلکہ اُس میں ایک جگہ یہ تصریح بھی فرمایا ہے

أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا
مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا
وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا
وَبُكِيًّا ۝۵۹ فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ
وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝۶۰ إِلَّا مَن تَابَ وَ
آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ
شَيْئًا ۝۶۱ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ
إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ۝۶۲ لَّا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا وَ
لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝۶۳ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ
مِنْ عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيًّا ۝۶۴ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ
أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝۶۵ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ

کہ "انی متوفیک ورافعک الیّ" یعنی میں اپنے پاس تجھکو اٹھا لونگا مگر ہم نے اپنی تفسیر کی دوسری جلد میں اسپر مفصل
بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ رفع سے بلندی قدر و مرتبہ مراد ہے نہ زندہ آسمان پر چلا جانا۔

(۶۵) مفسرین نے اس آیت کو پہلی آیتوں سے کچھ مربوط نہیں کیا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ قریش نے جو حقیقت روح
اور قصہ ذوالقرنین اور اصحاب کہف آنحضرت سے پوچھا تھا اور آنحضرت نے اسکے بیان کرنیکا وعدہ فرمایا تھا
مگر اسکے ساتھ انشاء اللہ کا لفظ نہیں کہا اس سبب سے چند روز تک جبرئیل وحی نہیں لائے تھے جب جبرئیل آئے

انعام کیا نبیوں میں سے آدم کی ذریت میں سے اور اُن میں سے جنکو ہم نے نوح کی ساتھ چڑہایا اور ابراہیم اور اسرائیل یعنی یعقوب کی ذریت میں سے اور اونکی ذریت میں سے جنکو ہم نے ہدایت کی اور جنکو ہم نے برگزیدہ کیا جسوقت اُنکے سامنے خدائے رحیم کی آیتیں پڑہی جاتیں تو گرپڑتے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (۵۹) پہر اُنکے جانشین ہوئے اُنکے بعد بُرے جانشین کہ نماز چہوڑدی اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی پہر جلد پاوینگے بدلا گمراہی کا (۶۰) مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے تو وہی داخل ہونگے جنت میں اور ذرا بہی ظلم نہ کئے جاوینگے (۶۱) یعنی جنت میں داخل ہونگے ہمیشہ کے رہنے کی جنت میں جسکا اللہ نے وعدہ کیا ہے اپنے بندوں سے جسکو اُنہوں نے دیکہا نہیں بیشک خدا کا وعدہ پورا ہونیوالا ہے (۶۲) نہ سنینگے اُس میں یعنی جنت میں بیہودہ باتیں بجز سلام کے اور اُنکی لئے اُنکا رزق ہوگا جنت میں صبح کو اور شام کو (۶۳) یہ جنت ہے جسکو ہم دینگے اپنے بندوں میں سے اُنکو جو ہوگا پرہیزگار (۶۴) اور ہم نہیں اُترتے یعنی نہیں داخل ہوتے جنت میں الا تیرے پروردگار کے حکم سے اُسیکے لئے ہے جو کچہ ہمارے سامنے ہے اور جو کچہ ہمارے پیچہے ہے اور جو کچہ اسکے بیچ میں ہے اور نہیں ہے تیرا پروردگار بہولنے والا (۶۵) پروردگار آسمانوں کا

تو حضرت نے اُن سے پوچہا کہ تم اتنے دنوں تک کیوں نہیں آئے اُسکے جواب میں جبرئیل نے کہا کہ ہم نہیں آتے بغیر خدا کے حکم کے اور خدا کچہ بہول نہیں گیا تہا بلکہ ہمکو حکم نہیں دیا تہا۔ مگر یہ سب روایتیں اور اقوال مطلق قابل اعتبار کے نہیں ہیں اور یہ آیت اوپر کی آیتوں سے بالکل مربوط ہے۔

پہلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جنتیوں کا حال بیان کیا ہے اور اس آیت میں جنتیوں ہی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ یعنی جنتی جنت میں کہیں گے کہ ہم جنت میں نہیں آئے بغیر خدا کے حکم کے

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ
لَهُ سَمِيًّا ﴿۶۶﴾ وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۷﴾
أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿۶۸﴾ فَوَرَبِّكَ
لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ
لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿۷۰﴾
ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۱﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا
وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا
وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿۷۳﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ

"بامر ربک" کے معنی وہی ہیں جو بامر اللہ کے ہیں لیکن چونکہ خدا نے جنتیوں کے قول کو پیغمبر سے نقل کیا ہے اسلئے بجائے بامر اللہ کے "بامر ربک" فرمایا ہے اور ان دونوں لفظوں کے معنی متحد ہیں۔

تفسیر کبیر میں ابو مسلم خراسانی کا ایک قول اسی کے مطابق نقل کیا ہے اُسکا قول یہ ہے کہ "وما نتنزل الا بامر ربک" ممکن ہے کہ اہل جنت کا قول ہو اور اُس سے مراد یہ ہو کہ ہم جنت میں نہیں آئے مگر خدا کے حکم سے جو چیز جنت میں ہمارے سامنے ہے اُسی کی ہے اور جو چیز ہم دنیا میں پیچھے چھوڑ آئے ہیں وہ بھی اُسی کی ہے اور دنیا و عقبیٰ کے درمیان جو کچھ ہے وہ بھی اُسی کا ہے۔

وقال ابو مسلم قوله "وما نتنزل الا بامر ربك" يجوز ان يكون قول اهل الجنة والمراد وما نتنزل الجنة الا بامر ربك له ما بين ايدينا اي في الجنة مستقبلاً وما خلفنا مما كان في الدنيا وما بين ذلك اي ما بين الوقتين (تفسیر کبیر جلد رابع صفحہ ۳۰۱)

صاحب کشاف نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ "وما کان ربك نسيا" سے یہ مراد ہے کہ خدا نیک بندوں کو اور اُنکے اعمال کو بھول نہیں جائے گا بلکہ ضرور ہر ایک نیک عمل کی جزا دیگا۔

اور زمین کا اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے پہر اُسی کی عبادت کر اور اُسی کی عبادت میں صابر رہ
کیا تو جانتا ہے کسیکو اُسکی مانند (۶۶) انسان کہتا ہی کہ کیا جب میں مر جاؤنگا تو نکالا جاؤنگا
زندہ ہوکر (۶۷) اور یاد نہیں کرتا انسان کہ ہم نے اُسکو پیدا کیا اُس سے پہلے وہ کچھ نہ تھا (۶۸)
پہر قسم ہے تیرے پروردگار کی البتہ ہم اونکو اوٹھاوینگے اور شیطانون کو پہر ہم انکو حاضر کرینگے دوزخ
کے گرد گھٹنون کے بل گرے ہوے (۶۹) پہر الگ کرلیں گے ہم ہر ایک گروہ سے جو اُنمیں ہو سب سے
زیادہ سخت خدا کی نافرمانی کرنیمیں (۷۰) پھر ہم خوب جانتے ہیں اُن لوگونکو جو زیادہ لائق ہیں
دوزخ میں ڈالے جانیکے (۷۱) اور نہیں ہر کوئی تم میں سے یعنی کافرونمیں سے مگر جا پہونچیگا دوزخ میں
یہ ہے وعدہ تیرے پروردگار پر لازمی مقرر کیا ہوا (۷۲) پہر بچا وینگے ہم اُن لوگون کو جو پرہیزگار رہے اور چھوڑ دینگے
ہم ظالمونکو دوزخ میں گھٹنونکے بل گرا ہوا (۷۳) اور جب پڑہی جاتی ہیں اُنپر ہماری کُھلی آیتین تو

(۷۲ - ۷۳) - اِس آیت میں جو لفظ "وَاِن مِّنکُم" ہے اور اُس مین جو کُم کی ضمیر مخاطب ہے اس ضمیر
کی خطاب میں لوگون نے اختلاف کیا ہے۔ جو لوگ کہ یہ کہتے ہیں کہ کل انسان خواہ وہ مسلم ہون
یا کافر مخاطب ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ سب لوگ پہلے دوزخ میں جائیں گے پھر جو مسلمان ہیں اُس
سے نجات پائیں گے مگر چونکہ مسلمانوں کا دوزخ میں جانا اور آیتون سے نہین معلوم ہوتا تھا اس لئے
ایک گروہ علما نے یہ خیال کیا کہ دوزخ کی پشت پر جو پل صراط کھچا ہوا ہے اُسکے اوپر سے سب لوگ
گذرینگے۔ جو کافر ہیں وہ دوزخ میں گر پڑینگے اور جو مسلمان ہین وہ صحیح و سالم اُس سے گزر جائیں گے۔
مگر یہ روایتین ایسی ہیں جنکا کچھ نشان قرآن کے الفاظ میں نہیں پایا جاتا صحیح رائے اُن لوگوں کی
ہے جنھون نے "منکم" کی ضمیر مخاطب کو صرف کفار کی طرف راجع کیا ہے اور یہ رائے قرآن مجید سے صحیح
معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ اس آیت سے قبل کی آیتون میں کفار کا اور اُن پر عذاب ہونے اور اونکو دوزخ
مین ڈالے جانیکا ذکر ہے اور یہ صاف قرینہ ہے کہ اس آیت میں ضمیر کُم کی مخاطب بھی صرف وہی لوگ ہیں

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا
وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۴﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ
أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿۷۵﴾ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ
مَدًّا ﴿۷۶﴾ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ
فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ﴿۷۷﴾ وَيَزِيدُ
اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴿۷۸﴾ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ
خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۹﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي
كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿۸۰﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ
أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ
وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۸۲﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿۸۳﴾
وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۴﴾ كَلَّا ۚ

جنکا ذکر اوپر کی آیتوں میں ہے یعنی کفار نہ کہ تمام انسان۔
اس تفسیر کو تفسیر کبیر میں بھی بیان کیا ہے "وکہ وان منکم الا واردھا" کے معنی یہ ہیں کہ

وان منکم الا واردھا یعنی جھنم واختلفوا فقال بعضھم المراد من تقدم ذکرہ من الکفار فکنی عنھم اولا کنایۃ الغیبۃ ثم خاطب

تم میں کوئی ایسا نہیں جو دوزخ میں نہ پہونچے۔ پھر اس بات میں کہ اس آیت کے مخاطب کون لوگ ہیں علمانے اختلاف کیا ہے بعض علما کہتے ہیں کہ وہی کفار مخاطب ہیں

تو کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہوئے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے کون دونوں گروہوں
میں اچھے مرتبہ پر ہے اور اچھی صحبت میں (۷۳) اور کتنے ہم نے ہلاک کئے ہیں اُن سے
پہلے گروہ لوگوں کے جو کہ وہ بہتر تھے سامان میں اور نمود میں (۷۵) کہدے (ای پیغمبر)
جو کوئی ہو گمراہی میں بڑہاتا ہے اُسکو اللہ بہت بڑہانا (۷۶) یہانتک کہ جب وہ دیکھیں گے
اُس بات کو جسکا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے یا تو عذاب یا قیامت تو وہ جلد جان جاینگے
کہ کون ہے بُرے درجہ میں اور کمزور گروہ میں (۷۷) اور زیادہ کرتا ہے اللہ اُن لوگوں
کی ہدایت جنہوں نے ہدایت پائی (۷۸) اور ہمیشہ رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے پروردگار
کے نزدیک ثواب میں اور بہتر ہیں اور اچھی جگہ ملنے میں (۷۹) کیا تو نے دیکھا ہے اُسکو
جسنے انکار کیا ہماری نشانیوں کا اور کہا کہ بیشک مجکو ملیگا مال اور اولاد (۸۰) کیا وہ مطلع
ہوا ہے غیب کی بات پر یا اُس نے لیا ہے اللہ سے عہد (۸۱) ہرگز نہیں ! ہم البتہ لکھیں گے
جو وہ کہتا ہی اور بڑہا وینگے اُسکے لئی عذاب بہت بڑہانا (۸۲) اور مالک ہو جائینگے ہم اُس چیز کی جو وہ
کہتا ہی اور آئیگا وہ ہمارے پاس اکیلا (۸۳) اختیار کئے ہیں اُنہوں نے اللہ کے سوا اور معبود تاکہ وہ اُنکی مددگار ہوں (۸۴)
ہرگز نہیں۔

خطاب المشافهة قالوا انه لا یجوز للمؤمنین ان یردوا النار ویدل علیه امور احدها قوله تعالی ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ اولئك عنها مبعدون والمبعد عنها لا یوصف بانه واردها والثانی قوله لا یسمعون حسیسها ولو وردوا

جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے خدا نے اول اُن کا ذکر کنایۃً غائب کے صیغوں میں کیا ہے پھر بالمشافہ اُن سے خطاب کیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا دوزخ میں پہونچنا ممکن نہیں ہے اور اسکی تین دلیلیں ہیں اوّل یہ کہ خدا فرماتا ہے وہ لوگ ہیں جنکے لئے ہم نے پہلے سے

سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۵﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿۸۶﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۷﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿۸۸﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۹﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿۹۰﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ

جهنم لسمعوا حسیسہا و انہا وھم من فزع یومئذ امنون (تفسیر کبیر جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۱)

نیک جزا مقرر کی ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ جو دوزخ سے دور رہینگے اُنکی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ دوزخ میں پہونچینگے دوسری دلیل یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ دوزخ کی آواز نہیں سنیں گے اور اگر وہ دوزخ میں پہونچینگے تو ضرور ہے کہ وہ اُسکی آواز بھی سنیں گے۔ تیسری دلیل یہہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ اُس دن کی گھبراہٹ سے امن میں رہینگے۔

پس کچھ شبہہ نہیں ہے کہ اس آیت میں صرف کافر ہی مخاطب ہیں نہ مسلمان۔

(۹۰) اس آیت میں شفاعت کا ذکر ہے مگر قبل اسکے کہ ہم اسپر بحث کریں ہمکو بتانا چاہیئے کہ قرآن مجید میں کس کس طرح پر شفاعت کا ذکر آیا ہے۔

اول مشرکین عرب کی نسبت وہ آیتیں ہیں جن میں شفاعت کا ذکر ہے۔ اس میں کسیکو کلام نہیں کہ کفار عرب بلکہ تمام مشرکین بت پرست اس بات کا یقین رکھتے تھے اور یقین رکھتے ہیں کہ جن معبودوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ معبود خدا سے اونکی شفاعت کرینگے۔ پس ان آیتوں میں جو کافروں اور بت پرستوں کی نسبت ہیں خدا نے فرمایا ہے کہ کافر جنکی عبادت کرتے ہیں اور جنکو وہ اپنا شفیع سمجھتے ہیں وہ خدا کے پاس اونکی شفاعت نہیں کرسکنے کے۔

مذکورہ بالا آیتیں حسب تفصیل ذیل ہیں۔

عنقریب وہ انکار کرینگے انکی عبادت سے اور وہ ہونگے اُنکے برخلاف (۸۵) کیا نہیں دیکھا تو نے کہ ہم نے بھیجے ہیں شیطان کافروں پر جو بد کاتے ہیں اُنکو بد کاکر (۸۶) پس نہ جلدی کر تو اُن پر ہم تو گن رہے ہیں اُنکے لئے گنتی (۸۷) جسدن ہم اکٹھا کرینگے پرہیزگاروں کو خدا کے پاس مہمانوں کی طرح (۸۸) اور ہم ہانک لیجاوینگے گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسے (۸۹) نہیں مالک ہونگے وہ شفاعت کے مگر وہ شخص جس نے لیا ہے خدا سے عہد (۹۰) اور اونھوں نے کہا

سورہ اعراف میں خدا نے فرمایا ہے کہ جن وعدوں کا خدا نے ذکر کیا ہے جب وہ آجاوینگے

یقول الذین نسوہ من قبل قد جاءت رسل ربنا بالحق فھل لنا من شفعاء فیشفعوا لنا۔ (سورۃ اعراف آیت ۵۱)	تو وہ لوگ جو اُس سے پہلے اُنکو بھول گئے ہیں کہینگے کہ بیشک ہمارے پروردگار کے سچے پیغمبر آئے تھے پھر کیا ہمارے لئے شفاعت کرنیوالے

ہیں کہ ہمارے لئے شفاعت کریں۔ (یعنی کوئی شفاعت کرنیوالا نہیں)

سورہ الشعرا میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کافر کہیں گے کہ ہمارے لئے کوئی شفاعت

فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم (سورۃ الشعرا آیت ۱۰۰ و ۱۰۱)	کرنیوالا نہیں ہے۔

سورہ المدثر میں فرمایا ہے کہ کافر کہیں گے کہ ہم جھٹلاتے تھے قیامت کے دن کو یہانتک

فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین (سورۃ المدثر آیت ۴۹)	کہ ہم کو موت آگئی پھر اُنکو نفع نہیں دینے کی شفاعت شفاعت کرنیوالوں کی (یعنی جنکو کافر شفاعت کرنیوالا

سمجھتے تھے اُنکی شفاعت سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا یعنی وہ اُنکی شفاعت کرنے والے ہوسنے ہی کے نہیں)

سورہ السجدہ میں کافروں سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے لئے خدا کے سوا نہ کوئی ولی ہوگا نہ

الرحمن ولدا

مالکم من دونه من ولی ولا شفیع — کوئی شفاعت کرنے والا
افلا تتذکرون (سورۃ السجدہ آیت ۳)

سورۃ المومن میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست
ما للظلمین من حمیم ولا شفیع یطاع (سورۃ المومن آیت ۱۹)
ہوگا نہ کوئی شفاعت کرنیوالا جس کی بات مانی جاوے۔

سورۃ الروم میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے لئے اونکے معبودوں میں
ولم یکن لھم من شرکائھم شفعاء وکانوا بشرکائھم کافرین (سورۃ روم آیت ۱۲)
سے جنکو وہ خدا کا شریک ٹھیراتے تھے کوئی شفاعت کرنیوالا نہ ہوگا۔

سورۃ الزمر میں فرمایا ہے کہ کیا مکہ کے کافروں نے خدا کے سوا شفاعت کرنیوالے ٹھیرائے
ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء قل اولو کانوا لا یملکون شیئا ولا یعقلون قل للہ الشفاعۃ جمیعا لہ ملک السموات والارض ثم الیہ ترجعون (سورۃ الزمر آیت ۴۴ و ۴۵)
ہیں کہدے (اے پیغمبر) کہ کیا وہ (یعنی جن کو شفاعت کرنیوالا ٹھیرایا ہے) کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتی اور نہ سمجھتے ہیں، کہدے اے پیغمبر کہ شفاعت تمام تر اللہ ہی کے لئے ہے اوسی کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی پھر اوسکے پاس جاؤگے۔

ویعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھولاء شفعاؤنا عند اللہ قل اتنبئون اللہ بما لا یعلم فی السموات ولا فی الارض سبحانہ وتعالی عما یشرکون (سورۃ یونس آیت ۱۹)
سورۃ یونس میں فرمایا ہے کہ کافر اللہ کے سوا اُنکی عبادت کرتے ہیں جو نہ اُنکو نقصان پہونچاتے ہیں نہ اُنکو نفع۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ ہیں ہماری شفاعت کرنیوالے اللہ کے پاس کہدے اے پیغمبر کہ کیا تم متنبہ کرتے ہو اللہ کو
اُس چیز سے کہ وہ نہیں جانتا آسمانوں کی اور زمین کی پاک ہے اور اعلیٰ ہے اُس سے کہ شریک

خدا رکھتا ہے اولاد

مقرر کرتے ہیں۔

سورہ انعام میں فرمایا ہے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ تمہاری شفاعت کرنیوالوں کو

وماتری معکم شفعاءکم الذین زعمتم انہم فیکم شرکاء (سورہ انعام آیت ۹۴)	جنکو تم گمان کرتے تھے کہ وہ تم میں شریک ہیں۔

سورہ یس میں خدانے پیغمبر کی زبان سے فرمایا ہے کہ کیا میں ٹھیراؤں اللہ کے سوا کسیکو معبود اگر

أ اتخذ من دونہ الھۃ ان یردن الرحمن بضر لاتغن عنی شفاعتہم شیئا ولاینقذون (سورہ یس آیت ۲۲)	خدا کچھہ مجکو نقصان پہنچانا چاہے تو انکی شفاعت میرے کچھہ بھی کام نہیں آسکتی۔ اور نہ اُس سے مجکو چھڑا سکتی ہے۔

دوسری قسم کی وہ آیتیں ہیں جن میں قطعاً یہ بات فرمائی ہے کہ کوئی شخص خدا کے سامنے کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا۔ اور نہ کوئی کسیکا شفیع ہوسکتا ہے اور وہ آیتیں یہ ہیں۔

سورہ بقر میں خدانے فرمایا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو خیرات کرو اُس میں سے جو دیا

یاایھا الذین امنوا انفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی یوم لابیع فیہ ولاخلۃ ولاشفاعۃ والکافرون ھم الظلمون (سورہ بقر آیت ۲۵۵)	ہے ہمنے تمکو اس سے پہلے کہ ایک دن آوے جس میں نہ خرید فروخت ہے اور نہ دوستی اور نہ شفاعت اور کافروہی ہیں ظلم کرنیوالے۔

سورہ انعام میں خدانے اپنے پیغمبر سے فرمایا ہے کہ تو قرآن سے اُن لوگوں کو ڈرا جو ڈرتے ہیں

لیس لھم من دونہ ولی ولاشفیع لعلھم یتقون (سورہ انعام آیت ۵۱)	کہ وہ جاوینگے اپنے پروردگار کے پاس اُنکے لئے سوائے خدا کے نہ کوئی دوست ہے نہ شفاعت کرنیوالا تا کہ وہ

پرہیزگاری کریں۔

پھر دوسری آیت میں خدانے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ تو قرآن سے اُنکو نصیحت کر کہ جو کچھہ جسنے

لیس لھا من دون اللہ ولی ولاشفیع۔ (سورہ انعام آیت ۶۹)	کمایا ہے اُسکے سبب سے وہ ہلاکت میں پڑیگا اور خدا کے سوا نہ اُسکا کوئی دوست ہوگا اور نہ شفاعت کرنیوالا

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۹۱﴾

سورہ [illegible] ریا ہے اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں پورا کریگا کوئی کسی سے کچھ اور اُن سے نہ قبول کیا
جاویگا بدلا اور نہ فائدہ دیگی اُنکو شفاعت اور نہ
وہ مدد کئے جاوینگے۔

واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل
منها عدل ولا تنفعها شفاعة ولا هم ینصرون
(سورہ البقر ۱۱۷)

تیسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ خدا کے سامنے کوئی کسی کی شفاعت
نہیں کرسکتا بجز خدا کی اجازت کے اور وہ آیتیں یہ ہیں۔

سورہ البقر میں خدا نے فرمایا ہے کہ وہ کون ہے جو شفاعت کرے اُسکے پاس (یعنی اللہ
کے پاس) مگر اُس کے حکم
سے۔

من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه
(سورہ البقر ایت ۲۵۲)

سورہ انبیا میں فرمایا ہے کہ خدا جانتا ہے جو کچھ اُنکے آگے ہے اور جو کچھ اُنکے پیچھے
ہے اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اُس
شخص کی جس سے خدا خوش ہے اور وہ
اُسکے ڈر سے دہلنے والے ہیں۔

یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم ولا
یشفعون الا لمن ارتضی وهم من خشیته مشفقون
(سورہ الانبیا ایت ۲۸-۲۹)

سورہ یونس میں فرمایا ہے۔ نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر اوس کے اذن
کے بعد۔

ما من شفیع الا من بعد اذنه (سورہ یونس ایت ۳)

سورہ طہٰ میں فرمایا ہے اُس دن شفاعت فائدہ نہیں دینے کی مگر اُسکو جسکے لئے خدا نے
اذن دیا ہے اور اُس کی بات کو پسند
کیا ہے۔

یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن
ورضی له قولا (سورہ طہٰ ایت ۱۰۸)

سورہ سبا میں فرمایا ہے اور فائدہ نہیں دیتی شفاعت اُسکے پاس مگر واسطے اُس شخص
کے کہ اذن دیا گیا ہو اُسکے لئے۔

ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له
(سورہ السبا - ایت ۲۲)

بیشک تم لائے ہو بہت بڑی بات (۹۱)

سورہ النجم میں فرمایا ہے اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ انکی شفاعت تم کو کچھ فائدہ نہیں

وکم من ملک فی السموات لا تغنی شفاعتھم شیئا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضی۔ (سورۃ النجم ایت ۲۶-۲۷)

دیتی مگر بعد اسکے کہ اذن دیوے اللہ جسکے لئے چاہے اور پسند کرے۔

سورہ الزخرف میں فرمایا ہے جو لوگ کہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا وہ مالک نہیں ہیں شفاعت

ولا یملک الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شھد بالحق وھم یعلمون (سورۃ الزخرف ایت ۸۶)

کے مگر وہ شخص جس نے سچ کی گواہی دی اور وہ جانتے ہیں۔

سورہ مریم میں فرمایا ہے اور نہیں مالک ہیں شفاعت کے مگر وہ شخص جس نے

لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عھدا (سورۃ مریم - ایت ۹۰)

اللہ سے عہد لیا ہے۔

پہلی قسم کی جو آیتیں ہیں اُن سے زیادہ بحث کرنیکی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ کافر یقین کرتے تھے کہ اُنکے معبود خدا سے اُنکی سفارش کرکے اُنکے گناہ بخشوا دینگے۔ خدا نے کہا کہ قیامت میں اُنکے لئے کوئی شفاعت کرنیوالا نہیں ہوگا یعنی اُنکا یہ خیال کہ اُنکے معبود شفاعت کروائینگے غلط ہے۔

دوسری قسم کی آیتیں بھی ہمارے نزدیک بالکل سیدھی اور صاف ہیں جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ خدا کے سامنے کوئی کسی کی شفاعت کرنیوالا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص اپنے اعمال کے موافق جزا اور سزا پاویگا۔ پس وہاں نہ کسی کی شفاعت چلتی ہے اور نہ کوئی کسی کی شفاعت کرسکتا ہے۔

مگر تیسری قسم کی آیتیں بحث کے قابل ہیں۔ جن میں الا حرف استثنا کا اور لفظ اذن کا آیا ہے اور اس سبب سے بعض اکابر شفاعت بالاذن کے قایل ہوئے ہیں۔ یعنی خدا جس شخص کی شفاعت کرنے کی اجازت دیگا اوسی کی شفاعت کی جاوے گی۔ اور جسکے لئے خدا کا اذن

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

نہ ہوگا اُسکی شفاعت نہیں کیجاوے گی۔

مسلمانون میں ایک عام خیال ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام قیامت کے دن اپنی امت کی گنہگارون کی شفاعت کرکے اُنکو بخشوالین گے۔ پھراس خیال کو بہت وسعت ہوگئی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ پیر اپنے مریدون کی اور نیک بندے اپنے دوستوں اور معتقدون کی اور حافظ اپنے رشتہ دارون اور پڑوسیون کی شفاعت کرکے اُنکو بخشوالیں گے۔ اور ایک ایک کی شفاعت سے معلوم نہیں کتنے کتنے گنہگار بخشے جاوینگے۔ اِن خیالات کی بنیاد کچھ ہی ہو اِس مقام پر اُس سے بحث کرنی ضرور نہیں ہے۔ یہان صرف اِس بات پر بحث کرنی ہے کہ اُن آیتون سے جو تیسری قسم میں مندرج ہیں نسبت شفاعت کے کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

شفاعت کا مطلب اگر یہی خیال کیا جاوے جو عام لوگون کا ہے تو یہہ مشکل پیش آتی ہے کہ سورہ انعام میں خدا نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سوا نہ کوئی دوست ہوگا نہ شفاعت کرنیوالا اور اس کا فائدہ یہ بتایا ہے کہ "لعلہم یتقون" یعنی تاکہ لوگ پرہیزگاری کرین یعنی کوئی کسیکا شفیع نہیں ہے اسلئے اُنکو چاہیئے کہ نیک اعمال کرین پس اگر لوگون کو یہہ یقین ہو کہ انبیا اور اولیا قیامت کے دن شفاعت کرکے اُنکے گناہ بخشوا لینگے تو جو فائدہ خدا نے کسی کی شفیع نہ ہونیکا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ شفاعت کرنیوالا وہ باطل ہوجاتا ہے۔ اور اسلئے ضرور ہے کہ اُن آیتون پر جو تیسری قسم میں داخل کی گئی ہیں کافی غور کی جاوے۔

شفاعت کے معنی اگر یہہ قرار دئے جاوین کہ کوئی شخص کسی اعلیٰ حاکم سے کسیکی نسبت یہ چاہے کہ اُسکی تقصیرونکو معاف کیا جاوے اور اُسپر رحم اور مہربانی ہو تو شفاعت کے لئے تین وجودون کا ہونا لازم آتا ہے۔ ایک اُس شخص کا جو گنہگار ہے۔ دوسرے اُس شخص کا جو شفاعت کرے تیسرے اُسکا جس سے شفاعت کیجاوے۔ مگر متعدد جگہہ خدا نے شفاعت کو اپنے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور اُس سے صرف دو وجودونکا ہونا لازم آتا ہے

قریب ہے کہ آسمان اُس سے پھٹ جائین

ایک خدا کا اور ایک اُس شخص کا جو گنہگار ہے۔ خدا نے سورۃ الزمر میں صاف بیان کیا ہے کہ قل للہ الشفاعۃ جمیعا۔ یعنی اے پیغمبر کہدے کہ شفاعت تمام تر اللہ ہی کے لیئے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود خدا ہی اپنے گنہگار بندونکا شفیع ہے۔

علاوہ اسکے خدا نے سورہ السجدہ میں کافرون کی نسبت فرمایا ہے مالکم من دونہ من ولی ولا شفیع۔

اور سورہ یٰس میں فرمایا ہے کہ ا اتخذ من دونہ آلھۃ۔ اور سورہ انعام میں فرمایا ہے کہ لیس لھم من دونہ ولی ولا شفیع۔ اور ایک جگہ فرمایا ہے لیس لھا من دون اللہ ولی ولا شفیع جس سے پایا جاتا ہے کہ کافرون کو چاہیئے تھا کہ خدا کو ولی اور شفیع گردانتے نہ خدا کے سوا اور کسی کو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی اور شفیع خدا ہے نہ اور کوئی۔

لفظ "دون" کے بعد جب کوئی امر ثبت اور محقق بیان کیا جاتا ہے تو اُس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ جو فعل اُس شخص کے ساتھ کیا گیا ہے جو لفظ "دون" سے مراد ہے وہ فعل اُسکے ساتھ نہ کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ اُسکے ساتھ کرنا چاہیئے تھا جو لفظ "دون" کے بعد ہے جیسا کہ خدا نے کہا ہے کہ یعبدون من دون اللہ پس جو فعل کہ اللہ کے سوا اور کسی کے ساتھ کیا گیا تھا وہ کرنا نہیں چاہیئے تھا۔ بلکہ اللہ کے ساتھ کرنا چاہیئے تھا۔ اور جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین۔ پس ظاہر ہے کہ جو دوستی کہ کافرون کے ساتھ کی گئی تھی وہ قبیح اور ناجائز تھی۔ بلکہ وہ دوستی مسلمانون کے ساتھ کرنی چاہیئے تھی۔ پس مذکورہ بالا آیتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ شفاعت کا خیال غیر خدا کے ساتھ ناواجب تھا اور خدا کے ساتھ لازم تھا اور اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ ولیؐ اللہ شفیعؐ اللہ الہٰؐ پس شفاعت خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور وہی شفیع ہے نہ کوئی غیر۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جہاں کہیں خدا نے شفاعت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جیسے کہ "قل للہ الشفاعۃ جمیعا" یہ اس سبب سے کیا ہے کہ بغیر اسکے اذن کے کوئی شفاعت

وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾

نہیں کر سکنے کا پس گویا حقیقت میں شفیع خدا ہی ہے جس کے اذن کے بغیر شفاعت نہیں ہو سکتی۔

مگر اس توجیہ کا تسلیم کرنا ان آیتوں کی مراد پر منحصر ہے جن میں اذن کا لفظ واقع ہوا ہے اگر ان آیتوں میں شفاعت کے اذن دینے سے مراد نہ ہو تو یہ توجیہ صحیح نہیں ہو سکتی اور اسلئے ہم اُن آیتوں سے بحث کرتے ہیں جنمیں اذن کا لفظ آیا ہے۔

پانچ آیتیں ہیں جن میں الا باذنہ کا لفظ آیا ہے ایک سورہ بقر کی جہاں خدا نے فرمایا ہے "من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ" دوسری سورہ یونس میں جہان خدا نے فرمایا ہے "ما من شفیع الا بعد اذنہ" تیسری سورہ طٰہٰ میں جہان خدا نے فرمایا ہے "یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمٰن ورضی لہ قولا" چوتھی سورہ سبا میں جہاں خدا نے فرمایا ہے "ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ" پانچویں سورہ نجم میں جہاں خدا نے فرمایا ہے "لا تغنی شفاعتھم شیئا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضیٰ"

سورہ بقر اور سورہ انعام کی جو آیتیں ہم نے قسم دوم میں لکھی ہیں اُن میں بلا کسی شرط اور بلا کسی استثنا کے خدا نے فرمادیا ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کا شفیع نہیں ہونے کا اور نہ کوئی کسی کا ولی یا اور مددگار۔ پس اب ہمکو یہہ دیکھنا ہے کہ ان آیتوں میں جن میں لفظ "الا باذنہ" واقع ہے درحقیقت اُس سے شفاعت کے اذن کا دیا جانا مراد ہے یا نہیں۔

ہمارے نزدیک شفاعت کے اذن کا دیا جانا مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں جس جگہہ کسی امر کا ہونا یا نہ ہونا قطعی طور پر بیان کیا گیا ہے اور پھر اُس سے اپنی مشیت یا ارادہ یا قدرت کو خدا نے مستثنے کیا ہے تو اس استثنا سے صرف اپنی قدرت کاملہ اور مشیت اور ارادہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے نہ اُس امر کے واقع ہونے کا جو بعد حرف استثنا کے واقع ہوا ہے۔ پس ان آیتوں میں الا باذنہ یا باذن اللہ کا لفظ جو آیا ہے اُس سے یہہ لازم نہیں آتا کہ خدا قیامت میں کسیکو یا کسیکے لئے شفاعت کرنے کی اجازت بھی دیگا اور خدا نے قرآن مجید میں شفاعت

اور زمین ٹکڑے ہو جاوے اور گر پڑیں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر (۹۲)

کی جو عام طور پر نفی کی ہے اس استثنا سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور ہمارے نزدیک ایسی آیتوں میں کلمۂ الا باذنہ یا الا باذن اللہ بطور کلمۂ تائید کے ہوتا ہے جس سے اُس امر کا ہونا یا نہ ہونا قطعی ہو جاتا ہے جس سے خدا نے اپنے اذن کو مستثنا کیا ہے۔

اِسکی مثال لفظ الا ان یشاء اللہ سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ سورۂ اعراف میں حضرت شعیبؑ کے قصہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ اُس گاؤں کے سرداروں نے جہاں شعیبؑ رہتے تھے حضرت شعیب سے اور جو لوگ کہ ایمان لائے تھے اُنسے کہا کہ ہم تمکو گانوں سے نکال دینگے یا ہمارے مذہب میں آجاؤ۔ تو حضرت شعیب نے کہا کہ اگر تمہارے مذہب میں پھر آویں بعد اسکے کہ خدا نے ہمکو اُس سے نجات دی ہے تو ہم نے بیشک خدا کے اوپر جھوٹ باندھا ہوگا۔ اور ہمارے لئے نہیں ہے کہ ہم اُس میں پھر جاویں مگر یہہ کہ خدا چاہے۔

قد افترینا علی اللہ کذبا ان عدنا فی ملتکم بعد اذ نجینا اللہ منہا وما یکون لنا ان نعود فیہا الا ان یشاء اللہ (سورہ اعراف ۔ ۸۷)

اِس آیت کا یہہ مقصد نہیں ہے کہ حضرت شعیب کا دوبارہ کفر میں داخل ہونا خدا چاہے گا بلکہ خدا حضرت شعیب پیغمبر کا پھر کفر میں داخل ہونا ہرگز نہیں چاہے گا۔ پس کلمہ استثنا کے بعد جو بیان ہے وہ بطور تائید کلام اول کے ہے اور اُس کا وقوع کسیطرح مقصود نہیں ہے۔ اور یہی حال اُن آیتوں کا ہے جن میں لفظ الا باذنہ کا آیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کسیکو شفاعت کرنیکی یا کسی کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دینے کا۔ علاوہ اسکے یہ کلمے بطور تبعید یا تعلیق المحال بالمحال کر بولے جاتے ہیں اور اسکی مثال یہ ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں جابجا مشرک کی نجات نہ ہونیکو صاف صاف بیان فرما دیا ہے اور ایک آیت میں جہاں فرمایا ہے حتے یلج الجمل فی سم الخیاط اُنکی نجات کو اس شرط کے ساتھ معلق کیا ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوسکے اور ایسا ہونا محال ہے۔ پس مشرک کی نجات کی جو عام طور پر قرآن میں نفی کی گئی ہے اس تعلیق سے

أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝٩٢ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝٩٣ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝٩٤ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝٩٥ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝٩٦ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُدًّا ۝٩٧

اسمیں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ بلکہ مشرک کی نجات کا ناممکن ہونا اور بھی واضح ہوگیا ہے۔ اسکی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً کوئی کہے کہ میں یہہ کام نہیں کرنیکا جب تک کہ تارکول سفید اور کالا کوا بوڑھا نہ ہوجاوے۔ یعنی جب تک کالے کوے کے سفید بال نہ نکل آئیں۔

پس ان آیتوں میں بھی شفاعت کو باذنہ سے مشروط کرنا تعلیق المحال بالمحال ہے کیونکہ اور آیتوں میں شفاعت کی مطلقاً نفی کی گئی ہے جس سے کسیکو شفاعت کا اذن دیا جانا محال معلوم ہوتا ہے۔ یہاں شفاعت کو اسی اذن کے ساتھ معلق اور مشروط کیا ہے جس کا حاصل ہونا محال ہے۔ پس اس تعلیق سے شفاعت کی مطلق نفی میں کوئی فرق نہیں آتا جو پہلے بیان ہوچکی ہے بلکہ شفاعت کا ناممکن اور محال ہونا زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔ بہرحال ان آیتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت میں خدا کسیکو شفاعت کرنیکا یا کسی کے لئے شفاعت کرنیکا اذن

اس بات پر کہ وہ دعوی کرتے ہیں خدا کے لئے اولاد کا اور نہیں شان ہی خدا کی کہ وہ رکھے اولاد ﴿۹۲﴾ نہیں ہے کوئی آسمان اور زمین میں مگر آنیوالا ہے خدا کے پاس بندہ ہوکر بیشک خدا نے انکو گھیر لیا ہے انکو اور گن لیا ہے انکو گنتی کر کے ﴿۹۳﴾ اور ہر ایک اُن میں سے آنیوالا ہے قیامت کی دن تنہا ﴿۹۵﴾ بیشک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کئے ہیں اور پیدا کر دیگا خدا اُنکے لئے دوست ﴿۹۶﴾ (اے پیغمبر) بیشک ہمنے آسان کر دیا ہے قرآن کو تیری زبان میں تاکہ اُس سی خوشخبری دے پرہیزگاروں کو اور تو ڈراوے اُس سی جھگڑالو لوگوں کو ﴿۹۷﴾

دے گا۔ بلکہ سیاق قرآن سے یہی پایا جاتا ہے کہ اجازت نہیں دیگا۔

دو آیتیں اور ہیں جن میں اذن کا لفظ نہیں ہے مگر حرف استثنا آیا ہے۔ پہلی آیت سورہ الزخرف کی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے۔ ولا یملك الذین یدعون من دونه الشفاعة الا من شهد بالحق وهم یعلمون اور دوسری آیت سورہ مریم کی ہے جسکی ہم تفسیر لکھتے ہیں اُس آیت میں خدا نے فرمایا ہے۔ لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عهدا۔ یہ دونوں آیتیں ایک سی ہیں۔ پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کے سوا اوروں سے شفاعت چاہتے ہیں اُن میں سے کوئی شفاعت کا مالک نہیں ہے بجز اُسکے جسنے سچ بات یعنی اسلام پر اقرار کیا۔ اور دوسری آیت میں ہو کہ سوائے اُنکے جنہوں نے خدا سے عہد کیا ہے یعنی اُسکی وحدانیت کا اقرار کیا ہے کوئی مالک شفاعت کا نہیں ہوگا۔

شفاعت کے مالک ہونے سے شفاعت کا حق یا استحقاق حاصل ہونا مراد ہے

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ
مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

جو سوائے مسلمان کے اور کسیکو حاصل نہیں ہے شفاعت کا حاصل ہے کسی کے گناہون سے
درگذر کرنا اور جب شفاعت خدا کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو اُسکے معنی مغفرت کو رہجاتے
ہیں اور مجازاً اُسکا استعمال بمعنی مغفرت ولایت (ولی ہونا) اور نصرت کے ہوتا ہے۔ جیسے کہ
خدا نے فرمایا ہے۔ لہٰ ا ہم من دون ولی ولا شفیع۔ اور دوسری جگہہ فرمایا ہی
لا تنفعها شفاعة ولا هم ينصرون ان آیتون میں لفظ ولی اور ینصرون گویا تفصیل ہے
شفاعت کی پس خدا کی شفاعت اُسکی مغفرت ہے اور خدا کا شفیع ہونا اُس کا غفور اور

اور کتنے ہلاک کئے ہیں ہم نے اُن سے پہلے گروہ لوگوں کے کیا تو پاتا ہے

اُن میں سے کسی کا پتا یا سنتا ہے اُنکی بھنک (۹۸)

غفار ہوتا ہے۔ اس مطلب کو نہایت صاف طور پر خدا نے بیان کیا ہے جہاں فرمایا ہے

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء۔

ولا شک ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفیعنا و شفیع جمیع المسلمین لانہ علیہ السلام ھدانا الی صراط مستقیم موصل الی الشفاعۃ والرحمۃ والغفران من عند اللہ فھو شفیع لنا بالتحقیق فی یوم الدین یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ۔

هو المستعان

۱۰۹

در مطبع مفید عام آگره محمد قادر علیخان صاحب و فی

طبع نمود
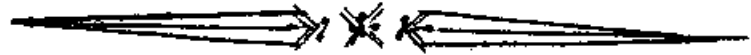
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰهٰ ۝١ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝٢ اِلَّا تَذۡكِرَةً
لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ۝٣ تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ
الۡعُلٰى ۝٤ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۝٥ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ۝٦ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ
فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ۝٧ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ
الۡحُسۡنٰى ۝٨ وَهَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۝٩ اِذۡ رَاٰ نَارًا
فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا
بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝١٠ فَلَمَّاۤ اَتٰٮهَا نُوۡدِىَ يٰمُوۡسٰى ۝١١
اِنِّىۡۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ اِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٢
وَاَنَا اخۡتَرۡتُكَ فَاسۡتَمِعۡ لِمَا يُوۡحٰى ۝١٣ اِنَّنِىۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ
اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِىۡ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِىۡ ۝١٤ اِنَّ السَّاعَةَ
اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخۡفِيۡهَا ۝١٥ لِتُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا تَسۡعٰى ۝١٦ فَلَا يَصُدَّنَّكَ

۱ه استویٰ علی العرش پر ہم پوری بحث اپنی تفسیر جلد سوم میں لکھ چکے ہیں دیکھو صفحہ (۱۶۳۔۱۷۷)

۲ه حضرت موسیٰ کے واقعات اور حالات کے متعلق جسقدر آیتیں قرآن مجید میں آئی ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰہٰ۔ ہم نے تجھپر قرآن اسلیئے نہیں اوتارا کہ تو رنج کھینچے (۱) بجز نصیحت کے اُسکے لئے
جو ڈرتا ہے (۲) اوتارا ہوا ہے اُسکا جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو (۳)
رحمٰن یعنی خدا عرش پر قایم ہوا (۴) اُسیکے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ
کہ زمین میں ہے اور جو کچھ کہ اُن دونوں میں ہے اور جو کچھ کہ گیلی زمین کے نیچے ہے (۵)
اور اگر تو کھلم کھلا کوئی بات کرے تو بیشک وہ جانتا ہے چھپے بھید کو اور زیادہ چھپے ہوئے
کو (۶) خدا ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے اُسیکے لئے ہیں نام اچھے (۷) اور کیا پہونچی
ہے تجھ تک خبر موسیٰ کی (۸) جسوقت اُسنے دیکھا آگ کو تو اُسنے اپنے لوگوں سے کہا
ٹھیرو بیشک میں نے دیکھی ہے آگ (۹) شاید میں لاؤں تمہارے پاس اُس سے انگارا یا میں
پاؤں آگ کے پاس راہ (۱۰) پھر جب اُسکے پاس پہونچا تو آواز دیگئی اے موسیٰ (۱۱) بیشک
میں ہوں تیرا پروردگار اُتار دے اپنی جوتیاں بیشک تو میدان پاک میں ہے جسکا نام طویٰ
ہے (۱۲) اور میں نے تجھکو پسند کیا پھر سن جو کچھ وحی کیجاتی ہے (۱۳) بیشک میں خدا
ہوں نہیں کوئی معبود سواے میرے پھر میری عبادت کر اور قایم کر نماز مجھے یاد کرنیکے
لئے (۱۴) بیشک قیامت آنیوالی ہے میں چاہتا ہوں کہ اُسکے وقت کو پوشیدہ
رکھوں (۱۵) تاکہ بدلا دیا جاوے ہر شخص کو اُسکا جو وہ کرتا ہے (۱۶) پس نہ روکے تجھکو

انکی مفصل تفسیر ہم اپنی تفسیر جلد سوم میں صفحہ ۲۱۰ سے صفحہ ۲۵۰ تک اور تفسیر جلد اول میں صفحہ ۷۰ سے صفحہ ۱۲۶ تک کر چکے ہیں۔

عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۷﴾ وَمَا تِلْكَ

بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ

بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۹﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۲۰﴾

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۱﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ

سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۲﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ

تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۳﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا

الْكُبْرٰى ﴿۲۴﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ

صَدْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۷﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۸﴾

يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۹﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۳۰﴾ هٰرُوْنَ

اَخِي ﴿۳۱﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۲﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۳﴾ كَيْ

نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ

مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ

فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ

اُس سے جو اُسپر ایمان نہین لایا اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی پھر تو ہلاک
ہو جاوے ۱۷ اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ ۱۸ موسیٰ نے کہا
کہ یہ میری لاٹھی ہے میں اُسپر سہارا لیتا ہون اور اُس سے پتے اپنے ریوڑ پر جھاڑ لیتا
ہون اور میرے لئے اُس میں اور بہی فائدے ہیں ۱۹ خدا نے کہا کہ اُسکو ڈالدے
اے موسیٰ ۲۰ پھر اُسنے اُسکو ڈالدیا پھر یکایک وہ تھی دوڑتا ہوا سانپ ۲۱ خدا نے کہا
کہ اُسکو اُٹھا لے اور مت ڈر ہم پھیر دینگے اُسکو ویسی ہی جیسی کہ تھی پہلے ۲۲
اور ملا دے اپنا ہاتھ اپنی بغل سے نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی عیب کے نشانی
ہے دوسری ۲۳ تاکہ ہم تجھکو دکھاوین اپنی بڑی نشانیون میں سے ۲۴ جا فرعون
پاس بیشک اُسنے سرکشی کی ہے ۲۵ موسیٰ نے کہا کہ اے میرے پروردگار میرے لئے
میرے دل کو کھولدے ۲۶ اور آسان کر میرے لئے میرا کام ۲۷ اور کھولدے
گرہ میری زبان کی ۲۸ تاکہ سمجھین میری بات کو ۲۹ اور کر میرے لئے ایک وزیر میرے
لوگون میں سے ۳۰ ہارون میرے بھائیکو ۳۱ اور مضبوط کر اُس سے میری قوت
کو ۳۲ اور شریک کر اُسکو میرے کام میں ۳۳ تاکہ ہم تیری تسبیح کرین بہت اور ہم تجھکو
یاد کرین بہت ۳۴ بیشک تو ہے ہمکو دیکھنے والا ۳۵ خدا نے کہا کہ بیشک دی گئی
تجھکو تیری درخواست اے موسیٰ ۳۶ اور بیشک ہم نے تجھپر احسان کیا دوسری دفعہ ۳۷
جسوقت کہ ہمنے وحی بھیجی تیری ماں کے پاس جو کچھ کہ وحی بھیجی گئی ۳۸ کہ رکھ اُسکو
صندوق میں اور ڈالدے اُسکو دریا میں پھر اُسکو ڈالدیگا

بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً
مِّنِّي ﴿٣٩﴾ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٤٠﴾ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ
أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ
وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ﴿٤١﴾ فَلَبِثْتَ
سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ﴿٤٢﴾ وَ
اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤٣﴾ اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا
فِي ذِكْرِي ﴿٤٤﴾ اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٤٥﴾ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا
لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٦﴾ قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ
عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ ﴿٤٧﴾ قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ﴿٤٨﴾
فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ
وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ
الْهُدَىٰ ﴿٤٩﴾ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٥٠﴾
قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ﴿٥١﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ﴿٥٢﴾
قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ﴿٥٣﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ﴿٥٤﴾

دریا کنارے پر لے لیویگا اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن اور میں نے ڈال دی ہے تجھ پر (اے موسیٰ) محبت اپنی طرف سے (۳۹) تاکہ تو پرورش پاوے میری آنکھوں کے سامنے (۴۰) جس وقت کہ جا رہی تھی تیری بہن تو وہ کہتی تھی (یعنی ان سے جنہوں نے موسیٰ کو دریا میں سے نکالا تھا کہ کیا میں تم کو بتاؤں اس کو جو پرورش اس کو (یعنی موسیٰ کو) کرے پھر ہم پھیر لائے تجھ کو تیری ماں کی طرف تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور کڑھے نہیں اور تو نے مار ڈالا ایک آدمی کو پھر ہم نے تم کو نجات دی اس غم سے اور آزمایا ہم نے تجھ کو اچھی طرح آزما کر (۴۱) پھر تو چند برس مدین والوں میں رہا پھر تو آیا اندزہ پر اے موسیٰ (۴۲) اور ہم نے تجھ کو پسند کر لیا اپنے لیئے (۴۳) اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ اور سستی نہ کرو میری یاد کرنے میں (۴۴) دونوں جاؤ فرعون کے پاس بیشک اس نے سرکشی کی ہے (۴۵) پھر اس سے کہو نرم بات شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے (۴۶) دونوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار بے شک ہم دونوں ڈرتے ہیں کہ زیادتی کرے گا ہم پر یا کہ سرکشی کرے گا (۴۷) خدا نے ان دونوں سے کہا کہ تم مت ڈرو بے شک میں دونوں کا خدا ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں (۴۸) پھر وہ دونوں فرعون کے پاس آئے پھر ان دونوں نے کہا کہ بے شک ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے پروردگار کے پھر بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور ان کو عذاب نہ دے بیشک یہی ہے مرضی پروردگار کی اور سلامتی ہے اس شخص پر جس نے پیروی کی ہدایت کی (۴۹) بیشک اس نے کہا ہے ہمارے پاس کہ عذاب اس پر ہے جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی (۵۰) (فرعون) نے کہا تمہارا پروردگار کون ہے اے موسیٰ (۵۱) (موسیٰ نے) کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے دی ہے ہر چیز کو اس کی بناوٹ پھر ہدایت کی (۵۲) فرعون نے کہا کہ پھر کیا حال ہے اگلے زمانے کے لوگوں کا (۵۳) موسیٰ نے کہا کہ ان کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے ایک کتاب میں نہیں چوک جاتا ہے میرا پروردگار اور نہ بھول جاتا ہے (۵۴)

الذی جعل

لکم الارض مھدا وسلک لکم فیھا سبلا وانزل
من السماء ماء فاخرجنا بہ ازواجا من نبات
شتی ۵۳ کلوا وارعوا انعامکم ان فی ذلک لایت
لاولی النھی ۵۴ منھا خلقنکم وفیھا نعیدکم و
منھا نخرجکم تارۃ اخری ۵۵ ولقد ارینہ ایتنا
کلھا فکذب وابی ۵۶ قال اجئتنا لتخرجنا من
ارضنا بسحرک یموسی ۵۷ فلناتینک بسحر مثلہ
فاجعل بیننا وبینک موعدا لا نخلفہ نحن
ولا انت مکانا سوی ۵۸ قال موعدکم یوم
الزینۃ وان یحشر الناس ضحی ۵۹ فتولی
فرعون فجمع کیدہ ثم اتی ۶۰ قال لھم موسی
ویلکم لا تفتروا علی اللہ کذبا فیسحتکم
بعذاب وقد خاب من افتری ۶۱ فتنازعوا
امرھم بینھم واسروا النجوی ۶۲ قالوا ان
ھذن لسحرن یریدن ان یخرجکم من
ارضکم بسحرھما

وہ ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور نکالے تمہارے لئے اُس میں رستے اور بھیجا آسمان سے پانی پھر نکالیں ہم نے اُس سے مختلف قسمیں نباتات کی (۵۵) کھاؤ اور چراؤ اپنے مواشی کو بیشک اس میں ہیں نشانیاں سمجھدار لوگوں کیلئے (۵۶) اُس سے (یعنی زمین سے) پیدا کیا ہم نے تمکو اور اُس میں تمکو پھر لیجاوینگے اور اُس سے تمکو نکالیں گے دوسری دفعہ (۵۷) اور بیشک ہمنے دکھائیں اُسکو (یعنی فرعون کو) اپنی تمام نشانیاں پھر اُسنے جھٹلایا اور نہ مانا (۵۸) کہا فرعون نے کیا تو آیا ہے اسلئے کہ نکالے ہمکو ہماری زمین سے بسبب اپنے جادو کے اے موسیٰ (۵۹) پھر بیشک ہم لاوینگے تیرے پاس اسی کی مانند جادو پھر مقرر کر ہم میں اور اپنے میں کوئی وقت نہ ہم اُسکے خلاف کریں اور نہ تو برابر کی جگہ میں (۶۰) موسیٰ نے کہا تمہارا وقت تہوار کا دن ہے اور یہ کہ جمع ہوں آدمی دن چڑھے (۶۱) پھر لوٹ گیا فرعون اور جمع کئے اپنے سارے داؤں پھر آیا (۶۲) کہا اُنکو (یعنی فرعون کے ساحروں کو) موسیٰ نے افسوس تم پر نہ بہتان باندھو اللہ پر جھوٹ (۶۳) پھر ہلاک کر دے تم کو عذاب سے اور بیشک نامراد ہوا جسنے بہتان باندھا (۶۴) پھر جھگڑنے لگے اپنے کام میں آپس میں اور چھپایا مشورہ کو (۶۵) (جادوگروں نے) کہا یہ دونوں بیشک جادوگر ہیں دونوں چاہتے ہیں کہ نکالیں تم کو یہ دونوں تمہاری زمین سے اپنے جادو سے

سلہ حیوانات مختلف عنصروں سے ملکر بنے ہیں مگر وہ تین قسم کے خیال کئے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو زمین پر رہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو پانی میں رہتے ہیں۔ تیسرے وہ جو ہوا میں اوڑتے ہیں۔ زمین پر رہنے والوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ زمین سے پیدا ہوئے اور پانی میں رہنے والوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ پانی سے پیدا ہوئے۔ اور ہوا میں اوڑنے والوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ہوا سے پیدا ہوئے۔ اس سے یہ مقصد نہیں ہے کہ صرف مٹی یا پانی یا ہوا سے پیدا کئے گئے ہیں۔

‡ مکانا سوی نصفا بیننا و بینک ان قرأت بضم السین ۱۲ تفسیر ابن عباس

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝٦٦ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ
ائْتُوْا صَفًّا وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝٦٧ قَالُوْا
يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝٦٨
قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ
سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝٦٩ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝٧٠
قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝٧١ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ
تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝٧٢
فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝٧٣
قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ
السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ
عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝٧٤ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ
وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ

اور دور کردین تمہاری اچھے طریقہ کو (یعنی دین کو) (۶۶) پہر جمع کرو اپنے داؤن پہر آؤ قطار باندہکر اور بیشک کامیاب ہوا آج کے دن وہ شخص جو غالب آیا (۶۷) (جادوگرون نے کہا ای موسیٰ یا تو تو ڈال یا ہم ہون اول ڈالنے والے (۶۸) موسیٰ نے کہا بلکہ تم ڈالو پہر یکایک اُنکی رسیون کا اور اُنکی لاٹھیون کا موسیٰ کو خیال بندہ گیا اُنکے جادو سے کہ وہ دوڑتے ہیں (۶۹) پہر پایا اپنے دل مین ڈر موسیٰ نے (۷۰) ہم نے موسیٰ کو کہا مت ڈر بیشک تو ہی ہے غالب (۷۱) اور ڈال دی جو تیری داہنے ہاتھ مین ہے (یعنی اپنا عصا) نگل جاویگا جو کچہ اُنہون نے کیا ہی بیشک جو کچھ انہوں نے کیا ہی وہ جادوگر کا دہوکہ ہے اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر جہان جائے (۷۲) پس ڈال دئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے اور اُنہون نے کہا کہ ہم ایمان لائی ہارون اور موسیٰ کی پروردگار پر (۷۳) فرعون نے کہا کیا تم ایمان لائے اُسپر (یعنی موسیٰ پر) اس سی پہلی کہ میں اجازت دون تمکو بیشک وہ (یعنی موسیٰ) تمہارا گروہی جس نے تمکو سکہایا جادو پس بیشک مین کاٹونگا تمہاری ہاتھ اور تمہارے پاؤن برخلاف (یعنی ایک داہنا اور ایک بایان) اور بیشک تم کو سولی پر چڑہاؤنگا کہجور کے ٹہنون پر اور بیشک تم جانوگے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت ہے اور باقی رہنے والا ہے (۷۴) جادوگرون نے کہا کہ ہم تجھ کو ترجیح نہیں دینے کے اُس چیز پر کہ جو آئی ہے ہمارے پاس کُھلی دلیل سے اور اُس پر جس نے پیدا کیا ہم کو پھر حکم کر جو کچھ تو حکم کرنے والا ہے اسکے سوا کیا ہے کہ تو حکم کریگا اس زندگانی دنیا میں بیشک ہم ایمان لائے ہیں اپنے پروردگار پر تاکہ بخشے ہمارے لئے ہماری گناہ اور جو تونے مجبور کرکے کروایا ہم سے

السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۵﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا
فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۶﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ
مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ
الْعُلٰى ﴿۷۷﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۸﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ﴿۷۹﴾ لَّا تَخٰفُ
دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۸۰﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ
مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۸۱﴾
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ
جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۲﴾
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ
يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۳﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ
وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۴﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ
عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۵﴾

جادو او راللہ بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا (۷۵) بیشک جو کوئی آوے اپنے پروردگار
کے پاس گنہگار ہوکر تو بیشک اسکے لئے ہی جہنم نہ مرے گا اُس مین نہ زندہ رہے گا (۷۶)
اور جو شخص کہ آیا اُسکے پاس ایمان لاکر اور اُس نے عمل کئے ہون نیک پھر وہی ہیں
کہ اُنکے لئے ہیں درجے بلند (۷۷) بہشتین ہین ہمیشہ رہنے کی جاری ہیں اُنکے نیچے نہرین
ہمیشہ رہیں گے اُس میں اور یہہ ہے جزا اُس شخص کی جو پاک ہوا (۷۸) اور بیشک ہم نے
وحی بھیجی موسیٰ پاس کہ راتون رات لیچل ہمارے بندون کو پھر اختیار کر اُنکے لئے رستہ
دریا میں سوکھا (۷۹) اور نہ خوف کر آپکڑنے سے (یعنی فرعون کے پیچھا کرنے سے) اور نہ ڈر (اُنکے
غرق ہونے سے) (۸۰) پھر اُنکا پیچھا کیا فرعون نے ساتھ اپنے لشکرون کے پھر اُنکو ڈھانک لیا
دریا میں سے اُس چیز نے جس نے اُنکو ڈہانک لیا اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اور
راہ نہیں دکھلائی (۸۱) اے بنی اسرائیل بیشک ہم نے تمکو نجات دی تمہارے دشمنون
سے اور وعدہ دیا ہم نے تمکو طور کی داہنی طرف سے اور اوتارا ہم نے تم پر من اور سلویٰ (۸۲) کہاؤ
پاک چیزون سے جو ہم نے تمکو روزی دی اور اُس میں سرکشی مت کرو تا کہ اوترے تم پر میرا غضب
اور وہ شخص جسپر میرا غصہ اوترا ہلاک ہوا (۸۳) اور بیشک میں بخشنے والا ہون اُس شخص کیلئے
جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے پھر اچھی راہ پر پڑا (۸۴) اور کیون جلدی
کی تو نے اپنی قوم سے (یعنی اپنی قوم کو چھوڑکر جلد کیون چلا آیا) اے موسیٰ (۸۵)

+ فاضرب۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب بزن۔ ترجمہ مولوی رفیع الدین صاحب مار۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب
ڈال دے۔ تفسیر ابن عباس فاضرب لھم بینّ لھم عبور موسیٰ اور غرق فرعون کی نسبت
ہم پوری بحث اپنی تفسیر کی جلد اول صفحہ ۱۰۱ لغایت ۱۰۳ میں کرچکے ہیں۔

قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰٓ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿۸۶﴾
قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾
فَرَجَعَ مُوسَىٰٓ إِلَىٰ قَوْمِهِۦ غَضْبَانَ أَسِفًا ﴿۸۸﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ
أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ
أَمْ أَرَدْتُّمْ أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ
مَّوْعِدِي ﴿۸۹﴾ قَالُوا۟ مَآ أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَ
لَٰكِنَّا حُمِّلْنَآ أَوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَٰهَا فَكَذَٰلِكَ
أَلْقَى السَّامِرِيُّ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُۥ خُوَارٌ
فَقَالُوا۟ هَٰذَآ إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ﴿۹۰﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ
أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿۹۱﴾
وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَٰرُونُ مِنْ قَبْلُ يَٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ
بِهِۦ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوٓا۟ أَمْرِي ﴿۹۲﴾
قَالُوا۟ لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَٰكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ﴿۹۳﴾
قَالَ يَٰهَٰرُونُ مَا مَنَعَكَ

(موسیٰ نے) کہا کہ وہ لوگ ہیں جو میری پیروی پر ہیں اور میں جلدی سے آگیا تیرے پاس

اے میرے پروردگار تاکہ تو راضی ہو (۸۴) (خدا نے) کہا کہ پھر ہم نے بیشک بلا میں ڈال دیا

تیری قوم کو تیرے بعد اور گمراہ کیا اُنکو سامری نے (۸۵)* پھر پھر آیا موسیٰ اپنی قوم کی پاس

غصے میں بھرا ہوا اور افسوس کرتا ہوا (۸۶) کہا موسیٰ نے اے میری قوم کیا نہیں وعدہ

دیا تھا تم کو تمہارے پروردگار نے وعدہ اچھا؟ کیا لمبی ہو گئی تم پر مدت؟ کیا ارادہ

کیا تم نے کہ اُترے تم پر غضب تمہارے پروردگار سے؟ پھر تم نے خلاف کیا میرے

وعدہ کو (۸۷) انہوں نے کہا کہ ہم نے نہیں خلاف کیا تیرے وعدہ کو اپنے اختیار

سے لیکن ہم سے اُٹھوائے گئے بوجھ قوم کے گہنوں کے پھر پھینک دیا ہم نے اُسکو پھر

اسیطرح پھینک دیا سامری نے پھر اُسنے نکالا اُنکے لئے ایک بچھڑا دھڑ والا اُسکے لئے

بچھڑے کی آواز تھی پھر سامری کے لوگوں نے کہا کہ یہی تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا موسیٰ

بھول گیا (۸۸) کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ جواب نہیں دیتا اُنکو کسی بات کا اور نہیں کر سکتا

اُنکے لئے کوئی بُرائی اور نہ کوئی نفع (۸۹) اور بیشک کہا اُنسے ہارون نے پہلے سے کہ اے

میری قوم یقیناً تم اُسکے سبب سے بلا میں پڑے ہو اور بیشک تمہارا پروردگار خدا ہی

پس میری پیروی کرو اور تابعداری کرو میرے حکم کی (۹۰) انہوں نے کہا کہ ہم ہمیشہ اُسی

پر متوجہ رہیں گے جب تک کہ پھر آوے ہمارے پاس موسیٰ (۹۱) موسیٰ نے کہا اے

ہارون کس چیز نے تجھکو روکا

---

* سامری اور اُسکے بچھڑے کا قصہ ہم اپنی تفسیر جلد سوم میں صفحہ ۲۴۷ سے صفحہ ۲۵۳ تک بیان کر چکے ہیں اسلئے یہاں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ

اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ

يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ

فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ

تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ

اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ

مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ

جبکہ تو نے ان کو دیکھا کہ گمراہ ہوئے اس بات سے کہ تو پیروی کرے میری کیا تو نے برخلاف کیا میرے حکم کے (۹۴) ہارون نے کہا اے میرے ماجائے بھائی نہ پکڑ میری ڈاڑھی اور نہ میرے سر کے بال بیشک میں ڈرا کہ تو کہے کہ جدائی ڈال دی تو نے بنی اسرائیل میں اور تو نے خیال نہ رکھا میری بات کا (۹۵) موسیٰ نے کہا پھر کیا ہے تیرا حال اے سامری- سامری نے کہا کہ میں نے دیکھا اس چیز کو کہ نہیں دیکھا اس کو لوگوں نے پھر بھر لی میں نے ایک مٹھی خاک کی نقش قدم رسول سے پھر ڈال دیا میں نے اس کو اور اس طرح اچھا دکھایا مجھ کو میرے نفس نے (۹۶) کہا موسیٰ نے کہ دور ہو پھر بیشک تیرے لئے زندگی میں یہ ہے (یعنی یہی سزا ہے) کہ تو کہے کہ کوئی ملنے والا نہیں اور بیشک تیرے لئے اور وعدہ ہے جو ہرگز خلاف نہ کیا جاوے گا اور دیکھ اپنے معبود کو جس پر تو ہوا تھا متوجہ البتہ جلائیں گے ہم اس کو پھر ہم اوڑا دینگے اس کو دریا میں اوڑا دینا (۹۷) اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارا معبود اللہ ہے کہ نہیں معبود کوئی بجز اس کے- سما گئی ہے ہر چیز اس کے علم میں (۹۸) اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر ان خبروں میں سے جو پہلے گذری ہیں اور بے شک ہم نے دی ہے تجھ کو اپنے پاس سے نصیحت (۹۹) جو شخص کہ منہ پھیرے اس سے پھر بیشک وہ اٹھاوے گا قیامت کے دن بوجھ (۱۰۰) ہمیشہ رہیں گے اس میں اور برا ہے ان کے لیے قیامت کے دن بوجھ اٹھانا (۱۰۱) جس دن کہ پھونکی جاوے گی صور اور کھڑا کریں گے ہم گنہگاروں

يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِن لَّبِثْتُمْ
إِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ
أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْأَلُونَكَ
عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا
قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿١٠٧﴾
يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ وَخَشَعَتِ
الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ
لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَ
رَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ
الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَن يَعْمَلْ
مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا
هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا
فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ
ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

کو اس دن الٹی ہوئی آنکھوں کے (۱۰۲) چپکے سے آپس میں کہتے ہوں گے کہ تم نہیں رہے (یعنی دنیا میں) مگر دس دن (۱۰۳) ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں جب کہے گا ان کے طریقہ میں کا سب سے اچھا کہ نہیں رہے تم مگر ایک دن (۱۰۴) اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال (یعنی قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا) پھر اے پیغمبر تو کہہ دے کہ اوڑاویگا ان کو میرا پروردگار اوڑا کر (۱۰۵) پھر چھوڑ دے گا اس کو (یعنی زمین کو) میدان صاف نہیں دیکھنے کا تو اس میں کچھ ٹیڑھا پن اور نہ اونچان (۱۰۶) اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کی آواز کے نہیں ہونے کا ٹیڑھا پن اس آواز کے چلنے) میں اور بیٹھ جاوے گی آوازیں خدا کے لیے (یعنی خدا کی ہیبت سے) پھر تو نہ سنے گا مگر بھنبھناہٹ (۱۰۷) آج کے دن نہ فائدہ دیگی شفاعت سوائے اس کے جس کے لیے اجازت دی ہو خدا نے اور پسند کیا ہو اس کے لیے اس کا قول (۱۰۸) اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ کہ ان کے پیچھے ہے اور وہ نہیں احاطہ کرتے خدا کے علم کو (۱۰۹) اور رگڑتے ہیں منہ زندہ قائم رہنے والے کے لیے (یعنی خدا کے لیے) اور بیشک نامراد ہوا جس نے اٹھالیا ظلم کو (یعنی اختیار کیا کفر کو) (۱۱۰) اور جس نے عمل کیا اچھا اور وہ ایمان والا ہے پھر وہ نہ ڈرے ظلم سے اور نہ نقصان سے (۱۱۱) اور اسی طرح اتارا ہم نے قرآن عربی زبان میں اور پھیرے طرح طرح سے اس میں بیان کیا ہے ڈر ان سے تاکہ وہ پرہیزگار ہوں یا پیدا کرے ان کے لیے نصیحت (۱۱۲)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ

بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ

رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ

فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا

يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا

مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا

تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ لا وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ

اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ

الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا

سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ

الْجَنَّةِ ۡ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ صلے ثُمَّ اجْتَبٰهُ

رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا

جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ

هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

پس بہت بلند مرتبہ کا ہے اللہ بادشاہ ہے برحق اور جلدی مت کر قرآن کے ساتھ (یعنی قرآن کے طلب کرنے میں) پہلے اس سے کہ اخیر تک پہنچائی جاوے تیرے پاس اس کی وحی اور کہہ اے میرے پروردگار زیادہ دے مجھ کو علم (۱۱۳) اور بیشک ہم نے عہد کیا تھا آدم سے اس سے پہلے پھر وہ بھول گیا اور نہیں پایا ہم نے اس کے لئے قصد کرنا (۱۱۴) اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پھر انہوں نے سجدہ کیا لیکن شیطان نے نہ مانا پھر کہا ہم نے اے آدم یہ دشمن تیرا اور تیری بیوی کا پس نہ نکال دے تم دونوں کو جنت سے پھر تو تکلیف میں پڑے (۱۱۵) اب تو تیرے لئے ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے اس میں (یعنی جنت میں) اور نہ ننگا (۱۱۶) اور بے شک تو نہ پیاسا ہوتا ہے اس میں اور نہ دھوپ سے تکلیف پاتا ہے (۱۱۷) پھر وسوسہ ڈالا اس کے (دل) میں شیطان نے کہا اے آدم کیا میں پہنچا دوں تجھ کو ہمیشہ رہنے کے درخت کے پاس اور بادشاہت کے جس کو زوال نہ ہو (۱۱۸) پھر کھا لیا دونوں نے اس میں سے پھر کھل گئیں اون پر برائیاں ان کی اور لگے لپیٹنے اپنے پر پتے درخت کے اور نافرمانی کی آدم نے اپنے پروردگار کی پھر بہک گیا۔ (۱۱۹) پھر مہربانی کی اس پر اس کے پروردگار نے پھر متوجہ ہوا اس پر اور ہدایت کی (۱۲۰) پھر اتر جاؤ تم سب اس سے (یعنی جنت سے) ایک تم میں کا دوسرے کا دشمن ہے پھر اگر پہنچے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت (۱۲۱) تو جو شخص تابعداری کرے گا میری ہدایت کی نہ تو گمراہ ہوگا نہ تکلیف میں پڑے گا (۱۲۲)

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ

حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ

اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَ

كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ؕ

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ

الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَ

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ

رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ

وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو بیشک اس کے لیے ہے زندگی تنگ (۱۲۳) اور ہم اس کو اٹھاوینگے قیامت کے دن اندھا (۱۲۴) کہے گا اے میرے پروردگار کیوں تو نے مجھ کو اٹھایا اندھا اور بیشک میں تھا دیکھنے والا (۱۲۵) خدا کہے گا ہے تو یہی آئی تھیں تیرے پاس ہماری نشانیاں پھر تو ان کو بھول گیا اسی طرح آج کے دن بھلا دیا جاویگا (۱۲۶) اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں اس کو جو حد سے گزر گیا اور نہیں ایمان لایا اپنے پروردگار کی آیتوں پر اور بیشک عذاب آخرت کا بہت سخت ہے اور ہمیشہ رہنے والا (۱۲۷) کیا نہیں سوجھا ان کو کتنے ہلاک کیے ہم نے ان سے پہلے گروہ آدمیوں کے کہ وہ چلتے پھرتے ہیں انکے گھروں میں بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے (۱۲۸) اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو ہو چکی تیرے پروردگار سے تو عذاب لگ جاتا اور (اگر نہ ہوتا) وقت معین (۱۲۹) پس صبر کر اس پر جو وہ کہتے ہیں اور تسبیح کیا کر اپنے پروردگار کی تعریف کی آفتاب کے نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کی کچھ گھڑیوں میں تسبیح کیا کر اور دن کے کناروں پر شاید کہ تو راضی ہو (۱۳۰) اور مت کھول تو اپنی دونوں آنکھیں اس چیز کی طرف جس سے فائدہ پہنچایا ہے ہم نے لوگوں کو ان میں سے (یعنی کافروں میں سے) آرائش دنیا کی زندگی کی تاکہ ہم مبتلا کریں ان کو اس میں اور بخشش تیرے پروردگار کی اچھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی (۱۳۱) اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا اور قائم رہ تو اس پر۔

لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ

مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ

الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ

لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ

مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع